هدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰة ومما رزقنٰهم ینفقون

اسلام کی صحیح ترین عقلی و نقلی تعلیم

کتاب الاسلام

یعنی

مذہبی تعلیم

کا وہ نادر الوجود ذخیرہ جس کی نظیر آجتک کسی زبان میں موجود نہیں ہے

اور

جس کو متعدد علمائے کرام کی سعی بلیغ اور کثیر مطالعہ کے ساتھ

ابن غوث الاعظم

حضرت مولینا سید نذیر الحق صاحب قادری مدفیضہ

نے تالیف فرمایا

بعد اخذ حقوق اشاعت دائمی علماء کرام و سید صاحب موصوف خالد بن الحمید نے

دوسری بار بماہ جولائی سنہ ۱۹۳۳ء

[illegible] چھپوا کر شائع کیا

بدرگاہِ قاضی الحاجات

میں تیری بزم میں آنے کے قابل تو نہ تھا یارب
مجھے تیری کشش، تیری محبت کھینچ لائی ہے
گناہگارِ اطاعت کو حریمِ ذاتِ اقدس میں
تیری شانِ کریمی، تیری رحمت کھینچ لائی ہے

عطا کر میرے سینے کو محبت نوعِ انساں کی
میرے دل کو گدازِ زندگی سے آشنا کر دے
مزا دردِ محبت کا محبت میں تڑپ کر لوں
اِسی دردِ محبت کو محبت کی دوا کر دے

تیری ہستی کا اک دھندلا سا پرتو ہے مری ہستی
بھرے ہوں گیت وحدت کے مرے بربط کے تاروں میں
جہانِ درد میں مجھ کو ملے سیماب کی قسمت
کہ لکھا جائے میرا نام تیرے بیقراروں میں

ترا ادراک فہمِ ناقصِ انساں سے بالا ہے
کہ تیری جستجو میں عقل کو گمراہ پاتا ہوں
میری آنکھوں کو بینائی کا شکوہ ہے مگر پھر بھی
تجھے ہر چیز میں موجود اے اللہ پاتا ہوں

الٰہی جب تلک زندہ رہوں اس دارِ فانی میں
گذرنے والی گھڑیاں تیری طاعت میں بسر کر لوں
گناہوں کی سیاہی لوحِ دل سے محو ہو جائے
گناہوں کی شبِ تاریک سے پیدا سحر کر لوں

وہ آہیں جو تری درگاہ سے ناکام پھرتی ہیں
میں ان آنکھوں کو اپنے دردِ دل سے پُر اثر کر لوں

الٰہی اس گدائے بینوا کا یہ ناچیز اور حقیر تحفہ قبول فرما

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ ۝ بَارِئِ الْاُمَمِ وَمَوْلَی النِّعَمِ ۝ الَّذِیْ لَا رَادَّ لِمَا حَکَمَ ۝ وَلَا مَانِعَ لِمَا اَعْطٰی وَقَسَمَ ۝ اَلْمُنْفَرِدُ فِیْ وُجُوْدِهٖ بِالْقِدَمِ ۝ اَلْحَاکِمُ عَلٰی مَنْ سَوَاءٍ بِالْغَنَاءِ وَالْعَدَمِ ۝ ثُمَّ یُبِیْدُهُمْ لِفَصْلِ الْقَضَاءِ بَیْنَهُمْ فَیَاْخُذُ لِلْمَظْلُوْمِ مِمَّنْ ظَلَمَهٗ ۝ وَیَجْزِیْ کُلَّ نَفْسٍ بِمَا عَمِلَتْ حَسْبَ مَا عَلِمَ تَعَالٰی وَجَرٰی بِهِ الْقَلَمُ ۝ وَیَتَدَارَكُ بِعَفْوِهٖ مَنْ شَاءَ وَمَنْ شَاءَ مِنْهُ انْتَقَمَ ۝ لَهُ الْاَمْرُ کُلُّهٗ لَا یُسْئَلُ عَمَّا فَعَلَ وَاحْتَکَمَ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ الْمُؤَیَّدِ بِالْحُجَّةِ السَّاطِعَةِ وَالْمُعْجِزَةِ الْبَاهِرَةِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ اٰزَرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ - اَمَّا بَعْد

تمہید آج مسلمانان عالم جس نازک اور پرآشوب دور سے گذر رہے ہیں اسکی نظیر اسلامی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بلکہ اسلامی تاریخ تو کیا پوری انسانی تاریخ میں کوئی ایسا دور نہیں گذرا جس میں ہمارے دور سے زیادہ تغیّرات واقع ہوئے ہوں تمام دینی سیاسی اور اجتماعی کیفیات اور معتقدات کی بُنیادیں ہل گئی ہیں۔

(دینی سیاسی) ایک وقت تھا جبکہ دُنیا کو گمراہی اور کفر و شرک کی گھٹاٹوپ اندھیریوں نے گھیرا ہوا تھا۔ بمقتضائے عادت الٰہیہ سلام کے روشن آفتاب نے اُفق مشرق سے طلوع کیا اور اپنی تدریجی و ارتقائی رفتار کے ساتھ بلند ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک وقت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کے نصف النہار پر جا پہنچا۔ ظلمتکدہ عالم بقعہ نور بن گیا۔ بصارت و بصیرت سے بے بہرہ لوگ بدستور گمراہی میں پھنسے رہے غرض اسلام کے اس منور آفتاب سے قلوب کی دُنیا جاگ اُٹھی۔

اب خالق السمٰوات والارض کی سنّت قدیمہ کے موافق یہ وقت بھی آیا کہ یہ آفتاب ڈھلنا شروع ہوا۔ اور افق مغرب کے قریب پہنچ گیا۔ یعنی سرور کائنات اور دُنیا کے مصلح اعظم جناب محمد رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی پھر آپ کی پیشینگوئی کے مطابق جو دن بھی آیا تنزّل کو اپنے دامن میں لیکر آیا۔ جو ہفتہ بھی آیا

بدوس - جو مہینہ بھی آیا اضطراب و انقلاب کی دُنیا لئے ہوئے اور جو سال بھی آیا فتنوں کی ...
لئے ہوئے آیا یہاں تک کہ لیل و نہار کے انقلاب نے تیرہویں صدی پوری کر دی - اب حالت
یہ ہے کہ ہر طرف الحاد و زندقہ کی ہوائیں کیا بلکہ آندھیاں چل رہی ہیں - دہریت کا سیلاب اُمڈا چلا
آتا ہے - اخلاق و روحانیت پر چاروں طرف سے امراض خبیثہ کے حملے ہو رہے ہیں - ایمان و
ایقان کی مضبوط چٹانوں سے جہل و اوہام اور شکوک و ظنون ٹکرا رہے ہیں - متاع ایمان پر ہر
طرف سے ڈاکے پڑ رہے ہیں - گو ہر ایمان و عرفان کے لُٹیرے اُس گرانبہا دولت کو فرزندانِ توحید
سے چھین لینے کے لئے تاک جھانک لگا رہے ہیں - غرض آدم کی سرکش بدمست اور نافرمان
اولاد نورِ حق کو اپنی پھُوکوں سے بُجھا دینے پر تُلی ہوئی ہے - باعث ماتم اور موجب تشویش و
پریشانی تو یہ امر ہے کہ ہر فتنہ کی زد اسلام پر ہے - تمام فتنے فرزندانِ توحید کو ہی راہِ حق سے
بھٹکا دینے کی دعوت دے رہے ہیں - بلکہ بعض فتنے تو خود اسلام کا مارِ آستین بن کر اس کو فنا
کر دینے پر تُلے ہوئے ہیں - اب سوال یہ ہے کہ :-

ہر فتنہ کا رُخ مسلمانوں ہی کی طرف کیوں ہے ؟

صرف اس لئے کہ وہی اپنے پاس مذہب حقّہ رکھتے ہیں - لہذا الحاد و دہریت کی آندھیوں سے
اگر کسی کو خوف ہو سکتا ہے تو صرف مسلمانوں کو - جو پہلے ہی گمراہ اور باطل پرست ہیں - ان کو موجودہ
دور میں فتن کا کیا کھٹکا ہے اور مزید گمراہیاں ان کا کیا بگاڑ سکتی ہیں - چونکہ ڈر اس کو ہوتا ہے جو
مال رکھتا ہے - جو مال ہی نہیں رکھتا اُس کو چوروں اور ڈاکوؤں کا کیا ڈر ہو سکتا ہے - سو بحمد اللہ
صرف مسلمان ہی چونکہ دولت ایمان رکھتے ہیں اور ساری دُنیا اس گوہرِ نایاب سے تہیدست ہے اس وجہ
سے مسلمانوں کو موجودہ فتنوں کی سرکوبی کے لئے سب سے زیادہ سرگرم ہونا چاہئے -
خدا جزائے خیر دے متکلمین اور محققین اسلام کو جنہوں نے مذہب حقّہ کی حمایت و حفاظت کا

[illegible]

فریب کاریوں کا طلسم نہ توڑ دیا ہوتا - مذہب کی سطح پر قائم رہتے ہوئے حجت و استدلال
سے متعلق کچھ اصول و قواعد وضع کر کے تمام باطل توہمات کی قلعی نہ کھول دی ہوتی اور معترضین
کی حیلہ فریبیوں کا پردہ فاش اور مخالفین اسلام کی نکتہ چینیوں کا سدّ باب نہ کر دیا ہوتا اور
مذہب اسلام کو ہر طرح مضبوط فصیلوں اور دمدموں سے مضبوط نہ کر دیا ہوتا تو نہ

معلوم مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا اور اسلام کا تعلیمی نظام کس حالت میں ہوتا۔
جہاں اسلام کو عقلی اور نظری حیثیت سے نئے حالات وتغیرات کا سامنا ہے۔ اور اس وجہ سے مسلمانوں کا صراط مستقیم سے بھٹک جانے کا کھٹکا لگا ہوا ہے۔ وہاں دوسری طرف ہماری قوت روز بروز انحطاط پذیر ہو رہی ہے۔ قوم کی اساسی بنیادیں کمزور ہو رہی ہیں۔ نظام جماعت ملل اندازی کی ذہنیت عام اور ملت واحد کا شیرازہ پراگندہ ہو رہا ہے۔ عمل کی قوتیں مفقود ہیں۔ اور مسلمانوں میں ایمان کی پختگی۔ اخلاق کی پاکیزگی۔ معاملات کی صفائی۔ اسلامی آداب ومعاشرت کی پابندی اور عمل کی صلاحیت کم ہو رہی ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ وہ مذہب اسلام اور دین قیم کی تعلیمات سے تہی دامن ہو گئے۔ مبصرین ملت اور علمائے اسلام کو کما حقہ' اس حالت کا احساس ہے۔ اور وہ اس کا تدارک بھی کر رہے ہیں۔ اور کل عالم اسلام اس خیال ویقین پر متفق ہے۔ اور ہر مسلمان غیر متزلزل عقیدہ رکھتا ہے۔ کہ جبتک مسلمان مذہب اسلام کو مضبوطی کے ساتھ نہیں پکڑیں گے اور صحیح معنوں میں مسلمان نہ بنیں گے۔ اُس وقت تک وہ کسی قسم کا دینی و دنیوی عروج وکمال حاصل نہیں کر سکتے۔

وہ چونکہ اپنے پاس ایک تجربہ شدہ یقینی اور خدائی مکمل دستور العمل رکھتے ہیں جو اُن کی دینی و دنیوی کامیابیوں اور فائز المرامیوں کا ضامن ہے۔ اس لئے بغیر اسلامی تعلیمات کی رہبری کے اُن کا اُبھرنا اور اُٹھنا محالات سے ہے۔ نیز اس پر آشوب زندگی اور خطرات ومصائب سے جو چیز ہمیں بچا سکتی ہے اور ترقی وسعادت کی طرف رہنمائی کر سکتی ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تفہیم وتعمیل اور شریعت اسلام کی پیروی ہے اور یہ اُس وقت ممکن ہے۔ جبکہ مسلمان اسلام سے پوری واقفیت بہم پہنچا لیں، اور قرآنی فہم وعمل کی راہ سے روکاوٹیں۔ دقتیں اور مشکلیں دور ہو جائیں۔

چنانچہ اس احساس اور ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے "مذہبی تعلیم" کی یہ جامع کتاب لکھی گئی ہے کہ مذہب اسلام کا کوئی ضروری مسئلہ کوئی موضوع اور کوئی عنوان ایسا باقی نہ رہا ہے جو اس کتاب میں دستیاب نہ ہو۔ تاکہ ان کو کسی اور کتاب کی ورق گردانی نہ کرنی پڑے۔ گویا جس گھر میں یہ کتاب ہو۔ اس گھر میں کتابی رنگ میں پورا اسلام موجود ہو۔

اگرچہ تفسیر- اصول تفسیر- حدیث - اصول حدیث - فقہ - اصول- فقہ - علم کلام
منطق - فلسفہ - علم بیان اور تاریخ کا کوئی علم وفن ایسا نہیں جو اُردو زبان میں نہ آگیا ہو اور مسلمانوں
کی عربی زبان سے ناواقفیت علوم اسلامی کی تحصیل سے اُنہیں باز رکھ سکتی ہو- مگر مسلمانوں
کے پاس اتنا شوق - وقت اور سرمایہ کہاں ہے کہ ہر علم وفن کی کتابیں خرید کر اُن سے استفادہ
حاصل کریں - اور اپنے علمائے اسلام کو دعائے خیر دیں - جن کی کوششوں سے ہمیں دینی مسائل
میں واقفیت بہم پہنچی - آسانیاں میسّر آئیں اور ہماری مشکلیں آسان ہوئیں -

ضرورت تھی کہ اُردو زبان میں ایک ایسی جامع کتاب ہو جو دین و مذہب کے پانچوں
اجزاء، عقائد، عبادات، معاملات، آداب معاشرت اور اصلاح نفس پر حاوی ہو - اور یہ
ضرورت اس ناچیز محنت وکاوش کے ذریعہ پوری کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے
اور یہ ٹوٹی پھوٹی پونجی جیسی کچھ بھی ہے ہدیۂ ناظرین ہے -

گر قبول افتد زہے عزوشرف

واللہ علیٰ مانقول شہید ٥ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب ٥
والسلام خیر ختام

خیر خواہ اسلام والمسلمین
سیّد نذیر الحق میرٹھی

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

پہلا باب

اِسلام اور مسلمان

مذہب کسے کہتے ہیں؟

مذہب عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی راستے کے ہیں اور اصطلاح میں مذہب اُس راستے کو کہتے ہیں جس پر چل کر انسان اپنے مقصد کو بروجہ کمال حاصل کرتے ہوئے منشائے خداوندی کو پورا کرے۔ یا دوسرے لفظوں میں مذہب اس مجموعہ قوانین کو کہتے ہیں جن پر عمل کر کے انسان معراج کمال تک پہنچ جائے۔ انسان اپنے مقصود کو پہچان لے اور تاریک و پُر آشوب زندگی کے طوفان میں انسانیت کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو اُن قوانین کی پابندی سے کامیابی و فائز المرامی کے نور کی طرف لیجائے۔

مذہب کا فائدہ اور مقصود یہ ہے کہ انسان اخلاق اور روحانیات کی منزلیں طے کرے۔ اخلاق کی عظمت اور امن و سکون کی وقعت معلوم کرے۔ صدق معاملات کی ضرورت و اہمیت کا احساس کرنے لگے۔ پاکیزگی سیرت کی سچی طلب پیدا ہو جائے۔ عقائد و عبادات اور اخلاق و معاملات کے تعلق کو سمجھ لے۔ اس میں بلند خیالی۔ مساوات۔ رواداری اور خدمت ہمدردیٔ نوع انسانی کے جذبات صادقہ پیدا ہو جائیں اور رذائم اخلاق مثلاً تنگ ظرفی۔ خود غرضی۔ حرص و طمع۔ فریب۔ دھوکہ۔ حسد۔ غیبت۔ چغلی۔ بہتان وغیرہ ...انی اور امراض قلبی سے انسانی زندگی پاک و صاف ہو جائے۔ یعنی انسان اپنی زندگی کو "حسن عمل" کی ایک زندہ مثال بنا دے اور پاکیزگیٔ حیات کے نور سے انسان کی ہستی جگمگا اٹھے۔ مختصر لفظوں

ہیں مذہب کے معنی صحیح اور حقیقی راہ عمل ہیں اور اس سے مقصود تکمیل اخلاق ہے۔ پس اب مذہب کی تعریف یہ ہوئی۔

مذہب کی تعریف وہ تمام انسانی قوائے فطریہ کو ایک ایسی روش پر چلانے کی ہدایت کرتا ہے جس سے انسان اپنے وجود کے حقیقی منشا کو بر وجہ کمال حاصل کر سکے اور دُنیا میں امن وسکون کی عالمگیر فضا پیدا ہو جائے۔

سوال - آپ نے بتلایا ہے کہ مذہب کا مقصود فطری زندگی بسر کرنا اور منشائے خداوندی کو پورا کرنا ہے۔ مگر یہ تو بتلائیے کہ دُنیا میں زندگی کا مدعا کیا ہے۔ اور اس کا حصول کس طرح ہوتا ہے جبکہ انسان نے اپنی طبائع کے اختلاف سے مختلف طور کے مدعا اپنی زندگی کے ٹھہرائے ہوئے ہیں اور الگ الگ منتہائے کمال قرار دئے ہوئے ہیں۔

جواب - انسان کو اپنی زندگی کا مدعا ٹھہرانے کا ہرگز ہرگز حق حاصل نہیں اور اُسے یہ مرتبہ حاصل نہیں کہ اپنا منتہائے کمال آپ اپنے اختیار سے مقرر کرلے۔ کیونکہ انسان کو اپنی زندگی پر کوئی اختیار حاصل نہیں۔ نہ وہ اپنی مرضی سے دُنیا میں آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے اس دُنیا سے واپس جائے گا بلکہ وہ ایک مخلوق اور اپنے خالق کی مرضی کا تابع ہے۔ تو جب اُسے اپنی موت و حیات پر ہی کوئی اختیار نہیں تو وہ اپنی زندگی کا مقصد ہی کیسے ٹھہرا سکتا ہے۔ یہ اختیار اُسی مالک اور خالق کو ہے جس نے ہمیں دُنیا میں بھیجا اور جس کے قبضہ میں ہماری موت وحیات ہے۔ سو خالق کائنات نے ہماری زندگی کا مقصد اپنی معرفت اور پرستش قرار دیا ہے۔ پس اصل مدعا انسان کی زندگی کا خدا تعالیٰ کی عبادت و معرفت ہے جس میں کسی مذہب کو اختلاف نہیں۔ خواہ اِس مدعا کو کوئی انسان سمجھے یا نہ سمجھے۔ بہرحال انسان کی پیدایش کا مقصد خُدا کی عبادت و معرفت ہے۔

اس مقصد اور مدعا کا حصول مذہب پر چل کر ہوتا ہے۔ یعنی مذہب اس مدعا کے حصول کے طریقے اور راہیں سمجھاتا ہے۔ اور ہر قسم کے نشیب و فراز سے بچا کر صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ یہ مختلف طور کے مدعا انسان نے اس لئے ٹھہرائے ہوئے ہیں کہ مذہب والوں نے مذہب کا مفہوم الگ الگ قرار دیا ہوا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ مذہب اس کا نام ہے کہ کسی خاص طریقہ سے عبادت کرلی جاوے۔ کسی قسم کی نذر نیاز اور قربانی دیدی جائے اور ریاضت شاقہ کے ذریعہ خدا کو خوش کیا جاوے۔ بعض لوگ مذہب کی غرض وغایت یہ سمجھتے ہیں کہ خاص شخصیتوں

کی تعریف وتوصیف بیان کی جائے اور کسی قومی ہیرو کی اطاعت کے لئے عالمگیر خراج وصول
کیا جائے۔ اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ انسانی نجات کے لئے خدا اور انسان میں کوئی وسیلہ ڈھونڈھا
جائے۔ ان چیزوں اور رسمی عبادتوں کو منتہائے کمال سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جھوٹے اور
انسان کے ایجاد کئے ہوئے مذہبوں نے نجات کے علیحدہ علیحدہ اصول وضع کر لئے ہیں
جس کی وجہ سے لوگ اپنی زندگی کے مدعا سے الگ جا پڑے ہیں۔

دین کے اجزاء

پانچ چیزیں ہیں۔ عقائد۔ عبادات۔ معاملات۔ آداب معاشرت
اصلاح نفس۔ عقائد کا تعلق روح سے ہے اور باقی اجزاء کا تعلق
جسم سے۔ ہیں قرآن کریم نے دو قسم کے احکام دئے ہیں۔ ایک اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ
یعنی اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور دوسرے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یعنی خدا
اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔ مختصر یہ کہ قرآن کریم کی تمام تعلیم ایمان وعمل صالح پر منحصر ہے۔

اٰمِنُوْا سے مراد علمی قوت۔ قلبی حرکت اور انسانیت کے بلند ترین مقاصد کو سامنے
رکھنا ہے۔ اور اَطِیْعُوْا سے مقصود ایسے ذرائع کا اختیار کرنا ہے۔ جس سے انسان اپنے
مطلوبہ مقاصد تک پہنچ سکے۔ اٰمِنُوْا نجات کی سچی طلب اور "عمل صالح" کی تیاری ہے اور
اَطِیْعُوْا مقصود کا حاصل کرنا۔ اور زبان و دل اور دعویٰ وعمل کا ثبوت دینا ہے۔ مختصر یہ کہ
اٰمِنُوْا روح ہے اور اطیعوا جسم ہے۔ جبتک جسم اور روح کا اشتراک نہ ہو۔ صحیح راہ عمل
اور سچی مذہبی زندگی پیدا نہیں ہوسکتی۔

دنیا کو مذہب کی کیوں ضرورت ہے

انسان کو مدنی الطبع کہتے ہیں یعنی آدمی کی سرشت ہی میں یہ بات ہے
کہ اپنے ہمجنسوں سے مل کر رہے۔ کیونکہ وہ بدون دوسرے
ابنائے جنس کی مدد ومعاونت کے زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اُسے
زراعت کی ضرورت ہے۔ تاکہ طعام حاصل کیا جاسکے۔ جس کے بغیر آدمی زندہ نہیں رہ سکتا الہٰذا
اُس کا مہیا ہونا لازمی ہے۔ دوسری ضرورت انسان کو صنعت کی ہے۔ مثلاً کپڑا فراہم کرنا جس
سے آدمی اپنا بدن چھپا سکے۔ تیسری ضرورت مزدوری اور صنعت کی ہے۔ مثلاً نجاری، آہنگری
اور معماری وغیرہ کی تاکہ آسائش وراحت اور شب بسری کا سامان میسر آسکے۔ اور چوتھی ضرورت
سیاست یعنی ایسی قوت قاہرہ مسلّط کی ہے تاکہ اُسکے سبب تمام لوگ بخوبی اور بے کھٹکے اپنے
اپنے کام کو سرانجام دے سکیں۔ ایک دوسرے کے مفاد آپس میں نہ ٹکرائیں اور سب مل جل کر امن

سکون کی زندگی بسر کر سکیں سیاست یا قوت قاہرہ کی ضرورت اس لئے اور بھی ہے کہ انسان کا کام بغیر مل جل کر رہنے کے ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔ اور مل جلکر رہنے میں ایک دوسرے پر ہر وقت ظلم و تعدی کا لازمی اور یقینی خوف ہے۔ لہذا ایسے شخص اور خیال کی ضرورت پڑی جس کے خوف اور رعب سے لوگ ایک دوسرے پر ظلم و تعدی نہ کر سکیں۔

اس تفصیل سے دو چیزوں کا ثبوت ہوا مذہب و سیاست۔ مذہب عقول و ارواح اور جذبات و تخیلات پر حکمرانی کرتا ہے۔ تو بادشاہ صرف جسموں پر۔ روحانی سلطنت نفس ناطقہ کو ہوائی اور شہوانی قوتوں پر غالب آتی ہے اور بداخلاقی کی جو دنیا میں فتنہ و فساد اور قتل و خونریزی کی جڑ ہے بیخ کنی کرتی ہے اور دنیا میں امن و سکون اور پریم و محبت کی ایک عام فضا پیدا کرتی ہے مگر جسمانی سلطنت بداخلاقی اور قتل و خونریزی کے صرف برگ و بار کاٹتی ہے۔ دنیا سے فتنہ و فساد کی جڑ کاٹ دینا اس کے اختیار سے باہر ہے۔

بس اگر بغیر سلطنت و حکومت کے امن و چین اور خوش اسلوب زندگی بسر کرنا محال ہے، تو صحیح اور سچے خدائی مذہب کے بغیر تہذیب و تمدن اور راحت و آرام حاصل کرنا بدرجہ اولی محال اور قطعی ناممکن ہے۔ کیا سلطنت کے قوانین کی پابندی بغرض حفظ و امن ملک کے ہر قوم و فرد پر لازم نہیں آتی۔ یہ سلطنت کے قوانین کیا ہوتے ہیں؟ وہ بھی انسان کا مرتب کیا ہوا ایک مذہب ہوتا ہے۔ انسان اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے جو بھی طریقہ اور وسائل اختیار کرے وہی اس کا مذہب ہے جس کے بیشتر صحیح وسائل خدائی قانون سے اخذ کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ بس خدائی مذہب کی پابندی اور پیروی بھی ہر قوم و فرد پر لازمی ہے۔ جس کے بغیر انسانی سلطنت اور تمدن ایک لمحہ بھی زندہ اور کارآمد نہیں رہ سکتے۔

چونکہ صحیح راہ عمل (مذہب) اختیار کئے بغیر انسان کامیاب اور خوش حال زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ جو دنیا کو پیدا کرنے والے مالک الملک اور خالق السمٰوات والارض کا مدعا ہے اور جو انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ دنیا بھر میں کونسا ایسا باسمجھ شخص ہو گا۔ جسے کامیاب و بامراد اور پرامن زندگی کی تلاش اور تمنا نہ ہو۔ اور وہ بدامنی سے خائف نہ ہو۔ اس لئے یہ غرض حاصل کرنے کے لئے انسان کو مذہب کی ضرورت ہے۔ لہذا کہا جا سکتا ہے کہ صرف مذہب ہی دنیا میں امن قائم کر سکتا ہے۔ یعنی مذہبی احکام کی پابندی ہی سے امن شکن اور نظم و اتحاد توڑ ڈالنے والے افعال کا سدباب ہو سکتا ہے۔ مذہب ہی تہذیب و تمدن کی پرورش کرتا ہے

...ینی اور دُنیوی ترقیوں کی راہیں کھولتا ہے۔ اور بالآخر انسان کو خدا سے روشناس کراتا ہے۔

آج دُنیا اختلافات ومساوات انقلابات وتغیّرات اور خود غرضیوں کی بدولت ...یک جہنّم کدہ بنی ہوئی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ مذہبی گرفت ڈھیلی ہوتی جارہی ہے۔ قلوب و ...رواح سے مذہبی اثر زائل ہوتا جارہا ہے اور مذہب سے لاپرواہی اور نفرت برتی جارہی ہے حالانکہ ...نظامِ کائنات محض مذہب کی بدولت قیام پذیر ہے۔ ورنہ اگر ایک دم تمام دُنیا مذہب کی آغوش ...بیت سے علیحدہ ہوجائے تو یہ نظام کائنات بھی آدم کی ظلم انگیزیوں سے درہم برہم ہوجائے ...ذہب ہی ہے جو دُنیا کو تھامے ہوئے ہے۔ دُنیا والوں کے عقول واذہان کی رہنمائی کر رہا ہے ...موجودہ علوم وفنون سے شادکام بنارہا ہے۔

...وال۔ آپ نے بتلایا کہ مذہب کی گود میں رہ کرہی سچّی مذہبیت زندہ رہ سکتی ہے اور ...م کی ترقی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو یورپ کے دہریے اور روس کیوں ترقی کر رہے ہیں ...وہاں کیوں ہندوستان سے زیادہ امن وآسائش میسّر ہے۔ آج دُنیا میں مذہب کے خلاف ...ں طوفان بپا ہے۔ اور اُس کو آزادی وترقی کی راہ میں رُکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔

...ب۔ آج دُنیا میں جہاں کہیں بھی امن وآسائش پائی جاتی ہے اور جو قوم بھی ترقی پذیر ہے وہ ...ذہبی اصول وقوانین ہی کا اثر ہے۔ اور خدائی قانون حیات کی پابندی کا نتیجہ ہے یورپ کی ترقی اور روس کے امن کے تمام اصول مذہب سے ماخوذ ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ خود انکو یہ معلوم نہ ہو کہ ہم کن اصولوں پر چل رہے ہیں۔ دُنیا جس قدر مذہب سے متنفر اور علیحدگی کا اظہار کر رہی ہے اُسی قدر مذہب کے نزدیک آرہی ہے۔ زبانیں مذہب کا استخفاف کر رہی ہیں مگر انسانی فطرت اور عقول وافہام مذہبی قوانین کو قبول کر رہی ہیں۔ خوب یاد رکھئے کہ مادّی اور روحانی ترقی بغیر مذہب کی پابندی کے ہو نہیں سکتی۔ کسی متمدّن اور ترقی یافتہ ملک کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی جس نے مذہب کو خیرباد کہکر ترقی اور آزادی حاصل کی ہو کیا افغانستان مذہب اسلام کا پابند ...تے ہوئے شاہراہِ ترقی پر برق رفتاری کے ساتھ گامزن نہیں۔ کیا ایران مذہبی دائرے کے اندر ...ے ہوئے آسمان ترقی پر درخشاں نہیں۔ کیا جاپان بُدھ مت کا حلقہ بگوش رہتے ہوئے مغرب ...صنعت وحرفت کا مقابلہ نہیں کر رہا۔ کیا ترکی اسلام کی آغوش تربیت میں رہتے ہوئے ...دبور وشوکت اور ترقی واقبال میں کسی سے کم ہے۔ کیا خود یورپ عیسویت کے زیر سایہ ...س کی روشنی سے مشرق کی آنکھیں خیرہ نہیں کر رہا ہے۔ غرض باستثنائے روس تمام دُنیا

مذہب ہی کے زیر اثر ترقی کر رہی ہے۔ اور روس کے متعلق ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ وہ بھی مذہبی قوانین ہی پر عمل پیرا ہے۔ اگر اُسے انکار ہے تو صرف زبانی۔ روس کو حریت و مساوات۔ امن و آسائش اور ہمدردی و خدمت انسانی کا سبق مذہب ہی نے دیا ہے۔ اگر دُنیا میں مذہب نہ ہوتا تو اُسے یہ اصول کون بتلاتا۔

یہ تو زمانہ حال کی نظیریں تھیں۔ اگر زمانہ قدیم پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بابلیوں۔ ایرانیوں۔ مصریوں۔ عربوں اور ہندوستانیوں نے مذہب ہی کی آغوش میں تربیت پاکر اپنی ترقیات کی یادگاریں چھوڑی ہیں۔ خصوصاً مذہب اسلام کے پیرو تو اپنی مادی و روحانی ترقیوں میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ عربوں کی ہستی محفل اقوام میں کسی وقت بھی قابلِ ذکر نہ تھی۔ لیکن جب یہی گمنام قوم آغوشِ اسلام میں آئی تو خاک سے اُٹھ کر افلاک پر جا پہنچی۔ متبعین اسلام کے یہاں عزت و حشمت اور دولت و اقبال کی جس قدر بھی رونقیں تھیں وہ جناب حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے کرشمہ رحمت و اقبال اور تعلیم و تربیت کا ظہور تھا۔ فقیروں نے آپ کے در کی جبہ سائی کی بادشاہ بن گئے۔ شتربان آپ کے ساتھ لگے اور چلے اور حکمراں و جہانباں ہو گئے۔ آپ کی صحبت نے ناچیز ذرّوں کو لعل و جوہر میں تبدیل کر دیا۔ قطروں کو دریا بنا دیا۔ مس خام کو کندن بنایا اور صحراؤں کو گلزار بنا کر رکھ دیا۔ یہ سب کچھ مذہب ہی کا کرشمہ اور اثر تھا۔ اگر وہ آغوش اسلام میں نہ آتے تو آج دُنیا میں اُن کا نام بھی نہ لیا جاتا۔

مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے

یہ بات ہم اس عنوان میں شروع سے بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس عنوان کے ماتحت ذرا اور وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی جائے گی تاکہ مذہب کی ضرورت و اہمیت کا کماحقہٗ احساس ہو جائے۔

قدرت کاملہ نے انسان کو ایک ایسی عام قوت عطا فرمائی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ اپنی ضروریات کو فراہم کرتا ہے۔ مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے۔ دشمنوں کے مقابلہ کے لئے مدافعت کے سامان تیار کرتا ہے۔ بیماریوں کا علاج کرتا ہے۔ دھوپ۔ گرمی اور جاڑے سے محفوظ رہنے کے لئے قسم قسم کے لباس اور مکانات بناتا ہے اور ہر طرح آرام و آسائش کے سامان بہم پہنچاتا ہے۔

اس عام قوت کا نام عقل کلی ہے - جس کا کام دفع مضرت و جلب منفعت ہے اور نیکی و بدی کی راہ میں تمیز کرنا ہے - لیکن بعض وقت عقل پر خواہش نفس غالب آکر سلر ے کام ملیا میٹ کر دیتی ہے اور نفس کا مغلوب انسان خود اپنے اور ابنائے جنس کے لئے نہایت خطرناک اور سیاست داں کی راہ میں ایک بھاری پتھر بن جاتا ہے - حرص وطمع اس کو آمادہ کرتی ہے - کہ وہ اپنے بیگانے اور دوست دشمن کے مال و زر پر قبضہ کرلے اور ساری دُنیا کا عیش و آرام اپنے ہی لئے مخصوص کرلے - کینہ پروری کا تقاضا ہوتا ہے کہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے - جاہ طلبی کہتی ہے کہ تمام دُنیا کی گردنیں اُسی کے سامنے جھک جائیں اور خواہش نفس مجبور کرتی ہے کہ دُنیا میں کسی کا شیشۂ عصمت محفوظ نہ رہنے پائے - عقل ان مدنیت سوز جذبات و خواہشات سے انسان کو روکتی ہے اور قدم قدم پر ٹوکتی ہے - لیکن بعض موقعے ایسے پیش آتے ہیں - کہ حکومت کا خوف ملامت کا ڈر - جاسوس کا کھٹکا - بدنامی کا احتمال اور انتقام کا خطرہ کچھ نہیں ہوتا اور عقل مخالفوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی - ایسے موقع پر ایک اور روحانی قوت اور پاکیزہ جذبہ سینہ سپر ہوجاتا ہے جس کو کانشنس - حاسۂ اخلاق یا نور ایمان کہا جاتا ہے اور یہی مذہبی جذبہ ہے - بس یہ چیز انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے - چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے - قولہ تعالیٰ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ط

(ترجمہ) اپنا منہ سب طرف سے موڑ کر دین کی طرف کر یہ وہ خدا کی فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو مخلوق کیا ہے - خدا کی خلقت میں تغیر نہیں ہوتا - یہی ٹھیک دین ہے - لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں - یہاں سے ثابت ہوا کہ سیاست بغیر مذہب کے ہلاکت - تمدن بلا مذہبی قوانین کے وحشت و بربریت اور معاشرت بلا مذہبی قیود کے آفت ہے - اگر تمدن و معاشرت اور سیاست میں نفسانی خواہشات کو حد اعتدال پر رکھنے والی کوئی قوت انسانی جذبات پر قابو رکھنے والا کوئی اثر نہ ہو اور حفظ و امن کی کوئی حد مقرر نہ ہو - تو امن و ترقی اور انسانی زندگی محال ہے - اور یہ کام صرف کوئی جسمانی حکومت سرانجام نہیں دے سکتی - بلکہ انسانی جذبات پر قابو رکھنا اور کھلے چھپے حد معین سے متجاوز نہ ہونے دینا - یہ طاقت اور کام صرف مذہب کا

ہے۔ اس کے سوا یہ اثر و اقتدار کسی بھی طاقت کو حاصل نہیں۔

فرانس کا مشہور فاضل معلّم رینمان جو مذہب کا پابند تھا۔ اپنی کتاب مذہب میں لکھتا ہے کہ "یہ ممکن ہے کہ کل وہ اشیاء جن کو ہم محبوب رکھتے ہیں۔ اور کُل وہ چیزیں جو لذائذ زندگی میں محبوب ہیں مٹ جائیں۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ مذہب دنیا سے معدوم ہو جائے یا اُس کی قوّت میں زوال آ جائے۔ وہ ہمیشہ علانیہ اس بات کا ثبوت دیگا کہ مادّی مذہب (میٹریلیسٹ) بالکل غلط ہے جو یہ چاہتا ہے کہ انسان کی دماغی قوّت اس پست خاکی زندگی تک محدود رہ جائے۔

پروفیسر ستبیہ ( ) فلسفہ دینیہ میں لکھتا ہے کہ "میں کیوں پابند مذہب ہوں؟ اس لئے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ پابند مذہب ہونا میری ذاتیات میں ہے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ وراثت یا تربیت یا مزاج کا اثر ہے۔ میں نے خود اپنی رائے پر یہی اعتراض کیا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ حل نہیں ہوتا مذہب کی ضرورت جس قدر مجھ کو اپنی ذاتی زندگی کے لئے ہے۔ اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے۔ مذہب کے شاخ و برگ ہزاروں دفعہ کاٹ ڈالے گئے۔ لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہتی ہے اور اُس نے نئے برگ و بار پیدا کر لئے ہیں۔ اس بناء پر مذہب ابدی چیز ہے۔ جو کبھی زائل نہیں ہو سکتی۔ مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو اور گہرا کرتے جاتے ہیں۔ انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قائم ہوئی ہے اور اُسی سے قوّت پائے گی۔"

دُنیا کے اخلاقی نظم و نسق کو اسی حاسہ مذہبی ہی نے تھام رکھا ہے ورنہ اگر تعلیم و تمدّن پر مدار ہوتا تو یورپ کا اخلاقی پلّہ اسی قدر تمام دُنیا سے بھاری ہو گیا ہوتا جس قدر تعلیم و تمدّن میں اُس کا پایہ بلند ہے۔ (الکلام صفحہ ۱۹)

مذہب کے فطری ہونیکی تفصیل مذہب کے فطری ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جیسے زندہ رہنے کے لئے کھانے پینے اور گرمی سردی سے بچنے کی ضرورت۔ اولاد کی محبّت۔ دشمنوں اور مخالفوں سے بچاؤ اور انتظام کی خواہش۔ ضروریات و خواہشات کی تکمیل اور کمال کی قدر دانی وغیرہ وغیرہ چیزیں تمام دُنیا کے آدمیوں میں مشترک پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح دُنیا میں ہر قوم۔ ہر نسل ہر طبقہ

حاسہ اخلاقی ہی مذہب کی حقیقت ہے چنانچہ تیسویں پارہ میں سورہ والشمس میں ارشاد ہو
قولہ تعالیٰ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا اور ہم نے انسان کو نیکی اور بدی دونوں کا الہام
کیا ہو. قرآن کریم کے پہلے پارہ اور تیسرے رکوع میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش
اور خلافت کا ذکر فرمایا ہو وہاں ساتھ ہی یہ بھی بتلایا ہے کہ آپ کو اسی وقت خلعت نبوت سے
نوازا گیا تھا یعنی مذہبی شرف وفضیلت کی وجہ سے مسجود ملائک بنایا گیا تھا.

مذہب کی اصل خدا کی ہستی کا اعتراف ہے اور یہ چیز روز ازل ہی سے انسانی فطرت میں
ودیعت کی گئی ہو جیسا کہ پانچویں پارہ سورہ انعام میں ارشاد ہو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى
شَهِدْنَا یعنی روز ازل ہی میں تمام روحوں نے خدا کی ہستی کا اعتراف کر لیا تھا پس دنیا
میں جب سے انسان ہو اسی وقت سے مذہب ہے.

مذہب کی صداقت کا معیار کیا ہو

یہانتک تو یہ ثابت ہو چکا کہ مذہب ایک فطری چیز ہے اور مذہب کی ضرورت واہمیت
پر عامیانہ رنگ میں روشنی ڈالی گئی ہے لیکن ہم نے ابھی تک تمام مذاہب میں سے کسی
ایک کی ترجیح کی وجہ نہیں بتلائی سو اب اس عنوان کے ماتحت مذہب کی صداقت
کا معیار بتلایا جاتا ہے.

سو جاننا چاہیئے کہ دنیا میں سینکڑوں اور ہزاروں مذہب ہیں ہر ایک مذہب والا اپنے
آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور دوسروں کو گمراہ بتلاتا ہے اپنے مذہب کو خدائی اور نجات کا ذریعہ
بتلاتا ہے اور دوسرے مذاہب کو باطل اور انسانی اختراع ثابت کرتا ہے ہر مذہب کے عقائد
عبادت. رسومات اور عمل کے راستے ایک دوسرے سے جدا اور بالکل الگ ہیں ان عقائد
میں سخت اختلاف اور تصادم ہے کہ خدا کی صفات کیا ہیں؟ عبادت کس قسم کی فرض ہو اور کیوں
فرض ہے. جزا وسزا سے کیا غرض ہے. مرنے کے بعد کیا ہوگا اور نبوت کے کیا معنے
ہیں. اور نبوت کا صحیح معیار کیا ہے.

ان سوالات کا تمام مذاہب میں یکساں جواب نہیں ملتا البتہ باوجود ان مذہبی
اختلافات اور تصادم خیالات کے تمام مذاہب والے خدا طلبی کے نقطہ پر مجتمع اور متفق
ہیں جس کو دیکھو خدا طلبی کا صحیح جذبہ اور نجات اخروی کا دھیان ہر ایک کے دل کی گہرائیوں
میں موجود ہے. اور ہر شخص اگلی زندگی سنوارنے. مصیبتوں سے نجات پانے. اور

ابدی سکھ حاصل کرنے کی فکر میں غلطاں و پیچاں نظر آتا ہے۔

خیالات کی اس ہماہمی اور کشمکش میں یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ دنیا کے تمام مذاہب جھوٹے ہوں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ سب سچے ہوں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض سچے ہوں اور بعض جھوٹے آرار کا باہمی اختلاف اور خیالات کا آپس میں ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہونا ہر رائے کے صحیح اور ہر خیال کے سچے ہونے سے صاف انکار کر رہا ہے کہ تمام مذاہب کلیۃً باطل نہیں۔

چونکہ غلطی کھانا انسانی عقل کا لازمہ ہے اور آئینہ فطرت کو تقلید اسلاف اندھے اعتقاد اور آبائی خیالات سے زنگ آلود کر لینا ایک روزمرہ کے مشاہدہ کی بات ہے اس لئے اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جس مذہب کی بنیادیں خلاف عقل روایات اور تقلید و جمود پر قائم ہوئیں یا ان کی تشکیل و تربیت میں انسانی ہاتھوں کا دخل ہوا ان میں گمراہی غلطی اور باطل پرستی کا جزو غالب ہوتا گیا اور ایسے مذاہب مذہبی حقیقت اور سچائی سے للہیت سے دور تر ہوتے چلے گئے لہٰذا کسی مذہب کی صداقت کا دعویٰ محض زبانی دعوی سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ثبوت اور دلیلوں کو عقل کی ترازو میں نہ تول لیا جائے لیکن اس میں خرابی یہ ہے کہ عقل کے درجات مختلف ہیں اس کے ذریعہ کسی صحیح فیصلہ کی توقع رکھنا ایک فعل عبث ہے اس لئے بڑی سے بڑی عقل بھی کسی مذہب کے سچے ہونے کا فیصلہ کرنے سے عاجز ہے پس لامحالہ ہمیں آسمانی ہدایات اور خدائی نشانات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور علاوہ عقل و فطرت کے خود مذہب کی اصل تعلیمات کے علمی و عملی رنگ کی چھان بین کرنی چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ کونسا مذہب اپنے ساتھ الٰہی قوت و تاثیر اور علمی و عملی دونوں نمونے رکھتا ہے۔

سچے مذہب کی تلاش انسان کا مقدم فرض ہے

اس لئے کہ انسانی زندگی کا جزو مذہب سے ہی قائم ہوتا ہے اسکے اصولوں پر قوموں کی پستی و تنزل اور عروج و ارتقا انحصار ہے اسی سے اخلاقی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں اور بداخلاقیوں کی جڑیں کٹتی ہیں ان سے اگلی زندگی بنتی ہے اور نجات ابدی حاصل ہوتی ہے اسی سے تمدن معاشرت کی آبیاری ہوتی ہے اور اسی کی غلطی سے دنیا کی تباہی قوموں کی بربادی اور

افراد انسانی کی ہلاکت ظہور میں آتی ہے اس لئے جس چیز کے ساتھ سود و بہبود اور نفع و نقصان کا تعلق ہو اس کا جاننا ہر ذی ہوش اور عقلمند انسان کا فرض ہے پس سب سے زیادہ اہم اور قابل توجہ امر سچے مذہب کی دریافت اور خدائی تعلیم کا معلوم کرنا ہے مگر یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں مذہب سچا اور منجانب اللہ ہے علامہ شبلی نعمانی نے ایک صحیح اور ابدی مذہب کے لئے جو باتیں ضروری قرار دی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) مذہب کی صحت کا مدار عقل قرار دیا جائے نہ تقلید۔

(۲) کوئی عقیدہ مذہبی عقل کے خلاف نہ ہو۔

(۳) عبادات کے یہ معنی قرار نہ دیئے جائیں کہ وہ مقصود بالذات ہیں اور خدا تکلیفات شاقہ اٹھانے سے ہی خوش ہوتا ہے بلکہ عبادت سے خود انسان کا فائدہ مقصود ہو اور وہ حد اعتدال سے متجاوز نہ ہوں۔

(۴) دینی اور دنیوی فرائض کو اس اعتدال کے ساتھ قائم کیا جائے کہ ایک سے دوسرے کو ضرر نہ پہنچے بلکہ ایک دوسرے کا دست و بازو بن جائے!

(۵) مذہب تمدن کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا ساتھ دے سکے بلکہ خود اس ترقی کا راستہ دکھائے۔

علامہ موصوف نے اپنی کتاب الکلام میں صرف انہیں پنجگانہ اصولوں کو مذہبی صداقت کا معیار قرار دیا ہے جو واقعیت کے لحاظ سے اعتماد کے قابل اور جامع و مانع ہیں لیکن اس میں مذہب کی صحت کا مدار کلیۃً عقل پر رکھا ہے حالانکہ صرف عقل ہی مذہبی حقیقت تک رسائی کرانے کے لئے کافی نہیں کیونکہ عقل کے درجات مختلف ہیں جو بات ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے وہ دوسرے کی سمجھ میں نہیں آتی تو کیا اس شخص کو جس کی سمجھ میں کوئی معقول اور سچی بات نہیں آتی اُسے جھٹلانے کا حق رکھتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ شیخ بوعلی سینا اپنی کتاب اشارات کے آخری باب میں لکھتے ہیں کہ انبیا اور اولیا کے بہت سے علوم ممکن ہے کہ عقول متوسط کے مرتبہ سے بالاتر ہوں وہ درحقیقت صحیح ہوں مگر عام طور پر لوگ ان کو سمجھ نہ سکیں کیونکہ جو چیز انسان میں علوم اور ادراکات کی حاصل کرنے والی ہے وہ ایک لطیف چیز ہے جس کو روح سے تعبیر کرتے ہیں جب علم کے حاصل ہونے کا مبنیٰ وہی چیز لطیف ٹھیرا تو جس قدر جسم کی کثافت کو بذریعہ مجاہدات اور ریاضات کے زائل کیا جائے گا اسی

قدر روح کی لطافت میں ترقی ہوگی اور لطافت کے بڑھنے سے علوم میں یقیناً وسعت پیدا ہوتی جائے گی چونکہ انبیا اور اولیا بھی ترک لذات اور کسر شہوات کے بلا جسمانی تعلقات سے کچھ بیگانہ ہو جاتے ہیں اسی لئے اگر ان کو بہت سی وہ باتیں معلوم ہوں جو ہم کو نہ ہوں تو یہ کوئی قابل استعجاب امر نہیں لیکن شیخ کی یہ بات تو صرف متبعین مذاہب کی تسلی کیلئے کافی ہو مگر جو شخص غیر جانبدارانہ حیثیت سے مذہب اسلام یا کسی دیگر مذہب کی چھان بین کرنا چاہے اسکے مقابلہ میں ہم یہ بات نہیں پیش کر سکتے کیونکہ روح جو علوم کا ادراک کرتی ہے اسکی لطافت مجاہدات اور ریاضات سے ہوتی ہے مگر زیر بحث تو ابھی یہ امر ہے کہ کن مذہب کے مجاہدات و ریاضات قابل عمل ہیں پس مذہب کی صحت کا مدار عقل پر ہی ہی آکر ٹھیرتا ہے اور واقعہ ہے اس میں شک بھی کوئی نہیں البتہ اگر کوئی کلام ہے تو اس میں کہ مذہب کا مدار کلیتہً عقل پر نہیں ہے علی العموم جس چیز کی گواہی عقل دے اس کو قبول کر لیا جائے اور جس چیز سے انکار کرے اس کی تکذیب کر دی جائے اگر نری عقل علوم کے ادراک کا ذریعہ مانی جائے تو سلسلہ نبوت بیکار ہو جاتا ہے اگر نری عقل کسی چیز کی کنہ اور حقیقت کو سمجھ سکتی ہے تو دنیا کے افکار و آرا میں انقلابات کا طوفان بپا نہ ہوتا چہ جائیکہ عقول عامہ حقیقت تک پہنچ سکیں ایسی عقلیں جو سلیم ہوں اور حقیقت تک رسائی کی قوت و استعداد رکھتی ہوں بہت کم ہیں۔ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو فلسفہ افلاطون بطلیموس ڈارون اور سکین وغیرہ کے افکار و آرا کو سمجھ سکتے ہوں اگر عوام الناس کو قریب الفہم طریقوں سے سمجھانے کی کوشش بھی کی جائے تو بھی عوام کے ذہن میں اس کو نہیں پکڑ سکتے تو کیا عوام اور متوسط طبقہ ان کے فلسفہ اور اقوال کو جھٹلانے کا حق رکھتا ہے غرض مذہب کی صحت کا مدار عقل پر رکھا بھی جا سکتا ہے اور نہیں بھی گھبرائیے نہیں یہ کوئی معمہ نہیں لیجئے ہم علامہ عبدہ مصری کے قول سے اس مشکل کو حل کئے دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں

وانما الذی سبق تقریرہ ھو ان العقل وحدہ لا یستقل بالوصول الی ما فیہ سعادۃ الامم بدون مرشد الٰہی کما لا یستقل الحیوان فی درک جمیع المحسوسات بحاسۃ البصر وحدھا بل لابد معہا من

اور ہم اسے پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ قوموں کو سعادت و ہدایت تک پہنچانے کے لئے صرف عقل کوئی مستقل چیز نہیں بغیر خدائی نشانات اور آسمانی ہدایات کے جیسا کہ جمیع حیوانات تمام محسوسات کے ادراک کا کام صرف آنکھوں سے نہیں لے سکتے

السمع لادراك المسموعات مثلاً كذلك الدين هو حاسة عامة لكشف ما يشتبه على العقل هو صاحب السلطان في معرفة تلك الحاسة وتصريفها فيما منحت لاجله والاذعان لماله من معتقدات وحدود واعمال كيف ينكر على العقل حقه في ذلك وهو الذي ينظر في ادلتها ليصل منها الى معرفتها و انها اية من قبل الله وانما على العقل بعد التصديق برسالة نبي ان يصدق بجميع ما جاء به (رسالة التوحید صفحہ ۷)

دبلکہ سموعات کے ادراک کے لئے سمع کی بہی ضرورت ہے مثلاً ہر ایک حاسہ کا کام علیحدہ علیحدہ ہے) اسی طرح دین ہی ایک عام حاسہ ہے مشتبہ چیزوں کو عقل پر کھولتا ہے اور عقل کو وسائل سعادات کی طرف لیجاتا ہے اور عقل بادشاہ ہے جو اس حاسہ کی معرفت حاصل کرتی ہے اور دین کے عطیات حاصل کرنے کا سبب ہے اور ذہن پر جب دین کے معتقدات اور حدود اعمال منکشف ہوجائیں تو وہ کیسے ان کا انکار کرسکتی ہے عقل کا کام تو صرف دین کے معاملہ میں اتنا ہے کہ بیچے دین کے دلائل پر غور کرے تاکہ وہ اس کی معرفت کراوے اور یہ یقین ہوجائے کہ یہ دین خدا کی طرف سے ہے عقل کا مرتبہ اور حق یہ ہے کہ کسی دین کے بانی کی تصدیق کرلے کے بعد ان تمام احکام و اعمال کی تصدیق کرے جو وہ خدا کی طرف سے لایا۔

اس سے ثابت ہوا کہ مذہب کی صداقت اور صحت کا مدار عقل پر نہیں اور عقل علوم الٰہیہ کا ادراک کرنے سے قاصر ہے بلکہ خود مذہب عقول کی رہنمائی کرتا ہے اور اس پر مشتبہ چیزوں کی حقیقت منکشف کرتا ہے جیسے حواس خمسہ کے حدود اور کام علیحدہ علیحدہ ہیں ایک کا کام دوسرے سے نہیں لیا جاسکتا اسی طرح مذہب کے معاملہ میں عقل کی ایک حد اور کام ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتی پس یہاں سے یہ اصول معلوم ہوا کہ عقل پر مذہب کی صحت کا مدار رکہنے کا مطلب اس حد تک ہے کہ بانی مذہب کے دعاوی اور دلائل کو عقل کے معیار پر جانچا جائے اور بانی مذہب کی تصدیق کرنیکے بعد ان تمام معتقدات میں اس کی تصدیق کی جائے جو وہ خدا کی طرف سے لایا کسی مذہب کو عقلی معیار پر جانچنے کا مطلب محض اتنا ہے کہ اسکے بانی کو عقلی معیار پر پرکھا جائے اس کی تصدیق کے بعد باقی معتقدات اور

تعلیمات کو مجاہدات وریاضات کے ذریعہ روح کی لطافت حاصل کر کے ان کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنی چاہیئے تاکہ علوم میں وسعت اور یقینی کیفیت پیدا ہو چنانچہ بوعلی سینا کہتے ہیں۔

والعارفون المتنزهون اذا وضع عنهم وذر مقارنة البدن والفکو عن الشواغل خلصوا الی عالم القدس والسعادة وانتقشوا بالکمال الاعلی وحصلت لهم اللذة العلیا وقد عرفتها۔

خدا کی معرفت رکھنے والے پاک بندے جس وقت ان سے جسمانی تعلق کا بار ہلکا کر دیا جاتا ہے اور دنیاوی مشاغل سے وہ علیحدہ ہو جاتے ہیں تو ان کی توجہ خالص طور پر عالم قدس اور عالم سعادت کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور وہ اعلیٰ درجہ کے کمال کے ساتھ موصوف اور لذت اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں جیسا کہ تم پہلے معلوم کر چکے ہو۔

شیخ کے اس قول اور پچھلی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ کسی مذہب کے بانی کی تصدیق کرنے سے پہلے اس کے معتقدات کو جان لینا عقل کی رسائی سے باہر ہے البتہ مذہب کو ماننے کے بعد ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ عقل میں یہ قوت واستعداد پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ تمام معتقدات کی کنہ معلوم کرے پس عوام کا یہ منصب نہیں کہ وہ پہلے مذہب کے معتقدات کو عقل کے مطابق کرنے کی کوشش کرنے لگیں اور ہر شخص کی عقل اس کو عالم سعادت میں پہنچائے اسکی وجہ بھی شیخ نے اشارات میں بیان کر دی ہے وہ فرماتے ہیں:۔

فان الناس اعداء ما جهلوا والی هذا النوع من الکمال لیس مما یحصل بالاکتساب المحض بل انما یحتاج مع ذلک الی جوهر مناسب له بحسب الفطر۔

لوگ ہمیشہ نامعلوم باتوں کے دشمن ہوتے ہیں (خصوصاً ایسی حالت میں کہ مذہبی تعصب عقل کا گلوگیر ہو) پھر یہ کمال ہر ایک کو محض حاصل کرنے سے حاصل نہیں تاوقتیکہ اس کا جوہر فطرۃً اس کے مناسب ہو۔

یعنی عام لوگوں کا یہ منصب نہیں کہ وہ مذہب کی تمام باتوں کو عقل کے ذریعہ معلوم کرنیکی سعی لاحاصل کرنے لگیں کیونکہ عوام نامعلوم باتوں کے دشمن ہوتے ہیں البتہ اگر کسی کا جوہر طبیعت فطرۃً اس کے مناسب ہو اس کو تو یہ منصب حاصل ہے مگر ایسی فطرت رکھنے والے بہت کم ہوتے ہیں اب یہ بتلانا باقی رہ گیا کہ عقل ومذہب میں تطابق کی صورت کیا ہے اور کونسی عقلیں یہ استعداد رکھتی ہیں۔

سچا مذہب ہی ہے جو عقل سلیم کے مطابق ہو

اس میں کوئی شک نہیں کہ سچے مذہب اور عقل سلیم کا اتباع انسان کے فرائض اولین میں سے ہے اور ان ہی دونوں کی اطاعت پر اس کے برگزیدہ کمالات اور حقیقی کامیابی حاصل کرنے کا انحصار ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ سچے مذہب اور عقل سلیم میں تناقض اور متضاد نہیں ہو سکتا جب تک مذہب کی صحت اور عقل کی سلامتی میں کوئی نقصان اور فتور نہ ہو اس وقت تک ان دونوں میں کوئی نزاع اور خصومت ہو ہی نہیں سکتی اگر کہیں ان دونوں میں تزاحم اور خلاف محسوس ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یا تو مذہب کی صحت مشکوک ہے اور یا عقل میں کوئی نقصان اور فتور ہے۔

ہر اس شخص کو جس کے پاس عقل سلیم ہے اُسے مذہب کے معاملہ میں اپنی عقل سے کام لینا اور غور و فکر کے صحیح طریقوں میں غور کرنا چاہیئے مگر یہ اجازت ہر عالم و جاہل اور عاقل و سفیہ کو نہیں دینی چاہیئے ورنہ عقول ناقصہ کی ٹھوکریں اور کج اندیشیاں مذہبی نظام کو درہم برہم کر دیں گی اور مذہب مجموعہ تناقضات بنکر رہ جائے گا۔

عقل نارسا نافع کو مضر اور مضر کو نافع سمجھ بیٹھے گی۔ سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید تصور کرلے گی اور اخلاق و روحانیت کا ستیاناس ہو جائے گا۔

تو چونکہ سچے مذہب کی شناخت کا ایک معیار عقل سلیم ہی ہے اسلئے اب یہ بتلانا بھی ضروری ہے کہ عقل کے ساتھ سلیم کی قید کیوں بڑھائی گئی ہے یہ جو ہم نے سلیم کی قید بڑھائی ہے اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ بعض عقلیں سلیم یعنی تندرست بھی ہوتی ہیں اور اگر عقلیں سلیم بھی ہوتی ہیں تو بعض عقلیں بیمار اور مریض بھی ہونی چاہئیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ سمجھانے کی بھی ضرورت پیش آئی کہ تندرست عقل کونسی ہوتی ہے اور مریض کونسی تاکہ مریض عقلوں کو مطلق العنانی اور سچے مذہب کو خواہ مخواہ جھٹلانے کا اچھا خاصہ موقع ہاتھ نہ آئے اور سچے مذہب کی چھان بین کرنے والوں کو تندرست اور بیمار عقلوں میں تمیز و تفریق قائم کرنے کا معیار ہاتھ آجائے دنیا میں فساد عظیم برپا نہ ہو اور بجائے ہدایت کے گمراہی نہ پھیلے۔

عقل سلیم اور عقل سقیم کی تعریف

اصل مطلب بیان کرنے سے پہلے چند امور کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے اور اس ضمن میں ہم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی کتاب العقل والنقل سے استفادہ کرتے ہوئے اس قیمتی تصنیف کا مفہوم اپنے لفظوں میں پیش کرتے ہیں اول یہ کہ جو کام ایسے آلات سے لیا جائے جس میں احساس وادراک نہ ہو تو اس کام کا نفع نقصان اُن آلات کی طرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ نفع نقصان کا تعلق اس شخص سے ہوتا ہے جو اُن آلات سے کام لیتا ہے

بعض آلات کا نفع وضرر اصل فاعل کا نفع وضرر ہے یہ اس لئے کہ نفع ونقصان کا احساس اور تعلق درحقیقت راحت اور تکلیف سے وابستہ ہے اور راحت وتکلیف کا احساس وہی جاندار چیزیں کر سکتی ہیں جن میں ادراک وشعور ہو مثلاً اگر کسی بڑھئی کا بسولہ حجام کا استرہ لوہار کا ہتوڑا اور کاتب کا قلم بیکار ہو، تو بسولے، ہتوڑے استرے اور قلم کے حق میں کوئی نفع نقصان متصور نہیں کیونکہ ان اشیاء کو ادراک وشعور نہیں بلکہ نفع ونقصان کو نجار، حجام، آہنگر اور کاتب ہی کی طرف منسوب کیا جائیگا۔

دوسرے یہ کہ انسان میں دو قوتیں قدرت کاملہ نے ودیعت کی ہیں قوت عقلیہ یا علمیہ اور قوت عملیہ یعنی ایک قوت نفع ونقصان کی چیزوں کو پہچاننے اور جاننے کی ہے اور ایک قوت اُس کے مطابق عمل اور حرکت کرنے والی۔ قوت عقلیہ عقل مفرد کو کہتے ہیں اور قوت عملیہ ان چار چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے شوق اور خوف ارادہ اور اختیارات اور قدرت اور ہاتھ اور پاؤں وغیرہ یہ سب کے سب عقل کے محکوم اور زیر فرمان ہیں عقل کا کام نفع وضرر اور نیک وبد میں تمیز کرنا ہے اور قوت عملیہ عقل کے فتوے کے مطابق عمل کو وجود میں لاتی ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک شخص جنگل میں چلا جا رہا ہے دور سے کوئی جانور نظر آیا۔ خیال کبھی تو کہتا ہے کہ یہ شیر ہے اور کبھی کہتا ہے کہ بیل ہے اب اگر عقل نے یقین دلا دیا کہ شیر ہے تو اب فطرتاً انسان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے اگر یہ شخص اُسے شیر نہ سمجھے تو برابر آدھر بڑھتا چلا جائیگا غرض عقل جو کچھ کہیگی اس کے مطابق آلات جسمانی حرکت میں آئیں گے اور عمل کی تحریک پیدا ہوگی خلاصہ یہ کہ عقل کی حکومت اور عمل کی محکومی کے لحاظ سے انسان کا کام یہ ہوا

کہ وہ دنیا میں ہر کام سوچ سمجھکر کرے جلب منفعت اور دفع مضرت کے عمل میں ہر وقت مصروف رہے مفید مشاغل اور کاموں کو حاصل کرے اور مضر کاموں سے بچے۔ مذکورہ بالا دونوں باتوں کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان کی عملی قوتوں میں جو کچھ نفع نقصان ہوگا وہ فی الواقع عقل اور روح کا ہوگا کیونکہ ادراک وشعور عقل وروح کا خاصہ ہے اور باقی تمام قوتیں بمنزلہ آلات کے ہیں۔

تیسری بات ذہن نشین کرنے کے قابل یہ ہے کہ قوت عقلیہ اور قوت عملیہ دونوں کے آثار ایک دوسرے تک متعدی ہوتے ہیں یعنی قوت عملیہ عقل کے اشارے پر حرکت میں آجاتی ہے اور خود قوت عملیہ کی طرف سے بھی ایک اثر عقل وروح تک پہنچتا ہے ایک تو وہی بلحاظ محکومیت قوت عملیہ کے تمام منافع اور مضار کا عقل کے واسطے ثابت ہوتا ہے دوسرے کیفیات بدنی سے عقل و روح کا بے اختیار راحت وتکلیف اٹھانا، چنانچہ میل کچیل اور بول وبراز سے نفیس طبیعتوں کو جو کلفت یا بخار اور درد سر وغیرہ ہوجاتا ہے سب جانتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی سب جانتے ہیں کہ بدن کی صفائی اور لذت سے اس کو راحت پہنچتی ہے۔

ان مقدمات کے طے ہونے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص کی قوت عملیہ قوت عقلیہ کے تابع نہیں اس کی عقل مریض ہے۔ برخلاف اس کے جس کی قوت عملیہ عقل کے زیر فرمان ہے وہ عقل سلیم رکھتا ہے، عقل سلیم اور عقل سقیم کے معلوم کرنے کا طریقہ اور بھی ہے وہ یہ کہ جب ہم کسی کا دل آدمی اور عقل سلیم رکھنے والے رہنما کی عقل کی سلامتی دلائل قویہ سے معلوم کرلیں اور اس کی شان رہنمائی تسلیم کرلیں اور ہم اپنی قوت عملیہ کو اس کے خلاف پائیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہماری عقل میں نقصان اور فتور آگیا ہے۔ عقل ہماری میں کھلبلی ہوئی ہے اور ہم سے تاثیر وتاثر کی حیثیت تھملا جاتی رہی ہے

اس سے بھی زیادہ ہماری عقل کا ضعف اور نقصان وفتور اس وقت ظاہر ہوتا ہے جبکہ ہماری عقل کسی چیز کے فوائد اور نقصانات کو ہمارے سامنے کھولکر رکھدے مگر ہم پھر بھی شہوت کے غلبہ یا عادت کے پک جانے سے عقل کے فتوے کے خلاف عمل کریں مثلاً ایک چور جانتا ہے کہ اس برے فعل کا نتیجہ نقصان وہ ہوگا مگر وہ نفع معجل سے اندھا ہوجاتا ہے اور عقل باگل بن جاتی ہے ایک شرابی شراب کے نقصانات جانتا ہے مگر چونکہ عادت پڑگئی ہے اس لئے عقل وشعور کو بالائے طاق رکھدیتا ہے اسی طرح سینکڑوں واقعات روزمرہ ہمارے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں بعض باتوں کے بھلے برے سے سب واقف ہیں۔ مگر جان بوجھکر خلاف عقل عملدرآمد کرتے ہیں۔

قوموں میں بعض ایسی خلاف عقل رسومات وقیود ہوتی ہیں کہ ان کی خرابی سے اسکے تمام افراد واقف ہیں اور جن کے نقصانات کا دل وجان سے اقرار ہے مگر پھر بھی رسم و رواج کی جکڑ بندیوں اور آبائی تقلید کی اثر پذیریوں اور پابندیوں سے وہ اپنے آپ کو علیحدہ نہیں رکھ سکتیں۔

شراب نوشی۔ قمار بازی۔ ترک ناموس اور بےپردگی کے نتائج ہم برابر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر مجبور ہیں قوت علمیہ جواب دے چکی ہے گویا ان قباحتوں کی قباحت ہی جاتی رہی ہے جیسے طوائفوں میں زنا کو بھی کوئی معیوب نہیں سمجھا جاتا بلکہ دیگر پیشوں کی طرح اس کو بھی ایک پیشہ سمجھا جاتا ہے۔

غرض قوت علمیہ کا قوت عقلیہ کے تابع نہ ہونا عقل کا مرض ہے اور کسی چیز کے بھلے برے کو جانتے ہوئے خلاف عقل اور نقصان دہ امور کا ارتکاب کرنا اس کے مرض کی علامت ہو اور اس کا سبب شہوت کا غلبہ نفع معجل کی طمع رسم ورواج کی پابندی اور عمل کی کثرت ہو۔

عقل کی بیماریاں یہ ہیں۔ حسد۔ کینہ۔ بخل۔ خودنمائی۔ خودپسندی۔ یہ امراض حواس کو مختل کر دیتے ہیں اور عقل کی خداداد قوت واستعداد کو کھو دیتے ہیں دنیا میں بہت کم ہیں ایسے لوگ جو ان امراض سے محفوظ ہوں ان کا حملہ اس درجہ قوی ہوتا ہے کہ عقل پاگل بن جاتی ہے ان امراض کا مریض مرض کو صحت، زہر کو تریاق، باطل کو حق، ظلم کو انصاف اور سفید کو سیاہ سمجھنے لگ جاتا ہے اور بڑے بڑے عاقل ودانا ان سے مسحور اور بے بس ہو جاتے ہیں۔

ایسی ابتر حالت میں جبکہ دنیا اخلاق وروحانیت سے دور ہوتی جارہی ہے اور کوئی عقل بھی مرض سے خالی نظر نہیں آتی عقل کو مطلق العنان چھوڑ دینا اور اس کے ہاتھ میں مذاہب کی تصدیق وتکذیب دیدینا سخت غلطی اور فتنۂ عظیم کا دروازہ کھولنا ہو۔

آج ہی عقل ہے جس کی طمع کاریوں اور فریب آمیزیوں نے دنیا کو فتنہ وفساد سے بھر رکھا ہے دنیا کا عیش وآرام اور مال ودولت اپنے ہی لئے مخصوص اور غریبوں بیکسوں اور کمزوروں پر عرصۂ حیات تنگ اور جہنم کدہ بنا رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد صاحب نے فرمایا ہے نبوت کا راستہ عقل کے راستہ سے الگ ہو۔

یہ ٹھیک صحیح ہے کہ انسان عقل کی وجہ سے ہی مکلف ہے اور مذہب کی صحت کا مدار

عقل پر رکھنا مذکورہ بالا تمیز و تفریق کو قائم رکھتے ہوئے صحیح ہے مگر مریض عقلوں پر نہیں بلکہ تندرست عقلوں پر اور ایسی سلیم عقلیں دنیا میں کم ہوتی ہیں یہاں تک خلاصہ یہ ہوا کہ ہمیں مذہبی صداقت اور خدائی تعلیم معلوم کرنے کے لئے عقل سے صرف اتنا کام لینا چاہیئے کہ مذہب کے بانی کی صداقت عقلی دلائل سے معلوم کرلیں اور پھر اس تصدیق کے ضمن میں مذہب کی دیگر تعلیمات کی بھی تصدیق کرلیں۔

اب ہم علامہ شبلی رحمہ کے اصول موضوعہ کے علاوہ چند ایسے سہل اور قریب الفہم معیارات بتلاتے ہیں جن کو سامنے رکھکر ہر شخص سچے مذہب کی تلاش کرسکے سو جاننا چاہیئے کہ ہر مذہب کا دارومدار دو چیزوں پر ہوتا ہے۔ مذہبی کتاب اور اس کتاب کو لانے والا نبی ان ہی دونوں کو عقلی معیار پر جانچنا چاہیئے اور مذہب کی تعلیمات کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کی ناکام سعی نہ کرنی چاہیئے مذہب کی تقسیم دو طرح پر کی جاتی ہے ایک تو وہ مذاہب جو الہامی ہونے کا دعوی کرتے ہیں یا ان کے الہامی ہونے کی نسبت دعوی کیا جاتا ہے مثلاً عیسائیت یہودیت اور ہندو مت وغیرہ اور دوسرے وہ مذاہب جو الہامی نہیں مثلاً سکھ وغیرہ۔ ہمارے خیال میں مذہب غیر الہامی تو ہو ہی نہیں سکتا جس میں کسی سلیم العقل انسان کو کلام نہیں ہوسکتا لہذا غیر الہامی ہمارے مخاطب نہیں ہم صرف الہامی مذاہب کی صداقت کا معیار بتلائیں گے ہمارے خیال میں پہلا معیار یہ ہونا چاہیئے کہ جس کتاب کو خدا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ کتاب خود الہامی ہونے کا دعوی کرے اور پھر اس دعوی پر دلائل بھی خود ہی قائم کرے یہ نہ ہو کہ دعوی تو کتاب کرے اور اس کے دلائل کی تلاش خارج میں کریں صرف اتنی بات کہہ دینے سے اور مان لینے سے کہ یہ کتاب منجانب اللہ ہے کوئی کتاب منجانب اللہ نہیں مانی جاسکتی جب تک کہ خود کتاب اپنا الہامی ہونا ثابت نہ کرے جب کسی وکیل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی طرف سے ایک معیار پیش کرکے ایک قانونی کتاب بنالے تو مذہب کے معاملہ میں ہم یہ طرز عمل کیسے اختیار کرکے مدعی سست گواہ چست کا مصداق بن سکتے ہیں مذہب کے الہامی ہونے کا دعوی اس کتاب کو ہوتا ہے نہ کہ اس کے ماننے والے کو اور گواہ پیش کرنا خود مدعی کے ذمہ ہوتا ہے ایک ایسا مدعی جو دعوی پیش کرتا ہے مگر گواہ نہیں لاتا۔ ایسا دعوی محکمہ انصاف سے خارج کردیئے جانے کے لائق ہے۔

دوسرا معیار یہ ہے کہ الہامی کتاب کی تعلیم عین فطرت انسانی کے مطابق ہو کیونکہ خالق القوی

اور واضع فطرت کی طرف سے خلاف عقل و فطرت کوئی تعلیم نہیں مانی جاسکتی اگر خلاف فطرت ہو تو خدا پر الزام عائد ہوگا کہ اس نے اپنے بندوں کو تکلیف مالا یطاق کا مکلف ٹھیرایا۔

تیسرا معیار یہ ہے کہ خدائی مذہب کے ساتھ خدائی نشانات بھی ہوں یعنی خدا کے قول و فعل میں مطابقت کا ہونا ضروری ہے اور اس قول و فعل کے مطابق ہونے کا مطلب یہ ہو کہ وہ مذہب اپنے الہامی ہونے کے ثبوت میں ایسے خدائی سامان بھی رکھے جس کے الفاظ و معانی انقلاب زمانہ اور انسانی دستبرد سے محفوظ ہوں اور وہ خدائی حفاظت انسانی حفاظت سے علیحدہ اور ممتاز نظر آئے۔

چوتھا معیار یہ ہے کہ کامل الہامی کتاب زندہ زبان اور کامل ظلمت کے زمانہ میں نازل ہوئی ہو تاکہ ہم اس الٰہی تاثیر کے متعلق اندازہ لگا سکیں اور دوسروں پر حجت قائم ہو۔

پانچواں معیار یہ ہے کہ الہامی کتاب کی تعلیم ایسی ہو جو مذہب کے اغراض و مقاصد کو کامل طور پر پورا کر سکے مثلاً مذہب کی غرض اعلیٰ خدا کی معرفت اور تقرب ہے یہ الہامی کتاب خدا تعالیٰ کی ایسی صفات کا علم دے جو اس کی شایان شان ہو تاکہ انسان صفات الٰہی کا صحیح علم حاصل کر کے خدا سے محبت کرے اور تقرب الٰہی کے ایسے وسائل و ذرائع بتلائے جو ہر حال ہر مقام اور ہر زمانہ میں قابل عمل ہوں اور اپنے اندرونی و جسمانی پاکیزگی لئے ہوئے ہوں۔

مذہب کے اہم ترین اغراض مذہب کے اہم ترین اغراض میں سے ہم صرف نمونتاً چند اغراض بتلاتے ہیں۔

ان وسائل و ذرائع کو نہایت شوق و ذوق اور ہمہ گیری کے ساتھ اختیار کرے۔ جن سے خدا کا قرب حاصل ہو سکے خدا تک پہنچنے کے راستوں سے رکاوٹیں اور حجاب دور کرے۔

(۲) مذہب کے اہم اغراض میں سے ایک غرض یہ بھی ہے کہ وہ نجات کے متعلق فطرت صحیحہ کے مطابق تعلیم دے یعنی پہلے مذہب کی غرض اور فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خدا کا قرب حاصل کرے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ راحت و آرام کی زندگی بسر کرے اور دکھوں سے نجات پا جائے۔

(۳) مذہب کی تیسری غرض یہ ہے کہ وہ مکمل طور پر اخلاقی تعلیم دے نیک اخلاق اختیار کرنے اور برائیوں کے ترک کرنے کی زور شور سے تلقین کرے اخلاق حسنہ اور رذیلہ کا معیار اور انکے مدارج بتلائے تاکہ انکے اختیار اور ترک کرنے میں کوئی پیچیدگی اور رکاوٹ نہ

ہو اور ہر طرح آسانی ہو اور وہ صرف گناہوں اور برائیوں کی قباحت اور نقصانات نہ بتلائے بلکہ گناہوں کی جڑ کاٹ دے اور اس کے ذرائع کو مسدود کر دے ورنہ نعوذ باللہ خدائی حکومت سے زیادہ انسانی حکومت اس معاملہ میں فائدہ مند ہوگی۔

چھٹا معیار یہ ہے کہ الہامی کتاب صرف کتابی تعلیم ہی نہ رکھتی ہو بلکہ پریکٹیکل تعلیم یعنی عملی نمونہ بھی رکھتی ہو یعنی مذہبی کتاب کے ساتھ ایک مجسم اور بولتا چالتا نمونہ بھی ہو جس کو دیکھ کر دوسرے عمل کر سکیں کیونکہ انسان فطرتاً نمونہ کا خواہشمند ہے جو کام وہ کسی کو کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو خود بھی کام کرنے کی کوشش کرتا ہو ورنہ جو کتاب اپنے ساتھ عملی نمونہ نہیں رکھتی وہ انسانی عقل و فطرت کے لئے صحیح نہیں ہو سکتی عملی نمونہ سے مراد اس کتاب کو لانیوالا نبی ہے جس کی زندگی الہامی کتاب کی کامل تعلیم کی پوری تفسیر ہو اس کی زندگی کا کوئی گوشہ اس کی پیدائش سے لیکر وفات تک انسانی نظروں سے پوشیدہ اور مستور نہ ہو اور اس کی سیرت اپنوں کی تقلید اور غیروں کی تنقید کے لئے عام ہو۔

ساتواں معیار یہ ہے کہ زیر تنقید مذہب اپنے ساتھ ایک زمانہ ضرور رکھتا ہو کہ الہامی کتاب جن لوگوں پر نازل کی گئی ہو انہوں نے اپنے طرز عمل سے دکھا دیا ہو کہ اس پر آسانی سے عمل کیا جا سکتا ہے تاکہ ہم مذہب کی تعلیم کے متعلق کوئی رائے قائم کر سکیں۔

آٹھواں معیار یہ ہے کہ مذکورہ بالا ساتواں معیار خود الہامی کتاب ہی پیش کرے خود ہم کوئی خود ساختہ معیار نہ قرار دیں

مختصر طور پر مذہب کی صداقت کا معیار ان اصولوں پر مبنی ہو۔ پانچ تو وہی جو ہم علامہ شبلی کے بتلائے ہوئے ہیں اور آٹھ یہ۔

(۱) الہامی کتاب خود الہامی ہونے کا دعویٰ کرے

(۲) الہامی مذہب کی تعلیم عین فطرت انسانی کے مطابق ہو۔

(۳) سچے مذہب کے ساتھ خدائی نشانات بھی ہوں۔

(۴) خدائی مذہب کی تعلیم ایسی ہو جو مذہب کے اغراض و مقاصد کو کامل طور پر پورا کر سکے۔

(۵) کامل الہامی کتاب زندہ زبان اور کامل ظلمت کے زمانہ میں نازل ہوئی ہو۔

(۶) صحیح کامل اور ابدی مذہب کتابی تعلیم کے ساتھ عملی نمونہ بھی رکھتی ہو۔

(۷) زیر تنقید مذہب ایک ایسا زمانہ بھی رکھتا ہو جس کے ماننے والوں نے
اس پر عمل کر کے دکھا دیا ہو۔

(۸) یہ ساتوں معیار خود الہامی کتاب پیش کرے۔

مذہب بد مذہبی اور لامذہبی میں کیا فرق ہے؟

مذہب کے معنی راستے کے ہیں جو راستہ بھی انسان اختیار کرے وہی اس کا مذہب ہے
حتیٰ کہ اگر ایک شخص خدا کے وجود سے منکر ہے اور اس کے مقابلہ میں مادہ یا نیچر کو علت العلل
قرار دیتا ہے یہی اس کا مذہب ہے پس دنیا میں لامذہبی کا تو وجود نہیں یعنی دنیا میں کوئی شخص لامذہب
نہیں لیکن چونکہ مذہب والوں نے عام طور پر خدا اور نبوت وغیرہ کے اعتقاد و اقرار کو ہی مذہب
سمجھ رکھا ہے اس لحاظ سے دنیا میں کروڑوں لامذہب ہیں یا بالفاظ دیگر جو لوگ کوئی
الہامی کتاب نہیں رکھتے بلکہ صرف اپنی عقل پر اعتماد کرتے اُسے دنیاوی امور میں رہنمائی
کرنے کو کافی سمجھتے ہیں اور خدا کے منکر ہیں ان کو لامذہب کہا جاتا ہے مثلاً یورپ کے
دہریئے۔ یورپ میں ایک فرقہ مادیین کا ہے جو مادہ کو علت العلل قرار دیتا ہے اور ہمیشہ مادہ
کے اسرار معلوم کرنے کے درپے رہتا ہے ان مادیین کی نسبت مشہور ہے کہ یہ لوگ مذہب کے
خدا کے۔ جزا و سزا کے اور روح کے منکر ہیں اور اس لئے ان کو لامذہب کہا جاتا ہے۔

دوسری مثال روس کی ہے جہاں مذہب کے صرف نام کا خاتمہ ہو چکا ہے جو اس وقت
دنیا میں لامذہبی کا سرچشمہ بنا ہوا ہے ان دونوں مثالوں کو سامنے رکھکر لامذہبی کی تعریف
یہ ہوئی کہ جو شخص مذہب۔ خدا۔ عبادت۔ معاد۔ جزا و سزا۔ اور نبوت کا یقین و اعتقاد نہیں
رکھتا وہ لامذہب ہے اور جو ان تمام باتوں پر یقین و اعتقاد رکھتا ہے وہ مذہبی آدمی ہے
لیکن درحقیقت لامذہب دنیا میں کوئی ہی نہیں کیونکہ مادیت (میٹریلزم) اور بالشویزم
بھی مذہب ہی کی تعریف میں آتے ہیں اس لئے مذہب کی صحیح تقسیم۔ مذہب۔ بد مذہبی اور
لامذہبی نہیں بلکہ صرف دو ہی ہیں۔ یعنی مذہب اور بد مذہبی اور ان ہی دونوں
پر ہم روشنی ڈالتے ہیں۔

مذہب اور بد مذہبی سچا اور صحیح مذہب رکھنے والا وہی ہے جو مذہب کی صداقت

مذکورہ بالا معیار پر پورا اترنے والا مذہب رکھتا ہو اور خدا کا اعتراف عبادت کا میلان معاد کا خیال جزا و سزا کا یقین اور نبوت کا اعتقاد رکھتا ہو. جو لازمہ انسانیت ہے.
اور جو مذکورہ بالا تمام مذہبوں اور فرقوں کے مشترک مذہبی اعتقادات رکھتے ہوئے ایسا مذہب رکھتا ہو جو مذہبی صداقت کے معیار پر پورا نہ اترے وہ بدمذہب ہے.

اسلام کسے کہتے ہیں اور مسلمان کون ہوتا ہے

اسلام عربی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی یہ ہیں بطور پیشگی ایک چیز کا مول دیدینا کسی کو اپنا کام سونپ دینا طالب صلح ہونا. اور کسی امر یا خصوصیت کو چھوڑ دینا.
یہ لفظ لفظ "مسلم" سے نکلا ہے جس کے معنے ہیں ہر قسم کی آلائشوں سے بری ہونا. عافیت کی زندگی بسر کرنا باہمی محبت اور صلح سے رہنا کسی سے جنگ و خصومت نہ کرنا. عزت و تکریم اور محبت و اخلاق کے الفاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ پیش آنا حضور خداوندی میں خشوع و خضوع اور انکساری کا اظہار کرنا اور جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے لائے ہیں ان سب پر کاربند ہونا. (لسان العرب)
"اسلام" کے معنی فرمانبرداری اور اطاعت کے ہیں اور "الاسلام" کے معنی ہیں خاص طاعت و انقیاد. حکم حاکم پر کاربند ہونا. اس کی منع کردہ باتوں سے رک جانا اور حاکم پر کوئی اعتراض نہ کرنا (اقرب الموارد. مجمع البحار)
اسلام کے معنے فرمانبرداری کے ہیں اور الاسلام کے معنی خاص فرمانبرداری یعنے ہر ایک کی فرمانبرداری نہیں بلکہ اللہ کی فرمانبرداری. رسول کی فرمانبرداری اور اولوالامر کی فرمانبرداری ان تینوں فرمانبرداریوں کے مجموعہ کا نام اسلام ہے اسلام کے لفظ سے ایک لفظ سلم ہی نکلا ہے اور سلم سیڑھی کو کہتے ہیں یعنی خدائے قدوس نے انسان کو بلندی کی طرف چڑھنے دینی و دنیوی ترقیات سے شادکام کرنے اور بلند مراتب تک پہنچانے کے لئے اسلام کو بھیجا ہے اور درجات عالیہ اور بلند مراتب پر پہنچانے کا ذریعہ صرف مذہب اسلام ہے.
یہ صرف ہمارا دعویٰ ہی دعویٰ نہیں اسلام کی نسبت یہ ایک دل خوش کن خیال ہی خیال نہیں بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے جس کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے ہے کون نہیں جانتا کہ اسلام

نے عرب کے بدوؤں کو اس بلند وبالا مقام پر پہنچا دیا تھا جس سے آگے ترقی ممکن ہی نہ تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ حج سے واپس آتے ہوئے ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوگئے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ اور جاں نثار غلام آپ کے ہمراہ تھے رعب کے سبب کسی کو بھی اتنی ہمت نہ پڑی کہ اس جگہ رکنے کا سبب دریافت کرتا مگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ذرا بے تکلف تھے پوچھا کہ حضور یہاں چلتے چلتے کیوں ٹھہر گئے، فرمایا خطاب کا بیٹا یہاں اونٹ چرانے آیا کرتا تھا اس کے باپ نے اسے یہاں جھڑکی دی تھی مگر آج اسلام نے اسی خطاب کے بیٹے کو اس بلندی پر پہنچا دیا ہے کہ لاکھوں آدمی اس کے ایک اشارہ پر خون بہانے کو تیار ہیں۔

اسلام کے اصلاحی معنی خدا کے لئے ظاہری اور باطنی طور پر مطیع و منقاد ہو جانے کے ہیں الاسلام ھو الخضوع والانقیاد باطنا وظاہرا یعنی اسلام ظاہری و باطنی خضوع و انقیاد کو کہتے ہیں یہ اصلاحی معنی خود قرآن کریم نے بتائے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دے یعنی اپنے تمام وجود کو اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے ارادوں کی پیروی کے لئے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ میں اپنے معبود حقیقی کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے جس کی محبت ذاتی ایسی صفائی پر مبنی ہو وہی عند اللہ مستحق اجر ہے اور ایسے لوگوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ کچھ غم رکھتے ہیں۔

لفظ اسلام کی ایک خصوصیت اسلام کو جملہ مذاہب عالم پر جو فوقیت اپنے نام کی وجہ سے ہے صرف اسی کا مقابلہ دنیا کا کوئی مذہب نہیں کر سکتا لفظ اسلام ایک ایسا جامع لفظ ہے جو تمام دنیا جہان کی خوبیاں اور بھلائیاں اپنے اندر رکھتا ہے اسی لفظ کو آلٹ پلٹ کر جس طرف سے دیکھو اس کے سارے لفظوں میں خوبیاں پائی جاتی ہیں۔

اسلام سے تین لفظ نکلے ہیں۔ سَلم۔ سِلم اور سُلّم۔ اول کے دونوں لفظ صلح اور آشتی کو چاہتے ہیں۔ اور سلم کے معنی سیڑھی کے ہیں، سلم کو الٹا دیں تو ملس بنجاتا ہے ملس نرم چیز

کو کہتے ہیں یعنی مسلمانوں کو آپس میں رحیم و کریم اور نرم دل ہونا چاہیئے اسی ملس کو الٹا دیں تو لسم بن جاتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان بعض وقت خاموشی اختیار کرے مسل بھی اس کا بنتا ہے اس کے معنی ہیں پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دینا یعنی مسلمان وہ ہے جو ایک دوسرے کو نفع پہنچائے لسس بھی اس کا مشتق ہے جس کے معنے ہر وقت طلب میں لگے رہنے کے ہیں اور مسلمان بھی وہی ہے جو ہر وقت رضا الٰہی کی طلب میں لگا رہے غرض نہ صرف لفظ اسلام میں بلکہ اس کے تمام مشتقات میں یہ خوبی ہے للہیہ معجزہ ہے کہ جس قدر الٹ پلٹ کرو خوبیاں ہی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں اور اس کا ہر پہلو اپنے اندر ایک دنیائے معانی لئے ہوئے ہے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

لما تسمی بالسلام لخلقه	کان السلام له المقام الشامخ
والحکم فیهم بالذی قد شاعه	العز والمجد التلیه الباذخ
ان السلام تحیة من ربنا	فینا و من اسماءه یرجو السلام
ولنا التاخر عن علو مقامه	وله التقدم والتحکم والتمام

(ترجمہ) چونکہ خداتعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے بہشت کو سلام سے موسوم کیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا مرتبہ نہایت بلند ہے اور حکم یعنی شریعت اسلام کا جو اس نے مخلوق میں جاری کیا ہے اس کے ذریعہ خدائے بزرگ و برتر نے لوگوں کے لئے عزت و بزرگی اور بلندی چاہی ہے ہم مسلمانوں کو اسلام خدا کی طرف سے سلامتی کا تحفہ ملا ہے سلام خدا کا نام ہے پس اس کے ناموں سے ہم کو سلامتی کی امید ہے ہم سلام کے بلند مقام سے پیچھے ہٹے ہیں اور سلام کو ہم پر تقدم و تحکم اور امامت کا حق ہے اسلام کے معانی کا خلاصہ یہ ہے کہ فرمانبرداری۔ طاعت۔ سلامت روی۔ صلح جوئی اور صلح پسندی پاک و بے عیب زندگی بسر کرنا عبادت میں شرک سے بچنا اور صاحب خلق عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل اتباع کرنا۔

بالفاظ مختصر اسلام نام ہے اپنے تمام قویٰ کے ساتھ خدائے عرش و فرش کے حضور میں جھک جانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا صرف خدا کی آواز پر لبیک کہنے اور زندگی کے ہر شعبہ اور اپنی حرکت کو خدا کی رضا کی رضامندی اور اس کی منشا کے مطابق بنانے کا۔

سچا مسلمان کون ہے؟ مذکورہ بالا تفصیلات اور آیہ کریمہ پر ایک غائر نظر ڈالنے سے ثابت

ہوتا ہے کہ اسلام کی حقیقت تب کسی شخص میں متحقق ہو سکتی ہے جبکہ ایک مسلمان کا وجود محض خدا تعالےٰ کے لیے وقف ہو جائے اسکے تمام ظاہری و باطنی قویٰ خدا کی راہ میں خرچ ہوں جو امانتیں اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں پھر اسی کو واپس دیدی جائیں صرف اعتقادی اور زبانی طور پر نہیں بلکہ اپنے عمل کے آئینہ میں بھی اسلام اور اس کی حقیقت کا ملہ کی ساری شکل دکھلائی دے یعنی مسلمان کی زندگی اسلام کی تفسیر ہو اور ایک مدعی اسلام اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیوے کہ اس کے ہاتھ پاؤں دل و دماغ عقل فہم غضب رحم علم اور حلم غرض تمام روحانی اور جسمانی قوتیں سب کچھ باعتبار ظاہر و باطن کے صرف خدا کے لئے ہے

مسلمان کی عزت اس کی آبرو اس کا مرنا جینا اس کا مال اس کا آرام اس کا سرور اس کا رنج و غم اس کی نیات اس کے دل کے خطرات اور اس کے جذبات و تخیلات خدائے واحد کے لئے ایسے تابع ہو جائیں جیسے ایک کاریگر کے سامنے اس کے اوزار و ہتھیار وہ سمجھ لے کہ جو کچھ اس کا ہے وہ اس کا نہیں بلکہ خدائے کریم کا ہے۔ غرض ؎

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا ترک رضائے خویش پئے مرضی خدا

مسلم کا نصب العین مسلم کی تعریف میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کی حقیقت اس آیہ مبارکہ سے اور بھی واضح ہو جاتی ہے قولہ تعالیٰ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ ... ان ذلک ھو الفوز العظیم

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں جسکے عوض ان کو جنت ملیگی سو حقیقی مومن خدا کی راہ میں جنگ کرتے ہیں دوسروں کو قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہوتے ہیں یہ وعدہ اللہ نے اپنے اوپر ٹھہرایا ہوا پکا اور سچا وعدہ ہے اللہ سے بڑھکر کون اپنے وعدہ کا پورا کرنے والا ہے۔ پس اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ اس سودے پر جو تم نے کیا اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

بظاہر تو یہ بہت ہی مشکل نظر آتا ہے کہ کوئی شخص اس طرح اپنے مال اور جان کو خدا کے ہاتھ بیچدے اور اس معیار پر پورا اترے اور بہت ممکن ہے کہ ذوق ایمان اور لذت عرفان سے ناآشنا لوگ خیال کریں کہ یہ چیز ایک حسین اور بلند تخیل سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کریم نے جو اصول بتلائے ہیں ان کو اس مسابقت اقوام کے زمانہ میں دنیا کے تجربہ نے بالآخر ایک سچا مذہب ثابت کر دیا ہے۔

ترقی اور کامیابی کا گر

آئیے اب ہم آپ کو یہ بتلائیں کہ مسلم کی زندگی کے راستے میں اتنی بڑی مشکل کیوں ڈالی گئی ہے اس لئے کہ ہر ذی عقل انسان جانتا ہے کہ کسی قوم میں کامیابی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک پوری قوت پوری توجہ اور پورے دل کے ساتھ اُسے سرانجام نہ دیا جائے اگر ادھورے دل اور لاپرواہی کے ساتھ کام کیا جاوے تو کبھی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی کامیاب انسانوں اور کامیاب قوموں کے حالات دیکھنے سے یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ جو کام انھوں نے کیا اُسے پوری توجہ اور دل کے ساتھ کیا اس مفہوم کو اس آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے اور اسی بات کو اس ارشاد سے پیدا کرنا مقصود ہے یعنی اللہ پاک نے اس میں عمل کا وہ اصول بیان کیا ہے جو ترقی اور کامیابی کا ضامن ہے۔

بظاہر تو انسان خود ہی اپنے مال اور جان کا مالک ہے مگر اس آیت سے صرف تبدیل ذہنیت مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے آپ کو ان چیزوں کا مالک نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ ان چیزوں کے متعلق اس کی یہ ذہنیت ہونی چاہیئے کہ یہ چیزیں تو صرف خدا کی ہیں وہ صرف امین ہے یہ چیزیں اُسے صرف امانت کے طور پر سپرد کی گئی ہیں پس جب کبھی وہ ان چیزوں کو مانگے اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کا مطالبہ کرے تو بلا چون و چرا اور بیدریغ اس کے سپرد کر دو یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی ہی ہیں جب وہ چاہے لے لے گویا فرمایا کہ مومن اور سچا مسلم وہی ہے جو اپنے آپ کو ان چیزوں کا مالک نہیں بلکہ امین سمجھتا ہے

مسلمانوں کی جہد للحیات کے کارناموں فتحمندیوں بکامرانیوں اور قربانیوں سے تاریخ اسلام لبریز ہے اور تاریخ اسلام سے واقفیت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ صحابہ کرام نے کس طرح اسلام کی پہلی ہی آواز پر اپنا جان و مال سب فروخت کر دیا تھا اور کیسے حفاظت و اشاعت اسلام میں ہنس ہنس کر جانیں فدا کی تھیں یہ سب نتیجہ تھا اسی قرآنی ہدایت کا اور خدا کے لئے سچے دل سے مطیع و منقاد ہو جانے کا وہ اپنے جان و مال کو اپنا نہیں بلکہ واقعی خدا کا تصور کرتے تھے

اگر عہد اول کے مسلمان جان و مال کی قربانیاں دینے سے جی چُراتے تو شاید اسلام ایک انچ بھی عرب کے باہر نہ نکلتا یہ ان دونوں چیزوں کی قربانیاں ہی تھیں جنھوں نے ان کو ہر طرح فائز المرام و شادکام کیا جس سے ہمارا سر غرور آسمان سے ٹکرا رہا ہے۔ دنیا میں

کامیابی حاصل کرنے والے وہی لوگ ہوئے ہیں جو جان و مال کی قربانیاں دیتے رہے اور جن کے اندر عمل کی قوت تھی قربانی کی طاقت کے سامنے دنیا کی کوئی مادی طاقت نہیں ٹھہر سکتی ایسی قرآنی ذہنیت رکھنے والا مسلمان دریاؤں کو پایاب کر سکتا ہے۔ سمندروں کو چیر سکتا ہے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے اٹھا سکتا ہے اور شیروں کو اپنا مطیع کر سکتا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے ہمیں دو سبق ملتے ہیں۔ ایک تو یہی قربانی کا اور دوسرے یہ کہ ہم اپنے اندر عمل کی قوت پیدا کریں اور یہ کہ دعویٰ صرف وہی کامیاب اور سچا ثابت ہو سکتا ہے جس کے ساتھ عمل کی قوت اور قربانی کی اسپرٹ ہو انسان کے اندر تمام قوت عمل ہی سے پیدا ہوتی ہے نرے زبانی دعووں سے اگر خدا کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنا چاہو اور جنت کے حقدار بننا چاہو تو "این خیال است و محال است و جنوں" پس معلوم ہوا کہ مسلمان وہ ہے جو اپنے اندر قربانی کا مادہ اور عمل کی قوت رکھتا ہو۔

ان تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہوا کہ مسلمان وہ ہے جو خدا کی فرمانبرداری اور طاقت کا ثبوت دے مفسرین اسلام اور فقہائے عظام نے اسلامی تعلیمات کو سامنے رکھکر عملی طور پر اطاعت کی چار صورتیں قائم کی ہیں۔

(۱) اصول اوّل۔ عمل بالقرآن کا نام طاعت خدا ہے۔

(۲) " دوئم۔ عمل بالحدیث کا نام طاعت رسول ہے۔

(۳) " سوئم۔ سلاطین اسلام آمرین بالحق اور امرا کی اطاعت "اولی الامر" ہے

(۴) " چہارم۔ مسائل متنازعہ فیہ کو کتاب اللہ اور سنت الرسول سے طے کرنا۔

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ یہ تمام فروع ایک "اصل" "اطاعت خدا کے تابع" ہیں۔

ارکان اسلام ان پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد قائم کی گئی ہے (۱) اس بات کی شہادت دینی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں (۲) بروقت نماز کا پڑھنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) حج کرنا (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔

پہلا رکن عقائد سے تعلق رکھتا ہے اور پچھلے چار عبادات سے۔ ان تمام عقائد اور عبادات کے بجا لانے والے کو مسلمان کہتے ہیں۔

دین اسلام میں نجات چونکہ عقائد حقہ صحیحہ پر موقوف ہے اور اعمال صالحہ صرف فرائض عبدیت اور تقرب و معرفت الٰہی کے وسائل اور ذرائع ہیں پس اس لحاظ سے مسلمان وہ

ہے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہو چونکہ اسلام نام ہے ظاہری و باطنی طور پر خدا کے سامنے جھک جانے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنے کا اور تصدیق رسول کا لازمی نتیجہ آپ کی تمام تعلیم کی تصدیق کرنا اور اعتقادی و عملی طور پر آپ کا اتباع کرنا ہے پس کلمہ شریف کا اقراری اور مسلمان وہی ہے جو تصدیق رسول کے ساتھ آپ کی تعلیمات کی بھی تصدیق کرے نہ محض زبانی طور پر کلمہ پڑھ لینا اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانا اور اعتقاد و عمل میں حضور علیہ التحیتہ والتسلیم کا خلاف کرنا مسلمان نہیں بنا سکتا۔

شہادتین یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا زبان و دل سے اقرار کرنا، احکام اسلامی دنیوی جاری ہونے کی لازمی شرط ہے۔ اگر کسی عذر سے قوت گویائی نہ ہو اور زبانی اقرار نہ کر سکے مگر وہ دل سے خدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا ہو تو ایسا شخص عند اللہ مومن ہے اور آخرت میں اس کی نجات یقینی ہے۔

چونکہ اسلام اپنے متبعین سے صرف کلمہ لا الہ الا اللہ کے اقرار اور چند ظاہری عبادات کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ کچھ حقائق غیبیہ کے تسلیم کرنے کو بھی لازمی قرار دیتا ہے جن کو عقائد کہا جاتا ہے قرآن کریم ایک مسلمان سے پہلے "امنوا" کا مطالبہ کرتا ہے اس کے بعد عملوا الصالحات کا درجہ ہے اس لئے ایمان کی حقیقت اور اس کے متعلقات پر بھی روشنی ڈالنا ضروری ہے تاکہ سوال مندرجہ بالا عنوان کا راستہ صاف ہو جائے اور جواب میں آسانی ہو اس مناسبت سے حقیقت ایمان بیان کی جاتی ہے۔

سوال اسلام کسے کہتے ہیں اور مسلمان کون ہوتا ہے۔

جواب۔ ان تفصیلات و متعلقات کے ذہن نشین کر لینے کے بعد معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام خدا کو ایک اور پیغمبروں کو سچا اور کلام الٰہی کو برحق ماننے کو کہتے ہیں اور جس میں یہ اعتقاد عملی طور پر متحقق ہو جائے وہ مسلمان ہے۔

چونکہ خدا کو ایک پیغمبروں کو سچا اور کلام الٰہی کو برحق ماننے کی تفسیر و تعبیر میں اختلاف اور اسلامی تعلیمات کا خلاف بھی ہو سکتا ہے یعنی بہت سے فرقے مسلمانوں میں ایسے بھی نکل سکتے ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر درحقیقت وہ اسلام میں داخل نہیں اس لئے جھوٹے اور سچے میں امتیاز کرنے اور مسلمان و اعتقادی کافر میں فرق ظاہر کرنے کے لئے علمائے محققین اسلام نے یہ دو اصول مقرر کئے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو عقائد و اعمال کے متعلق جو کچھ تعلیم و تلقین فرما گئے ہیں اس میں ایک ذرہ کا اضافہ اور ایک ذرہ کی کمی نہیں ہو سکتی۔

(۲) خدا تعالیٰ کی ذات و صفات و دیگر عقائد کے متعلق قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے یا جو کچھ پیغمبر سے بتواتر ثابت ہوا ہے اور ان کی نسبت اجمالاً یا تفصیلاً جو کچھ اور جس حد تک انہوں نے تفسیر و تشریح کی ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اپنی عقل اور قیاس اور استنباط سے تفسیر و تشریح کرنی صحیح نہیں اور نہ اس پر ایمان لانا ہمارے ایمان کا جزو ہے۔

ان دو اصولوں پر جو اعتقادی اور عملی طور پر قائم ہے اور ان دونوں معیار پر پورا اترتا ہے وہی مسلمان ہے۔

چونکہ اسلام علم و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ علم پر نجات اور عمل پر اسلام کا کمال منحصر ہے وہ تخیلی زندگی نہیں بلکہ عملی زندگی بسر کرنے پر زور دیتا ہے اور علم و عمل کے ایک بلند ترین مقام پر پہنچانا چاہتا ہے اس لئے مسلمان کی زندگی کا مقصد اعلاء کلمۃ الحق، روحانی قدروں سے ٹکرانے والی طاغوتی طاقتوں سے ٹکرا کر باطل کو سرنگوں کرنا اپنے جسم اور دماغ کو آزاد رکھنا اور صرف خدا کی غلامی قبول کرنا اور مظلوموں کو اپنے لوار رحمت کے سایہ میں پناہ دینا ہے۔

حقیقت ایمان

ایمان عربی زبان کا مصدر ہے جس کے معنے ہیں ملنے پناہ دینے بے خوف کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کے اور اصطلاح شرع میں ایمان سے مراد وہ اقرار لسانی اور تصدیق قلبی ہے جو کسی نبی کی تعلیم کی نسبت ظاہر کی جائے دلی انشراح کے ساتھ محض تقویٰ اور دور اندیشی کے لحاظ سے صرف نیک ظنی کی بنیاد پر نبی کی بتائی ہوئی باتوں کو تسلیم کیا جائے یعنی ایمان عبارت ہے تصدیق اور ایمان قلبی سے اور اقرار لسانی شرط ایمان ہے نزدیک جمہور محققین کے مگر اس امر میں کہ اعمال و افعال حقیقت ایمان میں داخل ہیں یا خارج؛ محققین و متکلمین میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آتا ہے اور علمائے اسلام میں یہ مسئلہ معرکۃ الآرا رہا ہے متقدمین کے افکار آرا پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ناظرین اس اہم اور ضروری مسئلہ کی حقیقت تک پہنچ جائیں

شرح طوالع اصفہانی میں ہے۔

عن مجموع ذلک ای عن تصدیق — اس کے مجموع یعنی تصدیق رسول سے مراد

الرسول علیہ السلام فی کل ما علم مجیئہ بالضرورۃ کانت الصلوٰۃ الخمس ووجوب الصوم والزکوٰۃ وحرمۃ الخمر والزنا وعن کلمی الشہادۃ و عن امثال الواجبات والاجتناب عن المحرمات عند اکثر السلف فانھم قالوا الایمان عبارۃ عن التصدیق بالجنان والاقرار باللسان والعمل بالارکان۔

ان تمام چیزوں کا یقین واعتقاد اور جاننا ہے جن کا خدا کی طرف سے لانا صراحتاً ثابت ہو جیسے پانچ نمازیں واجب ہونا روزہ اور زکوٰۃ کا حرام ہونا شراب کا اور زنا کا دونوں کلمے شہادتین واجبات کے بجالانے حرام سے پرہیز کرنے اسی واسطے اکثر متقدمین نے کہا ہے کہ ایمان عبارت ہے تصدیق قلب اقرار باللسان اور عمل بالارکان سے۔

اسی طوالع کی شرح میں رومی نے بعد ذکر اختلاف مذاہب کے لکھا ہے کہ والثالث ھو المجموع وھو مذھب اکثر السلف اور تیسرا قول محققین ایمان کا یہ ہے کہ وہ مجموعہ ہے تصدیق بالقلب اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا اور یہی اکثر متقدمین کا مذہب ہے اسی طرح امام فخر الدین رازی اپنی کتاب نہایت العقول میں مذہبوں کا ذکر کرکے لکھتے ہیں:۔

وما کان اسما لمجموع اعمال القلب والجوارح فھم الذین قالوا الایمان تصدیق بالقلب واقرار باللسان وعمل بالارکان وھم اکثر السلف

اور اگر ایمان نام ہو اعمال قلب اور اعضا کا تو یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق ہے ساتھ قلب کے اقرار ہے ساتھ زبان کے اور کام ہے ساتھ اعضاء کے اور یہی مذہب اکثر متقدمین کا ہے۔

مواقف میں قاضی عضد الدین اور اس کی شرح میں سید شریف جرجانی فرماتے ہیں

وقال السلف ای بعضھم کابن مجاھد واصحب الاثرای المحدثون کلھم انہ مجموع ھذہ الثلثۃ فھو عندھم تصدیق بالجنان واقرار باللسان وعمل بالارکان۔

بعض متقدمین جیسے ابن مجاہد اور سب اصحاب حدیث کہتے ہیں کہ ایمان مجموع ہے ان چیزوں کا۔ تصدیق قلب اقرار لسان۔ عمل بالارکان کا۔

علامہ سیف الدین آمدی ابکار الافکار میں بعد ذکر اقوال و مذاہب مختلفہ لکھتے ہیں۔

واما من قال انہ لا یخرج من المرکب من اعمال القلب والجوارح قال ھو المعرفۃ بالاجنان والاقرار باللسان والعمل بالارکان وھو مذھب اکثر اھل الاثر وابن مجاھد۔

جس نے کہا کہ ایمان مرکب ہے دل اور اعضا کے کاموں سے اس نے کہا ہے کہ ایمان پہچاننا ہے دل کے اقرار سے ساتھ زبان کے اور کام ہے ساتھ اعضاء کے اور یہی مذہب ہے اکثر اہل حدیث اور ابن مجاہد کا

کانبی مفصل شرح مفصل میں فرماتے ہیں وذھب السلف الی انہ اسم للتصدیق والاقرار باللسان والعمل بالارکان اور کئی سلف اسی طرف گئے ہیں کہ ایمان نام ہے واسطے تصدیق اقرار زبان اور عمل بالارکان کا مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم میں ہے وہ ایمان کونسا ہے جس کا نتیجہ دوزخ سے نجات پانا ہے اس میں بعض کا قول تو یہ ہے کہ وہ صرف یقین کرنے کا نام ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ہے اور بعض ان دو باتوں کے ساتھ تیسری بات اور بڑھاتے ہیں اور اعضاء سے عمل کرنا۔

ابن حنفی شرح اربعین میں لکھتے ہیں۔

او للمجموع وھو مذھب اکثر السلف وجمیع ائمۃ الحدیث من المتکلمین و حکی الشافعی اجماع الصحابۃ والتابعین فمن بعدھم فمن ادرکھم وانکر السلف علی من اخرج الاعمال عن الایمان انکارا شدیدا وممن انکر وجعلہ قولا محدثا سعید بن جبیر ومیمون بن مھران وقتادۃ وایوب ونخعی والزھری ویحیی بن کثیر قال الثوری ھو رأی محدث ادرکنا الناس علی غیرہ قال الاوزاعی کان من مضی ممن سلف لا یفرقون بین الایمان والعمل

یا ایمان نام ہے مجموع کا اور یہی مذہب ہے اکثر متقدمین اور جمیع اہل حدیث کے امام شافعی نے اجماع صحابہ۔ تابعین اور بعد ان کے جن کو پایا امام شافعی نے اور سلف نے سخت انکار کیا ہے اس شخص سے جس نے اعمال کو ایمان سے خارج پایا۔ اور ان میں سے جنہوں نے انکار کیا اور اس کو قول محدث ٹھیرایا یہ ہیں سعید بن جبیر میمون بن مہران قتادہ۔ ایوب۔ نخعی۔ زہری اور یحیی بن کثیر۔ ثوری نے کہا کہ یہ رائے نئی ہے میں نے لوگوں کو اس کے خلاف پایا اور اوزاعی کہتے ہیں کہ زمانہ گذشتہ

کہ متقدمین ایمان اور عمل کے درمیان کوئی فرق نہ کرتے تھے۔

اب چند مشہور اور درسی کتابوں کے اقوال بھی پیش کر دینے ضروری ہیں تاکہ زیادہ وضاحت ہو جائے اور محققین اسلام کی موشگافیاں ترقی ایمان کا موجب ہوں اور یقین و اعتقاد کا راستہ صاف ہو جائے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے:-

الایمان فی اللغۃ التصدیق ای اذعان حکم المخبر وقبولہ وجعلہ صادقا فاعلم ان الایمان فی الشرع ھو التصدیق بما جاء بہ من عند اللہ تعالیٰ

ایمان کے لغوی معنے تصدیق ہیں یعنی حکم مخبر کا یقین اس کا قبول کرنا اور اس کو سچا ماننا تحقیق شرع میں ایمان نام ہے اس چیز کی تصدیق کا جو نبی کریم صلعم خدا کی طرف سے لائے۔

شرح وقایہ میں ہے:-

واما عند الوفات فقد دعا بالتوفی علی الایمان وھو التصدیق والاقرار

اور نزدیک وفات کے دعا کرنا ساتھ مرنے ایمان کے اور ایمان نام ہے تصدیق اور اقرار کا۔

ان اقوال مختلفہ کے ظاہری تعارض سے پریشان نہ ہونا چاہیئے ایمان کی لغوی اور شرعی تعریف میں سب متفق ہیں اگر اختلاف ہے تو صرف چند زائد تفسیری امور میں اور یہ مختلف اقوال ہم نے محض اس لئے پیش کئے ہیں کہ ناظرین کی معلومات میں اضافہ ہو۔ وہ اپنے علماء کی نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی کی داد دیں اور اس مسئلہ کے تمام پہلو ان کے سامنے آجائیں۔

مسئلہ ایمان میں علمائے حنفیہ کا مسلک اس مسئلہ میں علمائے حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ایمان نام ہے تصدیق بالقلب کا جیسا کہ علامہ قوشجی نے شرح تجرید میں کہا ہے وقال طائفۃ وھو التصدیق مع کلمتی الشہادتین ویروی ھذا عن ابی حنیفۃ ایک گروہ کہتا ہے کہ ایمان نام ہے تصدیق مع دونوں کلمے شہادتین کا اور یہی امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا گیا ہے نیز شرح عقائد میں ہے وذھب جمھور المحققین الی انہ ھو التصدیق بالقلب وانما الاقرار شرط لاجراء الاحکام فی الدنیا لما ان تصدیق القلب امر باطن لا بد من علامۃ

فمن صدق بقلبہ ولم یقر بلسانہ فہو مومن عند اللہ تعالیٰ یعنی جمہور محققین کا مذہب یہی ہے کہ ایمان تصدیق بالقلب کا نام ہے اور اقرار لسانی صرف دنیوی احکام جاری ہونے کی ایک شرط ہے کیونکہ تصدیق قلبی ایک امر باطنی ہے اس لئے لازمی طور پر اس کے لئے کوئی علامت ظاہری ہونی چاہیئے پس جو شخص قلب سے وحدانیت اور رسالت کی تصدیق کرے مگر زبان سے اس کا اقرار نہ کرے وہ عند اللہ مومن ہی۔

ایمان کی مختصر تفسیر اسلام نے عقائد کے تحت میں نو حقائق کو تسلیم کر لینے کی تلقین فرمائی ہو اور ساتھ ہی یہ بھی بتلایا ہو کہ ان حقائق کو صرف تسلیم کر لینا نجات کے لئے تو کافی ہے مگر ان کا اثر فائدہ اور کمال اسی وقت ظاہر ہوگا جبکہ ان حقائق کی شانوں کو سامنے رکھکر ان کی اعلیٰ اور ارفع صفات کی تقلید اور اتباع کیجائے شریعت کی زبان میں اسی فعل قلبی کا نام "ایمان" یا ایمان لانا ہے لہذا شریعت کی اصطلاح اور قرآنی زبان میں ایمان کی تعریف یہ ہوئی۔

ایمان

کسی حقیقت کو دل سے مان لینا اور دل سے تسلیم کرنا نیز یہ کہ اس حقیقت کے اعلیٰ صفات کو اپنے وجود کے اندر پیدا کرنے کی غرض سے عملاً ان صفات کی تقلید کرنے اور اتباع کرنے کا نام ہے۔

حقائق ایمانیہ وہ نو حقائق یہ ہیں۔ وجود باری تعالیٰ کا اقرار و اعتراف۔ ملائکہ کے وجود کا اعتراف۔ کتب الہامیہ کا اقرار۔ تمام رسولوں کی تصدیق۔ قیامت یا روز جزا کا یقین۔ خدا کی طرف سے نیکی و بدی کے اندازہ کرنے کا اعتقاد جس کو مسئلہ تقدیر کہتے ہیں یعنی یہ ماننا کہ خیر و شر دونوں خدا کی طرف سے ہیں۔ مرنے کے بعد جی اٹھنے کا اقرار۔ جنت کا یقین اور دوزخ کا اعتقاد یعنی جنت دوزخ دونوں کا وجود خارج میں تسلیم کرنا۔

ان حقائق ایمانیہ کا خواہ تفصیلی اقرار کیا جائے یا مجمل طور پر ہر مسلمان کو اختیار ہو ان حقائق میں سے دو حقیقتیں یعنی وحدانیت اور رسالت (رسالت سے مقصود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق ہے) اصولی اور اہم عقائد ہیں ان دونوں کی تصدیق اور

اقرار میں بالتبع اور لازمی طور پر یہ تمام حقائق آجاتے ہیں۔

ایمان مجمل یہ ہے امنت باللہ کما ھو باسمآئہ وصفاتہ وقبلت جمیع احکامہ یعنی میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ اپنی ذات وصفات میں ہے اور میں نے اس کے تمام احکام قبول کئے۔

ایمان مفصل یہ ہے امنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت یعنی میں اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اسکے رسولوں پر دن آخرت پر نیکی وبدی کے اندازہ کرنے پر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لایا۔

اگرچہ ایمان مجمل نجات کے لئے اور اسلام کے فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کافی ہے مگر تفصیلی ایمان افضل اور اعلیٰ ہے ایمان مجمل سے ایمان مفصل کا درجہ زیادہ ہے۔

ایمان کے رکن ایمان کے دو رکن ہیں۔ توحید۔ اور رسالت یہ دونوں رکن کلمہ شہادتین میں بیان کر دیئے گئے ہیں اور شہادتین کے کلمے یہ ہیں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ یعنی گواہی دیتا ہوں میں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (عبادت وپرستش کے لائق صرف ذات الٰہی ہے اور وہ اپنی ذات وصفات میں ایک ہے) اور محمد رسول اللہ اس کے بھیجے ہوئے سچے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

ایک ضروری نوٹ حقائق ایمانیہ کی تفسیر وتعبیر میں وہی قول معتبر اور مقبول ہوگا جو کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ اور قول صحابہ وتابعین کے مطابق ہو یعنی ہمیں اپنی طرف سے کوئی حق حاصل نہیں کہ ہم ملائکہ، مسئلہ تقدیر، قیامت بعث بعد الموت اور جنت ودوزخ کا مفہوم اپنی طرف سے متعین کرلیں اور عقل ونقل کی مطابقت میں موجودہ علوم سے مرعوب ومسحور ہوکر کوئی تاویل کر ڈالیں جیسا کہ بعض مغربی تعلیم یافتہ حضرات کا وطیرہ ہے یہ اس لئے کہ ان حقائق کا مفہوم شریعت میں متعین ہو چکا ہے اب اس کے خلاف راستہ ڈھونڈھنا سراسر گمراہی ہے۔

البتہ ان کی حقیقت اور کنہ تک رسائی اور یقین واعتقاد حاصل کرنے کے لئے چھان بین کیجا سکتی ہے اور شک وجہل کا ازالہ علم بصیرت سے کیا جاسکتا ہے نہ کہ تخمینا ورائے اور

تلعب وتحرص سے اسلام کی تمام تعلیم تعیین برہان پر مبنی ہے اور فطرت کو طمانیت وسرور اور قلب کو راحت بخشنے والی ہے اس میں خیال قیاس، شک، جہل اور اضطراب وغیرہ کا نام ونشان تک نہیں نہ یہاں شک کی بھینی ہے نہ جہل وظلمت کا ہراس ہے نہ تردد کی راہ ہے اور نہ مافوق ادراک باتوں کا جبری اعتراف یہاں جو کچھ بھی ہے علم ونور، ہدایت وسرور اور رویت ومشہودیت ہے۔ ایمان اور ایقان نام ہی عدم شک اور تلکین واذعان کا ہے البتہ ضرورت علم وبصیرت اور عقل ونقل کے تطابق کی اہلیت کی ہے نا اہل شریعت کی حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور مسائل شرعیہ کو ظاہری دو بول سے پھیرنا اور ایسی تاویل کرنا جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق نہ ہو ہر گز ہر گز جائز نہیں ایسے عقائد کی تفہیم و تعبیر کا قاعدہ یہ ہے

والنصوص من الکتب والسنۃ تحمل علی ظواھرھا مالم یصرف عنھا دلیل قطعی کما فی الآیات التی تشعر بظواھرھا بالجنۃ والجسمیۃ ونحو ذلک (شرح عقائد نسفی)

اور کتاب وسنت کے نصوص کو ظاہری دو بول پر حمل کیا جائے گا جبتک کہ ان کو ظاہر سے پھرنے کا کوئی زبردست قرینہ اور دلیل قطعی نہ مل جائے جیسا کہ جنت اور جسمیہ کی آیات جن میں نعمائے جنت اور خدا تعالےٰ کی جہت جسمیہ مثلاً ساق، ید اور وجہ وغیرہ کا ذکر ہے۔

اعمال صالحہ ایمان میں داخل نہیں کیونکہ حقیقت ایمان فقط تصدیق قلبی ہے جیسا کہ ہم دکھا چکے ہیں۔ شرح عقائد نسفی میں "عمل صالح" اور "ایمان" میں مغائرت ثابت کرنے کے حسب ذیل دلائل موجود ہیں۔

(۱) قرآن اور احادیث میں "اعمال" کو "ایمان" پر عطف کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت اس میں اعمال کو ایمان پر عطف کیا ہے اور معطوف ومعطوف علیہ ایک نہیں ہوتے پس قطعی طور پر ثابت ہوا کہ حقیقت ایمان میں اعمال کو کوئی دخل نہیں۔

(۲) اللہ پاک نے "ایمان" کو صحت اعمال کی شرط قرار دیا ہے کما فی قولہ تعالیٰ ومن یعمل من الصالحٰت من ذکر او انثیٰ وھو مومن اس میں ایمان کو عمل صالح کی شرط قرار دیا ہے اور شرط ومشروط ایک چیز نہیں پس اس سے بھی قطعی طور پر ثابت ہوا کہ "ایمان" اور "اعمال" دو مغائر چیزیں ہیں۔

صرف ان ہی دو دلیلوں پر اکتفا کیا جاتا ہے جو ہمارے مدعا کو بخوبی ثابت کرتی ہیں باقی دلائل کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اسلام سچے مذہب کے معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں؟

ہم نے پچھلے کسی باب میں سچے مذہب کے تیرہ اصول بتلائے ہیں پانچ علامہ شبلی کے اور آٹھ ان کے علاوہ ہم اس عنوان میں انہی اصول کے معیار پر اسلام کو جانچ کر بتلائیں گے کہ اسلام سچے مذہب کے معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔

سب سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے دیگر مذاہب نے عقل کو کیا درجہ دیا تھا اور نظر و استدلال کے کون سے طریقے اختیار کئے گئے تھے اور مذہب نے اس کی کیا منزلت قائم کی اور نظر و استدلال کے کون سے طریقے بتلائے اور مذہب کے معاملہ میں عقل کی بیکاری اور تقلید سے عملی و علمی حیثیت سے کیا نقصان پہنچا ہے۔ علامہ شبلی کہتے ہیں:۔

دنیا میں آج جس قدر مذاہب موجود ہیں ان سب میں تلقین کی ابتدا اس حکم سے شروع ہوتی ہے کہ "مذہب میں عقل کو دخل نہ دو" یہی جابرانہ حکم ہے جس کی بدولت مذہب ہر قسم کی تحقیقات اور اجتہادات سے مطمئن رہتا ہے اور اس میں سے کوئی چیز اس کی قہاری کو کم نہیں کر سکتی اس کا اثر ہے کہ ایک شخص منطق، فلسفہ اور ریاضیات میں سینکڑوں عجیب و غریب ایجادات کرتا ہے اور ارسطو و افلاطون کی غلطیاں نکالتا ہے لیکن جب اس کے سامنے اس مسئلہ کا ذکر آتا ہے کہ ایک تین ہیں اور تین ایک تو اس کی نقادی اور نکتہ سنجی بالکل کند اور بیکار ہو جاتی ہے کہ سقراط اتنا بڑا فلسفی ہو کر جان دینے کے وقت وصیت کر جاتا ہے کہ فلاں بت پر میں نے نذر چڑھانے کی جو منت مانی تھی وہ پوری کی جائے اس کا نتیجہ ہے کہ مذاہب میں سینکڑوں حکماء و علما پیدا ہوتے ہیں مگر مذہب کے لغو سے لغو عقیدے کی نسبت بھی ان کو شک نہیں پیدا ہوتا عقل کی اس بیکاری سے صرف یہ نقصان نہیں پہنچتا کہ جو لغو عقیدہ ایک دفعہ قائم کر لیا گیا تھا وہ اپنے حال پر قائم رہتا ہے بلکہ توہمات اور عجائب پرستی کا زور روز بروز بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ چند روز کے بعد مذہب کے عمدہ عقائد بھی ان توہمات کے ہجوم میں چھپ جاتے ہیں اور مذہب ہمہ تن عجائبات اور ناممکنات کا مجموعہ بن جاتا ہے یہی چیز ہے جس نے

یورپ کے آزاد خیالوں کو مذہب سے متنفر بنا دیا ہے پروفیسر لاروس نے تمام مذاہب کے برباد ہو جانے کی جو پیشین گوئی کی ہے اسی بنا پر کی ہے کہ مذہب عقل کو برباد کرنا چاہتا ہے اس لئے ضرور ہے کہ خود برباد ہو جائے یہی پروفیسر ایک مقام پر لکھتا ہے۔
اگر ہم خود غرضی اور وہم پرستی کی اس بات کا پتہ لگائیں کہ دنیا میں آجتک جس قدر بڑی دماغی اور اخلاقی ترقیاں ہوئی ہیں ان کا اصلی سبب کیا ہے تو صرف یہ جواب ہے کہ عقل کا جبر کے شکنجہ سے نجات پانا (الکلام صفحہ ۲۷)

اب اسلام کی تلقین ملاحظہ ہو۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ مذہب کا مدار علی العموم عقل پر رکھنا عام و خاص عقلوں کے ہاتھ میں مذہب کی تصدیق و تکذیب دیدینا صرف عقل کو تمام علوم کے ادراک کے لئے کافی سمجھ لینا اور عقل کے سوا علوم اور انکشاف حقائق کے حصول کا کوئی اور ذریعہ نہ ماننا صحیح نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں مذہب کے معاملہ میں عقل سے کام ہی نہیں لینا چاہیئے یا مذہب اسلام کا کوئی حکم عقل سلیم کے خلاف ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ عقل کے ادراک کی ایک حد ہے جس سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور میزان عقل میں صرف وہی چیزیں تولی جا سکتی ہیں جو اس کے باٹ میں آسکتی ہوں۔

اسلام کے تمام احکام عقل و فطرت کے مطابق اور مصالح عقلیہ پر مبنی ہیں مگر حقائق صفات الٰہیہ اور حقائق نبوت کو میزان عقل میں تولنا ہر ایک کا کام نہیں عقل مذہب کے تطابق کیلئے چند شرائط اور قیود کی پابندی کی ضرورت ہے انکی پابندی کرتے ہوئے جو مقتضیات عقل کے مطابق ہیں اور جن کو ہم آیندہ بیان کرینگے احکام شرعیہ کے مصالح کی تلاش و جستجو کرنا ہر شخص کا فرض اور ہر ایک کو حق حاصل ہے یہی مطالبہ ہے جو اسلام اپنے متبعین اور مخالفین سے کرتا ہے کہ آؤ میرے احکام کو پرکھو۔ میرا کوئی حکم عقل کے خلاف نہیں۔

اس بارے میں اسلام کی تعلیم و تلقین بیان کرنے سے پہلے عقل کی تعریف آلات حواس نظر و استدلال کے طریقے عقل و فطرت کے حجابات و موانعات اور طریقہ اکتساب وغیرہ امور پر روشنی ڈالنا اشد ضروری ہے تاکہ اس معیار کے تاریک اور روشن دونوں پہلو منظر عام پر آجائیں اس معیار کی واقعیت سے تو ہمیں انکار نہیں البتہ اس میں کلام ہے کہ اس معیار پر مذہب کو جانچنے کی عام اجازت دی جائے اور عقل و فہم سے بالاتر حقائق

کے وجود ہی سے انکار کر دیا جائے جیسا کہ آجکل کے عقل پرستوں کا شیوہ ہے کہ وہ حقائق نبوت اور اسرار غیب کو بھی اپنی عقل کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور جس چیز کی تصدیق عقل وہ مانع نہ کرے اس سے انکار کر دیتے ہیں حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام کا وہ حصہ جو ہماری عملی زندگی سے تعلق رکھتا ہے خواہ وہ عقائد میں سے ہو یا عبادات و معاملات میں سے وہ تمام کا تمام عقل کے مطابق ہے اور وہ حصہ جس کو ہماری زندگی سے تعلق نہیں وہ فہم انسانی سے بالاتر ہے اور فہم انسانی سے بالاتر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عام اور گندی عقلوں میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ صفات حقائق الٰہیہ کا ادراک کر سکیں۔

چونکہ ہمارے خیال میں یہ معیار ایک حیثیت سے ٹھیک ہے اور دوسری حیثیت سے غلط اسلئے ہم دونوں حیثیتیں بالتفصیل واضح کرنا چاہتے ہیں اور سارا زور بیان اسی عنوان پر صرف کریں گے کیونکہ یہ وقت کا ایک اہم ترین موضوع بحث ہے اور آیندہ چل کر ہمیں علم کلام کا بیان کرنا ہے جس میں عقائد اسلامی میں سے بہت سے عقائد ایسے آئینگے جو فہم انسانی سے بالاتر ہیں نیز اس زمانہ میں مذہب اور علم کی لڑائی نہایت زور شور سے ہو رہی ہے عقل و نقل کی باہم آویزش اور معرکہ آرائی کا ہر طرف شور ہے علم اور دین کی یہ جنگ کوئی نئی نہیں ہے بلکہ قدیم سے ہے ہر قوم اور ہر مذہب کو پہلے اندرونی اور خارجی طور پر عقل و نقل کی جنگ سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اسلام میں فرقہ معتزلہ نے پہلے عقل و نقل کی جنگ کا آغاز کیا اور پہلی مرتبہ اسلام کو عقلی معیار پر پورا اتارنے کی کوشش کی مگر جب سے علم نے دین عیسوی کو شکست فاش دی اور مذہب سے گلو خلاصی کرائی اس وقت سے علم نئے ڈھنگ اور نو ایجاد ہتھیاروں سے مسلح ہو کر مذہب پر حملہ کر رہا ہے نئے خیالات اور نئے افکار نے مذہبی دنیا میں ایک طوفان بپا کر رکھا ہے اور اب کی مرتبہ علم کا حملہ نہایت سخت اور خطرناک ہے۔

سوال علم اور دین اور عقل و نقل کی جنگ سے آپ کی کیا مراد ہے اسکی ذرا تشریح کر دیجئے تاکہ وہ لوگ جو کتابی اور اخباری زبان سے واقفیت نہیں رکھتے وہ بھی اصل مطلب سمجھ لیں۔

جواب علم اور دین یا عقل و نقل سے مراد یہ ہے کہ آجکل یورپ کے عقلا اور حکما کی دیکھا دیکھی ہر شخص اس کوشش میں ہے کہ عقل و فلسفہ جس امر کے متعلق کوئی جواب مانگے تو اس کو مذاہب میں تلاش کرنا چاہیئے جس امر کی یہ دونوں تصدیق کریں اس کی تصدیق کرنی چاہیئے اور جس سے انکار کریں اس سے انکار کر دینا چاہیئے یعنی مذہب عقل کا محکوم ہو کر رہے یہ تو نئی روشنی

والوں اور علم وعقل کے مدعیوں کا خیال ہے اب اس کے مقابلہ میں مذہب والے دو قسم کے ہیں ایک گروہ تو کہتا ہے کہ عقل کو مذہب کے کسی مسئلہ میں دخل نہیں دینا چاہیئے ورنہ ہم گمراہ ہو جائیں گے لہٰذا جو کچھ مذہب کا حکم ہو خواہ وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس کو مان لینا چاہیئے یہ ان نام نہاد مذہبی علماء کا خیال ہے جنھوں نے مذہب اور نبوت کی ضرورت و حقیقت کو سمجھا ہی نہیں اور ان کو مذہب کی ہوا تک نہیں لگی خصوصاً مذہب اسلام تو سختی سے اس بات کے خلاف ہے کہ یونہی الٹکل پچو اور بلا سوچے سمجھے اس کی کوئی بات مان لی جائے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ بیشک عقل اور فلسفہ جن امر کا جواب مانگیں مذہب سے وہ مگر مادی اور روحانی کائنات کا انحصار اپنی معلومات کرتب پر کرو کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں یا جو کچھ ہمارے علم میں ہے کل کائنات اسی میں محدود ہے اور عقل سے اتنا ہی کام لو جتنا وہ کر سکتی ہے اس میں وہی چیزیں تو لو جن کا اس میں وزن کیا جا سکتا ہے نہ کہ تم سونا چاندی تولنے کے کانٹے میں پہاڑ تولنے لگو۔ جہاں تک مذہب عقل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے وہاں تک دونوں کو ساتھ ساتھ چلاؤ اور جب عقل کے سمجھنے کی حد ختم ہو جائے اور مذہب اس کی رفاقت سے جواب دیدے تو سمجھ لو کہ بس اب عقل اس حد پر پہنچکر معزول اور فطرت بے خبر ہو گئی یہی گروہ ہے جس نے مذہب کی حقیقت کو سمجھا ہے اور عقل اور نقل (نقل سے مراد مذہب یا مذہبی روایات و احادیث ہیں) دونوں کے جامع ہیں اور جن کی ہمیں آج سخت ضرورت ہے عقل و فلسفہ کے حامیوں کو اہل عقل اور مذہبی روایات کے محافظوں کو اہل نقل کہا جاتا ہے۔ اہل عقل مذہب والوں کو بیوقوف کم علم کوڑھ مغز اندھا مقلد اور خدا جانے کیا کیا کہتے ہیں اور اہل نقل عقل والوں کو گستاخ بے ادب مغرور اور بالآخر ملحد اور بے دین کہتے ہیں اس تو تو میں میں اور خیالات و افکار کی کھینچا تانی کو علم اور دین یا عقل و نقل کی جنگ کہا جاتا ہے اور یہ خیالات کی کشاکش علوم جدیدہ اور تہذیب مغربی جہاں پہنچتی ہے وہاں اپنے ساتھ لیجاتی ہے اور وہاں کے باشندوں اور مذہب والوں میں عقل و نقل کی جنگ برپا کر دیتی ہے۔

مدعیان عقل کی کجروی

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی مذہب کو عقل کے معیار پر جانچنا واقفیہ . . . ے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ اگر عقل والے اس کا غلط استعمال نہ کریں عقل کی حد سے آگے نہ بڑھیں اور مذہبی عقائد کو سمجھ لینے کی پوری پوری استعداد اور صلاحیت رکھیں تو مذہب والوں کو ان سے کوئی وجہ پرخاش

نہیں ہو سکتی -

بے راہ روی اور غضب تو یہ ہے کہ ان عقل پرستوں نے کسی مذہب کے عقلی معیار پر پورا اُترنے کا مطلب یہ قرار دیا ہوا ہے کہ جن عقائد کی تصدیق فلسفہ جدید سے ثابت ہو جائے وہ صحیح ہیں اور جو علوم جدیدہ سے ثابت نہ ہوں وہ فرسودہ اور آبائی خیالات ہیں یا بالفاظ دیگر یورپ کے دہریوں کا اتباع کیا جائے جس بات کو وہ مانیں اُس کو مان لیا جائے اور جس سے انکار کریں اُسکی تردید کردی جائے نئی روشنی والوں کا یہی وطیرہ ہے جو اہل نقل کو برافروختہ کئے ہوئے ہے - ورنہ ہر صحیح الخیال مسلمان خواہشمند ہے کہ مذہب کو علم کے حملہ سے بچایا جائے - اور موجودہ علوم فنون کو مذہب سے علیحدہ یا اُس کے زیر اثر ثابت کر دیا جائے -

عقل اور فلسفہ کے غلط استعمال اور مذہب کی عدم واقفیت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض مذہبی عقائد کا انکار کرنا پڑتا ہے - کیونکہ فلسفہ جدیدسے دینی عقائد تو رہے ایک طرف خدا کی خدائی بھی ثابت نہیں ہو سکتی - اگر فلسفہ جدید ثابت کرتا ہے تو ڈارون اور ہیکل کے خدا کو جس کا نام فرسٹ کاز یا علت العلل ہے -

اِس زمانہ کی سائنس کی رو سے خدا کی ذات و صفات کے متعلق تمام عقائد محض خیالی ڈھکوسلے اور اولڈ فیشن والوں کے سٹرل خیالات ہیں - اس زمانہ کے فلاسفر اور حکیم اور نئی روشنی کے لوگ مذہبی خیالات رکھنے والوں کو ضعیف العقل اور آبائی خیالات کا پابند سمجھتے ہیں - ماڈرن سائنس (علوم جدیدہ) کے جاننے والوں کا فتویٰ ہے کہ خدا وجود معطّل ہے - رزاقی - ربوبیت اور الوہیت وغیرہ عقائد بیہودہ خیالات ہیں - نبوت دھوکہ کی ٹٹی ہے - وحی افسانہ ہے - الہام خواب یا جنون ہے روح فانی ہے - قیامت ڈھکوسلا ہے - عذاب وثواب انسانی اوہام ہیں - دوزخ اور جنت محض دل کا بہلاوہ ہیں - مرنے کے بعد نہ سزا ہے نہ جزا اور انسان صرف ایک ترقی یافتہ بندر ہے - یہ ہیں اس زمانہ کے سائنسدانوں اور فلاسفروں کے خیالات و افکار جن کو عقل کے کامل - حکمت کے موجد اور علم کے دریا کے شناور مانا جاتا ہے - غرض یہ عقل جو یورپ کے فلاسفروں اور حکیموں کے پاس ہے - اس عقل سے تو مذہب کا کوئی عقیدہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا - لہذا مذہب کے عقل و فطرت کے مطابق ہونے کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہ سمجھا جائے کہ مذہب کے کسی عقیدے کو فلسفہ جدید سے ثابت کیا جائے فلسفہ جدید کو الہامی اور قطعی ماننے کے بعد مذہب کا سلسلہ ہی بیکار ہو جاتا ہے - اب ہم اصل مطلب کی طرف عود کرتے ہیں - بعونہ تعالیٰ -

عقل کی تعریف

عقل نفس کی ایک قوّت کا نام ہے جس سے نفس علوم کا ادراک کرتا ہے اور علم عقل کا اتباع کرتا ہے۔ مگر اس وقت جبکہ عقل کے آلات کام کے ہوں اور ان کا صحیح استعمال کیا جائے۔ ورنہ اگر آلات کی سلامتی اور فطری استعداد میں کوئی نقص ہوگا۔ تو پھر عقل صحیح علم حاصل نہیں کر سکتی اور ظنون و اوہام کے میدانوں میں بھٹکتی رہتی ہے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ عقل ایک جوہر ہے جو امور غیبیہ کا درمیانی وسیلوں اور نسبتوں کے ذریعہ ادراک کرتی ہے اور محسوسات کا مشاہدہ کے ذریعہ عقل امور غیبیہ کا براہ راست علم حاصل نہیں کر سکتی۔

جو علم عقل سے بالبداہۃ ثابت ہو اس کو ضروری یا بدیہی کہتے ہیں۔ یعنی جس چیز کا علم بغیر غور و فکر اور دماغی کنج کاویوں کے حاصل ہو جائے۔ مثلاً ہر ایک چیز کا کل اُسکے جزو سے بڑا ہوتا ہے۔ آسمان کا پانی نباتات کو اُگاتا ہے۔ سورج روشن ہے یا ایک دو کا آدھا ہے۔ یہ باتیں غور و فکر اور کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے۔ ایسی باتیں جو کسی دلیل کی محتاج نہ ہوں اور ادنیٰ تامّل کے بعد ہر شخص حاصل کر سکتا ہو اُن کو ضروری بدیہی کہا جاتا ہے۔ اور جو علم نظر و استدلال سے ثابت ہو اس کو عقلی نظری یا اکتسابی کہتے ہیں مثلاً دھوئیں کو دیکھ کر آگ ہونے کا یقین کر لینا اور یا مصنوعات کو دیکھ کر خالق کو پہچاننا۔ یہ دونوں باتیں دلیل اور ثبوت کی محتاج ہیں ان کو عقلی نظری کہا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ جو چیز دلیل کی محتاج ہو اس کو عقلی نظری یا اکتسابی اور جو دلیل کی محتاج نہ ہو اس کو بدیہی کہتے ہیں۔

بدیہات میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی حقیقت ظاہر و باہر ہوتی ہے۔ مگر نظریات یا اکتسابی علوم میں حد سے زیادہ اختلاف ہے کیونکہ عقل کی تیزی اور قوت و استعداد مختلف ہوتی ہے۔

استدلال لمّی

جو علم نظر و استدلال سے ثابت ہوتا ہے اُسکے دو طریقے ہیں استدلال لمّی اور استدلال انّی وجود سبب و علّت سے وجود مسبّب و معلول پر استدلال کرنے کو استدلال لمّی کہتے ہیں۔ مثلاً بعض واقعات و حالات دُنیا میں ایسے رونما ہوتے ہیں جو ہمیشہ ایک حالت کے بعد واقع ہوتے ہیں جیسے پروا ہوا سے اکثر بارش آتی ہے۔ تو پروا ہوا کو دیکھ کر بارش کی پیشینگوئی کرنا۔ یا آگ کو دیکھ کر اس کے لئے دھوئیں کا علم حاصل کرنا۔ ایسے واقعات جو ایک حالت کے بعد واقع ہوا کرتے ہیں وہ حالت مقدمہ اُن واقعات کا سبب سمجھی جاتی ہے۔ پس ایسی حالتوں کو دیکھ کر یہ پیشینگوئی کرنا کہ آیندہ کیا کیفیت واقع ہونے

والی ہے اس کو استدلال لمّی کہتے ہیں۔ مذکورہ بالا مثال میں پروا ہوا سبب یا علت ہے اور بارش کا ہونا مسبب یا معلول اس استدلال کی منطقی شکل یوں ہو گی۔ اس وقت پروا ہوا چل رہی ہے اور جب پروا ہوا چلتی ہے تو بارش ہوا کرتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ بارش ہونے والی ہے۔

استدلال انّی وجود معلول سے وجود علت پر استدلال کرنے کو استدلال انّی کہتے ہیں۔ جیسے دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا ہونا معلوم کرنا یا جیسے ڈاکٹر لوگ لاش کو دیکھ کر اسباب مرگ معلوم کر لیتے ہیں اور یا جیسے کیچڑ کو دیکھ کر بارش کا ہونا معلوم کر لیتے ہیں ان مثالوں میں مرجانا معلول ہے اور اسباب مرگ علت۔ کیچڑ معلول ہے اور بارش اسکی علت۔

جس طرح آئینہ میں چیزوں کا عکس نظر آتا ہے اسی طرح آدمی کا ذہن بھی بمنزلہ آئینہ کے ہے آئینہ میں تو صرف انہیں چیزوں کا انعکاس ہوتا ہے۔ جو آنکھوں سے نظر آسکتی ہیں مگر آئینہ ذہن میں وہ قدرتی جلا ہے کہ مرئیات تو مرئیات جو آنکھوں سے نظر نہ آسکے اور جس کا عکس آئینہ پر نہ پڑ سکے۔ انسان کا ذہن اسکے خیال کو بھی قبول کر سکتا ہے۔

چیزوں کی صورتیں جو ذہن میں آتی ہیں ان صورتوں کو تصوّر کہتے ہیں یعنی ہر ایک چیز کے لئے جو خاص خیال ذہن میں آتا ہے وہی خیال اُس چیز کا تصوّر ہے۔ جبتک نرا خیال ہی خیال ہو تصوّر ہے۔ اور جب انسان نے اس تصوّر میں اپنی رائے کو دخل دیا۔ اپنی عقل سے کچھ کام لیا اور اس کی نسبت کچھ حکم لگایا تو پھر وہی خیال تصدیق کہا جاتا ہے۔ مثلاً گرمی ایک کیفیت ہے۔ جبتک گرمی کا نرا خیال ہی خیال ہو تو یہ تصوّر ہے۔ اور جب ہم نے یہ حکم لگایا کہ "گرمی کی یہ خاصیت ہے کہ جس چیز میں اپنا اثر کرتی ہے اُسکے اجزا، کو پھیلا دیتی ہے" گرمی پر یہ حکم لگایا جانا تصدیق ہے۔ اس طرح ذہن تصوّرات سے تصدیقات کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور تصدیقات کا ذخیرہ جمع کر کے وہ قیاس بناتا اور نتیجے نکالتا ہے۔

جو علم نظر و استدلال سے حاصل ہوتا ہے اُسکے یہ تین درجے ہیں۔ پہلے تصوّر۔ پھر تصدیق۔ اور پھر قیاس۔ ہر ایک درجہ میں راستی اور سلامتی درکار اور ہر ہر قدم پر احتیاط لازم ہے۔ اگر تصوّر میں غلطی ہو گی تو تصدیق اور قیاس بھی غلط ہو گا اور اس شعر کا مصداق بننا پڑے گا ؎

خشت اوّل چوں نہد معمار کج　　تا ثریا میرود دیوار کج

یعنی اگر بنیادی اینٹ ہی معمار کج رکھدے تو اسپر جتنی عمارت بھی بلند ہو گی ٹیڑھی ہی ہو گی۔ غلط اور کج بنیاد آسمان تک کج ہی جائے گی۔ یہ ذہن کی غلطی اور تصوّرات کی کجی ہی ہے جو دُنیا کے

عقلا اور مذاہب میں اختلافات کا طوفان بپا کئے ہوئے ہے۔

علم کی حقیقت

علم کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ کسی چیز کا نقشہ ہماری عقل میں اس طرح کھنچ جائے جس طرح آئینہ میں کسی چیز کی تصویر نظر آنے لگتی ہے۔
جس طرح آئینہ میں سب ہی چیزیں منعکس نہیں ہو جاتیں بلکہ بعض چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو منعکس ہونے کے قابل تو ہوتی ہیں مگر پھر بھی منعکس نہیں ہوتیں۔ ٹھیک اسی طرح قلب کی حالت ہے کہ عقل میں ہی تمام علوم اور حقائق اشیاء منعکس نہیں ہو جاتیں بلکہ بعض حقائق۔ ملکوتی اور غیبی اسرار اور خدا کی ذات و صفات وغیرہ مسائل ایسے بھی ہوتے ہیں جو اگرچہ آئینہ عقل میں منعکس ہونے کی پوری قابلیت رکھتے ہیں مگر پھر بھی عقل ان کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی۔

آئینہ میں منعکس ہونے کے قابل چیزوں کے منعکس نہ ہونے کے پانچ وجوہات ہو سکتے ہیں۔ جو یہ ہیں۔

(۱) وہ جوہر جس سے آئینہ بنتا ہے اس نے ابھی صیقل ہو کر آئینہ کی صورت اختیار نہیں کی۔
(۲) آئینہ بن چکا مگر زنگ آلودہ ہو گیا۔
(۳) صاف و شفاف ہی ہے مگر جس چیز کا عکس لینا منظور ہے وہ اسکے مقابل نہیں۔
(۴) یا مقابل بھی ہے مگر آئینہ اور اُس شے کے بیچ میں کوئی دوسری شے حائل ہے۔
(۵) یا اشیاء مطلوبہ کا عکس لینے والے کو عکس لینے کا طریقہ اور علّت معلوم نہیں۔

اگر ان موانعات میں سے کوئی مانع موجود نہ ہو تو پھر محال ہے کہ آئینہ میں محسوسات کی صورت ظاہر نہ ہو جیسے آئینہ میں چیزوں کے انعکاس نہ ہونے کے حجابات و موانعات ہیں اسی طرح عقل کے لئے بھی کچھ حجابات و موانعات ہیں جن کی وجہ سے حقائق الٰہیہ اور غیبیہ کی حقیقت عقل پر پوری طرح منکشف نہیں ہوتی۔

قلب و روح کے حجابات

جو فطرۃ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے اور قلب میں حقائق الٰہیہ کا انعکاس نہیں ہوتا۔ وہ تین ہیں۔

(۱) حجاب الطبع یا نفسانی خواہشات کا انہماک اس سے مراد وہ خواہشات نفسانی ہیں جن میں انسان ہمیشہ مشغول رہتا ہے۔ مثلاً کھانا پینا اور نکاح کرنا۔ بہت سے انسان ایسے ہیں جو تمام عمر طبعی خواہشات کی تکمیل و تعمیل میں بسر کر دیتے ہیں اور دن رات اسی میں مشغول رہتے ہیں۔
(۲) حجاب رسم۔ رسم و رواج کی پابندی کا اثر اس قدر مستحکم اور مضبوط ہوتا ہے کہ اس سے

بڑے بڑے عقلا اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکتے - حد ہے کہ سقراط جیسا فلاسفر مرتے وقت بُت پر نذر چڑھانے کی وصیّت کرتا ہے -

(۳) تقلید اور حُسن ظن - فاسد عقائد جو تقلید یا حُسن ظن کی بنا پر دل میں پہلے سے راسخ ہیں وہ حقائق کے انعکاس کے لئے حجاب بن جاتے ہیں - تقلید اور حُسن ظن ایسی بُری بلا ہے جس دماغ پر اس کا اثر ہوتا ہے وہ اپنی قوّت فکریہ کھو بیٹھتا ہے - اس کی بدولت مذہب توہمات اور عجائب پرستی کا مجموعہ بن جاتا ہے - سینکڑوں حکما و علما مذہب کے لغو سے لغو عقیدہ کو بھی بلا کسی شک وشبہ کے تسلیم کر لیتے ہیں -

خواہشات نفسانی کے انہماک کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی تمام قوتیں آفات نفس کے جاننے اور اُن سے بچنے اور طُرق معاش کے مہیّا کرنے میں مصروف ہو جاتی ہیں - یہ چیزیں اس کو سعادت اُخروی کی طرف نہیں آنے دیتیں اور قلب پوری توجہ کے ساتھ سعادت حقیقی کا اکتساب نہیں کر سکتا اور وہ زنگ آلود ہو جاتا ہے اور گناہوں کی آلائش اور ظلمت وعصیان کی تاریکی سے اندھا ہو جاتا ہے -

اس حجاب کو رفع کرنے کی فطری ترکیب صرف مذہب اسلام نے بتلائی ہے اور تمام مذاہب اس باب میں عاجز و درماندہ ہیں بلکہ غلط راستہ پر لیجاتے ہیں -

یہ تو تمام مذاہب کہتے ہیں کہ اس حجاب کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قوّت بہیمیہ کا زور توڑا جائے - مگر قوّت بہیمیہ کو توڑنے کے طریقے سب نے غلط اور مشکل تبلائے ہیں مثلاً آلات تناسل کو قطع کر لینا - اور ہاتھ پیر وغیرہ کا کاٹ لینا -

یہ جسم خدا کی طرف سے انسان کو اس لئے مِلا ہے کہ روح اس پر سوار ہو کر دنیوی زندگی کے نشیب و فراز سے گذرے راہِ سعادت کو قطع کرے اور نجات اُخروی کے اسباب فراہم کرے - ظاہر ہے کہ اگر جسم کو کوئی تکلیف پُہنچائی جائے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ گھوڑے کو مار دیا جائے اور اس کا سوار سفر کی طوالت اور راہ کے پہاڑوں اور خندقوں سے گھبرا کر جان دیدے گویا تمام باطل مذاہب یہ کہتے ہیں کہ اپنے گھوڑے کو مار دو اور کسی کنوئیں اور خندق میں گر پڑو - مگر اسلام کہتا ہے کہ یہ (جسم) لو اور حقیقی منزل مقصود پر پُہنچ جاؤ - یعنی وہ کہتا ہے کہ قوّت بہیمیہ کا زور روزہ دن اور شب بیداری سے توڑ دو - تاکہ قلب کا یہ حجاب دور ہو جائے اور حقائق مرتسم ہو سکیں -

اسلام نے رسم ورواج اور تقلید وحسن وظن کی بیخکنی اور سختی سے خدمت کی ہے اور اسکے مقابلہ میں قوّت فکریہ سے کام لینے کی ہدایت کی ہے - غرض حقائق کے انعکاس کیلئے جو چیزیں حجاب

بن سکتی ہیں اور جن موانعات کے سبب ہماری عقل حقیقی علوم کے حاصل کرنے سے قاصر رہی ہے اسلام نے اُن کو رفع کر دیا ہے۔

ہمارے بیشتر معلومات وہ ہیں جو ہمارے حواس نے جمع کئے ہیں۔ اور وہ حواس خمسہ ہیں سمع۔ بصر۔ شم۔ ذوق اور لمس۔ یعنی سُننا۔ دیکھنا۔ سونگھنا۔ مزہ چکھنا اور چیزوں کو چھو کر گرمی سردی معلوم کرنا۔ ان کے علاوہ حواس خمسہ باطنی بھی ہیں جن کو حکمائے اسلام نے ثابت کیا ہے باقی حکماء کو انکار ہے اور وہ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

حواس باطنی کا ثبوت

اگر کوئی شخص ہماری نظر سے گذرا۔ یا ایک شاندار عمارت ہم نے دیکھی اور کچھ دیر کے بعد ہماری آنکھوں سے وہ شخص اور عمارت اوجھل ہو گئی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ہم نے اُس شخص اور عمارت کو دیکھا تو فوراً شناخت کر لیتے ہیں کہ یہ وہی شخص اور وہی عمارت ہے۔ پس اگر حواس ظاہری کے علاوہ حواس باطنی نہیں اور کوئی ایسا نقشہ نہیں جس نے اُس عمارت اور شخص کی شناخت کو محفوظ رکھا۔ تو ہمارے پاس اُن کی شناخت اور یادداشت کا کونسا معیار ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جبتک ہم اُس شخص کو دیکھتے رہتے اُس کی شکل و صورت ذہن میں رہتی اور جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا تو اس کی شکل وصورت بالکل ہی ذہن سے نکل جاتی۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ حواس خمسہ ظاہری کے علاوہ حواس باطنی بھی ہیں۔

ظاہر و باطن کے یہ دس ہرکارے عقل کے محکوم ہیں۔ ان کے ذریعہ وہ معلومات بہم پہنچاتی اور ان میں تصرّف کیا کرتی ہے۔ ان حواس میں خالق کائنات نے اُسی قدر تیزی اور قوّت بخشی ہے جس قدر اُس حکیم مطلق نے ہمارے لئے ضروری سمجھی۔ ان آلاتِ حواس میں جو کچھ قصور اور فتور ہے اسکی تلافی عقل سے کر دی گئی ہے عقل کی مدد سے ایسے ایسے الات ایجاد کئے گئے ہیں جو ہمارے حواس کی تیزی چند در چند زیادہ کر دیتے ہیں۔ جیسے خوردبین وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے بیشتر معلومات ہمارے حواس کی محنت کا نتیجہ ہیں۔ ان کے علاوہ بعض معلومات ایسے بھی ہیں جو ہمارے حواس کی گرفت سے باہر ہیں اور آئے دن ہمارے تجربہ اور مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ علوم کا حصر صرف محسوسات پر کر دینا وہ عظیم الشان غلطی ہے جس کا نتیجہ الحاد و انکار ہے اور معقول پسندوں کی سب سے بڑی گمراہی یہی ہے کہ محسوسات سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے کیا خوب لکھا ہے۔

کیا ہماری آنکھوں نے ان تمام چیزوں کو دیکھ لیا ہے جن کو وہ دیکھ سکتی ہیں۔ یا ہمارے کانوں نے اُن تمام آوازوں کو سُن لیا ہے جن کو وہ سُن سکتے ہیں۔ یا ہمارے ہاتھوں نے اُن تمام چیزوں کو چھو لیا ہے جن کو وہ چھو سکتے ہیں۔ یا ہماری زبان نے اُن تمام لفظوں کو ادا کر دیا ہے جن کو ہم ادا کر سکتے ہیں؟ پھر جب ہمارے ان حواس اور ان قوتوں نے اپنے معذورات پر پورا پورا احاطہ نہیں کیا تو کیا وجہ ہے کہ ہماری عقلی قوت کو اپنی ساری معلومات پر کامل تصرف اور قبضہ حاصل ہو جائے یہانتک کہ خدا کی ذات و صفات کے مسائل بھی اسکے قابو میں آجائیں اور حقائق اشیاء میں سے کوئی حقیقت ایسی نہ رہے جو اسکی دسترس سے اچھوتی ہو۔ (العقل والنقل صفحہ ۲۵)

احکام عقل تین ہیں۔ وجوب۔ استحالہ اور جواز۔ جو چیز فنا قبول نہ کرے یعنی فنا نہ ہو اس کو وجوب عقلی کہتے ہیں۔ جیسے ایک دو کا آدھا ہے۔ اور یا وجود خالق یہ دونوں وجوب عقلی ہیں۔ مگر اوّل کو واجب عقلی بدیہی کہتے ہیں اور ثانی کو واجب عقلی نظری۔ استحالہ وہ ہے جو ثبوت کو قبول نہ کرے یعنی جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو سکے اس کو مستحیل عقلی اور محال بھی کہتے ہیں۔ جیسے "تین دس کا آدھا ہیں" اور یا وجود شریک خالق۔ اول مستحیل عقلی بدیہی ہے اور ثانی مستحیل عقلی نظری۔ جواز وہ ہے جو ثبوت اور فنا کو قبول کرے یعنی جس پر کوئی ثبوت ہو اور فانی ہو۔ اس کو جائز العقلی کہا جاتا ہے۔ جیسے "زید نے سفر کیا" اور یا "پتھر اللہ کی قدرت سے سونا ہو گیا"۔ زید کا سفر کرنا جائز عقلی ہے اور اسی طرح قدرت الٰہی سے پتھر کا سونا ہو جانا بھی جائز عقلی ہے۔ اوّل جائز عقلی بدیہی ہے اس کو عادی بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا وقوع ایک عام بات اور عادت ہے اور عقل کے نزدیک یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ ثانی جائز عقلی نظری ہے اس کو غیر عادی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ ایک نادر الوقوع بظاہر خلاف عقل اور عجیب بات ہے لیکن جب کسی قطعی دلیل سے اس کا ثبوت ہو جائے تو جائز الوقوع ہے مستحیل نہیں۔

اسکی مثالیں جو شریعت اسلامیہ میں وارد ہیں وہ یہ ہیں۔ عصائے موسوی کا اژدہا بن جانا۔ دریا کا پھٹ جانا۔ آگ کا نہ جلانا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا۔ پتھر اور جانور کا بولنا اور ایک لمحہ میں زمین و آسمان کی سیر کر لینا وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ ان امور کا وقوع غیر عادی ہے لیکن جب ان کے دلائل سے بحث کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب امور جائز الوقوع اور موجد عالم سبحانہ کی قدرت کے تحت میں داخل ہیں۔ اگر ان امور کے ماننے سے انکار کر دینا اور عقل و نظر کو طعنہ دینا صحیح اور جائز ہے تو ان سینکڑوں اور ہزاروں عجیب و غریب باتوں کا بھی انکار کر دینا پڑے گا۔ جن کو ہم اپنی آنکھوں

سے دیکھتے رہتے ہیں اور جو مذکورہ بالا غیر عادی امور سے بھی زیادہ عجیب ہیں۔ کیا ان سے عجیب تر بات خود انسان کی پیدائش نہیں۔ پہلے وہ مٹی تھا پھر نبات میں منتقل ہو گیا۔ پھر غذا ہو گیا۔ پھر نطفہ ہوا پھر علقہ ہوا۔ پھر مضغہ ہوا۔ پھر حیوان ناطق سُننے اور دیکھنے والا بن گیا اور پھر عالم مدقق اور حکیم کہلایا۔

اس سے بھی عجیب بارش کا پانی ہے۔ آسمان سے خشک زمین پر نازل ہوتا ہے اور اُس سے اشجار۔ پودے اور برگ و بار ظاہر ہوتے ہیں۔ پانی اور زمین ایک ہے مگر اثر مختلف۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ بعض غیر مرئی اجسام جب عظیم اجسام سے ٹکراتے ہیں تو ان کو متحرّک کر دیتے ہیں بلکہ اُکھاڑ پھینکتے ہیں۔ جیسے آندھی سے بڑے بڑے درخت گر جاتے ہیں۔ اسٹیم بھاری بھاری اجسام کھینچتا ہے۔ ہوا کے ذریعہ آوازیں منتشر کی جاتی ہیں اور دریا کی لہروں کو مسخّر کر لیا جاتا ہے۔ یہ قوّت کہربائیہ کے عجیب و غریب کرشمے دن و رات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مگر ہمارے عقلا ان میں سے کسی کا بھی انکار نہیں کرتے۔

ان عادت الوقوع اور ان غیر عادت الوقوع امور میں کوئی بھی فرق نہیں اور نہ ان کی تصدیق و تکذیب کا کوئی معیار قائم کیا جا سکتا ہے۔ ان میں اگر کوئی فرق ہے تو محض اتنا کہ عادی امور روزمرّہ مشاہدہ میں آتے رہنے کی وجہ سے کوئی عجیب نہیں رہے۔ مگر غیر عادی امور نادر الوقوع ہیں۔ اگر عادی امور کسی قانون اور نظام خداوندی اور اسباب کے ماتحت صادر ہوتے ہیں تو غیر عادی امور بھی ایک قانون اور اسباب کے ماتحت ہوتے ہیں مگر یہ اسباب مخفی اور دقیق ہوتے ہیں۔ اگر عادی امور عقلا کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتے ہیں تو غیر عادی امور انبیاء علیہم السّلام کے ہاتھوں ظاہر ہوتے ہیں ان میں سے کوئی فرق بھی ایک کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کا معیار اور سبب نہیں بن سکتا۔

مذہب اسلام پر تنقیدی نظر ڈالنے والوں اور عقل و نقل میں تطابق دینے والوں کی بہت بڑی غلطی ہے کہ وہ احکام عقل معلوم کئے بغیر ہی کسی مسئلہ کے متعلق اپنی رائے قائم کر لیتے ہیں۔

نورِ عقل کیلئے نورِ نبوّت کی ضرورت ہے

اشیاءِ عالم کو ان کی اصلی اور ظاہری صورت میں دیکھنے کے لئے دو روشنیوں کی ضرورت ہے۔ ایک خارجی اور ایک اندرونی۔ بغیر خارجی روشنی کے ہماری آنکھ کی بینائی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ مثلاً انسان کسی کوٹھری میں بند ہو اور یا رات کی تاریکی چیزوں کو ڈھانپے ہوئے ہو تو ایسی حالت میں آنکھیں تو ہوتی ہیں مگر دیکھ نہیں سکتیں۔ بس اسی طرح دین دُنیا کے حالات اور کائنات کے حقائق منکشف ہونے کیلئے بھی نورِ عقل کو نورِ نبوّت کی اشد ضرورت ہے

جیسے بصارت خارجی روشنی سے بے نیاز ہو کر کسی کام کی نہیں۔ ایسی ہی نظر و استدلال اور عقلی کنج کاویاں بغیر نورِ نبوّت کے کسی کام کی نہیں۔ اور عقل کسی حالت میں بھی نورِ نبوّت سے بے نیاز ہو کر حقیقی علوم کو حاصل نہیں کر سکتی۔

مدعیانِ عقل کو معلوم ہونا چاہئیے کہ انسانی عقل نورِ نبوّت سے مستنیر ہوئے بغیر عالمِ آخرت نبوّت۔ صفاتِ الٰہیہ اور حیات بعد الموت وغیرہ عقائد اسلامیہ کا ادراک نہیں کر سکتی۔ ان چیزوں کا بغیر نورِ نبوّت کے ادراک نہ ہونے کے یہ معنی بھی نہیں کہ یہ خبریں عقلِ سلیم کے مطابق اور فی الحقیقت موجود ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مادّی علوم تو عقل کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور نبوّت و صفاتِ الٰہیہ وغیرہ حقائق بذریعہ کشف و الہام کے۔ میزانِ عقل میں تو صرف مادّی چیزیں تولی جا سکتی ہیں نہ کہ مافوق الادراک اشیا بھی۔

ہر میزان کے واسطے ایک حد ہے جس سے آگے وہ کام نہیں دے سکتی سو میزانِ عقل بھی ایک خاص وزن بتلا کر ایک مرحلہ پر ٹھہر جاتی ہے۔

عقلِ انسانی کا ادراک محدود ہے۔ اسکے سامنے محسوسات کی دیوار کھنچی ہوئی ہے۔ وہ حواس کے دائرے میں محصور اور حدوث و امکان کی جبلی بندشوں میں اسیر ہے اور وہ صرف محسوسات ہی کا تعقل کر سکتی ہے۔ تصوّرِ الٰہی کی راہ میں عقلِ انسانی درماندہ اور عاجز و لاچار ہے۔ روس کا ایک بہت بڑا مشہور و معروف فلاسفر روسو کہتا ہے "یہ صفات میں نے عقل کی منطق کی راہ سے معلوم کی ہیں۔ لیکن میرے دماغ میں اُن کا مفہوم مرتب و مفصّل نہیں ہے۔ میں اُنہیں تسلیم کرتا اور اُن پر اصرار کرتا ہوں مگر ان کی پوری حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہے"

رئیس الفلاسفہ بو علی سینا اپنی کتاب المبدء والمعاد میں فرماتے ہیں:۔

روح کو عذاب و ثواب ہونے پر تو ہم دلائل اور قیاسات قائم کر سکتے ہیں کیونکہ ایسا ہونا مضبوط قانونِ طبعی اور ایک خاص طریقہ کے تحت میں داخل ہے۔ تو اسکے اندر برہان سے ثابت کرنیکی گنجائش نکل سکتی ہے۔ مگر جسمانی اعادہ اور جزا و سزا کا محض استدلال سے جاننا ہرگز ممکن نہیں کیونکہ وہ کسی خاص نسبت اور قاعدہ کے نیچے واقع نہیں ہے۔ لیکن شریعت محمدیہ حقہ نے اسکے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کر دئیے ہیں جس کا جی چاہے اسکی طرف رجوع کر کے دیکھ لے۔

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فاتھم ادراکک ومدرکاتک فی الحصر　　　پس تم اپنے علم اور معلومات کو حصر کر دینے میں

واتبع ما امرك الشارع من اعتقادك و عملك فهو احرص على سعادتك و اعلم بما ينفعك لانه من طور فوق ادراكك و من نطاق اوسع من نطاق عقلك وليس ذٰلك تعارج فی العقل و مداركہ بل العقل میزان صحیح فاحکامه يقينية لا كذب فيها غير انك لا نطمع ان تزن به امور التوحيد والآخرة وحقيقة النبوة وحقائق الصفات الالٰهية وكل ما وراء طوره فان ذٰلك طمع فی محال و مثال ذٰلك مثال رجل رای الميزان الذی يوزن به الذهب فيطمع ان يزن به الجبال - هذا لا يدرك على ان الميزان فی احكامه غير صادق لكن العقل قد يقف عنده ولا يتعدی طوره حتی يكون له ان يحيط بالله وصفاته فانه ذرة من ذرات الوجود الحاصل منه وتفطن فی هٰذا غلط من يقدم العقل على السمع فی هٰذه القضايا وقصور فهمه واضمحلال رايه -

(مقدمه ابن خلدون صفحه ۳۸۴)

اپنے آپ کو خطاوار سمجھو (یعنی یہ مت سمجھو کہ ہم جو کچھ جانتے ہیں تمام موجودات اُسی میں منحصر ہے) اور شارع علیہ السلام کے بتلائے ہوئے اعتقادات و اعمال کا اتباع کرو - کیونکہ وہ تم سے زیادہ تمہارے خیر خواہ اور سعادت و ہدایت پر حریص ہیں - اُن کا علم تمہارے علم سے زیادہ اور ایسے ذریعہ سے حاصل ہونے والا ہے جو تمہاری عقل کے دائرے اور ذرائع معلومات سے وسیع تر اور یقینی ہے - ہمارے اس قول سے عقل اور اس کے معلومات کی تنقیص نہیں ہوتی بلکہ ہم عقل کو ایک صحیح میزان سمجھتے ہیں جس کے احکام یقین اور جھوٹ سے پاک ہیں مگر یہ میزان اتنی بڑی نہیں کہ ہم اس سے توحید و آخرت کے امور اور نبوّت و صفات الٰہیہ کے حقائق کو وزن کرنے لگیں - اگر تم ایسا کرنا چاہو تو اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص سونا چاندی تولنے کا کانٹا دیکھے تو اس میں پہاڑوں کے تولنے کا ارادہ کرنے لگے - اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ ترازو وزن بتلانے کے اعتبار سے درست نہیں ہے - بلکہ یہی کہا جائے گا کہ ہر ایک میزان کے واسطے ایک حد ہے جس کے آگے وہ کام نہیں دے سکتی - اسی طرح میزان عقل بھی ایک خاص موقع پر ٹھہر جاتی ہے - سو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی حد سے آگے بڑھ کر خدا کی ذات و صفات کا احاطہ کرے کیونکہ خود عقل ہی وجود کے ان ذرّات میں کا ایک ذرّہ ہے جو خدا کی طرف سے فائز ہوئے ہیں - یہاں سے تم ان مدعیان عقل کی کم فہمی اور رائے کی کمزوری کو معلوم کر سکتے ہو جو عقل کو اس قسم کے معاملات میں ترجیح دیتے ہیں (یعنی مذہب کے تمام احکامات

کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کی ناکام سعی کرتے ہیں)

علاوہ ازیں عقل کی نارسائی اور اسکے معلومات کو مقرر کر دینے کی غلطی اور ہمارے مدعا کے اثبات کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ ۔ نبوّت کا اعتراف سب فرقوں اور مذہبوں میں مشترک رہا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں اور اس کی ضرورت میں بھی سب متفق ہیں ۔

میرے اس خیال سے کسی شخص کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہم کو پیغمبر کی ضرورت اس لئے ہے کہ وہ ہماری عملی زندگی کی رہنمائی کرے اور ہمیں منزل مقصود تک پہنچادے ۔ ہماری دسترس سے باہر کی چیزوں کی جو ہمارے حق میں مفید اور نافع ہوں اُن کی تعلیم دے اور ہماری سود و بہبود کی تمام راہیں سمجھادے ۔ اب اگر ہم یہ کوشش کریں کہ حقائق نبوت تمام کے تمام ہماری عقل پر کھل جائیں اور ہماری عقل نافع و مضر مخفی و ظاہری چیزوں کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے، تو درحقیقت ہم اصل نبوت کے ثبوت اور ضرورت کے دعویٰ کو خود کمزور اور باطل کرینگے اور عملاً یہ ثابت کرنے کی کوشش کرینگے کہ انسانیت کی تکمیل کیلئے کسی پیغمبر کی حاجت نہیں بلکہ خود عقل انسانی ہماری رہبری کرنے کیلئے کافی ہے ۔ حالانکہ یہ بات بدیہی البطلان ہے ۔

مولانا سیّد سلیمان صاحب ندوی فرماتے ہیں :۔

غور کرو کہ مذہب کیا چیز ہے ؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے ؟ انسان کی عملی زندگی کیلئے وہ چراغ راہ ہے ۔ انسانی اور اُسکی عملی زندگی کا تعلق تمام تر مادیات سے ہے، اس لئے ماورائے مادّہ کی نسبت صرف وہیں تک اس کو تعلّق ہے جہاں تک انسان کی عملی زندگی کے لئے ضروری ہے ہم اپنے مقصود کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے ذرا تفصیل سے کام لیتے ہیں ۔

مذہب میں دو چیزیں ہوتی ہیں، عقائد اور عبادات (معاملات بھی درحقیقت عبادات ہیں) دوسرے الفاظ میں ان کی یہ تعبیر ہو سکتی ہے کہ مذہب عِلم اور عَمل سے مرکب ہے ۔

عِلم کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو مادّیات سے ماخوذ ہے، اور اُن ہی سے وابستہ ہے، اور اُسکے متعلق ہم میں بذریعہ مشاہدہ اور تجربہ کے یقین پیدا ہوتا ہے ۔ دوسرا وہ علم ہے جس کا تعلق ماورائے مادّہ سے ہے اور جس کے جاننے کا ذریعہ صرف تخیل، تصوّر، اور ظن ہے ۔ "آگ جلاتی ہے " یہ علم مادی ذریعہ احساس سے ہم کو حاصل ہوا ہے، اس لئے ہم کو اس درجہ یقین ہے کہ غلطی سے بھی ہم آگ میں کودنے کی ہمّت نہیں کر سکتے، لیکن دوسرا علم یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد دوسرا جنم لیتا ہے " لیکن اس علم پر اعتماد کر کے کیا کوئی انسان اپنی زندگی کا آپ خاتمہ کر دینے

پر تیار ہو گا؟ (اہل السنۃ والجماعۃ صفحہ ۲۷)

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک خط میں امام فخر الدین رازی کو نصیحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

ینبغی للعاقل ان یتعرض لنفحات الجود ولا یبقی ماسورا فی قید نظرہ وکسبہ فانہ علی شبھۃ فی ذلک ولقد اخبرنی من الفت بہ من اخوانک من لہ فیک نیلۃ حسنۃ انہ رآک وقد بکیت یوما فسالک ھو ومن حضرہ عن بکاءک فقلت مسئلۃ اعتقد بھا منذ ثلثین سنۃ فتبین لی الساعۃ بدلیل لاح لی ان الامر علی خلاف ماکان عندی فبکیت لعل لذی لاح لی ایضا یکون مثل الاول - فھذا قولک ومن الحال علی الواقف بمرتبۃ العقل والفکران یستریح او ان یسکن ولا سیما فی معرفۃ اللہ تعالی فما بالک اخی تبقی فی ھذہ الورطۃ ولا تدخل طریق الریاضات والمکاشفات والمجاھدات والخلوات التی شرعھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتنال بما نال -

(العقل والنقل، بحوالہ کشکول بھاو الدین حاطی صفحہ ۳۴۱)

اب عقلمند کے لئے مناسب ہے کہ وہ خدا کے جود وکرم کی خوشبوؤں سے فائدہ اُٹھائے اور نظر و استدلال کی قید میں نہ پھنسا رہے۔ کیونکہ وہ اس طرح ہمیشہ مشتبہ حالت میں رہتا ہے چنانچہ مجھ سے تمہارے ایک دوست نے جو مجھ سے ملا اور تمہارے ساتھ حُسن عقیدت رکھتا تھا یہ بیان کیا کہ اس نے تم کو ایک روز روتے ہوئے دیکھا۔ جب اس نے اور حاضرین نے رونے کی وجہ دریافت کی تو تم نے یہ جواب دیا کہ ایک مسئلہ جس پر تیس برس سے میرا اعتقاد جما ہوئے تھا اسی وقت ایک دلیل سے مجھ کو غلط ثابت ہوا۔ اس کے بعد مجھکو کیا اطمینان ہے کہ جو تحقیق مجھکو اب ظاہر ہوئی ہے وہ بھی پہلے کی طرح غلط نہ ہوگی۔ یہ خود تمہارا قول ہے اور واقعی وہ شخص جو عقل اور استدلال کے مرتبہ سے آگے نہیں بڑھا ناممکن ہے کہ سکون واطمینان اور راحت حاصل کرلے بالخصوص خدا تعالیٰ کی معرفت میں تو اے برادر پھر بھی تم کیوں اس گرداب (نظر و فکر) میں پڑے ہوئے ہو اور کیوں ریاضات۔ مجاہدات۔ مکاشفات اور خلوات کا وہ طریقہ اختیار نہیں کرتے جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مشروع کیا ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم بھی وہ چیز حاصل کرلو جو اُنہوں نے حاصل کی۔

عقل کے ادراک کی حد

جہاں "کیوں" کا سوال بند ہو جائے۔ وہی عقل کی حد اور نبوت کی ابتدا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے

کہ کائنات میں جو جو واقعات و حوادث پیش آتے ہیں ہر چیز پر سوال کر سکتے ہیں کہ یہ کیوں ہوا۔ اور یہ کیوں نہیں۔ اگر نہیں تو تسلسل لازم آئے گا۔ لہٰذا لازمی امر ہے کہ کیوں کا سلسلہ کہیں نہ کہیں بند ہو مثلاً کوئی چیز آگ میں ڈالی گئی اور وہ جل گئی۔ تو سوال ہوتا ہے کہ آگ نے اسکو کیوں جلایا کہا جائے گا اس لئے کہ اس میں حرارت مفرطہ ہے۔ اب پھر سوال پیدا ہوا کہ اسمیں حرارت مفرطہ کیوں ہے تو بس اب آگے "کیوں" کا سلسلہ ہی بند ہو گیا۔ جبتک ایک فاعل مختار کو تسلیم نہ کیا جائے اُس وقت تک اس "کیوں" کے سوال سے نجات ہی نہیں مل سکتی اسی طرح ایک شخص طاعون کی بیماری سے فوت ہو گیا۔ دریافت کیا جائے گا کہ طاعون کیوں ہوا۔ جواب ملیگا کہ زہریلے جراثیم پھیلنے کی وجہ سے۔ پھر سوال پیدا ہو گا کہ یہ جراثیم کیوں پھیلے۔ کہا جائیگا کہ آب و ہوا کی خرابی کی وجہ سے۔ آب و ہوا کیوں خراب ہوئی بس اب آگے سلسلہ ختم۔

جس طرح مادیات میں یہ "کیوں" کا سلسلہ زیادہ دور تک نہیں جاتا۔ اسی طرح مذہب میں بھی یہ سلسلہ دور تک نہیں جاتا۔ مثلاً تمام مذاہب خدا کی ہستی کا اعتراف کرتے ہیں تو اسپر سوال ہوتا ہے تو وہ کیسا ہے۔ کون کون سی صفتیں اُس میں پائی جاتی ہیں۔ صفات اس کی ذات میں داخل ہیں یا خارج اگر الگ ہیں تو قدیم ہیں یا حادث۔ اسی طرح سوال پر سوال ہوتا چلا جائے گا۔ اب جب تک ما فوق الادراک کوئی حقیقت تسلیم نہ کی جائے اُس وقت تک ان شکوک و شبہات اور سوالات سے چھٹکارا ہی نہیں مل سکتا۔ علیٰ ہٰذا القیاس مذہبی عقائد کی جہاں تک عقل و قیاس اور استنباط سے تشریح و تفسیر کی جائے گی یہ "کیوں" کا سوال پیچھا نہیں چھوڑنے کا اور اصل حقیقت حجاب در حجاب ہوتی جائیگی پس لامحالہ مذہبی عقائد میں یہ سلسلہ کہیں بند کیا جائے گا اور جہاں "کیوں" کا سوال بند ہوا وہی عقل کی حد ہے۔

سوالات کا سلسلہ بند نہ ہونا ہی ثابت کرتا ہے کہ عقل کی کوئی حد ہے اور اُس سے تجاوز کرنا اپنے آپ کو شکوک و شبہات اور سوالات و اعتراضات کے جال میں پھنسا دینا ہے۔ جہاں ہزار ہا سربستہ اور عقدہ ہائے لاینحل کا جھمیلا نظر آئے سمجھ لینا چاہئے کہ زیر بحث مسئلہ فہم انسانی سے بالاتر ہے اور اپنے غلط تخیل، ظن اور تصور سے دور تر بنا دیا گیا ہے۔

عقل صرف محسوسات کے ادراک کا احساس کر سکتی ہے۔ محسوسات کی حد سے آگے

بڑھکر غیر محسوس اشیا میں سوالات کا سلسلہ جاری کرنا کسی طرح جائز نہیں پس غیر محسوس اشیاء کی نسبت یہ سوال کہ "وہ کیا ہیں" اور "کیونکر ہیں" بالکل بے سود اور عبث ہے۔

عقل انسانی کی نارسائی

بہت سی اشیا دنیا میں ایسی ہیں جن کے دریافت کرنے سے عقل قاصر رہتی ہے عقل غیر محسوسات ہیں تو کیا رسائی کر سکے گی۔ بلکہ بڑے بڑے حکما محسوسات کی ماہیت معلوم کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں یہی آگ۔ پانی۔ اور مٹی وغیرہ اجسام جو ہر وقت ہم کو نظر آتے ہیں ان کی حقیقت ہی دریافت کرنے میں بڑے بڑے فلاسفر متحیر ہیں کوئی کہتا ہے کہ یہ بسیط اجسام ہیں کوئی کہتا ہے کہ نہیں ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اجسام ایسے ذرات سے مرکب ہیں جو نہایت چھوٹے اور نہایت سخت ہونے کی وجہ سے قابل تقسیم نہیں ہیں۔ پھر اجزا جسم کے متناہی ہونے کی حیثیت سے بڑا اختلاف ہے۔

اسی طرح عقل اور نفس ناطقہ کے بارے میں ہر ایک کا جداگانہ خیال ہے ایک کی دلیل دوسرا رد کر دیتا ہے۔ امریکہ کے ایک علمی رسالہ نے یہ دو سوال شائع کئے تھے۔

(۱) کیا روح کے وجود پر کوئی علمی دلیل موجود ہے

(۲) کیا علمی دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے۔

ان دو سوالوں پر ساٹھ اطباء عصر نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر کلبن لکھتا ہے۔

حقیقت روح اس کائنات میں سب سے بڑا راز بلکہ سب سے زیادہ پیچیدہ طلسم ہے۔ علم اس کے ثابت کرنے سے قطعاً عاجز ہے لیکن دین اسے ثابت کرتا ہے بلکہ اُسی پر اپنی تعلیم کی بنیاد رکھتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہر وہ چیز ہمارے حواس کے دائرہ میں آتی ہے فانی ہے روح ہمارے حواس سے پرے ہے اس لئے ہم اس کے فانی ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ وسی مقرر سیسرو کا یہ قول مجھے از حد پسند ہے کہ ایک بار اس نے کہا تھا "اگر میں گمراہ ہوں تو بھی افلاطون کیساتھ ہونے کو ترجیح دوں گا بجائے اس کے کہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں جو بقاء روح کے منکر ہیں" صدیوں سے علماء کوشش کر رہے ہیں کہ عالم غیب اور قبر کے بعد کی دنیا کو معلوم کریں مگر ان کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ یہ اس لئے کہ علم انسان کا ساتھ صرف اس کی زندگی بھر دیتا ہے موت کے طاری ہوتے ہی علم کی رفاقت چھوٹ جاتی ہے البتہ اُس وقت دین ہماری رہنمائی کرتا ہے اگر

نظریۂ نشوو ارتقا علم ہیئت. اور دوسرے غالفن علوم وفنون پر ہم یقین رکھتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ روح اور اس کے بقا پر بھی ایمان نہ رکھیں۔ کائنات کے بیشمار راز اب تک ہماری عقل سے باہر ہیں (اور باہر ہی رہیں گے) مگر ان کی حقیقت سے جاہل ہونے پر بھی ہم انہیں تسلیم کرتے ہیں۔

جو لوگ فلسفۂ یورپ پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور مغربی علماء کے علمی شغف اور ذوق تحقیق کی وسعت و انہماک سے مرعوب و مسحور ہو کر دینی عقائد کو موجودہ فلسفہ کے مطابق ثابت کرنے کی ناکام سعی کرتے ہیں، ان کو ڈاکٹر کبن کے ان حقیقت آموز اظہار عجز اُمورِ غیبیہ میں عقل کی نارسائی کا اعتراف کرنا پڑیگا۔ ذرا غور سے پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ ہم جو کچھ لکھتے آئے ہیں اس کی لفظ بلفظ اس سے تائید و تصدیق ہوتی ہے۔

ایک اور محقق لکھتا ہے۔

"موت کے بعد روح کے بقاء کا عقیدہ سراسر دینی عقیدہ ہے اس میں بحث کی گنجائش ہو جو نہیں کیونکہ مرنے کے بعد کوئی آدمی بھی اس دنیا میں واپس نہیں آیا کہ ہمیں اصلی حقیقت سے آگاہ کرتا علم اس کے ثبوت سے قاصر ہے۔ ہماری عقل یہ تصور نہیں کر سکتی کہ جسم کے فنا ہونے کے بعد روح باقی رہے لیکن ہماری عقل نے اب تک کتنے حقائق سمجھ لئے ہیں؟

قابل غور امر ہے کہ جب عقلاء اور فلاسفروں نے بھی روح اور ان اجسام کی جو شب و روز ہمارے استعمال میں آتے رہتے ہیں حقیقت معلوم نہیں کی اور علم و عقل نے جواب دیدیا تو اب بھلا کیا خاک یہ معقول پسند غیب کے اسرار معلوم کر سکیں گے۔

جو شخص انوار نبوت سے ستیز ہوئے بغیر محض اپنی عقل پر بھروسہ کر کے آلہیات کی کنہ تک پہنچنا چاہے گا اور یا کائنات ارضی و سماوی کو اپنی عقل کے ناتمام گز سے ناپنا چاہے گا تو یقیناً وہ بجائے کعبہ کے ترکستان کو چلا جائے گا۔ اس کے اوہام اس کی عقل سے مزاحمت نہ کریں گے تخیلات و ظنیات اور شکوک و اوہام کے گرداب میں پھنسا رہے گا اور اس کو وہمی اور عقلی چیزوں میں تمیز دینے کی سخت دشواری پیش آئے گی. ناظرین گو ان متعارض اقوال اور مختلف بیانات سے عجیب کشمکش اور سخت پریشانی میں ہوں گے کہ آخر ہم کہنا کیا چاہتے ہیں کیونکہ ہماری تفصیلات سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں کہ دین کے مسائل فہم و ادراک سے بالاتر ہیں اور دین کو عقل کے مطابق ہی ہونا چاہیئے۔ بظاہر یہ دونوں باتیں متضاد معلوم ہوتی ہیں مگر گھبرائیے نہیں ہم آپ کے خلجان اور پریشانی کو دور کئے دیتے ہیں، لیجئے سُنئے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سچے مذہب کے احکام عقل کے مطابق ہوتے ہیں اُن کا یہ قول اس اعتبار سے بالکل صحیح ہے کہ ایک کامل اور صاف و شفاف عقل جس میں حقائق کے انعکاس کی سب شرائط موجود ہوں (جن کو ہم نے پچھلے اوراق میں بالتفصیل بیان کر دیا ہے) ہرگز خدا کے حکم کے خلاف حکم نافذ نہیں کر سکتی۔ اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ احکام خداوندی کو اس عقل کی میزان میں نہ تولو اُن کی غرض یہ ہے کہ ہماری زنگ آلود عقلوں میں خدائی اسرار کا انعکاس نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جس فریق کا یہ خیال ہے کہ حقائق نبوت اور حقائق صفات الٰہیہ ہماری فہم و ادراک سے بالاتر ہیں وہ عام فہم اور ادراک کے لحاظ سے بالکل سچ کہتے ہیں اور جس شخص کا یہ قول ہے کہ نہیں یہ چیزیں بھی بذریعہ عقل انسانی کے دریافت ہو سکتی ہیں تو اس کا مدعی بھی غلط نہیں ہے۔ وہ بجا طور پر عقل انسانی اسی کو قرار دیتا ہے جس میں نفسانی کدورتیں اور آلائش نہ ہوں (نہ کہ آج کل کے مدعیان علم و عقل کی گندی اور ناپاک عقلیں)۔

غرض نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ لوگ درجات عقل کے موافق جنت میں جائیں گے اسپر محمول ہے کہ حقیقی عقل کو جس قدر ترقی ہو گی جنت کے دروازوں کے قریب ہوتا جائے گا اور یہ مقولہ کہ اکثر اہل جنت بے عقل ہونگے۔ اس میں وہ لوگ مراد ہیں جو دُنیا کے کاموں میں متوجہ نہ ہونے کی وجہ سے ابلہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور علیکم بدین العجائز کا خطاب بھی انہیں سے ہے جن کے دماغ دقیق اسرار کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

اب تم پھر ایک دفعہ متعارض اقوال کو یاد کرو جس کو سُلجھانے میں تم سخت پریشان تھے اور جن کی کوئی درست توجیہ تم سے بن نہ پڑتی تھی۔ اور اخیر میں امام صاحب کی اس زریں نصیحت کو خوب یاد رکھو کہ

فلا غنا بالعقل عن السماع ولا غنا بالسماع عن العقل فالداعی الی محض التقلید مع عزل العقل بالکلیة جاھل والمکتفی بمجرد العقل عن انوار القران والسنة مغرور فایاك ان تکون من الفریقین وکن جامعا بین	نہ عقل کو نقل سے استغنا اور نہ نقل عقل سے بے نیاز ہے۔ جیسا کہ عقل کو معزول کر کے محض تقلید کی طرف بلانے والا جاہل ہے اسی طرح وہ شخص بھی دھوکہ میں ہے جو قرآن و سنت کے انوار سے علیحدہ ہو کر صرف اپنی عقل پر بھروسہ کرتا ہے تو تم کو ان دونوں گروہوں میں سے کسی میں بھی داخل نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ عقل و

الاصلین فان العلوم العقلیۃ کالاغذیۃ والعلوم الشرعیۃ کالادویۃ والشخص المریض یستضر بالغذاء متی فاتہ الدواء فکذالک امراض القلوب لا یمکن علاجھا الا بالادویۃ المستفادۃ من الشریعۃ وھی وظائف العبادات والاعمال التی رکبھا الانبیاء صلوٰت اللہ علیھم لاصلاح القلوب فمن لا یداوی قلبہ المریض بمعالجات العبادۃ الشرعیۃ واکتفی بالعلوم العقلیۃ استضر بھا کما یستضر المریض بالغذاء وظن من یظن ان العلوم العقلیۃ مناقضۃ للعلوم الشرعیۃ وان الجمع بینھا غیر ممکن ظن صادر عن عمی فی عین البصیرۃ نعوذ باللہ منہ۔

نقل کا جامع بننا چاہیئے۔ کیونکہ علوم عقلیہ کی غذا اور علوم شرعیہ اس کی دوا ہیں اور جو مریض دوا کا استعمال نہ کرے اس کو غذا کے استعمال سے نقصان پُہنچ جاتا ہے یہی حالت دل کے امراض کی ہے کہ ان کا علاج شرعی دواؤں سے یعنی ان عبادات اور اعمال سے ہی ہو سکتا ہے جن کو انبیاء علیہم السلام نے اس کام کے لئے ترکیب دیا ہے۔ پس جس کا دل بیمار ہو۔ اور وہ طب شرعی کے بموجب اس کا معالجہ بھی نہ کرے اور علوم عقلیہ کو اپنے حق میں کافی سمجھے وہ اسی طرح ہلاک ہوگا جس طرح بیمار آدمی غذا سے ہلاک ہو جاتا ہے باقی جو لوگ سچے علوم عقلیہ کو علوم شرعیہ کے خلاف تصوّر کرتے ہیں اور دونوں میں تطبیق کو محال سمجھتے ہیں۔ یہ اُن کا خیال اس وجہ سے ہے کہ ان کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہیں (خدا کی پناہ)۔ (العقل والنقل صفحہ ۳۵ و ۳۶)

ان تمام تفصیلات و مباحثات کا خلاصہ اور مدعا یہ ہے کہ جو شخص عقل کامل اور صاف و شفاف رکھتا ہو عقل و نقل میں تطبیق دینے کی صلاحیت و اہمیت رکھتا ہو اور اس میں حقائق کے انعکاس کی سب شرائط موجود ہوں اس کو بیشک یہ حق حاصل ہے کہ وہ سچے مذہب کو عقلی معیار پر پرکھے اور جن میں اس قسم کی صلاحیت نہ ہو اُن کو سچے مذہب کو نہیں بلکہ سچے پیغمبر کی نبوّت و سیرت کو عقلی معیار پر پرکھنا چاہیئے۔ اور جب عقلی دلائل سے اس کا سچّا ہونا ثابت ہو جائے تو پھر لازمی طور پر اس کی تعلیمات کی بھی تصدیق ہو جائے گی۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے فارغ ہونے کے بعد اب ہم دکھلاتے ہیں کہ اسلام نے عقل کو کیا درجہ دیا ہے اور غور و فکر سے کام لینے کی کتنی تاکید ہے۔

اسلام میں عقل کا درجہ

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے والے سے یہ بات مخفی نہیں کہ قرآن مجید میں ہمیں بار بار جگہ بجگہ عقل سے کام لینے اور غور و فکر کرنے کو کہا گیا ہے اور ہر صفحہ پر "افلا تعقلون" "افلا یتدبرون" اور فھم لا یشعرون وغیرہ جملوں کی تکرار نظر آتی ہے۔ جہاں علم و معرفت کا کوئی دقیق مسئلہ پیش کیا گیا ہے اس کی اہمیت و ضرورت ظاہر کرنے کے لئے ان جملوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ فہم و دانش سے کام نہ لینے اور یوں ہی اٹکل پچو باتوں کو مان لینے سے روکا گیا ہے اور ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے اور ظن کا اتباع کرتے ہیں۔

قرآن اور علم کی تعریف

خود باختہ مسلمان یورپ کے علوم و فنون۔ ذوق تحقیق اور تعلیمی فلسفہ کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں اور سر دھن رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ علم کی جو تعریف بیکن نے کی ہے وہی "علم" کی صحیح تعریف اور علوم و فنون کی ترقی کی بنیادی اینٹ ہے۔

بیکن ایک بڑا مشہور فلسفی ہوا ہے۔ اس نے علمی دنیا کے سامنے ایک اصول یا علم کی تعریف کا نظریہ پیش کیا تھا جو اصول استقرا کے نام سے علمی دنیا میں مشہور ہے۔ اس اصول کا منشار اور مفاد یہ ہے کہ جس چیز کا یقین دیکھنے۔ سننے اور عقل کی شہادت دینے سے حاصل ہو وہی علم ہے اسکے علاوہ سب جہل و اوہام ہیں یعنی تم ایسی چیز کو تسلیم کرو جو کانوں سے سنو۔ آنکھوں سے دیکھو اور جس پر عقل گواہی دے اور سب اوہام و خیالات کو چھوڑ دو۔

اللہ اللہ علوم اسلامی سے کس قدر ناواقفی اور دوری ہے کہ آج سے تیرہ سو سال پہلے قرآن کریم نے جو علم کی تعریف کی تھی اور جس کو علم کا درجہ دیا تھا اُس پر نظر نہیں بیکن اگر یہی بات بیان کرتا ہے تو اسکی تعریف و توصیف کے پل باندھ دئے جاتے ہیں اور اسکے تعلیمی فلسفہ کے سامنے گردنیں جھک جاتی ہیں۔

جس وقت دنیا گہری تاریکی میں مبتلا تھی جہل و اوہام کی گھٹا چھائی ہوئی تھی اور علم و عقل کا نام و نشان تک نہ تھا اُس وقت خدائے علام الغیوب اپنے پیارے حبیب محمد رسول اللہ صلعم کی زبان فیض ترجمان سے یہ اعلان کر رہے تھا۔ قولہ تعالیٰ :۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ

اور تجھے جس بات کا علم نہیں ہے اسکے پیچھے نہ پڑ۔ بیشک کان، آنکھ اور دل ان میں

اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡئُوۡلًا ۝ سے ہر ایک کی بابت پوچھا جائے گا۔

اس آیت مقدسہ کا مفہوم اور مفاد یہ ہے کہ جس بات کا تم کو یقینی علم نہ ہوا سکے پیچھے نہ لگا کرو محض فرضی اور تخمینی باتوں کو سامنے رکھ کر بغیر جانے شریعت کے مسائل نہ بیان کیا کرو کیونکہ کان۔ آنکھ اور قلب سلیم سے اس امر کی پرستش ہوگی کہ اٹکل پچو باتوں کا کیوں تتبع کیا گیا۔ یعنی علم وہی ہے جو سمع، بصر اور قلب سلیم (عقل) سے براہِ راست حاصل ہو۔ جس شے کی تصدیق کان، آنکھ اور ذہن تسلیم کرلیں قرآنی اصطلاح میں وہی علم ہے۔ اور جو ماننا ان تینوں ذرائع کی شہادت کے بغیر ہے وہ "ظن" ہے اور ظن کے تتبع پر قرآن کریم نے کفار کو ملامت کی ہے۔ غرض قرآن کے نزدیک علم وہی ہے جو ان مذکورہ بالا ذرائع سے حاصل ہو۔

کان۔ آنکھ اور قلب سلیم سے کام نہ لینا وہ سب سے بڑی گمراہی اور غلطی ہے جو مذہب کو اوہام اور قیاسیات اور فضول ولچر باتوں کا مجموعہ بنادیتی ہے۔ ان سے کام نہ لینا عذاب خداوندی ہے۔ قولہ تعالیٰ۔

وَجَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اَکِنَّۃً اَنۡ یَّفۡقَہُوۡہُ وَفِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَقۡرًا ؕ اور ہم نے اُنکے یعنی (کافروں کے) دلوں پر پردے ڈالدیے ہیں اور انکے کانوں میں گرانی ڈالدی ہے۔

نہ صرف یہ کہ کان۔ آنکھ اور عقل سے کام نہ لینے کو عذاب خداوندی سے تعبیر کیا بلکہ عذاب عظیم کی خبر دیکر غور و فکر سے کام لینے کی حد سے زیادہ تاکید کردی۔ ارشاد ہے۔

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَعَلٰی سَمۡعِہِمۡ ؕ وَعَلٰۤی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّلَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۝

فؤاد کا عام مفہوم

عربی زبان میں قلب ہے اور عرب کی اصطلاح میں دل بھی فہم و ادراک کا نشیمن ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سب تعقل ہوتا ہے اس نقطۂ نظر سے فؤاد کا صحیح ترجمہ قلب سلیم ہی ہوسکتا ہے جس میں ذہن بھی داخل ہے۔ اس عقل و ادراک کے نشیمن فؤاد کا جہل و اوہام کے حجابات میں مستور ہوجانا ہی پچھلی امتوں اور قوموں کے تنزل و تسفل اور بالآخر تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں جابجا آیا ہے اور اس مفہوم کو مختلف جملوں میں بیان کیا گیا ہے۔

قلب پر پردہ پڑجانا عذاب الٰہی ہے

جب کسی قوم کی تباہی و بربادی کا وقت آتا ہے۔ تو اُسکے افراد کی حالت یہ

ہو جاتی ہے کہ وہ عقل و سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ دینی اور دنیوی دونوں امور میں محض ظن کا اتباع کرنے لگ جاتے ہیں۔ غور و فکر کا مادہ جاتا رہتا ہے۔ یہی حالت آج بدقسمتی سے مسلمانوں کی ہے کہ علم و عقل کی باتوں سے کوسوں دور اور مجتہدانہ فکر سے نفور ہیں۔ جو بات سمجھنے کی ہے وہ ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اور جو باتیں ناسمجھی کی ہیں وہ سرمایہ مذہب بنی ہوئی ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝

(ترجمہ) کیا نہیں کھل گیا اُنپر جو زمین کے مالک ہوئے بعد ہلاک ہو جانے اُن کے مالکوں کے اگر ہم چاہیں تو سزا دیں اُن کے گناہوں کی اور مُہر لگا دیں ہم اُن کے دلوں پر پھر وہ سُن نہ سکیں یعنی ہم نے جیسے پچھلی امتوں کو گناہوں کے سبب یہ سزا دی تھی کہ اُن کے عقل و شعور کا مادہ سلب کر لیا گیا تھا۔ اسی طرح اگر ہم چاہیں تو تمہاری عقل و شعور پر بھی پردہ ڈال دیں کہ تم حق و باطل و مفید و غیر مفید اور خیر و شر کو سمجھ نہ سکو۔

جو عقل و شعور سے کام نہیں لیتے وہ حیوان ہیں

دیگر حیوانات سے جو چیز انسان کو بزرگ ترین مخلوقات اور ممتاز و سرفراز کرتی ہے وہ کہ عقل و ادراک ہے اسکے افعال و اعمال فہم و دانش کے قاعدوں میں منضبط ہونے چاہئیں۔ اور اس کا ہر ارادہ قانون عقل کے تابع ہونا چاہیے۔ اگر اس کا علم و ارادہ عقل و شعور کے ماتحت نہ ہو اور خصوصاً وہ اپنی عقل کو معرفت الٰہی میں صرف نہ کرے تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں جیساکہ ارشاد باری ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓىٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

(ترجمہ) یعنی ہم ایسے لوگوں سے جہنم کو ضرور بھر دینگے جو قلب رکھتے ہیں مگر اُس سے معرفت الٰہی کا کام نہیں لیتے۔ آنکھیں رکھتے ہیں مگر اُن سے آثار قدرت نہیں دیکھتے۔ ان کے دریچہائے کمال میں جھانک کر لیلائے مقصود کے جمال جہاں آرا کا مشاہدہ نہیں کرتے اور پچھلی قوموں کے مٹے ہوئے آثار و تمدن کو دیکھ کر اُن سے عبرت و نصیحت نہیں پکڑتے۔ اور کان رکھتے ہیں مگر خدائی آواز نہیں سُنتے۔ ایسے لوگ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں اور اپنے انجام مآل سے بے خبر اور غافل ہیں۔ سچ ہے اذا جاء الحین

لم یبق اذن ولا عین جب کسی قوم کے مٹنے کے دن آتے ہیں۔ تو اُن پر قدامت پرستی اور غفلت وجمود کی موت طاری ہو جاتی ہے پھر نہ اُن کے کان رہتے ہیں کہ کوئی عبرت ونصیحت اور علم وعقل کی بات سن سکیں اور نہ آنکھیں رہتی ہیں اور غافل اور بدعمل قوموں کے انجام سے کچھ غیرت پکڑیں۔

عقل سے کام نہ لینے والے اندھے ہیں

قرآن کریم میں ہمیں کئی جگہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ممالک کی سیر وسیاحت کریں تاکہ مکذبین کے انجام سے عبرت پکڑیں اقوام متمدنہ کو دیکھ کر اپنی صلاح وترقی کی بنیادیں استوار کریں اور اپنی معلومات میں وسعت پیدا کریں اور یہ اس لئے کہ امت مسلمہ دُنیا کی کسی بات میں دُنیا کی کسی قوم سے پیچھے نہ رہیں۔ اقوام عالم پر اُس کا غلبہ اور تسلط ہو تاکہ اقطاع عالم میں خدا کی حکومت قائم ہو اور دُنیا کی قومیں امن وچین کی زندگی بسر کریں اور منشاء خداوندی پورا ہو۔ ارشاد ہے قولہ تعالےٰ

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَھُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۝

ترجمہ۔ کیا ان بیوقوف اور کم عقل منکروں نے ممالک کی سیر نہیں کی تاکہ ان کے دل مکذبین کے انجام کو سمجھتے اور ان کے کان ہوتے۔ جن سے عقل وحکمت کی باتیں سُنتے اور پچھلی اُمتوں کے قصے سُن کر عبرت پکڑتے۔ بات یہ ہے کہ اُن کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ اُن کے دل اندھے ہیں۔

یعنی چونکہ یہ قلب سلیم اور سمع وبصر سے کام نہیں لیتے اس لئے یہ دل کے اندھے ہیں بصارت رکھتے ہیں مگر بصیرت سے محروم ہیں۔

بصیرت سے کام لینے والے خدا کے شکر گذار بندے تھوڑے ہیں

دُنیا میں ہمیشہ ایسے لوگوں کی کثرت رہی اور رہے گی۔ جن کے ذہنی ودماغی قویٰ اجتہاد ونظر کی حکمرانی نہیں بلکہ تقلید وجمود کے موٹے پردے پڑے رہتے ہیں۔ جو اپنی عقل کا حکیمانہ مزاج کھو کر غلامانہ جمود کی پستی میں جا پڑے ہیں۔ جن کی آنکھیں بصیرت واعتبار کے ساتھ نہیں بلکہ تقلید وکور چشمی کے ساتھ کُھلتی ہیں جو خداداد قوتوں سے کام نہیں لیتے سمع وبصر اور قلب سلیم کو بیکار بنا لیتے ہیں۔ جو بصیرت کی روشن راہوں پر نہیں بلکہ جہل واوہام کی تاریک راہوں پر چلتے ہیں۔ اور ہر نئی اصلاح وحرکت کا جمود وتعطل سے مقابلہ کرتے رہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔ قولہ تعالیٰ :-

قُلْ هُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَکُمْ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْاَفْئِدَۃَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ۝ ترجمہ - اللہ پاک وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہیں سمع وبصر اور قلب سلیم عطا فرمائے - مگر ان ذرائع معلومات سے کام لینے والے اور خدا کی معرفت حاصل کرنے والے شکر گذار بندے بھوڑے ہیں -

آیات مقدسہ مذکورہ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مقدس کے نزدیک کوئی بات واقع الامر نہیں کوئی شے حقیقت کہلائے جانے کی مستحق نہیں جبتک کہ زبان نے بار بار اسکے واقع الامر ہونے کی گواہی نہ دی ہو - آنکھ نے بار بار مشاہدہ نہ کرلیا ہو - یہی علم ہے اور اسکے سوائے ظن ہے اور ناقابل التفات حضرت باری عز اسمہٗ نے ہمیں "فَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا" کہکر علم کو وسیع اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کیلئے اُبھارا ہے - جہاں تک الٰہیات اور دین میں عقل کو رسائی ہے وہاں تک ہمیں عقل سے کام لینا چاہئے - دماغی و ذہنی انحطاط اور جمود پر قناعت کئے رہنا چاہئے کیونکہ سمع و بصر اور قلب سلیم سے کام حقائق کائنات کے مخفی اسرار و فوائد کا کھوج لگانا - دماغی کنج کاویوں - ذہنی کاوشوں اور تحقیق و تفتیش سے کام لینا ایمان بالا اور ازدیاد ایمان کا باعث ہے -

علم کے اس سچے معیار کو پیش نظر رکھ کر ہمارے اسلاف کرام نے علم و عقل میں ہر وہ ترقی کی جس کو یورپ کے دہریوں - ملحدوں اور فلاسفروں کو ہوا تک بھی نہیں لگی اور حکمائے اسلام کے نام اور شاندار کارنامے رہتی دُنیا تک آسمان علم و عمل پر درخشاں اور تاباں رہینگے اور موجودہ مسلمانوں کو دعوت عبرت و ندامت دیتے رہیں گے -

وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْھَا وَھُمْ عَنْھَا مُعْرِضُوْنَ ۝

آسمان اور زمین میں کس قدر بے شمار نشانیاں ہیں لیکن یہ لوگ ان پر گذر جاتے ہیں اور ان کی طرف رُخ نہیں کرتے -

لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا ۝

انکے دل تو ہیں لیکن اُس سے سمجھ کا کام نہیں لیتے -

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّۃٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِھِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ (پارہ ۲۵)

ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا - اور ہم اُس کے پیچھے پیچھے چلے جائینگے -

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ - اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ

اور بعض ایسے لوگ ہیں جو خدا کے باب میں بے علمی کے ساتھ جھگڑتے ہیں - کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے کیا یہ لوگ آسمان اور زمین کے کارخانہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ غور سے نہیں دیکھتے۔

علم وبصیرت خیر کثیر ہے

علم وبصیرت اور عقل ودانائی کو اسلام نے اس قدر اہمیت دی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں اور اس چیز کو قرآن حکیم نے "الحکمۃ" سے تعبیر کیا ہے "وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا" جس کو حکمت ودانائی عطا ہوئی وہ "خیر کثیر" کا مالک ہوا۔ یہی خیر کثیر تمام خیرات وبرکات کا مخزن اور کمال انسانیت ہے۔ اسی سے دل اور روح کی ساری بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ اور اسی نسخۂ شفا سے اوہام وافکار اور شکوک وشبہات سے نجات ملتی ہے۔

جس انسان کو خدا کی طرف سے نورِ عقل مرحمت ہوتا ہے۔ اُس کی تاریک زندگی روشن ہوجاتی ہے۔ اور دین ودُنیا کی تمام مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں۔

انسان کی زندگی کا تعلّق اس عالم مادّی سے ہے۔ افراد انسانی کی کامیابی وترقی وقوموں کا عروج وزوال۔ تغیّر وانقلاب۔ انسانیت کے جملہ مظاہر اور تہذیب وتمدن کی ترقی کا تمام مدار علوم قطعیہ پر ہے یعنی علمی زندگی بسر کرنا صرف صحیح علم کے تابع ہے۔ اور یقینی علوم حواس کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ جو علوم ہمارے حواس کی گرفت سے باہر ہیں اُنکی گرہ کشائی اور چھان بین سے ہمارا علم متعلّق نہیں ہوسکتا۔ اور اس کا شغل بالکل بے سود اور غیر مفید ہے۔ مدعا یہ ہے کہ علمی اور کامیاب زندگی کے لئے یقین یا دوسرے لفظوں میں حکمت ودانائی کی ضرورت ہے جس کو قرآن حکیم نے خیر کثیر کہا ہے۔

جو علوم ظنی ہیں۔ یعنی جن کے جاننے کا ذریعہ صرف تخیل، تصوّر، اور ظن ہے وہ ہماری علمی زندگی کے لئے کسی طرح پر بھی کارآمد اور مفید نہیں۔

ہمارے مدعا کا بیّن ثبوت یہ ہے۔ کہ آج کل کے مدعیان علم وعقل کا فلسفہ "ظنیات" پر مبنی ہے۔ اس فلسفہ نے یونان کے سب سے پہلے فلسفی تالیس سے لیکر بیکن کے عہد تک ڈھائی ہزار برس میں دُنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ کیونکہ فلاسفر تمام ظنون واوہام ہی میں پھنسے رہے۔ ان کا علم یقین سے محروم تھا۔ اس لئے وہ علمی جذبات کو برانگیختہ نہ کرسکا لیکن اسکے مقابلہ میں سائنس نے جس کا اکثر حصّہ تجربوں اور مشاہدوں کی بنا پر درجہ یقین رکھتا ہے۔ اس دُنیا کو کیا کچھ فائدہ پہنچایا؟ اس کا جواب موجودہ دور تمدّن اور زبان برق سے لو۔ غرض دُنیا فلسفہ سے زیادہ سائنس کی ممنون ہے۔

یہی وہ نکتہ ہے جس کو اسلام نے اپنے آغاز ظہور ہی میں دُنیا پر واشگاف کر دیا اور علمی دُنیا کے ماڈرن سائنس (علوم جدیدہ) کی بُنیاد رکھدی تھی۔ اور جس کو یورپ نے اب سمجھا ہے۔ اسلام کا دُنیا کے نام اعلان تھا۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۝

ایسی چیز کے پیچھے نہ پڑو۔ جس کا تمہیں علم نہیں (ایسے علوم جو ماورائے حواس ہیں اور جن سے تمہارا ذہن متعلق نہیں ہو سکتا ان میں نہ پڑو) تحقیق کان آنکھ اور قلب سلیم سے بازپرس ہو گی۔

اسلام نے اپنی بُنیاد ہی یقین پر رکھی ہے۔ اور قرآن مجید نے پہلا سبق یہی دیا ہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ کتاب شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ اپنے اندر یقینی کیفیت پیدا کرو اور اُس کی ہدایت نمائی و رہبری سے فائدہ اُٹھاؤ۔

جو علم و بصیرت، حکمت و دانائی۔ فہم و فراست اور یقین علمی زندگی اور مادی دورہ بلند پروازی کے لئے لازمی ہے۔ وہ اسلام ہی میں ملے گا۔ باقی تمام دُنیا اس سے محروم ہے وہ دہ اور حکمت نبوت کے علاوہ تمام علوم اور فلسفہ جو کچھ بھی ہے۔ وہ شک و ظن اور جہل و ظلمت ہے اسلام کا دعوٰی ہے۔ "مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ۝ دین فطرت سے مُنہ موڑنے والوں کے پاس علم نہیں بلکہ وہ محض ظن کا اتباع کر رہے ہیں۔ نیز دُنیا کے نام انتباہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ط

اور بعض لوگ بغیر علم کے یوں ہی اٹکل پچّو خدا کی عبادت کرتے ہیں وہ نہ ہدایت کے مالک ہیں اور نہ ہی کوئی روشن کتاب رکھتے ہیں۔

اسلام شک کی جگہ یقین ظلمت کی جگہ نور۔ تقلید و ظن کی جگہ علم و بصیرت۔ قیاس و گمان کی جگہ حجت و برہان اور لا اعلم کی جگہ اِنّی اعلم کا دعوٰی اور یہ اعلان آج سے نہیں بلکہ تیرہ سو سال سے کر رہا ہے۔ تمام نوع بشر کو یہ کہہ کر بُلا رہا ہے هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ یہ میرا راستہ ہے لوگوں کو بصیرت کی بنا پر اللہ کی طرف بلاؤ۔ اور تمام منکرین سے بارہا مطالبہ کرتا ہے هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو لاؤ اور دلیل و برہان پیش کرو۔ یعنی یہ اسلام علم و یقین اور جہل و ظلمت سے نور معرفت و حقیقت پر فائز ہونے کی راہ ہے جس پر میں تم کو دعوت دے رہا ہوں۔ اگر تمہارے پاس بھی کوئی علم و بصیرت ہے تو دُنیا

کے سامنے پیش کرو۔

دُنیا شک وریب کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ ایک تاریکی سے نکل کر دوسری تاریکی میں ڈوب جاتی ہے۔ فلسفہ کی ایک تاریکی سُلجھنے نہیں پاتی کہ دس نئے اُلجھاؤ پیدا ہو جاتے ہیں طلب وجستجو راز کائنات کی عقدہ کشائی میں لگی ہوئی ہے مگر خالق کائنات کی قدرتوں سے ٹکرا کر سامانِ تباہی خود پیدا کر لیتی ہے۔ عقل نارسا۔ حقائق نبوت اور ملکوتی اسرار معلوم کر لینے کے لئے مضطرب وبیقرار ہے اور قطع مراحل میں لگی ہوئی ہے۔ مگر ہر نیا مرحلہ ایک نئی گمراہی کا پیام اور ہر منزل، اور منزل مقصود سے ایک نئے بعد وگم گشتگی کی مایوسی ساتھ لے آتی ہے اور دُنیا تسکین قلب کی بھوکی اور شک واضطراب نفس کے زخموں سے جان بلب ہے۔

اِدھر تو دُنیا کا یہ حال ہے۔ اور اُدھر آج تیرہ سو سال سے قرآن حکیم کا اطمینان ویقین کی بھوکی دُنیا کے نام اعلان ہے میں یقین وبرہان ہوں۔ بصیرت ہوں۔ دعوت علم ہوں حقیقت کی ایک ہی راہ ہوں۔ نجاح وفلاح اور حقیقی کامیابیوں کی سیدھی راہ ہوں۔ صراط مستقیم ہوں۔ مزیل شک وریب ہوں۔ سراپا نور ہوں۔ نہ میری حقیقت میں آنکھ کیلئے کجی ہے اور نہ منزل شناس قدم کے لئے ٹھوکر (مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى) میری طرف آؤ میں تمہارے دلوں کو یقین واطمینان سے بھر دونگا۔ زندگی کی تاریکیوں کو نور علیٰ نور بنا دونگا۔ حیوان سے انسان۔ انسان سے باخدا انسان اور باخدا انسان سے فرشتہ بنا دوں گا۔ اور لیلائے مقصود سے ہمکنار کر دوں گا۔

دُنیا کے تمام مذاہب کے نام ایک پُرزور چیلنج

ہے کوئی دُنیا کا الہامی مذہب جو مذہب اسلام کی طرح اپنی کتاب سے یہی دعویٰ نکال کر دکھادے اور عقلی معیار پر اُترنے کا خود دعویٰ کرے۔ اہل مذاہب آئے دن اسلام کے منہ آتے رہتے ہیں۔ اور آفتاب ہدایت کا مُنہ چڑاتے رہتے ہیں۔ اگر اُن میں کچھ دم خم ہے۔ وہ اپنے پاس مذہبی صداقت رکھتے ہیں۔ اُن کے مذاہب منجانب اللہ ہیں نجات کا راستہ بتلاتے ہیں اور عقلی معیار پر پورا اُترنے کا دعویٰ رکھتے ہیں تو وہ میدانِ مقابلہ میں آئیں۔ اور قرآن حکیم نے جو دعوے کئے ہیں اُن میں سے ایک بھی دعویٰ اپنے اندر دکھلادیں۔ تاکہ حق وباطل کی معرکہ آرائی کا فیصلہ ہو جائے اور طالب نجات کو حق باطل میں تمیز کرنے کا موقعہ ملے۔ مگر ہمیں یقین ہے۔ کہ مخالفین اسلام ایسا ہرگز ہرگز نہ کر سکیں گے اور قیامت تک ان کو یہ جرأت نہ ہو سکے گی کہ ہمارے اس چیلنج کو منظور کریں؟

وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا ۵

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ہماری اس تمام بحث پر ایک عامیانہ شبہ ہوتا ہے کہ جب اسلام نظر و استدلال اور غور و فکر کو اسقدر اہمیت دیتا ہے تو اسلام میں مسئلہ تقلید ائمہ کیوں ضروری ہے۔ اور یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ مقلد کی قوّت فکر کو تقلید کمزور اور بالآخر زائل کر دیتی ہے۔ سو اس شبہ کا مفصّل جواب اور تقلید کا فلسفہ اپنے موقعہ پر آئے گا۔ یہاں مختصراً کچھ عرض کرنا ہے۔ جاننا چاہئے کہ تقلید و مجتہد کی ضرورت مسائل اعمال سیکھنے کے واسطے ہے نہ کہ مسئلہ ایمان میں یعنی توحید و رسالت کی تصدیق میں اگر ایسا مانا جائے تو چاہئے کہ جس نے کسی مجتہد کو نہیں پایا۔ اسپر ایمان لانا فرض نہ ہو حالانکہ فقہا نے لکھ دیا ہے کہ جب آدمی کو عقل آ جائے تو اسپر ایمان فرض ہو جاتا ہے۔ چنانچہ منار میں ہے۔

قالوا لا عذر لمن عقل فی الوقف عن الطلب و ترك الایمان والصبی العاقل مکلف۔	علماء نے کہا ہے کہ سمجھدار شخص کے لئے طلب کرنے میں توقف کرنا اور ترک ایمان کا کوئی عذر نہیں اور عاقل لڑکا بھی ایمان کا مکلّف ہے۔

"العاقل مکلف" کی شرح میں ہے۔

بالایمان لاجل عقلہ یعنی ایمان لانے کی تکلیف بہ سبب عقل کے ہے نہ بہ سبب آبائی خیالات اور تقلید کے۔

انسان کو مذہب کا بار اٹھانے کا مکلّف اسی لئے ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ بہ نسبت دیگر حیوانات کے عقل رکھتا ہے۔ مذہب اسلام اور خدا کا کلام ایمان کے بارے یا عقائد میں جو کچھ تعلیم دیتا ہے۔ اس کی نسبت کہتا ہے کہ تم سمجھ لو۔ اور سمجھ کر یقین کرلو کہ جو کچھ خدا تعالیٰ بتاتا ہے اور کہتا ہے وہ سچ ہے۔

نور الانوار میں ہے کہ تقلید قبل ایمان کے غیر معتبر ہے۔ البتہ بعد ایمان لانے کے مسائل اعمال سیکھنے کیلئے جائز اور ضروری ہے۔

مولانا محمد رومی آفندی طریقہ محمدیہ میں لکھتے ہیں کہ

ایمان المقلد صحیح ولکنہ اثم بترك الاستدلال مقلد کا ایمان صحیح ہے لیکن وہ شخص بہ سبب عقل سے کام نہ لینے اور غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔

تقلید کا منشا یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واحد اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق محض حضرت امام ابوحنیفہ رح یا اور کسی امام کے لکھنے سے تقلیداً بلا تحقیق مان لیا جائے بلکہ اپنے طور پر توحید و رسالت کی تحقیق کرنی چاہیئے۔

محقق علماء فرماتے ہیں کہ ایمان تقلیدی قابل الزوال ہے اور ادنیٰ درجہ ہے۔ مگر ایمان تحقیقی معتبر و احسن ہے۔ ایمان تقلیدی سے مذکورہ بالا شبہ کے ازالہ میں صرف انہی امور کا ذہن نشین کر لینا کافی اور اطمینان قلب کا باعث ہے۔

سوال۔ ایمان تحقیقی اور ایمان تقلیدی سے آپ کی کیا مراد ہے۔

جواب۔ ایمان تحقیقی سے مراد ایسا یقین و ایمان ہے جو اپنے غور و فکر اور عقل و فہم سے حاصل کیا جائے خدا تعالیٰ کو واحد اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق سچّی اور محکم دلیلوں سے مانا جائے یعنی توحید و رسالت وغیرہ مسائل ایمانیہ کی بجائے خود تحقیق کی جائے۔ اور ایمان تقلیدی سے مراد ایسا یقین و اعتقاد ہے جو کسی امام۔ کسی عالم اور کسی کے کہنے سے آبائی خیالات کے زیر اثر اور کسی کی دیکھا دیکھی محض رسمی طور پر خدا کو ایک اور رسول کو برحق مان لیا جائے۔ اور خود توحید و رسالت کے مسائل کی تحقیق نہ کی جائے۔

یہ تمام آیتیں عقل سے کام لینے کے متعلق ہیں اور مذہب کے تمام اصول و فروع کے متعلق اسلام نے جو تعلیم دی ہے وہ عقل کی بناء پر دی ہے۔ مذہب کی ضرورت، وحدانیت، نبوت اور معاد وغیرہ ہر ایک عقیدہ کے ساتھ اس کی عقلی دلیل بھی بیان کی ہے۔ غرض قرآن کریم جن عقائد اور حقائق پر یقین دلانا چاہتا ہے ساتھ ہی دلیل بھی بیان کرتا ہے۔ ایک جگہ بھی کوئی بات محض حسن ظنی اور تقلید کی بناء پر مان لینے کو مجبور نہیں کیا۔

اسلامی تعلیم و تربیت نے متبعین اسلام میں وہ غور و فکر اور چھان بین کا مادہ پیدا کیا تھا جس نے اسلامی مرکز کو زیادہ چمکا دیا۔ متکلمین اور فقہائے اسلام کے یہاں جو اختلاف ہے وہ سب نتیجہ ہے اس بات کا کہ اسلام نے اپنی تعلیم کو عقلی معیار پر پرکھنے کی اور اپنے پرائے سب کو دعوت عام دی تھی۔ اگر اسلام اپنے موافقین و مخالفین کو عقلی آزادی نہ دیتا اور محض تقلید کی بناء پر اپنی تعلیمات منواتا تو اسلامی عقائد اور دیگر تعلیمات میں اختلاف نہ ہوتا۔ وہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں نہ پہنچتا۔ اسلامی فلسفہ کے سامنے دنیا کے عقلا اور فلاسفر سرنگوں نہ ہوتے اور اس عقلی زمانہ میں دیگر مذاہب کی طرح یا تو فنا ہو جاتا اور تغیر و تبدل سے کچھ کا کچھ بن جاتا حالانکہ آج جسقدر

سرعت کے ساتھ اسلام قلوب و اذہان کو مسخر کر رہا ہے اُسے اس ناممکن التسخیر الٰہی قوت و تاثیر کو مادیت اور باطل کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ یورپ جو عقل پرستوں کی سرزمین ہے وہاں اسلام سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے اور عقلی معیار پر پوری اُترنیوالی تعلیمات کی وجہ سے مقبول ہو رہا ہے یہ بات اس موقعہ پر خاص لحاظ کے قابل ہے کہ جہاں علم و عقل کی روشنی زیادہ ہے وہاں اسلام اپنے قدم جما رہا ہے۔ اگر اسلام عقلی معیار پر پورا نہ اُترتا تو وہ یورپ میں ہرگز ہرگز مقبول نہ ہوتا۔

آج کل زمانہ کے مذاق کے مطابق اور اپنے اپنے مذہب کو مدعیان عقل کے حملوں سے بچانے کیلئے تمام اہلِ مذاہب اس بات کے مدعی ہیں کہ ہمارا مذہب عقل سے ثابت ہے۔ لیکن تماشہ یہ ہے کہ ان کا یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے لیکن ان کے مذاہب خلاف عقل تعلیمات سے لبریز ہیں۔ اسلام کے سوا کسی مذہب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عقل سے ثابت ہے اور مذہبی عقائد کو عقل کی بنا پر ماننا چاہئے۔ یہ وہ عظیم الشان معیار صداقت اور بڑا فرق ہے جو اسلام کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔

اب علامہ شبلی کے بقیہ چار اصولوں پر بھی صرف اسلام ہی پورا اُترتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۲) اسلام کا کوئی عقیدہ مذہبی عقل کے خلاف نہیں البتہ یہ دوسری بات ہے کہ کسی مسئلہ کی حقیقت ناقص اور مریض عقلوں پر نہ کھُل سکے۔

(۳) اسلام نے عبادات کو مقصود بالذات نہیں قرار دیا۔ بلکہ عبادات سے خود نوع انسانی کا فائدہ بتلایا ہے۔ اور اسلامی عبادات میں اعتدال ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۂ فاتحہ جو ہم پنجوقتہ نمازوں میں تلاوت کرتے ہیں "صراط مستقیم" پر قائم رہنے کی التجا کرتے ہیں۔ اس میں صراط مستقیم سے مراد حد اعتدال ہے۔ اعتدال سے تجاوز کرنا اسلام کے نزدیک گمراہی ہے۔

(۴) اسلام نے دینی اور دنیوی امور کو اس اعتدال کے ساتھ قائم کیا ہے کہ ایک سے دوسرے کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ اور امکان ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کا دست بازو ہے۔ حضور علیہ التحیۃ والتسلیم کا ارشاد ہے۔ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ یعنی دُنیا آخرت کی کھیتی ہے اسلام کے فرائض پنجگانہ میں سے ایک بھی حکم ایسا نہیں جس سے دُنیوی امور کو کوئی ضرر پہنچ سکے۔ اگر اس معیار پر دُنیا کا کوئی مذہب پورا اُتر سکتا ہے۔ تو وہ صرف اسلام ہے باقی تمام مذاہب افراط و تفریط میں مبتلا ہیں اور دین کو دُنیا سے الگ بتلاتے ہیں۔ مگر اسلام کہتا ہے لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ

یعنی اسلام ترک دُنیا کا حکم نہیں دیتا وہ رہبانیت سے پاک ہے۔

(۵) دُنیا کے موجودہ تہذیب و تمدن کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا ساتھ ہی نہیں دیتا۔ بلکہ خود اس ترقی کا راستہ دکھاتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ عرب کے وحشیوں کا اقوام عالم میں نام تک نہ تھا اگر دُنیا کے تختہ پر کوئی پست۔ ذلیل اور بدتریں قوم تھی تو یہی عرب کے بدّو۔ مگر جب یہی گمنام قوم آغوش اسلام میں آئی اور آفتاب نبوّت سے اکتساب نور کیا تو اپنے عمل کی روشنی سے ظلمتکدہ عالم کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اسلام کی تعلیم و تربیت نے عربوں کے دلوں اور دماغوں کو ایسا مجلّٰی اور مصفّا کیا تھا کہ ان علم و عمل کے آبگینوں کا انعکاس اقوام متمدنہ کے قلب و دماغ پر قیامت تک ہوتا رہے گا۔

متبعین اسلام کے دماغی تجسس اور علمی شغف نے علمی دُنیا کو ایجادات و اعتراضات کے سامان بہم پہنچائے۔ دُنیائے سائنس کا کونسا عقدہ ہے جو انہوں نے حل نہیں کیا۔ تحقیق و تدقیق کا کونسا مرحلہ ہے جو انہوں نے طے نہیں کیا۔ ترقی اور کامیابی کا کونسا راز ہے جو انہوں نے کھول کر نہیں رکھدیا۔ انکے علمی ذوق و تجسس نے یونان کے مُردہ علوم میں جان ڈالی اور ان کے علمی چشمہ سے تمام دُنیا سیراب ہوئی اور یہ سب کچھ انہوں نے اسلامی تعلیم کے زیر اثر کیا۔

یہ اُسی پاک اور سچی تعلیم کا تو برقی اثر تھا کہ چند ہی دنوں میں اُن کو قعر مذلت سے اُٹھا کر اوج عزت پر پہنچا دیا تھا۔ اور بدویوں میں اخلاق و روحانیت۔ پاکیزگی و طہارت۔ رحم دلی و مروت اتقا و ایثار اور ترقی و کامیابی کی روح پھونک دی تھی۔ علامہ شبلی مرحوم نے سچ فرمایا ہے۔

اسکی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم	بن گئی دہر میں جا کر صحن آرائے بہار
یہ اسی کا تھا نتیجہ کہ عرب کے بچّے	کھیلنے جاتے تھے ایوانگہ کسریٰ میں شکار
یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہزن	فاش کرنے لگے جبریل امیں کے اسرار

یہ صرف ہماری ہی خوش فہمی نہیں۔ بلکہ اس حقیقت پر تاریخ شاہد عادل ہے اور خود دشمنانِ اسلام کو اعتراف ہے۔

پس اسلام تہذیب و تمدن کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا ساتھ ہی نہیں دیتا بلکہ اس کا راستہ دکھاتا ہے۔ اس معیار پر بھی مذاہب عالم میں سے صرف مذہب اسلام پورا اُتر سکتا ہے باقی تمام مذہب نہ تو ترقی کا ساتھ دیتے ہیں اور نہ ہی خود اس کا راستہ دکھاتے ہیں۔ موجودہ اقوام متمدنہ نے جو ترقی کی ہے وہ مذہب سے علیحدہ ہو کر یورپ میں مدتوں علم اور دین کی معرکہ آرائی

رہی بالآخر علم نے کلیسائی دین کو شکست دی تب کہیں یورپ نے سائنس و فلسفہ کی بنیادیں ڈالیں
اب ہم اپنے آٹھ معیار کے مطابق اسلام کو پرکھتے ہیں۔

(۱) الہامی کتاب خود الہامی ہونے کا دعوی کرے۔ قرآن مجید بانگ دہل اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ وہ منزل من اللہ یعنی اللہ کی طرف سے ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (سورہ انعام۔ رکوع ۲)
اور اس مبارک کتاب کو ہم نے نازل کیا ہے پس اسی کا اتباع کرو۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (سورہ اعراف)
وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۂ شعراء)
اے رسول ہم نے یہ قرآن تجھ پر نازل کیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ قرآن جہان کے مالک کا اُتارا ہوا ہے۔

الٓمّٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۂ سجدہ)
اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس کتاب یعنی (قرآن) کا نزول پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (سورہ یٰسین)
یہ قرآن زبردست مہربان نے اُتارا ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ (سورہ ص)
اے پیغمبر یہ کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے برکت ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (سورہ زمر)
یہ کتاب زبردست اور حکمت والے اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ (سورہ زمر)
بالیقین یہ کتاب حق کے ساتھ لوگوں کے فائدہ کے لئے اے پیغمبر تم پر اُتاری گئی ہے۔

حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (سورہ مؤمن)
اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست اور علم والا ہے۔

یہ چند آیتیں صرف ثبوت مدعا کیلئے نمونۃً پیش کی گئی ہیں ورنہ بیشمار ایسی ہی آیتیں ہیں جن میں قرآن مقدس نے بار بار اپنی صداقت اور تکرار کے ساتھ دعوی کیا ہے کہ میں خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہوں صرف یہی نہیں بلکہ مخالفین کو مقابلہ کیلئے چیلنج بھی دیدیا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اگر تم دعوی کرتے ہو اور قرآن کریم کو جھٹلانے میں سچے اور راستی پر ہو تو جاؤ اسکے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی آیت بنالاؤ۔
آئیے اب اس زمانہ کے تبلیغی مذاہب پر نظر ڈالیں جن کو الہامی ہونے کا دعوی ہے جب

ہم ان مذاہب کو دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ان کی الہامی کتابیں الہامی ہونے کا دعویٰ ہی نہیں کرتیں۔ یا اگر کرتی ہیں تو اپنے انسانی دست بُرد سے محفوظ رہنے اور قابلِ عمل دائمی ہونے کے دلائل پیش کرنے سے عاجز ہیں اور ان کے ماننے والوں کو ان کے الہامی ثابت کرنے کے لئے خود معیار بنانے پڑتے ہیں۔ مگر قرآن کریم کا ایک زندہ معجزہ اور نافذ العمل ہونے کا للّٰہی اثر ہے کہ وہ خود اپنے گھڑے ہوئے معیار پر بھی اپنی کتابوں کا الہامی ہونا ثابت نہیں کر سکتے پہلے ہم وید مقدس کو لیتے ہیں۔

ویدوں نے نہ اپنے الہامی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی اپنی حقانیت کی کوئی دلیل پیش کی ہے۔ ہمارے مناظر آئے دن ویدوں کے الہامی ہونے کا ثبوت خود ویدوں سے مانگتے رہتے ہیں۔ مگر آریہ مناظر اب تک اس مطالبہ کو باوجود ہزار ہا چیلنج کے پورا نہیں کر سکے البتہ اپنے عجز کو چھپانے اور کامل شکست کی شرمندگی کو دور کرنے کے لئے دور از کار باتوں پر اتر آتے ہیں۔ اور لفظ "پرکاش" کو ویدوں سے پیش کر کے اپنا دامن چھڑانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں اور گویا اپنی جانب سے ہمارا مطالبہ پورا کر دیتے ہیں، حالانکہ لفظ پرکاش کو لفظ "تنزیل" سے کوئی واسطہ نہیں اسکے معنی ظاہر کرتے ہیں۔ سو ظاہر ہے کہ "ظاہر کرنے" اور "نازل کرنے" میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اب موجودہ اناجیل اربعہ کو لو تو اُن میں بھی آپ کسی جگہ یہ دعویٰ نہ پائینگے (اصل انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اور جس کی قرآن کریم تصدیق کرتا ہے وہ چونکہ دُنیا سے اپنی ضرورت ختم ہونے کی وجہ سے ناپید ہو چکی ہے اس لئے وہ انجیل مقدس اس بحث سے خارج ہے) کہ یہ تمام کتابیں الہامی ہیں۔ بلکہ انجیلوں کے مطالعہ کرنے اور اسکی روایات کا تتبع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انجیلیں دیگر کتابوں کی طرح لوگوں کی تصانیف ہیں یہ ہمارا مذہبی تعصب اور نرا دعویٰ ہی دعویٰ نہیں بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ لیجئے چند ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔

کس قدر حیرانی ہے کہ علمائے مسیحیہ اس علم و عقل کی روشنی کے زمانہ میں اور خود عقل و فہم کے اجارہ دار ہوتے ہوئے اناجیل مروجہ کے الہامی ہونے کا اعتقاد اور دعویٰ کیسے کرتے ہیں جب کہ اناجیل کا غیر الہامی ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ بعض مسیحی علماء کو اقرار و اعتراف ہے بلکہ خود اناجیل اپنے غیر الہامی ہونے کا اقرار کرتی ہیں۔

مسیحی علماء کے نزدیک مسلم ہے کہ اناجیل مروجہ کی ترتیب و تدوین سے پہلے خاص تعلیم مسیحؑ انجیل کہلاتی تھی اور یہ مجموعہ جسے اب انجیل کہا جاتا ہے، حواریوں کی یادداشتیں سمجھی جاتی تھیں مگر بعد میں انہی یادداشتوں کو ہی انجیل کا لقب مل گیا۔ چنانچہ چیمبرس انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ لندن ۱۸۶۸ء جلد پنجم لفظ "گاسپل" کے بیان میں لکھتا ہے۔

"مسیح کی تعلیم یا پیغام انجیل کہلاتی تھی اور وہ الہامی نوشتہ جس کے ذریعہ سے بعد میں ہم کو جو تعلیم یا پیغام پہنچا ان کو بھی انجیل کا لقب ملا۔ مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان نوشتوں کا نام کب سے پڑا۔ اس میں تو بہت جھگڑا ہے کہ اس کا نام دوسری صدی کے نصف میں جسٹس مارٹر کے عہد میں پڑا۔ البتہ تیسری صدی میں عام طور پر یہ نام استعمال کیا گیا۔"

اس کے بعد لکھتا ہے۔

پےپیس نے ایک مقام پر متی اور مرقس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ انہوں نے مسیح کے حالات و اعمال و وعظ لکھے لیکن سوا اسکے کوئی ذکر گاسپل (یعنی انجیل) کا یا ان کے مصنفین کا ان کے نام سے اول زمانہ عیسائیوں میں نہیں ہے یہاں تک کہ جسٹس مارٹر ہمیشہ بجائے گاسپل متی۔ لوقا۔ یا یوحنا کے۔ یادداشت رسولوں کی کہتا ہے۔

فاضل نورٹن نے جو علم اسناد میں کتاب لکھی ہے اور شہر بوسٹن میں ۱۸۳۷ء میں چھپی ہے اسکے دیباچہ میں لکھا ہے کہ:۔

اکھارن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ دین مسیحی کے شروع میں ایک مختصر رسالہ تھا جو حضرت مسیحؑ کے حالات میں تھا ہو سکتا ہے کہ اس کو اصل انجیل کہا جائے لیکن گمان غالب ہے کہ یہ انجیل ان مریدوں کے لئے لکھی گئی تھی جنہوں نے مسیحؑ کی باتیں نہ اپنے کانوں سے سنی تھیں اور نہ اُن کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ یہ انجیل بمنزلہ قالب کے تھی اور اس میں مسیح کے حالات ترتیب وار نہیں لکھے تھے۔ (پیغام محمدی صفحہ ۳۶ و ۳۷)

علمائے مسیحیہ کے ان اقوال سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ اس مجموعہ عہد جدید کے سوا اور اس سے پہلے بھی کوئی انجیل تھی بعضوں کو اس سے اختلاف ہے۔ بہرحال اس امر میں علمائے مسیحیہ میں اختلاف ضرور ہے اور ہمارے ثبوت مدعا کے لئے یہی کافی ہے۔

اب خود اناجیل کے حوالے ملاحظہ ہوں۔

موجودہ اناجیل کا مطالعہ کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیح کے حواریوں نے

مسیح کی زندگی کے واقعات سن سنا کر اپنے الفاظ میں تحریر کر دیئے ہیں چنانچہ عربی انجیل لوقا مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس کے شروع کی آیتوں اور یا تمہید میں ہے :۔

إِذْ كَانَ كَثِيرُونَ قَدْ أَخَذُوا بِتَأْلِيفِ قِصَّةٍ فِي الْأُمُورِ الْمُتَيَقَّنَةِ عِنْدَنَا كَمَا سَلَّمَهَا إِلَيْنَا الَّذِينَ كَانُوا مُنْذُ الْبَدْءِ مُعَايِنِينَ وَخُدَّامًا لِلْكَلِمَةِ۔ رَأَيْتُ أَنَا أَيْضًا إِذْ قَدْ تَتَبَّعْتُ كُلَّ شَيْءٍ مِنَ الْأَوَّلِ بِتَدْقِيقٍ أَنْ أَكْتُبَ عَلَى التَّوَالِي ۔ الخ

ترجمہ :۔ جبکہ بہت سوں نے امور متیقنہ (یعنی مسیح کے حالات واقوال وغیرہ) کی تالیف کا کام اختیار کر لیا ہے جیسا کہ میرے سامنے مسیح کے خادموں نے جو تمام عمر مسیح کی خدمت میں رہے اور آپ کی زندگی کو دیکھتے رہے، اقرار کیا ہے۔ میں بھی اس ضرورت کو محسوس کر کے مسیح کی زندگی کے تمام واقعات از اوّل تا آخر نہایت غور وخوض سے ترتیب وار لکھتا ہوں۔

ایک طرف تو لوقا کا یہ قول ہے کہ "میں نے سب باتوں کو ترتیب وار لکھ دیا ہے" اب یوحنا کا قول سنئے۔ یوحنا کے آخری باب میں ہے :۔

وَأَشْيَاءُ أُخَرُ كَثِيرَةٌ صَنَعَهَا يَسُوعُ إِنْ كُتِبَتْ وَاحِدَةً وَاحِدَةً فَلَسْتُ أَظُنُّ أَنَّ الْعَالَمَ نَفْسَهُ يَسَعُ الْكُتُبَ الْمَكْتُوبَةَ ٥

ترجمہ ۔ اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔

اب ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ ادھر تو لوقا یہ لکھتا ہے کہ "میں نے سب باتوں کو ترتیب وار لکھ دیا ہے" اور ادھر یوحنا کہتا ہے کہ کچھ باتیں رہ بھی گئی ہیں اور سب لکھی جاتیں تو دنیا میں نہ سماتیں۔ حیرانی ہے کہ کس کے قول کو سچا سمجھا جائے۔ کیا الہامی کتاب ایسی ہی ہوتی ہے اور اس کی یہی شان ہے۔ حاشا وکلا الہامی کتاب کو تو اس قسم کے متضاد اور مغالطات سے پاک ہونا چاہئے۔ علاوہ ازیں یوحنا کو صاف اقرار ہے کہ یہ مسیح کا الہام نہیں بلکہ مسیح کے کام ہیں۔

کیا اب بھی کسی مسیحی عالم کو یہ دعویٰ کرنے کی ہمت ہو سکتی ہے کہ اناجیل مروجہ الہامی ہیں اگر وہ ہماری دیکھا دیکھی یہ دعویٰ کریں اور کر رہے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو اپنی

تکذیب خود ہی کر رہا ہے۔

غرض اس معیار پر سوائے مذہب اسلام کے دُنیا کا اور کوئی مذہب پورا نہیں اُترتا۔

(۲) الہامی مذہب فطرت انسانی کے مطابق ہونا چاہئیے

اگر اس کی تعلیم فطرت کے مطابق نہ ہوگی تو خدا تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض وارد ہوگا کہ اُس نے انسان کو تکلیف مالایطاق کا مکلّف ٹھہرایا اور اس پر دو حاکموں کو حکومت دی۔

مذہب سے مقصود ہی یہ ہے کہ وہ ہمیں فطری زندگی بسر کرنا سکھائے کیونکہ انسان کے دینی و دنیوی کمال کا انحصار اسی پر ہے کہ وہ قوانین فطرت کی پابندی کرے۔ فطری زندگی کی ضرورت و اہمیت کے لئے حسب ذیل امور کو ذہن نشین کر لینا چاہئیے۔

(۱) جب ہم موجودات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدائے قدوس نے آفتاب سے لیکر ایک ذرّے تک کی طبیعت کے اندر فطری حیثیت سے کچھ قوانین اور اصول فطرت قائم کئے ہیں۔ خدا کے قائم کردہ اصولوں سے انحراف کر کے جمادات نباتات اور حیوانات میں سے کوئی فرد بھی زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ اپنے کمال کو پہنچ سکتا ہے۔ ہر چیز کا بقا و ارتقا اسی صورت میں ہے کہ فطرت کا ہر وجود اپنی فطری حدود کے اندر رہے۔ حدود فطرت سے تجاوز کرنا ہر وجود کی فوت ہے۔ مثلاً ایک درخت جس کے اجزا، تنے۔ شاخیں۔ پتے۔ پھول اور پھل ہیں اس درخت کی فطری زندگی اور اس کا بقا و ارتقا یہ ہے کہ وہ اپنے اجزائے ترکیبی کو اپنے اندر لئے رہے۔ اور ان میں سے بھی ہر جزو کا ایک علیحدہ قانون ہے۔ وہ یہ کہ وہ اپنی اساس سے متعلق اور دیگر اجزائے ترکیبی کے ساتھ ملا ہوا رہے۔ اگر ایک پتّا توڑ کر الگ پھینک دیا جائے تو وہ سوکھ جائیگا کیوں؟ اس لئے کہ وہ اپنے اجزا سے علیحدہ ہو گیا۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ اُسے فطری زندگی سے انحراف کرنا پڑا اور یہی چیز اسکے حق میں فوت کا باعث ہوئی۔

جس طرح فطرت کے ہر وجود کا ایک خاص قانون ہے اسی طرح کل موجودات میں ایک قانون مشترک ہے جس پر نظام کائنات منحصر ہے۔ اور جس کو قانون عام اور موجودہ فلسفہ کی زبان میں "وحدت فطری کا قانون" کہتے ہیں۔ اگر یہ اصول نہ ہو تو پھر انسان فطرت کے متعلق کسی بات کا علم نہیں کر سکتا۔ انسان نے مخلوقات کے قانون کو تجربہ اور مشاہدہ سے معلوم

کیا ہے اور تجربہ و مشاہدہ حواس خمسہ کی مدد و معاونت سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر سماعت اور بصارت وغیرہ نہ ہوں جن کو ہم قانون عام کہہ سکتے ہیں تو ہم فطرت کے متعلق کسی بات کا علم حاصل نہیں کر سکتے۔

(۲) امن چین کی تلاش انسانی فطرت کا طبعی قانون یا خواہش ہے۔ یعنی فطرتاً ہر شخص امن چین کی زندگی بسر کرنے کا متمنی اور جویاں ہے۔ جب ہم مخلوقات پر غور کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ سوائے انسان کے ہر وجود فطرت امن کی زندگی بسر کرتے ہوئے اپنے کمال کو پہنچتا ہے اور یہ امن چین ان کو قانون عام کی پیروی اور فطری زندگی کی بدولت حاصل ہے۔

ان امور کو بیان کرنے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی زندگی کا بقا اسی میں ہے یا اُس کا قانون حیات یہ ہے کہ وہ فطری قوانین کی پیروی کرے۔ اُن سے انحراف نہ کرے۔ نیز محفوظ و مامون زندگی اور کمالات انسانی پر فائز ہونا اسی امر پر منحصر ہے کہ اسکی رہنمائی کیلئے ایک "فطری دین" ہو اور وہ اس کے ماتحت زندگی بسر کرے۔ پس ہر انسان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی عقل و فطرت سے کام لیکر فطری مذہب تلاش کرے اور اسکے مطابق زندگی بسر کرے۔

فطری مذہب کے لئے تین امور کا ثبوت لازمی ہے۔

(۱) وہ فطرت خاص کو بتلائے۔ یعنی یہ امر کہ خدا نے ہر ایک وجود کی طبعی و جبلّی صورت و سیرت ایک دوسرے سے ممیز اور ممتاز بنائی ہے یا ان کو ایک قانون حیات دیا گیا ہے۔

(۲) وحدت فطری کا قانون۔ یا قانون عام بتلائے۔

(۳) تجربہ و مشاہدہ کے ذریعہ مخلوقات کے قوانین فطرت دریافت کر لینے کی ترغیب و تحریص دلائے۔

جو مذہب ان تین امور کو ثابت کرے وہ بیشک فطری مذہب ہے۔ ورنہ صرف زبانی دعوؤں سے زمانہ کی دیکھا دیکھی کوئی مذہب فطری نہیں مانا جا سکتا۔ یوں ماننے کو تو خواہ ہر خلاف عقل و فطرت تعلیم اور لغو و لچر باتوں کو الہامی مان لیا جائے جیسا کہ دوسرے ادیان کا شیوہ خصوصی ہے۔

آئیے ان تینوں امور پر قرآن مبین سے روشنی ڈالکر ہم ثابت کرتے ہیں کہ آج دُنیا میں سوائے مذہب اسلام کے اور کوئی مذہب ہو ہی نہیں سکتا۔ بعونہ تعالیٰ۔

حضرت حق جل علیٰ شانہٗ نے ہمیں جو کچھ بھی دیا ہے مجمل دیا ہے اسکی تفصیل و تشریح انسانی کد و کاوش پر چھوڑ دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام قوائے علمیہ و عملیہ کی تربیت و پرورش کرتا ہے

اور قوت فکر کو بڑھاتا ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن مجید نے بہت سی ایسی چیزوں کا جن کا تعلق ہماری عملی زندگی سے ہے قانون فطرت بتلایا ہے۔ بطور مثال کے چند آیتیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ — ہم نے تمام چیزوں کو ایک انداز سے پیدا کیا ہے۔

(۲) رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ — ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک چیز کو اس کی فطرت پر پیدا کیا اور پھر اس کو فطری زندگی بسر کرنے کا قانون بھی دیا (ثم ھدیٰ)

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ خلاق فطرت نے ہر ایک چیز کو ایک خاص انداز پر جس کو ہم فطرت پر پیدا کرنے سے تعبیر کر رہے ہیں پیدا کیا ہے اور ساتھ ہی قانون فطرت یا قانون حیات بھی دیدیا ہے۔ چنانچہ انسان کی پیدائش کا قانون یوں بتلایا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا۔ ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ (سورۂ مومنون۔ پارہ ۱۸)

اور بیشک ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس ست کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ قرار گاہ (رحم) میں رکھا۔ پھر نطفہ کو جما ہوا خون بنایا۔ پھر اُس گوشت کے لوتھڑے کو ہڈیاں بنایا۔ ... ... ۔ پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا۔ پھر اس میں روح پھونک کر نئی طرح کی پیدائش میں پیدا کیا۔ پس اے اللہ تو بڑا برکت والا اور سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔

دوسری جگہ بعث بعد الموت یعنی حشر کے ثبوت کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ

ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے۔ پھر جمے ہوئے خون سے۔ پھر تمام اور غیر تمام گوشت کے لوتھڑے سے (یہ تصرفات ہم اس لئے کرتے ہیں) کہ تم پر اپنی کمال قدرت و حکمت ظاہر کریں اور ایک وقت مقررہ تک جس کو ہم چاہتے ہیں

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا (سورۂ حج)

رحم میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر ہم تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے بچہ بنا کر نکالتے ہیں۔ پھر ہم تم کو پالتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کی کمال قوت کو پہنچ جاؤ۔ اور کوئی تم میں سے وہ ہوتا ہے جو بڑا ہونے سے پہلے ہی مرجاتا ہے اور کوئی تم میں سے ایسا ہے جو ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیا جائے تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے (یعنی بوڑھا ہو جائے ہوش وحواس قائم نہ رہیں)

ان دونوں آیتوں میں اللہ تبارک تعالیٰ نے انسانی حیات وممات یعنی پیدا ہونے اور تربیت پانے کا قانون عام بیان فرمایا ہے اور وہ قانون یہ ہے۔

اجزائے ارضی سے غذا پیدا ہوتی ہے۔ اسکے خلاصہ سے نطفہ بنتا ہے۔ نطفہ رحم میں خون غلیظ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔ کسی لوتھڑے کی صورت بنتی ہے اور کسی کی نہیں جس کی صورت بن جاتی ہے وہ جنین ہے اور جس کی صورت نہیں بنتی وہ سقط ہے۔ جو ایام پورے ہونے سے پہلے گر پڑتا ہے۔ تمام (مخلقۃ) وہ ہے جس کے اعضا پورے بن جائیں۔ اور غیر تمام (غیر مخلقۃ) وہ ہے جس کے اعضا پورے نہ بنیں۔

بعث بعد الموت (مرنے کے بعد جی اٹھنے) کی دوسری دلیل بیان کرتے ہوئے زمین کی روئیدگی یعنی نباتات کی پیدائش کا قانون یوں بتلایا۔

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ (سورۂ حج)

(اے مخاطب) تو زمین کو خشک بیجان پڑا دیکھتا ہے (کہ اس میں گھاس کا کہیں نشان تک نہیں ہوتا) پھر جب ہم اس پر مینہ برسا دیتے ہیں تو وہ گھاس لہلہانے اور پھولنے لگتی ہے اور ہر ایک قسم کی خوشنما روئیدگی اُگاتی ہے۔

سورج کے طلوع وغروب ہونے کا قانون اور منازل قمر کا ذکر یوں فرمایا۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ

اور ان کے لئے ہماری آیت رات ہے کہ ہم اس سے دن کو کھینچ کر نکال لیتے ہیں تو بس یہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چل رہا ہے۔ اور یہ اندازہ (قانون) زبردست علم والے خدا کا

يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۖ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ (سورۃ یٰسین)

باندھا ہوا ہے اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں ٹھہرا دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی مانند بن جاتا ہے نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر ایک (چاند و سورج) اپنے اپنے مدار میں پڑے گھوم رہے ہیں۔

خالق کائنات نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی زبانی بھی یہی قانون قدرت بتلایا

فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۝ (سورۃ بقر)

اللہ پاک وہ ہے کہ جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکالدے پس وہ کافر ہکّا بکّا رہ گیا۔

پانی برسنے کا قانون یوں بتلایا۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ۝

اور وہ وہ ہے جو اپنی (بارش) کے آگے آگے بشارت دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے۔ اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اُتارا۔ تاکہ ہم اسکے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ کریں اور اپنے پیدا کئے ہوئے مویشی اور بہت سے لوگوں کو پلائیں۔

آگ کا خاصہ یوں بیان کیا۔

فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ

آگ کا بگولا پہنچا پس اس کو جلا دیا۔

اس میں آگ کا یہ قانون فطرت بتلایا ہے کہ آگ جلا دینے والی شے ہے۔

پانی کا قانون فطرت یا خاصہ یہ بتلایا۔

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝

اور ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا۔ تم کو اس سے نجات دی اور آل فرعون کو غرق کیا اور تم اپنی آنکھوں سے خدا کی یہ قدرت دیکھتے تھے۔

اس میں یہ قانون قدرت بتلایا ہے کہ پانی میں بوجھل چیز ڈوب جاتی ہے۔ مگر ساتھ ہی نیچریوں کا مُنہ بند کرنے کے لئے یہ بھی بتلا دیا کہ ہم نیچر کے قانون سے جکڑ بند اور مقید نہیں۔ تمام قوانین فطرت تمہیں بتلا کر اپنے علم و قدرت کو ختم نہیں کر دیا اور ہمارا علم و قدرت تمہاری عقل کے ادراک سے بالاتر ہے

کبھی نیچر اور لاآف نیچر کی بحث لگا کر ہماری قدرت نمائی کا انکار کرنے لگو۔ کان کھول کر سن لو کہ جہاں پانی کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں بوجھل چیز ڈوب جاتی ہے وہاں ہم یہ قدرت بھی رکھتے ہیں کہ جس حکمت سے ہم نے پانی اور آگ وغیرہ میں یہ خاصیتیں رکھی ہیں اسی حکمت کے ماتحت کبھی ان اشیاء سے ان کی خاصیتیں سلب بھی کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ اس قصہ میں ہوا کہ بنی اسرائیل کے لئے دریا کو پھاڑ کر نجات دی اور آل فرعون کو اسی میں غرق کر دیا۔

غرض ان آیات بینات میں قانون فطرت کی نسبت عام ہدایتیں اور خاص خاص قانون فطرت بیان کئے گئے ہیں۔ اب وحدت فطری کا قانون ملاحظہ ہو۔

أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّإِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝

کیا انسان خدائے قدوس کے قائم کردہ اصولوں سے الگ ہو کر جو فطرت کے اندر پائے جاتے ہیں اور جن کا مجموعہ حقیقی راہ عمل ہے کسی اور مذہب کی پیروی کر سکتا ہے۔ حالانکہ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ فطری حیثیت سے اللہ ہی کی "اطاعت" کرتا ہے۔ اور بالآخر سب کا رخ اللہ ہی کی طرف ہونیوالا ہے۔

اس آیۃ کریمہ میں خدائے قدوس نے اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ کائنات کے ہر ہر ذرے کی طبیعت کے اندر موجود حقیقی نے فطری حیثیت سے ایک اصول کو ودیعت فرمایا ہے اور وہ اصول "اصول اطاعت" ہے۔ آفتاب سے لیکر ایک ذرّے تک ہر وجود اسی قانون کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ ہر وجود اسی زبردست قانون کے ماتحت ہے اور یہی وہ قانون عام ہے جو فطرت کے جمیع موجودات کے اندر جاری و ساری ہے اور کائنات کا یہ عظیم الشان کارخانہ "اطاعت" کے صدقے قائم ہے

یہی وہ قانونِ اطاعت اور موجودہ فلسفہ کا "قانون" عام ہے جس کو قرآن پاک کی اصطلاح مذکورہ بالا آیت میں "اسلام" کہا گیا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ

آفتاب، ماہتاب، ستارے، سیارے، ثوابت، بروج اور جو کچھ بھی زمین و آسمان میں ہے قانون عام یا "اسلام" کی پیروی کر رہے ہیں اور تمام موجودات کا مذہب یا حقیقی راہ عمل۔ اسلام اور محض اسلام ہے۔

اور جمادات، نباتات اور حیوانات بھی طوعاً و کرہاً اسلام کے ہی اصولوں پر کاربند ہیں یہی وجہ ہے خالق السموات والارض نے ہر وجود کو حقیقتاً "مسلم" پیدا کیا ہے اور اسی طرح

طرح انسان بھی ابتداءً "مسلم" ہی پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا رشاد گرامی ہے۔
کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الاِسلام ہر انسان مسلم ہی پیدا ہوتا ہے مگر بعد ازاں اس کے
ووالدیہ یہوّدانہ وینصّرانہ الخ والدین اس کو یہودی یا نصرانی بنا لیتے ہیں۔

یعنی ہر انسان کی پیدائش اسلام پر ہوتی ہے مگر والدین اپنے مراسم۔ اپنے معاشرت اور اپنے مروجہ تعلیم و اصول سے اُسے مجبور کر کے اسلام سے الگ کر دیتے ہیں۔ اور اس کی فطرت پر پردے ڈال دیتے ہیں۔

اگر کسی بچّہ کو ایسی جگہ پرورش کیا جائے جہاں سوائے انسانی بول چال اور معاشرتی و مجلسی امور کے کسی مذہب یا عقیدہ کا کوئی ذکر نہ ہو اور اس کے دماغ پر کسی مذہبی خیال اور عقید کا اثر نہ پڑے تو یقیناً وہ بچہ سمجھ دار ہو کر "مسلم" ہی ہوگا۔

تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ مخلوقات کے قوانین فطرت دریافت اور راز کائنات معلوم کر لینے کی ترغیب و تحریص یوں دلائی۔

اسلام نے آیات الٰہی کے انکشاف اور راز کائنات کی دریافت کے لئے عقل کے ساتھ ذکر اور فکر دونوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًاۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

اور وہ لوگ زمین و آسمان کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (پیدائش سے مراد خاص طرح کی بناوٹ اور فطرت ہے) اے ہمارے پروردگار تو نے اس کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ تو اس عیب سے پاک ہے۔ پس ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔

اس آیت مبارکہ میں پروردگار عالم نے مومنوں کی طرف سے کہلوایا کہ یہ کارخانہ عالم جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں بے فائدہ بے قانون کے پیدا نہیں کیا۔ خدائے قدوس کی ذات اس نقص و عیب سے پاک ہے بلکہ نہایت مضبوطی و استحکام۔ حکمت و انتظام اور بڑی بڑی مصلحتوں کے ساتھ بنایا ہے۔ بے فائدہ پیدا نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مخلوق میں یہ قدرت اور مضبوطی جو رکھی گئی ہے۔ ممکن نہیں کہ یہ بغیر کسی مصلحت اور قانون کے ہو۔

اس آیت مبارک سے قوانین قدرت دریافت کر لینے کی ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے اور ایک ایسے پیرایہ میں کہ اس کی ضرورت و اہمیت بھی ساتھ ہی ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت باری عز اسمہ اپنے وجود پر استدلال فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں -

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

(اے کافرو) کیا تم نے آسمان میں اُڑنے والے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کے حکم میں ہیں - آسمان اور زمین کے درمیان ہوا میں معلق ہیں - ان کو اللہ کے سوا اور کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے بیشک اس میں اُن لوگوں کیلئے ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں -

کاش مسلمانوں کی نظر قرآن کریم پر ہوتی - وہ ذکر اور فکر دونوں کا ثبوت دیتے اور اس آیت مقدسہ کے زیر اثر پرندوں کے اُڑنے اور ہوا میں معلق رہنے پر غور کرتے اور اپنی تمام توجہ مَا یمسکھن اِلَّا اللّٰہ پر مرکوز کر دیتے تو ہوائی جہاز کی ایجاد کا سہرا انگریزوں کے سر پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے سر پر بندھتا اور ان کے دماغی و ذہنی ارتقا کا پایہ ثریا کی بلندیوں سے بھی گذر گیا ہوتا -

ان دونوں آیتوں سے قوانین فطرت دریافت کرنے کی باحسن طریق ترغیب تحریص دلائی گئی ہے -

صرف یہی نہیں کہ اسلام کی تعلیم عقل و فطرت کے مطابق ہے بلکہ اس تعلیم کے ساتھ اللہ پاک نے مذہب اسلام کی نسبت اپنی پسندیدگی کا بھی اظہار فرمایا ہے -

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

بلاشبہ خالق عالم نے کائنات کے لئے جس راہِ عمل کو منتخب فرمایا ہے اُس کا نام اسلام ہے -

چونکہ قوانین فطرت کو توڑنے والا اور غیر فطری زندگی بسر کرنے والا نہ تو خالق کو پسند ہے اور نہ مخلوق کو مرغوب - ایسا کرنے والا دین و دُنیا میں گھاٹے اور نقصان میں رہتا ہے - اس لئے قرآن پاک نے کھلے لفظوں میں دُنیا کے تمام مذہب والوں کے نام اعلان کر دیا ہے -

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

سوائے مذہب اسلام کے کوئی اور دین اور سوائے اصول اسلام کے کوئی اور عمل ہرگز ہرگز قابل قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں گھاٹا اُٹھانے والا ہوگا -

یعنی جس شخص نے دین اسلام کے سوا کسی اور دین کی پیروی کی وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا -

لہذا

اسلام ہی وہ حقیقی اور واحد فطری دین ہے جو اس معیار پر پورا اُترتا ہے جس کا نام "دین فطرت" ہے۔ نیچر کے مطابق زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے اور فطرت خوابیدہ کو جگاتا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ۔ ھم الذِّکْرَ (قرآن کو نازل کرتے ہیں۔ الذکر کے معنی ہیں یاد دلانے والا۔ یعنی جو فطری جذبات وخیالات انسان غیر فطری جذبات وتخیلات سے فراموش کر چکا ہے، قرآن کریم ان کو یاد دلاتا ہے۔ طالب نجات کا راستہ صاف کرتا ہے۔ صرف قرآن حکیم ہی کی تعلیم وہ فطری تعلیم ہے جس کو پڑھ کر قلوب از خود نعم ماقیل کہہ اُٹھتے ہیں۔ فطرت کے حجاب دور ہو جاتے ہیں اور فطرت خوابیدہ بیدار ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساتھ ہی متبعین اسلام کو یہ تاکید کردی ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ (سورۂ روم)

بس اللہ کے ہو کر اس کے دین کے ہو رہو۔ اس کی طرف متوجہ رہو کہ یہی دین اللہ کی فطرت ہے۔ اسپر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا اور یہ دین بدل کر دوسرا دین نہیں ہو سکتا۔ یہی دین مستقیم ہے۔ لیکن بہت سے آدمی اس صاف اور سیدھی سی بات کو بھی نہیں جانتے۔

ہے کوئی دُنیا کا مذہب جس نے دین توحید۔ دین فطرت۔ دین مستقیم اور "الذکر" ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور اس معیار پر پورا اُترتا ہو۔

آئیے اب ہم ویدک دھرم کو اس معیار پر پرکھتے ہیں۔

جب ہم ویدوں کی تعلیم پر غور و فکر کرتے ہیں تو صاف نظر آجاتا ہے کہ وید مذکورہ بالا تینوں امور پر روشنی ہی نہیں ڈالتے اور ان کے ذکر سے بالکل خاموش ہیں نہ اُن میں خاص خاص قوانین فطرت کا ذکر ہے۔ نہ عام قانون کا اور نہ ہی انہوں نے قوانین فطرت معلوم کر لینے کی ترغیب وتحریص دلائی ہے۔ برعکس اسکے ویدوں کی تمام تعلیم انسانی فطرت کے برخلاف ہے مثال کے طور پر صرف دو تین مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن کا خلاف عقل و فطرت ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

(۱) وطی الفرس

مہی دھر جو ہندوؤں کا ایک پُرانا محقق اور ویدوں کا مفسر ہے۔ اس نے اس مسئلہ کو ویدوں سے ثابت کیا ہے۔ اگرچہ

سوامی دیانندجی مہاراج نے مہی دھر کی تفسیر کو سرتا پا غلط اور اس کو عیاش بتلایا ہے۔ مگر انصاف کی بات تو یہ ہے کہ مہی دھر کی تفسیر صحیح ہو یا غلط ہندو جانیں مگر سوامی جی باوجود انتہائی زور صرف کرنے کے اس مسئلہ پر پردہ نہیں ڈال سکے۔

چونکہ یہ مسئلہ نہایت ہی گھناؤنا۔ حیا سوز۔ ناممکن العمل اور خلاف فطرت ہے اس لئے تہذیب و متانت کا تقاضا ہے کہ اس مسئلہ کی زیادہ تشریح کر کے ناظرین کے مذاق سلیم کو نہ بگاڑیں اور انسانی فطرت کو نوحہ خوانی کا موقعہ نہ دیں۔ صرف ناظرین کی واقفیت کے لئے غازی محمود دھرم پال کی زبان سے کچھ سنا دینا چاہتے ہیں۔

وام مارگیوں (ہندوؤں کا ایک فرقہ جو زنا اور شراب خواری کو نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے حتّٰی کہ ماں اور بہن کو بھی نہیں چھوڑتے) کی اصطلاح میں شراب کا نام "تیرتھ" اور زنا کاری کا نام "پنچمی" ہے۔ مگر یہ "کارج" کی اصطلاح سوامی دیانند کی اختراع ہے جس طرح وام مارگیوں نے اپنے ہر ایک قسم کے فسق و فجور کے لئے پرانے یا نئے ہندو گرنتھوں کی آڑ پکڑی ہے۔ اسی طرح سوامی دیانند نے اس "کارج" کے لئے سب سے پرانی کتاب رگوید کا سہارا لیا ہے اور اس کا نام نیوگ رکھا ہے۔ پرانے ہندو پنڈت مہیدھر آچارج اور سوامی دیانند میں صرف اتنا فرق ہے کہ مہی دھر وطی الفرس وید میں سے ثابت کرتا ہے۔ مگر سوامی دیانند فرس کا کام گیارہ آدمیوں سے لینا چاہتا ہے۔ حالات زمانہ کے مطابق گھوڑے کی طاقت کو آدمیوں کی طاقت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ نتیجہ وہی ہے جو مہیدھر نکالتا ہے۔ وطی الفرس میں خاوند اپنی عورت کو اجازت دیتا ہے کہ تو گھوڑے سے وطی کر نیوگ کی حالت میں خاوند اپنی عورت کو اجازت دیتا ہے کہ تو گیارہ مردوں سے وطی کر

(کفر توڑ صفحہ ۸۳)

(۲) نیوگ

نیوگ ایک قسم کی مہذب اور مذہبی زناکاری ہے۔ سوامی دیانند جی رگوید کے ایک منتر سے ثابت کرتے ہیں کہ شادی اور نیوگ کے ذریعہ عورت اور مرد کو دس دس اولاد پیدا کرنے کی اجازت ہے۔ مگر کب اور کس طرح وہ بھی سن لیجئے۔ سوامی دیانندجی فرماتے ہیں:۔

(۱) اگر شادی شدہ مرد دھرم کی خاطر غیر ملک میں گیا ہو۔ تو بیاہی عورت آٹھ برس اگر علم و نیکنامی کے لئے گیا ہو تو چھ برس۔ اور دولت کمانے کے لئے گیا ہو تو تین برس تک انتظار کر کے نیوگ سے کے ذریعہ اولاد پیدا کر لے۔ جب شادی شدہ خاوند واپس آوے تب

نیوگ شدہ خاوند سے قطع تعلق ہو جائے۔ ویسے ہی مرد کے لئے بھی قاعدہ ہے۔

۲۔ عورت بانجھ ہو۔ تو آٹھویں برس۔ اولاد ہو کر مر جائے تو دسویں برس۔ جب جب اولاد ہو تب تب لڑکیاں ہوں۔ لڑکے نہ ہوں تو گیارہویں برس۔ اور جو بد کلام بولنے والی ہو تو جلدی ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر لے۔

۳۔ اسی طرح اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو۔ تو عورت کو چاہئے اس کو چھوڑ کر دوسرے مرد سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر کے اس بیاہے خاوند کی وارث کر لے۔

۴۔ اگر حاملہ عورت سے ایک سال کے عرصہ میں مرد سے۔ یا دائم المریض مرد کی عورت سے رہا نہ جائے اور اس کا عالم شباب ہو۔ تو کسی سے نیوگ کر کے اسکے لئے اولاد پیدا کر دے۔

(ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۳۸)

ایک ایک نیوگ میں دوسرے لڑکے کے حمل تک نیوگ کی حد ہے۔ اس کے پیچھے صحبت نہ کرے حاصل کلام مذکورہ بالا طریقہ سے دس اولاد تک ہوتے ہیں پیچھے شہوت پرستی سمجھی جاتی ہے۔

(ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۳۷)

نیوگ کی ان تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تک ایک عورت غیر مردوں سے یا مرد غیر عورتوں سے دس دس بچے پیدا نہ کر لیں تب تک وہ برابر نیوگ کرتے رہیں۔ گیارہ مردوں کی تعین تو صرف برائے نام ہے اصل مقصود تو دس بچے حاصل کرنا ہے خواہ کچھ بھی کرنا پڑے۔ اگر دس بچے گیارہ گھروں کی دریوزہ گری سے حاصل نہ ہوں تو سینکڑوں اور ہزاروں دروازوں پر دستک دینی پڑے گی۔ درحقیقت بات تو یہ ہے کہ سوامی جی ایک پولٹیکل آدمی تھے۔ وہ بہرصورت اپنی تعداد بڑھانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے اس مقصد کے حصول کیلئے نیوگ جیسے مذموم فعل سے بھی دریغ نہیں کیا۔ سوامی جی نیوگ کی تعلیم کو ذرا مہذب بنانے کی سعی کرتے ہوئے خود ہی سوال و جواب یوں کرتے ہیں۔

سوال۔ ہم کو نیوگ کی بات میں گناہ معلوم ہوتا ہے۔

جواب۔ گناہ تو نیوگ کے روکنے میں ہے۔ کیونکہ ایشور کے قواعد کے مطابق مرد و عورت کا فطرتی عمل رُک ہی نہیں سکتا۔ بجز تارک الدنیا عالم باکمال اور جوگیوں کے۔

(ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۳)

گویا نیوگ نہ کرنا گناہ ہے اور اس پر عمل کرنا بڑا پُن یا ثواب اور دھرم کا کام ہے۔ اب

ناظرین اس تعلیم کے متعلق خود ہی اندازہ لگا لیں۔

(۳) یونی چکر اس کا مطلب یہ ہے کہ ویدک دھرم کی رو سے روح انسانی اپنے اعمال کی جزا و سزا بھگتنے کے لئے درختوں۔ حیوانوں اور انسانوں کی یونی (شرمگاہ) میں چکر لگاتی رہتی ہے۔ پیشاب گاہوں میں جکڑی رہتی ہے اور اُسی سے نکلتی اور اُسی میں گھستی رہتی ہے۔ اس یونی چکر کو عام طور پر جون یا آواگون یا تناسخ یا پنر جنم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس یونی چکر سے نجات پانے کا نام ہی ویدک دھرم میں مکتی یا نجات پانا ہے اور یہ مسئلہ ہندو دھرم کی اساس و بنیاد ہے۔

سوامی دیانند جی اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں اس مسئلہ کی تشریح اس طرح کرتے ہیں۔

جو شخص بذریعہ جسم کے چوری۔ دوسرے کی عورت سے زنا وغیرہ بدکام کرتا ہے۔ وہ درخت وغیرہ نہ چلنے والی یونیوں میں جاتا ہے۔ زبان سے کئے ہوئے پاپوں کی سرزمین پر پرندا ور چرند وغیرہ جنگلی جانور اور فن سے کئے گئے گناہوں کے بدلے چنڈال وغیرہ کا جسم ملتا ہے۔ ص ۲۷۹

شراب پینے والا برہمن کیڑے مکوڑے۔ غلاظت خور جانوروں۔ درندوں اور پتنگوں کی یونی میں جاتا ہے۔ منو ۱۲/۵۹

جو شخص ٹھیک طریقہ سے ذبح یا تیار کئے گئے گوشت کو نہیں کھاتا وہ مرنے کے بعد اکیس ۲۱ مرتبہ حیوانوں میں بھیڑ بکریوں کی یونی میں جاتا ہے۔ منو ۵/۳۵

گویا ویدک دھرم نے نباتات اور حیوانات کی پیدائش کا قانون چوری۔ زنا شرابخواری اور گوشت نہ کھانا بتلایا ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ زمین مادی کائنات اور اس کی انواع و اقسام کی چیزوں اور پیداوار میں خدا کی صفت خالقیت کو کوئی دخل نہیں بلکہ نظام عالم کا قائم رہنا بندوں کے نیک یا بد افعال پر منحصر ہے۔ اس تعلیم پر غازی محمود دھرم پال کا ریمارک ملاحظہ ہو۔

اگر اس تعلیم کو درست تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ گھاس پات۔ اناج اور درختوں کا دار و مدار محض زنا کاری پر ہے۔ اس لئے کہ ہندو یا ویدک دھرم میں روح اور مادہ دونوں غیر مخلوق اور ازلی ہیں۔ اگر زنا کاری نہ ہو تو نباتات معدوم ہو جائے۔ نباتات کے معدوم ہو جانے پر حیوانو اور انسانوں کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ کیا ایسی تعلیم کو ماننے والا پرماتما سے یہ دعا کر سکتا ہے۔ کہ ہے پرماتمن۔ تو وقت پر مینھ برسا۔ تاکہ گھاس چارہ خوب ہو۔ اناج سستا ہو۔ اور قحط دور ہو ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ ایسی دعا مانگے گا تو پرماتما اس کو یہی جواب دیں گے۔ کہ میرے

بھگتو؟" مجھے تم کیوں دق کرتے ہو۔ میں تو گھاس پات کا تنکا تک بھی اپنی مرضی سے پیدا نہیں کر سکتا اس لئے کہ مادہ اور روح دونوں غیر مخلوق ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ گھاس چارہ زیادہ پیدا ہو۔ اناج کثرت سے ہو۔ تو یہ تمہارے اپنے اختیار کی بات ہے۔ تم خوب زناکاری کرو جس کثرت سے زناکار روحیں میرے پاس آئیں گی میں اسی کثرت سے گھاس پات اور اناج پیدا کروں گا۔ لیکن اگر تم زنا نہ کرو گے۔ تو میں نہیں کر سکوں گا۔ بلکہ میں تو تمہارا خود دست نگر ہوں کہ کب تم زنا کرو۔ اور مجھے تمہاری روحوں کو گھاس پات اناج اور درخت وغیرہ کی یونی میں بھیجنے کا موقعہ ملے" غالباً یہی وجہ ہے کہ وام مارگیوں نے زناکاری ہی کو ذریعہ نجات مانتے ہوئے آلات زنا کو معبود بنا لیا۔ کیونکہ جب ان کے نزدیک دُنیا کا قیام ہی زناکاری پر ٹھہرا تو پھر ان کو خدا کی پرستش کی کیا ضرورت تھی۔ (کفر توڑ صہ ۹۸)

ویدک دھرم کا یہ نظریہ پرماتما کو ایک وجود معطل ٹھہراتا ہے۔ بلکہ ایک حیثیت سے بندوں کا دست نگر بتلاتا ہے۔ اور ظاہر کرتا ہے کہ کائنات کا یہ عظیم الشان کارخانہ محض پاپ کی بدولت چل رہا ہے۔ اگر پرماتما کو کوئی پاپی روح نہ ملے اور ساری دُنیا ویدک دھرم کو اختیار کر کے نیک بن جائے تو بس یہ نظام کائنات ہی درہم و برہم ہو جائے۔ گویا ہندو دھرم میں "وحدت فطری کا قانون" یا "قانون عام" پاپ یعنی گناہ ہے۔ نیوگ اور یونی چکر کی تعلیم۔ اس قدر فحش۔ حیاسوز اور خلاف فطرت ہے جس کو آج کی علمی دُنیا میں پیش کرنا عاقلوں کو دعوت خندہ دینا ہے۔ اور اپنی بے بصیرتی و کور چشمی کا خود ہی ثبوت پیش کرنا ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ اپنے مادہ کی عزّت و عصمت کی حفاظت ایک فطری جذبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کمین سے کمین اور بے عزت سے بے عزت آدمی بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی عورت کو بنا سنوار کر آدھی رات کے وقت جسم پر گھی ملوا کر ایک دوسرے مرد کے حوالہ کر دے یا اپنی عورت کو اجازت دیدے کہ جا غیر مرد سے اولاد حاصل کر۔ انسان تو انسان حیوانوں تک اور حیوانوں میں سے بھی بدتر جانور سور تک میں یہ فطری جذبہ ہے۔ مگر ویدک تعلیم ہندوؤں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ انسانیت کے درجہ سے نکل کر حیوانوں سے بھی بدتر بن جائیں اور اس فطری جذبہ کو خود اپنے ہاتھوں کچل ڈالیں۔ کیا اس تعلیم کو مان کر انسانیت۔ مدنیت۔ فطرت اور روحانیت زندہ رہ سکتی ہے اور زندگی کا نظام قائم رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

ہم نے مثال کے طور پر صرف انہی تین مسائل کو دکھایا ہے۔ ورنہ وید اس قسم کی خلاف

عقل وفطرت تعلیم سے بھرے پڑے ہیں، اور ویدوں کی نسبت صرف ہمارا ہی یہ خیال نہیں جس کو تعصب سے تعبیر کیا جا سکے بلکہ خود ہندو محققوں اور بزرگوں کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کے ایک مسلّم "کوتس رشی" کی بھی یہی رائے ہے اور اس امر کی تائید اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ "وید مہمل ہیں" اور وہ "خلاف عقل و فطرت ہیں" چند وید منتر پیش کئے ہیں۔

ویدمنتروں کا خلاف عقل اور خلاف فطرت ہونا

کوتس رشی نے اس امر کی تائید میں چند وید منتر پیش کئے ہیں۔

(۱) اَتھ، اَپی، اَنُپ، پن، نا، اَر، بھا، بھُوبتی، اُوش، وِہے، تراپسو، انیم، خلاف عقل اور خلاف فطرت ہونے کی وجہ سے بھی بے معنی ہیں۔ مثلاً اے دوا تو اس شخص کی حفاظت کر (یجر وید ادھیائے ۴ منتر ادھیائے ۶ منتر ۱۵)

(نوٹ) کس قدر مضحکہ خیز ہے! بیجان اور ذی روح چیزوں کو مخاطب کیا جاتا ہے اور ان سے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ پھر ملاحظہ ہو۔

(۲) سُو ودھی۔ بے، ما، انیم، ہن، سبہ، اینی، آہ، ہن، سن، وید کہتا ہے کہ کسی درخت کو کاٹتے وقت درخت کا کاٹنے والا کلہاڑے کو مخاطب کرکے اُسے یوں کہے "اے کلہاڑے تو اس درخت کو نہ کاٹ"۔

(نوٹ) کس قدر مضحکہ خیز ہے!! (۱) کلہاڑے کو مخاطب کرتا ہے (۲) درخت کو کاٹ بھی رہا ہے اور کلہاڑے سے یہ کہتا بھی ہے۔ کہ درخت کو نہ کاٹ۔ مندرجہ ذیل منتر بھی کس قدر مضحکہ خیز ہے"۔

(۳) اَتھ، اَپی، آہ، آدتی، تھہ، سروم، اِیتی، آدِی، تھہ، انت، رِک، چھتم، رِیتی، پھر کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ جو ویدوں نے یہ بیان کیا" کہ آدیتی ہی سب کچھ ہے۔ ادیتی ہی آسمان اور آدیتی ہی خلا ہے۔

اَدِی، تر، دھ، ذہ، آدی، تھہ، اَنت، ریک، چھم، آدی، تر، ماتا، سہ، پتا، سہ، پُترہ، بشوے، دیوا، آدی، تھہ، ین، چہ، جتا، آدی، تھہ، جاتم، آدی، تھہ، آج، نت، تُوام، (رگوید ۱-۶-۱۶-۵) آدیتی آسمان ہے۔ آدیتی خلا محض ہے۔ آدیتی ماں ہے۔ آدیتی

باپ ہے - اور آدیتی ہی بیٹا ہے - آدیتی سب دیوتا ہے - جو کچھ ہے وہ سب آدیتی ہے - جو کچھ پیدا ہو چکا ہے وہ سب آدیتی ہے - جو کچھ ہونے والا ہے وہ آدیتی ہے - جو پیدا نہیں ہونے والا ہے وہ آدیتی ہے -

کوتس رشی فرماتے ہیں - یہ کیونکر ممکن ہے - کہ جو آسمان ہو - وہی خلا بھی ہو - جو ماں ہو وہی باپ بھی ہو جو باپ ہو وہی بیٹا ہو - جو پیدا ہوتا ہو وہی ناپید ہونیوالا بھی ہو -

کوتس رشی فرماتے ہیں - کہ چونکہ وید منتروں کے اندر اسی طرح کی مہمل اور لغو باتیں مذکور ہیں اس لئے وید منتر لغو اور بے معنی ہیں -

(رسالہ مصلح جنوری ۱۹۲۶ء صفحہ ۳۹ و ۴۰)

اب اناجیل مروجہ کی تعلیم ملاحظہ ہو کہ وہ اس معیار پر پوری اُترتی ہے یا نہیں؟
ہم اپنے مدعا اور مقصود کو ثابت کرنے کے لئے اور طوالت سے بچنے کے لئے صرف عیسائی مذہب کا مشہور و مستند مسئلہ کفارہ لیتے ہیں - جو عیسائیت کی بُنیادی اینٹ ہے - اگر اس بُنیادی اینٹ میں کجی ثابت ہو جائے تو گویا پوری عیسائیت کی تعلیم کی کجی اور نقص ثابت ہو جائے گا -
یہ مسئلہ عقل و فطرت دونوں کے خلاف ہے اور اسی سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس مذہب میں ایسے خلاف فطرت مسائل ہوں اور جس کی بُنیاد ہی ٹیڑھی ہو اسکی باقی تعلیم کیسی ہوگی اور وہ کیونکر اس معیار پر پورا اُتر سکتا ہے - پادری صفدر علی مصنف نیاز نامہ کفارہ کی تشریح و تعریف اس طرح کرتے ہیں :-

"توریت و انجیل و صحف انبیائے کرام ہم آواز ہو کر صاف شہادت دیتے ہیں کہ خدا نے گنہگاروں کی نجات کے لئے ایک ہی راہ ٹھہرائی ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسا کلام مقدس میں ارشاد ہوا کہ خدا نے جہان کو ایسا پیار کیا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو بخشدیا کہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہووے بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے - جس کا مطلب کتاب مقدس کے اور مقاموں کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا ازلی و ابدی بیٹا (خدا کے بیٹے کا ازلی و ابدی ہونا قابلِ غور امر ہے جس کو دیکھ کر عیسائیوں کی عقل و سمجھ پر ہنسی آتی ہے) انسان کی نجات کے لئے اس جہان میں آیا اور اس نے انسان کے گناہوں کے عوض انواع و اقسام کی تکالیف اُٹھا کر صلیب پر اپنی جان کو کفارہ میں دیا (یعنی کیا ڈاڑھی والے نے اور پکڑا گیا مونچھوں والا) تاکہ آدمیوں کے بدلہ ان کے گناہوں کی سزا آپ اُٹھا کر خدا کی عدالت کو پورا کرے اور گنہگار کو سزا لئے

ابدی سے رہائی بخشے۔" (پیغام محمدی صد ۹۲)

گویا عیسائی مذہب میں نجات کا مدار ایک بے گناہ کے خون پر ہے۔ جو انسان کو پیدائشی گنہگار ٹھہراتا ہے۔ اشرف المخلوقات انسان کی بابت کتنا ذلیل اور حقیر نظریہ ہے اور اسکے شرف و اعزاز کو بٹہ لگانے والا کیسا مذموم خیال ہے جس کی موجودگی میں نہ تو انسان کوئی دنیوی ترقی کر سکتا ہے اور نہ ہی دینی۔

یہ مسئلہ اس لئے گھڑا گیا ہے کہ عیسائیوں کے نزدیک جتنے نیک اعمال انسان کر سکتا ہے سب کی تعمیل اس پر فرض ہے۔ ایک متنفس اپنے فرائض واجب الادا سے زائد خدا کی عبادت بجا نہیں لا سکتا پس جبکہ جملہ اعمال صالحہ جو انسان کر سکتا ہے اس کے فرض واجب الادا میں داخل نہیں تو بھلا اپنے بیشمار گناہوں کے عوض میں کیا دیسکتا ہے۔ اگر عیسائیوں کی نظر خود اپنی کتب مقدسہ پر ہوتی تو اس من گھڑت عقیدہ کی کجی اور غلطی ظاہر ہو جاتی۔ کفّارہ کا بطلان خود ان کی کتابوں سے ہو جاتا اور ان کو خود اپنے ہی مذہب کی تردید نہ کرنی پڑتی۔ تمام کتب مقدّسہ۔ تورات۔ انجیل اور قرآن کریم نے نجات کا مدار خدا کے فضل پر رکھا ہے۔ اگر ان کو یہ چیز اپنی کتابوں میں نظر نہیں آتی تو یہ ان کا قصور فہم اور اندھی تقلید ہے۔ بخوف طوالت اناجیل کے حوالوں کو نظر انداز کر کے صرف انسانی ضمیر و فطرت سے اس کی تردید کی جاتی ہے۔

دنیا میں اکثر کریم مزاج مالک اور نرم دل اشخاص اپنے نوکر کو بعض وقت ایک اچھے کام کے بدلے میں مالا مال کر دیتے ہیں اور اس وقت اس کی نافرمانیوں کا خیال تک نہیں رہتا۔ نیز ایسے واقعات ہم روزمرہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں کہ چھوٹے نافرمانیاں کرتے ہیں مگر بڑے درگذر اور معاف کرتے ہیں معلوم ہوا کہ جوش شفقت میں یا کسی مصلحت سے سابقہ نافرمانیوں کو معاف کر دینا ایک فطری جذبہ ہے۔ مگر عیسوی مذہب اسکے خلاف تعلیم دے رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کے غفور اور رحیم و کریم ہونے کی نفی کر رہا ہے۔ جب کفّارہ کا منشا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بغیر سزا کے نہیں چھوڑتا تو اس میں معاف کرنے کی صفت کہاں رہی۔ حالانکہ خدائے کریم کا غفور الرحیم ہونا تمام الہامی کتابیں صاف صاف بیان کر رہی ہیں اور اسی پر انسانی فطرت گواہی دے رہی ہے اور پھر یہ کیسی انانیت اور اندھیر ہے کہ بندوں میں تو معاف کرنے کی صفت ہو اور وہ خود شفقت میں اپنے ماتحتوں کو معاف کر دیں اور خدا تعالیٰ جو قدّوس ہے اور تمام خوبیوں اور بھلائیوں کا منبع ہے وہ اس صفت سے محروم ہو۔ یا یہ کہا جائے کہ معاف کرنا ہی بُری بات ہے۔ مگر وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں جبکہ ان کی کتابیں اسی صفت سے خدا کو موصوف بتلا رہی ہیں۔

یہ مسئلہ ایسا خلاف عقل اور علمی حیثیت سے گرا ہوا ہے کہ عیسائی مشنری پڑھے لکھے اور عقلمند طبع کے سامنے اسکی تبلیغ کرتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن کا ذکر ہے کہ ایک پادری صاحب "کیوشان" میں تبلیغی وعظ بیان کر رہے تھے۔ ایک چینی طالب علم نے دریافت کیا کہ اس تبلیغ سے آپ کا کیا مقصد ہے؟ پہلے تو پادری صاحب بہت گھبرائے پھر ذرا ہوش و حواس ٹھیک ہونے کے بعد فرمانے لگے کہ ہم تمہیں نجات کا راستہ دکھانے اور معاصی سے چھڑانے کے لئے آئے ہیں۔ اس پر طالب علم بولا "کیا یورپ میں معاصی کا ارتکاب کرنیوالا کوئی نہیں رہا اور وہ سب نجات پا گئے" پادری صاحب نے جواب دیا کہ وہاں بھی گناہگار ہیں اسپر کہا گیا کہ آپ پہلے انہیں جاکر تبلیغ کریں۔

جب عیسائیت کا بنیادی مسئلہ ہی غلط اور خلاف فطرت ہے۔ تو باقی تعلیم کیا خاک اس معیار پر پوری اتر سکتی ہے۔ سٹینلے جونکنس نے ایک کتاب "دی کرائسٹ آف دی ماؤنٹ" (یعنی پہاڑی مسیح) لکھی ہے جس میں فاضل مصنف نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم پر ایک ناقدانہ نظر ڈالی ہے۔ اس پر اخبار "اسٹیٹسمین" ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس کتاب کے مضامین ممکن ہے کہ پڑھنے والوں کو برافروختہ کردیں۔ تاہم یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ نظرانداز کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ مصنف کا مقصد اس عبارت سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ اناجیل میں مسیح کا جو پہاڑی خطبہ مذکور ہے اور اس میں جو تعلیم دی گئی ہے وہ تعلیم ہماری زندگی کے لئے مفید ہوسکتی ہے اور کیا اس پر عمل کرنا بھی ممکن ہے؟ مصنف نے ان سوالات کا خود ہی جواب دیا ہے۔

(۱) خطبہ میں نہ تو ہم کو وہ عقائد ملتے ہیں جن پر کلیسا کی بنیاد ہے اور نہ وہ اخلاقی معیار پر پورے اترتے ہیں جو آجکل کی مسیحی سوسائٹی نے اختیار کر رکھے ہیں۔

(۲) خطبہ کے احکام انسانی فطرت کے مطابق نہیں۔

ہندو مذہب اور عیسائی مذہب کی تعلیم دکھانے کے بعد اب ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ آج دنیا میں صرف مذہب اسلام ہی ایک ایسا الہامی مذہب ہے جو فطرت الٰہیہ کی بنیادوں پر قائم ہے قرآن مجید میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو قانونِ فطرت کے برخلاف ہو۔ اسلام کے علاوہ دنیا کا کوئی مذہب اس معیار پر پورا نہیں اترتا۔

(۳) سچے مذہب کے ساتھ خدائی نشانات بھی ہوں

جو اس کے خدائی اور زندہ الہامی

مذہب ہونے پر گواہ ہوں۔ خدائی نشانات سے مراد یہ ہے کہ جیسے خدا کا فعل بے نظیر ہے اور بندوں کے فعل سے علیحدہ اور ممتاز نظر آتا ہے۔ اسی طرح اُس کا کلام بھی بے نظیر ہو اور انسانی کلام سے علیحدہ و ممتاز نظر آئے تاکہ انسانی اور خدائی کلام میں بآسانی تمیز ہو سکے اور ان دونوں کے التباس سے گمراہی کا سامان نہ ہو۔

خالق السموات والارض نے کائنات کی کُل چیزوں کو بنایا ہے مگر انسان ایک تنکا اور ذرہ تک نہیں بنا سکتا۔ البتہ خدا کی مصنوعات میں تغیّر و تبدل کر سکتا ہے اور ان کی تصویر اُتار سکتا ہے مگر انسان کی بنائی ہوئی کاغذی تصویر اور خدائی تخلیق میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اور خدائی فعل انسانی فعل سے بالکل علیحدہ و ممتاز ہی نظر آتا ہے۔

اسی طرح خدائی کلام بھی بے نظیر اور ممتاز ہونا چاہیئے۔ خدائی اور انسانی کلام صاف صاف اور علیحدہ نظر آئے اور انسانی کلام کے ساتھ خلط ملط نہ ہو سکے۔ چنانچہ قرآن مجید کے زندہ الہام اور مذہب اسلام کے منجانب اللہ ہونے کے ثبوت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے سامان پیدا کر رکھے ہیں۔ جن سے تمام دُنیا کے مذاہب کی کتابیں محروم ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کی چند آیات کو کسی فصیح و بلیغ عبارت میں شامل کر دیا جائے اور کسی عربی جاننے والے سے کہا جائے کہ وہ خدائی کلام سے انسانی کلام کو جُدا کر دے تو وہ نہایت آسانی کے ساتھ پہلی ہی نظر میں یہ معلوم کر لے گا کہ یہ کلام الٰہی ہے اور یہ کلام انسانی۔ عربی عبارت میں قرآنی الفاظ ایسے نظر آئینگے جیسے کنکر اور پتھروں میں جواہر ریزے۔

دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی کامل حفاظت کا وعدہ کرتے ہوئے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ اس کے الفاظ تک کی حفاظت کا ایسا مضبوط اور مکمل سامان پیدا کر دیا ہے جو انسانی دستبرد امتداد مدت۔ انقلاب زمانہ۔ اختلاف طبائع اور تحریف و تبدیل سے ہر طرح محفوظ ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل فرمایا اور ساتھ ہی یہ حفاظتی سامان کیا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کے حفظ کرنے کا شوق ڈال دیا اور پھر ایسے دلکش اور فہم نشیں الفاظ میں اُتارا کہ آسانی سے حفظ ہو جائے۔ چنانچہ ہر زمانہ میں لاکھوں کی تعداد میں اسکے حفاظ رہے۔ اب تک موجود ہیں اور قیامت تک رہینگے۔ اگر آج بفرض محال دُنیا سے تمام مذہبی کتابیں معدوم کر دی جائیں تو ان کے ساتھ ہی مذاہب متعلقہ بھی دُنیا سے معدوم ہو جائینگے۔ مگر یہ خدائی فخر و نشان صرف قرآن کریم کو حاصل ہے کہ اگر قرآن مجید کتابی

صورت میں دُنیا سے معدوم بھی ہو جائے تب بھی یہ محفوظ ہے۔ کیا اتنی بڑی کتاب کا لفظ بہ لفظ یاد ہو جانا خدائی فعل نہیں اگر نہیں تو کوئی معترض ہمیں جس زبان میں چاہے زیادہ نہیں صرف تیس ورق ہی کی کوئی کتاب یاد کر کے دکھاوے۔

ذرا غور کر کے دیکھو دُنیا میں اور مذاہب بھی موجود ہیں کیا ان کی کتابیں بھی اسی طرح محفوظ ہیں اور کیا اللہ پاک اپنے فعل کے ساتھ اس امر کی شہادت ان کے متعلق دے رہا ہے کہ یہ خدائی کتاب اور زندہ الہام ہے اور اب دُنیا کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ توریت۔ انجیل اور دیگر صحف انبیاء کسی زمانہ میں الہامی کتابیں تھیں۔ جتنی مدّت کے واسطے وہ نازل ہوئی تھیں اور دُنیا کو جبتک ان کی ضرورت تھی اس وقت تک خدائے قدوس نے ان کی حفاظت کی اور جب ان کا زمانہ ختم ہو گیا یعنی وہ منسوخ ہو گئیں تو ان کی حفاظت بھی اُٹھ گئی اور وہ زمانہ سے ناپید ہو گئیں اور ان کے نام انسانی خیالات و اوہام کے مجموعے باقی رہ گئے۔

دُنیا کی کسی مذہبی کتاب کا کوئی حافظ نہ ہونا اس امر کا زندہ اور بیّن ثبوت ہے کہ اب دُنیا میں خدائی مذہب اور پسندیدہ راستہ صرف اسلام ہے اور نجات کا ذریعہ صرف قرآن مقدّس پیش کرتا ہے۔ اگر دُنیا کے مذہب والوں سے پوچھا جائے کہ خدائی نشانات اور اسکی حفاظت کس مذہبی کتاب کے متعلق اپنی گواہی دے رہی ہے کہ وہ منجانب اللہ ہے۔ تو کہا جائے گا کہ خدائے قدوس کی گواہی صرف قرآن مجید سے متعلّق ہے۔

اہل مذاہب اپنے اپنے مذہب یا بانیٔ مذہب اور بزرگوں کی نسبت فوق العادۃ کرامات اور غلط اور صحیح معجزات کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر زمانہ گزشتہ ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ گزشتہ زمانہ میں کسی معجزہ کا ثابت ہونا نہایت مشکل امر ہے۔ جبتک مسلمانوں کی طرح تواترات۔ جرح و تعدیل اور اصول و درایت کے علم سے ثابت نہ کر دیا جائے۔ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ خیر یہ جب ہوگا اب کوئی زندہ معجزہ ہو تو دکھاؤ۔ اس مطالبہ میں صرف مذہب اسلام آگے بڑھے گا اور حافظ قرآن کو پیش کر دے گا اور باقی تمام مذاہب ساکت و صامت ہو کر پہلو تہی اختیار کر لینگے اور خدا کی مقدّس کتاب قرآن مبین کی صداقت کی راہ سے الگ ہٹ جائینگے۔ اسلام کا یہ وہ زندہ معجزہ ہے جس کی نظیر لانے سے دُنیا کے تمام مذاہب عاجز ہیں

(۴۲) خدائی تعلیم ایسی ہونی چاہئے جو مذہب کے اغراض و مقاصد کو کامل طور پر پورا کر سکے

مذہب کے کئی اغراض و مقاصد ہیں مگر ان میں سے ہم صرف ایک مقدم اور

اہم غرض کو لیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ زندہ اور کامل الہامی کتاب انسان کو حضرت باری عزّ شانہ کی ایسی اعلیٰ و اکمل اور جامع و مانع صفات الٰہیہ کا علم دے۔ جو اس کی شایان شان ہوں۔ تاکہ ان صفات کا علم حاصل کر کے انسان کو خدا سے محبت ہو۔ صفات الٰہیہ کا اعلیٰ تخیل ان کے دل و دماغ میں گھر کرلے شراب معرفت سے مدہوش ہو جائے۔ اور نہایت ذوق و شوق اور دلی توجہ کے ساتھ قرب الٰہی کے وسائل و ذرائع اختیار کرے۔ الٰہیات کا یہی وہ مرحلہ ہے "جہاں خدائی تعلیم کے جوہر کھلتے ہیں کھوٹے کھرے میں تمیز ہوتی ہے۔ جھوٹے سچے مذہب میں نمایاں فرق نظر آتا ہے اور لعل و جواہر کنکر پتھر سے علیحدہ ہوتے ہیں"

خداشناسی یا معرفت الٰہی کا مطلب محض اتنا ہے کہ انسان کو اس کی حقیقی صفات کا علم حاصل ہو جائے اسکی ذات کا علم حاصل کرنے سے ہماری عقل عاجز اور معلومات قاصر ہیں اسی لئے کہ ہمارے ادراک کے سامنے محسوسات کی دیوار کھنچی ہوئی ہے

اس غرض کو پورا کرنے یعنی خداشناسی کی اسلام نے نہایت زور شور کے ساتھ اور اعلیٰ و اکمل طریقہ سے ایسی تعلیم دی ہے جس سے قلب و دماغ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور فطرت انسانی پکار اٹھتی ہے کہ یہی میرا مقصود ہے۔

یہاں پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ قرآن مقدس نے خدا تعالیٰ کو بے مثل اور بے نظیر "لیس کمثلہ شئ" فرما دیا ہے اور اسکے بعد حسب ذیل تعلیم دی ہے۔

قرآن کے شروع سورہ فاتحہ میں جس کو مسلمان پنجوقتہ نمازوں میں چوالیس ۴۴ مرتبہ روزانہ پڑھتے ہیں چار صفتیں بتلائی گئی ہیں۔ رب۔ رحمان۔ رحیم اور مالک۔ یہ چار صفتیں بمنزلہ اصول اور منبع کے ہیں اور باقی صفات فروع اور کائنات عالم کے انتظام و انصرام میں سب سے زیادہ انہی صفات کو دخل ہے۔ اور اس دنیا میں قدم قدم پر انہیں کا ظہور ہے۔ اگر ان پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالی جائے اور ان کی حقیقت و مفاد کو بتلایا جائے تو ایک علیحدہ مستقل کتاب تیار ہو جائے گی لہٰذا کچھ مختصراً عرض کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم بتلاتا ہے کہ وہ رب العالمین اور رحمٰن ہے۔ یعنی تمام دنیا کی تربیت روحانی و جسمانی محض اس کی ذات پر موقوف ہے۔ ویدک دھرم کے فرضی پرماتما کی طرح گذشتہ اعمال کے ہی نتیجہ میں سامان تربیت میسر آنے میں دخل تو آریہ مہاشوں کا ہو اور پرماتما مفت کا احسان جتلائے۔ اور عبادت کا مستحق بنے۔ کارساز حقیقی دنیا کے اس عظیم الشان کارخانہ کو محض گناہوں کے بھروسہ نہیں چلاتا۔ بلکہ وہ اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت بلا مبادلہ اور بلا معاوضہ بہت سی نعمتیں

انسان کو عطا کرتا ہے

قرآن حکیم کا خدا تعالیٰ کو رب العلمین بتلانا مذہب اسلام کی حقانیت کی وہ سب سے بڑی مضبوط اور شاندار دلیل ہے جس کو دنیا جہان کے لسان اور معترض نہیں جھٹلا سکتے اور آفتاب صداقت کو اعتراضات واوہام کے گرد و غبار میں نہیں چھپا سکتے۔ انشاء اللہ آگے چلکر ہم اسپر مزید روشنی ڈالکر بتلائینگے کہ اس صفت کا اسلام کی حقانیت سے کیا تعلق ہے اور اسکی سچائی کی کیسی مستحکم دلیل ہے۔

قرآن مقدس نے اللہ تعالیٰ کو قدوس بتلایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ایسی ہستی ہے کہ کوئی عیب اس کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کوئی خوبی ایسی ہے جو اس کی ذات میں نہ پائی جاتی ہو۔ دیگر اہلِ مذاہب بھی یہی کہتے ہیں۔ مگر اُن کا یہ دعویٰ اسلام کی دیکھا دیکھی اور محض قول تک ہی محدود ہے۔ دراصل ان کا مذہب ہی ان کے اس دعویٰ کو سراسر باطل ثابت کرتا ہے کیونکہ اس دعوی کا ثابت ہونا اور خدائے واحد کا قدوس ہونا توحید کامل پر موقوف ہے جبتک کوئی مذہب توحید کامل کی تعلیم اپنے اندر ثابت نہ کر دے اُس وقت تک ہرگز ہرگز خدا کا قدوس ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ یوں دعویٰ کر لینا تو آسان ہے مگر اس کا ثبوت بہم پہنچانا کارے دارد۔ آئیے اب ہم اسلام میں توحید حقیقی کی تعلیم کے وہ جواہر ریزے پیش کرتے ہیں۔ جن کی آب و تاب سے دُنیا کی آنکھیں خیرہ ہیں۔

اسلامی توحید

اسلام نے توحید الٰہی کو بڑے اعلیٰ اور بلند مقام پر دکھایا ہے اور قرآن کریم اسی تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔ اسلام کی تعلیم میں سب سے اعلیٰ اور ممتاز خصوصیت یہی ہے کہ اس نے توحید خالص کا مسئلہ دُنیا میں رائج کیا اور خداشناسی کی غرض کو پورا کیا۔ اسلام سے پہلے اور اب بھی کافر و مشرک اور یہود و نصاریٰ وغیرہ سب اللہ تعالےٰ کی ہستی کے قائل ہیں۔ اُسی کو نظام عالم کا خالق و مدبّر جانتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اسکی صفات میں دوسروں کو شریک کرنا بھی ان کا شیوہ خصوصی ہے۔ اسلام نے دُنیا میں آکر اس حقیقت کبریٰ کا اعلان کیا کہ خدائے قدوس کی ذات و صفات میں کوئی شریک و سہیم نہیں۔ یہ توحید کی اس سادہ اور عام فہم تعلیم ہی کا اثر تھا کہ ریگستان عرب کے رہنے والے دُنیا کے ہادی اور رہبر بن گئے تھے اور اسی تعلیم نے اُن کو ظلمت و کفر سے نکالکر نور ایمان سے منوّر کر دیا تھا۔ توحید کی آواز جب فطرت سلیمہ رکھنے والے عرب کے کان میں پڑتی تھی وہ لبیک کہہ اُٹھتا تھا۔ توحید کا جذبہ دل صافی میں موجزن ہو کر کفر و شرک کی غلاظتیں بہالیجاتا تھا۔ توحید کے پختہ اعتقاد کا لازمی اثر یہ ہوا تھا کہ

ان کے دلوں میں مادی طاقتوں۔ غیر اللہ قوتوں کا خوف۔ راہ ترقی کی رکاوٹوں کا ہراس اور شیطانی وسوسوں کا اثر پھیلاتی تھی۔ اور مظلوم و درماندہ قومیں ظلم وستم اور تعبد وتغل سے نجات پاکر ان کے ابر لطف وکرم سے بار ور تعلیم وتربیت اور دستگیری و رہنمائی سے فیضیاب ہوتی تھیں اور ان کی ہمنوا ہو جاتی تھیں۔

توحید الٰہی کا بلند مقام اعتقادی رنگ میں

وحدت الٰہی کے ذکر کو اس جگہ زیادہ وضاحت سے بیان کرنے کو جی چاہتا ہے اس لئے کہ جس واحد مقصد کے لئے اسلام دنیا میں آیا اور جو اعتقاد اس نے دلوں میں راسخ کرنا چاہا ہے۔ وہ توحید ہے۔ اسلام کی صحیح اور سب سے بڑی خدمت اسی اعتقاد اور حقیقت کی نشر واشاعت ہے۔ مگر طوالت کا خوف دامنگیر ہے اس لئے مجبورًا جذبۂ دل کو روک کر اختصار ہی کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ انشاء اللہ یہ کمی کسی دوسری جگہ پوری کر دی جائے گی۔ یہاں قرآن کریم کی صرف ایک چھوٹی سی سورت پیش کی جاتی ہے۔ اور وہ سورۂ "اخلاص" ہے۔ سورۂ الکافرون" میں عملی رنگ میں توحید کی تعلیم دی گئی ہے اور سورۂ "اخلاص" میں اعتقادی رنگ میں توحید سکھائی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کہہ دے وہ اللہ ایک ہے۔ هُوَ میں اس فطرت انسانی کی شہادت کی طرف اشارہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق اسکے اندر مرکوز ہے۔ یعنی وہ اللہ جس کا اشارہ اور اعتراف انسانی فطرت کر رہی ہے۔ قل ہو اللہ ہر انسان کی فطرت اور تمام موجودات کی شہادت موجود ہے۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ اللہ بے نیاز یا بے احتیاج ہے یعنی سب اسکے محتاج ہیں۔ مگر وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس صفت صمدیت نے شرک فی الصّفات کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا۔ اس صفت نے خدا کی سماعت وبصارت کے مسئلہ کو بھی صاف کر دیا۔ اس صفت میں یہ بتایا گیا ہے خدا بے احتیاج ہے اور تم سراپا احتیاج۔ اب قرآن کریم یہ بھی بتلاتا ہے کہ وہ سمیع وبصیر ہے یعنی دیکھتا اور سنتا ہے اسپر سوال ہوتا تھا کہ کیا اسکے کان اور آنکھیں بھی ہیں۔ مگر صفت صمدیت نے خدا کی صفات کے متعلق ہمیں یہ نکتہ سمجھا دیا کہ وہ دیکھتا ہے مگر اُسے خارجی روشنی اور آنکھ کی ضرورت نہیں۔ وہ سنتا ہے مگر کان اور ہوا کا محتاج نہیں۔ وہ کلام کرتا ہے مگر زبان کی حاجت نہیں۔ ہاں تم ان کاموں میں سراسر خدا کے محتاج اور اسکے سامنے سرافگندہ ہو۔ وہ دیکھنے کے لئے آنکھ اور روشنی مہیا کرتا ہے۔ اور سننے کے لئے کان اور ہوا دیتا ہے۔

خالق اور مخلوق دونوں دیکھتے اور سنتے ہیں۔ لیکن خدا کا دیکھنا اور سننا بغیر کسی احتیاج کے ہے۔ قرآن کریم نے خدائی صفات اور انسانی صفات میں کیسا عظیم الشان فرق رکھ کر دکھلایا ہے جس سے شرک فی الصفات۔ تعزیہ پرستی، قبر پرستی اور پیر پرستی وغیرہ سب کی جڑ کٹ گئی۔ اس صفت کا خلاصہ اور مفاد یہ ہوا کہ خدا ہی کی ذات ہے جو کسی کی محتاج نہیں۔ وہ سب کی حاجتیں پوری کرتا ہے اور خدا کے سوا کوئی صمد نہیں۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ نہ اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہے اور نہ اس کا کوئی ماں باپ ہے۔ یعنی خدا میں توالد و تناسل کا سلسلہ نہیں۔ اس نے عیسائیت کا صفایا کر دیا وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ کوئی اس کا کفو (ذات برادری) بھی نہیں۔ یعنی اس کا کوئی ہمسر اور صلاح کار و مشیر نہیں اس میں افعال سے بھی شرک مٹا دیا اور بتا دیا کہ افعال میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ غرض اس چھوٹی سی سورت میں توحید کو ہر پہلو سے مکمل کر دیا ہے اور شرک کی ہر طرح جڑ کاٹ دی ہے اور نہ صرف یہ کہ اس سورت میں خدا کی نسبت جو بلند۔ پاک اور نتھرا ہوا تخیل پیش کیا گیا ہے وہ خدا کی ہستی کے یقین و اعتقاد کی غرض کو بدرجہ اتم و اکمل پورا کرتا ہے اور ہمارا دعویٰ ہے کہ دیگر مذاہب کے ناقص اور غلط تخیلات اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ نیز قرآن مجید کہتا ہے قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ یعنی اللہ پاک ہر چیز کا خالق ہے خواہ روح ہو یا مادہ اور وہ واحد و قہار ہے اسلام کی یہ مختصر سی تعلیم کس عمدگی، خوبی، تکمیل، صفائی اور جامعیت کے ساتھ خدا کو قدوس ثابت کر رہی ہے۔ خداشناسی کی غرض کو مکمل طور پر پوری کر رہی ہے۔ اور مذہب اسلام کو مذاہب عالم سے ممتاز و سرفراز بنا رہی ہے۔ اسلام نہ صرف خدا کی ذات و صفات کی صحیح معرفت کراتا ہے بلکہ خدا تک پہنچنے کے وسائل بھی ساتھ بتلاتا ہے۔

خدا تک پہنچنے کے وسائل

سات ہیں جن کو ترتیب وار بیان کیا جاتا ہے (۱) پہلا وسیلہ ایمان بالغیب ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔

(۲) دوسرا وسیلہ خدا تعالیٰ کے حسن و جمال پر اطلاع پانا ہے۔ کیونکہ حسن ایک ایسی دلکش چیز ہے جس کی طرف خود بخود دل کھنچتا ہے اور حسین و جمیل صورت سے طبعاً محبت ہوتی ہے سو قرآن شریف نے وحدانیت اسکی عظمت و بزرگی اور صفات کو حسن باری تعالیٰ قرار دیا ہے اور اس کا حسن سورہ اخلاص اور خدا کے قدوس ہونے کے مذکورہ بالا تفصیلات سے ظاہر ہے نیز فرمایا اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ پاک زمین و آسمان کا نور ہے۔ قرآن مبین

شروع سے لیکر آخر تک خدا کے حسن و خوبی کا مظہر اور جلوہ گاہ ہے اور اسکے نقطہ نقطہ سے عیاں ہے۔
(۳) تیسرا وسیلہ خدائے رحیم وکریم کے احسانات کا جاننا ہے۔ کیونکہ محبت کا محرک احسان بھی ہوتا ہے اور اس سے جذبات مودت بھڑک اُٹھتے ہیں۔ سو احسان صفات ربوبیت اور مالکیت وغیرہ کا ذکر سورۂ فاتحہ میں کر دیا ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ یعنی اگر تم خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز ممکن نہیں کہ گن سکو گے۔
(۴) چوتھا وسیلہ دعا ہے۔ تاکہ انسان خدا کو خدا کی تائید و طاقت سے پائے اور آہ و زاری و بیقراری محبوب حقیقی کے وصال کا ذریعہ بن جائے۔ فرمایا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ یعنی تم دُعا کرو میں قبول کروں گا۔
(۵) پانچواں وسیلہ مجاہدہ ہے۔ یعنی خدا کی راہ میں جان و مال اور علم و عقل کو خرچ کر کے اس کو ڈھونڈا جائے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی اپنے مالوں۔ اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو معہ ان کی تمام طاقتوں کے خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ اور جو کچھ ہم نے علم و عقل اور فہم و ہنر تم کو دیا ہے وہ سب کچھ خدا کی راہ میں لگاؤ۔ جو لوگ ہماری راہ میں ہر ایک طور سے کوشش یعنی مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہم ان کو اپنی راہیں دکھا دیا کرتے ہیں۔
(۶) چھٹا وسیلہ استقامت ہے۔ چونکہ خدا تک پہنچنا ایک بہت ہی کٹھن کام ہے۔ کہیں شک و انکار کے غار ہیں۔ کہیں جہل و اوہام کی خندقیں ہیں۔ کہیں خیالات کی کشاکش کی اضطراب و پریشانی ہے اور کہیں عقل و فہم کی نارسائی و درماندگی اس لئے قرآن پاک عارفانِ الٰہی کے حوصلے بلند اور ہمتیں بڑھانے کیلئے ہدایت کرتا ہے کہ اس راہ میں عاجز اور درماندہ نہ ہو جاؤ۔ تھک نہ جاؤ اور امتحان و آزمائش سے مت ڈرو۔ بلکہ برابر آگے بڑھتے جاؤ۔ عزم و استقلال کو ہاتھ سے نہ دو۔ بالآخر شاہد مقصود سے ہمکنار ہوگے۔ جیسا ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ یعنی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر استقامت اختیار کی طرح طرح کی آزمائشوں اور بلاؤں میں ثابت قدم رہے۔ اُنپر فرشتے اُترتے ہیں۔ کہ تم مت ڈرو مت غمگین ہو خوش رہو۔ خوشی میں بھر جاؤ۔ کہ تم اس خوشی کے وارث ہو گئے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔

غرض استقامت سے خدا ملتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کو نبیوں۔ رسولوں۔ صدیقوں اور شہیدوں نے مصائب و آلام کے تیروں کی بارش اور ابتلا و آزمائش کے پتھراؤ کے وقت سپر بنائے رکھا اور باوجود انتہائی شدائد و مصائب کے گمراہ انسانوں کو ہاتھ پکڑ کر اضطراب و بیقراری اور تردید و انکار کے سمندر سے نکالتے رہے اور جن کی خاک پاک سے ابتک استقامت کی بو آرہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے پنجوقتہ عبادت میں یہی چیز مانگنا سکھایا۔ ارشاد ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ ترجمہ اے خدا ہمیں راہِ مستقیم پر گامزن رکھیو، جس کا نتیجہ تیری خوشنودی ہے (اور ہم تیری خوشی کے خواہاں ہیں)

درحقیقت استقامت ہی ایک ایسی غیر متزلزل روحانی قوّت اور نور ہے جو دکھوں اور مصیبتوں میں خدا کے پیارے بندوں کو نہایت اطمینان کے ساتھ مصیبت کا مقابلہ کرا کر فائز المرام و شادکام کرتی ہے اور زندگی کی تاریک راہوں سے بچا کر نورانی فضا میں پرواز کرنا سکھاتی ہے۔ ایمان کی حلاوت ایک مومن کو اُسی وقت ملتی ہے جبکہ وہ ایمان و ایقان میں استقامت کا ثبوت دیتا ہے۔ خدا کا سچّا محب وُہی ہے جو دماغی یا جسمانی گھاٹیوں کو عبور کر کے آگے قدم رکھتا ہے۔ جان کو ناچیز اور حقیر سمجھ کر اور جان کی محبت کو الوداع کہکر اپنے مولیٰ کی مرضی کا بالکل تابع ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی باخدا انسانوں اور پیارے بندوں کی شان میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ؕ یعنی خدا کا پیارا بندہ اپنی جان تک خدا کی راہ میں دیتا ہے مگر رضائے الٰہی سے مُنہ نہیں موڑتا اور خدا کی مرضی خرید لیتا ہے۔ وہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت خاص کے مورد ہیں۔ اگر اس وُلولۂ عزیمت اور جان سپارانہ جوش استقامت کا عملی رنگ دیکھنا ہے تو تاریخ اسلام اُٹھا کر دیکھ اور دُنیا کے دیگر اہل مذاہب کی بھی تاریخ دیکھ کر انصاف سے بتلاؤ کہ یہ مطلوبہ جوشِ استقامت کسی اور مذہب نے بھی اپنے متبعین میں پیدا کیا۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو دُنیا کیوں ساقی عرب کے خمخانہ سے شرابِ معرفت کے پیالے نہیں پیتی اور کیوں محبوب حقیقی کے دیدار سے محروم ہے۔

(۷) ساتواں وسیلہ راستبازوں کی صحبت ہے۔ انسان طبعًا کامل نمونہ کا محتاج ہے اور کامل نمونہ شوق کو زیادہ کرتا ہے اور ہمّت کو بڑھاتا ہے جو کسی منزلِ مقصود کے لئے نمونہ نہیں رکھتا اس کا شوق بالآخر مردہ ہو جاتا ہے۔ قوائے عملیہ سُست ہو جاتے ہیں اور وہ سیدھی راہ سے بہک جاتا ہے دیکھئے سوائے مسلمانوں کے وہ پست ہمّت ہیں اور ان کے جیسا مذہبی جوش نہیں رکھتے چونکہ مسلمان اپنے ہادی اور رہبر کامل کا نمونہ اپنے پاس رکھتے ہیں اس لئے وہ اس گئی گذری حالت

میں بھی دُنیا کی تمام قوموں سے زیادہ ایثار قربانی کا مادہ رکھتے ہیں بشرطیکہ ان کی راہ سے حجاب اور فریب دور ہو جائیں اور ان کو صاف نظر آجائے کہ یہ خدا کا حکم ہے پھر دیکھو وہ پہاڑوں سے ٹکرا جائینگے اللہ پاک نے نمونہ کی پیروی اور سچوں کی معیت اختیار کرنے کے لئے فرمایا کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ یعنی تم راستبازوں کی صحبت اختیار کرو۔

مذکورہ بالا معیار کے مطابق اسلام کی تعلیم پیش کر دی گئی اب ویدک دھرم کی تعلیم ملاحظہ ہو۔ اخبار نور قادیان مورخہ ۷ راگست ۱۹۲۵ء میں ایک مضمون بعنوان "آریہ سماج کے ویدک ایشور کے بارے میں جاننے کے لائق چودہ باتیں" جیون تت سے لیکر شائع ہوا تھا وہ چونکہ ہمارے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے خوب ہے اس لئے اُسی کو پیش کیا جاتا ہے۔

۱- آریہ سماج کے ویدک ایشور نے رگوید کے ایک منتر میں خود بتایا ہے کہ "میرے رہنے کا استھان سمندر کے پانیوں میں ہے" (دیکھو ڈاکٹر گوکل چند صاحب ایم-اے سابق پروفیسر ڈی اے وی کالج کا مضمون جو آریہ مسنجر مورخہ ۱۵ رجنوری ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا تھا) بیا یک کیسے رہا۔

(نوٹ) کیا ایشور خشکی پر نہیں رہتا۔ اگر نہیں رہتا تو سرو

۲- ویدک ایشور کا حلیہ بہت عجیب ہے کیونکہ سوامی دیانند جی کے قول کے مطابق دن اور رات اس کی بغلوں کی مانند ہیں۔ اور چاند اور سورج بھی اسکی بغلوں کی مانند ہیں۔ سورج اور چاند اس کی آنکھیں بھی ہیں۔ سورج کی دھوپ اور بجلی کی چمک اس کے ہونٹ ہیں۔ زمین اور سورج کے درمیان کا فاصلہ اس کا مُنہ ہے۔

(دیکھو رگوید آدی بھاشیہ بھومکا پہلا اڈیشن صفحہ ۱۳۵ سرشٹی و دیا وشے)

(نوٹ) جس صورت میں چاند ایک تاریک وجود ہے تو اس سے ویدک ایشور کی آنکھوں کے لئے جو نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے وہ صاف ظاہر ہے۔

۳- آریہ سماج کے ویدک ایشور کے چار ٹکڑے ہیں جن میں سے ایک حصہ اس کائنات کا ہے اور باقی تین حصے اس سے اوپر ہیں۔

(دیکھو پروفیسر گوکل چند ایم اے کا بیان بحوالہ یجروید مطبوعہ آریہ مسنجر ۱۵ رجنوری ۱۹۰۶ء)

(نوٹ) جبکہ عالموں کے نزدیک بشو یا کائنات کل جاندار اور بے جان کثیف اور لطیف ہستیوں کے مجموعہ کا نام ہے کہ جو لامحدود ہے۔ اور اس سے پرے یا اوپر کچھ نہیں ہے۔ تو ایشور کے تین حصوں کو کائنات سے پرے بتانا قابل غور معمہ ہے۔ اور پھر ایشور کا چار حصوں میں منقسم ہونا اس سے بھی زیادہ

قابل غور معمہ ہے۔

۴۔ آریہ سماج کا ایشور ایک لمبا "ستون" ہے جو لا محدود کائنات کے بیچوں بیچ سے گذر کر اس سے بہت اوپر نکل گیا ہے۔

(اخبار مذکور میں پروفیسر صاحب موصوف کا بیان بحوالہ اتھروید)

۵۔ آریہ سماج کا ویدک ایشور اپنے کارناموں کے متعلق یوں ارشاد فرماتا ہے مثلاً وہ رگ وید میں ایک جگہ یوں فرماتا ہے کہ "میں سمندر کے پانیوں سے نکل کر سب دُنیا میں پھیل جاتا ہوں اور آسمان کو میری پیشانی جا لگتی ہے" اور ایک جگہ یہ بیان کرتا ہے "میں زمین اور آسمان میں گھُس گیا" اور ایک جگہ یوں گویا ہوتا ہے "میں اس کائنات کی چوٹی پر آسمان پیدا کرتا ہوں"

(اخبار مذکور میں پروفیسر صاحب موصوف کا بیان)

۶۔ آریہ سماج ویدک ایشور کے بعض کارنامے بہت دلچسپ ہیں۔ مثلاً پروفیسر صاحب موصوف ایک وید منتر کا ترجمہ دیکر ظاہر کرتے ہیں:۔ "چاند (ویدک) ایشور کے مغز یا دماغ میں سے نکلا ہے" ہوا اور پران یکت وایو اس کے کان سے نکلے ہیں۔ اور آگ اسکے مُنہ سے نکلی ہے"۔

کیا کائنات کے متعلق اس قسم کی تعلیم ڈی اے وی سکولوں میں اور کالجوں میں دی جاتی ہے۔ اگر وہ نرا کار ہے جیسا کہ آریہ سماجیوں کا دعوٰی ہے۔ تو پھر اسکے آنکھ اور مُنہ کے کیا معنی؟ اگر کہو کہ یہ استعارہ ہے تو بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ چاند کو ایشور کا مغز کہنا جو تاریک اور زمین سے بھی چھوٹا جزو ہے۔ سورج کو ایشور کی آنکھ بتانا۔ ایسا ہی ہے۔ کہ کوئی کہے کہ فلاں شخص کی کھوپڑی تو مٹر کے دانے کے برابر ہے اور اس کی آنکھ گھڑے کی برابر ہے۔

۷۔ آریہ سماج کے ویدک ایشور کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بقول پنڈت دیانند صاحب تئیس ۲۳ دیوتا پیدا کئے ہیں۔ یا ان دیوتاؤں کے رہنے کا مقام ویدک ایشور ہے۔

(دیکھو پنڈت دیانند صاحب رگوید آدی بھاشیہ بھومکا)

اِن دیوتاؤں میں سے آٹھ وسو[۱] یعنی آگ، زمین، ہوا، آکاش، آسمان، سورج، چاند، ستارے

---

[۱] آگ اور سورج کو بھی وسو یعنی جانداروں کی رہائش گاہ بتانا۔ اور آکاش و آسمان کو دو الگ وسو ظاہر کرنا اور پھر چاند کو وسو بتلانا (جبکہ چاند میں زندگی کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا) اور دیگر کثرت سے سیاروں اور انکے ساتھ کے چاندوں کو صرف ایک وسو بتلانا اور ان سب کو دیوتا یا نیچری ظاہر کرنا۔ ویدک ایشور اور اس کے پیروؤں کی حساب دانی۔ سائنس اور نظام شمسی کے متعلق واقفیت کے خوب نمونے ہیں۔ باقی بڑے بڑے لاکھوں اور کروڑوں ستاروں کے

اور بارہ آدتیہ یعنی سال کے بارہ مہینے بھی دیوتا اور ویدک ایشور تینتیس ۳۳ دیوتاؤں میں شامل ہیں اور ان تینتیس دیوتاؤں کو پروفیسر گوکل چند صاحب نے نیچر یا کائنات کی طاقتیں ظاہر کیا ہے۔
(آریہ سنچر ۱۵ ر دسمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۵ کالم ۱)
کیا خوب! ساون یا بھادوں کا مہینہ بھی جڑ اور شکتی سمپن نیچر کی طاقتوں یا انگریزی میں شمار ہوتا ہے یا عمدہ ویدک سائنس ہے۔
۸۔ آریہ سماج کے ویدک ایشور کا ایک اور بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ انادی یا سویمبھو اور ہمیشہ حرکت میں رہنے والی کائنات یا بیشو کو۔ سب سے پہلا حرکت دینے والا ہے۔
(پروفیسر صاحب مذکور کا بیان)
کیا کوئی ایسا وقت تھا جبکہ بشو یہ کائنات حرکت میں نہ تھی اور اس وقت کی شکتیاں معدوم تھیں جو کہ یکایک پیدا ہو گئیں۔
۹۔ آریہ سماج کا ویدک ایشور خود اپنے ہی کلام کے موافق بہت ادنیٰ کیرکٹر رکھتا ہے۔
(دیکھو آریہ بھی وِنے میں رگوید اشٹک ۷۔ ادھیائے ۸ ورگ ۳۵ کے دوسرے منتر)
۱۰۔ وہ لوگوں کے "پریہ بھوگوں" چرایا چروا لیتا ہے اور ان کے سونے کے قیمتی برتنوں کو ہٹا لیجاتا ہے۔
(رگ وید اشٹک ۷، ادھیائے ۲۹ کے آٹھویں منتر کی تشریح)
پنڈت دیانند جی نے اس منتر کا ترجمہ یوں کیا ہے۔
اے مکمل جاہ وجلال والے پرمیشور آپ ہمارا قتل مت کریں۔ یعنی ہم کو اپنے سے الگ مت کرائیں اور آپ بھی ہم سے کبھی الگ نہ ہوں۔ اور آپ ہی اس مرغوب اور پیاری اشیاء کو مت چرائیں اور مت چوری کروائیں۔ (آریہ بھبونے صفحہ ۵۸)
۱۱۔ آریہ سماج کا ویدک ایشور عورتوں کے حملوں کو گراتا ہے۔
۱۲۔ وہ غصہ سے بھر کر گھوڑوں۔ گئوں اور بچوں وغیرہ میں گھس جاتا ہے۔
(آریہ بھیونے رگوید اشٹک اوّل ورگ ۸ ادھیائے ۶ کے آٹھویں منتر کی تشریح از سوامی دیانند)
۱۳۔ آریہ سماج کا ویدک ایشور "مورکھ پن آدی نیچ گنوں" یعنی جہالت وغیرہ نیچ صفات سے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۸) رہنے کا مقام تو ایشور سے باہر ہی ہوگا۔ ورنہ ہندوؤں کی طرح آریہ سماجیوں کے بھی کروڑوں دیوتا ہو جائینگے۔

وہ "شوروں" کی پیدائش کرتا ہے (رگوید آدی بھاشیہ بھومکا مطبوعہ سمبت ۱۹۳۴ ایک منتر کی تشریح از دیانند)

۱۴۔ آریہ سماج کا ویدک ایشور نیوگ کے نام سے ... کی خوفناک اجازت دیتا ہے جس کی رو سے ہر ایک شادی شدہ عورت کے لئے اپنے شادی شدہ خاوند کی موجودگی میں اسکے علاوہ خاص حالات میں وہیں غیر مردوں کے ساتھ ہمبستری کی اجازت دیتا ہے اور اسی طرح مرد کو اپنی بیوی کے موجود ہونے پر بھی کسی غیر کی عورت کو حاملہ کر دینے کی غرض سے اسکے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی نہایت خوفناک تعلیم دیتا ہے یہاں تک کہ گھر میں بیوی کے حاملہ ہونے پر اگر کسی جوان مرد سے نہ رہا جائے۔ یا خاوند کے بیمار ہو جانے پر عورت سے نہ رہا جائے تو وہ اس مرد یا اس عورت کو کسی غیر مرد یا غیر عورت کے ساتھ ہمبستری کر کے اپنی سیری کر لینے کی کھلم کھلا اجازت دیتا ہے۔ (ستیارتھ پرکاش چوتھا سمولاس)

(اخبار نور قادیان)

اب لفظ پرمیشور کے معنی بھی سن لیجئے۔

یہ لفظ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ایک پرم بمعنی بڑا۔ دوسرا ایشور بمعنی شہوتی۔ ان دونوں کو ملانے سے لفظ پرمیشور کے معنی "بڑا شہوتی" ہوئے۔

ہم حیران ہیں کہ مذکورہ بالا تعلیم کی نسبت کیا رائے قائم کریں۔ البتہ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس تعلیم کو خدائی تعلیم سمجھنا علم و عقل اور اخلاق و روحانیت کی انتہائی توہین ہے اس تعلیم سے خدا کی معرفت تو کیا ہو گی اور الٹا انسانیت ہی تباہ ہوتی ہے اور انسان گمراہ و تباہی کے عمیق غار میں جا گرتا ہے اور اس تعلیم کو خدائی تعلیم ماننے والوں کی عقل و سمجھ پر رونا آتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیم کے لعل و جواہر کو پھینک کر کنکر پتھر جھولی میں بھرے بیٹھے ہیں۔ اور زبردستی خدائی فوجدار بنتے ہیں۔

مذکورہ بالا تعلیم کی نسبت ممکن ہے کہ ان کی کوئی تاویل و تحریف کر دی جائے اور ایک گندی ملحدانہ اور نامہذبانہ لغویات کو خوش فہمی کے پردوں میں چھپا دیا جائے اس لئے ہم ایک ایسا مسئلہ بھی پیش کئے دیتے ہیں جس میں کوئی تاویل و تحریف نہیں چل سکتی اور جس سے آریوں کو انکار نہیں ہو سکتا۔

آریہ صاحبان اس بات کے قائل ہیں کہ خدا واحد ہے۔ بت پرستی کا اپنے آپ کو سخت مخالف کہتے ہیں اور اسے شرک سمجھتے ہیں مگر باوجود اسکے کہ وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ روح اور مادہ ازلی و ابدی ہیں۔ خدا کی مخلوق نہیں جس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ دونوں چیزیں خدا کی طرح واجب الوجود اور

قائم بالذات ہیں۔ اس سے ہر شخص بآسانی معلوم کرسکتا ہے کہ آریہ سماج جس توحید کو پیش کر رہی ہے وہ توحید نہیں۔ بلکہ کھلی گمراہی۔ ظاہر فریب۔ ایک خطرناک اور صریح شرک ہے۔

اس عقیدہ کو مان لینے سے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ خدا کو محتاج ماننا پڑتا ہے۔ وہ بے نیاز نہیں رہتا۔ یہ اس طرح کہ اگر پرماتما کو روح اور مادہ نہ ملتے۔ تو وہ تنکا تک نہ پیدا کرسکتا۔ اور یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا۔ تو آریوں کو سوامی دیانند کا مشکور ہونا چاہئے جن کی دماغی کوششوں سے پرماتما کو مواد مل گیا اور جوڑ جاڑ کر یہ دنیا پیدا کر دی۔ جس طرح سنار زیور بنانے کے لئے سونا چاندی کا محتاج ہے اسی طرح پرماتما بھی روح اور مادہ کا محتاج ہے۔ گویا اس میں صفت خلق نہیں۔ بلکہ وہ نعوذ باللہ ایک سنار یا بڑھئی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا[۱]۔

بتلائیے جو مذہب خدا کی صفت خالقیت ہی کو جواب دیتا ہے وہ کیا خاک خداشناسی کی غرض پوری کرسکتا ہے۔ اور کیسے اس معیار پر پورا اتر سکتا ہے۔

اب عیسائی مذہب کو دیکھو وہ منہ سے تو توحید کا قائل ہے۔ لیکن دراصل وہ بھی ایک صریح اور کھلے شرک میں مبتلا ہے۔ خدا کی صفات و عبادات میں اوروں کو بھی شریک ٹھہراتا ہے۔ چنانچہ یہ امر مخفی نہیں کہ عیسائی تثلیث کے قائل ہیں اور وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ باپ بیٹا اور روح القدس تینوں ایک ہیں۔ تینوں قائم بالذات ہیں اب تثلیث کا ایک اقنوم جس کو خدا کا بیٹا مانا جاتا ہے۔ اس سے جو خدائی صفات ظاہر ہوئیں۔ وہ ملاحظہ ہوں۔

ایک دفعہ مسیح کو بھوک لگی۔ اور دور سے ایک انجیر کا درخت دیکھ کر اسکے قریب گئے کہ شاید کچھ مل جائے مگر پتوں کے سوا کچھ نہیں پایا۔ کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ مسیح جسے خدا مانا جاتا ہے اپنی زندگی کے قیام کے لئے غذا کا محتاج تھا نیز وہ عالم الغیب نہ تھا۔ احتیاج اور خدا سے غیب کی نفی یہ دو وہ بڑے نقص ہیں جن کو خدا کی طرف منسوب کرنا۔ اور خدا کی خدائی سے انکار ہے۔ جبتک کسی چیز کی حقیقت کا صحیح یقین نہ ہولے اس

---

[۱] حیرانی ہے کہ آریہ سماجی دوست اس تعلیم کو مان کر کس برتے پر اسلام کے منہ آتے ہیں۔ شاید ان کو خدا کا یہ غیر متبدل قانون معلوم نہیں۔ کہ جو گمراہ راستی سے منہ موڑ کر اور گمرہی سے رشتہ جوڑ کر سچے اور خدائی مذہب پر ہنستا ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں ساری دنیا کا آلہ تضحیک بنایا جاتا ہے، اور اپنے مذہب کو فراموش کر کے خدائی مذہب پر طعنہ زن ہونا ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی بے وقوف آئینہ کے مکان میں میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینکے۔

وقت تک اس کی معرفت بھی نہیں ہو سکتی۔ جس مذہب میں خدا کی حقیقی صفات کا ہی ذکر نہ ہو وہ مذہب کیسے خداشناسی کی غرض پوری کر سکتا ہے۔ پس عیسائی مذہب میں تثلیث کا مسئلہ ہونا عیسائیت کو اس معیار پر پورا نہیں اُترنے دیتا۔ اور یہ غرض ایک منسوخ شدہ مذہب اور انسانی اوہام وخیالات سے پوری ہی کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے اسکے مقابلہ میں ایک مکمل۔ زندہ اور خدائی مذہب موجود ہے۔ جس کی مکمل تعلیم اور عالم افروز روشنی نے تمام ناقص تعلیموں اور ناقص روشنیوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ مسئلہ تثلیث کی قباحت کے بارے میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک قیمتی تقریر ملاحظہ ہو۔

"اس بات کا اقرار ہر عاقل کے ذمہ ضرور ہے کہ خالق کائنات کو ایک ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ سمجھے (یعنی خداشناسی کے معیار پر وہی مذہب پورا اُتر سکتا ہے جو خالق کائنات کو وحدہٗ لاشریک لہٗ سے روشناس کرائے اور اس چیز کا علم اور تعین پیدا کرائے) اور احتمال تعدد کو دل سے اُٹھا دے"

اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مسئلہ تثلیث جس پر مدار کار ایمان نصاریٰ فی زمانہ ہے سراسر غلط ہے وہاں تعدد کی گنجائش ہی نہیں جو تثلیث تک نوبت پہنچے اور پھر وہ بھی اس طرح کہ باوجود تعدد حقیقی ہی باقی رہے۔ کیونکہ وحدت اور کثرت دونوں باہم ضدیک دگر ہیں اور ظاہر ہے کہ اجتماع ضدین محال ہے۔ جیسے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک آن میں ایک شئے سیاہ بھی ہو سفید بھی ہو۔ گرم بھی ہو سرد بھی ہو۔ یا ایک وقت میں ایک جگہ دن بھی ہو رات بھی ہو۔ دوپہر بھی ہو آدھی رات بھی ہو۔ ایک شخص ایک وقت میں عالم بھی ہو جاہل بھی ہو۔ بیمار بھی ہو تندرست بھی ہو۔ موجود بھی ہو معدوم بھی ہو ایسے ہی یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ ایک بھی ہو اور تین بھی۔ وحدت بھی حقیقی ہو اور کثرت بھی حقیقی۔ علیٰ ہذا القیاس جیسے اضداد مذکورہ کا اجتماع محال ہے۔ ایسے ہی خدائی اور احتیاج کا اجتماع بھی محال ہے۔ کیونکہ خدائی کو استغنا ضرور ہے۔ آفتاب تو فقط اس وجہ سے کہ زمین کی نسبت معطی نور ہے۔ نور میں زمین کا محتاج نہ ہو۔ خداوند عالم باوجودیکہ تمام عالم کے حق میں معطی وجود ہے عالم کا یا عالم میں سے کسی کا محتاج ہو۔ کیونکہ ہر چیز وصف ہو یا موصوف، اپنی ہستی میں خدا کی محتاج ہے پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ خداوند عالم کسی بات میں کسی کا محتاج ہو۔ جس چیز میں خدا کو محتاج کہئے گا اس سے پہلے اُس چیز کو خدا کا محتاج کہنا پڑے گا۔ اور ظاہر ہے کہ احتیاج کے یہی معنی ہیں کہ اپنے پاس ایک چیز نہ ہو اور جس کی طرف احتیاج ہو اُس کے پاس وہ چیز موجود ہو۔ جب ہر بات میں ہر چیز کو خدا کا محتاج جانا تو جو کچھ جہان میں احتیاج کے قابل ہو گا خداوند عالم میں وہ پہلے ہو گا ہاں

خود احتیاج اور سامان احتیاج اس پر مبنی ہونگے۔ علیٰ ہذالقیاس یہ بھی ظاہر ہے کہ خود محتاج کا اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہوسکتا جس کا خود محتاج ہے۔ ہاں معاملہ برعکس ہوا کرتا ہے یعنی ہمیشہ محتاج پر اُس کا دباؤ رہتا ہے جس کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضرور ہے کہ نہ خدا تعالیٰ میں کسی قسم کی احتیاج ہو نہ اُس پر کسی قسم کا دباؤ ہو۔ اُس کا وجود ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔ یہ نہ ہو کہ اسکے وجود کے لئے ابتدا انتہا ہو۔ اس صورت میں کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سری رام چندر وغیرہ خدا تھے (یعنی خدا کے بیٹے یا اوتار تھے) اُن کے وجود کی ابتدا اور انتہا معلوم۔ کھانے پینے کا محتاج ہونا اور پاخانہ پیشاب۔ مرض موت کا دباؤ سب پر آشکارا۔ ایسی ایسی چیزوں کی احتیاج اور ایسی ایسی چیزوں کے (دباؤ کے بعد ہی۔ خدا کا اعتقاد عقل و انصاف سے سراسر بعید ہے۔ اسکے بعد پھر یہ گذارش ہے کہ وہ خداوند عالم جیسے اپنی ذات میں یکتا اور وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ ایسے ہی جامع کمالات وصفات بھی ہے۔ (مباحثہ شاہجہانپور صفحہ ۱۵ و ۱۶)

اس جامع و مانع تقریر اور گذشتہ تفصیلات سے ثابت ہوا کہ خدا کی ذات وصفات کی حقیقت تک رسائی کرانے کے لئے اور خداشناسی کی غرض کو پورا کرنے کے لئے کامل الہامی مذہب کی شناخت کیلئے ضروری ہے کہ۔ وہ خدا کا وحدہٗ لاشریک ہونا بیان کرے۔ قدّوس ہونا یعنی اسکی ذات مستجمع الصّفات کو جامع جمیع کمالات وصفات ٹھہرائے اور جمیع نقائص وعیوب سے مبرّا قرار دے اور اُس کا بے احتیاج ہونا ثابت کرے۔ یہ تین خوبیاں ہمیں دُنیا کے کسی مذہب میں نظر نہیں آتیں خصوصًا ویدک دھرم (سناتن دھرم اور آریہ سماج) اور عیسائیت میں جبتک آواگون چکر۔ روح و مادّہ کی قدامت اور مسئلہ تثلیث جیسے عقائد موجود ہیں اُس وقت تک ان دونوں مذاہب کو اس معیار پر پرکھنے کی کوشش کرنا صداقت کی انتہائی توہین ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اس معیار پر بھی صرف اسلام ہی پورا اُترتا ہے۔

(۵) کامل الہامی کتاب زندہ زبان اور کامل ظلمت کے زمانہ میں نازل ہوئی ہو

دُنیا کے وہ مذاہب جن کو الہامی ہونے کا دعویٰ ہے یا کہا جاتا ہے ان سب کی زبانیں مُردہ ہوچکی ہیں۔ مردہ ہونے سے ہی ہماری مراد یہ ہے کہ اب دُنیا کے کسی خطّہ میں نہیں بولی جاتیں مثلاً توریت و اناجیل عبرانی زبان میں تھیں مگر عبرانی مُردہ ہوچکی۔ آج دُنیا کے کسی خطّہ میں نہیں بولی جاتی اور نہ ہی سمجھی جاتی ہے اور نہ کسی ملک میں رائج۔ اسی طرح وید کی زبان بھی مُردہ ہے اور اب وہ کسی ملک میں نہیں بولی جاتی۔ اگر خدا نے

حکیم و بصیر ان مذاہب کی دُنیا کی ہدایت کیلئے کافی سمجھتے تو ساتھ ہی ان کی زبان کو زندہ رکھنے کا بھی کوئی سامان فرماتے۔

برخلاف تمام مذاہب عالم کے قرآن کریم کی زبان زندہ زبان میں ہے۔ ایک بڑے ملک میں رائج ہے اور دُنیا میں کروڑوں اس کے سمجھنے اور بولنے والے موجود ہیں اسی ہندوستان میں لاکھوں عالم ہیں جو عربی بول اور سمجھ سکتے ہیں۔ خدا کی آخری کتاب قرآن حکیم کا عربی زبان میں نازل ہونا ثابت کر رہا ہے کہ دیگر مذاہب کی زبانیں مُردہ کر دی گئی ہیں اور خدائے کارساز نے اپنے فعل سے ان مذاہب کے مُردہ ہونے کی گواہی دیدی۔

سوال۔ آریہ یا عیسائی لوگ جب اس معیار پر پورے نہیں اُترتے اور مذہب اسلام کی ناممکن التسخیر قوت صداقت دلیل لانے سے عاجز کر دیتی ہے۔ تو وہ پبلک کی آنکھ میں خاک جھونکنے اپنی مذہبی شان قائم و برقرار رکھنے اور اپنے دل کی تسلی کیلئے کہدیا کرتے ہیں کہ الہامی کتاب کسی خاص ملک یا انسان کی زبان میں نازل نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ وہ خدا کی زبان میں نازل ہو۔ جیسے سنسکرت خدا کی زبان ہے اگر الہامی کتاب کسی خاص ملک اور زبان میں نازل ہو تو اس سے خدا پر طرفداری کا الزام عائد ہوتا ہے۔ بتلائیے کہ اس اعتراض کا کیا جواب ہے۔

جواب۔ اگر یہ الزام عائد کرنا صحیح ہے اور معاملہ ایسا ہی ہے۔ تو اسکی دو صورتیں ہیں یا تو الہام کسی انسانی زبان میں نازل ہو اور یا خدائی زبان میں۔ اگر اوّل صورت نہیں ہو سکتی۔ تو آخر آئے گا کس کے لئے۔ کیونکہ وہ کسی انسانی زبان میں تو ہو گا نہیں۔ پھر انسان اس سے فائدہ کس طرح اٹھائینگے اور اسکے معانی سے کس طرح آگاہ ہو سکتے ہیں۔ حیرانی ہے کہ یہ معترض اتنی موٹی سی بات نہیں سمجھ سکتے لامحالہ ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ اگر الہام انسانوں کے لئے ہوتا ہے تو اس کو لازمی طور پر کسی انسانی زبان میں نازل ہونا چاہئے۔ اس کو اس طرح سمجھئے کہ جن رشیوں پر آریہ ویدوں کا نزول مانتے ہیں اگر ان کا نزول اُن کی اپنی زبان میں نہیں ہوا۔ تو انہوں نے ویدوں کو سمجھا کس طرح اور اُن کے معانی پر کیسے آگاہی حاصل کی۔ اگر آریہ صاحبان یہ کہیں کہ ویدوں کو نازل کرنے کے بعد خدا نے رشیوں کو ان کی اپنی زبان میں ویدوں کا مطلب سمجھا دیا۔ تو بس انہوں نے تسلیم کر لیا کہ الہام کا انسانی زبان میں ہی نازل ہونا ضروری ہے تب ہی تو خدا نے ان سے اُن کی زبان میں گفتگو کی اور ویدوں کے معانی سے آگاہ کیا۔ اور اگر وہ یہ مانیں کہ بس وید صرف خدائی زبان میں نازل کر دیئے گئے مگر ان کے معانی سے خدا نے کسی کو بھی آگاہ نہیں کیا۔ تو پھر تو جناب اُن کا مذہب سر ہی سے اُڑ جائیگا اور پھر اُنکے

نزول کا فائدہ ہی کیا متصوّر ہو گا۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ وہ جس ملک یا قوم کی زبان میں نازل ہو گا طرفداری کا الزام عائد ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دُنیا کی ایسی زبان میں نازل ہو جس میں خدائی مفہوم اچھی طرح ادا ہو سکے اور جو اپنی جامعیت کے لحاظ سے تمام دُنیا کی زبانوں سے ارفع و اعلیٰ اور کامل و مکمّل ہو۔ اور یہ شرف صرف عربی زبان کو حاصل ہے جس کی لغوی وسعت اور ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ ایک ایک لفظ کے ہزار ہزار معنی اور جسکی صرف و نحو نہایت مضبوط بُنیادوں پر ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس معاملہ میں خدا کا فعل صرف قرآن شریف کا حامی ہے۔

کامل مذہب کے لئے کامل ظلمت کے زمانہ میں نازل ہونا اس لئے ضروری اور صداقت کا معیار ہے کہ ایسی کتاب کامل جو لوگوں کو ذرا ذرا سے عیوب سے آگاہ کر کے اُن سے بچنے کی ہدایت کرے۔ ابتدائے آفرینش میں نازل نہیں ہو سکتی جیسا کہ آریہ سماجیوں کا عقیدہ ہے ۔ اگر کامل الہامی کتاب ابتدائے آفرینش میں نازل ہو جائے تو بجائے مفید ہونے کے مضر ہو گی۔ جہاں سعادت کی راہیں سجھائیگی وہاں شقاوت کی طرف بھی رہنمائی کرنے کا باعث بنے گی اور قبل از وقت دُنیا کو تمام عیوب سے آگاہ کر کے ایک طرح سے اُنہیں ان گناہوں کا علم دے گی جن کا لوگوں نے ابھی تک ارتکاب نہ کیا ہو بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جس بات سے اُنہیں روکا جائے وہ اسکے کرنے پر حریص ہوتے ہیں۔ عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے الانسان حریص علیٰ ما منع۔ یعنی انسان کو جس کام سے روکا جائے وہ اُسپر حریص ہوتا ہے۔ پس کامل الہامی کتاب کا دُنیا کے ابتدا میں نازل ہونا "مستاں را سرود یاد دہانیدن" کا مصداق ہو گا۔

اب دیکھو قرآن مجید جو ایک مکمّل الہامی کتاب ہے ایسے وقت میں نازل ہوئی جبکہ دُنیا میں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی خصوصاً اُس زمانہ میں عرب کا تاریک پہلو تو نمایاں تھا اُس وقت دُنیا میں ہر طرف گمراہی چھائی ہوئی تھی اور بحر و بر میں فساد آگیا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید اس معیار کو ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط کہ ہم نے حق کے ساتھ اسے اُتارا ہے اور ضرورت حقّہ کے ماتحت نازل ہوا ہے۔ نیز فرمایا۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یعنی جس وقت قرآن کریم نازل ہوا ہے خشکی اور تری یعنی تمام دُنیا میں فساد موجود تھا۔

اسلام کی صداقت کا انکار کرنے والو! آفتاب پر تھوکنے والو! ظلمت کو نور سمجھنے والو! پتھروں اور حیوانوں کے پجاریو! اور آگ بھاپ کو خدا سمجھنے والو! بتلاؤ۔ خدارا انصاف سے بتلاؤ ایسی حالت میں کس نے اصلاح عالم کا بیڑا اُٹھایا۔ کون پیغام خدا لایا۔ اور کون سے مذہب نے اس ضرورت کو

پورا کیا۔ کیا ویدوں نے کوئی اصلاحی قدم اُٹھایا۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ وید تو خود ہی شرک و بُت پرستی کی آبیاری کر رہے تھے اور اصنام پرستی کی علی الاعلان دعوت دے رہے تھے۔ وید کو تو ہندوستان کی چار دیواری سے ایک انچ بھی آگے گذرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اُن کے نزدیک تو کُل کائنات ہندوستان کی چار دیواری تھا۔ اگر وید کلام الٰہی ہوتے اور دُنیا کی اصلاح و ضرورت پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے تو کوتس رشی کو یہ موقعہ نہ ملتا۔ کہ وید منتر مہمل اور خلاف عقل و فطرت ہیں" کپل ہندی۔ مہاتما بدھ اور شنکر آچارَیہ جیسے مہاپرشوں اور گیانیوں کو ویدوں کے خلاف مخالفانہ آواز اُٹھانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اور سوامی دیانندجی ویدوں کی تحریف کر کے ایک نیا پنتھ ایجاد نہ کرتے۔ غرض وید اصلاح عالم سے قطعاً عاجز تھے۔ اور نہ ہی ان کے متبعین اس بات کو مانتے ہیں کہ چھٹی صدی عیسوی یا اس سے پہلے دُنیا کے کسی کونے میں اصلاح کی ہو۔ بلکہ اُلٹا ویدوں نے انسانوں کو بُت پرستی کی کیچڑ میں بُری طرح پھنسایا کہ باوجود علم و تہذیب کے آج تک کروڑوں انسانوں کو اس سے چھٹکارا نصیب نہ ہوا۔

پھر کیا تورات اور انجیل نے دُنیا کی اصلاح کی اور روحانی ضرورت کو پورا کیا۔ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ ان کی ہدایت نمائی کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ انسانی دستبرد نے اصل تعلیم پر بڑے موٹے موٹے پردے ڈال دئے تھے۔ ان کتابوں کے ماننے والے خود ہی گمراہ تھے اور تثلیث کے جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ متعصب سے متعصب غیر مسلم مورّخین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ قبل ظہور اسلام کامل ظلمت اور وحشت و بربریت کا زمانہ تھا۔

متلاشیان حق و صداقت! انصاف سے بتلاؤ کہ اس وقت مذاہب عالم میں سے کون سے مذہب نے دُنیا کی اصلاح کی۔ اگر تمہاری زبانوں پر مذہبی تعصب کے تالے پڑے ہوئے ہیں تو لو سُنو کہ دُنیا کی اصلاح میں مذہب اسلام ہی کامیاب ہوا۔

الغرض اس معیار پر بھی صرف مذہب اسلام ہی پورا اُترتا ہے۔

(۶) سچا۔ کامل پر اور ابدی مذہب کتابی تعلیم کے ساتھ عملی نمونہ بھی رکھتا ہو

قرآن مجید اس اصل کو ان الفاظ میں پیش کرتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اے لوگو تمہارے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی زندگی میں کامل نمونہ موجود ہے۔

دُنیا میں اور بھی ہزاروں ریفارمر۔ مجدد۔ مصلح۔ ہادی اور بانیانِ مذاہب گذرے ہیں جن کے متبعین دعوٰی کرتے ہیں کہ ہمارے ہادی کی سیرت اپنے اندر عملی نمونہ رکھتی ہے اور انسانی نجات و فلاح

اپنے اپنے بانیان مذہب کی سوانح حیات کی پیروی پر منحصر سمجھتے ہیں۔ لہذا کوئی ایسا معیار اور بے لاگ ذریعہ ہونا چاہیئے جس سے ہم آزادانہ طور پر یہ فیصلہ کر سکیں کہ شارعین ادیان اور بانیان مذاہب کے سوانح حیات اور سیرتوں میں سے کس کی سیرت انسانی سوسائٹی کے لئے ایک "آئیڈیل زندگی" کی صلاحیت رکھتی ہے اور کونسی انسانی سیرت دُنیا کے لئے دائمی نمونہ بن سکتی ہے سو عقل کے نزدیک جو نمونہ تقلید بننے کے لئے منتخب کیا جائے اسکے لئے ضروری ہے کہ اس میں چار باتیں پائی جائیں۔ تاریخیت۔ جامعیت۔ کاملیت اور عملیت یہ چار ذریعہ ہیں جن کو سامنے رکھ کر ہم آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کس شارع دین کی سیرت دائمی نمونہ بن سکتی ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

تاریخیت۔ تاریخیت سے مراد یہ ہے کہ جس انسانی زندگی کو قابل تقلید سمجھا جائے اسکے سوانح اور حالات تاریخ وروایات کے لحاظ سے مستند اور یقینی ہوں۔ اس کی شخصیت اور زندگی روز روشن کی طرح عیاں ہو۔ اور اُسپر خوش فہمیوں۔ فرضی خیالوں۔ مشتبہ افسانوں اور اوہام وقیاسیات کے پردے نہ پڑے ہوئے ہوں۔ تاکہ ہر شخص کامل انسان کی سیرت کو صاف اور یقینی طور پر دیکھ سکے۔ اسکے قابل عمل اور لائق پیروی ہونے کے متعلق بآسانی اندازہ لگا سکے اور استفادہ کر سکے۔ نمونہ کی زندگی سے مقصود یہ ہے کہ لوگ عملی نمونہ کو دیکھ کر اس نمونہ پر عملی زندگیوں کو ڈھالیں۔ اور دینی و دنیوی امور میں اسکی پیروی کریں۔ اگر سرے سے نمونہ کی زندگی پر پردے پڑے ہوئے ہوں۔ نیز تاریخی اور واقعی طور سے اسکے سوانح حیات معلوم نہ ہو سکیں تو لوگ کس چیز کی پیروی کرینگے۔ اور اسکی تقلید کے لئے دُنیا کو کیسے بُلایا جا سکتا ہے۔

خیالی اور مشتبہ شخصیت کو خواہ کسی قدر مؤثر اور دلکش انداز میں پیش کیا جائے لیکن انسانی طبائع پر ہرگز ہرگز اس کا گہرا اور دیرپا اثر نہیں پڑ سکتا۔ برخلاف اسکے تاریخی اور یقینی شخصیت کو طبیعتیں جلدی قبول کر لیتی ہیں۔

دُنیا کے تمام شارعین ادیان اور بانیان مذاہب میں سے صرف بانئے اسلام صلعم کو ہی تاریخی عظمت ووقعت حاصل ہے اور باقیوں کو نام کے سوا کوئی تاریخی اہمیت حاصل نہیں نام اور مختصر حالات کے علاوہ کسی اور چیز کا ذکر تک نہیں ملتا۔ اگر کچھ حالات پائے بھی جاتے ہیں تو محض قیاسات واوہام اور فسانوں کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے یہ بھی یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کس زمانہ کس دور کس صدی اور کس سال کے واقعات ہیں۔

جامعیت۔ اُسوہ حسنہ اور دُنیا کے لئے کامل نمونہ بننے کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ نہ وہ

جامع جمیع امور معاش و معاد ہو۔ یعنی انسان کو جن مراحل زندگی سے گذرنا پڑتا ہے۔ جو جو واقعات وحالات اور ضروریات اس کارزار حیات میں پیش آئے ہیں اور تعلق باللہ اور تعلق بالدنیا کے ہر ہر شعبہ کے متعلق نمونہ موجود ہو۔ اگر عملی نمونہ صرف روحانی امور میں دست گیری کرے گا تو مادی امور میں کسی اور ہادی کو تلاش کرنا پڑے گا۔ اور اگر صرف مادی امور پر اس کی سیرت مشتمل ہوگی تو روحانی امور میں کسی اور کی پیروی اور دستگیری کی ضرورت ہوگی۔ غرض نمونہ کی زندگی جامع جمیع امور دینی و دنیوی ہو۔

دنیا کے بانیان مذاہب کے سوانح حیات عام طور پر شک وشبہ کے پردوں میں مستور اور ناقص ناتمام ہیں اگر کوئی ہستی اس کلیہ سے مستثنیٰ ہو سکتی ہے تو صرف بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اور یہ نہ صرف آپ کے حلقہ بگوشان ہی کا دعویٰ ہے۔ بلکہ اعدائے اسلام بھی اس حقیقت باہرہ کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ آنحضرت کا کوئی فعل اور کوئی امر از پیدائش تا وفات ایسا نظر نہیں آتا جسے آپ کے سوانح نگاروں مورخوں اور نقاروں نے سپرد قلم نہ کیا ہو۔ خصوصاً بعثت کے بعد آپ کی مبارک زندگی میں جو بھی چھوٹے بڑے واقعات پیش آئے۔ وہ تمام کے تمام پوری تفصیل اور جامعیت کے ساتھ سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

کاملیت۔ کسی سیرت کے دائمی نمونے بننے کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ اسکی زندگی کے حالات اور تمام نقش ونگار زندگی سے لیکر آخر تک نگاہوں کے سامنے موجود ہوں۔ زندگی کا کوئی جزء ایسا نہ ہو جو پردۂ راز اور گوشۂ گمنامی میں پڑا ہو۔ اس کی زندگی کا کوئی حصہ آنکھوں سے اوجھل نہ ہو۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ گردوپیش کے حالات۔ روز وشب کا عمل اور تمام تعلقات و روابط کی پوری تفصیل و وضاحت تاریخی اور یقینی حیثیت سے موجود ہو۔ غرض زندگی کی کامل تصویر غیروں کی تنقید اور اپنوں کی تقلید کے لئے منظر عام پر ہو اور وہ تمام مراحل زندگی سے گذرا ہو۔

دیگر بانیان مذاہب کی سیرتیں اوّل تو خود ہی ناقص اور ادھوری شکل میں ہیں۔ کیونکہ ان کی اپنی اپنی زندگیوں میں موقعہ ہی نہیں ملا کہ وہ کامل زندگی کا نمونہ چھوڑتے۔ یہ موقعہ بھی بانئ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو ملا۔ آپ کے بچپن کے اخلاق وعادات کی گواہیاں موجود ہیں شباب کا پاکیزہ زمانہ اپنی قدوسی شان کے ساتھ درخشاں ہے۔ آپ کے دن کے افعال اور رات کی زندگی باریک اور نازک تفصیل کے ساتھ دعوت نور ونظر دے رہی ہے۔ آپ کا روز وشب کا عملدرآمد نہایت صفائی کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور آپ کی حیات طیبہ ایسی صفائی سے نظر آرہی ہے کہ باوجود تیرہ سو سال گذرنے کے گویا ہم خود اس زمانہ کے حالات کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں

عجب شانِ خداوندی اور صداقت اسلامی ہے کہ تیئیس سال کے مختصر عرصہ میں آپ نے زندگی کے ہر شعبہ میں بنی نوع انسانی کیلئے ایک کامل نمونہ پیش فرما دیا۔ کوئی خلق انسانی ایسا نہیں جس کے ظاہر کرنے کا آپ کو پورا پورا موقعہ نہ ملا ہو۔ غرض ایک قلیل عرصہ میں آپ نے زندگی کے ہر پہلو کے لئے اور انسانوں کے ہر طبقہ کے لئے ایک پاکیزہ اور کامل نمونہ دُنیا کی پیروی کے لئے چھوڑ دیا۔

عملیت ۔ چوتھا معیار عملیت ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ شارع دین جو تعلیم دُنیا کے سامنے پیش کرے اسکے لئے خود بھی نمونہ اور مثال قائم کر جائے۔ اس کی زندگی میں صرف چند جوش آمیز خیالات و اقوال ہی نہ پائے جاتے ہوں۔ بلکہ اس کا قول و فعل مطابق ہو۔ کیونکہ عملی نمونہ سے مقصود عملی جذبات کو برانگیختہ کرنا ہے۔ نہ کہ صرف باتیں بنانا۔ اگر کوئی شخص صرف میٹھا ہی میٹھا کہتا رہے تو یہ کہنے سے نہ خود اس کا مُنہ میٹھا ہو گا اور نہ دوسروں کا۔ مُنہ میٹھا تو اُس وقت ہو گا جب ترغیب دلانے والا خود کھا کر دکھا وے تاکہ دوسرے بھی کھانے پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر کوئی شخص ساری عمر متعلقین۔ پڑوسیوں۔ شہریوں اور تمام مخلوق کو نیک سلوک اور عفو و کرم کی تعلیم دے۔ اور خود اس کو کبھی عفو و کرم کا موقعہ نہ ملے تو ایسے باتونی شخص سے ہم کیا اثر اور سبق لے سکتے ہیں سو یہ چیز بھی صرف بانئ اسلام صلعم سے ہی مخصوص ہے۔ الغرض اس معیار پر بھی مذہب اسلام ہی پورا اُترتا ہے۔

ان معیارات پر اگر کوئی پورا اُترتا ہے تو وہ رہبر اعظم۔ جامع جمیع کمالات روحانیہ و مادیہ اور پیشوائے کامل محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مستجمع الصفات ہے۔ ہمارا دعوٰی ہے کہ صرف رسول خدا صلعم کی حیات اقدس اس لائق ہے کہ اس کو دُنیا کے لئے کامل نمونہ کہا جا سکے اور غیر مذاہب والوں کو پُر زور چیلنج ہے کہ اگر اُن میں کچھ دم خم ہے تو وہ آئیں اور اپنے ہادیوں کو ان معیارات پر جانچ کر دکھائیں۔

(۷) زیر تنقید مذہب ایک ایسا زمانہ بھی رکھتا ہو جس کے ماننے والوں نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا ہو

اس عملیت سے مقصود یہ ہے کہ بانئ مذہب نے جو تعلیم پیش کی اُس پر خود عمل کر کے بھی دکھایا ہو اور اس کے متبعین نے بھی اس کی کامل پیروی کر کے دکھائی ہو۔ سو الحمد للہ حضور رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم نے خود عمل کر کے دکھایا اور آپ کے صحابہ رضٰ نے پورے طور پر عمل کر کے دُنیا کو دکھا دیا۔ جس کو یقین نہ ہو وہ تاریخ اسلام اُٹھا کر

دیکھ لے اور اس دعوٰی کی نسبت اندازہ لگالے۔

(۸) یہ ساتوں معیار خود مذہبی کتاب پیش کریں

ہم نے اس پورے باب میں ان ساتوں امور پر قرآن کریم سے روشنی ڈالکر ثابت کردیا ہے کہ قرآن کریم کس خوبی اور عمدگی کے ساتھ ان اصولوں پر روشنی ڈالتا ہے۔

خلاصہ مافی الباب یہ کہ مذہب اسلام ہی سچے مذہب کے معیار پر پورا اُترتا ہے اور دیگر مذاہب میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں جو اس امر میں اس کے مقابلہ میں لایا جا سکے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(۸) اسلام دُنیا میں کب سے ہے اور اس میں کب تک باقی رہنے کی صلاحیت ہے؟

ہم پہلے کہیں بتلا چکے ہیں کہ اسلام نہ صرف مسلمانوں کا مذہب ہے، بلکہ کائنات عالم کا ذرہ ذرہ اسلام کے اصولوں پر چل رہا ہے اور اس عالم کی ہر چیز فطری حیثیت سے قانون اطاعت کے ماتحت ہے۔ اسلام کی نسبت یہ محض ایک دل خوش کن خیال اور دل بہلاوا نہیں ہے۔ بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ وہ اس طرح کہ موجودہ فلسفہ کے "قانون عام" یا (
) لاآف یونیفورمٹی آف نیچر کا نام ہی اسلام ہے۔ آفتاب سے لیکر ایک ایک ذرہ تک فطرت کا ہر قانون اس قانون کے ماتحت ہے اور یہی قانون جمیع موجودات کے اندر جاری وساری ہے۔ اور اسلام کی یہ تعریف صرف ہمارے دماغ کی پیداوار نہیں بلکہ خود قرآن کریم نے کی ہے۔ جیسا کہ ہم "اسلام کے فطری مذہب" ہونے کے بیان میں بالتفصیل بیان کر چکے ہیں۔ پس اس تعریف کی بنار پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام دُنیا میں اُس وقت سے ہے جس وقت سے خالق کائنات نے دُنیا کو پیدا کیا۔ یا جس وقت سے انسان کی پیدائش ہوئی۔ جب انسان دُنیا میں آیا تو اُسی وقت انسانیت کی تکمیل اور اسکی دستگیری کے لئے اسلام بھی دُنیا میں آیا چنانچہ ارشاد ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا   اور ہم نے آدم کو کُل اشیار کے نام بتلادئے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ فہامہ جامع الشریعۃ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں۔

اہل تفسیر کہتے ہیں کہ اس امر سے مراد کل اشیاء کا علم ہے۔ لغوی کہتے ہیں کہ ابن عباس رضؓ ومجاہدؒ وقتادہؓ کے نزدیک ہر چیز کا نام ہے حتیٰ کہ ہانڈی اور پیالہ کا علم دیا۔ بعضے کہتے ہیں کہ دُنیا میں جو کچھ آدم علیہ السلام سے پہلے چیزیں پیدا ہو چکی تھیں یا پیدا ہونے والی تھیں اُن سب کا علم دیا۔ ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کے نام سکھائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اشیاء عالم کی ذات و صفات (یعنی سائنس) کا علم دیا۔ اہل تاویل کہتے ہیں کہ لغات کا علم دیا اور پھر اُن کی اولاد علم لغت سے واقف ہو گئی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ان میں سے کوئی قول بھی خدا کی مرضی کے مطابق معلوم نہیں ہوتا کیونکہ مدارِ فضیلت ثواب کی کثرت اور مراتب قرب الٰہی پر ہے سوائے ان امور کے۔ اگر مدارِ فضیلت ان ہی امور پر رکھا جائے تو لازم آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام خاتم النبیین صلعم پر فضیلت ہو کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ "دُنیا کے کام تم خود اچھی طرح جانتے ہو" اور آپ جمیع لغات کے عالم بھی نہ تھے۔ لہٰذا میرے نزدیک اس سے مراد اسماء الٰہیہ (مذہب اسلام) ہیں۔

(تفسیر مظہری صفحہ ۲۴)

جنوں اور انسانوں کی منشائے تخلیق یہ بتائی۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

معلوم ہوا جنوں اور انسانوں کی پیدائش کی غرض عبادت و معرفت الٰہی ہے اور عبادت کے طریقے اور وسائل معرفت تبلانا مذہب کا کام ہے۔ تو گویا انسانیت اور مذہب دونوں لازم و ملزوم ٹھہرے۔ ساتھ ہی یہ بھی تبلایا کہ مذہب اُس وقت سے ہے جب سے انسان دُنیا میں آیا۔ چنانچہ فرمایا:-

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا۔ وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط

ہم نے امانت (ذمہ داری یا مذہب) آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کی۔ اُنہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور آدمی نے اس کو اُٹھا لیا۔

یعنی ہم نے زمین و آسمان وغیرہ کی پیدائش کے بعد انسان کو پیدا کیا اور مذہب کا بارِ امانت اس پر رکھ دیا۔ اس آیت میں "امانۃ" کو زمین و آسمان اور پہاڑوں پر پیش کرنے کا مطلب اُن کی استعداد اور انکار سے مراد انکار طبیعی ہے۔ اور انکار طبیعی کا ماحصل عدم لیاقت و استعداد ہے

اور انسان کے اُٹھا لینے سے مقصود اسکی قابلیت و استعداد ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ طاعت و فرائض جو اللہ تعالیٰ نے آدمی پر فرض کئے ہیں۔ اُن کے اُٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑوں نے انکار کر دیا یعنی ان میں اس کی لیاقت و استعداد نہ تھی مگر انسان نے تکالیف شرعیہ کو اُٹھا لیا جو اس کی لیاقت رکھتا ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا — ہم نے انسان کو نیکی بدی کا الہام کیا۔

معلوم ہوا کہ نفس انسانی کی پیدائش کے ساتھ ہی خلاّق فطرت نے عملی شریعت کا تخم قلب انسانی میں کاشت کر دیا تھا۔ کمالات انسانی کی استعدادیں اُسی وقت دیدی گئی تھیں صرف یہی نہیں بلکہ کامل اور باخدا انسان کی تعریف بھی ساتھ ہی کر دی۔ فرمایا :۔

قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا — وہ شخص نجات پا گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر دیا اور جس نے اپنے نفس کو خاک میں ملا دیا وہ ہلاک ہو گیا اور زندگی سے ناامید ہو گیا۔

یہ نیکی اور بدی کا الہام جس سے مراد مذہب اسلام ہی ہے۔ مطلب یہ کہ جس شخص نے اس فطری مذہب کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوئے۔ اپنے نفس کو بُرائیوں اور گناہوں سے پاک کر لیا۔ وہ اپنے کمال کو پہنچا اور حیاتِ جاودانی پائی اور جس نے فطری الہام کے خلاف گندی زندگی بسر کرتے ہوئے اپنے نفس کو گناہوں سے ملوث کیا۔ نفس کا غلام بن گیا اس نے اپنے کمال کو حاصل نہ کیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ خلاصہ ان آیات بینات کا یہ ہوا کہ اسلام ابتدائے آفرینش سے ہے۔

سوال۔ اگر یہ صحیح ہے کہ اسلام شروع سے ہے تو یہ جو عام و خاص اور مسلم و غیر مسلم کہتے اور سمجھتے ہیں کہ ظہور اسلام کو صرف تیرہ سو برس ہوئے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔

جواب۔ اہلِ اسلام کی ایسا کہنے سے یہ مراد ہوتی ہے کہ اصل اسلام تو آدم علیہ السّلام سے لیکر خاتم النبیین محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم تک ایک ہی رہا۔ البتہ چند رسمی و فروعی احکامات کیلئے تعلیمات میں اختلاف ہوتا رہا اور ہر تجدید و تاسیس کے بعد ایک نئے نام سے موسوم ہوتا رہا تخم اسلام قلوب انسانی میں عالم ازل ہی میں کاشت کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ عالم ازل کے میثاق "قالوا بلیٰ" سے ظاہر ہے، لیکن یہ تخم غیر الہامی تعلیم پانے اور انسانی اوہام و خرافات

کی وجہ سے اپنے کمال کو نہ پہنچ سکا۔ آخر میں بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے دُنیا میں آکر اسلام کو قیامت تک کیلئے مضبوط اور غیر متزلزل بنیادوں پر قائم کر دیا۔ اسی مفہوم کو اسلام کے تیرہ سو سالہ ظہور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دُنیا میں جس قدر نبی اور ہادی آئے وہ سب اسلام کے داعی تھے

اور توحید و رسالت اور علوم آخرت و اصول نجات میں سب متفق تھے۔ البتہ اتنا فرق تھا کہ ہر نبی صرف اپنی قوم اور ایک خاص ملک کا مصلح۔ مربی اور ہدایت کنندہ تھا۔ وہ دُنیا میں اس لئے نہیں آئے تھے کہ تمام بھلی اور بُری اور علی العموم کُل عقائد و عبادات کو میٹ کر ایک بالکل نئی اور انوکھی شریعت کی تعلیم دیں۔ جو اُنھوں نے کبھی کانوں سے نہ سُنی ہو۔ بلکہ وہ بالہام الٰہی اصولی اور بُنیادی حیثیت سے اسلام کے ہی داعی تھے۔ ایک وقتی شریعت کے ماتحت اپنی قوم کے عقاید و افعال اور عادات کی اصلاح کرتے رہے۔ جو بڑی بڑی باتیں اُن میں رائج تھیں اُن کو بحکم خدا میٹتے رہے اور اچھی باتوں کی نصیحت کرتے رہے۔ سب کے آخر میں نبی آخر الزماں تشریف لائے اور ایک دائمی شریعت کے ماتحت انسانیت کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔ پس ظہور اسلام سے مراد اسلامی تعلیمات کی دائمی صورت اور یا فخر دو جہاں محمد عربی صلعم کی پیدائش ہے۔

یہ صرف ہماری خوش فہمی اور دلجمعی نہیں بلکہ یہ حقیقت کبریٰ بھی خود قرآن مبین نے بتلائی ہے اور اس امر کو صاف کر دیا ہے کہ تمام انبیائے کرام اسلام کے داعی تھے اور دُنیا کو صرف ایک ہی راستے کی طرف بلاتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً ط فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ط فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ج وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

(سورۂ بقرہ پارہ ۲)

ترجمہ - دُنیا میں انسانی جمعیت کی ابتدا اختلاف سے نہیں بلکہ وحدت و یگانگت سے ہوئی ہے - سب ایک ہی دین رکھتے تھے - پھر اُن میں پھوٹ پڑ گئی - تو اللہ پاک نے اُن کی ہدایت کے لئے نبیوں کو مبعوث کیا - جو نیک کرداری کے پھل کی خوشخبری سُناتے تھے اور بدکرداری کے نتائج سے ڈراتے تھے - ان کے ساتھ تعلیم حق کی کتابیں تھیں - کہ جن جن باتوں میں اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو گیا ہے اُن سب کا فیصلہ ہو جائے اور سب حقیقی دین (اسلام) پر جمع ہو جائیں - جس سے منحرف ہو کر یہ ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے لگے ہیں لیکن اس پر بھی جب وہ لوگ باز نہ آئے اختلاف پر جمے رہے اور دین حق کی وحدت گم ہو گئی تو ضروری تھا کہ ایک مرتبہ تمام اختلافوں اور گمراہیوں کو دور کر دیا جائے اور دین حق کی حقیقت کا عام اعلان کر دیا جائے - چنانچہ اللہ پاک نے اپنے فضل و رحمت سے اس کا دروازہ اہلِ ایمان پر کھول دیا اور وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کی راہ دکھا دیتا ہے -

یہ دین حق کی حقیقت کا عام اعلان کیا ہے وہی ظہور اسلام جو مسلم اور غیر مسلم کی زبان پر ہے - یہی وہ طریقہ ہے جس کی طرف تیرہ سو برس پہلے قرآن کریم نے دعوت دی تھی اور یہی وہ دُنیا کی عالمگیر روحانی صداقت ہے جس کی طرف دُنیا کھنچی چلی آ رہی ہے - جوں جوں دُنیا میں علم و عقل کی روشنی زیادہ ہو گی - اقوام عالم اس حقیقت ماہرہ پر مجتمع ہوتی جائے گی -

اب یہ بھی سُن لیجئے کہ لسانِ شریعت میں "اسلام" اور "صراط مستقیم" کس کو کہا گیا ہے اور مسلمانوں کی زبان سے اس حقیقت کا کس طرح اعلان کر دیا گیا ہے - ارشاد ہے -

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ پارہ ۱)

ترجمہ - کہو ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں - اس سچائی پر ایمان لائے ہیں جو ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے - نیز اُن تمام مذہبی صداقتوں پر ایمان رکھتے ہیں - جو ابراہیمؑ پر نازل ہوئی جن کی اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ اور ان کی نسل کے رہنماؤں نے تعلیم دی - اور وہ تعلیم جو موسیٰؑ کو دی گئی اور جو عیسیٰ کا پیغام حق تھا - غرض کہ دُنیا کے سارے نبیوں اور مذہبی صداقت کے سارے معلّموں کو وقتاً فوقتاً جو کچھ ملا ہے ہمارا سب پر ایمان ہے -

اللہ اللہ کیا عالمگیر مذہبی صداقت ہے جس کا لفظ لفظ للّٰہی تاثیر میں ڈوبا ہوا اور معیار صداقت پر جنچا تلا ہوا ہے۔ کس قدر ظلم اور کس قدر اندھیر اور کتنی بڑی نادانی و گمراہی ہے کہ وہ مذہب جو تمام مذہبی کتابوں اور نبیوں پر ایمان لانے کی تلقین کرتا ہے۔ ان کی تعظیم و تکریم کو لازمی قرار دیتا ہے ۔ اور اس طرح باہمی محبت و رواداری اور صلح جوئی سے فضائے عالم کو معمور کرتا ہے۔ جو مذہبی صداقت کا ایک "مشترکہ حق" سب کو دے کر ایک مرکز "لا نعبد الا اللہ" پر جمع کرتا ہے اور سب انسانوں کے لئے ایک متحدہ و متفقہ راہ کھولتا ہے اُس سے انحراف کیا جائے اور اس کی تعلیم کو جھٹلایا جائے اور اسکے آسمان سے اونچی عزت والے مقدس نبی پر طرح طرح کے اتہام لگائے جائیں۔

صداقت اسلام کو جھٹلانے والو اور ظلمت کو نور سمجھنے والو! کان کھولکر سُن لو کہ اسلام کی بتلائی ہوئی "صراط مستقیم" سے انحراف کرنا اور اسکی تعلیم کو جھٹلانا آفتاب پر تھوکنا ہے۔ خود کو تباہی کے غار میں جھونکنا ہے عقل و فہم کو جواب دینا ہے اور بصارت و بصیرت سے محروم ہونا ہے۔

سوال۔ یہ حقیقت تو بخوبی ذہن نشین ہو گئی کہ اسلام دُنیا میں نسل انسانی کے ساتھ آیا اور ظہور اسلام سے مراد دین حق کی حقیقت کا عام اعلان ہے۔ مگر اب یہ اور بتلا دیجئے کہ دین حق میں اختلاف کیسے ہوتا رہا اور دُنیا صراطِ مستقیم سے کیونکر علیحدہ رہتی رہی۔ تاکہ سعید روحوں کو حق و باطل میں تمیز کرنے کا موقعہ ملے اور مسلمان اپنے اندر وہ خرابیاں نہ پیدا ہونے دیں جنہوں نے پچھلے دینوں کو خراب اور تباہ کیا۔ اور حقیقت اسلام کو دُنیا سے عملاً نابود نہ ہونے دیں۔

جواب۔ بیشک یہ بتلانا نہایت ضروری ہے کیونکہ آج مسلمانوں میں بھی قریب قریب وہی کمزوریاں اور خرابیاں نمودار ہیں جنہوں نے پچھلی امتوں کو گمراہ کیا اور کفر و شرک کے عمیق غاروں میں جا گرایا۔ اور جو لوگ اسلام کے اصل منبع قرآن و حدیث سے ناواقف ہیں اُن کے نزدیک مسلمانوں کی موجودہ فرقہ بندی اور تشتت و افتراق میں حقیقت اسلام گم ہے۔

اس باب میں ہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کی کتاب حجۃ البالغہ کے باب احکام الدین من التحریف" کا مفہوم پیش کرتے ہیں۔

دینِ الٰہی کی تحریف کے اسباب

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر شیوع اسلام تک جتنے دین جاری ہوئے اور جتنی شریعتیں قائم ہوئیں اُن میں سے ہر دین اور ہر ایک شریعت ایک زمانہ معین تک جاری اور قائم رہی۔ جب

اس میں تحریف وتبدیل نے راہ پائی اور اسکے قبول کرنے والوں نے اس کو اپنی اصلی حالت پر نہ رکھا تو پھر خدا تعالیٰ نے بذریعہ دوسرے پیغمبر کے دوسری شریعت قائم کی اور دین حق کو تحریف وتبدیل اور اوہام خرافات سے پاک کر کے خالص دین الٰہی کی تعلیم دی۔

جب ہم کسی دین اور کسی مذہب کی تاریخ۔ اس کی ترقی وتنزّل اور اسکے تغیّر وتبدّل پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی پیغمبر کے ذریعہ خدا نے کوئی دین اور مذہب جاری کیا اور لوگوں کو اس کا تابع بنایا تو وہ طبقہ جس نے اس پیغمبر سے دین کی براہِ راست تعلیم پائی اور دینی عقائد۔ عبادات معاملات اور معاشرت وغیرہ احکام ومسائل کو بغیر کسی واسطہ اور علاقہ کے اپنے دل میں جگہ دی تو وہ ٹھیک ٹھیک اپنے نبی کے قدم پر چلتا رہا۔ نبی کی ہر تعلیم کا عملی نمونہ بنا رہا۔ اشاعت دین میں ساعی اور نہی عن المنکر وامر بالمعروف میں سرگرم عمل رہا۔ کیونکہ اس کے قوائے علمیہ وعملیہ میں دینی اسپرٹ اور روح حیات دوڑانے کو آفتاب ہدایت موجود تھا۔ اپنے نبی کی عادت۔ سیرت۔ اخلاق اور اعمال میں مشابہت تامہ رکھتا اور ہر بُرائی وعیب سے پاک وصاف رہا۔ اس کے بعد دوسرے طبقہ کا زمانہ آیا ہے جس نے نہ پیغمبر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور نہ اپنے کانوں سے اس کے وعظ ونصیحت کو سُنا۔ بلکہ دین کی تعلیم طبقہ اولیٰ سے پائی۔ یہ طبقہ اگرچہ دین میں اتنا کامل اور مضبوط نہیں ہوتا جتنا کہ پہلا طبقہ ہوتا ہے۔ تاہم چونکہ بیچ میں صرف ایک ہی واسطہ ہوتا ہے اس لئے طبقہ مابعد سے بہر حال کامل اور مضبوط ہوتا ہے۔ یہ دوسرا طبقہ اگرچہ اپنے علم وعمل اور ہدایت نمائی میں وہ کامل تاثیر نہیں رکھتا جو طبقہ اولیٰ میں ہوئی ہے۔ لیکن پھر بھی اچھّی حالت میں ہوتا ہے اسکے بعد جس قدر نئے لوگ بڑھتے جاتے ہیں۔ امت میں کثرت ہوتی جاتی ہے۔ اغراض اور دُنیاوی خواہشیں پیدا ہونے لگتی ہیں اور امتداد مدّت اور اختلاف طبائع سے، اتفاق اور فہم وعمل میں کمی اور خلل آنے لگتا ہے اتنا ہی وہ مذہبی جوش۔ دینی ولولہ اور اصل تعلیمات سے دور ہوتا جاتا ہے۔

اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں نے نہ بانیٔ دین کو خود دیکھا۔ نہ اس کے دیکھنے والوں کو دیکھا اور نہ اپنی سعی وکوشش اور تحقیق وتدقیق سے مذہب کو اختیار کیا۔ بلکہ اپنے دادا کی میراث میں جہاں اور چیزیں پائیں وہاں اُنہی میں مذہب کو بھی پایا اور بانیٔ مذہب کے بیچ میں کثرت کے ساتھ علاقے اور واسطے ہوتے گئے۔ ایسے زمانہ میں بہت تھوڑے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اصل دین سے واقف ہوتے ہیں۔ باقی لوگ مذہب کی کچھ قدر اور حقیقت نہیں جانتے۔ سوائے حمیت نسبی کے اصل دینی حمیت سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اور ان کے دل مذہب کی اصلی روشنی سے

اور ان کے سینے دین کے حقیقی نور سے خالی ہوتے ہیں۔

اس طبقہ میں بہت ہی کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو دین کو تحقیق کر کے اور سمجھ بوجھ کر اختیار کرتے ہوں۔ بلکہ اپنے باپ دادا کے طریقہ سے اور محض سُن سُنا کر اس کی حقیقت اور للہیت کے معتقد ہوتے ہیں اور بجائے ذاتی تحقیق اور تلاش کے ایک خاص مذہبی گروہ یا آباؤ اجداد کی تحقیق اور طریقوں پر قانع ہوتے ہیں اور جس قدر نبوت کا زمانہ دور ہوتا جاتا ہے اسی قدر دین و مذہب میں پیغمبر کی اصل تعلیم اور عملی نمونہ سے علاقہ چھوٹتا جاتا اور اسوۂ حسنہ سے دوری ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جتنا زمانہ گذرتا جاتا ہے غرضیں بڑھتی جاتی ہیں۔ خواہشیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ طبیعتوں میں خود پسندی اور نفسانیت آتی جاتی ہے۔ اسی قدر ہر شخص اپنی حالت۔ حاجت۔ ضرورت اور خواہش کے موافق دین میں تحریف و تبدیل کرنے لگتا ہے خدا کے کلام اور نبی کے اقوال کو اپنی خواہشوں کا آلہ کار بنا لیتا ہے۔ اگر ضرورت پڑتی ہے تو اس کے لفظوں اور عبارتوں کو بدل کر اپنی طرف سے ایک نیا مفہوم دین کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور اپنی غرض کے مطابق دین کا ہر مسئلہ بنا لیتا ہے۔

ایسی حالت میں جتنے عرصہ تک خدا کو اپنے علم و ارادہ اور مصلحت کے مطابق اُس دین کو قائم رکھنا منظور ہوتا ہے تب تک اپنے دین کو تغیر و تحریف سے بچاتا ہے اور جب خدائی حفاظت اُٹھ جاتی ہے اور دُنیا کو نئے داعی اور مصلح کی ضرورت پیش آتی ہے تو مذہب کے اس پرتو تحریف و تغیر سے دین کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ دین کا کوئی مسئلہ بھی اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہتا۔ پیغمبر کی کتاب جس پر مذہب کا مدار ہوتا ہے برائے نام قسم کھانے یا عزت کے ساتھ طاق پر دھر دینے کے لئے باقی رہ جاتی ہے کوئی شخص اپنے دینی عقائد اور مذہبی مسائل کو اس سے ملانے اور مطابق کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور صرف اپنے بزرگوں اور رہنماؤں کے اقوال و افعال کو مستند سمجھ کر مذہبی سلسلہ کو انہی پر ختم کر دیتا ہے اور ان کے اقوال و افعال کو ہی مذہب سمجھ لیتا ہے۔

طبقہ اولیٰ کے لوگ رسم و رواج کے دشمن ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ پیغمبر کی آواز پر اپنی پُرانی رسموں اور خاندانی چال وچلن کو چھوڑ کر اسکے دین میں آتے ہیں اور وہ پہلے ہی مرحلہ میں خاندانی رسوم کی زنجیروں کو توڑ پھینکتے ہیں۔ چونکہ وہ رسم و رواج کو چھوڑتے ہیں اس لئے ان کے بھائی بند۔ یار دوست اور قوم و برادری کے لوگ ان کو اپنی برادری سے خارج کر دیتے ہیں ان کو مرتد اور بے دین قرار دیتے ہیں۔ اس مبارک طبقہ میں سوائے خدا اور رسول کے حکم کے کسی رسم اور دوسری بات کو دخل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے اتنا ہی اور چیزوں کی آمیزش اور خارجی

امور شامل ہوتے جاتے ہیں۔ کچھ باتیں دُنیا کی دین میں داخل ہو جاتی ہیں۔ کچھ چیزیں غیر قوموں کی اس میں خلط ملط ہو جاتی ہیں اور پھر اس تمام مجموعہ پر دین کا اطلاق ہونے لگتا ہے۔

ہر شخص جس کو خدا نے عقل سلیم دی ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسی حالت میں لامحالہ رسم و رواج پر ہی مذہب کا مدار آٹھرتا ہے اور قومی چال وچلن وخاندانی طریقہ ہی کو دین سمجھا جانے لگتا ہے۔ چنانچہ جتنے پہلے دین گذر گئے، اُن سب کا یہی حال ہوا کہ لوگوں نے پیغمبر کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ رسم و رواج پر مذہب کا رواج ٹھہرالیا۔ تحقیق سے ہاتھ اُٹھالیا۔ عقیدہ اُسی کو سمجھنے لگے جو آباؤ اجداد سے سُنا عمل اُسی پر کرنے لگے جو بھائی بہنوں کو کرتے ہوئے دیکھا۔ خاندانی طریقہ پر چلنے کو سُنّت اور اس کو چھوڑ کر دین کی باتوں کی تحقیق کرنے کو بدعت کہنے لگے۔

جب کُل یا اکثر آدمی کسی دین و مذہب کے ایسے ہو گئے اور انہوں نے دین میں ایسی تحریف کر دی تو جو خوبی اس مذہب کی تھی جاتی رہی۔ اور اعراض و غفلت۔ پابندی رسم و رواج اور تقلید آباؤ اجداد کی بدولت اُس دین کی اصلی حالت باقی نہ رہی تب خدا نے اس کی اصلاح کرنے کے لئے دوسرا پیغمبر مبعوث کیا جس نے ان خرابیوں کو دور کیا اور جو تحریف و تغیر اُس دین کے لوگوں نے اپنی غفلت اور تقلید کے سبب سے کی تھی اُس کو ظاہر کیا۔ رسم و رواج پر چلنے والوں کو متنبہ اور باپ دادا کے چال چلن پر سند پکڑنے والوں کو ہوشیار کیا۔ لوگوں کو غفلت وجمود کی گہرائیوں سے نکالا۔ اُن سے تقلید کو چھڑایا لیکن تقلید اور غفلت ایسی بُرائی اور اپنی بُرائی میں ایسی کامل ہے کہ تمام انبیا کو اپنی نبوّت کے زمانہ میں لوگوں کے دلوں سے رسم و رواج کی پابندی کی مستحکم زنجیر اور غفلت و تقلید کی مضبوط قیود کے توڑنے سے زیادہ کوئی مصیبت اور دقت پیش نہیں آتی۔

کیسی ہی محبّت سے اُنھوں نے اپنی قوم کو سمجھایا اور کیسے ہی نرم و ملائم لفظوں سے ان کو نصیحت کی اور خواہ کسی قدر دلنشیں پیرایہ میں حکمت و موعظت سے ان کے دلوں کی صفائی کرنی چاہی لیکن ان کے کانوں پر پُرانی باتوں کا اثر اور غفلت و تقلید کے ایسے موٹے موٹے پردے پڑے ہوئے تھے کہ پیغمبروں کی خدائی آواز سے زیادہ سخت۔ ہولناک اور قابلِ نفرت کوئی آواز نہ تھی۔ ان کے پتھر سے زیادہ سخت دلوں پر کسی اور چیز کا اتنا صدمہ نہ ہوتا تھا جتنا کہ باپ دادا کے چال وچلن چھوڑنے کا اور وہ پُرانی لکیر کے فقیر بنے رہنے پر مٹے ہوئے تھے۔ یہی غفلت وجمود اور رسم و رواج کی پابندی تھی جس نے ان کمبختوں کو ایمان سے محروم رکھا اور جان بوجھ کر اُنھوں نے اپنے آپ کو دوزخ کا کندہ بنایا اگر ان بدنصیبوں پر رسم و رواج کی پابندی کا ایسا کامل اثر نہ ہوتا تو کسی پیغمبر کو ہدایت کرنے میں

اور اُس وقت تکلیف کا سامنا ہوتا جو حضرت نوح علیہ السّلام کو پیش آئیں۔ اور اتنے پیغمبروں کی بعثت کی حاجت نہ ہوتی۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کم وبیش جس قدر پیغمبر آئے اور جو کچھ اُنھوں نے مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں وہ سب اس رسم ورواج اور تقلید کی بدولت۔

تمام اولوالعزم پیغمبروں کے حالات پر غور کرنے سے ہمارے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے جب ہم کسی پیغمبر کی کتاب کو دیکھتے ہیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو نبی آیا اُس نے اوّل پچھلے دین کی اصلاح کی اور جو تحریف وتغیّر لوگوں نے اس دین میں کیا تھا اُسے بیان کیا اور جس قدر باتیں رسم و رواج کی لوگوں نے دین میں شامل کرلی تھیں ان کو علیحدہ کیا۔ بعدہٗ ان جدید احکام کو جو خدا نے اُس وقت کے مناسب دیکھے جاری کئے۔ پس بڑا سبب دین اور مذہب کے زوال کا حقیقت میں غفلت اور تقلید ہی ہوئی جس کی اسلام نے حد سے زیادہ مذمّت کی ہے۔

یہ کیفیت جو دین میں خلل آنے اور مذہب کے خراب ہونے کی ہم نے بیان کی ہے ایسی کھلی ہوئی اور صاف ہے کہ کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ اور جو کوئی دین کی کتاب اُٹھا کر دیکھے لفظ بہ لفظ اس کی تصدیق کرے گا۔

مذکورہ بالا گمراہیوں اور خرابیوں میں سے صرف چند امور پر ہم قرآن کریم سے روشنی ڈالکر اپنے مدعا کو ثابت کرتے ہیں۔

یہودیوں کے متعلق فرمایا:۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ (سورہ بقر پارہ ۱)

پس بدل ڈالا اُن لوگوں نے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اس بات کو جو کہی گئی تھی۔

یہودیوں کے علما کی مذمّت میں فرمایا:۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

کیا تم (یہودیوں سے) اُمید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مانیں گے۔ حالانکہ ان میں (احبار علما) میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو کلام الٰہی کو سُنتے تھے لیکن باوجود اس کے سمجھ لینے کے اسکو تحریف کردیتے تھے حالانکہ وہ اس بات کو جانتے تھے۔

عوام وخواص یہودیوں کی تفصیلی مذمت یوں بیان کی:۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ

ان یہودیوں میں سے بعضے اُمّی ہیں جو کتاب کو نہیں

اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۝ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ لِیَشْتَرُوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ط فَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ اَیْدِیْھِمْ وَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا یَکْسِبُوْنَ ۝ (سورۂ بقر پارہ ۱)

جانتے سوائے جھوٹی باتوں کے اور یہ لوگ تو گمان ہی گمان رکھتے ہیں۔ پس عذاب شدید ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں کتاب لکھ لیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑے سے دام لے لیویں سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی کتاب۔ اپنے ان کفریہ حرکات اور اپنی کمائی سے۔

اس سے بھی زیادہ یہودیوں کے افعال بد کا بیان فرمایا جن سے واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہودی ہوا و ہوس کے بندے تھے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَھْوٰی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝

اور ہم نے بیشک موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی (لیکن جب یہودیوں نے کتاب میں تحریف وتبدیل کی)، تو ہم نے موسیٰ عؑ کے بعد پے در پے رسولوں کو بھیجا۔ اور ہم نے عیسیٰ عؑ بن مریم کو بینات عطا کئے اور روح القدس سے اس کی تائید کی پھر ہر بار جب کوئی رسول تمہارے پاس آیا اور ایسی چیز لایا جس کو تمہارے نفوس نہ جانتے تھے تو تم نے اس کے جاننے سے اعراض کیا۔ پس ان رسولوں میں سے ایک فریق کو تم نے جھوٹا بنایا اور دوسرے فریق کو قتل کرنے لگے۔

اللہ پاک نے ان آیات بینات میں بنی اسرائیل کی سرکشی و عناد۔ انبیاء علیہم السلام سے مخالفت وتکبر کرنا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کرنا بیان کیا ہے۔ تقلید کی خرابی اور برائی میں فرمایا۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا۔

اور جب ان کافروں سے کہا جاتا ہے کہ کتاب الٰہی کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادوں کا اتباع کرینگے۔

اہل کتاب کی تذلیل و گمراہی کو ایک جگہ یوں بیان کیا۔

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ

اے اہل کتاب تم جانتے بوجھتے کیوں اللہ کی

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

آیتوں سے انکار کرتے ہو۔ اے اہل کتاب تم کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملاتے اور جان کر حق کو چھپاتے ہو۔

اللہ پاک ایک خائن جماعت کا ذکر فرماتے ہیں جس کی دینی خیانت بڑھی ہوئی تھی۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

اور تحقیق ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو زبان مروڑ کر کتاب پڑھتا ہے۔ تاکہ لوگ اس کو کتاب میں سے سمجھیں۔ حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں۔ اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر بہتان باندھتے ہیں۔

تحریف و تبدیل کے متعلق فرمایا۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔

یہودیں ایسے بھی ہیں جو الفاظ و کلمات کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ اس مضمون کو بیان کیا:۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ

(سورہ مائدہ پارہ ۶)

اور یہ یہود و نصاریٰ الفاظ و کلمات کو ان کے مقاموں سے بدلتے ہیں اور اس کا وہ حصہ بھول گئے جن کی نصیحت ان کو کی گئی ہے۔

اہل کتاب کی دینی خیانت کی مذمت ایک دوسری جگہ بیان کی:۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝

اے اہل کتاب بیشک تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے۔ جو بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو اور بہت سی باتوں سے درگذر کرتا ہے۔

نیز تقلید کی مذمت کی:۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا ط (سورہ مائدہ)

اور جب کافروں کو کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور اس رسول کی طرف جو خدا کی طرف سے آیا ہے تو کہتے ہیں ہمیں تو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔

ان آیات بینات میں ادیان سابقہ کی تحریف و تنسیخ کے جو وجوہ و اسباب بیان کئے ہیں وہ ایسے صاف اور صریح ہیں جن پر کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ ظہور اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ داعی اسلام صلے اللہ علیہ وسلّم کی دعوت ہدایت کے جواب میں مشرکین مکّہ کی طرف سے بس یہی ایک جواب ہوا کرتا تھا کہ یہ محمد تو ایسی باتیں بیان کرتا ہے جن کو ہم نے اپنے باپ دادا سے نہیں سُنا۔ اور ایک ایسا انوکھا دین پیش کرتا ہے جو ہمارے اسلاف کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اگر ایک آن دیکھتے کہ خدا کو پوجنا صحیح ہے تو کیا ہمارے بزرگوں کو اتنی سمجھ نہ تھی جو وہ یہ طریقے اختیار کر لیتے۔ نیز متبعین اسلام کے خلاف مشرکین مکّہ کا جذبۂ عناد اس بنا پر حد سے زیادہ جوش زن تھا کہ ان لوگوں نے اپنے آبائی دین کو چھوڑ دیا ہے اور یہ لامذہب ہو گئے ہیں۔

ابو طالب جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی حفاظت و نگہداشت اور پرورش میں بڑی بڑی قربانیاں کیں اور ناقابل برداشت تکلیفیں سہیں۔ مگر باوجود اس جوش محبت و رفاقت کے حضور کی دعوت اسلام کے مقابلہ میں یہی جواب ہوا کرتا تھا کہ رُوسار قریش کیا کہیں گے۔

الغرض قرآن کریم نے ادیان سابقہ کی تحریف کے اسباب کھول کھول کر بیان کئے ہیں جس پر تاریخی واقعات بھی گواہ ہیں۔

دینِ حق کی حقیقت کا عام اعلان

ادیان سابقہ کی تحریف و تنسیخ کے اسباب بیان کرنے کے بعد قرآن کریم نے افضال الٰہی و دین الٰہی کے دور جدید۔ نور صداقت اور کتاب مبین کا تمام دُنیا کے نام اعلان کر دیا جس نے انسانی معتقدات و اعمال کی تمام ظلمتوں۔ گمراہیوں۔ تحریفوں اور خرافاتوں کو دور کر دیا اور ایک روشن اور سیدھی راہ دُنیا کے آگے کھول دی۔

یہ خدا کا آخری پیغام صداقت دُنیا کے لئے نجات اور ہدایت کی بشارت بنکر آیا جہل و باطل پرستی کی غلامی اور اثر سے عقلوں اور دماغوں کو آزادی بخشی۔ افضال و نعائم الٰہیہ کے فتح باب کا مژدہ

سنایا۔ اگرچہ کوئی نئی عمارت نہیں بنائی مگر پرانی عمارتوں کو ہمیشہ کے لئے مضبوط کر دیا۔ اگرچہ خود کوئی نئی تعلیم نہیں لایا لیکن پرانی تعلیموں میں بقائے دوام کی روح پھونک دی۔ انسانی ضمیر اور فطرت کے حُسن خداداد سے ظلمت و جہالت اور بداعمالیوں کے پردے دور کئے۔ اور دُنیا میں فطرت اور فطرت کی گم شدہ حکومت از سرِنو قائم ہو گئی۔ چنانچہ فرمایا۔

لَقَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِينٌ ط يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ ط

بیشک خدا کی طرف سے تمہارے پاس قرآن یعنی ایک روشنی اور کھلی کھلی ہدایت بخشنے والی کتاب بھیجی گئی۔ اللہ پاک اس کے ذریعہ اپنی رضا چاہنے والوں کو سلامتی کی راہوں پر ہدایت کرتا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ط وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ٥ (سورہ اعراف پارہ ۲۲)

یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی بناوٹ میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ یہی (راہِ فطرت) دین کا سیدھا راستہ ہے مگر اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔

یہی وہ اعلان تھا جس نے دُنیا کے روحانی نظام پر ایک عظیم الشان انقلاب طاری کر دیا۔ اور جس کے مطابق قرآن کریم کو ماننے والی قوم ارض الٰہی کی روحانی و جسمانی خلافت کی وارث ٹھہری۔

ان مباحث سے فارغ ہونے کے بعد اب ہم دین کے خلل اور مذہب کے زوال کے وہ اسباب بھی ساتھ ہی بیان بھی کئے دیتے ہیں جن کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے باب "احکام الدین من التحریف" میں بیان کیا ہے۔ تاکہ مسلمان اپنی حالت پر غور کریں اور اہل کتاب کی خرابیاں اپنے اندر پیدا نہ ہونے دیں۔

پہلا سبب ۔ ومن اسباب التحریف التعاون وحقیقۃ ان یخلف بعد الحواریین خلف اضاعوا الصلٰوۃ واتبعوا الشھوات۔

اسباب تحریف میں سے ایک سبب تعاون ہے یعنی بانی ملت اور صاحب شریعت کے اعمال اور اقوال سے چشم پوشی کرنا اور اپنے عقائد و اعمال میں اسکے عقائد و اعمال سے مخالفت کرنا اور شہواتِ نفسانی کا اتباع کرنا۔

دوسرا سبب ۔ ومنھا الاغراض الفاسدۃ الحاملۃ علی التاویل الباطل کطلب مرضاۃ الملوک فی اتباعھم الھوٰی۔ اغراض فاسدہ کا پیش آنا اور انکے

حاصل کرنے کے لئے اصل بانیٔ مذہب کے کلام میں تاویل باطل کرنا۔ مثلاً امرا و ملوک کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ان کی خواہشات کا اتباع کرنا۔

تیسرا سبب ۔ ومنہا شیوع المنکرات وترک علماءھم التنھی عنہا۔ امت میں منکرات و فواحش کا شیوع اور علماء کا خاموشی اختیار کرنا۔

چوتھا سبب ۔ ومن اسباب التحریف التعمق وحقیقۃ ان یامر الشارع بامر وینھی عن شئ فیسمعہ رجل من امتہ و یفھمہ جسما یلیق بذ نبہ فیعدی الحکم الی مایشاکل الشئ بحسب بعض الوجوہ او بعض اجزاء العلۃ اوالی اجزاء الشئ و مظانہ ودواعیہ الخ ۔ تعمق یعنی تکلیف بیجا کرنا۔ وہ اس طرح کہ کوئی شخص شارع کی کسی امر ونہی کی علت پر غور کرے اور بعض وجوہ کو اُسکے کسی دوسری شے پر اپنے نزدیک مطابق کرکے اپنی طرف سے مثل شارع کے اُس شے کی امر ونہی کا حکم قائم کرے۔ یا نبی کے تمام اعمال و افعال کو عبادت سمجھ کر جو کچھ انہوں نے عادۃً بھی کیا ہو اُس کو بھی فرائض و واجبات میں داخل کرنے لگے۔

بعض ہوا وہوس کے بندوں اور کم علم مولویوں میں یہ خرابی کثرت سے پائی جاتی ہے اور بہت سے مسائل پر قیاسا امر ونہی کا اپنی طرف سے حکم قائم کرلیا گیا ہے۔

پانچواں سبب ۔ ومنہا التشدد وحقیقۃ اختیار عبادات الشاقۃ لم یامر بہا الشارع کدوام الصیام والقیام والبتل وترک التزوج وان یلتزم السنن والآداب کالتزام الواجبات۔ تشدد یعنی اُن عبادات شاقہ کا اختیار کرنا جس کا شارع نے حکم نہ کیا ہو۔ مثلاً روزوں اور قیام کی ہمیشگی جوگیوں اور رہبان کی طرح اعضائے تناسل کا قطع کرنا۔ مجرد رہنا۔ اور سُنن و آداب کا مثل فرائض و واجبات کے التزام کرنا۔

یہی وہ بڑی بیماری اور گمراہی تھی جس میں یہود اور نصرانی گرفتار ہو گئے تھے جن کو رہبان کہا جاتا تھا۔

چھٹا سبب ۔ ومنہا اتباع الاجماع وحقیقۃ ان یتفق قوم من

تملة ائمة الذین اعتقد العامة فیهم الاصابة غالبا او دائما علیٰ شیٔ فیظن ان ذٰلک فیما لیس له اصل من الکتاب والسنة وهٰذا غیر اجماع الّذی اجمعت الامة علیه فانهم اتفقوا علی القول بالاجماع الّذی مستنده الکتٰب والسنة او الانبساط من احدهما ولم یجوزوا القول بالاجماع الّذی لیس مستنده الیٰ احدهما الخ

اجماع کا اتباع کرنا۔ یعنی اگر کسی بات پر عالم اور مولوی متفق ہو جائیں تو ان کے اس اتفاق کو ہی اس کے ثبوت کی دلیل قاطع سمجھ لینا۔ اجماع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو وہ اجماع جس کا مستند کتاب و سنت ہو۔ یہ اجماع واجب الاتباع ہے۔ دوسرا وہ اجماع جس کا مستند کتاب و سنت نہ ہو۔ بلکہ کسی ایسے امر نے جو کتاب و سنت میں نہ ہو لوگوں کو کسی ایک بات پر جمع کر دیا ہو یا محض رسم و رواج کی پابندی نے کسی بات پر متفق کر دیا ہو یہی وہ اجماع ہے جس کی برائی سے قرآن و حدیث لبریز ہیں اور جس کے اتباع سے لوگوں نے دین حق کو قبول کرنے سے اعراض کیا اور اپنے بزرگوں کے اقوال و اعمال۔ پرانی رسموں اور خاندانی عادتوں کی پابندی کو دین و مذہب سمجھ کر شریعت عظمیٰ اور علم و عقل کی باتوں کی مخالفت کرتے اور لا مذہبی بتاتے ہیں۔

ساتواں سبب ۔ ومنها تقلید غیر المعصوم اعنی غیر النبی الذی ثبتت عصمته وحقیقته ان یجتهد واحد من علماء الامة فی مسئلة فیظن متبعوه انه علی الاصابة قطعا او غالبًا فیردوا به حدیثا صحیحا وهٰذ التقلید غیر ما اتفق علیه الامة المرحومة فانهم اتفقوا علی جواز التقلید للمجتهدین مع العلم بان المجتهد یخطی ویصیب الخ

غیر معصوم کی تقلید کرنا یعنی غیر نبی کی تقلید کرنا وہ اس طرح کہ کسی مسئلہ میں کسی مجتہد نے اجتہاد کیا اور اسکے مقلدین نے اس کو قطعی یا اغلب طور پر صحیح تسلیم کر لیا۔ حتیٰ کہ حدیث صحیح کو بھی اس کے مقابلہ میں ترک کر دیا۔ سو اس قسم کی تقلید پر امت مرحومہ نے اتفاق نہیں کیا بلکہ تقلید پر ان دو شرطوں کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ اول یہ سمجھنا کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں خطا

بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ دوسرے صحیح حدیث پر اس کو مقدم نہ کرنا یعنی اگر کسی مسئلہ میں حدیث صحیح مخالف اُس مجتہد کے مل جائے تو حدیث کا اتباع کرنا چاہیئے اور تقلید کو ترک کر دینا چاہیئے۔

بغیر ان شرائط کے غیر معصوم کی تقلید کرنا نہایت ہی نقصان دین کا سبب ہے۔ اگلے اہل کتاب ایسی ہی تقلید کرتے تھے جس کی بُرائی خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی:۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ — اہلِ کتاب نے اپنے عالموں اور پیروں کو اپنا رب ٹھہرالیا ہے اور خدا کو چھوڑ دیا ہے۔

حالانکہ کوئی اہلِ کتاب اپنے عالموں اور پیروں کی عبادت نہ کرتا تھا۔ مگر اُن کو ایسا معصوم سمجھ لیا تھا کہ جس کو وہ حلال کہدیتے تھے اُسی کو حلال جانتے تھے اور جس کو وہ حرام کر دیتے تھے اسکی حرمت کے معتقد ہو جاتے تھے اور اپنے نبی کے احکام و اقوال پر بمقابلہ ان کے قولوں اور حکموں کے عمل نہ کرتے تھے۔

یہی حالت آج مسلمانوں کی ہے کہ وہ اپنے عالموں اور پیروں کو معصوم سمجھتے ہیں اور اُن ہی کے اقوال و احکام پر عمل ہے۔

آٹھواں سبب۔ ومنها خلط ملة بملة حتى لا يتميز واحدة من الاخرى الخ

ایک ملت کا دوسری ملت میں خلط ملط ہو جانا۔ یعنی کسی دوسرے دین کی باتوں کو پسند کر کے کسی ضعیف وجہ یا موضوع سند سے اُس کا جواز ثابت کر کے اپنے مذہب میں اس طرح داخل کرنا کہ پھر کچھ تمیز نہ رہے کہ یہ باتیں کس مذہب کی ہیں بلکہ وہ باتیں اسلام ہی کی معلوم ہوں جس طرح بنی اسرائیل کے علوم اور یونان کی حکمت وغیرہ کو مسلمانوں نے اپنے ذہن و مذہب میں داخل کر لیا ہے اور اپنی تفسیروں اور کلام کی کتابوں کو اُنہیں روایات و مسائل سے بھر دیا ہے۔

یہ تھے وہ اسباب تحریف جنہوں نے پُرانے دینوں اور ملتوں کو خراب اور گمراہ کیا حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی ملت کو ان ہی باتوں نے بگاڑا۔ دین موسوی کو ان ہی خرابیوں نے تباہ کیا۔ احبار یہود نے اپنی کتاب میں تحریف کی اور اپنے دین کو قبول کیا۔ اور دین عیسوی ان ہی وجوہ سے نقصان و فتور میں آیا اور سراسر انسانوں کا بنایا ہوا دین بن کر رہ گیا۔

سوال۔ کیا ایسی تحریف دین اسلام میں بھی ہوئی ہے۔

جواب۔ یہ جو دین اسلام کو کامل و مکمّل کہا جاتا ہے اور اسکے ساتھ خدا کی دائمی حفاظت کا دعویٰ کیا جاتا ہے اسکے معنی ہی یہ ہیں کہ مقدس مذہب اسلام قیامت تک اس قسم کی خرابیوں اور تحریفوں سے پاک اور محفوظ رہے گا۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جو نور ایمان صحابائے کرام رضی کی پیشانیوں

میں چمکتا تھا وہ اب نہیں رہا۔ صحابہؓ کے بعد جو زمانہ بھی آیا وہ نقصان و فتور، سستی و غفلت، تقلید و جمود اور منہاج نبوت سے دوری و مہجوری کو اپنے ساتھ لایا۔ اسلام کی حالت اور اسکے عروج و زوال کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کو صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے عقائد و اعمال اور اس زمانہ کے مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا اسلام صحابہؓ کے اسلام کی ضد ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی تحریف دین اسلام میں بھی ہوئی اور نہایت کثرت کے ساتھ مگر یہ تحریف حقیقت اسلام پر کسی صورت سے بھی اثر انداز نہ ہو سکی۔ امت محمدیؐ میں جہاں شروع ہی سے حضور علیہ التحیۃ والتسلیم کے فرمان کے مطابق شر العلماء یعنی احبار و رہبان صفت مولوی اسلامی تعلیمات میں تحریف و تبدیل کرتے رہے ہیں وہاں خیار العلماء یعنی علمائے ربانی بھی ہر زمانہ میں خدائی حفاظت کا ذریعہ بنے رہے اور بنے رہینگے۔ جنہوں نے حقیقت اسلام کو ہر طرح کی تحریف اور حملوں سے بچایا اور حمایت و حفاظت اسلام میں ہمیشہ ساعی و کوشاں رہے۔ ہوا و ہوس کے بندوں۔ غرض پرستوں اور اہلِ باطل کے راستوں میں سد سکندری بنے رہے۔ آج بھی بنے ہوئے ہیں اور قیامت تک بنے رہینگے۔ یہی وہ خدائی حفاظت کے خدائی نشان ہیں جو مذہب اسلام کو زندہ۔ کامل اور خدائی مذہب ہونے کا ببانگ دہل اعلان کر رہے ہیں۔

ہمارا دعوٰی ہے کہ وہ صورت حال جو اسلام کو پیش آئی اور جن بیرونی و اندرونی نقصان و فتور اور انقلابات و تغیرات کا سامنا اسلام کو ہوا۔ اگر اس کا عشر عشیر بھی کسی اور مذہب کو ہوتا تو وہ سراسر صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتا اور اُس کا نام لیوا بھی ایک نہ رہتا۔ مسلمان بجا طور پر اپنے اسلاف کرام محدثین۔ مفسرین۔ آئمہ دین۔ فقہائے عظام۔ متکلمین اور علمائے ربانی پر فخر کرتے ہیں کہ ان مقدس نفوس کی تحقیق و تدقیق اور کوششوں سے اس فرقہ بندی۔ ہنگامہ آرائی۔ اختلاف عقائد کی آندھیوں۔ غلط فہمیوں۔ غلط بیانیوں اور شکوک و اوہام کے گرد و غبار میں بھی حقیقت اسلام کا آفتاب ویسا ہی درخشاں اور تاباں ہے جیسا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں تھا۔

بلا شبہ اسلام اسپر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں بہت بڑے مفسر۔ محدث۔ مجتہد۔ عالم۔ فقیہ اور حکیم ہوئے۔ اور بہت مفید اور قابلِ قدر کتابیں لکھیں۔ ہمارے بزرگوں نے بہت بڑا علم کا ذخیرہ ہمارے لئے چھوڑا اور ہم اُن کے علم۔ اُن کے اجتہاد۔ اُن کی رائے اور اُن کی تالیفات سے بہت بڑی مدد

پاتے ہیں۔ ہمارے اسلاف کرام کا دل اسلام کا بخشا ہوا اور اُن کا دماغ اسلامی ذہنیت کا بنایا ہوا تھا۔ آفتاب رسالت کی شعاعوں داعی اسلام کے تزکیہ وتربیت اور درس کتاب وحکمت نے اُن کے اندر ایک ایسی روشنی اور صالح مزاج پیدا کر دیا تھا۔ کہ اُن کی دوررس نگاہیں شاہدِ معانی کو ہزار حجابوں سے کھینچ لاتی تھیں۔ اگر کوئی چیز حقیقت و دانائی سے ذرا بھی ہٹی ہوئی ہوتی تھی۔ تو ان کے دلوں میں فوراً کھٹک جاتی تھی۔ ان کی دانائی سب سے زیادہ گہری تھی۔ ان کے دل سب سے زیادہ پاک تھے۔ اُن کی طبیعتیں آبِ ہدایت سے دُھلی ہوئی تھیں اور وہ کتاب وسُنّت کے سب سے زیادہ محرم اسرار تھے۔

وہ تمام اُمّت سے افضل۔ پاکباز۔ نیک طینت۔ عمیق علم اور سادگی پسند تھے۔ اللہ پاک نے ان کو اقامتِ دین کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ ان ہی مقدس نفوس کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ حقیقی اسلام۔ داعی اسلام صلعم کی حیات طیبہ۔ صحابہؓ کے اسلام کا عملی نمونہ اور اسلام کی صحیح تصویر آج بھی ویسی ہی بے نقاب ہے جیسی کہ صدر اوّل میں تھی۔

خلاصہ یہ کہ اسلام ابتدائے آفرینش سے ہے اور ہر طرح کی تحریف وتبدیل سے محفوظ اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ اب سوال مندرجہ عنوان کے آخری حصّہ "اس میں کبتک باقی رہنے کی صلاحیت ہے؟" کا جواب باقی رہا۔ اس پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

جاننا چاہیے کہ یہ زمانہ عروج وارتقا کا ہے۔ اور دُنیا کی قومیں سرعت کے ساتھ ترقی وکامیابی کی طرف جارہی ہیں۔ انسان کا میلان طبعی ثابت کر رہا ہے کہ زمانہ کی روح ترقی وکامیابی کی بھوکی ہے اور آیندہ جو زمانہ بھی آئے گا وہ اپنے ساتھ نئی نئی ترقیات کا ذخیرہ اور نئے نئے افکار و خیالات لیکر آئے گا۔ رہا یہ امر کہ عالم انسانی کو کس قسم کی ترقی کی ضرورت ہے اور روح زمانہ کس چیز کی تلاش میں ہے۔ اسکے متعلق عرض ہے کہ موجودہ مادی ترقی سے سچّی مدنیت اور حقیقی انسانیت چیخ اُٹھی ہے۔ اور مادی علوم وفنون کی جس قدر بھی ترقی ہو رہی ہے دُنیا تباہی کی طرف جارہی ہے۔ ہلاکت انسانی کے نئے نئے ہولناک اور تباہ کن اسلحہ تیار ہو رہے ہیں۔ ضروریاتِ زندگی اور اغراض وخواہشات کی کثرت سے بداخلاقیوں۔ درندگیوں۔ خودغرضیوں اور جرائم کی نئی نئی راہیں کُھلتی جارہی ہیں۔ دھوکہ اور فریب اور جھوٹ ومکّاری ایک آرٹ بنتی جارہی ہے۔ دُنیا سے حقیقی امن چین مفقود ہو رہا ہے۔ اور روح انسانی مادیت کی کیچڑ میں دھنسی ہوئی چلا رہی ہے اس لئے لامحالہ ہر عقل سلیم رکھنے والے کو مجبوراً ماننا پڑے گا کہ مادی ترقی کے ساتھ روحانی ترقی کی بھی

اشد ضرورت ہے جس کے بغیر دُنیا کو حقیقی امن نصیب نہیں ہو سکتا۔ دُنیا جس قدر مادی عروج و ارتقا کی منزلیں طے کرتی جائے گی اور اخلاق وروحانیت کو پیچھے چھوڑتی جائے گی اُسی قدر تباہی وبربادی کے نزدیک پہنچتی جائے گی۔

اندریں حالات قدرتی طور پر اس امر کی ضرورت ہے کہ کوئی کامل ومکمل خدائی مذہب آگے بڑھے دُنیا کو آنے والی تباہی کے راستہ سے ہٹاکر امن وسلامتی کی راہ لگائے۔ روح انسانی کو مادیت کی کیچڑ سے نکالکر اخلاق وروحانیت کے آب حیات سے غسل دے اور اعمال صالحہ کا لباس فاخرہ پہنائے حقیقی کامیابی اور ابدی نجات کا مرکز بتلاتے ہوئے عروج وارتقا کی انتہائی منزلیں طے کرائے اور دینی و دنیوی ترقی کی راہیں کھولدے۔ پس اس لحاظ سے ہم دعویٰ کے ساتھ کہتے ہیں کہ اسلام میں قیامت تک باقی رہنے کی صلاحیت ہے اور وہ دُنیا کے آخر تک بنی نوع انسان کی رہبری کرتا رہے گا کیونکہ وہ ہلاکت وتباہی کی راہوں سے بچاکر امن وسلامتی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام کا مفہوم ہی "سلامتی میں داخل ہونا" ہے۔ روح انسانی کو مادیت کی کیچڑ سے نکلنے کے طریقے بتلاتا ہے اور اس کو قوت پرواز عطا کرتا ہے۔ اخلاق وروحانیت کی انتہائی بلندیوں پر فائز کرتا ہے۔ دینی ودنیوی ترقیوں کی راہیں کھولتا ہے اور زمین کی ترقی کا ساتھ دیتا ہے۔

مثلاً دیکھئے آج دُنیا میں حریت ومساوات کا دور دورہ ہے۔ ہر شخص کے دماغ میں ترقی و کامیابی کا خیال جاگزیں ہے۔ اور ہر شخص امن وآسائش کا متمنی ہے۔ سو کون نہیں چاہتا کہ ان جذبات عالیہ کو کہاں سے کہاں پہنچاتا ہے اور کس طرح ان ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ اسلام کا نصب العین عالمگیر حریت ومساوات ہے اور اپنے متبعین کو دین و دُنیوی ترقی دلانے کا ضامن وکفیل ہے۔ دیکھئے اسلام حریت ومساوات کے متعلق کیا تعلیم دیتا ہے۔

اسلامی حریت ومساوات

اسلام کا منشا عالم انسانی میں امن کا قیام ہے۔ جس کا نتیجہ عالمگیر فلاح ہے۔ اس لئے وہ آسمانی بادشاہت یعنی خلافت فی الارض کو اسلام کی زندگی کے لئے لازمی قرار دیتا ہے۔ تاکہ دُنیا کی کوئی ایک قوم روئے زمین پر حکومت قائم کرکے دُنیا کی تمام دولت اور ذرائع دولت پر قبضہ نہ کرلے۔ دُنیا کی قوموں اور حکومتوں میں امن قائم رہے اور خلافت کا منشا پورا ہو۔ عرب عربوں کیلئے۔ ترکستان ترکوں کیلئے۔ ایران ایرانیوں کے لئے۔ افغانستان افغانیوں کیلئے۔ یورپ یورپین کیلئے۔ اور ہندوستان ہندوستانیوں کیلئے رہے۔ اور رہنا چاہئے۔ ہر ایک قوم اپنے اپنے ملک اور گھر کا انتظام آپ کرے۔ اور تمام انسان

ایک کنبہ بن جائیں۔

چونکہ اسلام غلامی کا دشمن اور مستبد حکمرانوں و شخصی حکومتوں کے لئے قہرِ خدا اور حریت و مساوات کی چمکتی بجلی ہے۔ اس لئے برطانوی سیاست اور سرمایہ داری کے جسم پر اسلام کے خوف سے لرزہ طاری ہے۔ اگر خوف ہے تو صرف اسلام سے جسکی ناممکن التسخیر شان دارائی تمام دنیا کے قہرمانوں اور مستبد حکمرانوں کو دعوتِ مقابلہ دے رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائی سلطنتیں اسلام کا اُبھرنا اور عالم اسلام کا آزاد ہونا نہیں چاہتیں اور وہ اسلام کی سیاسی قوّت کو توڑنے کیلئے متحد اور حد سے زیادہ سرگرم ہیں۔ کاش عیسائی حکومت کو اولی الامر سمجھنے والے نادان مسلمان اس راز کو سمجھیں اور اسلامی حریت و مساوات کا گہری نظر سے مطالعہ کریں جس کے زیر اثر تمام دنیا اسلام کے جھنڈے تلے آچکی ہے۔

آسمانی بادشاہت کے قیام اور اصول خلافت کو قرآن کریم اس لئے لازمی قرار دیتا ہے کہ اُس کا نصب العین روئے زمین کو مکّہ معظمہ کے نمونہ پر بیت الحرام بناتا ہے۔ جیسا کہ مکّہ معظمہ میں جو شخص داخل ہوگیا اسکے لئے امن ہے۔ خواہ وہ مسلمانوں اور اسلام کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح ہر شخص اپنے اپنے ملک اور گھر میں امن میں داخل ہو کسی ملک کا دروازہ کسی شخص پر جو باہر سے آئے بند نہ ہو۔ اسکے حقوق اسی ملک کے باشندوں کے مساوی ہوں۔ ہر شخص ملک خدا میں امن و آسائش کی زندگی بسر کرے۔ اور یہ فرائض بجالانے والی قوم "خود زندہ رہو اور دوسروں کو زندہ رہنے دو" اور "اپنے حق لو اور دوسروں کے حق دو" کے اصول سیاست پر سختی سے کاربند ہو۔

ساتھ ہی قرآن کریم کا یہ فتویٰ اور خدائی رعب بھی ہے کہ جو شخص یا قوم محض شرارت اور فتنہ انگیزی سے اس حریت میں رخنہ انداز ہو۔ قرآن کریم کے اس نصب العین کے حصول میں مزاحم ہو۔ اس کو قتل کردو۔ اس پر اسلامی قوّت و شوکت کا سکّہ بٹھا دو۔ ایسے لوگوں کو جہاں پاؤ قتل کردو جن کا ناپاک وجود دنیا کے امن چین میں خلل انداز ہوتا ہے۔ تاکہ دنیا سے فتنہ و فساد مٹ جائے اور خدا کی زمین خدا کے بندوں کے لئے رہ جائے۔ یہ ہے جہاد کا فلسفہ جس کو یار لوگوں نے دنیا کے سامنے ایک بھیانک شکل میں پیش کیا ہے۔

رسول کریمؐ کی بعثت سے پیشتر اقوام و ممالک کی حالت یہ تھی کہ اُن کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ رنگتوں اور بولیوں کے فطری اختلاف کے ہوتے لوگوں نے باتباع ہوائے نفس مغایرت اور منافرت کے جذبات پیدا کر رکھے تھے۔ اغیار و اجانب کو ملیچھ۔ شودر اور عجمی خدا جانے کیا کیا بنا رکھا تھا اور اپنے لئے ایک اعزازی امتیاز پیدا کر رکھا تھا۔ اپنے آپ کو خدا اور خدا زادے۔ دیوتا

اور دیوتاؤں کی اولاد سمجھتے تھے۔ ان ہی خدمات کے زیر اثر ان کے انبیاء اور ہادی بھی تھے۔ حضرت مسیح ایک کنعانی عورت کو کہتے ہیں کہ بیٹوں (بنی اسرائیل) کی روٹی کتوں کو (غیر بنی اسرائیل) نہیں دی جا سکتی۔

سچ تو یہ ہے کہ قرون اولیٰ جس کی خصوصیات ہر تاریخ داں پر واضح ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ چارہ کار ہی نہ تھا جس طرح ہر قوم ایک دوسرے سے بے تعلق اور الگ تھی۔ اسی طرح ان کے ہادی بھی بے تعلق تھے۔ ان کے سامنے صرف اپنی ہی قوم کی ہدایت اور ترقی تھی۔ اسی کا اثر تھا کہ ایک قوم کا غلبہ اور تسلّط غیر اقوام و ممالک پر ہوتا رہا۔ جس پر تاریخی واقعات شاہد و ناطق ہیں۔ اسلام سے پیشتر کی دُنیا میں یہ مغائرت و منافرت کے جذبات کیوں پائے جاتے تھے؟ اس لئے کہ اقوام عالم اصولاً حریت و مساوات کی منکر تھیں۔ غیر الہامی مذہب انسانیت کش اور حریت و مساوات کے دشمن تھے۔ اس لئے اندرونی تفریق اور ادنیٰ و اعلیٰ ذاتوں کا امتیاز بھی لازمی نتیجہ تھا۔ ہندو اسکی واضح مثال ابتک موجود ہیں۔

جبکہ دُنیا کی یہ حالت تھی خاتم النبیین نے دُنیا میں آ کر عالم انسانی میں پہلی دفعہ یہ اعلان کیا۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تم میں سے معزز ترین وہ شخص ہے جس کے دل میں خوفِ خدا سب سے زیادہ ہو اور جس کا تعلق باللہ بہترین ہو۔ مساوات کا یہ وہ شاندار اور پُر اثر اصول تھا جس نے دُنیا کے تمام باطل امتیازات کو مٹا کر ایک وحدت مشترک قائم کر دی۔ اسلام نے دُنیا کے نام اعلان کر دیا کہ عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو۔ اور آدمؑ کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ قرآن کریم نے قوموں کے دعویٰ انانیت اور فرضی شرف و فضیلت کو یہ کہہ کر خاک میں ملا دیا کہ تم سب بشر ہو اور خدا کے سامنے سب کے سب سر افگندہ و عاجز و لاچار۔ نہ کوئی آسمانی باپ کا بیٹا ہے اور نہ کوئی بشر پیدائشی گنا ہے (عیسائیوں کا نظریہ) دیوتا۔ اوتار۔ ہادی۔ فرشتے۔ نبی اور رسول سب خدا کے مخلوق ہیں۔ صرف تعلق باللہ اور مراتب قرب کے لحاظ سے مقبول بارگاہ ایزدی ہیں اور بس۔ اگر انسانوں میں سے کسی کو ایک دوسرے پر فضیلت ہے۔ تو تقویٰ اور پرہیز گاری کی بنا پر بشر کو اللہ تعالیٰ نے کُل کائنات پر فضیلت دی ہے اور سب کو اُس کا مطیع و مسخر کیا ہے۔ سورج اور چاند تمہارے معبود اور دیوتا نہیں بلکہ تمہارے خادم اور گھر کے چراغ ہیں۔

غرض اسلام نے دُنیا میں آ کر وہ عظیم الشان اور عظیم القدر خدمت سرانجام دی اور بنی نوع انسان پر وہ احسان عظیم کیا جس کی شکر گزاری سے دُنیا کی کوئی قوم قیامت تک عہدہ برا نہیں ہو سکتی اسلام نے علو شان کا وہ امتیاز جس نے قوموں کو بھیڑیا بنا رکھا تھا اور کمزوروں و درماندوں کو خدا کی

زمین تنگ تھی اور وہ فرعونیت و انانیت جس نے بحر و بر میں فساد برپا کر رکھا تھا اس کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکا۔ تفریق و امتیاز کے قلعوں کو مسمار کر دیا اور مغائرت و منافرت کی موٹی موٹی بوجھل زنجیروں کو ایک ہی ضرب "تقویٰ" سے کاٹ کر رکھ دیا۔

اگر جملہ ادیان باطلہ پر غور کیا جائے تو۔ کوئی دین ایسا معلوم نہیں ہوتا جس کی اساس اسلام کی مانند مستحکم ہو۔ مقتضات وقت اور میلان طبعی کے مطابق قلوب و اذہان کی رہنمائی کر سکے۔ کیونکہ قوموں کا ترقی پانا مدارج کمالات کا حاصل کرنا۔ ترقی اور علم کی راہیں اپنے آپ پر کھولنا اور دُنیا و آخرت میں سعادت تامہ پر قادر ہونا، اس بات پر منحصر ہے کہ قوم کے قوائے فکریہ تیز ہوں۔ اس کی عقل کا آئینہ توہمات و خرافات کے زنگ سے پاک و صاف ہو۔ مذاہب عالم میں سے کوئی مذہب بھی اپنے متبعین میں یہ بات پیدا نہیں کرتا۔ کوئی مذہب بھی راز کائنات دریافت کر لینے کی ترغیب و تحریص نہیں دلاتا اور کوئی مذہب بھی ترقیات زمانہ کا ساتھ نہیں دیتا۔ لیکن الحمد للہ یہ تمام خوبیاں موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

اسلام اپنے متبعین کی دینی و دنیوی ترقی و سعادت کی ضمانت و کفالت کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ　دین و دُنیا میں تمہیں سربلند و سرفراز ہو گے بشرطیکہ مومن بن جاؤ۔ اب مومن کی تعریف اور اس کی امتیازی شان بھی دیکھ لیجئے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ　کیا مومنوں نے پرندوں پر نظر نہیں کی جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں، ان کو اللہ کے سوا اور کوئی تھام نہیں رہا۔ بیشک اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

اپنے متبعین کے قوائے فکریہ کی تعلیم و تربیت کے لئے ضروری قرار دیا:۔

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ　وہ زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (سورہ آل عمران)　بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے تغیر و تبدل میں عقلمندوں کے لئے بہتیری نشانیاں ہیں

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ　اسی (پانی) سے تمہارے لئے کھیتی۔ زیتون کھجور

وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ — انگور ہر قسم کے پھل اُگاتا ہے۔ بیشک اُس میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سوچتے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ — اور رات دن۔ چاند۔ سورج اور سیارے تمہارے کام میں اللہ کے حکم سے لگے ہوئے ہیں۔ بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سمجھتے ہیں۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ — اور وہ چیزیں جو تمہارے لئے زمین میں پھیلائی ہوئی ہیں۔ اس حال میں کہ وہ رنگ برنگ کی ہیں بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو نصیحت مانتے ہیں۔

قرآن کریم میں اس قسم کی بیشمار آیات ہیں جن میں کائنات عالم کی تمام چیزوں پر غور و فکر کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کی ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے اور قوائے فکریہ کو اُبھارا گیا ہے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ — اے ہمارے پروردگار تونے اس کارخانۂ عالم کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو اس عیب سے پاک ہے

یعنی یہ ارض و سماوی کارخانہ جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اسے تونے اس مضبوطی اور استحکام کے ساتھ اور اس حکمت و انتظام کے ساتھ یوں ہی بیکار اور عبث پیدا نہیں کیا بلکہ کسی مصلحت ہی سے پیدا کیا ہے۔ تیری ذات بے فائدہ اور عبث کام کرنے سے پاک ہے۔ جو کچھ تونے پیدا کیا ہے اس میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے مومنین۔ صالحین اور مخلصین بندوں کے اُس قول کو نقل کیا ہے جو ذکر اور فکر دونوں وضعوں کو جامع ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کا مقصود مومنوں کو اس بات کی تعلیم دینا ہے کہ مومن ذاکر اور متفکر کی یہ شان ہے کہ جب وہ خدا کی مخلوق پر نظر ڈالے تو خدا کی طرف متوجہ ہو اور اس قسم کی ثنا اور دُعا سے خدا کو یاد کرے اور اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرے اور اسکے آگے گڑگڑائے یہی کمال ایمان اور یہی کمال معرفت ہے۔

آسمان و زمین اور مخلوق کے باطل اور بے فائدہ پیدا نہ ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ مخلوق میں

یہ نُدرت اور مضبوطی جو رکھی گئی ہے۔ ممکن نہیں کہ یہ بغیر کسی مصلحت کے ہو۔ کیونکہ یہ بات خدائے علیم و حکیم کی شان سے بعید ہے۔

نیز قرآن حکیم بتلاتا ہے کہ ہر ایک کام کی تکمیل بتدریج ہوتی ہے۔ اگر خدا چاہتا تو ایک ہی وقت میں عالمِ انسانی میں یہ سب کچھ ہو جاتا۔ یعنی تمام دینی و دنیوی ترقیات کے دروازے یکدم ہی کھل جاتے عروج و ارتقا کی قوتیں تمام کی تمام ظاہر ہو جاتیں۔ اور سب کا اجماع ہدایت پر ہو جاتا لیکن اس کی حکمت کا مشاہدہ صحیفۂ فطرت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ اس نے جو کچھ ہمیں دیا ہے بالاجمال دیا ہے اس کی تفصیل و تشریح قوائے فکریہ کے نشو و نما کے لئے انسانی سعی و کوشش پر چھوڑ دی ہے۔ غرض اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ہمیں بتلاتا ہے کہ ہمیں کس طرح ترقی کرنی چاہیئے اور کس طرح ترقی کرتے چلے آئے ہیں۔

چونکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ترقیات زمانہ کا ساتھ دیتا ہے۔ اور دُنیا جس راستہ پر چل رہی ہے وہ وہی راہ ہے جو اسلام نے بتلائی ہے۔ یعنی انسانی فکر و عمل۔ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہے اس لئے ترقی یافتہ اور ترقی خواہ دُنیا تمام مذاہب کو پیچھے چھوڑتی جائے گی اور قوائے فکریہ پر اسلام کی حکومت ہوتی جائے گی۔ پس اسلام میں قیامت تک باقی رہنے کی صلاحیت ہے۔ مستقبل میں وہ عالمِ انسانی کے قوائے فکری پر اپنی حکومت قائم کر لے گا اور دُنیا کا آئندہ مذہب صرف اسلام ہوگا[۱]۔ چند مسلم اور غیر مسلم اصحاب فکر کی رائے بھی اسکے متعلق ملاحظہ ہو۔

---

[۱] علامہ سید جلال الدین صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ اس موقعہ پر لکھتے ہیں:۔

لیکن دین اسلام کا پہلا رکن یہ ہے کہ توحید کی صیقل سے انسان کی عقل کو زنگ خرافات سے پاک کیا جائے۔ اسکی تعلیم تو یہ ہے کہ انسان کو نہیں چاہیئے کہ وہ کسی دوسرے انسان یا موجودات کو قادر و متصرف سمجھے یا یہ یقین کرلے کہ وہ اُس سے کوئی چیز چھین سکتا ہے یا کچھ عطا کر سکتا ہے۔ یا کسی انسان کے ہاتھ میں شفا و ہلاکت اور ذلت و عزت کی قدرت ہے۔ اسلامی توحید یہ عقیدہ گوارا نہیں کرتی۔ کہ اس کا مبداء دنیا کی تعمیر و تخریب کے لئے خود آتا ہے۔ یا آئے گا۔ وہ تو ذاتِ الٰہی کو اس چیز سے منزہ سمجھتا ہے۔ کہ بعض مصلحتوں کے ماتحت وہ انسانیت کا لباس پہن لے۔ اور تکلیفیں اور دُکھ اُٹھائے۔

اسکے علاوہ اور بھی کئی توہمات ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک عقل کو معطل اور بیکار کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور اسلام کے سوا دُنیا کا کوئی مذہب نہیں جس کا دامن ان توہمات کی آلودگی سے پاک ہو۔ اسلام نے تو ہمیں انسانی شرف کا یقین دلایا ہے اور بتایا ہے کہ ہر شخص نبوت کے رُتبہ کے برابر بلند سے بلند مراتب

دنیا کا آیندہ مذہب اسلام ہوگا

اس وقت انسانیت کا مستقبل تاریک اور پریشان ہے اور اسلام کے لئے موقعہ ہے کہ وہ دُنیا میں اپنا نور پھیلائے اور کائنات انسانی کے قوائے فکری پر اپنی حکومت قائم کرلے اسلام کی فطرت میں ایک عظیم ترین قوّت مخفی ہے اور اسکے سینے میں ایسی چنگاریاں دبی پڑی ہیں جو کائنات عالم کو ہدایت کے نور سے لبریز کرسکتی ہیں۔ دُنیا میں اسلام کے لئے حیرت انگیز ترقی کا میدان موجود ہے اور وقت آگیا ہے کہ وہ اقوام عالم کی نجات اور رستگاری کیلئے اپنے آپ کو نمایاں کرے۔

مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ چین میں اشاعتِ اسلام کا ایک وسیع جال بچھادیں۔ اس میدان میں ایک نئی اور عظیم الشّان اسلامی حکومت پیدا ہوگی۔ یہ حکومت دُنیائے اسلام میں بجلی کی قوّت کا کام کرے گی جس سے امّتِ مسلمہ پر زندگی کی نئی راہیں کشادہ ہوجائیں گی اور مسلمانوں میں یقین و ایمان کی پھر وہی قوّت اُبھرے گی جس سے انہیں ثابت ہوجائے گا کہ مسلمانوں میں آج بھی تسخیر... عالم کی ایک زبردست اور غیر محدود قوّت موجود ہے۔

جب تک دُنیا اسلام کے غلبہ کو قبول نہ کرے، جبتک دُنیا میں ایک ایسا سیاسی اور روحانی نظام قائم نہ ہوجائے۔ جو اقوام عالم کے لئے اُسوۂ حسنہ کا کام دے۔ جبتک بنی نوع آدم، ذات

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۴) حاصل کرسکتا ہے۔ اس نے تو انسان کو اپنے نفس پر اعتماد کرنے کی تعلیم دی ہے اور بتایا ہے کہ ہرگز یہ نہ سمجھو کہ انسان میں کس قسم کا نقص وانحطاط یا عدم قابلیت ہے۔

اسلام نے انسان پر شرف وکمال کے دروازے کھول دئے ہیں اور بتایا ہے کہ ہر انسان کو فضیلت اور کمال کے حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس نے تو جنس وصنف کے امتیازات ہی اُٹھادئے ہیں اور یہ قرار دیا ہے کہ انسان کا شرف اسکے کمال عقلی ونقلی پر منحصر ہے۔ ہر قوم کے لئے ضروری ہے کہ اپنے عقائد کو دلائل و براہین عقلی سے محکم کرکے یقین کا درجہ حاصل کرے۔ ظن وگمان سے دوری اختیار کرے اور محض آباؤ اجداد کی پیروی کو دلیل قرار نہ دے۔ یہ شرف بھی دین اسلام کے لئے مخصوص ہے کہ اس نے ظن وگمان کے بجائے دلیل وعقل کو دستاویز بنایا ہے اور تقلید محض سے دوری کی ہدایت کی ہے عقل وبینش کو تمام سعادتوں کا منبع قرار دیا ہے۔ اور گمراہی کو بے عقلی اور عدم بصیرت سے نسبت دی ہے۔ اس نے تمام عقائد کے اصول کی تائید میں اس نوع کی دلیلیں دی ہیں۔ جو عام انسانوں کی عقل کے عین مطابق ہیں۔ قرآن اُٹھاکر دیکھئے اکثر مقامات پر جہاں احکام دئے گئے ہیں۔ ان کے فوائد کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور کوئی دین نہیں جس میں یہ فضیلت موجود ہو۔

رنگ اور زبان کے امتیازات باطل کو ترک کر کے، اخوتِ اسلامیہ کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوں، فرزندانِ اسلام کا فرض ہے کہ اپنی اسلامی اور تبلیغی جنگ کو برابر جاری رکھیں۔
(ایک غیر مسلم فاضل)

جنوبی افریقہ کے ایک ممتاز لیڈر جنرل بلیکنی لکھتے ہیں:۔

"دُنیا کے حالات بگڑ چکے ہیں، ایسی قیامت خیز اور تباہ کن فضا میں اگر کوئی تحریک اصلاح عالم کا بوجھ اُٹھا سکتی ہے، تو وہ اسلام ہی کی تحریک اعظم ہے، ضرورت ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ دُنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور اس ہادیِ عالم کو مادیت کی غلیظ ترین تاریکیوں میں ہادیِ راہ بنایا جائے۔ آپ کی تاریخی حیثیت۔ آپ کی عالی نسبی۔ آپ کی فطری تعلیم۔ آپ کا ذکر و فکر۔ آپ کی خلوت و ریاضت اور روحانی مجاہدات۔ خدائے ذوالجلال کی مشیت کے ترجمان تھے۔ انہیں اتفاق کہدینا پرلے درجہ کی نادانی ہے"۔

علامہ خالد شیلڈرک اپنے ایک مضمون "امریکہ اور اسلام" میں فرماتے ہیں:۔

"امریکہ سے عیسائی فرقوں کا اثر باطل ہو رہا ہے۔ پرانے تعصبات مٹ رہے ہیں تمام کا تمام امریکہ ایک نئی روشنی کا منتظر ہے، امریکہ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ عیسائیت اس کی ضرورتوں کیلئے بالکل ناکافی ہے، امریکہ ایک بین الاقوامی مذہب کا متلاشی ہے۔ امریکہ کے تمام روحانی اعتقاد کے آدمی فوراً اس مذہب کے جھنڈے تلے جمع ہو جائینگے، تمام حالات پر غور کرنے کے بعد میرا فیصلہ یہ ہے کہ امریکہ کا آیندہ مذہب اسلام ہو گا"۔

کائنات عالم کے ناموَر ترین مصنف اور فلاسفر برنرڈ شا نے جنہوں نے اپنی علمی اور ادبی خدمات کے صلہ میں نوبل پرائز حاصل کیا ہے، حال ہی میں اخبارات میں یہ پیشینگوئی کی ہے:۔

"اب سے ایک سو سال بعد، یا اس سے بھی پہلے، انگلستان خاص طور پر اور مغربی دُنیا عام طور پر مشرف باسلام ہو جائیگی، اس لئے کہ اسلام، سیرت انسانی کی تکمیل کا داعی ہے، اسلام میں ہر قسم کی ترقی کے جذب کر لینے کی بے پناہ قوت موجود ہے، انسانی عروج و ترقی کی جس قدر بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے پہنچ جائے مگر وہ اسی جگہ اسلام کو اپنے ساتھ موجود پائے گا، اسلام نے شخصی حقوق کی جس قدر محافظت

کی ہے، دُنیا کی کوئی تہذیب، کوئی مذہب اور کوئی قانون اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ دُنیا سچی اور عملی اخوت سے خالی ہے، لیکن اسلام کا دستر خوان اس نعمت سے بھر پور ہے، ایک شخص کہتا ہے "میں انگریز ہوں" دوسرا کہتا ہے "میں فرانسیسی ہوں" تیسرا کہتا ہے "میں جرمن ہوں" لیکن مسلمان خواہ دُنیا کے کسی ملک میں آباد ہو، وہ اپنے کو صرف مسلمان کہتا ہے اور ثابت کر دیتا ہے کہ وہ وطنیت کی حدود سے بالاتر ہے، اسلام، ہر فرد بشر کو قانونی طور پر آزادی اور جائداد کی ملکیت کا حق دیتا ہے۔ سوشلزم کا وہ عظیم الشان تخیل جسے یورپ نے آج سمجھا ہے۔ اسلام کی عملی زندگی میں تیرہ سو برس سے نافذ اور مسلم ہے، سرمایہ داری انسان کے لئے ایک خوفناک لعنت ہے، لیکن اگر اسلامی تعلیم پر عمل کر لیا جائے تو یہ مصیبت پیدا ہی نہ ہوگی۔"

"برطانیہ میں اسلام کا شاندار مستقبل" اس عنوان کے ماتحت خواجہ عبد الغنی صاحب سکریٹری ووکنگ مشن ٹرسٹ فرماتے ہیں:۔

جناب پروفیسر کیپا کیپا گوار لے جو کہ مغربی افریقی سیاح وسوداگر ہیں۔ اور جنہوں نے آج سے دس سال پیشتر اسلام قبول کیا۔ موصوف نے ہمارے ہفتہ وار اجلاس میں تقریر فرمائی جس میں آپ نے مغربی دُنیا میں اسلام کے شاندار مستقبل کے موضوع پر اظہار خیالات کیا۔ اُنہوں نے انگلستان میں اسلام کی ابتدائی نشو ونما کی تمام تاریخ پر روشنی ڈالی اور بتلایا کہ جب اول ہی اسلام اس ملک میں رونما ہوا۔ تو اسے ایک خوشگوار عمل میسر آیا۔ کیونکہ انگلستان کا اصلی مذہب درحقیقت توحید تھا۔ عیسائیت کی ظاہری رسوم تو بعد ازاں کا اضافہ ہے جو مذہب بت پرستی کا چربہ ہیں۔ عیسائیت کی ظاہری چمک دمک اور اسکی نام نہاد تہذیب وتمدن، سیاسی تفوق کنندہ ناتراش دماغوں کو بھلی معلوم ہونے لگی یہ ظاہری عیسوی سراب نا اصلاح شدہ احباب کو بھانے لگا بشومئی قسمت سے جس وقت عیسائیت اس پیام صلیب کو زیادہ سرگرمی اور گرمجوشی سے لوگوں تک پہنچانے میں مصروف عمل تھی۔ اس وقت مسلمانوں نے تبلیغ اسلام کے

فریضہ کی ادائیگی میں اشد شدید تغافل برتا۔ وہ اس تبلیغی تگ ودو میں ٹھنڈے پڑ گئے حالانکہ تبلیغ دین متین ہی ان کا اور انکے آباؤ اجداد کا امتیازی نشان رہا ہے۔ اور تبلیغ دین ہی نے انہیں عزت وثروت بخشی اور آیندہ بھی تبلیغ دین ہی ہے جو انہیں بام رفعت تک پہنچائے گی"۔

الغرض مسلمانوں کی اس تغافل شعاری اور جمود کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام حالت سکون میں جہاں تھا وہیں رہا۔ لیکن اس کے مقابل عیسائیت نے حیرت انگیز ترقی کی۔

معزز پروفیسر موصوف نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے بیان فرمایا کہ یہ امر ایک گونہ موجب مسرت ہے کہ حال ہی میں ردعمل شروع ہو گیا ہے۔ ذہنی تربیت۔ قومی۔ کونی۔ اور اقتصادی مسائل حاضرہ عیسوی تعلیمات کے کھوکھلے پن کو اب اس لئے بے نقاب کر رہے ہیں تاکہ لوگوں کو اسلام کے لئے شرح صدر حاصل ہو۔ اور اسلام ایک دفعہ اپنے جبلی محاسن و اوصاف کی وجہ سے ان لوگوں کو اپیل کرے جو نہ صرف جدی مسلمان تھے۔ بلکہ وہ بھی جن کے خاندان کو ذرہ بھر بھی تعلق اور لگاؤ رہا ہے ان امید افزا حالات کے ماتحت ایک عمدہ و اعلیٰ تنظیم کی ضرورت ہے۔

امیر شکیب ارسلان کے پرائیویٹ سکریٹری محمد یحییٰ نے ایک عربی اخبار کے نمایندے سے دوران ملاقات میں فرمایا:-

جب میرے اُستاد علامہ امیر شکیب ارسلان ۱۹۲۲ء میں روس تشریف لے گئے تو میں بھی انکے ہمراہ تھا۔ اس وقت روس کے مسلمانوں کی جو حالت تھی اور حریت و آزادی کی نعمت سے جس طرح وہ متمتع تھے بخدا اس کی نظیر بعض اسلامی حکومتوں میں بھی ملنی مشکل ہے۔ محاکم شرعیہ کا وہ زبردست نظام تھا جسے دیکھ کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ عدالتوں میں اسلامی قوانین کا نفاذ تھا اور خود حکومت کی طرف سے مجلس مقننہ میں علمائے اسلام کے منتخب کردہ مسلمان جاتے تھے اور اسلامی حقوق کے تحفظ میں ایک مسلمان خاتون کو نامزد کیا تاکہ وہ مسلم خاتون کو نامزد کیا تاکہ وہ مسلم خواتین کی طرف سے نمایندگی کرے امیر شکیب ارسلان نے روس کی سیاحت کے موقعہ پر روس کے ڈکٹیٹر لینن سے بھی ملاقات کی تھی۔ اور آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ اگر روسی حکومت اسلامی نظام کو قبول کر لے تو وہ افراط و تفریط سے بچ سکتا ہے۔ کیونکہ سرمایہ داری اور ملوکیت کے خلاف روس کا رویہ اعتدال سے متجاوز ہے۔ لینن نے آپ کے

مشورہ سے اتفاق کیا۔ مگر یہ عذر پیش کیا کہ ہماری اسکیم یورپ کا ردعمل ہے۔ وہاں انتہائی سرمایہ داری ہے۔ اگر اس کا ردعمل انتہائی مخالفانہ صورت میں ہو تو یورپ کا صحیح جواب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے افراط کے مقابلہ میں تفریط کی اشد ضرورت ہے۔ ایسی حالت میں اعتدال پر قائم رہنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔
اس کے بعد لینن نے تسلیم کیا کہ دُنیا میں جب کبھی اعتدال قائم ہوگا تو اس کی صورت سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اسلام کا نظام نوع انسانی کی بقا کے لئے ایک بہترین ضمانت ہے۔

امریکہ کی سنسنائی یونیورسٹی کے پروفیسر مسٹر ہوورڈ نے اسلامیات پر لیکچر دیتے ہوئے ذیل کے خیالات ظاہر فرمائے ہیں :۔

ہم لوگ خواہ کتنا ہی انکار کریں مگر واقعات کو پیش نظر رکھ کر یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ وہ اُس قوم پر حکومت کر رہا ہے جو ازمنہ مظلمہ میں عیسائیوں کیلئے شمع ہدایت بنی رہی اور جس نے اپنے علوم و فنون سے ہمارے دماغوں کو سیراب و شاداب کیا۔
میرا خیال ہے کہ اگر اسلامی حکومتیں صفحۂ ہستی سے نابود بھی ہو جائیں تو اسلام اور مسلمان فنا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جو چیز ان کو حیات تازہ بخشتی ہے وہ ان کی کتاب قرآن ہے۔ جو اپنے اصل کے اعتبار سے ایسی ہی محفوظ ہے جیسا کہ آسمان اپنی پیدائش کے وقت سے۔ اس کا حال بائبل کی طرح نہیں ہے۔ جو اپنی تمام مذہبی اور تاریخی خصوصیات کھو چکی ہے۔ اور نہ اس کی تعلیم بیرونی تعلیم و عقائد سے ملوث ہوئی ہے۔ عیسائیت اور بُت پرستی میں اب وہ فرق نہیں رہا۔ اور اگر کوئی کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بُت پرستی کے جراثیم نے اصلی عیسائیت کو چٹ کر لیا ہے۔ قرآن ایک زندہ اور حیات بخش کتاب ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک دُنیا کی کوئی چیز بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مسلمان جس طرح قرآن شریف کی عزت کرتے ہیں۔ اتنی انجیل کے لئے ہمارے دلوں میں عزت نہیں ہے۔ مسلمان اپنے دل و دماغ کو اسلام کے حوالہ کر چکے ہیں۔ اور عیسائی رسماً یا بعض سیاسی وجوہ کی بنا پر اس کو مان رہے ہیں۔ ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ قرآن کی تعلیم کا صحیح ظہور ہوا

تو اس سے عیسائی دُنیا کو بھی بہت سے نقصان پہنچیں گے۔

اسلام کے شاندار مستقبل کے متعلق یہ اس قوم کے افراد کے خیالات و آرا ہیں جو اسلامی صولت و شوکت کے حریف اور اسلام کے دشمن کہے جاتے ہیں جن کے فکر و عمل کا ہاتھ آسمان کے تارے توڑ رہا ہے۔

مذکورہ بالا نامور ترین شخصیتوں اور فلاسفروں کے افکار و آراء کا مطالعہ کرنے کے بعد اس میں مطلق شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کہ اسلام میں قیامت تک باقی رہنے کی صلاحیت ہے اور صاف طور پر اسلام کا شاندار مستقبل نظر آجاتا ہے۔

(۹) دوسرے مروّجہ مذاہب پر اسلام کو کیوں فوقیت ہے؟

اس لئے کہ اسلام ہی مذہب کا صحیح مفہوم ذہن نشیں کراتا ہے اور مذہب کے اغراض و مقاصد کو بدرجہ اتم و اکمل پورا کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں صرف چند خصوصیات اسلامی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

کانٹ کہتا ہے:۔

ذہن انسانی کی استعداد کا فکر سب سے بڑا معیار، اُس کا تصور الٰہی ہے۔ جب کبھی اس نے ایک نچلا درجہ چھوڑ کر بلند تر درجہ پر قدم رکھا ہے، تو سب سے پہلے خدا ہی کی طرف نظر اُٹھائی ہے۔"

رضوان الصفا کے مصنفوں نے زیادہ صاف لفظوں میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

انسان کی کسی جماعت اور اس کے کسی عہد کی عقلی استعداد کا اندازہ کرنیکے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کے تصوّر الٰہی پر نظر ڈالی جائے۔ جس درجہ یہ تصوّر شائستہ اور بلند ہو گا، اتنی ہی اس جماعت اور اُس عہد کی عقلی استعداد ترقی یافتہ ثابت ہوگی۔"

ہیگل نے بھی اس طرف توجہ دلائی ہے:۔

تاریخ میں کسی قوم کی عقلی اور تمدنی استعداد معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ معلوم کرو اس نے اپنی پرستش کے لئے کیسا خدا منتخب کیا تھا؟"

ان اقوال کا مفاد یہ ہے کہ کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر فوقیت دینے اور اسکی فضیلت معلوم

کرنے کے لئے پہلا معیار مقصود الٰہی ہے۔

(۱) سو موجودہ ادیان عالم کے عہد تک کے تمام تصوّرات سامنے رکھے جائیں۔ پرانے سے پرانے عہد کے تصوّر پر غور کیا جائے اور یکے بعد دیگرے ان کی نوعیت پر نظر ڈالی جائے تو صاف طور پر نظر آجائے گا۔ کہ جس طرح اشیاء و اجسام کا تدریجی ارتقاء ہوا ہے۔ اسی طرح انسان کے تصور و اعتقاد میں بھی تدریجی ارتقا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ارتقاء کے ہر سلسلہ کی طرح اس سلسلہ کی بھی آخری کڑی اسلام نے دُنیا میں آکر نمایاں کر دی۔

اس وقت کی فکری اور معنوی استعداد ترقی کے مطابق سوائے مذہب اسلام کے کوئی مذہب بھی خدا کا صحیح تصوّر نہیں کراتا۔ حالانکہ یہی چیز مذہب کی جان اور خدائی مذہب کی پہچان ہے۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے دُنیا میں آکر تصور الٰہی کی بنیادی جلوہ نمائی کی۔ قرآن مبین نے خدا کے تصوّر و اعتقاد کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت ہی اعلیٰ و اکمل ہے اور یہی وہ پہلی اور بنیادی عظیم الشّان فوقیت ہے جو مروّجہ مذاہب پر اسلام کو حاصل ہے۔

(۲) اسلام کے علاوہ تمام مذاہب صرف عبادات۔ نذر نیاز۔ قربانی اور ریاضت کے حدود تک ہی محدود ہیں۔ ان کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات کا دائرہ بھی ایک حد تک محدود ہے۔ اور وہ دین کو دُنیا سے الگ بتلاتے ہیں جس کے ماننے کے بعد انسان کسی قسم کی بھی ترقی نہیں کر سکتا مگر اسلام جمیع دین و دُنیاوی امور پر حاوی ہے۔ اخلاقی اور روحانی تعلیمات کا دائرہ اس قدر وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ اسلام نے جہاں عبادات کے طریقے بتلائے وہاں اس کی حکمت اور فلسفہ بھی بتا دیا ہے۔ اور سب کا مقصد ترقی و تمدّن کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔

عبادات اسلامی کی خصوصیات

پہلی کتابوں اور مروّجہ مذاہب میں بھی عبادات ہیں مگر اسلام نے جو خصوصیات اس میں پیدا کی ہیں وہ انوکھی اور نرالی ہیں:۔

(۱) دیگر مذاہب نے عبادت کو ایک حیثیت سے ایک رسمی چیز رکھا ہے۔ مگر اسلام نے عبادات کا یہ فلسفہ ”لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ“ بتلا کر اسے حکمت بنا دیا ہے۔

(۲) تمام عبادات کو بغیر اس کی حقیقت پر عمل کئے بے معنی قرار دیا۔ مثلاً روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے نفس کو بد راستوں۔ فحش و بیحیائی کے کاموں اور حرام باتوں سے روکے رکھنا۔ نہ کہ صرف منہ بند رکھنا۔ غرض اسی طرح ہر عبادت کا ایک جسم اور ایک روح بتلائی ہے۔ اگر کسی عبادت

کی روح پیدا نہ کی تو اس کو بیجان اور رسمی عبادت بتلایا ہے۔

(۳) عبادات میں مساوات کا وہ بینظیر نقشہ پیش کیا ہے جس کو دیکھ کر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے نماز باجماعت۔ جمعہ اور عیدین میں یہ دلنواز منظر ایک عجیب سماں پیدا کرتا ہے جس میں امیر غریب اور عالم و جاہل سب یکساں حیثیت میں نظر آتے ہیں۔ حج کے موقعہ پر تو یہ منظر بہت ہی دلکش ہو جاتا ہے۔ دنیوی فرق و امتیازات سب خاک میں مل جاتے ہیں اور تکبیر و تہلیل۔ خشوع و خضوع۔ عاجزی اور انکسار کی پوری شان جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ مسٹر فلبی جو برطانیہ کی سیاسی زندگی اور تفوق و برتری کے عرب میں علمبردار تھے اور اپنے گھر سے اسلام کی سیاسی زندگی پر غالب آنے کے لئے نکلے تھے۔ اس منظر کے گھائل ہوئے اور مساوات کے اسی دلنواز منظر نے اسلام کی چوکھٹ پر لا گرایا۔

(۴) عبادت میں تشدّد کو ہٹا کر آسانیاں پیدا کیں۔ تاکہ ہر شخص آسانی سے اس پر عمل کر سکے اگر دیگر مذاہب کی عبادات مثلاً ہَوَن وغیرہ پر غور کیا جائے تو یہ فرق نمایاں طور پر نظر آجاتا ہے۔

(۳) مجلسی اور معاشرتی قوانین مروّجہ مذاہب نے بھی بیان کئے ہیں مگر بالکل مختصر اور ایک نامکمل و ادھوری شکل میں۔ اُن میں اس قدر خامیاں اور نقص ہیں کہ اسلام کے مقابلہ میں اور بھی ردّی شکل میں نظر آتے ہیں۔ اسلام نے معاشرت۔ زناشوئی کے تعلقات۔ نکاح اور طلاق۔ رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے تعلقات اور اُن سے سلوک و برتاؤ کے متعلق اس قدر شرح و بسط کے ساتھ قوانین بنا دئے ہیں اور ایسی مکمل صورت میں کہ ہر حالت اور ہر زمانہ میں مفید اور ممکن العمل ہیں۔

(۴) دیوانی اور فوجداری اصول اسلام نے ایسے عمدہ ہمہ گیر اور اعلیٰ قائم کئے ہیں جو ہر پہلو سے مفید اور معتدل ہیں مروّجہ مذاہب میں افراط تفریط کی شکل میں ہیں۔ مثال کے طور پر فوجداری کی سزاؤں پر نظر ڈالو توریت میں ہے آنکھ کے بدلے آنکھ۔ ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان۔ اس میں سختی کا پہلو کس قدر نمایاں ہے۔ اب انجیل میں ہے۔ جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی پھیر دے۔ اس میں نرمی کی ناقابلِ عمل صورت ہے۔ اب ہندو دھرم میں منو کے مقرر کردہ قوانین کو دیکھو تو توراۃ سے بھی زیادہ سخت اور ناقابل عمل ہیں۔ مروّجہ مذاہب کی یہ نرمی اور سختی کسی عالمگیر اور ابدی مذہب کی بنیاد نہیں قرار دی جاسکتی اور نہ ہی ہر حالت۔ ہر زمانہ اور ہر موقعہ پر اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ اسلام نے ان مروجہ

مذاہب کے مقابلہ میں ایسا زریں اصول قائم کیا ہے۔ جو تمام زبانوں کے لئے قوانین فوجداری کی بنیاد ہے اور فطرت انسانی کے مطابق ہے اور وہ یہ ہے۔ فَجَزَآءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفٰی وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝ بدی کا بدلہ بدی ہے جو اسکے مطابق ہو۔ پھر جو معاف کردے اور مطلب اس کا اصلاح ہو تو اس کا اجر اللہ کے حضور ہے۔ بیشک اللہ ظالموں کو محبوب نہیں رکھتا۔

اس میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ اول تو یہ کہ سزا کا معیار ایسا ہونا چاہئے جو جرم کے توازن سے بڑھ نہ جائے۔ چونکہ جرم کے مطابق سزا کا تجویز کرنا مختلف اقوام اور مختلف حالات کے ماتحت جدا جدا ہوتا ہے اس لئے اس چیز کو واضعان قوانین پر چھوڑ دیا کہ جو سزا تم خود مناسب سمجھو تجویز کرلو۔ مگر اتنا خیال رہے کہ جرم سے سزا نہ گھٹے اور نہ بڑھے۔ دوسرے یہ کہ سزا کا مقصد ہمیشہ اصلاح ہونا چاہئے۔ اگر عفو و درگزر کردینے میں کوئی مصلحت ہو تو بہت اچھا ہے۔ اس کا اجر خدا کے یہاں ملے گا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی تصریح کردی کہ اگرچہ عفو کرنا ایک اچھی خصلت اور عنداللہ اجر عظیم کی مستحق ہے۔ مگر ہر حالت میں نہیں۔ اگر عفو سے مستغیث پر ظلم ہوتا ہو تو یہ بُرا اور ظلم ہے اور اللہ ظالموں کو محبوب نہیں رکھتا۔ یہ ہے اسلام کا وہ زریں اور اعلیٰ فوجداری اصول جس پر آج مہذب اور ترقی یافتہ اقوام و ممالک کے قوانین و تعزیرات چل رہے ہیں۔

اس تعلیم میں عفو اور انصاف کا کس خوبی اور عمدگی کے ساتھ توازن قائم کیا ہے کہ عقل حیران ہوجاتی ہے۔ دیگر مذاہب میں عفو ہے تو انصاف نہیں۔ انصاف ہے تو عفو نہیں اور اگر دونوں نہیں تو ان کا موقعہ اور محل نہیں۔ مگر یہاں ان دونوں کا موقعہ اور محل بتا کر فوجداری اصول کو مستحکم اور عالمگیر کردیا ہے۔

(۵) سلطنت میں جمہوریت سلطنت میں جمہوریت کا قائم کرنا تو اسلام کا وہ طغرائے امتیاز ہے جو کسی مذہب کو حاصل نہیں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے سلطنت کو جمہوریت کے اصولوں پر قائم کیا اس کا نمونہ دُنیا کو دکھلا دیا۔ اور صحیح جمہوریت کے مفہوم سے دُنیا کو آشنا کیا۔

(۶) فوجی اصول ایسے زبردست اور مہذب قائم کئے جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ یہ شائستہ اصول دُنیا میں اُس وقت قائم کئے گئے تھے جبکہ ملٹری قوانین کی بُنیاد وحشت و بربریت اور جہالت پر تھی اور جن کو بڑے بڑے ماہرین فن جنگ نے آج اختیار

کیا ہے۔ جنگی قیدیوں اور مفتوحہ ممالک کے ساتھ سلوک۔ مدافعت کے سامان۔ جنگوں کی ضرورت ایفائے عہد کے اصول۔ غیر اقوام سے معاہدے، غرضکہ ہر ایک شق کے لئے ہدایات دیں۔ مروجہ مذاہب میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے ان امور پر روشنی ڈالی ہو۔

(۷) لین دین کے معاملات تمدن۔ تجارت۔ بیع و شرا۔ سود اور غیر قوموں سے تعلقات کے متعلق بھی اسلام نے تفصیل اور عمدگی کے ساتھ تعلیم دی ہے۔ اور خوبی یہ ہے کہ ان تمدنی معاملات میں قومیت اور قوموں ذاتوں کی چھوٹائی بڑائی کو مٹا کر ان کی بنیاد عدل و انصاف اور تقویٰ پر رکھی ہے اور شرافت انسانی کو معیار تمدن بتلایا ہے۔ یہ خوبی ہمیں مروجہ مذاہب میں سے کسی میں بھی نظر نہیں آتی۔

(۸) ایمان اور عمل صالح کو اسلام لازم و ملزوم بتلاتا ہے اور اخلاق فاضلہ کو ہر طرح معراجِ کمال تک پہنچاتا ہے۔ مذاہب عالم اس تکمیل سے بھی محروم ہیں۔ اور ایمان بلا عمل کو نجات کے لئے کافی بتلاتے ہیں۔

(۹) انسان کی خوشحالی اور بدحالی اس کے اپنے ہی ہاتھ ہے مروجہ مذاہب اس صاف اور سادہ نظریہ سے انکار کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ انسان قسمت کے چکر میں پھنسا ہوا ہے عیسائیت کا فتویٰ ہے کہ گناہ انسان کی فطرت میں ہے اس میں شر و بدی کے سوائے کوئی خیر و خوبی نہیں بلکہ وہ غضب الٰہی کے ماتحت ہے اور وہ اپنے اندر کسی قانون پر چلنے کی استعداد نہیں رکھتا۔ بدھ مذہب کا عقیدہ ہے کہ انسان کے حصہ میں تکلیف اور مصیبت ہی آئی ہے اور اس کی نجات اس کی فنا پر موقوف ہے۔ اور ویدک دھرم کی تعلیم مسئلہ تناسخ کی رو سے انسان کو شرمگاہوں میں ہی جکڑا رکھنا چاہتی ہے اور قوائے انسانی کی تباہی کی ضمانت لیتی ہے۔ یہ عقائد اور نظریے نسل انسانی پر حالت جمود طاری کرتے ہیں۔ ترقی کی راہیں مسدود کرتے ہیں۔ انسان کو بجائے اشرف المخلوقات کے ارذل المخلوقات ٹھہراتے ہیں۔ خوشحالی اور بدحالی کو لاٹری بتلاتے ہیں اور نیکی کو ایک امر غیر اکتسابی قرار دیتے ہیں۔ مگر اسلام کہتا ہے لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ یعنی انسانیت کو ترقی و تکمیل کے لئے سعی و جد و جہد لازمۂ حیات ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ہم نے انسان کو اچھے ڈھلنچے پر بنایا ہے یعنی اس کو اعلیٰ قوا دیئے گئے ہیں۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا جس نے نفس سرکش کو قابو کر لیا اس نے فلاح پائی اور

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا جس نے نفس کی پیروی اختیار کی وہ ہلاک ہوا۔ غرض اسلام بتلاتا ہے کہ انسان کی خوشحالی و بدحالی اس کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی کشتی کا ناخدا۔ عمارت زندگی اور جنت دوزخ کا انجنیر اور معمار ہے۔ وہ نیکی و بدی میں خدا کے دئے ہوئے اختیار کے ساتھ آزاد ہے اور وہ پیدا ہی ترقی کے لئے ہوا ہے۔

(۱۰) اسلام ایک عالمگیر اور بین الاقوامی مذہب ہے

عالمگیر مذہب کی بُنیادی اینٹ خدا کا تخیل ہے

سو اسلام نے قومی معبود کو توڑ کر بتلایا کہ وہ رب العٰلمین ہے۔ یعنی نہ صرف تمام انسانوں کا بلکہ تمام عالموں کا خدا ہے۔ اور تمام اقوام عالم کی ربوبیت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس اعتقاد سے یقیناً ساری قومیں ایک ہو سکتی ہیں۔ اس ایمان و اعتقاد کو قرآن کریم نے بار بار دُہرایا ہے اور اس کی تلقین کی ہے اور تمام دُنیا کو اس کی طرف دعوت دی ہے قُلْ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ ط اے لوگو! جن کے پاس آسمانی کتابیں ہیں۔ آؤ سب ایک بات پر جمع ہو جائیں اور وہ یہ ہے کہ ہم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اور دوسری ہستی کی عبادت نہ کریں اور اپنے مذہبی پیشواؤں کے کہنے پر چل کر خدا کے کہنے کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کریں۔ چونکہ ربّ العٰلمین عالمگیر مذہب کی بُنیادی اینٹ تھی اس لئے قرآن کریم نے شروع میں ہی یہ اینٹ رکھ دی۔

مذہب عالم سے معاہدے کی دوسری بنا یہ بنائی۔

تمام مذاہب کا اجتماع اسلام میں ہے

تمام مذاہب کی خوبیاں اور اوصاف و محاسن چُن کر ایک جامع مذہب بنانے کی تجویز بھی تمام قوموں اور انسانوں کو ایک مرکز پر جمع کر سکتی ہے۔ سو قرآن کریم نے یہ سامان پہلے ہی سے کر رکھا ہے فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ط اس قرآن کریم میں ساری کتابیں موجود ہیں یعنی اسلام تمام مذہبی صداقتوں اور اوصاف و محاسن کا محافظ اور جامع ہے۔

اسلام تمام ہادیوں کی تعظیم و توقیر کراتا ہے اور سب قوموں میں نبیوں کا آنا

تسلیم کرتا ہے۔ تاکہ قوموں کے درمیان رسولوں کی بنا پر تفوق و برتری اور کسی ہادی کی تکذیب سے تفاخر و تباغض کے جذبات پیدا نہ ہوں۔ چنانچہ فرمایا۔ خدا نے تو ایک ہی مذہب انسان کیلئے تجویز کیا تھا سب پیمغبروں نے توحید کا سبق دیا تھا۔ لیکن قوموں نے اپنے

اپنے پیغمبروں کو مانا اور دوسری قوموں کے پیغمبروں کو نہ مانا اس سے اختلافات اور جنگ و جدال کا بازار گرم ہو گیا اور خدا کا ایک کنبہ الگ الگ حلقوں میں بٹ گیا مگر مسلمانوں کی زبان سے کہلوایا لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ ۔ ہم خدا کے تمام رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ ان کی توقیر و تعظیم کرتے ہیں اور ان میں کسی قسم کی تمیز و تفرقہ نہیں کرتے۔ پھر فرمایا لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ مسلمانو! اس اصول کو یاد رکھو کہ ہر قوم میں خدا کی طرف سے ہادی آئے ہیں۔ مگر وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْکَ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ کیونکہ ان کی فہرست بہت لمبی ہے اور اس سے کچھ فائدہ بھی متصور نہیں اس لئے ہم نے بعض رسولوں کا تو قرآن میں ذکر کر دیا ہے اور بعضوں کا نہیں یہ فرما کر ہر قوم کے ہادی کی عزت توقیر کو محفوظ کر دیا اور تمام قوموں کے ہادیوں کی عزت و حرمت کا ضامن ہو گیا۔ غرض مسلمانوں کیلئے تمام قوموں کے ہادیوں پر ایمان لانے۔ اور ہر قوم کی آسمانی کتاب پر ایمان لانے کو ضروری قرار دے کر تمام دُنیا کو دعوت دیدی ہے کہ آؤ سب رب العٰلمین۔ توحید اس مذہب۔ اس کتاب اور اس رسول پر جمع ہو جائیں تاکہ یہ دُنیا سے یہ اختلافات۔ بغض و عناد اور جنگ و جدال ختم ہوں۔ دُنیا امن کا سانس لے اور پریم و محبت کے دریا بہ نکلیں۔ تلك عشرة كاملة۔

یہ ہیں اسلام کی نمونۃً دس خصوصیات جو مذہب اسلام کو مروّجہ مذاہب پر فوقیت دیتی ہیں اور لا ۱۶ اناغیری کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجاتی ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلك۔

اس عنوان کے آخر میں ہم حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ کا ایک مضمون درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو اسلام کو مروّجہ مذاہب پر فوقیت دینے میں خوب ہے وھوھٰذا۔

ایک التماس جملہ ادیان کی خدمت میں

اب میں اپنے مضمون کو ختم کرنیوالا ہوں لیکن خاتمہ سے پیشتر دُنیا کے جملہ ادیان و مذاہب سے ایک التماس بھی کرتا ہوں۔ کہ اگر ان کو اب اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے میں شک و ریب ہے تو آؤ اس اختلاف کو ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے طریق سے جو سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ (سب کے لئے مساوی) ہے طے کریں۔

دُنیا کے جملہ متمدنہ ممالک اپنے بڑے بڑے عالموں اور مدبّروں کو جمع کریں۔ ہر ایک برّ اعظم کا اور ہر ایک شاندار مذہب کا نمائندہ اس کانفرنس میں موجود ہو، اور پھر وہ خالی الذہن ہو کر ایک ایسے مذہب کا جو جملہ اقوام عالم کے لئے دین واحد بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، قانون اساسی مرتب کریں اس قانون اساسی میں مشہور مشہور مسائل۔

مسئلہ عرفان صمدانی، مسئلہ صفات ربانی، مسئلہ بقائے روح وارتقائے روح، مسئلہ امتیاز خالق و مخلوق، مسئلہ سزا و جزائے اعمال، مسئلہ نجات اور وسائط نجات، مسئلہ دعا و قبولیت، مسئلہ وحی و نبوت، حقوق عمران، حقوق قوم، حکومت شخصی و جمہوری، رہبانت وتاہل، حقوق ازواج طلاق و وراثت، امارت و شوریٰ۔ وغیرہ وغیرہ مسائل کے عنوان قائم کرکے ہر ایک عنوان کے تحت میں اصول کلیہ کا انتخاب کریں۔ فہرست میں کمی بیشی کا انحصار بھی کانفرنس کی مقبولہ تجاویز پر رکھا جائے۔

میں اعلان کرتا ہوں کہ جس وقت ایسی فاضل کانفرنس کے منظور کردہ اصول و قواعد شائع ہوں گے میں اُن سب کو ہاف کالم میں ایک طرف لکھ کر دوسرے کالم میں بالمقابل ایک ایک آیت قرآن مجید اور ایک ایک حدیث رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلّم لکھ کر شائع کردوں گا اور دوسرے مذاہب کے علماء کو بھی لازم ہوگا کہ وہ بھی ایسا ہی کرکے دکھائیں، اس وقت دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ تمام عالم کے دین واحد کے لئے صرف وہی اصول اصول بن سکتے ہیں، جو اسلام نے پہلے سے قرار دے رکھے ہیں، اوران مسائل کا حل اسی طریق سے ہو سکتا ہے، جس طریق سے اسلام نے فرمایا۔

اُس وقت میرا اور میرے سب دینی بھائیوں کا یہ حق ہوگا کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کے نعرے لگائیں اور اَلْحَقُّ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی کی صدائے جاں بخش قلوب مردہ تک پہنچائیں۔

تجویز مذکور قرآن مجید نے سکھائی ہے

"یا معشر المسلمین"! یہ تجویز جو میں پیش کر رہا ہوں، میرے ہی تخیّل کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ یہ بھی قرآن مجید کی آیت ذیل سے مستنبط ہے۔

جملہ مذاہب عالم بھی اپنی کتابوں میں نظر غائر ڈالیں کہ انہوں نے بھی کوئی ایسی تدبیر بتلائی اور جملہ ادیان و اقوام کو اتحاد و اتفاق سے ایک ہی پلیٹ فارم پر کھڑے ہونے کی کہیں دعوت دی ہے آیت مبارکہ یہ ہے قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ میں تم سے ایک قیمتی بات کہتا ہوں کہ خدا را مل جُل کر یا جُدا جُدا بیٹھ کر غور تو کرو، کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کون ہیں، کس شان کے ہیں، ان کی تعلیم کیا ہے اور ہدایت کیا ہے

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ایک ذمّہ دار آریہ کا اعتراف حق

آریہ سماج کی ناکامی اور شدھی کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے آریہ سماج کے ایک ذمّہ دار لیڈر مہاشہ سنت رام جی بی اے منتری جات پات توڑک منڈل لاہور نے ۱۸ ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کے اخبار "پرتاب" میں کمال صفائی اور اعتراف حق سے کام لیا ہے۔ تبلیغ اسلام کے عملی اور کامیاب نتائج پر بحث کی اور واقعات سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ وہ تمام باتیں جن کے آریہ سماج میں نہ ہونے کی وجہ سے تحریک شدھی کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے، اسلام میں عملاً پائی جاتی ہیں اور اس لئے اسلامی تبلیغ کا مقابلہ شدھی کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے ثبوت میں مہاشہ جی نے دو مثالیں پیش کی ہیں۔ جو یہ ہیں۔

پہلی مثال۔ مولینا محمد علی نے بھائی پرمانند سے ٹھیک کہا تھا کہ آپ کی شدھی اور جھوٹ اودہار اسلامی تبلیغ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ دیکھئے آج ہی ایک بھنگن کو مسلمان کر کے میں اپنی بیگم بنا سکتا ہوں پر کیسی بھی مسلمان بننے والے یوگیہ ہندو کے ساتھ اپنی کنیا کا بیاہ کر سکتا ہوں۔ کیا آپ یا مالوی جی کا یہ حوصلہ ہے؟ اگر نہیں تو پھر آپ شدھی کا شور مچا کر ہمیں کیوں چڑاتے ہیں۔ مولانا کو بھائی جی نے کیا اُتر (جواب) دیا۔ سو ہم نہیں جانتے۔ پر ہماری انتر آتما کہہ رہی ہے کہ سارے ہندو سماج کے پاس اس کا کوئی اُتر نہیں۔

دوسری مثال۔ کچھ برس کی بات ہے کہ جوالا پور ہردوار میں ایک مولوی صاحب اور سور گھ پنڈت مراری لال کا شاستر ارتھ (مناظرہ) ہو رہا تھا۔ مولوی صاحب آریہ سماجی پنڈت کی زبردست دلائل کی تاب نہ لا سکے۔ وہ بہت گھبرا گئے۔ پنڈت جی کی فتح پر ہندو چنتا پھولی نہ سماتی تھی۔ انت کو مولوی صاحب نے بآواز بلند کہا۔ پنڈت جی مہاراج میں کہتا ہوں کہ اسلام سچّا ہے اور آپ کہتے ہیں ویدک دھرم۔ میری اور آپ کی دلیلیں پبلک نے سُن لیں۔ مگر دونوں دھرموں میں سے کون سچّا ہے اس کا فیصلہ ابھی ہو جاتا ہے۔ میں ویدک دھرم کو سچا سمجھ کر ابھی اسلام کو چھوڑتا ہوں اور ہندو بنتا ہوں۔ میرے لڑکے بھی ہیں اور لڑکیاں بھی۔ آپ میری لڑکیاں لیجئے اور اپنی لڑکیاں دیجئے تب میں مانوں گا آپ کا دھرم عالمگیر اور آپ کی دلیل سچّی ہے۔ اگر یہ ہمت نہیں تو آئیے اسلام میں۔ آپ اپنی لڑکیاں بھی نہ دیجئے۔ میں آپ کے لڑکے کو اپنی لڑکی دیتا ہوں۔

مولوی صاحب کے یہ شبد کیا تھے۔ پنڈت جی کے لئے نیلے آسمان سے بجلی کا گرنا تھا۔ پنڈت جی چُپ رہ گئے۔ ان سے کچھ اتر نہ بن پڑا۔ تب مولوی صاحب نے کہا کہ کیا اس بل بوتے پر اسلام کی

زبردست لہر کو روکنا چاہتے ہو۔ اسلام ایک جیتا جاگتا مذہب ہے۔ وہ تمہاری لفاظیوں سے کچلا نہیں جا سکتا"

آج تک ہندو سماج کے پاس مولوی صاحب کے چیلنج کا کوئی اُتر نہیں۔

اسلام کی حقانیت اور فوقیت کا یہ اعتراف حق جو ایک دشمن اسلام کی طرف سے ہوا ہے، اسلام کی حقانیت اور فوقیت میں چار چاند لگا رہا ہے۔ گویا مہاشہ جی نے اسلام کا عالمگیر مذہب ہونا تسلیم کر لیا۔

مشہور اہل قلم جناب الف دین صاحب وکیل ڈسکہ اپنے مضمون "تبلیغ اور تبلیغی مذہب" کے شروع میں لکھتے ہیں:-

(۱) زرتشتی مذہب، زرتشت سے منسوب، دعوت اہرمن اور یزداں کی ثنویت، آتش پرستی۔

(۲) بدھ مذہب، بدھ سے منسوب۔ ہندی کتابوں میں یہ کہ دربارہ خدا خاموش۔ مگر مستشرقین یورپ کہتے ہیں کہ منکر تھا۔ دعوت یہ کہ دنیا میں دکھ ہی دکھ ہے۔ دکھ خواہشات سے پیدا ہوتا ہے۔

(۳) عیسائیت حضرت عیسیٰؑ سے منسوب۔ دعوت ہے تثلیث۔ ابنیت اور کفارہ۔

(۴) اسلام کسی شخصیت سے منسوب نہیں۔ خدا کا دیا ہوا نام اسلام اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اور قوم کا نام بھی خدا نے رکھا "مسلمین" هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ اسلام ابتدائے آفرینش سے موجود ہے۔ دعوت عام ہے کہ آؤ۔ ایک کلمہ پر متحد ہو جائیں جو سب اہل کتاب میں مشترک ہے۔ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ ط دین کی یہ تعریف ہے کہ حکومت خدا کی ہے اور خدا کا یہ حکم ہے کہ صرف اسی ایک خدا کی عبادت کریں۔ یہ دین قیم ہے مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

"عبادت" کا مفہوم از روئے قرآن حکیم وحدیث نبوی السلام علی صاحب الصلوٰۃ "حسن عمل" ہے حسن عمل سے مدنیت حسنہ اور مدنیت حسنہ سے سوسائٹی یا قوم بنتی ہے، فرد کی سوسائٹی میں جو حیثیت ہے وہی اقوام میں حیثیت ہے، فرد کو خود غرض نہ ہونا چاہیئے۔ یا یوں کہو کہ اس کو اپنے مفاد کیلئے دوسرے یا دوسروں کی جیسی صورت ہو، حق تلفی نہ کرنی چاہیئے۔ اسی طرح قوم کو دوسری اقوام کی حق تلفی نہ کرنی چاہیئے افراد و اقوام میں یہ اعتدال "ہمہ وطنیت" پیدا کریگا اور ہمہ وطنیت ہمیں عالمگیر انسانیت کی حریم محترم میں لے جائے گی۔ جہاں ہم " خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ " کا برای العین مشاہدہ کریں گے۔

حب اللہ ہدایت اسلام۔ حب اللہ نہایت اسلام۔ حب اللہ حب آدم ہے۔ حب آدم فروغ عالم ہے

طلب حق چلن ہے مُسلم کا
دلِ مسلم وطن ہے مُسلم کا

یہ ہے ہمہ اسلامیت۔ اور یہ ہے وہ آخری پیغام جس کے پُہنچانے پر ہر ایک مسلم مامور کیا گیا ہے ؎

مدعا ایک تھا بلاغ بلاغ — وقفِ تبلیغ تھا دل اور دماغ
امن ہو امن اور سلام سلام — ہے خدا کا یہ آخری پیغام
ساری راہوں میں ہے یہ سیدھی راہ
کلمۂ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

چونکہ زرتشتی بدھ اور مسیحی مذہب کی دعوتیں اپنے اندر کوئی ایسی موثر کشش نہ رکھتی تھیں جو عقل و فہم کو اپیل کر سکے، اس لئے مجوسیت دارا گشتاسپ کی شمشیر کی اور بُدھ مذہب، اشوک کے شاہی اقتدار کا اور عیسائیت قسطنطین اعظم کے جبر و اکراہ کی، اپنی اپنی اشاعت کے لئے ممنون ہے۔

دعوتِ حق

اسلام، دعوتِ حق کا آخری پیغام، اور ارتقاء انسانیت کا معراج کمال ہے، اگر حیوانی طبقہ میں بربنائے قوت" قوی تریں باقی رہے گا۔ تو انسانی دُنیا میں "استحقاق"، بہترین غالب آئے گا۔ استحقاق اُس فن کا نام ہے، جو فرائض کی پابندی سے پیدا ہوتا ہے۔ فرائض زندگی (دینی یا دنیوی) اور ان کے مقابلہ میں حقوق کا جو التزام بوجہ اتم اور اکمل، نظام اسلام میں کیا گیا ہے۔ یہ بجائے خود تکمیل و تنظیم زندگی کی ایک مفید النظیر مثال ہے ؎

ہو چکا روحانیت میں بھی طبعی انتخاب — مذہب اسلام ہو گا مذہب آیندگان
آرہی ہے ساری دُنیا مرکز "توحید" پر — آفتاب دین قیم ہو رہا ہے ضوفشاں

غیر مسلم شاید اس حقیقت کو مسلمانوں کی عقیدت کا نتیجہ سمجھیں، مگر میں نظام اسلام کو جس کا اجمالی ذکر اوپر کیا گیا ہے پیش کر کے بربنائے بصیرت محققین عالم سے پوچھتا ہوں کہ وہ دُنیا کے نظامات مذہبی اور اخلاقی کا باہم موازنہ اور مقابلہ کر کے اور انہیں حقائق زندگی پر منطبق کرتے ہوئے خالی الذہن ہو کر از روئے انصاف جواب دیں کہ اگر حیوانات میں "اصل الانواع" کا نظریہ بقائے صلح کے قانون کے ماتحت قوی ترین کو باقی رکھتا ہے۔ تو کیا انسانی دُنیا میں "اصل الاخلاق" کے قانون کے ماتحت عظیم ترین خلق جس نے تتمیم اخلاق اور تکمیل دین کا عظیم الشان کام انجام دیا غالب نہ آئے گا۔ غالب آئے گا

اور ضرور غالب آئے گا عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔ فطرت اللہ کا احاطہ وسیع ترین ہے اور اس کی جاذب اور مضبوط گرفت سے نکل جانے کا کسی صاحب علم و فہم کو یارا نہیں ؏

دین اسلام فطرت اللہ ہے — کیوں نہ کہدوں کہ سیرت اللہ ہے
فطرت اللہ محیط عالم ہے — دین اسلام دین اعظم ہے
دین مسلم ہے اس قدر واسع — فطرت اللہ ہے جس قدر واسع
فطرت اللہ میں نہیں تبدیل — سنّت اللہ میں نہیں تحویل

قوت بے ہمال ہے اسلام
طاقتِ لازوال ہے اسلام

(۱۰) اسلام کی صداقت پر بڑے اعتراضات اور اُن کے جواب

قبل اسلام آدمؑ کی اولاد جس وحشت و بربریت اور ظلمت و جہالت کے منازل طے کر رہی تھی اور ابوالبشر کی سرکش اور نافرمان ذریت تہذیب و تمدن اور اخلاق و روحانیت کا جس طرح ستیا ناس کر رہی تھی وہ کسی مزید تشریح و تفصیل کا محتاج نہیں۔ ہر مسلم و غیر مسلم کو اعتراف ہے کہ وہ زمانہ کامل ظلمت و گمراہی کا تھا۔ اس وقت تمام دنیا کو ایک ایسے مکمّل قانون۔ خدائی دستور العمل اور مستحکم نظام کی ضرورت تھی جس کے ماتحت انسان اپنی انفرادی و اجتماعی بطریق احسن بسر کر سکے اور اخلاق و روحانیت اور دنیوی عروج و ارتقا کے انتہائی مقام پر فائز ہو سکے۔

اس ضرورت کے مطابق دُنیا کو ایک بہترین نظام سمجھانے کے لئے اسلام کے داعی۔ دُنیا کے رہبر اعظم اور ہمارے سیّد و مولا محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ط کی منادی فرماتے ہوئے دُنیا میں قدم رکھا اور دُنیا کے سامنے وہ مکمّل خدائی دستور العمل پیش کیا جس کی دُنیا کو ضرورت تھی جو قیامت تک کے لئے انسانیت کی تکمیل کیلئے ضروری قوانین اور بہترین احکام پر حاوی ہے اور جسے قرآن مقدس کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اسکے ذریعہ سے حضور سرورِ کائناتؐ نے وہ جبروتی اور قدوسی احکام نافذ کئے اور دنیا کو وہ بہترین و دلپذیر اسباق دئے جس کے سامنے دُنیا کے بڑے عقلا اور فلاسفر سرنگوں ہو گئے۔

اسلام دُنیا میں سراپا علم و نور۔ برہان و فرقان۔ حکمت و موعظت اور یقین و حقیقت بن کر آیا۔ اور آتے ہی دُنیا والوں کو مژدہ سُنایا "اِنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ" ۔ ہدایت کا یہی سیدھا راستہ ہے ۔ پس اس کی پیروی کرو۔ اس نور و ہدایت کی راہ کو چھوڑ کر شک و اضطراب اور گمراہی کے راستوں پر نہ چلو ورنہ تم صراطِ مستقیم سے بھٹک جاؤ گے اور تفرق و تشتّت کی بھٹی میں جا گرو گے۔ اگر حقیقت کی طلب و جستجو ہے تو میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں طمانیت و اقرار قلب بخشوں گا شک و ریب سے نجات دونگا کیونکہ میں حقیقت و طمانیت کی ایک ہی راہ ہوں۔ باقی تمام دُنیا اوہام و ظنون اور شک و ریب کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھارہی ہے اور منکرین جاحدین کو للکارا اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اگر تمہیں اس بات میں شک ہے کہ میں خدا کی طرف سے نہیں اور ہدایت و حقیقت کی راہ نہیں تو جاؤ میرے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت بنالاؤ۔ منکرین سے بار بار مطالبہ کیا ھَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا۔ اگر تمہارے پاس اپنے اپنے مذہبوں کے سچ ہونے کی نسبت کوئی علم و یقین ہے تو میرے مقابلہ میں لے آؤ۔ غرض اسلام دُنیا میں علم و بصیرت بن کر آیا اور مخالفین کو للکارتا ہوا۔

اس جبرو تی آواز اور للٰہی پکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری دُنیا دم بخود ہوگئی۔ لیکن عرب کے بدّوؤں کے کان میں جب یہ آواز پہنچی جو نہ منطق سے واقف تھے اور نہ فلسفہ سے تو انھوں نے اس کا استقبال لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جیسے شیریں کلمات سے کیا۔ مگر جو شقی ازلی تھے وہ مخالفت پر آمادہ ہوگئے اور دینِ متین کے مُنہ آنے لگے۔ اس کی مخالفت اور استیصال میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا مگر اسلام کے مذکورہ بالا چیلنج اور مطالبہ کو وہ بھی پورا نہ کرسکے جن زبان میں قرآن کریم آیا تھا اور جو عربی زبان پر قدرت تامہ رکھتے تھے۔

ظہور اسلام کے بعد دُنیا یہ تماشہ دیکھ رہی ہے کہ طلب و جستجو کی نیت سے جو شخص بھی اسلام کے سامنے آیا اسلام نے اُسی کو اپنا بنالیا اور دُنیا کے بڑے بڑے عقلاو فلاسفر اسلامی علم و بصیرت کے سامنے سرنگوں ہوتے چلے گئے لیکن اس دور کے مدعیان فہم و فراست جنہوں نے ظلمت کو نور اور باطل کو حق سمجھا ہوا ہے بجائے اسکے کہ اسلام کی پُکار کو سُنتے اور علم و بصیرت کے مطابق اس کی جانچ پڑتال کرتے محض تعصب کی بنا پر طرح طرح کی نکتہ چینیوں پر آمادہ نہ ہوتے اور آئے دن اسلامی تعلیمات پر غیر مسلمین کی طرف سے اعتراضات کی بھرمار ہوتی رہتی ہے۔ مگر اسلام کا یہ زندہ معجزہ اور ایک عجیب شان خداوندی

ہے کہ جس قدر کثرت کے ساتھ اسلام کی صداقت پر اعتراضات ہو رہے ہیں اسی قدر قلوب واذہان میں وہ راسخ ہو رہا ہے اور حقیقت اسلام کا آفتاب اپنی ضیا ریزی کر رہا ہے۔

معترضین کی طرف سے جو اعتراض بھی پیش ہوتا ہے وہ بجائے سچائی پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کو بدظن کرنے کے ایک نئی بے حجابی اور یقین واعتقاد لے آتا ہے۔ یہ محض خوش فہمی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اسلامی حکومتوں کے دور دورہ میں اسلام کی ترقی کی رفتار وہ نہ تھی جو اب ہے۔ دور کیوں جاتے ہو۔ موجودہ اسلامی حکومتوں پر غور کر لو۔ وہاں ترقی اسلام کی وہ رفتار نہیں جو ہندوستان اور یورپ میں ہے۔

اس کمبخت ہندوستان میں اگرچہ ہم محکوم اور بے سروسامان ہیں۔ اپنی تنظیم وتبلیغ کا شاہی سامان نہیں رکھتے مگر ہماری بے سروسامان اور غریب تبلیغ عیسائی مشنریوں پر غالب آرہی ہے۔ اسلام سرعت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور دُنیا اسلام کی عالمگیر برکات سے فیضیاب ہو رہی ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ آخر یہ بات کیا ہے کہ اسلام دُنیا کو تڑپ کئے جا رہا ہے یورپ میں مقبول ہو رہا ہے اور دُنیا بتدریج اسکی آغوش میں آرہی ہے۔ عقل کے اندھو! کیا یہ باطل کی قوت ہے اور کیا یہ جھوٹے مذہب کا اثر ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ لو سُنو ہم سے! اس کا راز یہ ہے کہ آج کثرت کے ساتھ اسلام کی صداقت پر اعتراضات ہو رہے ہیں اور باطل کی سرکش قوت حد سے زیادہ بڑھ رہی ہے اس لئے اسلام بھی سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے جس طرح سونا چوٹیں کھا کھا کر نکھرتا ہے اسی طرح اسلام بھی اعتراضات کی چوٹیں کھا کر نکھر رہا ہے۔ نورِ خدا کو بجھانے کی ہر پھونک نورِ حق کو تیز کر رہی ہے اور نکتہ چینیاں آتش برہم کو روشن کرنے میں ہوا کا کام دے رہی ہیں ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

دین حقہ میں ایک قدرتی لچک ہے۔ جیسے ربڑ کی گیند کو جتنے زور اور طاقت کے ساتھ نیچے کی طرف پھینکا جائے اُتنا ہی وہ اوپر کو جاتی ہے۔ یہی حال اسلام کا ہے اسکے مخالفین اور معترضین جتنے زور وطاقت کے ساتھ خدائی آواز کو دبانا چاہتے ہیں وہ عالم بالا تک پہنچتی ہے اور ایک نہ ایک دن تمام دُنیا اس مقناطیسی آواز پر آمنا وصدقنا کہہ کر رہیگی۔

اسلام پر آجتک جتنے بھی اعتراضات کئے جا چکے ہیں ان کو چار قسموں پر منقسم کیا جا سکتا ہے جن کی نوعیت اور پوزیشن پر ہم نمبروار روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

(۱) وہ اعتراضات جن کا تعلق خدائی ذات وصفات اور اسلامی عقائد سے ہے۔

(۲) جن کا تعلق حضور سرور کائنات کی سیرت سے ہے۔

(۳) جو تاریخی اور تمدنی حیثیت سے متبعین اسلام کے اقوال و افعال پر کئے جاتے ہیں۔

(۴) جو موجودہ علوم وفنون اور علمی وصنعتی انکشافات کی بناپر کئے جاتے ہیں۔

ان چار قسموں میں سے اکثر اعتراضات محض ناواقفی کا نتیجہ ہوتے ہیں اسلام کی صحیح اور سچی تعلیم پر کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا - گالیوں - بدزبانیوں ۔نکتہ چینیوں ۔طعنوں اور تمسخر واستہزا کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوتا ۔کچھ بے سروپا الزامات واتہامات ہوتے ہیں جو خواہ مخواہ اسلام کے سر تھوپ دئے جاتے ہیں - اور کچھ چبھتی ہوئی چوٹیں اور نیش زنیاں ہوتی ہیں جو محض مذہبی تعصب کی بناء پر کی جاتی ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ اسلام کی سنگین عمارتوں پر اندھا دھند پتھراؤ کرنے میں اس بات کا بھی مطلق لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ کہیں اس پتھراؤ کا نشانہ خود ہمارا شیش محل تو نہیں ہو رہا۔

کسی مذہب پر اعتراض کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اسکی اصل تعلیمات سے واقفیت بہم پہنچائی جائے ،پھر تحقیق حق کی نیت سے اگر اس پر کوئی اعتراض ہوتا ہو تو شوق سے کیا جائے۔ مگر معترضین اسلام میں یہی دو باتیں نہیں پائی جاتیں تاکہ ہم ان کو اعتراضات میں حق بجانب سمجھیں اور یہ تصور کرلیں کہ ایک طالب حق کو تحقیق منظور ہے ۔انکے اعتراضات کا سرمایہ مصنفین اسلام کی اُردو تصانیف ہوتی ہیں اور بس ہمارا دعوٰی ہے کہ اصل اسلامی تعلیمات سے واقفیت بہم پہنچائی جائے تو کسی قسم کا اعتراض ہو ہی نہیں سکتا یہ دوسری بات ہے کہ روز روشن میں آفتاب کو کالا تو اسمجھ لیا جائے۔

مگر چونکہ اسلام کو اپنے مخالفین ومعترضین سے کسی قسم کا خوف نہیں بلکہ وہ تو ان کو مقابلہ کا چیلنج کرتا ہے اور کسی قسم کی شرط پیش نہیں کرتا ۔اس لئے ہم اُن سے یہ کیوں امید رکھیں کہ وہ پہلے اسلام سے واقفیت بہم پہنچالیں اور پھر اعتراض کریں ۔اگر وہ ایسا کریں تو پھر ان کو موقع ہی اعتراض کا کہاں ملے گا اور دُنیا سے ان اختلافات کا جھگڑا ہی نہ ختم ہوجائے ۔پس "صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے۔"

قسم اوّل کے اعتراضات میں اسلام پر یہ بہت بڑا ظلم کیا جاتا ہے کہ تشبیہات واستعارات اور مجازات کو حقیقت سمجھ لیا جاتا ہے ۔اور ہر قسم کی غلط سلط روایات اور قصہ کہانیوں کو اصل اسلامی تعلیم تصور کرلیا جاتا ہے اور اس بات کا مطلق لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ خدا کی ذات وصفات ودیگر عقائد کے متعلق قرآن نے جو کچھ بیان کیا ہے یا پیغمبر اسلام سے جو کچھ متواتر ثابت ہے ،اسی پر اسلام کی تعلیم وتلقین کا اطلاق ہوسکتا ہے نہ کہ ظنیات وبے سروپا روایات پر ۔ہاں اگر اس بارے میں قرآن اور متواترات پر کوئی

اعتراض ہوسکتا ہے تو شوق سے کیا جائے۔

قسم دوئم کے اعتراضات میں یہ غلطی کی جاتی ہے کہ معترضین اسلام تاریخی واقعات کی حقیقت اور اصول، روایت و درایت سے ناواقف ہوتے ہیں اور بانیٔ اسلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیتے ہیں جن کا احادیث اور تواریخ میں نام و نشان تک نہیں ہوتا اور پھر مزعومہ و فرضی واقعات پر اعتراضات کی عمارتیں کھڑی کر لیتے ہیں۔

قسم سوئم کے اعتراضات میں ایک بہت بڑی اصولی غلطی کا ارتکاب یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام کی "تعلیم" اور پیروان مذاہب کے "عمل" کو ایک سمجھ لیا جاتا ہے اور ان کے فہم و عمل کو نشانہ اعتراضات بنا کر سمجھ لیا جاتا ہے کہ ہم نے اسلام کی تعلیمی حقیقت کو نشانہ بنا دیا۔

معترضین اسلام کو معلوم ہونا چاہئے کہ مذہب اور پیروانِ مذہب اور مذہب کی تعلیمی حقیقت اور اُسکے ماننے والوں کا فہم و عمل ایک چیز نہیں۔ مذہب کی تعلیمی حقیقت صرف اسکے حقیقی سرچشمہ ہی میں ڈھونڈھی جاسکتی ہے مسلمانوں کی زندگی میں وہ اسلام کا "عمل" تلاش کر سکتے ہیں مگر اسکو اسلام کی "تعلیم" نہیں قرار دے سکتے۔ اسلام کو خود اسلام سے معلوم کرنا چاہئے نہ کہ مسلمانوں کے "عمل" سے کیونکہ مذہب اسلام کی اصلی اور حقیقی تصویر وہی ہے جو داعی مذہب کے علم و عمل اور اسکی تعلیم و تلقین کا صحیح اور ہو بہو عکس ہو۔

قسم چہارم کے اعتراضات میں بڑا مغالطہ اور دھوکہ ہو رہا ہے کہ معترض قرآن و حدیث کو سائنس و فلسفہ کی کتاب سمجھنا چاہتے ہیں۔ قرآن کا مقصود اصلی یہ نہیں کہ وہ اپنے متبعین کو سائنسداں و موجد بنائے ہوائی جہاز اور ریلیں بنانا سکھائے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ چونکہ اسلام کے یہاں دین و دُنیا دونوں ایک ہیں اور وہ دینی و دنیوی ترقیوں کا ضامن و کفیل ہے اس لئے تبعًا و ضمنًا اپنے معنوی و لغوی اعجاز ہونے کی وجہ سے سائنس و ایجادات کے وہ نکتے اور راہیں سمجھا رہا ہے جن پر آج ترقی یافتہ دُنیا چل رہی ہے لہٰذا فلسفہ کے مسائل کو اسلام کے مسائل سے مطابق ہونے کی امید رکھنا ایک خیال خام ہے۔ البتہ سائنس کے وہ مسائل جو یقینی اور متفقہ ہیں وہ بیشک عین اسلام کے مطابق ہیں۔ اب ہم یہاں صرف ان چند اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں جن کا ذکر کتاب کے موضوعات سے خارج ہے اور جن کا جواب آئندہ کتاب میں اپنے اپنے موقعہ پر آئے گا۔

اعتراض اول زمانہ کے مذاق کے مطابق اسلام پر ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام کی تعلیم وحشیانہ ہے۔ اُس کا پیش کردہ نظام کلچر۔ اس کے قوانین مکارم اخلاق اور مدنیت و تہذیب

سے بالکل خالی ہے اور اس کی تعلیم میں انسان کی اجتماعی زندگی کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔
اس میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اسلام کی تعلیم کا وحشیانہ ہونا۔ اس کے نظام کا لچر ہونا۔ مکارم اخلاق اور مدنیت و تہذیب سے خالی ہونا اور اجتماعی زندگی کا لحاظ نہ رکھا۔ اگر ان چاروں امور پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے تو ایک علیحدہ کتاب تیار ہو جائیگی لہذا کچھ مختصراً دکھایا جاتا ہے۔
قوانین اسلام کے سارے ذخیرے حدیث وغیرہ سے قطع نظر کر کے ہم صرف قرآن کریم سے ان پر روشنی ڈالیں گے۔
اسلام کی تعلیم کی نسبت وحشیانہ ہونے کا خیال کرنا ایسا ہے جیسا آفتاب کو ظلمتوں اور تاریکیوں کا منبع سمجھ لینا۔ کیونکہ اسلام کی تعلیم ایسی مہذبانہ اور انسانیت نواز ہے جس کے اثر نے نہ صرف متبعین اسلام سے بلکہ دشمنان اور غیر قوموں سے وحشت و بربریت کا خاتمہ کر دیا اور اپنے تو اپنے غیروں کو مہذب انسان بننے پر مجبور کر دیا۔[۱]

۱؎ چنانچہ مشہور پروفیسر ڈریپر اپنی کتاب

(یعنی یورپ کی دماغی ترقی کی تاریخ)

میں اپنی کور باطنی اور حق ناشناسی کا ثبوت دیتے ہوئے یوں گہر افشانی کرتا ہے۔
مسلمانوں کے اُستاد اور رہنما نسطوری اور یہودی تھے جب عربوں سے مصر لیا تو ان کا طرز عمل متعصب حبشیوں کا سا تھا اور اس کی بنا پر بعض لوگوں کا یہ الزام ان پر عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے سکندریہ کے حمام گرم کرنے کے لیئے وہاں کے قدیم کتب خانہ کو جلا دیا۔ لیکن اپنے نئے مفتوحہ ملکوں میں رہائش پذیر ہوتے ہی ان میں ایک عجیب و غریب تغیر نمایاں ہو گیا۔ اور یک بیک وہ علم کے پُرجوش حامی اور سرگرم طالب بن گئے۔
اس حق ناشناس پروفیسر کے جواب میں ہم ایک عیسائی حق پرست کے اعتراف کا مفہوم پیش کرتے ہیں۔
یورپین سائنس پر عربوں کا یہی احسان نہیں کہ انہوں نے بڑی بڑی انقلاب انگیز ایجادات کیں۔ یا بڑے بڑے حیرت انگیز نظرئے قائم کئے بلکہ ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے اس کا وجود پیدا کیا۔ دُنیائے قدیم حقیقی معنوں میں سائنس سے ناواقف تھی۔ یونان کی ہیئت اور ریاضی نے کبھی ٹھوس صورت اختیار نہیں کی اس میں شک نہیں کہ یونانیوں نے علمی معلومات کے بڑے بڑے اہم نظریہ قائم کئے لیکن تحقیقات کے صبر آزما طریقے، سائنس کے دقیق ذرائع مسلسل و متواتر مشاہدے اور تجربے ان تمام چیزوں سے یونانی دماغ ناواقف تھا۔ ہاں سکندریہ میں بلاشبہ علمی تحقیق کا پتہ ملتا ہے لیکن سکندریہ کی علمی سرگرمیاں ایک صدی کے اندر اندر مبدل بہ توہم ہو گئیں۔
واقعہ یہ ہے کہ جس چیز کو سائنس کہا جاتا ہے وہ یورپ کے اندر اس وقت پیدا ہوئی جب کہ تحقیق کا

اس بات کی تردید میں مثال کے طور پر ہم صرف اسلامی تعلیم میں سے دو باتیں پیش کرتے ہیں اسکی بے تعصبی اور آزاد خیالی پیش کرتے ہیں جس نے مذہبی دُنیا میں انقلاب پیدا کر دیا اور تہذیب انسانی کے دریا بہا دئے۔ دیکھئے اسلام اپنے متبعین کو کیسی بہترین ہدایت کرتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم کو چاہئے کہ تم میں سے کوئی مرد و عورت دوسرے انسانوں کی ہنسی نہ اڑائیں کیا معلوم کہ وہ تم سے اچھے ہی ہوں۔ اپنے آدمیوں کو کوئی عیب نہ لگاؤ۔ نہ کسی کو بُرے لقب سے ملقب کرو۔ کسی کا نام بُرا رکھ دینا ایمان کے بعد فسق کرنا۔ اور جو لوگ ان احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔

دیکھئے اس اعلیٰ اور شاندار تعلیم میں تعصب اور فتنہ و فساد کو دُنیا سے اُکھاڑ پھینکا وہ اس طرح کہ خود پسندی تمسخر و استہزا اور ایک دوسرے پر طعن وطنز ہی وحشت و بربریت کے علامات اور فتنہ و فساد کی جڑیں ہیں اور قرآن نے ان ہی کی بیخکنی کی ہے۔

کیا دُنیا بھر کا کوئی اور مذہب ایسی مہذبانہ اور منصفانہ تعلیم کا دعویٰ کر سکتا ہے اور کیا کسی قوم کی تاریخ یہ شہادت دے سکتی ہے کہ اس میں اب سے تیرہ سو برس پہلے اسلام جیسی آزاد خیالی۔ بے تعصبی اور تہذیب کا نشان تک بھی تھا۔ ابھی تو ازمنہ وسطیٰ کی آگ کو ٹھنڈا ہوئے اور محکمہ احتساب کو ٹوٹے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہے جس میں لاکھوں بے گناہ تعصب کی آگ میں زندہ جلائے گئے۔ ہزاروں خاندان مذہبی تلوار کی بھینٹ چڑھ گئے۔ تاریخ کا ہر ایک صفحہ خون ناحق کے چھینٹوں سے رنگین ہو رہا ہے۔ اسی طرح ابھی یہ تعلیم:-

اے جاہ و جلال والے راج پرش! آپ دھرم کے مخالف دشمنوں کو آگ میں جلا ڈالیں وہ جو ہمارے دشمنوں کو حوصلہ دیتا ہے۔ آپ اس کو اُلٹا لٹکا کر خشک لکڑی کی طرح جلا ڈالیں (یجروید ۱۳/۱۲)

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۶) ایک نیا شوق بروئے کار آگیا۔ تفتیش و تدقیق کے نئے ذرائع پیدا ہو گئے ریاضی نے ایسی ترقی کر لی جس سے یونانی قطعاً نا آشنا تھے۔ یہ نئی روح اور نئے طریقے یورپ میں مسلمانوں نے پیدا کئے تھے۔

بھی موجود ہے۔ حیرانی ہے کہ ایسی وحشیانہ تعلیم اور وحشیانہ افعال کے مرتکب اسلام کی مہذبانہ اور منصفانہ تعلیم کے مُنہ آتے ہیں۔

اسلام اور تکمیل اخلاق

اس بارے میں تو اسلام کی تعلیم روز روشن کی طرح عیاں ہے اور انسان کو مکارم اخلاق کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ حضور علیہ التحیۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ یعنی مجھے خدا نے تکمیل اخلاق کے لئے مبعوث کیا ہے۔ یعنی آپ کی بعثت کا بڑا مقصد تہذیب اخلاق تھا۔ اخلاق انسانی کا جوہر یہ ہے کہ انسان کا نفس بُرائیوں سے پاک ہو۔ اس بارے میں اسلام نے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا جس نے اپنے نفس کو بُرائیوں سے پاک کرلیا اس نے فلاح پائی اور جس نے نفس کی پیروی اختیار کی وہ ہلاک ہوا۔

اب نفس کو بُرائیوں سے محفوظ رکھنے کے ایسے ایسے ذرائع اور وسائل بتلائے ہیں کہ بایدوشاید فرضیت صوم کی حکمت ہی یہ بتلائی "لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" تاکہ تم پرہیزگار بنجاؤ۔ تہذیب و مدنیت کا منبع و مخزن نفس انسانی ہے جب اسلام اسی چیز پر اپنا سارا زور تعلیم وتلقین خرچ کرتا ہے تو کون عقل کا اندھا کہہ سکتا ہے کہ اسلامی تعلیم مکارم اخلاق اور مدنیت وتہذیب سے مہذب اور متمدن انسان وہی ہے جو اچھے طرز کلام اور بہترین طرز معاشرت اور نشست وبرخاست عمدہ اصولوں کا مالک ہو۔ اور یہ تمام چیزیں اسلام اپنے اندر بدرجہ اتم رکھتا ہے۔ اجتماعی زندگی کے لئے ایک بہترین ہدایت ملاحظہ ہو۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝

لوگوں سے متکبرانہ انداز میں ترشروئی سے گفتگو نہ کیا کرو اور خدا کی زمین پر اکڑ کر مت چلو کیونکہ خدا تعالیٰ متکبرین کو دوست نہیں رکھتا۔

اس جامع ومانع نصیحت میں ان تمام چیزوں سے منع فرمایا ہے جو انسان کی زندگی میں خلل انداز ہوئی ہیں اور اُن چیزوں کا حکم دیا ہے جو تعلقات انسانی کو خوشگوار بنا کر انکی مدنیت اور تہذیب کی ترقی میں ممد و معاون ہوتی ہیں علاوہ ازیں اسلام نے تو اجتماعی زندگی کا اس قدر اہتمام اور انتظام کیا ہے کہ اسلام نے اس کو "عقائد" میں "توحید" "عبادات" میں "نماز باجماعت" جمعہ۔ عیدین اور حج وزکوٰۃ "سیاسیات" میں حاکم و محکوم کے درمیان رشتہ اتحاد سے بیان کیا ہے۔

معاشرت میں کھانے پینے کے آداب اور معاملات میں توازن کے قیام سے انسان کے تمدن کو مستحکم بنایا ہے۔ غرض "روح اجتماعی" اسلام کی رگ رگ اور اسکے تمام اجزاء میں جاری وساری ہے

اسلام کی تو فطرت ہی میں "نظام اجتماع" مرکوز ہے۔ وہ اپنے متبعین سے کہتا ہے کہ تمہاری بقا نظام اجتماع میں ہے۔

پس اسلام کی تعلیم وحشیانہ اور لچر نہیں بلکہ فہم و فراست اور دانش و بینش اور تہذیب و تمدن سے پُر ہے۔ حکمت و دانائی سے لبریز ہے اور ہر طرح مضبوط و مستحکم ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر مذہب اسلام حق ہوتا اور اسکی تعلیم صاف و صریح ہوتی تو متبعین اسلام میں بانیٔ اسلام کی وفات کے بعد ہی اختلافات کا طوفان بپا نہ ہو جاتا اور مسلمان فرقہ بند نہ ہو جاتے کیونکہ سچائی اور حقیقت میں اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ پس مسلمانوں کا اختلاف اور فرقہ بند ہونا ثابت کر رہا ہے کہ اسلام اپنے اندر سچائی اور حقیقت نہیں رکھتا۔

جواب۔ اس میں پہلی غلطی تو یہی ہے کہ تعلیمی حقیقت اور پیروان مذہب کے فہم و عمل کو ایک سمجھ لیا گیا ہے اس لحاظ سے یہ اعتراض سرے سے پایہ ثقاہت سے گرا ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ امت محمدی کا اختلاف تو الٹا مذہب اسلام کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ یہ معترضین اسلام کی اُلٹی سمجھ اور اوندھی منطق ہے کہ مقدمات سے غلط نتائج نکال رہے ہیں اور مسلمانوں کا اختلاف ثابت کر رہا ہے کہ انہوں نے اپنے مذہب کی پیروی دیگر پیروان مذہب کی طرح محض آبائی تقلید۔ سُنی سُنائی باتوں اور اوہام و ظنون کی بناء پر نہیں کی بلکہ تحقیق و تدقیق کے بعد مذہب حقہ کو اختیار ہے اور وہ اپنے دماغی تجسس اور دقیقہ رسی میں تمام دُنیا کی قوموں سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ سب نتیجہ ہے اس بات کا کہ اسلام اپنے نام لیواؤں کے قوائے فکری کی تربیت کرتا ہے۔ مذہب اسلام جس چیز پر یقین دلانا چاہتا ہے ساتھ ہی دلیل بھی بیان کرتا ہے اور ایک جگہ بھی یہ نہیں کہتا کہ کسی بات کو بلا دلیل تسلیم کر لو۔ اسلام کے سوا دُنیا میں اور کسی مذہب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عقل سے ثابت ہے اور عقلیات میں اختلاف کا ہونا لابدی اور ایک فطری امر ہے۔

اسلام جن عقائد کو منواتا ہے ان کی نسبت یہ نہیں کہتا کہ ان کو تقلیداً مان لو بلکہ ہر جگہ اور ہر موقعہ پر اجتہاد اور غور و فکر کے ذریعہ سے منوانا چاہتا ہے۔

پھر مسلمانوں میں جس قدر بھی اختلاف ہوا یا اب ہے وہ سب فروعات میں ہے نہ کہ اصول میں۔ دُنیا میں ایک بھی مسلمان ایسا نہیں جس کو توحید و رسالت۔ معاد و جزا و سزا۔ حیات بعد الموت۔ عذاب قبر۔ فرائض پنجگانہ۔ اور قرآنی آیات و تواترات کا انکار ہو۔ اور اسلام وہی ہے جو قرآنی آیات اور تواترات سے ثابت ہو۔ اس میں نہ کبھی اختلاف ہوا اور نہ ہوگا۔ اور جن فرقوں کو مذکورہ بالا عقائد قرآنی آیات اور

تواترات کا انکار ہے وہ بلاشبہ خارج از اسلام ہیں۔ اب اس فروعی اختلاف کا فلسفہ بھی سن لیجئے۔
مسلمانوں کا اختلاف اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ وہ سب مساعی تھیں مرکز اسلام کو زیادہ روشن اور زیادہ واضح کرنے کی اور بس۔ اب اس نے اندرونی طور پر اسلام کی اساسی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم کر دیا اور اسلام قلوب و اذہان میں راسخ ہو گیا۔
مسلمانوں کی مرکزیت ہر زمانہ میں بوجہ احسن قائم رہی اور قیامت تک اسی طرح قائم رہے گی ساری اسلامی دنیا لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر متحد ہے اور متحد رہیگی۔
البتہ معترضین اسلام کے یہاں اس قسم کا اختلاف ضرور ہے جس نے ان کے مذاہب کی حقیقت کو واقعی گم کر رکھا ہے۔ عیسائی فرقوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے اور اس میں بھی اصولی اختلاف ہے اسی طرح ہندوؤں کے یہاں تو بے تعداد فرقے ہیں اور اصولی اختلاف ہے۔
تیسرا اعتراض۔ یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا مرکز یا اصول نجات "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہے اور یہی ہم کو قرآن کریم میں نہیں ملتا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ قرآن کریم جس کو مسلمان خدا کا کلام مانتے ہیں کوئی اصول نجات نہیں پیش کرتا۔
جواب۔ یہ کلمہ طیبہ ایک کلمہ نہیں جو اعتراض کی بنا ہے۔ بلکہ دو کلمے ہیں۔ ایک لا الٰہ الا اللہ اور دوسرا "محمد الرسول اللہ" ایک کلمہ توحید ہے اور دوسرا کلمہ رسالت یعنی توحید و رسالت کو یکجائی طور پر مرکز اسلام یا اصول نجات قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی وہ کلمہ طیبہ ہے جس نے قیامت تک کے لئے کفر و شرک اور گمراہی کی جڑ کاٹ کر رکھدی۔ اگلی امتیں کیوں گمراہ ہوئیں محض اس لئے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کے رتبہ کو اس قدر بڑھایا کہ الوہیت تک جا پہنچایا اگر یہ اصول انکے پاس ہوتا تو وہ ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہوتیں۔
تو چونکہ یہ دو کلمے ہیں اس لئے ہمارے معترض یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ قرآن کریم میں اس کو یکجائی طور پر دکھاؤ۔ ہاں توحید و رسالت سے قرآن و حدیث لبریز ہیں۔ پھر یہ کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن اصول نجات نہیں پیش کرتا۔ اگر یہ ایک کلمہ ہوتا تو یہ مطالبہ صحیح تھا یہ تو ایک خوبی کی بات ہے کہ قرآن نے اس کو یکجائی طور پر پیش نہیں کیا ورنہ توحید و رسالت کو ایک ہی چیز سمجھ لیا جاتا۔
پھر یہی کیا ضرورت ہے کہ ہر مسئلہ بالتصریح قرآن کریم ہی سے ثابت ہونا چاہئے جبکہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو قول متواتر بانیٔ اسلام سے ثابت ہو وہ بھی قرآن ہی سے ثابت سمجھا جائے گا حقیقت یہ احادیث و سنن نبوی کے بغیر اسلام کی تعلیم ادھوری اور نا تمام رہتی ہے اس سے یہ بھی نہ سمجھا جائے

کہ کلام مجید کے اتمام نعمت اور تکمیل دین ہونے میں کوئی خامی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسکے بعض مقامات کی توضیح وتشریح کیلئے اقوال وافعال نبوی کے مطالعہ کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ کلمہ حدیث سے ثابت ہے پس یہ دعویٰ لغو ثابت ہوا کہ اصول نجات قرآن کریم پیش نہیں کرتا۔

کیا ہمارے معترض اپنے اپنے اصول نجات اپنی مذہبی کتابوں سے دکھا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ان کی کتابیں واقعی اصول نجات پیش کرنے سے خاموش ہیں بلکہ اس کی تکذیب وتردید کر رہی ہیں جیسے عیسائیوں کی تثلیث۔

چوتھا اعتراض۔ ہندو اور عیسائی طلاق کے جائز ہونے پر کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ عقد ثانی اور طلاق کو قابلِ اعتراض سمجھتے۔ چنانچہ سوامی دیانند جی فرماتے ہیں۔

عقد ثانی اور طلاق دونوں نہیں ہونے چاہئیں۔ اس لئے کہ اس سے عورت اور مرد میں محبت کم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب چاہے تب مرد کو عورت اور عورت کو مرد چھوڑ کر دوسروں کے ساتھ تعلق کر لینگے۔

جواب عقل وفہم کی رو سے جس طرح نکاح کے جواز پر عقل انسانی اور کتب سماوی کی شہادت موجود ہے اسی طرح طلاق کے جواز پر بھی عقل ونقل کی گواہی موجود ہے۔ طلاق سے خوشگوار زندگی کی حفاظت کرنا اور معاشرت کی خرابی کو دور کرنا ہے۔ ہر ایک ذی فہم یقین کر سکتا ہے کہ جب عورت سے وہ مقصود حاصل نہ ہو جس غرض سے رشتۂ نکاح جائز کیا گیا ہے۔ تو پھر اُس کا توڑ دینا بھی جائز ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مرد اس کی بدچلنی۔ یا بدمزاجی اور یا بیوفائی سے تنگ آ گیا ہو۔ اور اس ہر وقت کے دکھ اور جلن سے زندہ درگور رہو۔ وہ مذہب سخت خلاف عقل وفطرت اور تہذیب شائستگی کا بدتریں دشمن ہے جو اپنے متبعین کی زندگی تلخ کرنے پر مجبور کرے اور ایک گندے عضو کو لگا رکھنے کی ہدایت کرے۔

عورت خانگی زندگی میں مرد کے لئے مانند عضو جسم کے ہے جس طرح کسی عضو میں کیڑے پڑ جانے یا خراب ہو جانے کی وجہ سے صحت جسمانی کی حفاظت کا تقاضا اور عقل انسانی کا فتویٰ یہ ہے کہ اس گندے اور خراب عضو کو اپنے بدن سے جُدا کر دیا جائے ورنہ اسکے ساتھ تمام جسم خراب ہو جائیگا اور بالآخر تباہی تک نوبت پہنچے گی اسی طرح عورت کا معاملہ ہے جب اسکی گندگی اور بدچلنی خوشگوار زندگی کا ستیاناس کرنے کا باعث ہو تو پھر یہی بہتر ہے کہ اس کو علیحدہ کر دیا جائے۔

حیرانی ہے کہ ایسے صاف وصریح مسئلہ کو یہ کج اندیش کیوں قابلِ اعتراض سمجھتے ہیں اور خواہ مخواہ

ایک فطری تعلیم کو ہدف ملامت بناتے ہیں۔

مقدس رسول صلعم کے معترضین

مذہب اور بانیٔ مذہب کی زندگی میں نہایت ہی گہرا تعلق ہے۔ صاحب کتاب یا بانیٔ مذہب کی حیات ایک آفتاب ہے جس کی روشنی گمراہیوں اور غلط کاریوں کی راہوں سے بچاکر "صراط مستقیم" کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اسکے پیروؤں میں مذہبی اسپرٹ اور روح حیات دوڑاتی ہے۔

جس طرح آفتاب و ماہتاب اس مادی عالم کی تمام ظلمتوں کو دور کرتے اور اسکی ترقی کیلئے حرارت و روشنی مہیا کرتے ہیں اسی طرح بانیٔ اسلام نبی کریم صلعم کی ذات اقدس عالم روحانی کیلئے آفتاب کا حکم رکھتی ہے۔ اس آفتاب کی حرارت اور روشنی جس قدر شدت کے ساتھ قلوب وارواح پر پڑیگی اسی قدر کثرت کے ساتھ دنیا میں مادی۔ اخلاقی اور روحانی ترقی ہوگی۔ چنانچہ خود حضرت باری تعالیٰ عزاسمہٗ اپنے پیارے حبیب حضور اقدس صلعم کو سراجاً وقمراً منیراً سے یاد فرماتے ہیں۔

سورج اور چاند کی روشنی وحرارت نباتات وحیوانات کی غیر متناہی ترقی کا موجب ہیں اسی طرح حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم اور سیرت ہے جسپر چل کر اخلاق وروحانیت میں تمدن و معاشرت اور تعلقات بین الاقوامی میں جان آتی ہے۔ ان کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ اور اسمیں غیر متناہی ترقی ہوتی ہے۔ حضور سرور کائنات کی حیات اقدس اور سیرت پاک کی پیروی سے مسلمانوں میں زندگی کی لہر دوڑتی ہے اور انسانیت کے لئے غیر متناہی ترقیات کا دروازہ کھلتا ہے اس سے استبداد اور ظلم کی جڑ کٹتی ہے۔ اس سے غلامی کی زنجیریں کٹتی ہیں۔ انسانی کمالات کے تمام شعبوں میں انتہا درجہ کی ترقی حاصل ہوتی ہے۔ کائنات کیلئے لامحدود برکات کا منبع کھولتی ہے اور تمدن و معاشرت میں برکت ہوتی ہے۔ الغرض حضور کی حیات طیبہ نہ صرف مسلمانوں کی رہنمائی کرنے اور ان کو عروج و ارتقا کی انتہائی بلندیوں پر پہنچانے کا "سرچ لائٹ" ہے۔ بلکہ عالم انسانیت کے لئے برکات و فیوض کے حصول کا ذریعہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس قدر مسلمانوں کے لوح دل سے حضور سرور کائنات صلعم کے واقعات حیات اور نقوش محبت وعقیدت محو ہوتے جاتے ہیں اسی قدر وہ کتاب الٰہی کو بھولتے جاتے اور اسکے احکام و فرامین پس پشت ڈالتے جاتے ہیں۔ کیونکہ کتاب اور صاحب کتاب کی زندگی میں گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اگلی اُمتیں اور اگلے مذاہب اسی لئے تباہ ہوئے کہ انہوں نے صاحب کتاب کے نقوش محبت وعقیدت کو صفحۂ دل سے محو کردیا تھا۔ اور کتاب وصاحب کتاب کی زندگی کے تعلق کو توڑ دیا تھا۔

مسلمانوں کے اس رازِ حیات سے جب اسلام کے دشمن عیسائی اور یہودی مصنفین واقف ہوگئے، تو انہوں نے غور و فکر کے بعد اسلام کے سیاسی و روحانی تفوق کو مٹانے کے لئے یہ پالیسی وضع کی کہ جس طرح بھی ہوسکے مسلمانوں کے دلوں سے ان کے پیغمبر کے نقوشِ محبت و عقیدت محو کئے جائیں تاکہ وہ اپنی موت آپ مرجائیں۔

دوسری ضرورت یہ پیش آئی کہ وہ اس بات کو بھی بخوبی جانتے تھے کہ بانیٔ اسلام کی ذات اقدس رب العلمین کے مظہر اتم کی شان رحمۃ اللعالمین ہے جب کسی قوم یا فرد نے سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف عمیم دیکھا اور حضورؐ کی سیرت کے نقوش پر نظر پڑی وہی حضورؐ کے اخلاق کا اسیر ہوگیا اور جس کسی نے بھی بانیٔ اسلام کو تعصب و عناد سے الگ ہوکر بے نقاب دیکھا وہی حضورؐ کا والہ و شیدا ہوگیا۔ اس لئے دشمنان اسلام عیسائیوں۔ یہودیوں اور بت پرستوں کا سارا زورِ قلم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے میں صرف ہونے لگا۔

نیز وہ جانتے تھے کہ آپ کا وجود اسلام کی زندگی کی جڑ ہے۔ مسلمانوں کا مرکز حیات ہے۔ اگر مسلمان اس سے علیحدہ ہو جائیں اور حضورؐ سے بددل ہو جائیں تو پھر وہ احکام شریعت کے نزدیک بھی نہ پھٹکیں گے۔ اور دین مٹ جائے گا۔ چنانچہ اسلام کے ملکی و دینی زوال کا دور اسی وقت سے شروع ہوا جب مسیحی اور یہودی مبلغین نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پاک اور پرچم فضل و شرف اور احترام و ناموس پر یورش کی۔ ۱۸۶۱ء میں سر ولیم میور نے سیرت محمدی پر چار جلدوں میں ایک ضخیم کتاب لکھی جس نے مذکورہ بالا راز دشمنی کو عالم آشکارا کردیا۔ سر ولیم میور کا مقصد اس تصنیف سے یہ تھا کہ بانیٔ اسلام کی ذات ستودہ صفات کے متعلق مغازی و سیر کی کتابوں میں جو ناقص مواد ملتا ہے اسکے ذریعہ سے آپ کے متبعین کی عقیدتوں اور محبتوں کو متزلزل کیا جائے۔ تاکہ مطالعہ کرنیوالوں کے دلوں میں شکوک و شبہات اور نفرت و بددلی پیدا ہو جائے اور دین اسلام کی بنیادیں ہل جائیں۔

تیسری وجہ یہ ہے جب اسلام اپنے لامحدود مادی و روحانی برکات و فیوض۔ ارتقائے اقوام کے بنیادی اصول تمدن و معاشرت کی شگفتگی و شادابی۔ اپنے روحانی و مادی اقتدار و تسلط کی فیروزمندی و کامگاری اپنے علم و عمل کی روشنی و جاذبیت اور موثر تبلیغی نظام کی ناممکن التسخیر قوت وغیرہ اسباب ہدایت لئے ہوئے یورپ کی سرزمین میں پہنچا۔ اور عیسائیت کے علمبرداروں نے دیکھا کہ اسلامی فتوحات کا یہ سیلاب بے پناہ مسیحیت کے قصر کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔ مسیحیت پر اسلام

کا یہ حملہ دیکھ کر مسیحی مبلغین کے اوسان خطا ہو گئے۔ مگر مسیحیت کی خوش قسمتی کہئے یا بد قسمتی کہ اسلام کے سیلاب ہدایت کو روکنے کی یہ مؤثر تدبیر سوجھی کہ اسلام اور داعی اسلام کو اعتراضات کے تیروں کا ہدف بنایا جائے۔ داعی اسلام کے روئے زیبا کو گھناؤنا بنا کر یورپ کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ مسیحیوں کے دل میں اسلام اور داعی اسلام کی طرف سے نفرت و حقارت دلوں میں پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اس مقصد کو سامنے رکھ کر یورپ میں ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی جو اسلام سے واقفیت بہم پہنچا کر اعتراضات کی بھرمار کرے اور تاریخ کی کتابیں لکھے۔ یورپ کی یہ جماعت اپنے اس مقصد میں اس حد تک ضرور کامیاب ہوئی کہ سرزمین یورپ میں اسلام کی اشاعت کی وہ برق رفتاری نہ رہی جس کو لیکر وہ یورپ پہنچا تھا۔

اُدھر تو متعصب مسیحی مصنفین اسلام کی تبلیغ اور اسکے جذب و تاثیر کے گلا گھونٹنے کا سامان کر رہے تھے۔ ادھر ہمارے علماء اسلام کی حمایت و حفاظت کی طرف سے مطمئن اور بیفکر تھے اور ان کو مطلق معلوم نہ تھا کہ اہل فرنگ اسلام کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔ اس ناواقفیت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ یورپ کی زبانوں سے ناواقف تھے۔

جب انگریزوں کا وفد انسانیت اور حریت و مساوات کش اقتدار اپنا محکوم ساز نظام تعلیم لئے ہوئے ہندوستان میں پہنچا جس کی نسبت لسان العصر حضرت اکبر آبادی نے فرمایا تھا ؎

یوں قتل سے بچّوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　　افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

تو غلامی کی برکت اور تعبد کی بوالعجبی دیکھئے کہ وہ زہر جو اسلام کی تبلیغ کے مقابلہ میں انگریزی کتابوں میں بھرا گیا تھا وہ خود انگریزی خواں مسلمان طبقے کی ہلاکت کے کام آنے لگا اور وہ پردے جو آفتاب اسلام کی روشنی کو سرزمین یورپ سے مستور کرنے کے لئے یورپ کے کارخانوں میں تیار ہوئے تھے وہ خود حضورؐ کے نام لیواؤں کی آنکھوں پر پڑ گئے۔ دوسری طرف مسیحی مصنفین کے شاگرد اور اُن کا اُگلا ہوا لقمہ نگلنے والے آریوں کو بھی اسلام کا سینہ چھلنی کرنے کا ایک قدرتی موقعہ ہاتھ آگیا۔ اور وہ بھی اُسی پگڈنڈی پر ہو لئے جو تعصب کے اندھے کوئیں میں جا گراتی ہے۔ یورپین نے تو عالمانہ انداز اور کسی قدر نرم روش اختیار کی تھی۔ مگر آریوں نے محض دریدہ دہنی۔ فحش کلامی اور گندہ بیانی سے کام لیکر صرف دل آزاری کو اپنا مقصد بنالیا۔

تثلیث پرستوں کی اس نئی گہری چال سے جو بے پناہ فتنے پیدا ہونے والے تھے۔ ان کو سب سے پہلے محمد عربیؐ کے ایک باصفا غلام سرسید مرحوم نے اسے محسوس کیا اور اس قدر سختی کے ساتھ محسوس کیا کہ ان کی زندگی دوبھر ہو گئی۔ چنانچہ آپ اپنے ایک مکتوب میں نواب محسن الملک کو لکھتے ہیں۔

ولیم میور کی کتاب دیکھ رہا ہوں، اس نے دل جلا دیا اور اس کی ناانصافیاں اور تعصبات کو دیکھ کر دل کباب ہوگیا اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم کی سیرت میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا، کتاب لکھدی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہوجائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہوجاؤں تو بلا سے۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:۔

مواعظ احمدیہ لکھنے میں شب و روز مصروف ہوں، اس کے سوا اور کچھ خیال نہیں جانا، آنا، ملنا، جلنا، سب بند ہے۔ آپ اس خط کے پہنچتے ہی کسی مہاجن سے میرے لئے ہزار روپیہ قرض لیجئے، ہزار روپئے بھیجنے کے لئے دہلی لکھا ہے اور لکھدیا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ میرے ظروف مسی تک فروخت کرکے ہزار روپیہ بھیجدو۔ کیا کہوں اس کتاب کے پیچھے خواب و خور حرام ہو گیا ہے۔ خدا مدد کرے۔

یورپین مصنف اپنے اہل ملک کو تو اسلام سے بدظن کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن کیا واقعی انہوں نے اسلام کے سیلاب ہدایت کے سامنے بند لگا دیا اور کیا یورپ کے آتشدانوں سے نکلی ہوئی وہ ناری روشنی جو یثرب کی نوری روشنی پر غالب آنے کے لئے اقصائے عالم میں پڑی تھی، واقعی نور خدا پر غالب آگئی۔ سو جب ہم یورپ کے نشو ونما کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور موجودہ یورپین فلاسفر و حکما کے افعال و اقوال پر غور کرتے ہیں تو صاف طور پر نظر آجاتا ہے کہ یورپین مصنفین نے پرائے شگون کے لئے اپنی ناک کٹوالی۔ اپنے کھودے ہوئے غار گمراہی میں خود ہی جا گرے اور وہ روک تھام کرنے لگے تھے اسلام کی مگر اس روک تھام میں اپنی مسیحیت ہی کو کھو بیٹھے۔ یعنی اسلام سے بدظنی اور نفرت پھیلانے اور قوائے فکری کو اسلامی تعلیم سے الگ رکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم اور سائنس کی روشنی مسیحیت کی غیر فطری تعلیم اور پوپ پادریوں کے نسب علم و عمل کو ایسے کھا گئی جیسے لکڑی آگ کو کھا جاتی ہے۔ ابنیت و تثلیث کے مضحکہ خیز نظریوں اور مکڑی کے جالوں کو، روسو اور والٹیر جیسے عاقلوں کی ایک ہی پھونک نے اڑا دیا۔

واہ رے اسلام تیری بھی عجیب شان اور قدرتی انداز ہے تیرے اثر و اقتدار کی راہ میں جو قوم حائل ہوتی ہے وہ اپنے مذہب کے اثر و اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ کیا کہنے ہیں تیری للٰہی تاثیر اور دب دب کر ابھرنے کے اور قربان تیری شان رہنمائی کے، جو تیری بتلائی ہوئی "صراط مستقیم" کی طرف نہیں آتا وہ اپنی راہ پر بھی چلنے سے رہ جاتا ہے اور کجی و راستی کے درمیان معلق رہ جاتا ہے۔

اسلام کی مخالفت اور روک تھام کا اثر یہ ہوا کہ آج یورپ پچھتر فی صدی ملحد و دہریہ بن گیا ہے اور یہ دہریے اگر اپنی زبان سے نہیں تو اپنے عمل سے اسلام کی تصدیق کر رہے ہیں اور ثابت کر رہے ہیں کہ آج اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ سائنس و فلسفہ کا مقابلہ کرتا ہے اور قوائے فکری کی تربیت کرتا ہے۔

خادمان دین کا فرض

جی چاہتا ہے کہ چلتے چلتے یہ حالت دکھا کر ہم مسلمانوں کا فرض بھی بتلاتے جائیں اور ان کو سرمۂ بصیرت دیتے جائیں۔ لہذا سنئے! کہ جس طرح دشمنان اسلام، اسلام کو روحانی و سیاسی شکست دینے کیلئے تلے ہوئے ہیں، مؤثر ترین ہتھیاروں سے مسلح ہیں اور پیغمبر اسلام کے شرف احترام میں رخنہ اندازی پر کمربستہ ہیں۔ اسکے مقابلہ میں مسلمان اپنی دینی و سیاسی زندگی اور تفوق و برتری کا وہ راز ذہن نشین کرلیں جو ہم نے ابتدا میں بتلایا ہے اور غیر مسلم دنیا میں اسلام کی عزت و قبولیت، عظمت و شان اور تبلیغ و اشاعت کا پورا پورا اہتمام و انتظام کریں۔ اور کائنات عالم کی قوموں اور زبانوں میں سیرت نبوی ؐ کی اشاعت کریں۔ ضرورت ہے کہ ہر فرزند توحید دل کی گرمیوں، خون کی حرارتوں اور عشق و جنون کی بیقراریوں کے ساتھ اس دعوتِ حیات پر لبیک کہے اور اپنی حسن تدبیر و بلندی نظر کے ساتھ اس ٹھوس خدمت دین پر کمربستہ ہو جائے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کی ترقی اور تنظیم کا سرچشمہ، روحانی و مادی فلاح کا ذریعہ، دینی و دنیوی سعادتوں کا منبع، عروج و ارتقا کا زینہ، امت کی مذہبی، سیاسی اور معاشرتی اصلاح کا دستور العمل، ہر ہر مرض کی دوا اور تمام کمزوریوں و درماندگیوں کا واحد علاج یہ ہے کہ وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم کے آستانۂ اقبال تک پہنچ جائیں۔ اپنے جبین نیاز کو اسی چوکھٹ کیلئے وقف کردیں اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی و تقلید کو فرض اہم سمجھیں۔

عود الی المقصود

اب ہم اُن اعتراضات کو پیش کرتے ہیں جو معترض اسلام کی طرف سے کئے جاتے ہیں اور جو مانند اصول کے ہیں۔ باقی تمام اعتراضات مانند فروع کے۔ اگر ہم نے ان کا بے اصل ہونا دکھا دیا تو باقی تمام اعتراضات کا تبعاً قلع و قمع ہو جائیگا چنانچہ سب سے زیادہ زور جن باتوں پر دیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) ہادی اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کا کئی بیویاں کرنا۔

(۲) امت کے لئے چار تک تعدد ازدواج۔

(جنگ وجہاد کے ذریعہ اسلام کی نشر واشاعت۔

یہ اعتراضات آج سے نہیں بلکہ اُس وقت سے ہو رہے ہیں جس وقت سے عیسائیوں یہودیوں اور ہندوؤں نے اسلام کی روک تھام کرنے کے لئے مذکورہ پالیسی وضع کی تھی۔ ان کا تحقیقی اور الزامی جواب ہمارے علماء کی طرف سے صدہا بار مسکت طریقہ پر دیا جا چکا ہے۔ انکے اعتراضات کو خوب خوب پیسا اور ان کے علم وعقل کی خوب خوب قلعی کھولی ہے خدا جزائے خیر دے ہمارے علماء صلحائے امت کو جنکی استوار بصیرت مستقیم نظر غیر مخدوش دماغ، علمی کامرانی اور قوائے فکری کی تیزی اور عقل جہاں بیں نے مذہب اسلام اور معترضین اسلام کی جنگوں کا علم کلام کے زبردست ہتھیاروں سے قطعی فیصلہ کر دیا حصین اسلام کو ایسی مضبوط فصیلوں اور دمدموں سے محفوظ کیا جن کے مقابلہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ قلعہ شکن توپیں بھی اپنا اثر نہیں دکھلا سکتیں۔

اپنے مذہب کی چٹان پر قائم رہ کر حجت واستدلال کے ایسے اصول وقواعد وضع کئے کہ ان سے باطل توہمات کی قلعی کھل گئی۔ ملمع سازی کا طلسم ٹوٹ گیا۔ معترضین کی ابلہ فریبیوں کا پردہ فاش ہو گیا اور قیامت تک کیلئے مخالفین کی نکتہ چینیوں کا سدّباب کر دیا۔

اگرچہ محافظین اسلام اور مبصرین ملت نے اس لائن میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تاہم ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے لئے اس کتاب میں بھی کچھ مواد جمع کر دیا جائے تاکہ متعدد کتابوں کی ورق گردانی کی ضرورت نہ رہے۔ اس لئے ہم بھی اپنی بساط اور سمجھ کے مطابق ایک ایک اعتراض پر بحث کرتے ہیں وباللہ التوفیق۔

کثرت ازدواج کا اعتراض

یہ تاریخی شرف وفضیلت صرف محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہی حصّہ میں آئی ہے کہ آپ کی شخصیت اور حالات زندگی روز روشن کی طرح عیاں اور آفتاب کی طرح درخشاں ہیں آپ کی سوانح حیات کا کوئی گوشہ شک وشبہ کے پردے میں مستور اور آنکھوں سے اوجھل نہیں۔

آپکے بچپن کے اخلاق وعادات اور پاکیزگیوں کی گواہیاں موجود ہیں۔ آپ کے شباب کا زمانہ اپنی قدوسی کے ساتھ درخشاں ہے۔ آپکے دن کے افعال اور رات کی زندگی باریک اور نازک تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ آپکے شب وروز کا عملدرآمد نہایت صفائی کے ساتھ دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور آپ کی مبارک زندگی ایسی صفائی سے نظر آرہی ہے کہ باوجود تیرہ سو سال گذرنے کے گویا آپ خود اس زمانہ میں موجود اور آپ کی زندگی کے حالات کو ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں

ہیں۔ غرض آپ کی پوری زندگی اپنوں کی تقلید اور غیروں کی تنقید کیلئے دُنیا کے سامنے موجود ہے۔

معترضین اسلام کو نبی حلیم وکریم اور صاحب خلق عظیم کی صاف وروشن زندگی معاشرت میں انگشت نمائی کرنے کا اور تو کوئی موقعہ ملتا نہیں۔ البتہ مخالفین کی آنکھوں میں سب سے زیادہ کھٹکنے والا کانٹا آپ کی کثیر الازدواجی زندگی ہے۔

اس اعتراض کے جواب پر غور کرنے سے پہلے حسب ذیل امور کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے تاکہ اس اعتراض کی بے حقیقتی اور لغویت بخوبی معلوم ہو جائے۔

اوّل۔ یہ کہ عہدِ رسالت میں باوجود انتہائی دشمنی اور عداوت کے مشرکین مکہ نے کبھی اس قسم کا اعتراض نہیں کیا جس طرز سے آج مخالفین اسلام کر رہے ہیں۔ اگر حضور کی خانگی زندگی اور کثیر الازدواجی میں خواہش نفس کا جذبہ کارفرما ہوتا، تو وہ اعتراض کرنے سے ہرگز نہ چوکتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت کے مذاق کے مطابق یہ چیز اُن کے نزدیک قابلِ اعتراض نہ تھی، یا ان کے ذہن میں یہ اعتراض نہ آیا تھا، تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اگر کئی بیویوں کا کرنا ان کے نزدیک کوئی اعتراض کی بات نہ تھی تو کئی بیویوں کے کرنے کا جذبہ تو قابلِ اعتراض تھا اور یہ دشمنی و مخالفت کا بہت اچھا موقعہ تھا۔ اور پھر ایسی حالت میں کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور کی زندگی کو ابوجہل جیسے دشمنان دین کی تنقید کیلئے بطور تحدی کے پیش کیا تھا لقد بعثت فیکم عمرًا من قبلہ افلا تعقلون یعنی میں نے تو تمہارے اندر قبل دعویٰ نبوت ایک طویل زندگی بسر کی ہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ اس تحدی کے بعد تو ضرور ان کے دماغوں میں یہ اعتراض آجانا چاہیئے تھا۔ سارا اسلامی لٹریچر دیکھنا چاہیئے آپ کہیں یہ اعتراض نہ پائینگے۔ انہوں نے ساحر۔ جا۔ وگر وغیرہ تو بتلایا مگر اس قسم کا اعتراض اور خانگی معاشرت پر انگشت نمائی نہیں کی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ اعتراض کمینہ سرشت کی پیداوار اور بے سروپا اتہام ہے۔

دوئم۔ یہ کہ کثیر الازدواجی میں جو چیز معیوب اور قابلِ اعتراض ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ کثیر الازدواجی کی حالت میں خانہ داری کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ فرائض زندگی میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ طرح طرح کے مشاغل اور تفکرات پیش آتے ہیں۔ کئی قسم کی مشکلات کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح ایک کثیر الفرائض انسان اپنے بہت سے اہم فرائض کی انجام دہی سے قاصر رہ جاتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور کی کثیر الازدواجی میں نقص پایا جاتا ہے یا نہیں۔ لیکن قربان آپ کی ذات اقدس اور شان تقدس کے کہ آپ کی کثیر الازدواجی زندگی کسی فرض کی انجام دہی میں مزاحم نہیں ہوئی۔ اور آپ اپنی امت کے نظام مادی وروحانی کے نظم ونسق اور حل وعقد میں بڑی سرگرمی کے ساتھ منہمک رہے۔ ذکر

الٰہی و شغل عبادت میں نہ کسی بیوی کی اُلفت، دنیوی خواہش، اولاد کی محبت اور نیند کا غلبہ کبھی مانع نہیں ہوا
اور کوئی چیز بھی آپ کی راہِ عبادت اور امت کے تزکیہ نفس و اصلاح و تربیت میں رُکاوٹ نہ ڈال سکی۔
نو بیویوں کے جھرمٹ میں نماز تہجد کبھی فوت نہیں ہوئی۔ بلکہ اکثر تمام رات ہی عبادت میں گذر جاتی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ جو آپ کی محبوب ترین بیوی تھیں فرماتی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم
ہمارے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ اگر آپ کے گوش مبارک میں اذان کی آواز پہنچتی تو ہمارے درمیان سے
ایسے اُٹھ جایا کرتے تھے کہ گویا ہم سے کوئی تعلق یا شناسائی ہی نہیں۔

یہی حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضور شعبان کی پندرہویں شب کو میرے پاس تھے قریباً نصف
شب کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ آپ کہیں تشریف لے گئے ہیں۔ میں نے تمام بیویوں کے حجرے میں تلاش کیا
مگر کہیں نہ پایا۔ جب سب جگہ سے پھر پھرا کر واپس آئی تو آپ کو حجرے میں موجود پایا۔ آپ بحالت سجدہ
خشوع و خضوع میں مشغول تھے۔

آپ کی خشوع و خضوع والی نماز تہجد کے متعلق فرماتی ہیں فلا تسئل عن حسنھن و
طولھن "یعنی ان رکعتوں کی خوبی و طوالت کی نسبت کچھ نہ پوچھو۔ غرض نو بیویوں کے ہوتے ہوئے
آپ کی تمام راتیں اطمینان خاطر، سکون قلب، اور نہایت سوز و گداز سے عبادت الٰہی میں مصروف رہنے
میں گذرتی تھیں اور دن کا ایک ثلث اذکار و ادعیہ میں گذرتا تھا۔ آپ کی روزہ داری کی نسبت حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور کی عادت یہ تھی کہ آپ بکثرت نفلی روزے رکھا کرتے تھے۔ جب
آپ روزے رکھنے شروع کر دیتے تھے تو ہم سمجھتے کہ شاید اب آپ افطار ہی نہ کرینگے۔

جب دن بھر عبادت اور امت کی تعلیم و تربیت سے فرصت ہوتی تو گھر تشریف لاتے اور کچھ بچا
ہوا کھانا مل گیا تو کھا لیتے تھے ورنہ روزہ رکھ لیا کرتے تھے اور پھر لطف یہ ہے کہ اس فاقہ کشی اور روزہ
داری کی حالت میں عبادت اور تعلیم امت کی محنت شاقہ و جانفشانیاں بھی برداشت کرتے تھے مثلاً
تبلیغ دین تعلیم مسائل۔ تجہیز عساکر۔ تدابیر صلح و جنگ رعایت مصالح وقت۔ اور دشمنان دین کا مقابلہ و
مدافعت وغیرہ۔ غرض آپ کی کثیر الازدواج زندگی کی وجہ سے نہ تدبیر تنزل کفر میں کوئی خرابی واقع ہوئی
نہ سیاست میں بدنظمی واقع ہوئی۔ نہ امت کی تعلیم و تربیت میں کسی قسم کی کمی ہوئی۔ نہ عبادت و ریاضت میں
بدمزگی محسوس ہوئی۔ نہ فتوحات میں بے اعتدالی پیدا ہوئی۔ اور نہ مزاج میں اپنوں سے خشونت اور غیروں
پر ظلم و تعدی ہوا۔ خدارا کوئی بتلائے کہ کیا یہ کسی معمولی انسان اور غیر فرستادہ کا کام ہے۔

سوئم۔ یہ ایک کھلی ہوئی اور بے پردہ حقیقت ہے کہ اپنی پہلی بیوی ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ

کی زندگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا۔ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے وقت حضور کی عمر چالیس سال کی تھی حضرت خدیجہؓ بیوہ اور صاحبِ اولاد تھیں۔ یہ کُل دس برس آپ کے نکاح میں رہیں۔ گویا پچاس برس تک آپ نے ایک ہی بیوی پر قناعت کی۔ نیز نبوت سے پہلے کی زندگی بھی نہایت پاکیزگی اور قدوسی شان کے ساتھ گذری غور طلب امر یہ ہے کہ جس مقدس اور محیّر العقول رہبرِ اعظم نے پچاس سال کی عمر تک ایک ہی بیوی پر قناعت کی ہو اور اسکے بعد اور نکاح بھی کئے ہوں اور پھر بھی نہایت پاکیزہ اور پرہیزگارانہ زندگی بسر کی ہو کیا اس شخص میں ان نکاحوں کا داعی نفسانی خواہش تھی یا کوئی اور پاک و اعلیٰ مقصد تھا۔

داعی اسلام کے مقاصد نکاح

عموماً نکاح سے مقصود تین امر ہیں حفظ بدن حفظ ناموس اور حفظ النسل۔ کیسی پاک اور صاف صداقت ہے کہ ان اغراض عامۃ الناس کی سطح سے آپ کے مقاصدِ نکاح بھی نہایت بلند و بالا تھے۔ حضور ختمی مآبؐ کے تمام نکاح خالصۃً لوجہ اللہ تھے اور شائبہ نفس سے کلیۃً پاک و منزہ تھے چنانچہ آپؐ کے مقاصد نکاح قیام امن و انسداد جنگ، تالیف قلب، اشاعت اسلام اور نشر احکام تھے۔

چنانچہ حضرت صفیہؓ سے بھی یہی مقصود تھا۔ ان سے نکاح کے بعد یہود خیبر کو مدد دینے ان کے ساتھ خفیہ و علانیہ سازش کرنے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے سے ہمیشہ کے لئے باز آگئے۔ کیونکہ حضرت صفیہؓ ایک معزز یہودی خاندان کی صاحبزادی تھیں۔ اسی طرح حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح سے یہ فائدہ ہوا کہ ابوسفیان اس نکاح کے بعد مسلمانوں سے جنگ آزما نہیں ہوا۔ ام حبیبہؓ ابوسفیان کی بیٹی تھیں اور ابوسفیان اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ کئی جنگوں میں افواج قریش کا سپہ سالار رہ چکا تھا اور حضورؐ کے خلاف کفار کو دشمنی اور جنگ پر ابھارا کرتا تھا۔ علیٰ ہذا حضرت جویریہؓ کے نکاح کا بھی یہی نتیجہ نکلا۔ آپ مشہور و طاقتور قبیلہ بنو مصطلق کے جنگجو اور رہزن و ڈاکو سردار کی بیٹی تھیں۔ یہ قبیلہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کی کوششوں میں سرگرم رہتا تھا۔ لیکن اس نکاح کے بعد اس قبیلہ نے نہ صرف اسلام کی دشمنی سے ہاتھ اٹھالیا بلکہ ہمیشہ کیلئے تمدنی زندگی اختیار کرلی اور اسی طرح حضرت میمونہؓ کے نکاح سے بھی بہترین نتائج برآمد ہوئے۔

حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت سلمہؓ سے جو دینی خدمات ظہور میں آئیں اور عالم نسوان کے لئے نشر احکام کا جو نازک و لطیف کام سرانجام پایا اسکی تفصیل سے احادیث کی کتابیں لبریز ہیں نیز حضور ختمی مآبؐ نے یہ فرماکر مالی فی النساء من حاجۃ یعنی مجھے عورتوں کی کوئی ضرورت حاجت نہیں، دنیا پہ یہ حقیقت روشن کردی ہے کہ آپ کے تمام نکاح خالصۃً لوجہ اللہ تھے اور مذکورہ بالا مقاصد

کے ماتحت ۔

اندریں حالات کونسا دشمن حق و انصاف اور کج باطن انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ کی کثرت ازدواج کسی حیثیت سے بھی قابل اعتراض تھی اور یا نعوذ باللہ خواہش نفس کی تکمیل کے لئے۔ اب ہم عیسائیوں اور ہندوؤں کے یہاں تعدد ازدواج دکھاتے ہیں ۔

انبیائے سابقین اور تعدد ازدواج

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے تین بیویاں تھیں۔ حضرت یعقوبؑ کی چار بیویاں تھیں۔ حضرت موسیٰؑ کی بھی کئی بیویاں تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی نو بیویاں اور دس حرمیں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار عورتیں تھیں۔ سات سو بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں۔

اگر عیسائی صاحبان ان اولوالعزم انبیا علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر وہ اپنے اعتراض کو معیار صداقت اور اخلاق کی کسوٹی سمجھتے ہیں اور ان کی شان نبوت و رسالت میں کثرت ازدواج کی وجہ سے کوئی نقص نہیں پاتے تو خاتم الانبیاء حبیب خدا۔ اشرف انبیاء داعی اسلام صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا عداوت ہے جو ان کے شرف و احترام پر اعتراض کر کے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ یہ اعتراض تو مذکورہ بالا انبیا علیہم السلام پر بھی وارد ہوتا ہے جن کو وہ مقدس نبی اور رسول مانتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ وہ کسی اصول پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ اپنے بغض و عناد کی آگ کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔

ہندو اوتاروں اور بزرگوں میں کثرت ازدواج

سری کرشن جی مہاراج کی سینکڑوں بیویاں تھیں اسپر گوپیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا مستزاد ہے اگر سینکڑوں کی تعداد میں مبالغہ ہے تو آٹھ کی تعداد تو لالہ لاجپت رائے آنجہانی نے بھی تسلیم کر لی ہے سری رامچندر جی مہاراج کے پتا مہاراجہ دسرتھ کے تین بیویاں تھیں۔ ایک رامچندر جی کی والدہ۔ دوسری لچھمن جی کی ماتا اور تیسری بھرت جی کی والدہ ۔

راجہ پانڈو کی دو بیویاں تھیں ایک کنتی اور ایک مادری۔ اسی طرح سینکڑوں ہندو بزرگ عہد قدیم میں ہندوستان میں ایسے گذرے ہیں جن کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔

غرض جو عیسائی یا ہندو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازدواجی پر اعتراض کرتا ہے وہ اپنے نبیوں، اوتاروں اور بزرگوں کو بھی ساتھ ہی ہدف ملامت بناتا ہے۔

(۲) چار نکاح کی اجازت

دوسرا اعتراض بانی اسلام پر یہ ہے کہ آپ نے

اپنی امّت کو چار نکاح کرنے کی اجازت دی یہ معلوم نہیں کہ چار نکاح کرنے میں معترضین کو کیا خرابی نظر آتی ہے جو خواہ مخواہ ایک فطری تعلیم پر اعتراض کر کے اپنی عقل و سمجھ کی مٹی پلید کرتے ہیں اور پھر اسلام نے چار نکاح کی اجازت دی ہے نہ کہ اس کو لازمی قرار دیا ہے جس میں کسی قدر اعتراض کی گنجائش نکل سکے اس اجازت کے ساتھ بھی "عدل" کی ایک ایسی کڑی شرط لگا دی ہے۔ گویا دوسرے معنوں میں ایک ہی نکاح پر قناعت کئے رہنے کی تعلیم دی۔ چنانچہ ارشاد ہے وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً یعنی اگر تم اپنی بیویوں میں عدل نہ کر سکو تو پھر صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔ اس طرح خود قرآن کریم نے بنائے اعتراض کو اُکھاڑ پھینکا۔

عقل بھی اس بات کی شہادت دیتی ہے اور اس بارہ میں عقل و نقل دونوں متفق ہیں کہ شروط شرعیہ کے ساتھ تعدد زوجات کسی طرح معیوب نہیں ہو سکتا بلکہ بعض وقت مستحسن اور ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً عورت پر ایک وقت آتا ہے کہ وہ معاشرت کے ناقابل ہو جاتی ہے جیسے حاملہ ہونا اور حیض و نفاس میں مبتلا ہونا اور مرد میں قوّت مردمی کسی وقت بھی زائل نہیں ہوتی۔ اب ایسی حالت کے متعلق مخالفین اسلام تبلائیں کہ ان کے مذاہب نے کیا حکم دیا ہے۔ اگر کوئی حکم نہیں دیا جس کا اُن کو اعتراف ہے تو بس اُنہوں نے تسلیم کر لیا کہ ہمارے مذاہب کی تعلیم عقل و فطرت کے خلاف ہے اور وہ زنا کاری کا پوری طرح سدّباب نہیں کرتے بلکہ ان کو مجبور کر کے زنا کاری کا دروازہ کھولتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ تعدّد ازدواج کو غیر محدود چھوڑ دینا جیسا کہ شریعت موسوی میں کیا گیا اور اسی طرح تعدّد کو مطلقاً ناجائز قرار دینا حدّ اعتدال سے خارج ہے۔ تعدد کے غیر محدود چھوڑ دینے میں تو عورتوں پر زیادتی ہے اور اسکے مطلقاً ناجائز قرار دینے سے مرد کی حق تلفی ہے خصوصاً اس حالت میں کہ طلاق دینا بجز وقوع زنا کے بالکل ممنوع ہو۔ جیسا کہ شریعت عیسوی میں ہے۔ اگر اتفاقاً بیوی بانجھ ہے اور خاوند کو اولاد کی خواہش ہے۔ یا بوجہ بیماری یا حالت پیدائشی کے عورت صحبت کے لائق نہیں یا عورت نہایت ضعیف ہے اور مرد نہایت قوی تو میں دریافت کرتا ہوں کہ شریعت عیسوی (یا ویدک تعلیم) ان مجبوری حالتوں میں مرد کے لئے کیا حکم دیتی ہے۔ یہ امر تو معلوم ہو گیا ہے کہ ان وجوہ سے وہ علیحدہ نہیں کر سکتا کیونکہ عیسائیوں کے نزدیک اسے طلاق دینا بالکل ممنوع ہے۔ اب اگر باوجود اس بیوی کی پوری خبرگیری رکھنے کے دوسرے نکاح کی بھی مخالفت ہو تو پہلی صورت میں اس شخص کو اُس عمدہ مقصد سے محروم رکھنے کے علاوہ جس کی وجہ سے افزائش عالم اور بقائے نام و نشان متصوّر ہے گویا یہ حکم کرنا ہے کہ تو ہمیشہ اپنے تخم کو بنجر زمین میں کاشت کر کے ضائع کیا کر اور دوسری صورتوں میں اسے ہلاکت میں ڈالنا یا زنا پر مجبور کرنا ہوگا

ناظرین غور فرمائیں کہ شریعت عیسوی کے بموجب کیسی دشواری ہے کہ نہ تو اس بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے حصول مدعا کر سکتا ہے اور نہ اسے رکھ کر فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ پھر کیا اُس ارحم الراحمین کے احکام ایسے ہو سکتے ہیں کہ انسان اپنے مقاصد سے محروم رہکر ہلاکت میں پڑے۔ ہرگز نہیں۔ لہٰذا اس بارے میں سچا اور کامل حکم وہی ہے جو شریعت محمدیہ میں ہے جس کی وجہ سے یہ شخص اپنے اس محکم رشتے پر قائم رہ کر جو اسکے اور بیوی کے درمیان ہے اپنے واجبی مطلب کو حاصل کر سکتا ہے اور چونکہ دوسری بیوی کرنیکے لئے عدالت کی قید لگی ہوئی ہے اس لئے کوئی امر حسن معاشرت کے خلاف بھی ظہور میں نہیں آ سکتا یعنی شریعت کا پابند ہوکر کوئی شخص ایسے امر کا مرتکب نہیں ہو سکتا جو حسن معاشرت کے خلاف ہو۔

اب ناظرین کو عیسائیت اور ہندو مذہب کی تعلیم کا نقص اور خلاف فطرت ہونا بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا اور ساتھ ہی یہ بھی کہ ان دونوں مذاہب نے زناکاری کا کلی طور پر استیصال نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ آریوں میں نیوگ جیسے حیا سوز فعل کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ آریوں کو پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر نکالنا چاہیئے پھر دوسرے کی کنک پر نظر ڈالنی چاہیئے ورنہ دُنیا ہنسے گی کہ وہ خود تو سر سے پیر تک ناکاری کی غلاظت میں دھنسے ہوئے ہیں پھر عفت پارسائی اور پاکبازی کی تعلیم پر کیسے زبان ہلا سکتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ زناکاری کو پارسائی سمجھ کر دوسروں سے بھی یہی توقع رکھیں۔ الغرض یہ اعتراض بھی محض غلط فہمی اور بغض و عناد کا نتیجہ ہے۔

(۳) جنگ وجہاد کے ذریعہ اشاعت اسلام

ابھی تھوڑے دنوں کا ذکر ہے کہ حاجی فاروق لارڈ ہیڈلے نے اپنی تحقیقات سے اسلام قبول کیا تھا اور وہ ۱۹۲۷ء کے دسمبر میں ہندوستان کی "آل انڈیا تبلیغ کانفرنس" منعقدہ دہلی کی صدارت کیلئے ہندوستان تشریف لائے تھے۔

اس پر ہمارے وطنی بھائی آریہ سماج بہت سٹ پٹائے اور طرح طرح سے لارڈ موصوف کو ویدک دھرم کی طرف بُلایا۔ مگر موصوف نے یہ کہکر "ویدک دھرم میری پیاس نہیں بجھا سکتا" سب کو ٹھنڈا کر دیا اس سلسلہ میں ایک آریہ مہاشہ جی نے ایک کھلی چٹھی ان کو لکھی تھی اور اس میں اسلام پر وہی فرسودہ اور پامال اعتراضات کر کے اُن سے جواب مانگا تھا، کہ اگر آپ اپنی تحقیق سے مذہب اسلام میں آئے ہیں تو ان کا جواب دیجئے۔

چونکہ لارڈ موصوف ہندوستان بحث و مباحثہ کے لئے نہ آئے تھے اس لئے اُنہوں نے اس پر توجہ نہ فرمائی البتہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے علم و فہم نے آگے بڑھ کر مہاشہ جی کی تسلی کر دی۔ ان اعتراضات میں سے سوال نمبر ۲ یہ تھا۔

سوال - جبکہ آپ کی یہ رائے ہے کہ سچا دھرم وہ ہے جو کہ نفرت کی آگ کو نہ پھیلائے بلکہ اس کی جگہ اپنے پیروکاروں کے اندر فراخ دلی پیدا کرے جس سے کہ وہ اپنے ساتھ رہنے والے دوسرے مذاہب کے جو لوگ ہیں ان کے مختلف خیالات کو نہایت تحمل و مستقل مزاجی سے برداشت کرے (ہاں ویدک دھرم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو ملیچھ اور شودر قرار دیکر دنیا میں نفرت وعداوت کی آگ کو بھڑکاتا رہے اور دنیا کے امن کو بھسم کرتا رہے م) اور اسکے پیروکاروں میں سچے دھرم کا یہ بھی ایک جزو ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی ہمسایہ قوم کے ساتھ شانتی اور پریم کے ساتھ رہ سکیں۔ سچا مذہب بذریعہ تلوار مذہب پھیلانے کی اجازت نہیں دیتا، تو قرآن کی ذیل کی آیتوں کا جو کہ تشدد اور تنگ دلی کے بھاؤ سے پُر ہیں آپ کیا معنی لیتے ہیں۔

(۱) اگر وہ اسلام سے منکر ہو جائیں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ وہیں جان سے مار ڈالو (۴ - ۸۵)

(۲) اے ایمان والو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست مت بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ انہی کے اندر سمجھا جائیگا (۵ - ۵۶)

(۳) جب پاک مہینے گذر جائیں جس میں دھاوا کرنا منع ہے، بت پرستوں کو جہاں پاؤ مار ڈالو اور ان کو قیدی بنالو، اور ان کو گھیر لو، اور ان کی گھات میں چھپ کر بیٹھو۔ اگر وہ توبہ کریں اور مقررہ اوقات پر نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیں تو انہیں اپنے راستہ پر آزادی سے جانے دو کیونکہ خدا رحیم اور بخشنے والا ہے (سورۂ توبہ)

(۴) اے پیغمبر کافروں کے برخلاف اور منافقوں کے برخلاف لڑائی لڑو اور ان کے اوپر ظلم کرو کیونکہ ان کی جگہ دوزخ ہے اور ان کا حشر تکلیف دہ ہوگا (سورۂ توبہ)

اس روشنی کے زمانہ میں کیسا اندھیر اور کتنا بڑا ظلم ہے کہ مخالفین اسلام قرآن کریم کی صحیح پوزیشن اور مطلب ومفاد معلوم کرنے سے پہلے ہی اعتراضات کی بھرمار شروع کردیتے ہیں اور اپنی جانب سے حقیقت وراستی کو جھٹلا دیتے ہیں۔

ان اعتراضات کا جواب دینے سے پہلے ایک بنیادی غلط فہمی کا دور کردینا ضروری ہے تاکہ مخالفین کی ابلہ فریبیوں کا تار و پود بکھر جائے۔ وہ غلط فہمی یہ ہے کہ معترضین نے ان آیات کو جو حالت جنگ سے متعلق ہیں، حالت امن کے متعلق دائمی حکم سمجھ لیا ہے۔ نیز غزواۃ وسرایا کو بھی جنگیں سمجھ کر اسلام پر سختی اور جبر کا الزام لگا دیا۔ حالانکہ غزواۃ وسرایا اور جنگوں کو ایک سمجھ لینا عربی زبان سے ناواقفی اور اسلام کی پوزیشن پر کھلا اتہام ہے۔

کتب احادیث و تواریخ میں غزوات و سرایا کی تعداد بیاسی تک ہے۔ اس سے مخالفین دھوکہ کھا رہے ہیں کہ آنحضرت سرور کائنات ﷺ نے اپنی زندگی میں بیاسی جنگیں کیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے آپ نے اپنی زندگی میں صرف چند جنگیں کی ہیں۔ جو سب کی سب مدافعانہ تھیں۔

غزوہ اُس سفر کو کہتے ہیں جس میں خود رسول اللہ بہ نفس نفیس شریک ہوئے اور سریہ اس سفر کو کہتے ہیں جس میں ایک یا ایک سے زائد اصحاب نے سفر کیا۔ غزوہ کے لغوی معنی قصد کے ہیں اور سریہ کے لغوی معنی سیر کے ہیں۔ غزوات کی تعداد ۱۹ اور سریہ کی تعداد ۲۳ ہے۔ یہ غزوات و سرایا مختلف اغراض سے کئے گئے تھے۔ مثلاً تبلیغ و ہدایت۔ معاہدات کرنے کے لئے۔ ڈاکوؤں کے تعاقب کے لئے۔ دشمنوں سے حفاظت کی غرض سے اور سرحد کی حفاظت کیلئے ان سب اغراض کو بھی مخالفین اسلام جہاد سے تعبیر کر کے اشاعت اسلام کو تلوار کا رہین منت بتلا رہے ہیں۔ اسکے بعد حسب ذیل تفصیل ملاحظہ ہو۔

غزوات و سرایا کے مقاصد

علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب مصنف کتاب "رحمۃ للعلمین" نے غزوات و سرایا کو چند عنوانات کے اندر تقسیم کر کے نہایت مدلل و مبرہن اور مسکت بحث کر کے ہمیشہ کیلئے اس اعتراض کا قلع قمع کر دیا ہے۔ علامہ موصوف نے حسب ذیل اغراض بیان کئے ہیں۔

اوّل تکمیل معاہدات و تبلیغ اسلام و مواعظ کے لئے سفر۔ اس غرض کیلئے چار غزوات اور اور ایک سریہ کیا گیا۔

دوئم۔ حملہ آور دشمن کے احوال کی دریافت کی غرض سے۔ اس غرض کیلئے چھ سرایا عمل میں آئے۔

سوئم۔ گرد آوری تا سرحد حملہ آوراں جس کا مقصود دشمن کو مرعوب کر کے اُن کو حملہ آوری سے روکنا تھا۔ اس غرض سے ۳۳ غزوات و سرایا عمل میں آئے۔

چہارم۔ ڈاکوؤں کو سزا دہی کیلئے جو مسلمانوں کا مال و اسباب وغیرہ لوٹ کر لے گئے تھے اس غرض سے ۳ سرایا عمل میں آئے۔

پنجم۔ ڈاکوؤں کے تعاقب کے لئے ۲ سریہ اور ۲ غزوے عمل میں آئے۔

ششم معاہد اقوام کی جانب سے بغاوت غدر اور بلوے وغیرہ کی وجہ سے۔ اس غرض سے ۸ سرایا و غزوات عمل میں آئے۔

ہفتم۔ غلط فہمیوں کی وجہ سے۔ یہ غلط فہمیاں باہم مسلمانوں میں بھی واقع ہوئیں اور کفار کے ساتھ بھی۔ اس غرض سے ۶ سرایا عمل میں آئے۔

ہشتم۔ بُت شکنی۔ یعنی جو کفار مسلمان ہو گئے تھے۔ خود ان کی درخواست پر ان کے بُتوں اور مندروں کے انہدام کی غرض سے ۳ سرایا عمل میں آئے۔

نہم۔ جنگ۔ خاص مدافعانہ جنگ کے لئے۔ اس غرض سے ۷ غزوے اور سریہ عمل میں آیا۔ یعنی کُل ۷ جنگیں عمل میں آئیں اور وہ بھی مدافعانہ۔

دہم۔ تعاقب دشمناں۔ اس غرض سے ۳ غزوے عمل میں آئے۔

یازدہم۔ مقامی و شخصی واقعات کے متعلق ۵ سرایا عمل میں آئے۔

یہ کُل ۷۳ ہوتے ہیں اور ان میں جنگ کے لئے صرف ۷ غزوات عمل میں آئے۔ جو عنوان اوپر لکھے گئے ہیں اور ان کے ماتحت جو تقسیم کی گئی ہے ان کے سمجھنے کیلئے چند مثالیں لکھنی ضروری ہیں تاکہ اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اتنی بڑی فہرست غزوات و سرایا کی کس طرح عمل میں آ گئی اور متقدمین نے غزوات و سرایا کے کیا معنی لئے تھے اور آجکل جو تمام غزوات و سرایا کے معنی جنگ کے لئے جاتے ہیں وہ کس قدر خلاف واقع ہے۔

مثلاً سریہ سیف البحر۔ رالبغ۔ خرار اور نخلہ محض گرداوری کے لئے عمل میں آئے تھے تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کر سکے اور کوئی لڑائی وغیرہ عمل میں نہیں آئی۔ اسی طرح غزوہ ودان۔ بواط اور دوالبشیرہ وفود وعظ و ہدایت تھے اور ان کے ذمہ قبائل سے معاہدہ کرنا بھی تھا لڑائی سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا۔

اسی طرح سریہ دومۃ الجندل ہے۔ یہ تنہا عبدالرحمٰن بن عوف کا سفر برائے تبلیغ اسلام تھا۔ آپ تین دن تک دومۃ الجندل میں ٹھہر کر وعظ فرماتے رہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں کا سردار مسلمان ہو گیا۔

سریۂ قرظا کی یہ کیفیت ہے کہ محمدؐ بن مسلم کو راستہ میں چند شخص ملے انہوں نے دشمن سمجھ کر انکے سردار کو پکڑ لیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تحقیقات کے بعد اس کو رہا کر دیا اور وہ خلق محمدؐی سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

غزوہ صفوان کی یہ کیفیت ہے کہ ایک کافر کرز بن جابر اپنے ساتھیوں کو لیکر آیا اور مدینہ کے جنگل سے مسلمانوں کے مویشی لوٹ کر لے گیا۔ مسلمانوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس کا تعاقب کیا رسول مقبول بھی اُس میں شامل ہو گئے تھے اس تعاقب کا نام بھی غزوہ رکھ دیا گیا۔

اس سے بھی زیادہ پُر لطف سریہ عمر بن امیہ کی کیفیت ہے۔ عمر بن امیہ اس ناپاک ارادہ سے مدینہ آیا کہ موقعہ پا کر حضور کو جامِ شہادت پلائے۔ مگر حضور انور کی زیارت اور کلام مبارک سُنتے ہی مسلمان ہو گیا اور پھر واپس چلا گیا اسی واقعہ کا نام "سریہ عمر بن امیہ" رکھ دیا گیا۔

اسی طرح سریہ کرز بن جابر۔ غزوہ غابہ اور سریہ خسمی کا حال ہے۔ یہ سب قتل و ڈکیتی کے واقعات

سے متعلق ہیں ڈاکوؤں کا تعاقب کیا گیا تھا۔ سریہ ام فرقہ بھی ڈاکوؤں کے تعاقب کے لئے مامور ہوا تھا
بعض ایسے سرایا عمل میں آئے کہ بعض مسلمانوں نے غیر مسلموں کو کسی وجہ سے قتل کر دیا تھا اس لئے
مقتولوں کے قصاص کے لئے سرایا کئے گئے۔

بعض ایسے واقعات سرایا کے نام سے موسوم ہو گئے ہیں کہ صحابہ تبلیغ کیلئے بھیجے گئے اور دشمنوں نے ان کو قتل کر ڈالا چنانچہ حکم نبوی سے دس مبلغ و داعی اسلام بغرض دعوت و ارشاد روانہ ہوئے رات کو ایک جگہ سوئے بنو ثعلبہ نے ان پر حملہ کر کے ان میں سے ۹ واعظوں کو قتل کر ڈالا۔ ایک سخت زخمی ہو کر واپس آئے۔ یہ واقعہ مقام ذی القصہ پر واقع ہوا تھا اس کا نام "سریہ ذی القصہ" ہو گیا۔

ایک دوسرا واقعہ اسی طرح کا بلکہ اس سے بدتر صورت پر واقع ہوا کہ ستر داعیان علاقہ نجد کی درخواست پر نجد بھیجے گئے اور والیِ نجد کا چچا ان کی حفاظت کا ذمہ دار بنا مگر جب یہ جماعت علاقہ نجد میں پہنچی تو سب کو شہید کر ڈالا صرف ایک واعظ مجروح و زخمی ہو کر بچا۔ یہ واقعہ بیر معونہ پر چونکہ واقع ہوا تھا اس لئے سریہ بیر معونہ اس کا نام پڑ گیا۔

ان مثالوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جبر و سختی کا جو الزام بانیٔ اسلام کی ذات کے متعلق ہے، وہ بے بنیاد اور غلط فہمی پر مبنی ہے۔ حضور کے علاوہ کسی امتی کے قول و فعل کا اسلام ذمہ دار نہیں ہے۔ اب نفس اسلام کے متعلق جو نفرت جبر و سختی کا الزام ہے اس کی حقیقت بھی ملاحظہ فرما لیجئے سارا زور اس بات پر ہے کہ اسلام میں جہاد کی تعلیم ہے اس لئے ہم مسئلہ جہاد پر روشنی ڈالتے ہیں۔

فرضیت جہاد کی تاریخ

تاریخی اوراق گواہ ہیں کہ جب حضور سرورِ کائنات صلعم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اُس وقت صرف آپ کا دم تھا نہ کوئی رفیق تھا اور نہ ہمدم۔ نہ کوئی معتمد تھا اور نہ کوئی صلاح کار۔ ساتھ ہی آپ کو یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ قریش جیسی خونخوار۔ جاہل اور وحشی قوم اور ظلم و استبداد کی سرزمین میں نبوت کا دعوی کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ بلکہ دُنیا جہان کے مصائب و آلام کو دعوت دینا ہے۔ اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کیلئے پیش کرنا ہے اور عرب کے جنگجو قبائل کو مخالفت و دشمنی کا چیلنج دینا ہے مگر چونکہ آپ خدا کے فرستادہ تھے اور مشیت ایزدی نے آپ کو قیامت تک کے لئے دُنیا کی ہدایت و رہبری کیلئے منتخب فرمایا تھا اس لئے آپ اپنے دعوے میں کیسے پس و پیش کر سکتے تھے۔ آپ نے بلا خوف اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ بتوں کی مذمت و برائی شروع کر دی اور اپنے آپ کو صعوبات و تکالیف کے سمندر میں ڈال دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر تو غیر اپنے دشمن ہو گئے۔ مکہ کے ہر گھر اور ہر گوشہ سے مخالفت و دشمنی

کی آواز بلند ہونے لگی۔ آسمانِ استبداد سے بغض و عناد کی آگ برسنے لگی اور سرزمینِ شرک سے انتقام کے شعلے اُٹھنے لگے۔ بچہ بچہ جانی دشمن ہوگیا اور ظلم و عدوان کی قہرمان طاقتیں بر روئے کار آگئیں۔

لیکن باوجود اس سخت ترین دشمنی و مخالفت کے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی ایمان لائیں۔ جو آپ کی ہر حالت اور قول و فعل کی نگراں تھیں حضرت ابوبکر صدیق رض ایمان لائے۔ حضرت علی ع اور حضرت زید رض جو آپ کے حالات سے گہری واقفیت رکھتے تھے آپ کے دعوے کے ساتھ ہی ایمان لائے۔ لطف یہ کہ عرب کے سب سے بڑے بہادر اور تلوار کے دھنی حضرت عمر فاروق رض بھی اس مخالفت و دشمنی کے زمانہ میں ایمان لائے غرض اُدھر تو ظلم و ستم اور جفاکاری کا بازار گرم تھا ادھر آہستہ آہستہ قلوب و ارواح میں توحید کی آواز گھر کرتی جارہی تھی اور لوگ مشرف باسلام ہوتے جارہے تھے۔ اور پھر ایسی حالت میں کہ حضرت بلال رض حبشی جیسے عاشقانِ اسلام کے ایمان لانے کا انجام سب کے سامنے تھا۔

داعیٔ اسلام نے جب شرک کی سرزمین میں توحید کا علم بلند کیا اور خدا پرستوں کی ایک سرفروش اور مقدس جماعت بھی تیار ہوگئی۔ تو اب کیا تھا۔ باطل اور حقیقت کی جنگ پہلے سے بھی زیادہ زور شور کے ساتھ شروع ہوگئی۔ لات و عزیٰ کے پجاری پرستارانِ توحید کے مٹانے پر تُل گئے حق و صداقت کی پکار ہے کہ لات و عزیٰ کے پجاریو آؤ میں تمہیں کفر و شرک کی نجاست سے پاک کر کے طہارت و پاکیزگی بخشوں گی۔ مگر گمراہی و ضلالت کی تاریک اقالیم میں مخالفت کا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ الحاد اپنے تمام اسباب سرکشی سے مسلح ہوکر راستی کو فنا کردینے پر آمادہ ہوگیا۔ کفر اپنی تمام ناپاکیوں کو اکٹھا کرکے قدوسیت سے برسرِپیکار ہوگیا۔ بیدینی کی متمردانہ وحشتیں اور گمراہی و کجروی کی حکومتیں رب اعلیٰ کے چنے ہوئے مسلک کو نیست و نابود کردینے کے ساز و سامان سے آراستہ ہوگئیں۔ شرک و الحاد کی نجاستوں میں پھنسے ہوئے انسان اپنی فانی طاقت کے گھمنڈ میں خلیل ع کی دعا کو جھٹلانے کی سعی لاحاصل میں مصروف ہوگئے طاقتور اُن تمام مظالم کا یکے بعد دیگرے تجربہ کر رہے ہیں جو آدم کے سرکش فرزند کمزوروں پر روا رکھتے ہیں۔ مظلوم و بیکس اور غریب مسلمانوں پر ظلم و جفاکشی دیکھ دیکھ کر شدتِ تمازت سے تپتی ہوئی صحرا کی ریتیں آٹھ آٹھ آنسو روتی ہیں۔ مگر گمراہ اور شقی انسان کی جفاپرستیوں پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ گرم صحرا کے گرم پتھروں کی گرانباریاں معصوم مظلوموں کی فریاد سُن سُن کر پاش پاش ہوجاتی ہیں مگر سنگ دل انسان کی ستم شعاریوں کی سیری نہیں ہوتی۔ ذرّوں کی ہمدردانہ صدائیں انسان کی بیجا سخت گیریوں پر ماتم کرتی ہیں مگر ہُبل کی جابرانہ امت خدا کی چُنی ہوئی قوم کی وفاپرستیوں پر قہقہے لگاتی ہے۔ لات و عزیٰ کی بیچارگی صداقت کی کوششوں پہ ہنستی ہے۔ کجروی کی فتنہ انگیزیاں راستی کی جد و جہد پر خندہ زن ہے مگر پرستاران

توحید فانی دُنیا کی فانی طاقتوں کو عزم و ثبات کے پاؤں سے ٹھکرا دیتے ہیں اور صبر و استقلال سے اُس نصرت اور کامیابی کے منتظر رہتے ہیں جو ازل سے ان کے حق میں مقدّر تھی۔

حیرانی ہے کہ اندھی دُنیا کی نظر اس ظلم و استبداد کی بجلی اور تیغ خون آشام پر نہیں بلکہ مظلوم اور معصوم مسلمانوں کے سروں پر چمکتی رہی اور بیگناہوں کے حلقوم پر چلتی رہی مگر جب مسلمان اپنی مدافعت میں تلوار اُٹھاتے ہیں تو کل طاغوتیوں کے دل و جگر کو کاٹ دیتی ہے اور ساری گمراہ دُنیا چیخ اُٹھتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین اسلام کی ایک آنکھ بھی جاتی رہی ہے جو وہ تاریخ اسلام کو ایک ہی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔ خیر یہ تو چند معترضہ جملے تھے جو بر سبیل صداقت قلم سے نکل گئے۔

دکھانا یہ ہے کہ ظہور اسلام کے وقت فرزندانِ توحید کو جن زہرہ گداز مصائب کا سامنا ہوا اور انہوں نے صبر و استقلال سے ان کو سہا اس کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے چاہئے تو یہ تھا کہ ستم شعاری اور ظلم و استبداد کی بجلی اور بغض و عناد کی آگ مسلمانوں کے خرمن ہستی کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی۔ مگر ہوا یہ کہ اس حالت میں بھی اسلام کی رفتارِ اشاعت بڑھتی رہی۔ اور نہ صرف یہ کہ مکّہ والے آستانۂ اسلام پر جھکتے رہے بلکہ صدائے حق مدینہ بھی جا پہنچی۔

دس برس تک حضور علیہ التحیۃ والتسلیم نے مکّہ کی زندگی میں انتہائی مصائب و شدائد برداشت کئے مگر زبان سے اُف تک نہیں کی۔ کسی کو بد دُعا تک نہیں دی چہ جائیکہ کوئی قطرہ خون بہایا ہو یہ ایک ظاہر و باہر حقیقت ہے کہ دشمنی و مخالفت کی شدّت میں مکّہ میں ہی اقامت دین کی بُنیادیں مضبوط ہو چُکی تھیں اور خدا کی چُنی ہوئی سر فروش جماعت تیار ہو چُکی تھی۔

جب آپ بحکم خدا مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہاں بھی آپ کی تبلیغ و ہدایت کا وہی طریقہ رہا جو مکّہ میں تھا۔ یہاں چونکہ مخالفت اور دشمنی سے کسی قدر امن تھا اس لئے یہاں اسلام کی رفتارِ اشاعت دُگنی ہو گئی۔ مدینہ میں جب آپ آئے تو بہت سے اہلِ مکہ اہل مدینہ اور طوائف عرب اسلام لا چکے تھے اور اسلام کے جھنڈے کے نیچے ایک جم غفیر جمع ہو چکا تھا۔ اور یہ سب کچھ حکم جہاد سے پہلے ہوا۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر داعی اسلام کو اپنے خداداد مشن میں تلوار کے زور سے کامیابی ہوئی تو جہاد کے حکم سے پہلے یہ جم غفیر جس میں بڑے بڑے جانباز بہادر تھے ان کو کونسی تلوار نے آستانہ اقبال پر لا کر گرایا جبکہ اسلام کی تبلیغ کے ساتھ کسی قسم کا خوف نہ تھا۔ یہ وہ سوال ہے جس کا مخالفین اسلام نے اب تک کوئی جواب نہیں دیا اور نہ قیامت تک دے سکیں گے اور یونہی بغض و عناد کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

حکم جہاد کی ابتدا

جب خدائے قدوس نے عقول و افہام پر پوری طرح اتمام حجت کر دیا اور عالم الغیب و الشہادہ کے علم کے مطابق ظاہر ہو گیا کہ اب مخالفین اسلام بانیٔ اسلام کا اتباع نہ کرینگے۔ اسکے وعظ و نصیحت پر کان نہ دھرینگے اور کافروں کی بغاوت و سرکشی اور بغض و عناد میں زیادتی ہی ہوتی جائے گی، تو اب اللہ پاک نے مسلمانوں سے ظلم و فساد دور کرنے اور عناد و سرکشی کے استیصال کیلئے جہاد کا حکم دیا تاکہ عناد کے جراثیم فنا ہو جائیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ

جن سے کفار لڑتے ہیں اب ان کو بھی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ بھی لڑیں۔ اس لئے کہ اُنپر ظلم کیا گیا ہے اور ان کو بے کھٹکے ہو کر لڑنا چاہئیے اس لئے کہ اللہ میں اتنی قدرت ضرور ہے کہ جن کو صرف اس کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ ناحق ان کو گھروں سے نکالا گیا ہے۔ ان کو نصرت عطا فرمائے۔

یعنی مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے لڑنے کی اجازت اس بناء پر ملی کہ وہ مظلوم تھے۔ ظالم نہ تھے۔ اُنہوں نے کسی کو گھر سے بے گھر نہیں کیا تھا۔ بلکہ خود ان کو دیس نکالا ملا تھا اور ان بیکسوں کی اعانت اللہ پر ضرور تھی۔

برسوں کے تلخ ترین تجربہ اور صبر کے بعد جب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت بھی ملی تو اس شرط کے ساتھ کہ حد سے نہ بڑھنا کسی کے ملک و دولت پر قبضہ کرنے۔ یا اپنی قوت و شوکت کے اظہار یا کسی اور دُنیاوی غرض کے لئے نہ لڑنا بلکہ فقط خدا کے لئے اور ظالموں کے شر کو دور کرنے کے لئے۔

وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

محض اللہ کی راہ میں اپنے لڑنے والوں سے لڑو اور حد سے نہ بڑھو۔ اس لئے کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

یعنی اگر صرف خدا کی راہ میں بطور مدافعت کے بلا ظلم و زیادتی کے لڑو گے تو اللہ کی تائید و نصرت حاصل کر سکو گے ورنہ نہیں کبھی بلا وجہ خدا کی مخلوق پر ظلم کرنے لگو۔ اللہ اللہ کیسی امن و سلامتی اور کیسی امن پسندانہ و صلح جویانہ تعلیم ہے۔ علامہ حسین آفندی مصری فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) لیکن اللہ پاک نے شریعت محمدی میں جہاد کو اس ملاطفت و شفقت اور نرمی و عدل کے ساتھ شروع کیا ہے کہ اگر اس کا سابقہ شریعتوں کی مانند شریعت موسوی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ شریعت محمدی کا جہاد اگلی شریعتوں سے نہایت نرم ہے۔

ایک دوسری جگہ مسلمانوں کو ظلم و زیادتی اور اپنی طرف سے جنگ یا فساد کی ابتدا نہ کرنے کے متعلق فرمایا۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝

اگر تم (کافروں پر) سختی کرو تو اسی قدر سختی کرو جس قدر سختی ان کی طرف سے کی گئی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت بہتر ہے اور اے نبی صبر کر اور بغیر اللہ کی مدد کے تجھ سے صبر بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اُن پر غم نہ کر اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اس پر دل تنگ بھی نہ ہو۔

اس میں یہ بہترین تعلیم دی گئی ہے کہ کافروں میں سے جو تمہیں ستائے بہتر تو یہ ہے کہ تم اس کا قصور معاف کر دو۔ اور اگر اس پر تمہارا دل نہیں جمتا اور عفو و درگذر کرنے میں زیادہ سرکشی و عناد کا احتمال ہو اور کسی دھوکہ و فریب کی بو آتی ہو تو پھر واجبی بدلہ لے لو بہر حال اپنی طرف سے کسی پر ظلم و زیادتی اور فساد کی ابتداء نہ کرو۔ بتلائیے اس سے بڑھ کر حُسن اخلاق اور حفظ امن کی اور کیا تعلیم ہو سکتی ہے۔ دُنیا کا کوئی مذہب اپنے اندر ایسی عدل و شفقت کی تعلیم دکھلائے تو سہی تو پھر اسلام کے مُنہ آئے عیسوی مذہب کہتا ہے کہ دشمن کی مار کھائے جاؤ اور مٹے جاؤ۔ اور ویدک دھرم کہتا ہے اینٹ کا جواب پتھر سے دو اور دشمنوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دو۔

کوئی بتلائے کہ اگر اسلام سخت دشمنی اور مخالفت کی حالت میں اپنی مدافعت میں تلوار نہ اُٹھاتا تو کیا کرتا اس لئے دو ہی راستے تھے، یا تو وہ فنا ہو جاتا اور یا مدافعانہ روش اختیار کرتا۔ اگر وہ اول الذکر راستہ اختیار کرتا تو اسلام کے نظام کی شکست نظام عالم کی شکست تھی۔ کیونکہ اسلام دُنیا میں ایک صحیح نظامِ عالم قائم کرنے کے لئے آیا ہے۔ اگر اللہ پاک مسلمانوں کے ذریعہ کفر و ظلم کی حکومتیں نہ فنا کر دیتا تو یہ حق و صداقت اور کل مذاہب عالم کی ہزیمت تھی۔ نہ یہ مسجدیں ہوتیں۔ نہ مندر اور نہ کلیسے سب کے سب معابد منہدم کر دئے جاتے اور ظالم و جابر انسان "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کہتا ہوا فرعونیت کی بہار ایک عالم کو دکھاتا پس نظامِ عالم کا بقا اور مذاہب عالم کا تحفظ اسی میں تھا کہ وہ ثانی الذکر راستہ

اختیار کرتا۔ گو یا جہاد کی اجازت مسلمانوں کو نہ صرف اس لئے ملی کہ ان کو دُنیا میں زندہ رہنا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ خدا تعالیٰ کو نظام عالم اور مذاہب عالم کا تحفظ بھی منظور تھا۔

مذاہب عالم پر اسلام کا ایک احسان عظیم

دیکھئے حضرت باری تعالیٰ عزاسمہٗ نے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دیکر مذاہب عالم پر کتنا بڑا احسان کیا اور مذاہب کے پیرو کار ہیں کہ جہاد کی تعلیم کو ظالمانہ قرار دے کر اپنی بے بصیرتی اور احسان فراموشی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اسلام کا دُنیا پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ظالم وجابر انسان کی فرعونیت کو عرب کے آگے نہ بڑھنے دیا۔ ورنہ آج عالم کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ

(سورۂ حج پارہ ۱۷)

اگر اللہ بعض کو بعض سے نہ ہٹاتا (یعنی کفر کی سرکشی مسلمانوں کے ذریعہ دور نہ کرتا) تو خانقاہیں گرجے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے سب مسمار کر دیے جاتے اور بیشک اللہ اس کی مدد کرے گا جو اللہ (دین کی) مدد کرتا ہے۔ اور بیشک اللہ قوت والا اور غالب ہے۔

بانئ اسلام کا تلوار اُٹھانا اور اسلام کی فتح کسی ملک و دولت۔ حکومت وحشمت کی فتح نہ تھی۔ یا حرم سراؤں کو باندی غلاموں سے بھرنے کے لئے نہ تھی۔ نہ فخر ومباہات ذاتی کیلئے تھی اور نہ کسی خاندان کی بقاو دوام کے لئے۔ بلکہ خدا کی حکومت قائم کرنے کے لئے۔ دُنیا سے ظلم وفساد مٹانے کے لئے۔ مذاہب عالم کو فرعونیت اور لامذہبیت سے نجات دینے کے لئے اور دُنیا میں امن و اماں قائم کرنے کے لئے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر مسلم فاتح پہلے اپنے سرِ نیاز کو خاک پر جُھکاتا تھا اور اپنے عجز و بے چارگی کا اظہار کرتا تھا۔ مال و دولت اپنے لئے نہیں۔ بلکہ مخلوقِ خدا کی حاجت روائی و امداد و دستگیری کیلئے حاصل کرتا تھا۔ کسی خاندان کی بقا یا حکومت حاصل کرنے کا متمنی نہ ہوتا تھا بلکہ صرف قانون خدا کو رائج اور شریعت حقّہ کو مستحکم کرنے پر حریص ہوتا تھا۔

مسلمانوں کو فخر ہے اور بجا طور پر فخر ہے کہ دُنیا کی تمام قومیں اپنے لئے اور دولت وحکومت حاصل کرنے کے لئے اپنے ذاتی دشمنوں سے لڑتی تھیں اور انسان بن کر نہیں بلکہ بھیڑیا بنکر۔ مگر مسلم

لِمَا فِي الصُّدُوْرِ اب دیکھنا یہ ہے کہ طبیب اور معالج کا کیا فرض ہوتا ہے؟ کیا طبیب کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ مریضوں سے لڑتا پھرے اور مریض کی جہالت و نادانی کی ایک ایک بات پر لڑنے جھگڑنے اور مریضوں کے پیچھے لٹھ لئے پھرنے میں اپنا وقت ضائع کرے۔ یا یہ کہ کسی طرح مریض کو شفا ہو جائے اور اسکے لئے بہتر سے بہتر نسخہ اور غذا تجویز کر کے اپنے نسخہ پر مریض کا اعتماد جمائے تاکہ دوا کا جلد اثر ہو اور مریض صحتیاب ہو۔ اگر حکیم جی مریضوں سے لڑنے جھگڑنے لگیں اور ترشروئی سے پیش آنے لگیں تو ان کے مطب میں آوے ہی کون؟ اور حکیم جی علاج ہی کس کا کریں؟ پس طبیب صادق کی ساری قابلیت اور کوشش اسی ایک نقطہ پر مرکوز رہے گی کہ کسی طرح مریض شفایاب ہو جائیں اور حسن اخلاق سے اُن کو اپنی طرف رجوع کیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام کا طریق دعوت حکماء کی حکمت سے مشابہت تامّہ رکھتا ہے۔ وہ مریضوں کے قاتل نہیں بلکہ ہمدرد معالج ہوتے ہیں اور وہ ان کی صحت و تندرستی پر حد سے زیادہ حریص ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مریض اپنی صحت کا دشمن ہو اور مرض کو صحت سمجھ لے اور یا اس کا مرض متعدی ہو اور تندرستوں کو بیماری لگا دینے کا باعث ہو تو ہمدرد طبیب کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسے مریض کے حلق میں زبردستی دوا ڈال دے اور دوسروں کو اُس سے الگ رکھے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو بھی حق ہے کہ وہ ایسے گمراہ انسانوں اور دشمن صحت مریضوں کے حلق میں صحت و ہدایت کا گولا زبردستی اُتار دیں جو اپنی گمراہی سے دوسروں کو بھی گمراہ کر دینے کا باعث ہوں اسی ضرورت کے لئے انبیائے کرام کو جہاد کا حق حاصل ہوتا ہے۔

حکماء بہتر سے بہتر نسخہ اور غذا تجویز کر سکتے ہیں مگر مریض کا دوسرا مادّہ پیدا نہیں کر سکتے۔ انبیاء علیہم السلام روح و دل کے طبیب صادق ہوتے ہیں روح و دل کے امراض دور کرتے ہیں۔ بہتر سے بہتر عبادتوں اور تزکیۂ نفس کے نسخے اور روحانی غذائیں تجویز کرتے ہیں۔ لیکن مریضوں یعنی گمراہوں کا دماغ اور فکر دوسرا خلق نہیں کر سکتے۔ جیسے طبیب دوسرا معدہ پیدا نہیں کر سکتے۔ طریقۂ ہدایت مانند روحانی غذا اور نسخہ کے ہے اور طریقۂ جدل مانند دوسرا دماغ اور فکر پیدا کر دینے کے۔ سو ظاہر ہے کہ دوسرا مادہ یا دماغ و فکر پیدا کر دینا ان کے قوّت و اختیار سے باہر ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے فرمایا اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اس آیت مبارکہ میں نبی کریم ؐ سے قبول حق کی استعداد و قابلیت خلق کر دینے کی نفی ہے۔ اور جن آیتوں میں آپ کا ہادی ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اُن میں

استعداد رکھنے والوں پر سچائی کی راہ کھول دینے کا اثبات ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر قرآن کریم نے طریقہ ہدایت اختیار کیا ہے اور طریقہ جدل و خصومت کی مذمت کی ہے اور اپنی بنیاد ایمان و یقین پر رکھی ہے۔ قرآن کریم نے دعوت الی الحق کا طریقہ واضح کرنے کیلئے فرمایا

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط

اے نبی لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور اُن کے ساتھ ایسے طریقہ سے جھگڑو جو بہت ہی اچھا ہو۔

اس آیت میں دعوتِ الی الحق کے تین طریقے بتلائے گئے ہیں۔ حکمت۔ موعظہ حسنہ اور جدل لیکن جدل کو "اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ" کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔ یعنی اگر جدل کی بھی ضرورت پیش آئے تو نرمی اور ملائمت کے ساتھ مقابل کی غلطی ظاہر کرو۔ معلوم ہوا کہ حکمت و موعظہ حسنہ محمود و مطلوب ہے۔ اور جدل مذموم۔ مگر الّا بالتی ہی احسن کے ساتھ۔

ناظرین انصاف فرمائیں کہ جب اسلام جدل تک کو مذموم قرار دیتا ہے اور تبلیغ و اشاعت کا طریقہ ہدایت بتلاتا ہے تو وہ جبر و اکراہ کی تعلیم کیسے دیگا۔

اب ہم اس مضمون کی چند آیات بیّنات اور پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے دین کے بارے میں سختی اور جبر سے کس شدّومد اور تواتر کے ساتھ روکا ہے اور محض زبانی تبلیغ تک اشاعتِ اسلام کو محدود رکھا ہے۔

(۱) لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (سورۂ بقر)

دین کے بارے میں کوئی جبر و اکراہ نہیں کیونکہ گمراہی سے ہدایت متمیز ہو چکی ہے۔

(۲) یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ ط (سورۂ انعام پارہ ۷)

(اے ایمان والو تم (ہدایت پر قائم رہو) اپنی جانوں کی خبر لو۔ کسی کی گمراہی (یا کفر) تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔

یعنی تم اپنی حالت درست کرو اور دین حقہ پر قائم رہو اگر کافر دین حق کو قبول نہیں کرتے تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے اور وہ تمہارا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ گویا دوسرے معنوں میں مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر کوئی دین حق قبول نہیں کرتا تمہیں ہرگز یہ حق نہیں کہ تم اسے محض کفر کی وجہ سے اُس سے نفرت و عداوت رکھو

(۳) وَمَنْ کَفَرَ فَعَلَیْہِ کُفْرُہٗ ط

جس نے کفر کیا اُس کا کفر اسکے ساتھ ہے۔

یعنی جب تم نے دینِ حق کے دلائل و براہین کھول کھول کر بیان کر دیئے اور تبلیغ اسلام کا حق ادا کر دیا تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے اب اس کا معاملہ خدا کے ہاتھ ہے وہ اپنے کفر کی سزا پائے گا

(۴) فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

(سورہ کہف پارہ ۱۵)

یعنی جب ہم نے اپنے رسول کے ہر ذریعہ دُنیا پر اچھی طرح اتمام حجت کر دیا تو اب جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کر کے ابدی جہنم خرید کر لے۔

(۵) لَكُمْ دِيْنُكُمْ تمہارا دین تمہارے لیئے اور کافروں کا

وَلِيَ دِيْنِ ۝ کافروں کے لیئے۔

یعنی تمہارا دین تمہیں مبارک ہو اور کافروں کا کفر اُنہیں مبارک رہے جو جیسا کریگا ویسا بھرے گا۔

(۶) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اے نبی آپ کافروں پر داروغہ تو نہیں ہیں۔

مخالفین اسلام سے کہو کہ حق و انصاف کے دشمنو خدارا ان آیات بینات کو مطالعہ کرو اور انصاف سے بتلاؤ کیا ایسے بین الاقوامی اور امن پسند مذہب پر جبر و سختی کا الزام لگایا جا سکتا ہے اور کیا مسلمان غیر مسلموں سے محض ان کے کفر کی وجہ سے بغض و عناد رکھ سکتے ہیں۔ اسلام کو تو یہ بھی گوارا نہیں کہ پتھر کی مورتیوں تک کو بُرا کہا جائے۔ اگر کوئی اب بھی اسلام پر جبر و اکراہ کا الزام لگانے سے باز نہیں آتا تو اس کو کہو کہ وہ اپنے بغض و عناد کی آگ میں آپ جل مرے۔ کسی دشمن خدا کی پھونک نورِ خدا کو نہیں بجھا سکتی۔

اب ہم مہاشہ جی کی اُن پیش کردہ آیات کا جواب دیتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے سوال نمبر ۳ میں پیش کی ہیں۔ مہاشہ جی اور ان کی قوم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کی پیش کردہ آیات میں سے نمبر ۲ اور ۳ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی یا حالت امن اور حالت جنگ دو حالتوں کے متعلق ہیں وہ دو حالتیں یہ ہیں ایک تو جب کہ وہ کسی قوم سے مصالحت اور امن کی حالت میں ہوں دوسرے جب وہ کسی قوم سے برسر جنگ ہوں۔ یہ تینوں آیتیں اُس حالت کے متعلق ہیں جبکہ اہل اسلام کسی قوم سے برسر جنگ ہوں۔ مگر مہاشہ جی کی حالت دیدہ دلیری۔ کذب بیانی اور اسلام کی تعلیم سے خطرناک ناواقفی ملاحظہ ہو کہ وہ اُن کو زبردستی حالت امن کے معانی سے بدل کر ظلم کا حکم دے رہے ہیں۔ اور ذرا نہیں شرماتے۔

آیت نمبر ۴ کا مہاشہ جی ایک درمیانی ٹکڑا لے اڑے ہیں اور اُسی پر اعتراض کی بُنیاد کھڑی کر لی اور اسکے سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے دُنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کی کوشش کی ہے اور

اپنی نافہمی کا ثبوت پیش کر دیا ہے۔ انکے منقولہ الفاظ سے پہلے قرآن میں یہ الفاظ ہیں :۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

اے پیغمبر جب تم نے مشرکوں سے وعدہ کیا۔ پھر اُنھوں نے تمہارے دشمنوں کی مدد کی تو اُن کی مقررہ مدت تک وعدہ پورا کرو اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے محبّت کرتا ہے۔

اس میں مصالحین کے وعدہ مصالحت کا احترام کرنے کی تعلیم دی گئی ہو اور دیانتداری وپاس عہد کی ایسی اعلیٰ ہدایت کی ہے کہ اگر مخالفین اسلام کا آئینۂ فطرت زنگ عناد سے بالکل ہی زنگ آرد نہیں ہوگیا ہے تو خود اُن کا ضمیر پکار اُٹھے گا کہ بیشک یہ تعلیم خدا ہی کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ مگر واہ رے تعصّب اس اعلیٰ تعلیم پر بھی اعتراض ہے۔

جن لوگوں کی دوستی سے قرآن نے مسلمانوں کو روکا ہے اور جس پر معترض کو تاؤ آرہا ہے اس کی بابت بھی سن لیجیئے کہ کیوں اور کن کی دوستی سے ان کو روکا گیا ہے۔

لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ط

یہ لوگ تمہیں نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے جس چیز سے تم کو تکلیف ہوتی ہے وہی اُن کو پسند ہے۔ اُن کا کینہ اور ان کی عداوت اُن کے مونہوں سے ظاہر ہوچکی ہے اور جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے وہ بہت ہی بُرا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ (سورہ آل عمران پارہ ۴)

مسلمانو! اگر تم ان لوگوں میں سے کسی فریق کا کہا مانو گے جنہیں کتاب دی گئی ہے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم مسلمانوں کو صرف اُن خطرناک دشمنان اسلام کی دوستی سے روکتا ہے جو مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے پر تُلے ہوئے ہوں۔ ان کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے منصوبے باندھتے ہوں۔ اور جن کی اسلام سے دُشمنی ظاہر ہوچکی ہو کہ تمام غیر مسلموں

علی العموم روکتا ہے۔ معلوم نہیں اسلام کے اپنے گھر کے انتظام پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔[ل]

آریوں کا ایک اور مشہور اعتراض یہ ہے کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا اُپدیش ہے کہ قتل کرو یا جنگ کرو اُن سے جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور دینِ اسلام کو قبول نہیں کرتے"۔ یہ اس آیت کا غلط مفہوم لیا گیا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

جو تم سے جنگ کرتے ہیں ان کے ساتھ لڑو جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیز کو حرام نہیں جانتے اور اُن اہل کتاب سے جو سچے دین کو قبول نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ نہ دیں اور ذلیل نہ ہوں۔

(سورہ توبہ)

اس آیت میں مسلمانوں کو مقاتلہ کرنے کا حکم ہوا ہے نہ کہ قتل کرنے کا۔ مگر کتنی بڑی نادانی ہے کہ قرآن کریم کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کی دیدہ دانستہ کوشش نہیں کی جاتی۔ عربی زبان سے معمولی واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ باب "مفاعلہ" اشتراک کے لئے آتا ہے۔ یعنی دو شخصوں کا مل کر کسی کام کو کرنا اور اس آیت میں جو لفظ "قَاتِلُوْا" ہے وہ اسی باب سے ہے۔ اس بناء پر آیت کے معنی یہ ہوئے کہ

[ل] اسلام نے تو صلح پسندی اور رواداری کو یہاں تک ملحوظ رکھا ہے کہ اپنی امن پسندی کو حد تک پہنچا دیا اور اس بات کی بھی پرواہ نہیں کی کہ کہیں مسلمانوں کی صلح جوئی ان کے حق میں خطرناک ثابت نہ ہو اور دشمنوں کو ان کے فنا کر دینے کا موقعہ نہ ملے۔ چنانچہ فرمایا۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور اے پیغمبر اگر تیرے دشمن صلح کے واسطے تیری طرف جھکیں تو تو اللہ پر توکل کر بیشک اللہ سُننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ اس صلح سے تجھے کوئی فریب دینگے تو تحقیق اللہ تجھے کفایت کرنیوالا ہے اور اللہ تو وہ قدرت والا ہے جس نے تجھ کو اپنی مدد اور مسلمانوں سے مدد دی

اگر مدمقابل بھی تلوار اُٹھائے تو تم بھی اُس سے مقابلہ کرو - اگر آیت میں "اقتلوا" یعنی امر کا صیغہ ہوتا کہ کافروں کو قتل کرو تو پھر تو واقعی اعتراض ٹھیک ہو سکتا تھا معترض کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس آیت میں جنگ یا قتل کرنے کا مسلمانوں کو حکم نہیں ہے بلکہ اپنے لڑنے والوں سے مقابلہ کرنے کا حکم ہے اگر محض کافر ہونا قرآن کریم کے نزدیک موجب قتال ہوتا تو وہ یہ نہ کہتا "حتی یعطوا الجزیة" بلکہ یوں کہتا کہ لڑائی کرو کافروں سے جبتک وہ ایمان نہ لے آئیں - پس قرآن کریم نے جزیہ کا مطالبہ کر کے اعتراض کی بنیاد کو اُڑا دیا -

کیا جزیہ کوئی ظالمانہ مطالبہ ہے

اگر جزیہ کا مطالبہ کرنا بھی اعتراض ہو سو جزیہ کی حقیقت بھی سن لیجئے - جزیہ ایک قسم کا معاوضۂ حفاظت ہے - یا یہ سمجھئے کہ یہ ایک قسم کا ٹیکس ہے جو ہر بادشاہ اپنی رعایا سے وصول کرتا ہے جو اخراجاتِ سلطنت پورے کرنے اور معاوضۂ حفاظت میں دینا پڑتا ہے - یعنی یہ جزیہ رعایا کی جانوں کی حفاظت کی جزاء ہے - چنانچہ لغت والوں نے لکھا ہے تسمیتها بذٰلك للاجتزاء یعنی اس کا یہ نام جانوں کی حفاظت کی جزا میں رکھا گیا ہے اور جزیہ کی مقدار بھی نہایت قلیل وصول کی جاتی ہے اس کی ماہانہ شرح حیثیت یہ تھی - پانچ آنے - دس آنے اور سوا روپیہ - اس میں بھی مذہبی اشخاص اپاہج اور نادار مستثنےٰ تھے -

کیا کوئی معترض ازمنہ مظلمہ میں تو کیا اس مہذب زمانہ میں بھی کسی سلطنت کا پتہ دے سکتا ہے جس نے اپنی رعایا پر ٹیکس نہ لگایا ہو - کم ازکم اس کو سلطنت برطانیہ ہی کے ٹیکس دیکھ لینے چاہئیں جنہوں نے رعایا کا خون چوس کر انگریزوں کا خزانہ بھر دیا ہے اور اسلام کی نرمی اور شفقت کی داد دینی چاہیئے -

اب اسلام کی اپنے محکوموں اور غیر مسلموں پر ابر باراں بھی ملاحظہ فرما لیجئے کہ کس طرح غیر مسلم اسلام کی حکومت میں آزاد اور فارغ البال تھے اور اسلام نے ان کو کیسے کیسے حقوق و مراعات دئے تھے -

اسلام میں ذمیّوں کے حقوق

اسلام کو اپنے انصاف پر ناز ہے اور اس کا ہر غرور و افتخار آسمان سے باتیں کر رہا ہے کہ اس نے بڑی فیاضی کے ساتھ اپنی رعایا کو اپنی برابر سمجھا ہے - اسلام کی حکومت میں شاہ و گدا مقبول و مردود اور مسلم و غیر مسلم سب کا ایک ہی رتبہ ہے اور بلا شبہ اسلامی حکومت میں ربوبیت الٰہیہ کا جلوہ نظر آتا ہے - دُنیا میں اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی اسلامی حکومت کا قائم ہو جانا صحیح معنوں میں خدا کی حکومت

کا قیام اور اسکے نظم ونسق کو فرشتوں کے ہاتھوں میں دینا ہے۔

اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت اور امن پسندی یہ ہے کہ اس نے ذمیوں یعنی اُن لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں اور مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں نہایت فیاضی اور آزادی سے مذہبی سیاسی اور معاشرتی حقوق بخشے ہیں اور ان کے مذہب اور عقیدے سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ جو لوگ اسلام کو نفرت پھیلانے والا اور جبر وسختی سے اپنے اندر شامل کرنے والا مذہب سمجھتے ہیں جیسا کہ مہاشہ جی مذکور کے سوال میں ہے، وہ ان حقوق کو ذرا آنکھیں کھول کر پڑھیں اب ہم وہ حقوق نمبروار بیان کرتے ہیں۔

(۱) اسلامی حکومت میں ذمیوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔

(۲) ذمیوں کے معاملات ان ہی کی شریعت کے موافق فیصل کئے جائیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی مجوسی نے اپنی شریعت کے مطابق اپنی بیٹی سے نکاح کیا تو اسلامی گورنمنٹ اس نکاح کو صحیح تسلیم کرے گی۔

(۳) اسلامی ممالک میں ہر جگہ آزادی کے ساتھ وہ اپنی عبادتگاہیں بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ شہر بغداد میں جو خاص اسلامی شہر اور اسلامی حکومت کا صدیوں دار الخلافہ رہا ہے سینکڑوں اور ہزاروں گرجے ابتک اس آزادی کا نمونہ موجود ہیں۔

اس موقعہ پر ایک اسلامی فرمانروا کی فیاضی و رواداری کا قصہ پیش کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا خلفائے بنو امیہ میں سے ولید بن عبد الملک نے جامع دمشق کی تعمیر کے وقت ارادہ کیا کہ ایک گرجا جو مسجد کے نزدیک تھا اس کو منہدم کرا کر مسجد میں شامل کرلے۔ اس غرض سے ولید نے مسیحیوں سے گرجے کو مول لے لینا چاہا مگر عیسائی کسی طرح بھی راضی نہ ہوئے۔ اگرچہ ولید جو قیمت بھی عیسائی مانگتے دینے کے لئے تیار تھا۔ مگر جب عیسائی کسی قیمت پر بھی راضی نہ ہوئے تو بالآخر ولید نے حکم دیدیا کہ وہ گرجا زبردستی توڑ کر جامع دمشق میں ملا دیا جائے۔ ایسا ہی ہوا کہ وہ گرجا مسجد میں شامل کر لیا گیا آخر خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے حاکم دمشق کے نام فرمان جاری کیا کہ ولید نے گرجے کو توڑ کر جس قدر مسجد میں اضافہ کیا ہے وہ حصہ ڈھا دیا جائے اور عیسائیوں کو اجازت دی جائے کہ وہاں اپنا گرجا بنالیں اسی طرح مصر میں ہوا وہاں کے ایک حاکم نے گرجے مسمار کرادئے تھے۔ پھر ایک دوسرے حاکم نے اسلامی بیت المال کے خرچ سے دوبارہ وہ گرجے بنا کر عیسائیوں کے آنسو پونچھے۔

(۴) جزیہ یعنی محافظت کا ٹیکس حسب حیثیت قائم کیا جائے گا مفلس شخص جزیہ سے بالکل معاف ہے۔

(۵) اگر کوئی شخص جزیہ کا باقی دار ہو کر مر جائے تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

(۶) تجارت میں مسلمانوں کی طرح آزاد ہیں۔ ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہیں اور ان سے اسی طرح ٹیکس لیا جاتا ہے جس طرح مسلمانوں سے لیا جاتا ہے۔

(۷) ذمیوں کی شہادت اُن کے باہمی مقدمات میں مقبول ہوگی۔

(۸) ذمیوں کے یہ حقوق و مراعات بجز اس حالت کے کہ اُن کے پاس جمعیت ہو اور اسلامی گورنمنٹ سے بمقابلہ پیش آئیں اور کسی صورت میں باطل نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ذمی جزیہ ادا نہ کرے یا مسلمان عورت سے زنا کا مرتکب ہو۔ یا کافروں کی جاسوسی کرے۔ یا کسی مسلمان کو کفر کی ترغیب دے اور یا خدا اور اسکے رسول کی شان میں بے ادبی کرے تو ان تمام حالتوں میں وہ صرف سزا کا تو مستحق ہوگا۔ لیکن باغی نہ سمجھا جائیگا اور اس کے حقوق باطل نہ ہونگے۔

(۹) ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے۔ یعنی اگر مسلمان ذمی کو عمداً قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اسکے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو جو خونبہا مسلمان کے قتل بالخطاء سے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئے گا۔

اسلامی حکومت میں غیر مسلم کا خون مسلمان کا خون ہے

حضرت علیؓ کا قول ہے مَنْ کَانَتْ لَهٗ ذِمَّتُنَا فَدَمُهٗ كَدَمِنَا وَدِيَتُهٗ كَدِيَتِنَا یعنی ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور اسکی دیت ہماری دیت ہے۔ عبداللہ جو حضرت عمر فاروقؓ کے فرزند تھے۔ اُنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے کے وقت دو شخصوں کو جو کافر تھے اور جن پر اُن کا شبہ تھا قتل کر ڈالا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلافت پر بیٹھے تو اُنہوں نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور اس میں رائے پوچھی۔ تمام مہاجرین نے بالاتفاق کہا کہ عبداللہ کو قتل کرنا چاہئے۔

حنفیوں نے جو حقوق و مراعات ذمیوں کو دئے ہیں وہ چونکہ انتہائی رواداری پر مبنی ہیں اس لئے تذکرہ امام رازیؒ نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں حنفیوں کو طعنہ دیا ہے کہ ان کے نزدیک ابوبکر صدیق کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہے۔ یعنی ابوبکر صدیق بے جرم کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیوں کے نزدیک وہ بھی قتل کئے جانے کے مستحق تھے۔ (سیرۃ النعمان)

میور صاحب جنہوں نے پیغمبر اسلام اور اسلام کو ایک خونخوارانہ شکل میں پیش کیا ہے اور مسلمانوں کو بڑے بڑے الزام دئے ہیں۔ آخر حق اس دشمن اسلام کی زبان سے بھی ٹپک ہی پڑا۔ میور صاحب اپنے تذکرہ پیغمبر اسلام کے دوسرے حصہ میں لکھتے ہیں:۔

"رسول اللہ صلعم نے بنی حارث اور بنی نجران کے اسقف اعظم اور دیگر اساقفہ کو اور نیز ان کی پیروی کرنے والے راہبوں کو اس مضمون کا خط لکھا تھا۔ کہ ہر چیز خواہ قلیل ہو یا کثیر جس حیثیت سے اب تمہارے کنیسوں اور خانقاہوں میں ہے۔ اسی حیثیت سے وہ تمہارے قبضہ میں رہے گی۔ اور تم اسی طرح اُسے اپنے کام میں لاؤ جس طرح اب لاتے ہو۔ خود خداوند عالم اور اس کا رسول صلعم عہد کرتا ہے کہ کوئی اسقف اعظم اپنی عملداری سے اور کوئی راہب اپنی خانقاہ سے اور کوئی اسقف اپنے عہدے سے برخاست نہ کیا جائے گا اور ان کی حکومت اور اُن کے حقوق میں کسی قسم کا تغیّر و تبدّل نہ کیا جائیگا۔ اور نہ اس بات میں کچھ تغیّر ہو گا جو ان میں مرسوم اور مروج ہو۔ اور جبتک وہ صلح و آشتی اور تدین کو اپنا شعار رکھیں گے۔ ان پر کسی قسم کا ظلم و جور نہ کیا جائے گا۔ نہ وہ کسی پر ظلم و جور کرنے پائینگے۔

حضرت عمر فاروق کی ایک منصفانہ کارروائی

سنہ ۲۳۷ء میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو گھوڑے پر سوار سفرونیوس اسقف اعظم سے بیت المقدس کی عمارات قدیم کا تذکرہ کرتے ہوئے شہر کے اندر چلے گئے اور جب نماز ظہر کا وقت آیا۔ تو حضرت عمر فاروق رضہ کے عدل و انصاف نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس کلیسا میں نماز ادا کریں۔ جہاں آپ اُس وقت کھڑے تھے۔ بلکہ اس کلیسا کے زینہ پر فریضۂ نماز ادا کیا۔ اور سقف اعظم سے مخاطب ہو کر فرمایا "اگر میں اس کلیسائے بزرگ کے اندر نماز پڑھتا۔ تو آیندہ مسلمان اس معاہدے کے خلاف کرتے جو ہم سے اور تم سے ہو گیا ہے اور یہ حیلہ کرتے کہ جب خود خلیفہ نے اس گرجا میں نماز پڑھی تو پھر ہم کو کون مانع ہے"

فقہ اسلامی کے بعض سخت احکام

اس موقعہ پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں مثلاً فتاوی عالمگیری اور ہدایہ وغیرہ میں ذمیوں کے متعلق چند ایسے احکام بھی مذکور ہیں جو نہایت سختی اور تنگدلی پر مبنی ہیں جن سے غیر قوموں کو مذہب اسلام پر حملہ کرنے کا موقع ملتا ہے سو اوّل تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور صحابہ رضہ کے تعامل کے مقابلہ میں قابل حجت نہیں دوسرے حضرت امام ابو حنیفہ رح سے اس باب میں جو کچھ مروی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ ذمی زنّار باندھیں اور ایسے زین پر سوار

ہوں جن کی شکل ہتھیلی کی سی ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ جس قدر سخت و بیرحمانہ احکام ہیں۔ وہ سب متاخرین فقہا کی ایجاد ہے ورنہ حضرت امام ابو حنیفہ رح کا دامن اس داغ سے پاک ہے اور کسی اور کے قول و فعل کا اسلام ذمّہ دار نہیں۔

بلا شبہ یہ حضرت عمر فاروق رض کے احکام ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیوں کی تحقیر کی وجہ سے صادر ہوئے تھے۔ سخت غلطی ہے افسوس ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب اکثر متاخرین فقہا نے کیا بے شبہ حضرت عمر رض کا ایک طبعی مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند کرتے تھے انہوں نے اکثر اہل فوج کو فرمانوں میں لکھا ہے کہ وہ جاڑوں میں دھوپ کھانا نہ چھوڑیں۔ گھوڑوں پر رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں۔ موٹے کپڑے استعمال کریں جس سے مقصد یہ تھا کہ اہل عرب اپنے ملک و وطن کی خصوصیت کو محفوظ رکھیں اسی بنا پر انہوں نے اہل عجم کو جنہوں نے اسلام نہیں قبول کیا تھا تاکید کی تھی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتوں کو ضائع نہ ہونے دیں۔ اہل عجم زمانہ اسلام سے پہلے زنار باندھتے تھے۔ لمبی ٹوپیاں اوڑھتے تھے۔ ان کے زین آجکل کے انگریزی زین کے مشابہ ہوتے تھے۔ ان کی عورتیں اونٹوں پر سوار نہیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ انہیں رسوم و عادات کے متعلق حضرت عمر رض نے حکم دیا کہ اہل ذمّہ اسکی پابندی کریں۔ یہی احکام حضرت امام ابو حنیفہ رح اور قاضی یوسف رح نے قائم کئے جنکا مقصد صرف اس قدر ہے کہ دونوں قومیں اپنی خصوصیت پر قائم رہیں (سیرۃ النعمان)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر مسلم فاتح اور سردار کو روانگی کے وقت یہ احکام و نصائح دیا کرتے تھے:۔

(۱) بار آور اور سایہ دار درخت نہ کاٹے جائیں۔

(۲) کھیتیاں پامال نہ کی جائیں۔

(۳) عورتیں، بچے، بوڑھے، ضعیف اور مریض ہرگز نہ قتل کئے جائیں۔

(۴) گرجے۔ کنیسے اور دیگر عبادتگاہیں و خانقاہیں مسمار نہ کی جائیں۔

(۵) گوشہ نشین و مقتدایان دین پر ہرگز تلوار نہ اُٹھائی جائے۔

یہ صرف نصیحتیں نہ تھیں بلکہ واجب التعمیل احکام تھے جن کو ہر مسلمان سپاہی اپنے بازو پر باندھ کے چلتے تھے۔ اور ہر طرح ان کی تعمیل کرتے تھے۔

غرض جس تہذیب اور رواداری کے ساتھ مسلمانوں نے فوجی زیادتیوں اور سپاہیوں کی دست درازیوں کو روکا ہے اور تاخت و تاراج کی کارروائیوں کو ضابطہ کے ساتھ ایک مہذّب قانون کا پابند بنادیا ہے وہ انہیں کا حصہ تھا۔ اور کوئی فاتح قوم اس امر میں ان کی برابری کا دعویٰ

نہیں کر سکتی۔

ناظرین اُن حقوق ومراعات کا بغور مطالعہ فرمائیں جو اسلام نے ان کو دئے ہیں اور انصاف سے بتلائیں کہ ایسے پاکیزہ اور امن پسند مذہب کی تعلیم پر جبر وسختی اور دوسروں سے نفرت دلانے کا الزام دینا حق و انصاف کا خون کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ مخالفین اسلام کی ناانصافیاں اور بد دیانتیاں دیکھ دیکھ کر بے اختیار رونا آتا ہے کہ کس طرح معترضین اسلام باطل کو حق اور حق کو باطل سمجھ کر ابدی جہنم خرید رہے ہیں۔

اسلام کی روح تعصب کے مخالف ہے، جس وقت دُنیا میں اسلام کا ظہور ہوا اُس وقت دُنیا کی قومیں "قبیلہ" اور "وطنیۃ" کی منزل سے آگے نہ بڑھی تھیں۔ ہر قوم اپنی نسلی جنسیت کے دائرے میں محدود تھی تنگ دائروں اور "قومیت" اور "مذہبیت" کے اعتقاد سے فخر وغرور اور باہمد گر غلبہ و تسلط کے مہلک جذبات نہایت شدت و قوت کے ساتھ ان کے ضمیر میں سرایت کر چکے تھے۔ اپنی قوم اور اپنے مذہب کے نام پر اور اپنی عظمت و کبریائی تسلیم کرانے کیلئے سینکڑوں ہزاروں جانیں آن کی آن میں قربان ہو جاتی تھیں خاندان کے خاندان "عصبیت" کے دیوتا کی بھینٹ چڑھ جاتے تھے اور غیر قوم وغیر مذہب کے لوگ گاجر مولی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے۔

اقوام عالم کی تاریخ گواہ ہے کہ ہر قوم کی "قومیت" کی بُنیادیں بیگناہوں اور مظلوموں کے خون سے استوار ہوئی ہیں اور ہر قوم کے تمدن کی بُنیادیں نسل اور وطن سے استوار ہوئی ہیں۔

اسلام سے پہلے انسانیت قبیلہ۔ قومیت اور وطنیت کے ہاتھوں ذلیل و خوار اور جاں بلب تھی اور ایک ہی خاندان اور ایک گھرانے کے رشتہ دار مذہبی اختلافات اور امتیاز و تفرقہ کی وجہ سے ایک دوسرے سے کٹ کر اجنبی اور غیر بن رہے تھے۔

ایسی حالت میں اسلام دُنیا میں آیا اور انسان کے اپنے باندھے ہوئے رشتوں کو توڑ پھینکا اور اُن رشتوں کی بُنیادوں تک کی بیخ کنی کر دی اور نسل۔ وطن۔ جنس۔ رنگ۔ زبان کسی غیر حقیقی رشتے کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اس نے صرف ایک ہی رشتہ انسانیت کی دعوت دی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ	اے مجمع انسانی ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ پھر تمہیں مختلف شاخوں اور قبیلوں کی صورت دیدی۔ اور یہ

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اس لئے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے پہچانا جا سکے۔ باقی عزت و شرف کا معیار تو یہ ہے کہ انسان پرہیزگار ہو۔

دیکھئے اسلام نے کس خوبی کے ساتھ نسلیت اور قومیت وغیرہ کے بتوں کو توڑا ہے اور کس خوبی کے ساتھ انسان کی عالمگیر اخوت و وحدت کی بنیاد استوار کی ہے۔ عالمگیر اخوت انسانی کی راہ میں چار چیزیں رکاوٹ ڈالتی تھیں۔ نسل، وطن، رنگت اور زبان ان ہی چاروں امتیازات کو اسلام نے مٹا ڈالا "نسل" کی نسبت صاف صاف کہہ دیا "خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی" تمام نوع انسانی ایک ہی نسل ہے۔ "وطن" کی نسبت کہہ دیا کہ عرب ہو۔ یا عجم سب ایک ہی خدا کی زمین کے باشندے ہیں اور "زبان" و "رنگت" کے متعلق فیصلہ کر دیا کہ یہ تو خدا کی قدرت اور حکمت کی نشانیاں ہیں ان چاروں بتوں کو توڑنے کے بعد بنی نوع انسان کو تفرقے اور گمراہی سے دور رہنے کی ہدایت بھی کر دی۔

ان چاروں امتیازات کے زیر اثر انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی مگر اسلام نے بتلایا "مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا" جس نے کسی دوسرے انسان کو بغیر قصاص یا ظلماً و قہراً فساد کی نیت سے قتل کر دیا اس نے صرف ایک ہی انسان کو قتل نہیں کیا بلکہ ایسا ہے کہ گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

اب داعی اسلام کی تعلیم اور عمل کا حال ملاحظہ ہو۔

آپ نے نسل وجنس کے غرور و تنگ نظری کو "عصبیۃ جاہلیۃ" سے تعبیر کیا اور بار بار اعلان کر دیا۔

لیس منا من مات علی العصبیۃ وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کی خصوصیت کے تعصب پر دنیا سے جائے۔

لیس منا من دعا الی العصبیۃ وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کے تعصب کی طرف دعوت دے

لیس منا من قاتل علی العصبیۃ وہ ہم میں سے نہیں جو تعصب کی بنا پر دوسری جماعت سے لڑائی لڑے۔

حجۃ الوداع میں جو آپ کی زندگی کا آخری حج تھا اپنی امت کو آخری وصیت دیتے ہوئے فرمایا۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علٰی عربی کلکم ابناء آدم۔ آج کے دن سے نسل و قومیت کے سارے امتیازات مٹ گئے اب نہ کسی عرب کو عرب ہونیکی وجہ سے عجمی پر فضیلت ہو سکتی ہے اور نہ عجمی کو عربی پر

کیونکہ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں۔

زید بن ارقم ایک راوی کہتے ہیں کہ آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اللّٰھم ربنا و رب کل شیٔ انا شھید انک الرب وحدک لا شریک لک۔ اللّٰھم ربنا و رب کل شیٔ انا شھید ان محمدا عبدک و رسولک۔ اللّٰھم ربنا و رب کل شی انا شھید ان العباد کلھم اخوۃ۔

خدایا! ہمارا اور ساری کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ صرف تو ہی پروردگار عالم ہے تیرے سوا کوئی نہیں۔ خدایا! ہمارا اور ساری کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ محمد تیرا بندہ ہے اور تیرا رسول ہے۔ خدایا! ہمارا اور ساری کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ تیرے سارے بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اس مبارک دُعا میں غور کیجئے یکے بعد دیگرے تین شہادتیں ہیں۔ پہلی پروردگار عالم کی توحید و ربوبیت کی۔ دوسری رسول کی رسالت اور بندگی کی۔ اور تیسری اخوت انسانی کی۔ اوّل کی دو شہادتیں اسلام کے دین و عقاید کی بُنیاد اور اولین اصول ہیں۔ اخوت انسانی کی اہمیت ملاحظہ ہو کہ ان اہم ترین عقیدوں کی شہادت کے بعد تیسری شہادت اخوت انسانی کی ہے۔ معلوم ہوا کہ داعی اسلام توحید اور رسالت کے بعد جس حقیقت کا اعلان عام کرنا چاہتے تھے وہ اخوت انسانی تھی۔

کہاں ہیں بانی اُسلام کی ذات اقدس پر جبر و سختی کا الزام لگانیوالے اور مسلمانوں کو تعصب اور تنگ دلی کا طعنہ دینے والے عیسائی اور آریہ وغیرہ مخالفین اسلام وہ مذکورہ بالا تفصیلات کا مطالعہ کرکے اپنے اپنے مذہب سے کم از کم ''دلسل'' کا بُت ہی توڑ کر دکھلاویں ورنہ درصورت عجز تسلیم کرلیں کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے پیروکاروں میں تحمّل و بردباری اور وسیع القلبی پیدا کرتا ہے ان صاف براہین، اور واضح دلائل کی موجودگی میں بھی اگر کسی شخص کا ضمیر اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اسلام پر شمشیر بازی کا الزام لگائے تو مجبوراً یہی کہنا پڑے گا کہ ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ ط اور یہی دُعا کرنی پڑے گی کہ خدا اُنہیں آنکھیں دے عقل و سمجھ دے اور نیک ہدایت دے تاکہ وہ اسلام کو حقیقی رنگ اور اصلی صورت میں دیکھ لیں۔

شمشیر اسلام غلاف سے باہر

ہم نے دلائل قاہرہ سے ثابت کر دیا کہ اسلام صلح و سلامتی کا مذہب ہے، اور اسکی بُنیاد اخوت

انسانی ہے۔ اب ذرا ایک غور کی نظر داعی اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے عفو درگذر پر ڈال لیجئے
جس کا ثبوت آپ نے اُس وقت دیا جبکہ آپ کو ہر قسم کی قوت و اقتدار حاصل تھا۔
مکہ کی زندگی میں آپ نے متکبر، مغرور اور وحشی انسانوں کے ہاتھوں پتھر کھائے طعن و تشنیع
سُنے۔ ہجو و تمسخر برداشت کیے اور بیشمار اذیتیں سہیں مگر اللہ رے جوش تبلیغ اور لطف و کرم کہ زبان
سے اُف تک بد دعا تک نہیں دی اور اپنے دشمنوں کی طرف سے اپنے دل میں ذرا بغض و کینہ نہ رکھا گویا
تکالیف کا احساس اور خیال تک نہ تھا۔ اگر ان کی بے پناہ ایذا رسانیوں پر زبانِ مبارک بھی کھلی تو جذبات
شفقت و مودت سے بھری ہوئی۔ فرماتے ہیں اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون اے اللہ میری قوم
کو ہدایت دے وہ جانتی نہیں۔ صحابہؓ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ کاش آپ ان لوگوں کے حق میں
بد دعا کرتے تاکہ یہ اپنے کیفر کردار کو پہنچتے۔ حضور جواب میں فرماتے ہیں کہ میں لعنت اور بد دعا کرنے
نہیں آیا بلکہ راہ راست کی طرف بلانے آیا ہوں اور خدا نے مجھے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے ؎

دست دعا انہی کے لئے عرش تک بلند ہے جن کی آستیں میں خنجر چھپا ہوا

غرض آپ کی ہر سعی محروم کیف و اعتماد اور ناواقف لطف قدر شناس رہی۔ مگر آپ حق و صداقت کی تبلیغ
میں پوری سرگرمی کے ساتھ منہمک رہے۔
ممکن ہے کہ حضور کی مکی زندگی کی نسبت کہہ دیا جائے کہ اُس وقت آپ سوائے صبر اور عفو و درگذر
کے اور کر بھی کیا سکتے تھے کیونکہ آپ کو اُس وقت کوئی قوت اور اقتدار حاصل نہ تھا۔ لیکن جس وقت آپ
کو اقتدار حاصل ہو گیا اُس حالت میں بھی آپ کی شان رحمۃ للعالمینی ملاحظہ فرمالیجئے۔
فتح مکہ کے روز جبکہ حضور کو اپنے دشمنوں پر پورا پورا اقتدار اور تسلط حاصل تھا۔ آپ کے جانی دشمن
آپ کے سامنے دست بستہ اور پا بجولاں حاضر تھے اور صرف آپ کے رحم و کرم پر تھے۔ اور اِدھر کفار مکہ کو
ان کی زیادتیوں اور ظلم و ستم کا انجام ڈرا رہا تھا۔ ان کی ضمیر یں ان کو لعنت و ملامت کر رہی تھیں اور
اُن کو اپنی موت کا یقین تھا۔ ایسی حالت میں اگر آپ ان سے پورا پورا انتقام لیتے اور کیفر کردار کو پہنچاتے
تو کون سی عقل تھی جو چون و چرا کرتی۔ کونسی تہذیب تھی جو انگشت نمائی کرتی۔ اور کونسا مذہب تھا جو
اس کو ظلم ٹھہراتا۔ غرض آپ کو ہر طرح حق حاصل تھا کہ اپنے دشمنوں سے انتقام لیتے۔ مگر آپ انتقام بھی
لیتے ہیں تو وہ انوکھا انتقام جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے۔ آپ حکم فرماتے ہیں کہ ان ظالموں
کو تہ تیغ کر دو۔ انکے ناپاک سر اُڑا دو۔ ان کے دل و جگر میں خنجر بھونک دو۔ اور ان کو خاک و خون
میں لوٹا دو۔ مگر اس لوہے کی تلوار سے نہیں بلکہ عفو و درگذر کے خنجر آبدار سے۔ اخلاق کی روحانی چھری

سے اور ہمدردی ومروّت اور شفقت واحسان کی انی سے جو ان کے سروں اور جسموں نہیں بلکہ روحوں کو کاٹے یعنی فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یہ کہہ کر سب کو معاف کردیا اور انکے دلوں کو مسخر کرلیا۔ حضرت عکرمہ جیسے سعادتمند اسی اخلاقی تلوار کے گھائل اور روحانی نیزہ کے کشتہ تھے۔

سیاہ بھیجے کے شقی انسان کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، بیشک تلوار سے پھیلا مگر اس تلوار سے جس کی شمشیرزنی کے جوہر فتح مکہ کے روز حضور سراپا نور نے دکھلائے، ہاں ہاں اسلام کی اشاعت ضرور تلوار سے ہوئی مگر اسی تلوار سے جو چین میں آٹھ کروڑ گمراہ انسانوں کو حلقہ بگوش اسلام کرائی جو آجتک متلاشیان حق وصداقت کے سروں پر لٹک رہی ہے جیسے یورپ میں اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے اور جو اس ہندوستان میں ہر سال ایک لاکھ مسلمان بنادیتی ہے۔

اگر بفرض محال تسلیم بھی کرلیا جائے کہ اسلام ایک جنگجو مذہب ہے اور جبر وسختی کی اجازت دیتا ہے تو پھر کیا اس تسلیم کرلینے سے اسلام کی صداقت پر پردہ پڑگیا۔ نہیں ہرگز نہیں اسلام کا جنگجو مذہب ہونا اسکی صداقت کو باطل نہیں کرتا۔ پھر بھی اُسے یہ حق حاصل رہتا ہے کہ شمشیر آبدار گمراہ انسانوں کے سروں پر لٹکتی رہے اور اُن کو زبردستی آبحیات پلایا جائے۔ کیوں صاحب محکمہ حفظان صحت کو تو یہ اختیار ہو کہ وہ زبردستی بچوں کے ٹیکہ لگائے اور اگر اُن کے والدین بچوں کی صحت کے راستہ میں مزاحم ہوں تو ان کو قانون وجُرم کی ڈانٹ پلائی جائے مگر روحانی صحت کے محکمہ ہدایت کو اتنا بھی اختیار نہ ہو۔ ہر عقل سلیم رکھنے والا کہے گا کہ کیوں نہیں۔ ضرور بلکہ اس کو تو بدرجہ اولیٰ یہ اختیار حاصل ہونا چاہیئے۔

معترضین اسلام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام کی تعلیم ویدوں اور اناجیل کی طرح غیر فطری نہیں بلکہ اسلام نے ایک فطری تعلیم دی ہے جو افراط و تفریط سے پاک اور تہذیب وتمدن کی جان ہے اس میں نرمی اور سختی دونوں ہیں اور ہر ایک کا موقع ومحل بھی بتلادیا ہے۔ قرآن مجید میں قتل وقتال کے احکام بھی ہیں۔ امن وامان اور صلح وآشتی کی ہدایات بھی ہیں اور جنگ بھی ہے، و مصالحت بھی مگر اپنے اپنے موقع ومحل کے متعلق۔ قتل وقتال اور جنگ کے احکام اسلام حکومت کی حالت میں ہیں اور بس۔ انفرادی اور رعایا ہونے کی صورت میں وہی حکم ہیں جو ہم دکھا چکے ہیں۔

عیسائیوں اور آریوں کو چیلنج

اگر عیسائی اور آریہ صاحبان سے قبول حق اور انصاف کا مادہ بالکل ہی نہیں جاتا رہا ہے اور اپنی امانت ودیانت کا ثبوت دینا چاہتے ہیں۔ تو وہ ہمیں قرآن سے کوئی ایسی آیت نکالکر دکھلائیں جس میں اشارتاً یا

کتابۃً بھی کسی کا محض کافر ہونا موجب قتال بیان کیا گیا ہو۔ اور دین کے بارے میں جبر و سختی کرنے کی مسلمانوں کو تعلیم دی ہو۔

نیز اس بات کا جواب دیں کہ تلوار چلانے والے مسلمان کونسی تلوار سے مسلمان ہوئے تھے اور اگر اسلام کی بُنیاد ہی تلوار سے قائم کی ہے تو اب ایسے ممالک سے جہاں اسلامی حکومتیں نہیں وہاں سے اسلام کو رخصت ہو جانا چاہیئے۔

منصف مزاجوں سے اپیل

معزز ناظرین ایک طرف دُنیا کے سامنے یہ اسلامی تعلیم ہے جو ہم پیش کر چکے اور اسلام کی صحیح پوزیشن دکھا چکے اور دوسری طرف مخالفین اسلام کا یہ بے بُنیاد الزام ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو صرف خونریزی سکھائی ہے اور اسلام جہاں کہیں پھیلا تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ مسلمانوں کا مذہب اُنہیں کشت وخون کی اجازت دیتا ہے۔ دوسرے مذاہب والوں سے نفرت دلاتا ہے اور اس لئے اسلام ایک جنگجو مذہب ہے۔

اب ناظرین اسلام کی تعلیم اور اُن اعتراضات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں کہ حقیقت کیا ہے ہمیں عیسائی صاحبان سے تو چنداں شکایت نہیں ہے البتہ ہم اپنے ملکی بھائی ہندوؤں سے یہ التماس ضرور کرینگے کہ وہ آٹھ سو سال سے ہمارے مذہب کے احکام کو اور ہمیں دیکھ رہے ہیں ان کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ کر اسلام کو ایک خونریز مذہب سمجھ لیں۔

مذکورہ بالا غلط اور بے بُنیاد خیالات کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بھی منافرت اور مخاصمت کی ویسی ہی وسیع خلیج قائم ہو گئی ہے جیسی کسی زمانہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان تھی۔ اگر یہ مذہبی جھگڑا نہ ہوتا تو تمام ہندوستانی امن وامان کی زندگی بسر کرتے اور ہندوستان میں مذہب بدنام نہ ہوتا۔

خدارا اسلام کو دیکھئے۔ اس کی تعلیمات پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔ اگر آپ دینِ حق کو قبول نہیں کر سکتے تو کم از کم اس پر غلط اور بے بُنیاد اتہامات لگانے سے تو باز آجائیے۔

ہمارا دل تو نہیں چاہتا کہ ہم ویدک دھرم کی سخت جابرانہ تعلیم پیش کریں مگر سوائے اسکے چارہ ہی نہیں۔ کیونکہ جبتک ہم مدمقابل مذاہب کی تعلیم کو مقابلہ میں نہ رکھیں گے اسلام کی خوبی نہیں معلوم ہو سکتی اس لئے اب ہم ویدک دھرم کی تعلیم دکھاتے ہیں۔

اسلام کی بُنیاد جہاد پر ہے یا آریہ سماج کی؟

سوامی دیانندجی اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب صفحہ ۵۸۵ پر قرآن مجید پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"جس کتاب کی یہ تعلیم ہو - کہ جو تمہارے مذہب کو نہیں مانتے اُن کو قتل کر ڈالو - ایسی تعلیم کو کنوئیں میں ڈال دینا چاہئے - کیونکہ ایسی کتاب اور اس کتاب کے خدا کو ماننے میں سوائے نقصان کے کچھ فائدہ نہیں ہے"

یہ سوامی دیانندجی کا پیش کردہ معیار ہے - اب اسی معیار پر وید کے احکام کو پرکھنا چاہئیے -

دشمنوں کو زندہ آگ میں جلا دینا - اے جاہ وجلال والے راج پرش! آپ دھرم کے مخالف دشمنوں کو آگ میں جلا ڈالیں - وہ جو ہمارے دشمنوں کو حوصلہ دیتا ہے آپ اسکو اُلٹا لٹکا کر خشک لکڑی کی طرح جلا ڈالیں (یجروید ۱۳/۱۲)

دشمن کے مقامات کو جلا دینا - اے جاہ وجلال والے عام انسان! آپ تیز رو دشمن کے کھانے پینے یا دیگر کام کاج کے مقامات کو اچھی طرح اُجاڑ دیں - اور اُن کو اپنی تمام طاقت سے ماریں - (یجروید ۱۳/۱۲)

شیر کے مُنہ میں ڈال دینا - جس دُکھ دینے والے شخص کی ہم لوگ مخالفت کرتے ہیں یا جو دُکھ دینے والا شخص ہم سے دشمنی کرتا ہے - اس کو ہم شیر وغیرہ کے مُنہ میں ڈال دیں (یجروید ۱۵/۱۵)

ہر ممکن طریقہ سے دشمنوں کو ہلاک کرو - اے انسان! جس طرح بھی دشمنوں کو ہلاک کیا جاسکے ہلاک کرو - اور اس طرح دشمنوں کو ہلاک کرکے راحت سے زندگی بسر کرو (یجروید ۲۸/۱)

تلوار چلانے والے دشمن پر تلوار چلانا ازروئے قانون وانصاف صحیح اور ضروری ہے مگر ویدوں کے ان چار حوالوں سے واضح ہوا کہ محض ویدوں کے انکار پر آگ میں جلا ڈالنے اور شیر کے مُنہ میں دیدینے کا حکم ہے اور وید کہتا ہے کہ دشمن کی ہر چیز تباہ کردو -

آریہ سماج پر اقراری ڈگری

سوامی دیانندجی کا سدھانت ہے کہ جس طرح تم دوسروں کو دُشٹ اور کافر کہتے ہو اسی طرح وہ تم کو دُشٹ اور کافر کہتے ہیں - پھر کیا وجہ ہے کہ اُن کو قتل کیا جائے اور تم کو چھوڑ دیا جائے جس کتاب میں ایسی تعلیم ہو وہ خدا کی کتاب نہیں ہو سکتی" مگر وید میں لکھا ہے -

جس دشٹ سے ہم لوگ دشمنی کریں یا جو دُشٹ ہم سے دشمنی کرے - ہم اس کو ان ہواؤں سے ہلاک کریں - (یجروید ۱۵/۱۵)

سوامی دیانندجی کہتے ہیں۔ جو لوگ بیگناہوں کو مارتے۔ غدر مچاتے اور دوسروں سے دشمنی کرتے ہیں وہ سخت موذی ہیں۔ اور کہ جس کتاب میں اس قسم کی تعلیم ہو۔ وہ کتاب جاہلوں کی سمجھنی چاہیئے مگر وید میں لکھا ہے۔

وہ جس سے ہم دویش کرتے ہیں یا جو ہم سے دویش کرتا ہے اُس کو ہم لوگ خونخوار جانوروں کے مُنہ میں ڈالدیں۔ (یجروید ۱۹/۱۵)

جن سے ہم لوگ نفرت کرتے۔ یا جن کو ہم ناراض کرتے ہیں۔ یا جو ہم کو دکھ دیتے ہیں ان کو ہم اُن ہواؤں کے مُنہ میں ڈالکر اس طرح دُکھ دیں جس طرح بلی کے مُنہ میں چوہا" (یجروید ۶۵-۶۶/۱۶)

سوامی دیانندجی نے ظاہر کیا ہے کہ جو کتاب یہ تعلیم دیتی ہو کہ بدکرداروں یا کافروں کی گردن کاٹو اُن کی بیخکنی کرو۔ اور اس کام میں اُن کا خدا ان کی مدد کرتا ہو۔ نہ تو وہ کتاب خدا کی ہوسکتی ہے اور نہ ایسا خدا خدا ہوسکتا ہے"۔ ستیارتھ صفحہ ۵۹۱۔ مگر وید میں ہے۔

اے انسان! جس طرح میں بدکرداروں کی گردن کاٹتا ہوں۔ ویسے ہی تو بھی کاٹ۔ (یجروید ۲۲/۵) (کفر توڑ)

ناظرین ان حوالوں سے خود رائے قائم کرلیں کہ خود سوامی دیانندجی کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ویدوں کی تعلیم کیسی ہے۔ خدا کی شان ہے کہ سوامی جی نے ستیارتھ پرکاش میں قرآن مجید کی تعلیم پر اعتراضات کرتے ہوئے جس قدر معیار مقرر کئے ہیں وہ خود ویدوں کو پایۂ صداقت سے گراتے ہیں۔ ہمارے سماجی دوست اس وحشیانہ اور ظالمانہ تعلیم کے متعلق کیا کہیں گے۔ خوب ؎

میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

ویدک دھرم کی تعلیم ناظرین دیکھ چکے۔ اب عیسائیت کو ہم لیتے ہیں۔

عیسائیوں کا تعصّب اور تشدّد

عیسائی مذہب کی تعلیم مشہور اور ہر شخص جانتا ہے کہ عیسائیت کی تعلیم نہایت ہی نرمی اور تحمل پر مبنی ہے۔ مثلاً۔ اگر کوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی اسکے سامنے کردو۔ بتلائیے کہ کیا آج اس غیر فطری تعلیم پر عمل ہوسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ خود عیسائیوں نے اپنے عمل سے اس تعلیم کی تردید کردی ہے جس قوم کو مذکورہ بالا تعلیم ملی تھی اُس کا یہ حال ہے کہ جنگ عظیم میں عیسائیوں نے اپنے مذہب کی تعلیم کی خوب خوب مٹی پلید کی اور زمین کو انسانی خون سے بھر کر ثابت کردیا کہ اناجیل

کی تعلیم پر عمل نہیں ہو سکتا۔ آج عیسائی طاقتوں کے ظلم و ستم سے انسانیت مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہی ہے جنہوں نے کمزوروں بیکسوں اور غریبوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے اور دُنیا کو صحیح معنوں میں جہنم کدہ بنا رکھا ہے۔

تاریخ گواہ ہے جہاں کہیں اور جب کبھی بھی عیسائیوں کو تسلّط حاصل ہوا جبھی مسیحیوں نے اپنے زیر دستوں اور غیر مذہب والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ عیسائیوں نے خود اپنے فرقوں اور یہودیوں پر جو زہرہ گداز مظالم توڑے ہیں اُن پر تاریخ عالم قیامت تک خون کے آنسو روتی رہے گی۔ چودھویں صدی عیسوی میں یورپ کے نائٹوں اور ٹمپلروں کو قتل و غارت کر کے شاہِ فرانس نے اُن کے مال و دولت پر قبضہ کیا اور جس طرح اُن کو زندہ آگ میں جلایا گیا اُس نے فرعونیت کو بھی مات کر دیا اور قتل و خونریزی اور ظلم و سفاکی کی ایسی بھیانک اور دردناک داستان ہے کہ اگر ساری دُنیا کے ظلم و ستم جمع کئے جائیں تو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ عیسائی ہی ہیں جنہوں نے دُنیا کو ایسے مذہبی تعصب سے روشناس کرایا جو کسی قوم و فریق سے اُس کا مذہب چھڑا دے اور عیسائیوں نے ہی مناظرہ کی ابتدا کی۔ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم فرماتے ہیں۔

سرزمین شام پر صلیبی لڑائیوں نے کچھ دِنوں کے لئے مسیحیوں کو مسلمانوں کی قسمت کا مالک بنا دیا مگر شاید بخت نصر تاجدار نینوا کے بعد اُسی سرزمین کو ایسے مظالم کبھی نہ برداشت کرنے پڑے ہوں گے جیسے کہ اُس چند روز کی عیسائی حکومت نے کئے۔ تمام مؤرخین اس زمانہ کو یاد کر کے روتے ہیں۔ یورپین مورخ جن کے قلم اُن ظالم مسیحیوں کی عیب پوشی کرتے کرتے گھس گئے اُن کو بھی آخر مجبور ہو کے وہ جور و ظلم تسلیم ہی کرنے پڑے ہیں۔ آہ! جس مقام پر جو مسلمان ہاتھ لگا قتل کر ڈالا گیا اور ایسی سختیاں کی گئیں۔ جن کو یاد کر کے اب تک لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مجاہدین دین مسیحی نے جب بیت المقدس پر قبضہ پایا تو مسلمانوں کے خورد سال بچوں کو دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کے اُن کے سر پھاڑ ڈالے۔ اور بھیجے نکال لئے۔ چھوٹے چھوٹے شیر خوار بچوں کو فصیل قلعہ پر سے نیچے دیدے مار کے مار ڈالا۔ جوانوں کو آگ میں زندہ بھون ڈالا۔ اور بعضوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے کہ دیکھیں سونا تو نہیں نگل گئے۔ مسلمان تو خیر مجرم ہی تھے۔ یہود کو انکے معبدوں میں بند کر کے زندہ جلا دیا۔ اور لطف یہ کہ پوپ روم کا نائب خود ان مظالم میں شریک ہوا۔ عربی مؤرخین کا بیان ہے کہ چالیس دن کے محاصرہ کے بعد ۴۹۲ھ میں شعبان کی ۲۳ تاریخ کو

فرنگیوں نے بیت المقدس فتح کیا۔ تو کامل ایک ہفتہ تک مسلمانوں کا قتل عام ہوتا رہا۔ صرف مسجد اقصیٰ کے اندر ستر ہزار مسلمان مارے گئے جن میں بڑے بڑے امام اور عابد و زاہد بقصد برکت اور بجوش دینداری گوشہ نشیں ہو رہنے والے مسلمان شامل تھے۔ مسجد اقصیٰ میں تمام نجاستیں ڈال کے اُسے ناپاک کر دیا۔ اور مسلمانوں کی تمام مسجدیں منہدم کر دیں۔ یہ کارروائی تھی جو دوروز کی حکومت میں کی گئی اور یورپ کے مسیحیوں کے دامن پر یہ دھبے ہیں۔ جس کو مٹا کے اب پاک دامن بنتے ہیں۔

اطراف شام میں بھی جن جن شہروں پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا۔ وہاں کے عام اہل اسلام کے ساتھ بھی اسی قسم کا برتاؤ ہوا۔ تمام سرزمین شام ظلموں سے بھر گئی۔ اب اسکے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی رح کے اُس برتاؤ کو دیکھیئے۔ جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ بیت المقدس کو فتح کر کے اُس نے کیسی رحمدلی ظاہر کی۔ اُسی زمانہ میں عیسائیوں کو مصریوں کے مقابل بھی ایک فتح نصیب ہوئی تھی۔ اگرچہ ہفتہ ہی بھر کے بعد مسلمانوں نے زک دے دی۔ مگر اُس ایک ہفتہ میں کونسا ظلم تھا جو اُٹھا رکھا گیا۔

یورپ میں اسپین کو مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔ خود یورپین تاریخیں گواہ ہیں کہ وہاں آٹھ سو برس تک مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ کیسی مراعات جاری رکھیں اور ان کو کس قدر آزادی حاصل تھی اور بنوامیہ کا دربار اُن کو کس عزّت کے ساتھ اپنے تقرب کی عزّت دیتا رہا۔ لیکن وہاں مسلمانوں پر زوال آیا اور حکومت مسلمان فرمانرواؤں کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ تو جیسا برتاؤ مسیحیوں نے وہاں کی مسلمان رعایا پر کیا ہے۔ اس کو دُنیا کبھی بھول نہیں سکتی۔ اُس وقت غریب مسلمانوں کو کسی شہر اور کسی گاؤں کسی قریہ بلکہ کسی پہاڑ اور کسی جنگل میں بھی پناہ نہیں ملتی تھی۔ مسیحیوں نے ملک بھر میں اپنی نیشنلٹی قائم کرنے کے لئے کسی مسلمان کو بھی نہیں چھوڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہاں ایک متنفس بھی نہیں جو خدائے واحد کا نام لینے والا ہو۔

ابھی کل کا ذکر ہے کہ بلغاریہ سرویہ وغیرہ میں مسلمان بچے ماؤں کی گود سے چھین چھین کے قتل کیئے گئے۔ عورتیں بے حرمت کی گئیں۔ مسجدوں میں آگ لگا دی گئی۔ ہزاروں مسلمان ذبح کر ڈالے گئے۔ اس کا کسی نے نام بھی نہ لیا۔ سارا یورپ ہولی الائنس کی رسیوں میں جکڑا بیٹھا رہا۔ اور جب ترکوں نے اُن مظالم کے انتقام اور بغاوت کے فرو کرنے کے لئے اپنی فوجیں روانہ کیں تو سارا یورپ چیخ اُٹھا۔ روس، جرمن اور آسٹریا کی طرف سے ظالم باغیوں کی اعانت کی گئی۔ روپیہ اور اسلحہ سے مدد دی گئی۔ خیر وہ سب تو نالائق بتائے جاتے ہیں۔ ہمارا انگلستان جس کا آزادی اور انصاف

پسندی کا نام لیتے لیتے پھیپھڑا پھولا جاتا ہے۔ اس پر بھی ہر طرف دُہائی مچ گئی اور مسٹر گلیڈسٹون لبرل بلکہ ریڈیکل خیالات کو خیرباد کہہ کے چلّا اُٹھے "ترکوں کو مع ان کے پاشاؤں اور قائم مقاموں کے یورپ سے نکال باہر کرو۔ اور کہدو کہ اپنا اختر ابختر اسنبھالیں"۔

قدیم جہالت کے زمانوں کو جانے دیجئے۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جو تہذیب کا زمانہ ہے اور اُن لوگوں کا حال ہے جو تہذیب و آزادی کے سرتاج خیال کئے جاتے ہیں۔

بخلاف اسکے آج بارہ سو برس کا زمانہ ہوا مسلمان ایشیا کے یہودیوں اور عیسائیوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ ان کی رعایا میں لاکھوں نہیں کروڑوں کا مذہب عیسائی رہا اور ہے۔ لیکن ان کے ساتھ جیسا برتاؤ رہا جس بیدار مغزی سے ان کے جان و مال کی نگہداشت کی گئی۔ جس فیاضی سے وہ اپنے مذہبی ارکانوں اور آداب کے بجالانے میں وہ آزاد رکھے گئے۔ اسکی ایک مثال بھی عیسائی نہیں پیش کر سکتے۔ اور پھر کتنی شرم کی بات ہے کہ اُلٹے مسلمانوں کو الزام دیا جاتا ہے۔ وہ ظالم ہیں۔ وہ جلاد ہیں۔ وہ اپنی سرکار کے وفادار نہیں۔ اُن کا مذہب جہاد ہے اور اُن سے سلطنت کو ہمیشہ ڈرنا چاہیے"۔ شرمائیں۔ وہ کہتے ہیں مسلمان جلاد ہیں۔ نہیں بلکہ اُن میں اتنا ضرورت سے زیادہ رحم تھا کہ اُنہوں نے جلادوں سے ظلم و ستم کا بدلہ نہیں لیا اور معاف کر دیا۔ (قدیم مسیحیت صفحہ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳)

ایک مسلمان فاتح اور عیسائی حکمراں کا مقابلہ

اسلام کا وہ زبردست فاتح جس کی تلوار نے سارے یورپ کو لرزا دیا تھا اور جس کی حوصلہ مندیوں اور جوانمردیوں نے کروسیڈ والوں کے حوصلے پست کر دئے تھے۔ اور جس کی فتح مندی و حکمرانی کے ساتھ لطف و کرم کی ابر باریاں جاتی تھیں اور رعایا پروری اور فیاضی کے آفتاب و ماہتاب بھی اپنی ضیا ریزیوں سے سرزمین ظلم و استبداد کو بقعہ نور بناتے تھے اُسی زبردست مجاہد اور فاتح سلطان محمد ثانی کا ذکر ہے کہ جب ۱۴۴۴ء میں ہنیاڈس اوود نے شہر وارنا کا محاصرہ کیا۔ جو محمد ثانی کے قبضہ میں تھا۔ تو اُس وقت جارج برنیکوش نے جو گریک چرچ کا مقتدا تھا۔ ہنیاڈس سے پوچھا "اگر آپ کو فتح ہوئی تو کیا کیجئے گا؟ ہنیاڈس نے جواب دیا کہ "اگر فتح ہوئی۔ تو میں جبراً و قہراً تمام رعایا کو رومن کیتھلک طریقہ کا پابند بناؤں گا اور کسی شخص کو اس سے مفر نہ ہوگا"۔

یہ جواب پا کے برنیکوش سلطان محمد ثانی کے پاس گیا اور اس فتحمند سے بھی یہی سوال کیا تو اس خدا پرست فاتح اسلام نے کہا "اگر خدا نے مجھے فتح دی۔ تو ہر مسجد کے پاس ایک گرجا بنواؤں گا

اور لوگوں کو اجازت دوں گا۔ کہ چاہیں مسجد کے محراب کے آگے سر جھکائیں اور چاہیں صلیب کے آگے" یہی غیر متعصبانہ۔ خدا پرستانہ رعایا پرورانہ اور فیاضانہ جذبہ صادق تھا جس نے سرویا والوں کو خود بخود ترکوں کا مطیع کر دیا۔ اور یہی وہ تلوار عدل و انصاف تھی جس نے سرزمین یورپ میں صلیب پرستوں کو نیچا دکھایا۔

کیا اب بھی کسی عیسائی اور آریہ کو اسلام او مسلمانوں پر جبر و سختی اور تعصب کا الزام لگانے کی جرأت ہو سکتی ہے اور کیا اب بھی اسلام کی امن پسندی او ر ابر باری کا کسی کو انکار ہو سکتا ہے۔ اگر اب بھی کوئی بے شرم الزام لگانے سے باز نہیں آتا تو اپنے تعصب و عناد کی آگ میں آپ جل مرے ؎

اپنے عیبوں کی نہ کچھ فکر ہے نے پروا ہے ۔۔۔ غلط الزام پہ اوروں پہ لگا رکھا ہے
یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام ۔۔۔ یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

خلاصہ مافی الباب

اس باب کے ماتحت یہاں تک جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس سے مدلل و مبرہن اور مسکت طور پر حسب ذیل امور ثابت ہو گئے

(۱) اسلام پر جس قدر اعتراضات کئے جاتے ہیں وہ سب کے سب غلط فہمی اور تعصب و عناد پر مبنی ہیں اور مقدس اسلام کا دامن تمام الزاموں سے پاک ہے اور اسلام پر اعتراضات محض اسلام کے روحانی و سیاسی اقتدار کو زک پہنچانے کے لئے کئے جاتے ہیں۔

(۲) اسلام میں جنگ و جہاد کے احکام بھی ہیں اور امن و صلح کے بھی۔ نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی اور اسلام کی روح تعصب و نفرت کے خلاف ہے اسلام اور مسلمانوں کا وجود دنیا کے لئے امن و سلامتی کا موجب ہے۔ البتہ دیگر مذاہب اور ان کے پیروکاروں پر جبر و سختی اور تعصب و عناد کا الزام حقیقتاً عائد ہوتا ہے۔

(۳) مسلمان دنیا میں صرف اپنی حفاظت اور کلمۂ توحید کے رواج دینے کی غرض سے بڑھے تھے۔ کوئی دنیاوی طمع یا خونریزی کا شوق اور یا متعصبانہ جوش ان کے دل میں نہ تھا۔

(۴) اسلام نے دنیا میں آکر مذہبی تفریق و نفاق اور تعصب و عناد کی بیخ کنی کی اور اخوت انسانی کو قائم کیا۔

(۵) اسلام نے ذمیوں یعنی غیر مسلموں کو جو حقوق و مراعات دئے ہیں دنیا میں کسی مذہب اور گورنمنٹ نے کسی غیر قوم کو نہیں دئے۔ بلکہ ویدک دھرم نے تو غیر مذہبوں کو کلیۃً فنا کر دینے کی تعلیم دی۔

(۶) دنیا میں صرف مذہب اسلام ہی امن و سلامتی کا مذہب ہے۔

(۷) دُنیا میں جب کبھی بھی امن و امان قائم ہوگا اور اخوت انسانی قائم ہوگی تو وہ صرف مذہب اسلام کے ذریعہ اور اسلامی حکومت کے ماتحت ہوگی۔

اسلامی صداقت پر اور بھی بہت سے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ ہم نے صرف چند بڑے بڑے اعتراضات کا قلع قمع کرکے اور معترضین اسلام کی پوزیشن دکھا کر ایک حیثیت سے سب کا تار و پود بکھیر دیا ہے اور صداقت اسلامی کو پاک و صاف کرکے دکھا دیا ہے۔ لہٰذا اس باب کو یہیں ختم کرکے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

(۱۱) اسلام اور اُس کی تعلیمات کے متعلق دُنیا کے مشہور انصاف پسند غیر مسلموں کی رائیں

حق و صداقت میں کچھ ایسی مقناطیسی قوت اور ملکی تاثیر ہوتی ہے جو قلوب و ارواح کو خود بخود اپنی طرف کھینچ لیتی ہے بشرطیکہ قلوب و ارواح پر فطری حجابات نہ ہوں اور کسی خاص جذبے یا عقیدے نے اُن پر تقلید اور تعصب کے سبب سے علوم اور حقائق تک رہنمائی کے دروازے نہ بند کردئے ہوں۔

فطرت صحیحہ کو جو چیز مسخ کرتی ہے اور قلب کے آئینہ جہاں نما کو جو چیز زنگ آلود کرتی ہے وہ تعصب اور تقشف فی الدین ہے۔ چنانچہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"ہر ایک قلب باعتبار اپنی فطرت کے حقائق اشیاء کے دریافت کرلینے کی صلاحیت و استعداد رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک امر ربی ہے۔ تمام جواہر عالم پر اپنی اس شرافت و خاصیت کی وجہ سے فوقیت رکھتا ہے۔ اور اسی صلاحیت و استعداد کی طرف یہ آیت مبارکہ اشارہ کرتی ہے انا عرضنا الامانۃ۔ یعنی یہ استعداد نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں اور نہ پہاڑوں میں۔

چونکہ تعصب فطرت صحیحہ کے لئے ایک حجاب اور علوم و حقائق کے ادراک کی راہ میں روک ہے اس لئے تعصب کی حقیقت اور خرابی بیان کی جاتی ہے۔

تعصب کی تعریف جو تصور اور خیال انسان کے دل میں آتا ہے، وہ یا تو دل میں خود بخود پیدا ہوتا ہے یا کسی سے سُنا ہوا ہوتا ہے۔ اس تصور

اور خیال کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔

اوّل۔ یہ کہ اس کی صحت اور غلطی دل میں ایک سی ہو۔ نہ اس کی تصدیق کو غلبہ ہو اور نہ تکذیب کو رجحان ہووے۔ اس حالت کا نام "شک" ہے۔

دوسرے۔ یہ کہ اس کی صحت اور غلطی میں سے کسی ایک کا دل پر غلبہ ہووے اور ایک کو دوسرے پر رجحان ہووے اسکی ضد و نقیض کے انکار کا امکان نہ ہو۔ اس حالت کو "ظن" کہتے ہیں۔

تیسرے۔ یہ کہ اس کی صحت اور غلطی میں سے کسی جانب کو دل پر ایسا غلبہ ہووے کہ اس کی ضد اور نقیض کے امکان سے بھی انکار ہو۔ اس حالت کو "یقین" کہتے ہیں۔

پھر یقین کی دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگرچہ اسکے خلاف دل قبول نہ کرے لیکن اس کا یقین کسی اصل صحیح پر مبنی نہ ہو۔ بلکہ وہ اسباب جس نے اسکے دل میں اس تصوّر۔ اور خیال کو مضبوط کر دیا ہے اور اس کو صحیح ٹھیرا دیا ہے غلط ہوں۔

دوسرے یہ کہ وہ یقین کسی اصل صحیح پر مبنی ہو اور وہ امور جس نے اس کی صحت پر دل کو قوی کر دیا ہے وہ بالکل صحیح اور سچّے ہوں۔

پس جو خیالات ذہنی کسی شخص کے دل میں پیدا ہوں اور وہ اوّل قسم کے ہیں یعنی وہ شخص نہ ان کی تصدیق کرے نہ تکذیب تو اسپر اطلاق اعتقاد کا نہ ہوگا اور نہ وہ خیال کرنے والا خود اپنے آپ کو اس کا معتقد جانے گا۔ اور اگر وہ دوسری قسم کے ہیں۔ یعنی گو اس کو ان کی صحت پر گمان غالب ہووے مگر اسکے خلاف کے ہونے سے منکر نہ ہووے تو اُس کا اعتقاد ظنی کہلائے گا اور اگر وہ تیسری قسم کے ہوں یعنی اُن خیالات کے صحیح ہونے پر وہ دل سے یقین رکھے مگر اس کی بناء اصول صحیحہ پر نہ ہو تو اُسکا اعتقاد تو پکّا اور مضبوط کہلایا جائے گا۔ لیکن غلط اور غیر صحیح۔ اور چوتھی قسم وہ ہے کہ اُن خیالات کی بناء اصول صحیحہ پر ہو تو اُسکے اعتقاد کو مضبوط اور کامل بھی کہیں گے اور صحیح و درست بھی۔

پس تعصّب اس حالت کا نام ہے جو تیسری قسم میں مذکور ہے یعنی ان خیالات کی صحت پر یقین ہونا جس کی بناء غلط اصول پر ہے۔ اور دینداری اُس حالت کو کہتے ہیں جس کا ذکر چوتھی قسم میں ہوا یعنی ان خیالات کی صحت پر یقین ہونا جس کی بناء صحیح اصول پر ہے۔

تعصّب کی خرابیاں

متعصب شخص اپنے آپ کو دین میں کامل۔ مذہب میں مضبوط اور شریعت پر قائم سمجھتا ہے۔ حق و صداقت کا اپنے آپ کو واحد ٹھیکیدار جانتا ہے۔ باقی غیر مذہبوں کو لامذہب۔ بے دین۔ ہوا و ہوس کا مقلد اور حق و صداقت سے

عاری خیال کرتا ہے۔

متعصّب شخص اپنے خیالات کی صحت پر گو یقین رکھتا ہے۔ مگر اس کا یقین مثل دیندار کے مستقل اور غیر متزلزل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسکے خیالات کی بنا مضبوط اور صحیح نہیں ہوتی غلط مزعومات پر یقین رکھنے کی وجہ سے اگر اس کو اپنے خیالات کی غلطی بھی معلوم ہوجائے تو وہ اصلاح پر آمادہ نہیں ہوتا۔ متعصب کے دل میں غیر مذہب کی کسی خوبی کے اعتراف اور کسی حقیقت کے تسلیم کرنے کی مطلق گنجائش نہیں ہوتی۔ وہ اوروں کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اُن سے بغض و عداوت رکھتا ہے۔ اپنے توہمات اور خیالات کو تعینات کا درجہ دیتا ہے اور غیروں کے اعتقادات کا مضحکہ اُڑاتا ہے۔

جھوٹے عقائد کو سچے اور سچے عقائد کو جھوٹے سمجھ بیٹھتا ہے۔ اپنے مذہب کی کوئی غلطی یا اپنی بے راہ روی کو کسی حالت اور کسی صورت سے بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے مذہب کی غلطیوں اور خامیوں پر پردہ ڈالنے کو دین کی سب سے بڑی خدمت سمجھتا ہے وہ دوسرے مذہب والوں کی خوبیوں اور اچھائیوں کو بھی عیب و نقائص تصوّر کرلیتا ہے۔ کسی غیر مذہب والے کو اپنی مُنہ زوری لسانی۔ اور ابلہ فریبیوں سے چُپ کرا دینے کو اپنی سب سے بڑی فتح اور کامیابی سمجھتا ہے۔ تعصّب اسکے دل کو غرور و تکبّر سے ایسا گھیر لیتا ہے کہ انصاف اور سوچ و سمجھ کا مادّہ ہی جاتا رہتا ہے۔ کسی نصیحت یا ملامت کا اس پر مطلق اثر نہیں ہوتا۔ مذہبی عقائد کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ ہر شے کی وجوہات اور اسباب کی تحقیق سے ہاتھ اُٹھا لیتا ہے اور انصاف، راستی، سچائی اور محبّت و رواداری کے جذبات کو اپنے سینے سے نکال پھینکتا ہے۔

متعصّب شخص دوسرے مذاہب کی اصل تعلیمات معلوم کئے بغیر ان کو ہدف ملامت بنانے میں اپنی مذہبی تسکین اور دینداری پاتا ہے مذہبی صداقت سے دور ہٹ جاتا ہے۔ شک و اوہام اس کے دل کو گھیر لیتے ہیں۔ اسکے دل و دماغ غور و فکر اور تحقیق و تدقیق سے جواب دیدیتے ہیں اور انانیت و خود پسندی کا گرد و غبار نور عقل پر چھا جاتا ہے اور وہ ہر ایک تصوّر اور خیال کو تعصّب کی عینک لگا کر دیکھتا ہے۔

دوسری چیز انسانیت اور حق و صداقت کو پامال کرنے والی نسلی اور وطنی بڑائی کا گھمنڈ ہے یہ انسانیت اور انسانی حقوق کے لئے ایک مہلک اور خطرناک جذبہ ہے جس کی پیاس غیر مذہبوں اور بے گناہوں کے خون سے بجھتی ہے۔ یہ جذبہ انسانیت اعلیٰ کے تمام جذبات فنا کردیتا ہے اور

تنگ نظریاں اپنی انتہائی حالت میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اعتقاد اور عمل کے تمام گوشے پامال ہو جاتے ہیں اور حق وصداقت و راستبازی اور حق گوئی کی جگہ ایک غیر طبعی معیار فضیلت لیلیتا ہے۔

متعصّب شخص جماعتی تنگ نظری کے ایک چھوٹے سے دائرے میں محصور ہو جاتا ہے۔ اسکی ذہنیت ایک محدود گوشے کے اندر سُکڑ جاتی ہے۔ اُس کا دماغ نظر کی وسعت۔ حوصلہ کی فراخی اور ارادوں کی بلندی نہیں پیدا کر سکتا۔ زندگی اور زندگی کے ہر گوشے میں پیمانہ فکر طبعی وسعت کھو دیتا ہے وہ صرف اپنے کو اور اپنے تنگ گوشے ہی کو دیکھتا رہتا ہے۔ جماعتی مزاج کی اس تنگ نظری اور تعصب کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے زیادہ واضح مثال ہندوستان میں منو مہاراج کی ذات پات کی تقسیم ہے۔ جس نے "قبیلہ" کو چار ذاتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

اسلام نے دُنیا میں آکر دماغ کو تنگ نظریوں سے آزاد کیا۔ پیمانۂ فکر کو طبعی وسعت دی۔ انسانیت کو آپس کے تعصب و عناد سے نجات دلائی۔ غیر طبعی معیار فضیلت کو اُڑا کر تقویٰ اور پرہیزگاری کو معیارِ فضیلت قرار دیا۔ نسلی و وطنی غرور و نخوت کو خاک میں ملا دیا۔ مذہب اور اپنی قوم کے نام پر دوسروں پر ظلم وستم بربادیوں اور خونریزیوں کا سدِّباب کیا اور انسانی اخوت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا۔

تعصب اور خودداری میں فرق

تعصّب کی بُرائی اور خرابی میں ہم نے جو لکھا ہے اس کا یہ مطلب بھی نہ سمجھا جائے کہ اسلام اپنی فضیلت و برتری۔ خصوصیات ومقومات۔ شعائر اسلامی۔ بحث ومناظرہ اور تبلیغ و اشاعت کی حمایت اور تحفظ نہیں چاہتا اور ایسی وسیع النظری اور کشادہ دلی کی تعلیم دیتا ہے کہ مسلمان دوسری قوموں میں مدغم ہو جائیں۔ اپنے تمدّن ومعاشرت کو جواب دیدیں اور اپنی قومی و امتیازی خصوصیات ہی کھو بیٹھیں۔ سو اسلام ایسی صلح و رواداری اور کشادہ دلی اور دوسرے معنوں میں لامذہبی کی تعلیم نہیں دیتا جس میں کفر و اسلام کا امتیاز ہی باقی نہ رہے۔

اسلام تعصب اور تنگ دلی کے تو خلاف ہے مگر خودداری کا سرگرم حامی ہے۔ تعصب کی تعریف تو ہم بیان کر چکے۔ اور خودداری کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اپنے نظام معاشرت اور طرز تمدّن پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ اسلام کی دیگر مذاہب پر فوقیت و برتری کا سچے دل سے عقیدہ رکھیں اسکے آخری اور کامل و مکمل خدائی مذہب ہونے کا بدل وجان یقین رکھیں۔ اور اپنی پچھلی مقومات وخصوصیات اور قومی روایات کو بہرحال زندہ رکھیں۔ کیونکہ کوئی قوم اپنی مقومات وخصوصیات کو چھوڑ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور مسلمان تبلیغ واشاعت اسلام کے قرآنی طرق ووسائل کی پابندی

کرتے ہوئے اپنے تبلیغی فرض سے باز نہ رہیں ورنہ انکے بہترین امت ہونیکی خصوصیت ہی جاتی رہے گی۔

مذکورہ بالا فرائض کی بجا آوری کرتے ہوئے مسلمان تعصب و عناد۔ بغض و نفاق۔ فتنہ و فساد تنگ دلی و تنگ نظری اور غرور و انانیت کو نزدیک بھی نہ پھٹکنے دیں۔ ان کو "صلح کُل" کے مسلک پر قائم رہنا چاہیے۔ ہر ایک انسان سے بلا تخصیص مذہب و ملت صلح و رواداری۔ کشادہ دلی۔ اور حسن خلق سے پیش آنا چاہیئے۔ اپنے مذہب کی بنا پر کسی غیر مذہب والے سے نفرت و عداوت نہ کرنی چاہیئے سچائی و راستی اور صداقت شعاری کو کبھی ترک نہ کرنا چاہیئے۔ صداقت اور راستی جس قوم اور فرد کے پاس بھی ہو اُس کا اعتراف کرنا چاہیے۔ ہر ایک قوم اور فرد کی خوبیوں کو خوبی اور بُرائی کو برائی سمجھنا چاہیئے اور تمدن و سیاسیات میں دوسری اقوام و ملل کے ساتھ مل کر ہر قوم کی فلاح و بہبودی میں اشتراک عمل کرنا چاہیئے۔ یہ ہے اسلام کی بے تعصبی۔ امن پسندی۔ صلح جوئی۔ رواداری اور اخوت انسانی کا مفہوم۔

آمدم بر سر مطلب۔ چونکہ تعصب اور تنگ دلی کا اندھا جوش کسی حقیقت اور سچائی تک نہیں پہنچنے دیتا۔ باوجود اسکے غیر مذہب والوں کا اسلامی تعلیمات کے متعلق اچھی رائے کا اظہار کرنا اور اسکی خوبیوں کا اعتراف کرنا، اسلامی صداقت کا وہ روشن اور مہتم بالشان ثبوت ہے جو متلاشیان حق و صداقت کیلئے چراغ راہ کا کام دیتا ہے۔ الفضل ما شھدت بہ الاعداء۔ سچائی وہی ہے جس کا اعتراف دشمن کو ہو۔

ممکن ہے کہ یہاں کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب دُنیا کے مشہور انصاف پسند غیر مسلم اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں، تو یہ کیا وجہ ہے کہ اُن پر ہدایت کی راہ نہیں کھُلتی اور وہ کیوں اسلام کو قبول نہیں کرتے۔ سو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بیشک وہ اپنی رواداری اور انصاف پسندی کا ثبوت پیش کرکے اپنی نیک نیتی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مگر بُرا ہو آبائی تقلید اور قوم و برادری کی قیود اور پاسداری کا کہ یہ نامراد پابندی اُن پر ہدایت کا دروازہ نہیں کھُلنے دیتی۔ ہاں رفتہ رفتہ اسلام کی خوبیوں کے اعتراف کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی نہ کبھی اسلام ضرور قبول کر لیتے ہیں۔

اس ضروری اور مناسب تمہید کے بعد اب ہم غیر مسلم حضرات کے افکار و آرا پیش کرتے ہیں۔

اسلام کے غیر مسلم مدّاح

شام کے ایک مشہور عربی اخبار "الکوبل" کے مدیر شہیر نجیب آفندی نے جو ایک عرب عیسائی ہیں، اپنی ایک اشاعت میں اسلام اور بانی اسلام کے متعلق اپنے پاکیزہ خیالات کا اظہار یوں فرمایا تھا

جس کا ملخص حسب ذیل ہے۔

"محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم عرب کے عیسائیوں اور مسلمانوں کے قومی و مذہبی ہیرو ہیں۔ اُنہوں نے عرب کے زوال اور پستی کو زمین سے اُٹھا کر آسمانِ رفعت تک پہنچا دیا۔ اور ایرانیوں کے آتش کدوں کو آب توحید سے ٹھنڈا کر کے اُن کو غلامی سے نجات دلائی اور حق تو یوں ہے کہ عرب عیسائی حضورؐ کی رسالت، اخلاق حسنہ، تہذیب اور تمدّن تعلیمات کو کیوں قبول نہ کرتے؟ جبکہ حضور ممدوحؐ قوم۔ زبان۔ اخلاق۔ عادات۔ خصائل اور وطنیت کے لحاظ سے ان کے بھائی تھے اور اُنہوں نے ہر بنی نوع انسان کے ساتھ خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم مساوات اور اخوت کا سلوک کیا۔"

اسی اخبار کی ایک اور اشاعت میں اسی منصف اور محقق عیسائی نے "نصرانیت اور اسلام کا موازنہ" کے عنوان کے تحت حسب ذیل شذرہ سپرد قلم کیا تھا۔

"میں آج ہی نہیں بلکہ اب سے کئی سال پہلے سے اسلامی تعلیم اور احکام قرآنی کا گرویدہ ہوں۔ اور میرے نزدیک اسلام ہی ایک سورج ہے جو قیامت تک اپنی تیز اور منوّر کرنوں سے شرک اور بدعات کی تاریکیوں کو زائل کرتا رہے گا۔ میں ہر اُس مسیحی بھائی سے جس کے دل میں ذرّہ بھر بھی عقل وشعور کا مادّہ موجود ہے اپیل کروں گا کہ وہ مذہب مسیحی کے زہر آلود اور جعلی اقوال و آیات سے متاثر ہونے سے پہلے قرآن حکیم۔ اسلام اور بانیٔ اسلام کی تعلیم پر غور فرمائیں۔ میں تمام غیر مسلم برادران کو تاریخ اسلام کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہوں۔"

وما علینا الا البلاغ۔ اقتباساً۔

عیسائیت اور اسلام

کینن ایزک ٹیلر عالم و فاضل محقق پادری نے عیسائیت اور اسلام کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا تھا۔ "شیوع مذہب کے لحاظ سے دُنیا کے ایک بہت بڑے حصّہ پر اسلام کو بالمقابل عیسائی مذہب کے زیادہ کامیابی ہوئی۔ عیسائی مذہب کے مقابلہ میں مذہب اسلام بُت پرستوں ہی نے زیادہ قبول نہیں کیا۔ بلکہ ممالک سے خاص عیسائی مذہب فی الواقع اُٹھا جاتا ہے۔ اسلام نشیب کے پانی کی طرح پھیلتا جارہا ہے۔ مغربی تہذیب اور ہندو دھرم کو جڑ سے اُکھاڑ کر مذہب اسلام کے واسطے راستہ صاف کررہی ہے۔ اسلام نے بہ نسبت

عیسائی مذہب کے تعلیم پھیلانے میں زیادہ کوشش کی ہے۔ مذہب اسلام میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ جماعت دُنیا بھر میں سب سے زیادہ محتاط۔ پرہیزگار اور اشرف ہے۔ اسلامی تہذیب معمولی درجہ کی تہذیب نہیں ہے اور تہذیب کی اشاعت کے لحاظ سے یہ مذہب ساری دُنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ اسلام میں باہمی مساوات کا برتاؤ ہوتا ہے۔ تمام مسلمان صحبت، میں یکساں سمجھے جاتے ہیں۔ یہ اسلام میں ایک ایسی چاشنی ہے جسے دیکھ کر مُنہ میں پانی بھر آتا ہے۔ جو شخص مسلمان ہوتا ہے خواہ وہ فرد کیسے ہی ادنیٰ طبقہ سے کیوں نہ ہو فوراً جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور بھائی بھائی بن جاتا ہے۔ اہل اسلام کے اخلاق عیسائیوں کے اخلاق سے بہتر ہیں اسلام نے ایسی ایسی نظیریں پیش کی ہیں جن کی اگر ہم تقلید کریں تو ہمارے لئے بہتری ہے۔ مذہب اسلام نے عربی کی عام تعلیم سے دُنیا میں تہذیب و شائستگی پھیلانے کی ایجنسی قائم کر رکھی ہے جو دوسرے مذاہب کو نصیب نہیں ہے۔"

اسلام کی تعلیم دلوں میں گھر کر رہی ہے

بشپ اوف لاگوس (الجیریا) ہم سالہ ولائتی "دی ایسٹ اینڈ ویسٹ" میں ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"مہذب انسانوں کے دلوں میں اگر کوئی چیز گھر کر رہی ہے تو وہ اسلام کی پاک تعلیم ہے اور یہ اس بات کی عملی شہادت ہے کہ اسلام کی فتح آج تلوار کے ذریعہ سے نہیں بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ سے ہو رہی ہے۔ اسلام فی الحقیقت شرک اور بُت پرستی کے مذہب سے بہت بلند تر حیثیت رکھتا ہے۔"

کچھ عرصہ ہوا ایک عرب مبلغ کی مسٹر ارل رسل نائب وزیر ہند سے لندن میں ملاقات ہوئی تو اثنائے گفتگو میں ارل مبلغ نے مسٹر موصوف سے استفسار کیا کہ آپ مذہب اسلام اور اسکے بانی علیہ التحیۃ والسلام کو کیا سمجھتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:۔

"میں مذہب اسلام کو تمام ادیان و مذاہب سے اچھا خیال کرتا ہوں اور میرے دل میں حضرت محمدؐ کی اس قدر عزت اور توقیر ہے کہ زبان پر نہیں لا سکتا۔ میں عیسائی ہونے کے باوجود اس امر کا بھی معترف ہوں کہ اسلام کے مہر درخشاں کی ضیا پاشیوں سے مسیحیت کے توہمات اور اسکے تاریک پہلو عنقریب مٹ جائینگے اور دُنیا ایک سچے اور آسان مذہب کی متلاشی ہوگی اور میرے خیال میں وہ مذہب اسلام ہی ہوگا۔ میں مسلمانوں کے اخلاق اور تمدن کا بہت ہی مدّاح ہوں اور اسپر رشک کرتا ہوں اور قرآن حکیم کے حکیمانہ اقوال سے متاثر ہوں۔" (ماخوذ از اخبار لندن ریویو)

کیا عیسائیت مٹ رہی ہے؟

مذکورہ بالا حوالوں سے اس امر پر خود عیسائی محققین کی شہادتیں مل گئیں اب ایک اور پادری کی شہادت لیجئے۔ پادری جی ڈی۔ ہیومر نارڈیٹ کے بی۔ ایم جو برلن (جرمن) کے ایک پروٹسٹنٹ چرچ کا بشپ اور لندن کی "آل اینگلو کرسچن کانفرنس کے وائس پریذیڈنٹ ہیں اس کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۶ اپریل ۱۹۲۸ء کی ایک تقریر میں فرمایا ہے۔

"ہم مسیحی نوجوانوں کی حالت بہت ناگفتہ بہ ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری ان پادریوں کے سر ہے جنہوں نے عوام الناس کو مسیحیت کا غلط مفہوم بتلا کر اس سے متنفر کر دیا اور بائبل سے کئی آیات معترضہ اڑا کر ان کی جگہ بناوٹی اور جعلی آیات ٹھونس دیں جن سے غیر عیسائی لوگوں پر بڑا اثر پڑا اور ان حالات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر ہمارے پادریوں کی اُلٹی قلابازیاں اپنے مذہبی میدان میں اسی طرح دیکھنے میں آئیں تو یہ مذہب عنقریب نیست و نابود ہو جائے گا اور لوگ کسی نئے مذہب کی تلاش میں سرگرداں ہونگے۔

ہمارا رسول غیروں میں مقبول ہے

لفٹنٹ کرنل سائکس نے بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا تھا۔

حضرت محمد صاحب کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص ان کی اولوالعزمی، اخلاقی جرأت۔ نہایت خلوص نیت۔ سادگی اور رحم و کرم کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا پھر ان ہی صفات کے ساتھ استقلال عزم اور حق پسندی و معاملہ فہمی کی قابلیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ یقینی بات ہے کہ آپ نے اپنی سادگی لطف و کرم اور اخلاق کو بلا خیال مرتبہ قائم رکھا۔ اسکے علاوہ شروع سے آخر تک وہ اپنے آپ کو ایک معمولی پیغمبر بتلاتے رہے حالانکہ وہ اس سے زیادہ دعویٰ کر کے اس میں کامیاب ہو سکتے تھے۔"

ڈی اس۔ مارگیوتھ فرماتے ہیں:۔

آپ کی یعنی (محمد صلعم) کی دردمندی کا دائرہ انسان ہی تک محدود نہ تھا بلکہ جانوروں پر بھی ظلم و ستم توڑنے کو سخت بُرا کہا ہے۔"

مسٹر سیل کہتے ہیں:۔

"میں نے اپنی تحقیقات میں کوئی ثبوت ایسا نہیں پایا جس سے حضرت محمد صاحب کے دعویٰ رسالت میں شبہ ہو سکے یا اُن کی مقدس ذات پر مکر و فریب کا الزام لگایا جا سکے۔"

مسٹر ای۔ اے۔ فریمین لکھتے ہیں:۔
"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت محمدؐ بڑے پکے راستباز اور سچے ریفارمر تھے اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو ہرگز اپنے مقدس مشن میں آخر تک مستقل اور ثابت نہ رہ سکتے بلکہ وہ ڈگمگا جاتے اور انکو لغزش ہوجاتی۔
ڈاکٹر جی ویل فرماتے ہیں:۔
"بیشک حضرت محمدؐ صاحب نے گمراہوں کے لئے ایک بہترین راہ ہدایت قائم کی اور یقیناً آپ کی زندگی پاک اور صاف تھی۔ آپ کا لباس اور آپ کی غذا بہت سادہ ہوتی تھی۔ آپکے مزاج میں بالکل تمکنت نہ تھی۔ یہانتک کہ آپ اپنے متبعین کو تعظیم و تکریم کے رسمی آداب سے منع فرماتے تھے۔ آپنے اپنے غلام سے کبھی وہ خدمت نہ لی جس کو آپ خود کر سکتے تھے"
عمانوئیل ڈی۔ یہ محقق اسرائیلی کوارٹر لی ریویو جلد ۱۲۷ نمبر ۲۵۴ بعنوان "اسلام" کے متعلق حسب ذیل پاکیزہ خیالات کا اظہار کرتے ہیں:۔
ہم اس عجیب کتاب کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی اعانت سے عربوں نے سکندر اعظم کے جہان سے بڑا جہان اور روم کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کرلی اور جس قدر زمانہ کہ روم کو فتوحات حاصل کرنے میں لگا تھا اس کا دسواں حصہ بھی ان کو نہ لگا۔ ایسی کتاب جسکی اعانت سے جملہ بنی آدم میں صرف عرب لوگ ہی بحیثیت سلاطین یورپ میں آتے تھے جہاں اہل فنیقیہ تاجروں کی حیثیت سے اور یہود پناہ گیروں کی طرح آئے تھے۔ یہی لوگ معہ ان پناہ گیروں کے یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھانے کے واسطے نمودار ہوئے تھے۔ یہی لوگ جبکہ تاریکی محیط ہو رہی تھی یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کرنے اہل مغرب اور اہل مشرق کو فلسفہ۔ طب۔ ہیئت اور نظم لکھنے کا خوشنما اور دلچسپ فن سکھانے کے لئے آئے اور علوم جدیدہ کے بانی مبانی ہوئے"
اتہار فی ان الیجن صفحہ ۱۷ مصنفہ جے۔ ایچ لیکی لکھتے ہیں:۔
"عربستان کی حالت زار ان کے لئے ناقابل برداشت بوجھ کی طرح آزردہ تھی۔ اسکی سیاسی تقسیم۔ اسکی بے آئینی۔ اس کی بت پرستی اور طرح طرح کی دوسری جگر شگاف باتیں تکلیف مالایطاق تھیں۔ ان کا آبائی مذہب بھی تسکین دل سے قاصر تھا اور مطلقاً اس قابل نہیں تھا کہ ایسی ہستی کا پتہ دے سکے جو بالکل غیر مرئی اور نامعلوم ہے۔ اس باطنی اور ظاہری تکلیف کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ تنہا رہ کر شب بیداری اور مجاہدات کرنے لگے اور خدا کے حضور میں گریہ وزاری کرنے میں مشغول ہوئے۔ آخر کار یہ وردومحن الہام الہٰی کے نزول کا باعث ٹھہرا۔ ہاں وہ الہام ربانی جو حقائق

روحانی کا انعکاس وانکشاف کرنے والا ہوتا ہے اور جب یہ کیفیت پیدا ہوگئی تو پھر کیا تھا یہ کہ محمدؐ ایک نبی تھے جو دُنیائے جہان کو دعوتِ حق دینے کے لئے مبعوث ہوئے۔ ایسے نبی کہ ہستی باری تعالیٰ کی پُرنور وحدانیت کی ایک بشارت تھی۔

قرآن کے احکام اس قدر مطابق عقل وحکمت واقع ہوئے ہیں کہ انسان اُنہیں چشمِ بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرسکتا ہے۔ شریعت اسلام نہایت اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹنیکا)

مشہور مصنّف کارلائل فرماتے ہیں:۔

"میرے نزدیک قرآن کے تمام معانی میں سچائی کا جوہر موجود ہے۔ یہ کتاب سب سے اوّل اور سب سے آخر جو عمدگیاں ہوسکتی ہیں اپنے اندر رکھتی ہے بلکہ در اصل ہر قسم کی توصیف صرف اسی سے ہوسکتی ہے۔"

اسلام اور فلسفۂ یورپ

سنہ ۱۹۲۵ء میں اس عنوان پر ایک مضمون ایک جرمن فاضل کے قلم سے شائع ہوا تھا جس کو اخبار آؤٹ لک سے لیکر منشی عبدالکریم صاحب ہیڈ ماسٹر نے اُردو میں رسالہ صوفی میں شائع کرایا تھا۔ اس کو ہم تمام وکمال نقل کرتے ہیں۔

"دُنیا میں بنی نوع انسان کیلئے جتنے الہامی مذاہب ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ اسلام اُن میں سب سے زیادہ تازہ ترین ہے۔ اسلام ان مذاہب میں جدید ترین بھی ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ نہایت ترقی یافتہ اور نہایت ترقی پذیر ہے۔ اب سوال یہ اُٹھتا ہے کہ اس ترقی پذیر ہونے کے معنی کیا ہیں۔ اگر اسلام ترقی پذیر ہے تو یہ ترقی کس شکل میں ظاہر ہورہی ہے۔ اس سوال پر بہت بحث مباحثہ ہوا۔ فلاسفر ولہم ڈسمتی نے اس مسئلہ پر بہت غور وخوض کیا اور آخرکار وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ انسانی دماغی ترقی اور علمی ترقی ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ اس سے پیشتر پروفیسر ہیگل صاحب نے جب دُنیا کی تاریخ پر نظر ڈالی تو اس میں بنی نوع انسان کو بتدریج ترقی کرنے کے کمالات سے متصف پایا۔ اب پہلی ترقی وہی ہے۔ جس سے عقل بتدریج نشو ونما پاتی ہے۔ اور عقلی نشو ونما کی خصوصیات وہ خصوصیات ہیں جو اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز کرتی ہیں۔ اور اسلام ہی تمام مذاہب میں ایک ایسا مذہب ہے جس کو مذہب عقلیہ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کسی ایسے امر کا تقاضہ نہیں کرتا جو انسانی ادراک کے مخالف یا منافی ہو۔ بلکہ یہ بہانگ دُہل کہتا ہے کہ میری تمام تعلیم کا

ماخذ عقل ہے۔ اسلام میں قصّے کہانیاں پسِ پُشت رکھی گئی ہیں۔ اور ازلی ٹھوس صداقتوں کا ممتاز پایہ دیا گیا ہے۔ دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ علوم و فنون کی ترقی کے قدم بقدم چلے۔ اسلام میں محض عقائد کو چنداں اہمیت نہیں دی گئی۔ یہ اپنے پیروؤں کو عقلی آزادی بخشتا ہے۔ اس لئے عقائد اور عقلیہ استدلال میں وہ کش مکش نہیں جس سے آج یورپ کی دماغی زندگی میں تشویش پیدا ہو رہی ہے۔

علاوہ ازیں مدرکات کا دائرہ وہ دائرہ ہے جس میں انسان خالص فلسفیانہ خیالات کے عالم میں پرواز کرتا ہے۔ اٹھارویں صدی کے خیالات کو علمی یا فلسفیانہ خیالات کہتے ہیں اور یہی معقولیات کا زمانہ تھا۔ پہلے پہلے اٹھارویں صدی ہی میں نیچرل یا فطری مذہب کا زور و مطالبہ ہوا۔ ایسا فطرتی مذہب اسلام پیش کرتا ہے۔ اٹھارویں صدی کا مشہور فلاسفر کانٹ ہے کہ چند مہینے ہوئے کہ اس کی دو سَوویں برسی منائی گئی۔ یہ معلوم کر کے حقیقت میں تعجب ہوتا ہے کہ باوجود ان تاریخی رسومات کے جس کا کانٹ کو لازمی طور پر لحاظ کرنا پڑا بیشمار نکات اس کے مسائل میں ایسے ملتے ہیں جہاں کانٹ اور اسلامی مسائل میں تطابق پایا جاتا ہے۔

فلسفۂ کانٹ اور اسلام

کانٹ اپنی موسومہ کتاب میں فلسفہ کو ایک نئی شکل پہناتا ہے اور صورت نظریہ سے حقائق میں اس کو متبدل کرتا ہے کانٹ کا موضوع دماغی خیالات کے ذریعہ سے انسانی زندگی کو عملی شکل دینا ہے اور اس کا مبحث خدا۔ آزادی اور ابدی زندگی ہیں۔ اسلام کا مقصد بھی یہی ہے۔ اسلام کا منشا ہے کہ انسانی زندگی کی عملی شکل کو ہی مقصود سمجھا جائے۔ خصوصاً اسلام حالت نظریہ اور مزاولت یا مشق میں فرق دیکھنا نہیں چاہتا۔ یورپ میں یہ فرق موجود تھا اور کانٹ جونہی عمر اور پختگی میں بڑھتا گیا۔ اس فرق سے نفرت کرتا گیا۔ کانٹ کی زندگی کو ضابطہ دینے والے خیالات یعنی خدا آزادی اور ابدی زندگی مرکزی خیالات ہیں جو اسلام کے خیالات کے مشابہ ہیں۔ اور جن کا عمل وہی ہے جو اسلام میں پایا جاتا ہے۔ کانٹ کے فلسفہ کا اصل الاصول یہ ہے "کرو! اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمام لوگ ایسا ہی کریں جبکہ وہ تمہاری جگہ میں ہوں" اسلام کی اخلاقی تعلیم انہی خیالات کا تقاضا کرتی ہے۔ کانٹ کا فلسفہ بیشک بنی نوع انسان کی بھی خیر خواہی کی بنیاد رکھتا ہے اور ہر بنی نوع سے محبت سکھاتا ہے۔ اور یہی عام محبت اسلامی تعلیم کا اعلیٰ اصول ہے جس کے ماتحت

نیک عمل باقی تمام نیکیوں سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ اسلام بنی نوع انسان کے محبت کے مسئلے کو ایک اور طرح بھی منضبط کرتا ہے یعنی یہ کہ خدا واحد ہے ہم سب اس کے مخلوق ہیں اس واسطے ہم سب کو ایک دوسرے سے محبت کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ یہاں اسلامی مسائل کا تطابق ایک اور فلاسفر سپائی نوزا کے خیالات سے ہوتا ہے جس کا اعلیٰ ترین اصول خدا کی وحدانیت ہے۔ سپائی نوزا کا مسئلہ اسباب لابدی طور پر بالآخر ارادۂ ازلی کے ماتحت ہو جاتا ہے۔ اور یہی منشائے اسلام ہے کانٹ اسلام سے اعلیٰ اخلاق کا مطالبہ کرتا ہے۔ نہ اس لئے کہ اعلیٰ اخلاق سوسائٹی کے دیگر افراد کے لئے نفع بخش ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس کی ذات کے لئے مفید ہے۔ اور اسکے طفیل سے وہ انسان انسان کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اسلام بھی عمل صالح کی اہمیت پر تکرار کے ساتھ اور بڑے شدومد سے زور دیتا ہے کہ ہر ایک نیک عمل جو ہم کرتے ہیں پہلے ہماری تکمیل کرتا ہے۔ پہلے ہم پر ہی اپنا نیک اثر چھوڑتا ہے اور تکرار کے ذریعہ سے نیکی کرنا ہماری طبیعت ثانی ہو جاتی ہے۔"

اسلام اور تکمیل نفس

غیر کی بہبودی اور اپنے نفس کی اصلاح کے متعلق جب اسلام تعلیم دیتا ہے تو وہ فرد اور سوسائٹی میں تعلق پیدا کرتا چلا جاتا ہے اور اسی طرح سے ہم hulzoehe کے فلسفہ کے قریب قریب پہنچ جاتے ہیں جو اسلام کی مانند اس مسئلہ کا قائل ہے۔ کہ انسان جو اپنے نفس کو اپنے ضبط میں لاتا ہے اور اس کی تادیب کرتا ہے۔ تو وہ بتدریج اعلیٰ سے اعلیٰ منازل تک پہنچتا ہے۔ اور اس کا آخری درجہ وہ درجہ ہے جس کو ہم مشاہیر کا درجہ کہتے ہیں۔ فلاسفر مذکور کے قول کے مطابق مشاہیر کا درجہ بنی نوع انسان کے ہر فرد کے لئے منزل مقصود یا مطمح نظر ہے۔ مگر اسلام سے ایک قدم آگے نکل جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام یہ سکھاتا ہے کہ وہ ترقی جس کی دنیا میں ابتدا ہوتی ہے اس دنیوی زندگی کی بعد کی زندگی یعنی عقبیٰ میں بھی جاری رہتی ہے۔ اہل یورپ غلطی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام کا بہشت عیش و عشرت اور شہوات کی تصویر ہے جس کو نفس نے پرہیزگاری کی زندگی کے بعد بطور انعام حاصل کیا ہے۔ فی الحقیقت اسلام کا بہشت ایک ایسا عالم ہے جہاں روح دنیاوی زندگی کے قیود اور اس کے مخصوں سے آزاد ہو کر قیام پذیر ہوتی ہے اور جہاں ترقی کے ایسے جدید لاانتہا مکافات ہوتے ہیں جن کو فنا پذیر حواس انسانی تصور میں نہیں لا سکتے۔ اسلامی نقطۂ خیال سے حیات انسانی کے لئے عمل ایک ذریعہ یا واسطۂ تادیب ہے۔ اور یہ دنیوی زندگی اس تادیب مذکور کی تکمیل کرتی ہے۔ ہر خواندہ آدمی جانتا ہے کہ جرمن فاضلوں میں سے پہلے پہل جس

شخص نے ان خیالات کا اعلان کیا وہ انگریزی Goethe تھا "گوئٹے" نے اسّی سال اپنی عمر کے گذارے اور اس سارے عرصہ میں تمام دنیوی اشیا کا نہایت غور وخوض سے مطالعہ کیا اور اسی نتیجہ پر پہنچا کہ تقدیر آئندہ زندگی میں اس کے لئے ایک نیا کام نہایت وسیع پیمانہ پر مخصوص کر رہی ہے۔ اسلام زندگی کے پختگی یا تکمیل کے لئے تین منازل مقرر کرتا ہے۔ (۱) مادی یا جسمانی زندگی کا مرحلہ (۲) اخلاقی زندگی کا مرحلہ (۳) مرحلۂ تکمیل حیات یعنی روحانی زندگی کا مرحلہ۔

اسلام عیسائیت کی طرح جسمانی زندگی کے پہلو کو رد نہیں کرتا۔ Paulzeche کی مانند اسلام دماغ کے لئے جسم کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کی مثل اسلام تقاضا کرتا ہے کہ جسم کی تربیت ہو۔ مگر اس کی تذلیل یا تخریب نہ ہو جسمانی یا حیوانی طاقتوں کی تربیت شجاعانہ طریق پر ہونی چاہئے۔ یہی ماہِ صیام کا مقصد ہے۔ یہ معنی نہیں کہ جسم بالکل تباہ کر دیا جائے۔ جو قرون وسطیٰ کے عیسائیت کا منشا تھا۔ عیسائیت کے زہد کا منشار زندگی کے مفاد کے لئے مضر ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلامی زہد ایسی خصوصیات رکھتا ہے جو زندگی کے معادات کے لئے ممد ہیں۔ تربیت کے معنی وہاں نفس کو اپنے حدود کے اندر قائم رکھنا ہے۔ فلاسفر سپاٹی نوزا نے اس مطلب کے اظہار کے لئے اصطلاح ضبط جذبات وحسیات گھڑی تھی۔ اسلام ہر ایک انسان سے تقاضا کرتا ہے کہ ارادہ نہایت زبردست اور نیک ہو۔ کانٹ کا قول ہے کہ دُنیا میں اگر کوئی قابل قدر چیز ہے تو وہ نیک ارادہ ہے اوپر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور گہرے فلسفیانہ اہل یورپ کے خیالات کے اندر مطابقت اور مماثلت کے ہر جگہ نقاط پائے جاتے ہیں۔

مابہ الامتیاز اسلام

اب سوال یہ اُٹھتا ہے کہ نیک ارادہ کیا ہے۔ اس کے صحیح و غلط ہونے کا معیار کیا ہے۔ یہاں بمقابلہ دیگر مذاہب کے اسلام میں ایک وسیع تفاوت ہے کیونکہ اور مذاہب کے معیار قدیم اور متروک ہیں۔ حالانکہ اسلام کا معیار جدید ہے۔ اور حالات سے پُر ربط۔ یہودیت کا تقاضا یہ ہے کہ محض عدل معیار ہو۔ لیکن یہ معیار جملہ اعمال پر حاوی نہیں۔ ادھورا اور نامکمل ہے۔ عیسائیت خیرات اور ہمسائے سے محبت کا تقاضا کرتی ہے۔ مگر اسلام یہ حکم کرتا ہے کہ تم ہر وقت اور ہر موقعہ پر افراط و تفریط کے مابین درمیانی راستہ اختیار کرو۔ کیونکہ جیسی افراط میں غلطی ہے۔ تفریط میں بدی ہے۔ لاطینی زبان کی ایک ضرب المثل ہے "عدل کو اپنا راستہ لینے دو خواہ اس میں ساری دُنیا ہی کیوں نہ تباہ ہو جائے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک امر کی انتہائی صورت بربادی ہے" (گوئٹے) اس ضرب المثل سے

صاف عیاں ہے۔ کہ اگر عدل کو بلا سوچے سمجھے برتا جائے، تو عدل ہی تباہ کن سنگدلی پیدا کر دیتا ہے اس کے برعکس محبت میں کیونکہ درشتی نہیں ہوتی۔ اس واسطے محبت کا انجام بے ثباتی ہے۔ مگر اسلام اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے اٹل اور مطلق ضوابط قائم کرنے سے حذر کرتا ہے۔ کیونکہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے۔ جو قوانین فطرت کے مطابق ہے وہ سب سے بڑھ کر اپنے معتقدوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ قوائے عقلیہ کو آزادی سے استعمال کریں۔ اور ہر ایک معاملہ کو زندگی کی جدوجہد میں اپنی قوت عقلیہ اور مدرکہ کے استعمال سے تصفیہ کریں۔ اور عمل پیرا ہوں۔ نہیں بلکہ وہ اس سے ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور بتلاتا ہے کہ انسان محض اپنے قوائے عقلیہ ہی کے زور سے جسمانی مرحلہ سے روحانی مرحلے میں ترقی کرتا ہے۔ اور جس چیز کو ہم قدیم زمانہ سے عقل مشرق کے نام سے پکارتے رہے ہیں اس کی کلید یہی ایک مسئلہ ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم بے تعصبی سے کسی واقعہ یا امر کے ہر ایک پہلو کا موازنہ کریں۔ اور دو انتہاؤں کے درمیان صحیح درمیانی راستہ انتخاب کریں ہم میں یہ طاقت ہونی چاہئے کہ دھڑا بازی کو بالائے طاق رکھیں۔ نیز صحیح مسلک کے پیرو رہیں۔ اہل یورپ جب یہ صحیح درمیانی رویہ اختیار کرتے ہیں تو اپنی اصطلاح میں اس صحیح رویہ کو علمی مطمح نظر کہتے ہیں۔ یہ علمی مطمح نظر مسلمان کی زندگی کا ایک معمولی عنصر ہے۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ یورپ کے فلاسفر اس درمیانی صحیح رستہ کے اصول سے نابلد ہیں۔ وہ اس کے واقف نہیں عامل نہیں۔ یونانی حکیم ارسطو نے اپنے فلسفہ اخلاق کی بناء اسی اصول پر رکھی تھی۔ مگر یہ اصول یورپ میں داخل مذہب نہ ہو سکا اور نہ ہی یہ سوال یورپ کی زندگی کا دستور العمل بنا جس طرح کہ یہ اہل اسلام کی زندگی کا معمول بنا۔

اسلام ہر ایک نقطۂ خیال کو بے تعصبی سے دیکھتا ہے اور اس امر کی جستجو سکھاتا ہے کہ صحیح درمیانی رویہ کیا ہے۔ اس میں اس کی فتح ہے اور اس میں اس کا امتیاز ہے۔ یہ کہتا ہے کہ کوئی قوم سوائے ہادی کے نہیں (لکل قوم ھاد) ہر ایک قوم کو ایک نبی دیا گیا ہے۔ مسلمان کا "مابہ الامتیاز" ہے کہ تمام قوموں کے نبی موسیٰؑ عیسیٰؑ خدا کے ایک ہی طرح کے پیغمبر ہیں۔ پھر حضور محمد صلعم نے ان پیغمبروں کی تعلیم کو مختصراً طور پر بیان کیا اور ان پر ضروری طور پر اضافہ کیا۔ ان کی تنسیخ نہیں فرمائی بلکہ تکمیل کی (Lubwalz) کا یہ خیال تھا کہ فلسفہ انسانی میں تناقضات کثرت سے موجود ہیں۔ ان تناقضات کو اگر آج تک اصل تطابق کی شکل میں پیش کیا گیا اور مطابقت کو ظاہری تناقضات کے لئے بنیادی چٹان بنایا گیا۔ تو وہ ضابطہ یا وہ مجموعہ ضابطہ اسلام ہے۔ دنیا اس کام سے عاجز تھی۔ اسلام نے یکسانیت پیدا کی۔ اور اس مشکل مسئلہ کو وا کر دکھایا۔ ہیگل صاحب

نے مذکورہ تناقضات میں یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہوئے اسلام نے اس کام کو اس احسن طریق سے انجام دیا اور سُلجھایا جس کی مثال نہیں ملتی۔ کانٹ کا فلسفہ تمام یورپ کے فلسفہ کی بُنیاد ہے۔ کمزور دماغ بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ اپنے پیش کردہ مسائل میں خود بخود رخنے ڈالتے جاتے ہیں مگر کانٹ میں یہ خصوصیت ہے۔ کہ وہ جتنا بوڑھا ہوتا گیا اتنا ہی اپنے اخلاقی مطالبوں پر مصر ہوتا گیا۔ نہایت نازک ملکی حالات کے اندر اور بڑھاپے کی عمر میں جمہوریت کا حامی نظر آتا ہے اور کہتا ہے کہ حکومت کی یہ نہایت ہی منصفانہ اور عادلانہ شکل ہے وہ چاہتا ہے کہ قوموں میں ایک ابدی زندگی کا قیام ہو جائے۔

مالٹیک ایک جرمن جرنیل یہ خیال پیش کرتا ہے۔ کہ ابدی امن کا قیام محض ایک واہمہ ہے اور ایک خواب و خیال ہے۔ مگر اسلام کانٹ کا حامی ہے۔ اس کی تعلیم ہے کہ جمہوریت نہایت وسیع طرز پر قائم ہو تاکہ قابل سے قابل پیشکار منتخب ہو سکیں۔ نیز امن و سلامتی وہ لفظ ہیں جو مسلمان کی زبان پر اس کثرت سے آتے ہیں کہ کوئی لفظ اس کثرت سے نہیں آتا۔ کیونکہ السّلام علیکم (تم پر سلامتی ہو) ہر ایک ملاقات پر مسلمان روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ اسلام کا اصل رکن اور بُنیادی رکن امن ہے۔ اور حکمائے فرنگستان کا مسئلہ بھی اس محور پر گھومتا ہوا نظر آتا ہے۔ امید ہے کہ جتنا مغرب کو مشرق سے راہ و ربط بڑھے گا اُسی قدر اسلام کے دائرے اور حکمائے فرنگستان کے فلسفیانہ خیالات کے دائرے میں مزید تطابق پیدا ہوتا جائے گا۔ کیونکہ یورپ اب ان صداقتوں کو بھانپنے لگ گیا ہے جو اسلام کی ملکیت ہیں۔ تطابق جتنا مکمل ہوگا اتنا ہی نظام حکومت بنی نوع انسان میں یکسانیت اور اتنا ہی شہریت میں عالمگیرانہ حیثیت کے آثار پیدا ہوں گے۔ تنگدلی دور ہوگی۔ تعصب مفقود ہوگا اور مناقشات کا ارفاع ہو کر سلامتی اور امن ان کی جگہ لیں گے۔

میں کیوں مسلمان ہوا؟

ابھی حال ہی کا واقعہ ہے کہ رنگون میں ایک عیسائی نوجوان مسٹر ڈورے نے اسلام قبول کیا ہے اور اپنے اسلام کی سرگذشت ایک انگریزی رسالہ "پیس میکر" میں شائع کرائی ہے۔ جس کا ترجمہ اخبارات میں آچکا ہے اس کا ضروری حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

اپنی سرگذشت کی ابتدا میں مسٹر موصوف نے ایک پادری کی مذہبی تنگ نظری کا ذکر کیا ہے جس چیز نے موصوف کو اپنے مذہب کی تعلیمات کی چھان بین پر مجبور کیا۔ جب موصوف نے اپنی مذہبی تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا تو سینکڑوں اُلجھنیں پیدا ہو گئیں۔ خیالات میں ایک تلاطم پیدا ہو گیا اور دل میں طرح طرح کے شکوک و اوہام پیدا ہو گئے۔ جوں جوں اپنی مذہبی کتابوں کا بنظر تعمق مطالعہ

کیا۔ وُوں وُوں دن بدن انکے شکوک بڑھتے گئے۔ آخر کار انہیں اسکے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ وہ اپنی بیقراریوں کو دوسرے مذاہب کے سامنے پیش کریں اور ان سے مرض کی شفا طلب کریں۔ چنانچہ مسٹر موصوف لکھتے ہیں۔

سب سے پہلے میں نے ہندو مذہب کی طرف رجوع کی، اس میں مجھے چھوت چھات، بُت پرستی، شادی بیوگان اور طلاق کے متعلق کئی غیر فطرتی مسائل نظر آئے اور دل برداشتہ ہو گیا۔ یہاں سے ہٹ کر میں بُدھ مذہب کی طرف متوجہ ہوا اور اس کے پیروؤں سے راہ و رسم پیدا کی، مذہبی علماء سے ملا ان کی عبادت گاہوں اور مذہبی مجالس میں شریک ہوا۔ ان کی کتابیں پڑھیں۔ اس مذہب میں رحم اور محبّت کا جذبہ ضرور کسی حد تک پایا جاتا تھا۔ مگر اس کے عام اصول اور احکام ناقابلِ عمل تھے جس مذہب کے اصولوں پر انسان عمل نہ کر سکے وہ مذہب حقیقتاً سچا مذہب کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

اس قدر پریشانی اور بیقراری کے باوجود میں اس وقت تک عیسائی تھا۔ اور اپنے مذہب کے احکام کا پورے طور پر پابند تھا۔ ہر اتوار کو عبادت کے لئے گرجا جاتا تھا، لیکن میرے دل کی گہرائیوں سے تحقیق حق کے بیتابانہ ولولے اُٹھ رہے تھے۔ اب آخری چارہ کار کے طور پر میں نے اسلام کی طرف رجوع کیا۔ اگرچہ ابتدائی تعلیم اور ماحول کے اثر سے میرا دل اسلام سے سخت متنفر تھا میں متعدد بار اسلامی تعلیمات کے خلاف جلسوں میں پُر زور تقریریں کر چکا تھا، اُس وقت میرے مخالفانہ خیالات کی عجیب حالت تھی۔ اگرچہ میں اس سے پہلے بھی متعصبانہ نظروں سے ایک دو اسلامی کتب کا مطالعہ کر چکا تھا لیکن اب سچائی کی تلاش نے مجھے پھر اسی راستے پر لا ڈالا اور میں نے ایک مسلمان دوست سے جن کے ساتھ میں کئی دفعہ پُر جوش مذہبی مباحثے کر چکا تھا، امداد کی درخواست کی، آپ نے میرے کئی سوالوں کا تسلی بخش جواب دیا، اور ساتھ ہی یہ واضح کر دیا کہ اس کا مذہبی مطالعہ کافی نہیں ہے، مسلمان دوست نے میرے لئے کئی کتابیں اور رسائل مہیا کئے، جو میری کامیابی کا پہلا زینہ ثابت ہوئے ان رسائل اور کتب کے پڑھنے سے مجھے اسلام اپنے اصلی لباس میں نظر آنے لگا۔ میرے دل سے بُرے اور بیہودہ خیالات زائل ہو گئے۔

میں نے دیکھا کہ اسلام اپنے اصولوں کی صداقت کے باعث ترقی پذیر ہے اور عیسائیت روز بروز مٹتی چلی جا رہی ہے خاص طور پر اس لئے کہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا دخل بہت کم باقی رہ گیا ہے اور اس کی پاکیزگی، ہمدردی، خوف خدا اور سادگی بڑائی اور دُنیاوی جاہ و جلال کی حرص اور طمع سے بدل گئی ہے اور اس تبدیلی کے باعث مسیحی دُنیا روز بروز روحانیت سے بھٹک رہی ہے، تباہی کے غار میں گر رہی ہے اور عیسائیت کے اراکین دنیاوی خیالات کو روحانی

خیالات پر ترجیح دینے لگے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف اسلام ایک زندہ اور عالمگیر دین ہے اس کی عظمت کا محل چند سادہ اصولوں پر کھڑا ہے مثلاً نماز پنجگانہ، حج، روزے، زکوٰۃ امت مسلمہ بڑی باقاعدگی سے ان اصولوں پر عمل پیرا ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ اسلام کے اصول فطرت کے مطابق ہیں یہ عظیم الشان مذہب، اخوت مساوات، انصاف اور رواداری آزادی کے ستونوں پر قائم ہے میں نے مطالعہ اسلام اور غور وفکر میں کئی سال صرف کئے، جب مجھے اسلام کی صداقت اور اس کی فوقیت کا یقین ہوگیا تو میں عیسائیت سے دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے ایک مسلمان دوست ڈاکٹر ہینی کی ہدایات پر مسلمان ہوگیا۔

"میں شہادت دیتا ہوں کہ اسلام ہی ایک سچا اور عالمگیر مذہب ہے۔ وصدق اللہ ورسولہٗ۔

معزز برادران وطن کے پاکیزہ خیالات اسلام اور بانی اسلام کے متعلق

باباگرونانک اور اسلام

ہندوستان کی یہ وہ بزرگ ہستی ہے جس کی عقیدت ومحبت لاکھوں سکھ بھائیوں اور ہزاروں مسلمانوں کے دلوں میں بھری ہوئی ہے جن کی خدا پرستی، زہد وفقر، حسن خلق اور صلح کل کے مسلک نے ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے دلوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ جو حقیقتاً مسلمان تھے مگر آپ کے سامنے چونکہ صلح کل کا مقصد عظیم تھا اور آپ جس مشترکہ مذہب کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے اس کی وجہ سے آپ کو بظاہر کسی فرقے اور مذہب کے ساتھ خصوصیت نظر نہیں آتا اور اس طرح یہ سب کے محبوب بنے رہے ہیں۔ حضرت باباصاحبؒ حسب ذیل پاکیزہ خیالات کا اظہار فرماتے ہیں۔

توریت۔ زبور، انجیل ترے سن ڈٹھے وید
رہے قرآن کتاب کل جگ میں پروار

ترجمہ۔ توریت۔ زبور انجیل کو ہم نے بغور دیکھا اور ویدوں کو بھی۔ مگر دنیا کے لئے جو کتاب ہدایت کامل کا موجب ہوسکتی ہے وہ قرآن شریف ہے۔ (جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۴۷ سطر ۴)

تئے حرف قران دے تئے سیپارے کین
لیتس وچہ ہند نصیحتاں سُن سُن کر یقین

ترجمہ۔ عربی کے حرف ہجے تیس ہیں اور قرآن شریف کے بھی تیس سیپارے ہیں۔ قرآن کریم لاانتہا نصیحتوں کا مجموعہ ہے سنو اور یقین کرو یعنی ایمان لے آؤ۔
(جنم ساکھی کلاں بھائی بالا۔ نوشتہ شری گوروانگدجی صفحہ ۲۲۲)

رہے کتاب ایمان دی سچ کتاب قرآن

ترجمہ۔ اگر کوئی ایمان کی کتاب ہے تو وہ قرآن شریف ہے (جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۴۹)
مہاتما گاندھی جی فرماتے ہیں: "اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ فطرت انسانی کے مطابق ہے۔"
مسز سروجنی نائیڈو صاحبہ فرماتی ہیں: "دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا۔"
ڈاکٹر کے ایس سیتارام صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی فرماتے ہیں: "دنیا کی موجودہ تہذیب صرف اسلام کی بدولت ہے اسلام نے ایشیائی تہذیب کی شمع کو بلند رکھا۔ عیسائی زیادہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسلمان استادوں کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے سکھ مذہب جس کے بانی بابا نانک اور گوروگوبند ہیں اور بنگال کا فرقہ سیتارا بانا اسلام ہی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا۔ تمام دنیا کا مسئلہ صرف اسی صورت میں حل ہوسکتا ہے کہ قوموں کے افراد اس کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کریں۔

ملک عرب کا درخشاں آفتاب

مسٹر دیوی داس صاحب گاندھی خلف اصغر مہاتما گاندی جی اس عنوان کے ماتحت حسب ذیل گرامی قدر خیالات کا اظہار فرماتے ہیں:۔

"ایک عظیم الشان اور صاحب قوت سورج کی طرح پیغمبر خدا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ریگستان عرب کو اپنے جلوہ سے اس وقت منور کیا کہ جب دنیائے انسانی انتہائی تاریکی میں مبتلا تھی اور جب آپ رخصت ہوئے تو آپ اپنا سب کام پورے طور پر انجام دے چکے تھے۔ وہ مقدس کام کہ جس سے دنیا کو ابدی فائدے پہنچنے والے تھے۔ دنیا کے سچے اور نامور من اللہ ہادی بہت تھوڑے ہوئے ہیں اور باہم ان کے زمانوں سے ایک دوسرے سے بہت فرق رہا ہے اور وہ لوگ کہ جنہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوانح حیات کا مطالعہ اسی احترام کیساتھ کیا ہے کہ جس کے وہ مستحق ہیں وہ اس بات کے ماننے پر مجبور ہیں کہ آپ سب سے بڑے ہادیوں میں سے ایک تھے آپ کی عظمت وشان میں اُس وقت اور بھی اضافہ ہوجاتا ہے جبکہ آپ کی تصویر کھینچی

وقت ہم اس انتہائی اخلاقی روحانی انحطاط کے پس منظر پر بھی نگاہ رکھیں۔ جو آپ کی پیدائش کے وقت عرب میں عام تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک مہذب اور ترقی یافتہ ماحول کی پیداوار نہ تھے۔ آپ کے عہد میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس سے آپ الٰہیات کا درس لیتے۔ اس زمانہ میں مذہب الٰہی کے لئے تو عرب میں کوئی جگہ ہی نہیں تھی وہ زمین اپنے دور سے گزر رہی تھی۔ جب خرابی اور پستی اپنی انتہائی حد تک پہنچ گئی تو اس وقت آپ رحمت باری بنکر تشریف لائے۔ ایسی صورت میں اگر انہیں رحمۃ اللعالمین کا خطاب دیا جاتا تو اس میں تعجب ہی کیا ہے۔ عوام کے جذبات کے مطابق کہ جو تا قیام قیامت باقی رہیں گے اور آپ براہ راست خدا کے قاصد اور رسول ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ہستی باری تعالیٰ کی ہستی اور ذات کے اندر فنا ہو چکی تھی جو لوگ کہ ہندو عقائد سے آشنا ہیں آپ کو اوتار کہیں گے جس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ (خدا کی طرف سے) اترا ہوا۔ پکے مسلمانوں کی زبان میں آپ کا لقب پیغمبر یعنی اللہ کا قاصد ہے اور مطلب ان دونوں لفظوں کا ایک ہی۔ دونوں لفظ جذبۂ محبت و تعظیم کے اظہار کے لئے ہیں اور ایک کے بجائے دوسرا لفظ استعمال ہو سکتا ہے" اللہ اکبر

نعرۂ توحید

عالی جناب فخر ملک وملت ڈاکٹر ستیہ پال صاحب اس عنوان کے ماتحت فرماتے ہیں۔

"دنیا آج دارالراحت کی بجائے دارالعذاب بن گئی ہے لیکن خدا یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ انسان کا حشر ایسا اندوہناک ہو۔ گو بندہ اپنے خدا سے منہ موڑ چکا ہے' لیکن خدا نے اپنی رحمت کا دروازہ ایسا کبھی بھی بند نہیں کیا' اور انسان کو راہ راست پر لانے کیلئے وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبر و رسول صفحۂ دنیا پر جلوہ افروز کئے ہیں تاکہ گم کردہ راہ پھر سے سیدھی راہ پر آجائیں۔ اور جہالت کے تاریک بادل دور ہوں اور روشنی نمودار ہو جناب حضرت محمدؐ صاحب نے بھی اسی متبرک فرض کو ایک خاص شان سے سرانجام دیا ہے حضور کا جس وقت ظہور ہوا اسلئے عرب میں بت پرستی زوروں پر تھی۔ ہر سمت اور ہر جانب شرک زوروں پر تھا۔ خدا کا خیال بھی مٹ رہا تھا ظلم وستم جبر و تشدد کے لئے تو ضرور خدا کو رٹ لیا جاتا تھا لیکن اس کی عبادت و اطاعت سے لوگ کوسوں دور تھے۔ رسومات پر زور تھا۔ فروعات کے لئے شور تھا لیکن خدا پرستی کا نام نہ تھا۔ ایسے وقت میں حضور نے نعرۂ توحید اس شان سے بلند کیا کہ اس کی گونج سے عرب میں ایک نئی دنیا آباد ہوگئی۔

حضرت محمد صاحب اگر اپنی زندگی میں اور کچھ بھی نہ کر پاتے تو ان کا شرک کو دور کرنا اور توحید کو قائم کرنا ہی ایک ایسا کارنامہ ہے کہ دنیا میں انہیں ابدی زندگی کا حق حاصل ہوتا لیکن حضور نے

اہل دنیا کو اپنی موجودہ جدوجہد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے بھی شمع ہدایت روشن کی ہے حضور کا انصاف۔ حضور کی قربانی۔ حضور کا ایثار۔ حضور کا نفس پر قابو اور حضور کا حوصلہ ہم سب کے لئے مشعل راہ کا کام دیتے ہیں حضرت محمد صاحب نے دنیا میں مساوات کا اصول قائم کیا۔ خدا کی نگاہ میں ہر ایک انسان کا درجہ ایک ہے۔ اس کی درگاہ میں دولت و عقل کا امتیاز جائز نہیں۔ جو خدا کا بن گیا خدا اسی کا ہو گیا۔ غریب ہو یا امیر مفلس ہو یا زردار جس نے خدا کی بندگی کو اپنا شغل بنا لیا۔ اس نے اعلیٰ ترین درجہ حاصل کر لیا۔ خدا کی عبادت کے دروازے سب پر کھل گئے اونچ نیچ کا امتیاز نہ رہا۔ دنیوی معاملات میں بھی ایک درجہ اور دینوی معاملات میں بھی مساوی سلوک کی ہدایت کی گئی۔ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اسلام کی تعلیم وہ جو حضرت محمدؐ نے پیش فرمائی آج بہت حد تک غائب سی ہو رہی ہے

بالیقین میں اسلام کا ایک مخلص مدح خواں ہوں اور اس لئے میری یہ دلی آرزو ہے کہ یہ اپنی شان برقرار رکھے اور اس کے نور میں بال برابر بھی فرق نہ آئے۔ مسلمان اپنے وطیرہ سے تمام دنیا پر روشن کریں کہ آج بھی اسلام کی رگ رگ میں خدا اور اس کے رسول کا ظہور ہے میں اسلام کا شاندار مستقبل دیکھتا ہوں۔ لیکن یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب مسلمان اپنے فرض سے آگاہ ہوں اور ایک خدا کے بندے بن کر اپنے مذہب کے لئے پوری پوری قربانی کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔"

حضرت محمد صاحب کی محبّت بھری تعلیم

جناب ماسٹر تارا سنگھ صاحب پریسیڈنٹ سکھ لیگ اس عنوان کے ماتحت ان پاکیزہ جذبات کا اظہار فرماتے ہیں۔

"افسوس ہے کہ میں نے حضرت محمد صاحب کی سوانح عمری کا اچھی طرح مطالعہ نہیں کیا اور مجھے اس پاک ہستی کی بابت بہت زیادہ معلوم نہیں ہے۔ مذہب اسلام کی بابت بھی میں واقفیت نہیں رکھتا لیکن جب کوئی مجھ سے یہ کہا کرتا ہے کہ حضرت محمد صاحب نے تلوار کے زور سے اپنا مذہب پھیلایا تو مجھے اس شخص کی کم فہمی پر ہنسی آتی ہے۔ اس قسم کا اعتراض کرنے والے کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس اعتراض سے تو وہ محمد صاحب کو غیبی طاقت کا مالک تسلیم کر رہا ہے اگر ایک محمد صاحب دنیا کے مقابلہ میں تلوار سے کامیاب ہوتا ہے تو یقیناً یہ ایک معجزہ ہے۔ اپنی سچائی اور ایمان کی مدد سے کامیابی حاصل کرنا اتنا بڑا معجزہ نہیں ہے جتنا کہ تلوار کے زور سے مذہب پھیلانے میں کامیابی حاصل کرنا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ محمد صاحب نے پہلا مسلمان پھر دوسرا

پھر تیسرا پھر چوتھا اور پھر پانچواں یہ تلوار کے زور سے ہی کئے تھے تو یہ اشخاص جبراً مسلمان کئے جانے کی وجہ سے محمد صاحب کے دشمن ہو گئے ہوں گے۔ ایک ایک کو تلوار کے زور سے پہلا محمد صاحب مسلمان کر سکتے ہیں لیکن جب وہ تین چار اکھٹے ہوئے تھے تو انہوں نے کیوں محمدؐ صاحب سے بدلہ نہ لیا؟ اگر اس کا جواب یہ دیا جائے کہ وہ مسلمان تو تلوار کے زور سے ہی ہوئے تھے لیکن بعد میں وہ محمدؐ صاحب پر صدق دل سے ایمان لے آئے تھے لیکن اگر یہ مان لیا جائے تو بھی یہ ایک معجزہ ہی ہے لیکن یہ ایک ایسی فضول بات ہے کہ کوئی اس کو ماننے کو تیار نہ ہوگا کہ جس شخص پر جبر کیا جائے وہی بعد میں دوست بن جائے۔ اس بھدی دلیل کے یہ معنی ہیں کہ کوئی ایک شخص جو جسمانی طور پر دوسروں سے طاقتور ہے ایک ایک کو فتح کرنیکے بعد اپنا مذہب چلا سکتا ہے کیونکہ فتح کے بعد مفتوح کو جبر سے دوست بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ ایسی فضول دلیل ہے کہ اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض اصحاب یہ خیال کریں کہ شروع شروع میں تو وعظ سے ہی لوگ مُسلمان بنتے تھے لیکن بعد میں طاقت پکڑنے پر انہوں نے تلوار کی مدد بھی لی تھی یہ ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ دُنیا کے بڑے بڑے مذہبوں نے اپنے اپنے مذہب کی مدد میں تلوار استعمال کی ہے میں یہ نہیں مانتا کہ کسی وقت پر بھی مذہب کی اشاعت کے لئے تلوار کا استعمال میں لانا ضروری ہے یا یہ کہ اس طرح مذہب کی اشاعت میں تلوار کی مدد لینا اس اشاعت میں کچھ مفید ثابت ہوتا ہے لیکن اس بات سے مجھے انکار نہیں کہ عیسائیوں۔ یہودیوں۔ بودھوں اور چینیوں وغیرہ مذاہب نے اپنے اپنے مذہب کی مدد کے لئے تلوار کی مدد ضرور لی تھی اس طرح پر مسلمانوں نے بھی بعض موقعوں پر مذہب کی مدد کے لئے تلوار کا استعمال ضرور کیا تھا۔ لیکن اس بات کی ذمہ داری حضرت محمد صاحب پر نہیں آسکتی کیونکہ محمدؐ صاحب اور ان کے جانشینوں نے مذہب کے پھیلانے کے لئے تلوار کا استعمال نہیں کیا۔ لیکن جو شخص مذہب کے نام تلوار کی جنگ میں شریک ہوتا ہے اور اس طرح پر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا ہے اس کا ایمان بھی کافی حد تک مضبوط ہوتا ہے۔ یقین کی پختگی کے بغیر کوئی شخص اپنے آپ کو خطرہ میں نہ ڈالے گا۔ اس لئے تلوار چلانے کے لئے بھی تو پہلے یقین کرنے والے مضبوط دلوں کی ضرورت ہے جو صرف وعظ سے ہی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس واسطے یہ کہنا بالکل فضول ہے کہ کوئی مذہب تلوار کے زور سے پھیلا ہے یا پھیلایا جا سکتا ہے کیونکہ تلوار بھی وعظ سے پیدا کئے ہوئے یقین کے بغیر نہیں اٹھائی جا سکتی۔

ایک کتاب مجھے اس وقت ملی ہے جس میں حضرت محمدؐ صاحب کی سوانح عمری درج ہے۔ اس کتاب کو میں جس صفحہ سے کھولتا ہوں محمدؐ صاحب کی عظمت بھی نظر پڑتی ہے۔ ان کی صدق دلی۔ ان کا خدا پر بھروسہ ان کی سادگی اور ان کی جادو بیانی ہر ایک صفحہ سے ٹپکتی ہے۔

غلط مذہبوں کا کافر مسٹر بی۔ راین سانہی ایڈیٹر "ہندوستان ٹائمز" دہلی۔ اس عنوان کے ماتحت فرماتے ہیں۔

ایک ایسا شخص کہ جسے کسی خاص مذہب سے کوئی تعلق نہ ہو اس کے لئے مذہبی معاملات و مسائل پر قلم اٹھانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے رسی یا تار کے اوپر چلنا اس کوشش میں میرے لئے جو چیز باعث تسکین وتسلی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے اپنے زمانہ میں محمد صلعم عیسیٰ اور بدھ جیسے بزرگوں کے ساتھ اس قسم کی حقارت ونفرت کا برتاؤ کیا گیا جو کافروں کے لئے مخصوص ہے اور حضرت محمد صلعم کو اس قسم کے کفر کا ایک زبردست پیشوا سمجھ کر ہی میں اس بات پر مجبور ہوا ہوں کہ ان کی تعظیم کروں یہ آپ ہی کا کام تھا کہ عدیم النظیر عزم واستقلال اور استقامت کے ساتھ جس کی وجہ سے آپ کئی مرتبہ موت کے منہ میں پہنچ گئے آپ نے اس وقت کے رواج یافتہ مذہب کے اصولوں کو توڑا اور ایک ایسی مذہب کی بنیاد ڈالی کہ جس نے اس مخصوص زمانہ کی تہذیب میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا اور آگے چل کر اس دنیا کے مختلف گوشوں میں بسنے والے کروڑوں انسانوں کے لئے شمع ہدایت کا کام دیا۔ اسلام کی فلسفیانہ عظمت سے بحث کرنے کا میرا منصب نہیں ہے کیونکہ ایسے کسی مسئلہ کو چھیڑنا نہیں چاہتا جس میں اختلاف رائے پیدا ہونے کا احتمال ہو البتہ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ بانیٔ اسلام کی ذات جس قدر پاک اور اعلیٰ تھی اسی قدر مقناطیسی کشش بھی اس میں موجود تھی اور آپ ایسے دل اور ایسے دماغ کے مالک تھے کہ جن کی نظیر یں آجتک اس دنیا میں بہت کم پیدا ہوئی ہیں۔ اس مقدس پیغمبر نے صدیوں پہلے اپنے پیروؤں کے لئے معاشرت کا جو نظام قائم کیا تھا اس میں دو باتیں خصوصیت کے ساتھ ہر شخص کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لیتی ہیں یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ اس عہد جمہوریت میں بھی ہم معاشرتی اور ذہنی فسادات کے اس بلند درجہ پر نہیں پہنچ سکے ہیں جس کا تخیل اس عظیم المرتبت پیغمبر کے ذہن میں صدیوں پہلے آگیا تھا اور جس پر مسلمانان عالم نے من حیث القوم اپنی روزمرہ کی زندگی میں حیرت انگیز وفاداری کے ساتھ عمل کیا ہے۔ سیاسی جمہوریت میں بھی بہت کچھ خوبیاں ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ ہر ایسا نظام سیاسی کہ جو عوام کو اس حکومت کے قائم کرنے کے متعلق کامل آزادی دے کہ جسکے

ماتحت وہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں یقیناً غیر منصفانہ اور جابرانہ ہے لیکن تنہا سیاسی جمہوریت سے کام نہیں چلا کرتا اور جمہوری طرز زندگی کی اس سے تکمیل نہیں ہوتی۔ جمہوریت کا اصلی راز جس چیز میں پنہاں ہے وہ تو یہ ہے کہ ایک انسان کی نظر میں دوسرے انسان کی وقعت کتنی ہے اور ایک جماعت دوسری جماعت کیساتھ کس قسم کا برتاؤ کر رہی ہے۔ دنیا کے تمام مذہبوں میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اس بات کا دعویٰ کر سکے کہ اسے جمہوریت کا سچا پیغام اور سچا پیغمبر ملا ہے۔

حضرت محمد صاحب کا کامیاب مشن

جناب لالہ دیش بندھو جی ڈائرکٹر اخبار تیج دہلی نے رسالہ مولوی دہلی کے رسول نمبر کے لئے حسب ذیل مقالہ سپرد قلم فرمایا تھا جس کا ضروری حصہ درج کیا جاتا ہے۔

حضرت محمدؐ صاحب ایک مذہبی پیشوا تھے ان کی پبلک لائف کا قریب قریب تمام حصہ اشاعت اسلام ہی میں صرف ہوا۔ اس لئے ان کی تعلیم در اصل اسلام ہی کی تعلیم ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مسلمانوں کے سوا اور دوسرے لوگ ان کی تعلیم سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ عرب کے نیم وحشی بدوؤں پر انہوں نے جو احسانات کئے ہیں انہیں تاریخ فراموش نہیں کر سکتی جو ملک اب سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے تہذیب و تمدن کے نام سے عاری تھا۔ جہاں صنعت و حرفت کا مطلق دخل نہ تھا جہاں کے لوگوں کا پیشہ ہی لوٹ مار قتل و غارت گری تھا جہاں بُت پرستی و توہم پرستی کا غلبہ تھا وہ ملک آج مہذب ممالک کی صف میں کھڑا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ سب کچھ ان ہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ علاوہ بریں اخوت اسلامی کی اعلیٰ مثال قائم کر کے انہوں نے دُنیا میں جمہوریت کے قابل قدر جذبہ کو فروغ دیا اور یہ ایک ایسا کام تھا جس نے نہ صرف خلافت اسلامیہ کی کایا پلٹ کی بلکہ دیگر مملکتوں پر بھی نمایاں اثر ڈالا۔ آنحضرت کا ایک اور بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے عرب سے غلامی کی انسانیت سوز رسم اٹھانے میں پیش قدمی کی۔ اور اسلام کے پیروؤں کو تعلیم دی کہ غلاموں کو آزاد کرنا سب سے بڑا کار ثواب ہے۔ نیز یہ کہ کوئی شخص پیدائشی غلام ہونے کے باعث امام یا خلیفہ بننے سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ کئی پیدائشی غلاموں نے خلیفہ کا مرتبہ حاصل کیا اور اپنے نیک اعمال اور اعلیٰ اوصاف کی بدولت اپنے وقت میں اسلام کی رہبری کی۔ آج بیسویں صدی میں جبکہ تقریباً ساری دنیا میں غلامی کا انسداد ہو گیا یہ بات ممکن ہے کہ بڑی نظر نہ آئے لیکن اب سے چودہ سو

سال پہلے کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھکر اگر غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ یہ کوئی چھوٹا کام نہیں تھا اسی طرح کے کئی اور کارہائے نمایاں حضرت محمد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں جن کا مفصل تذکرہ مضمون ہذا کی محدود سطوروں میں ممکن نہیں یہاں صرف اس قدر کہدینا ضروری ہے کہ حضرت محمد صاحب دنیا کی اُن عظیم ترین ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کی زندگی کا مشن بنی نوع انسان کو راہ راست دکھانا ہوتا ہے۔"

اسلام اور پاکیزگیٔ اعمال

جناب والجی گووندجی ویسپائی اس عنوان کے ماتحت ان قابل قدر محققانہ خیالات کا اظہار فرماتے ہیں:۔

"رسول اکرم (صلعم) کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی تمام عمر میں صرف ایک دفعہ اسلام کا اقرار کرے تو وہ مومن ہو جائیگا اور اس کی نجات ہو جائے گی۔ حضور نے فرمایا ہے وہ شخص مومن نہیں ہے جو زنا کا مرتکب ہوتا ہے، یا چوری کرتا ہے، یا جو شراب پیتا ہے، یا جو ڈاکہ زنی کرتا ہے، یا جو امانت میں خیانت کرتا ہے خبردار ہو۔ خبردار ہو (حدیث) محبت ایمان کی علامت ہے اور جس شخص میں محبت نہیں، اس میں ایمان نہیں (الحب من الایمان) حدیث۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلعم نے یہاں تک فرمادیا ہے "جو شخص بُری زندگی گزارتا ہے نماز بھی اس کی نجات نہیں کراسکتی" "وہ شخص جس کی نماز اس کو بُرے افعال اور بدی سے نہیں روکتی۔ اپنے لئے کوئی بھلائی نہیں کرتا۔ اس کے اور خدائے قدوس کے مابین بُعد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے (حدیث) اور یہ کہ "اللہ تعالیٰ ایک ناسمجھ آزاد آدمی سے زیادہ محبت کرتا ہے بہ نسبت اس شخص کے جو واقف ہو اور اس کے باوجود کبھی نماز پڑھے اور کبھی نہ پڑھے (حدیث) اور سمجھ سے قریب تر وہ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور بُرائیوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں رہتے ہیں (حدیث) یہ صرف تمہارا عمل ہے جس کی بناء پر تم کو جزا یا سزا ملے گی۔ باری تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

یہ امر کوئی وقعت نہیں رکھتا کہ تم کیا کہلاتے ہو مُسلمان، یہودی، یا نصاریٰ صرف جو لوگ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور یوم آخرت یا قیامت کو برحق سمجھتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اللہ تعالیٰ ان کو اجر دے گا اور ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ کوئی غم ستائیگا۔

غیر مسلم اصحاب کی یہ چند رائیں نمونتہً پیش کی گئی ہیں اور سینکڑوں کو ہم نے بخوف طوالت نظر انداز کر دیا ہے۔

علاوہ ازیں تمام مذہبی کتابیں خواہ وہ الہامی ہیں یا غیر الہامی سب کی سب اسلام اور بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور رسالت کی پکار پکار کر گواہیاں دے رہی ہیں اور اسلامی صداقت پر دنیا کے تمام محقق اور غیر متعصب غیر مسلم حضرات متفق ہیں۔

اسلام کی اہم تعلیمات کیا ہیں اور آج کل کے مسلمان ان تعلیمات پر کس حد تک عمل پیرا ہیں؟

یوں تو اسلام کی تمام تعلیم اپنے اندر ایک خاص اور انوکھی جاذبیت و اہمیت رکھتی ہے جس کا احاطہ کرنا مقصود نہیں بلکہ اہم تعلیمات کا نمونہ دکھانا مدنظر ہے اس لئے ہم یہاں صرف چند اہم تعلیمات دکھانے پر اکتفا کریں گے اور زیادہ تفصیل میں نہ پڑیں گے ناظرین نہایت ہی غور و فکر کے ساتھ اس عنوان کا مطالعہ کریں۔

(۱) اسلام بقائے مذہب کا وہ راز بتلاتا ہے جو اس کو ایک زندہ اور کامل مذہب ثابت کرتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کسی مذہب کا حقیقی کمال یہ نہیں کہ وہ محض اخلاقی اور روحانی اصولوں کو ایک کتابی صورت میں جمع کر کے اپنے متبعین کے حوالہ کر دے اور ان اصولوں کی پشت پر کوئی عمل کرانے والی قوت اور نظام حیات پیش نہ کرے کسی کتاب میں اچھے اچھے اصول چھانٹ چھانٹ کر جمع کر دینا اور اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم پیش کر دینا تو آسان ہے، مگر مشکل اور کام کی بات یہ ہے کہ ان اصولوں کے حق میں فضا بھی پیدا کر دی جائے اور پیروان مذہب کے ارد گرد اطاعت کا ایسا مضبوط حلقہ باندھ دیا جائے کہ وہ کسی حالت میں بھی اس سے خارج نہ ہو سکیں اور مذہبی احکام ماننے اور عمل کرنے پر طوعاً و کرہاً مجبور ہو جائیں۔ اگر کسی مذہب کے متبعین کی ذہنیت یہ ہو کہ "پنچوں (مذہب) کا حکم سر آنکھوں پر مگر پرنالہ یہیں پڑیگا" یعنی مذہب کو تو ہم اعتقاداً اور رسماً مان لیں گے مگر چلیں گے اپنی مرضی پر

ایسی خطرناک ذہنیت کو تبدیل کرنے کی اگر کوئی مذہب اپنے اندر طاقت نہ رکھے اور اُن پر کوئی خارجی اثر نہ ڈالے تو وہ مذہب بے جان اور بیکار ہے۔ پس مذہب کی زندگی کا راز صرف اس بات میں ہے کہ وہ اعلیٰ اخلاقی اور روحانی اصول دُنیا کے سامنے پیش کرے اور ساتھ ہی ان کے لئے ایک ایسی مستقل فضا بھی پیدا کر دے کہ سوسائٹی کا ہر فرد ان اصولوں کی پیروی کرنے پر طوعاً و کرہاً مجبور ہو جائے۔ ان کے نشو و نما کے لئے فضا اور زمین مہیا کرے۔ بدکرداری کے راستے میں روک لگا دے اور پرہیزگاری کی راہیں کھول دے۔

انسان کے اعمال و اخلاق کی اصلاح پر اثر ڈالنے والی قوتیں

مذہبی حدود کی حفاظت کرنے والی اور اشخاص کو مذہبی احکام پر قائم رکھنے والی قوتیں اور خارجی مؤثرات و محرکات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حکومت۔ قانون اور پولس کا خوف۔

(۲) مختلف قسم کی امیدیں اور خوف۔

(۳) زندگی کا عملی نظام یا پبلک رائے۔

پرہیزگاری اور اطاعت خداوندی پر مجبور کرنے والی یہی تین محرکات مؤثرات ہیں۔ اب اپنی اپنی کمزوری اور طبیعت ہے۔ بہت سے لوگ پولس اور قانون کے خوف سے اعمال بد سے رُکے رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ مختلف قسم کی امیدیں لئے ہوئے اور اپنے سینے میں خوف رکھے ہوئے پرہیزگارانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور بدکرداری کی راہوں سے بچتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ سوسائٹی یا پبلک رائے کے سامنے سر اطاعت جھکاتے ہیں۔ ان تینوں قسم کے محرکات میں جو چیز سب سے زیادہ مؤثر ہے وہ پبلک رائے ہے اور قریب قریب دیگر محرکات اس کے تابع ہیں۔

اب دیکھئے اسلام نے کس خوبی اور جامعیت کے ساتھ اپنے اصولوں کے لئے مستقل فضا پیدا کی ہے اور کس طرح محرکات و مؤثرات کا اہتمام فرمایا ہے۔ محرک اول کے لئے ہے۔

وَاِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ۔ — اگر ہم ان کو زمین پر حکمراں کر دیں تو اقامت صلوٰۃ کریں۔

گویا اسلام اپنی حکومت اور خلافت فخر و مباہات کے اظہار کے لئے کمزوروں اور بیکسوں کے حقوق غصب کرنے کے لئے کسی پر ظلم و ستم توڑنے اور کسی کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے نہیں بلکہ عبدیت اور عجز کرانے کے لئے اور دُنیا سے فسق و فجور کے نیست و نابود کرنے کے لئے چاہتا ہے یہی وجہ

ہے کہ اسلام اپنے نظام کی بقا اور حکومت الٰہی کے قیام کے لئے مسلمانوں سے استخلاف فی الارض کا وعدہ کرتا ہے اور ان کی دینی و دنیوی سرفرازی و کامیابی کی حمایت اور ضمانت کرتا ہے۔

محرک دوئم کے لئے نعمائے جنت۔ رضائے الٰہی اور دیدار خداوندی کی قرآن کریم میں بار بار ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے اور عذاب دوزخ سے ڈرایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں جنت و دوزخ کا جس اہتمام کے ساتھ ذکر ہے سب جانتے ہیں، اس کا مقصود ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کو مختلف قسم کی امیدیں دلائی جائیں اور دوزخ کا خوف دلایا جائے تاکہ اُن کے اعمال و اخلاق کی اصلاح پر ہر وقت اثر پڑتا رہے۔ ان کے لئے پرہیزگارانہ زندگی بسر کرنے کی ایک عام اور مستقل فضا پیدا ہو جائے اور نافرمانیوں کے راستے مسدود ہو جائیں۔

محرک سوئم کے لئے تو بڑی شدومد اور تکرار کے ساتھ اسلام نے تعلیم دی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

تمہیں ہم نے بہترین اُمت ہونے کا مرتبہ اس لئے عطا فرمایا ہے کہ تم اس خصوصیت کے مالک ہو کر ایک دوسرے کو نیکی کی ہدایت کرتے ہو اور بُرائیوں سے روکتے ہو۔

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

اور چاہئے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ضرور ہو جو لوگوں کو نیکی و ہدایت کی طرف بلائے۔ پرہیزگاری اور بھلائی کا امر کرے اور بدکرداری سے روکے۔

گویا ایک حیثیت سے امر معروف و نہی عن المنکر کو فرض عین قرار دیدیا۔ چنانچہ مفسرین رحمہم اللہ کا ایک گروہ دوسری آیت میں "من" کو بیانیہ قرار دیکر امر معروف و نہی عن المنکر کے فرض عین ہونے کا قائل ہے یعنی ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو بُرائی سے روکے اور نیکی کی ہدایت کیجے پھر فرمایا۔ وامروا بالمعروف اور نیک کام کا حکم دیں وانھوا عن المنکر اور بُری بات سے روکیں

یہ وہ نظام یا ضابطہ ہے جو مسلمانوں کے اردگرد اطاعت خداوندی کا ایک مضبوط حلقہ کھینچتا ہے۔ ان کو فرمانبرداری و اطاعت کیشی کے قلعہ میں محصور کرتا ہے۔ ان کو روحانی اور ابدی صحت کا پیالہ پینے پر مجبور کرتا ہے اور فسق و فجور کی تمام ظلمات کو دور کرنے اور ان کی اخلاقی و روحانی ترقی کے لئے حرارت اور روشنی مہیا کرتا ہے۔

مسلمانوں کے مذکورہ بالا نظام حیات کا عملی اندازہ کرنے کے لئے فرائض

فرائض اسلامی کی سلسلہ وار کڑیاں

اسلامی کی گرفت پر نظر ڈالنی چاہئے کہ کس طرح مسلم کو جکڑنے کے لئے اسلام نے مختلف اور متعدد کڑیاں بنائی ہیں جس سے مذہب اسلام کا سرکش اور نافرمان قیدی بھاگ ہی نہیں سکتا مثال کے طور پر ایک نمونہ ملاحظہ فرمالیجئے۔

اسلام نے فریضۂ نماز کو ہر مسلمان پر لازمی قرار دیا ہے۔ اب نماز کی سلسلہ وار کڑیاں چھ ہیں۔ نماز پنجگانہ، نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز تراویح، حج اور نماز جنازہ۔ اگر کوئی مسلمان پنجگانہ نمازوں سے بھاگے تو ان پانچ آخر کی زنجیروں میں سے کوئی نہ کوئی زنجیر ضرور اس کے گلے کا ہار ہو کر رہتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان پنجگانہ نمازوں کو اپنے غفلت و تساہل کے باعث ادا نہیں کرتا تو محلہ کی مسجد کی پنجوقت صدائے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اس کے ضمیر کو دن میں پانچ وقت اندر ہی اندر کچلتی رہتی ہے۔ اس کو نادم اور خجل کرتی رہتی ہے۔ اگر کسی نافرمان اور سرکش مسلمان نے اس کی بھی پرواہ نہ کی تو جمعہ کی نماز اور صدائے اللہ اکبر نفرت و ملامت کا ٹوکرا سر پر رکھ دیتی ہے، اگر کوئی ان دونوں زنجیروں کو توڑ کر بھی نکل بھاگا تو رمضان کی تراویح اس کو چاہِ ندامت میں غرق کر دیتی ہیں۔ اگر اس سے بھی کسی طرح نکل بھاگا تو جنازے کی نماز خجالت کے پتھر کی ٹھوکر سے اُسے اوندھے مُنہ فرش ذلت پر گرا دیتی ہے۔ اور اگر وہ بے شرم پھر بھی اُٹھ کر بھاگا تو عیدین کی نماز تو خوشی خوشی بلا ہی لیتی ہے۔ پس اس لحاظ سے ہم دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کا کوئی مسلمان بھی فریضہ نماز کا تارک نہیں اور یہ قطعی طور پر ناممکن ہے کہ ایک مسلمان ان تمام حدود اور زنجیروں کو توڑ کر اپنے آپ کو فریضۂ نماز سے علیحدہ رکھ سکے اسلام کسی نہ کسی مرحلہ پر اطاعت و نیاز کے آستانہ پر مسلمان کا سر جھکا ہی دیتا ہے۔

غرض نظام اسلام کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے پیرو کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے۔ اپنی اطاعت کے حلقہ میں لے آتا ہے۔ زندگی کے تمام گوشوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور عمل کی روشنی بدعملی کی تاریکی کو کبھی نہ کبھی منور کر ہی دیتی ہے۔ جو شخص ایک مرتبہ مسلمان ہو جائے تو اُسے چار و ناچار مسلمان رہنا پڑتا ہے۔ گویا اسلام نے عیاشی، نفس پرستی۔ اور بے اعتدالی کے راستہ میں ایک فولادی دیوار تعمیر کر دی ہے۔ اور جذبات کے پُر آشوب تلاطم کے سامنے ایک سنگین بنیاد لگا دی ہے۔ کوئی مسلمان نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار نہیں کر سکتا۔ کوئی مسلمان توحید و رسالت کا منکر نہیں ہو سکتا۔ کوئی مسلمان قرآن پاک کو غیر الہامی کتاب نہیں کہہ سکتا۔ اور کوئی مسلمان

یوم آخرت سے انکار نہیں کر سکتا مختصر یہ کہ اسلامی اصول اس قدر مضبوط اور مستقل ہیں کہ ان میں تزلزل اور اختلال کا تصور بھی نہیں آسکتا۔ دیگر تمام مذاہب میں یہ کمال اور خوبی نہیں۔ وہ اپنا نظام حیات نہیں پیش کرتے۔

(۲) اسلام روٹھے ہوؤں کو مناتا ہے اور بھاگنے والوں کا تعاقب کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس نے روٹھے ہوؤں کو منانے کے لئے توبہ و استغفار کی تعلیم دی ہے رحمت و مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے اور ان کا تعاقب کرنے کے لئے صرف یقین و ایمان کو نجات کا ذریعہ ٹھیرایا ہے۔ یعنی اگر ایک مسلمان توحید و رسالت کا قائل ہے تو بلا شک اس کی مغفرت اور بخشش ہوگی۔ چنانچہ فرمایا لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (گنہگارو!) اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو جاؤ یعنی اس کی رحمت و مغفرت کی اُمید رکھو۔ وہ غفور الرحیم ستار العیوب اور غفار الذنوب ہے۔ پھر فرمایا۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ط وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ط

اللہ پاک چاہتا ہے کہ شریعت کے احکام حلال و حرام کھول کھول کر بیان کردے۔ تم کو ہدایت کرے اور اُن صلحا کی راہوں پر چلائے جو تم سے پہلے تھے اور پھر آوے اوپر تمہارے (یعنی تمہاری توبہ کو قبول کرے) اور اللہ پاک جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

یعنی جہاں خدائے قدوس تم سے اطاعت اور فرمانبرداری کا مطالبہ کرتا ہے وہاں غفلت و تساہل کے ازالہ اور تلافی مافات کے طور پر توبہ بھی قبول کرتا ہے۔

نیز حضور علیہ التحیۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والا گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ گویا اُس نے کبھی گناہ ہی نہیں کیا۔ یہ ہے وہ نظام اطاعت جو اللہ کی رسّی کو توڑ کر بھاگے ہوئے مسلمانوں کا تعاقب کرکے اور منا کر مقام اطاعت پر لے آتا ہے برخلاف دیگر مذاہب کے کہ اُنہوں نے اپنے روٹھے ہوؤں کو منانے کا کوئی انتظام نہیں کیا اور وہ اپنے باغیوں اور نافرمانوں کو رام نہیں کر سکتے۔ جو شخص ایک دفعہ ان کی حد سے باہر ہوا اور وہ ہمیشہ کو گیا۔ جیسے کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا اسی طرح اُن کا بھاگا ہوا شخص واپس نہیں ہو سکتا۔

قرآن عظیم کی رہنمائی ۔ اسلام تکمیل نفس کو لازمی قرار دیتا ہے۔ ایمان کو بغیر عمل صالح کے

ناتمام ٹھیراتا ہے۔ رسمی عبادت کو فضول قرار دیتا ہے اور اس کی جگہ روح عبادت اور حقیقت پر زور دیتا ہے اور وہ پاکیزگی اعمال پر حد سے زیادہ زور دیتا ہے۔

قرآن حکیم میں دو قسم کے احکام آئے ہیں اور اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے بندوں سے دو طرح پر تخاطب کیا ہے ایک تو اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور دوسرے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یعنی اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پہلا مرحلہ "اٰمنوا" کا ہے اور دوسرا "اعملوا الصّٰلحٰت" کا۔ ایمان اور عمل دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ "اٰمنوا" سے مراد ہے انسانیت کے بلند ترین مقاصد کو سامنے رکھنا اور کسب سعادت کی استعداد و قوت کا اظہار کرنا اور "اطیعوا" و "عملوا الصّٰلحٰت" سے مقصود ایسے عملی ذرائع اختیار کرنا ہے جن سے اشخاص اور اقوام اپنے مطلوبہ مقاصد تک پہنچ سکیں۔ گویا "اٰمنوا" عالم روحانیات کی طرف پرواز اور کسب سعادت کی سچی طلب اور تیاری ہے اور "اطیعوا" آلات پرواز اور حصول مطلب کا ذریعہ ہیں۔ "اٰمنوا" روح ہے اور "اطیعوا" جسم ہے جب تک دونوں کا اشتراک نہ ہو صحیح مذہبی زندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔

اسلام چونکہ صرف چند اعلیٰ اصولوں ہی کو پیش نہیں کرتا بلکہ اپنے ساتھ اپنے متبعین کے لئے ایک نظام حیات بھی رکھتا ہے اس لئے وہ "جسم" سے پہلے "روح" کو ایمان کے ذریعہ اپنے قانون کا پابند کرتا ہے کیونکہ روح "حاکم" ہے اور جسم "محکوم" حاکم پر جب قبضہ ہو جاتا ہے تو محکوم خود بخود تابع فرمان ہو جاتا ہے۔

(۳) اسلام کی تعلیم فطری اور عقلی ہے۔ اسلام کے فطری اور عقلی مذہب ہونے کا ثبوت اس کتاب کے پچھلے ابواب میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ سو تیسری اسلام کی اہم تعلیم یہ ہے کہ اس نے عقائد میں ایک صاف سیدھی اور مبنی بر عقل تعلیم دی ہے اور خداشناسی کے مشکل اور کٹھن مرحلہ کو ایمان بالغیب کے ذریعہ سے نہایت آسان کر کے مذاہب عالم پر فوقیت حاصل کر لی ہے اور اپنی بنیاد یقین و ایمان پر رکھی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔

یہ کتاب ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے اور اُن لوگوں کے لئے ہے جو خدا سے ڈرتے اور پرہیزگارانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور متقی وہ ہیں جو عالم غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

ایمان بالغیب کے یہ معنی نہیں کہ عالم غیب کے متعلق سب نقلی روایتیں بے چون و چرا مان لیجائیں

اور عقل کو ان میں دخل ہی نہ ہو اور تحقیق کا دروازہ مسدود ہو جائے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ فطرت کا سربستہ راز اس کی پوشیدہ قوتیں یعنی عالم ملکوت کو تسلیم کیا جائے اور عالم الغیب کی درسگاہ قدرت میں زانوئے ادب تہ کیا جائے۔

اسلام کہتا ہے کہ قوانین قدرت پر شوق سے بحث ہو۔ اسباب اور افعال کی تحقیق کی جائے عالم مادی میں حیرت انگیز ایجاد اور اختراع ہوں۔ معلومات کا ذخیرہ روز بروز بڑھتا جائے۔ یہ سب کچھ ہو مگر ساتھ ہی زبان اور دل سے سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا کی تصدیق بھی ہوتی رہے۔

انسان کی معلومات جس قدر وسیع ہوتی جاتی ہے۔ دماغی قوتیں اپنا زور دکھاتی ہیں اور علوم و فنون میں مہارت ہوتی جاتی ہے اس وقت عموماً نشۂ کمال بے خود کر دیتا ہے اور اس ذوق بے خودی میں انسان اپنی ہستی ہی بھول جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فلسفہ اور سائنس کے ماہر چونکہ اپنے فضل و کمال کے باعث انسانی ترقی۔ گوشہ نشینی پر پاتے ہیں۔ اس لئے خضوع و خشوع سے اکثر بے بہرہ اور بالآخر دہریہ ہو جاتے ہیں۔ اسلام کا کتنا بڑا کمال ہے کہ اس نے جہاں قوائے فکری کی تربیت و پرورش کی اور دماغ کو تقلید سے آزاد کیا وہاں ساتھ ہی یہ بھی تاکید کر دی کہ فطرت کے سربستہ راز تو ضرور معلوم کرو مگر خدا کی حکمت بالغہ اور قدرت کے آثار عظمت و جلال اور قدرت کمال کو دیکھ کر خدائے قدوس کے سامنے سربسجود ہو جاؤ۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی وہ زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں۔

فخر الاسلام امام فخر الدین رازی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

عبودیۃ کے تین اقسام ہیں۔ توحید و رسالت کی قلب سے تصدیق کرنا۔ زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء سے عمل کرنا جس کا ذکر آیۃ یذکرون اللہ میں ہے۔ اس میں زبانی عبادت کی طرف اشارہ ہے اور قول خداوندی قیاماً و قعوداً میں اعضاء کی عبادت کی طرف اشارہ ہے اور اس آیت مبارکہ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں عبادت قلب کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ صفحہ نمبر ۱۷۳)

گویا اسلام عبادات کی تمام اقسام پر حاوی ہے۔ اور مراد اس آیت مبارکہ سے یہ ہے کہ انسان جمیع اعضاء و ارکان اور قلب و روح کے ساتھ عبادت الٰہی میں مستغرق رہے صرف ذکری عبادت پر اکتفا نہ کرے بلکہ فکری عبادت بھی بجا لائے اور یہ آیت شریفہ کمال عبودیۃ پر دلالت کرتی ہے۔

اللہ اللہ قرآن مقدس نے قلوب و ارواح کو مسخر کرنے اور ان کو عالم اسرار اور ملکوتی دقائق کی طرف

رجوع کرانے کی کیسی اچھی ترتیب رکھی ہے اور عبودیت کی کیسی جامع تعلیم دی ہے جو اسلام کو تمام مذاہب پر فضیلت و بزرگی دیتی ہے۔

نیز اس آیت مبارکہ سے صرف عقل و استدلال سے کام لینا ہی ثابت ہوا بلکہ اسلام نے تو غور و فکر اور نظر و استدلال سے کام لینے کو عبادت ہی ٹھیرا دیا اور اس طرح مذہب اسلام سراسر عقلی مذہب ثابت ہوگیا۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں وثبت ان الذکر لا یکمل الا مع الفکر اور اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ ذکر بغیر فکر کے کامل نہیں ہوتا یعنی کامل اور سچا عبادت گزار اور مومن وہی ہے جو زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرے اور عقل و شعور سے کام لے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تفکّروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق یعنی مخلوقات میں غور و فکر کرو مگر خالق کی ذات میں فکر نہ کرو۔ یہ اس لئے فرمایا کہ محسوس غیر محسوس کا ادراک نہیں کرسکتا۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور میرے یہاں تھے تو آپ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ کیا تو مجھے آج کی رات عبادت الٰہی کرنے کی اجازت دے سکتی ہے۔ میں نے بڑی خوشی سے آپؐ کو اجازت دیدی تو آپؐ نے وضو کیا اور نوافل میں مشغول ہوگئے۔ پھر آپؐ نے قرآن کریم کی کچھ آیتیں تلاوت کیں اور رونے لگے۔ پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور روئے یہاں تک کہ میں نے آپؐ کے آنسوؤں کو زمین پر گرتے ہوئے دیکھا۔ اتنے میں حضرت بلالؓ بھی صبح کی اذان دینے کے لئے آگئے اور آپؐ کو روتے ہوئے دیکھکر حضرت بلالؓ نے دریافت فرمایا کہ یا رسولؐ اللہ آپ کیوں رو رہے ہیں حالانکہ اللہ پاک نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا افلا اکون عبدا شکورا کیا میں اپنے پروردگار کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ پھر فرمایا کہ اے بلالؓ میں کیوں نہ روؤں کہ آج کی رات اللہ پاک نے یہ آیت نازل کی ہے۔ ان فی خلق السمٰوات والارض یعنی زمین و آسمان کی پیدائش میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ پھر فرمایا ویل لمن قرأھا ولم یتفکر فیھا عذاب ہے اس شخص کے لئے جو اس آیت کو پڑھے اور اس میں غور نہ کرے۔ (تفسیر کبیر)

(۴) **اسلام اور علم کی ضرورت و اہمیت**۔ دنیا میں ترقی اور تہذیب کے پیدا کرنے اور علم و عمل کی روشنی پھیلانے میں اسلام سب سے بڑا عنصر ثابت ہوا ہے۔ انسانی ترقی کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اپنے ودیعت کردہ قویٰ کو بہترین طور سے استعمال کریں اور قدرت کی تمام قوتوں کو انسانی خدمت میں لے آویں۔ سب سے پہلے دنیا میں یہی پیغام اسلام نے نسل انسانی کو دیا۔

نزول قرآن کے وقت انسانی فہم و عمل کی یہ حالت تھی کہ قوائے فطریہ سے کام لینے کو گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کو بے دینی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ مظاہر فطریہ انسان کے معبود و مسجود بنے ہوئے تھے۔ چاند، سورج، ستارے، درخت، آگ اور پتھروں کی عبادت ہوتی تھی۔ وہ انسانی تعظیم و عبودیت کے مالک تھے۔ چہ جائیکہ انسان ان معبودوں کو اپنا غلام اور خادم بناتا۔ غرض انسان اُس وقت علم کے حصول و فوائد اور علمی انکشافات کی ضرورت و اہمیت سے بالکل بیخبر تھا۔

اسلام نے دنیا میں آتے ہی پہلا پیغام یہ سُنایا کہ قرآن مقدس دنیا میں انسان کے قوائے مضمرہ کو نشو و نما دینے کے لئے آیا ہے اور یہ خوشنودی سُنائی کہ اے دنیا والو تمہاری بہبودی اس میں ہے کہ تم کائنات کے مفید اور کارآمد مضمرہ حقاق پر غور و تدبیر کرو۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ — وہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پائے ہوئے ہیں جو قوائے فطریہ کو کام میں لاتے ہیں

اس آیت میں جو لفظ "فلاح" ہے اس کے لغوی معنے مخفی اشیاء۔ یا جوہروں اور یا قوائے کا ظہور میں لانا ہے۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ؕ — کیا تم مضمرہ حقائق پر غور نہیں کرتے۔ جو کچھ زمین و آسمان کے اندر ہے ہم نے انسان کی خدمت کیلئے پیدا کیا ہے اور ہم نے کائنات مادی کی ظاہری و باطنی نعمتوں کو تم پر پورا کر دیا ہے۔

قرآن کریم نے ہمیں یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر انسان کو اپنی نیابت کے لئے پیدا کیا ہے اور قدرت کی کل قوتیں اس کی محکوم کر دی گئی ہیں۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ؕ — اور جب کہا اللہ پاک نے فرشتوں سے کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب اور خلیفہ بنانے والا ہوں۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر غارِ حرا میں جو پہلی وحی نازل ہوئی تھی اس میں دنیا کے نام اسلام نے یہ اعلان کر دیا تھا۔ کہ رب السموات والارض اپنے چُنے ہوئے اور برگزیدہ دین اسلام کے ذریعہ انسان کو ذلت اور گمراہی سے نکال کر مکرم بنانا چاہتا ہے اور یہ انسانی عزت و تکریم قلم یعنی علم کے حصول اور نشر و اشاعت سے ہوگی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت میں یوں آیا ہے۔ کہ آپ جناب باری میں اکثر دعا

فرمایا کرتے تھے کہ "اے خدا مجھ پر حقائق اشیاء کا انکشاف فرما"۔ آپ نے فرمایا طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ یعنی علم کا طلب کرنا ہر مسلم مرد اور عورت کا فرض ہے ایک روایت میں ہے کہ ایک عالم کی سیاہی کے قطرات شہید کے خون سے زیادہ قیمتی ہیں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ نسل انسانی کے فوائد کے لئے غور و فکر کرنے میں ایک رات بسر کرنی بہت سی راتوں کی عبادت سے اہم ہے نیز حدیث میں آیا ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا عبادۃ کالتفکر۔ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی عبادت مانند غور و فکر کرنے کے نہیں۔

کیونکہ "فکر" غفلت کو دور کرتا ہے اور قلب کو خشوع و خضوع کے لئے جذب کرتا ہے جیسے کہ پانی زراعت کو اُگاتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

امام فخر الدین رازیؒ غور و فکر اور تعقل کی ضرورت و اہمیت جتلانے کے لئے فرماتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جس چیز کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنا ممکن نہ ہو اس کی حقیقت کو اس کے آثار و افعال سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ پس اس کے افعال جتنے اشرف اور اعلیٰ ہوں گے تعقل میں آسانی ہوگی اور فاعل کا کمال عقل کامل ہوگا۔ اس لئے ایک عامی شخص اپنے قرآنی اعتقاد کو معظم سمجھتا ہے لیکن اس کا اعتقاد تقلیدی اور اجمالی ہوتا ہے اور مفسر محقق وہی ہے جو قرآن حکیم کی ہر ایک آیۃ کے اسرار عجیبہ اور حقائق لطیفہ پر مطلع ہو۔ اس کا اعتقاد اعظم اور اکمل ہے۔ جب تم نے یہ جان لیا تو اب میں کہتا ہوں کہ دلائل توحید کی دو قسمیں ہیں۔ دلائل الآفاق اور دلائل الانفس (یعنی مخلوقات کی عجائب وغرائب چیزوں سے خالق عالم کے وجود اور توحید پر استدلال کرنا اور دوسرے خود اپنے نفس پر غور کر کے خالق کو پہنچاننا) دلائل الآفاق بیشک اجل اور اعظم ہیں۔ جیسا کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے بڑی اور عجیب و غریب ہے۔ تو جبکہ بات یہ ہے تو لاجرم اللہ پاک نے اس آیت میں زمین و آسمان کی چیزوں پر غور و فکر کرنے کا حکم دیا۔ (تفسیر کبیر جلد ثالث صفحہ ۱۷۴)

معلوم ہوا کہ اسلام نے جو غور و فکر کرنے اور عقل سے کام لینے کی تعلیم میں اتنا اہتمام کیا ہے۔ اس کا مقصود اعظم معرفت باللہ۔ اور بالتبع ایجادات و اختراعات ہے۔ ایک عارف اور عابد کے معلومات جس قدر وسیع ہونگے اور وہ جتنا زیادہ حقائق اشیاء کا علم حاصل کرے گا۔ اسی قدر وہ عارف باللہ اور تسبیح و تہلیل اور تحمید و تعظیم میں مشغول اور مستغرق ہوگا۔

کتنا عظیم الشان کام ہے جو اسلام نے دنیا میں آکر سرانجام دیا کہ۔ قوائے فکری کو غلط روی اور لامذہبی سے بچالیا اور انسانیت کے لئے غیر متناہی ترقیات کا دروازہ کھول دیا اور یہ بتلادیا کہ سچا مذہب مجموعۂ اوہام نہیں اور سچا سائنس مایۂ الحاد نہیں بلکہ سچا مذہب اور سائنس توام بھائی ہیں۔

اگر عدل کی ترازو قائم کی جائے اور اس کے ایک پلڑے میں فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا اور دوسرے پلڑے میں ان الدین عند اللّٰہ الاسلام کو رکھا جائے تو سر مو فرق نہ ہوگا۔ نور اسلام کا کیسا فیض اور آفتاب ہدایت کی کیسی روشنی ہے جس نے عرب کے تیرو تار ملک میں ظاہر ہوکر ربنا ما خلقت ھذا باطلا کی تعلیم دی اور فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ کے شرف سے فائز ہوکر بندگان خدا کو حقیقت کا پتہ بتادیا۔

حقیقت میں اگر کسی مذہب نے انسان کی فطرت کا پورا پورا اندازہ کرکے اس کی دینی اور دنیوی فلاح کی غرض سے جامعیت کے ساتھ عاقلانہ اور کامل اصول تعلیم کئے ہیں، تو وہ مذہب اسلام ہے۔ اس کے عقائد صاف۔ سیدھے اور محال عقلی سے بالکل مبرا ہیں اور پھر ایسی جامعیت اور قوت وتاثیر لئے ہوئے کہ عالم اور جاہل فلسفی اور عامی سب کے دل میں اتر جائیں۔

کلمہ شہادت جو اسلام کا اصل الاصول ہے، توحید کامل اور حقیقت نبوت کو اس خوبی کے ساتھ ذہن نشیں کردیتا ہے کہ کسی مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ لا الہ الا اللہ میں توحید فی الذات توحید فی الصفات اور توحید فی العبادت کو جامعیت اور اعجاز کے ساتھ بیان کردیا اور محمد الرسول اللہ میں عبدیت اور رسالت کو جمع کرکے مسلمانوں کو قیامت تک کیلئے کفر وشرک کی گمراہی سے بچالیا۔

اسلام نے توحید کامل پر جس قدر زور دیا ہے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایسے نام جن سے غیر خدا کی عبدیت ظاہر ہوتی۔ مثلا عبد النبی وغیرہ تعلیمی سجدہ اور تصویر کشی تک حرام کردیا تاکہ شرک کی ہر طرح بیخ کنی ہوجائے اور توحید کامل میں کسی طرح کا نقص نہ رہے۔

اسلام نے جو توحید کامل کی تعلیم دی ہے اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سچی خدا پرستی کا راستہ مل گیا عبدیت الٰہی آخری منزل کا پتہ لگ گیا۔ انسان کو اپنے حقیقی مرتبے اور کمال تک رسائی حاصل ہوگئی، مادی اور روحانی ترقیوں کی راہ کھل گئی اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کو یہ سبق مل گیا کہ ہمیں ہندوؤں سکھوں، عیسائیوں اور دیگر تمام انسانوں سے تعصب کا برتاؤ نہیں کرنا چاہئے۔ اور اس طرح وحدت نسل انسانی کی بنیاد رکھ دی۔

(۵) اسلام اور قیام امن اسلام کے معنی صلح وامن کے ہیں اور وہ دنیا میں اس لئے آیا

ہے کہ امن کو قائم کرے۔ اگر مذہب سے ہی حقیقی فراخ دلی اور وسعت قلبی پیدا ہو سکتی ہے تو وہ صرف مذہب اسلام ہے۔ اس مذہب حقہ کا نام کسی ملک یا قوم یا شخصیت کے نام پر نہیں رکھا گیا۔ کیونکہ اگر ان لحاظات کے ماتحت دیگر مذاہب کی طرح اس کا بھی نام رکھا جاتا تو تعصب کو بھڑکاتا۔ اسلام میں عبادت الٰہیہ خدمت خلق اللہ کے مترادف ہے۔ حضور علیہ التحیۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ "مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ و زبان سے کسی کو نقصان نہ پہنچے"۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم خدا سے محبت کرنی چاہتے ہو تو اس کی مخلوق سے محبت کرو"۔ نیز فرمایا۔

خیر الناس من ینفع الناس — تم میں بہتر آدمی وہ ہے جو مخلوق خدا کو نفع پہنچائے۔

اسلام نے لکل قوم ھاد کہکر یعنی تمام قوموں میں نبیوں کا آنا تسلیم کر کے مسلمانوں کے ذہن نشین کر دیا کہ دنیا کے تمام مذاہب ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں۔ مگر پھر انہوں نے اُن کو محرف و مبدل کر دیا۔ ہادی تو دنیا میں ایک صداقت لے کر آئے تھے۔ ان معلمین کو ایک ہی خدا نے الہام دیا تھا اور وہ سب ایک ہی سرچشمۂ الٰہیہ سے سیراب ہوتے تھے۔ پھر دوسرے مذاہب کے بزرگوں اور پیشواؤں کے خلاف اگر مسلمان کے دل میں کدورت اور نفرت ہو تو کیوں ہو! پھر قرآن نے یہ بتلا کر فیہا کتب قیمہ یعنی قرآن مقدس تمام پچھلی الہامی کتابوں کا مصدق اور حامل ہے۔ مسلمانوں کو الہامی کتابوں کی تعظیم و تکریم پر مجبور کر دیا۔ صرف مذہبی پیشواؤں اور مقدس کتابوں کا ہی احترام اور تحفظ نہیں کیا بلکہ دیگر مذاہب کے معابد اور خانقاہوں کا محافظ بھی بن گیا۔ یعنی قرآن کریم نے ہم مسلمانوں کو دوسروں کے معابد کی حفاظت کا مکلف کیا ہے، گویا مسلم بروئے تعلیم قرآنی حکومت الٰہی کی پولس کا ممبر ہے جسے خانقاہوں، گرجاؤں، معبدوں، مسجدوں اور دیگر خدا کے گھروں کی حفاظت یکساں طور پر کرنی چاہئے۔

اسلام کی یہ تعلیم کیسی محیر العقول اور اہم ہے کہ اس سے مختلف مذاہب کے پیروں میں ایک عمدہ خوش فہمی پیدا ہوتی ہے۔ ان جذبات ردّیہ کو ہلاک کرتی ہے جس سے ہم ایک دوسرے کے مذہبی احساسات کو ٹھیس لگاتے ہیں۔ مذہبی جنون کا علاج کرتی ہے اور ایک عالمگیر امن پیدا کرتی ہے۔ اسلام کی یہی تعلیم ہے جو کشش قلوب کے لئے بے انتہا مفید ثابت ہو رہی ہے اور دیگر مذاہب کو شکست دے رہی ہے۔

(۶) اسلام اپنے متبعین میں قوت عمل پیدا کرتا ہے — سچا مذہب وہی ہے جو انسان کو حالتِ جمود سے نکال کر اس میں قوت عمل پیدا کرے اور جدید زندگی کا سبق دے سو اسلام اپنے متبعین میں قوت عمل پیدا کرتا ہے بلکہ زندگی کو "عمل" سے تعبیر کرتا ہے اور بے عملی و غفلت و تعطل

کو موت ہے۔

فرمایا لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کے لئے وہ سعی کرے۔ یعنی بغیر جد وجہد کے دنیا میں تمہیں کوئی چیز نہ ملے گی۔ دوسری جگہ فرمایا یٰۤاَیُّھَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اے انسان تیرا کام محنت کرنا ہے۔ جہد للحیات کے لئے فرمایا وَ اَعِدُّوۡا لَھُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ اور جہاں تک تم سے ہو سکے قوت فراہم کرو۔ سامان حیات کو فراہم کرو۔ اور وسائل زندگی کو لازمی قرار دو۔ اسلام نے تو مسلمانوں میں اس قدر قوت عمل پیدا کرنی چاہی ہے کہ اگر اس کو وہ اپنے اندر پیدا کر لیں تو آج دارین کی بادشاہی حاصل کر لیں۔ یعنی اسلام مسلمان کی ذہنیت ہی کو ایسا بنانا چاہتا ہے کہ بے عملی۔ بے سرو سامانی۔ ناکامی اور غفلت و تعطل کا مسلمان کو تصور بھی نہ آئے۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَمۡوَالَھُمۡ وَ اَنۡفُسَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ ہم نے مومنوں کا جان و مال جنت کے عوض خرید لیا ہے۔ یعنی مسلمان کی یہ ذہنیت ہونی چاہئے کہ میرا مال اور میری جان پر میرا نہیں بلکہ اللہ کا قبضہ و تصرف ہے ہے۔ اب جس مسلمان کی یہ ذہنیت ہوگی کیا اس کے راہ عمل میں دنیا کی کوئی قوت رکاوٹ ڈال سکتی ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ ذہنیت رکھنے والا مسلمان شیروں کے منہ میں بیدریغ کود پڑے گا۔ دریاؤں کو پایاب کر جائے گا اور پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف کرام موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے اور خنجر بُراں کے سامنے یہ کہکر سر جھکانے کے خوگر تھے ؎

بہ آستیں بفشاں و بہ تیغ خوش بردار　　که جان غبار تن و سر وبال دوش آمد

وہ سر فروش مجاہدین اسلام موت کو ہنسی اور کھیل۔ جسم کو غبار راہ۔ اور سروں کو وبال دوش سمجھتے تھے۔ اور جن کا ایمان یہ تھا ؎

بندہ را کہ بغیر رضائے خدا راہ رود　　نگزارند کہ در بند زلیخا ماند

(۷) **اسلام کی فطرت نظام اجتماع ہے**۔ بقائے قوم کا راز اجتماع اور اتحاد و اتفاق میں ہے۔ اگر غور سے دیکھو تو یہ نظام عالم اور عظیم الشان کارخانہ حیات جذب باہمی اور تعاون و اتحاد پر چل رہا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو نظام عالم درہم و برہم ہو جائے۔ یہی چیز قوموں کی ترقی کامیابی اور بقا کا باعث ہے۔ اسلام نے اس چیز کو "عقائد" میں "توحید" سے "عبادات" میں "نماز باجماعت" سے "معاشرت" میں "کھانے پینے کے آداب" سے "معاملات" میں

"توازن" کے قیام سے اور "سیاسیات" میں حاکم اور محکوم کے درمیان رشتہ اتحاد سے بیان کرکے مضبوط اور مستحکم کرنا چاہا ہے۔

اسلام اپنے متبعین سے کہتا ہے کہ تمہاری بقا نظام اجتماع میں ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ سب متحد اور متفق ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور اس اتحاد میں تفرقہ نہ ڈالو۔ دوسری جگہ اس پھوٹ اور تفرقہ کا خطرناک اور ہلاکت آفریں نتیجہ بھی بتلا دیا کہ اگر تم نے اس نصیحت پر عمل نہ کیا تو وَاِنْ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ اگر تم نے آپس میں پھوٹ ڈالی تو تمہارا شیرازہ پراگندہ ہو جائے گا اور تمہاری ہوا جاتی رہیگی۔

(۸) اسلام اور تقسیم دولت کا زرّیں اصول۔ ہر قوم میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں "امیر اور غریب" مالدار لوگ ہمیشہ غریبوں اور ناداروں کے مبغوض ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص دولت پر قبضہ کئے ہوئے بیٹھا ہے تو قدرتی طور پر اس کے خلاف بغض و حسد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اسلام نے اپنی عقل جہاں بیں سے سرمایہ دار اور مزدور کی اس کشمکش اور تفرقہ کو مٹانے اور نظام اجتماع کی تکمیل کے لئے "زکوٰۃ" کا حکم دیا ہے کہ امراء اپنے اندوختہ سے ایک معین اور حقیر سی رقم "چالیسواں" حصہ غربا کو دیں تاکہ امراء غربا کی عداوت سے محفوظ رہیں مواخات میں فرق نہ آئے اور قوم مسلم "قومی حیثیت" سے فارغ البال ہو جائے۔

زکوٰۃ اور خیرات کے لئے ایک عمدہ اصول بھی بتلا دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مستحقین زکوٰۃ و خیرات کون ہیں۔

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط

کہدو جو کچھ تم خیرات میں صرف کرو اس میں (پہلے) والدین (پھر) عزیز و اقارب (اس کے بعد) یتیموں (پھر) عام مسکینوں (اس کے بعد) مسافروں کا حق ہے۔

ان ترتیب مدارج کی حکمت پر غور کرو اور اندازہ لگاؤ کہ اسلام نے کیسی پُر حکمت تعلیم دی ہے اور کس طرح "قومیت" کی بنیادوں کو مضبوط کیا ہے۔

اسی طرح تجدید مواخاۃ اور خلیلی یادگار کو قائم رکھنے کے لئے مالداروں پر حج فرض کیا اور محبت و عبدیت الٰہی کو بیجان اور رسمی نہیں رکھا بلکہ فریضۂ حج کے عاشقانہ والہانہ جذبات و حرکات سے عشق الٰہی میں جان ڈالدی۔

(۹) **اسلام اور اصلاح نفس**۔ تکمیل نفس، تادیب نفس اور کسب سعادت کے لئے لازمی ہے کہ نفس سرکش کے منہ میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی لگام دیدی جائے اور جذبات بہیمیہ کے پُرآشوب تلاطم کے سامنے ایک فولادی دیوار کھینچ دی جائے سو اس مقصد کے لئے اسلام نے رمضان کے روزوں کا حکم دیا ہے اور شادابی روح و پختگی ایمان کی بے نظیر تعلیم دی ہے۔ روزے انسان کی بہیمیت کو انسانیت کا لباس پہناکر اور وحشت و بربریت سے اُٹھاکر آسمان روحانیت پر پہنچانے کے لئے فرض ہوئے ہیں۔

(۱۰) **اسلام کا طریقہ عبادت**۔ اسلام نے مسلمانوں کے اندر صفات آلہیہ پیدا کرنے اور اپنے آپ کو ربانی رنگ میں رنگین کرنے کے لئے نماز پنجگانہ کا حکم دیا جیسا کہ ارشاد ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ؗ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝	اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے کونسا اچھا رنگ ہوگا اس لئے ہم ربانی رنگ میں رنگین ہونے کے لئے خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں۔

نماز میں جو مقدس سورت سورۂ فاتحہ تلاوت کی جاتی ہے اس کے اندر یہ صفات بیان کئے گئے ہیں رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ تمام مخلوق کی تربیت اور پرورش کرنے والا۔ رحمٰن۔ اپنی خالقیت اور ربوبیت کے فیوض و برکات سب پر بلاامتیاز نازل کرنے والا اور سب کو اسباب زندگی فراہم کرنے والا رحیم۔ مومنوں کی محنت اور عبادت کا صلہ دینے والا مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ جزا اور سزا کے دن کا مالک۔ یعنی نجات اُسی کے ہاتھ ہے۔

نماز چند رٹے رٹائے الفاظ کو دہرا دینے اور جسمانی حرکات و سکنات کا نام نہیں۔ نماز کی ہیئت کذائی اگرچہ نماز کا جزلاینفک تو ہیں مگر ان سے حقیقت نماز متحقق نہیں ہوتی۔ حقیقت صلوٰۃ یہ ہے کہ خدائے قدوس کی مقدس ذات کی صفات کو ہم سامنے رکھیں۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد مانگتے ہیں۔ عبادت اور استعانت کو خدا کے ساتھ خاص کر دینے سے عبادت اور استعانت بالغیر کی جڑ کٹ گئی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ اور ہم تجھ سے اس لئے مدد مانگتے ہیں کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا یعنی صراط مستقیم پر قائم رکھ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ راستہ ان لوگوں کا دکھا جن پر تو نے اپنا انعام کیا۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ نہ کہ ان لوگوں کا جو تیرے مبغوض اور گمراہ ہیں۔ آمین۔ ایسا ہی ہو۔

جس نمازی نے صفات آلٰہیہ کو اپنے اندر پیدا کر لیا اور حقیقت نماز متحقق ہو گئی تو اُس کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور فرشتہ بن جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو سراپا نور پاتا ہے۔

جمعہ کے خطبہ میں مسلمانوں کو جو آٹھویں دن سبق ملتا ہے وہ یہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ط

(اے مسلمانو!) اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ انصاف کرو و اپنا حق لو اور دوسروں کا دو۔ نیک سلوک کرو۔ جو تمہاری امداد کے مستحق نہ ہوں اُن کی بھی امداد کرو اور دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو جیسا کہ تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ کرتے ہو۔ ہر قسم کی بیحیائی اور بُرائی سے بچے رہو۔ اور بغاوت نکرو

کیسی اعلیٰ اخلاقی تعلیم ہے۔ قوم اہل وطن اور اہل ملک سے کس طرح مضرت اور بدیوں کو دور کیا ہے اس سے بڑھ کر اعلیٰ و ارفع اخلاقی تعلیم کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا نسل انسانی کے فوائد جو اس تعلیم سے وابستہ ہیں بالکل عیاں ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں "عدل" کی تعلیم دی گئی ہے اور معاشرت میں سب سے زیادہ موثر یہی عدل ہے جس قوم یا فرد میں یہ صفت جس قدر زیادہ ہوتی ہے وہ اسی قدر کامیاب اور محبوب سمجھی جاتی ہے۔ عدل ایک جادو ہے جو اپنے کرشمۂ دلنشیں سے قلوب کو مسحور کر لیتا ہے مسلمانوں نے اپنے عدل سے بڑے بڑے اقلیم فتح کئے ہیں اور اپنی محبوبیت کا سکہ غیر مسلموں کے دلوں پر بٹھایا ہے مسلمانوں کی اس صفت خاص کی ابر باریاں تاریخی اوراق میں دیکھو اور مخالفین اسلام و دشمنان اسلام کے دلوں اور زبانوں سے پوچھو۔ اس کے لئے اللہ پاک نے امرا اور حکام کو یہ ہدایت کی۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ط

جب تم لوگوں کے حاکم بنو یا ان پر حکومت کرو تو عدل سے۔

عام ایمان داروں کو حکم دیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط

اے ایمان والو! ہو جاؤ شاہد واسطے اللہ کے انصاف پر کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کی دشمنی اور تعصب تمہیں اس فرض سے روک دے اور تم عدل کو چھوڑ دو۔ عدل کرو۔ کیونکہ

هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ـ عدل تقویٰ اور پرہیزگاری کے قریب ہے

ایک دوسری جگہ فرمایا کہ عدل کو بہر حال قائم رکھو اور سچی بات کہو خواہ اس سے خویش و اقارب کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔

(۱۱) **اسلام کی پاکیزگی**۔ اسلام نے جہاں پرہیزگاری اور ضبط نفس کو اعلیٰ نیکی قرار دیا ہے۔ وہاں اسلام جسمانی صحت کی ترقی اور حفظان صحت کے تمام قوانین کا لحاظ رکھنا بھی سکھاتا ہے۔ ہر قسم کی نجس چیزوں سے بچنے کا حکم کرتا ہے۔ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ہمارا رسول تم کو پاک وصاف کرتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ اللہ پاکوں کو دوست رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بہت سی ناپاک چیزوں کے کھانے پینے کو حرام کر دیا ہے مثلاً شراب اور خنزیر وغیرہ

اب ہم اسلام کی وہ اہم خصوصی تعلیمات پیش کرتے ہیں جو اسلامی زندگی کا وہ عنصر ہیں جن کو نظر انداز کر دینے کے بعد مسلمانوں کی سب سے بڑی ما بہ الامتیاز خصوصیت معدوم ہو جاتی ہے۔ جو بحیثیت ایک قوم کے ان کا قومی وظیفہ ہے اور جو ان کی قومی خصلت ہے۔ جو ان کو تمام پچھلی اور آئندہ قوموں میں ممتاز کرتی ہے۔

(۱۲) **اسلام اور آزادی**۔ اسلام دنیا میں ایک مقصد اہم یہ لے کر آیا ہے۔ کہ وہ انسانوں کو انسانی بندگی سے ہٹا کر صرف اللہ کی صراط مستقیم پر چلائے اور تعبد و تسخل و غلامی کی ان تمام بوجھل زنجیروں سے ہمیشہ کے لئے نجات دلائے جن کے بڑے بڑے بوجھل حلقے انہوں نے اپنے پاؤں میں ڈال لئے تھے۔ اسلام نے حرّیت و آزادی کو کیسی دانائی اور حکمت کے ساتھ سمجھایا ہے۔ ارشاد ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ

اللہ ایک مثال دیتا ہے۔ فرض کرو ایک شخص ہے جو کسی دوسرے انسان کا غلام ہے۔ خود اُسے کوئی اختیار حاصل نہیں وہ اپنی کسی چیز پر باوجودیکہ اس کی ہے کچھ قدرت نہیں رکھتا۔ اور صرف اپنے آقا کے حکموں کا بندہ ہے مگر اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا آزاد خود مختار انسان ہے جس پر کسی انسان کی حکومت نہیں اسے اپنی چیز پر قدرت و اختیار حاصل ہے اور جو کچھ خدا نے اس کو دیا ہے وہ اسے ظاہر و پوشیدہ جس طرح چاہتا ہے بیدھڑک خرچ کرتا ہے تو کیا یہ دونوں آدمی ایک طرح کے ہو گئے اور غلامی و آزادی برابر ہو گئی۔

معاہدہ طور میں جس تعلیم کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔اس میں یہ تعلیم نہایت اہم ہے وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ یعنی حضور خلاف فطرت بوجھوں اور خلاف قانون مشقتوں کو غلاموں کے سروں سے اُتار پھینکیں گے۔ دُنیا کا ہر مسلم ہر طرح آزاد ہوجائے گا اور اخوت اسلامی و مساوات حقیقی قائم ہوجائیگی۔

اس معاہدہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ شان بتلائی گئی ہے کہ آپ خلاف فطرت بوجھوں کو اُتار پھینکیں گے جن سے جسم و روح اور ضمیر و ایمان تک دب جاتے ہیں۔ نیز ان غلامی کی زنجیروں کو بھی کاٹ دیں گے جن سے اقوام عالم کی آزادی سلب کر لی جاتی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں حقیقت غلامی کو دو طرح پر بیان کیا گیا ہے "اِصْر" اور "غُل" اِصر کے معنے بوجھ کے ہیں۔ اور غُل کے معنے طوق۔ یعنی غلامی دو طرح کی ہوتی ہے مصنوعی مذہبی پیشواؤں کی غلامی۔ یہ غلامی سراسر مذہبی رنگ میں ڈوبی ہوتی ہے جو جسموں سے گزر کر روح، ایمان اور ضمیر اخلاق سب کو خاک میں ملاتی ہے۔ اسلام نے رسمی مولویوں اور بناوٹی پیروں کی غلامی سے بھی نجات دلائی ہے اور خلق خدا کو ناجائز اقتدار اور اوہام پرستی سے بھی نجات دلادی ہے۔ دوسری غلامی حکومت اور سرمایہ داری کی ہے۔ جس سے انسان حکومت جابرہ اور سرمایہ داری کے پنجۂ استبداد میں اسی طرح بے بس ہوتا ہے جس طرح کسی قیدی کو ہتکڑی لگی ہو۔ پہلی قسم کی غلامی کو قرآن کریم نے "اِصْر" سے تعبیر کیا ہے۔ اور دوسری کو "غُل" سے یعنی اسلام کی تعلیم مذہبی غلامی کی بھی اسی طرح دشمن ہے جیسی سیاسی غلامی کی

تعلیم اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ہر قسم کی غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر بنی نوع انسان کے فلاح و بہبود کے راستہ کو صاف کر دیا اور خلق خدا کو خدا کے دروازہ پر جھکا دیا

اسلام کبھی ایسے اقتدار کو تسلیم نہیں کرتا جو شخصی ہو۔ وہ تو آزادی اور جمہوریت کا ایک مکمل نظام ہے جو نوع انسانی کی چھنی ہوئی آزادی کو واپس دلانے آیا ہے اور وہ بادشاہوں، اجنبی حکومتوں، خود غرض مذہبی پیشواؤں اور سوسائٹی کے طاقتور لوگوں میں سے کسی کا بھی اقتدار تسلیم نہیں کرتا یعنی مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے سوائے خدا کے کسی کا غلام نہیں ہوسکتا۔ وہ تو حریت و آزادی اور انسانی حقوق کے تحفظ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ خود اسلامی شخصی اور استبدادی حکومت کو بھی جائز تسلیم کرے چہ جائیکہ وہ کسی اجنبی اور پڑوسی حکومت کو جائز تسلیم کرے۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہٗ نے گورنمنٹ کے استغاثہ کے جواب میں کیا خوب اسلامی تعلیم کا اظہار کیا تھا کہ "اسلام کسی حال میں بھی جائز نہیں رکھتا کہ مسلمان آزادی کھو کر زندگی بسر کریں

انہیں مرجانا چاہیے یا آزاد رہنا چاہیے۔ تیسری راہ اسلام میں کوئی نہیں۔"

(۱۳) **اسلامی زندگی یعنی مسلمانوں کا قومی وظیفہ۔** قرآن کریم نے اسلامی زندگی کی بنیاد چار چیزوں پر رکھی ہے۔ مسلمانوں کو ترقی اور کامیابی انہیں کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ وہ یہ ہیں ایمان۔ عمل صالح توصیہ حق اور توصیہ صبر۔ ان میں سے ثانی الذکر دو چیزوں پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

توصیہ حق کے معنے ہیں ہمیشہ حق اور سچائی کی ایک دوسرے کو وصیت کرنا اور توصیہ صبر کے معنے ہیں حق کے اظہار میں رکاوٹوں اور مصیبتوں کے جھیل لینے کی ایک دوسرے کو وصیت کرنا۔ چونکہ حق اور سچائی کے اظہار کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ حکمرانوں اور اشخاص کی طرف سے مصیبتیں پیش آئیں اس لئے حق کے ساتھ قرآن کریم نے "صبر" کی وصیت کی بھی تعلیم دی۔ یہ چاروں ارتقا کی بنیادیں اس سورت مبارکہ میں بیان کر دی گئی ہیں۔ قولہ تعالےٰ۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

قسم ہے وقت عصر کی تمام انسان گھاٹے اور خسارے میں ہیں سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے۔ نیک عمل کئے۔ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی صبر کی بھی وصیت کرتے رہتے ہیں۔

اسلام نے مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ہی اس چیز پر رکھی ہے کہ وہ دنیا میں سچائی اور حقیقت کے گواہ ہیں جس چیز کی سچائی کا انہیں علم و یقین ہو اس کا بلا خوف اعلان کرتا رہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔

جس طرح ہم نے تم کو دین اسلام کے ذریعہ ہدایت دی ہے اسی طرح تم خدا کی زمین پر خدا کی طرف سے سچائی کے گواہ عادل ہو۔

پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ — تم خدا کی طرف سے سچائی کے گواہ ہو۔

پس ایک مسلمان جب تک مسلمان ہے اس گواہی کے اعلان سے باز نہیں رہ سکتا۔ قرآن جا بجا کہتا ہے فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ تم دشمنان حق کی ہیبتوں سے نہ ڈرو صرف مجھ سے ہی ڈرو اگر فی الحقیقت تم مومن ہو وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ مسلمان وہ ہے جو سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرے پیغمبر اسلام فرماتے ہیں۔ سب سے بہتر موت اُس آدمی کی ہے جو کسی ظالم

حکومت کے سامنے حق کا اظہار کرے اور اس کی پاداش میں وہ قتل کیا جائے (ابوداؤد) حضور جب کسی سے اسلام کا عہد اور اقرار لیتے تھے تو ایک اقرار یہ ہوتا تھا" میں ہمیشہ حق کا اعلان کروں گا خواہ کہیں ہوں اور کسی حالت میں ہوں (بخاری ومسلم) اگر ایک مسلمان حق کے اظہار سے باز رہے تو یہ قرآن کی اصطلاح میں "کتمان شہادت" یعنی حق کو چھپانا ہے اور حق کے چھپانے والوں پر قرآن نے پھٹکار اور لعنت کی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ اُولٰٓىٕكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ۝ بے شک جو لوگ قرآن کریم کی آیات بینات کے ظاہر ہونے کے بعد قرآنی احکام کو چھپاتے ہیں (اور سچی بات کے اظہار سے) گریز کرتے ہیں اُن پر اللہ کی پھٹکار اور ملامت گروں کی پھٹکار ہے۔

غرض اسلام کی تمام تر تعلیم بے خوفی اور قربانی کی دعوت پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ بے خوفی حق گوئی اور صبر و قربانی میں دنیا کی تمام قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں کی حق گوئی ہر دور میں بےخوف رہی۔ اسلام کے گلیم پوش بڑے بڑے جابر بادشاہوں کو بر سر دربار ٹوک دیتے تھے اور ہر زمانہ میں ان کی زبانیں بے روک اور جبر و استبداد سے بے خوف رہیں اور ہمیشہ ان کی زبانوں کی بے باکی اور دلوں کی بے خوفی پوری قوت کے ساتھ سرگرم رہی۔ قید خانہ کی تاریک کوٹھریاں تازیانوں کی ضرب اور جلاد کی تیغ بھی نہ روک سکی۔

اسلام کی اہم تعلیمات کا یہ ہم نے صرف نمونہ پیش کیا ہے۔ کیا ایسا مذہب جو اس قدر اعلیٰ اصولوں کی تعلیم دیتا ہے اور جو مسلمہ طور پر تہذیب و ترقی کی شاہراہ میں ایک زبردست مرتبہ رکھتا ہے وہ اس لائق ہے کہ مسلمان اُسے پس پشت ڈالدیں اور عدوان اسلام اس پر اعتراض کریں۔

کیا مسلمان ان تعلیمات پر عمل پیرا ہیں؟ آج دُنیائے اسلام پر ایک قسم کی مردنی طاری ہے۔ ان کے قوائے عملیہ مضمحل ہو رہے ہیں۔ ان کو افتراق اور نفاق و شقاق کی بلا نے گھیر رکھا ہے۔ فرقہ بندی و تکفیر و تفسیق کی لعنت بُری طرح مسلط ہے۔ خانقاہوں اور مسجد کے حجروں سے نفسانیت کے شرارے بلند ہو رہے ہیں۔ ان کے قوائے فکری کو تقلید و جمود کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے ان کا سیاسی اقتدار خاک میں مل رہا ہے اور تفوق و برتری زائل ہو رہی ہے اخلاق و روحانیت کے جذبات صادقہ فنا ہو رہے ہیں۔ ان کی قومی خصوصیات مٹ رہی ہیں اور وہ اپنے مرکز حیات و ارتقا سے الگ ہو رہے ہیں۔ اس کی ایک وجہ جہاں یہ ہے کہ ان پر دوسروں کا اقتصادی

اور سیاسی دباؤ پڑ رہا ہے وہاں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ مذکورہ بالا قرآنی اصولوں کو چھوڑتے چلے جارہے ہیں اور اسلامی تعلیمات سے منہ موڑتے چلے جارہے ہیں۔

اسلام دنیا میں بلند ترین اصول اور محکم قواعد لیکر آیا تھا اور وہ ہمیشہ اپنے سچے متبعین کو ترقی بلندی اور سعادت سے بہرہ اندوز کرتا رہا ہے۔ یہ قوانین اسلامی کی پابندی کا نتیجہ تھا کہ اوراق تاریخ نے ان کے ناقابل فراموش کارنامے قیامت تک کے لئے محفوظ کر لئے۔ اسی طرح جب کبھی مسلمانوں نے امر دین کو چھوڑا اور قرآن پاک کی تعلیم سے منہ موڑا تو ان کی حالت خراب ہوگئی جہالت فلاکت۔ استبداد اور تسلط ان پر چھا گیا۔ قرآن پاک نے اپنے محکم اصول پیش کر کے مسلمانوں کو تنبیہ کردی تھی کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ اللہ پاک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل لے۔

نتیجۂ دین فراموشی ۔ اور لمبی مدہوشی جو مسلمانوں پر صدیوں سے طاری ہے یہی ہونا تھا اور ہوا کہ امت مسلمہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ مصائب و آفات کے پے در پے حملوں نے انہیں جاں بلب کردیا۔ ملت اسلامیہ اور ملکوں پر بلائیں نازل ہوئیں۔ تباہی و بربادی یکے بعد دیگرے فرقوں اور شہروں کو تباہ کرتی گئی اور مسلمانوں کو چاروں طرف سے بلاؤں نے گھیر لیا۔ اور خدا فرقان اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ جو آپ نے ان الفاظ میں فرمائی تھی۔

> "کہنے والے نے کہا تھا کہ کیا اس وقت ہم تھوڑے ہوں گے۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ تم بہت ہوگے۔ مگر سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح ہوگے اور خدا دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رُعب دور کردے گا۔ اور تمہارے دلوں میں "اوہن" پیدا ہوجائے گا۔ سائل نے پوچھا! حضور! "اوہن" کیا ہے؟ فرمایا دنیا کی محبت اور موت کا خوف"

خدا اپنی نعمتوں کو کسی قوم سے نہیں چھینتا جب تک وہ خود اپنے حالات نہ بدل دے پس مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا یعنی سرفرازی کے بعد سرنگوئی۔ عزت کے بعد ذلت۔ قوت کے بعد ضعف اور اکثریت کے بعد قلت یہ صرف دین قویم کے طریقوں سے انحراف، اس کے اصولوں کی توہین اس کے قواعد واحکام کی خلاف ورزی اور اس کی تعلیمات کو ترک کردینے کا نتیجہ ہے ورنہ دین وہ تھا جو مسلمانوں کی دینی ودنیوی سعادتوں۔ کامرانیوں اور سرفرازیوں کا ضامن وکفیل تھا جیسا کہ آیۂ استخلاف سے ظاہر ہے۔ ہم نے دین کو چھوڑا۔ اس لئے خدا نے ہمیں چھوڑ دیا۔ اب اس تباہی و بربادی پر رونے

سے کچھ نہیں بنتا بلکہ مسلمانوں کے کرنے کی بات یہ ہے کہ وہ حالات زمانہ کے مطابق اپنے اندر ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کرلیں۔ ایمان و عقائد کی وہی پختگی پیدا کرلیں جو قرن اوّل کے مسلمانوں میں تھی صحیح معنوں میں سچے اور پکے مسلمان جائیں اور اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوجائیں تو پھر وہی گذری ہوئی حالت عود کرآئے گی اور ایک دم ان کی کایا پلٹ ہو جائے گی۔

مسلمانوں کے زوال کے اسباب۔ امیر شکیب ارسلان نے تمام دنیا کے مسلمانوں کی خصوصیات سے بحث کرکے اُن کا مقابلہ دُنیا کی دیگر اقوام سے جو میدان ترقی میں گامزن ہیں، فرمایا ہے آپ نے مسلمانوں کی چند خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔

اول سبب۔ یہ کہ تمام دنیا میں مسلمان رسوا اور اجنبی قوموں کے غلام ہیں۔ وہ خود اپنے بھائیوں کے دشمن ہوتے ہیں اور اجنبی حکومت سے اپنی حکومت کی جاسوسی کرتے ہیں اور اپنی قوم میں اجنبیوں کا پروپیگنڈا کرنے کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ فرانسیسیوں اور انگریزوں کی حمایت میں مسلمانوں کے مقابلہ میں تلواریں سونت کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کے خون سے زمین کو لالہ زار بنادیتے ہیں۔ اپنے وطن سے غداری کرتے ہیں وہ دیار اسلام کو چند فلوس کے بدلے اجانب کے ہاتھ فروخت کردیتے ہیں، اسلام کو صرف رکوع و سجود اور ادعیہ و اذکار اور لمبی لمبی تسبیحوں پہ وظائف پڑھنے تک محدود کرکے جاسوسی کو اپنا پیشہ بنا لیتے اور تمام عالم اسلام میں مسلمانوں کی ملت فروشی، دین فروشی، اور مسلم آزاری کا یہی حال ہے۔

دوسرا سبب۔ یا تو مسلمان قدامت پرست اور جدید ترقیات کے مخالف ہوتے ہیں۔ جدید تعلیم کے نظام کو کفار کا وضع کردہ سمجھ کر کفار کی اقتداء کو کفر قرار دیتے ہیں۔"

یا بغیر نظر و فکر اور بغیر مضار و منافع کے ادراک کے ہر قدیم چیز کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں وہ یورپ کی حیاسوز تہذیب کے عاشق بن گئے ہیں اور اپنے ماضی سے رشتہ توڑنے میں باک نہیں رکھتے وہ اسلامی روایات اور تہذیب کا خاکہ اڑانے کو اجتہاد سمجھتے ہیں۔ اپنے اسلاف کے ماحول کو معصیت قرار دیکر اُس سے اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ غرض کہ قدامت پسند اور تجدد پرور دونوں طبقے اسلامی مقاصد کو تباہ کرنے میں پوری قوت صرف کررہے ہیں اور اس وجہ سے مسلمانوں کے انحطاط و تنزل کے زیادہ تر یہی ذمہ دار ہیں۔

یہ ہے مسلمانوں کی سیاسی تباہی و بربادی کا راز جو علامہ موصوف نے بیان کیا ہے۔ اور یہ تمام خرابیاں بھی مسلمانوں میں اسی لئے پیدا ہوئیں کہ انہوں نے قرآنی اصولوں اور اہم تعلیمات

سے انحراف کیا۔

الغرض بالفاظ مختصر کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کا وہ حصہ جو عقائد سے متعلق ہے اس پر تو مسلمان تقلیدی طور پر عامل ہیں اور وہ حصہ جو "عملیات" سے متعلق ہے اس کو بتدریج چھوڑتے جا رہے ہیں اور بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس کو قرآن کریم سے مدلل و مبرہن کرتے ہیں۔ دیکھئے قرآن کریم نے مسلمانوں کی دینی و دنیوی برتری کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین یعنی تمہیں سربلند و سرفراز ہوگے اگر مومن بن جاؤ۔ اور جیسا کہ آیۂ استخلاف سے ظاہر ہے اور باتفاق مبصرین ملت یہ امر متحقق ہے کہ مسلمان پست اور روبہ تنزل ہیں۔ پس نتیجہ نکل آیا کہ مسلمان حقیقی معنوں میں مومن نہیں ورنہ حسب وعدۂ خداوندی وہ ضرور سربلند و سرفراز ہوتے۔

(۱۳۳) اسلام کی الہامی تعلیم کن کتابوں میں ہے اور وہ کتابیں کب اور کیسے بنی ہیں؟

اسلام کی تمام الہامی تعلیم کسی جگہ بالتفصیل اور کسی جگہ بالاجمال قرآن کریم میں ہے۔ جو آخری اور کامل و مکمل الہامی کتاب ہے۔ قرآن مجید نہایت پاکیزہ اور مقدس کتاب ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کا وہ کلام ہدایت نظام ہے جو اس نے پیارے پیغمبر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل کیا اور جس سے اسلام کی ابتداء اور بناء ہوئی۔

نزول قرآن سے پہلے خدا کا رستہ نہ صرف لاپتہ بلکہ مسدود تھا۔ محبت الٰہی اور عبادت خداوندی کے طریقے اور وسائل و ذرائع کا علم کسی کو نہ تھا بلکہ اُلٹا کفر و شرک اور گمراہی کے راستہ کو خدا کا راستہ سمجھ لیا گیا تھا انسانیت اور مذہب و اخلاق کی یہ حالت اشد درجہ دردناک اور گمراہانہ تھی۔ وہ اس طرح کہ ایک شخص تو ایسا ہے جو اپنی منزل مقصود کو نہیں جانتا مگر طلب و جستجو رکھتا ہے ایسی حالت میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ راہرو عالم تحیر اور تردد میں حیران و پریشان اور سرگرداں رہتا ہے مگر طلب و جستجو کے باقی رہنے سے امید باقی رہتی ہے کہ اس شخص کو ایک نہ ایک دن راستہ ہاتھ آجائے اور منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ اس کے مقابلہ میں ایک شخص ایسا ہے

جو کجی کو راستی۔ راہ ضلالت کو راہِ ہدایت۔ چاہِ ذلت کو منزلِ مقصود اور موت کو زندگی سمجھ بیٹھا ہے اور اس کی طلب و جستجو بھی ختم ہوگئی ہے۔ ایسے شخص کی حالت نہایت خطرناک اور ہلاکت آفریں ہے یہی حالت دنیا کی قبل ظہور اسلام تھی۔ اب ناظرین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دنیا کی گمراہی اور تاریکی کس درجہ سخت اور ناقابل اصلاح تھی۔

ایسی گمراہی اور تاریکی کے عالم میں قرآن مقدس بھولے بھٹکوں کو راستہ بتلانے آیا جو لوگ صراط مستقیم یعنی راہ ہدایت کی ٹوہ میں تھے اور خدا کا راستہ بتلانے والے ہادی اور رہبر کے منتظر تھے وہ اسلام کے بتلائے ہوئے راستہ پر چل کھڑے ہوئے اور سچے دل سے قرآن کا اتباع کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے اور جنہوں نے اس آخری کتاب اور راہِ ہدایت سے منہ موڑا وہ ابدی ہلاکت میں پڑا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سن شریف چالیس ۴۰ سال کا ہوا تو آپ کو خلعت نبوت عطا ہوا اور حضور کو انبیا کی سرداری ملی۔ اسی وقت سے نزول قرآن کی ابتدا ہوئی۔ قرآن کریم دیگر الہامی کتابوں کی طرح ایک ہی مرتبہ نازل نہیں ہوا بلکہ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت و حاجت تیئیس ۲۳ برس تک نازل ہوتا رہا۔ خلعت نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد حضور دس ۱۰ برس مکہ معظمہ میں رہے اور تیرہ ۱۳ سال مدینہ منورہ میں۔

قرآن کے تدریجی نزول کی حکمتیں

علماء نے بہت سی بیان کی ہیں مگر ان میں سے ہم صرف چند حکمتوں کو بیان کرتے ہیں۔

(۱) تاکہ فرشتہ وحی لیکر بار بار نازل ہوتا رہے۔ اور اس سے نزول وحی کی تجدید ہوتی رہے اور روحانی نورانیت اور قوت حضور کے لئے زیادتی سرور کا سبب بنے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم موافق تصریح حدیث صحیح کے رمضان المبارک میں اجود ہوتے تھے۔ کیونکہ جبرئیل علیہ السلام سے کثرت سے ملاقی ہوتے تھے۔

(۲) حضور صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ اُمی تھے اس لئے تھوڑا تھوڑا قرآن نازل فرمایا گیا تاکہ حفاظت میں سہولیت ہو۔ برخلاف دیگر انبیا کے کہ وہ اُمی نہ تھے۔

(۳) قرآن بدفعات نازل کرنے میں یہ بھی حکمت تھی کہ قرآن میں بعض آیات کسی سائل کے جواب میں ہیں اور بعض کسی قول کے انکار میں ہیں۔ اور بعض آیات وہ بھی تھیں۔ جن کا کسی وقت منسوخ

کر دینا حق تعالیٰ کو منظور تھا اور ان امور کی رعایت نزول تدریجی میں ہو سکتی تھی۔ نزول دفعی میں نہ ہو سکتی تھی اس لئے تدریجاً نازل فرمایا گیا۔ گو آسمان دنیا پر پیشتر ایک دفعہ ہی پورا پورا نازل کر دیا گیا تھا تاکہ آپ کی خلعت نبوت اور شرافت کی اطلاع اہل سمٰوات کو بھی ہو جائے۔ (تاریخ القرآن)

یہ تینوں حکمتیں اگرچہ فی نفسہ احسن اور اقرب الی الصواب ہیں۔ لیکن ہمیں اپنی تحقیق و تدقیق پر اطمینان کر لینے کی ضرورت نہیں جبکہ خود قرآن حکیم اپنے تدریجی نزول کی حکمت بیان کر رہا ہے اور قرآن کریم نے جو حکمت بیان کی ہے وہ ایسی دلنشیں اور عبرت آموز ہے کہ اگر مسلمان اس حکمت پر غور کرتے تو آج ان کی بے حسی، بے عملی۔ اور جمود و تعطل کا یہ عالم نہ ہوتا۔ چنانچہ سورۂ فرقان میں ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝

اور کافروں نے کہا کہ قرآن پاک ایک دفعہ ہی کیوں نہ اُتار دیا گیا۔ سو ہم نے اس کو اس لئے تدریجاً نازل کیا کہ تیرے دل کو قائم رکھیں اور اس کو ہم نے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا۔

(۲) وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝

اور قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُتارا تاکہ تو اس کو مہلت کے ساتھ لوگوں پر پڑھے اور اس کو ہم نے بہ تفریق نازل کیا۔

ان دونوں آیتوں میں تدریجی نزول کی یہ حکمت بیان کی گئی ہے کہ بار بار وحی آنے سے اور بشارت و کلام الٰہی کے سننے اور انتظار سے دلوں میں ہیجان پیدا۔ ذوق و شوق بڑھے۔ عبد و معبود کے نامہ و پیام کی طوالت سے عبدیت و نیاز کے رشتے مضبوط اور مستحکم ہوں۔ دل قائم ہو اور عمل کی آمادگی پیدا ہو۔

یہ نرا تخیل ہی تخیل نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جو چیز بار بار سامنے آتی رہے وہ دل میں جم جاتی ہے اور روح میں پیوست ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے جو چیز ایک ہی بار سامنے آ کر نظروں سے اوجھل ہو جائے اور اس کا ایک ہی بار تذکرہ ہو کر رہ جائے تو اس کا اثر قلب پر دیر تک نہیں رہتا۔ کچھ دیر کے بعد زائل ہو جاتا ہے۔

یہ قرآن پاک کے تدریجی نزول ہی کی برکت اور اثر تھا کہ صحابۂ کرام سراپا عقیدت اور جوش عمل و مجسمۂ وفا بن گئے تھے۔ موت کو ہنسی کھیل۔ جسم کو غبار راہ اور سروں کو وبال دوش سمجھتے تھے اور حضور صلعم کے ہاتھ اپنا تن من دھن سب کچھ بیچ چکے تھے۔

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوتی تھی حضور بلا کم و کاست سب کو پڑھکر سنا دیتے تھے اور ساتھ ہی لکھوا بھی دیتے تھے۔ چنانچہ وحی کا مجموعہ قرآن میں موجود ہے۔ اس میں سے ایک لفظ تو کجا ایک شعشہ تک نہیں گھٹا اور نہ قیامت تک گھٹے گا۔ اور اسی طرح نہ اس میں ایک لفظ بڑھا اور نہ قیامت تک بڑھیگا اول سے لیکر آخر تک قرآن میں موجود ہے۔ کیونکہ وحی الٰہی کی کتابت و حفاظت خدائے قہار اور قادر مطلق کی حفاظت میں تھی اور قیامت تک رہے گی۔ قرآن مقدس مسلمانوں کے لئے ایک ایسا کامل و مکمل خدائی دستور العمل ہے جس میں قیامت تک کیلئے دینی و دنیوی ہر قسم کی مکمل اور کافی ہدایت موجود ہے

وحی کی تعریف و حقیقت

وحی لغت عرب میں اشارات یا خفیہ حالت میں مطلع کرنے اور یا دل میں کسی بات کے ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اور شریعت میں عند الضرورت حقہ خدا کی طرف سے اطلاع پانے کا نام وحی ہے جیساکہ نور الانوار کے حاشیہ میں ہے:۔

"جاننا چاہئے کہ شرع میں وحی کلام الٰہی کو کہتے ہیں۔ جو وہ اپنے کسی نبی پر نازل کرتا ہے اور کبھی مجرد دل میں کسی بات کے ڈالنے کو بھی کہتے ہیں"۔

صحیح بخاری کے حاشیہ پر ہے۔

"وحی اصل میں خفیہ حالت میں مطلع کرنے کو کہتے ہیں۔ جوہری نے کہا ہے کہ وحی کتاب کو بھی کہتے ہیں۔ نیز اشارت کتابت۔ رسالت۔ الہام۔ خفیہ کلام اور جو کچھ غیر کے دل میں ڈالا جائے ان سب امور کو بھی وحی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اصطلاح شرح میں انبیاء علیہم السلام پر خدا کا کلام نازل ہونے کو کہتے ہیں"۔

ان اقوال سے معلوم ہوا کہ وحی کے لئے وساطت فرشتہ نہ لغۃً ضروری ہے اور نہ شرعاً مطلق القائے ربانی کو وحی کہتے ہیں۔

وحی کے اقسام

حقیقی وحی کی تین قسمیں ہیں۔ اول خدائے تعالے اپنے تصرف کے ساتھ کسی بشر کی روح سے کوئی بات کہلوائے۔ یعنی دل میں براہ راست کوئی بات ڈال دے۔ دوسرے اللہ پاک مناسب موصل کے ذریعہ سے خود اپنا کلام سنائے۔ اور تیسرے یہ کہ اپنا کوئی فرشتہ یا نبی بھیج کر اپنا کلام لوگوں کو سنائے۔ یہ تقسیم خود قرآن پاک نے کی ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ

یعنی کسی بشر کے لئے لائق نہیں کہ خدا اس سے کلام کرے۔ مگر وحیاً یعنی اپنے تصرف کے ساتھ مناسب محرک کے ذریعہ بشر کی روح سے کوئی بات کہلوائے یا من وراءِ حجاب یعنی خدا تعالیٰ پس پردہ مناسب موصل کے ذریعہ اپنا کلام سنائے۔ او یرسل رسولا اور یا اپنا رسول بھیجے پھر وہ خدا کے اذن سے جو خدا چاہے وحی کرے۔

اس آیت مبارکہ میں کسی بشر کے ساتھ خدا تعالیٰ کے کلام کرنے کے تین طریقے بتلائے گئے ہیں پہلی قسم کی وحی کے نمونے قرآن مجید میں کئی جگہ پائے جاتے ہیں مثلاً الحمد شریف اور وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ وغیرہ۔ اسی طرح دوسری قسم کے نمونے بھی ہیں اور تیسری قسم کے نمونے بکثرت ہیں محققین علما کی تحقیق یہ ہے کہ تمام قرآن مجید تیسری قسم کی وحی میں نازل شدہ ہے۔

ان تینوں قسموں میں اپنے تصرف اور حکم سے وحی کرنے والا صرف خدا تعالیٰ ہے۔ اور بیچ میں واسطہ تحریک وایصال جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اور وحی پانے والا بشر ہے۔

صحیح بخاری کے حاشیہ پر ہے۔

اور انبیا علیہم السلام کی وحی کی تین قسمیں ہیں۔ اول کلام قدیم کا سننا جیسے بنصِ قرآن موسیٰ علیہ السلام نے سُنا اور ہمارے نبی کریم نے صحیح آثار کے ساتھ۔ دوسرے وحی رسالت یعنی فرشتہ کی وساطت سے کلام کرنا۔ اور تیسرے قلب میں کوئی بات ڈالنا۔ جیسا کہ نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے ان روح القدس نفث فی روعی یعنی روح القدس نے میرے دل میں ڈالا۔

وحی کی صورتیں

علماء نے وحی کے متعدد طریقے اور صورتیں احادیث سے استخراج کی ہیں۔ جو یہ ہیں۔

(۱) حق تعالیٰ خواب میں کلام فرمائے۔ کما جاء فی الصحیح عن عائشۃ۔

(۲) فرشتہ وحی لیکر آئے اور اس کی آواز مثل گھنٹی کے معلوم ہو۔ یہ وحی حضور علیہ السلام پر سب سے زیادہ سخت اور شاق تھی اور آپ کو بے حد تکلیف ہوتی تھی۔ حضور کا ارشاد ہے کہ جب کبھی ایسی وحی آتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اب میری جان نکل جائے گی۔ اور اس وحی کے سخت ہونے کی وجہ یہ تھی کہ گھنٹی کی آواز کا سمجھنا بشر کے کلام سے زیادہ مشکل اور دشوار ہے اور یہ ایک غیر مادی امر ہے۔

(۳) فرشتہ کوئی بات دل میں ڈالدے۔

(۴) فرشتہ آدمی کی صورت میں آکر ہمکلام ہو۔ کما فی الصحیح واحیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی یعنی حضور فرماتے ہیں کہ کبھی فرشتہ میرے آگے آدمی کی صورت بنکر آجاتا ہے اور مجھسے

کلام کرتا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے میں اس کو حفظ کر لیتا ہوں۔

(۵) اللہ تعالیٰ بیداری میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمائے جیسا کہ شب معراج میں ہوا

(۶) حق تعالیٰ خواب میں کلام فرمائے۔ جیسا کہ ترمذی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے۔

(حاشیہ صحیح بخاری)

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اور اس میں حقیقت یہ ہے کہ قلب میں یہ استعداد ہے کہ اس پر حقائق اشیاء کھل جائیں اور قلب میں یہ قوت اور غور و فکر کی عمدگی چھ اسباب سے ہے جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ یہ اسباب خمسہ مانند حجاب کے ہیں جو آئینہ قلب اور لوح محفوظ جس میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے۔ سب کچھ منقوش ہے کے درمیان حائل ہیں اور حقائق علوم آئینہ لوح محفوظ سے آئینہ قلب پر عکس انداز ہوتے ہیں۔ جیسے ایک آئینہ دوسرے آئینہ سے عکس لیتا ہے جو اس کے مقابل ہو اور دو آئینوں کے درمیان کا حجاب کبھی تو ہاتھ سے دور ہوتا ہے اور کبھی ہوا کے جھونکے اُسے حرکت دے کر دور کر دیتے ہیں۔ اسی طرح وحی والہام الٰہی الطاف ربانی کے جھونکے ہیں جو قلب کی آنکھوں سے حجاب دور کر دیتے ہیں۔ (احیاء العلوم صفحہ ۱۱)

یعنی وحی والہام الٰہی قلب کے حجاب دور کرنے اور ملکوتی اسرار و حقائق علوم کے ادراک کرنے کا وہ اعلیٰ ذریعہ ہیں جن سے راہ سعادت کھلتی ہے اور محبت و عبدیت الٰہی کا دنیا میں دور دورہ ہوتا ہے اور جس سے دنیا میں خدا کی بادشاہی قائم ہوئی ہے۔

وحی والہام کی مختلف صورتوں اور کیفیتوں کو ہم ذرا اور تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں اور متکلمین اسلام و اولیائے امت محمدیہ کے اقوال کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

"کبھی انبیاء اولیاء کو بیداری اور صحت میں خوبصورت صورتیں نظر آتی ہیں جو جواہر ملائکہ کے مشابہ ہوتی ہیں ان ہی صورتوں کے ذریعہ سے اولیاء انبیاء کو وحی اور الہام ہوتا ہے۔ غیب کے امور جو اوروں کو خواب میں معلوم ہوتے ہیں، وہ اُن کو صفائی باطن کی وجہ سے بیداری میں معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کہا ہے کہ مریم کے سامنے جبرئیلؑ ٹھیک آدمی کی صورت بن کر آیا اور جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ کو اکثر دفعہ دیکھا۔ اہل کشف یعنی انبیاء اولیاء ہیبت ناک آوازیں سنتے ہیں۔ ان کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ وہ دماغ میں ہوا کے تموج سے پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ ہوا کا تموج جو اس زور کے ساتھ دماغ سے ٹکرائے خیال میں نہیں آسکتا بلکہ وہ

اس آواز کی تصویر ہے جو عالم مثال میں موجود ہے۔

انبیاء اولیاء کو عالم غیب کی جو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ وہ کبھی لکھی ہوئی سطروں میں معلوم ہوتی ہیں کبھی آواز کی صورت میں جو کبھی لذیذ ہوتی ہیں اور کبھی مہیب۔ اور کبھی وہ لوگ کائنات کی صورتیں دیکھتے ہیں۔ جو ان سے نہایت لطیف کلام کے ساتھ خطاب کرتی ہیں۔ اور اُن سے غیب کی باتیں کہتی ہیں۔ اور کبھی وہ صورتیں جو ان سے خطاب کرتی ہیں۔ نہایت لطیف صنعتی پیکروں میں نظر آتی ہیں اور کبھی پُر خطر معلوم ہوتی ہیں۔ کبھی وہ لوگ معلق مثالیں دیکھتے ہیں، جو خواب میں پہاڑ دریا۔ زمین۔ سخت آوازیں اور اشخاص نظر آتے ہیں۔ یہ سب مثالی صورتیں جو بذات خود قائم ہیں (مراۃ الحقائق صفحہ ۱۲۷)

وحی کی ضرورت وحکمت

عالم مادی اور عالم روحانی میں ایک خاص مناسبت اور باہمی تعلق و ربط ہے۔ اس لحاظ سے وحی کو بھی اس مادی کائنات کے ایک قانون حیات سے مشابہت اور مناسبت ہے۔ اور اس مادی کائنات میں یہ قانون قدرت مشہور اور مرئی ہے کہ حسب ضرورت آسمان سے بارش ہوتی ہے۔ اور زراعت اُگاتی ہے۔ اور مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے۔ اگر آسمان سے بارش نہ ہو تو نباتات۔ حیوانات اور انسان منتظر رہتے ہیں۔ زمین ناکارہ رہتی ہے یعنی زمین کی سرسبزی اور روئیدگی کا تمام تر مدار آسمان کی بارش پر ہے۔ اگر آسمان سے پانی نازل نہ ہو تو رفتہ رفتہ کنویں بھی سوکھ جاتے ہیں اور گویا زمین کے پانی کا وجود بھی بارش کے پانی پر موقوف ہے۔ جب پانی برستا ہے تو کنوؤں کا پانی اوپر کی طرف کھنچتا ہے۔ یہی تعلق وحی الٰہی اور عقل انسانی میں ہے۔ وحی آسمان کے پانی کے مانند ہے جو قلوب و ارواح پر برستی ہے اور عقل زمینی پانی کی طرح ہے یعنی عقل وحی سے تربیت اور پرورش پاتی ہے۔ اس کو عالم ملکوت کی طرف کھینچتی ہے۔ سفلی جذبات کی کیچڑ سے نکالتی ہے اور اس کو معصیت کی آلودگیوں سے پاک کرتی ہے۔ اگر آسمان سے بارش نہ ہو تو زمین کی سبزی اور روئیدگی معدوم ہو جائے۔ اسی طرح اگر انبیاء و اولیاء کے ذریعہ والہام ربانی کا پانی نہ برسے تو قلب و روح کی تمام استعدادیں و کمالات اور اخلاق و روحانیت کے جذبات دُنیا سے معدوم ہو جائیں عقل مندوں کی عقلیں گندہ اور خراب ہو جائیں اور ہدایت کے چشمے بند ہو جائیں۔ چنانچہ اللہ پاک نے قرآن مقدس میں وحی و الہام الٰہی کی سنت قدیمہ پر قانون قدرت سے گواہی لانے اور وحی ضرورت بتلانے کے لئے انہی امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ارشاد ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ؕ

یعنی آسمان کی قسم ہے جس کی طرف سے بارش آتی ہے اور اُس زمین کی قسم ہے جو بارش سے طرح طرح کی سبزیاں نکالتی ہے۔ کہ یہ قرآن خدا کا کلام اور اس کی وحی ہے۔ وہ حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے اور عبث وبیہودہ نہیں۔

اس آیت مبارکہ میں خدائے حکیم وبصیر نے جو قانون قدرت پیش کیا ہے۔ وہ وحی کی ضرورت کو اچھی طرح ذہن نشیں کرتا ہے۔ یہ آیت مقدسہ اس بات پر اشارہ کرتی ہے، کہ اے قرآن کریم سے مُنہ موڑنے والو! غور وفکر کر کے دیکھو کہ کیا خدا کا یہ دائمی قانون اور حکم نہیں ہے کہ زمین کی سرسبزی اور پیداوار کا انحصار آسمان کے پانی پر ہے۔ یہ دائمی قانون وحی والہام الٰہی کے لئے بطور گواہ کے ہے اس گواہ سے فائدہ اٹھاؤ اور صرف عقل کو اپنا رہبر مت سمجھو۔ وہ ایسا پانی نہیں ہے جو بغیر آسمان کے پانی کے موجود رہ سکے۔ یعنی عقل بغیر وحی کے حقائق علوم کا ادراک نہیں کر سکتی۔ الہام ربانی ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے عقلوں میں صفائی اور روشنی پیدا ہوتی ہے اور قوت متفکرہ میں طاقت آتی ہے۔

وحی والہام الٰہی اور آسمانی بارش یہ دونوں سلسلے بلحاظ اصلاح عالم جسمانیت و روحانیت مطابقت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی دائمی ضرورتوں کے متقضی ہیں۔ جیسے آسمان کا پانی زمین کی گندگی اور غلاظت کو دور کرتا ہے۔ اسی طرح وحی والہام الٰہی کا پانی روحانی نجاستوں اور گندگیوں کو دھوتا ہے۔ قلب وروح کی بیماریوں کو شفا بخشتا ہے اور عبدیت وبندگی کے گلہائے رنگا رنگ کھلاتا ہے۔

وحی والہام کا سلسلہ نہ صرف ہمیں روحانی نجاستوں سے پاک کرتا اور اکتساب ہدایت وسعادت کی راہیں بتلاتا ہے۔ بلکہ عقلی وتمدنی ترقی کا انحصار بھی وحی الٰہی پر ہی ہے۔ یہ جو آج قوت متفکرہ بڑھ رہی ہے فہم ودانش کی بلند پروازی آسمان کے تارے توڑے لا رہی ہے۔ دماغوں میں تحقیق وتدقیق کا شوق اور جوش ہے اور مذاہب کی جستجو وتحقیق میں ہر شخص کچھ نہ کچھ دسترس رکھتا ہے یہ سب آنحضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری موحی کے قدم کی برکت اور قرآن کریم کا طفیل ہے۔ سرزمین عرب میں الطاف ربانی یعنی وحی کا اس زور اور کثرت کے ساتھ پانی برسا اور قلوب وارواح پر ایسی بارش ہوئی جیسے زمین سے پانی اُبل پڑا ہے اور عقل ودماغ کو بلندی پر پہنچا دیا ہے۔

وحی اور الہام کا فرق

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ صفاتِ انسانی اور فہم و فراست کے مدارج تمام انسانوں میں یکساں نہیں ہوتے۔ کوئی ذہین ہے اور کوئی بلید الطبع۔ ذہن و ذکاوت کے بھی مختلف مراتب اور درجے ہیں۔ کوئی ایسا ذہین ہے کہ معمولی سی چیز بنا سکتا ہے۔ اور کوئی ایسا ذہین ہوتا ہے کہ بڑی بڑی حیرت انگیز کلیں ایجاد کر لیتا ہے عقل انسانی کی بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ ایک شخص سے ایسے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ جو بظاہر انسان کی قدرت کی حد سے باہر ہوتے ہیں جس طرح عقل میں ایجادات و تحقیقات کی حیرت انگیز قوت و استعداد ہے۔ اسی طرح انسانی قوائے میں ایک ایسی قوت بھی ہے جو حقائق اشیار کا ادراک کرتی ہے۔ یہ قوت بھی کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہوتی ہے۔ بعض انسانوں میں اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ کسب و تعلم کے بغیر ان کو حقائق اشیار کا ادراک ہوتا ہے۔ ان کو کسی قسم کا پڑھنی علم نہیں ہوتا لیکن اشیار کا علم ہو جاتا ہے۔ اسی کو الہام و وحی کہتے ہیں۔ ایسا علم یا القائے ربانی اگر انبیار علیہم السلام کو ہو تو اس کو وحی کہتے ہیں اور اگر غیر انبیار یعنی اولیار و اصفیار کو ہو تو اس کو الہام کہتے ہیں۔ صحیح بخاری کے حاشیہ پر ہے۔ اما الوحی الی غیر الانبیاء علیہم السلام فھو بمعنی الالھام کالوحی الی النحل۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلب محلِ علم ہے اور حقائق معلومات کے حاصل کرنے کے لحاظ سے مانند آئینہ کے ہے۔ اور ہر ایک معلوم کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور اس حقیقت کی ایک صورت جو قلب پر منطبع ہوتی ہے تو بعض وقت پر ایسی صورتیں منقش ہوتی ہیں کہ خود انسان حیران رہ جاتا ہے کہ یہ علم مجھے کہاں سے حاصل ہو گیا۔ چنانچہ حضرت امام صاحب لکھتے ہیں:-

علوم کا ادراک کبھی تو استدلال اور تعلم کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی بغیر استدلال۔ جو علم اکتساب و استدلال اور غور و فکر کے بغیر حاصل ہو وہ الہام ہے اور جو استدلال سے حاصل ہو وہ علم اعتباری اور استبصاری کہلاتا ہے۔ پھر قلب میں کسی بات کا بغیر غور فکر اور تعلم و اجتہاد کے واقع ہونا دو قسم پر ہے ایک تو وہ جس میں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ علم کیسے اور کہاں سے حاصل ہوا اور ایک وہ جس کی اطلاع مشاہدہ فرشتہ کے ذریعہ حاصل ہوئی ہو سو ان میں سے قسم اول کے علم اور اطلاع یابی کو الہام نفث فی الروع کہتے ہیں اور دوسرے علم کو وحی جو انبیار علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور الہام اولیار و اصفیار کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور جو علم کسبی ہو یعنی نظر و استدلال سے حاصل ہو وہ علمار کے ساتھ مخصوص ہے۔ (احیار العلوم صفحہ ۱۱)

یعنی جو علم نظر واستدلال اور غور وفکر کے بغیر حاصل ہو اس کو الہام کہتے ہیں۔ اب یہ القائے ربانی اگر انبیاء علیہم السلام کو ہو تو وحی ہے اور اگر اولیاء و اصفیا کو ہو تو الہام۔

رحمانی وشیطانی الہام میں معیار تمیز

بعض وقت آنے والے واقعات روح انسانی پر اثر ڈال دیتے ہیں اور سینکڑوں کوسوں کے حالات بغیر کسی ذریعہ کے اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ بعض مذہبی رہنما اور تارک الدنیا لوگ کم خوری۔ کم خوابی۔ کم گوئی اور دیگر لوگ محنتوں و ریاضتوں کے ذریعہ اس ملکہ کو قوت دے لیتے ہیں اور اس طرح ان پر انکشاف اور الہامات ہونے لگتے ہیں۔ ان کو قدرتی یا طبعی الہامات کہتے ہیں۔ یہ طبعی الہامات ملہموں کے اپنے جذبات وتخیلات کا نتیجہ اور عکس ہوتے ہیں اور خارج از استدلال اور غلط ہوتے ہیں۔ مگر جس وحی والہام الٰہی کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ ایسے طبعی الہاموں اور خوابوں سے ایک علیحدہ چیز ہے۔ جس وحی والہام کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں بندے کو اپنی کوششوں اور کسب کو کوئی دخل نہیں ہوتا اس کی صحت اور تیقن کا ذمہ دار خود خدا تعالیٰ ہوتا ہے وہ اپنے تصرف ومنشاء سے وحی کرتا ہے اور جذبات وتخیلات کی آمیزش اور اوہام کی روک تھام کے لئے ملائکہ کے پہرے بٹھا دیتا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ چاہتا ہے وہی ملہم کے دل میں ڈالتا ہے اور ساتھ ہی ملہم کے دل میں یقینی تعلیم بھی بھر دیتا ہے جسے وہ موحی یا ملہم وحی کی صحت کو اس طرح سے جان لیتا ہے جس طرح ہم اپنے مشاہدات علمی مبادیات اور علوم متعارفہ پر یقین رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کا اعتقاد اور اسلام کا منشاء ہے کہ ایسی حقیقی وحی جس کے ساتھ ضرورت حقہ اور شریعت کا بیان وابستہ کیا گیا ہے یہ جناب محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی اور اب قیامت تک خدا کی طرف سے یہ وحی کوئی نہیں پا سکتا۔ حقیقی وحی صرف قرآن مجید میں ہی پائی جاتی ہے خدائی کلام اور الہام کے ساتھ خدائی طاقت وجبروت اور عظمت وکبریائی ہوتی ہے جس طرح بادشاہ کے کلام اور رعیت کے کلام میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس احکم الحاکمین کے کلام کی بھی شناخت ہو سکتی ہے۔ مگر یہ امتیاز نہایت باریک اور نظر واستدلال کا محتاج ہے۔ دوسرا فرق اس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ الہام ووحی یافتہ مقدس انسان میں خدائی شان جلوہ گر ہوتی ہے وہ خدائی صفات کا مظہر اور جلوہ گاہ ہوتا ہے اس کے اعمال وافعال اور عادات وخصائل اوروں سے ممتاز۔ اعلےٰ اور آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں۔ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور اس کو خدا کی طرف سے مدد اور نصرت ملتی ہے۔ غرض مقرب بارگاہ الٰہی جو خدا کی طرف سے الہام

پاتا ہے اس کے پاس خدائی نشان بھی ہوتے ہیں اور اس کی ہستی تمام انسانوں میں ایسی ممتاز اور نمایاں ہوتی ہے جیسے کنکر پتھروں میں لعل بدخشاں

جیسے اس کی ہستی عام انسانوں سے الگ ہوتی ہے اسی طرح الہام ربّانی بھی طبعی اور شیطانی الہام سے صاف طور پر نمایاں ہوتا ہے۔ الہام الٰہی خدائی رنگ میں رنگین اور الٰہی تاثیر و نشان لئے ہوئے ہوتا ہے اور شیطانی الہام سفلی جذبات میں ڈوبا ہوا اور اخلاق و روحانیت کی صراط مستقیم سے ایک بُعد اور گم گشتگی لئے ہوئے ہوتا ہے۔

نزول وحی کی مختصر کیفیت

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور کہا کہ یا رسول اللہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی تو میرے پاس مثل گھنٹی کی آواز کے آتی ہے اور تمام وحیوں میں یہ وحی مجھ پر زیادہ سخت اور دشوار ہوتی ہے۔ پھر یہ حالت مجھ سے دور ہو جاتی ہے اس حال میں کہ میں جو کچھ فرشتہ نے کہا اس کو اخذ کر چکتا ہوں۔ اور کبھی فرشتہ میرے آگے آدمی کی صورت بن کر آجاتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے تو جو کچھ وہ کہتا ہے میں اس کو حفظ کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یقیناً میں نے سخت سردی والے دن آپ پر وحی اُترتے ہوئے دیکھی اور دیکھا کہ اس وقت آپ کی مقدس پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ سب سے پہلی وحی جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے۔ جو خواب آپ دیکھتے تھے وہ صاف صاف صبح کی روشنی کے مثل ظاہر ہو جاتا تھا۔ پھر آپ نے خلوت نشینی اختیار فرمالی۔ آپ غار حرا میں خلوت فرمایا کرتے تھے اور وہاں آپ تحنث کیا کرتے تھے یعنی لگاتار عبادت کیا کرتے تھے گھر واپس نہ آتے تھے۔ آپ زاد راہ اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے جب وہ ختم ہو جاتا تو آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر اور زاد راہ لے جاتے تھے۔ ایک دن آپ حسب معمول غار حرا میں عبادت الٰہی میں مصروف تھے تو آپ کے پاس پہلی وحی آئی۔ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہا کہ پڑھو۔ آپ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ لیا اور زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ دوبارہ حضرت جبرئیل ؑ نے مجھے پکڑ لیا اور زور سے دبا کر کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ

رَبِّكَ اپنے پروردگار کے نام کی برکت سے پڑھو جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا اور یقین کر لو کہ تمہارا پروردگار بڑا بزرگ ہے۔ اس واقعہ کے خوف سے آنحضرت صلعم کا دل لرزنے لگا اور آپ خوف زدہ حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ زملونی زملونی۔ مجھے کمبل اڑھاؤ مجھے کمبل اڑھاؤ۔ آپ کو کمبل اڑھا دیا گیا کچھ دیر کے بعد آپکے دل سے خوف جاتا رہا تو آپ نے حضرت خدیجہ سے غار حرا کا تمام واقعہ بیان فرما کر کہا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کہ آپ کو ہر طرح اطمینان اور یقین رکھنا چاہئے۔ خدا کی قسم اللہ پاک آپ کو کبھی بھی پریشان اور ضائع نہ کرے گا کیونکہ آپ قرابت کی پاسداری کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں آپ مدد کرتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو لیکر ورقہ بن نوفل اپنے چچا کے بیٹے کے پاس گئیں۔ ورقہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے۔ عبرانی کتاب لکھا کرتے تھے اور تورات و انجیل کے عالم تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے اُن سے کہا اے میرے چچا کے بیٹے اپنے بھتیجے (نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم) سے ان کا حال تو سنو۔ ورقہ نے آنحضرت سے دریافت فرمایا تو آپ نے اُن سے بھی غار حرا کا تمام واقعہ بیان کر دیا۔ ورقہ نے کہا یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا کرتا تھا۔ اے کاش میں اُس زمانہ تک زندہ رہتا جبکہ آپ نبی ہوں گے اور آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی۔ یہ سُنکر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نہایت تعجب اور حیرانی سے پوچھا کہ کیا میری قوم مجھے مکہ سے نکالے گی؟ ورقہ نے کہا ہاں۔ جس شخص نے لوگوں سے آپ جیسی بات بیان کی اور ایسا دعوےٰ کیا اُس سے ہمیشہ دشمنی کی گئی۔ اگر مجھے آپ کی نبوت کا زمانہ ملا تو میں بڑی سرگرمی سے آپؐ کی مدد کروں گا۔ مگر کچھ دنوں کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور اِدھر وحی کی آمد میں بھی چند روز کے لئے وقفہ ہو گیا۔

زہری کہتے ہیں کہ مجھے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن انصاری نے اور اُنہوں نے جابر سے نقل کیا کہ آنحضرت صلعم وحی کے بند ہو جانے کا حال بیان کرنے لگے تو اسی بیان میں یہ بھی فرمایا کہ ایک دن میں چلا جا رہا تھا کہ یکایک میں آسمان سے ایک آواز سنی یعنی اوپر نظر اُٹھائی تو گیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا ایک کرسی پر آسمان و زمین کے درمیان معلق بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس کے دیکھنے سے ڈر گیا۔ گھر میں لوٹ کر آیا اور کہا مجھے کمبل اُڑھا دو۔ پھر اسی حال میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ یَاۤ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ یعنی اے کپڑا اوڑھنے والے اُٹھ اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا۔ اپنے پروردگار کی تعریف بیان کر۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور روحانی نجاستوں یعنی بت پرستی وغیرہ کو چھوڑ دے یعنی جسمانی اور روحانی دونوں پاکیزگیاں حاصل کر۔ اس کے بعد

وحی لگاتار آنے لگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اللہ تعالےٰ کے کلام ولا تحرک کی تفسیر میں منقول ہے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم وحی کے نازل ہونے سے سخت محنت اٹھاتے تھے۔ آپ اپنے دونوں ہونٹ جلد جلد ہلاتے تھے تاکہ وحی یاد ہو جائے۔ پھر سعید نے حضور کی ہونٹوں کی حرکت سمجھانے کے لئے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی۔ اللہ پاک نے حضور کی یہ حالت اور دشواری دیکھکر مذکورہ بالا آیتیں اُتاریں جن کا ترجمہ یہ ہے۔ اے محمد قرآن کو یاد کرنے کے لئے اس کے ساتھ تم اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کرو۔ یقیناً اس کا جمع کر دینا اور پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قرآن کا تمہارے سینہ میں جمع کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل کی فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب ہم پڑھ چکیں تو پھر اس کے پڑھنے کی پیروی کرو یعنی اس کو سنو اور چپ رہو پھر یقیناً اس کا مطلب سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت رہی کہ جب جبرئیلؑ کلام الٰہی لے کر آتے تو اس کو آپ سنتے تھے اور پھر جبرئیلؑ کے چلے جانے کے بعد اُسی طرح پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری باب الوحی)

جمع و ترتیب قرآن

قرآن کریم کی جمع و تدوین کے متعلق خود مسلمانوں میں بہت سی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں یا پھیلا دی گئی ہیں اس پر سنّی و شیعہ حضرات کے جھگڑوں اور قرآن سے متعلق مناظروں نے اور بھی غضب ڈھایا ہے اور معترضین اسلام کو بیخ اسلام پر کلہاڑا چلانے کا خود ہی موقع بہم پہنچایا ہے۔ کاش وہ قرآن کریم اور روایات صحیحہ کا بامعان نظر مطالعہ کرتے اور شیعہ حضرات برائے شگون کے لئے اپنی ناک نہ کٹواتے۔

قرآن کریم کا اعجاز اور عجیب شان خداوندی ہے کہ باوجود سنی و شیعہ اختلافات اور غیر مستند روایات کے حقیقت آج بھی بے نقاب ہے اور قیامت تک بے نقاب رہے گی۔ اور حقیقت پر کوئی دماغ اور کوئی ہاتھ پردہ نہ ڈال سکے گا۔ قرآن مجید کی جمع و تدوین کی حقیقت کو غیروں نے نہیں بلکہ خود اپنوں نے چھپایا مگر صداقت نہ چھپ سکی۔ آئندہ تفصیلات کا ناظرین بغور مطالعہ کریں۔

قرآن مجید کی کتابت اور حفاظت کا اہتمام و انتظام پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں اس شان اور نگہداشت سے ہوتا تھا جو صرف قرآن مجید کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور کوئی الہامی کتاب اس کے مقابلہ میں نہیں لائی جا سکتی۔

حضور کی زندگی میں ایک جماعت صحابہ کلمات وحی لکھتی تھی۔ دوسری جماعت اس متعین تھی۔ اور بہت سے صحابہؓ حافظ اور جامع ہی تھے۔ چنانچہ جتنا قرآن اب موجود ہے پیغمبر اسلام صلعم کے زمانہ میں اور آپ کے سامنے لکھا جا چکا تھا۔ اس کے ثبوت کے لئے حسب ذیل دلائل وشواہد ملاحظہ ہوں۔ پہلے ہم قرآن کریم کی آیات بینات پیش کرتے ہیں۔

(۱) بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ — یہ کھلی کھلی نشانیاں ہیں اور جن کو علم اور عقل دی گئی ہے ان کے سینوں میں محفوظ ہیں۔

(۲) كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۢ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ؕ — یہ قرآن ایک نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے اس کو پڑھے ادب کے ورقوں میں لکھی ہے اور عالی اور پاک ہاتھوں میں ہے اور اس کے لکھنے والے معزز اور نیک ہیں۔

یہ سورۃ ہجرت حبشہ سے پہلے کی ہے اور ابتدا اسلام کے زمانہ کی ہے اُس وقت میں قرآن کریم نے کاتبان وحی کی تعریف وتوثیق کر کے اپنی کتابت وحفاظت کی تصدیق کر دی۔ اور تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دی۔

(۳) بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۙ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ؕ — یہ قرآن بڑی شان والا ہے جو تختی میں لکھا ہوا ہے اور جس کی حفاظت ہوتی ہے۔

"لوح" شانہ کی چوڑی ہڈی کو کہتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں جو لفظ "محفوظ" ہے اس سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا اور یقینی علم حاصل ہو گیا کہ قرآن کریم ہڈی پر لکھا جاتا تھا اور اس کی تحریر وحفاظت کا سامان نہایت مضبوط اور قابل اطمینان تھا۔

(۴) وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ — قسم ہے لکھی ہوئی کتاب کی کشادہ ورق میں

... ...

"رق" چمڑے کو کہتے ہیں جس پر اگلے زمانہ میں کتابیں لکھی جاتی تھیں۔ اس آیت سے بھی قرآن کا مکتوب ہوا اور اس کی حفاظت کا مضبوط انتظام ہونا ثابت ہوا

(۵) اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ (واقعہ) — بے شک یہ قرآن عزت والا اور محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے اور اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں۔

اس میں بھی قرآن کریم کی کتابت اور حفاظت بیان ہوئی ہے۔ نیز یہ بھی بیان ہوا کہ حضور کی زندگی میں قرآن کے نسخے بکثرت موجود تھے۔ عوام میں منتشر تھے اور کاتبوں کی وہم اور غلطیوں سے محفوظ تھے۔ اس میں لفظ "مکنون" سے کاتبوں کی امانت و دیانت بھی بخوبی ثابت ہوگئی۔

یہ تمام سورتیں جن میں قرآن کریم کا مکتوب ہونا اور حفاظت و صیانت وغیرہ امور بیان کئے گئے ہیں سب مکی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں ہی قرآن کی کتابت وحفاظت کا پورا پورا سامان اور انتظام تھا۔ اب مدنی سورتیں بھی ملاحظہ ہوں۔

(۶) رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ	رسول اللہ پاک نوشتے پڑھتے ہیں جن میں قدیم اور سچی کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔
(۷) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ	اس کتاب میں کوئی شک و شبہ نہیں۔
(۸) كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ	اس کتاب میں محکم آیتیں ہیں۔
(۹) اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ	اُتاری تجھ پہ کتاب۔

قابل غور امر ہے کہ آخری آیات میں قرآن کریم کو کتاب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ان تمام آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت و کتابت بڑی کثرت اور شوق و احترام کے ساتھ ہوتی تھی۔ اس کی کتابت و حفاظت کا پورا پورا اہتمام حضور کی زندگی ہی میں کیا جاتا تھا اور اس کے نسخے دور دور منتشر ہوگئے تھے اور انہی امور کی تائید و توثیق اور روایتوں سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر کا یہ قول تفسیر اتقان میں ہے۔

انما کان فی الادیم والعسب اولا قبل ان یجمع فی عھد ابو بکرؓ ثم جمع فی الصحف فی عھد عثمان رضؓ کما دلت علیہ الاخبار الصحیحۃ۔

تفسیر مجمع البیان الطبرسی میں ہے۔

قرآن کریم عہد رسول اللہ میں ہی جمع ہو گیا تھا اور لکھا جا چکا تھا اور یہ ویسے کا ویسا آج تک ہمارے پاس موجود ہے اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ قرآن کی تلاوت اور تدریس ہوتی تھی اور وہ حضور کے زمانہ میں تمام کا تمام حفظ کیا جاتا تھا۔ حضور کے سامنے پیش کیا جاتا اور آپ کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی تھی اور صحابہ کی ایک جماعت مثلاً عبداللہ بن مسعود ابی بن کعب نے کئی مرتبہ حضور کے سامنے قرآن ختم کئے ان تمام امور پر ادنیٰ تامل کرنے

سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ قرآن حضور کی زندگی میں مجموع و مرتب ہو چکا تھا پراگندہ اور منتشر نہ تھا۔

شیخ حر عاملی اپنے رسالہ تواتر قرآن میں لکھتے ہیں۔

"اخبار و احادیث اور کتب تواریخ کی چھان بین کرنے سے قطعی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن کثرت کے ساتھ نقل کیا جاتا تھا اور پہلے سید المرتضیٰ کا کلام درج کر رہے ہیں کہ قرآن عہد رسول اللہ میں ہی مجموع و مرتب ہو چکا تھا اور بہت سے آثار و دلائل اسی امر کی شہادت دیتے ہیں پس ظاہر ہوا کہ عہد رسول میں قرآن کا مجموع و مرتب ہونا حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے بلکہ حد تواتر کے مراتب سے بھی بڑھا ہوا"

یورپ کے علماء اور اہل تحقیق نے قرآن کے حفظ و ضبط اور کتابت کی تفصیلی کیفیتوں کے بیان میں بہت غلطیاں کی ہیں۔ گو اس کے لفظی تواتر اور تحریف سے محفوظ رہنے کو سب ہی نے تسلیم کیا ہے۔ مگر اکثر یہی سمجھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں قرآن لکھا ہوا نہیں تھا ایک سال بعد انتقال کے جمع ہوا۔ مگر اس کے متعلق ہم نواب محسن الملک صاحب کے رسالہ "قرآن اور یورپ" سے استفادہ کرتے ہوئے خود یورپ کے محققین کے اقوال درج کرتے ہیں۔

جانسن سیل صاحب لکھتے ہیں۔

جب کہ کاتب وحی نئی سورۃ کو لکھ لیتے تو مسلمانوں میں مشتہر کی جاتی اور کئی لوگ تو اس کی نقلیں اپنے لئے لکھ لیتے مگر اکثر تو حفظ ہی یاد کرتے تھے اور جب وہ اصل تحریریں واپس آیا کرتی تھیں تو ان کو بلا ترتیب ایک صندوق میں جمع رکھتے جاتے تھے۔

سر ولیم میور صاحب کی ایک قابل تعریف تحقیق آپ لکھتے ہیں۔

مگر محمد (صلعم) کی حیات میں قرآن کی حفاظت صرف متفرق تحریروں میں ہی منحصر نہیں تھی۔ یہی وحی الٰہی تمام مسلمانوں کا نبی تھا۔ ہر ایک جماعت عام میں قرآن پڑھنا ضروری تھا اور خلوت میں قرآن کی تلاوت اور ذکر باعث ثواب عظیم تھا۔ یہ مضمون تمام روایات قدیم میں متواتر المعنی ہے اور خود قرآن ہی سے بھی پایا جاتا ہے اسی کے مطابق ہر ایک مسلمان اس کو کم و بیش حفظ کرتا تھا۔ اور مسلمانوں کی قدیم سلطنت میں جو شخص جس مقدار تک قرآن پڑھ سکتا تھا اسی انداز کے موافق اس کی قدر و منزلت ہوتی تھی اور عزت کی رسم سے اس کی زیادہ تائید ہوئی وہ لوگ نظم کے تو از حد مشتاق تھے اور فن کتابت کا سامان کافی ان کے پاس نہ تھا کہ خطبوں کو لکھ

رکھتے۔ اس لئے مدت سے وہ لوگ اس کے عادی ہو رہے تھے کہ اشعار و خطب کو اپنے دل کی زندہ تختیوں پر منقش کر رکھتے تھے۔ قوت حافظہ ان کی انتہا درجہ پر تھی۔ اور اس کو وہ لوگ قرآن کی نسبت بکمال سرگرمی کام میں لاتے تھے ان کا حافظہ ایسا مضبوط اور ان کی محنت ایسی قوی تھی کہ حسب روایات قدیم اکثر اصحاب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پیغمبر کی حیات ہی میں بڑی صحت کے ساتھ تمام وحی کو حفظ پڑھ سکتے تھے۔"

کتاب سیرۃ محمدی مصنفہ آنریبل ولیم میور صاحب۔ جلد ا۔ صفحہ ۵۔ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء اسی باب میں ذرا آگے لکھتے ہیں۔

"عرب کا حافظہ کیسا ہی دیرپا کیوں نہ ہوتا ہم ان تحریروں کو جو صرف یاد ہی سے لکھی جاتیں ہم بے اعتبار سمجھ لیتے لیکن اس امر کے باور کرنے کی وجہ معقول ہے کہ بہت سی مجزی نقلیں جن میں کل قرآن شامل تھا یا جو تقریباً کل پر محتوی تھیں مسلمانوں نے پیغمبر کی حیات میں لکھ لی تھیں۔ جبکہ ان لوگوں کو لکھنے کی استعداد حاصل تھی تو صحیح نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جو چیز ایسی حفاظت شدید سے یاد کی جاتی تھی وہ اسی طرح بکمال احتیاط لکھی بھی جاتی ہوگی۔"

اور پھر اسی مقام پر متصلاً لکھتے ہیں:۔

ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا تو محمد (صلعم) کی عادت تھی کہ اپنے اصحاب میں سے کسی ایک یا دو صحابی کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے تاکہ ان کو قرآن اور ضروریات دین سکھلا دیں اور اکثر خبر ملتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ مذہبی امور کی تعلیم کے لئے تحریریں لیجایا کرتے تھے بالتخصیص وہ اجزائے قرآن جن پر مذہبی رسوم موقوف تھیں اور جو نماز میں اکثر پڑھی جاتی تھیں علاوہ ان تصریحات کے جو قرآن ہی میں خود اس کے مکتوب ہونے پر پائی جاتی ہیں۔ اک صحیح روایت ہیں جس میں عمر (رضی اللہ عنہ) کے مسلمان ہونے کی کیفیت مروی ہے قرآن کی بیسویں سورت کی نقل کا تذکرہ ہے جو عمر (رضی اللہ عنہ) کی بہن کے گھر میں جو اُن کی ذاتی مصرف کے لئے تھی۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جو ہجرت سے تین یا چار برس پیشتر گذرا تو اس قدر قدیم زمانہ میں قرآن کی نقلیں لکھی جاتی تھیں اور عام تھیں۔ دراں حالیکہ مسلمان کم اور مظلوم تھے تو یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب پیغمبر صلعم کو فوت ہوئی اور یہ کتاب اکثر ملک عرب کے لئے شریعت قرار پائی تو اُس وقت قرآن کے نسخہ کثرت سے بڑھ گئے ہونگے۔"

راڈویل صاحب سورۂ قیامہ و طٰہٰ کی بعض آیات سے استنباط کرتے ہیں کہ شروع ہی سے

محمد صلعم نے ایک لکھی ہوئی کتاب کے مشتہر کرنے کا منصوبہ کر لیا تھا۔ آپ کے اصل الفاظ یہ ہیں

لا یمسّہ الّا المطھرون کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

یہ آیت پر متضمن ہے کہ لا اقل قرآن کے اجزاء کی نقلیں عام کے استعمال میں موجود تھیں اور جب عمر رضی اللہ عنہٗ ایمان لائے اور انہوں نے اپنی بہن کے ہاتھ سے بسویں سورۃ کی نقل لینی چاہیے تب ان کی بہن نے اسی آیت کا حوالہ دیا تھا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں تک ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ جب قرآن کریم پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی لکھا جا چکا تھا اور اس کا مسطور و مکتوب ہونا ثابت ہے۔ تو پھر خلافت صدیقی میں اس کا جمع ہونا کیا معنی رکھتا ہے اور حضرت عثمانؓ کا جامع قرآن ہونا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ بات کل عالم اسلام میں مشہور و متیقن ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خلیفہ اول کے عہد میں قرآن کا جمع کیا جانا اور اس سے پہلے مجموع نہ ہونا منجملہ اخبار احاد ہے جس کو قطعی اور یقینی ثبوت کی حالت میں پیش نہیں کیا جا سکتا یعنی جبکہ قرآن کریم سے قطعی طور پر اس کا مکتوب ہونا ثابت ہو گیا تو پھر اس کے مقابلہ میں ظنیات کو نہیں پیش کیا جا سکتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محض اتنا کیا کہ خلافت کی حیثیت سے سرکاری طور پر ایک نسخہ تمام و کمال ایک جلد میں حضرت زید سے لکھوایا اور دستور العمل خلافت کے طور پر اس کو رکھا۔ اور یہی مزید اشاعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ نے کی یعنی آپ نے اپنے عہد میں صرف اتنا ہی کیا کہ قرآن معروف کے کئی ایک نسخے لکھوا کے حکماً اطراف و جوانب دیار اسلام اور فوج کی چھاؤنیوں میں بھجوا دئے اور اس وجہ سے قرآن کی اور بھی زیادہ شہرت اور اشاعت ہوئی پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ قرآن کے جامع نہیں بلکہ اشاعت کنندہ ہیں اور جن احادیث میں ان کا جامع ہونا بیان کیا گیا ہے وہ سب اخبار احاد ہیں جو مفید یقین نہیں ہو سکتیں اور ان ظنیات کو تعینات کے مقابلہ میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔

اس کے متعلق ہم نواب اعظم یار جنگ بہادر مولوی چراغ علی صاحب مرحوم کی تحقیق بلیغ پیش کرتے ہیں۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ میری یہ رائے محقق حارث المحاسبی کے قریب قریب ہے۔ کما قال فی فہم السنن۔

قرآن کی کتابت محدث نہیں یعنی رسول اللہ کے بعد نہیں ہوئی بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کتابت کا حکم دیا کرتے تھے لیکن وہ کاغذ کے ٹکڑوں، پسلی کی ہڈیوں اور پیرس پر متفرق تھا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے صرف اتنا کیا کہ مکان مکان سے اس کے منتشر اجزا جمع کر کے ایک نسخہ لکھوا لیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے بھی قرآن منتشر پایا گیا۔ اس کو آپ نے جمع کیا اور اس کے صفحے ملا کر تاگے سے اس کو سی دیا حتیٰ کہ کوئی چیز جمع ہونے سے نہیں رہ گئی۔

نیز تفسیر اتقان میں منقول ہے۔

حارث محاسبی کہتے ہیں کہ عوام الناس میں مشہور ہے کہ حضرت عثمانؓ جامع قرآن ہیں حالانکہ ایسا نہیں۔

ایک مشہور اعتراض کا جواب

عیسائیوں اور شیعوں کا ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ قرآن جلوا بھی دئے تھے۔ اس اعتراض کو نہایت مبالغہ اور زور کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس روایت کا راوی شیعہ ہے۔ دوسرے فتح الباری شرح صحیح بخاری کے قول کے مطابق اس امر میں اختلاف ہے کہ آپ نے جلانے کا حکم دیا تھا یا پھاڑنے کا تیسرے جلانے یا پھاڑنے کا حکم دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی تعمیل بھی ہوئی ہو جب تک اس کے وقوع کی خبریں جزم و یقین کے ساتھ سننے میں نہ آویں تب تک اس امر کے واقع ہونے پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ بخاری خبر واحد میں صرف امر ہی پایا جاتا ہے اور وہ کچھ ثابت نہیں کرتا اور جو اس کی شرح میں دو تین خبریں جلوائے جانے کی لکھی ہیں وہ کسی طرح لائق اطمینان اور قابل قبول نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان میں ایک روایت ایسی ہے جو بکر بن الاشج صرف قیاساً اور روایت بالمعنی کے طور پر انس کے قول "امران یحرق" کو کمال مبالغہ سے بیان کرتا ہے۔ اور شعیب کی روایت میں بھی یہی نقص ہے یعنی انس مدینہ میں بیٹھے ہوئے عراق کا حال کہہ رہے ہیں۔ ایک تیسری روایت مصعب بن سعد کے طریقے سے ہے۔ وہ بھی اسی قسم کی ہے اور ایک دوسری کی تردید کرتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس روایت خلاف درایت کا ماخذ قولاً یا وہماً اور یا قیاساً صرف انسؓ تک ہی پہنچتا ہے اور بوجہ خبر واحد اور مختلف فیہ ہونے کے اس کا غیر مفید علم ہونا ظاہر ہے۔

قرآن کریم کا اعجاز یگانگت

قرآن مقدس کی حفاظت وصیانت کا وعدہ اللہ تبارک تعالےٰ نے اس کو نازل کرتے وقت فرمایا تھا۔ اس وعدۂ خداوندی کو پورا ہوتے ہوئے تمام دُنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور حفاظت خداوندی پر مہر تصدیق ثبت کی اور چونکہ یہ خدائی حفاظت کسی الہامی کتاب کو حاصل نہیں اس لئے محققین یورپ نے قرآن کریم کی ضبط وکتابت کو دیکھکر اور یہ دیکھکر کہ اس کے حفظ کتابت میں ہر ملک اور ہر ضلع کے مسلمانوں نے ہر طبقہ اور ہر صدی میں کوشش بلیغ کی اور اس کثرت سے اس کے نسخے مشتہر اور محفوظ ہوئے کہ تمام دنیا میں دو نسخے بھی مختلف نہ ملیں گے۔ تمام جہان میں ایک ہی متن پایا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے ہر ہر نسخہ کی ایسی تعجب انگیز موافقت اور یگانگت کو یورپ کے منکرین اعجاز بلا مبالغہ اعجاز سے منسوب کرتے ہیں۔ چند آراء ملاحظہ ہوں۔

مسٹر اڈوارڈ گبن ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

یعنی قرآن کی بہت سی نقلوں سے وہی اعجاز کا ساخاصہ یگانگت اور عدم قابلیت تحریف کا متن ثابت ہوتا ہے۔　(تاریخ رومتہ الکبرےٰ جلد ۶۔ باب ۵۰)

سر ولیم میور فرماتے ہیں جلد اول صفحہ ۲۷۔

" نہایت قوی گمان پر ہم اقرار کرتے ہیں کہ قرآن کا ہر ایک فقرہ صحیح اور بلا تبدیل محمد ہی کا کہا ہوا ہے اور اس کے نتیجہ میں جیسا کہ وان ہمبر نے کہا ہے، یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو ہم بالیقین ایسا ہی محمد کا کلام سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اس کو کلام الٰہی سمجھتے ہیں۔"

ایک جگہ اور یہی میور صاحب لکھتے ہیں۔

" عثمانؓ کا نسخہ ہم تک بلا تحریف چلا آیا ہے درحقیقت ایسی احتیاط سے اس کی حفاظت ہوئی ہے کہ قرآن کے بیشمار نسخوں میں جو اسلام کی کثیر الوسعت مملکت میں منتشر ہیں اختلاف نہیں ہیں محمد صلعم کی وفات کے بعد ایک چہارم صدی میں قتل عثمانؓ کے وقت سے مسلمانوں میں تنازع اور شدید مخالفتیں پیدا ہونے سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑگئی تھی تاہم ان میں ایک ہی قرآن ہمیشہ سے جاری رہا ہے اور سب میں بالاتفاق اسی ایک ہی قرآن کا استعمال میں رہنا اس بات کے ثبوت کی ایک لاجواب دلیل ہے کہ ہمارے پاس اب وہی کتاب ہے جو اس مظلوم خلیفہ کے حکم سے لکھی گئی تھی غالباً دنیا میں کوئی اور ایسی کتاب نہیں ہے جو بارہ سو برس تک ایسی صحیح رہی ہو۔" قرآن اور یورپ مصنفہ مولوی چراغ علی صاحب مرحوم)

"خلاصہ ما فی الباب یہ کہ قرآن کریم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب لکھا ہوا موجود تھا مگر مختلف چیزوں پر۔ سب سے پہلے قرآن مجید کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یکجا کیا۔ یعنی آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلا کر قرآن جمع کرنے کا حکم دیا کیونکہ آپ جوان صالح۔ غیر متہم بالعیوب اور کاتب وحی تھے۔ انہوں نے نہایت کوشش بلیغ امانت و دیانت اور چھان بین سے قرآن مجید کو جمع کیا۔ جب سب قرآن صحابہ کے اہتمام سے جمع ہو چکا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی نظر ثانی اور کتابت کی تصحیح فرمائی اور اس کے پڑھنے پڑھانے کا سخت اہتمام کیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اور اس کو کامل اور مشتہر کیا۔ یعنی آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس مصحف شریف کی سات نقلیں کرا کر ممالک بعیدہ میں بھیجدیں۔ لیکن اختلاف قرأت کو حق اور باطل سمجھنے لگے اور اس وجہ سے اسلام کو نقصان پہنچنے اور نظام خداوندی کے درہم برہم ہونے کا سخت خطرہ لاحق ہو گیا اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا اور دین اسلام کو اختلاف قرأت سے پاک کر کے سب کو ایک قرأت لغت قریش پر جمع کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے جامع قرآن ہونے کے یہی معنی ہیں"

سُور و آیات کی ترتیب

قرآن مقدس کی آیتوں اور سورتوں کی جو ترتیب موجودہ قرآن میں ہے۔ یہ جمہور علماء کے نزدیک توفیقی ہے۔ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہے۔ صحابہؓ کے اجتہاد کو کوئی دخل نہیں۔ یہ رائے نہ صرف چند محققین علماء کی ہے بلکہ کل اُمت کا اجتماع ہے۔ احادیث صحیحہ میں یہ بات مذکور ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کاتبان وحی سے فرماتے کہ اس کو فلاں سورت میں لکھ لو نیز اس بات پر ایک قوی دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور نے فلاں نماز میں فلاں سورت پوری پڑھی۔ اب اگر آیات مرتب نہ ہوتیں تو پوری سورت پڑھنا کیسے صحیح ہو سکتا تھا۔ غرض آیات و سور میں بھی کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوا۔

امام ابوبکر انباری کا قول تفسیر اتقان میں منقول ہے کہ:۔

اللہ تعالے نے تمام قرآن آسمان دنیا پر ایک بار نازل فرمایا تھا۔ پھر اس کو دنیا میں تئیس ۲۳ برس میں تھوڑا تھوڑا نازل فرمایا۔ جب کوئی بات پیدا ہوتی تھی اس کے لئے اس میں سے اسی قدر سورۃ یا آیت نازل ہو جاتی تھی۔ اور جبرئیل علیہ السلام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو آیات اور سور کا موقعہ تبلا دیتے تھے

پس سورتوں کا اتصال باہمی ایسا ہی ہے جیسا کہ آیات اور حرف کا۔ اور سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے"۔

بعض عقلا اس زمانہ کے مجتہد صاحبان کا گمان ہے کہ سورتوں کے نام خود اللہ پاک یا صاحب وحی کے رکھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ صحابہ یا تابعین کے زمانہ میں یہ نام مشہور ہوئے حالانکہ یہ گمان فاسد اور محض بے بنیاد ہے۔ اس لئے کہ احادیث صحیحہ اس گمان فاسد کی تغلیط کر رہی ہیں۔ بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض سورتوں کو حضور نے ان کے نام سے موسوم کیا ہے پس یقیناً تمام سورتوں کے نام بھی جناب صاحب وحی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہی رکھے ہوئے ہیں۔ اور ان میں بھی کسی قسم کی ایجاد بندہ نہیں ہوئی۔

صحابہ کے زمانہ میں جو قرآن لکھا گیا تھا اس میں سورتوں کے نام۔ پاروں کے نشانات اور نقطے وغیرہ کچھ نہ تھے۔ حضرت امام مالک کے زمانہ میں ابوالاسود یا حضرت امام حسن بصری نے اس میں نقطے بنائے اعراب مئے خمس و عشر وغیرہ لکھے اور پاروں اور سورتوں کے نام لکھے۔

علمائے متاخرین نے بعض آیات پر لفظ کوفی اور بعض پر شامی لکھدیا ہے ان سے مراد یہ ہے کہ علمائے کوفہ یا شام کے نزدیک یہ پوری آیات ہیں۔

علم تفسیر

علمائے متقدمین و متاخرین میں تفسیر کے لغوی معنوں میں سخت اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ "یہ فسر" سے مشتق ہے" فسر" کے معنی بیان کرنے کے ہیں۔ اور دوسرے معنے کسی مخفی یا مستور چیز کو ظاہر کرنے کے ہیں۔ چونکہ تفسیر میں بھی مخفی معنے کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو تفسیر کہتے ہیں۔ بعض اس کو "سفر" کا مقلوب بتاتے ہیں۔ اور "اسفار" کے معنے روشن ہونے کے ہیں۔ چونکہ تفسیر میں بھی معانی کو روشن کیا جاتا ہے اس لئے اس کو تفسیر کہتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے مختلف اقوال ہیں۔ ان اقوال میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے لئے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم میں لفظ "تفسیر" کن معنوں میں استعمال ہوا ہے سو قرآن کریم میں لفظ تفسیر توضیح اور بیان کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ؕ — وہ تیرے لئے کوئی ایسی مثال نہیں لاتے جس کو ہم تیرے پاس حق کے ساتھ اور اسے زیادہ وضاحت و بیان کے ساتھ نہ لائے ہوں۔

پس اس لحاظ سے مذکورہ بالا اقوال میں سے پہلا قول مرجح ہے۔ کیونکہ قرآن مقدس سے

اس کی تائید ہوتی ہے۔

تفسیر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی آیت کے مطلب۔ قصہ۔ کیفیت اور شان نزول کی توضیح ایسے الفاظ میں کی جائے کہ جن پر اس آیت کے الفاظ بھی دال ہوں۔

ابوالخیر و ابن صدرالدین فرماتے ہیں:۔

علم تفسیر وہ علم ہے جس میں نظم قرآن سے بحث کی جاتی ہے بقدر طاقت بشری کے موافق قواعد عربی کے واسطے استنباط کرنے احکام شرعی کے۔

قطب الدین الرازی شرح کشاف میں لکھتے ہیں۔

علم تفسیر وہ علم ہے جس میں بحث کی جاتی ہے اللہ جل شانہ کی مراد و مقصود سے جو قرآن مجید میں ہے علم تفسیر کی اصل اور جامع و مانع تعریف یہ ہے۔

پس اولی یہ ہے کہ علم تفسیر وہ علم ہے جس سے کیفیت خدا کے کلام کی من حیث القرینۃ اس پر دریافت کی جاوے کہ جس سے علم یا ظن اللہ جل شانہ کی مراد اور مقصود کا بقدر طاقت بشری کے حاصل ہو۔ (کشف الظنون)

علم تفسیر تاریخی حیثیت سے چونکہ علم تفسیر علوم اسلامیہ میں مقدم اور افضل ہے اس لئے عہد نبوی میں ہی اس مبارک علم کی بنیاد پڑ چکی تھی لیکن صحابہ کے زمانہ میں اس علم کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ ارشاد نبوی ہے خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور تعلیم دے۔ اس ارشاد نے صحابہ کو ہمہ تن اپنی طرف متوجہ کر لیا حقیقی ذوق شوق کے ساتھ تبلیغ قرآن کا فرض کماحقہ ادا کیا شب و روز اس کلام الٰہی کے معانی و مطالب کے بیان کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ اس کتاب مقدس کے الفاظ، لغات، محاورات، استعارات، کنایات اور قصص و حکایات کی چھان بین اور ان پر غور و فکر کرتے تھے۔

احادیث نبوی اور قرآنی آیات پر غور کر کے مسائل استنباط کرتے اور جہاں کہیں معانی و مطالب میں اختلاف و تعارض ہوتا تو آپس میں مباحثہ کرتے۔ چنانچہ کتب احادیث میں صحابہ کے بہت سے مباحثوں کا پتہ چلتا ہے۔

طبقات مفسرین پہلا طبقہ مفسرین کا طبقہ صحابہؓ ہے جس میں خلفائے اربعہ اور حضرت

ابن مسعود۔ ابن عباس۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت۔ ابو موسیٰ اشعری۔ عبداللہ بن زبیر۔ انس بن مالک
ابوہریرہ۔ جابر۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین ہیں۔

ان صحابہ میں حضرت عباسؓ بڑے مفسر ہیں جن کو ترجمان القرآن کہا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تفسیر قرآن پاک میں غایت حزم اور احتیاط کرتے تھے اور بدون کمال رعایت کے تفسیر میں کوئی حرف زبان سے نہ نکالتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بوجہ کمال احتیاط خوف کے اکثر صحابہؓ سے بہت قلیل تفسیر مروی ہے۔ خلفائے راشدین سے جو قلیل تفسیر مروی ہے اس کی ایک وجہ تو یہی کمال احتیاط و رعایت ہے دوسرے ان کو خلافت کے کاروبار اور تنظیم ملت وحفاظت واشاعت اسلام سے اتنی مہلت نہ ملتی تھی کہ وہ صرف اسی طرف رجوع کرتے اور تمام وقت قرآن کریم کی تفسیر کو دیتے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ خلفائے اربع رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے زمانے کیسی کیسی مصروفیت میں گزرے تیسرے یہ کہ بلاشک اُن حضرات کے قلوب میں علوم کثیر تھے جن سے دیگر صحابہؓ محروم تھے مگر ان کے بیان اور اظہار کی حاجت و ضرورت پیش نہ آئی تھی کیونکہ یہ خدمت مدینۃ العلم حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے حق میں مقدر تھی۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حضرت علیؓ کی خلافت میں یہ ضرورت پیدا ہو گئی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے" حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ تک اس "مدینہ" کے اندر عارف معارف اسرار حقہ الٰہیہ تھے مگر ان کے افشا کی حاجت نہ تھی۔ اور حضرت علے رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارک میں علوم ومعارف کا دروازہ کھولنا اور ان کو افشا کرنے کی ضرورت پیش آ گئی چنانچہ آپ نے تابعین اور آیندہ نسلوں کی استقامت فی الدین کے لئے ایسے ایسے علوم ومعارف بیان کئے جن سے لوگوں کو صدق رسالت وصدق خلافت پر طمانیت ہوئی اور تابعین کا ایمان کامل ہو گیا انہیں وجوہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تفاسیر کی روایات بکثرت ہیں۔ کیونکہ باب علم اُن ہاتھوں کھلنا مقدر تھا۔

ابو الطفیل کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ خطبہ پڑھتے اور فرماتے کہ مجھ سے جو چاہو پوچھو۔ واللہ جو کچھ مجھ سے پوچھو گے تم کو بتلاؤں گا۔ مجھ سے کتاب اللہ پوچھو۔ واللہ جو کوئی آیت نازل ہوئی اس کو میں خوب جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی کہ دن میں۔

سلیمان الاحمسی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ واللہ جو آیت نازل ہوئی مجھے ضرور معلوم ہے کہ کس بارہ میں اور کہاں نازل ہوئی۔ میرے رب نے مجھے قلب سمجھدار عقول وزبان سئول عطا فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حبر الامہ اور ترجمان القرآن ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دُعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ فقھہ فی الدّین وعلمہ التاویل الٰہی اس کو دین کا فقیہ کردے اور تاویل کا علم دیدے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ ابن عباس اچھا ترجمان القرآن ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے جو تفسیر منقول ہے اس کے بہت سے سلسلے ہیں جن میں سے بعض صحیح بعض مشتبا بعض بالکل غلط اور جھوٹ ہیں۔ چند سلسلے بیان کئے جاتے ہیں۔

پہلا طریقہ۔ ابن جریج سے مروی ہے۔ یہ امام مالک کے طبقہ ثقات محدثین سے ہیں۔ ان سے روایت محمدؒ بن ثور و حجاج بن محمدؒ کی توضیح ہے اور دیگر اسانید قابل اعتماد نہیں۔

دوسرا طریقہ۔ ابن ابی نجیح عن مجاہد عن ابن عباس۔ یہ قریب الصحۃ ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ قابل اعتماد نہیں،

تیسرا طریقہ۔ عطاء بن یسار عن ابن عباس۔ یہ بھی قابل حجت ہے۔

چوتھا طریقہ۔ مقاتل بن سلیمان۔ مقاتل کی تفسیر میں بھی اکثر محققین نے کلام کیا ہے۔ لیکن امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی تفسیر اچھی ہے۔

پانچواں طریقہ۔ ابو روقؒ۔ انہوں نے عباسؓ سے قلیل روایت کی ہے۔ یہ صحیح ہے۔

ساتواں طریقہ۔ طریق جید۔ علی بن ابی طلحہ الہاشمی عن ابن عباس ہے۔ یہ جملہ طریق الاسانید میں مستند اور قابل وثوق ہے۔ جن پر بخاری نے اعتبار کیا ہے۔

دوسرا طبقہ مفسرین کا طبقہ تابعین ہے۔ جس میں مجاہد بن جر مکی۔ سعید بن جبیر۔ عکرمہ طاؤس بن کیسان یمانی۔ عطاء بن ابی رباح مکی ہے۔ جو اصحاب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کہلائے جاتے ہیں۔

علقمہ بن قیس۔ اسود بن یزید۔ ابراہیم نخعی اور شعبی رحمہم اللہ تعالےٰ اصحاب حضرت ابن مسعود ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید مالک بن انس حسن بصری۔ عطاء ابن ابی سلمہ۔ محمدؐ بن کعب۔ ابو العالیہ ضحاک ابن مزاحم۔ عطیہ بن سعید۔ قتادہ بن دعامہ اور ربیع بن انس ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی تفسیر کی کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔

ابوبکر ابن العیاش کہتے ہیں کہ میں نے اعمش سے مجاہد کی تفسیر کی بابت پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ یہود و نصاریٰ سے روایتیں لیتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ذہبی)

ضحاک ابن مزاحم کی بابت یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہیں اور ابن عباس ابو ہریرہ اور تمام صحابہ سے جو روایت لاتے ہیں وہ سب قابل بحث و نظر ہیں۔ (میزان الاعتدال)

تیسرا طبقہ مفسرین کا وہ ہے جنہوں نے تفسیر کی کتابیں تالیف کیں اور اقوال صحابہ و تابعین کو جمع کیا ان کے نام یہ ہیں۔ سفیان عینیہ۔ وکیع بن جراح۔ شعبہ بن حجاج۔ یزید بن ہارون۔ عبدالرزاق۔ علی بن ابی طلحہ۔ ابن ابی حاتم۔ ابن ماجہ۔ حاکم ابن مردویہ۔ ابن حبان اور ابن منذر۔

چوتھا طبقہ ان مفسرین کا ہے جنہوں نے تالیف کیں مگر سلسلۂ سند کو ملحوظ نہیں رکھا وہ یہ ہیں مثل ابواسحاق زجاج۔ ابوعلی فارسی۔ ابوبکر نقاش۔ ابوجعفر نحاس۔ مکی بن ابی طالب ابوالعباس مہدوی۔

ان میں سے ابوبکر نقاش کی بابت ابوبکر البرقانی کہتے ہیں کہ اس کی تمام روایتیں منکر ہیں۔ (انساب سمعانی)

پانچواں طبقہ اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے بے سند قولوں کو نقل کیا اور ہر قسم کی غلط سلط اور ضعیف موضوع روایات کو بیان کیا اور بلا تمیز ہر قسم کی روایتوں کو اپنی تفسیروں میں بھر دیا۔ ان کے نام یہ ہیں ثعلبی۔ کلبی۔ واقدی۔ امام رازی۔ اور محمود بن حمزہ کرمانی وغیرہ ان میں جن علوم کی طرف ان کا میلان تھا انہی کو اپنی تفسیروں میں بھر دیا۔

ان میں سے کلبی کی تفسیر سراسر کذب اور بے محل نظر ہے۔ واقدی کذاب ہے ثعلبی کی تفسیر بھی محل نظر ہے۔ امام فخرالدین رازی کی تفسیر عقلی تفسیر ہے اور خوب ہے، حق تو یہ ہے کہ امام موصوف نے جن دلائل ساطعہ اور براہین قاہرہ کیساتھ فلسفۂ یونان کی دھجیاں اُڑائی ہیں اور قیامت تک کیلئے معترضین اسلام کی ابلہ فریبیوں کا پردہ چاک کر کے اسلام کو مضبوط فصیلوں اور دمدموں سے محفوظ کیا ہے وہ انہی کا حصہ تھا۔ مگر اصول روایت کے لحاظ سے اس کا درجہ بھی عام تفسیروں جیسا ہے۔

قرآن و ایمان ہم کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے پہنچا۔ جو سب کے سب اللہ تعالےٰ کے محبوب خاصین مخلص اور ثقہ تھے پس قرآن و عقائد تو متواتر ہیں۔ مگر قرآن کی تفاسیر متواترات سے نہیں لہٰذا تفاسیر منقولہ سے قرآن کریم کا صحیح مفہوم تلاش کرنے والوں کے لئے لازمی ہے کہ جو تفاسیر صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں ان کے درمیانی ناقلین کو اصول روایت و درایت کے لحاظ سے پرکھیں ان کا ثقہ و غیر ثقہ ہونا معلوم کریں۔ یہ اس لئے کہ قریباً کل صحابہؓ تفاسیر کو بھی مثل قرآن کے سینوں میں حفظ رکھتے تھے۔ یہی حال تابعین کا رہا۔ تابعین کے زمانہ میں روافض و خوارج اور منافقین اسلام بعض نفاق کی چادر اوڑھے ہوئے جماعت حقہ میں آملے تھے۔ جب ان لوگوں کا اہل حق کو علم ہوا تو

آخر زمانہ تابعین میں جماعت اعظم نے روایات کی چھان بین شروع کی کہ کہیں کوئی راوی چھپا ہوا رافضی اور منافق تو نہیں۔

طبقۂ تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ کبھی تو یہ صحابی سے تفسیر روایت کرتے ہیں اور کبھی بدون اسناد کے لیکن محقق علماء کے نزدیک یہ امر متعین ہے کہ وہ چونکہ تفسیر بالرائے کو حرام سمجھتے تھے اور روایات میں اجتہاد کو دخل نہ دیتے تھے اس لئے ان کے اقوال بمنزلہ حدیث مرفوع کے ہیں۔ شیخ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ تفسیر کے زیادہ علم وہ تابعین ہیں جو اہل مکہ ہیں کیونکہ یہ لوگ حضرت ابن عباس کے اصحاب ہیں جیسے مجاہد بن جبیر۔ عطاء ابن ریاح۔ عکرمہ مولائے ابن عباس۔ سعید بن جبیر و طاؤس وغیرہم۔ تابعین میں مجاہد کو سب پر سبقت و تقدم ہے کیونکہ انہوں نے تیس مرتبہ قرآن مجید ابن عباس کو سنایا تھا۔ خصیف کہتے ہیں کہ مجاہد سب سے زیادہ عالم تفسیر تھے۔ بخاری وغیرہ علماء نے بھی مجاہد کی تفسیر پر اعتماد کیا ہے۔

تابعین کے طبقہ کے بعد تبع تابعین کا طبقہ آیا جس نے بہت سی تفاسیر تصنیف کیں جن میں اقوال صحابہ و تابعین کو جمع کیا۔ جیسے تفسیر سفیان بن عینیہ و کیع بن الجراح و شعبہ بن الحجاج یزید بن ہارون و عبدالرزاق وغیرہ بوجہ وفور علم و معرفت ضعیف اسانید میں اس کی تفاسیر میں جمع ہوگئیں اور ان میں قوی و ضعیف کی چھان بین کی ضرورت لاحق ہوگئی۔

ان کے بعد ایک اور طبقہ آیا جنہوں نے اسانید صحیحہ کا التزام کیا۔ چنانچہ شیخ ابن جریر الطبری نے تفسیر مع اسناد تالیف کی اور یہ تفسیر سب سے بڑی اور جامع تفسیر ہے شیخ مذکور نے نہ صرف اسناد کا التزام کیا بلکہ ترجیح اقوال توجیہ کی جانب بھی توجہ فرمائی۔ اسی طرح ابن ابی حاتم۔ ابن ماجہ حاکم ابن مردویہ۔ ابوالشیخ ابن حبان اور ابن المنذر وغیرہم نے بھی تالیفات کیں اور ان میں اسناد کو ملحوظ رکھا۔

اس کے بعد ایک اور زمانہ آیا۔ اس میں لوگوں نے اسانید کو حذف کر دیا اور صرف اقوال نقل کرنے لگے جس کی وجہ سے ان کی تالیفات میں قوی و ضعیف۔ صحیح و مریض اور موضوع روایات سب خلط ملط ہوگئیں۔ پھر اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خراب زمانہ آیا۔ اس میں لوگوں نے یہ کیا کہ جو اقوال ان کو ملے ان کو لیکر اپنی رائے بھی اس میں شامل کر دی اور پچھلوں نے ان کو نقل کرنا شروع کر دیا اور اس بات کا مطلق خیال نہ رکھا کہ اس کی اصل کہاں سے ہے بلکہ آنکھ بند کر کے سب کچھ اپنی تصانیف میں بھرتے چلے گئے۔ اور یہ گمان کر لیا کہ ہمارے شیخ بہت محقق۔ عالم فقیہ

اور ثقہ تھے اس لئے اُنہوں نے جو کچھ لکھا ہوگا لامحالہ صحیح ہوگا۔ اس لئے تمام مدار کار غیر تحقیق شدہ اقوال پر ہی آ ٹھیرا۔

اس کے بعد ایک زمانہ آیا کہ جو جس علم وفن میں متبحر تھا اس نے قرآن مجید کی تفسیر کو اس فن پر اقتصار کر دیا مثلاً نحوی نے تمام تفسیر کو اعراب کی بحث اور قواعد و مسائل نحویہ سے بھر دیا جس کو تاریخ کے فن میں توغل تھا اس نے رطب و یابس قصص اور قصے کہانیوں کو اپنی تفسیر میں بھر دیا۔ چنانچہ ثعلبی کی تفسیر اسی نہج پر ہے جو فقیہ تھا اُس نے ابواب فقہ اور اصول فقہ کی رعایت کی اور اختلافات مجتہدین سے تفسیر کو بھر دیا جیسے قرطبی کی تفسیر جس کو علم کلام اور مباحث عقلیہ میں دسترس تھا اس نے مباحث عقلیہ اور فلاسفہ کے اقوال ورد و قدح سے بھر دیا جیسے امام فخر الدین رازی کی تفسیر اور اسی طرح مبتدعین و ملاحدہ تفسیر کرنے بیٹھے تو کفر و الحاد اور تاویلات بے فائدہ سے اپنی تفسیروں کو بھر دیا۔

کیفیت تفسیر و آداب مفسر

علماء نے کہا ہے کہ کتاب آلہی کی تفسیر کرنیکے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کی تفسیر خود کلام آلہی سے تلاش کرے۔ کیونکہ قرآن کریم کی آیات خود ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ جو ایک جگہ مجمل ہے وہ دوسری جگہ مفسر ہے اور جو ایک جگہ موجز ہے وہ دوسری جگہ مبسوط۔ اگر مفسر کے ادراک سے یہ بات باہر ہو تو پھر حدیث سے تلاش کرے کیونکہ حدیث بالکل قرآن کی تفسیر ہی ہے اگر حدیث میں نہ پائے تو پھر اقوال صحابہ میں تلاش کرے کیونکہ ان کی تفسیر بمنزلہ حدیث مرفوع کے ہے۔

دوسری شرط مفسر کے لئے یہ ہے کہ وہ اعتقاد صحیح اور لزوم سنت پر مستقیم ہو۔ ورنہ اگر اعتقاد میں کوئی نقص ہوگا تو یہ خرابی اس کو اسرار آلہی تک نہ پہنچا سکے گی بلکہ وہ شکوک و اوہام اور فتنوں میں پڑ جائے گا اور قرآن کریم کو اپنے عقائد باطلہ اور خیالات ناقصہ کا آماجگاہ بنائے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اس تفسیر پر اعتماد کرے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور صحابہ اور تابعین سے وارد ہو۔ جدید قول اور حدث بدعت سے اجتناب کرے۔ اگر کسی آیت کی تفسیر میں اقوال صحابہ رضؓ متعارض نظر آویں تو حتی الامکان اس تعارض کو جمع کرے مثلاً "الصراط المستقیم" کی تفسیر میں اقوال مختلفہ ہیں مگر مرجع سب کا ایک ہی ہے اگرچہ عبارات مختلف ہیں پس اس میں ایسا قول اختیار کرے جس میں سب اقوال جمع ہو سکتے ہوں۔ اگر ان اقوال میں موافقت ممکن نہ ہو تو تفسیر مسموع مرفوع کو تلاش کرے اگر مرفوع حدیث بھی نہ ملے تو پھر موافق قواعد اصول کے کسی قول کو ترجیح و تقویت دے لے بعض محققین علماء تو کہتے ہیں کہ فی الحقیقت اقوال صحابہؓ میں تعارض

ہی نہیں البتہ اُن کا مفہوم دریافت کرنا مشکل ہوتا ہے اور ان کے وجوہ پر اطلاع پانا دشوار ہوتا ہے
چوتھی شرط یہ ہے کہ مفسر راسخ فی العلم یعنی عالم با عمل ہو۔ راسخ فی العلم کو اللہ تعالےٰ بعض علوم عطا فرماتا ہے سو وہ بعض ایسے اسرار سمجھتے ہیں۔ جو دوسرے نہیں سمجھتے۔ راسخ فی العلم کا قلب منور اور محفوظ ہوتا ہے۔ وہ مشکل مقامات اور متشابہات میں ٹھوکریں کھا کر صراط مستقیم سے الگ نہیں جا پڑتا بلکہ "کل من عند ربنا" کہتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے اس تسلیم و رضا اور نیاز و عبدیت کے صلہ میں ایک خاص تفہیم پاتا ہے۔ اور چونکہ اس کا قلب محفوظ ہوتا ہے اس لئے وہ وساوس ہیں شیطانیہ اور ہوائے نفس سے مامون اور مصئون رہتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "تو نے نہیں دیکھا کہ ان یہود و نصاریٰ کو تورات و انجیل سے کچھ نفع نہیں ہوتا" یعنی یہ چونکہ بے عمل ہیں اس لئے ان کتب کی تفہیم ان پر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مفسر قلب صالح رکھتا ہو۔ قلب کی اصلاح سے مراد یہ ہے کہ اس میں اعتقاد راسخ مطابق سنت و اجماع سلف ہو۔ یہ قلب کی اعلیٰ اصلاح ہے اور یہی وہ نور ربانی ہے جو مفسر کو شکوک و اوہام کی تاریکی سے بچا کر عالم اسرار و معانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ علوم و معارف کی راہیں کھولتا ہے پس مفسر کے لئے لازمی ہے کہ وہ اعتقاد میں سلف صالحین کے مطابق ہو۔ اعمال میں ثقہ ہو اور تفسیر سے غرض اصلاح و نفع اسلام اور صلاح مومنین ہو۔

مشہور تفاسیر قرآن

عربی زبان میں یہ ہیں تفسیر ابن جریر طبری۔ تفسیر کبیر امام فخرالدین رازی تفسیر بیضاوی۔ تفسیر اتقان۔ تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر مدارک۔ تفسیر سراج المنیر۔ تفسیر سواطع الالہام بے نقط۔ تفسیر عرائس البیان اور تفسیر جلالین وغیرہ۔

تفاسیر فارسی یہ ہیں۔ تفسیر حسینی۔ تفسیر عزیزی اور تفسیر یعقوب چرخی وغیرہ۔

تفاسیر اُردو یہ ہیں۔ تفسیر حقانی۔ تفسیر مواہب الرحمٰن۔ تفسیر محمدی۔ تفسیر القرآن علامہ عبدہٗ مصری احسن التفاسیر۔ عام فہم تفسیر۔ بیان القرآن۔ اور ترجمان القرآن وغیرہ۔

آج کل جس قدر مشہور تفاسیر ہیں اور جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اُن میں کوئی ایک تفسیر بھی ایسی نہیں جس پر من کل الوجوہ یقین و اعتماد کیا جا سکے اور جس کی ساری روایتیں اور تمام اقوال قطعی الثبوت ہوں اور ان میں غلطی کا احتمال نہ ہو ہمارے اس کہنے سے مراد یہ ہے کہ کوئی تفسیر ایسی نہیں جو اقوال مخبر صادق علیہ السلام اور احادیث صحیحہ کی جامع ہو اور جس میں من کل الوجوہ صحت کا التزام کیا گیا ہو

نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں صاحب بہادر فرماتے ہیں۔

اگرچہ ہم اُن مفسرین کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور اکثر کو ان میں سے اپنا پیشوا۔ امام اور مقتدا جانتے ہیں اور جو کچھ اُنہوں نے اپنی نیک نیتی اور صفائی طینت سے نیک کوششیں کیں اس کا شکر کرتے ہیں اور اپنے اوپر ان کے علم۔ تحقیقات اور تالیفات کا بڑا احسان سمجھتے ہیں اور ان کی کتابوں اور تفاسیر سے بہت بڑی مدد پاتے ہیں اور ہم کو بہت سے عمدہ اور اعلےٰ مباحث میں اُن سے فائدہ پہنچتا ہے۔ مگر باینہمہ ہم اُن کو معصوم اور محفوظ نہیں جانتے۔ ان کی رائے سمجھ۔ بیان اور تالیف کو غلطی سے مبرا نہیں سمجھتے اور مثل اپنے پیغمبر صلعم کے ان کی ہر بات پر آمنّا وصدقنا نہیں کہتے کیونکہ ہم یہ حق صرف اسی ایک کا جانتے ہیں جس کی شان میں ہمارے خدا نے فرمایا ہے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ پس اگر دوسرے کی نسبت بھی ہم ایسا ہی اعتقاد رکھیں تو حقیقت میں ہم شرک فی صفتہ النبوۃ ہیں“

یہ عقیدہ یا یہ قول ہمارا ہی نہیں ہے۔ تمام متقدمین اور سارے اگلے محدثین اور مجتہدین کا یہی عقیدہ اور یہی قول تھا بلکہ وہ اصحاب نبوی کی نسبت یہی کہتے تھے کہ ان کی روایت معصوم ہے مگر ان کی رائے معصوم نہیں ہے اور سوائے ان کے اوروں کی نسبت تو صاف کہتے تھے کانوا رجالاً ونحن رجال والامر بیننا و بینھم بحال

پس جب کسی کی رائے اور کسی کا قول ہر طرح تسلیم کرنا اور اس میں گو کیسی ہی کھلی غلطی پائی جائے مان لینا ضروری نہ ہوا تو ہر شخص کی تحقیق کرنے اور اس کے ماله ما علیہ کے سوچنے کی عقلاً اجازت ہوئی۔ پس کسی مسلمان پر بحیثیت اسلام کے کسی تفسیر کی کتاب کا بجمیع الوجوہ ماننا نہ ضروری ہے اور نہ جائز بلکہ ہر مسلمان پر خصوصاً اُس پر جو اپنی بات اور اپنے ہر عقیدہ کا جواب دینا خدا کے روبرو یقینی جانتا ہو ضرور ہے کہ وہ تحقیق کرے اور ان کتابوں کے اندر جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کی جانچ کرے جسے صحیح پائے اُسے سر اور آنکھوں پر رکھے جسے غلط پاوے اُس پر خط نسخ کھینچ دے“

تفسیروں میں جہاں تک غور کرنے سے پایا جاتا ہے سوائے اُن باتوں کے جو نقل اور سمع پر موقوف ہیں مثل اسباب نزول وغیرہ کے چند چیزیں ہیں یا احادیث رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی یا اقوال صحابہ کبار اور تابعین کے یا قصص اور اخبار یا واقعات زمانہ آئندہ کے یا استنباط مسائل اصول کی فروعی کا یا التشریح حقائق موجودات کی مطابق علوم کے احادیث نبوی جو کتب تفاسیر میں منقول ہیں اکثر بلا سلسلہ رواۃ اور بغیر ذکر اسناد کے مذکور ہیں۔ مگر بعض تفسیروں میں اس کی رعایت ہے پس جو حدیث بے سند ہے یعنی جس میں نہ راویوں کے نام نہ بیان کرنے والے کا ذکر مفسر نے کیا ہے اسکی

تنقیح کرنا اور جو حدیث بسلسلہ رواۃ مذکور ہے اس کے رواۃ کی تحقیق کرنا محقق کا کام ہے کیونکہ جب ہمارے پچھلے عالموں نے ان حدیثوں کی تحقیق کی جو تفسیروں میں بھری ہوئی ہیں تو اُنہوں نے اقرار کیا کہ تفسیر کی کتابیں نہ صرف ضعیف اور منکر حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں بلکہ موضوع حدیثوں کا مجموعہ ہے جیسا کہ علامہ عبدالرؤف فتاوی فیض القدیر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں

قال ابن الكمال كتب التفسير مشحونة بالاحاديث الموضوعة

علاوہ موضوع حدیثوں کے ضعیف اور منکر حدیثوں کا ہونا تو تفاسیر میں بعض کے نزدیک موجب قدح نہیں ہے کیونکہ بڑے بڑے اماموں محدثین نے فرمایا ہے کہ سوائے ان احادیث کے جن سے استخراج احکام ہوتا ہے اور حدیثوں کی تنقیح میں ہم نے خود تساہل کیا ہے اور بعض فرقوں نے تو حدیث کا وضع کر لینا ترغیب و ترہیب کے لئے جائز تصور کیا ہے جیسا کہ خلاصۃ الخلاصہ میں لکھا ہے

فذهب الكرامية والطائفة المبتدعة كبعض الصوفية الى جواز وضع الحديث فى الترغيب والترهيب اور تفاسیر وغیرہ میں غیر صحیح حدیثوں کو عالموں نے کچھ جان بوجھ کر ہی نہیں لکھا بلکہ انہوں نے کچھ تحقیق کرنے پر زیادہ توجہ نہیں کی اور سوائے احکام کے اور احادیث کی صحت کو کچھ بہت ضروری نہیں جانا اور دوسروں کے لکھے ہوئے اور کہے ہوئے پر اعتبار کر لیا اور یہ غلطی کچھ کم علم آدمیوں سے نہیں ہوئی بلکہ بڑے بڑے نامی مشہور محقق سے بھی یہ سہو ہو گیا جیسا کہ فیض القدیر شرح جامع صغیر میں لکھا ہے کہ وہ اسد ابن اسد کرار غیر فرار جس کے علم اور فضیلت پر سب متفق ہیں اور جس کا شہرہ مشرق و مغرب میں ہے امام الحرمین اور مولانا حجۃ الاسلام بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں اور ان کی کتابوں میں بھی موضوع حدیثیں منقول ہیں اور سبب اس کا یہ ہے کہ صدر اول مجتہدین نے کچھ اعتنا ضبط تخریج اور تمیز صحیح پر نہیں فرمایا اور باوجود ضعف بعض احادیث کے احکام کی تفریع اُن پر کر دی بلکہ موضوع حدیثیں بھی اُنہوں نے غلطی سے قبول کر لیں۔ اور حافظ زین الدین عراقی نے لکھا ہے کہ اگلے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جو حدیثیں وہ اپنی کتاب میں نقل کرتے اُن سے سکوت کر جاتے یعنی اس کے جرح کو بیان نہ کرتے اور اس کی صحت و ضعف کو ظاہر نہ کرتے یہاں تک کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث نے ایسا ہی کیا ہے یہاں تک کہ آخر امام نوویؒ پیدا ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو اس غفلت سے نکالنا چاہا۔

تفسیر بالرائے قرآن مجید کے قائم کردہ اصول نہایت مستحکم۔ صاف۔ روشن اور فطرت انسانی کے مطابق ہیں۔ اس لئے قرآن کو ماننے والی قوم اپنے ہر شعبہ

زندگی میں قرآنی اصول کو مشعل راہ ہدایت بنا سکتی ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم دین اور دنیا دونوں کے معاملات کا رہنما ہے۔ زندگی کی پُر آشوب تلاطم خیزیوں اور مصائب و آلام و تعبد و تسفل کی تاریکیوں سے بچانے والا امام مبین ہے۔ قرآنی اصول کی پیروی جہاں دینی ہدایت وسعادت کی راہیں کھولتی ہے وہاں دنیوی تفوق و برتری اور فائز المرامی و کامیابی کی بھی ضامن و کفیل ہے۔ قرآن کریم کے اصول ہر طرح کے شک و شبہ سے قطعاً پاک اور موصل الی المقصود ہیں۔ اسقدر راست اور صحیح ہیں کہ کبھی دھوکا نہیں ہو سکتا اس لئے اس کی اقتدا میں منزل مقصود کا پالینا یقینی ہے۔

قرآن کریم کی شان رہنمائی دیگر الہامی کتابوں سے جدا ہے۔ وہ اپنے متبعین سے کہتا ہے کہ اگر تمہیں میرے پیش کردہ اصولوں پہ چلنا آجائے تو دین و دنیا کی تفریق مٹ جاتی ہے وہ کام دنیا سے متعلق ہیں عین دینی ہو جاتے ہیں۔ دین اور دنیا دونوں کی بھلائی و برتری ہاتھ آجاتی ہے۔ جو لوگ حلقہ بگوش اسلام نہیں وہ مجبور ہیں کہ دین کے لئے یا تو دنیا کو چھوڑ دیں اور یا دنیا کے لئے دین سے دست بردار ہو جائیں۔ لیکن قرآن مجید کہتا ہے کہ اگر تم ایمان و یقین اور میری پیروی اختیار کرلو گے تو دونوں ہاتھ آجائیں گے۔

مگر مسلمانوں کی بدقسمتی اور قرآن مجید کے فہم و عمل سے دوری ملاحظہ ہو کہ ان کے دینی رہنما بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ یا تو دین پر بھوکے ننگے قناعت کئے رہو اور یا دنیا کے ہی ہو رہو تم ایک ساتھ پکے دیندار اور پکے دنیا دار نہیں بن سکتے۔ عقبیٰ کی دولتوں سے تو ان کے دامن بھرے ہوئے ہیں اور وہ نجات کے حقدار اور جنت کے ٹھیکیدار ہیں۔ مگر دنیا ان کی کالی ہے۔ گویا ان کے فہم و عمل کی ایک آنکھ تو کھلی ہے۔ مگر دوسری پر تقلید کا جال چھایا ہوا ہے۔ آہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ

ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا

تو کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔ حسرت و ارمان سے بھری ہوئی اک آہ نکلتی ہے اور اس قرآن ماننے والی قوم پر رونا آتا ہے جو کل تک شان جمی اور آن کئی اور قیصر و کسریٰ کی بادشاہتوں کی مالک تھی اور آج وہ عیش و آرام اور دنیاوی دولت و سرفرازی کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر وظیفوں تعویزوں اور دست غیبوں سے اپنا دل بہلا رہی ہے ؎

قوم کی پستی کا سمجھے ہیں وظیفوں میں علاج ۔۔۔ نسخہ اچھا ہو نہ ہو ہے مثل تریاق از عراق

مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ قرآن مقدس گلوں میں حمائل کئے ہوئے مجاہدانہ انداز میں دنیا کے ہر حصہ میں اس غرض سے پھیل جاتے کہ قرآن مقدس کی تعلیمات اور اس کے فہم و عمل کے ذریعہ

دنیا میں حقیقی امن وامان ہو اور دین و دنیا کی ترقی کا سامان فراہم کیا جائے ۔ وہ کچھ لینے کے لئے یورپ نہیں بلکہ اقوام عالم کے پاس کچھ دینے کے لئے جائیں اور آج ان کی ترقی یافتہ اقوام کے مقابلہ میں یہ حالت ہے ؎

وہ کارزار دہر میں ہیں سخت کوش عشق — ہم جور کو سمجھتے ہیں نازِ یار
وہ اپنی سعی سے ہیں زمانہ میں سرفراز — ہم اپنی غفلتوں سے ہیں پامالِ روزگار
اغیار کا تو دامنِ اُمید ہے دراز — ہم کر رہے ہیں اپنی تمنا کا اختصار
وہ ہیں عمل سے فاعل مختار دہر میں — ہم ہیں رہین مسئلہ جبر و اختصار
اک وہ ہیں اور قوتِ بازو پہ اعتماد — اک ہم ہیں اور لطیفہ غیبی کا انتظار
تدبیر سے اُنہیں تو میسر ہے عیش نقد — ہم ہیں کہ کھائے بیٹھے ہیں تقدیر پر اُدھار

قومے بہ جد وجہد گرفتند وصل دوست
قومے دگر حوالہ بہ تقدیر می کنند

ہمیں غور وفکر کرنا چاہئے کہ آخر یہ کیا وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف کرام تو قرآن کو مان کر اوج ثریا سے باتیں کر رہے تھے اور ہم قرآن کو مان کر قعر مذلت میں پڑے ہوئے ٹامک ٹوئے مار رہے ہیں۔ سوچنا چاہئے کہ یہ خرابی اس لئے پیدا ہوئی اور یہ خران ومحرومی اس لئے ہوئی کہ علماء نے اپنے فرائض کو فراموش کر دیا ۔ حکمت ودانائی اور دین و دنیا دونوں بخشنے والی کتاب قرآن مقدس کے فہم وعمل سے پہلوتہی کر لی یعنی اکثر لوگ قرآن کے حسن ظاہر پر مر مٹے اور حسن باطن کی طرف آنکھیں بند کر لیں ۔ کچھ لوگ محض حافظ ہونے کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے ۔ کچھ لوگ تجوید وقراءت کو ہی اپنی منزل مقصود سمجھ بیٹھے اور باقی لوگ اس کی رسمی و بے معنی تلاوت کو قرآن دانی اور قرآن فہمی سمجھنے لگے ۔ حالانکہ قرآن سراپا فہم و عمل کا طالب ہے ۔ اس مطالبہ کو صحابۂ کرام نے کماحقہٗ پورا کیا تھا اور اس کے صلہ میں ان کو جو کچھ ملا تھا وہ اپنوں سے نہیں غیروں سے پوچھ لو ۔

حیرت ہے کہ مسلمانوں جیسے عاقل اور غیور قوم اتنا نہیں سمجھتی کہ ظاہری حسن کے علاوہ قرآن کا باطنی حسن بھی ہے یعنی الفاظ کے علاوہ اس کے معانی بھی ہیں اور دراصل معانی ہی کا نام قرآن ہے علاوہ ازیں قرآن کے علوم ومعارف کو تفاسیر منقولہ پر حصر کر دیا ۔ اور پھر اس کے فہم اور تفسیر پر تالے ڈال دیئے اور یہ سمجھ لیا کہ قرآن کا فہم علمائے متقدمین پر ہی ختم ہو گیا ۔ اس کتاب سے جو کچھ سمجھا جانا تھا سمجھا جا چکا ۔ ہمارے لئے تو صرف لفظوں کی تکرار اور بے عملی باقی رہ گئی ۔ قرآن کریم جو علوم اولین و

آخر بین کا مخزن ہے اس سے جس قدر علوم نکالے جا سکتے تھے نکالے جا چکے۔ خزانہ الٰہی خالی ہو چکا حالانکہ ہمیں چاہیے تھا کہ اقوال نبوی صلعم و صحابہؓ اور تابعین اور سلف صالحین کا اتباع کرتے ہوئے اور متقدمین کے بیان کردہ شرائط و قیود کی پابندی کرتے ہوئے آگے بڑھتے۔ یعنی اصول کو قائم رکھتے ہوئے فروغ میں ترقی کرتے۔ مگر اس کو گناہ اور بدعت سمجھ لیا گیا۔

قرآن کریم کے فہم و عمل سے دوری۔ غفلت و جمود اور تعطل و تقلید کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کو صرف چند رسمیات میں مبتلا ہونے کا موقع مل گیا۔ رفتہ رفتہ اسلاف کا قابل قدر تفسیری و تحقیقی اندوختہ بھی اغیار کی نذر ہو گیا۔ اور آج ہم مفلس و تہی دامن ہو کر کنکروں پتھروں پر قناعت کر بیٹھے۔ کبد نظر و فریب تخیل میں پھنس گئے اور ہر ایک زرد رنگ کی چیز کو "سونا" سمجھنے لگ گئے۔ قرآن مقدس کے دینی و دنیوی فوائد اور رہبریوں کو نظر انداز کرتے ہی یہ ہوا کہ مذہب کے بعض نادان رہنماؤں نے مذہب کو دنیا سے ایک الگ چیز بتلا کر خود دنیا کی دولت سے اپنے دامن بھرنے لگے بعضوں نے مذہب ہی کے نام پر دوسری قوموں یورپ کے ملحد فلاسفروں اور سائنسدانوں کی اندھا دھند تقلید اور اسی کو مسلمانوں کی واحد ذریعہ بتلایا۔ پرانے بزرگوں نے اپنا خون پلا پلا کر اپنی گودوں میں ان نئی روشنی والوں کو پالا مگر انہیں کے اقوال و افعال اور عادات و اطوار کا تمسخر اڑانے لگے۔ غرض آج وہ سب کچھ سامنے ہے جو نظر آ رہا ہے اور اگر یہی لیل و نہار ہیں تو ؎

"آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا"

ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن مجید کے ایسے معنے بیان کرنا جو تفاسیر منقولہ میں نہیں ہیں یا جس کو تفسیر بالرائے کہتے ہیں حرام اور گمراہی ہے ایسے شخص کو جو قرآن کی نئی تفسیر کرے اس کو منکر تفاسیر اور مخالف علماء ٹھیرایا جاتا ہے۔ ہمارے کان میں جب کوئی نئی بات پہنچتی ہے جسے ہم نے پہلے کبھی نہ سُنا ہو تو ماسمعنا بھذا فی اٰبائنا الاولین کہہ کر علی العموم تمام کہنے والوں کو کافر اور مرتد ٹھیرانے لگتے ہیں اور قد کفر کا شور مچانے لگتے ہیں مگر جب ہم علمائے متقدمین کے اقوال پر غور کرتے ہیں تو صاف نظر آ جاتا ہے کہ اُنہوں نے تفسیر بالرائے کی اجازت دی ہے۔ اب ہم حیران ہیں کہ ہم علمائے متقدمین کی تحقیق کو مایہ ناز اور قابل اطمینان سمجھیں یا علمائے متاخرین کی تحقیق کو زمانہ حال کے محققین کے لئے یہ ایک مشکل اور کٹھن مرحلہ ہے۔ ایک طرف تقلید کی زبردست زنجیریں ہیں دوسری طرف قوائے فکری کی پروازی ہے۔ لہٰذا اس بارے میں ہم یقیناً یا اثباتاً کوئی پہلو اختیار کئے بغیر صرف علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ

کی تحقیق اور رائے پیش کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ناظرین خود غور و فکر کر کے صحیح عقیدے پر قائم ہو جائیں البتہ اتنا ہم ضرور کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ایسی تفسیر بیان کرنا جن میں مفسر کے شرائط و قیود کو بالائے طاق دھر دیا جائے۔ قرآنی آیات اور فلسفہ جدید میں کھینچ تان کر تطابق پیدا کیا جائے! اقوال نبوی صحابہؓ اور تابعین کو پیچھے چھوڑ دیا جائے۔ اپنے ماضی سے رشتہ توڑ دیا جائے۔ اسلامی تہذیب اور روایات کا خاکہ اڑایا جائے اور اپنے اسلاف کے ماحول کو پست قرار دیکر اس سے برأت کا اظہار کیا جائے تو ایسا نظر و اجتہاد اور تفسیر یقیناً گمراہی اور اسلام کے ساتھ بغاوت ہے۔ جیسا کہ آج عالی تجدد پرور حضرات کی طرف سے ہو رہا ہے۔ اب ہم احیاء العلوم کے باب "الباب الرابع فی فہم القرآن و تفسیرہ بالرأی من غیر نقل صفحہ ۲۳۳ کا ضروری خلاصہ درج کرتے ہیں۔ ناظرین بغور مطالعہ فرمائیں۔

تفسیر بالرّائے اور حضرت امام غزالیؒ

حضرت امام صاحب فرماتے ہیں کہ شاید تم یہ کہو کہ تفسیر بالرائے کیسے جائز ہو سکتی ہے جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من فسر القرآن برائہ فلیتبوأ مقعدہ من النار جو کوئی اپنی رائے سے تفسیر کرے اس کو چاہئے کہ وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنالے اور علمائے تفسیر ظاہری نے سختی کے ساتھ اُن تفسیروں کی برائی کی ہے جو اہل تصوف کی طرف منسوب ہیں اور جن میں متصوفین نے کلمات قرآن کی ایسی تاویل کی ہے جو خلاف نقل ہے۔ اور تمام اہل تفسیر اس بات کے قائل ہیں کہ تفسیر بالرائے کفر ہے۔ پس اگر اہل تفسیر کا یہ قول صحیح ہے تو پھر فہم قرآن کے کیا معنے ہیں۔ سوائے اس کے کہ تفاسیر منقولہ ہی کو حفظ کر لیا جائے اور اگر اُن کا یہ قول صحیح نہیں ہے تو پھر مذکورہ بالا ارشاد نبوی صلعم کے کیا معنے ہیں۔

اس زعم کے جواب میں امام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص یہ زعم کرتا ہے کہ قرآن کے معنے سوائے تفسیر ظاہر کے اور کوئی نہیں تو وہ اپنے نفس یعنی فہم کی حد سے خبر دے رہا ہے۔ سو وہ اپنے قصور فہم کی خبر دینے میں تو مصیبت ہے اور تمام لوگوں پر یہ حکم لگانے میں مخطی ہے کیونکہ اخبار و آثار سے ثابت ہے کہ قرآن کے معانی ارباب فہم کے لئے فراخ ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ان للقرآن ظہراً و بطناً و حداً و مطلعاً کہ قرآن کا ایک ہے۔ ایک باطن ہے۔ ایک حد ہے اور ایک مطلع ہے۔ نیز حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے جو علمائے تفسیر میں پس ظہر، بطن، حد اور مطلع کے کیا معنے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو سورہ فاتحہ کی

تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں حالانکہ اس کے مقابلہ میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر نہایت مختصر ہے۔ حضرت ابو الدرداء فرماتے ہیں کہ آدمی اُس وقت تک فقیہ نہیں ہوتا جب تک وہ قرآن کے وجوہ سے واقف نہ ہو بعض علماء کہتے ہیں کہ ہر آیت کے ستر ہزار معانی ہیں حالانکہ تفسیر ظاہری میں چند معانی ہیں حضرت ابن مسعود کا قول ہے من اراد علم الاولین والاخرین فلیتثور القرآن جو علوم اولین و آخرین کا ارادہ کرے اُس کو چاہئے کہ وہ علوم قرآن سے بحث کرے اور یہ بات صرف تفسیر ظاہری سے حاصل نہیں ہوسکتی۔

ان دلائل و شواہد کے نقل کرنے کے بعد حضرت امام صاحب لکھتے ہیں۔

فالعلوم کلها داخلة فی افعال الله عز وجل وصفاته وفی القرآن شرح ذاته وافعاله وصفاته وهذه العلوم لانهاية لها وفی القرآن اشارة الی مجامعها۔

تمام علوم افعال و صفات الٰہی میں داخل ہیں اور قرآن کریم میں افعال و صفات الٰہی کی ہی بحث ہے اور ان علوم کی کوئی نہایت اور قرآن کریم میں اُن جملہ علوم کی طرف اشارہ ہے۔ . . . . .

. . . .

حالانکہ تفسیر ظاہری تمام علوم کی طرف اشارہ نہیں کرتی پس لامحالہ ان مقامات کی تفصیل کیلئے فہم قرآن میں تعمق کرنا پڑے گا۔ قرآن کریم میں جملہ علوم کی طرف اشارات و دلالات ہیں جو ارباب فہم کیلئے خاص ہیں پس تفصیل بالرائے کی کیسے نفی کی جاسکتی ہے اسی واسطے حضور کا ارشاد ہے اقرءوا القرآن والتمسوا غرائبه قرآن پڑھو اور ان کے غرائب تلاش کرو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے مجھے مبعوث کیا ہے کہ میری امت اصل دین سے بھٹک جائیگی اور وہ بہتر فرقوں میں منقسم ہوجائے گی یہ تمام فرقے ضال اور مضل ہونگے اور لوگوں کو دوزخ کی طرف بلائیں گے پس جب ایسا زمانہ آئے تو تم کتاب اللہ عزوجل کو لازم پکڑنا۔ کیونکہ قرآن میں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور جو تمہارے بعد آئیں گے اُن سب کے حالات ہیں اور وہ تمہارا حکم ہے۔ جو اس کو جان بوجھکر توڑے گا۔ (یعنی مجبوری کی حالت میں) ڈال دیگا اللہ عزوجل اس کی شوکت و قوت کو توڑ دیگا۔ جو علم کو سوائے قرآن کے اور کہیں سے ڈھونڈے گا اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کردے گا۔ یہ اللہ کی رسی ہے اُس کا نور مبین ہے۔ بیماروں کے لئے شفا ہے (یعنی قلوب ارواح کی بیماریوں شکوک واوہام کو دور کرتا ہے) وہ

وساوس و اوہام سے محفوظ ہو گیا جس نے اس سے تمسک کیا اس نے نجات پائی جس نے اسکا اتباع کیا۔ اس کا ٹیڑھا پن اور کجی دور ہو جائے گی اور وہ صراط مستقیم پر مستقیم ہو جائے گا۔ اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے اور یہ کثرت تلاوت سے پرانا نہ ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اختلاف امت و تفرقہ کی خبر دی تو میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کہ اگر ایسا زمانہ مجھے ملے تو میں کیا کروں۔ فرمایا قرآن کی تلاوت کو لازمی پکڑنا اور اُس پر عمل کرنا اس میں تمہاری نجات ہوگی۔

فہم قرآن کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہ کا یہ فرمانا کہ اگر میں چاہوں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ لاد دوں اس امر پر اشارہ کرتا ہے کہ قرآن کریم میں جملہ علوم ہیں حضرت ابن عباسؓ وَمَن یُّؤتَ الحِکمَةَ فَقَد اُوتِیَ خَیرًا کَثِیرًا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فہم قرآن ہے۔

اب اُن آثار اخبار کے متعلق جن میں تفسیر بالرائے کی نہی کی گئی ہے ان کے متعلق امام صاحب فرماتے ہیں۔

"اس نہی سے دو ہی باتیں مراد ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ کہ اس سے مراد نقل پر بس کرنا اور استنباط و تفہم کا ترک کر دینا۔ یا اس کے علاوہ کچھ اور مراد ہے۔ سو یہ امر تو قطعا باطل ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ سوائے نقل و سماع کے قرآن کی اور کوئی تفسیر نہ کی جائے۔ ان وجوہات کی بنا پر۔

اوّل۔ تفسیر ظاہری کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مسموع ہو اور سلسلہ اسناد آپ پر ختم ہوتا ہو اور یہ قید قرآن کریم کی تمام تفسیر میں نہیں نبھ سکتی کیونکہ حضور سے تمام قرآن کی تفسیر مسموع نہیں پس جو تفسیر ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ اپنی طرف سے کرتے ہیں اس کو بھی قبول نہیں کرنا چاہیے اور کہنا چاہیے کہ ان کی تفسیر بالرائے ہے کیونکہ انہوں نے وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں سُنی۔

دوئم۔ بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن میں صحابہ کے مختلف اقوال ہیں اور ان کے پانچ پانچ چھ چھ معنے نقل ہوئے ہیں جن کا باہم جمع کرنا اور سب کا مسموع ہونا محال ہے۔ اگر ایک صحابیؓ نے سُنا تو باقیوں نے اس کو ترک کیا پس قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ ہر ایک مفسر نے جو معنے اس کی سمجھ میں آئے وہی بیان کئے۔ جو حروف اوائل سور میں ہیں یعنی حروف مقطعات ان کے معنی میں مختلف اقوال ہیں جن کا باہمی جمع ہونا ناممکن ہے نیز تمام اقوال کا مسموع ہونا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

سوئم۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے دعا کی تھی کہ اے اللہ اسکو دین کی سمجھ عطا فرما اور علم تاویل عطا فرما پس اگر تاویل بھی مانند "تنزیل" کے مسموع اور محفوظ تھی تو اس تخصیص کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟۔

چہارم۔ اللہ پاک فرماتے ہیں لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ۔ اس آیت سے اہل علم کے لئے قرآن سے استنباط کرنا ثابت ہوگیا اور یہ امر معلوم ہے کہ استنباط سماع کے علاوہ ہے۔

اس کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں۔

"اور یہ تمام آثار جو ہم نے فہم قرآن کے بارے میں نقل کئے ہیں مذکورہ بالا خیال (تفسیر بالرائے کے ممنوع) کے مناقض ہیں پس یہ شرط بھی باطل ہوگئی کہ تاویل سماع شرط ہے اور ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ وہ بقدر فہم و عقل قرآن سے استنباط کرے"۔

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو تفسیر بالرائے سے منع کیا ہے وہ دو وجہ سے۔ ایک تو اس طرح کہ کسی چیز میں اس کی کوئی رائے ہو اور اسی کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور خواہش نفس کے مطابق قرآن کریم کی تاویل کردے تاکہ اپنے اغراض فاسدہ کی تکمیل کرے اور دوسروں پر حجت قائم کر سکے۔ اگر اس کی پہلے سے کوئی رائے یا غرض نہ ہوتی تو قرآن کریم کے وہ خلاف حقیقت معنے جو اس کے ذہن میں ہیں اور جن کو وہ اپنے اغراض کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے ظاہر نہ ہوتے اور قرآن کی آیتوں کو اپنے اغراض کے مطابق استعمال کرنا دو طرح پر ہوتا ہے کبھی تو یہ جانتے ہوئے کہ آیات کا مفہوم وہ نہیں جو وہ لینا چاہتا ہے مگر پھر بھی بدعت کی تصحیح اور اپنے خصم پر حجت قائم کرنے کے لئے وہی خلاف منشار الٰہی معنے مراد لیتا ہے۔ اور کبھی تفسیر بالرائے بہ قائلہ مع الجہل ہوتی ہے یعنی ناواقفی کی حالت میں ہوتی ہے۔ آیت کئی معنوں کو محتمل ہوتی ہے مگر وہ اپنی غرض کے مطابق معنوں کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ بھی تفسیر بالرائے ہے۔ اگر اس کی کوئی خاص رائے نہ ہوتی تو وہ اُس جانب کو ترجیح نہ دیتا۔ کبھی غرض صحیح پر قرآن سے دلیل لانے اور استدلال کرنے کے لئے خلاف مراد معنے لئے جاتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص استغفار بالاسحار پر حضور کے قول تسحروا فان فی السحور برکۃ سے استدلال کرے کہ اسحر سے مراد ذکر ہے حالانکہ وہ جانتا ہے اس سے مراد صبح کا کھانا ہے اور جیسے اذھب الی فرعون انہ طغیٰ میں فرعون سے مراد اپنا نفس لے۔ ایسا استدلال اکثر واعظین مقاصد صحیحہ کے لئے اور ترغیب و ترہیب کے لئے استعمال کرتے ہیں اور یہ ممنوع ہے۔

اس کے بعد امام صاحب فرماتے ہیں۔

اور بالرائے سے مراد رائے فاسدہ موافق اغراض کے بغیر اجتہاد صحیح کے بھی ہو سکتی ہے اور رائے صحیح بھی ہو سکتی ہے۔ فاسد بھی اور اتباع نفس کے لئے بھی سو حضور نے رائے سے آخر الذکر کی تخصیص کر دی ہے۔

امام حجۃ الاسلام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "تفسیر قرآن برائے کے یہ معنے ہیں کہ اس کی غرض اور سمجھ میں ایک مطلب کا بیان کرنا ہو اور وہ اس پر قرآن کی گواہی لاوے اور قرآن مجید کو ایسے مطلب پر لے جاوے کہ اس مطلب میں آیت کے نازل ہونے پر نہ لفظوں کے لغوی معنے دلالت کریں اور نہ کوئی نقلی روایت موجود ہو۔ بلاشبہ اس طرح پر قرآن کی تفسیر منع اور حرام ہے۔"

اور اسے یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ قرآن کی تفسیر استنباط اور غور و فکر سے بھی کرنی منع ہے کیونکہ بہت سی آیتیں ایسی ہیں کہ ان کے کئی کئی معنی صحابہؓ اور مفسرینؒ سے نقل ہوئے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی رسول خدا صلعم سے نہیں سُنا اور وہ معنی آپس میں ایک دوسرے کے برعکس ہی ہوتے ہیں اور سب کے سب صحیح نہیں ہو سکتے اور اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے غور اور اپنی اپنی سمجھ سے نکالے تھے اسی لئے رسول اللہ صلعم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دی کہ اللہ اس کو دین میں سمجھدار کرے اور اس کو قرآن کے معنی بیان کر سکھائے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"بہت سے دقیق معنے اور قرآن کے بھید ایسے ہیں کہ غور و فکر کرنے والوں کے دل میں آتے ہیں کہ ان سے تفسیر کی کتابیں بالکل خالی ہیں اور بڑے بڑے مفسرین کو بھی ان کی خبر نہیں ہوئی"

امام صاحب کی تحقیق بلیغ کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن مقدس کے معنوں میں غور کرنا۔ اس کے الفاظ، معانی اور مطالب کی تحقیق کرنا اور صرف اگلے مفسرین کی پیروی ہی نہ کرنا منع نہیں ہے اور نہ ایسا کرنا تفسیر بالرائے ہے اس لئے کہ تفسیر بالرائے میں یہ بات ضروری ہے کہ الفاظ کے لغوی معنے یا نقل اس پر دلالت نہ کرتے ہوں مگر ساتھ ہی امام صاحب نقل و سماع کی پابندی کی بھی سختی سے تاکید کرتے ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"پس جو شخص تفسیر ظاہری میں واقفیت اور پختگی نہیں پیدا کرتا اور صرف عربی زبان سے واقفیت کی بنا پر استنباط معانی میں جلدی کرنے لگتا ہے وہ بہت غلطیاں کرتا ہے اور جو لوگ تفسیر بالرائے کرتے ہیں ان کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے۔ لہٰذا نقل و سماع کا اتباع لازمی ہے تاکہ تفسیر ظاہری اس کو غلطیوں کے مقاموں سے بچالے۔ اس کے بعد قرآن کو سمجھنے اور استنباط مسائل کرنے کی

کوشش کرے۔ اور قرآن کے غرائب بغیر سماع کے نہیں سمجھے جا سکتے۔

یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ تفسیر ظاہری کے حفظ میں کوتاہی یا سستی کی جائے اور قبل احکام ظاہری کے قرآن کے باطن تک پہنچنے کی کوشش نہ کرے۔ اور جو شخص بغیر تفسیر ظاہری کے فہم قرآن اور قرآن اور اس کے اسرار سمجھنے کا دعوی کرتا ہے وہ مانند اس شخص کے ہے جو کسی مکان کے دروازے میں گھستے ہی بیچ مکان میں پہنچ جانے کا دعوی کرنے لگے۔ اور جن سماعی علوم وفنون کی پابندی لازمی ہیں وہ بہت سے ہیں۔ ان میں سے ایجاز بالحذف اور اضمار ہیں۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے واٰتینا ثمود الناقة۔ اسکے معنی ہیں آیة مبصرة پس انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ بسبب ارادہ قتل کے سو عربی زبان سے واقفیت رکھنے والا ظاہر آیت سے یہ خیال کرے گا کہ اونٹنی دیکھنے والی تھی اندھی نہ تھی اور یہ معلوم نہ کر سکے گا کہ کس طرح ظلم کیا۔ اس پر غیروں نے ظلم کیا یا خود انہوں نے۔ ایسے ہی اللہ تعالے کا قول ہے۔ وَاُشْرِبُوْا کہ ان کے قلبوں میں بچھڑے کی محبت پلا دی گئی۔ اس میں حب العجل کو حذف کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح حضرت امام صاحب نے بہت سی مثالیں دیکر ثابت کیا ہے کہ بغیر نقل وسماع کے قرآن کے حقائق ومعارف کا سمجھنا ناممکن ہے۔

امام حجۃ الاسلام کی تحقیق کی بناء پر ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں جو نئے نئے مجتہد پیدا ہو رہے ہیں اور مسائل اسلام اور فلسفہ جدید میں تطابق پیدا کرنے کے لئے زبردستی قرآنی آیات کو مسخ کر رہے ہیں وہ یقیناً اسلام سے غداری کر رہے ہیں۔ بہت تھوڑے ہیں ایسے لوگ جو مذکورہ بالا شرائط کی پابندی کرتے ہوئے قرآنی علوم ومعارف اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

تفسیر اور تاویل کا فرق

تفسیر ہی کی ایک قسم تاویل ہے۔ تاویل کے معنی رجوع کے ہیں۔ چونکہ آیت کو اس کے معانی محتملہ پر پلٹایا جاتا ہے اس لئے اس کو تاویل کہتے ہیں۔ تاویل اور تفسیر کے اطلاق میں اختلاف ہے۔ ابو عبیدہ ابن اعرابی وغیرہ کے نزدیک دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ راغب کے نزدیک تفسیر تاویل سے عام ہے۔ تفسیر کا اکثر استعمال الفاظ اور مفردات لغت کی توضیح کے لئے اور تاویل کا معانی اور جملوں کی تشریح کے لئے ہے۔

ابوالمنصور ماتریدی کا قول ہے کہ تفسیر کا اطلاق الفاظ کے ایسے معانی پر ہوتا ہے جن پر یہ باور کرنے کے لئے کافی شہادتیں موجود ہوں کہ اللہ تعالے نے اس لفظ کے یہی معنی مراد لئے

ہیں۔ اگر اس معنی پر کوئی قطعی دلیل قائم ہو جائے تو یہ تفسیر ہے اور تاویل الفاظ کے متعدد محتملہ میں سے کسی ایک معنی کو بلا کسی دلیل و رحجت کے ترجیح دینے کو کہتے ہیں۔ اسی فرق کے لحاظ سے بالرائے ممنوع ہے لیکن تاویل بالرائے جائز ہے۔

بعض علمانے تفسیر اور تاویل میں اس طرح بھی فرق کیا ہے کہ تفسیر کا تعلق روایت سے ہے اور تاویل کا درایت ہے۔

حدیث

حدیث کی تعریف

حدیث لغت میں ہر نو پید چیز کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح محدثین میں ہر وہ قول۔ فعل۔ تقریر اور صفت جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو حدیث ہے۔

یہ تعریف حدیث کی دونوں قسموں قوی و ضعیف کو شامل ہے۔ مگر صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال و افعال اور تقریرات و صفات کو شامل نہیں۔

خبر۔ جمہور اصولیین کے نزدیک خبر و حدیث دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں۔ مگر بعض حدیث کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال۔ افعال اور احوال وغیرہ منقولہ کے ساتھ۔ اور خبر کو آپ کے سوا دیگر لوگوں کے احوال مرویہ کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں۔ اسی واسطے مشتغل بالتواریخ والقصص کو اخباری یا مورخ اور مشتغل بالسنتہ کو محدث کہتے ہیں۔

الاسناد۔ سند کے ذکر اور متن کے طریق کی حکایت کا نام ہے۔ کبھی کبھی اسناد بمعنی سند کو بھی مستعمل ہوتا ہے۔

المتن۔ وہ کلام جس پر حکایت مذکورہ ختم ہو۔ (نخبتہ الفکر)

تقسیم حدیث بلحاظ وصول الی الراوی

باعتبار اس بات کے کہ راوی تک اصل حدیث کس طرح پہنچی۔ چار قسم پر ہے

(۱) **متواتر**۔ وہ حدیث جو اصل مروی عنہ سے اس راوی تک اس طرح پہنچی کہ ہر زمانہ میں اُسے ایک ایسی جماعت روایت کرتی چلی آئی ہے جس کا جھوٹ اور افترا پر اتفاق کر لینا عادۃً محال و ناممکن ہو۔ اور اس کی انتہا کسی امر محسوس و مشاہدہ پر ہونے کے علاوہ وہ سامع کے لئے مفید علم یقینی ضروری بھی ہو۔ اگر مفید علم یقینی ضروری نہ ہو تو اس کو مشہور کہتے ہیں نہ کہ متواتر۔ پس ہر متواتر مشہور ہو گی۔ مگر ہر مشہور متواتر نہ ہو سکی

بعض لوگ خبر متواتر کے مفید علم ہونے کا انکار کرتے ہیں اور مفید علم استدلالی ہونے کے قائل ہیں مفید علم ضروری اُس علم کو کہتے ہیں جو ہر عالم اور جاہل کو حاصل ہو جائے اور علم استدلالی اس علم کو کہتے ہیں جس میں ترتیب امور معلومہ سے کسی امر مجہول کو دریافت کرنا۔ سو اس امر میں صحیح قول یہ ہے کہ تواتر سے علم ضروری حاصل ہوتا ہے۔ اور ہر عالم و جاہل کے لئے مفید یقین ہے

دوسرے لفظوں میں متواتر اور مشہور کی یوں تعریف کی جاسکتی ہے کہ متواتر وہ حدیث ہے جس کے رواۃ یعنی اس کو بیان کرنے والے پہلے روایت یعنی صحابہ کے زمانہ میں اس کثرت سے ہوں جن کے تواتر علی الکذب کا گمان نہ ہوسکے یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیشمار لوگوں نے روایت کی ہو اور طبقۂ اول سے لیکر آخر زمانہ تک اسی طرح لوگ روایت کرتے چلے آئے ہوں۔ اس قسم کی حدیث کو متواتر کہتے ہیں۔ اور مشہور وہ حدیث ہے جس کے راوی پہلے طبقہ میں تو بہت نہ ہوں لیکن دوسرے طبقہ سے لیکر آخیر تک اسی طرح لوگ روایت کرتے چلے آئے ہوں جیسے متواتر کو

بعض لوگوں نے مثلاً ابن حبانؒ وغیرہ نے متواتر کے وجود سے ہی انکار کردیا ہے لیکن یہ دعوی ہی غلط ہے کیونکہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں بہت سی ایسی احادیث ہیں جو متفقہ طور پر ایسے طریق سے مروی ہیں جن کا توافق بر کذب عادۃً محال ہے اور جن پر تمام دنیا کے علماء کا اتفاق اس وقت سے لیکر اب تک ہے۔ پس یہ دعوی غلط اور ملت مسلمہ میں رخنہ اندازی کرنا ہے۔

(۲) **مشہور و مستفیض**۔ اگر راوی تک حدیث دو سے زیادہ طریقوں سے پہنچی ہو تو وہ محدثین کے نزدیک مشہور اور فقہاء کے نزدیک مستفیض کہلاتی ہے۔

(۳) **عزیز**۔ وہ حدیث جس کے راوی کسی طبقہ میں بھی دو سے کم نہ ہوئے ہوں اور حد شہرت کو نہ پہنچی ہو۔ وہ حدیث عزیز ہے

حاکم و جبائی نے حدیث کی صحت کے لئے یہ شرط قرار دی ہے کہ اس کے راوی دو سے کم نہ ہوں

(۴) **غریب**۔ وہ حدیث جس کے سلسلہ اسناد میں کہیں نہ کہیں راوی کا نقل حدیث میں تفرد یعنی ایک ہونا پایا جائے

متواتر کے سوا باقی تینوں اقسام مشہور۔ عزیز اور غریب کو اخبار احاد کہتے ہیں یعنی خبر واحد وہ ہے جو جامع شروط تواتر نہ ہو۔

خبر واحد بھی دو قسم پر ہے۔ مقبول و مردود۔ اگر راوی میں صدق و عدالت کی جانب راجح ہوئی یعنی راوی کا سچا ہونا ثابت ہو گیا تو مقبول ہے ورنہ مردود۔ اگر راوی کا جھوٹا یا سچا ہونا ثابت نہ ہو۔

تو بوجہ نہ پائے جانے صفت قبولیت کے مردود ہی ہو گی۔ حدیث مقبول عند الجمہور واجب العمل ہے اخبار احاد کے ساتھ اگر ایسے قوی آثار و قرائن پائے جائیں جو یقینی ہوں تو اخبار احاد بھی علم یقین نظری کا فائدہ بخشتے ہیں۔ اسے حدیث مقرون بالقرائن کہتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں (۱) حدیث صحیحین یعنی وہ حدیث جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی کسوٹی پر پوری اترے اور کسی دوسری صحیح حدیث کے معارض نہ ہو (۲) خبر مشہور جو ایسے طرق سے مروی ہو جس میں کسی قسم کا ضعف اور خلل نہ پایا جائے اور (۳) مسلسل بالائمہ وہ حدیث جو غریب نہ ہو اور حفاظ و محققین حدیث یکے بعد دیگرے اس کو روایت کرتے چلے آئے ہوں۔ جیسے آئمہ اربعہ

اگر مقرون بالقرائن کی یہ تینوں قسمیں جمع ہو جائیں تو پھر تو یقیناً اس سے علم ضروری حاصل ہوگا

اقسام غریب اگر غرابت یعنی ایک ہونا تابعی کے صحابی سے کرنے میں ہوئی ہو تو اُسے فرد مطلق کہتے ہیں۔ اور اگر تفرد بعد کے راویوں میں ہوا تو وہ فرد نسبی ہے۔

خبر واحد مقبول کی تقسیم خبر واحد مقبول کی چار قسمیں ہیں۔ صحیح لذاتہ۔ صحیح لغیرہ۔ حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ۔ اگر حدیث میں اعلیٰ درجہ کے صفات قبولیت ہوں تو صحیح لذاتہ ہے۔ اور صفات قبولیت تو نہ ہوں مگر کثرت طرق نے یہ کمی پوری کر دی تو وہ صحیح لغیرہ ہے اگر کثرت طرق سے یہ کمی پوری نہیں ہوئی مگر نفس شرائط قبولیت تمام موجود ہوں صرف ضبط خفیف ہوا ہو تو وہ حسن لذاتہ اور اگر صفات رد و قبول دونوں متعارض ہوئے مگر کسی قرینہ خارجیہ نے جانب قبولیت کو ترجیح دیکر اس حدیث کو درجۂ توقف سے نکال دیا تو وہ حسن لغیرہ ہے۔

صفات قبولیت یہ ہیں۔ عدالت۔ تقویٰ۔ ضبط۔ اتصال سند۔ تعلل۔ شذوذ۔

عدالت۔ اس کیفیت راسخہ در نفس ناطقہ کا نام ہے جو اس ملازمت تقویٰ اور استعمال مروۃ پر ہر وقت آمادہ کار رکھے۔

تقویٰ۔ شرک جلی و خفی اور فسق و بدعت وغیرہ اعمال بد سے کنارہ کش رہنے کا نام ہے۔

ضبط۔ یہ دو قسم ہے۔ ضبط الصدر۔ سنی ہوئی بات کو اس طرح یاد رکھنا کہ ضرورت پر بلا دقت و کاوش یاد آسکے۔ اور ضبط کتاب۔ حدیث کو سننے کے وقت سے لیکر ادا کرنے کے وقت تک یاد رکھنا اور اس کو ہر قسم کے تغیر و تبدل سے بچائے رکھنا۔

اتصال سند۔ سلسلہ روایت میں کوئی راوی بھی چھوٹا ہوا نہ ہو یعنی اس سلسلہ کا کوئی ایسا نہ ہو جس نے اس حدیث کو اپنے مروی عنہ سے روبرو نہ سُنا ہو۔

تعلّل - حدیث میں کسی ایسے نقص اور علّت کا پایا جانا جو اس حدیث رد و قدح کا موجب ہو۔
شذوذ - کسی ثقہ راوی کی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی روایت میں کسی قسم کی مخالفت کرنے کا نام ہے۔

محدثین نے تفاضل احادیث کے علی الترتیب چھ درجے مقرر کئے ہیں (۱) حدیث متفق علیہ جو صحیح بخاری اور مسلم دونوں میں ہو (۲) جو فقط بخاری میں ہو (۳) جو صرف صحیح مسلم میں ہو (۴) جو دونوں کی شرائط کے مطابق ہو (۵) جو صرف شرائط صحیح بخاری کے مطابق ہو (۶) جو صرف شروط مسلم کے مطابق ہو۔

بلحاظ صحت کے جمہور محققین محدثین کے نزدیک صحیح بخاری کو صحیح مُسلم پر ترجیح ہے اور حسن سیاق حسن تبویب اور ایراد احادیث مطابق ابواب کے لحاظ سے صحیح مُسلم کا درجہ صحیح بخاری سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ مگر حسن صحت الگ چیز اور کمال ہے اور حسن ترتیب جُدا خوبی اور کمال ہے۔

محفوظ و شاذ اگر راوی صحیح یا حسن کی زیادت ایسے راوی کی روایت کے مخالف ہو جو بلحاظ ضبط وغیرہ صفات قبولیت کے اعلیٰ و ارجح ہو تو روایت راوی ارجح کو محفوظ اور روایت مرجوع کو شاذ کہتے ہیں۔

معروف و منکر اگر کوئی ضعیف راوی قوی راوی کی مخالفت کرے تو ایسی حالت میں قوی راوی کو معروف اور ضعیف روایت کو منکر کہتے ہیں۔

مقبول کی دوسری تقسیم اگر حدیث مقبول معارضہ سے محفوظ ہے تو اس کو محکم کہتے ہیں اور اگر دو متعارض حدیثوں کو بغیر توڑے مروڑے تطبیق ممکن ہوئی تو مختلف الحدیث کہلائے گی۔ اگر بغیر تغیر و تبدّل بے راہ روی تطبیق ممکن نہ ہوئی اور ایک حدیث کا تقدم اور دوسری کا تاخر معلوم ہو گیا۔ تو مقدم کو منسوخ اور موخر کو ناسخ کہا جاتا ہے۔

اقسام مردود موجب رد یا سقوط راوی ہو گا۔ یا طعن راوی۔ پھر سقوط یا تو مبادی سند میں تصرف مصنف سے ہو گا یا آخر سند میں یعنی بعد تابعی کے یا اس کے سوا کوئی اور وجہ ہو گی۔ اگر سقوط مبادی سند میں ہوا۔ اور حدیث ساقط شدہ راوی سے سقوط متصل ہو یا منفصل اوپر کے راوی کی طرف منسوب ہو تو وہ معلق ہے۔ اب تعلیق کی کئی صورتیں ہیں حذف تمام سند۔ حذف سند بجز صحابی۔ صحابی و تابعی کے سوا سب حذف اور حذف شیخ خود و اسناد حدیث بیالائے شیخ۔

یعنی سلسلہ اسناد میں حذف ہونے کی چار صورتیں ہیں تمام سند کا حذف ہونا سوائے صحابی کے
کسی درمیانی سند کا حذف ہونا۔ صحابی و تابعی کے سوا سب اسناد کا حذف ہونا اور شیخ حدیث کا
اور ان سے اوپر کے سلسلہ کا حذف ہو جاتا۔

پس اگر سقوط بعد تابعی ہوا تو مرسل ہے یعنی تابعی یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایسا فرمایا یا ایسا کیا۔ اس میں درمیانی سند صحابی حذف ہے اور اگر دو یا دو سے زائد راوی پے در پے
حذف ہوئے تو اس کو مفصل کہتے ہیں۔

اگر صرف ایک راوی یا دو اور یا دو سے زائد متفرق مواضع سے ساقط ہوئی تو اس حدیث
کو منقطع کہا جاتا ہے اب اگر سقوط راوی بآسانی معلوم نہ ہو سکے تو وہ خفی مدلس ہے ورنہ مرسل خفی۔
مدلس کے الفاظ عام طور پر ثبوت ملاقات کو محتمل ہوتے ہیں جیسے عن فلان و قال فلان
فلاں سے اور یا فلاں نے کہا اس میں الفاظ عن اور قال دونوں ملاقات کے محتمل ہیں صراحۃً ملاقات
ثابت نہیں ہوتی پس اگر ایسے الفاظ سے روایت کیجائے جن سے صراحۃً ملاقات ثابت ہو، جیسے
سَمِعْتُ عَنْ فُلَانٍ میں نے فلاں سے سنا تو اس صورت میں تدلیس نہ ہوگی بلکہ راوی کا کذب ہوگا۔
مدلس میں صرف راوی کا مروی عنہ کا معصر ہونا کافی نہیں بلکہ ملاقات بھی شرط ہے اور
مرسل خفی میں صرف معاصرۃً ہونا یعنی مروی عنہ کے زمانہ میں ہونا کافی ہے۔ راوی کا مروی عنہ سے
ملاقاتی ہونا دو طرح سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے خود اپنے اقرار سے اور کسی ماہر ثقہ کے جزم و بیان سے

ردِّ حدیث کا دوسرا سبب

حدیث کے رد کرنے کا دوسرا سبب راوی کا مطعون ہونا ہے اور راوی پر طعن کرنا دس طرح پر ہوتا ہے۔ کذب[1]
یعنی جھوٹ۔ اتہام کذب[2]۔ فسق[3]۔ جہالت[4] اور بدعت[5]۔ یہ پانچوں اسباب طعن راوی کی عدالت پر
اثر انداز ہوتے ہیں۔ فحش غلطی[6]، غفلت[7]۔ وہم[8]۔ مخالفت ثقات[9] اور سوء الحفظ[10]۔ یہ پانچوں ضبط راوی
میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ کذب اور اتہام میں اس کا کوئی یقینی ثبوت نہیں ہوتا لیکن چونکہ غیر
حدیث میں اس کا کذب یقیناً ثابت ہوتا ہے اس لئے حدیث میں بھی وہ متہم ہو سکتا ہے اور اس پر
روایت حدیث میں اعتماد نہیں رہتا۔ فسق سے مراد وہ قولی یا فعلی فسق ہے جو مرتبہ کفر کو نہ پہونچے
اور فسق اعتقادی مانند اعتزال اور رفض یہ بدعت میں داخل ہے۔

بدعت سے مراد یہ ہے کہ کسی امر کی نسبت ایسا اعتقاد کر لینا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کے صحابہؓ سے ثابت شدہ اعتقاد کے برخلاف ہو۔

سوءالحفظ یہ ہے کہ راوی کے اغلاط اس کے صوابات سے کم نہ ہوں یعنی برابر ہوں یا زاید۔

حدیث موضوع وہ ہے جس کے راوی کا کذب فی الحدیث ثابت ہو چکا ہو کسی حدیث پر موضوعیت کا حکم اکثر بطور ظن غالب کے لگایا جاتا ہے نہ کہ بطور یقین کے۔ کیونکہ بڑے سے بڑا دروغگو بھی بعض اوقات سچ بول دیتا ہے۔

کسی حدیث موضوع کے جاننے کے چار قرائن موضوعیت ہیں۔ واضع کا حدیث بنا لینے کا خود[1] اقرار کرنا۔ حالت[2] راوی اور حالت روایت[3]۔ یعنی اس کا قرآن کریم۔ حدیث متواتر۔ اجماع قطعی اور عقل صریح کے برخلاف ہونا۔ اس کی موضوعیت کا زبردست اور یقینی قرینہ ہے۔

اقسام وضع تین ہیں۔ راوی کا اختراع کر لینا یعنی اپنی طرف سے کوئی حدیث بنا لینا دوسرے[2] کے کلام کو۔ حدیث میں شامل کر دینا اور ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قوی الاسناد سے ملا دینا۔

اسباب وضع پانچ ہیں۔ بد[1] دینی۔ کمال جہالت[2]۔ شدت تعصب[3]۔ خوشامد[4] امراء اور قصد[5] غرابت۔ یہ جمیع اقسام وضع حرام ہیں بلکہ بعض کے نزدیک عمداً جھوٹ بولنا کفر ہے۔ موضوع حدیث کا بلا تصریح موضوعیت کے بیان کرنا بھی جائز نہیں بعض جہلا صوفیہ اور بدعتی فرقے ترغیب و ترہیب کے لئے موضوع احادیث کے استعمال کرنے کو جائز کہتے ہیں لیکن ان کا یہ قول محض باطل ہے۔

حدیث متروک وہ ہے جسے متہم بالکذب روایت کرے۔

حدیث منکر جسے فاحش غلطیاں کرنے والا اور ظاہر بدکار راوی بیان کرے۔

حدیث معلل۔ اگر تتبع و تلاش سے ایسے قرائن مل جائیں جن سے ثابت ہو کہ راوی نے مرسل یا منقطع حدیث کا وصل یا ایک حدیث کا دوسری حدیث میں اندراج کر دیا ہے۔ یا ضعیف راوی کو قوی سے بدل دیا ہے تو حدیث معلل ہو جائے گی۔

حدیث کے دوسرے اقسام اگر حدیث کا سلسلہ اسناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا تو وہ حدیث مرفوع[1] ہے۔ اگر کسی صحابی پر جا کر ختم ہو گیا تو موقوف[2] اور اگر تابعی یا اس کے سوا کسی اور پر ختم ہو گیا تو وہ منقطع کہلائے گی ہو موقوف اور مقطوع کو اثر اور مسند بھی کہتے ہیں۔

مرفوع کے اقسام۔ حدیث مرفوع تین قسم ہے قولی[1] فعلی[2] اور تقریری[3]۔ پھر ان میں سے

ہر ایک دو قسم پر ہے۔ صریحی اور حکمی۔ پس اس لحاظ سے مرفوع کی چھ قسمیں ہوئیں۔ قولی صریحی۔ قولی حکمی۔ فعلی صریحی۔ فعلی حکمی۔ اور تقریری صریح۔ تقریری حکمی۔

مثلہ۔ قولی صریح یہ ہے جیسے صحابی فرمائیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح فرماتے ہوئے سُنا قولی حکمی۔ اس صحابی کا قول جو بنی اسرائیل سے راوی ہیں جیسے قیامت کے حالات اور یا کسی فعل کا مخصوص ثواب و عقاب ہونا صریحی فعلی۔ صحابی یا تابعی اس طرح کہے رائیت رسُول اللہ صلعم فعل او کان یفعل کذا یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا حکمی فعلی۔ صحابی کا وہ فعل جس میں اجتہاد وغیرہ امور کو دخل نہ ہو۔ صریحی تقریری۔ صحابی یا تابعی کا یہ کہنا فعلت او فعل بحضرته صلی اللہ علیہ وسلم کذا فلم ینکر علیہ یعنی میں نے ایسا کیا۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسا کیا گیا۔ مگر آپ نے منع نہیں کیا۔ حکمی تقریری صحابی کا یہ قول کانوا یفعلون فی زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا یعنی ہم حضور صلعم کے زمانہ میں ایسا کیا کرتے تھے۔

صحابی کی تعریف صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے عالم بیداری اور حالت ایمان میں مشرف ہوا ہو۔ اور ایمان ہی پر مرا ہو اگر درمیان میں مرتد ہو گیا مگر پھر اسلام پر مرا تو بھی صحابی سمجھا جائے گا۔

صحابی کا صحابی ہونا پانچ باتوں سے ثابت ہوتا ہے تواتر[1] سے۔ استفاضہ و شہرت[2] سے اس کے اپنے بیان[3] سے بشرطیکہ اس کی صداقت پر قران قویہ شاہد ہوں۔ کسی دوسرے صحابی کے بتلانے اور گواہی سے اور یا بعض تابعین کے بیان سے۔

تابعی کی تعریف تابعی وہ ہے جو کسی صحابی کی ملاقات سے انہیں شرائط مذکورہ بالا کے مطابق مشرف ہوا ہو۔

نوٹ۔ جنہوں نے جاہلیت اور اسلام کے دونوں زمانے پائے مگر حضور انور صلعم کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے ان کا شمار کبار تابعین میں ہے نہ کہ صحابہؓ میں (شرح نخبۃ الفکر)

حدیث کے اور بھی بہت سے اقسام ہیں جن کو ہم نے بخوف طوالت نظر انداز کر دیا ہے جس کو شوق ہو وہ اصول حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔ نیز ہم نے جرح وتعدیل کے قواعد وضوابط بھی نظر انداز کر دئے ہیں۔ صرف ضروری ضروری امور متعلقہ علم حدیث اور بیان کئے جاتے ہیں۔

حدثنا و اخبرنا وغیرہ کا بیان۔ علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ

کا قول ہے کہ اپنے شیخ سے حدیث سننے کیلئے حسب ذیل الفاظ کا استعمال کیا جاوے اور سامع اس طرح کہے۔ حدیث بیان کی ہم سے۔ خبر دی ہمکو۔ ان کو یہ کہتے ہوئے۔ ہم سے فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ ذکر کیا۔

امام نووی فرماتے ہیں۔

کان من مذهب مسلم رحمه الله الفرق بين حدثنا واخبرنا ان حدثنا لا يجوز اطلاقه الا لما سمعه من لفظ الشيخ خاصة واخبرنا لما قرئ على الشيخ۔

مسلم رحمۃ اللہ کا مذہب یہ تھا کہ حدثنا و اخبرنا میں فرق یہ ہے کہ حدثنا کا استعمال صرف خاص لفظ شیخ پر کیا جاتا ہے اور اخبرنا اس کے لئے جو شیخ پر بیان کیا جائے۔

شیوخ کا حلقہ درس نہایت وسیع ہوتا تھا حتی کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سامعین ہوتے تھے۔ ایسی حالت میں شیخ کے الفاظ کو دوسرے سامعین تک پہنچانے کیلئے جب تک آواز نہ پہنچتی تھی یہ انتظام تھا کہ متعدد نائب جابجا بٹھائے جاتے تھے کہ شیخ کے الفاظ کو دور والوں تک پہنچائیں۔ جن کو مستملی کہا جاتا تھا۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے تھے جن کے کانوں میں شیخ کا ایک لفظ بھی نہ پہنچتا تھا سامعین صرف مستملی کے الفاظ سن کر حدیث روایت کرتے تھے اس قسم کی روایتوں میں بحث ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی کے الفاظ کو سنا وہ شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہیں سو اس میں مسلم کا مذہب تو وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے یعنی حدثنا صرف اس وقت کہہ سکتا ہے جبکہ خاص شیخ کے الفاظ سُنے ہوں اور اخبرنا اس وقت جبکہ مستملی سے سُنا ہو۔ بعض آئمہ محدثین نے ان دونوں کا ایک درجہ بتایا ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں۔ کیونکہ وہ حد سے زیادہ احتیاط کیا کرتے تھے۔

روایت بالمعنیٰ

المحققین محدثین کے یہاں سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابل مسئلہ یہ ہے کہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے یا نہیں اور ایسی روایت قابل حجت ہے یا نہیں یعنی بعض تابعین نے ایک حدیث متعدد صحابہ سے سُنی۔ جس کو سب نے مختلف لفظوں میں بیان کیا لیکن مطلب ایک تھا اس کو روایت بالمعنیٰ کہتے ہیں۔ سو بعض صحابہ روایت بالمعنیٰ کو جائز سمجھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے اور بعض صحابہ مثلاً عبد اللہ بن مسعود کو روایت بالفظ پر اصرار تھا اور الفاظ کے ضبط میں حد سے زیادہ احتیاط کرتے تھے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ روایت میں

سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو رجز کرتے تھے کہ الفاظ کے ضبط میں بے پروائی نہ کریں غرض صحابہ کے زمانہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا۔ جب تابعین کا زمانہ آیا تو اس میں تابعین کے دو گروہ ہو گئے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے استاد روایت بالمعنیٰ کے قائل تھے اور آگے چلکر روایت بالمعنیٰ کے جائز ہونے پر اتفاق ہو گیا۔ مجتہدین میں سے صرف حضرت امام مالکؒ اس کے خلاف تھے۔

یہ روایت بالمعنیٰ کا جواز اس لئے ہوا کہ اگر شروع روایت باللفظ کی قید لگائی جاتی تو روایات کا دائرہ اس قدر تنگ ہو جاتا کہ مسائل احکام کی بھی گنجائش باقی نہ رہتی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی خرابی تھی کہ روایت بالمعنیٰ میں اصل روایت کا قائم رکھنا بھی دشوار تھا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ان مشکلات وحالات کا اندازہ لگا کر ایک معتدل راستہ اختیار کر لیا جس میں نہ روایت باللفظ کا دامن چھوٹتا ہے اور نہ روایت بالمعنیٰ کا یعنی آپ نے یہ قید لگائی کہ رواۃ حدیث فقیہ تغیر ہوں یعنی الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے کما حقہٗ واقف ہوں تاکہ تغیر مطالب کا احتمال باقی نہ رہے۔

اقسام علوم النبیؐ صلعم جاننا چاہئے کہ جو حدیثیں نبی کریم صلی اللہ علیہ سے روایت کی گئی ہیں اور جو کتب احادیث میں مدون ہیں اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو تبلیغ رسالت کی حیثیت سے ہیں اور اس قول خداوندی کے ماتحت ہیں۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ — یعنی جو کچھ رسول کریم صلعم ارشاد فرمائیں اس کو لیلو
وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ — اور جن چیزوں سے روکیں اُن سے باز آجاؤ۔

اس قسم میں علوم معاد وعجائب الملکوت یعنی ذات وصفات الٰہیہ جنت و دوزخ عالم برزخ وغیرہ علوم کا بیان ہوا ہے۔ اس قسم کی تمام حدیثیں وحی سے مستند ہیں یعنی ان میں حضور کے اجتہاد کو دخل نہیں اس قسم کی احادیث میں سے وہ حدیثیں بھی ہیں جن میں عبادات کے احکام بیان ہوئے ہیں ان میں بعض حدیثیں مستند الی الوحی اور بعض مستند الی الاجتہاد ہیں۔ اور اجتہاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ وحی کے ہے کیونکہ آپ معصوم تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو جملہ خطا ونسیان سے محفوظ کر لیا تھا حضور کے اجتہاد کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ منصوصات سے ہی مستنبط ہو جیسا کہ آجکل کے بعض نام نہاد مجتہد گمان کرتے ہیں۔ بلکہ اللہ پاک نے آپ کو تمام مقاصد شرع وقانون تشریع اور احکام تبلائے تھے اور ان کی تبیین آپ کے ذمہ ضروری قرار دی تھی۔

اسی قسم کی احادیث میں وہ مصالحہ مرسلہ مطلقہ شامل ہیں جن کو آپ نے موقت اور مقید نہیں

کیا یعنی ان کی حدود بیان نہیں کیں۔ مثلاً اخلاق فاضلہ صالحہ اور اس کے اضداد۔ اس کا مستند بھی غالباً اجتہاد ہی ہے اس میں فضائل الاعمال و مناقب الاعمال بھی شامل ہیں۔ اس میں بھی بعض مستند الی الوحی ہیں اور بعض مستند الی الاجتہاد۔

خلاصہ یہ کہ ایسے احکام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بحیثیت تبلیغ رسالت کے ضروری تھے اور جو احادیث تبلیغ رسالت کے ماتحت ہیں ان میں علوم معاد۔ اسرار ملکوت۔ عبادات۔ مصالح مطلقہ۔ اخلاق صالحہ۔ فضائل الاعمال اور مناقب الاعمال بیان ہوئے ہیں۔

دوسری قسم وہ جو تبلیغ رسالت کے باب میں داخل ہیں جن کے متعلق حضور صلعم کا ارشاد ہے انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیٔ من رائ فانما انا بشر یعنی میں بشر ہوں۔ جب میں تمہیں کوئی دین کے بارے میں حکم دوں تو اس کے بارے میں حکم دوں تو اس کو لازم پکڑو اور اس پر عمل کرو۔ اور اگر سوائے دین کے میں کوئی حکم دوں تو میں بشر ہوں۔ اس قسم کی احادیث میں بعض طبی قوانین بیان ہوئے ہیں اور ان کا تجربہ ہے۔ اور ایسے افعال جو حضور سے بلا قصد عبادۃً نہیں بلکہ عادتاً صادر ہوئے وہ بھی اسی قسم میں شامل ہیں۔

پس حضور کے اقوال و افعال کی تقسیم دو طرح پر ہو سکتی ہے ایک تو وہ جو تبلیغ رسالت کی حیثیت سے صادر ہوئے اور ایک وہ جو عادۃً اور مصالحہ ملیہ پر بشریت کی حیثیت سے صادر ہوئے۔ کتب حدیث ان دونوں قسم کو حاوی ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

افعال و اقوال نبوی سے اخذ شریعت کی کیفیت

امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور صلعم سے دو طرح پر شریعت حاصل کی ہے یعنی شریعت ہم تک دو طرح پر پہنچی ہے۔ ایک الفاظ ظاہری جو بذریعہ نقل کے ہم تک بطور تواتر کے پہنچے ہیں۔ تواتر لفظاً جیسے قرآن کریم اور تھوڑی سی متواتر احادیث اور دوسرا متواتر معنی مثلاً احکام طہارۃ۔ نماز۔ زکوۃ۔ روزہ۔ حج۔ خرید و فروخت۔ اور نکاح و طلاق وغیرہ مسائل جن میں فرقہ اسلامیہ میں سے کسی فرقہ کو اختلاف نہیں ہے۔ متواتر کے بعد احادیث میں سے اعلیٰ درجہ مستفیض کا ہے جس کو تین صحابیوں نے بیان کیا اور پانچویں طبقہ تک اس کے رواۃ زیادہ ہوتے گئے۔ یہ قسم کتب احادیث میں بکثرت ہے اور اس قسم پر فقہ اسلامیہ کی بنیاد ہے۔ دوسرے یہ کہ صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کہتے اور کرتے ہوئے دیکھا اس کی

خبر ہم تک پہونچائی اور حضور کے اقوال و افعال سے احکام شریعت کا استخراج کیا اور ہمیں بتلایا کہ فلاں
چیز واجب ہے اور فلاں مستحب۔ اسی طرح تابعین نے احکام شریعت کو صحابہؓ سے حاصل کیا اور صحابہؓ کے فتاوے
کو جمع کر کے ہم تک پہنچایا۔ یعنی طبقہ ثالثہ میں جاکر دین الٰہی کتب احادیث میں آیا۔

یعنی صحابہؓ نے دین اسلام اور احکام شریعت کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اور تابعین نے
صحابہ سے سیکھا اور ہم نے تابعین سے یعنی ہم تک دین اسلام کو کتابی صورت میں پہنچانے والے تابعین ہیں

جمع و تدوین احادیث کی مختصر تاریخ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کرامت عہد میں سوائے قرآن مجید کے اور احکام
شریعت کسی کتاب میں منضبط اور مندرج نہ تھے۔ اس وقت کسی صحابی نے نہ کوئی حدیث کی کتاب لکھی
نہ فقہی مسائل کو کسی صحابی نے جمع کیا اور نہ اصول حدیث اصول تفسیر اور اصول فقہ کے اصول و قواعد
مقرر کئے۔ حضور کے عہد میں عمل کی یہ صورت تھی کہ اصحاب نبوی صلعم جیسا حضور علیہ التحیۃ والثناء کو
کرتے ہوئے دیکھتے ویسا ہی خود کرتے ان کو زیادہ چھان بین اور فقہی تدقیقات سے کوئی سروکار نہ تھا
اور نہ ہی ضرورت تھی ان کا دستور العمل یہ تھا کہ حضور جو کچھ ارشاد فرماتے اور یا کسی بات کا جواب دیتے
تو اسے سنتے اور سُن کر ذہن میں محفوظ رکھتے۔ پس جو صحابی حضور کے اقوال و افعال کو یاد رکھتے
اور اس پر غور کرنے کا زیادہ شائق تھا اور زیادہ عرصہ تک حضور کی صحبت کا موقعہ ملا تھا اُس کو اوروں
کی نسبت زیادہ تعلیم پانے کا موقع ملا اور وہ اوروں سے زیادہ واقف اور فقیہہ ہوا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ گزر گیا اور صحابہؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے جو کچھ حضورؐ
کو کرتے ہوئے دیکھا تھا اور جو کچھ ان سے سُنا تھا اُسی پر عمل کیا۔ اگر کوئی جدید بات پیش آئی اور
اس میں حضور کا اسوہ حسنہ نہ ملا تو اوروں سے دریافت کر لیا اور جو لوگ کتاب و سنت سے استخراج
مسائل کر سکتے تھے وہ کتاب و سنت میں تلاش کرتے تھے اور پیش آمدہ معاملہ کو اسی پر قیاس
کر لیتے تھے اور اگر کوئی مسئلہ منصوصات سے حل نہ ہوا تو آپس میں مشورہ کر لیا کرتے تھے۔

صحابہؓ کے زمانہ میں جو نئے لوگ پیدا ہوئے یا نئے ایمان لائے انہوں نے صحابہؓ سے اسی طرح
علم دین حاصل کیا جس طرح صحابہؓ نے آنحضرت صلعم سے حاصل کیا تھا۔ صحابہؓ میں جو لوگ فقیہہ تھے انہیں
سے لوگ مسائل پوچھ لیا کرتے تھے اور احادیث نبوی کا علم حاصل کر لیا کرتے تھے۔

حضور کے زمانہ کے بعد صحابہ دور دراز ملکوں میں پھیل گئے تھے متفرق شہروں اور ملکوں میں
جا بسے تھے تاکہ خدا کے دین کی اشاعت اور تبلیغ کریں۔ اس زمانہ میں ہر ملک، ہر شہر اور ہر محلہ

کے لوگوں نے اپنے اپنے یہاں کے صحابی سے احادیث نبوی اور مسائل شرعی کو سیکھا۔ اس زمانہ کے لوگ پاک طینت، سیدھے سادے اور ہر طرح پاک وصاف تھے اور ان کی نظر صرف عمل پر تھی۔ دماغی کاوشوں، معنوی کھینچ کاویوں، نئی نئی تدقیقات اور جدید جدید مصطلحات کا رواج نہ ہوا تھا اور منطقی دلائل اور فلسفیانہ خیالات کی ابتداء نہ ہوئی تھی اس لئے دینی معاملات میں روزمرہ کی کارروائی اور حاجت براری کے لئے ہر شہر میں ایک ایک عالم کافی تھا جو لوگ بعد میں جاکر تابعین کے نام سے مشہور ہوئے وہ علم دین حاصل کرنے اور علم حدیث حاصل کرنے کے نہایت شائق تھے وہ صحابہؓ سے علم دین حاصل کرتے اور تابعین سے عوام الناس مسائل پوچھتے تھے۔ جب صحابہؓ کا زمانہ نہ رہا تو وہی لوگ یعنی تابعین اپنے اپنے شہر کے عالم اور محدث ہو گئے اور وہی مفتی وفقیہہ مشہور ہوئے۔

صحابہؓ کے زمانہ کے بعد تابعین کا زمانہ آیا تو انہوں نے بھی اسی طور سے اپنے اپنے شہر کے مشہور اور نامی فقہا سے جو تابعین میں سے تھے تعلیم پائی اور فقہ وحدیث کو سکھا۔ ہر شہر اور ہر مقام کا ایک امام عالم اور فقیہہ تھا۔ جو لوگ اپنے اپنے شہر کے اماموں کے فتووں پر عمل کرتے تھے اور ان کی سند سے احادیث کو روایت کرتے تھے وہ اسی امام کی طرف منسوب ہوتے تھے اور اس عالم کے مذہب پر چلنے والے کہلاتے تھے۔

چنانچہ مدینہ منورہ کے فقیہہ اور مذہبی مقتدا سعید بن مسیب اور سالم بن عبداللہ ابن عمر تھے اور اُن کے بعد زہری۔ قاضی یحیٰی بن سعید اور ربیعہ بن عبدالرحمان ہوئے۔ مکہ میں عطا ابن ابی رباحؒ کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی۔ بصرہ میں حسن بصری۔ یمن طاؤس بن کیسان اور شام میں مکحول اور مجتہد تھے۔ یہ صورت ۱۴۳ھ تک قائم رہی اور اسی وقت کے لوگوں نے کسی خاص مذہب کی کامل پابندی نہ کی اور نہ ہی کوئی حدیث کی کتاب مدوّن ہوئی۔

تابعین کے زمانہ تک چونکہ دماغوں میں محبت وعبدیت الٰہی کا نشہ تھا، قلوب صافیہ اسلام کے صاف وشفاف آبگینے تھے اور ان کا تمام مدار ذوق ووجدان پر تھا اس لئے حدیث وفقہ کی تعلیم وتعلم کی وہی صورت رہی جو صحابہ کے زمانہ میں تھی لیکن جب تبع تابعین کا زمانہ آیا تو دینی اختلال جھگڑے وفساد اور فرقہ بندی وتفرقہ آرائی کے نئے نئے فتنے لئے ہوئے آیا اور ہر چہار طرف جھوٹ وافترا شائع ہو گیا۔ اور علم خداوندی کے مطابق اجتہاد۔ استنباط اور استخراج احکام کے قاعدے ترتیب دینے کی ضرورت لاحق ہو گئی تو لوگوں کو حدیث فقہ کی تدوین کا شوق پیدا ہو گیا چنانچہ دوسری صدی کے اوسط سے نامی فقہا نے حدیث کی تالیف وتدوین پر کمر باندھی۔ اور مسائل کا جمع کرنا شروع کیا

احادیث کی تالیف پر مکہ میں ابن جریجؒ اور ابن عیینہؒ نے۔ مدینہ میں امام مالکؒ اور محمد بن عبدالرحمن ابن ابی ذہب۔ کوفہ میں ثوریؒ نے اور بصرہ میں ربیع ابن صبیح نے اول اول کمر باندھی۔ اور امام ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ نے فقہ کی تدوین شروع کر دی۔

سب سے پہلے حنفی مذہب کی بنیاد پڑی

کیونکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اجتہاد۔ استنباط مسائل اور استخراج فروعات کی ایک خاص استعداد عطا فرمائی تھی اور ساتھ ہی زہد و تقویٰ میں بھی کامل تھے آپ نے ایک استوار بصیرت مستقیم نظر اور غیر مخدوش دماغ پایا تھا۔ پس آپ نے اپنے شہر کے امام اور فقیہہ حضرت امام نخعیؒ سے احادیث۔ اقوال اور روایات حاصل کر کے اپنے مذہب کی بناء قائم کی آپ کے زہد و ورع اور تبحر علمی کو دیکھ کر لوگوں نے آپ کی طرف رجوع کیا۔ اُن کے اصول و فروع کو پسند کیا فقہائے کوفہ نے اُن کے اجتہاد کو قبول کیا اور اُن کے استخراجی مسائل پر عمل کرنا شروع کیا۔ اور جب قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما دو شاگرد رشید بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے تو ان کی کوشش اور علم و تالیف کی برکت سے حضرت امام صاحب کا مذہب اطراف عالم میں پھیل گیا۔

حنفی مذہب کے بعد مالکیؒ مذہب کی بنیاد پڑی۔ حضرت امام مالکؒ حدیث و فقہ اور زہد و ورع میں مشہور اور کامل تھے۔ اُن کو احادیث نبوی کثرت سے یاد تھیں۔ ان کے ضعف و قوت سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے نہایت عمدہ صحیح اور جامع کتاب حدیث کی لکھی جس کا نام موطا ہے اس کتاب کی نسبت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا مالک بعد کتاب اللہ کے جو کتاب سب زیادہ صحیح ہے وہ موطا امام مالک ہے اسکی قبولیت اعلیٰ درجہ پر پہنچی اور ہزاروں آدمیوں نے اس سے فائدہ حاصل کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

"اہل حدیث نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جو کچھ اس میں ہے سب صحیح ہے۔ یہ رائے خود امام مالکؒ اور ان کے متبعین کی ہے اور دیگر علماء و فقہا کی رائے یہ ہے کہ اس میں کوئی مرسل منقطع حدیث نہیں ہے۔ تمام حدیثوں کو سند متصل سے بیان کیا ہے۔ پس لاجرم اس حیثیت سے یہ صحیح ہے۔"

حضرت امام مالکؒ کے زمانہ میں بہت سی موطات تصنیف ہوئیں اور سب مصنفوں نے موطا امام مالکؒ سے فائدہ حاصل کیا اور جو حدیثیں اس میں منقطع تھیں اُن کو وصل کر دیا۔ مثلاً کتاب ابن ابی ذئب ابن عیینہ۔ ثوری اور معمر وغیرہ۔ حضرت امام مالک کا حدیث دانی میں یہ عالم تھا کہ ایک ہزار محدثین بلا

واسطہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

ان دونوں مذہبوں کی بنیاد پڑنے کے بعد حضرت امام شافعیؒ پیدا ہوئے امام شافعی سے پہلے احادیث کی اتنی کثرت نہ تھی جتنی آپ کے زمانہ میں ہوئی۔ ہر شہر کے رہنے والے اپنے ہی شہر کے رہنے والے مذہبی مقتداں عالموں اور اماموں سے احادیث اخذ کرتے اور اسی کو روایت کرتے۔ جب علم حدیث کی تدوین شروع ہوئی تو لوگ ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتے اور وہاں کے محدثین سے مل کر ان سے حدیثیں حاصل کرتے اور اور لوگوں سے بھی حدیثیں حاصل کرتے۔ اس طرح سے احادیث کی کثرت ہوگئی اور پھر ان میں اختلاف بھی ہونا یقینی تھا اب ضرورت لاحق ہوئی کہ اس اختلاف کو دفع کرنے اور احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے قاعدے مقرر کئے جائیں۔ چنانچہ اسی ضرورت کے پورا کرنے کے لئے سب سے پہلے حضرت امام شافعیؒ نے اصول کی کتاب تالیف کی اور اس میں احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے قاعدے مرتب کئے۔

حضرت امام شافعی نے حنفی اور مالکی دونوں مذہب کے اصول و فروع کو دیکھ کر اور ان کے کلیات وجزئیات پر نظر کر کے ان باتوں کو جو اُن دونوں مذہبوں میں ناقص تھیں ان کے نقص کو دور کیا اور نئی طرز سے اصول اور قواعد کو ترتیب دیا وہ یہ ہیں۔

اول۔ حنفی اور مالکی مذہب والے احادیث مرسل اور منقطع پر بھی اصل استناد کرتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں امام صاحب نے یہ اصول قائم کیا۔ کہ چونکہ احادیث مرسل بے اصل ہیں اس لئے ایسی احادیث پر سند کی جائے جو شرائط پر پوری اتریں۔

دوئم۔ امام صاحب سے پہلے لوگوں کو احادیث صحیحہ نہ پہنچی تھیں اور اس وجہ سے ان کو مجبوراً قیاس سے کام لینا پڑتا تھا۔ اس لئے امام شافعیؒ نے یہ اصول مقرر کیا کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو قیاس کو ترک کر دینا چاہیئے اور اس صحیح حدیث پر عمل کرنا چاہیئے۔

یہاں سے بعض لوگوں کو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ پر یہ طعن کرنے کا موقعہ مل گیا ہے کہ آپ علم حدیث میں کم مایہ تھے اور اسی بنا پر امام اعظم اور آپ کے اتباع کو اہل الرائے کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق ہم علامہ شبلی مرحوم کے جواب کا نقل کر دینا انسب و اولیٰ سمجھتے ہیں جو اس باب میں خوب ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام طور پر وہ محدث کے لقب سے مشہور نہیں بزرگان سلف میں سینکڑوں ایسے گزرے ہیں جو اجتہاد و روایات دونوں کے جامع تھے لیکن شہرت اس صفت کے ساتھ ہوئی جو ان کا کمال غالب تھا۔ امام ابو حنیفہؒ کی تو حدیث میں کوئی تصنیف نہیں۔ تعجب ہے کہ امام مالکؒ اور امام شافعی بھی اس

لقب کے ساتھ مشہور نہ ہوئے۔ نہ ان کی حدیثوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا۔ امام احمد حنبل ان لوگوں کی نسبت زیادہ نام آور ہیں اُن کی مسند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہیں مل سکتا لیکن جس قدر حدیث و روایات میں ان کا زیادہ اعتبار ہے اسی قدر استنباط اور اجتہاد میں ان کی نام آوری کم ہے علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے مجتہدین میں ان کا شمار نہیں کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ محدث و مجتہد کی حیثیتیں الگ الگ ہیں۔ محدث مواعظ، قصص، فضائل اور سیر ہر ایک قسم کی روایتوں کا استقصار کرتا ہے۔ بخلاف اس کے مجتہد کو زیادہ تر ان احادیث سے غرض ہوتی ہے جن سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ محدثین کی بہ نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایۃ ہوئے۔ موطا میں جو امام مالکؒ کی تمام روایتوں کا مجموعہ ہے زیادہ سے زیادہ ہزار حدیثیں ہیں جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی شامل ہیں۔ امام شافعی نے امام احمد حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے کہ تم لوگ بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہو۔ قاضی یحییٰ بن اکثم جو ترمذی کے شیخ ہیں حسرت سے کہا کرتے تھے کہ "اگر امام شافعیؒ نے علم حدیث کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگوں کو سب سے زیادہ بے نیاز کر دیا ہوتا" حافظ ابن حجرؒ نے توالی التاسیس میں جو امام شافعیؒ کے حالات میں ایک مختصر اور مفید سالہ ہے جہاں امام صاحب کے شیوخ نے حدیث سے بحث کی ہے خاتمہ پر لکھا ہے کہ ولم یکثر من الشیوخ کعادۃ اھل الحدیث لاقبالہ علی الاشتغال بالفقہ یعنی وہ بہت سے شیوخ سے نہیں ملے جیسا کہ اہل حدیث کی عادت ہے کیونکہ ان کو فقہ کا شغل رہتا تھا۔ حافظ ابن حجر نے امام شافعیؒ کی نسبت قلت شیوخ کا جو سبب بیان کیا۔ ابو حنیفہؒ کی قلت روایت کا بھی وہی سبب ہے۔

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام ابو حنیفہؒ کے وہ واقعات جو منظر عام پر نمایاں ہیں۔ اُن سے ایک ظاہر بین شخص ایسی ہی رائے قائم کر سکتا ہے۔ حدیث میں ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں صحاح میں ایک روایت کے ان کا نام تک نہیں پایا جاتا سب سے زیادہ یہ کہ اُن کی شہرت اہل الرائے کے لقب سے ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث سے ان کو کم تعلق تھا۔ اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی قصص اور سیر وغیرہ میں ان کی نظر چنداں وسیع نہ تھی۔ امام مالکؒ و امام شافعیؒ کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن احکام عقائد کے متعلق امام ابو حنیفہؒ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا صرف کم نظری اور ظاہر بینی نتیجہ ہے۔ ان کی تصنیف یا روایتوں کا مدون ہونا قلت نظر کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہ کے ساتھ جلوت و خلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا رسول اللہ

کے اقوال وافعال سے جس قدر وہ واقف تھے اور کون ہو سکتا تھا۔ لیکن حدیث کی تمام کتابوں میں ان کی روایت سے جس قدر صحیح حدیثیں ہیں ان کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں۔ کون شخص کہہ سکتا ہے کہ ان کو صرف اسی قدر حدیثیں معلوم تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا درجہ ہے۔ اُن سے بھی صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں۔ حضرت عثمانؓ اور جناب امیرؓ کا بھی یہی حال ہے بخلاف ان کے ابوہریرہؓ سے ۵۳۷۴۔ انسؓ سے ۲۲۸۶۔ عبدالرحمٰن بن عباسؓ نے ۱۶۶۰ جابرؓ سے ۱۵۴۰ عبداللہ بن عمرؓ سے جو رسول اللہ کے زمانہ میں نوجوان تھے ۶۳۰ حدیثیں مروی ہیں اگر روایتوں کا موجود ہونا ہی معیار ہے تو خلفائے اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑے گا کہ یا ان کا حافظہ نہایت ضعیف تھا۔ یا دانستہ ان کو رسول اللہ کے اقوال وافعال کی طرف التفات اور توجہ نہ تھی۔ ونعوذ باللہ (سیرۃ النعمان)

اس جامع ومانع تقریر اور تحقیق بلیغ سے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے اتباع کے ذمہ سے وہ الزام اٹھ گیا کہ امام صاحب کو صحیح حدیثیں کم پہنچی تھیں اور اس کمی کو حضرت امام شافعیؒ نے پورا کیا ہماری ناقص رائے میں اس طعن کا ایک اور مختصر مگر جامع جواب ہو سکتا ہے وہ یہ کہ تابعین وتبع تابعین کے زمانہ میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک تو وہ جو اجتہاد اور قیاس سے بچتے تھے اور استخراج مسائل میں حد سے زیادہ احتیاط برتتے تھے اور سوائے اشد ضرورت کے استنباط کرنے کو پسند نہ کرتے تھے جب کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آتی تو وہ پہلے قرآن کی طرف رجوع کیا کرتے تھے پس اس لحاظ سے ان کی تمام توجہ احادیث کے جمع کرنے میں خرچ نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ ملت اسلامیہ کی اساس وبنیاد کو مضبوط کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو استخراج مسائل میں زیادہ احتیاط نہ برتتے تھے اور صرف ان کے پیش نظر احادیث کا جمع کرنا اور ان کا جانچ پڑتال کرنا تھا۔ چنانچہ حضرت امام اعظم پہلے قسم کے لوگوں میں سے تھے اور ان دونوں قسم کے حضرات اپنی اپنی سمجھ اور منشاء خداوندی کے مطابق دین اسلام کو ہم تک پہنچایا اور اس کے ہر پہلو کو مضبوط ومستحکم کر دیا۔

تیسرے۔ امام شافعی کے زمانہ میں احادیث کے ساتھ صحابہؓ کے اقوال بھی جمع کرلئے تھے جو باہم مختلف اور بعض بعض احادیث صحیحہ کے مخالف تھے۔ یہ نقص دیکھ کر امام صاحبؒ نے یہ اصول مقرر کیا کہ استدلال کی بنیاد اقوال صحابہؓ پر نہیں بلکہ صحیح احادیث پر رکھی جائے اور صحابہؓ کی نسبت صاف صاف ہم رجال ونحن رجال وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔ پس صحابہ کے اجتہاد پر عمل کرنا کچھ ضرور نہیں بلکہ حدیث پر عمل کرنا ضرور اور لازم ہے۔

چوتھے۔ امام شافعیؒ کے زمانہ میں رائے اور قیاس میں تمیز نہ کی جاتی تھی۔ اجتہاد میں رائے کو دخل دیتے تھے اور اس کو قیاس سمجھتے تھے۔ حالانکہ قیاس شرعی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک حکم منصوص سے اس کی علت نکالنا اور جس امر دیگر میں وہ علت پائی جائے اس پر بھی اس حکم کو لگا دینا اور رائے یہ ہے کہ اپنی تراشی ہوئی بات کو اصول قائم کرنا اور اسی کو علت و حرمت کی وجہ قرار دینا۔ سو امام صاحب نے قیاس استحسان کو ترک کر دیا۔

غرض تابعین و تبع تابعین کے زمانہ تک ایک مذہب معین نہ تھا۔ اور چوتھی صدی تک لوگ صرف حنفی یا مالکی یا شافعی اور یا حنبلی کہلاتے تھے مگر ان مذاہب اربعہ کی تقلید کامل ایسی نہ تھی جیسی کہ آج ہے۔ اس وقت تک جو لوگ تھے وہ یا تو ذی علم تھے اور یا جاہل۔ جو لوگ جاہل تھے اگر ان کو کسی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی ضرورت ہوتی تو وہ اپنے شہر کے اُس عالم سے جس کو وہ عالم اور فقیہ سمجھتے پوچھ لیتے بلا لحاظ اس بات کے کہ وہ عالم حنفی ہے یا مالکی وغیرہ۔ اور جو لوگ ذی علم تھے وہ دو قسم کے تھے اہل حدیث اور صاحب اجتہاد۔ اہل حدیث کے علم و عمل کا یہ طریقہ تھا کہ وہ کتاب الٰہی احادیث نبوی اور آثار صحابہؓ پر عمل کرتے تھے۔ اگر کوئی لاینحل مسئلہ پیش آجاتا تو کسی فقیہ سے پوچھ لیتے خواہ وہ مالکی ہوتا یا شافعی وغیرہ۔ اور جو صاحب اجتہاد تھے وہ اجتہاد کرتے اور اصول و قواعد کلیہ کو پیش نظر رکھکر کتاب و سنت سے فروعات کا استنباط کرتے اور تخریج احکام کرتے تھے۔

یہ صورت تیسری صدی کے اخیر تک قائم رہی۔ مگر جب صاحب شریعت تک واسطے در واسطے پڑ گئے اور صحابہ تابعین کے مبارک زمانوں سے بعد ہوا تو اغراض فاسدہ کا زور ہو گیا اخلاص و عمل میں کمی آنے لگی۔ تحقیق و تدقیق کا مادہ تقلید کی قیود سے بیکار ہونے لگا۔ طبیعتوں میں خود پسندی آگئی۔ جہالت کا زور ہوا اور امت میں اختلاف پڑ گیا تو چوتھی صدی میں لوگوں نے سیدھا راستہ چھوڑ کر ادھر اُدھر چلنا شروع کیا۔ اخلاص و عمل سے منہ موڑ کر جذبات و تخیلات سے رشتہ جوڑ لیا علم کو دنیا کی تحصیل کا ذریعہ ٹھہرا لیا۔ اپنی عزت شہرت اور ناموری کی بیتاب تمناؤں نے مذہب اسلام کو آماجگاہ بنا لیا اور عالموں کا یہ وطیرہ ہو گیا کہ جن مسائل میں آئمہ اربعہ کا نیک نیتی سے اختلاف تھا اور جس اختلاف نے مرکز اسلام کو زیادہ چمکایا تھا اُس کو بحث کا ذریعہ ٹھیرا لیا اور مرکز اسلام کو تاریک کرنے کی ٹھان لی۔ اپنے اپنے اماموں کے اقوال و اعمال کو مستند گردان کر تحقیق و تدقیق سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ مباحثات و مناظرات کا زور ہو گیا اور سخن پروری و نفسانیت پر مدار آٹھیرا تو پھر ضرورت لاحق ہوئی کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں صحیح حدیثوں کا مجموعہ آئے تاکہ لوگوں کو کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے کا موقعہ ملے۔

اب ہم احادیث کی تدوین اور کیفیت اور طبقات بیان کرنے سے پہلے فقہا کے طبقات بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ حدیث اور فقہ کی تعلیم و تعلم اور تدوین میں گہرا تعلق ہے۔

محقق ابن کمال پاشا نے فقہا کے طبقات کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

پہلے طبقہ کا نام۔ مجتہدین فی الشرع ہے۔ اس طبقہ نے کتاب و سنت سے مسائل کا استخراج کیا اور استخراج کے اصول و قواعد مقرر کئے۔ اس طبقہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ۔ حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہم ہیں۔

دوسرے طبقہ کو مجتہدین فی المذہب کہتے ہیں۔ اس طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جنہوں نے آئمہ اربعہ کے مقرر کردہ اصول و قواعد کو تسلیم کرکے احکام اور مسائل کا استخراج کیا۔ مثلاً قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ رحمتہ اللہ علیہما۔ یہ اپنے امام سے بعض فروعی احکام میں مخالفت کرتے ہیں۔

تیسرا طبقہ۔ مجتہدین فی المسائل کہلاتا ہے۔ اس طبقہ میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے امام سے کسی شے میں بھی اختلاف نہیں کیا۔ ان کو استخراج مسائل کی قدرت نہ تھی۔ مگر جن مسائل کو صاحب مذہب نے صاف صاف بیان نہیں کیا تھا اُن کو اپنے امام کے مقرر کردہ اصول و قواعد کی پابندی سے استنباط کیا۔ اس طبقہ میں خصاف۔ ابو جعفر طحاوی۔ ابوالحسن کرخی۔ شمس الائمہ حلوائی۔ شمس الائمہ سرخسی۔ فخر الاسلام بزدوی اور فخر الدین قاضی خان وغیرہ۔

چوتھا طبقہ۔ اصحاب تخریج کہلاتے ہیں۔ اس طبقہ میں وہ مقلدین داخل ہیں جو کسی قسم کے اجتہاد کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ اس طبقہ نے صرف اس قدر کیا کہ جو افعال مجمل ذو جہتین تھے ان کی تفصیل کردی۔ اور کسی امر مبہم کی تشریح کردی۔ اس طبقہ میں امام رازیؒ وغیرہ داخل ہیں۔

پانچواں طبقہ۔ اصحاب تخریج کہلاتا ہے۔ انہوں نے یہ کیا کہ بعض روایات کو بعض پر ترجیح دیدی مثلاً ابو الحسن قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ۔

چھٹا طبقہ۔ مقلدین کا ہے جو قوی اور ضعیف کی تمیز میں قدرت رکھتے ہیں اور اقوال مردودہ و ضعیفہ کی نقل نہیں کرتے۔ مثل صاحب کنز۔ صاحب مختار۔ اور صاحب وقایہ وغیرہ۔

ساتواں طبقہ۔ ان مقلدین کا ہے جو اس کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور قوی و ضعیف میں کچھ تمیز نہیں کرتے۔

طبقات محدثین

پہلا طبقہ اہل حدیث کا وہ ہوا جس نے احادیث کو جمع کیا اور فقہی مسائل کا اس پر مدار رکھا۔ اس طبقہ کا نام ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ دوسرا طبقہ وہ

ہوا۔ جس نے حدیث کے دوسرے فن پر توجہ کی یعنی اُن حدیثوں کو جن کی صحت پر بڑے بڑے اہل حدیث کا اجماع تھا ان کو علیحدہ کیا۔ اور اُن حدیثوں کو جو متعلق فقہ تھیں ہر حدیث کو باعتبار اس کے اقسام کے ترتیب دیا۔ اس طبقہ میں امام محمد اسمٰعیل بخاری۔ مسلم۔ ابو داؤد۔ عبد بن حمید۔ دارمی۔ ابن ماجہ ابوالعلیٰ۔ ترمذی۔ نسائی اور دارقطنی وغیرہ داخل ہیں۔

تیسرے طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو بخاری اور مسلم کے پہلے تھے۔ یا ان کے زمانہ میں ہوئے یا ان کے بعد اور جنہوں نے مسانید۔ جوامع اور مصنفات کو تالیف کیا۔ ان لوگوں کو جو حدیث ملی اسے جمع کر دیا۔ نہ اس کو اقسام حدیث میں رکھا۔ نہ اس کو قوت و ضعف اور صحت و سقم کا اندازہ لگایا اور نہ اس کو باقاعدہ ترتیب دیا تاکہ اس پر آسانی سے عمل ہو سکے۔ اس طبقہ میں یہ لوگ ہوئے ہیں۔ ابی بکر ابن سیبہ۔ عبدالرزاق۔ بیہقی۔ ابو علی۔ طیالسی۔ عبد بن حمید۔ طحاوی اور طبرانی۔

تیسرے طبقہ کے بعد ایک چوتھا طبقہ ہوا۔ اس طبقہ کے لوگوں نے یہ کیا کہ جو حدیثیں پہلے اور دوسرے طبقہ میں جمع ہونے سے رہ گئی تھیں اور جو مسانید و جوامع میں تھیں اور یا جو واعظوں اور خوش گپ عالموں کو یاد تھیں اور جن کو اگلے محققین محدثین نے ضعیف اور پایہ اعتبار سے گرا ہوا سمجھ کر چھوڑ دیا ان سب کو جمع کر دیا اور اس پر بھی یہ کیا کہ آثار صحابہؓ اور تابعین احبار بنی اسرائیل کے اقوال کلام۔ حکما و واعظوں کی من گھڑت کہانیوں اور موضوعات کو بھی بلاتمیز جمع کر دیا۔ جیسا کہ ابن جوزی کی کتاب موضوعات۔

اس طبقہ کے بعد پانچواں طبقہ آیا۔ اس میں یہ ہوا کہ لوگوں نے فقیہوں۔ صوفیوں اور مؤرخوں کی بے بنیاد باتوں کو بھی حدیث میں داخل کر دیا۔ جن کی چاروں طبقات میں کوئی اصل نہ تھی۔ اس طبقہ کی جمع کی ہوئی احادیث پر اہل بدعت اور معتزلہ وغیرہ نے اپنے اپنے اعتراضات کی بنیاد قائم کر کے اہل سنت پر طعن و اعتراضات کی بھرمار شروع کر دی۔ ایک طرف تو اس پانچویں طبقہ کی جمع شدہ حدیثوں سے اہل بدعت اور گمراہوں نے فائدہ اٹھایا دوسری طرف عالموں نے بھی ان سے دھوکہ کھایا۔ کیونکہ ان حدیثوں کو فصیح و بلیغ پیرایہ میں ادا کیا گیا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب چھٹے طبقہ کے متعلق کہتے ہیں:۔

طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد اُن روایتوں کو جمع کرنے کا قصد کیا جو پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں۔ اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں۔ ان لوگوں نے ان کو بلند نام کرنا چاہا۔ حالانکہ وہ حدیثیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کا محدثین

اعتبار نہیں کرتے تھے مثلاً یا وہ گو واعظین۔ اہل بدعت اور ضعیف الروایتہ۔ یا وہ صحابہؓ اور تابعین کے آثار یا بنی اسرائیل کے قصے تھے یا حکمار کے مقولے اور واعظین کے اقوال تھے۔ جن کو راویوں نے رسول کے کلام سے مخلوط کر دیا تھا۔ یا قرآن اور حدیث کے محتمل مضامین تھے۔ جن کو ان نیک لوگوں نے بالمعنیٰ روایت کیا تھا جو فن روایت کی تاریکیوں سے ناواقف تھے۔ ان لوگوں نے ان باتوں کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیا۔ یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے تھے ان کو قصداً حدیث نبوی بنا دیا۔ یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے جو ایک عبارت میں جمع کر دیے گئے۔ اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان کامل ابن عدی۔ تصنیفات خطیب ابونعیم وجوزقانی وابن عساکر۔ وابن نجار اور دیلمی میں مل سکتی ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ نمبر ۱۰۶)

پانچویں طبقہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

یعنی اس طبقہ میں بعض ایسے بیباک لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے دین کو پوشیدہ کر دینے میں کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ضعیف حدیثوں کو ایسی قوی اسناد کے ساتھ بیان کیا کہ اس پر جرح کرنا ناممکن ہو گیا اور ان کو ایسے فصیح و بلیغ پیرایہ میں ادا کیا کہ ان کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے صدور مستبعد معلوم ہو یہ ضعیف وقوی کا خلط ملط اسلام کے لئے ایک مصیبت عظمیٰ تھا جو اس طبقہ کے ہاتھوں ابھری مگر محقق اہل حدیث نے پوشیدہ حقیقتوں کی اچھی طرح پردہ دری اور ان کے عیبوں کو ظاہر کیا۔ (حجۃ اللہ البالغہ نمبر ۱۰۷)

شریعت اسلامیہ کا وہ حصہ جو احادیث صحیحہ پر مبنی ہے اس کا مدار طبقہ اول اور دوئم پر ہے۔ اور فقہ اور مسائل کا مدار طبقہ اولیٰ وثانیہ کی کتابوں پر ہے۔ طبقہ اولیٰ تین کتابوں پر منحصر ہے۔ موطا امام مالکؒ صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔ موطا کا کچھ مختصر حال ہم لکھ چکے ہیں۔ اب ہم صحیح بخاری کی تدوین کا حال لکھتے ہیں جس کا مرتبہ بعد کتاب اللہ کے ہے۔

شیخ الاسلام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل صاحب بخاری

آپ حدیث میں ساری دنیا کے امام اور شیخ الاسلام ہیں۔ سلسلہ نسب اس طرح سے ہے ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیرہ ابن بَرْدِزْبَہ۔ آپ بخارا میں ماہ شوال ۱۹۴ھ میں نماز جمعہ کے بعد پیدا ہوئے اور باسٹھ ۶۲ سال کی عمر میں سنیچر اور عید الفطر کی رات کو بعد نماز عشاء اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔ یعنی ۲۵۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور عید الفطر کے روز بعد نماز ظہر سمرقند کے قریب ایک قریہ میں دفن کئے گئے۔ اور آپ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی۔

نماز پڑھنے کے بعد جب آپ کے چہرہ مبارک سے کفن ہٹایا گیا تو مشک و عنبر کی خوشبو سے لوگوں کے دماغ معطر ہوگئے۔ یہاں تک کہ آپ کی قبر مبارک سے ایک عرصہ تک خوشبو آتی رہی۔ لوگ بہت تعجب کرتے اور قبر مبارک کی مٹی کو لے جاتے ؎

جمال ہمنشیں در من اثر کرد ؛ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حضرت امام الحدیث کی وفات کے بعد ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم معہ جماعت صحابہ کے کسی کے انتظار میں کھڑے ہوئے ہیں، انہوں نے پوچھا حضور کس کے انتظار میں ہیں فرمایا محمدؐ بن اسمٰعیل بخاریؒ کے انتظار میں۔

جعفر بن اعین المروزی فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ میں اپنی عمر سے بخاری کی عمر میں زیادتی کرسکتا تو میں ضرور ایسا کرتا کیونکہ میری موت ایک آدمی کی موت ہوتی اور بخاری کی موت دنیا سے علم کا اٹھ جانا اور عالم کی موت ہے کیونکہ ؎

اذا ما مات ذو علم و فتوىٰ ؛ فقد وقعت من الاسلام ثلمۃ

فربری کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلے اللہ علیہ چل رہے ہیں اور آپ کے پیچھے پیچھے امام بخاریؒ ہیں جہاں حضور کا قدم پڑتا ہے وہیں حضرت امام بخاری قدم رکھتے ہیں۔

محمدؐ بن بشار شیخ البخاری فرماتے ہیں حفاظ الدنیا چار ہیں ابو زرعہ رے میں۔ مسلم بن الحجاج نیشاپور میں۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی سمرقند میں اور محمد بن اسمٰعیل بخارا میں۔

اسمٰعیل بن راہویہ کہا کرتے تھے کہ یا معشر اصحاب الحدیث اس نوجوان (امام بخاری) کی طرف دیکھو اور اس سے استفادہ کرو۔ اگر ان کے زمانہ میں حضرت امام حسنؒ بصری بھی ہوتے تو حدیث و فقہ میں ان کے محتاج ہوتے۔

حضرت امام بخاری نے کن کن سے حدیث سنی اور کہاں کہاں سفر کیا؟

مکہ میں ابوالولید احمد بن محمدؐ ارزقی۔ عبداللہ بن یزید المقری۔ اسمٰعیل بن سالم۔ ابو بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی اور ان کے ہمعصروں سے۔

مدینہ میں ابراہیم بن المنذر الخزامی۔ مطرف بن عبداللہ۔ ابراہیم بن حمزہ۔ ابو ثابت محمدؐ بن عبیداللہ۔ عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی۔ اور ان کے ہمعصروں سے۔

شام میں محمدؐ بن یوسف الفریابی۔ ابو النصر اسحٰق بن ابراہیم۔ آدم بن ابی ایاس۔ ابوالیمان الحکم

بن نافع حیوۃ بن شریح اور ان کے ہمعصروں سے۔
بخارا میں محمد ابن سلام البیکندی۔ عبداللہ بن محمد المسندی۔ ہارون بن الاشعث اور ان کے ہمعصر سے۔ بلخ میں مکی بن ابراہیم یحییٰ بن بشر۔ محمد بن ابان۔ حسن بن شجاع۔ یحییٰ بن موسیٰ۔ وقتیبہ وغیرہ سے۔ ہرات میں احمد بن ابی الولید الحنفی سے۔ نیشاپور میں یحییٰ بن یحییٰ۔ بشر بن الحکم۔ اسحاق بن راہویہ۔ محمد بن رافع اور محمد بن یحییٰ الذہلی وغیرہ سے۔ رے میں ابراہیم بن موسیٰ سے۔ بغداد میں محمد بن عیسیٰ الطباع۔ محمد بن سابق۔ سریج ابن النعمان اور احمد بن حنبل وغیرہ سے۔ واسط میں حسان بن حسان۔ حسان بن عبداللہ سعید بن سلیمان وغیرہ سے۔ بصرہ میں ابو عاصم النبیل۔ صفوان بن عیسیٰ۔ بدل بن المحبر۔ حرمی بن عمارۃ عثمان بن مسلم۔ محمد بن عرعرہ۔ سلیمان بن حرب۔ ابوالولید الطیالسی۔ محمد بن سنان وغیرہ سے۔ کوفہ میں عبداللہ بن موسیٰ۔ ابونعیم۔ احمد بن یعقوب۔ اسمٰعیل بن ابان۔ حسن بن الربیع۔ خالد بن مخلد۔ سعد بن حفص۔ طلق بن غنام۔ عمر بن حفص۔ قبیصہ ابن عقبہ اور ابو غسان وغیرہ سے۔ مصر میں عثمان بن صالح۔ سعید بن ابی مریم۔ عبداللہ بن صالح۔ احمد بن شبیب۔ اصبغ بن الفرج۔ سعید بن عیسیٰ۔ سعید بن کثیر اور یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر وغیرہ سے اور جزیرہ میں۔ احمد بن عبدالملک الحرانی۔ احمد بن یزید الحرانی۔ عمر بن خلف اور اسمٰعیل ابن عبداللہ وغیرہ سے۔
حاکم ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ نے طلب علم کے لئے ان ممالک کا سفر اختیار کیا اور ان ممالک کے تمام مشائخ سے ملے۔ ان کی صحبت میں رہے اور ان سے استفادہ کیا۔
جعفر بن محمد القطان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام بخاری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ایک ہزار مشائخ علماء سے سُنکر حدیثوں کو لکھا اور میرے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں جس کے اسناد مجھے یاد نہ ہوں۔
حضرت امام صاحبؒ سے ساٹھ ہزار اشخاص روایت کرتے ہیں اور جو مشہور آئمۃ الاعلام ہیں وہ یہ ہیں۔ ابوالحسین مسلم بن الحجاج صاحب صحیح مسلم۔ ابوعیسیٰ ترمذی۔ ابو عبدالرحمان نسائی۔ ابوحاتم۔ ابو درعہ۔ ابواسحٰق ابراہیم۔ صالح بن محمد۔ ابوبکر بن خزیمہ یحییٰ بن محمدؒ۔ محمد بن عبداللہ مطین وغیرہ غرض ایک خلق کثیر آپ سے روایت کرتی ہے۔
حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی صحیح میں کوئی ایسی حدیث جمع نہیں کی جس پر دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں یعنی ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے آپ دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔
صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم کا درجہ ہے۔ جمہور محققین اور تمام علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ

بعد کتاب اللہ کے اصح الکتب صحیح بخاری و مسلم ہیں۔ اور علت مسلمہ کا ان دونوں کی صحت پر اجماع اور اتفاق ہے اور دونوں کتابوں کی احادیث پر عمل کرنا واجب ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

صحیحین پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ ان دونوں میں جس قدر متصل اور مرجوع احادیث ہیں قطعی طور پر سب صحیح ہیں اور یہ دونوں متواتر ہیں۔

اور جو کوئی ان کی شان گھٹاتا ہے وہ مبتدع اور مسلمانوں کے راستہ سے علیحدہ چلنے والا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

صحیحین کے علاوہ حدیث کی چار اور مشہور کتابیں ہیں۔ مشکوۃ۔ سنن ابی داؤد۔ ترمذی اور نسائی ان چھ حدیث کی کتابوں کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔

یہ کیفیت جو ہم نے بنار مذہب۔ اخذ شریعت اور تدوین احادیث کی بیان کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کے مذہب کی بنار پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال پر ہے۔ تابعین کی صحابہؓ پر۔ تبع تابعین کی تابعین پر یعنی اسلام حضور کی ذات اقدس سے نکل کر صحابہ میں آیا۔ صحابہؓ سے تابعین اور تابعین سے تبع تابعین میں اور اس کے بعد تمام دنیا میں اسلام پھیل گیا اور تبع تابعین نے جس مذہب کی بنا ڈالی تمام دنیا کے مسلمان قیامت تک اُسی پر چلتے رہیں گے۔

اب یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بات ہے قرآن و حدیث پر سب کا عمل ہے تو پھر باہم آئمہ کے مسائل فقہی میں اختلاف کیوں ہوا۔ جب تبع تابعین کے مذہب کی بنار تابعین پر اور تابعین کی صحابہؓ پر ہے تو کیا صحابہؓ باہم مختلف تھے۔ اگر تھے تو باوجودیکہ سب نے ایک ہی نبی کو دیکھا اور ایک ہی پیغمبر سے دین کو لیا تو پھر آپس میں اختلاف کیونکر ہوا۔ اس پر جب مسلم اور غیر مسلم یہ سنتے ہیں کہ چاروں مذہب حنفی۔ مالکی۔ شافعی اور حنبلی حق ہیں اور جو اختلاف اُن میں ہے وہ رحمت ہے تو اور بھی تعجب ہوتا ہے اور دلوں میں طرح طرح کے شکوک شبہات پیدا ہونے لگ جاتے ہیں اور ہر شخص کو حیرت ہوتی ہے سو ہم صحابہؓ کے اختلاف کی حقیقت لکھتے ہیں کیونکہ جو اختلاف صحابہؓ میں تھا وہی تابعین اور تبع تابعین میں بھی آ گیا۔ لہذا صحابہ کے اختلاف کا سبب بیان کرنا ضروری ہوا وھوہذا۔

اختلاف صحابہؓ کی حقیقت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں علم فقہ مدون نہ تھا اور نہ ہی مسائل و احکام میں فقہار جیسی بحثیں تھیں۔ یعنی وہ ہر ایک عبادت کی شرائط ارکان اور آداب کا کھوج لگاتے ہیں اور اس کی علت کی تلاش کرتے ہیں۔ مگر چونکہ صحابہ کے ایمان و عمل کا مدار ذوق و وجدان فطری پر تھا۔ اس لئے

ان کو ان چیزوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ جیسے رسول خدا کو کرتے ہوئے دیکھتے وہی آپ کرتے۔ وہ حضورؐ کو جیسے وضو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اُسی طرح آپ بھی کرتے تھے اور اس کے ارکان و آداب اور فرائض کو نہ پوچھتے تھے۔ بہت تھوڑے ایسے مسائل ہیں جن میں صحابہؓ نے حضور سے کوئی سوال کیا اور جن مسائل کی بابت انہوں نے سوال کیا ان کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔

اس کے بعد اس امر کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جو اختلاف مسلمانوں میں زمانہ نبوت کے بعد ہوا وہ دو قسم کا ہے۔ ایک اصولی اور ایک فروعی یعنی ایک اختلاف اصول و عقائد کا اور دوسرا مسائل اور فروع کا۔ اصولی اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو توحید و رسالت۔ معاد اور فرضیت نماز۔ روزہ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ ہو یا عقائد میں سے کسی عقیدہ میں مثلاً خلافت۔ حقیقت اجماع صحابہؓ۔ وجوب محبت اہل بیت و اصحاب۔ عدم تکفیر اہل قبلہ اور مرتکبان کبائر کی۔ اور اُن عقائد میں جن پر یقین و اعتقاد کرنا بہ نصوص صریح ضروری ہے۔ جس شخص کو ایسا اختلاف ہو وہ اسلام یا اہل سنّت سے خارج ہے جیسے معتزلہ۔ قدریہ۔ مرجیہ۔ شیعہ اور خوارج وغیرہ کا اختلاف۔ ایسا اختلاف نہ صحابہؓ میں ہے نہ تابعین میں نہ تبع تابعین میں اور نہ کسی امام آئمہ اربعہ میں سے سب کے سب اصول و عقائد میں متفق ہیں ضروریات دین میں سے کسی امر اور اعتقادات میں سے کسی عقیدہ میں بھی اہل سنّت باہم مختلف نہیں۔ اس لئے چاروں مذہب اہل سنّت ہی کے گروہ حقہ میں شامل ہیں۔

البتہ فروعی احکام و مسائل میں آئمہ اربعہ میں اختلاف ہے اور صحابہ بھی باہم مختلف تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مدار صحابہؓ کے اقوال و افعال اور احکام و مسائل کا قرآن و حدیث پر تھا۔ قرآن حضور کے سامنے جمع ہو گیا تھا اور احادیث نبی کریم صلعم کے روبرو جمع نہ ہوئی تھیں۔ سو قرآن کے کسی مسئلہ میں اختلاف نہیں ہوا۔ البتہ جن مسائل کا استخراج حدیث پر موقوف تھا انہیں میں اختلاف ہوا اور اس کے اسباب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ یہ بیان کئے ہیں۔

سبب اول۔ اختلاف سماعت۔ یعنی ایک صحابی کا کسی حدیث یا حکم نبویؐ کا سننا اور دوسرے کا نہ سننا۔ مثلاً پیغمبر صاحب نے کوئی حکم دیا یا کچھ فرمایا یا کوئی فتویٰ دیا تو جو موجود تھا اُس نے سُنا اور دیکھا اس نے تو اس پر عمل کیا دوسرے صحابی نے اُسے نہ سُنا نہ دیکھا نہ جس صحابی نے سُنا اور دیکھا تھا۔ اُس سے اس دوسرے صحابی کو روایت پہنچی تو اس دوسرے صحابی کو جب ویسا ہی معاملہ پیش آیا تو اُس نے خود اجتہاد کیا پس اگر اس حدیث کے موافق ہوا تو دونوں صحابی متفق ہوئے اور اگر اجتہاد میں خطا ہوئی تو ان میں اختلاف ہوا۔

دوسرا سبب ترک اجتہاد میں صحابہ کا اپنے اجتہاد سے پھر جانا۔ مثلاً صحابی نے کسی امر میں اجتہاد کیا اس سبب سے کوئی حدیث اس کو نہ پہنچی تھی اور پھر اس کو کسی سے وہ حدیث پہنچ گئی تو اس نے اجتہاد کو ترک کیا اور حدیث پر عمل کیا لیکن جن لوگوں نے پہلے اجتہاد کو صحابی کے سُنا اور اس سے رجوع کرنے کی خبر نہ ملی۔ اُس نے صحابی کے پہلے ہی قول پر عمل کیا۔

تیسرا سبب اشتباہ فی الحدیث۔ یعنی حدیث کی صحت میں شک رہنا اور اس پر کسی صحابی کا عمل نہ کرنا یہ تو کوئی صحابی نہیں کر سکتا تھا کہ باوجود صحت کسی حدیث کے اس کو ترک کرنا۔ اور اپنے اجتہاد پر عمل کرتا۔ مگر جب راوی کسی حدیث کا ضعیف اور قابل کامل اعتبار کے نہ ہوتا تو صحابی اپنے اجتہاد پر قائم رہتے اور اُس حدیث کو صحیح نہ جان کر اُس پر عمل نہ کرتے اور بعض حدیث کا نام سنتے ہی اُس پر عامل ہو جاتے اور اس کے ضعف و قوت کو نہ دیکھتے۔

چوتھا سبب سمجھ میں اختلاف ہونا۔ یعنی چند صحابیوں نے پیغمبر خدا کو ایک کام کرتے ہوئے دیکھا کسی نے اس کو عبادت پر۔ کسی نے عادت پر۔ کسی نے قربت پر اور کسی نے اباحت پر محمول کیا اور اس سبب سے باہم اختلاف ہو گیا۔

پانچواں سبب سہو و نسیان۔ یعنی کسی صحابی نے گو خود پیغمبر صاحب سے کچھ سُنا۔ یا کچھ کرتے دیکھا مگر اسے یاد نہ رہا بھول گیا۔

چھٹا سبب اختلاف ضبط۔ یعنی پیغمبر صاحب نے کسی امر میں کچھ فرمایا یا حکم دیا اور کوئی صحابی اس کا مطلب کچھ اور ہی سمجھا جیسا کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ مردہ کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ اس حدیث کو سن کر حضرت عائشہ نے کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اور راوی نے غلطی کی ہے۔ بلکہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ پیغمبر صاحب ایک یہودیہ کے جنازے پر گزرے کہ اس کے گھر والے روتے تھے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ تو روتے ہیں اور وہ قبر میں عذاب دی جاتی ہے۔ پس مطلب یہ تھا کہ یہ تو اس کے لئے روتے ہیں اور وہ اپنے عذاب میں مبتلا ہے نہ کہ وہ مطلب ہے جو راوی سمجھا۔ اور جس سے عذاب کو رونے کا معلول سمجھ کر ہر مردہ کی نسبت سمجھکر اس حکم کو عام تصور کیا۔

ساتواں سبب علت حکم میں اختلاف ہونا۔ یعنی پیغمبر صاحب نے کوئی حکم دیا یا کوئی کام کیا اور دیکھنے والوں نے اپنے نزدیک اس کی علت اور وجہ قائم کی اور اس میں اختلاف ہوا مثلاً پیغمبرؐ صاحب ایک جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تو کسی نے قیام کی علت تعظیم ملائکہ

خیال کی۔ کسی نے ہول موت اس کی علت سمجھی اور اپنی اپنی سمجھ کے موافق اس کی تعمیم و تخصیص پر رائے قائم کی۔

آٹھواں سبب دو مختلف حدیثوں کے جمع کرنے میں اختلاف ہونا ، جو کہ عادات مباحات اور سنن میں ایک ہی امر کی پابندی ضرورتی کونہ تھی اور احکام میں بھی تکمیل اور اصلاح مناسب ہوتی رہتی تھی اس لئے جو قول یا فعل یا حکم مختلف ہوتا اس کے موافق صحابہؓ میں اختلاف ہوتا کوئی اباحت کو بہ سبب ضرورت کے اور نہی کو بوجہ انقضاء ضرورت کے خیال کرتا۔ کوئی ایک کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ سمجھتا اور جو صحابی صاحب فراست اور صاحب علم تھے وہ عادات کو عبادات سے اور سنن کو واجبات سے جدا کرتے اور ایک کو دوسرے میں نہ ملاتے اور جو اس میں تمیز نہ کرتے وہ سب کو عبادات اور واجبات ہی خیال کر کے اختلاف عادات کو اختلاف فی العبادت جانتے ہیں۔

قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی کیوں ضرورت ہے؟

آج اس پُرآشوب اور پرفتن زمانہ میں جہاں نئے نئے فتنے اور خیالات پیدا ہو رہے ہیں اور ایمان و ایقان کے راستہ سے منحرف کرنے کا سامان بنے ہوئے ہیں وہاں مسلمانوں میں کچھ عرصہ سے ایک دشمن اسلام گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جن کی زبانوں پر تو بظاہر قرآن قرآن ہے۔ لیکن در اصل ان کو قرآن کی ہوا تک نہیں لگی بلکہ وہ اپنے نفس کے مطیع اور خواہشوں کے غلام ہیں۔ اگر قرآن سے متعلق ان کے فہم و عمل کا دعویٰ صحیح ہوتا تو وہ مسلمانوں کے راستہ کو چھوڑ کر ایک علیحدہ دوزخ میں لے جانے والا راستہ اختیار نہ کرتے۔

اس گمراہ فرقہ کا یہ خیال ہے کہ جب قرآن ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہے اور ہماری تمام ضرورتوں کو پورا کرتا ہے تو پھر احادیث پر چلنے کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ اس سے تو قرآن کریم کی تنقیص ہوتی ہے اور اس کے کامل و مکمل وحی الٰہی ہونے کی نفی ہے کہ قرآن ہماری تمام ضرورتوں کو پورا نہیں کرتا۔ بلکہ جب تک احادیث نہ ہوں تو دین الٰہی نا تمام رہتا ہے اور احادیث کی یہ حالت ہے کہ ان میں ضعیف و موضوع بھی بکثرت ہیں جن کی وجہ سے گمراہی اور فرقہ بندی پھیل رہی ہے۔

یہ ہیں وہ خیالات فاسدہ اور عقائد باطلہ جن کا اثر رفتہ رفتہ تجدد پسند حضرات کے دماغ کو بھی مسحور کر رہا ہے اور دشمنان اسلام کے ہاتھ ایک حربہ آ رہا ہے۔

بدیں وجہ ہم قرآن کریم اور احادیث نبوی کی شان اور حقیقت بیان کرتے ہیں۔ تاکہ

اہل قرآن کی ابلہ فریبیوں نکتہ چینیوں اور اعتراضوں کا پردہ فاش ہو جائے اور ان کی مغالطہ انگیزیوں کا سدِ باب ہو جائے۔ اور احادیث کی ضرورت و اہمیت اچھی طرح ثابت ہو جائے۔

جاننا چاہئے کہ مسائل و احکام اسلامیہ کا پہلا ماخذ قرآن ہے جس میں کسی کو گفتگو نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے۔ قرآن اور حدیث میں اصل امر کے لحاظ سے تو چنداں فرق نہیں جو کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حیثیت سے ہے۔ اگر کوئی حدیث اسی تواتر او قطعیت سے ثابت ہو جس طرح قرآن ثابت ہے تو اثبات احکام میں وہ قرآن کے ہم پلہ ہے۔ ممکن ہے اس پر یہ کہا جائے کہ پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ حدیث کی صحت کا معیار بھی قرآن پر ہو۔ سو ہم حدیث کی ضروریات بیان کرتے ہیں۔

حدیث کے متعلق تبع تابعین سے لیکر اب تک تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث غیر متلو۔ کتاب کے ساتھ سنت کی پیروی بھی مسلمانوں پر اسی طرح لازم ہے جس طرح کتاب کی اور یہ کہ حدیث قرآن کی تفسیر اور تبیین ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

کل ما حکم به رسول الله فهو فهمه من القرآن	جس امر کی نسبت حضورنے کوئی حکم لگایا وہ فہم قرآن ہے۔

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا اور جو کچھ فرمایا وہ قرآن کی تفسیر اور تفہیم ہے اور حدیث حضور کے اقوال و افعال کے ہی مجموعہ کا نام ہے۔

اس عقیدہ کا ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ یعنی قرآن کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ ایک دوسری جگہ فرمایا اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔

اے نبی ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے اُتارا ہے کہ تو لوگوں کے سامنے بیان کر دے جو ان کی طرف اُترا ہے تاکہ وہ ذکر کریں۔

یہ دونوں آیتیں صاف طور پر ظاہر کر رہی ہیں کہ قرآن کا بیان کرنا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ہے اور اس فرض الٰہی اور فرض رسول کی تکمیل احادیث رسول سے ہو گئی پس جب تک قرآن کے ساتھ "بیان" یعنی حدیث نہ ہو اس کی تکمیل و تفہیم ناتمام رہتی ہے۔

اس سے بھی زیادہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے حدیث نبوی کو احکام الٰہیہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اے نبی آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جن کو کہا گیا کہ جنگ سے ہاتھ بند رکھو اور نماز پڑھتے رہو۔ اس آیت میں جو لفظ "کفوا" ہے وہ قرآنی احکام میں نہیں ملتا۔ اگر ارشاد نبوی امت کے لئے واجب الاتباع نہیں ہے جیسا کہ اہل قرآن کا گمان فاسد ہے تو پھر ان کو الزام کیوں دیا گیا۔ اس سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ زبان نبوت کا ارشاد واجب الاتباع ہے اور حکم الٰہی کے برابر ہے۔

قرآن مجید کہیں مجمل ہے اور کہیں مفصل۔ جہاں اجمال ہے اس کی توضیح و تشریح حدیث نبوی سے ہوتی ہے۔ اگر حدیث کو واجب الاتباع نہ قرار دیا جائے تو فرائض و واجبات کا بہت سا حصہ تاریکی میں رہتا ہے اور قرآن کے وہ مقامات جہاں اجمال ہے اُس سے قرآن کی اکملیت پر کوئی نقص وارد نہیں ہوتا بلکہ اس سے تو کمال قرآنی کی تصدیق و تکمیل ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر قرآن تمام کا تمام بالتفصیل ہوتا تو بلاغت کے لحاظ سے ایک نقص تھا اور پھر ایسی حالت میں فہم و تدبر قرآن کا حکم باطل ہو جاتا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے، سَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى۔ پہلی آیت کے متعلق حضور کا ارشاد ہے کہ اس پر رکوع میں عمل کرو اور دوسری کے متعلق ارشاد ہے کہ سجدہ میں عمل کرو۔ اگر ارشاد نبوی کو واجب الاتباع نہ گردانا جائے تو ان دونوں آیتوں کا موقع و محل ہی گمنامی میں رہتا ہے کیونکہ ان کا موقعہ اور محل مذکور نہیں۔

قرآن مجید میں ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ اس آیت نے مسلمانوں کے ایمان کا یہ معیار قرار دیا ہے کہ آنحضرت صلعم کے فیصلہ کو بدل و جان تسلیم کریں۔ پس یہ فیصلہ عقل اور قیاس پر تو مبنی ہو نہیں سکتا کیونکہ ان کا حصر کسی خاص شخص کی ذات پر کرنا حسن و قبح کو خلط ملط کرنا اور الہام و وحی کے ہم پلہ گرداننا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو بلحاظ ان کی شخصیت کے واجب التسلیم فرمانا اور چون و چرا کی گنجایش نہ چھوڑنا صاف دلالت کرتا ہے کہ یہ فیصلہ تفہیم الٰہی پر متفرع ہے اور وہ فیصلے جو تفہیم الٰہی کے ماتحت صادر ہوئے وہ احادیث میں ہیں۔

قرآن مجید میں ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی تمہارے لئے حضور کی زندگی اُسوہ حسنہ اچھا نمونہ ہے کون نہیں جانتا کہ حضور کی ذات اُقدس پر تمام کمالات انسانی اور مراتب و درجات عالیہ ممکنہ ختم ہو گئے اور آپ نے ان کمالات سے دوسروں کو فیضیاب کرنے کے لئے صرف تعلیم ہی پیش نہیں کی بلکہ اس پر خود عمل پیرا ہو کر عملی نمونہ بھی چھوڑ دیا اور تعلیم کے دونوں پہلوؤں کو مکمل کر دیا۔ یہی مفہوم ہے اس آیت مبارکہ کا۔ سو اسلام کا تعلیمی پہلو قرآن نے مکمل کیا اور عملی پہلو احادیث نبوی نے مستحکم کر دیا۔ اگر صرف قرآن کو ہی واجب الاتباع گردانا جائے

تو وہی الزام اسلام پر بھی وارد ہوتا ہے جو اور مذاہب پر کہ وہ کوئی عملی نمونہ پیش نہیں کرتے۔ اس آیت نے ثابت کیا کہ حضور کی سیرت ہمارے لئے دائمی نمونہ ہے اور دائمی سیرت کی شرط یہ ہے کہ صاحب سیرت کی زندگی کے حالات اور تمام نقش ونگار ہماری آنکھوں کے سامنے ہوں اور یہ ضرورت صرف احادیث نبوی ہی سے پوری ہوتی ہے۔

قرآن مجید اور احادیث نبوی کی حیثیت اور مرتبے کو ذہن نشین کرنے کی مثال آجکل کی اصطلاح میں یوں ملتی ہے کہ قانون سازی لیجسلیٹو کونسل کا کام ہے۔ ہائیکورٹ کا کام قانون سازی نہیں مگر جس قانونی دفعہ پر ہائی کورٹ کسی صورت میں فیصلہ کر دے تو تمام صوبہ کے لئے وہ فیصلہ بعینہٖ قانون کے نافذ ہو جاتا ہے اور اگر پریوی کونسل کے جج کسی جانب رائے قائم کر دیں تو سارے ممالک محروسہ کے لئے حجت ہو جاتا ہے حالانکہ وہ فیصلہ قانون نہیں بلکہ قانون کی تشریح اور حسب قانون فیصلہ ہے ٹھیک اسی طرح پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ نسبت خاص ہے۔

قرآن قانون خداوندی ہے اور حدیث اس قانون کی تشریح اور حسب قانون فیصلہ پیغمبری ہے جو تمام عالم اسلام کے لئے مثل قانون کے نافذ۔ واجب العمل اور حجت ہے۔

رسول خدا صلعم بحیثیت بشریت ہماری طرح ایک مخلوق ہیں۔ جن کی اطاعت اس حیثیت نہ فرض ہے اور نہ واجب مگر بوصف رسالت اور بحیثیت نبوت آپ کی شان خصوصی یہ ہے کہ آپؐ کی اطاعت بعینہٖ خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ اور آپ کی نافرمانی عین خدا کی نافرمانی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسول کی اطاعت کی وہ خدا کی اطاعت کرتا ہے۔ لہذا حدیث کی اطاعت عین قرآن کی اطاعت ہے۔ اور قانون الٰہی (قرآن) بذاتہ مستقل ہے اور قانونی تشریح اور فیصلہ (حدیث) مستقل بالذات نہیں۔ بلکہ قانون پر متفرع ہے مگر پابندی میں دونوں برابر۔

مذکورہ بالا قرآنی آیات اور دلائل کا خلاصہ یہ ہوا کہ رسول خدا بشر تھے۔ آپ کو خدا نے بذریعہ وحی کے (اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى) تفسیر قرآن کرنے کا منصب خصوصی عطا فرمایا تھا پس رسول خدا صلعم مفسر قرآن تھے مگر دوسرے مفسروں کی طرح نہیں بلکہ آپ کی تفسیر فہم الٰہی سے تھی۔ تفسیر نبوی اور تفسیر غیر نبوی کا فرق معلوم کرنے کے لئے یہ مثال ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ قانون کی ایک تو تشریح وہ ہوتی ہے جو عام وکلا اور بیرسٹر کرتے ہیں اور ایک تشریح وہ جو پریوی کونسل کرتی ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ وکلا کی تشریح قانون اور واجب الاتباع نہیں مگر پریوی کونسل کی تشریح مثل قانون لا

کے نافذ العمل اور واجب الاتباع ہے یہی فرق غیر نبوی کا ہے۔ پس

قرآن متن ہے اور احادیث نبوی اس کی تفسیر

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دین الٰہی میں ہر قسم کی تحریف کرنے سے ڈرایا ہے اور شدت کے ساتھ اس سے منع کیا ہے اور آپ نے اپنی امت سے اس کا عہد لیا ہے سو دین میں تحریف کرنے کا بڑا اسبب "تہاون" ہے یعنی سنت (حدیث) سے متمسک نہ ہونا اور اس کو چھوڑ دینا۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

آہ حضورؐ کے بدقسمت اور ظالم امتوں (اہل القرآن) نے آپ کے عہد کو نہایت بیدردی سے توڑ دیا۔ آپ کے اقوال وافعال سے نفرت و دشمنی کا اظہار کر کے آپ کی امت سے قطع تعلق کر لیا اور دین محمدیؐ میں تحریف کا دروازہ کھول دیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مامن نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ من امتہ حواریون من اصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انھا تخلف من بعدھم خلوف یقولون مالا یفعلون ویفعلون ما لا یامرون فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مومن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مومن ولیس وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل

کوئی نبی مجھ سے پہلے مبعوث نہیں ہوا جس کی امت نہ ہوئی ہو اور جس کے بعد اس کے حواری اور اصحاب نے اس کی سنت سے اخذ شریعت اور اس کے اوامر کی اقتدا نہ کی ہو۔ ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آتے رہے جو ناکردنی افعال کرتے رہے پس جس نے ان سے ہاتھ کے ساتھ جہاد کیا وہ مومن ہے۔ جس نے زبان کے ساتھ جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور جس نے قلب کے ساتھ جہاد کیا وہ بھی مومن ہے اور اس کے بعد ایمان کا ایک حبہ بھی نہیں۔

اس کا ماحصل یہ ہے کہ جب تک پچھلی امتیں اپنے نبی کی سنت پر عمل پیرا اور اس کے اصحاب و حواری کے طریقہ پر قائم رہیں گمراہ نہ ہوئیں اور جب اس سے انحراف کیا گمراہی کے غار میں جا پڑیں پس نبی کی سنت پر عمل کرنا راہ راست ہے اور اس سے انحراف کرنا گمراہی۔

نیز حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

العلم ثلثة اٰیة محکمة اوسنة قائمة او فریضة عادلة وماکان سوی ذٰلك فهو فضل

علم تین ہی ہیں قرآن ۔ سنّت اور اسوۂ صحابہ ۔ جو کچھ اس کے سوا ہے وہ فضول ہے

ایک جگہ تاکید فرمائی ہے ۔

لا الفین احدکم متکئا علی اریکته یاتیه الامر من امری مما امرت به او نهیت عنه فیقول لا ادری ماوجدناه فی کتٰب اللّٰه

میں تم میں سے کسی کو اپنی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے نہ پاؤں اور وہ یہ کہے کہ میں قرآن کے سوا کچھ نہیں جانتا ۔

یعنی تم میں سے کسی کو یہ نہ چاہیئے کہ میں سوائے قرآن کے سنّت کو نہیں مانتا کیونکہ سنّت سے اعراض کرنا قرآن سے اعراض کرنا ہے ۔ پس

سچا اور کامل مسلمان وہ ہے جو قرآن وحدیث دونوں سے تمسک کرے اور اسی کا نام اعتصام بالحق ہے ۔

خلاصہ مافی الباب ۔ یہ کہ اسلام کی الہامی تعلیم قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ہے اور قرآن وحدیث میں فرق یہ ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث غیر متلو ۔

(۱۴) کیا اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے اور اخلاق ومعاشرت اور ترقی روحانی میں ان کی رہنمائی حاصل کرنے کے لئے قرآن وحدیث کے علاوہ بھی اور کتابوں سے مدد لینے کی ضرورت ہے؟

تمہید ۔ اس مادی کائنات میں حکمت بالغہ وقدرت کاملہ کی طرف سے کچھ ایسے قوانین غیر متبدل قائم کئے گئے ہیں جن پر اشیاء عالم کا کمال منحصر ہے ۔ اشیاء عالم کا ان قوانین کی حدود میں مقید رہنا اور اخلاق جہاں کی عطا کی ہوئی فطرت لیں نشو وارتقا ہونا ہی ان کی ترقی کا موجب ہے ۔ یعنی مادی دنیا کی ہر چیز کیلئے خدا کی طرف ایک فطرت اور قانون مقرر ہے ۔ اشیاء عالم کا قیام وبقا اور ارتقاء ان ہی قوانین

مقررہ کے ماتحت ہوتا ہے۔ وہ قوانین تو محدود ہوتے ہیں مگران کی پابندی سے غیر محدود ترقیات کا دروازہ کھلتا ہے۔ مثلاً دیکھئے سورج اور چاند کی روشنی اور گرمی غیر متبدل ہے۔ خود چاند اور سورج کی ساخت اور ان کے اجزاء غیر متبدل ہیں لیکن نباتات وحیوانات کی غیر متناہی ترقی کا موجب ہیں۔

آگ، پانی اور ہوا کے خواص تو محدود ہیں مگر ان سے استفادہ اور عمل کے لئے غیر متبدل قوانین ہیں جن سے آج انسان طرح طرح کی ترقیات حاصل کر رہا ہے۔ اسی طرح نظام شمسی کے قائم رہنے کے لئے کشش ثقل کا قانون ہے جو اجرام فلکی کو اپنے اپنے نظام اور حدود پر قائم کئے ہوئے ہے مگر کشش ثقل کا یہی غیر متبدل قانون کائنات کے لئے لامحدود برکات اور ترقیات کا موجب ہے۔

ٹھیک اسی طرح اسلام کے محدود اور غیر متبدل قوانین کی پابندی سے لامحدود برکات اور ترقیات کے دروازے کھلتے ہیں کیونکہ اسلام کے قوانین انسانیت کے قیام و بقا اور عروج و ارتقاء کے لئے خدا کی طرف سے مقرر ہوئے ہیں۔ جن پر چل کر روحانیات میں۔ اخلاقیات میں۔ سیاسیات میں تمدن و معاشرت میں اور تعلیمات بین الاقوامی میں غیر متناہی ترقی ہوتی ہے۔ انسانیت کے لئے غیر متناہی ترقیات کا دروازہ کھولتی ہے۔ جو مخلوق کے فیوض و برکات کا منبع ہیں۔ غرض اسلام انسانی کمالات کے تمام شعبوں کو انتہا درجہ کی ترقی عطا کرتا ہے اور ایک کامل و مکمل خدائی دستور العمل ہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ آجکل سائنس و ایجادات کی دنیا میں جس قدر رونق ہے اور تمدن و معاشرت جتنے ارتقائی منازل طے کر رہے ہیں یہ سب کچھ اسلامی تعلیمات کا اثر اور اسلام کے قدم کی برکت اور فیض ہے۔ مسلمانوں میں اسلام کے سوا کوئی پروگرام کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کوئی سیاسی۔ مذہبی و اخلاقی اور تعلیمی تحریک خواہ اُسے مغرب پیدا کرے یا مشرق اگر وہ اسلام کے نقش قدم پر نہیں تو وہ ان میں مقبول اور حیات بخش ثابت نہیں ہوسکتی۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں صدہا خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں وہ اپنے مرکز حیات سے دور جا پڑے ہیں اور وہ اپنی اصلاح و ترقی میں محتاج و دوہیں لیکن اگر وہ اسلاف کی تعلیمات پر چل کھڑے ہوں تو وہ ایسے ہی کامیاب۔ سرفراز اور فائز المرام و شادکام ہوسکتے ہیں۔ جیسے کہ ہمارے اسلاف کرام تھے۔ ان میں کوئی کمزوری اور خرابی واقع نہ رہے۔ پس تمدن و معاشرت اور ترقی روحانی میں ان کے لئے اصل چیز یہ نہیں کہ وہ دربدر بھٹکتے پھریں۔ کوئی نیا سبق تلاش کریں۔ کوئی نیا پروگرام وضع کریں اور یا مغرب کے ان سرچشموں سے پانی کے نل لائے جائیں اور مسلمانوں کو غسل دیا جائے بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ اس ٹوٹی ہوئی کڑی کو اسلام کے حلقۂ اطاعت سے منسلک کر دیا جائے اس کے

بعد آناً فاناً ہیں وہ ہر کمزوری ہر ذلت وضعف سے پاک ہو جائیں گے۔ اور اسی بوڑھی دنیا نے جو کچھ قرن اول کے پہلے پچاس برسوں میں دیکھا تھا وہی آج کے بعد اگلے پچاس برسوں میں ظہور پذیر ہو جائے گا۔

مسلمانوں کی ترقی۔ زندگی۔ تنظیم اور تعمیر کے صرف یہ معنی ہیں کہ وہ احکام دین کی اطاعت کریں اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں۔ مسلمانوں کی ترقی اور تنظیم کا سرچشمہ۔ روحانی اور مادی فلاح کا زینہ۔ دینوی و اخروی سعادت کا اصل الاصول۔ امت کی مذہبی۔ سیاسی اور مجلسی اصلاح کا ذریعہ۔ ہر ہر مرض کی دوا اور تمام کمزوریوں کا واحد علاج یہ ہے کہ وہ صحیح معنوں میں مومن بنجائیں

اسلامی زندگی کے کئی پہلو ہیں روحانی پہلو۔ جسمانی پہلو۔ معاشرتی پہلو۔ سیاسی پہلو اور اقتصادی پہلو۔ یہ تمام پہلو اسلامی زندگی کے مختلف شعبے اور شاخیں ہیں اور جڑ اس زندگی کی اعتصام بالکتاب والسنتہ اور اسوہ نبویؐ کی پیروی ہے۔

جس طرح جسمانی اور مادی محبت کے لئے ضروری ہے کہ اعضائے جسمانی کے حسن و نزاکت پر اطلاع پائی جائے۔ اسی طرح دینی اور روحانی محبت کے لئے اور اسلامی برکات و فیوض حاصل کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات پر اطلاع پانا اور ان کا سمجھنا شرط ہے۔ مسلمان جس قدر زیادہ اسلامی تعلیمات سے واقفیت پیدا کریں گے۔ اس کے محکم اصولوں پر غور و خوض کریں گے اور پیغمبر اسلام کی ذات ستودہ صفات سے وابستگی و شیفتگی کا اظہار کریں گے ان میں زندگی اور روحانی زندگی کا نور چمکے گا اور وہ عروج و ارتقاء کی منازل طے کریں گے۔

سو جاننا چاہئے کہ اصول شرع چار ہیں کتاب اللہ[1]۔ سنت رسول اللہ[2]۔ اجماع امت[3] اور قیاس[4] اسلامی احکام و مسائل کا پہلا ماخذ قرآن کریم ہے۔ اس کے بعد بتدریج اصول ثلثہ۔ و سنت فرع ہے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ یعنی تصدیق باللہ و رسولہ کی۔ اور اسلامی احکام کے ان ہی چاروں اصول میں منحصر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مسائل و احکام کو مستنبط کرنے والے اور مستدل کے لئے ضروری ہے کہ وہ وحی الٰہی سے تمسک کرے۔ اب وحی کی دو قسمیں ہیں وحی متلو اور غیر متلو۔ وحی متلو قرآن مجید ہے اور غیر متلو حدیث نبوی اور غیر وحی اگر کل مجتہدین کا اتفاق ہے تو اجماع ورنہ قیاس۔

قیاس کا مرتبہ اصول ثلثہ کے بعد ہے۔ لیکن جب تک کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ اور اجماع میں کوئی موجود ہو اس وقت تک قیاس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ان تینوں اصول میں کوئی حکم نہ پایا جائے تو پھر قیاس کی ضرورت پڑتی ہے۔

کتاب اللہ میں جمیع مسائل و احکام ہیں اور قرآن کریم تمام علوم اولین و آخرین کا منبع اور ماخذ ہے

جس کی موجودگی سنت رسول اللہ۔ اجماع اور قیاس سے بے نیاز کرتی ہے لیکن چونکہ خدائے قدوس نے جو کچھ ہم کو دیا ہے وہ بالاجمال دیا ہے اور اس کی تفصیل و تشریح انسانی تلاش وسعی پر چھوڑ دی ہے جو ایک کمال قرآنی ہے اس لئے آخری اصول ثلثہ کتاب اللہ کے حقیقی مفہوم اور معانی تک پہنچنے کا ذریعہ وسیلہ ہیں۔ حدیث نبوی چونکہ تفہیم الٰہی کے ماتحت قرآن ہی کی تفصیل و تشریح ہے اس لئے اس حیثیت سے قرآن و حدیث ایک ہی ہیں۔

مذہب اسلام پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے عقائد۔ عبادات۔ معاشرت۔ اخلاق۔ اصلاح نفس قرآن و حدیث ان ہی پانچ امور پر مشتمل ہیں۔

دین الٰہی کے ان پانچوں اجزاء کو براہ راست قرآن کریم سے حاصل کرنا اور ان سے واقفیت بہم پہنچانا عوام الناس کی دسترس سے باہر ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ان امور خمسہ اور ان کے متعلقات کو بالتفصیل اور ترتیب وار نہیں بیان کیا گیا۔ خدا جزائے خیر دے ہمارے مفسرین کرام۔ مجتہدین اور فقہائے عظام کو جنہوں نے اس مشکل کو آسان کر دیا اور قرآنی احکام اور علوم و معارف کو کالشمس فی النہار کر دیا اور اسلامی تعلیمات کو مسلمانوں کی تقلید و تعمیل اور غیروں کی تنقید کے لئے عام اور آسان کر دیا۔ یعنی اثبات عقائد کے لئے علم کلام ایجاد کیا اس علم کے ذریعہ متکلمین اسلام نے مہمات عقائد اسلامیہ اور فلسفہ الٰہیات کو عام اور آسان کیا۔ عقائد کو سمجھانے کے لئے ایسے دلائل و براہین بیان کئے جو کسی قدر سریع الفہم اور سادہ ہیں۔

عبادات و معاشرت کے حصہ کی خدمت فقہائے اپنے ذمہ لے لی اور اس مقدس گروہ نے عبادات و معاشرت اسلامی کی واقفیت کے لئے ایک علم ایجاد کیا جس کو فقہ کہتے ہیں۔ اس علم پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں اور اسلام کی ایک نہایت ضروری خدمت سر انجام دی

اصلاح نفس کی خدمت اور رہنمائی صوفیائے کرام سے متعلق ہوئی۔ اس پاکیزہ نفوس جماعت نے اخلاق اور تہذیب نفس پر بیشمار کتابیں لکھیں اور مسلمانوں کو اسلام کے باطن سے واقفیت حاصل کرنے کا ذریعہ بہم پہنچا دیا۔

پس ہمیں اسلامی تعلیمات کے سمجھنے اور عقائد، عبادات و معاشرت اور ترقی روحانی میں قرآن و حدیث کی رہنمائی حاصل کرنے کے لئے قرآن و حدیث کے علاوہ علم کلام۔ فقہ اور تصوف کی کتابوں سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔

مگر اسی حد تک کہ ان علوم کو صرف اسلامی تعلیمات کے سمجھنے کا ذریعہ سمجھا جائے ورنہ ان علوم

کا حاصل کرنا مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ صرف قرآن و حدیث کو آسان کرنے کے وسائل و ذرائع ہیں اور علوم سے مدد لینے کی صرف ان لوگوں کو ضرورت ہے جو قرآن و حدیث سے استخراج مسائل کی قدرت نہ رکھتے ہوں اور جس شخص میں اجتہاد کی تمام شرائط کا تحقق ہو جائے اور وہ استنباط و اجتہاد کے مرتبہ پر پہنچ جائے تو پھر کوئی ضرور نہیں کہ وہ لا محالہ ان علوم پر ہی قناعت اور بھروسہ کئے رہے اور اصول کو قائم رکھتے ہوئے فروعات میں آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے زمانہ کے حالات بدل گئے ہیں اور کامیابی و ترقی کے طریقے بھی بدل گئے ہیں۔ اس دعوی میں اتنا غلو کیا جاتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ اس تہذیب نو کے زمانہ میں اسلام کی تمام تعلیمات ہی بیکار اور ناکارہ ہو گئیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جن طریقوں سے رسول خدا اور صحابیوں نے اپنے وقت میں ترقی کی تھی وہ طریقے موجودہ زمانہ کے لئے نعوذ باللہ ناکافی۔ ناموزوں۔ بلکہ مضر ہیں۔ اس لئے اب مسلمانوں کو یورپ کی شاگردی اختیار کرنی چاہئے۔

اس پر دلیل یہ دی جاتی ہے کہ نئے علمی و صنعتی اکتشافات نے پرانے تعلیمی پروگرام کو ہی بدل دیا ہے۔ پہلے مسلمانوں کی تعلیم تھی کیا۔ محض لفاظی اور منطق و فلسفہ کے خیالی ڈھکوسلے سو وہ سارا دفتر گاؤ خورد ہو گیا۔ اب تو ہندسہ۔ ریاضی اور طبیعات جیسے علوم کی قدر ہے۔ جن کا مدار بدیہات اور مشاہدات پر ہے۔ یہ انہی علوم کا نتیجہ ہے کہ ریلیں چل پڑیں۔ تار دوڑنے لگے۔ نہریں جاری ہو گئیں اور ہزارہا قسم کی کلیں ایجاد ہو گئیں۔

ہم اس دعوی کی تردید میں تفصیلات میں پڑے بغیر نہایت زور کے ساتھ دعوی کرتے ہیں کہ جہاں تک عام اصول اور کلیوں کا تعلق ہے، دنیا آج ہر حیثیت سے ٹھیک اسی نقطہ پر قائم ہے جہاں اپنے آغاز سے قائم رہی ہے اور اپنے انجام تک قائم رہے گی۔ صرف تفصیلات و جزئیات کی تبدیلیاں ہوئی ہیں جو لازمہ بشریت ہیں۔

اسلام کے سچے۔ منجانب اللہ۔ عقلی اور ترقیات زمانہ کا ساتھ دینے والے مذہب ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنے احکام و تعلیمات کے دو مختلف حصے کر دئے ہیں ایک وہ جو دائمی صداقتوں، ابدی حقیقتوں اور نہ بدلنے والی سچائیوں پر مشتمل ہے اور دوسرا وہ جو جزئی حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ۔ جماعت اور فرد کے لئے بدلتا رہتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا وہ دائمی اور اٹل حصہ ہے جس لفظی تعلیم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اس تعلیم کے مجموعہ کا نام کتاب اللہ اور سنت

رسول اللہ ہے جس کا ہر حکم ہر فرد ہر ملک اور ہر زمانہ کے لئے اٹل ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس کی تعلیم علم کلام اور فقہ وغیرہ اسلامی علوم نے دی ہے اور جو اسلام میں بطور اس کے نہیں بلکہ بطور فرع کے ہیں اس میں ضروریات وقت اور ملک کے مطابق اجماع اور قیاس وغیرہ سے تبدیلی ہر وقت ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصول شرع میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے بعد اجماع اور قیاس کو بھی رکھا گیا ہے۔

اب ہم مذکورہ بالا علوم کی تعریف و ضرورت وغیرہ امور کو بیان کرتے ہیں۔

عِلم کلامْ

کلام عقائد اسلامیہ مثلاً ذات و صفات باری تعالیٰ۔ نبوت ۔ معاد ۔ اعادہ معدوم اور عذاب قبر کی معرفت کا نام ہے۔ چنانچہ علامہ کمال بن الہمام لکھتے ہیں۔

والکلام معرفة النفس ما علیها من العقائد المنسوبة الی دین الاسلام عن الادلة

یعنی کلام ان عقائد اسلامیہ کے دلائل کی معرفت کا نام ہے جو دین اسلام کی طرف منسوب ہیں۔

فائدہ اس علم کا یہ ہے کہ اس سے ایمان و تصدیق محکم ہوتے ہیں۔ شک و اوہام کا ازالہ ہوتا ہے اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔

حکم اس کا یہ ہے کہ اس علم کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ یعنی اگر ممالک اسلامیہ میں سے ایک ملک میں بھی ایسی جماعت ہو گی جو اثبات عقائد اسلامیہ اور ابطال شک و ریب کی خدمت میں مشغول ہو تو یہ فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ البتہ جس شخص کے دل میں عقائد کے باب میں تذبذب اور کسی قسم کا شک و شبہ ہو تو اس پر شک کا ازالہ اور قلب کا ریب سے پاک کرنا فرض عین ہے۔ کیونکہ نجات کا مدار ہی عقائد پر ہے۔

علم کلام حقیقت میں دو چیزوں کا نام اثبات عقائد اور ابطال فلسفہ یعنی عقائد حقہ کا ثبوت اور ان پر دلائل براہین کا قائم کرنا اور فلسفہ وغیرہ کا ابطال کرنا۔

علم کلام کی تقسیم

علم کلام اثبات و ابطال کے مجموعہ کا نام ہے۔ حالانکہ اس کی دو جداگانہ قسمیں ہیں اور دونوں کے مقاصد بالکل جدا ہیں

ایک علم کلام تو وہ ہے جو اسلامی فرقوں کے باہمی اور اندرونی جھگڑوں سے پیدا ہوا اور دوسرا وہ جو فلسفہ کے مقابلہ میں ایجاد ہوا۔ جو علم کلام اسلامی فرقوں کے مقابلہ میں پیدا ہوا اس کو نقلی علم کلام کہتے ہیں اور نقلی اس لئے کہتے ہیں کہ عقائد اسلامیہ کو دلائل نقلیہ یعنی قرآن وحدیث سے ثابت کیا جاتا ہے۔ اور جو فلسفہ کے ابطال میں ایجاد ہوا اس کو عقلی کہتے ہیں۔ نقلی علم کلام کے بانی امام ابوالحسن اشعری ہیں اور عقلی کا بانی اول ابوالہذیل علاف ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک یہ دونوں بالکل الگ الگ رہے لیکن امام غزالی نے ان دونوں کے اختلاط کی بنا ڈالی اور امام رازیؒ نے ترقی دی۔ خود امام غزالی نے اس قدر ترقی دی کہ نقلی ہونے کے بجائے عقلی بن گیا۔ اور پھر متاخرین نے اس قدر خلط مبحث کر دیا کہ فلسفہ کلام اور اصول عقائد سب گڈ مڈ ہو گئے۔

علم کلام کی وجہ تسمیہ بعض محققین کا خیال ہے کہ چونکہ سب سے پہلا اختلاف جو عقائد کے متعلق پیدا ہوا وہ کلام الٰہی کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی نسبت ہوا۔ اس مناسبت اور تعلق سے علم عقائد کا نام کلام پڑ گیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ پہلا اختلاف امت محمدی میں کلام الٰہی کی نسبت پیدا نہیں ہوا۔ اس بارے میں صحیح رائے یہ ہے کہ چونکہ علم کلام فلسفہ کے مقابلہ میں ایجاد ہوا تھا اور فلسفہ کی ایک شاخ منطق ہے اور کلام و منطق مرادف اور ہم معنی الفاظ ہیں اس لئے اس فن کا نام کلام ہی رکھا گیا۔

علم کلام کی تاریخ اسلام جب تک عرب تک ہی محدود رہا اور اس میں سوائے عربوں کے غیر قومیں شامل نہیں ہوئیں عقائد کے متعلق کسی قسم کی چھان بین اور کد و کاوش پیدا نہیں ہوئی کیونکہ عرب کا مذاق تخیل نہیں بلکہ عمل تھا۔ ہر ایک قوم کی فطری خصوصیتیں اور طبعی اخلاق علیحدہ علیحدہ ہوا کرتے ہیں۔ عرب کی قوم فطرۃً سرتا پا عمل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ مسائل نماز روزہ اور حج و زکوٰۃ تو حضورؐ سے پوچھا کرتے تھے مگر ذات و صفات الٰہیہ کے متعلق سکوت کو اولیٰ سمجھتے تھے۔ ذات و صفات باری تعالےٰ کے متعلق جس قدر قرآنی آیات ہیں اُن کا مفہوم وہی لیتے تھے جو ہر عربی داں سمجھ سکتا ہے۔ جو باتیں اعتقاد اور ایمان سے تعلق رکھتی ہیں ان کے متعلق وہ زیادہ کرید اور چھان بین کو چنداں اہمیت نہ دیتے تھے۔ بلکہ اجمالی عقیدہ کو کافی سمجھتے تھے۔ البتہ اسلام کے عملی امور کے متعلق انہوں نے شروع ہی سے تحقیقات و تدقیقات شروع کر دی تھی جس کی وجہ سے صحابہؓ ہی کے زمانہ میں فقہ کا ایک مجموعہ تیار ہو گیا تھا اور اُمت کو اسلام

کا عملی حصہ ہاتھ آگیا ورنہ شروع ہی سے سراپا تخیل بنکر رہ جاتے۔ غرض ان کا دماغ اعتقاد کے بارے میں ہر قسم کے شک و شبہ اور اوہام وظنوں سے محفوظ تھا اور ان کے فہم و عمل کی بنیاد صرف فطری جذبات اور ایثار و قدویت پر تھی۔

صحابائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی استوار بصیرت۔ مستقیم نظر اور غیر مخدوش دماغ نے اوائل اسلام میں ہی ایمان وایقان کے اس نکتہ کو سمجھ لیا تھا کہ عقائد میں طبیعت کی کُرید انسان کو بے عملی اور بالآخر گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ انہوں نے امت محمدی کو اپنے طرز عمل سے یہ سبق دے دیا تھا کہ مذہب کی جڑ بنیاد خدا کی شناخت ہے جس کو نہ کسی نے دیکھا اور نہ کوئی دیکھ سکتا ہے۔ مذہب کوئی مشاہدے کی چیز نہیں اور شکی و بیچین طبیعتوں اور مذہب میں کبھی التیام ہو ہی نہیں سکتا لہذا مذہب کے بارے میں تسلیم و رضا ہی بہتر ہے۔ اور یہ صبر کی جگہ ہے۔

دیکھئے نا یہ جو ہم اس دار المحن دنیا میں پڑے ہوئے مصیبتیں اور آفتیں بھگت رہے ہیں یہ سب کچھ نتیجہ ہے طبیعت کی کرید اور عقل کی چھان بین کا۔ حضرت آدمؑ سے صبر نہ ہو سکا اور جس درخت کا پھل کھانے کی ممانعت تھی اس کو کھا کر رہے جس کا مزہ ہم چکھ رہے ہیں۔

کاش اس نکتہ کو امت سمجھ لیتی تو فرقہ بندی اور اختلاف کی لعنت اسلام کی سیاسی و روحانی اقتدار کو ملیا میٹ کرنے کا باعث نہ ہوتی۔ حضور نے پیشین گوئی فرمائی تھی وہ پوری ہو کر رہی یعنی جب اسلام کو زیادہ وسعت ہوئی اور ایرانی، یونانی اور قبطی وغیرہ سراپا تخیل قومیں اپنے آبائی خیالات و عقائد کے گہرے نقوش لئے ہوئے اسلام کے حلقہ میں تو عقائد کے متعلق چھان بین۔ نکتہ چینی اور کمزور طبیعتوں کی کُرید شروع ہو گئی اور اسلام اختلاف عقائد کی بنیادی اینٹ رکھدی گئی۔

اب ہم اختلاف عقائد کے وہ اسباب درج کرتے ہیں جو علامہ شبلی نے اپنی کتاب الکلام میں بیان کئے ہیں ہم صرف ضروری ضروری جملے نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔

اختلاف عقائد کے اسباب

پہلا سبب۔ یہ تھا کہ جو قومیں اسلام لائیں اُن کے قدیم مذہب میں مسائل عقائد مثلاً صفات خدا، قضا و قدر، اور جزا و سزا کے متعلق خاص خیالات تھے، ان خیالات میں جو علانیہ عقائد اسلام کے خلاف تھے مثلاً تعدد الٰہ شرک و بت پرستی وہ وہ تو بالکل دلوں سے جاتی رہی لیکن جہاں اسلامی عقائد کے کئی پہلو ہو سکتے تھے اور ان میں سے کوئی پہلو ان کے قدیم عقائد سے ملتا جلتا تھا۔ وہاں بالطبع وہ اس کی طرف مائل ہو سکتے تھے اور چونکہ مختلف مذاہب کے لوگ اسلام کے

دائرے میں آئے تھے اور ان کے قدیم عقائد آپس میں بالکل مختلف تھے اس لئے ان مختلف عقیدوں کا جو اثر ہو سکتا تھا اس کا مختلف ہونا بھی ضرور تھا۔ مثلاً یہودیوں کے یہاں خدا بالکل ایک مجسم آدمی کے پیرایہ میں تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس کی آنکھیں دکھنے آتی ہیں، آنکھوں میں نہایت درد ہوتا ہے، فرشتے عیادت کرتے ہیں۔ کبھی وہ کسی پیغمبر سے کشتی لڑتا ہے اور اتفاق سے چوٹ کھا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے اعتقاد والے جب اسلام لائے تو ضرور تھا کہ ان کا میلان اُن آیتوں کی طرف ہو جن میں خدا کی نسبت ہاتھ منہ وغیرہ الفاظ وارد ہیں اور ضرور تھا کہ وہ ان الفاظ کے یہی معنے قرار دیں کہ خدا کے واقعی ہاتھ پاؤں ہیں۔

دوسرا سبب۔ اس کے علاوہ بعض مسائل ایسے ذو وجہین تھے کہ ان کے متعلق جب رائیں قائم کی جاتیں خواہ مخواہ رایوں میں اختلاف ہوتا۔ مثلاً جبر و قدر کا مسئلہ ایک طرف نظر آتا ہے کہ ہم اپنے افعال کے آپ مختار ہیں، دوسری طرف زیادہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ افعال ایک طرف ہمارا ارادہ بھی ہمارے اختیار میں نہیں۔

تیسرا سبب۔ ایک سادہ دل سلیم الطبع مقدس شخص جب خدا کا تصور دل میں لاتا ہے تو اس کے ذہن میں خدا کی یہ تصویر آتی ہے وہ مالک الملک اور تمام شاہوں کا شہنشاہ ہے۔ اس پر کوئی شخص حکم نہیں چلا سکتا۔ کوئی چیز اس پر واجب اور ضروری نہیں، کسی کو اس کے احکام میں چون و چرا کی مجال نہیں اس کو اختیار ہے کہ گنہگاروں کو بخش دے اور نیکوں کو سزا دے۔ اپنی قدرت کاملہ کا ظہور دکھائے تو سنگریزہ پہاڑ بن جائے، رات دن ہو جائے، آگ کی گرمی سردی سے بدل جائے، پانی کی روانی رک جائے۔

ہر چیز کی وہ آپ علت، جن چیزوں کو ہم اسباب و علت سے تعبیر کرتے ہیں سب ہیچ ہیں انسان اپنے افعال کا آپ مختار نہیں بلکہ جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے۔

یہی خیالات عقائد کا پیرایہ اختیار کر کے اشاعرہ کے مسلمات بن گئے چنانچہ ان ہی باتوں کو مسائل کی صورت میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔

خدا کے احکام مصلحت پر مبنی نہیں۔ کوئی چیز دنیا میں کسی کی علت نہیں۔ اشیاء میں خواص اور تاثیر نہیں۔ خدا نیک آدمیوں کو بے وجہ سزا دے تو یہ ناانصافی نہیں ہے۔ انسان کو اپنے افعال پر قدرت نہیں ہے۔ خدا ہی انسان سے نیکی بھی کراتا ہے اور بُرائی بھی۔

اس کے مقابلہ میں ایک فلسفی خدا کا اس طرح تصور کرتا ہے۔

خدا کی تمام باتیں مصلحت پر مبنی ہیں اور ایک ذرہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ اس نے نظام عالم کا

ایسا باقاعدہ اور مضبوط سلسلہ قائم کر دیا جو کبھی نہیں ٹوٹتا، اس نے اشیاء میں خواص اور تاثیر رکھی ہے جو اُس سے منفک نہیں ہوتی۔ اس نے انسان کو اپنے افعال کا مختار اور ذمہ دار بنایا ہے عدل و انصاف اس کی فطرت ہے اور کبھی اُس سے ناانصافی کا ظہور نہیں ہو سکتا۔

یہ خیالات معتزلہ کے عقائد بن گئے۔

ابوالقاسم انصاری فرماتے ہیں "کہ اشاعرہ کا خیال خدا کی قدرت کی وسعت کی طرف گیا۔ اور معتزلہ کا خیال خدا کی تعظیم اور مبرا عن العیوب ہونے پر، غور سے دیکھو تو دونوں خدا کی عظمت و تقدس کے معترف ہیں، صرف اصابت رائے اور غلطی رائے کا فرق ہے۔"

چوتھا سبب۔ اختلاف عقائد کا ایک بڑا سبب عقل و نقل کی بحث تھی، فطرت نے انسانوں میں دو قسم کی طبیعتیں پیدا کی ہیں، ایک وہ ہیں جو ہر بات میں عقل کو دخل دیتے ہیں، اور کسی بات پر جب تک ان کی عقل میں نہ آئے یقین نہیں کرتے، دوسرے وہ ہیں جن کو اس قسم کی بحث اور چون و چرا کا مذاق نہیں ہوتا، وہ جب کوئی بات کسی بزرگ یا معتقد علیہ سے سُن لیتے ہیں تو اس کی لِم اور علت سے بحث نہیں کرتے بلکہ امنا و صدقنا کہکر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

یہ دونوں مختلف مذاق، خود صحابہؓ کے زمانہ میں موجود تھے اور زمانہ مابعد میں بھی قائم رہے۔

پانچواں سبب۔ ایک بڑا سبب علماء کے طریقہ معاشرت کا اختلاف تھا، محدثین اور فقہا کا یہ طرز تھا کہ وہ اپنے مذہبوں کے سوا کسی اور مذہب والے سے نہ ملتے تھے، جس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ وہ غیروں سے ملنے کو اچھا نہ سمجھتے تھے، اور کچھ یہ کہ ان کو احادیث کی تلاش و جستجو، تحقیق و تفحص، نقل و روایت سے کسی اور کام کی فرصت ہی نہ مل سکتی تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ محدثین کے کانوں میں مخالف مذہب کی آواز نہیں پہنچ سکتی تھی اور ان کو مطلق خبر نہ ہوتی تھی کہ اسلام پر کیا اعتراض کئے جا رہے ہیں ان کا خطاب صرف اپنے معتقدین کے گروہ سے ہوا کرتا تھا اور وہ ان سے جو کچھ کہہ دیتے تھے وہ لوگ بغیر کسی عذر کے قبول کر لیتے تھے، محدثین سے لوگ پوچھتے تھے کہ خدا جب جسمانی نہیں ہے۔ تو عرش پر کیونکر متمکن ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے تھے۔ "الکیف مجھول والسوال بدعة" یعنی اس کی کیفیت معلوم نہیں اور سوال کرنا بدعت ہے۔ معتقدین خاموشی کے ساتھ اس جواب کو قبول کر لیتے تھے اور اس لئے محدثین کو اس ابہام کے رفع کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ بخلاف اس کے متکلمین اور خصوصاً معتزلہ ہر مذہب اور ہر فرقہ کے لوگوں سے ملتے تھے اور ان سے مناظرہ و مباحثہ کرتے تھے، ان پڑھے ہوئے جنہوں پر محکمانہ جواب کا زور نہیں چل سکتا تھا، اس لئے ان کے سامنے اصل حقیقت کا اظہار کرنا اور ابہام

اجمال کی گرہ کھولنی پڑتی تھی۔

اس بنا پر عقائد میں جس طرح درجہ بدرجہ تغیر ہوتا جاتا تھا اس کو ہم ایک خاص مسئلہ کی مثال میں بیان کرتے ہیں۔

پہلا درجہ۔ خدا جسمانی ہے، عرش پر متمکن ہے، اس کے ہاتھ ہیں، منہ ہے، آنحضرت کے دوش مبارک پر ہاتھ رکھ دیا تو آنحضرت کے ہاتھوں کی ٹھنڈک محسوس ہوئی (ظاہریتہ و مشبّہ)

دوسرا درجہ۔ خدا جسمانی ہے، اس کے ہاتھ ہیں، منہ ہے، ساق ہے، لیکن یہ سب ایسی نہیں جیسی ہماری ہیں۔ ارباب روایت

تیسرا درجہ۔ خدا کے نہ جسم ہے نہ ہاتھ، نہ منہ، قرآن میں جو الفاظ اس قسم کے آئے ہیں اُن سے حقیقی معنے مراد نہیں، بلکہ مجاز اور استعارہ ہے، خدا سمیع ہے، بصیر ہے، علیم ہے، اور یہ سب اوصاف اس کی ماہیت سے زائد ہیں۔

چوتھا درجہ۔ خدا کے صفات، نہ عین ذات ہیں نہ خارج ذات (محققین اشاعرہ)

پانچواں درجہ۔ خدا کی ذات واحد محض ہے اس میں کسی قسم کی کثرت نہیں، اس کی ذات ہی تمام صفات کا کام دیتی ہے۔ اس کی ذات ہی علیم بھی ہے، سمیع بھی، اور قدیر بھی۔ (معتزلہ)

چھٹا درجہ۔ خدا ہستی مطلق ہے یعنی وجود اس کی عین ماہیت ہے (فلاسفۂ اسلام)

یہی مسئلہ وحدت الوجود کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جہاں پہنچ کر فلسفہ اور تصوف کے ڈنڈے مل جاتے ہیں۔ عقائد میں اس قسم کا تدریجی تغیر، ہمیشہ علوم و فنون اور خیالات کی ترقی کی وجہ سے ہوتا ہے اور اسلام میں بھی ایسا ہی ہوا، بنوامیہ کے اخیر زمانہ میں ہی پہلی سطح سے دوسری سطح تک نوبت آگئی تھی۔ عباسیہ کا دربار فلاسفہ سے بھرا ہوا تھا اور رات دن یہی چرچے رہتے تھے، فقہا و محدثین دیر تک اپنی ظاہریت پر جمے رہے لیکن عام خیالات اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ لوگوں کو اس بات کا یقین دلانا مشکل تھا کہ خدا کے ہیں اور پیر ہمارے سے نہیں، آخر خود فقہا و محدثین ہی کے فرقہ سے ایک گروہ اشعریہ پیدا ہوا جس نے خدا کے جسم ہاتھ اور منہ سے انکار کیا، لیکن اس حد پر بھی ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔ صفات کے متعلق یہ مشکل تھی کہ اگر وہ عین ذات ہیں تو صفات الگ کوئی چیز نہیں، اور خارج از ذات ہیں تو تعدد قدما لازم آتا ہے اس اعتراض کے جواب کے لئے لا عین ولا غیر کا پہلو اختیار کیا گیا لیکن اس تنگ جادہ پر کیونکر قدم ٹھہر سکتا تھا آخر یہ ماننا پڑا کہ خدا ایک ہستی بسیط ہے اور تمام صفات کا مظہر ہے۔

اس تقریر سے یہ مقصود نہیں کہ پچھلی سطحیں بالکل مٹ گئیں، ہر زمانہ میں اور آج بھی ہر درجہ کے

اعتقاد والے موجود ہیں، بلکہ ثابت کرنا یہ مقصود ہے کہ جو نئے فرقے بنتے گئے وہ ان ہی قدیم فرقوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر بنتے گئے۔ (الکلام)

مذہبی اختلافات کی ابتدا سیاسی اختلافات سے ہوئی

اختلاف عقائد کے مذکورہ بالا اسباب اور مواد اگرچہ موجود تھا لیکن اختلافات کی ابتدا ملکی ضروریات سے ہوئی۔ وہ اس طرح کہ بنوامیہ کے زمانہ حکومت میں استبداد و ظلم کی زنجیروں نے بری طرح مسلمانوں کو بے دست و پا کر رکھا تھا اور ہر طرف سفاکی کا بازار گرم تھا۔ بھلا جوشیلی اور آزاد طبیعتیں بنوامیہ کے ظلم و سفاکیوں کی کیونکر متحمل ہو سکتی تھیں۔ جب کسی کی زبان پر شکایت کا لفظ آتا تو طرف داران حکومت یہ کہکر اس کو بند کر دیتے تھے کہ "جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے لہذا ہمیں اس امر میں دم مارنے کی جگہ نہیں۔" آخر معبد جہنی کی طبیعت میں ہیجان پیدا ہوا اور ایک دن حضرت امام حسن بصریؒ سے دریافت کیا کہ بنوامیہ کی طرف سے جو قضا و قدر کا عذر پیش کیا جاتا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے۔ حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ "یہ خدا کے دشمن جھوٹے ہیں"، وہ پہلے بنوامیہ کے ظلم اور زیادتیوں سے تنگ آیا ہوا تھا۔ اس پر امام صاحب کے اس جملے نے اسے اور بھی برافروختہ کر دیا اور اس نے بنوامیہ کے خلاف علانیہ بغاوت کر دی اور جان سے مارا گیا۔

معبد جہنی ایک نہایت دلیر اور راست گو شخص تھا جس نے بہت سے صحابہؓ کو دیکھا تھا اور حضرت امام حسن بصریؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔

معبد کے مارے جانے کے بعد حضرت عثمانؓ کے غلام غیلان دمشقی نے معبد کے مشن کو ترقی دی۔ اس نے محمد بن حنیفہ سے بیک واسطہ تعلیم پائی تھی۔ اس نے بھی بنوامیہ کے مظالم کے خلاف علانیہ بغاوت کی۔ اس کی حق گوئی، راست بازی اور دلیری کا انجام یہ ہوا کہ جب سنہ ۱۰۵ھ میں ہشام بن عبدالملک تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے غیلان کو بغاوت کے جرم میں نہایت بیدردی سے قتل کرایا۔

اسی زمانہ میں جہم بن صفوان پیدا ہوا اور وہ بھی اس امر بالمعروف و حق گوئی کے جرم میں مارا گیا۔

ظالم کا بیجا ظلم اور مظلوم کا بے گناہ خون خالی نہیں جایا کرتا۔ کبھی نہ کبھی ضرور اپنا رنگ لاکر رہتا ہے۔ معبد اور غیلان جس مقصد کو لے کر اٹھے تھے اس عدل اور امر بالمعروف کے مسئلہ

کی صورت اختیار کرلی۔ اور اس خیال نے اس قدر زور پکڑا کہ بالآخر ایک گروہ کثیر نے عدل اور امر بالمعروف کو اسلام کے اصول اولیہ میں ہی داخل کرلیا اور یہی گروہ معتزلہ لقب سے پکارا گیا۔

مذہب اعتزال کی ابتداء

اس مذہب کا بانی واصل بن عطاء ہے۔ یہ ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا بصرہ میں پرورش پائی اور ۱۳۱ھ میں وفات پائی جب اس کے عقائد اور خیالات کا علم امام حسن بصریؒ کو ہوا تو آپ نے فرمایا کہ "ھو لاء اعتزلوا" یعنی وہ معزول ہوگئے اسی وقت سے اس مذہب والوں کو معتزلہ کہا جاتا ہے۔

اس مذہب کے چار اصول ہیں۔ صفات کا انکار۔ توحید۔ عدل اور قول بالقدر اس فرقہ کے عقائد ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالق شر نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا آخرت میں دیدار نہ ہوگا۔

قرآن محدث اور مخلوق ہے۔

قبر میں بدن پر عذاب نہیں ہوتا۔

اس مذہب کی بنا، تمام تر عقل پر ہے۔ اس لئے اس گروہ کو برابر ترقی ہوتی گئی جب ۱۲۵ھ میں ولید تخت نشیں ہوا تو اس فرقہ کا شمار ہزاروں سے متجاوز ہوگیا تھا۔ اس فرقہ نے یہاں تک ترقی پائی کہ یزید بن الولید نے یہ مذہب اختیار کرلیا اور اس طرح اعتزال نے تخت پر جگہ پالی۔ اس مذہب کا ایک امام عمرو بن عبید گزرا ہے جس نے اس فرقہ کو ترقی دی۔

اسلامی فرقوں کی تعداد

سیاسی ضروریات نے اگرچہ لوگوں کو صرف جبر و قدر کے مسئلہ کی طرف توجہ دلائی تھی لیکن افتراق ایسی بُری بلا ہے کہ ایک تفریق سینکڑوں تفرقات کے لئے ہوئے آتی ہے اور جب ایک دفعہ خیالات میں کسی وجہ سے حرکت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ چنانچہ جب بنو امیہ کا دور ختم ہوا تو خلق قرآن، تنزیہ و تشبیہ، اور صفات باری وغیرہ کی بحثیں چھڑ گئیں۔ اور اختلاف آراء نے اختلاف مذہب کی صورت اختیار کرلی یعنی جس کے منہ سے جو بات نکلی وہی ایک مذہب بن گیا۔ اور بیسیوں فرقے بنتے چلے گئے۔

درحقیقت اسلامی فرقوں کی تعداد اتنی نہیں جتنی کہ بیان کی جاتی ہے دراصل اسلام کے اصلی فرقے صرف پانچ ہیں اہل السنّت۔ مرجیہ۔ معتزلہ۔ شیعہ اور خوارج۔ ان ہی فرقوں سے بہت

سے فرقے بن گئے۔

ان چار فرقوں میں سے فرقہ مرجئہ اہل السنت سے نزدیک ہے یعنی تھوڑا اختلاف ہے مرجئہ کا اعتقاد یہ ہے کہ ایمان تصدیق بالقلب وللسان کا نام ہے اور اعمال فرائض ایمان ہیں۔

اختلاف کے اصول صرف چار ہیں۔ صفات الٰہی[۱] کا اثبات ونفی۔ قدر[۲] وجبر عقائد و اعمال[۳] اور عقل[۴] ونقل۔

پہلا اختلاف۔ اس طرح پیدا ہوا کہ خدا تعالےٰ کے متعلق قرآن مجید میں جو الفاظ اس قسم کے ہیں جو جسمانیات کے لئے مخصوص ہیں مثلاً خدا تعالیٰ کا عرش پر متمکن ہونا وغیرہ کا اثبات۔ ان کے متعلق معترض سوال یہ پیدا ہوا کہ ان سے حقیقی معنے مراد لئے جائیں یا مجازی۔ اس اختلاف نے دو فرقے پیدا کر دئے۔ جو حقیقی معنے مراد لیتے ہیں وہ محدثین اور اشعریہ ہیں۔ ان میں سے دو فرقے مجسمہ اور مشتبہ[۵] نکل آئے جو خدا کے ہاتھ پاؤں تک مانتے ہیں اور جنہوں نے مجازی معنے لئے وہ معتزلہ ہیں جن کو منکرین صفات بھی کہا جاتا ہے۔

اس اختلاف کی بنا یہ تھی کہ اگر خدا کی صفات کو قدیم مانا جائے تو تعدد قدما لازم آتا ہے اور اگر حادث کہیں تو خدا کا محل حوادث ہونا خدا کے حدوث کو مستلزم ہے، پہلی مشکل سے بچنے کے لئے معتزلہ نے یہ رائے اختیار کی کہ خدا کے علیحدہ صفات نہیں بلکہ اس کی ذات ہی سے وہ تمام نتائج حاصل ہوتے ہیں جو ہم کو صفات سے ہوتے ہیں یعنی ہم آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں مگر خدا تعالےٰ بغیر آنکھوں اور کانوں کے دیکھتا اور سنتا ہے۔ اور محدثین نے خدا کے جداگانہ صفات قرار دئے۔

دوسرا اختلاف۔ اس طرح پیدا ہوا کہ قرآن مجید میں دو قسم کی آیتیں ہیں ایک تو وہ جن سے جبر ثابت ہوتا ہے یعنی یہ کہ ہم اپنے افعال میں مجبور محض ہیں۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یعنی سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ یہاں تک کہ ہمارا ارادہ اور اختیار بھی ہمارے اختیار میں نہیں۔ اس صورت میں عذاب وثواب جو مذہب کی جان ہے اس کی بنیاد ہی اکھڑ جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ خدا ہی کراتا ہے۔ تو پھر عذاب وثواب کیسا دوسری قسم کی آیتوں مثلاً مَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے افعال کا آپ ذمہ وار ہے۔ اس بنا پر دو رائیں قائم ہو گئیں۔ جنہوں نے پہلی صورت یعنی جبر کو مانا وہ جبریہ کہلائے اور جنہوں نے دوسری صورت یعنی اختیار کو تسلیم کیا وہ معتزلہ کہلائے

معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے تمام افعال میں مختار محض ہے' البتہ یہ اختیار خدا کا دیا ہوا ہے اس کا اپنا نہیں۔ گویا انہوں نے خدا کے اختیار مطلق میں بھی فرق نہیں آنے دیا اور جبر کی صورت میں اعتراض سے بھی بچ گئے۔ ان دونوں فرقوں کے مقابلہ میں ابوالحسن اشعری نے کسب اور ارادہ کا پردہ ایجاد کر لیا۔

تیسرا اختلاف - اس طرح پیدا ہوا کہ حدیثوں میں بعض اعمال صالحہ کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں انہ من الایمان کہ یہ ایمان ہے۔ ان الفاظ سے محدثین نے سمجھا کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال بھی داخل ہیں۔ اور جنہوں نے ایمان و عمل کو دو مختلف چیزیں ٹھہرایا وہ مرجیہ کہلائے مرجیہ کا مذہب یہ تھا کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا۔ ایک شخص اگر دل سے توحید و رسالت کا معترف ہے اور فرائض ادا نہیں کرتا تو مواخذہ سے بری ہے۔ اس رائے کا پہلا حصہ تو صحیح ہے لیکن آخری غلط ہے مگر محدثین نے کلیۃً اس مذہب کی مخالفت کی اور یہاں تک شدت کی کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رح تک کو مرجیہ ٹھہرا دیا کیونکہ امام صاحب کا اعتقاد یہ تھا کہ ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے۔ یہ خیال صرف امام صاحب رح ہی کا نہیں تھا بلکہ بہت سے فقہاء و محدثین کی رائے بھی تھی کیونکہ قرآن کی آیتیں اسی رائے کی مؤید تھیں۔ اس لئے مرجیہ کے مذہب کے پہلے حصہ سے بہت سے فقہاء اور محدثین متفق ہو گئے۔

لیکن جہاں محدثین نے اس مذہب کی مخالفت میں شدت کی وہاں مرجیہ نے بھی یہاں تک غلو کیا کہ جو شخص ان کی رائے سے متفق نہ ہوتا تھا اس کو فاسق یا کافر سمجھتے تھے۔

چوتھا اختلاف - اس طرح پیدا ہوا کہ ارباب ظاہر نقل کو ترجیح دیتے ہیں اور اہل نظر عقل کو۔ اشاعرہ نقل کو ترجیح دیتے ہیں اور معتزلہ عقل کو۔ اس اصول پر جو تفصیلی عقائد قائم ہوئے انکی فہرست یہ ہے۔

اشعریہ - کوئی شے فی نفسہ اچھی یا بری نہیں شارع جس چیز کو اچھی کہدیتا ہے اچھی ہو جاتی ہے اور جس کو بری کہتا ہے بری ہو جاتی ہے۔ **معتزلہ** ہر شے پہلے سے اچھی یا بری ہے شارع اسی چیز کو اچھی کہتا ہے جو فی نفسہ اچھی تھی اور اسی چیز کو بری کہتا ہے جو پہلے سے بری تھی۔ **اشعریہ** خدا محالات کا حکم دے سکتا ہے اور دیتا ہے۔ **معتزلہ و حنفیہ** - خدا کسی محال چیز کا حکم نہیں دے سکتا۔ **اشعریہ** - خدا کو عدل اور انصاف کرنا ضروری نہیں۔ **معتزلہ** - ضروری ہے۔

اشعریہ ۔ خدا عبادت کے عوض میں عذاب دے سکتا ہے اور گناہ کے بدلہ میں انعام ۔ اور اگر وہ ایسا کرے تو ناانصافی نہیں ہے ۔ معتزلہ ۔ خدا کبھی ایسا نہیں کر سکتا اور اگر ایسا کرے تو یہ ظلم اور ناانصافی ہے ۔ (الکلام)

اسلام کے جس قدر فرقے بھی ہوئے سوائے شیعوں کے وہ ان ہی چار اصول کے ماتحت ان کی مختلف شاخیں ہیں ۔ جس میں تمام فرقوں اور ان کے اختلافات کی تاریخ آجاتی ہے ۔ ہم تمام فرقوں کا اجمالی نقشہ آگے چل کر دیں گے ۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے مخلوق و حادث ہونے کے اختلاف کو بھی بیان کر دیا جائے ۔ اس کو ہم اس نقشہ میں دکھاتے ہیں ۔

معتزلہ ۔ کلام الٰہی جو خدا کی صفات قدیمہ میں ہے وہ قدیم ہے ۔ لیکن جو الفاظ آنحضرت پر نازل ہوتے تھے وہ مخلوق و حادث تھے ۔ محدثین ۔ کلام الٰہی ہر حال میں قدیم ہے ۔ امام بخاری رح قرآن مجید کا جو تلفظ کیا جاتا ہے یہ مخلوق اور حادث ہے ۔ امام احمد بن حنبل رح قرآن جس صورت میں ہو غیر مخلوق ہے ۔ فرقہ جہمیہ ۔ قرآن مجید حادث ہے ۔ اشعریہ ۔ خدا کا کلام ایک ہے اور امر و نہی ۔ جبر و استخبار اور وعدہ وعید کلام کے اعتبارات ہیں ۔ نفس کلام کی تقسیم نہیں ۔ الفاظ منزلہ کلام ازلی کے دلالات ہیں اور مدلول قرآن کریم پس مفر قدیم و ازلی ہے اور قرأۃ محدث و مخلوق ۔

اب ہم اُن فرقوں کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں جو اسلام کے اصلی فرقوں مرجیہ معتزلہ شیعہ اور خوارج سے نکلے ہیں ۔

معتزلہ ۔ اس کے حسب ذیل ٹکڑے ہیں ۔ عمرویۃ [1] ۔ یہ فرقہ عمر بن عبید کی طرف منسوب ہے الہذیلیۃ [2] ۔ یہ فرقہ ابی الھذیل محمد بن الھذیل العلاف کی طرف منسوب ہے ۔ النظامیہ یہ ابراہیم ابن سیار نظام کی طرف منسوب ہے ۔ الاسواریۃ [4] ۔ ابی علی عمرو بن قائد الاسواری کی طرف منسوب ہے الاسکافیۃ [5] ۔ ابی جعفر محمد بن عبد اللہ الاسکافی کی طرف منسوب ہے ۔ جعفریۃ [6] ۔ جعفر بن حرب کی طرف منسوب ہے ۔ بشریۃ [7] ۔ بشر بن المعتمر کی طرف منسوب ہے ۔ فرداریہ [8] ۔ ابی موسےٰ المعروف بالمزدار کی طرف منسوب ہے ۔ ہشامیہ [9] ہشام بن عمرو کی طرف منسوب ہے ۔ حائطیہ [10] احمد بن حائطہ کی طرف منسوب ہے ۔ حماریہ [11] ۔ معمریۃ [12] ۔ معمر بن عباد کی طرف منسوب ہے ۔ ثمامیۃ [13] ثمامہ بن اشرس کی طرف منسوب ہے ۔ جاحظیۃ ۔ ابی عثمان عمرو بن الجاحظ کی طرف منسوب ہے خیاطیہ [15] ۔ ابی الحسین بن ابی عمرو الخیاط کی طرف منسوب ہے ۔ کعبیۃ [16] ۔ عبد اللہ البلخی المعروف بالکعبی

کی طرف منسوب ہے۔ جبائیہ۔ عبدالوہاب جبائی کی طرف منسوب ہے۔ اور ہشمیہ۔ ابی ہاشم عبدالسلام کی طرف منسوب ہے۔

مشبلیہ۔ جو معتزلہ کی ضد میں پیدا ہو۔ اس کے فرقے۔ ہشامیہ۔ بیانیہ۔ جولقیہ۔ مغربیہ اور منہالیہ ہیں۔

قدریہ۔ اس کی کوئی شاخ نہیں۔

مجبرۃ۔ اس کی کوئی شاخ نہیں

مرجیہ۔ مرجیہ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جنہوں نے رجار (امید کرنا) اور قدر کو جمع کیا مثلاً غیلان وابو شمر وغیرہ۔ دوسرے وہ جنہوں نے ارجار (تاخیر کرنا) اور جبر کو جمع کیا مثل جہم بن صفوان کے اور تیسرے وہ جنہوں نے ارجار محض کو اختیار کیا اور یہ ان فرقوں پر منقسم ہیں یونسیتہ۔ غسانیہ۔ ثوبانیہ۔ مریسیہ۔ یعنی بشر بن غیاث المریسی کے اتباع۔ یہ فقہ میں قاضی ابی یوسف کا شاگرد تھا۔ منکر صفات اور خلق قرآن کا قائل تھا۔ اور اس نے حضرت امام شافعیؒ سے مناظرہ کیا تھا۔ صالحیہ۔ صالح بن عمرو بن صالح کے اتباع۔ زیادیتہ۔ محمد بن زیاد کوفی کے اتباع اور ناقضیہ۔

حقیقت مرجیہ یہ ہے کہ انہوں نے خدا کی رحمت اور اس کے وعدوں پر امید رکھنے اور عذاب الٰہی سے بے خوف ہو جانے میں کیا۔ وہ گنہگاروں کے لئے ثواب کی امید رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ معصیۃ میں کوئی حرج نہیں یعنی گناہ ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے جیسا کہ کفر کے ساتھ طاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ ارجار کا بانی ابو محمد الحسن المعروف بہ ابن الحنیفیہ ہوا ہے۔ اس کے بعد مرجیہ کی چار قسمیں ہو گئیں۔ مرجیہ خوارج۔ مرجیہ قدریہ۔ مرجیہ جبریہ اور مرجیہ صالحیہ۔

حروریہ۔ جو مرجیہ کی ضد میں پیدا ہوا۔ مرجیہ خدا کے خوف اور عذاب سے بے خوف ہو جانے کی طرف مومنوں کو لے جاتے تھے اور لوگوں کو گناہوں پر دلیر کرتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں فرقہ حروریہ پیدا ہو گیا انہوں نے اثبات وعید اور خوف الٰہی میں حد سے زیادہ غلو کیا اور یہ فواحب و خوارج سے نکلے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ مرتکب گناہ کبیرہ مشرک ہے اور باوجود ایمان رکھنے کے ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اور خوارج کے نزدیک مرتکب گناہ کبیرہ کافر ہے۔ ان کو حروریہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حروراء کی جانب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کر دینے کے لئے آئے تھے۔

جہمیتہ۔ جہم بن صفوان کے اتباع کو کہتے ہیں۔ یہ اہل السنت سے مسئلہ قضا و قدر میں متفق ہیں مگر ان کا میل جبر کی طرف ہے۔ صفات اور دیدار الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور خلق قرآن کے قائل ہیں۔

روافض۔ انہوں نے حُبِ علیؓ اور بغض ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ عائشہؓ اور معاویہؓ میں حد سے

زیادہ غلو کیا۔ ان غالی طرفداران علیؓ کو رافضی اس لئے کہتے ہیں کہ ان کو زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے اصحاب ثلٰثہ پر لعن طعن کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا اور کہا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ وحضرت عمر رضی اللہ عنہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم جدّی وزیر ہیں اس پر ان نام نہاد محبان اہلبیت نے آپ کی رائے کو ترک کر دیا اور عربی زبان میں ترک کر دینے کو "رفض" کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت و امامت پر مسلمانوں میں شدید اختلاف رونما ہوا اور بے شمار فرقے عالم وجود میں آگئے جن کی تعداد تین سو تک ہے مگر ان میں سے مشہور دس ہیں۔ زیدیہ[1]۔ صباحیہ[2]۔ کیسانیہ[3]۔ خطابیہ[4]۔ سبائیہ[5]۔ بیانیہ[6]۔ مغیریہ[7]۔ ہشامیہ[8]۔ کاملیہ[9] اور امامیہ[10] اور پھر ان کی بہت سی شاخیں ہیں۔

خوارج۔ رافضی اور ان کے متعلقہ فرقوں نے حب علیؓ میں غلو کیا تھا ان کے مقابلہ میں خوارج پیدا ہو گئے۔ جنھوں نے حب ابو بکرؓ و عمرؓ میں غلو کیا اور حضرت علیؓ سے دشمنی کی۔ ان کے بیس[20] فرقے ہیں حکمیہ[1]۔ ازارقہ[2]۔ نجدات[3]۔ صفریہ[4]۔ عجاردہ[5]۔ میمونیہ[6]۔ شعیبیہ[7]۔ حمزیہ[8]۔ حازمیہ[9]۔ معلومیہ[10]۔ مجہولیہ[11]۔ صلتیہ[12] حنفیہ[13]۔ معبدیہ[14]۔ شیبانیہ[15]۔ شیبیہ[16]۔ رشیدیہ[17]۔ مکرمیہ[18]۔ اباضیہ[19]۔ عشریہ اور یزیدیہ[20]۔

سیاسی حیثیت سے مسلمانوں میں تفریق سب سے پہلے اسلام میں جب جماعت شکنی ہوئی تو اس نے مسلمانوں کو دو۲ فرقوں میں منقسم کر دیا۔ عثمانیہ اور سبائیہ۔ ان فرقوں کا ظہور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ہوا۔ جو حضرت عثمانؓ کا حامی اور طرفدار تھا وہ عثمانی کہلایا اور جو ان کا مخالف اور دشمن تھا وہ سبائیہ کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ فرقہ ابن سبا نومسلم یہودی کا متبع تھا۔ عثمانیہ خالص عرب تھے اور سبائیہ میں عرب وعجم دونوں عنصر شامل تھے۔ دونوں قوموں کے طبعی خصائص مختلف ہیں۔ عرب مستقل مزاج۔ سراپا عمل اور تلوار کے دھنی ہیں اور اہل عجم سراپا تخیل اور باتونی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سبائیہ دو حصوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک علویہ یا شیعہ علیؓ کے لقب سے ملقب ہوئے اور خوارج کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان ہی کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے۔ علویہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل جانتے تھے۔

فرقہ عثمانیہ سو برس تک بنوامیہ کی زندگی کے ساتھ قائم رہا۔ اور بنوامیہ کے زوال کے بعد اس کا نام ونشان مٹ گیا۔

اسلامی فرقوں کی پوری روداد پر تبصرہ۔ اسلامی فرقوں کی پوری

روداد آپ کے سامنے ہے۔ ان کو غور سے پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ ان اختلافات کا اصلی مبنی کیا تھا اور ان کی پیدائش کے اصلی اسباب کیا تھے۔ ان کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) جب تک عرب کے ساتھ عجم کی آمیزش نہیں ہوئی اور ایمان و اعتقاد میں عقل کا دخل نہیں ہوا۔ اسلام اپنی اصلی حالت پر رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب اسلام کی عملی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے اور ایمان کی بنیاد فطری ذوق پر رکھتے تھے مگر عجم عملی زندگی چھوڑ کر صرف تخیل کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔

(۲) اسلام کے تمام فرقے دو چیزوں کے زیر اثر عالم وجود میں آئے عقل و نقل کی جنگ اور سیاسی مصلحت و ملکی ضروریات۔

(۳) اسلام کے تمام فرقے ابتداء میں محض اختلاف رائے تک محدود تھے مگر عجمیت کے عنصر نے پالٹیکس کو مذہب کے پردے میں چھپا دیا اور طرح طرح کے شکوک و شبہات، عام فریب استدلالات اور اوہام فاسدہ دلوں میں پیدا کر دئے۔

(۴) اسلام عقائد اور عبادات دو عنصر سے مرکب ہے۔ وہ عقائد میں وسعت اور بحث و نزاع کا شائق نہیں بلکہ ایمان و یقین۔ استواری اور شدت اذعان کا طالب ہے۔ یہی وجہ ہے اس نے اپنی بنیاد علم غیب پر رکھی ہے۔

(۵) مذہب اسلام کی اصلی اور حقیقی تصویر وہی ہے جو پیغمبر اسلام کے علم و عمل اور اس کی تعلیم و تلقین کا صحیح اور ہو بہو عکس ہو۔ عقل انسانی آلہیات کی اصلی گرہوں کے کھولنے سے عاجز ہے اسلام زندگی کے ہر شعبہ کے لئے تعلیمات دیتا ہے لیکن ما فوق الفہم اسرار اور دقائق نبوت جن کے سمجھنے کی حیات انسانی کو حاجت نہیں اور اس کی عملی زندگی کے لئے ان کا علم ضروری نہیں۔ ان کو اسلام یونہی سربستہ چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے اور ان کے متعلق وہ صرف یہ سکھاتا ہے۔

وَلَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا

اس کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو علم میں راسخ اور پختہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔

پس جن لوگوں نے اسلام کی اس تلقین کو پس پشت ڈالا اور عقل انسانی کی حد سے آگے بڑھ جانا چاہا وہ صراط مستقیم سے بھٹک کر گمراہی کے غار میں جا گرے۔

(۶) جن اعتقادات اور تعلیمات کی تلقین حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ امت کا فرض تھا کہ وہ بلا چون وچرا اس کو تسلیم کرتی اور اپنی عقل کی پیچر لگا کر نبوت کی حد سے آگے نہ بڑھتی مگر ایسا نہیں ہوا عجمیت کے عنصر نے اعتقادات اور تعلیمات اسلامی میں اپنی عقل اور سمجھ سے کچھ اضافہ کرنا چاہا کچھ حذف کر دینا چاہا اور جس گراہ کو حضور علیہ السلام اور صحابہؓ نے کھولکر چھوڑ دیا تھا اس کو اور کھولنا چاہا اس لئے گمراہی اور فرقہ بندی کا سامنا ہوا۔

(۷) اسلام کے تمام فرقے اگر مذکورہ بالا اصولوں پر قائم رہتے تو یقیناً عقائد کے وہ عظیم الشان اختلافات رونما نہ ہوتے جنھوں نے کاشانۂ اسلام کو متزلزل کئے رکھا۔ اس کی گمراہی کا سبب صرف یہ ہوا کہ انہوں نے اُن امور کی تفصیل چاہی جن سے قرآن خاموش تھا اور جن کی تشریح خود آنحضرت صلعم نے نہیں کی تھی۔

اب ہمیں دکھانا یہ ہے کہ بحث ونزاعات اور اختلافات وتفرقات کے سیلاب عظیم میں کون سا فرقہ ایمان ویقین کی بلند سطح پر قائم رہا۔ مذکورہ بالا نکتوں کو سمجھ کر صراط مستقیم پر مستحکم رہا اور قرآن و پیغمبر اسلام تعلیم وتلقین پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا رہا۔

سو ناظرین کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں ہر دور میں سینکڑوں فرقے پیدا ہوئے اور مٹ گئے کیوں؟ اس لئے کہ وہ سچائی پر مبنی نہ تھے لیکن جو فرقہ عموم اور کثرت کے ساتھ ابتک باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا وہ فرقہ "اہل السنۃ والجماعت" ہے۔ اب ہم اس جماعت حقہ کی حقیقت اور صداقت بیان کرتے ہیں۔

فرقہ اہل السنۃ والجماعۃ کے حق پر ہونے کے دلائل

اہل السنۃ والجماعۃ تین لفظوں سے مرکب ہے "اہل" "سنت" اور "جماعت" اہل کے معنے اشخاص اور مقلدین کے ہیں سنت عربی میں راستہ کو کہتے ہیں اور مجازاً روش زندگی اور طرز عمل کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ مگر یہاں عام سنت نہیں بلکہ اصطلاح دینی میں پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز زندگی اور طریق عمل کو کہتے ہیں "جماعت" کے لغوی معنے "گروہ" ہیں لیکن یہاں جماعت سے مراد "جماعت صحابہؓ" ہے پس اس لحاظ سے اہل السنۃ والجماعت کا اطلاق اُس گروہ یا فرقہ پر ہوتا ہے جن کے اعتقادات، اعمال اور مسائل احکام سنت صحیحہ اور صحابائے کرام رضوان اللہ علیہم کے طرز زندگی کے مطابق ہوں۔

سنت کے مقابل لفظ "بدعت" ہے اور بدعت کے لغوی معنے "نئی بات" کے ہیں اور اصطلاح شرح میں اس کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو بطور عبادت کے قرون ثلاثہ کے بعد رواج پذیر ہوئی ہو اور اس کی اصل اور لگ بھگ کا پتہ قرون ثلاثہ میں نہ چلتا ہو اس کو بدعت کہتے ہیں۔ خود آنحضرت صلعم اور صحابہؓ نے ان دو لفظوں کو ان ہی معنوں میں مستعمل کیا ہے۔ اور کبھی "سنت" کی جگہ "ہدیٰ" اور "بدعت" کی جگہ "محدث" بھی حضور نے فرمایا ہے۔ چنانچہ حضور کا ارشاد ہے۔

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ (ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ)	میرا طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ جانشینوں کا طریقہ اختیار کرو اور ان دونوں طریقوں کو اچھی طرح پکڑے رہو اور ان کو دانت سے مضبوط پکڑو۔ نئی باتوں سے بچنا کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ . . . .
من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد۔	جو کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا مذہب یعنی حکم نہ ہو تو وہ رد ہے۔
ایاکم والمحدثات فان کل محدثۃ بدعۃ (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ)	نئی باتوں سے بچنا کیونکہ ہر نئی بات گمراہی ہے
من منع امرا علی غیر امرنا فھو رد (ابوداود)	جس نے ہمارے عمل کے خلاف کوئی کام کیا وہ رد ہے۔

ان احادیث سے "سنت" کی پیروی اور "بدعت" سے اجتناب کرنے کی تاکید ثابت ہو گئی اور "سنت" کی تشریح و توضیح ہو گئی۔ اب "والجماعۃ" تفسیر بھی ملاحظہ ہو۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام نے جغرافی اور نسلی امتیازات کو مٹا کر ایک عمومی برادری قائم کرنے کی تاکید کی ہے اس نے عرب کے متفرق قبائل کو جو باہم دشمن تھے ایک رشتہ میں منسلک کر دیا۔ اور پیروان اسلام میں وہ اخوت و مودت پیدا کر دی کہ نسبی برادریاں اس کے آگے ہیچ ہو گئیں۔ چونکہ اسلام کی یہ تعلیم اور کارنامہ اظہر من الشمس ہے اس لئے صرف ایک آیت اور دو حدیثوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ (حجرات) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اس کی تفسیر میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے

تری المؤمنین فی تراحمهم وتوادهم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمیٰ (بخاری مسلم)

مسلمان باہمی رحم، محبت اور مہربانی میں ایک بدن کی طرح ہیں، دیکھو کہ ایک عضو کو بھی درد ہوتا ہے تو تمام بدن بیخوابی اور تپ کی دعوت ایک دوسرے کو دیتا ہے۔

پھر فرمایا۔

المؤمن للمومن کالبنیان یشد بعضه بعضاً

تمام مسلمان مثل ایک دیوار کے ہیں جس کے ایک حصہ سے جڑکر دوسرا حصہ مستحکم ہوجاتا ہے

ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دینی تعلیم اور تقلید کو سنت صحیحہ اور صحابہؓ کے طرز عمل پر حصر کر دیا ہے اور صحت اسلام و ایمان و یقین کا ان دونوں کو معیار قرار دیدیا ہے یعنی جس کے معتقدات ان معیار پر پورے اتریں وہ متبع اسلام اور پکا ایماندار ہے اور جو اس معیار پر پورا نہ اترے وہ متبع نفس۔ اس معیار کو خود اللہ پاک نے پیش فرمایا ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (النساء)

اور جو کوئی بعد کھل جانے ہدایت حق و باطل کے رسول کریم سے کسی امر میں مخالفت کرے اور مسلمانوں کی راہ سے الگ کوئی راہ اختیار کرے تو ہم اس کو سیدھا جہنم میں پہنچادیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

....

اس کی تفسیر میں حضرت امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں۔

"غیر مومنوں کے راستہ کا اتباع کرنا حرام ہے پس لازم آیا کہ مومنوں کے راستہ کا اتباع واجب ہو۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طریقے اور اپنے ہدایت یاب خلفاء کے طریقے کی پابندی کا جو حکم دیا ہے اور ایک حیثیت سے حق اور امر دین کو ان دونوں طریقوں میں منحصر کر دیا ہے اس کی وجہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ یہ بیان کرتے ہیں۔

"انتظام دین موقوف ہے اتباع سنت نبوی پر اور انتظام سیاست موقوف ہے خلفائے

راشدین کی فرمانبرداری پر جن میں انھوں نے اپنے اجتہاد سے حکم دیا۔" (حجۃ اللہ البالغہ)

یعنی تمام امور دینی سنن نبوی اور امور سیاسی خلفائے راشدین کے طرز عمل پر موقوف ہیں اور دونوں طریقوں کو چھوڑ کر کوئی اور طریقہ ڈھونڈھنا گمراہی ہے۔

ان تمام تفصیلات اور دلائل و براہین سے نتیجہ کے طور پر تین معیار ہاتھ آئے جن کو سامنے رکھکر ہم آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اسلامی فرقوں میں کون فرقہ حق پر رہا اور ہے وہ تین معیار یہ ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیم دنیا کے لئے لائے اور جن عقائد کی تلقین آپ نے اپنی امت کو فرمائی اور مذہب کا جو طریقہ عمل آپ نے متعین فرمایا اس میں ایک ذرہ کی کمی بیشی بدعت ہے، اسلام کے اس قطعی حکم کے بعد صاحب شریعت کی تعلیمات اور احکام پر کسی قسم کا اضافہ کرنا یا کسی جزو کو ساقط کرنا "سنت" کی بیخ کنی اور "بدعت" کی پرورش کرنا ہے۔

(۲) خلفائے راشدین کے طرز عمل کو چھوڑ کر کوئی اور روش اختیار کرنا اور ان کے سیاسی انتظامات پر لب کشائی یا طعن کرنا گمراہی اور اسلام سے بغاوت ہے۔

(۳) امت اسلامیہ کی اجتماعی زندگی کو توڑنا اور مومنوں کے راستہ کے سوا کوئی اور راستہ تلاش کرنا گمراہی ہے۔ پس اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کونسا فرقہ اختلاف عقائد و نزاعات سیاسی کے وقت سنت صحیحہ اور اجماع صحابہؓ پر قائم رہا اور کونسا فرقہ ان معیار پر پورا اترتا ہے۔

ہماری دعویٰ ہے کہ صرف فرقہ اہل السنۃ ہی صراط مستقیم پر قائم رہا اور ہے کیونکہ مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی اور تلقین نبوی کے مطابق ان کے مذہب کا مدار اور مبنیٰ یہ دو اصول ہیں:

(۱) داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقائد اور اعمال کے متعلق اپنی امت کو جو تعلیم تلقین کی اس میں ایک ذرہ کی کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی۔

(۲) عقائد یا خدا کی ذات اور صفات کے متعلق قرآن نے جو کچھ بیان کیا یا آپ نے جو کچھ بتایا اور جس مسئلہ کی حد تک قرآن نے تشریح کی صرف اسی پر ایمان لانا واجب ہے اپنی عقل و قیاس اور استنباط سے اس کی تشریح تفسیر صحیح نہیں اور نہ اس پر ایمان لانا اسلام کی صحت کے لئے ضروری ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ وہ گمراہی اور ضلالت کا موجب ہو لہذا ان مسائل کے متعلق جن سے شریعت خاموش ہے ان کو حوالہ علم الٰہی کرنا چاہئے اور ان کی نسبت یقینا یا اثباتاً کوئی پہلو اختیار نہ کرنا چاہئے کیونکہ شارع اسلام جن سوالات کے جوابات اور جن گرہوں کی عقدہ کشائی سے خاموش

سے وہ مذہب سے متعلق نہیں اور نہ ان کا جاننا ہمارے لئے مذہباً ضروری ہے۔
علم کلام کا بغور مطالعہ کرو اور دیکھو کہ اسلامی فرقوں کی بے راہ روی اور گمراہی کا سبب یہی ہوا کہ وہ ان اصول پر قائم نہیں رہے اگر وہ ان اصول پر قائم رہتے تو یقیناً یہ اختلافات رُونما ہوتے۔
اب ہم نمونتاً اہل السنتہ کا مسلک عقائد کے بارے میں دکھلاتے ہیں اور علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کی تحقیق پیش کرتے ہیں۔
"شریعت نے خدا کے متعلق یہ بتایا کہ وہ ایک ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور وہ تمام صفتوں کا مرکز ہے اس کے بعد یہ بحث کہ وہ ایک کس حیثیت سے ہے صفات کی مختلف قسمیں ہیں کونسی صفتیں اس میں پائی جاتی ہیں، یہ صفات اس کی ذات ہیں، داخل ہیں یا اس کی ذات سے الگ ہیں۔ اگر الگ ہیں تو قدیم ہیں یا حادث، اگر لازم ہیں تو تعدد قدماء لازم آتا ہے حالانکہ قدیم صرف ایک ہی ہے، اگر حادث ہو تو خدا محل حادث ہوگا۔ اور محل حادث خود ہوتا ہے۔ اگر الگ نہیں تو ذات میں داخل ہیں تو ذات کا جز ہو کر یا کل ہو کر اگر ذات کا جزء ہے تو خدا کی ترکیب لازم آئیگی اور اگر کل ہے تو عین ذات ہوگی اس لحاظ سے اس کی ذات اور صفات میں سے ایک کی نفی لازم آئے گی، علم، قدرت، سمع، بصر، ارادہ وغیرہ مختلف صفات مختلف نہیں بلکہ متحد ہو جائیں گی۔
- خدا کی نسبت ہاتھ، پاؤں، منہ اور قدم کے الفاظ کتاب وسنت میں آئے ہیں ان سے حقیقی معنی مراد ہیں یا مجازی، خدا کی نسبت قرآن میں ہے کہ "وہ عرش پر برابر ہے" اور یہ بھی ہے کہ "جدھر رُخ کرو اُدھر ہی خدا کا منہ ہے" یہ بھی ہے کہ "وہ تمہاری رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے"۔ تو آیا وہ کسی خاص جگہ میں ہے، یا جگہ سے بری ہے، پہلی صورت میں اس کا جسم ہونا لازم آتا ہے، اور دوسری صورت میں ایک خاص موجود ذات کی نسبت یہ کہنا کہ وہ ہر جگہ ہے ایک سنجیدہ حماقت ہے۔
احادیث صحیحہ میں ہے کہ قیامت میں خدا نیک بندوں کو نظر آئے گا، اگر یہ تسلیم کرلیں تو لازم آئیگا کہ وہ جسم ہو کسی خاص جگہ میں ہو، اور اگر نظر آنا تسلیم کریں تو ان ہی آنکھوں سے وہ رویت ہوگی یا کسی اور جدید حاسہ سے ان آنکھوں سے نظر آنا خدا کے لئے جسم، رنگ، تحدید اور تعین وغیرہ کو مستلزم ہے۔
قرآن نے بتلایا ہے کہ بندوں کے تمام افعال خدا کے حکم سے ہوتے ہیں، اس کے بعد یہ سوالات کہ اس کا حکم ہی فعل کے وجود کا سبب ہوتا ہے، یا بندہ کے عمل کو بھی دخل ہوتا ہے۔ اگر دخل نہیں تو بندہ کو مجبور محض کہنا ہوگا، اگر دخل ہے تو یہ دخل موثر ہے یا غیر موثر، اگر موثر ہے تو درحقیقت وہ اپنے فعل کا آپ خالق ہوا، اور اگر غیر موثر ہے تو دوسرے معنوں میں جبر ہے۔

یہ تمام مذکورہ بالا مسائل اور ان کی جو تحقیقیں کی گئی ہیں وہ نفیاً یا اثباتاً کسی نہ کسی فرقہ کا معتقد علیہ اور مسلک ہیں، لیکن تم نے دیکھا کہ عقل تو ہم پرستی کے اعتراضات میں سے ان میں سے کوئی شق بھی بری نہیں، یہ اعتراضات یا لوازم تخیلہ، یا عقلی سرگردانیاں کیوں پیدا ہوئیں۔ اس لئے کہ ہم قرآن کی ملقبنات پر قناعت نہیں کرتے اور ان امور کی تشریح چاہتے ہیں، جن کی تشریح سے عقل انسانی عاجز ہے اور ہماری عملی زندگی کے لئے وہ غیر ضروری ہیں۔

اگر ہم اپنے معتقدات کے احاطہ کو اس دائرے کے اندر کرلیں جس کو وحی الٰہی کے پرکار نے سطح اسلام پر کھینچا ہے تو یہ حصار یقیناً ہمارے لئے قلعہ روئین کا کام دے گا اور ہم ان بہت سے خدشوں اور حملوں سے محفوظ ہو جائیں گے جو قرآن کی تصریحات کے سبب نہیں، بلکہ خود ہمارے عقلی تفصیلات کے باعث ہم پر عائد ہوتے ہیں اور غلطی سے ہم ان کا مستوجب اپنے مذہب کو قرار دیتے ہیں، تمام فرق اسلامیہ سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ عقل اور فلسفہ نے جس امر کے متعلق بھی کوئی جواب چاہا انہوں نے اپنے ناخن تدبیر سے اس کو حل کیا الغرض اہل السنۃ نے جو صراط مستقیم اختیار کیا وہی درحقیقت اس طوفان افکار اور طغیان خیالات کی حالت میں سفینہ نوح ہے۔"

سیاسی اختلافات نے مذہبی رنگ میں جن اختلافات کی بنیاد قائم کی اس نے بہت سے فرقے پیدا کئے مگر اہل السنۃ ایک نہایت ہی معتدل روش اور بلند سطح پر قائم رہے۔ اس کے متعلق پہلا سوال یہ پیدا ہوا کہ جو لوگ جنگ جمل اور صفین میں مارے گئے ان کی موت کیسی ہوگی؟ اور حضرت علیؓ حق پر تھے یا حضرت معاویہؓ۔ یہ اختلاف سب سے پہلے کوفہ میں پیش آیا اور اپنے خیالات باطلہ و افکار واہیہ کا نشانہ اس آیت کو بنایا گیا وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا جو کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس آیۃ کے متعلق خوارج اس کے قائل تھے کہ چونکہ طرفین نے ایک دوسرے پر جان بوجھ کر تلوار اٹھائی ہے اس لئے دونوں جہنمی ہیں اور وہ ان خانہ جنگیوں میں دونوں جماعتوں کو کافر جانتے ہیں۔ اب چونکہ خوارج کے گمان فاسد کو قرآن کی وہ آیتیں صاف طور پر باطل کرتی تھیں جن میں گناہ کبیرہ کے مرتکب کیلئے نجات نکلتی ہے۔ اس لئے انہوں نے اب یہ بات بنائی کہ قتل عمد گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کے لئے یہ آیت دائمی عذاب کی دھمکی دیتی ہے اس لئے گناہ کبیرہ کے مرتکب مومن نہیں۔

ان کے مقابل فرقوں کے سامنے یہ آیت تھی وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا وَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْئَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں باہم کشت وخون کریں تو ان کے درمیان صلح کرادو اور ان میں سے ایک دوسرے پر ظلم کرے تو ظالم جماعت سے لڑو یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف رجوع کرے۔ علوی اور عثمانی دونوں اس آیت کو اپنے اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش کر کے خود کو برسرحق اور دوسرے فریق کو برسرباطل ٹھیراتے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھانا جائز سمجھتے تھے۔

فتنۂ عثمان جو ایک خالص سیاسی جھگڑا تھا اس نے مسلمانوں کے تین فرقے کر دئے تھے۔ علوم۔ عثمانیہ اور حروریہ یا خوارج یہ فرقے "سنتہ" اور "جماعت" ہی کٹ کر علیحدہ بنے تھے۔ دنیا کا کوئی محقق ثابت نہیں کر سکتا کہ سوائے اہل السنتہ کے کوئی فرقہ "سنت اور جماعت" پر قائم رہا ہو اس فرقہ کی روش ملاحظہ ہو۔ انہوں نے سنتہ اور جماعت سے اس حالت میں بھی انحراف نہیں کیا جبکہ ایک طرف مذہبی حیثیت سے مذکورہ بالا آیتیں اور شارع کی تعلیم کی تھی اور دوسری طرف سیاسی نقطۂ نگاہ سے صحابہؓ کا سواد اعظم اور جمہور وجماعت کی رائے تھی مگر اہل السنتہ نے دونوں کی پابندی کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ نباہا۔

اہل السنتہ دونوں میں سے کسی فریق کو برا نہیں جانتے تھے اور کسی کی بھی نیت پر حملہ نہ کرتے تھے اور کسی کو ان کی نیتوں پر حملہ کرنے کا حق ہی کیا تھا۔ یہ گروہ حقہ ان خانہ جنگیوں میں ناطرفدار رہا اور وہ ان کو مذہبی جنگ نہیں بلکہ سیاسی جنگ سمجھا تھا اور ان خانہ جنگیوں کو خطاء اجتہادی سے تعبیر کرتا تھا۔

اہل السنتہ قرآن کی صرف ایک دو آیتوں پر نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ تمام آیتوں پر غور کر کے صحیح نتیجہ نکالتے تھے اور واقعات اور حالات کو اپنے مذہب میں نہ آنے دیتے تھے اور کہتے تھے کہ صحابہ کی باہمی شکر رنجیوں کو دین میں کوئی دخل نہیں۔

اہل السنتہ کا یہ مضبوط اور معتدل مسلک خود ان کا ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت کے معیار پر جنچا تلا ہوا ہے اور مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ سینکڑوں دلائل وشواہد ہیں جن سے اس مسلک کی تائید وتوثیق ہوتی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے۔

لن یبرح الناس یتسآءلون حتیٰ یقولوا ھٰذا اللہ خالق کل شئ فمن خلق اللہ

لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے بحث و مناظرہ کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے کہ خدا نے سب چیزوں کو پیدا کیا تو خدا کو کس نے پیدا کیا۔

مُسلم میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے یہ آیت تلاوت فرمائی

اس نے تجھ پر یہ کتاب نازل کی جس میں کچھ آیتیں محکم اور واضح ہیں، وہ اصل کتاب ہے اور بعض متشابہ ہیں جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ کے پیچھے پڑتے ہیں کہ فتنے اٹھانے اور اس کے مطلب کو حل کرنے کے لئے حالانکہ اس کا حقیقی مطلب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ کہ علم میں پکے ہیں وہ کہتے ہیں، ہم اس پر ایمان لائے یہ سب خدا کی طرف سے ہے اور عقلمندوں کے سوا کوئی عبرت نہیں پکڑتا۔

یہ آیت تلاوت فرما کر کہا

جب ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ کے پیچھے پڑتے ہیں تو جانو کہ یہ وہی ہیں جن کا خدا نے نام لیا ہے تو اُن سے احتراز کرو۔

عبداللہ بن عُمرؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ اصحاب ایک حلقہ مجلس میں بیٹھے بحث و نزاع میں مشغول ہیں، پوچھا کس مسئلہ میں گفتگو کر رہے ہو؟ عرض کی کہ مسئلہ تقدیر میں، یہ سُنتے ہی آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا، راوی کا بیان ہے کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی نے چہرہ مبارک پر انار کے دانے نچوڑ دئے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا تم کو اسی کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا تم اسی لئے پیدا کئے گئے ہو؟ کیا میں یہی پیغام دیکر بھیجا گیا ہوں۔ قرآن کی ایک آیت کو دوسری آیت پر پٹکتے ہو، تم سے پہلے جو قومیں تھیں وہ اسی سے ہلاک ہوئیں میں بتاکید کہتا ہوں کہ اس میں جھگڑا نہ کرو۔

درجات الاعتقاد

اعتقاد کے پانچ درجات ہیں حفظ۔ فہم۔ اعتقاد۔ ایقان اور تصدیق پہلا درجہ حفظ کا یعنی عقائد اسلامیہ کو حفظ کیا جائے اور ان کی شک و اوہام سے حفاظت کی جائے۔ اس درجہ میں دلیل و برہان کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اللہ پاک محض اپنے فضل و کرم سے قلب انسانی پر ان کا انشراح کر دیتا ہے۔ عوام اسی درجہ میں ہوتے ہیں جن کا ایمان محض تعلیم و یقین کا نتیجہ ہوتا ہے البتہ ایمان کا یہ درجہ ضعیف ہی کیونکہ شکوک و شبہات سے اس کا ازالہ ہو جاتا ہے پس ضروری ہے کہ عقاید کو تقویت دی جائے اور قلب میں

ان کو راسخ کیا جائے اور اس کا طریقہ یہ نہیں کہ علم کلام سے واقفیت پیدا کی جائے اور بحث و نزاع کا طریقہ اختیار کیا جائے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت کیجائے اور اس کی تفسیر دیکھی جائے۔ احادیث پڑھے اور عبادات و ریاضات میں اوقات فاضلہ میں مشغول و منہمک رہے اور علماء و صلحاء کی صحبت اختیار کرے۔ اس طریقہ سے اس کا اعتقاد بتدریج قلب میں راسخ ہوتا جائے گا اور عبادات و ریاضات کے انوار اوہام و ظنون کی تاریکی اور ظلمت کو دور کر دیں گے۔

اعتقاد کے بارے میں تعلیم و تلقین مانند تخم کے ہے اور مذکورہ بالا مانند اسباب ترتیب کے یعنی جب قلب میں اعتقادات کا تخم کاشت ہو جاتا ہے تو پھر اس کی تربیت پرورش اور آبیاری مذکورہ بالا وسائل و ذرائع سے ہوتی ہے حتیٰ کہ یہ تخم پرورش پا کر قوی ہو جاتا ہے اور اپنے برگ و بار لاتا ہے۔ حضرت امام غزالی فرماتے ہیں۔

"اگر تم اہل صلاح عوام الناس اور متکلمین و مجادلین کے عقیدہ کا مقابلہ کرو گے تو تم دیکھو گے کہ ایک عامی کا اعتقاد اپنی مضبوطی اور ثبات میں مانند ایک بلند پہاڑ کے ہے جس کو مصائب و آفات اور بجلیاں حرکت نہیں دے سکتیں اور ایک معقولی و متکلم جو اپنے اعتقاد کی نگہبانی کرتا ہے اور اپنے بحث و نزاع میں الجھا ہوا ہے اُس کا اعتقاد مانند تاگے کے پاؤ گے جو فضائے آسمانی میں تنا ہوا ہو اور اسے ہوا کے جھونکے کبھی ادھر اور کبھی ادھر حرکت دیدیتے ہوں۔ (احیاء العلوم صفحہ ۵۵)

وہ اعتقاد جو ایک عامی کے قلب میں مجاہدات و ریاضات سے راسخ ہو اور جس کی تربیت اعمال صالحہ تلاوت قرآن اور صحبت صلحا سے ہوئی ہو، وہ ایک فلسفی اور معقولی شخص کے اعتقاد سے مضبوط اور مستقل ہوتا ہے۔

اس کے بعد امام صاحب لکھتے ہیں۔

"اور اعتقادیات میں بحث، چھان بین اور دلائل کی ترتیب کے عام لوگ مکلف نہیں ہیں اور جو سلوک کے منازل طے کرنا چاہئے اور توفیق الٰہی اپنے شامل حال بنانا چاہے تو اس کو چاہئے کہ اعمال صالحہ بجا لائے۔ تقویٰ کو لازم پکڑے۔ نفس کو خواہشات سے روکے اور مجاہدات و ریاضات میں مشغول رہے اور اس پر ہدایت کے دروازے کھل جائیں گے حقائق منکشف ہو جائیں گے۔ نور الٰہی اس کے سینے کو روشن کر دے گا اور یہ بات بسبب مجاہدہ کے حاصل ہو گی کیونکہ اللہ پاک نے وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں۔" (حجۃ اللہ البالغہ)

بس اعتقاد کے جس قدر درجات ہیں وہ بتدریج مجاہدات و ریاضات سے حاصل ہوتے ہیں

بحث وتزاع سے دیگر اسلامی فرقوں کی گمراہی کا سبب یہی ہوا۔ وہ بحث ونزاع کے ذریعہ سے تصدیق کے درجہ پر پہونچنا چاہتے تھے اور خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے طریقہ سے نہ ہوڑتے تھے اس کے مقابلہ میں اہل السنتہ مجاہدات وریاضات کے ذریعہ حقائق الٰہیہ کا کھوج لگاتے تھے۔

اہل السنتہ کی تین عظیم الشان شاخیں

تیسری صدی سے اہل السنتہ تین شاخوں میں منقسم ہیں اشاعرہ۔ حنابلہ اور ماتریدیہ۔ اشاعرہ امام ابوالحسن اشعری المتوفی ۳۳۰ھ کی طرف منسوب ہیں۔

اشاعرہ

امام اشعری کا نام علی بن اسمٰعیل ہے۔ یہ ۲۷۰ھ میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے اور ۳۳۰ھ میں بمقام بغداد وفات پائی، ان کا علم کلام نقلی تھا مگر امام غزالیؒ نے اس کو عقلی کر دیا اور اشاعرہ کے علم کلام کو فروغ دیکر کہیں سے کہیں پہنچایا انہوں نے ابتدا میں عبدالوہاب جبائی معتزلی سے تعلیم پائی تھی لیکن ایک دن ان کو خواب میں ہدایت ہوئی اور بصرہ کی جامع مسجد میں جا کر اعلان کیا کہ میں نے معتزلہ کے عقائد سے توبہ کی اس کے بعد بغداد جا کر حدیث وفقہ کی تکمیل کی اور معتزلہ کے رد میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ (افتراق الامم)

اس علم کلام کے مہمات مسائل یہ ہیں۔

(۱) خدا کو جائز ہے کہ انسان کو اس کام کی تکلیف دے جو اس کی طاقت سے باہر ہے۔

(۲) خدا کو حق ہے کہ وہ مخلوقات کو عذاب دے بغیر اس کے کہ ان کا کوئی جرم ہو یا ان کو ثواب ملے۔

(۳) خدا اپنے بندوں کے ساتھ جو چاہے کرے اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کام کرے جو مخلوقات کے لئے مناسب ہوں۔

(۴) خدا کا پہچاننا شریعت کی رو سے واجب ہے نہ کہ عقل کی رو سے۔

(۵) ترازو حق ہے اور وہ اس طرح کہ خدا نامۂ اعمال کے دفتروں میں وزن پیدا کر دے گا۔

(۶) ہمارے اصحاب (اشاعرہ) اس بات کے قائل ہیں کہ آیت قرآنی سے ثابت ہوا کہ خدا تعالےٰ دین و دنیا کی مصلحتوں کا لحاظ نہیں رکھتا۔

(۷) زندگی کے لئے کوئی جسم یا خاص بناوٹ شرط نہیں، مثلاً آگ میں خدا عقل، زندگی اور گویائی پیدا کر سکتا ہے۔ معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔ (احیاء العلوم)

(۸) یہ جائز ہے کہ ہمارے سامنے اونچے پہاڑ موجود ہوں اور بلند آوازیں آتی ہوں اور ہمکو

دکھائی اور سنائی نہ دیں اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ ایک اندھا جو مشرق میں بیٹھا ہو مغرب کے ایک مچھر کو دیکھ لے۔ یعنی امام اشعری طبیعت اور قوی کی تمام تاثیرات کے منکر ہیں۔ (مطالب عالیہ)

(۹) اہل السنت کے نزدیک جادوگر اس بات پر قادر ہے کہ ہوا میں اڑے، آدمی کو گدھا اور گدھے کو آدمی بنا دے۔ (تفسیر کبیر، قصۂ ہاروت ماروت)

(۱۰) آدمی کے افعال میں آدمی کی قدرت کا کچھ اثر نہیں، کافر کا کفر اور گناہ گار کا گناہ خود خدا نے چاہا تھا۔ (احیاء العلوم)

ذات الٰہی کے اصول عشرہ یہ ہیں۔ خدا موجود[1] ہے۔ واحد[2] ہے۔ قدیم[3] ہے۔ جوہر نہیں[4] ہے۔ جسم نہیں[5] ہے۔ عرض نہیں[6] ہے۔ کسی جہت کے ساتھ[7] مخصوص نہیں ہے۔ کسی[8] مکان میں نہیں ہے۔ وہ نظر[9] آسکتا ہے اور ہمیشہ رہے[10] گا۔

صفات الٰہی کے بھی دس اصول ہیں۔ خدا زندہ[1] ہے۔ عالم[2] ہے۔ قادر[3] ہے۔ صاحب ارادہ[4] ہے سنتا[5] ہے۔ دیکھتا[6] ہے۔ بولتا[7] ہے۔ حوادث[8] کا محل نہیں۔ اس کا کلام[9] قدیم ہے۔ اور اس کا علم[10] وارادہ قدیم ہے

افعال الٰہی۔ اس کے بھی دس اصول ہیں۔ بندوں کے افعال[1] کا خالق خدا ہے۔ افعال عباد[2] الٰہی کے مکتسب ہیں۔ خدا نے ان افعال[3] کا ہونا چاہا۔ خدا نے خلق واختراع جو کیا[4] یہ اس کا احسان ہے خدا کو جائز ہے تکلیف مالا[5] یطاق دے۔ خدا کو جائز ہے کہ بے گناہ کو عذاب[6] دے۔ خدا پر مصلحت[7] کی پابندی نہیں۔ واجب وہی چیز[8] ہے جو شرع کی رو سے واجب ہے۔ انبیاء کا مبعوث[9] ہونا ممکن ہے اور محمد[10] رسول اللہ کی معجزات سے ثابت ہے۔

سمعیات کے اصول عشرہ یہ ہیں۔ قیامت[1]، منکر نکیر[2]۔ قبر کا عذاب[3]، میزان قیامت[4]۔ پل صراط[5] بہشت اور[6] دوزخ کا وجود۔ احکام امامت[7]۔ صحابہؓ کی فضیلت[8] بہ ترتیب خلافت۔ امامت[9] کے شرائط اور امامت مشروطہ نہ ہو تو سلطان[10] وقت کے احکام۔

امام اشعری سے پہلے دو فریق تھے ایک ارباب نقل اور دوسرے اہل عقل انہوں نے ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کیا اور عقل ونقل دونوں کو ربط دیدیا۔

یہ علم کلام امام غزالیؒ سے پہلے مرتب ومدون ہو چکا تھا لیکن امام غزالیؒ نے اس کا قالب بدل دیا اور اس میں کچھ ترمیم وتنسیخ کر کے خوب چمکایا۔ امام صاحبؒ نے منطق کا سیکھنا فرض کفایہ قرار دیا اور فلسفہ سے نفرت دور کی اور مذہب وفلسفہ کی تعلیم ساتھ ساتھ ہونے لگی۔ امام صاحب کی کوششوں

نے امام رازی۔ شیخ الاشراق۔ علامہ آمدی اور عبدالکریم شہرستانی جیسے جامع منقول و معقول پیدا کر دیئے۔ امام غزالیؒ نے اشاعرہ طریقہ کی حمایت کی مگر ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ اس سے حقیقی تشفی نہیں ہو سکتی۔

امام صاحب کی رائے یہ تھی کہ اسرار شریعت کو عام طور پر ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے انہوں نے عوام الناس کے لئے طریقہ اشاعرہ ہی کو مناسب سمجھا کیونکہ وہ عقل و نقل کے بین بین تھا اور اپنے خاص مذاق کی کتابوں کے متعلق کہدیا کہ یہ عوام الناس کیلئے نہیں۔

ماتریدیہ علم کلام کی یہ شاخ ابومنصور ماتریدی کی طرف منسوب ہے جن کا نام محمد بن محمود ہے یہ قصبہ ماترید کے رہنے والے تھے جو سمرقند کے مضافات میں ہے انہوں نے امام ابو نصر عیاضی، ابوبکر احمد بن اسحاق بن صالح جوزجانی نصیر بن یحییٰ بلخی اور محمدؒ بن مقاتل رازی سے تعلیم حاصل کی اور دو واسطے سے قاضی ابویوسف اور امام محمدؒ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ۳۳۳ھ میں وفات پائی۔ ان کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

کتاب التوحید۔ کتاب المقالات رد اوائل الاولہ لکعبی۔ بیان وہم المعتزلہ۔ تاویلات القرآن

اس کے مہتم بالشان مسائل یہ ہیں۔

(۱) اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے۔

(۲) خدا کسی کو تکلیف مالایطاق نہیں دیتا۔

(۳) خدا ظلم نہیں کرتا اور اس کا ظالم ہونا عقلاً محال ہے

(۴) خدا کے تمام افعال مصالح پر مبنی ہیں۔

(۵) آدمی کو اپنے افعال پر قدرت اور اختیار حاصل ہے اور یہ قدرت اُن افعال کے وجود میں اثر رکھتی ہے۔

(۶) ایمان کم اور زیادہ نہیں ہوتا۔

(۷) زندگی سے ناامیدی کی حالت میں بھی توبہ مقبول ہے۔

(۸) حواس خمسہ سے کسی چیز کو محسوس کرنا علم نہیں ہے بلکہ ذریعہ علم ہے۔

(۹) اعراض کا اعادہ نہیں ہو سکتا۔

اشاعرہ ان تمام عقائد کے مخالف ہیں۔

حنابلہ۔ اپنے آپ کو امام احمد بن حنبلؒ کا پیرو کہلاتے ہیں۔ مگر عقائد میں امام احمد بن حنبلؒ

کی کوئی تصنیف نہیں ہو جستہ جستہ اقوال ملتے ہیں وہ اہل السنتہ اور سلف صالح کے مطابق ہیں۔
اشاعرہ امام شافعی کے عقائد کے شارح سمجھے جاتے ہیں اور ماتریدیہ درحقیقت امام ابوحنیفہؒ کے کیونکہ ابو منصور ماتریدی بچند واسطے امام صاحب ہی کے شاگرد ہیں۔

علم کلام کے پیدا ہونے کے اسباب عقائد میں بحث و مناظرہ کی بنیاد اگرچہ صحابہؓ کے زمانہ میں پڑ چکی تھی اس وقت سے لیکر بنوامیہ کے زمانہ تک صرف مسلمانوں میں ہی محدود رہی لیکن جب عہد عباسیہ میں اسلامی درسگاہوں کے ذریعہ بلاتفریق مذاہب و ملت مجوسیوں، یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہ کو مسلمانوں کے مذہبی خیالات و عقائد سے واقف ہونے کا موقعہ ملا اور عباسیوں نے تمام مذاہب والوں کو آزادی دی تو اسلامی عقائد اور دوسرے مذاہب والوں کی طرف سے بھی رد و قدح شروع ہو گئی۔

اس کے علاوہ منصور عباسی نے دنیا کی تمام زبانوں کی علمی اور مذہبی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کرائیں اور فلسفہ کی بنیاد ڈالی مگر اس کے پوتے مامون رشید نے جو علوم و فنون کا مربی تھا فلسفہ کو بے انتہا رونق دی۔ اس کے گماشتے بلاد روم، شام اور مصر میں یونانی کتابوں کو ڈھونڈھنے کے لئے مقرر تھے اور ہزارہا اونٹ قلمی کتابوں سے بھرے ہوئے اس کے دربار میں آیا کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ترجموں کو پڑھ پڑھ کر سینکڑوں مسلمانوں کے عقیدے متزلزل ہو گئے اور لوگوں میں زندقہ و الحاد پھیل گیا۔

زندقہ و الحاد کی روک تھام کے لئے ضرورت تھی کہ غیر مذاہب والوں کے مقابلہ میں علم کلام ایجاد کیا جائے۔ ادھر جب خلیفہ مہدی ۱۵۸ھ میں تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے علمائے اسلام کو حکم دیا کہ مذہب اسلام پر جو شبہات کئے جاتے ہیں ان کے جواب میں کتابیں تصنیف کی جائیں چنانچہ انہوں نے اس خدمت کو انجام دیا مگر اس وقت تک علم کلام اس نام سے موسوم نہیں ہوا تھا مامون الرشید کے زمانہ میں فلسفیانہ مذاق کی بنا پر اس کا نام علم کلام رکھا گیا۔

علم کلام کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی محدثین اور ارباب ظاہر نے نہایت زور و شور کے ساتھ اس کی مخالفت شروع کر دی۔ امام احمد بن حنبلؒ، سفیان ثوری اور امام شافعی وغیرہ نے اس علم کو حرام بتایا لیکن شاہان عباسیہ کی حمایت اور امام غزالیؒ اور امام رازیؒ جیسے متکلمین کی سرپرستی نے اسے مقبول عام بنا دیا۔

ابوالہذیل علاف بانی علم کلام سب سے پہلے ابوالہذیل علاف نے اس فن میں

کتاب لکھی آپ کا پورا نام محمد بن الہذیل بن عبد اللہ بن مکحول ہے یہ ۱۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ "ایک دفعہ بہت سے مجوسی ابوالہذیل سے مناظرہ کرنے کیلئے آئے ابوالہذیل نے سب کو بند کر دیا، ان میں میلاس نام ایک مجوسی تھا وہ اسی وقت اسلام لایا، ابوالہذیل کی ایک تصنیف جس کا نام میلاس بھی اسی میلاس کے نام پر ہے" شرح ملل ونحل میں ہے کہ تین ہزار شخص اس کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ ماموں الرشید کے دربار میں جس قدر علمائے کلام تھے ان میں سب سے پیشتر ابوالہذیل اور نظام تھے، حکومت کی طرف سے ابوالہذیل کے ساٹھ ہزار درہم سالانہ مقرر تھے، لیکن ابوالہذیل یہ ساری رقم اہل علم پر صرف کر دیتا تھا۔ ابوالہذیل کو معقولات کے علاوہ علوم ادبیہ میں بھی کمال تھا۔ ایک دفعہ وہ مامون الرشید کے دربار میں گیا، ثمامہ بن اشرس جو مامون الرشید کے دربار کا مشہور فاضل تھا، اس نے ابوالہذیل کی تقریب کی تھی دربار میں حاضر تھا ابوالہذیل اثنائے گفتگو میں ثمامہ سے خطاب کرتا تھا تو اس کا خالی نام لیتا تھا حالانکہ ثمامہ اس پایہ کا شخص تھا کہ خود ماموں نام کے بجائے اس کو لقب سے مخاطب کرتا تھا۔ اس پر ثمامہ کو ملال ہوا۔ لیکن خود ثمامہ کا بیان ہے کہ ابوالہذیل نے جب سند کے موقعہ پر عرب کے سات سو شعر زبانی پڑھ دئے، تو میں نے بے اختیار کہا کہ تو میرا نام لے یا لقب تجھ کو سب جائز ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ابوالہذیل سے کہا کہ میرے دل میں قرآن مجید کے متعلق بعض شبہات ہیں جو کسی طرح رفع نہیں ہوتے وہ یہ کہ "قرآن مجید کی متعدد آیتیں ایسی ہیں متناقض معلوم ہوتی ہیں اور بعض آیتوں میں نحوی غلطیاں نظر آتی ہیں۔" ابوالہذیل نے کہا کہ ایک ایک آیتہ پر الگ الگ بحث کی جائے، یا ایسا اجمالی جواب دیا جائے کہ تمام شبہات رفع ہو جائیں، معترض نے دوسری شق اختیار کی، ابوالہذیل نے کہا یہ امر تو مسلم ہے کہ رسول اللہ صلعم عرب کے معزز اور شریف خاندان سے تھے یہ بھی مسلم ہے کہ ان کی فصاحت اور زبان دانی پر کسی کو اعتراض نہ تھا، اس میں بھی شک نہیں کہ اہل عرب نے آنحضرت کے جھٹلانے اور آپ پر نکتہ چینی کرنے کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا، اب غور کرو کہ اہل عرب نے آنحضرت پر اور ہر طرح کے اعتراض کئے لیکن کسی نے یہ بھی کہا کہ ان کی زباندانی صحیح نہیں، یا یہ کہ ان کی باتوں میں تناقض نظر آتا ہے، پھر جب ان لوگوں نے یہ اعتراض نہیں کئے تو آج کون شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے (علم الکلام)

ابوالہذیل نے علم کلام پر چھوٹی بڑی ساٹھ کتابیں لکھیں جنمیں نہایت دقیق مسائل پر بحثیں کی ہیں

چوتھی صدی کے متکلمین علم کلام مامون الرشید کے زمانہ سے برابر ترقی کرتا چلا آرہا تھا اور چوتھی صدی میں اپنے کمال کو پہونچ گیا چوتھی صدی کے متکلمین یہ ہیں۔ ابومسلم اصفہانی۔ ابوبکر اصم۔ ابوالقاسم بلخی اور قفال کبیر۔

ابومسلم کا نام محمد بن بحر اصفہانی ہے۔ یہ مشہور بلغاء میں سے ہوئے ہیں آپ نے عقل کے موافق سب سے پہلے ایک تفسیر جامع التاویل لمحکم التنزیل لکھی۔ امام رازی اس تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں "ابومسلم کا کلام تفسیر میں نہایت خوب ہوتا ہے۔ وہ باریک اور لطیف باتوں کو تہ سے ڈھونڈھ کر نکالتا ہے" ابومسلم نے ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔

ابوالقاسم بلخی۔ ان کا پورا نام عبداللہ بن احمد بن محمود کعبی ہے۔ انھوں نے تفسیر کی ایک مشہور کتاب کشف الظنون بارہ[۱۲] جلدوں میں لکھی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی تصانیف ہیں مثلاً عیون المسائل اور مقالات اہل کتاب وغیرہ۔ ۳۰۹ھ میں وفات پائی۔

ابوبکر اصم۔ ان کا نام عبدالرحمان بن کیان ہے۔

قفال ان کا نام محمد بن علی بن اسمٰعیل ہے۔ یہ بڑے مشہور عالم گزرے ہیں۔ حدیث فقہ اور علوم ادبیہ میں امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔ امام ابوالحسن اشعری کے معاصر تھے ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔

پانچویں صدی کے متکلمین اس صدی کے صرف تین مشہور متکلمین ہیں ابوالحسن محمد بن علی البصری، ابواسحاق اسفرائنی اور قاضی عبدالجبار معتزلی۔ ابوالحسن بصری کی بہت سی تصانیف ہیں۔ جن میں سے نقح الادلتہ دو جلد وکیں اور غرور الادلتہ مشہور ہیں۔ انھوں نے ۴۳۶ھ میں وفات پائی اور قاضی ضمیری نے نماز جنازہ پڑھائی جو نامور فقیہ گزرے ہیں۔

ابواسحاق اسفرائنی۔ ان کا نام ابراہیم بن محمد ہے، یہ شافعی المذہب تھے، انھوں نے علم کلام میں ایک کتاب جامع الحلی فی الدین والرد علی الملحدین تصنیف کی جس کی پانچ جلدیں ہیں۔ محدثین ان کو امام وقت تسلیم کرتے تھے۔ ۴۱۸ھ میں وفات پائی۔

علامہ ابن حزم ظاہری۔ ۳۸۴ھ میں بمقام قرطبہ پیدا ہوئے اور ان کے وجود سے سپین کو یہ فخر نصیب ہوا کہ حدیث اور کلام نے ایک بزم میں جگہ پائی، محدث ذہبی نے ان کو حدیث میں امام فن تسلیم کیا ہے۔ ان کی تصانیف قریباً چار سو ہیں۔ فقہ میں ایک ضخیم کتاب الیقال ہے اور دوسری کتاب محلی مجتہدانہ انداز میں لکھی ہے، سپین میں صرف یہی نامور متکلم گزرے ہیں۔

انہوں نے علم کلام میں بھی دو کتابیں لکھی ہیں، ایک میں توراۃ اور انجیل کی تحریک کا بیان ہے اور دوسری کا نام الفصل فی الملل والاہوار والنحل ہے، اس میں دہریوں، فلاسفروں، مجوسیوں اور نصاریٰ کے عقائد بیان کر کے ان کا رد کیا ہے۔

علامہ ابن حزم چونکہ کسی کے مقلد نہ تھے اور آئمہ مجتہدین پر آزادانہ نکتہ چینیاں کیا کرتے تھے اس لئے ان کو فقہانے شہر بدر کرادیا تھا اور حالت آوارگی ہی میں صحرائے لیلہ میں آٹھ شعبان ۴۵۶ھ میں وفات پائی۔

امام غزالی

شہرت اور ناموری کے لحاظ سے علم کلام کو امام غزالیؒ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو منطق کو ارسطو کے ساتھ۔ ان سے پہلے علم کلام میں فلسفہ کی آمیزش نہ تھی، سب سے پہلے فلسفیانہ انداز میں انہوں نے ہی اس فن کو مدون کیا۔ اسی بناء پر ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام غزالیؒ عقلی علم کلام کے موجد ہیں۔ یہ اشعری علم کلام کے پیرو تھے ان کے فضل و کمال سے اس فن کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اور ان کی آغوش تربیت میں آکر علم کلام قبولیت عامہ حاصل کرتا ہے۔ آپ کا نام محمد حجۃ الاسلام لقب، اور غزالی عرف ہے۔ خراساں کے اضلاع میں ایک ضلع طوس ہے اس کے ایک شہر طاہران میں ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں بمقام طاہران وفات پائی۔

پیر کے دن صبح کو بستر خواب سے اٹھے، وضو کر کے نماز پڑھی، پھر کفن منگوایا، اور اس کو آنکھوں سے لگا کر کہا کہ "آقا کا حکم سر اور آنکھوں پر" یہ کہکر پیر پھیلادئے، لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا۔ امام صاحب کے شاگردوں کی تعداد ایک ہزار تک بیان کی جاتی ہے جن میں بڑے محدث، فقیہ اور عالم ہیں۔ اور تصانیف میں تمام اقسام کی کتابیں موجود ہیں۔ فقہ۔ اصول فقہ۔ فلسفہ۔ کلام۔ تصوف ہر شعبہ میں متعدد مشہور کتابیں ہیں حجۃ اللہ البالغہ آپ کی تصوف میں مشہور ترین کتاب ہے۔

امام صاحب سے پہلے جس قدر فلسفہ کی کتابیں تھیں وہ اس قدر پیچیدہ، مشکل اور دقیق تھیں کہ جن کا سمجھنا عوام الناس تو کیا علماء کی دسترس سے باہر تھا اور وہ مافوق الادراک اسرار معلوم ہوتے تھے، آپ نے اس طرز تحریر اور پیچیدگی کے طلسم کو توڑ پھینکا اور دقیق سے دقیق اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو اس طرح بیان کیا کہ معمولی لیاقت و استعداد کے آدمی کی سمجھ میں آجائے۔ اس طرز تحریر کو امام فخر الدین کو رازیؒ نے اور بھی زیادہ ترقی دی۔

فلسفہ کی تردید میں آپ نے وہ کام کیا ہے جس نے آیندہ نسلوں کے لئے ایک روشن راہ

کھول دی اور جس نے ہمارے ہاتھ میں الحاد و زندقہ کی سرکوبی کے آلات دے دیے۔ آپ سے پہلے مسلمانوں کے دماغوں پر فلسفۂ یونانی کا رعب چھایا ہوا تھا، لوگ اس کے گرویدہ تھے اور اس کے ہر مسئلہ کو الہام الٰہی سے کم نہ سمجھتے تھے۔ آپ نے یونانی فلسفہ کی بنیادیں اکھیڑ کر رکھ دیں اور لوگوں کے دلوں سے اس کی عظمت دور کر دی۔ آپ نے کلیتہً امام رازیؒ کی طرح سے فلسفہ کو آماجگاہ بنا کر اس کے صحیح مسائل کی بھی دھجیاں نہیں اڑائیں بلکہ اس کے عیب و ہنر کو پرکھا، ان پر تنقید اور ریویو کیا جو اصول اسلام کے بر خلاف تھے ان کو خوب پیسا۔ ان کا غلط ہونا روز روشن کی طرح عیاں کر دیا اور جو اصول اسلام کے منافی نہ تھے ان سے چنداں تعارض نہیں کیا۔ غرض آپ نے صرف فلسفہ کے انہیں مسائل کا رد کیا جو اسلام کے مخالف ہیں۔ غرضکہ آپ کا درجہ متکلمین میں بہت بڑھا ہوا ہے

دوسرا باب

اسلامی عقائد مسلک اہل السنّت والجماعت کے مطابق

تمہید اسلام نہ تو محض چند دل خوش کن اور بلند پایہ تخیلات کا مجموعہ ہے۔ نہ صرف چند رسمی اور بیجان عبادات کا نام اسلام ہے ورنہ فقط کسی قومی اور توانا طاقت کو رام کرنے ستاروں اور سیاروں کو مسخر کرنے اور یا کسی زبردست اور لاپروا دیوتا یا دیوی کو رجھانے کے منتروں اور افسونوں کا نام ہے بلکہ اسلام ایک ایسا جامع اور مانع مذہب ہے جو جسم اور روح دونوں کی تربیت کرتا ہے۔ اور زندگی بخشتا ہے

اسلام وہ راستے دکھاتا ہے جن پر چل کر انسان اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتے ہیں اور اعلیٰ روحانی برکات سے مالامال ہو سکتے ہیں۔ تہذیب تمدن میں جان ڈالتا ہے۔ انسانوں کے پیدا ہونیکی غرض بتلاتا ہے۔ اس کی تکمیل کرتا ہے۔ پستی سے نکال کر بلندی پر بٹھاتا ہے۔ انسان کیلئے کائنات کے ہر ذرّہ کو فائدہ مند بناتا ہے اور بتلاتا ہے کہ خدا کے سوا جو کچھ ہے وہ سب کچھ انسان کے لئے ہے اور انسان خدا کے لئے ہے دنیا کی ہر فانی اور چند روزہ چیزوں کو غیر فانی بنا دیتا ہے اور ایک دوسری دائمی زندگی اور دائمی نعمتیں دے کر اس خواہش کو پورا کرتا ہے جو ہر شخص کے اندر پائی جاتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ انسان اس زندگی میں ہی غیر فانی اور دائمی زندگی اور نعمتوں کا خواستگار ہے جو پوری نہیں ہو سکتی اور اسلام نے ان دائمی نعمتوں اور غیر فانی زندگی کو آخرت کے لئے اٹھا رکھا ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ ضروریات انسانی کو مذہب کے ماتحت ہو کر پورا کرو۔ نیز وہ کہتا ہے کہ اے انسان تو اپنے اختیار سے پیدا نہیں ہوا اور نہ اپنے اختیار سے زندہ رہ سکتا ہے اس لئے تجھے من مانی زندگی بسر کرنے کا بھی اختیار نہیں۔ تیرے ساتھ مسئولیت لگی ہوئی تو خدا کے یہاں اپنے ہر فعل کا جوابدہ ہے۔ تجھکو لازم ہے کہ اپنے پیدا کئے جانے کے متعلق اس کے منشار کو معلوم کرے اور اس کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے۔ گویا اسلام انسانی زندگی کے صحیح نصب العین کو قائم کرتا اور

ذہنیت کو تبدیل کر کے زندگی کے مقصد کو بدل دیتا ہے۔

اکثر لوگوں اور دیگر مذاہب نے "عبد" اور "عبادت" کا مفہوم اپنے ذہن میں غلط طور پر مرکوز کیا ہوا ہے کہ وہ خدا کے بزرگ و برتر کو اپنا معبود اور مالک و آقا کہنے کے بعد بھی اوروں کی خواہشات کا پابند کرتے ہیں۔ حالانکہ جو شخص اپنے کو عبد کہتا ہے وہ اپنا تعلق خدا سے قائم کرتا ہے اور اس کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے عبد ہونے کا ثبوت عبادت سے دے اور اصل عبادت یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی بیحد تعظیم، بے حد تکریم اور نہایت درجہ عاجزی و انکساری کا شیوہ اختیار کرے اور یہ بات عقائد کی بلندی اور جذبات کی برتری پر موقوف ہے۔

اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو عبد اور عبادت کا صحیح مفہوم ذہن نشین کرتا ہے عبد سے معبود کے رشتہ کو قائم کراتا ہی اور خدا تک پہنچاتا ہے اور زندگی کے اصلی لطف سے لذت اندوز کرتا ہے وہ بتلاتا ہے کہ زندگی کا لطف تو روح کی لذتوں اور اشیاء کے حقائق جاننے اور ان سے فائدہ اٹھانے میں ہے نہ کہ عیش و عشرت اور حیوانی زندگی بسر کرنے میں۔

غرض مذہب اسلام ہر شعبۂ زندگی میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور ترقی کے مدارج طے کراتا ہے اور انسانوں کو ایک عجیب خدائی ضابطے کے اندر مجبور و محصور کر کے رکھتا ہے۔

وہ صرف عبادات کا صحیح مفہوم اور اس کے اقسام بتلا کر الگ نہیں ہو جاتا بلکہ اپنے عقائد کی بلندی اور روشنی سے انسان کے دل و دماغ اور ظاہر و باطن کو پاک و صاف کرکے عملی زندگی پر مجبور کرتا ہے وہ عملی زندگی اور دائمی مسرت کے حصول پر حد سے زیادہ زور دیتا ہے اور زندگی و عمل کی اسپرٹ پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ایمان کو بغیر "عمل صالح" کے ناقص و ناتمام ٹھہرایا ہے اور "جسم" سے پہلے "روح" پر قبضہ کیا ہے۔

اقسام علوم شرعیہ

عقائد اسلامیہ بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ احیاء العلوم کی کتاب العقائد کے ضروری حصہ کا اقتباس پیش کر دیا جائے تاکہ عقائد کی تفہیم میں آسانی ہو اور غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔

جاننا چاہیے کہ شریعت اسلامیہ کے دو پہلو ہیں جلی اور خفی۔ عوام الناس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلام کے ظاہری احکام سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ ان کے عقول و افہام میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ حقائق نبوت کا ادراک کر سکیں۔ اور علمائے کا بھی فرض ہے کہ وہ عوام الناس کے سامنے اسلام کے باطنی احکام ظاہر نہ کریں اور ان سے ان کی عقل و سمجھ کے مطابق گفتگو کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نحن معاشر الانبیاء امرنا ان نکلم الناس علیٰ قدر عقولہم۔ ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی عقل وسمجھ کے مطابق کلام کریں۔ نیز ارشاد ہے۔ ماحدث احد قوما لحدیث لم تبلغہ عقولہم الاکان فتنۃ علیہم کوئی شخص عوام کے سامنے کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو ان کی عقل وسمجھ سے باہر ہو۔

اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔ ہم نے قرآن کریم میں یہ مثالیں بیان کی ہیں جن کی صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر میں اس کی تفسیر بیان کروں تو تم مجھے کافر بتا دو اور مجھے سنگسار کردو۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دو علم دیئے ہیں علم الاحکام والاخلاق اور علم الاسرار جو علماء کے ساتھ خاص ہے ایک تو میں نے تم تک پہنچا دیا ہے اور اس کو عام کردیا ہے اور اگر میں دوسرا بھی عام کردوں تو تم میری گردن کاٹ دو۔

سہیل تستری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عالم کے لئے تین علم ہیں۔ علم ظاہر، علم باطن اور وہ علم جو اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ہے۔ عالم کو چاہئے کہ علم ظاہر کو لوگوں میں پھیلائے اور علم باطن کے اظہار کی کوشش نہ کرے مگر اہل علم کے لئے جو علم باطن کی اہلیت رکھتے ہوں، اور تیسرے علم کو کسی کے سامنے ہرگز ہرگز ظاہر نہ کرے۔ بعضے عارفین کہتے ہیں کہ ربوبیت کے راز کا افشاء کرنا کفر ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ ربوبیت کا ایک راز ہے اگر اس کو ظاہر کیا جائے اور اسی طرح علماء کا ایک راز ہے اگر اس کو ظاہر کیا جائے تو احکام باطل ہوجائیں۔

اگر کوئی ان آیات واقوال سے یہ سمجھے کہ اسلام کا باطن ظاہر کے خلاف ہے اور حقیقت شریعت کے مناقض ہے جیسا کہ بعض نام نہاد صوفیا کا خیال ہے تو یہ ان کی غلط فہمی اور کوتاہ عقلی ہی بلکہ ایسا خیال کرنا کفر ہے کیونکہ شریعت کا کوئی "سر" ایسا نہیں جو ظاہر نہ کیا جائے ہاں بعض احکام خفی ہیں اور بعض جلی اور وہ بھی علم وعقل کے متفاوت درجوں کے لحاظ سے عقائد اعمال سے ہیں اور ان میں عوام الناس کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کی بلاچون وچرا تصدیق کرلیں اور ان کے حقائق تک پہنچنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ اس کے وہ مکلف نہیں اور ان کا اس امر کا مکلف نہ ہونا

اس بات کا بھی ثبوت نہیں کہ اسلامی عقائد خلاف عقل ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ عقائد خلاف عقل تو نہیں البتہ ماورائے عقل ضرور ہیں اور یہی مقصود ہے مذکورہ بالا دلائل کا

اسرار الٰہیہ کے اقسام جو اسرار شریعت مقربین بارگاہ الٰہی اور "راسخون فی العلم" کے فہم کے لئے خاص ہیں جن میں عوام الناس افہام شریک نہیں اور جن کے افشاء کرنے سے علماء کو روکا گیا ہے۔ اس کی پانچ قسمیں ہیں۔

قسم اوّل یہ کہ کوئی حکم فی نفسہٖ ایسا دقیق ہو کہ عوام کے عقل و فہم سے بالاتر اور اس کا فہم خواص سے متعلق ہو۔ اس کے لئے حکم ہے کہ علماء ایسی چیز کو لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کریں ورنہ فتنہ میں پڑ جائیں گے اور تکفیر کا نشانہ بننا پڑے گا کیونکہ عوام کی سمجھ میں تو وہ بات آنے کی نہیں اور وہ ایک نئی بات سُن کر لعنت و ملامت کی بوچھار کر دیں گے اسی لئے حضور نے اس قسم کے بیان سے روکا ہے کہ علماء و اولیاء کے اسرار کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا جائے۔

خصوصاً صفات الٰہیہ میں تو بہت سے خفایا ہیں جن کے ادراک سے خواص کی عقلیں بھی قاصر ہیں اسی لئے رسول خدا صلعم نے سوائے ظواہر کے ان کے متعلق اور کچھ بیان نہیں کیا مثلاً اللہ تعالےٰ کا علم اور قدرت وغیرہ صفات اب اگر عوام کو کہا جائے کہ صفات الٰہیہ کو مخلوق کی کسی صفت سے مناسبت و مشارکت نہیں تو وہ ہرگز اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ جیسے اگر ایک عنین یا لڑکے کو جماع کی لذت خواہ کسی طریقہ سے بتلائی جائے وہ ہرگز نہیں سمجھے گا ہاں اگر کسی مناسب لذت سے مشابہت دیکر بتلایا جائے تو شاید سمجھے مگر اس کی لذت کی صفت کو پھر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ اللہ کا علم اور اس کی قدرت بندوں کے علم اور قدرت سے بالکل جدا ہے تو وہ کسی طرح صفات الٰہیہ کو نہ سمجھ سکیں گے۔ پس لامحالہ ظواہر پر ہی ٹھہر جانا پڑے گا۔

دوسرے قسم کے اسرار وہ ہیں جن کا فہم عوام کے لئے مضر ہے اور انبیاء و صدیقین کے لئے مُفید ہے۔ اس واسطے انبیاء و صدیقین کو ان کے افشاء کرنے سے روک دیا ہے ان اسرار کا سمجھ لینا تو مشکل نہیں مگر عوام کے حق میں مضر ہے جیسا کہ مسئلہ جبر و قدر کی حقیقت پر غور کرنے سے حضور نے روک دیا ہے۔ یہ اسی دوسری قسم میں ہے اور فی نفسہٖ یہ کوئی خرابی یا نقص کی بات نہیں کہ اسلام کے بعض حقائق عوام کے لئے مضر ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے شعاع آفتاب "چمگادڑ" کو نقصان پہنچاتی ہے اور گلاب کے پھولوں کی خوشبو "گدھے" کے حق میں مضر ہے، مگر اس شعاع آفتاب اور گلاب کے پھولوں پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اسی طرح مسئلہ قدر کا ہمارے لئے مضر ہونا کوئی

اعتراض کی بات نہیں۔ پس اس قسم کے اسرار میں سکوت ہی اولیٰ ہے اور اگر چھان بین کی جائے تو سخت نقصان ہے۔ یہی مسئلہ قدر اگر قیامت تک کوئی اس کو سمجھانا چاہے تو مشکل ہی اور کیوں نہ مشکل ہو جبکہ اس کا منشا یہ ہے کہ کفر و ایمان زنا معاصی اور تمام شر و رقضا ء الٰہی کے ماتحت ہیں اور اس کے ارادہ کے مطابق یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا حل اور جواب نہ صرف مذہب بلکہ فلسفہ کی زبان سے بھی مشکل ہے اور یہ مسئلہ صرف اسلام میں ہی نہیں ہے بلکہ دنیا کا کوئی مذہب بھی اس سے خالی نہیں ہے درحقیقت مذہب کی روح اسی معمہ کے اندر پوشیدہ ہے۔ اس کا جواب نفیاً یا اثباتاً اجمالی لہجہ میں دنیا مذہب پر ایک خطرناک حملہ ہے اور اعتقادیات میں سب سے پہلا یہی مسئلہ ہے جس میں گفتگو ہوئی اور تفریق و فرقہ بندی کی بنیاد رکھی گئی۔

تیسری قسم کے اسرار وہ ہیں کہ اگر ان کو صریح طور پر بیان کیا جاتا تو سمجھ لئے جاتے اور ان میں کوئی ضرر نہ تھا لیکن ان کی عظمت و وقعت قلب میں بٹھانے اور عقول و افہام کو انکی طرف رجوع کرنے کے لئے ان کو کنایۃً استعارۃً اور رمزاً بیان کیا گیا تاکہ وہ امر قلب میں بیٹھ جائے یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ علوم ظاہری کو ظاہر کرنے اور حکمت کو روکے رکھنے کو کنایۃً اس طرح بیان کیا جائے کہ فلاں شخص کو میں نے دیکھا کہ وہ خنزیروں کے گلے میں موتی باندھ رہا تھا اور مراد اس سے یہ ہو کہ فلاں شخص لوگوں کے سامنے علم کو تو ظاہر کرتا ہے مگر حکمت کے بیان سے زبان کو روکے رکھتا ہے۔ پس ایک عامی کی نظر ظاہری الفاظ پر ہوگی اور عالم اس کی اصلیت اور تہ کو پہونچے گا اسی قسم میں حضور صلعم کا یہ ارشاد ہے۔ اما یخشی الذی یرفع راسہ قبل الامام ان یحول اللہ راسہ راس الحمار یعنی جو شخص امام سے پہلے سر اٹھائے گا۔ قیامت کے روز اس کا سر گدھے کا بنا دیا جائے گا: اس سے ظاہری شکل و صورت مقصود نہیں بلکہ مراد حماقت و نادانی ہے کیونکہ امام کی اقتدا اور تعدم دو متناقض باتیں ہیں امام کی اقتدا پر زور دینے کے لئے ان الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ آیات و حدیث سے اس قسم کے خلاف ظاہر معنی مراد لینا یا تو عقلی طور پر ہوتا ہے یا شرعی طور عقلی اس طور پر کہ ظاہر پر حمل کرنا ناممکن ہو جیسا کہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن مومن کا قلب اللہ کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہے۔ اس کو کسی طور پر بھی ظاہر پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ انگلیوں سے قدرت الٰہی کی طرف اشارہ کیا ہے اور قدرت الٰہی کے اقتدار کی تفہیم کا یہ سریع الفہم اور اعظم کنایہ ہے دوسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ اِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝

جب اللہ پاک کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ "ہو جا" پس وہ ہو جاتی ہے۔
اس آیت کو ظاہری معنوں پر حمل کرنا ناممکن ہے کیونکہ اگر یہ خطاب قبل وجود شے کے ہوتا ہے تو یہ محال ہے۔ جب کوئی مامور بہ ہی نہیں ہے تو خطاب کس چیز سے کیا جاتا ہے اور حکم کی تعمیل کونسی چیز کرتی ہے اور اگر یہ خطاب بعد وجود کے مانا جائے تو تحصیل حاصل ہے۔ پس یہ بھی غایت اقتدار سے کنایہ ہے جو اقرب الفہم ہے اور شرعی طور پر اس طرح کہ آیات و احادیث کا ظاہر پر حمل کرنا ممکن ہو مگر ان سے خلاف ظاہر معنی مراد لینا منقول و مروی ہو یعنی روایت سے یہ بات ثابت ہو کہ ظاہر کے سوا کوئی اور معنی مراد ہیں۔ جیسا کہ آیۃ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَۃٌ بِقَدَرِهَا میں "ماء" سے قرآن اور "اودیۃ" سے قلوب مراد ہیں۔ اس قسم کے ماتحت بعض خود غرض اور نیچری عالم آخرت کے متعلق جس قدر آیات اور اخبار ہیں انکے ظاہر سے پھر کر بیجا تاویل کرتے ہیں مثلاً میزان اور صراط وغیرہ کی جگہ ظاہری معنوں کے خلاف کوئی روایت ان کی تائید و توثیق میں نہیں اور اُن کا ظاہر پر رکھنا بھی ممکن ہے ایسی صورت میں تاویل کرنا بدعت اور گمراہی ہے۔

چوتھی قسم کے اسرار۔ وہ ہیں کہ انسان پہلے ان کو اجمالی طور پر مان لے اور پھر تفصیلی طور پر ان کی تحقیق کرے تاکہ اس کی تصدیق یقین جازم کا درجہ حاصل کرلے۔ اور یہ اجمالی طور پر ماننا مانند چھلکے کے ہے اور تفصیلی طور پر تحقیق کرنا مانند مغز کے ہے۔ نیز اوّل ظاہر ہے اور دوئم باطن۔ مثال اسی طرح ہے کہ ایک انسان کے تصور میں کسی شخص کی صورت نظر آئے مگر اندھیرے یا دوری کی وجہ سے قطعی طور پر نہ جان سکے سو یہ علم مانند ایمان و تصدیق کے ہے اور جب وہ شخص نزدیک آجائے اور اندھیرا دور ہو جائے تو اس شخص کا خد و خال پوری طرح سامنے آجائے گا اور وہ اس کو اچھی طرح جان لے گا۔ اس میں علم اوّل اور علم آخر میں فرق تو ہے مگر ایک دوسرے کی ضد نہیں۔ بلکہ علم اخیر علم سابق کا متمم ہے۔ بہت سے امور ایسے ہیں جن کی تصدیق انسان قبل وقوع ہی کرلیتا ہے مثلاً عشق۔ مرض اور موت مگر عندالوقوع ان کی تحقیق کرنا کامل ہے بہ نسبت قبل وقوع کی تحقیق کے۔ شہوۃ وعشق وغیرہ تمام احوال کے تین متفاوت احوال وادراکات ہوتے ہیں۔ اول تصدیق قبل وقوع دوئم عندالوقوع اور سوئم بعد تصرف جیسے اگر بھوک کے زوال کے بعد "بھوک" کی تحقیق کیجائے وہ قبل زوال کی تحقیق کے مخالف ہوگی۔ اسی طرح علوم دین ہیں پس شریعت میں کوئی حکم ایسا نہیں جس کا باطن ظاہر کے خلاف ہو۔ بلکہ ظاہر کا متمم ہے یعنی اسلام کے ظاہری احکام، باطنی احکام سے مکمل ہوتے ہیں۔

پانچویں قسم کے اسرار۔ یہ ہیں کہ زبان مقال کو زبان حال ہی بیان کیا جائے جیسے ارشاد باری ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتی ہو مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں کر سکتے اب ظاہر پرست اس سے یہ سمجھے گا کہ جمادات بھی حیات اور تعقل رکھتے ہیں اور وہ قوت گویائی بھی رکھتے ہیں۔ حالانکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی حسن تدبیر اور کمال کی وجہ سے ذات آلہی پر شاہد اور مسخر بامر اللہ ہیں یعنی زبان حال سے تسبیح کرتے ہیں۔

اب ہم قسم چہارم کی ذرا اور تشریح و توضیح کرنا چاہتے ہیں تاکہ ایمان و تصدیق کے مراتب کماحقہ، ذہن نشین ہو جائیں۔

ایمان بالغیب کا فلسفہ

فن علم آلہی کا باریک نکتہ اور انکشاف حقائق کا راز یہ ہے کہ ثواب اور فیضان سماوی ہمیشہ ایمان پر مرتب ہوتا ہے اور اس راہ کا سچا فلسفہ یہ ہے کہ جب ایک مومن صرف نیک ظنی کی بنیاد پر بغیر انتظار اور قطعی و داشگاف ثبوت کے دلی انشراح سے حقائق ایمانیہ یعنی نبی کی بتائی ہوئی باتوں پر اسی قبولیت اور تسلیم کا اظہار کرتا ہے اور اخبار و اسرار کے ماننے میں سلیے چوڑے انکار اور شک و ریب سے مجتنب رہتا ہے۔ تو وہ مومن عنداللہ ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ پس ایمانی صورت قائم رکھنے کے لئے جس پر ثواب ملتا ہے اور فیضان سماوی کا ظہور ہوتا ہے۔ ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ امور ایمانیہ کو ایسا منکشف نہ کرتا کہ وہ دوسرے بدیہات کی طرح ہر ایک عام وخاص کے لئے مُسلّم الوجود ہوتے کیونکہ اس صورت میں نہ ان کی کوئی وقعت ہوتی اور نہ ہی دل میں بندہ کے ارادہ اور ایثار و قربانی کا کچھ دخل ہوتا۔

یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ انسان بوجہ عقل مکلف ہے اس لئے وہ نامعقول باتیں نہیں مان سکتا اور نہ ہی درصورت انکار قابل الزام ٹھہراتا ہے لیکن یہ بھی خوب سمجھ لو کہ اسلام بھی کسی نامعقول بات پر جو عندالعقل بعید از امکان ہو، ایمان لانے کے لئے مجبور نہیں کرتا حقائق ایمانیہ فی الحقیقت بعید از عقل نہیں بلکہ ایک وجہ سے ظاہر اور ایک وجہ سے مخفی ہیں، مگر امکانی طور پر عقل ان کا وجود باور کرتی ہے اور ان کے نفی کرنے کی اس کے پاس کوئی دلیل و وجہ نہیں کسی مذہب کے قبول کرنے اور روحانی و اخلاقی زندگی بسر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ راستہ اور طریقہ اختیار کیا جائے جس سے اندرونی آلائشیں اور نجاستیں دور ہو کر سینہ یقین و معرفت

سے پُر ہو جائے۔ خدائے بے نیاز کی عبادت و محبّت کے ذرائع و وسائل پر اطلاع پائے اور اس کے فیوض رحمت اُترنے شروع ہو جائیں۔ سو یہ تدبیر انسان اپنے فکر سے تو پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے اللہ جلشانہٗ نے اپنے وجود اور اپنے عجائب قدرت ارواح و اجسام و ملائک۔ بہشت و دوزخ عذاب قبر و حشر اور بعثت و رسالت وغیرہ تمام اسرار مبداء و معاد کو پردۂ غیب میں رکھ کر اور کچھ قیاسی یا امکانی طور پر عقل کو درک دیکر غرض کچھ دکھلا کر اور کچھ چھپا کر ان سب باتوں پر ایمان لانے کے لیے مامور کیا۔ اور یہ سب اس لئے کیا۔ کہ جب ایک مومن باوجود کشمکش خیالات کے خدا کی ہستی پر ایمان لائے گا اور سب عجائبات برزخ و اُخروی تسلیم کرے گا تو یہ قبول کرنا اس کے حق میں صدق و اخلاص شمار کیا جائے گا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کی توجہ رحمت کے لئے ایک موجب ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ امور غیبیہ ایمانیہ کو بدیہی طور پر ظاہر کرنے پر قادر تھا۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتا تو مذہب میں وہ خوبی اور جاذبیت نہ رہتی جس کی وجہ سے صادقوں کو مراتب عالیہ اور قرب و وجاہت ملتے ہیں۔ قلب و روح صرف مشہودات و محسوسات کی کیچڑ میں دھنس کر رہ جاتے اور اپنے مرکز روحانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاتے اور مذہب یعنی روحانیت کا تمام نظام درہم برہم ہو جاتا۔ فطرت صحیحہ مسخ ہو جاتی۔ ربّانی لذّت بے مزہ ہو جاتی۔ رب رحیم کی راہ مسدود ہو جاتی۔ آنکھیں پتھر ہو جاتیں۔ صدق و صفا کا دُنیا سے نام و نشان مٹ جاتا اور انسانی کمالات صرف مادیات کی کثافت پر ختم ہو جاتے۔

نجات اخروی۔ فیضان سماوی اور روحانی عروج و کمال کا یہ وہ راز ہے جس سے تمام مذاہب خاموش اور نابلد ہیں۔ اسلام نے امور ایمانیہ کو پردۂ غیب میں رکھ کر مذاہب عالم پر قبضہ کر لیا ہے اور مذہب کی روح کو مادیت میں فنا ہونے سے بچا لیا۔ ورنہ ساری دُنیا آج مادّہ پرست ہوتی۔ اسلام کا یہ محیّر العقول اور معجز نما پہلو ہے جس کے جلو میں لامتناہی مراتب و درجات اور انوار و تجلیات کھیل رہے ہیں اور معمورۂ عالم کو فنا ہونے سے بچائے ہوئے ہیں۔

پس ایمان کا ثواب تب مرتب اور بار آور ہو گا کہ جب غیب کی باتوں کو غیب ہی کی صورت میں تسلیم کیا جائے۔ ان پر ظاہری حواس کی کُھلی کُھلی شہادتیں طلب نہ کی جائیں۔ اپنی تابع عقل کو آوارہ و سرگرداں نہ ہونے دے۔ فلسفہ کے طول طویل اور لاطائل جھگڑوں سے اپنے تئیں بچاوے اور افراط آمیز تفتیشوں، انکاروں اور دور اندیشیوں سے اپنے آپ کو ہر طرح محفوظ رکھے۔ اسی

بات کا نام ایمان ہے اور اسی پر فیوض الٰہی کا دروازہ کھلتا ہے مگر صرف اسی حالت پر قناعت نہ کئے رہے بلکہ دعا، نماز، فکر و نظر اور ذکر و شغل کے ذریعہ اپنی علمی و عملی حالت میں ہر وقت ترقی چاہے اور رضامندی الٰہی کا خواہشمند رہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ خود ایسے مومن و قانت بندے کا متولی ہو جاتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر درجہ ایمان سے درجہ عین الیقین تک پہونچا دیتا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

علم کے اقسام

قرآن کریم نے علم کو تین قسم پر قرار دیا ہے علم الیقین۔ عین الیقین اور حق الیقین۔ علم الیقین وہ ہے کہ شئے مقصود کا کسی واسطے کے ذریعہ سے پتہ لگایا جائے۔ جیسے کہ دھوئیں سے آگ کا یقین اور علم حاصل کرنا۔ ہم نے اگرچہ آگ کو نہیں دیکھا صرف دھوئیں کو دیکھا ہے جس سے آگ کے وجود پر یقین آگیا۔ اس کا نام علم الیقین ہے۔ اگر آگ کو بھی دیکھ لیا تو یہ عین الیقین ہے، اور اگر آگ میں داخل بھی ہو گئے تو یہ حق الیقین ہے۔

علم الیقین کا ذریعہ عقل اور نقل ہے۔ اسلام صرف منقولات اور سماع تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ انسانوں کے سمجھانے کے لئے بڑے معقول دلائل پیش کرتا ہے۔ انسانی نفوس کو ان کی وسعت علمی سے زیادہ کسی بات کے قبول کرنے کی تکلیف نہیں دیتا اور وہی عقیدے پیش کرتا ہے جن کا سمجھنا انسان کی حد استعداد میں داخل ہے۔ اسلام نے جس قدر عقائد اور اصول و احکام پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی امر بھی ایسا نہیں جس میں زبردستی اور تحکم ہو بلکہ وہ سب عقائد وغیرہ انسان کی فطرت میں پہلے سے منقوش ہیں مگر وہ انکشاف حقائق امور ایمانیہ کے مدارج اور طریقے بتلاتا ہے براہ راست ابتداءً ہی کوئی انسان کی اصلیت اور حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا سو انکشاف حقایق کے یہ تین درجے ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔

جب ایک مومن محض تقویٰ۔ دور اندیشی اور نیک ظنی کی بناء پر نبی کی بتلائی ہوئی باتوں پر ایمان لے آتا ہے اور ان اخبار کی صحت پر اعتماد کر لیتا ہے تو اس کا نام "ایقان" ہے۔ دوسرے لفظوں میں علم الیقین بھی کہتے ہیں۔ جب ایک مومن اس درجہ میں مجاہدات و ریاضیات کے ذریعہ کامل ہو جاتا ہے اور اپنے اندر استعداد پیدا کر لیتا ہے تو خدا تعالیٰ اپنے خاص جذبہ اور موہبت سے خارق عادت کے طور پر اس پر انوار ہدایت کھول دیتا ہے تو اس مرتبہ کا نام "عرفان" ہے جس کو دوسرے لفظوں میں عین الیقین کہا جاتا ہے اور اس کو ہدایت و بصیرت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے جب ان تمام مراتب اور اثرات کی شدت قلب پر مستولی ہو جاتی ہے تو عارف کے

دل میں ایک ایسی لذت وکیفیت اور محویت بھر جاتی ہے عشق ومحبت کی لذت سے عارف کا تمام وجود مسجود ہو جاتا ہے حتیٰ کہ انتہائی جوش محبت اور صدق وصفا کے سبب بلا اور مصیبت مدرک الحلاوت ہو جاتی ہے تو اس درجہ کا نام "اطمینان" ہے جس کو دوسرے لفظوں میں حق الیقین اور فلاح ونجات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

مگر یہ سب مراتب ایمانی مرتبہ کے بعد ملتے ہیں جو شخص ایمان میں قوی ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ ان سب مراتب کو پالیتا ہے اور جو شخص یہ ایمانی طریقہ اختیار نہیں کرتا اور اول مرتبہ میں ہی صداقت کے قبول کرنے سے پہلوتہی کرتا ہے اور پہلے ہی قطعی یقینی اور وا انکشاف ثبوت مانگتا ہے وہ تمام مراتب سے محروم رہتا ہے اور جہنم کی راہ اختیار کرلیتا ہے اور وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ خدائے غنی کے فیوض وبرکات حاصل کر سکے جیسا کہ آجکل نوتعلیم یافتہ نام نہاد احمق محققین کا وطیرہ ہے کہ جب تک کسی اصل یا فرع کا قطعی طور پر فیصلہ نہ ہو جائے اور بکلی اس کا انکشاف نہ ہو جائے وہ کسی چیز کو مانتے ہی نہیں خواہ وہ خدا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ احمق گویا اپنی عقل کے دو انچی گز سے خدا اور اس کی قدرت ہی کو ناپ لینا چاہتے ہیں۔ پہلے وہ اپنے وجود اور اس کی اصلیت وحقیقت کو تو ناپیں اور یہ شتاب کار اور جلد باز علم الیقین کے درجہ میں ہی حق الیقین کا مرتبہ چاہتے ہیں اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی پہلی جماعت کا بچہ بی۔اے اور ایم۔اے کے پرچے حل کرنے کی کوشش اور دعویٰ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ فلسفیوں نے اعلیٰ درجہ کے یقینوں کو شوخی اور جلدی سے ڈھونڈا مگر سوائے بے چینی اور اضطراب کے کچھ نہ پایا اور خدائے حکیم وبصیر کی جگہ ایک اندھے اور بہرے جماد لا یعقل مادہ کو علۃ العلل سمجھ بیٹھے۔

قدیم علم کلام کا یہ وہ نکتہ ہے جس کے خلاف آوازیں بلند کی جاتی ہیں کہ وہ ناقص ہے اور موجودہ افکار وآراء کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور کسی جدید علم کلام کی ضرورت ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں کیا انکشاف حقائق کے مذکورہ بالا طریقے کے سوا وہ اور کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ منشاء ہے تو یہ ایک گمراہی کی ہوس ہے اور وہ کبھی بھی خشک فلسفیوں کی تسلی وتشفی نہیں کرسکتے اور نہ ان کو خدا کے اعتراف پر مجبور کرسکتے ہیں۔ ہاں اگر نوتعلیم یافتہ حضرات مذکورہ بالا تفصیلات اور قواعد وشرائط کے ماتحت علم کلام میں کچھ اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ ایک مستحسن خیال ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔

عقیدہ اور ایمان کی تعریف

جاننا چاہئے کہ احکام شرعی ایک تو وہ ہیں جو کیفیت عمل سے متعلق ہیں جن سے یہ معلوم

ہوتا ہے کہ نماز و روزہ وغیرہ عبادات کے احکام اور آداب شرائع کیا ہیں ان کو فرعی و عملی کہتے ہیں اور دوسرے وہ جو یقین و اعتقاد سے متعلق ہیں ان کو اصلی اور اعتقادی کہا جاتا ہے پہلے علم کو علم شرائع اور دوسرے علم کو علم التوحید کہتے ہیں۔

عبادت میں صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ ہی شامل نہیں بلکہ انسانی زندگی کا ہر شعبہ عبادت کی ایک قسم رکھتا ہے۔ جسم کے ظاہری اعضاء و جوارح مثلاً ہاتھ، پاؤں اور زبان وغیرہ سے بھی عبادت کا صدور ہوتا ہے اور قوائے باطنیہ عقل، نفس، قلب اور روح وغیرہ سے بھی۔ پس قوائے ظاہری سے خدا کے سامنے عجز و انکسار کرنے کو عبادت کہتے ہیں اور قوائے باطنی کی عبادت اور دل و دماغ کی روشنی کو اعتقاد کہتے ہیں اور اسی کو ایمان کہتے ہیں اور ایمان کے معنی یقین و اعتبار اور سچ جاننے کے ہیں یعنی تصدیق قلبی اور یقین و اعتبار کو اعتقاد بھی کہتے ہیں اور ایمان بھی یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ قرآن کریم جن امور غیبیہ مثلاً خدا کی ذات و صفات نبوت و رسالت اور علوم آخرت وغیرہ کو مان لینے پر مجبور کرتا ہے اور نجات کے لئے لازمی قرار دیتا ہے ان امور غیبیہ کو ماننے اور اُن پر یقین کرنے کا نام ایمان و اعتقاد ہے۔

جب ایک مسلمان اسلامی تعلیمات کے زیر اثر اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے اور معرفت الٰہی کے حصول کی تڑپ اسے بے چین کرتی ہے تو قدرتی طور پر اس کے دل میں یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ وہ کہاں سے آیا۔ کہاں آیا۔ اور پھر یہاں سے کہاں جائے گا۔ اس کے واسطے بُرائی کس بات میں ہے اور نیک بختی کون سے عمل میں ہے ان سوالات کو اسلام با حسن طریق حل کرتا ہے اور ایسے دل نشین پیرایہ میں کہ اس کی روح بے چین و بے قرار ہو کر اپنے اصلی مرکز اور قرارگاہ پر پہنچنے کے لئے بیخود ہو جاتی ہے اور اپنے اندر ایک تسکین و طمانیت پاتی ہے اور یہ بات صرف اسلامی عقائد سے حاصل ہوتی ہے۔ قلب و روح کے حجاب دور ہو جاتے ہیں اور وہ شکوک و اوہام سے نجات پا جاتا ہے۔

اس سکینت و طمانیت اور انشراح صدر کے بعد وہ اس دار الغرور سے دار الخلود کی طرف ہجرت کر جانے اور نزول موت سے پہلے استعداد موت پیدا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس مرحلہ پر پہنچکر وہ یہ دیکھتا ہے کہ ایک منعم حقیقی نے مجھے زندگی، قدرت، عقل، نطق اور طرح طرح کی لذات سے نوازا ہے اور آفات و مضار سے محفوظ رکھا ہے پس یہ نعمتیں میرے قلب و روح سے مطالبہ کرتی ہیں کہ میں اس منعم حقیقی کا شکر ادا کروں اور اس کی خدمت کے لئے وقف ہو جاؤں۔ اگر میں اپنے اس فرض اتم اور

مقصد اہم سے غفلت برتوں گا تو یہ نعمتیں مجھ سے زائل ہو جائیں گی اور وہ مجھے عذاب دے گا حالانکہ اس منعم نے میری طرف اپنے رسولوں کو بھیجا اور ان کی خارق عادات اور خارج عن مقدور البشر معجزات سے تائید کی اور خدا کے رسولوں نے مجھے خبر دی کہ میرا ایک قادر، عالم، حی، مرید، متکلم اور منتقم رب کریم ہے جو اچھے کاموں کا حکم کرتا ہے اور بُرے کاموں سے روکتا ہے اور وہ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو مجھے عذاب دے اور اگر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کروں تو ثواب دے۔ وہ علیم بذات الصدور ہے اور چھپے کھلے اسرار کا عالم ہے اور اس نے مجھ سے قوانین شرع کی پابندی کا عہد لیا ہے۔ ان جذبات تخیلات کے ماتحت اس کا قلب گواہی دیتا ہے کہ ایسا منعم اور رب ممکن بالذات ہے جبکہ اس کے استحالہ کے لئے عقل انسانی کے پاس کوئی دلیل نہیں پس وہ نظر واستدلال کے ذریعہ حجت وبرہان کی تلاش کرنے لگتا ہے جو کچھ اس کے قلب میں گزرے اور جو کچھ اس کے کان سنیں اس سے خلاصی پانے اور طمانیت حاصل کرنے کی راہیں ڈھونڈھتا ہے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ نظر واستدلال سے کام لے اور مغیبات کے متعلق علم یقینی حاصل کرے اور جانے کہ اس کا ایک رب اور معبود ہے جس نے اس کو اوامر و نواہی کا مکلف کیا ہے۔

یہ ہے اسلامی عقائد کی تعریف ضرورت واہمیت اور اس کی عملی زندگی پر اثر۔ دیگر مذاہب نے بھی اپنے پیرول پر عقائد کا بار رکھا ہے اور ان کے ساتھ مسئولیت لگائی گئی ہے مگر وہ اس قدر قوی اور موثر نہیں جتنی کہ اسلام کی مسئولیت اور عقائد کی تاثیر ہے جہاں سے ایک مسلمان کی عملی زندگی شروع ہوتی ہے اور مذہب اسلام انسان کے قوائے علمیہ وعملیہ پر اپنا خدائی رنگ جماتا ہے۔

ایمان اور عمل کا تعلق

قرآن کریم میں جابجا خدا تعالیٰ کے افعال وصفات کا بیان ہے اور بار بار اس کی ذات پر ایمان لانے کو کہا گیا ہے۔ کیونکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہی سب سے پہلی چیز اور سب کچھ ہے اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں قرآن شریف کے ہر صفحہ پر ایسی آیات نظر آتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید ذات و صفات اور عظمت وجلال پر دلالت کرتی ہیں اور ان پر غور کرنے سے اس پر ایمان لانا یقینی ہو جاتا ہے اور جب ایک بار اللہ تعالیٰ کی ہستی کو صحیح معنوں میں تسلیم کر لیا جائے تو پھر فطرت تقاضا کرتی ہے کہ اس کا حکم مانا جائے۔ اس کی عبادت کی جائے اور اس سے محبت کی جائے اور یہیں سے "عمل صالح" شروع ہوتا ہے اور انسان دین ودنیا کے خیر وبرکات حاصل کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ چنانچہ

ارشاد ہے

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۙ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (البقرہ)

یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو اور خدا سے ڈرنے والے لوگ وہ ہیں جو یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی باتوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ اس کتاب پر بھی یقین رکھتے ہیں جو آپ پر اُتاری گئی ہے اور اُن کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جا چکی ہیں اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ بس یہی لوگ ٹھیک راہ پر ہیں جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہی لوگ پورے طور پر کامیاب ہونے والے ہیں۔

ان آیات بنیات میں اسلام کے علمی وعملی حصّہ کو مختصراً بیان کیا گیا ہے اور علاوہ اور باتوں کے خصومیت کے ساتھ ایمان ویقین کا بیان ہے اور ساری باتوں کا دارومدار اسی پر رکھا گیا ہے کہ یہی لوگ ہدایت پر ہیں اور بالآخر کامیاب وفائزالمرام بھی یہی لوگ ہوں گے۔

اب اگر ایک مسلمان یہ چاہتا ہے کہ وہ ہدایت یافتہ ہو اور فلاح وبہبود اس کے حصّہ میں آئے تو پھر ضروری ہے کہ وہ ایمان کے لوازمات کو پورا کرے۔ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اس کا فرض ہے کہ صرف زبانی، رسمی اور تقلیدی مسلمان نہ بنا رہے بلکہ اسے اپنے معتقدات واعمال کا محاسبہ کرنا چاہئے اور اپنے ظاہر وباطن پر غور کرنا چاہئے کہ وہ آخرت کے لئے کیا کر رہا ہے قیامت کی بازپرس سے بچنے کے لئے کیا کیا ہے اور روزجزا کی فکروبہبود کے لئے وہ کتنا فکرمند ہے۔

ان آیات میں ایمان ویقین کی نشانی اور ایمان بالغیب کا یہ اثر بتلایا گیا ہے کہ ایماندار نماز کا پابند ہو اور اللہ کے واسطے ہر شے کا قربان کرنے والا ہو۔

سچا ایماندار توحید پرست ہوگا، رسول کی پیروی کرے گا، روزہ رکھے گا، نماز پڑھے گا، جہاد کرے گا، سچ بولے گا، اپنے اعمال وافعال میں راست باز ہوگا، چوری، غیبت، حسد، تکبر، شراب خوری، اور زناکاری سے بچے گا، دنیا پر غالب ہوگا۔ دین کا مالک بنے گا اور دین و دنیا کی بھلائیوں کا حقدار ہوگا۔

ایک اور سورت میں ایک جگہ اللہ پاک نے ایمانداروں کو اسلام میں پوری طرح داخل ہونے کا حکم دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک شخص ایماندار ہو کر بھی اعمال صالح کا ترک کرنیوالا ہو سکتا ہے اور اپنے اسلام میں خامی رکھتا ہے جس حد تک ایک مسلمان کے ایمان میں کمی ہوگی اسی قدر وہ گناہوں پر دلیر اور شیطان کا متبع ہوگا پس ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ زندگی کا ہر لمحہ اللہ کے حکموں کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے گزارے اور اس کا کھانا پینا، اور سونا جاگنا وغیرہ شریعت کے مطابق ہو کہ یہی ایمان یہی اسلام اور یہی عبادت وبندگی ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝ (سورۃ النساء ۶)

جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہم عنقریب ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ خدا نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور سچا وعدہ فرمایا اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح اور سچا ہوگا۔

اس آیت مبارکہ میں ایمان وعمل صالح والوں کے لئے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے ایمان ان چیزوں پر یقین رکھنا ہے جو قرآن مجید میں جابجا بطور عقیدے کے بیان کئے گئے ہیں اور "عمل صالح" ایمان کے بعد اوامر کو بجا لانے اور نواہی سے پرہیز کرنا ہے یعنی ایمان ایک خیال اور یقین ہے اور عمل صالح اس کا لازمی اثر اور اس کے برگ وبار۔ ایمان بغیر عمل صالح کے ایسا ہے جیسے بے ثمر درخت بے آب موتی اور دعویٰ بلا دلیل۔

دراصل ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے اور فرائض واعمال اعضاء وجوارح کے کام ہیں نہ ان دونوں سے کوئی حقیقت مرکب ہو سکتی ہے اور نہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا جزء ہے۔ ایمان وعمل کے تعلق اور حقیقت کو سمجھنے کے لئے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی اس تحریر کو ذہن نشین کر لینا چاہئے جو انہوں نے عثمان بتیؒ کے ایک خط کے جواب میں تحریر کی تھی۔ وھو ھذا۔

میں آپ کو بتاتا ہوں کہ رسول اللہ کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے رسول اللہ جب مبعوث ہوئے تو لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت دی کہ خدا کو ایک مانیں اور رسول اللہ جو کچھ لائے اس کو تسلیم کریں۔ جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا اور شرک چھوڑ دیتا تھا۔ اس کی جان

اور مال حرام ہو جاتا تھا پھر خاص ان لوگوں کے لئے جو ایمان لا چکے تھے فرائض کے احکام آئے۔
پس اس کا پابند ہونا عمل ٹھیرا اور خدا نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ اس قسم کی اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے ہونے سے ایمان جاتا نہیں رہتا،
البتہ اگر تصدیق و اعتقاد نہ ہو تو مومن کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ عمل و تصدیق کا دو جداگانہ چیز ہونا
اس سے بھی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب
میں فرق ہوتا ہے کیونکہ دین و مذہب سب کا ایک ہی ہے۔

آپ کو جاننا چاہئے کہ تصدیق میں ہدایت اور اعمال میں ہدایت یہ دونوں دو چیزیں ہیں
آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں۔ پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے
جاہل اور تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے خود خدا نے قرآن میں یہ اطلاقات کئے ہیں۔

میرا یہ قول ہے اہل قبلہ سب مومن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے ہر شخص ایمان کے
ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن اور جنتی ہے جو ایمان اور اعمال دونوں کا تارک ہے وہ
کافر اور دوزخی ہے جو شخص ایمان رکھتا ہے۔ اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور
ہے لیکن گنہگار مسلمان ہے خدا کے اختیار ہے اس پر عذاب کرے یا معاف کر دے۔

صحابہ کی ترقی وسعادت کا راز

مسلمان صحابائے کرام کی ترقیوں و سعادتوں اور سعادت افروز حیات بخش کارناموں
سے تو ضرور اکتساب ہدایت کرتے ہیں اور نور بصیرت حاصل کرتے ہیں مگر یہ معلوم کرنے کی کوشش
نہیں کرتے کہ وہ کیوں پیکر صدق وصفا اور مجسمۂ ایثار و عمل تھے۔ سو جاننا چاہئے کہ آنحضرت سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر اپنے اعوان و انصار کے رگ و پے میں سچے خلوص۔ جاں نثاری و وفاداری
اور عقیدت و نیاز مندی کے جذبات صادقہ پیدا کر دئے تھے اور کمالات انسانی کے خوشنما آئینوں میں ایمان
و ایقان کی جلا دیدی تھی اور خدا کی ذات و صفات اور دیگر اسلامی عقائد پر ایسا مضبوط یقین پیدا
کر دیا تھا جس کو دنیا جہان کے شکوک و اوہام جنبش نہیں دے سکتے تھے۔

ابھی قرآن کریم کے چند پارے بھی نازل نہیں ہوئے تھے اور اسلام کے چند احکام و مسائل بھی
بیان نہ ہوئے تھے کہ صحابہ نے اصولی طور پر خدا کو اور اسلامی عقائد کو مان لیا تھا جس کے بعد آئندہ
کے لئے ہر عمل اور کٹھن سے کٹھن قربانی آسان ہو گئی ایمان و یقین پیدا کر لینے کے بعد جو کچھ بھی حکم
دیا گیا فوراً بجالائے۔ نماز کا حکم ہوا نماز پڑھنے لگے۔ روزہ کا حکم ہوا روزہ رکھنے لگے۔ زکوٰۃ دینے

کو کہا گیا تو نہ صرف زکوٰۃ دی بلکہ اپنا تمام مال لٹا دیا حج فرض ہوا تو حج ادا کیا جہاد کے فضائل بیان کئے گئے تو تیغ وسناں کو بوسہ دیکر ہنسی خوشی جانیں قربان کیں۔ شراب حرام ہوئی تو ظروف تک توڑ ڈالے سود کی حرمت آئی تو سودخواری سے باز آ گئے۔ جوا حرام ہوا تو اس کے نزدیک نہ پھٹکے اور زنا حرام ہوا تو بیٹوں تک کو درے لگائے غرض طے شدہ اصول کے مطابق ہر عمل کے لئے مستعد ہو گئے ابھی قرآن تمام نہ ہوا تھا مگر ان کا ایمان تیس پاروں کی ہر آیت پر تھا گویا ان کے ایمان نے ان کو پہلے ہی دن ہر عمل کی بجا آوری کے لئے تیار کر دیا تھا۔

ہم بھی ایماندار کہلاتے ہیں مگر ہمارے اندر عمل کی وہ آمادگی اور فرائض کی بجا آوری نہیں مسلمانوں کے انحطاط کا اصلی سبب یہی ہے کہ ان کا ایمان کامل اور مضبوط نہیں۔ اگر مسلمانان عالم عقائد اسلامیہ میں مضبوط ہو جائیں اور قرآن مجید پر اسی طرح ایمان لے آئیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ قرآن کے تیسوں پاروں کا علم وعمل عام ہو جائے اور گزرا ہوا زمانہ عود کر آئے۔

اسلام کے بنیادی عقائد

صرف دو ہیں توحید اور رسالت جو کلمہ شہادتین لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ میں مذکور ہوئے ہیں۔ تمام عقائد اسلامیہ کی اصل ایمان باللہ اور تصدیق رسالت ہی مگر علماء نے آسانی کے لئے اور عقائد کی تقسیم دکھلانے کے لئے عقائد کی پانچ صلیں مقرر کی ہیں۔ ایمان[۱] باللہ۔ ایمان[۲] بالیوم الآخر۔ ایمان[۳] بالملائکہ۔ ایمان[۴] بالکتب اور ایمان[۵] بالرسل جن باتوں کی تصدیق کرنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے وہ سب کی سب ان امور خمسہ کے ماتحت ہیں۔

ایمان باللہ پر متفرع عقائد یہ ہیں۔ توحید باری تعالیٰ۔ حکمت الٰہی۔ اس کی ذات مخصوصہ حدوث عالم۔ ذات الٰہی کا قدم۔ اس کی بقا۔ اس کا جمیع معلومات کا عالم ہونا۔ ہر چیز کے اوپر قادر ہونا صاحب ارادہ ہونا سمیع وبصیر اور متکلم ہونا اور جمیع نقائص وعیوب سے منزہ ہونا وغیرہ۔

یوم آخرت پر ایمان لانے کے ماتحت حسب ذیل عقائد واحکام ہیں۔ ثواب وعقاب جنت ودوزخ حساب وکتاب اور تمام امور معاد اور اس کے متعلقات۔

ملائکہ پر ایمان لانے کے ضمن میں وحی کی حقیقت۔ وحی۔ وحی پر ایمان اور تمام کتب الٰہامیہ ہیں ایمان بالکتب میں تمام الہامی کتابیں اور ایمان بالرسل میں تمام انبیائے سابقین کی تصدیق اور شرائع الٰہیہ کی صحت داخل ہے۔

جس طرح عبادات واعمال میں بعض احکام اصولی ہیں اور بعض فروعی اسی طرح اعتقادات

ہیں بعض عقائد اصولی ہیں اور بعض فروعی مثلاً اللہ پر، ملائکہ پر، رسولوں پر، کتابوں پر، نیکی و بدی کے اندازہ کرنے پر، حدوث عالم، یوم آخرت پر، حشر اجسام پر، اور عذاب قبر پر ایمان لانا ضروری اور لازمی ہے کیونکہ یہ عقائد اصولی ہیں ان میں سے کسی ایک کا انکار دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک لازم وملزوم ہے۔

فروعی عقائد یہ ہیں مثلاً حیات مسیح۔ سماع موتیٰ۔ اموات کو مالی و بدنی ثواب پہنچنے یا نہ پہونچنے کی بحث۔ مردوں کے گناہ معاف ہونے کے مباحث اور تفصیلات۔ ان کے انکار پر تکفیر کی نہیں کی جاسکتی۔

کفر و ایمان

کفر و ایمان کا انحصار تصدیق اور تکذیب رسول پر ہے تصدیق کے یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امور غیبیہ اعتقادیہ میں سے جس چیز کے وجود کی خبر دی ہے اُس کے وجود کو تسلیم کیا جائے اور وجود کے بقول حضرت امام غزالیؒ پانچ مدارج ہیں۔

(۱) وجود ذاتی۔ یعنی وجود خارجی

(۲) وجود حسی۔ یعنی صرف حاسہ میں موجود ہونا مثلاً خواب میں ہم جن اشیاء کو دیکھتے ہیں ان کا وجود صرف ہمارے حاسہ میں ہوتا ہے۔

(۳) وجود خیالی۔ مثلاً زید کو ہم نے دیکھا پھر آنکھیں بند کرلیں تو زید کی صورت جو اب ہماری آنکھوں میں پھرتی ہے وجود خیالی ہے۔

(۴) وجود عقلی۔ یعنی کسی شے کی اصلی حقیقت۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ یہ چیز ہمارے ہاتھ میں ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہمارے قدرت اور اختیار میں ہے تو قدرت اور اختیار ہاتھ کا وجود اصلی ہے۔

(۵) وجود شبہی۔ یعنی وہ شے خود موجود نہیں لیکن اس کے مشابہ ایک چیز موجود ہے۔

شریعت میں جن چیزوں کا ذکر آیا ہے ان کے وجود کا مطلقاً انکار کرنا کفر ہے لیکن اگر اقسام مذکورہ بالا سے کسی قسم کے مطابق اس کا وجود تسلیم کیا جائے تو یہ کفر نہیں بلکہ تاویل ہے اور تاویل سے کسی فرقہ کو مفر نہیں۔

موجبات کفر و تکفیر

جاننا چاہئے کہ کفر کے لغوی معنی چھپانا ہے اور شرعاً کسی ایسے امر دینی کے انکار کو کہتے ہیں جو ضروری اور قطعی الثبوت ہو اس بناء پر حسب ذیل صورتیں تکفیر کا موجب ہیں۔

(۱) کسی نبی یا امر مسنون کا استخفاف کیونکہ استخفاف علامت تکذیب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ منکر یا مستخف کو اس کی قطعیت اور سنیت کا علم بھی ہو ورنہ بسبب جہل کے تکفیر نہ کی جائے گی۔

(۲) نصوص سے اپنی مرضی کے مطابق خاص معنی مراد لینا اور آیات کو بغیر قطعی ثبوت کے ظواہر پر محمول نہ کرنا یعنی آیت کے ظاہر پر اُس وقت تک عمل کیا جائیگا جب تک کہ دلیل قطعی سے یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ یہاں ظاہر معنی نہیں لئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً وہ آیات جن میں اللہ تبارک و تعالےٰ کی نسبت جہتہ اور جسمتہ وغیرہ ثابت ہوتی ہے۔

(۳) نصوص کی تردید بایں صورت کہ ان احکام کا جن پر نصوص کی دلالت ہے انکار لازم آوے مثلاً حشر اجساد کا انکار صریحاً اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب ہے۔ (عقائد نسفی)

خلاصہ یہ کہ ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار موجب کفر ہے۔

عقائد اسلامیہ کی جو تفاصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ اور تابعین سے ثابت ہیں۔ ان ہی پر ایمان رکھنا چاہیے جن کی تفاصیل پر اُمت کا اجماع ہے ان کے علاوہ اپنی طرف سے کوئی مزید تشریح و تفصیل کرنا گمراہی اور دین میں رخنہ اندازی ہے لیکن تکفیر میں اختلاف ہے چنانچہ علامہ کمال بن الہام فرماتے ہیں کہ جو عقائد اور احکام ضروریات اور اصول دین میں سے ہیں اور جن کی تفصیل و تشریح پر اجماع امت ہے اس کے منکر کی تکفیر کی جائے گی۔ مثلاً عالم کو قدیم ماننا، حشر اجساد کا انکار کرنا اور خدا تعالےٰ کے عالم بالجزئیات ہونے کی نفی کرنا وغیرہ اور جو عقائد و احکام اصول دین سے نہ ہوں مثلاً معاوی صفات کا انکار اور کلام الٰہی کے حادث ہونے کا عقیدہ اس میں اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ تکفیر کی جائے گی اور بعضے کہتے ہیں کہ صرف تبدیع و تضلیل ہوگی اور جو شخص اجماع سلف کا منکر ہے وہ بلا اختلاف کافر ہے۔

ایمان کی مختصر بحث

ایمان کے لغوی معنیٰ ماننے، پناہ دینے اور بے خوف کرنیکے ہیں اور شرعی معنوں میں مختلف اقوال ہیں جمہور اشاعرہ کے نزدیک فقط تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے۔ خوارج کا مذہب ہے کہ ایمان سے مراد تصدیق بالقلب مع الطاعت ہے یعنی اعمال بھی ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں اسی بناء پر وہ گناہگار کی تکفیر کرتے ہیں۔ کرامیہ کا قول ہے کہ ایمان فقط تصدیق باللسان کو کہتے ہیں۔ اگر تصدیق بالقلب بھی حاصل ہو تو وہ مومن نجات پانے والا ہے ورنہ مومن اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے والا۔ اور حضرت امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایمان سے مراد تصدیق بالقلب واللسان ہے اور یہی

اہل السنتہ کا مسلک ہے۔

امام حجۃ الاسلام فرماتے ہیں کہ ایمان تین معانی میں مشترک ہے یعنی اس کی تین طرح سے تعبیر کی جاتی ہے اور اس کا اطلاق تین طرح پر ہوتا ہے۔ تصدیق یقینی برہانی۔ اعتقاد تقلیدی اور تصدیق مع العمل۔ اوّل کے اطلاق کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص دلیل برہان کی بناء پر خدا کی معرفت رکھتا ہے اور اس کے بعد وہ مرجائے تو اس پر حکم لگایا جائے گا کہ وہ ایمان پر مرا تصدیق تقلید یا ایمان تقلیدی کے اطلاق کی دلیل یہ ہے کہ اہل عرب بغیر دلیل و برہان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جمیع امور میں تصدیق کرتے تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے مومن ہونے کا حکم لگاتے تھے اور دلیل اطلاق تصدیق مع العمل کی رسول اللہ کا یہ ارشاد۔

لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن۔

خلاصہ یہ کہ ایمان سے مراد تصدیق رسول ہے۔ اب یہ تصدیق خواہ دلیل و برہان کی بناء پر کی جائے اور خواہ تقلید و سماع کی بناء پر دونوں حالتوں پر ایمان کا اطلاق ہوگا۔

اس باب میں فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ ایمان سے مراد خدا کی معرفت اور مخبر صادق علیہ السلام کے احکام و شرائع کا جاننا ہے محض اجمالی طور پر اور معرفت و تصدیق میں فرق یہ ہے کہ تصدیق ایک فعل قلبی اور امر کسبی ہے جو مصدق کے اختیار سے ثابت ہوتا ہے اسی واسطے اس پر ثواب ہے اور تمام عبادات کی اصل ٹھیرایا گیا ہے۔ بخلاف معرفتہ کے کہ اس کا حصول بغیر کسب و اختیار کے بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی چیز آنکھوں کے سامنے گزری تو اس کا علم بغیر کسب اختیار کے ہو جاتا ہے۔

ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں۔ برخلاف اس کے اشاعرہ اور امام لحرمین کا مذہب یہ ہے کہ وہ گھٹتا بڑھتا ہے۔ اور بناء اس اختلاف کی یہ ہے کہ جو حقیقت ایمان میں اعمال کو بھی داخل کرتے ہیں ان کو لازمی طور پر ایمان کے گھٹنے بڑہنے کا قائل ہونا پڑتا ہے اور جو ایمان کو تصدیق سمجھتے ہیں وہ اس کے گھٹنے بڑہنے کے قائل نہیں۔

حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ایمانی کایمان جبرئیل ولا اقول مثل ایمان جبرئیل یعنی میرا ایمان مانند جبرئیل کے ایمان کے ہے مگر میں یہ نہیں کہتا کہ مثل ایمان جبرئیل کے کیونکہ مثلیہ تمام صفات میں مساواۃ چاہتی ہے اور تشبیہ کا اقتضاء مساواۃ نہیں۔

ایمان کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہوسکتی ہے۔ ایک اس اعتبار سے کہ وہ مقولہ کیف سے ہے

جس میں شدت وضعف ممکن ہے یعنی ایمان یقین کا نام ہے اور یقین کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں علاوہ ازیں متعدد آیتوں میں اس بات کی تصریح ہے کہ ایمان میں ترقی ہوتی ہے حضرت امام صاحب کو اس لحاظ سے کمی وزیادتی کا انکار نہیں۔ دوسرے اس اعتبار سے کہ عمل کو جزو ایمان قرار دیا جائے جیسا کہ بہت سے محدثین اور حضرت امام بخاریؒ تک کا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ اور کم ہوتا ہے جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے وہ زیادہ مومن ہے اور جو گنہگار ہے وہ کم مومن ہے امام صاحب اس اعتبار سے ایمان کی زیادت ونقصان سے منکر ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اعمال ہی جزو ایمان نہیں جو اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی ہو سکے حضرت امام صاحب کا یہ دعوےٰ نہیں کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت وضعف کے کم یا زیادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ایمان مقدار کے لحاظ سے کم وبیش نہیں ہوتا۔

نیز امام صاحب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ متعلق ایمان میں کچھ تفاوت نہیں ہے یعنی معتقدات کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں۔ ایمان کے لئے اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ سب کیلئے یکساں ہیں۔ صحابہؓ اور عام مسلمان اس لحاظ سے برابر ہیں کہ دونوں ایک ہی چیز یعنی توحید ونبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اگر فرق ہے تو اعتقاد کے شدت وضعف میں۔

یہی ہم اہل السنۃ کا مسلک ہے اور یہی عقیدہ قرآن وحدیث کے معیار پر جنچا تُلا ہوا ہے۔

عقائد میں اہل السنۃ والجماعت کا مسلک

اسلام میں جس قدر فرقے ہوئے اور جو صراط مستقیم سے الگ ہٹ کر جہنم کی راہ ہو لئے ان کی گمراہی اور ضلالت کا سبب صرف یہ ہوا کہ انہوں نے معتقدات میں ایسے امور کی تفصیل چاہی جن سے قرآن خاموش تھا اور جن کی تشریح خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی تھی۔ انہوں نے غیر مادی اور غیر محسوس اشیاء کی نسبت سوالات واعتراضات کی بھرمار کر دی اور ان سربستہ اور عقدہ ہائے مشکل کی گرہ کشائی میں اپنے دماغ کی طاقت صرف کر دی جن کی تحلیل عقل انسانی کے فہم وادراک سے باہر ہے اور جن کا علم انسان کی عملی زندگی کے لئے بے سود بلکہ مضر ہے اگر وہ ایمان وایقان اپنے اندر پیدا کر لیتے اور "راسخون فی العلم" کے درجہ عالیہ پر فائز ہو جاتے تو وہ صراط مستقیم سے نہ بھٹکتے۔

اس نکتہ کو جماعت فقہ اہل السنۃ نے پہلے ہی دن سمجھ لیا تھا اور انہوں نے اپنے مذہب کا مدار ان دو اصولوں پر رکھا۔

(۱) داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد و اعمال کے متعلق جو کچھ تعلیم و تلقین اپنی اُمت کو کردی ہے اس میں ایک ذرہ کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

(۲) عقائد اور خدا کی ذات و صفات کے متعلق قرآن نے جو کچھ بیان کیا یا آپ نے جو کچھ بتایا اور جس مسئلہ کی جس حد تک قرآن نے تشریح کی ہے صرف اسی پر ایمان لانا واجب ہے۔ اپنی عقل و قیاس اور استنباط سے اس کی تشریح و تفسیر صحیح نہیں اور نہ اس پر ایمان لانا اسلام کی صحت کیلئے ضروری ہے بلکہ ممکن ہے کہ وہ گمراہی اور ضلالت کا موجب ہو۔

امام مالک بن انس اہل السنۃ کا یہ عقیدہ بتلاتے ہیں:۔

عقائد میں گفتگو کرنا ناپسند کرتا ہوں اور ہمیشہ ہمارے شہر کے علماء اس کو ناپسند کرتے رہے ہیں اور اس سے روکتے رہے ہیں مثلاً جہم کی رائے اور قدر میں گفتگو کرنا۔

میں بحث و مباحثہ ان امور میں ناپسند کرتا ہوں جن کے تحت میں کوئی عمل ہو لیکن خدا کے عقائد اور خود خدا کی ذات میں سکوت میرے نزدیک پسندیدہ ہے کیونکہ ہم نے اپنے شہر کے علماء کو دیکھا ہے کہ عقائد میں گفتگو کرنے سے روکتے تھے اور ان امور میں گفتگو کرتے تھے جن کو عمل سے تعلق ہو۔

حافظ ابن حجر کی ایک تقریر ہے

"ان مسائل میں تاویل کرنا آنحضرت صلعم سے اور نہ کسی صحابی سے صحیح طریقہ سے مروی ہے، اور نہ اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ ان مسائل کو بیان نہ کیا جائے، آنحضرت صلعم کو خدا کی طرف سے حکم تھا کہ جو کچھ تم پر نازل ہو وہ لوگوں کو پہنچاؤ یہ بھی خدا نے فرمایا کہ الیوم اکملت لکم دینکم آج اے مسلمانو! میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔" اور باوجود اس کے آپ ان مسائل کا ذکر نہ فرمائیں یہ محال ہے اور اس کی تمیز نہ ہو سکے کہ خدا کی طرف کن صفات کی نسبت ہو سکتی ہے اور کن کی نہیں ہو سکتی حالانکہ آپ نے تمام صحابہؓ کو تاکید فرما دی تھی کہ جو لوگ آپ کے سامنے موجود ہوں وہ آپ کے احکام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو موجود نہیں یہاں تک کہ اسی بنا پر ایک ایک بات ایک ایک کام ایک ایک حالت اور ایک ایک واقعہ جو آپ کے سامنے ہوا اس کو بیان کر دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا اس امر پر اتفاق تھا کہ ایمان اسی طرح لانا چاہیے جس طرح خدا چاہتا ہے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

"خدا اس سے بالا اور برتر ہے کہ وہ عقل اور حواس سے دریافت ہو سکے یا اس میں صفتیں اس طرح موجود ہوں کہ جس طرح عوارض جواہر میں ہو کر پائی جاتی ہیں یا وہ اس طرح ہوں جن کو عام عقلیں ادراک

کرسکیں، یا متعارف الفاظ ان کو ادا کرسکیں، بایں ہمہ یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو بتا بھی دئے جائیں تاکہ جہاں تک انسانیت کی تکمیل ہو سکتی ہے ہو جائے۔ ایسی حالت میں اس سے چارہ نہیں کہ ان صفتوں کا استعمال ان معنوں میں کیا جائے کہ ان کے نتائج اور لوازم سمجھ لئے جائیں۔ مثلاً ہم خدا کے لئے "رحمت" ثابت کرتے ہیں اس سے مقصود احسانات کا فیضان ہے دل کی خاص کیفیت نہیں۔ اس طریقہ سے خدا کی وسعت قدرت کے اظہار کے لئے مجبوراً ہم کو وہ الفاظ استعارۃً استعمال کرنے پڑیں گے جو انسانوں کی قوت وقدرت کیلئے بولے جاتے ہیں کیونکہ ان معانی کے ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس اس سے بہتر الفاظ نہیں، اور اسی طرح تشبیہاً بہت سے الفاظ بولے جائیں گے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان سے حقیقی معنے مراد نہ ہوں، بلکہ وہ معانی جو خدا کی ذات کے لائق اور مناسب ہیں۔ تمام آسمانی مذہب کا اس پر اتفاق ہے کہ صفات اسی طریقہ پر بولے گئے ہیں، اور اس پر کہ یہ الفاظ اسی طرح بولے جائیں، اور اس کے علاوہ کوئی اور بحث اور کاوش نہ کی جائے اور یہی مذہب اس زمانہ کا تھا جس کی خیر و برکت کی شہادت دی گئی ہے۔ اس کے بعد کچھ ایسے لوگ مسلمانوں میں پیدا ہو گئے، جنہوں نے بغیر کسی نص قطعی اور دلیل محکم کے ان مسائل میں فکر و کاوش شروع کر دی۔ غرض اہل السنۃ کا شروع سے یہ اعتقاد اور مسلک ہے کہ خدا نے دین کے متعلق جو کچھ کہنا تھا وہ اپنے پیغمبر کی زبانی انسانوں تک پہنچا دیا اور عقاید کی جو تفہیم اور تشریح و تفصیل داعی اسلام صلعم نے کرنی تھی وہ کر دی اب دین میں نئے نئے مسائل اور عقائد کے متعلق نئی نئی بحثیں و کاوشیں داخل نہ ہونی چاہئیں کیونکہ اس کا نتیجہ بے راہ روی اور بالآخر گمراہی ہے۔

لیکن جب طبیعتوں میں کھوج اور ٹوہ کا مادہ زیادہ پیدا ہو گیا اور دین میں فلسفہ کی آمیزش ہوئی، زندقہ و الحاد پھیل گیا۔ اسلامی اعتقادات میں تزلزل آگیا اور نئی نئی قسم کی بحثیں اور کاوشیں پیدا ہو گئیں۔ ایسی حالت میں شکوک و اوہام کی روک تھام اور تحفظ اسلام کیلئے ضروری تھا کہ اہل السنۃ بھی عقائد کی بحثوں میں نفیاً یا اثباتاً کوئی پہلو اختیار کرتے۔ اگر وہ اس عام بے چینی و اضطراب فرقہ بندی، ہنگامہ آرائی اور عقل و نقل کی جنگ میں خاموشی اختیار کرتے تو یقیناً حقیقت اسلام گم ہو جاتی اور مخالفین اسلام کو اسلام کا سینہ اعتراضات کے تیروں سے چھلنی کرنیکا خاطر خواہ موقعہ ملتا اس لئے اہل السنۃ نے بھی مجبوراً اثبات عقائد و تحفظ اسلام میں پورا پورا حق ادا کیا اور اس ضرورت سے انہوں نے اپنے مسلک کو قایم رکھتے ہوئے اپنے مذہب کو قواعد عقلی کے مطابق بنانے کی کوشش شروع کر دی اور فلسفہ و شریعت کی تطبیق میں معقولات کے بڑے بڑے معرکے سر کئے"۔

خصوصاً اس زمانہ میں کہ علمی وصنعتی انکشاف کی بدولت نئے حالات پیدا ہو گئے ہیں قوموں
کی نفسانی کیفیات میں عظیم الشان تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ قومی خیالات۔ جذبات اور افکار میں پیہم تغیرات
واقع ہو رہے ہیں اور اجتماعی معتقدات کی بنیادیں ہل گئی ہیں ایسے وقت میں تو اشد ضرورت ہے کہ اہل السنۃ
اپنے مسلک قوم کو قائم رکھتے ہوئے عقل ونقل کی جنگ میں حصہ لیں۔ مگر محض اس لئے کہ زندقہ والحاد
کی روک تھام کی جائے ورنہ دین الٰہی کو سراسر عقلی مذہب ثابت کرنے کی کوشش کرنا پرائے
شگون کے لئے اپنی ناک کٹوانا ہے اور نہ ہی عقلیات کے چکر میں پھنس کر بے چین ومضطرب
طبیعتوں کو اطمینان وسکون میسر آسکتا ہے۔

سوال۔ ان مباحث اور تفصیلات کے طے ہونے کے بعد مختصر طور پر یہ بتلا دیجئے کہ عقائد کی تعریف کیا ہے
جواب۔ جس علم میں خدا تعالیٰ۔ کتاب الٰہی۔ نبی اور معاد وغیرہ سے بحث کی جائے اسے علم عقائد
کہتے ہیں۔ اسلام میں بعض احکام وہ ہیں جن کو ہمارے اجسام واموال وغیرہ سے تعلق ہے۔ اُن کو
عبادات کہتے ہیں اور بعض احکام وہ ہیں جو قلب یا تصدیق قلبی سے متعلق ہیں یعنی اسلام بعض غیر مادی
وغیر محسوس اشیاء کو مان لینے پر زور دیتا ہے کہ ان کو دل سے یقین کر کے مان لیا جائے۔ ان ہی باتوں
پر یقین کرنے کو عقیدہ کہتے ہیں۔

سوال۔ آپ نے جو عقائد کے بارے میں اہل السنت والجماعت کا مسلک بتایا ہے اس سے تو
ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں مذہب میں اپنی عقل کو مطلق دخل نہیں دینا چاہئے اور عقائد کو بے چون وچرا
تسلیم کر لینا چاہئے حالانکہ آپ شروع سے یہ بھی لکھتے آرہے ہیں کہ اسلام کا کوئی مسئلہ یا عقیدہ خلاف
عقل نہیں اور عقل ونقل میں کوئی نزاع نہیں۔ یہ دونوں متضاد باتیں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں؟

جواب۔ ہماری اس تمام تر تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ شارع نے ہمیں جہاں تک مذہب میں چھان بین
اور تحقیق وتدقیق کرنے کی اجازت دی ہے وہاں تک ہمیں عقل سے کام لینا چاہئے یعنی جو چیز سمجھ میں آنے
کے لائق ہے اس کو تحقیق کر کے مان لینا چاہئے اور جو چیز ہماری عقل سے بالاتر ہے اور سمجھ میں نہیں آتی
اس کے واقع میں ہونے کی نفی ہی نہیں کر دینی چاہئے بلکہ عقل کی انتہائی پرواز کے مقام پر پہونچ کر وحی
والہام الٰہی کے سامنے سرنگوں ہونا چاہئے کیونکہ عقل حقائق اشیاء کے ادراک کی ایک محدود قوت
رکھتی ہے وہ الٰہیات کی کُنہ کو تو کیا خاک پہنچے گی وہ تو ابھی ان روزمرّہ مشاہدے میں آنے والی
مادّی اشیاء کی حقیقت کو بھی نہیں پہونچی ہے۔ اگر عقل کوئی مستقل چیز ہوتی تو عقلاء میں اختلاف نہ ہوتا
اور دنیا میں مذاہب کی یہ ہنگامہ آرائی نہ ہوتی دوسرے یہ کہ عقلی دلائل اور فلسفی تحقیقات خواہ کتنی ہی

زیادہ کیوں نہ ہوں شک وشبہ اور غلطیوں سے پاک نہیں ہو سکتیں۔ تیسرے یہ کہ کیا عقلاء عالم کی آنکھوں نے ان تمام چیزوں کو دیکھ لیا ہے جو نظر آسکتی ہیں۔ کیا ان کے حواس اور قوتوں نے مقدورات اور اشیاء عالم کا پورا پورا احاطہ کر لیا ہے اور کیا ان کی عقلی قوت کو ساری معلومات پر کامل تصرف اور قبضہ حاصل ہو گیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ خدا کی ذات وصفات کے مسائل اور اسرار نبوت کو بھی اپنی عقل کے دو انچی گز سے ناپ لینا چاہتے ہیں اور اس بات پر حریص ہیں کہ حقایق اشیاء میں سے کوئی حقیقت ایسی نہ رہے جو ان کی دسترس سے اچھوتی ہو۔

پس اہل السنتہ کا مسلک اور ہمارا مدعا تو یہ ہے کہ ارتقار کا آخری مرتبہ اور منزل عقل نہیں جیسا کہ عقل کے بندے اور یورپ کے دہریئے سمجھتے ہیں بلکہ ارتقا کی آخری منزل وحی الٰہی اور محمد الرسول اللہ کے بیانات ہیں یعنی نور عقل کیلئے نور نبوت کی ضرورت ہے ملکوتی اسرار اور دقائق نبوت کا ادراک مجاہدات وریاضات سے ہی ہو سکتا ہے اس بناء پر ہماری تحریر میں کوئی تعارض اور الجھاؤ نہیں۔

ذات وصفات باری تعالےٰ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (عز اسمہٗ)

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں)

ایمان باللہ یعنی اللہ پر ایمان لانے میں چار باتیں داخل ہیں۔ ذات[۱] الٰہی صفات[۲] الٰہی افعال[۳] الٰہی اور تصدیق[۴] رسالت۔ یہ چاروں امور بطور ایجاد کے کلمہ شہادتین میں بیان کر دئے گئے ہیں۔ بناء ایمان ان چار ارکان پر ہے اور ان میں سے ہر رکن کے دس اصول ہیں اور تمام عقائد اسلامیہ ان ہی پر منحصر ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اللہ پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ مومن ان صفات کو جان لے جو اللہ کی شایان شان ہیں اور ان کی نقیض سے بری رہے۔ اس بات پر اعتقاد جازم رکھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمام صفات کمال جو شایان الوہیت ہیں ان کا سزاوار ہے اور تمام عیوب ونقائص سے پاک و منزہ ہے۔ یعنی ایسی صفتیں جن کی ضدیں کوئی خرابی اور نقص ہو مثلاً وجود کی ضد عدم ہے اس قسم کی صفات کا مالک اور ان کے اضداد سے پاک ہے۔ خدا کی نسبت اجمالی طور پر صرف اتنا عقیدہ رکھنا نجات کے لئے کافی ہے لیکن ان تیرہ[۱۳] صفات پر تفصیلی طور پر ایمان لانا واجب ہے جن پر مدار الوہیت اور

عظمت شان ربوبیت ہے۔

وہ تیرہ صفات یہ ہیں۔ خدا کا[1] وجود۔ اس کی ضد عدم ہے۔ وہ قدیم[2] ہے۔ اس کی ضد حادث ہونا یعنی پیدا ہونا ہے۔ وہ باقی رہنے[3] والا ہے۔ اس کی ضد فنا ہونا ہے۔ حوادث[4] کے مخالف ہے اس کی ضد مماثلہ یعنی جوہریۃ عرضیۃ اور جسمیۃ ہے۔ قائم بنفسہ[5] ہے یعنی اس کا قیام کسی غیر کا محتاج نہیں اس کی ضد قیام بغیرہ ہے۔ واحد[6] ہے اس کی ضد متعدد ہونا ہے۔ صاحب[7] ارادہ ہے یعنی اس پر کسی کا زور اور دباؤ نہیں۔ اس کی ضد کراہیۃ اور مقهوریت ہے۔ قدرت[8] والا ہے۔ اس کی ضد عاجز ہونا ہے۔ علیم[9] ہے اس کی ضد جہل ہے۔ سننے[10] والا ہے۔ اس کی ضد بہرہ ہونا ہے۔ دیکھنے[11] والا ہے۔ اس کی ضد اندھا ہونا ہے۔ کلام[12] کرتا ہے۔ اس کی ضد گونگا ہونا ہے اور زندہ[13] ہے اس کی ضد موت ہے ان صفات کا خدا تعالےٰ کے حق میں اثبات کرے اور دل میں پختہ یقین رکھے اور ان کی اضداد سے خدا کی ذات سے نفی کرے۔ اور خدا کے حق میں ان کو محال جانے۔

وجود باری

اثبات عقائد میں قدماء نے تین طریقہ اختیار کئے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ کسی مبحوث فیہ یعنی بحث طلب امر کو دو قسموں پر منقسم کر دینا ایک کو باطل کر دینا اور ایک کو ثابت۔ جب کسی امر کو دو قسموں پر منحصر کر دیا جائے اور ایک شق کو باطل کر دیا جائے تو لامحالہ ایک کا ثبوت لازم آجاتا ہے مثلاً یہ کہنا کہ یا تو عالم قدیم ہے اور یا حادث اور یہ محال ہے کہ عالم قدیم ہو پس لازم آیا ہے کہ عالم حادث ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی دعویٰ پر دو مقدمہ منطقی شکل میں ترتیب دئے جائیں اور ان سے نتیجہ نکالا جائے خصم جن مقدمات کو تسلیم کرے تو لامحالہ دعویٰ ثابت ہو جائے گا مثلاً عالم کے حادث ہونے پر اس طرح استدلال کیا جائے کہ اجسام حوادث سے خالی نہیں اور جو چیز کہ حوادث سے خالی نہ ہو وہ محدث ہوتی ہے۔ پس عالم محدث ہے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دعویٰ کو ثابت نہ کیا جائے بلکہ خصم کے دعویٰ کو توڑ دیا جائے اور اس کا محال ہونا ثابت کر دیا جائے۔

دوسرے طریقہ کے مطابق خدا کے وجود پر قدماء اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ عالم حادث ہے اور جو چیز حادث ہے یعنی ازلی نہیں ہے وہ کسی کی علت کی محتاج ہے اور یہی علت خدا ہے۔ اس استدلال کے پہلے مقدمہ پر یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ عالم میں تغیر ہوتا رہتا ہے اور جو چیز تغیر پذیر ہے

وہ حادث ہے۔ اس کا ثبوت کہ عالم تغیر پذیر ہے چار دعووں کا محتاج ہے اول حرکت وسکون کا ثبوت دوئم حرکت وسکون کے حدوث کا ثبوت۔ سوئم اس امر کا ثبوت کہ اجسام حرکت وسکون سے خالی نہیں ہوتے چہارم اس کا ثبوت کہ حوادث کے لئے ضروری ہے کہ ان کی کوئی ابتداء ہو۔ اگر یہ چاروں دعوی ثابت ہو جائیں تو قطعی طور پر عالم کا حادث ہونا ثابت ہو جائے گا سو ہمارے متکلمین نے ان چاروں دعووں کو یقینی طور ثابت کر دیا ہے بخوف طوالت ان کے دلائل کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ جس کو شوق ہو وہ کتب کلامیہ کا مطالعہ کرے۔

مگر باینہمہ علامہ شبلی مرحوم اپنی کتاب الکلام میں لکھتے ہیں کہ:۔

یہ استدلال بظاہر نہایت صاف اور واضح تھا اور اس لئے اس کی زیادہ چھان بین نہیں کی گئی لیکن وہ فی الواقع صحیح نہ تھا تمام چیزیں جو عالم میں موجود ہیں دو چیزوں کا مجموعہ ہیں۔ مادہ[1] اور ایک خاص صورت[2] جو چیز بدلتی رہتی اور تغیر پذیر ہے وہ صورت ہے اصل مادہ ہمیشہ قایم رہتا ہے کوئی چیز جب فنا ہوتی ہے تو صرف اس کی صورت فنا ہوتی ہے۔ اصل مادہ کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ ایک کاغذ کو جلا دو جل کر راکھ ہو جائے گا۔ اب کاغذ فنا ہو گیا لیکن راکھ موجود ہے جو اصل مادہ کی ایک صورت ہے، راکھ کو برباد کرو کسی نہ کسی صورت میں وہ قائم رہے گی غرض جو چیز حادث ہے وہ صرف صورت ہے اصل مادہ کے حادث ہونے پر نہ کوئی تجربہ پیش کیا جاسکتا ہے نہ کوئی استدلال قائم کیا جاسکتا ہے (کیوں نہیں ہم انشاء اللہ استدلال قائم کر کے بتلائیں گے)

اس بنا پر ارسطو کا مذہب یہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور وہ بذات خود پیدا ہوا لیکن اس کی حرکت حادث ہے اور خدا اسی حرکت کا خالق ہے۔ ابن رشد اور بوعلی سینا کا بھی یہی مذہب ہے فرق صرف یہ ہے کہ بوعلی سینا نے اسلام کے زیر اثر یہ رائے اختیار کی کہ عالم قدیم بھی ہے اور مخلوق بھی ہے۔

خدا کے وجود پر قدیم ملاحدہ کا اعتراض

یہ ہے کہ اگر خدا کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ ایک واقعہ جو آج پیش آیا اس کی علت قدیم ہوگی یا حادث اگر قدیم ہے تو لازم آئے گا کہ یہ واقعہ بھی قدیم اور ازلی ہو کیونکہ علت کے ساتھ معلول کا وجود لازم ہے اور اگر حادث ہو تو اس کی علت بھی حادث ہوگی اور پھر اس لئے کوئی اور علت درکار ہوگی۔ اب اگر یہ سلسلہ کسی ایسی علت پر جا کر ختم ہو جو قدیم اور ازلی ہے تو اس تمام سلسلہ کا درجہ بدرجہ قدیم ہونا لازم آئیگا۔ کیونکہ علۃ العلل جب قدیم ہے تو اس کا پہلا معلول قدیم ہوگا اور جب پہلا معلول قدیم ہے تو اس کا معلول بھی قدیم ہوگا

اگر یہ سلسلہ قدیم اور ازلی علت پر ختم نہیں ہوتا بلکہ الی غیر النہایۃ چلا جاتا ہو تو خدا کہاں باقی رہتا ہے۔

فلسفہ جدید کا خیال یہ ہے کہ اس عالم کی ارضی و سماوی اشیاء کی اصل دو چیزیں ہیں مادہ[1] اور اس کی قوت[2] (حرکت) یہ دونوں قدیم اور ہمیشہ سے ہیں ازل سے ان میں تلازم پایا جاتا ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ مادہ اور اس کی قوت میں انفکاک و انفصال (علیحدگی) ہو سکے اور ان دونوں میں سے کوئی بغیر دوسرے کے پایا جا سکے۔ مادہ سے مراد یہی ایتھر ہے جو خلاء میں بھرا ہوا ہے اور قوت سے مراد اس کے غیر منقسم اجزاء کی حرکت ہے جو کہ اپنی ذات کے اعتبار سے مختلف شکلیں بدلتی رہتی ہے۔ یہ حرکت مادہ میں خود بخود پیدا ہوتی ہے اس لئے کوئی خارجی سبب نہیں ہے۔ پھر اجرام سماوی یعنی ستارے اور کائنات ارضی یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات اس مادہ سے بذریعہ حرکت بن گئے۔ اشیاء کی پیدائش میں مادہ اور اس کی حرکت کو نہ کسی قسم کا ادراک ہوتا ہے اور نہ ان میں قصد پایا جاتا ہے۔

ملاحدہ یعنی منکرین خدا کے مذہب کی بنیاد یہ ہے کہ وہ مادہ کو قدیم مانتے ہیں اس لئے وہ خدا کے وجود کی ضرورت نہیں سمجھتے جو اس کو پیدا کرتا ہے جب انہوں نے مادہ کے سماوی اور ارضی تنوعات کو دیکھا اور ان کا حادث ہونا بھی ان کے نزدیک ثابت ہو گیا اس لئے ان کو ضرورت لاحق ہوئی کہ مادہ کے حرکات بسیط کے لئے حرکت ثابت کریں اس طرح پر انہوں نے تمام تنوعات کو مادہ اور اس کی حرکت پر مبنی کیا۔ اگر وہ مادہ کا حدوث مان لیتے تو اتنی درد سری کی ضرورت نہ تھی اور وہ ضرور خدا کے وجود کو تسلیم کر لیتے۔

سوال۔ پہلے آپ حادث اور قدیم کی تعریف بتلا دیں پھر آگے چلیں۔

جواب۔ حادث سے مراد ایسی شے ہے جو پہلے موجود نہ تھی پھر موجود ہو گئی اور قدیم سے مراد کسی شے کا ہمیشہ سے موجود ہونا اور اس پر عدم کا کوئی زمانہ نہ گزرنا ہے۔

سوال۔ موجودہ فلسفہ ثابت کرتا ہے کہ یہ عالم اجزائے دیمقراطیسی سے بنا ہے سو یہی یا اجزائے دیمقراطیسی کی تعریف بھی بتلا دیجئے۔

جواب۔ اجزائے دیمقراطیسی سے مراد مادہ کی وہ حالت ہے جو عنصر بننے سے قبل موجود تھا یعنی اس سے کوئی چیز نہ بنی تھی۔

سوال۔ اب مختصر طور پر مادیین کے مذہب کا خلاصہ بھی بتلا دیجئے۔

جواب۔ لیجئے سنئے وہ کہتے ہیں کہ یہ امر قطعی ہے کہ کوئی شے عدم محض سے وجود میں نہیں آسکتی

اس بناء پر عالم کا مادہ قدیم ہے۔ تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی ترتیبی صورت سے پہلے فضائے غیر متناہی میں نہایت چھوٹے چھوٹے اجزا پھیلے ہوئے تھے یہ اجزاء آپس میں ملے اور ترکیب پاکر رفتہ رفتہ یہ عالم پیدا ہو گیا۔

ابطال مذہب فلاسفہ اس مذہب میں تین قضئے ایسے ہیں جو باعتبار نفس الامر کے ہرگز ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام فلسفی کسی ایک نقطہ اور ایک مرکز پر جمع نہیں اور ہو بھی کیسے سکتے ہیں جبکہ وہ شکوک اوہام کے خارزاروں میں حیران و پریشاں اور سرگرداں پھر رہے ہیں اور مادہ کی بھول بھلیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ شک وریب کی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور ایک تاریکی سے نکلنے کے لئے دوسری تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں اور ایک گتھی کو سلجھانا چاہتے ہیں تو دس اور نئے الجھاؤ پیدا ہو جاتے ہیں اور جب تک وہ وحی والہام کی روشنی میں نہ آئیں گے یوں ہی قیامت تک ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔

یہ فلاسفر مدتوں مادہ اور اس کی قوت کی بھول بھلیوں میں پھنسے رہے اور اس دنیا کو قدیم اور باقی سمجھتے رہے۔ پھر اس میں تغیر پیدا ہوا تو گو مادہ اور قوت کو قدیم سمجھا مگر تحقیقات جدیدہ کے سہارے نظام عالم کا حادث اور متغیر ہونا ثابت کرنے لگے اور ساتھ ہی مادی اجسام کی ماہیت اور صورت میں بھی کچھ فرق ہو گیا۔ پہلے چار عنصر تھے مگر اب بہتر ہو گئے اس کے بعد پھر ان میں کمی بیشی ہونے لگی۔ مگر آخر کار یہ تعداد غیر معین رہی یہاں تک کہ بالآخر اکابر فلاسفہ کا خیال ہو گیا کہ غالباً یہ تمام مادہ اور قوت اپنی گوناگونی اور رنگارنگی کے باوجود بھی ایک ہی حرکت کی مختلف کیفیتوں کا نام ہے۔ اس کے بعد سائنس نے سیاروں اور ستاروں کی ماہیت معلوم کرنے کے لئے ہاتھ پیر مارے اور صرف قیاسات عقلی کی بناء پر فتویٰ لگایا کہ مادہ ہر جگہ یکساں ہے غرض یہ سب کچھ ہوا مگر وہی کچھ نہ ہوا جس کا جواب خدا پرست مانگتے تھے ان کی عقل میمونی خصلت لئے ہوئے ایک حد معین تک پہنچ کر رک گئی اور ان کو نہ مادے اور اس کی قوت کی اصل حقیقت معلوم ہوئی نہ انہوں نے وقت اور جگہ کا صحیح مفہوم سمجھا۔ نہ اس کی زندگی کی ابتداء اور حیات کی ماہیت کا سراغ ملا۔ یہاں تک کہ خود اپنے دماغ کی بہت سی مخفی طاقتوں اور پوشیدہ قابلیتوں کے جاننے سے قاصر رہے۔ جیسے ان کا مادہ بہرا اور گونگا تھا اسی طرح یہ اس کے بندے بھی ساکت وصامت ہو گئے اور ان تمام مسئلوں کے جواب میں لاادری کہکر ان کو ساکت ہونا پڑا۔

وہ تین قضئے جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اور جن کا ہمیں ابطال کرنا ہے وہ یہ ہیں۔

پہلا قضیہ۔ مادہ اور اس کے ذرات بسیط کی حرکت قدیم ہے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کے بغیر نہیں پایا جا سکتا یعنی مادہ اور حرکت میں مفارقت ہونا محال ہے۔

دوسرا قضیہ۔ مادہ کی کیفیتیں اور تغیرات حادث ہیں یعنی یہ تمام اشیاء ارضی و سماوی پہلے موجود نہ تھیں پھر اسی مادہ سے پیدا ہو گئیں۔

تیسرا قضیہ۔ یہ تمام عالم محض مادہ سے حادث ہے۔ مگر مادہ اور اس کی حرکت کو نہ اس میں کوئی اختیار ہے اور نہ ان میں کوئی ارادہ پایا جاتا ہے جس طرح معلول اپنی علت سے حادث ہوا کرتا ہے اس طرح مادہ اور اس کی حرکت سے تمام تغیرات حادث ہوئے ہیں یعنی تغیرات و تنوعات معلول ہیں اور حرکت ان تنوعات کی علت۔

سوال۔ معلول اور علّت کی تعریف بیان کریجئے۔

جواب۔ جب آفتاب نکلتا ہے تو روشنی ہو جاتی ہے پس آفتاب روشنی کی علت ہے اور روشنی معلول اگر فلاسفہ کے ان تینوں قضیوں کو صحیح تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑیگا کہ علت تو پائی جائے اور معلول موجود نہ ہو یعنی آفتاب تو موجود نہ ہو مگر دھوپ موجود ہو۔ اور یہ بات محال ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی شے اپنی علت سے اختلاف نہیں کر سکتی یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ آفتاب نکلا ہوا اور دھوپ نہ ہو۔ پس اگر اس کی علت حادث ہو گی تو وہ شے بھی اس کے بعد ہی بلا تاخیر موجود ہو جائے گی اور اگر اس کی علت قدیم ہو گی تو وہ شے بھی قدیم ہی ہو گی۔ اور قدم میں اپنی علت کی متابعت کرے گی اس سے ہرگز متاخر نہ ہو سکے گی مثلاً جیسے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آفتاب قدیم ہے اور اس کی روشنی حادث اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ مادہ اور حرکت تو قدیم ہوں اور اشیاء عالم حادث ہوں کیونکہ مادہ اور حرکت علت ہیں اور اشیاء عالم معلول اگر فلاسفہ کا مذہب صحیح ہے تو لازم آتا ہے کہ مادہ اور حرکت کے ساتھ اشیاء عالم بھی قدیم مانی جائیں حالانکہ وہ اپنے علوم طبعیہ اور علم طبقات الارض کی تحقیقات کے موافق ان کے قدم کے قائل نہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ علت کو معلولات کے لازم ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا وجود بالکل ایک ہی دفعہ مکمل ہو جائے۔ مثلاً یہ ممکن نہیں کہ پانی کے وجود سے پہلے حیات کا وجود ہو سکے اور پانی اپنے دونوں عنصروں "ہیڈروجن اور آکسیجن" کے بننے سے پہلے موجود ہو جائے۔ پس حیات کا وجود پانی کے وجود پر موقوف ہے۔ چاہے اس سے ایک لحظہ پہلے ہی کیوں نہ ہو لہٰذا یہ کوئی ضرور نہیں کہ تمام مرکبات ایک سلسلہ ہی موجود ہو جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جواب تو اس وقت قبول کیا جا سکتا ہے

جبکہ وہ تمام علتوں سے پہلی علت کو حادث مان لیں اس وقت بیشک اُن قوانین قدرت کے موافق جو پیدائش کے متعلق ہیں ہم مادہ اور حرکت کو اجازت دے سکتے ہیں کہ مادہ میں استعداد پیدا ہوئے اور اپنے تمام اجزا کو مجمع کرے پھر پانی بنے اس کے بعد حیات ہو لہذا جب تک مادہ کی علت اولیٰ کو حادث نہ مانا جائے موجودہ فلسفہ اس اعتراض سے کبھی بھی پیچھا نہیں چھوڑا سکتا۔ اچھا لیجئے بفرض محال ہم مانے لیتے ہیں کہ مادہ کی پہلی علت قدیم ہے جیسا کہ فلاسفہ کا خیال ہے مگر اب یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب اس کی علت ازلی اور ہمیشہ سے موجود ہے تو ان سب اشیاء کو اپنے لاکھوں یا کروڑوں برس کی مدت تک پیدا ہونے سے کس چیز نے روکے رکھا۔ پہلے پیدا ہونے دیا اور کس وجہ سے اتنی مدت گزرنے کے قبل ہی موجود نہ ہوگئیں۔ اگر وہ کہیں کہ اتنی مدت کی اس لئے حاجت تھی کہ اس میں پیدا ہونے کی استعداد آجائے تو پھر ہم پوچھیں گے کہ معین کردہ مدت کے قبل ہی استعداد کیوں نہ پیدا ہوگئی اور وہ جتنی مدت بڑھاتے جائیں گے اور ہم یہی سوال کرتے جائیں گے۔ اور ہمارا سوال ان سے ہرگز نہ اُٹھ سکے گا۔

پس یا تو مادہ کے تمام تنوعات کو جو معلول ہیں قدیم ماننا پڑے گا اور موجودہ فلسفہ کی تحقیقات کی تکذیب کرنی پڑے گی اور یا مادہ و حرکت اور اس کے تنوعات کو حادث ماننا پڑے گا۔

اس دلیل کی منطقی شکل یوں ہوگی۔ اگر تمام تنوعات یعنی تغیرات کی علت قدیم ہے تو اس کی استعداد بھی قدیم ہوگی اور اگر استعداد بھی قدیم ہوگی تو تمام تغیرات بھی قدیم ہوں گے لیکن تنوعات قدیم نہیں ہیں اس لئے استعداد بھی قدیم نہ ہوئی پس ہمارا مقصود حاصل ہوگیا کہ مادہ حادث ہے۔ حدوث مادہ پر اور بھی بہت سے دلائل قائم کئے جا سکتے ہیں مگر ہم ان کو بخوف طوالت ترک کرتے ہیں اور مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر علامہ شبلیؒ کے دلائل بھی پیش کر دیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

”قوانین قدرت کا بھی یہی حال ہے عالم میں سینکڑوں ہزاروں قوانین قدرت ہیں لیکن اگر ان میں سے ایک بھی باہمی توافق کے مرکز سے ذرا ہٹ جائے تو تمام نظام عالم برہم ہو جائے“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور بالاتر قوت موجود ہے جو ان تمام قوانین قدرت کو محکوم رکھتی ہے اور جس نے ان تمام قوانین میں باہم توافق، تناسب، ربط اور اتحاد پیدا کیا ہے۔ میٹریلسٹ یہ کہہ سکتا ہے کہ مادہ خود بخود پیدا ہوا مادہ کے ساتھ حرکت پیدا ہوئی، حرکت نے امتزاج پیدا کیا، اور پھر رفتہ رفتہ بہت سے قوانین قدرت پیدا ہوگئے لیکن وہ اس بات کی وجہ نہیں بتا سکتا کہ ان سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں قوانین قدرت میں یہ توافق، تناسب اور اتحاد کہاں سے آیا ہے؟ توافق اور اتحاد پیدا

ہونا، خود ان قوانین کی ذاتی خاصیت نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو محض ایک فرضی احتمال ہوگا جس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی، یہی بالاتر قوت جو تمام قوانین قدرت پر حاکم ہے اور جس نے ان تمام قوانین میں ربط اور اتحاد قایم کیا ہے خدا ہے (الکلام صفحہ ۵۴)

حضرت امام فخر الدین رازیؒ کا خدا تعالیٰ کی ہستی پر استدلال

آپ اپنی کتاب جامع العلوم میں فرماتے ہیں کہ جب معلوم ہوگیا کہ عالم محدث ہے تو جو چیز کہ محدث ہو اس کا وجود ایک وقت معین کے اوپر مخصوص ہوتا ہے اور جس میں یہ صفت ہوگی۔ اس کے لئے کسی ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو اس کی پیدا کرنیوالی یا اس پر اثر ڈالنے والی ہو۔

اجسام عالم جسمیت میں تو برابر ہیں۔ مگر صفات و صورتوں میں مختلف۔ پس اجسام کا ان صفات سے موصوف ہونا جسمیت اور اس کے لوازمات کے لئے نہیں ہے ورنہ ضروری تھا کہ تمام اجسام تمام صفات میں برابر ہوتے پس وہ صفات اجسام اور لوازم اجسام کے مقتضی نہیں ہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ تمام صفات کہ جس میں اجسام مختلف ہیں۔ جائز الوجود ہیں اور ہر ایک پر عدم روا ہے۔ اور جو چیز کہ جائز ہوگی اس کا کوئی خالق ہونا چاہئے پس ضروری ہے کہ ان اجسام کا بھی کوئی خالق اور صانع ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ خود جسم ہی خالق اور صانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر جسم کو صانع فرض کیا جائے تو اس کی بھی کوئی نہ کوئی شکل اور مقدار مکان ہوگی۔ اور اس صورت میں وہ کسی صانع اور تدبیر کنندہ کا محتاج ہوگا اور جس کی یہ کیفیت ہو اس میں دنیا کے پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ دنیا کا پیدا کرنے والا کوئی جسم نہیں ہے؛ نہ وہ مکان اور جہت میں مقید ہے نہ انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں۔ جب معلوم ہوگیا کہ آفریدگار عالم جسم نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ وہ یا تو موجب[1] ہوگا یا مختار[2] اگر موجب ہے، تو ایک جسم سے اس کی نسبت ویسی ہی ہوگی جیسی کہ دوسرے اجسام سے اور جب نسبت برابر ہوگئی تو لازم آتا ہے کہ تمام اجسام تمام صفات میں برابر ہوں، مگر ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ امر محال ہے پس معلوم ہوگیا کہ اگر چاہے کہ کوئی فعل کرے تو کر سکتا ہے اور اگر چاہے کہ نہ کرے تو نہ کرے ایسی ہی ہستی کو ہم قادر کہتے ہیں۔

اچھا! اب جو صانع کی قادری معلوم ہوگئی تو یہ بھی ہونا چاہئے کہ وہ صانع و قادر عالم بھی ہو کیونکہ اس کے افعال سے حکمت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور جس کے فعل سے آثار حکمت ظاہر

ہوں وہ عالم ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا کا پیدا کرنے والا عالم بھی ہے اس علم کیساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو کلیات سے جزئیات تک کا علم ہو۔ ورنہ جزئی افعال اس سے صادر نہ ہوں گے پس صاف ظاہر ہے کہ دنیا کی پیدا کرنے والی ہستی ایسی ہے کہ جو زندہ عالم اور قادر ہے اور جسمیت وجوہریت اور مکان وجہت سے پاک ہے"۔

حکیم لقمان۔ وجود خدا پر یہ دلیل لایا کرتا تھا کہ :۔

"بھلا سب چیزیں تو مادہ سے بنی ہیں مگر مادہ کیونکر بنا ایسا تو ممکن نہیں کہ اس نے خود اپنے تئیں بنا لیا ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ مادہ کا کوئی اور خالق ہے اور ضرور ہے کہ وہ بڑا دانشمند بھی ہو ورنہ جو خود عقل سے خالی ہو (جیسا کہ میٹریسٹ کہتے ہیں) تو وہ آدمی جیسی دانشمند مخلوق کیونکر پیدا کر سکتا ہے۔ اور یہ ایک امر محال ہے کہ دنیا باایں عمدگی خود بخود پیدا ہو گئی ہو۔

پس ایک کہنے والے نے یہ خوب کہا ہے کہ ہم ایمان ہی کی قوت سے خلاف قیاس اور بعید از عقل مقاصد کو بھی پا لیتے ہیں۔ ایمان ہی کی قوت سے کرامات ظاہر ہوتی ہیں اور خوارق ظہور میں آتے ہیں اور ان ہونی باتیں ہو جاتی ہیں۔ پس ایمان ہی سے پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے۔ فلسفیوں سے پوشیدہ رہا اور پوشیدہ ہی رہے گا اور حکیموں کو آج تک پتہ نہ لگا۔ مگر ایمان ایک عاجز و دلق پوش کو خدا دے دیتا ہے اور اُس سے باتیں کرا دیتا ہے۔ مومن اور محبوب حقیقی میں قوت ایمانی دلالہ ہے۔ یہ قوت ایک مسکین، ذلیل و خوار اور مردود خلائق کو اس قصر مقدس تک جو عرش اللہ ہے پہنچا دیتی ہے اور تمام پردوں کو اٹھا کر دلارام ازلی کا چہرہ دکھا دیتی ہے۔ سو اُٹھو! ایمان کو ڈھونڈو اور فلسفہ کے خشک اور بے سود ورقوں کو جلاؤ۔ کہ ایمان سے تم کو برکتیں ملیں گی۔ ایمان کا ایک ذرہ فلسفہ کے ہزار دفتر سے بہتر ہے اور ایمان صرف آخری نجات نہیں بلکہ ایمان دنیا کے عذابوں اور لعنتوں سے بھی چھڑا دیتا ہے۔ اور روح کے تحلیل کرنے والے غموں سے ہم ایمان ہی کی برکت سے نجات پاتے ہیں۔ وہ چیز ایمان ہی ہے جس سے مومن کامل سخت گھبراہٹ، قلق، کرب اور غموں کے طوفان کے وقت، اور اس وقت کہ جب ناکامی کے چاروں طرف سے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اسباب عادیہ کے تمام دروازے مقفل اور مسدود نظر آتے ہیں، مطمئن اور خوش ہوتا ہے ایمان کامل سے سب استبعاد جاتے رہتے ہیں اور ایمان کو کوئی چیز ایسا نقصان نہیں پہنچاتی جتنی کہ استبعاد کوئی ایسا دوست نہیں جتنا کہ ایمان دنیا میں ہر ایک ماتم زدہ ہے، مگر ایماندار مطمئن ہے دنیا میں ہر ایک سوزش، حرقت اور جلن میں گرفتار ہے۔ مگر مومن ان تمام بےچینیوں، بیقراریوں اور

اضطرابوں سے مامون و محفوظ ہے۔ سچ ہے:"

لِلْعَقْلِ نُوْرٌ وَلِلْاِیْمَانِ اَنْوَارٌ
عقل کا ایک نور اور ایمان کے بہت انوار ہیں

اِنَّ الْبَصَائِرَ لِلْاَبْصَارِ اَبْصَارٌ
تحقیق باطنی آنکھیں ظاہری آنکھوں کیلئے موید ہوتی ہیں

وجودِ باری (ع غ راسمہ)

پر

قرآن مجید کا طریقہ استدلال

قرآن مجید نے وجود باری پر جس طریقہ سے استدلال کیا ہے وہ ایسا سیدھا سادا صاف اور واضح ہے کہ ہر ایک عالم و جاہل اور عاقل و کودن کے دل میں اُتر جاتا ہے۔ جو یقین وجدان وطبیعت کی حقیقی شہادتوں سے پیدا ہوتا ہے وہی دل نشین مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے سو قرآن کریم نے ایمان و یقین پیدا کرانے کیلئے یہی طریقہ اختیار کیا ہے جو علم بصیرت کیلئے سود مند اور دماغی و شوش اور نظر و استدلال کے الجھاؤ سے پاک ہے۔

قرآن کریم مجرد ذہن و ادراک سے نہیں بلکہ وجدان سے خطاب کرتا ہے اور ایمان و یقین عام نظری استدلال کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف وجدانی شہادت کے ذریعہ حاصل کراتا ہے وہ وجدانی شہادت جو فطرت انسانی میں ودیعت کردی گئی ہے اور جس کا اذعان قدرتی طور پر انسان کے اندر موجود ہے۔ بمونہ چند آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
کیا خدا کی نسبت بھی شک ہو سکتا ہے جو آسمان و زمین کا موجد ہے

یعنی فاطر السموات والارض نے انسان کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ اس کو خواہ مخواہ خدا کی خدائی کا قائل ہونا پڑتا ہے اور وہ اپنے آپ کو خدا کی ہستی کے اعتراف پر مجبور پاتا ہے دیکھئے فطرت انسانی کو گھیر گھار کر اس طرح خدا کی خدا کی ہستی کے اعتراف پر مجبور کیا ہے

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝
ہم نے تم کو پیدا کیا تو پھر تم جی اٹھنے کی تصدیق نہیں کرتے کیا تم اس بات کو نہیں دیکھتے کہ تم منی ڈالتے ہو تو پھر کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا ہم؟

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۞ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۞
کیا تم کھیتی کو نہیں دیکھتے کہ بیج ڈالتے ہو تو تم کھیتی کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں۔

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۞ أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۞
کیا تم نے پانی کو نہیں دیکھا جو پیتے ہو تو کیا تم نے اس پانی اتارا ہے یا ہم اس کو اتارنے والے ہیں۔

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۞ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ۞
کیا تم آگ کو نہیں دیکھتے جو روشن کرتے ہو تو کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہمنے۔

ایک ادنی عقل وسمجھ کا آدمی ان امور کی محکم ترتیب اور خلق ورزق کی عجیب وغریب قدرت و پرورش کو دیکھکر یہ نہیں کہہ سکتا کہ عالم انسانیت کے لئے یہ چیزیں بغیر کسی صانع کے موجود ہو گئیں اور ہر شخص وجود صانع کے اعتراف پر مجبور ہے۔ ہاں ہیر یسٹ پھر بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب مادہ کے تغیرات وتنوعات ہیں مگر حکیم وبصیر خدائے واحد نے مادیین کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ چار وناچار خدا کی ہستی کا اعتراف کریں اور یا اپنے مسلمات اور تحقیقات سے ہاتھ اٹھائیں چنانچہ ارشاد ہے۔

صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ
یہ خدا کی کاریگری ہے جس نے ہر شے کو پختہ طور سے بنایا،

مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ۞
خدا کی کاریگری میں تم کو کہیں فرق نظر نہ آئے گا پھر دوبارہ دیکھو کہیں دراڑ نظر آتی ہے۔

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا
خدا نے ہر شے کو پیدا کیا پھر اُس کا ایک اندازہ معین کیا۔

لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۞
خدا کی بناوٹ میں ردوبدل ممکن نہیں خدا کے طریقہ میں تم ردوبدل نہیں پاسکتے۔

ان آیات میں جو چیز غور وفکر کے لئے پیش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک عقلمندی اور حسن تدبیر کا کام ایک عاقل کی دستکاری پر دلالت کرتا ہے۔ نیز یہ کہ ذی شعور اور غیر ذی شعور کے فعل میں ہمیشہ فرق ہوتا ہے جس مصنوع میں یہ علامت پائی جائے کہ اس کے صانع نے اپنے مطالب کو بالارادہ مدنظر رکھا ہے اور وہ فعل عبث نہیں تو اس مصنوع پر لامحالہ عقل حکم کرے گی کہ یہ ضرور کسی صانع ذی شعور کا فعل ہے جیسے اگر کسی کاغذ پر سیاہی گر جائے تو ممکن ہے کہ کسی انسان نے گرائی ہو یا کسی چوہے نے

گرائی ہو اور یا یوں ہی اتفاقاً گر پڑی ہو لیکن اگر کسی کاغذ پر کسی کتاب کا ایک صفحہ لکھا جائے جو ضروری مطلب لئے ہو اور علم و حکمت کی باتوں سے مزین ہو تو کوئی دانا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ بغیر کسی کاتب کے خود بخود لکھا گیا۔ یا کسی چوہے نے لکھدیا اور یا کسی ذرہ نے لکھدیا۔ اگر کوئی ایسا کہے تو یقیناً وہ شخص خارج از عقل اور مخبوط الحواس ہے۔

نیز ان آیتوں میں عالم کی نسبت تین امور یا اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ کامل اور بے نقص ہے موزوں[2] اور مرتب ہے اور ایسے[3] اصول و ضوابط کا پابند جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز کامل، مرتب اور موزوں ہو وہ خود بخود پیدا نہیں ہو سکتی۔ نہ کوئی بیجان مادہ یہ تغیرات کر سکتا ہے بلکہ یہ کام کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار ہستی ہی کا ہو سکتا ہے۔

معلوم نہیں کہ ان فلاسفروں کی عقل کو کیا ہوا کہ وہ ایسی صاف و صریح بات بھی نہیں سمجھ سکتے اور ایک ذی شعور اور غیر ذی شعور کے فعل میں فرق نہیں کر سکتے، کوئی ان احمقوں سے پوچھے کہ کیا نظام عالم کی یہ کاملیت اور ترتیب و موزونیت جماد لاعقل مادہ کا کام ہے؟ کمبختو یہ کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم جو اس قدر باقاعدہ مرتب اور موزوں ہے خود بخود قایم ہو گیا ہو یا کسی خاک کے ذرہ نے محیر العقول کرشمہ دکھایا ہو۔

وجود باری تعالیٰ کی ایک اور آسان اور عام فہم دلیل ملاحظہ ہو۔

مادیین سے پوچھنا چاہئے کہ بھلا آدمی تو بنا نطفہ سے اور نطفہ بنا آناج سے اور اناج بنا مٹی سے اب بتاؤ کہ یہ مٹی کہاں سے آئی۔ اگر وہ یہ کہیں کہ مٹی خود بخود ہمیشہ سے چلی آتی ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ بات تو نہایت ناقص ہے۔ کیونکہ خود بخود یا واجب الوجود تو وہ چیز ہوتی ہے جو اپنی کسی حالت میں کسی دوسری چیز کی محتاج نہ ہو حالانکہ مٹی اکٹھا رہنے میں پانی کی محتاج ہے اگر مٹی میں پانی نہ ملا ہو تو اس کو ہوا اڑا کر لیجائے نیز مٹی نباتات اگانے میں بھی پانی کی محتاج ہے اگر اُسے پانی نہ ملے تو وہ ایک دانہ بھی نہیں اگا سکتی علاوہ ازیں کوئی محتاج چیز قدیم نہیں ہو سکتی پھر مٹی سے درخت پیدا ہوتے ہیں اور وہ مٹی سے بہتر ہیں پس ناقص واجب الوجود نہیں ہو سکتا معلوم ہوا ان کوتاہ عقلوں کو واجب الوجود کی تعریف معلوم نہیں۔ اور یا جان بوجھ کر تعصب و عناد کے اندھے کنوئیں میں گرے ہوئے ہیں۔

سوال۔ اقسام المعلوم اور ان کے احکام بھی تبلادیجئے۔

جواب۔ معلوم کی تین قسمیں ہیں، ممکن[1] الذات۔ واجب الذات[2]۔ اور مستحیل[3] الذات یا ممکن الوجود۔ واجب الوجود اور مستحیل الوجود۔ ممکن الوجود وہ ہے جس کا وجود اور عدم اس کی ذات میں داخل نہ ہو اور جس کا

وجود موجد کے ارادہ کے تابع ہو یعنی موجد کے ارادہ سے وجود میں آئے اور اس کے ارادہ ہی سے معدوم ہو۔ واجب وہ ہے جس کو وجود بالذات حاصل ہو یعنی اس کا وجود کسی غیر کا تابع اور محتاج نہ ہو۔ اور مستحیل وہ ہے جس کی ذات ہی عدم ہو یعنی کسی حالت میں بھی وجود میں نہ آئے۔

احکام مستحیل مستحیل کی ماہیت اور حقیقت ہی عدم ہے چونکہ وہ موجود ہی نہیں اس لئے عقل اس کی ماہیت کے ادراک سے قطعاً قاصر ہے نہ اس کا وجود خارج میں تصور کیا جاتا ہے اور نہ ذہن میں۔ ہاں اگر اس کی ماہیت ہی سلب کر لی جائے تو پھر اس کا وجود ممکن بالذات میں داخل ہو جاتا ہے۔

احکام ممکن۔ اس کا وجود اور عدم دونوں مساوی ہیں اور اس کا وجود و عدم کا ایک سبب ہوتا ہے۔ اس کے لئے ضرور کوئی ایسا امر ہونا چاہیئے جو اُسے موجود کرے اور جس کی وجہ سے اس کے عدم پر اس کے وجود کو ترجیح ہو جائے اور وہ عدم کی تاریکی سے وجود کی روشنی میں نکل آئے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور یہ محالات سے ہے۔

اسی کو حادث بھی کہتے ہیں۔ اب اس کے وجود میں آنے کی تین صورتیں ہیں یا تو وہ اپنے سبب سے متقدم ہوگا یا اس کے ساتھ ہوگا اور یا اس کے بعد ہوگا سو اوّل یا دوسری صورت تو محال ہے اور تیسری صورت صحیح ہے۔ سبب کے معنی منشار ایجاد اور معطی الوجود کے ہیں۔

احکام واجب۔ یہ ہیں کہ وہ قدیم اور ازلی ہو۔ اگر وہ ایسا نہ ہوگا تو حادث ہوگا اور حادث کے لئے منشار ایجاد اور معطی الوجود کی ضرورت ہے جو اس کو عدم سے وجود میں لائے اور یہ محال ہے۔ ان مباحث کے طے ہونے اور خدا کا وجود ثابت ہونے کے بعد ایمان باللہ کی تفصیل سنئے اور خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق ہیں جو عقیدہ رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ متکلمین نے بنا عقائد کو چار رکنوں پر تقسیم کر دیا ہے۔

رُکن اوّل

ذاتِ الٰہی

اس کے دس اصول یہ ہیں (۱) خدا موجود ہے (۲) اللہ تعالیٰ قدیم ہے یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ھُوَ الاوّل وَالآخر اسی کی شان ہے اللہ تعالیٰ کے قدیم ہونے کے یہ معنے زمانہ کی درازی اور تقادم عہد نہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ اس کا وجود غیر مسبوق بعدم ہے

(۳) حیّ یعنی زندہ ہے حیات کی صفت اس کے لئے ثابت ہے اور فنا وزوال اس پر محال ہے (۴) ابدی ہے یعنی اس کے وجود کی آخر نہیں (۵) جوہر نہیں (۶) جسم نہیں (۷) عرض نہیں (۸) کسی جہت کیساتھ مخصوص نہیں (۹) کسی مکان میں نہیں اور وہ (۱۰) وحدہٗ لاشریک ہے۔

ان اصول عشرہ میں سے دو اصول خدا کا وحدہٗ لاشریک[1] ہونا اور مخصوص[2] بجہت نہ ہونا بحث طلب ہیں اور بہمہ عقائد میں سے ہیں لہذا ہم ان کی توضیح وتشریح کرتے ہیں۔

مسئلہ توحید باری تعالےٰ

در اصل خدا کی ہستی کا اعتراف تو تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے حتی کہ عرب کے کفار تک کسی نہ کسی صورت میں خدا کے قائل تھے لیکن اسلام کا اعتراف جو اسی کے ساتھ مخصوص ہے وہ مسئلہ آیندہ ہے اور یہ شرف واعزاز صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے دنیا میں اگر خدا کا دُنیا کو صحیح اعتراف کرایا اور صحیح معنوں میں اس کی ذات وصفات سے روشناس کرایا۔ توحید کامل صرف اسلام میں پائی جاتی ہے اور باقی مذاہب اس سے خالی ہیں۔

قبل اسلام مذہب بدنام اور محض اوہام پرستیوں کا مجموعہ اور عقائد بے دلیل کا مجمعہ تھا خدا کا کوئی متعین شخص اور قائم بالذات تصور موجود نہ تھا۔ اسلام دنیا میں آیا اور اس نے متعین نصب العین "لا اِلٰہ الا اللہ" پیش کیا۔ اور اسلام کا یہ زریں اصول ہے جو اس کو تمام مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔

توحید کی اہمیت

مسئلہ توحید ایسا عالمگیر اور ہمہ گیر ہے کہ آج کسی قوم نے بھی خواہ وہ شرک کی انتہائی پستی میں گری ہوئی ہو۔ اس مسئلہ سے انکار نہیں کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ توحید انسان کی فطرت میں مرکوز ہے اور وہ جہاں خدا کی ہستی کے اعتراف پر طوعاً وکرہاً مجبور ہے وہاں وہ اس کے ایک یعنی وحدہٗ لاشریک ہونے پر بھی مجبور رہے۔ اسی لئے کسی قوم نے آجتک اس مسئلہ کا انکار نہیں کیا۔ ہاں یہ مذبوحی حرکات ضرور کرتے رہے، کہ انہوں نے شرک ہی میں توحید ثابت کرنے کی ناکام سعی کی۔ جس کا روشن اور کھلا ثبوت عیسائیوں کی تثلیث، باپ بیٹا اور روح القدس۔ آرین تثلیث، ایشور، مادہ اور روح اور ہندوؤں کی تثلیث، برہما، بشن اور مہیش ہے۔ غرض کہنا یہ ہے کہ توحید کا انکار نہ کسی قوم نے

کیا اور نہ کر سکتی ہے، مگر ہر قوم صرف توحید کے نام کی پجاری اور شرک کو توحید سمجھتی رہی۔ پس یہ مسلمہ مسئلہ اور متحدہ عقیدہ جس مذہب میں زیادہ واضح، زیادہ روشن اور زیادہ خالص پایا جائے گا وہی مذہب دیگر جملہ مذاہب سے بالاتر ثابت ہو جائے گا۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو توحید کامل کی نہایت واضح، روشن اور خالص تعلیم دیتا ہے اور اس نے ہر ایک قسم کے شرک کی جڑ کاٹ دی ہے حتیٰ کہ ایک مسلمان ایسا نام بھی نہیں رکھ سکتا جس میں کسی غیر خدا کی عبدیت کا شائبہ تک بھی ہو، مثلاً عبد النبی وغیرہ اسلام کی توحید کا اندازہ کرنے کے لئے ہم نے کسی مقام پر سورۂ اخلاص کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ اس کا مطالعہ کر لینا کافی ہے۔

توحید کا فائدہ

اسلام نے جو توحید پر حد سے زیادہ زور دیا ہے اور اپنی بنیاد ہی توحید پر رکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ توحید کا فائدہ اور ثمرہ بہت بڑا ہے۔ اس سے انسان کو اپنا درجہ معلوم ہو جاتا ہے اور وہ سچی عبدیت کے دائرے میں آجاتا ہے اُسے پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ تمام مخلوق کا سردار ہے، ہر چیز پر اس کی حکومت ہے تمام کائنات اس کا مطیع و مسخر ہے۔ کوئی مخلوق بھی ایسی نہیں جس کے آگے اُسے جھکنا پڑے اور کوئی شے بھی ایسی نہیں ہے جس کی عظمت کے سامنے اسے سرافگندہ ہونا پڑے۔ غرض توحید ہی سے انسان کو اپنے شرف اور علو جاہ کا پتہ لگتا ہے۔ اور جو انسان توحید میں کامل نہیں وہ اپنے آپ کو ایک ذرہ سے زیادہ حقیر اور ذلیل تر جانتا ہے۔

توحید سے جہاں انسان کو اپنے مرتبہ کا پتہ لگتا ہے وہاں مالک الملک رب الارباب اور خالق الکل کی عظمت و جبروت کا صحیح نقشہ ذہن میں جم جاتا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے ایک قطرہ سے زیادہ ناچیز اور ایک ذرہ سے بھی زیادہ عاجز پاتا ہے اور اس کے جسم کی حرکت، ہر عضو، زندگی کا ہر شعبہ اور سانس کی آمد و شد اس مالک کے قبضہ اقتدار میں آجاتی ہے۔ ایسے انسان کا دل اپنے پیدا کرنے والے کی عظمت سے بھر جاتا ہے اس کی لاانتہا انعامات کو دیکھکر اس کے دل میں لازوال محبت قیام پذیر ہو جاتی ہے اور اس کی روح عرفان سے اس کے ارادے ذوق اطاعت سے اور اس کے دل و دماغ خدا کی عظمت و جبروت سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ الغرض توحید سے بندہ کا تعلق براہ راست رب العالمین سے وابستہ ہو جاتا ہے اور درمیانی وسائط و ذرائع اڑ جاتے ہیں اور بندہ کی سیادت و قیادت کون و مکان پر متمکن ہو جاتی ہے۔

توحید کے مراتب چار ہیں۔ اول واجب الوجود ہونے کو صرف خدا کی ذات پر حصر کر دینا یعنی اعتقاد رکھے کہ خدا کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں اور وہ ممکنات کا مطعی الوجود ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ زمین و آسمان عرش و کرسی اور تمام جواہر کا پیدا کرنے والا صرف خدا کو ماننا یعنی یہ اعتقاد رکھنا تمام عالم کا خالق اللہ ہے۔ ان دونوں مرتبوں میں کسی مذہب اور کسی فرقہ کو اسلام سے اختلاف نہیں اور یہ ایک مسلمہ و متحدہ عقیدہ ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ تدبیر ارضی و سماوی کو صرف خدا تعالےٰ کے مشیت و ارادہ پر حصر کر دینا یعنی عالم کے انتظام و انصرام اور اس کے قیام و بقا و فنا و عدم کی باگ ڈور صرف خدا کے ہاتھ ہے۔ اور چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ مستحق عبادت صرف خدا کو سمجھنا۔ سوائے اسلام کے باقی مذاہب صرف اوّل الذکر دو مرتبوں ہی میں پھنس کر رہ گئے اور پھر رفتہ رفتہ اپنے پیرؤوں کی ذہنیت کو کھلے اور صاف شرک و گنہ کے عقائد سے ملوث کر دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ آخر الذکر دو مرتبوں میں قوموں میں سخت اختلاف رونما ہوا جس کی وجہ سے وہ بتدریج توحید کے اعلیٰ مراتب سے نیچے گرتے اور شرک کی کیچڑ میں دھنستے گئے۔ آپ نے مشرک قوموں کو تین گروہوں میں منقسم کر دیا ہے۔ نجومی انہوں نے تدبیر امور عالم میں ستاروں کو موثر مانا ہے۔ حوادث یومیہ میں مثلاً صحت و مرض اور شقاوت و سعادت تو اختیار نہیں کی بلکہ خدا کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنے اور تقرب الٰہی ڈھونڈھنے کے لئے اولیا و صلحا کو مستحق عبادت جانا اور تدبیر عالم میں ان کا بھی کچھ حصہ مقرر کیا اور یہود و نصاریٰ نے نبوت و الوہیت کو گڈ مڈ کر دیا۔

فوائد کلمہ طیبہ اسلام نے توحید کامل کے تمام مراتب کو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ میں بیان کر دیا ہے جس میں ماسوی اللہ سے استحقاق عبادت کی نفی کر دی ہے اور علماء نے اس کے معنی لا مستحق للعبادۃ بیان کئے ہیں۔ اس کلمہ نے توحید کو ہر طرح کامل کر دیا اور ہر قسم کے شرک کی جڑ کاٹ دی۔ اس کلمہ کے ذکر سے کفر سے نفرت شرک سے بیزاری اور تجدید ایمان ہوتی ہے حضور کا ارشاد ہے جددوا ایمانکم بقول لا الٰہ الا اللہ مسلمانو! لا الٰہ الا اللہ کے قول سے اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہو۔ نیز ارشاد ہے۔ من قال لا الٰہ الا اللہ ومد ھا ھدمت اربعۃ الاف من الکبائر جو کوئی اس کلمہ کی تلاوت کرے اور "لا الٰہ" کو برائے مبالغہ و نفی آلہیت غیر حق، دراز کرے تو اللہ اس کے چار ہزار بڑے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ توحید نفی شرک پر موقوف ہے اسی لئے کلمہ طیبہ میں پہلے نفی لائی گئی تاکہ حق تعالےٰ کی وحدانیت ثابت ہو جائے حضرت خواجہ معصوم فرماتے ہیں۔

صورت ایمان موقوف است بر نفی الٰہ آفاقی کہ سائر اضام و سائر معبودات کفر است حقیقت ایمان موقوف است بر نفی الٰہ انفسی کہ عبادت از ہوائے نفسانی است و گرفتاری است بماد دل حق جل وعلا۔ الخ۔

ترجمہ۔ صورت ایمان الٰہ آفاقی یعنی تمام اضام اور معبودات باطلہ کی نفی پر موقوف ہے اور حقیقت ایمان الٰہ انفسی کی نفی پر موقوف ہے اور الٰہ انفسی کی نفی سے یہ مراد ہے کہ نفسانی ہوا و ہوس کی گرفتاری سے چھٹکارا حاصل کرے اور اغراض فاسدہ کے گلے پر لا اللہ کی چھری پھیر دے۔

حضرت شیخ ابو اسحاق گازرونی نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا یارسول اللہ ما التوحید یعنی یارسول اللہ توحید کیا ہے۔ فرمایا کُلُّ مَا هَجَسَ بِبَالِكَ اَوْ خَطَرَ فِیْ خَیَالِكَ فَاللّٰهُ تَعَالٰی مَا وَرَآءَ ذٰلِكَ جو کچھ کہ تیرے دل میں گزرے اور جو کچھ تیرے خیال میں آئے خدا تعالیٰ اس سے بالاتر ہے۔

توحید وجودی و شہودی

بعض جہلا کا خیال ہے کہ مخلوقات خدا ہیں اور خدا ان میں سمایا ہوا ہے اس کو مسئلہ وحدۃ الوجود یا ہمہ اوست کہتے ہیں اس کی نسبت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں:۔

"مودائے ایں عبادات نفی وحدت و اثبات کثرت است کہ منافی مذہب محققان صوفیہ است و انحصار وجود مطلق است در وجود مقیدات یعنی وجود حق جل وعلیٰ در وجود ممکنات منحصر است و مطلق را خبر در مراتب تقیدات وجودے نہ و بطلان آں اظہر من الشمس است چہ لازم می آید کہ حق سبحانہٗ در وجود خود محتاج ست بآنہا بلکہ وریں ضمن نفی واجب است تعالیٰ و ایں کفر صریح ست۔

ترجمہ۔ حاصل اس عبارت کا نفی وحدت اور اثبات کثرت ہے جو کہ محققین صوفیاء کے مذہب کے خلاف ہے۔ وجود مطلق (خدا تعالےٰ) کو وجود ممکنات (مخلوقات) میں منحصر کر دینا صریح البطلان اور اظہر من الشمس ہے۔ کیونکہ اس گمان فاسد سے لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے وجود اور تمام کمالات میں ممکن کا محتاج ہو۔ جیسا کہ کلی طبعی کا افراد میں منحصر ہونا وجود خود میں ان کا محتاج ہونا ہے۔ یہ نفی واجب ہے اور نفی واجب صریح کفر ہے۔

پس وحدۃ الوجود کا وہ مفہوم جو عوام الناس کے دماغ میں ہے اور جس کا بطلان مذکورہ بالا

عبارت میں کیا گیا ہے وہ صریح کفر اور منافی اسلام ہے اور بعض صوفیاء جو اس مسئلہ کے قائل ہیں ان کے نزدیک وحدۃ الوجود کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ عالم کی ایک حقیقت ہے یعنی تمام اشیاء عالم کا وجود خدا کی ہستی پر موقوف ہے یہ عالم خود اپنی ذات سے کچھ نہیں نہ ان کا کوئی مستقل وجود ہے بلکہ ہر چیز اپنی ہستی کے ساتھ وابستہ اور قائم بیان کرتی ہے پس صوفیائے کرام نے عالم کی حقیقت پر نظر حقیقت شناس ڈال کر وحدۃ الوجود کی اصطلاح قائم کی ہے لہذا نہ خدا کسی میں حلول کر سکتا ہے اور نہ مخلوقات خدا میں حلول کر سکتے ہیں۔

دراصل توحید شہودی ہی صحیح اور درست ہے اور سارے قرآن میں توحید شہودی پر قائم رہنے کا ذکر ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی محبت اور عظمت دل پر اس درجہ غلبہ حاصل کرے کہ سوائے شہود نام کے دوسری چیز معدوم دکھائی دیں گو وہ چیزیں معدوم نہیں ہیں۔ لیکن غلبہ محبت میں ایسا ہی نظر آتا ہے۔ مثلاً جب دن چڑھتا ہے تو اس کا نور تمام چیزوں پر غلبہ و تسلط کر لیتا ہے۔ اس وقت ستارے معدوم نظر آتے ہیں۔ حالانکہ وہ معدوم نہیں ہوتے بلکہ لوگ بوجہ استیلائے نور کے ستاروں کو دیکھ نہیں سکتے پس اسی طرح مومن کامل کے دل میں اللہ تعالٰی کی محبت و عظمت ایسی چھائے کہ گویا اس کے محبوب حقیقی کے سامنے تمام عالم معدوم ہے۔

توحید چونکہ نفی شرک پر موقوف ہے۔ لہذا اب شرک کی حقیقت سنئے۔

حقیقت شرک

ایک موحد کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالٰی کے لئے وحدانیت واجب ہے وہ اپنی ذات و صفات میں واحد ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں کہ وہ نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ نفع یا ضرر کا فاعل حقیقی صرف خدائے واحد ہے اور نفع و نقصان دونوں کا خالق خدا ہے۔ اس اعتقاد کا نام توحید ہے اور اس کی ضد جس کی کئی قسمیں ہیں شرک۔ شرک کے لغوی معنی کسی کے شریک بنانے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں بھی اسی کو شرک کہتے ہیں یعنی خداوند تعالٰی کی صفات مخصوصہ میں کسی مخلوق کو ساجھی اور شریک سمجھنا اور اعتقاد رکھنا کہ فلاں صفت جو اللہ تبارک تعالٰی میں ہے وہی صفت اسی حیثیت سے بالاستقلال فلاں مخلوق میں بھی ہے یا کسی شخص کو کسی کام کا فاعل حقیقی جاننا یا اس کا کوئی دربان ماننا۔ اور اس وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی مخلوق کو بھی خدا سمجھنا اور یا خدا کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کرنا۔

عبادت کا مفہوم اظہار تذلل ہے۔ جس کی چار صورتیں ہیں قیام کرنا یعنی ہاتھ باندھکر

کسی کے سامنے کھڑے ہونا۔ رکوع کرنا۔ قعدہ کرنا اور سجدہ کرنا یہ چاروں عبادت کی صورتیں خدا ہی کے لئے مخصوص ہیں۔ اب اگر سوائے خدا کے کسی اور کے سامنے اظہار تذلل کی ان صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کی جائے تو اس کا نام شرک ہے۔

یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ جو صفتیں یا چیزیں اللہ پاک نے اپنے واسطے خاص کی ہیں اور اپنے بندوں کے لئے نشان بندگی ٹھیرائی ہیں ان کا کسی اور کے لئے کرنا مثلاً سجدہ کرنا اس کے نام کا۔ جانور رکھنا، قسم کھانی، منت ماننی، مشکل کے وقت پکارنا اور ہر جگہ حاضر وناظر سمجھنا اور قدرت تصرف کی ثابت کرنی ان سب صورتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔

شرک کے اقسام

شرک کی چار قسمیں ہیں۔ شرک فی العلم۔ شرک فی التصرف۔ شرک فی العبادت اور شرک فی العادت۔ شرک فی العلم یہ ہے کہ اس کے علم و قدرت میں کسی اور کو شریک کرنا مثلاً یہ صفتیں اللہ ہی کے لئے خاص ہیں کہ وہ ہر جگہ حاضر وناظر ہے ہر چیز کی ہر وقت خبر گیری رکھتا ہے کوئی چیز اس کے علم سے خارج نہیں خواہ وہ دور ہو یا نزدیک۔ چھپی ہو یا کھلی۔ اندھیرے میں ہو یا اجالے میں۔ آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں اور پہاڑوں کی چوٹی پہ ہو یا سمندروں کی تہ میں ہر ایک چیز کی خبر رکھتا ہے۔ اب جو کوئی یہ صفتیں کسی اور میں بھی ثابت کرے تو یہ شرک فی العلم ہے یعنی اللہ کا سا علم کسی اور میں ثابت کرنا۔

دوسری قسم کی صفتیں جو اللہ کے لئے خاص ہیں یہ ہیں کہ عالم کائنات میں اپنے علم اور ارادہ سے تصرف کرنا۔ اپنا حکم جاری کرنا، اپنی خواہش سے مارنا جلانا۔ روزی کی کشایش و تنگی کرنا صحت و مرض کی حالت طاری کرنا۔ فتح و شکست دینا، کامیابی و ناکامی دینا، اقبال و ادبار دینا۔ مرادیں پوری کرنا۔ بلائیں ٹالنا، مصیبت میں پکار کو سننا، مشکل میں دستگیری کرنا۔ اور برے وقت میں پہونچنا یہ سب کچھ اللہ ہی کے قبضہ و اختیار میں ہے، اور اسی کی شان ہے اس میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں اسکا کوئی صلاح و مشیر نہیں، اس پر کسی کا دباؤ نہیں اور اس کے علم و ارادہ میں کسی کا دخل نہیں ان صفات مخصوصہ میں کسی مخلوق کو خدا کا شریک بنانا اور مذکورہ باتوں کی کسی سے امید رکھنا شرک فی التصرف ہے یعنی اللہ کا سا وصف کسی اور میں ثابت کرنا۔

تیسری قسم کام اللہ کے لئے خاص ہیں، اور جن کو عبادت کہتے ہیں۔ جیسے سجدہ کرنا۔ رکوع کرنا ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا۔ اس کے نام پر مال خرچ کرنا۔ اس کے نام کا روزہ رکھنا۔ اس کے گھر کا طواف کرنا۔ اس کے گھر کی طرف سجدہ کرنا۔ اس پر غلاف ڈالنا۔ اس کی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر مرادیں مانگنا، حجر اسود کو بوسہ دینا وغیرہ اور تعظیم اللہ کے لئے خاص ہیں، یہی باتیں کسی اور کے سامنے کرنی

اور اسی طرح تعظیم و عبادت کرنی جیسی کہ اللہ کے لئے کی جاتی ہے اس کو شرک فی العبادت کہتے ہیں۔
چوتھی قسم کی باتیں جو اللہ کے لئے خاص ہیں یہ ہیں۔ اسلامی تعلیم نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ ہم دنیا کے کاموں میں اللہ کو یاد رکھیں اور ہر کام کا شروع اس کے نام سے کریں۔ اُٹھتے بیٹھتے اُسے پکاریں اُس کے نام کا جانور ذبح کریں اور اولاد کا نام عبداللہ، عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم وغیرہ رکھیں اور اسی کے نام کی قسم کھائیں' ان امور کے خلاف کرنے اور اپنی عادت میں غیر کی تعظیم کو داخل کرنے کو شرک فی العادت کہتے ہیں۔
شرک کی اصولی تقسیم دو طرح پر ہے' شرک فی الذات اور شرک فی الصفات' یعنی اس کی ذات میں کسی کو شریک کرنا یا اس کی صفات مخصوصہ میں کسی کو شریک بنانا حالانکہ وہ اپنی ذات و صفات میں ایک ہے۔

شریک باری تعالیٰ ممتنع و ناممکن ہونیکی وجہ

اللہ تعالےٰ نے خود فرمادیا ہے۔ ارشاد ہے لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا یعنی اگر ایک معبود برحق کے سوا زمین و آسمان میں کئی خدا ہوتے تو زمین و آسمان ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر دو یا کئی صانع ہوں گے تو لازم آئے گا کہ یہ عالم نیست و نابود ہو جائے کیونکہ یہ تو ہم یقیناً مانتے ہیں کہ جو خدا ہوگا اس میں کسی طرح کا نقصان نہ ہوگا۔ اگر نقصان ہوگا تو ہم میں اور اس میں کیا فرق رہا ہم بھی تو بندے اسی سبب سے ہیں کہ ہم میں طرح طرح کے نقصان ہیں اور جس میں نقصان ہوتا ہے وہ آپ سے موجود نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اگر ہم کو اختیار ہوتا تو اپنے لئے ساری خوبیاں موجود کر لیتے جس کو کسی چیز کا اختیار ہوتا ہے وہ اپنے لئے کب کمی کرتا ہے جب یہ بات قرار پائی تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آدھی مخلوقات ایک کی ہو اور آدھی ایک کی کیونکہ اس صورت میں ہر خدا میں آدھوں آدھ کی خدائی میں کمی اور کسر ہوگی۔ اب اگر وہ کامل ہوں گے تو ایک دوسرے پر اس کی کامل تاثیر پڑے گی اگر ایسے دو یا کئی خدا ہوں گے اور مخلوقات مشترک ہوگی تو اسی صورت میں ایک دوسرے کا علم و ارادہ قایم ہی نہیں رہ سکتا اور اگر بروئے کار آئے تو آپس میں تخالف ہونے کی وجہ سے نظام عالم کا درہم برہم ہونا یقینی ہے۔

شرک کی برائی کی وجہ

الوہیت میں اعتقاد شرک کی وجہ سے عبد و معبود کے رشتے ٹوٹتے ہیں دل و دماغ پر بھی خوف و ہراس طاری ہوتا

ہے' انسانی شرف و کمال خاک میں مل جاتا ہے' اور شرک سے ذہنی' اخلاقی اور روحانی تنزل و تسفل کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اقوام و افراد میں اجنبیت، حسد اور تکبر و نخوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اخوت انسانی کی تمام عمارتیں منہدم ہوتی ہیں اور کتبہ الٰہی منتشر ہوتا ہے اور انسان کی علمی و عملی طاقتوں پر جمود و تعطل کی وبا مسلط ہوتی ہے۔ یہ بات ایک مُسلمہ حقیقت اور علمی صداقت ہے کہ صحیفہ قدرت کے کل مظاہر قانون قدرت کی حکومت کے ماتحت ہیں اور مظاہر عالم و اشیاء عالم سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جسے ان قوانین کا علم ہو اور وہ اپنے حالات کو ان قوانین فطریہ کے مطابق کرے لیکن ہمارا یہ علم اور تسخیر اشیاء عالم کی استعداد کسی کام کی نہیں۔ اگر ہمارا یہ ایمان اور عقیدہ ہو کہ اس کائنات کا حکمراں ایک نہیں بلکہ کئی ہیں۔ بہت سے خدا تو ایک دوسرے کے خلاف قانون نافذ کریں گے پھر کس کس کے قانون کو سمجھا جائے اور کس کس کے قانون کی اطاعت کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دُنیا میں آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ نسل انسانی کی اصلاح و فلاح کے تمام راستے چمکا دئے۔ انسانی دل و دماغ کو ایسے باطل خیالات اور غلط معتقدات سے پاک و صاف کر دیا۔ قوائے انسانی کو تیز کر دیا اور نسل انسانی پر شرک و کفر کی ہر طرح بیخ کنی کر کے لامحدود برکات اور خوش حالیوں کے دروازے کھول دئے۔

شرک کی تردید

سے قرآن و حدیث بھرے پڑے ہیں اور ان کے صفحہ صفحہ پر توحید کامل کے جلوے نظر آتے ہیں' مگر ہم یہاں صرف چند آیتیں اور حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

سورہ نسا میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَـرٰۤى اِثْمًا مُّبِيْنًاo

بیشک اللہ تعالیٰ اس جرم کو تو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو گردانا جائے اور اس کے سوا جس کو چاہے معاف کر دے اور جس نے اللہ تعالے کا شریک گردانا تو اس نے بڑا طوفان باندھا جو گُناہ عظیم ہے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَهُنَّ

نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اس خالق السموات والارض کو سجدہ کرو جس نے ان کو بنایا۔

وَلَا یُشْرِكُ فِی حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۝ — وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝ — اور کہہ تعریف ہے اللہ کی جس کی نہ کوئی اولاد ہے نہ اس کے ملک میں اس کا کوئی شریک ہے، اور نہ بوجہ کمزوری کے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کی بڑائی بیان کر۔

اب چند احادیث ملاحظہ ہوں

لا تشرك بالله وان قتلت او حرقت فمن مات لا یشرك بالله شیئا انه دخل الجنة — اللہ کا شریک مت ٹھیرا اگرچہ تو مار ڈالا جائے یا جلا دیا جائے۔ جو اس حالت میں مر گیا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

حدیث قدسی میں اللہ پاک کا فرمان ہے۔

من لقینی بقراب الارض خطیئة لا یشرك بالله شیئا لقیته بمثلها مغفرة — جو کوئی قیامت کے روز مجھے اس حال میں ملے گا کہ زمین کی برابر اس کے گناہ ہوں مگر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو میں اسی کی مثل رحمت و مغفرت سے پیش آؤں گا۔

اب اللہ تعالیٰ کی اور صفات سنئے۔

رکن دوئم

صفات الٰہی

اس کے اصول عشرہ یہ ہیں۔ خدا زندہ ہے۔[1] عالم ہے۔[2] قادر ہے۔[3] صاحب ارادہ ہے۔[4] دیکھتا ہے[5] سنتا ہے[6] بولتا ہے۔[7] حوادث کا محل نہیں۔[8] اس کا کلام قدیم ہے[9] اور اس کا علم و ارادہ بھی قدیم ہے۔[10]

سوال۔ سماعت کے لئے کان۔ بصارت کیلئے آنکھ اور کلام کے لئے زبان اور قوت گویائی کی ضرورت ہے اور یہ مجسم چیزوں کا خاصہ ہے جس سے خدا کی ذات پاک ہے پس اس قسم کی صفات کا کیا مطلب ہے

جواب - جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں مخلوقات سے جدا ہے اسی طرح اس کی صفات بھی مخلوقات سے جُدا ہیں۔ ہم سماعت و بصارت اور کلام میں کان آنکھ اور زبان کے محتاج ہیں مگر یہ مخلوقات کا خاصہ ہے نہ کہ واجب الوجود کا۔ دراصل بات یہ ہے کہ انسان خدا کی صفات کا صحیح طور پر ادراک کر ہی نہیں سکتا لامحالہ وہ خدا کی صفات کو اپنی صفات پر قیاس کرنے لگتا ہے۔

خدا کی ہستی کا تصور اس کی صفات کے تصور سے الگ نہیں ہو سکتا کیونکہ انسانی عقل ذات مجرّد کے تصور سے عاجز و درماندہ ہے۔ وہ جب اس کی ذات کا تصور کرنا چاہے تو اس کے تصور میں اس کی صفتیں ہی آتی ہیں۔ اب صفات کے تصور میں یہ مشکل ہے کہ خدا کی صفات ہماری صفات سے الگ ہیں انسان جب چاہتا ہے کہ اپنے خالق و معبود کی شکل و شباہت دیکھے اور صفات الٰہی کا نقشہ کھینچے تو اس کا ذہن و فکر اپنے ذہن و تصورات کے آئینہ میں خود اپنا ہی چہرہ دیکھنا چاہتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:-

واعلم ان الحق تعالیٰ اجل من ان یقاس بمعقول او محسوس او یحل فیه صفات لحلول الاعراض فی محالها او تتناوله الالفاظ العرفیه ولا بد من تعریفه الی الناس لیکملوا کمالهم الممکن لهم فوجب ان تستعمل الصفات بمعنی وجود مبادیها فمعنی وجود غایاتها لا بمعنی وجود مبادیها فمعنی الرحمة افاضه النعم لا انعطاف القلب والرقة وان تستعار الفاظ تدل علی تسخیر الملک لمدینة تسخیره بجمیع الموجودات اذ

جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ اس سے بلندتریں ہے کہ اس کو عقل و حواس سے قیاس کیا جا سکے یا وہ دیگر اعراض کی طرح محل صفات ہو اور اس کو الفاظ عرفی پا سکیں پس ضروری ہے کہ اس کی تعریف اس طرح کی جائے کہ اس کے کمال کی تصویر ذہن انسانی میں کھینچ جائے پس ضروری ہوا کہ صفات کا استعمال کیا جائے مگر اس طور پر کہ اُن سے مراد صفات کی غایات ہوں نہ کہ بمعنی مبادی لہٰذا خدا کی رحمت کے معنے نعمتوں کا فیضان ہے نہ کہ قلب کی رقت اور اس کی تسخیر و قوت کے لئے استعارات بھی لئے جائیں واسطے تمام موجودات کے جیسا ان معانی کو ادا کرنے کا اس سے زیادہ کوئی فصیح طریقہ نہیں اور تشبیہات کا اس

لا عبارۃ فی ھذا المعنی فصح من ھذہ وان تستعمل تشبیھا بشرط ان لایقصد الی انفسھا بل الی معان مناسبۃ لھا فی العرف۔

شرط سے استعمال کیا جائے کہ ان سے مقصود حقیقی معانی نہ ہوں بلکہ شان الوہیت کے مناسب معانی لئے جائیں۔

... ...

... ...

خدا کی صفات کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کے صفات مذکورہ کو محض آثار کی مشابہت کی وجہ سے مخلوق کی صفات کے ساتھ محض اسمی شارکت ہے حقیقت کے اعتبار سے پورا پورا اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیونکہ خدا کی صفات قدیم ہیں اور مخلوق کی حادث۔

شیخ حسین آفندی فرماتے ہیں۔

ان الصفات التسع التی تقدم اثبات وجوبھا لہ تعالٰی فاستحالۃ اضدادھا وھی ای تلک الصفات الوجود والارادۃ والقدرۃ والعلم والقدم والبقاء والمخالفۃ للحوادث وقیامہ لنفسہ والوحدانیۃ وان کان علیھا مدار الالوھیۃ ووجود الہ متصف بھا یکفی فی توجیہ وجود ھذا العالم ویقنع العقل السلیم لکننا اذا تاملنا بعد ذالک فی شان ھذا الالہ سبحانہ و فی بدیع مصنوعاتہ وما حتوت علیہ من کمال الاتقان والاحکام بحیث انہ سبحانہ اعطی کل

اتنی ہی صفات جو خدا تعالےٰ کے لئے ثابت ہوئیں۔ ہرچند کہ خدائی کا مدار ٹھہر سکتی ہیں اور وہ صفات وجود، ارادہ، قدرت، علم۔ قدم۔ بقا۔ حوادث کے ساتھ مخالفت، اس کا بنفسہ قائم ہونا۔ وحدانیت، اور حیات ہیں۔ اگر خدا صرف انہیں صفات کے ساتھ متصف ہو تب بھی وجود کائنات کی علت بننے کے لئے کافی سمجھا جا سکتا ہے، لیکن ہم نے خدائے پاک کی شان میں اور بھی غور کرنا شروع کیا اور اس کی عجیب و غریب مصنوعات اور ان کی کمال پائداری میں تامل کیا تو معلوم ہوا کہ جب اس کی مصنوعات میں یہ کمال موجود ہو تو کیا وہ خدائے پاک صفات کمالیہ میں سے کسی صنعت

شیٔ کمالہ وکل مایقوم بوجودہ ویصلح لشانہ نجذم بانہ اذا کانت مصنوعاتہ فی ھذا الکمال فمن المستحیل ان یکون ھو سبحانہ ناقصا لاننا فی جمیع ماتصورہ لاتحد الشیٔ

میں خود ناقص بھی ٹھہر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ جہاں تک ہم خیال کر سکتے ہیں۔ کسی کو ایسا نہیں پاتے کہ اپنے مثل کوئی شے ایجاد کر سکے۔

. . . .

فنعتقد انہ سبحانہ وتعالیٰ سمیع بصیر متکلم بل متصف بکل صفۃ کمال یلیق لشان الالوھیۃ و یستحیل علیہ تعالیٰ الصمم والعمی والبکم وھو الذی ابدع السمع وانار البصر واطلق اللسان بالکلام کما یستحیل علیہ تعالیٰ ان یکون ناقصا الخ (الحصون الحمیدیہ صفحہ ۱۳)

پس ہم اس کے معتقد ہو گئے کہ خدا ضرور سمیع بصیر، متکلم اور تمام صفات کمالیہ کے ساتھ جو اس کے ذات کے شایاں ہیں متصف ہے اس لئے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ وہ بہرا اندھا اور گونگا ہو اور پھر اسی نے قوت سمع کو پیدا کیا ہو۔ آنکھوں کو روشن کیا ہو۔ کلام کے ساتھ زبان کو جاری کیا ہو اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ صفت کمالیہ میں ناقص ہو۔

پس ہم خدا کی جتنی صفات کے متعلق اعتقاد رکھتے ہیں وہ حوادث یعنی مخلوقات کی سی صفات نہیں اور نہ حقیقت میں ان کے مشابہ ہیں۔ صرف آثار کی مشابہت کی وجہ سے مشارکت اسمی ہے خدا سننے میں ہماری طرح کان کا محتاج نہیں بلکہ یہ صفت اس کی قدیم ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قایم ہے جس سے کہ تمام مسموعات اس پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس کا دیکھنا آنکھ کی تپلی پر موقوف نہیں بلکہ وہ بھی صفت قدیم ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس سے کہ تمام مبصرات اس کے نزدیک منکشف ہو جاتے ہیں اور اس کا کلام ہماری طرح آواز اور حرف کا محتاج نہیں بلکہ یہ بھی صفت قدیم ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی مخلوقات میں سے جس کسی کو جو کچھ سمجھانا چاہتا ہے سمجھا سکتا ہے اسی پر باقی صفات علم، ارادہ، قدرت اور حیات وغیرہ کو قیاس کرنا چاہیئے۔

سوال۔ خدا کی صفات ذاتیہ اور فعلیہ کو بھی سمجھا دیجئے۔

جواب۔ صفات کی دو قسمیں ہیں ذاتیہ اور فعلیہ ذاتیہ تو وہ ہیں جن کو ہم نے رکن اول میں بیان کیا ہے اور فعلیہ وہ جو رکن دوم میں بیان ہوئیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جس صفت سے اللہ تعالےٰ موصوف ہو سکے اور اس کی ضد سے پاک ہو وہ ذاتیہ ہیں مثلاً خدا علیم ہے مگر اس کی ضد جہل

سے متصف نہیں ہو سکتا اور فعلیہ اس کے برعکس ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ضد سے بھی متصف ہو سکتا ہے مثلاً اللہ پاک زندہ کرنیوالا ہے اور اس کی ضد سے موصوف ہے یعنی مارنیوالا بھی وہی ہے۔

سوال۔ خدا کی صفات کے متعلق ہمیں کیا عقیدہ رکھنا چاہئے۔

جواب۔ جس طرح خدا کی ذات ازلی و ابدی ہے اسی طرح اس کی صفات بھی ازلی و ابدی ہیں۔ یہ صفات نہ اس کی عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات اور نہ یہ صفات مخلوق ہیں۔

سوال۔ کتاب و سنت میں خدا کی نسبت ہاتھ، پاؤں اور قدم کے الفاظ آئے ہیں، ان سے حقیقی معنے مراد ہیں یا مجازی۔ نیز قرآن میں ہے، خدا عرش پر برابر ہے۔ جدھر رُخ کرو ادھر ہی خدا کا مُنہ ہے اور وہ تمہاری رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کسی خاص جگہ میں ہے یا جگہ سے مبرّا ہے۔ پہلی صورت میں اس کا جسم ہونا لازم آتا ہے اور دوسری صورت میں ایک خاص موجود ذات کی نسبت یہ کہنا کہ وہ ہر جگہ ہے محال عقلی نظر آتا ہے۔ اس لئے ذرا اس کی تفصیل کر دیجئے۔

جواب۔ آپ کا سوال تفصیل طلب ہے لہذا ہم اسے حسب ذیل عنوان کے ماتحت بیان کرتے ہیں۔

نورِ الٰہی کے دو بُنیادی اصُول۔

تجسم و تنزّہ

خدائے قدوس نے عاجز انسان اور اس کی درماندہ و نارسا عقل کو اپنی کامل معرفت کا علم دینے کے لئے اپنی ذات و صفات کو قرآن مبین میں دو طرح سے بیان کیا ہے اول اسی طور پر کہ اس کی صفات استعارہ کے طریق پر مخلوق کی صفات کے مشابہ معلوم ہوتی ہیں اور جو تجسم پر دلالت کرتی ہیں مثلاً اس کی آنکھیں بھی ہیں، اس کی ساقیں بھی ہیں، اس کے کان بھی ہیں، قیامت کے دن خدا فرشتوں کے جھرمٹ میں آئے گا۔ آٹھ فرشتے اس کا تخت اٹھائے ہوئے ہوں گے، اور دوزخ کی تسکین کیلئے خدا اپنی ران دوزخ میں ڈال دیگا۔ اس قسم کی بیسیوں باتیں ہیں جو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں وارد ہیں اور جن میں کثرت کے ساتھ تشبیہ کے الفاظ آئے ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن و احادیث سے رحیم و کریم ہونا بھی ثابت ہے، وہ محسن بھی ہے، غضب بھی رکھتا ہے اور اس میں محبّت بھی ہے۔

چونکہ خدا تعالےٰ نے انسان کو اپنی ان تشبیہی صفات کا علم دیا ہے جن کے ساتھ بظاہر انسان کی شراکت نظر آتی ہے اور یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ گویا انسان ان صفات میں خدا سے مشابہ ہے اس لئے اللہ پاک نے ان تشبیہی صفات کے مقابلہ میں اپنی تنزیہی صفات کا بھی ذکر کر دیا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو اپنی ذات و صفات میں انسان کی ذات و صفات سے کسی طرح کی بھی مشابہت اور شراکت نہیں اور خدا اپنی صفات میں انسان سے بالکل علیحدہ ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جن میں تصریح کیساتھ تنزیہ تقدیس بیان کی گئی ہے جن میں سے ایک آیت یہ ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۔ یعنی کوئی چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں اور وہ سُننے والا دیکھنے والا ہے۔

سوال ۔ اگر اسلام کا مقصد صفات خداوندی کے بارہ میں محض تنزیہ اور تجرید تھا تو قرآن مجید اور احادیث میں کثرت کیساتھ تشبیہ کے الفاظ کیوں آئے؟ جس سے فرقہ مجسمہ پیدا ہو گیا اور عوام الناس کو طرح طرح کے شکوک پیدا ہونے کا امکان ہے اور شارع نے صاف صاف کیوں نہ کہدیا کہ خدا نہ متصل ہے نہ منفصل، نہ جوہر ہے نہ عرض اور نہ عالم ہے نہ عالم سے باہر اگر اس قسم کی تصریحات موجود ہوتیں تو کسی کو تشبیہ کا خیال نہ ہوتا اور اسلام کے متعلق بہت سے اعتراضات کی جڑ کٹ جاتی؟

جواب ۔ اگر ایسا ہوتا تو سرے سے کوئی خدا کی ہستی کا قائل ہی نہ ہوتا۔ عقل انسانی بہر صورت خدا کی ہستی کے اعتراف پر تو مجبور ہے مگر انسان کا یقین و اعتقاد کامل تنزیہ کی صورت میں خدا ناممکن اور محال بن جاتا ہے۔ لسان العصر اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا　　　میں جان گیا بس تیری پہچان یہی ہے

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اس عقدہ کو اس طرح حل فرماتے ہیں کہ بے شبہ قرآن و حدیث میں اس قسم کے الفاظ موجود ہیں لیکن یکجا نہیں ہیں بلکہ جستہ جستہ مقامات پر ہیں اور چونکہ تنزیہ کے مسئلہ کو شارع نے نہایت کثرت سے بار بار بیان کر کے دلوں میں جانشین کر دیا تھا اس لئے تشبیہ کے الفاظ سے حقیقی تشبیہ کا خیال نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ کعبہ خدا کا گھر ہے اس سے کسی شخص کو یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ خدا درحقیقت کعبہ میں سکونت رکھتا ہے اسی طرح قرآن کی آیتوں سے بھی جن میں عرش کو خدا کا مستقر کہا ہے خدا کے استقرار علی العرش کا خیال نہیں آسکتا۔ کسی کو آئے تو اس کی یہ وجہ ہو گی کہ اس نے تنزیہ کی آیتوں کو نظر انداز کر دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کو جب استعمال فرماتے تھے تو انہیں لوگوں کے سامنے فرماتے تھے جن کے ذہنوں میں تنزیہ و تقدیس خوب جاگزیں ہو چکی تھی۔

اس قسم کی تقدیس عام لوگوں کے خیال میں نہیں آسکتی تھی عام لوگوں کے نزدیک کسی چیز کی

نسبت یہ کہنا کہ نہ وہ عالم میں ہے نہ عالم سے باہر گویا یہ کہنا ہے کہ وہ شے سرے سے موجود ہی نہیں بے شبہ خواص کے ذہن میں یہ تقدیس آسکتی ہے لیکن شارع کو تمام عالم کی اصلاح مقصود تھی جن میں بڑا حصہ عوام ہی کا تھا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ تشبیہ کے قائل تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ عقیدے کی رو سے خدا کا ممکن الوجود ہونا لازم آتا ہے حالانکہ خدا واجب الوجود ہے انہوں نے کہا کہ میرے عقیدے کے موافق خدا موجود تو ہوگا گو ممکن الوجود سہی، مگر تمہارے اعتقاد کے موافق تو وہ ممکن بھی نہیں رہتا بلکہ ناممکن اور محال بن جاتا ہے کیونکہ ایسی شے جو ہر جگہ ہو اور کہیں نہ ہو، عالم سے خارج بھی نہ ہو اور عالم میں بھی نہ ہو اور متصل ہو اور نہ منفصل، نہ ذو مکان ہو نہ ذوجہتہ سرے سے ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ ارتفاع النقیضین ہے، اور ارتفاع النقیضین محال ہے۔ (الغزالی صفحہ ۸۰)

سوال۔ کیا دیگر مذاہب میں بھی خدا کی ذات وصفات کے متعلق تنزیہ و تشبیہ پائی جاتی ہے؟

جواب۔ دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں سب میں خدا کو بالکل انسانی اوصاف کے ساتھ مانا گیا ہے۔ ویدک دھرم کی نسبت اگر معلوم کرنا ہو تو ویدک ایشور کا حلیہ ملاحظہ کیا جائے جو ہم نے اسی کتاب میں کسی جگہ پیش کیا ہے اور جس میں چاند اور سورج کو آنکھیں اور رات و دن کو اس کی بغلیں بتایا ہے۔ اور توراۃ میں تو یہاں تک ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک رات ایک پہلوان سے کشتی لڑے اور اس کو زیر کیا۔ اس کشتی میں پہلوان کی ران میں چوٹ بھی آئی۔ صبح کو معلوم ہوا کہ وہ پہلوان خود خدا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس انجیل میں بھی اس قسم کی سینکڑوں باتیں مذکور ہیں لیکن اسلام چونکہ تمام الہامی و غیر الہامی مذاہب سے اعلیٰ و اکمل ہے اس لئے اسلام نے خدا کو انسانی اوصاف سے بالکل بری قرار دیا ہے البتہ کہیں کہیں اس کے خلاف تشبیہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں مگر وہ حقیقت میں محاورات و استعارات ہیں۔ دیگر مذاہب میں پوری پوری تجسّم و تمثیل ہے اور خدا بالکل انسانی اوصاف کے ساتھ متصف نظر آتا ہے۔ مگر اسلام کی خوبی، برتری اور کمال یہ ہے کہ اس نے خدا کا تصور کرانے کیلئے تنزیہ و تقدیس بیان کر کے انسان کو ہر طرح کے ریب و شک سے بالاتر کر دیا ہے اور اسلام میں تصور الٰہی دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ شائستہ اور بلند ہے۔

دنیا میں جتنے مذاہب ہیں ان کی تعلیمات پر غور کرنے سے یہ حقیقت مبرہن ہو جاتی ہے کہ انسانی فکر و عمل نے روحانی تصورات اور خصوصاً تصور الٰہی میں بہ تدریج پستی سے بلندی اور نقص سے کمال کی طرف ترقی کی ہے اور ادیان عالم تصور و اعتقاد کا ایک تدریجی ارتقاء کا سلسلہ پیش کرتے ہیں جوں جوں انسان کی فکری و معنوی استعداد ترقی کرتی گئی خدا کا تصور شائستہ اور بلند ہوتا گیا بالآخر اسلام نے دنیا میں آکر اس سلسلہ

کی تکمیل کی آخری کڑی نمایاں کر دی۔
ادیان عالم میں صفات الٰہی میں تبدیلیاں ہوتی رہیں اور انسان ہر تبدیلی کے بعد اپنے خالق و معبود کی شکل و شباہت بھی بدلتا گیا۔ ہر تبدیلی کے بعد ایک نئی صورت کا خدا سامنے آتا تھا مگر اسلام نے دنیا میں آکر انسانی ذہن و فکر کے سامنے خدا کی صحیح تصویر کھینچی اور بندوں کو خدا سے روشناس کرایا ورنہ اس سے پہلے انسان اپنی ہی صورت کے پجاری تھے۔

سوال۔ اگرچہ مذکورہ بالا تفصیلات سے تشبیہی صفات کے متعلق اسلام پر جس قدر اعتراضات ہو سکتے ہیں سب کی جڑ کٹ گئی ہے تاہم یہ اور بتلا دیجئے کہ خدا کے عرش پر قرار پکڑنے کے کیا معنی ہیں اس کی روایت کی کیا حقیقت ہے اور کرسی کے کیا معنی ہیں؟

جواب۔ ہم ان تینوں امور پر علیٰحدہ علیٰحدہ روشنی ڈال کر ان کی حقیقت ذہن نشین کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے عرش پر قرار پکڑنیکا مطلب

اس قسم کا مضمون متشابہات میں داخل ہے۔ بیشک خدا تعالیٰ عرش پر برابر ہے، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہے۔ خدا تعالیٰ صاحب تخت ضرور ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ جسمانی اور جسم ہے اور عرش کا محتاج ہے، بلکہ عرش سے مراد وہ مقدس بلندی کی جگہ ہے۔ جو اس جہان سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ درحقیقت خدا کو عرش پر کہنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ مالک الکرسی ہے۔

علامہ کمال بن الہمام فرماتے ہیں۔

کیونکہ استواء کی حقیقت عوام کے فہم سے بالاتر ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اس کے معنے استیلاء اور لوازم جسمیہ کے خلاف ہوں تو ایسی صورت میں اس کے معنی استیلاء کے لینا جائز ہے۔

حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

پس ثابت ہو گیا کہ استواء علی العرش سے مراد خدا کا عرش پر قائم ہونا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کمال قدرت اور تدبیر ملک و ملکوت ہے۔

یہ ناممکن ہے کہ ثم استوی علی العرش کو ظاہری معنوں پر رکھا جا سکے اور اس کے معنے عرش پر بیٹھنے اور قرار پکڑنے کے لئے جا سکیں۔ (تفسیر کبیر)

جس آیت سے خدا تعالیٰ کا عرش پر قرار پکڑنا نکلتا ہے وہ یہ ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ	تمہارا پروردگار وہ خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا اور پھر اس نے عرش پر قرار پکڑا۔

اس کی تفسیر میں حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

ان نقطع بکونہ تعالٰی متعالیًا عن المکان والجھۃ ولا نخوض فی تاویل الآیۃ علی التفصیل بل نفوض علمھا الا اللہ	یہ تو قطعی طور پر ہے کہ اللہ تعالٰی مکان اور جہت سے عالی ہے مگر ہم آیت کی تفصیل و تاویل نہیں کرتے بلکہ اس کا علم اور حقیقت خدا پر چھوڑتے ہیں۔

امام رازی کا یہی مذہب ہے اور آپ نے اسی پر اعتماد کیا ہے لیکن چونکہ اس مسئلہ میں سوائے تاویل کے چارہ نہیں اور یہ امر جائز ہے کہ عوام الناس کی تفہیم کے لئے کوئی عام فہم تاویل کی جائے اس سبب سے اس آیت کی تفسیر میں دو مذہب ہیں ایک تو وہی جو اوپر مذکور ہوا اور دوسرا مذہب امام صاحب نے یہ بتلایا ہے۔

قول ثانی اس میں یہ ہے کہ آیت کی تفصیل میں غور و خوض کرنا چاہئے اس میں بھی دو قول ہیں ایک تو وہ جو قفال علیہ الرحمتہ کا قول ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ عرش عربی زبان میں بادشاہی اور ملک کو کہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ بادشاہ کا ملک خلل پذیر ہوگیا۔ یہ اس وقت کہتے ہیں کہ جب اس کی بادشاہی میں خلل آجائے۔ اور کبھی عرش سے مراد اس کا امر بادشاہی اور حکم ہوتا ہے اور کبھی تخت نشینی۔

(تفسیر کبیر ج ۴۔ صفحہ ۴۳۳)

لفظ "عرش" کی استعمال کی مختلف صورتیں بتلا کر امام صاحب لکھتے ہیں۔

انما المراد منھا تعریف المقصود علی سبیل الکنایۃ فکذا ھٰھنا یذکر الاستواء علی العرش والمراد نفاذ القدرۃ وجریان المشیۃ	ان الفاظ سے مراد کنایہ کے پیرایہ میں مقصود کی تعریف ہے اسی طرح یہاں استوی علی العرش کو ذکر کیا گیا ہے جس سے مراد نفاذ قدرت اور ارادہ کا جاری ہونا ہے۔

غرض آیت مذکورہ میں استوی علی العرش کا لفظ بطور کنایہ کے استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے زمین و آسمان پیدا کرکے اور اپنی تشبیہی صفات کا ظہور فرما کر تنزیہی صفات اختیار کرنے کے لئے مقام بلند اختیار کر لیا۔ یعنی تنزیہی صفات بھی ثابت کر دیں اس میں جو درا الورا مقام

اور مخلوق کے قرب وجوار سے دور تر اور بلند تر مقام ہے اسی کو "عرش" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جس کی واضح تر تشریح یہ ہے کہ جب تمام مخلوق پردہ عدم میں مستور تھی اور سوائے خدا کے کچھ نہ تھا تو خدا تعالیٰ دراء الوراء مقام میں جس کا نام اصطلاح قرآنی میں "عرش" ہے اپنی تجلیات ظاہر کر رہا تھا پھر اس نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے پیدا کیا تو پھر اس نے اپنے تئیں مخفی کر لیا اور یہ چاہا کہ وہ ان مصنوعات کے ذریعہ پہچانا جائے۔ مختصر یہ کہ عرش کوئی مخلوق چیز نہیں صرف تنزہ وتجرد کے دراء الوراء مرتبہ کا نام ہے۔ نیز قرآن شریف میں جہاں جہاں لفظ عرش استعمال ہوا ہے اس سے مراد خدا کی عظمت و جبروت تنزیہ و تقدیس اور بلندی و برتری ہے اس بناء پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب خدا تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کر دیا اور اس کی تمام صفات ظہور میں آگئیں تو گویا اللہ تعالیٰ اپنے تخت ربوبیت پر پوری شان کیساتھ جلوہ گر ہو گیا۔ یعنی کوئی صفت صفات لازمۂ الوہیت ایسی نہ رہی جس کا ظہور نہ ہو چکا ہو پس گویا خدا تعالیٰ کا تخت پر بیٹھنا صفات خالقیت، ربوبیت، رحمانیت، اور رحیمیت کو دنیا پر نافذ کرنا اور ظہور میں لانا ہے۔ اسی کا نام عرش ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اس کے تخت کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور قیامت میں آٹھ ہوں گے اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں سے مراد خدا کی چار صفتیں ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالک یوم الجزا ہونا ہے سو یہ چاروں صفات استعارہ کے رنگ میں چار فرشتے قرار دیئے گئے ہیں یا یہ کہ ان چار صفتوں پر چار فرشتے موکل ہیں جو دنیا پر ان صفات کو ظاہر کرتے ہیں اور قیامت کے روز چونکہ یہ بے پردہ ہوں گے لہٰذا ان کو آٹھ سے تعبیر کیا گیا۔

سوال۔ جب خدا تعالیٰ کی صفات ازلی و ابدی ہیں تو کیا زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے اسکی صفات کا ظہور نہ تھا، اگر تھا تو پھر ثم استوی علی العرش کے کوئی معنے نہیں رہتے اور اگر نہ تھا تو اس کی صفات ازلی و ابدی نہیں رہتی لہٰذا حقیقت حال بتلائیے۔

جواب۔ جب دنیا وغیرہ نہ تھی۔ تب بھی عرش تھا۔ تجلی اول کی نسبت قرآن میں ہے کان عرشہ علی الماء یعنی اس کا عرش پانی پر تھا۔ مگر یہ ایک مجہول الکنہ حقیقت ہے کہ پانی سے کیا مراد ہے تجلی دوئم کے متعلق ثم استوی علی العرش کے الفاظ ہیں مطلب یہ کہ زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے پہلے وہ تخلیق عالم پر قادر تھا مگر بالفعل موجد اور مکون نہ تھا۔ اگرچہ اس کی صفات ازلی ہیں مگر جب مخلوق ہو تو خالق کو پہچانے اور محتاج ہو تو رازق کو شناخت کرے جب اللہ تعالیٰ نے دنیا پیدا کر دی اور اس کی صفات کا ظہور ہو گیا تو گویا وہ تخت ربوبیت پر بیٹھ گیا اور لوازم الوہیت پوری شان کے ساتھ ظاہر ہو گئے پس ثم استوی علی العرش سے اس تجلی کی طرف اشارہ کیا ہے جو زمین و آسمان کی

پیدایش کے بعد ہوئی۔

عرش کی نسبت مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی بحث عبث ہے کیونکہ یہ کوئی مادی چیز نہیں بلکہ ایک روحانی حقیقت ہے اور صفات خداوندی میں داخل ہے بس جو کوئی اس حقیقت کو نہ پہنچ سکے اور نہ اسے بیان کر سکے اس کے لئے یہ طریقہ اولیٰ و افضل ہے کہ اس پر ایمان رکھے اور اس کو ایک مجہول الکنہ حقیقت سمجھکر اصل حقیقت کو خدا کے سپرد کرے یہی طریقہ اطاعت خوب ہے اور اسی پر اہل السنتہ کا اتفاق ہے اگر تسلیم و رضا کے اس طریقہ کو چھوڑکر تفصیل و تاویل میں پڑجائیگا تو اطمینان کلی کسی حالت میں بھی نصیب نہ ہوگا۔

دیدارِ الٰہی

قیامت کے دن مومنین کو خدا کا دیدار ہوگا جو عقلی اور نقلی دونوں طور پر ثابت ہے اس لئے اس پر بھی ایمان رکھنا چاہئے۔ عقلاً اس طرح کہ جو چیز موجود ہو۔ وہ خارج عن الذات ہے۔ اگر خدا موجود ہے اور یقیناً ہے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ خدا جائز الرویتہ ہے اور اس جہان میں اس کا نظر نہ آنا اس کے ممتنع الرویتہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ ہماری ان ظاہری آنکھوں کے سامنے ہزارہا موانعات اور حجاب حائل ہیں اور ان آنکھوں میں اس قدر استطاعت نہیں کہ اس دنیا میں ان ظاہری آنکھوں سے اس کا دیدار ہو سکے ہاں قیامت کے روز یہ تمام موانعات حجاب دور ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ایک ایسا حاسہ پیدا فرماویگا جس سے خدا کا دیدار ہو سکے۔

مگر ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ خدا کے دیکھنے کی آنکھیں اور اس کے دریافت کرنے کے حواس اس جہان میں ملتے ہیں۔ اور یہ آنکھیں اور حواس اس دنیا میں عبادت و ریاضات سے پیدا ہوتے ہیں جو اس جگہ سے دیکھنے والے حواس نہ لے جائے گا وہ وہاں اندھا اٹھیگا۔ اللہ پاک نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى جو شخص اس جہان میں اندھا ہو وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہوگا۔ بلکہ اندھوں سے بدتر۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انکم سترون ربکم مثل ھذا القمر لا تضامون فی رویتہ تم قیامت میں اپنے پروردگار کو اس چاند کو دیکھنے کی طرح دیکھو گے اور پروردگار کے دیکھنے میں کوئی اژدحام اور مزاحمت نہ ہوگی۔

جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشتی لوگ اپنے خیال میں ہوں گے کہ یکایک ایک نور چمکے گا پس وہ اپنا سر اٹھائیں گے کہ ناگہاں اللہ پاک اپنا جلوہ فرمائے گا اور ان سے فرمائیگا کہ اے اہل بہشت اسلام علیکم پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی فرمانا اللہ تعالےٰ

کا کہ خدائے مہربان کی طرف سے سلام ہے۔ پھر فرمایا اللہ تعالےٰ ان کی طرف دیکھے گا اور وہ خدا کو دیکھیں گے اور وہ دیدار خداوندی کی لذت میں ایسے محو ہوں گے کہ وہ جنت کی کسی چیز کی طرف التفات نہ کریں گے۔

علاوہ ازیں خدا کے دیدار ہونے پر بہت سے عقلی اور نقلی ثبوت ہیں اور یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ اہل ایمان خدا تعالےٰ کو قیامت کے روز بغیر کیف بغیر احاط و ادراک اور بغیر مثال کے دیکھیں گے اور جب خدا کا دیدار کریں گے تو جنت کی سب نعمتوں کو بھول جائیں گے اور خدا کے جائز الرؤیۃ ہونے میں کوئی استحالہ نہیں۔

کرسی کی حقیقت

وہ آیۃ جس میں "کرسی" کا ذکر ہے یہ ہے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یعنی اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کا احاطہ کر لیا۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے چار اقوال ہیں۔

اول یہ کہ کرسی سے مراد ایسا جسم عظیم ہے جو آسمانوں اور زمینوں کو گھیرے ہوئے ہے پھر اس قول میں بھی اختلاف ہے حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ کرسی بھی عرش کے معنوں میں ہے اور دونوں نے بادشاہی اور ملک کے لئے کنایہ لیا جاتا ہے اور عرش و کرسی دونوں ایک ہی چیز ہیں اور بعضوں کا قول ہے کہ کرسی عرش سے جدا ایک جسم عظیم ہے جو ساتویں آسمان پر عرش کے اوپر ہے بعضے کہتے ہیں کہ ساتویں آسمان کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ کرسی سے مراد "روح اعظم" کے قدم رکھنے کی جگہ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ملک عظیم ہے۔

دوئم یہ کہ کرسی سے مراد سلطنت، قدرت، اور ملکیت الٰہی ہے۔

تیسرے یہ کہ کرسی سے مقصود خدا تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی تصویر ہے اور اسی کو قفالؒ نے اختیار کیا ہے اور اسی کو ابی السعودؒ نے اختیار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ھو تمثیل لعظمۃ شانہ عزوجل وسعۃ سلطانہ واحاطۃ علمہ بالاشیاء یعنی وہ خدا کی عظمت شان، وسعت سلطنت اور احاطت علم کی تمثیل ہے۔

چوتھے یہ کہ کرسی سے مراد علم الٰہی ہے یعنی اس کے علم نے آسمان و زمین کو گھیر رکھا ہے۔

ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد امام رازیؒ فرماتے ہیں۔

اس سے مقصود اللہ کی عظمت و کبریائی کی تعریف ہے یہ قطعی ہے کہ اللہ پاک اس بات سے منزہ ہے کہ وہ کسی میں ہو۔ ایسا ہی کلام عرش و کرسی کا ہے۔ یہ جواب (قول سوئم) اگرچہ روشن ہے

مگر معتمد علیہ قول اول ہی ہے کیونکہ الفاظ کو بغیر دلیل کے ظاہری معنوں سے پھیرنا ناجائز ہے (تفسیر عزیزی صفحہ ۴۱)

غیر مسلم حضرات کے اعتراض کے جواب میں ان اقوال میں سے کوئی قول اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن مسلمانوں کو قول اول پر ہی اعتماد کرنا چاہئے اور حقیقت حال خدا پر چھوڑنی چاہئے کیونکہ عرش کی طرح یہ بھی ایک مجہول الکنہ روحانی حقیقت ہے۔

خلاصہ ما فی الباب ذات وصفات خداوندی کے متعلق ہمیں وہ ہی عقیدہ رکھنا چاہئے جو ہم کسی جگہ بیان کر چکے ہیں یعنی ذات وصفات خداوندی کے متعلق جو کچھ قرآن نے بیان کیا ہے اور یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مسئلہ کی جس حد تک تشریح وتفسیر کر دی ہے اسی پر ایمان لانا چاہئے اور اپنی عقل وقیاس اور استنباط سے ان کی تشریح وتفسیر نہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ جن عقائد کی تفصیل، سربستہ اسرار اور عقیدہ ہائے مشکل سے قرآن وحدیث خاموش ہیں ان کا جاننا صحت اسلام کے لئے ضروری نہیں نہ ان کو ہماری عملی زندگی سے کوئی تعلق ہے اور ان کا تعقل انسانی فہم وادراک سے باہر ہے۔

اسلام کے گمراہ فرقے اس لئے صراط مستقیم سے بھٹکے کہ وہ مذکورہ بالا اصول پر قائم نہیں رہے اور ان کی عقل نے مذہب سے جو کچھ جواب مانگا تو بلا سوچے سمجھے مذہب میں تلاش کرنے لگے اور جھٹ نصوص شرعیہ کی تاویل کرنے لگے حالانکہ انہیں عقل وادراک کی سرحد پر پہنچکر ٹھہر جانا چاہئے تھا۔ پس صفات باری کے متعلق اہل السنتہ کا مسلک ہی صحیح ہے چنانچہ سفیان ثوریؒ۔ مالک بن انسؒ ابن عیینہؒ اور ابن المبارکؒ وغیرہ آئمہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ یومن بھا ولا یقال کیف صفات الٰہی پر ایمان لایا جائے مگر ان کی کیفیت وحقیقت دریافت نہ کیجائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحقیق سے منع کر دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے تفکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق یعنی مخلوق میں تو غور وفکر کرو مگر خالق میں نہ کرو۔ اس کی وجہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب یہ فرماتے ہیں۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان کو غور وخوض کرنے کی اجازت دی جاتی تو خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو گمراہ کرتے اور بہت سی صفات ایسی ہیں کہ اگرچہ ان سے خدا کا وصف کیا جانا فی الاصل صحیح تھا لیکن کفار نے ان الفاظ کو غیر محل پر حمل کیا اور گمراہانہ خیالات ان میں پھیل گئے اس لئے اسلامی شریعت کے لئے اس مفسدہ اور گمراہی کا سد باب کرنا ضروری تھا اور بہت سی صفات ایسی ہیں جن سے خلاف مراد ظواہر کے لئے استعمال کرنا سمجھا جاتا ہے پس واجب ہوا کہ ان سے احتراز

کیا جائے ان وجوہات کی بنا پر شریعت نے صفات باری کو توفیقی ٹھیرایا ہے اور اپنی رائے سے ان میں غور و فکر کرنا جائز نہیں رکھا۔ (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۵۱)

پس اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ جن عقائد کی قرآن و حدیث نے تفصیل و تشریح نہیں کی ان میں اپنے عقل و قیاس کو دخل نہ دیا جائے۔

رکن سوم

افعال الٰہی

اس کے اصول عشرہ یہ ہیں۔ افعال عباد کا مالک خدا ہے۔ افعال عباد ان ہی کے مکتسب ہیں۔ خدا نے ان افعال کا ہونا چاہا۔ خدا نے خلق اختراع جو کیا یہ اس کا احسان ہے۔ خدا کو جائز ہے کہ تکلیف مالایطاق دے۔ خدا کو جائز ہے کہ بے گناہ کو عذاب دے۔ خدا پر مصلحت کی پابندی نہیں واجب وہی چیز ہے جو شرع کی رو سے واجب ہے۔ انبیاء کا مبعوث ہونا ممکن ہے۔ محمد رسول اللہ کی نبوت معجزات سے ثابت ہے۔

رسالت

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

(محمد اللہ کے رسول ہیں)

حقیقت نبوت نبوت خدا کا عطا کیا ہوا ایک منصب ہے خدا جس کو چاہتا ہے دیتا ہے یعنی خدائے قدوس اپنے بندوں کو شکوک و شبہات سے نکالنے ایک نئی یا مخفی بات بتانے اپنی مرضی و عدم مرضی اور ارادہ پر مطلع کرنے، کسی خوف سے مامون اور مطمئن کرنے کے لئے اور یا کسی بشارت کے دینے کے لئے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کام کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

نبوت کے متعلق حضرات امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم کے شروع میں فرماتے ہیں اس قدر ہر شخص تسلیم کر لیتا ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیوں میں یکساں نہیں پیدا کی گئی ذہن ذکاوت

فہم و فراست اور عقل و ذہانت مختلف افراد انسانی میں کس قدر مختلف المراتب ہیں ایک شخص ذہین ہے دوسرا شخص اس سے زیادہ ذہین ہے تیسرا اس سے بھی زیادہ ذہین ہے بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جو بظاہر قدرت انسانی کی حد سے باہر نظر آتے ہیں جو لوگ شاعری میں قوت تقریر میں، صناعی میں اور ایجاد میں تمام زمانے سے ممتاز گزرے وہ اسی درجہ کی مثالیں ہیں یہ درجہ فطری ہوتا ہے یعنی پڑھنے اور سیکھنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگوں میں یہ قوت مرکوز ہوتی ہے اور اسی وجہ سے دوسرے اشخاص گو کتنی ہی محنت اور کوشش کریں ان کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ ان ہی قویٰ میں حقایق اشیاء کے ادراک کی ایک قوت ہے، یہ قوت کسی میں کم کسی میں زیادہ اور کسی میں زیادہ تر ہوتی ہے اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانوں میں اس حد تک پہنچتی ہے کہ کسب و تعلم کے بغیر ان کو حقایق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے ان کو کسی قسم کا بیرونی علم نہیں ہوتا لیکن اس قوت کی وجہ سے خود بخود ان کو اشیاء کا علم ہو جاتا ہے، اسی قوت کا نام نبوت ہے اور اس علم کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

عقل فطری کے کم و بیش ہونے کا کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے، عقلوں میں اگر اختلاف مراتب نہ ہوتا تو تمام لوگ علوم کے سمجھنے میں یکساں ہوتے اور یہ حالت کہ انسانوں میں کوئی اس قدر کودن ہے کہ سمجھانے پر بھی بڑی مشکل سے سمجھتا ہے کوئی اس قدر ذہین ہے کہ ذرا سے اشارہ سے سمجھ جاتا ہے کوئی اس قدر کامل کہ اسے بغیر سکھلائے تمام باتیں خود اس کی طبیعت سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ خدا نے کہا یکاد زیتہا یضیٔ و لو لم تمسسہ نار نور علی نور انبیا علیہم السلام کی ہی مثال ہے کیونکہ ان پر باریک باتیں خود بخود کھل جاتی ہیں بغیر اس کے کہ کسی سے سیکھا ہو یا سنا ہو۔ اسی کا نام الہام ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ روح القدس نے میرے دل میں پھونکا اس سے یہی مراد ہے۔ (احیاء العلوم صفحہ ۵۲)

نبوت کے متعلق امام صاحب نے مفقد من الضلال میں نہایت مفصل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

انسان اصل خلقت کے لحاظ سے جاہل محض پیدا ہوا ہے پیدا ہونے کے وقت وہ اقسام موجودات میں سے کسی چیز سے واقف نہیں ہوتا۔ سب سے پہلے اس میں لمس کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ سے وہ ان چیزوں کو محسوس کرتا ہے جو چھونے سے تعلق رکھتی ہیں، مثلاً حرارت، برودت، رطوبت، یبوست اور نرمی و سختی اس حاسہ کو مرئیات و مسموعات سے کوئی تعلق نہیں۔ جو تے محض سننے

سے معلوم ہوسکتی ہے اس کے حق میں یہ حاسہ بالکل معدوم ہے۔ لمس کے بعد پھر انسان میں دیکھنے کا حاسہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ رنگ اور مقدار کا ادراک کرسکتا ہے۔ پھر سننے کی قوت پیدا ہوتی ہے پھر چکھنے کی یہاں تک کہ محسوسات کی حد ختم ہوجاتی ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اب اس کو تمیز کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور ان چیزوں کا خیال کرسکتا ہے جو حواس کی دسترس سے باہر ہیں یہ دور ساتویں برس سے شروع ہوتا ہے اس سے آگے بڑھ کر عقل کا زمانہ آتا ہے جس سے ممکن، محال اور جائز و ناجائز کا ادراک ہوتا ہے اس سے بڑھکر ایک اور درجہ ہے جو عقل کی سرحد سے بھی آگے ہے اور جس طرح تمیز و عقل کے مدرکات کے لئے حواس بالکل بیکار ہیں اسی طرح اس درجہ کیلئے عقل محض بیکار ہے اور اس درجہ کا نام نبوت ہے بعض لوگ اس درجہ کے منکر ہیں لیکن یہ اسی قسم کا انکار ہوسکتا ہے جس طرح وہ شخص عقلی چیزوں کا انکار کرتا ہے جس کو ہنوز عقل کی قوت عطا نہیں کی گئی ہے اس تحقیق کے لحاظ سے اصطلاحی طور پر نبوت کی تعریف کرنا چاہیں تو یوں کریں گے کہ نبوت وہ قوت یا ملکہ ہے جس سے ان اشیا کا ادراک ہوسکتا ہے جن کا ادراک حواس سے تمیز سے اور عقل سے نہیں ہوسکتا (الغزالی صفحہ ۸۰)

نبی کے معنے

نبی لغتہً یا تو "نبوۃ" سے ماخوذ ہے جس کے معنے زمین سے بلند ہونے کے ہیں اور لغوی و اصطلاحی معنوں میں مناسبت اس طرح ہے کہ اللہ پاک نبی کو تمام مخلوق پر شرف و فضیلت عطا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے مرتبہ، درجے اور منزلت کو بلند کردیتا ہے۔ اس بنا پر وہ "فعیل" بمعنی مفعول ہوگا۔ اور یا نبی "النبأ" سے ماخوذ مانا جائے تو اس کے معنے خبر ہوں گے، اس صورت میں وہ "فعیل" بمعنے فاعل ہوگا اور اب مناسبت اس طرح ہوگی کہ نبی بھی اللہ تعالےٰ سے خبر پاکر بندوں کو اطلاع دیتا ہے۔ اور شریعت میں نبی کا اطلاق اس مقرب بارگاہ الٰہی پر ہوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ اپنے احکام بندوں تک پہنچانے کے لئے منتخب فرمائے۔

حکماء کہتے ہیں کہ نبی وہ ہے جس میں تین خواص پائے جائیں اول اپنے جوہر نفس کی صفائی اور شدت اتصال بالمبادی العالیہ اور بغیر کسی بیرونی علم اور سابقہ کسب تعلم کے غیب کی خبروں سے اطلاع دے۔ دوسرے اس کے ہیولےٰ عنصری میں حقائق اشیاء کے ادراک اور صور الٰہیہ کے انکشاف قابلیت اور صلاحیت ہو۔ تیسرے ملائکہ کی صور متخیلہ کو مشاہدہ کرے اور بذریعہ وحی کے کلام الٰہی کو سُنے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ نبوت کے تسلیم کرنے کے معنے یہ ہیں کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک درجہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور جس میں وہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے وہ خاص چیزیں معلوم ہوتی

ہیں جن سے عقل بالکل محروم ہے جس طرح قوت سامعہ رنگوں کے ادراک سے بالکل معذور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یورپ میں آج کل مادہ پرستی کا زور ہے اور ان کو مادہ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ بالکل صحیح ہے مگر اسلامی تعلیمات کا کتنا بڑا کمال اور اسلام کے دین فطرت ہونے کی کتنی مضبوط دلیل ہے کہ یورپ کے دہریے چار و ناچار اسلامی حقائق سے اتفاق کرنے پر مجبور ہیں اور بڑے بڑے فلاسفروں نے عملاً حقیقت نبوت کو تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ آج بڑے بڑے فلاسفر اس بات کے قائل ہوتے جاتے ہیں کہ حواس اور عقل کے سوا ایک اور بھی قوت ہے جس سے اشیاء کا ادراک ہوتا ہے بس یہی اعتراف نبوت کا پہلا زینہ ہے۔

خدا تعالےٰ پر نبیوں کا بھیجنا جائز ہے یا واجب

اہل السنتہ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ خدائے قدوس پر نبیوں کا بھیجنا ایک امر جائز ہے محال اور واجب نہیں۔ مگر "براہمہ" کا خیال ہے کہ محال ہے اور معتزلہ کا دعویٰ ہے کہ واجب ہے۔

براہمہ کہتے ہیں کہ جب عقل اپنے بُرے بھلے میں تمیز کرنے میں کافی ہے تو پھر نبیوں کے آنے میں کیا فائدہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی خدا کی طرف سے جو شریعت لاتا ہے اب اس کی دو صورتیں ہیں کہ یا تو وہ موافق عقل ہو اور یا مخالف۔ موافق ہونے کی صورت میں نبی کا آنا تحصیل حاصل اور بے فائدہ ہے اور مخالف ہونے کی صورت میں سرے سے وہ شریعت ہی قابل ترک ہے کیونکہ انسان خلاف عقل باتوں کا مکلف نہیں ہو سکتا اس بنا پر وہ استحالہ کی طرف گئے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اُخروی سعادت اور انسانی کمالات حاصل کرنے کے لئے عقل کافی نہیں اس کی واضح اور روشن دلیل یہ ہے کہ صحت جسمانی کے لئے جو ادویہ مفید ہیں ان میں عقل تمیز نہیں کر سکتی جب تک کہ کوئی طبیب نہ بتلاوے۔ جب عقل اپنی جسمانی صحت ہی کا سامان نہیں کر سکتی تو صحت روحانی کا کیا خاک سامان کر سکتی ہے۔ جب صحت جسمانی میں طبیب کی محتاج ہے تو اکتساب ہدایت میں بدرجہ اولیٰ نبوت کی محتاج ہونی چاہیئے۔ اگر صحت جسمانی میں عقل طبیب کی محتاج نہیں تو نبوت کی بھی محتاج نہیں۔ مگر ایسا ماننے کے لئے کوئی عاقل و سفیہ تیار نہیں ہو سکتا۔ پس لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ عقل اکتساب ہدایت میں نبوت کی محتاج ہے۔

دوسرے عقل بعض باتوں کے متعلق ان کے حسن و قبح میں متردد ہوتی ہے اور "وہم" قدم قدم پر اس کو تاریکی کی طرف لیجاتا ہے اور بعض مواقع پر عقل و وہم میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے

غرض مضار و مفاد سمجھانے میں عقل کوئی مستقل چیز نہیں۔

تیسرے عقل کے مراتب متفاوت ہیں جن کی وجہ سے آپس میں سخت مزاحمت ہوتی ہے اگر عقل کوئی مستقل چیز ہوتی اور دینی و دنیوی امور کے انتظام و انصرام کی اہل ہوتی تو عقلا میں اختلافات کا طوفان بپا نہ ہوتا اور دنیا کبھی کی ایک مرکز پر جمع ہو گئی ہوتی مگر عقلا تو مشہودات و مرئیات میں بھی متفق نہیں۔

چوتھے عقل کے ساتھ اس کا ایک قوی دشمن نفس لگا ہوا ہے جس کی بے لگامی اور آزادی انسان کو انسانیت کے بلند و بالا مقام سے حیوانیت کے غار میں گراتی ہے اور اس کو شہوت پرستی کی طرف لے جاتی ہے اس کو قتل و خونریزی اور جدال و قتال اور فتنہ انگیزی پر ابھارتی ہے اگر تمام امور کی باگ ڈور عقل کے ہاتھ میں دیدی جائے تو نظام کائنات ایک دن بھی قائم نہیں رہ سکتا اور عقل و نفس کا تصادم اس معمورۂ عالم کو ایک دن میں ویران کر کے رکھدے۔ یہ مذہب اور نبوت ہی کا طفیل ہے کہ یہ نظام کائنات پوری مضبوطی اور حسن تدبیر کے ساتھ چل رہا ہے تباہ کاری و بربادی کا دروازہ بند کئے ہوئے ہے اور انسان امن چین سے بس رہے ہیں۔ پس ان امور کی موجودگی میں کونسا عقل کا اندھا انسان کہہ سکتا ہے کہ انسان کو نبوت کی ضرورت نہیں عقل ہی کافی ہے اور تہذیب و شائستگی میں مذہب کو کوئی دخل نہیں، اگر کوئی بلید الطبع جاہل مطلق اور دوپیر کا گدھا ایسا دعوی کرے تو سمجھا جائیگا کہ وہ مجنوں اور مخبوط الحواس ہے۔

معتزلہ جو بعثت انبیا کو خدا پر واجب بتلاتے ہیں اس کی بنا ریہ ہے کہ ان کے نزدیک خدا پر واجب ہے کہ وہ اپنے بندوں کو پیدا کرے اور ان کو اوامر و نواہی کا مکلف بنائے تو چونکہ بندوں کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود اللہ پر واجب ہے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ نبیوں کو بھیجنا خدا پر واجب ہے۔

یہ مذہب بھی دو وجوہ کی بنا پر باطل ہے اوّل یہ کہ لفظ "واجب" کے مفہوم میں دو باتیں داخل ہیں اول یہ کہ اس کے ترک سے تارک کو ضرر پہنچے اور دوسرے یہ کہ اس کا ترک محال ہو اول کو واجب شرعی اور دوسرے کو واجب عقلی کہتے ہیں اور ان ہی دو معانی کا خدا کی نسبت تصور بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ اس کو ضرر پہنچ سکتا ہے اور نہ ترک خلق اور ترک تکلیف محال ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ مسلمہ ہے کہ خدا تعالیٰ قادر اور حکیم ہے، اس کو تمام قدرت اور کمال ارادہ پر تصرف ہے، اس کے حکم کو کوئی تاخیر میں نہیں ڈال سکتا اور اس کی قضا کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ عقل کے نزدیک یہ بات قطعیات سے ہے کہ جو خالق ایسی شان و جلال کا ہو اس پر کوئی شے واجب

نہیں ہوسکتی کیونکہ کسی چیز کا خدا پر واجب ماننا اس امر کا مقتضی ہے کہ وہ مقصور و مجبور ہو حالانکہ اللہ پاک اس سے پاک اور برتر ہے۔

پس اہل السنتہ کا مسلک صحیح ہے کہ اللہ تعالی کا یہ فضل و احسان اور کمال رحم و کرم ہے کہ اس نے مخلوق کو خلق کیا اپنے بندوں کو پیدا کر کے اوامر و نواہی کا ان کو مکلف بنایا اور اپنے نبیوں کو وقتاً فوقتاً بھیجکر ہر طرح اپنے بندوں پر اتمام حجت کر دی۔

سوال۔ رسالت اور رسول کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ رسالت کے معنے بھیجنے کے ہیں یعنی خدا کی طرف سے جو احکام بندوں کو پہونچیں اسکو رسالت کہتے ہیں اور رسول کے معنے بھیجے ہوئے کے ہیں یعنی جو یہ احکام بندوں تک پہونچائے اس کو رسول کہتے ہیں۔

نبیوں کا آنا کیوں ضروری ہے؟

انسان دُنیا میں نہ اپنی مرضی سے آیا ہے اور نہ اپنی مرضی سے جائے گا یعنی اُسے اپنی موت اور زندگی کا کوئی اختیار نہیں۔ جب اسے یہ اختیار حاصل نہیں تو وہ اپنی زندگی کا مقصد بھی خود متعین نہیں کر سکتا۔ اس لئے سوائے ملاحدہ کے تمام اقوام و ملل اس امر میں متفق ہیں کہ خدا نے بندوں کو پیدا کیا اور ان کی زندگی کا یہ مقصد ٹھیرایا ہے اور انسان کی برتری، برگزیدگی اور صلاح و فلاح تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے خالق و معبود کو پہچانے اور اپنا منشاء تخلیق معلوم کر کے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اب یہ بات انسان اپنی عقل سے تو معلوم نہیں کر سکتا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ہمارا خالق و معبود خود ہی اپنے فرستادہ کے ذریعہ اپنی مرضی و عدم مرضی سے اپنے بندوں کو مطلع کرے اور ان کو منشائے تخلیق بتائے پس اس ضرورت کے ماتحت نبیوں کا آنا ضروری ہے۔

جب ہم باہر کی نیچر یعنی کائنات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ قانون اطاعت اور قوانین فطریہ کے ماتحت ہے اور ہر چیز کا قیام و بقا اور نشو و ارتقا ان ہی قوانین کی پابندی میں ہے تو کیا اشرف المخلوقات کی زندگی کے لئے منجانب اللہ کوئی قانون حیات اور زندگی کا دستور العمل نہیں اور وہ قانون فطریہ کی پابندی سے مستثنیٰ ہے۔ ہرگز نہیں۔ کوئی سلیم العقل انسان یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ لہذا جس طرح کائنات کا

ذرہ ذرہ ایک قانون میں جکڑا ہوا ہے اسی طرح انسان بھی قوانین فطریہ کی اطاعت پر مجبور ہے اور اس کے کمالات حیات و بقا اور نشو و ارتقا بھی اسی امر پر موقوف ہیں کہ وہ فطری زندگی بسر کرے اور اپنے خالق و معبود کی اوامر و نواہی کو معلوم کرے مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ ہمارا خالق ہمیں زندگی کا دستور العمل دے اور خود بھی ہماری رہنمائی و دست گیری کرے پس اس لحاظ سے بھی ثابت ہوا کہ دنیا میں نبیوں کا آنا ضروری ہے۔

اس ضرورت کے ماتحت اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے مقرب، برگزیدہ اور کامل انسانوں کو گمراہ لوگوں کی ہدایت کے لئے مامور کرتا رہا۔ ان پر اپنا کلام نازل کیا اور انسانوں کی رہنمائی کے لئے انہیں مقرر کیا۔ ان ہی مقدس انسانوں کو رسول کہا جاتا ہے جو خدا کی طرف سے الہام اور وحی پاکر بندوں کو راہ راست پر لاتے رہے۔

نبی اور رسول میں فرق نبی اور رسول دونوں خدا کے فرستادہ اور مامور من اللہ ہوتے ہیں اور اللہ پاک ان کو تبلیغ احکام اور دعوت الی اللہ کیلئے مبعوث کرتا ہے۔ مگر نبی عام ہے اور رسول خاص یعنی جس نبی کو کتاب اور شریعت ملے اور بعض احکام سابقہ کی تنسیخ کرے اس کو رسول کہتے ہیں۔ پس ہر رسول کو نبی کہہ سکتے ہیں مگر ہر نبی کو رسول نہیں کہہ سکتے۔

شرائط نبوّت یہ ہیں کہ وہ مرد ہو، آزاد ہو، اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے زیادہ عقلاً فطنتہً و قوۃً اکمل ہو، صاحب الرائے ہو، دناءۃ آباء اور غمز الامہات سے سلامت ہو، سخت دلی عیوب اور مرض برص جذام سے پاک ہو اور کفر سے بچا ہوا ہو۔ (المسائرہ صفحہ ۱۲۵)

رسالت کا ثبوت دلائل عقلیہ سے اور منکرین رسالت کا جواب

عقل انسانی قطعی طور پر اس بات کا اٹل فیصلہ صادر کرتی ہے کہ یہ دنیا خود بخود موجود نہیں ہو گئی بلکہ اس کا ایک خالق اور موجد ہے۔ جس نے محض انسان کے لئے اپنے فضل عمیم اور لطف کریم سے کائنات عالم کو انواع و اقسام کے ساز و سامان دلچسپیوں اور گلکاریوں سے آراستہ و پیراستہ

کیا ہے جسم انسانی کی تربیت و پرورش کے لئے خالق القدر و القوی نے مواد کا عظیم الشان ذخیرہ زمین و آسمان میں رکھدیا ہے اور اس رب بے نیاز نے اس جسمانی ہیکل کی بقا و صحت اور نشو و ارتقار کے لئے ہر طرح کے سامان ہمارے ار دگر پھیلا دئے ہیں۔ پھر یہی نہیں بلکہ اس ارحم الراحمین نے انسان کے اندر ایسی قوتیں بھی ودیعت فرمادی ہیں جن کی رہنمائی سے انسان دنیا کی تمام چیزوں پر تسلط حاصل کر لیتا ہے اور کائنات کی ہر چیز کو اپنے کام میں لے آتا ہے۔

انسان عقل و تدبیر، ہوش و حواس اور ادراک و احساس کے قدرتی آلات لئے ہوئے اس دنیا میں آتا ہے اور اپنے ارد گرد مواد کا ایک غیر محدود ذخیرہ پھیلا ہوا پاتا ہے اور اپنی ادراکی قوتوں کو ان ہی مادوں میں صرف کر کے اپنی بقا و صحت اور راحت و آرام کے سامان فراہم کر لیتا ہے انسان نہ صرف زمین بلکہ فضائے آسمانی سے ہر قسم کے منافع حاصل کرتا ہے۔ ہوا، بادل، آفتاب اس کی گیس اور تمام سعادات کو اپنے منافع کے کار آمد بنانے کی سر توڑ کوشش کرتا ہے اور کائنات عالم کی جس چیز کو یہ چاہتا ہے کان پکڑ کر اپنے کام میں لے آتا ہے۔

جوں جوں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے۔ آئے دن نت نئے اکتشافات و غوامض کا اعلان ہو رہا ہے انسان کی قوت فکریہ ایجاد شدہ چیزوں سے الگ ہو کر مادے کے نامعلوم اسرار و نوامیس کے ساتھ متعلق ہوتی جارہی ہے اور انسان اپنی ایجادات اور اختراعات پر غراں و نازاں ہو کر اپنی انانیت کا غلغلہ بلند کر رہا ہے۔ غرض اس جرم و استخوانی ہیکل کی تربیت و پرورش کیلئے انسان جن چیزوں کا محتاج ہے، ان کے مہیا کرنے میں قدرت نے کوئی کمی نہیں رکھی، خزائن السموات و والارض کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور کائینات کا ذرہ ذرہ انسان کو اپنی حدود و معاونت کے لئے پکار رہا ہے۔

سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ وہ انسان جس کو اپنی عقل و تدبیر اور ایجادات و اختراعات پر یہ کچھ ناز ہے کہ جوں جوں قوانین قدرت کا اظہار ہو رہا ہے اور نئے نئے علمی اکتشافات ہوئے ہیں انسان اپنے خالق اور منعم حقیقی سے دور ہوتا جارہا ہے اور قدرت قاہرہ جلیلہ کو بھولتا جارہا ہے حالانکہ اس تنگ ظرف انسان کے غرور و انانیت اور ادعا کی حقیقت ہی کچھ نہیں۔ مثلاً دیکھئے وہ اپنی ایجادات و اختراعات پر نازاں ہے۔ وہ ریل بناتا ہے اور منٹوں میں دور دراز کے سفر طے کرتا ہے، ہوائی جہاز بناتا ہے اور چاند میں پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اپنی آواز کو ہوا اور بجلی کے ذریعہ منٹوں میں ایک خطہ سے دوسرے خطے میں پہنچا دیتا ہے۔ یقیناً یہ اس کے حیرت انگیز کارنامے

ہے، لیکن فرض کرو کہ عقل وتدبر نہیں، حواس خمسہ نہیں، کوئلہ نہیں، آگ نہیں، لوہا نہیں اور لکڑی نہیں الغرض انسان کے سوا دنیا میں اور کچھ نہیں تو کیا اس کے بعد بھی وہ ایجادات واختراعات کر سکتا ہے اور پھر بھی وہ ہوا میں اُڑا اڑا پھر سکتا ہے ہر گز نہیں وہ ایجاد واختراع تو کیا خاک کرے گا وہ خود اپنی زندگی کو ہی قائم نہیں رکھ سکتا۔ وہ ہر سانس میں غیر کا دست نگر ہے اور اپنی حرکت وسکون میں دوسرے دن کا محتاج ہے یہی وہ حقیقت عظمیٰ اور بلند پایہ نتھرا ہوا تخیل ہے، جہاں پر انسان کے غرور وانانیت کا ایوان یکایک دھم سے گر جاتا ہے، اعتراف عجز وقصور کرنا پڑتا ہے، خالق اور موجد عالم کی ہستی کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور اپنے خالق ومعبود کے تعلق کو ڈھونڈنا پڑتا ہے۔

یہ کس قدر عجیب کیسا احمقانہ دعویٰ، اور کتنا حیرت انگیز سانحہ ہے کہ بعض عقل کے اندھوں اور سیاہ بھیجے کے انسانوں نے انتہائی کور باطنی اور ڈھٹائی کے ساتھ قدرت قاہرہ جلیلہ فیاضہ پر گستاخانہ اور ناپاک حملہ کر دیا۔ کہ قدرت نے انسان کے فانی جسموں اور خاک میں مل جانے والے ڈھانچوں کے لئے تو زمین وآسمان کے خزانے کھول دئے اور جسمانی ضروریات کے تمام سامان فراہم کئے لیکن حقیقت انسانیہ یعنی روح کے لئے کچھ نہ کیا۔ مادی کائنات کو روشن کرنے کے لئے تو آفتاب کو بنایا جو روزانہ طلوع ہو کر اشیاء عالم کو منور کرتا ہے مگر روحانی کائنات کو تاریک ہی رکھا اور قلب وروح کو منور کرنے کے لئے کوئی منبع نور نہیں ٹھیرایا اور انسان کے تمام کمالات کو محض سفلی زندگی اور حیوانی ذہنیت پر ختم کر دیا۔

کیا کوئی عقلمند انسان ایک لمحہ کے لئے یہ باور کر سکتا ہے کہ رب السمٰوات والارض نے انسان کے گوشت کے لوتھڑوں اور ہڈیوں کے ڈھانچوں کے نشو وارتقا کا تو یہ کچھ سامان کیا ہو اور انسان کی ذات کے لئے کچھ نہ کیا ہو۔ کیا اس زمین کی زندگی کے بعد انسان ہمیشہ کے لئے معدوم کر دیا جائیگا اس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہ ہوگا نہ یہاں ہوگا اور نہ کہیں اور ہوگا اور کیا اس کی ہستی ہمیشہ کے لئے برباد کردی جائے گی۔ لیکن الحمدللہ کہ بجز ملحدوں اور دیوانوں کے جن کا وجود دنیا میں اکثریت کے مقابلہ میں کالعدم ہے۔ عاقل وفرزانہ اور مہذب انسانوں نے اس خیال کو جھٹلایا اور ہمیشہ اکثریت نے اس کو جنون اور ہذیان قرار دیا۔

بنی آدم کے برگزیدہ نفوس اور گرامی ہستیوں نے جب کبھی نظام تکوینی کے مرتب ومنسق سلسلہ کو دیکھا اور اپنے معبود وخالق کو پہچان کر روحانی زندگی کی قدر جانی تو مقدس روحوں سے غیبی آوازوں میں یہ صدا آئی۔

یہ قطعاً غلط اور ناممکن ہے کہ خدائے قدوس نے میری مادی زندگی کا سامان فراہم کیا۔ مگر روحانی زندگی کو بے سروسامان چھوڑ دیا بلکہ اُس فیاض ہستی نے میری ذات اور حقیقت کیلئے بھی پورا پورا سامان جمع کر دیا گیا ہے۔ اس مادی ذخیرہ میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب روحانی زندگی کی تکمیل کیلئے ہیں۔

اس غیبی اور فطری آواز کے مطابق سعادتمند انسانوں نے اپنے خالق کو ڈھونڈا اور اسی کائنات میں پالیا اور اپنی زندگی کا منتہائے کمال اور منشائے حیات معلوم کرنا چاہا اور معلوم کر لیا جس مقدس گروہ نے قدرت کی فیاضیوں کا پاک اور روحانی سلسلہ تبلایا اور روح وحیات کا منتہائے کمال دکھلایا اسی کو ہم کبھی "وحی" کبھی "نبوت" اور کبھی "رسالت" سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسی مقدس سلسلہ فیوض نے آغاز آفرینش بنی آدم سے انسانی گروہ کو یہ تبلایا کہ خدائے برتر و توانا کی طرف سے کون کون سی اہم ذمہ داریاں عاید کی گئی ہیں، انسان کے حفظ وبقا کے لئے مواد کے استعمال کا صحیح طریقہ کیا ہے، انسانی زندگی کا منتہائے کمال کیا ہے اس کا شرف و امتیاز کس بات میں ہے سچی مدنیت پاکیزہ تمدن اور مسرت افزا حضارت کیونکر پیدا ہو سکتی ہے، اجتماع افراد کو مفاسد و خبائث خونریزی و شرانگیزی اور شرارت و بیچینی کے زہروں سے کس طرح مصفا کیا جا سکتا ہے اور ہم اپنی بین الاقوامی زندگی کو سلامتی اور امن و آسائش کا ذریعہ کس طرح بنا سکتے ہیں۔

اگر آغاز عالم سے یہ مقدس سلسلہ فیوض نہ ہوتا اور نبوت و رسالت انسان کی امداد و دستگیری اور رہنمائی نہ کرتی تو یقیناً انسان حیوانوں سے بدتر ہوتا۔ اس کی علمی و عملی قوتیں درختوں اور حیوانوں کی پرستش کے لئے وقف ہوتیں آج کی ترقی یافتہ دنیا کا نام و نشان تک نہ ہوتا اور انسان عقل رکھتا ہوا بھی تاریکیوں میں ٹھوکریں کھاتا۔ انسان کو ربانی امانت تفویض ہوئی تھی، اسے خطاب اور خلافت کا منصب عطا کیا گیا تھا۔ اُسے ظاہری و باطنی خوبیاں و طاقتیں دی گئی تھیں، اس کے اندر صرف جسمانی ہی نہیں بلکہ دماغی و روحانی قوتیں بھی مرکوز کی گئی تھیں اور اس کے بعد اسے اشرف المخلوقات کے معزز و ممتاز لقب سے نوازا گیا تھا۔ اس لئے ضرور تھا کہ قدرت کی طرف سے اس کی اصلاح و ترقی کے اسباب بھی فراہم کئے جاتے، اسی لئے یہ انتظام ملحوظ رکھا گیا کہ اس کی اصلاح و تعلیم کے لئے روحانی معلم یعنی انبیائے کرام وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے تاکہ عرفان نفس، عرفان رسالت اور عرفان رب کی جو طاقتیں انسان اپنے ساتھ لیکر دنیا میں آیا ہے ان کے نشوونما ارتقا اور تعلیم و تربیت کا ظہور ہو۔ اور انسان محض مادیات کی نظر فریبیوں اور سرور و نشاط میں مدہوش ہو کر اپنی ذمہ داریوں کو فراموش نہ کرے، اپنی حقیقت کو نہ بھولے اور اپنے مقصد حیات و منتہائے کمال کو ہر وقت سامنے رکھے۔

رسالت کی علت غائی محض یہ تھی کہ کفر و ضلالت میں پھنسے ہوئے انسان اپنے خالق و معبود کو پہچانیں۔ اس کی نعمتوں سے صحیح طور پر متمتع ہوں اگر عبد و معبود کے درمیان رسالت کو درمیانی واسطہ نہ بنایا جاتا تو کائنات عالم کے اجتماعی نظام کو تباہی خیز نقصان پہنچتا۔ تمام دنیاوی کارخانہ تباہ و برباد ہو کر رہ جاتا اور تخلیق عالم ایک فعل عبث ثابت ہوتی۔

کمزور دل و دماغ کے آدمی اور شقی ازلی دہریئے اور منکرین نبوت کہتے ہیں کہ ان ضرورتوں کیلئے ہم قدرت کی طرف سے بے نیاز ہیں' ان حاجتوں کو خود ہمارا دماغ پورا کر سکتا ہے اور کرتا ہے جی ہاں! ٹھیک ہے جو انسان سانس لینے کے لئے ہوا' پیاس بجھانے کے لئے پانی کا' غذا حاصل کرنے کیلئے زمین کا اور ایک معمولی پھنسی کے لئے حکیم کا محتاج ہے اور بات بات پر قدرت کی طرف ہاتھ پھیلانے کا حاجتمند ہے' اس کا محتاج جو اس دماغ ضرور ان حاجتوں کو پورا کر لیتا۔ اچھا! اگر انسان کا دماغ ان ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے تو پھر ملکی انتظام کے لئے بادشاہی اور قانون کی کیا ضرورت ہے اور صحت و بقا کے لئے حکیموں کی دستگیری اور محتاجی کیوں ہے؟ ہر انسان عقل رکھتا ہے اور ہر شخص اپنا انتظام اور اپنا علاج آپ کر سکتا ہے۔

ایسے دیوانوں سے ہمارا صرف ایک ہی سوال ہے اور وہ یہ کہ افعال انسانی میں نیک و بد کی تقسیم ہر فرد بشر کو خواہ مذہبی ہو یا دہری ماننا ضروری ہے یا نہیں؟ مگر ضروری ہے اور یقیناً ہے تو بتلاؤ کہ تمام مخلوقات میں نیک و بد کا تفاوت' بھلے برے کا فرق اور اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز کیوں ہے عقل جمادات سے حیوانات کو کیوں اچھا بتلاتی ہے۔ حیوانات میں انسان کو کیوں سند فضیلت دی گئی ہے جہالت کے مقابلہ میں علم کو کیوں فضیلت ہے۔ ہمت و شجاعت کو جبن و نامردی پر کیوں فوقیت ہے اور وجود کو عدم پر' استغنا کو احتیاج پر اور راحت کو تکلیف پر کیوں ترجیح ہے عقل کے پاس کونسا نمونہ کونسا معیار اور کونسا پیمانہ ہے۔ جس کی بنا پر اس نے یہ امتیازی مدارج قائم کر رکھے ہیں۔ عقل پرست منکرین نبوت اور دہریئے اگر قیامت تک بھی زور لگائیں تو اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

اگر اس پر بھی کوئی نبوت کا قائل نہیں ہوتا تو اس دیوانے کو بھونکنے دو اور اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دو ایک نہ ایک دن قدرت قاہرہ خود بخود اس کا اعتراف کرا لے گی۔

بحث متعلق معجزہ۔ کرامت اور استدراج

نبوت کی بحث میں ہم نے یہاں تک جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسالت کا وجود ہے' عند العقل جائز اور ضرور ہے اور افراد انسانی میں پائی جا سکتی ہے اب

اگر کسی خاص شخص کی نسبت بحث ہو کہ وہ نبی ہے یا نہیں تو نبوت و رسالت کی شناخت کے لئے معجزہ کو دلیل قرار دیا گیا ہے یعنی جس شخص سے معجزہ صادر ہو اس کی نسبت یقین کیا جائیگا کہ خدا نے اس سے خطاب کیا اور وہ اصلاح عالم کیلئے خدا کا فرستادہ ہے۔

معجزہ کی سات شرطیں ہیں۔ خدا کا فعل ہو۔ خارق عادت ہو۔ اس کا معاوضہ ناممکن ہو۔ مدعی نبوت سے ظاہر ہو۔ دعوی کے موافق ہو۔ نبی کا مکذب نہ ہو اور دعوی پر مقدم ہو۔

لفظ معجزہ لغت عرب میں اعجاز سے نکلا ہے جس کے معنے عاجز و بے طاقت کرنا ہیں یعنی کسی شخص کو اس جیسی نظیر لانے سے عاجز کر دینا اور اصطلاح میں معجزات سے مراد وہ امور خارق عادت ہیں جو انبیاء علیہم السلام سے بطور اظہار و اثبات نبوت صادر ہوں اور مکذبین رسالت کو اس کی نظیر لانے سے عاجز کر دیں۔ اور جن سے ان کی نبوت پر استدلال کیا جا سکے۔

معجزہ کی بحث شروع سے علم کلام کا ایک معرکتہ الآرا مسئلہ رہا ہے اور اب تو جس قدر زیادہ انسان حقائق اشیاء سے واقفیت بہم پہنچاتا جا رہا ہے اور طبیعتوں میں حقیقت طلبی اور غور و فکر کا مادہ بڑھتا جا رہا ہے اور بھی طرح طرح کے اعتراضات اس پر پیدا ہو رہے ہیں۔ اس مسئلہ کے مشکل ہونے کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ زمانہ تو رہا الگ حضرت امام رازیؒ نے اپنے زمانہ کے متعلق لکھا ہے کہ "انقلاب عادت کا قائل ہونا صعب و مشکل ہے اور ارباب عقل اس میں مضطرب ہیں"۔

خود مسلمانوں میں ایک فرقہ نیچری ہے جس کو معجزات کا انکار ہے اور وہ امر خارق عادت کے محال ہونے کے قائل ہیں اور جمہور اہل اسلام سے اس مسئلہ میں سخت اختلاف رکھتے ہیں لہذا ضروری ہوا کہ معجزات پر جس قدر اعتراضات ہوتے ہیں ان کی بنیاد ہی گرا دی جائے اور منکرین اعجاز کا ناطقہ بند کر دیا جائے۔ بعونہ تعالیٰ۔

جو لوگ امر خارق عادت کے منکر ہیں ان کے خیال فاسد کی بنا محض اس یقین پر ہے کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ علت و معلول سبب و مسبب شرط و مشروط اور مؤثر و متاثر کے سلسلہ کے بغیر نہیں ہوتا اسی سلسلہ اور نظام کا نام فطرت اور قانون قدرت ہے اور اسی کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں ارشاد ہے لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ یعنی خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی یعنی اللہ نے اشیاء میں جو خواص و تاثیر رکھدئے ہیں وہ ان سے کبھی منفک نہیں ہو سکتیں جیسے آگ کا کام جلانا ہے اب آگ اپنی اس خاصیت کو نہیں کھو سکتی حتی کہ خود خدا بھی تبدیلی خاصیت نہیں کر سکتا اس بنا پر نیچر کے دلدادہ جس بات کو اپنے علم و عقل سے خارج سمجھتے ہیں جھٹ اس کی نسبت حکم لگا دیتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے

اور قانون قدرت کے خلاف ہے مگر قانون قدرت کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

حقیقت قانون قدرت

دنیا میں جس قدر بھی بڑے بڑے فلاسفر اور دانا گزرے ہیں انہوں نے بصدق دل اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ خدا کے علم و قدرت کے سامنے انسان کا علم ذرہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا چنانچہ **دوسو خدا کے** "علم و قدرت کے متعلق کہتا ہے۔

خدا کی صفت علم ہے لیکن اس کا علم کیا ہے؟ انسان کا علم تو اس کی قوت تفکر ہے، لیکن علم اقدس کسی تفکر و تامل کا محتاج نہیں۔ باقی رہی قدرت الٰہی۔ تو قدرت الٰہی کا یہ حال ہے کہ انسان کو اپنی قوت عمل کے لئے وسائل عمل کی ضرورت ہوتی ہے لیکن خدا کو کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں قوت الٰہی خود اپنی قوت سے عمل کرتی ہے، خدا قادر ہے کیونکہ وہ ارادہ رکھتا ہے اور اس کا ارادہ ہی اس کی قدرت ہے۔ حقیقت الٰہی کی نسبت کہتا ہے۔

یہ صفات میں نے عقل کی منطق کی راہ سے معلوم کی ہیں لیکن میرے دماغ میں ان کا مفہوم مرتب و مفصل نہیں ہے، میں انہیں تسلیم نہیں کرتا اور ان پر اصرار کرتا ہوں مگر ان کی پوری حقیقت کا احاطہ نہیں کرسکتا، عقل اس کا احاطہ کر ہی نہیں سکتی، اس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ میں حقیقت سے لاعلم ہوں اور اس لئے میری حقیقت یہ نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں اور اصرار کرتا ہوں۔

یہ کوئی معمولی شخص کا اعتراف عجز نہیں ہے بلکہ اس کا ہے جو دنیائے سائنس کا شہرۂ آفاق شہسوار ہے اور ان فلاسفروں میں شمار کیا جاتا ہے جن کے اقوال کو خود باختہ نیچری نعوذ باللہ وحی الٰہی سے زیادہ درجہ دیتے ہیں یہ رائے صرف دوسو ہی کی نہیں بلکہ تمام فلاسفر یہی کہتے ہیں کہ ہمارے علم و عقل کی حقیقت یہ ہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے اور ہمارے علم و عقل کو خدا کے علم و قدرت کے مقابلہ میں اس قدر بھی وقعت نہیں جیسے زمین و آسمان کے مقابل ایک ذرہ ہو نیز فلاسفروں ہی کا قول ہے کہ چونکہ انسان کا علم و عقل نہایت محدود اور ناقص ہے اس لئے وہ قانون الٰہی کی حد بست بھی نہیں کرسکتا اور کسی امر کی نسبت ایک حد لگا دینا دو متناقض اقراروں کو اپنے کلام میں جمع کرنا ہے اور خدا کے لامحدود علم و قدرت کو اپنی عقل کے دو انچی گز سے ناپ لینے کا مضحکہ انگیز دعویٰ کرتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ علوم انسانی عقل کے ماتحت ہیں وہ محض حواس ظاہری اور باطنی کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور یہ آلہ قوانین قدرت کی شناخت کا خود محدود ہے۔ ہمارے معلومات بیشتر وہ ہیں جو خود ہمارے حواس نے اپنی کوشش سے ہمارے لئے جمع کئے ہیں۔ مگر ان آیات حواس میں پروردگار عالم نے

اسی قدر قوت اور تیزی عنایت فرمائی ہے جو اس حکیم مطلق نے ہمارے لئے ضروری اور مناسب سمجھی لہذا عقل انسانی کا یہ منصب نہیں کہ وہ ہر ایک چیز کی حقیقت سمجھ لینے کا دعویٰ کر بیٹھے حتیٰ کہ قوانین آلہیہ بھی اس کے علم وعقل کے ماتحت ہو جائیں پس اس لحاظ سے ہم دعوےٰ کے ساتھ کہتے ہیں کہ لامحدود بذریعہ محدود کے دریافت نہیں ہو سکتا۔ لہذا جن مشاہدات وتجربات اور قوانین آلہیہ کو ہم معلوم شدہ اور یقینی کہتے ہیں وہ دراصل کامل طور پر معلوم نہیں ہوتے۔

بدیہات کے متعلق انسان کے علم کی اصلیت اور بنیاد محض اتنی ہے کہ نظام قدرت میں جو چیزیں ہمیشہ ایک ہی طرح پر وقوع میں آتی رہتی ہیں ان کے استقراء سے ایک علم کلی بنا لیتا ہے۔ حالانکہ یہ بنیاد ہی غلط ہے بہت ممکن ہے کہ بہت سے واقعات ایسے ہوں جو ہمارے مشاہدہ میں نہ آئے ہوں پھر زبردستی تمام واقعات کو ہم کیسے ایک کلی کے ماتحت لاسکتے ہیں کیا ہماری علم وعقل نے عالم کے تمام علل واسباب کو معلوم کر لیا ہے۔ اور کیا انہوں نے علت ومعلول کے تعلق کو قطعی طور پر سمجھ لیا ہے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو وہ کس معیار پر قوانین آلہیہ کی حدبندی کر رہے ہیں۔

انسان کی تحقیقات تو محض کنوئیں کی مینڈک کی طرح ہے وہ ایک سمندر کو اپنے تھوڑے سے پانی کی برابر سمجھ لیتا ہے اور کنوئیں پر تمام کائنات کا حکم لگا دیتا ہے۔ پھر انسان کی تحقیقات ہمیشہ بدلتی رہتی ہے جو اسرار وغوامض اب معلوم ہوئے ہیں ان کا پہلے نام ونشان نہ تھا جن امور کو پہلے حکماء عقلا قانون قدرت سمجھتے تھے وہ قانون قدرت اس زمانہ میں ہنسی کے لائق ہے اور بہت ممکن ہے کہ آئندہ زمانہ موجودہ قانون قدرت کو منسوخ کر دے اور اس کی ہنسی اڑائے اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہی دریافت شدہ قانون اٹل ہے اور یہ کسی زمانہ میں بھی نہ بدلے گا۔ دور کیوں جاتے ہو ابھی دیکھ لو کہ آجتک تمام فلاسفر نظریہ ارتقاء کو ایک ثابت شدہ حقیقت اور قانون قدرت بتلاتے رہے ہیں مگر حال ہی میں امریکہ میں ایک سائنسدانوں کی جماعت نے اس نظریہ کے تار پود بکھیر کر کافی طرح اس کی تغلیط کر دی ہے۔ غرض انسان کے بنائے ہوئے اور مقرر کئے ہوئے قانون قدرت بدلتے رہے۔ اور قیامت تک بدلتے رہیں گے ان کی قطعیت کا نہ کسی نے آجتک دعویٰ کیا اور نہ کیا جا سکتا ہے گویا انسان کا بتلایا ہوا قانون قدرت ایک ریت کا طومار ہے جو تند ہوا کے جھونکوں سے ادھر ادھر ہوتا رہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان ضعیف البنیان خدا کے علم وقدرت کا احاطہ کر بھی نہیں سکتا۔ قانون قدرت سے مراد خداتعالےٰ کے وہ افعال ہیں جو قدرتی طور پر ظہور میں آئے اور یا آئندہ آئیں گے۔

لیکن کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ خدا تعالےٰ نے اپنی تمام قدرتوں کو ظاہر کر دیا اور آیندہ قدرت کی رونمائی سے تھک گیا ہے اور یا اس نے انسان کو اپنے تمام علم سے آگاہ کر دیا ہے خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کی تو وہ شخص حد بندی کر سکتا ہے جو نعوذ باللہ خدا سے بھی بڑھ کر علم رکھتا ہو ورنہ کسی شخص کی یہ مجال نہیں کہ وہ یہ کہے کہ فلاں حد تک اس کی قدرتیں ہیں اور فلاں فلاں امور اس کے احاطہ اقتدار سے خارج ہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ نیچری اور منکرین اعجاز خدا کے علم و قدرت کو اپنے علم و قدرت کے دائرے میں کیونکر محصور کرتے ہیں اور یہ کس طرح تسلیم کراتے ہیں کہ انسان تمام خواص نیچریہ پر محیط اور حاوی ہو چکا ہے اس پر کوئی دلیل بھی ہے یا نرا تحکم ہی تحکم ہے اور زبردستی اہل حق کا مُنہ بند کرنا چاہتے ہیں۔ مرزا صاحب نے کیا خوب لکھا ہے:۔

"یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر تجارب و مشاہدات جو آج تک قلمبند ہو چکے ہیں صحیح اور کامل ہوتے تو علوم جدیدہ کو قائم رکھنے کی جگہ نہ رہتی حالانکہ آپ لوگ بھی کہا کرتے ہیں کہ علوم جدیدہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے میں سوچ میں ہوں کہ کیونکر ایسی چیزیں کامل اور قطعی طور پر مقیاس الصداقت اور میزان الحق ٹھہر سکتی ہیں جن کے اپنے ہی پورے طور کے انکشاف میں ابھی بہت سے منازل باقی ہیں اور اس پیچ در پیچ معمے نے یہاں تک حکماء کو حیران اور سرگرداں کر رکھا ہے کہ بعض ان میں سے حقایق اشیاء ہی کے منکر ہو گئے۔ منکرین حقائق کا وہی گروہ ہے جس کو سوفسطائی کہتے ہیں اور بعض ان میں سے یہ بھی کہہ گئے کہ اگرچہ خواص اشیاء ثابت ہیں تاہم دائمی طور پر ان کا ثبوت نہیں پایا جاتا۔ پانی آگ کو بُجھا دیتا ہے مگر ممکن ہے کہ کسی ارضی و سماوی تاثیر سے کوئی چشمہ پانی اس خاصیت سے باہر آجاوے۔ آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے مگر ممکن ہے کہ ایک آگ بعض موجبات اندرونی یا بیرونی سے اس خاصیت کو ظاہر نہ کر سکے کیونکہ ایسی عجائب باتیں ہمیشہ ظہور میں آتی رہتی ہیں حکماء کا یہ بھی قول ہے کہ بعض تاثیرات ارضی و سماوی ہزاروں بلکہ لاکھوں برسوں کے بعد ظہور میں آتی ہیں جو ناواقف اور نیچر لوگوں کو بطور خرق عادت معلوم دیتی ہیں اور کبھی کبھی کسی زمانہ میں ایسا کچھ ہوتا رہتا ہے کہ عجائبات آسمان میں یا زمین میں ظاہر ہوتے ہیں جو بڑے بڑے فلسفیوں کو حیرت میں ڈالدیتے ہیں اور فلسفی لوگ ان کے قطعی ثبوت اور مشاہدہ سے خیرہ اور قدم ہو کر کچھ نہ کچھ تکلفات کر کے طبعی ماہیت میں اس کو گھسیٹر دیتے ہیں تاکہ ان کے قانون میں کچھ فرق نہ آجائے ایسا ہی یہ لوگ ادھر ادھر لگا کر ادرنئی باتوں کو کسی علمی قاعدہ میں جبراً و ہنسا کر گزارہ کر لیتے ہیں جب تک

پر دار مچھلی نہیں دیکھی گئی تھی تب تک کوئی فلاسفر اس کا قائل نہ تھا اور جب تک متواتر دم کے کٹنے سے دم کٹے کتے نہ پیدا ہونے لگے تب تک اس خاصیت کا فلاسفر اقراری نہ ہوا اور جب تک بعض بعض زمینوں سے کسی سخت زلزلہ کی وجہ سے کوئی ایسی آگ نہ نکلی کہ وہ پتھروں کو پگھلا دیتی تھی مگر لکڑی کو نہیں جلا سکتی تھی تب تک فلسفی لوگ ایسی خاصیت کا آگ میں ہونا خلاف قانون قدرت سمجھتے رہے۔ (مراۃ الحقائق صفحہ ۱۱)

پس ثابت ہوا کہ انسان کا سمجھا ہوا قانون قدرت کوئی چیز نہیں، اور خواص نیچریہ تسلیم کرانے پر کوئی دلیل نہیں بلکہ نرا تحکم ہی تحکم ہے اور قانون قدرت کی بناء پر کسی امر خارق عادت کا انکار کرنا کسی طرح جائز اور معقول نہیں یہ بھی واضح رہے کہ ہم خواص اشیاء کے منکر نہیں کہ نیچریوں کو ان کے ثبوت پر دلائل قائم کرنے کی تکلیف گوارا کرنا پڑے ہم تو خواص اشیا کو مانتے ہوئے اس بات کے قائل ہیں کہ عقلاً یہ کوئی ضروری نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے کہ خواص اشیاء کسی حال میں بھی ان سے جدا نہ ہوں یعنی خدا کو بھی یہ اختیار اور قدرت نہ ہو کہ وہ اشیا، عالم کا موجد ہونے کے باوجود خواص کو سلب نہ کر سکے۔ لہذا عقلاً ہی یہ ممکن ہے کہ خواص اقسام میں موجود بھی رہ سکتی ہیں اور ان سے معدوم بھی ہو سکتی ہیں۔ عقل نہ ان کے موجود ہونے کو محال سمجھتی ہے اور نہ ان کے معدوم ہونے کو محال کہتی ہے۔ پس خواص اشیاء خدا تعالیٰ کے تحت و تصرف میں ہیں خواص اشیاء اپنے موصوفات کے لئے ضروری نہیں ہیں۔ ان کے سلب کر لینے پر اللہ تعالےٰ کسی سبب کے ذریعہ سے ہو اور یا بلا کسی سبب کے ہر طرح پر قادر ہے۔ اگرچہ خدا کا عام قانون اور عادت یہ ہے کہ اسباب کے پائے جانے کے وقت وہ ان کے مسبباب کو ایجاد کر دیتا ہے مگر وہ اسباب اپنے مسبباب کے لئے نہ موجب ہیں اور نہ مؤثر اگر وہ چاہے تو سبب کو پیدا کرے اور مسبب کو نہ پیدا کرے یا مسبب کو بغیر اس کے سبب کے پیدا کر دے غرض اللہ تعالیٰ ہر طرح پر قادر ہے اور وہ کسی چیز کا پابند نہیں۔

اس کی واضح مثال یہ ہے کہ لال جھنڈی سے ریل رک جاتی ہے اور سبز سے چلتی ہے یعنی ریل والوں نے ریل کے چلنے اور رکنے پر یہ قاعدہ بنا لیا ہے لیکن اگر وہ اپنی عادت اور قانون کو بدلنا چاہیں اور اس کے خلاف کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ یہی مثال قوانین الٰہیہ کی ہے جو قوانین قدرت اور طبعی اسباب دریافت ہوئے ہیں وہ جھنڈی کے مثل ہیں انہیں کے مطابق کارخانہ عالم چل رہا ہے اور یہ انتظام کر رکھا ہے کہ جب کوئی طبعی سبب پایا جاتا ہے تو اپنی عادت کے موافق

اس کے سبب کو بھی موجود کر دیتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس کے خلاف بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ جب وہ کسی مصلحت سے اپنے مستمرہ قوانین کے خلاف کوئی امر پیدا کرتا ہے تو اس کو خرق عادت کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ معجزہ صرف حق اور باطل میں فرق دکھلانے کے لئے انبیا علیہم السلام کو دیا جاتا ہے جس کی غرض صرف اس قدر ہے کہ جھوٹے اور سچے میں ایک مایہ الامتیاز قائم ہو۔

ظہور معجزات کی وجہ جس طرح ایک مذہب کے لئے صرف عقلی طور پر اپنی عمدگی دکھلانا کافی نہیں ہے ایسا ہی ایک ظاہری راست باز کے لئے صرف یہ دعویٰ کافی نہیں ہے کہ وہ خدا کا فرستادہ ہے اس کے لئے ایک امتیازی نشان اور مخالفین کیلئے ایک زبردست دلیل چاہئے جو اس کی سچائی پر گواہ ہو اور کوئی ایسا چمکتا ہوا نشان چاہئے جو مکاروں اور راستبازوں میں روز روشن کی طرح فرق و امتیاز تبلاوے اور وہ مایہ الامتیاز معجزہ ہے۔

نبوت کے ثابت کرنیکے طریقے صرف دو ہیں۔ اس کے متعلق امام رازی رح فرماتے ہیں کہ نبوت کے قائل دو فریق ہیں۔

ایک فریق کہتا ہے کہ معجزات کا ظاہر ہونا نبی کے سچے ہونے کی دلیل ہے اور یہ مذہب قدیم طریقہ ہے اور دنیا کے عام اہل مذاہب اس کے قائل ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے یہ طے کیا جائے کہ صحیح عقائد اور اعمال خیر کیا ہیں، اس امر کے محقق ہو جانے کے بعد جب یہ دیکھا جائے کہ ایک شخص لوگوں کو دین حق کی دعوت دیتا ہے اور یہ بھی نظر آئے کہ اس کی بات لوگوں کو باطل سے حق کی طرف لانے میں نہایت قوی اثر رکھتی ہے تو ہم کو یقین ہو جائیگا کہ وہ سچا پیغمبر ہے اور واجب الاتباع ہے اور یہ طریقہ عقل سے زیادہ قریب ہے اور یہی طریقہ زیادہ کامل اور افضل ہے۔

معجزات کی بحث میں ایک عام غلطی یہ ہو رہی ہے کہ نبوت اور معجزہ میں تلازم ثابت کیا جاتا ہے یعنی نبوت کا تمام دار و مدار معجزہ پر رکھا جاتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ معجزہ تو صرف منکرین ہی کے لئے ہے تاکہ ان پر ہر طرح اتمام حجت ہو جائے ورنہ نبوت پر یقین کرنے کے لئے صرف فراست صحیحہ اور عقل سلیم کی روشنی کی ضرورت ہے چنانچہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ "تو اس طریقہ سے نبوت کا یقین طلب کر دنہ اس بات سے کہ لاٹھی اژدہا بن گئی اور چاند پھٹ گیا"۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:-

"معجزہ دو قسم کے آدمی طلب کرتے ہیں یا تو وہ جو کلام الہٰی اور کلام انسانی میں تمیز نہیں کر سکتے اور یا وہ جو اس کے ساتھ ہٹ دھرم بھی ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں۔ ولیس من شرط الرسالۃ الآیۃ المعجزہ یعنی پیغمبر کے لئے معجزہ شرط نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البلاغۃ میں لکھتے ہیں۔

"معجزات اور اجابت دعا اور اس قسم کی اور باتیں اصل نبوت سے خارج ہیں۔ مگر اکثر حالات میں نبوت کے ساتھ لازم ہیں۔

در اصل جو چیز عام عادت کے خلاف واقع ہوتی ہے وہ خرق عادت سے تعبیر کی جاتی ہے گو وہ اصول قدرت کے خلاف نہیں ہوتی مگر اس کے اسباب ایسے دقیق اور مخفی ہوتے ہیں کہ منکرین معجزہ کے علم و عقل سے خارج ہوتے ہیں معجزہ طبیعت کے لئے ایک بدیہی امر نہیں جسکو ہر شخص پہلی ہی نظر میں تسلیم کرلے بلکہ ایسے ہی عقلمند، راستباز، نیک طینت فائدہ اٹھاتے ہیں جو فراست و دور بینی، باریک نظری، انصاف پسندی، خدا ترسی اور تقویٰ شعاری کا مادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:-

"معجزات اور کرامات امور اسبابی ہیں لیکن ان پر کمال غالب ہوگیا ہے اور اس وجہ سے اور اسبابی امور سے ممتاز ہیں۔" (تفہیمات الٰہیہ)

اس لئے اہل السنت جو خرق عادت کے قائل ہیں اس سے ان کی مراد صرف یہ ہے کہ وہ واقعہ جو عام عادت جاریہ کے خلاف وقوع میں آیا ہے گو وہ بظاہر عادت جاریہ کے خلاف واقع ہوا ہے مگر در حقیقت خلاف قانون قدرت نہیں۔ ہاں انسانوں کے بنائے ہوئے اور سمجھے ہوئے قانون قدرت کے ضرور خلاف ہے۔ اور اس قانون قدرت کی حقیقت ہم دکھلا چکے ہیں پس نتیجہ کے طور پر حسب ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) معجزہ ممکن الوقوع اور خدا کا فعل ہے۔

(۲) مدعی نبوت سے معجزات صادر ہوئے۔

(۳) نبوت اور پیغمبری کا وجود ہے۔

(۴) جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے۔

امر خارق عادت کی تقسیم

امر خارق عادت کی جو کسی شخص سے ظاہر ہو۔ دو۲ قسمیں ہیں۔ یا تو اس کا ظہور شخص مذکور سے کسی دعویٰ کے ساتھ ہوگا یا بغیر دعویٰ کے اگر دعویٰ کے ساتھ ہے تو اس کی چار قسمیں ہیں ۱؎ وہ دعویٰ الوہیت کا ہوگا

یا نبوت کا یا ولایت کا اور یا سحر کا

مدعی الوہیت سے ظہور خوارق جائز ہے اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ کوئی شخص اس کا معارض ہو اور اسے عاجز کر دے جیسا کہ نقل کیا گیا ہے کہ فرعون الوہیت کا مدعی تھا اور اس سے خارق عادت امور ظاہر ہوتے تھے اور ایسا ہی دجال کے حق میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ ایسے شخص سے ظہور خوارق اس لئے جائز ہے کہ اس کا جھوٹا ہونا ظاہر ہے کیونکہ اس کی شکل وصورت اور اس کی جسمیت وخلقت اس کے کذب پر دلالت کرتی ہے اور اس کے ہاتھ پر امر خارق عادت کے ظہور سے التباس واقع نہیں ہوتا۔

مدعی نبوت دو حال سے خالی نہیں یا واقع میں صادق ہوگا یا کاذب اگر وہ واقع میں صادق ہے تو اس کے ہاتھ سے ظہور خوارق واجب ہے اگر وہ کوئی امر بھی خارق عادت نہ کھلا سکے تو فی الحقیقت وہ نبی نہیں ہے جو لوگ نبوت انبیاء کے قائل ہیں اس پر ان سب کا اتفاق ہے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا کہ اگر وہ مدعی نبوت واقع میں کاذب ہے تو اس سے ظہور خوارق جائز نہیں ہے اور اگر بالفرض ظاہر ہو تو اس کے لئے کسی معارض کا ہونا ضرور ہے جو اس کو نیچا دکھلا سکے۔

مدعی ولایت سے ظہور خوارق بالاتفاق جائز ہے مگر اس بارے میں اختلاف ہے۔ کہ آیا یہ بھی جائز ہے یا نہیں کہ وہ کرامات کا دعویٰ کرے اور اس کے دعوی کے مطابق کرامت کا ظہور ہو۔

مدعی سحر سے اہل السنت کے نزدیک ظہور خوارق جائز ہے مگر معتزلہ کے نزدیک جائز نہیں۔

اگر وہ شخص جس سے امر خارق عادت ظاہر ہو کسی امر کا مدعی نہیں ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا وہ نیک بخت عبادت گزار ہوگا اور یا خبیث گنہگار۔ اگر نیک بخت عبادت گزار ہے تو ولی ہے اور اس سے جو امر خارق عادت ظاہر ہوا ہے وہ کرامت ہے۔ اور اگر فاسق بدکار اور خبیث گنہگار ہے تو اس سے جو امر خارق عادت ظاہر ہو وہ استدراج ہے (علامہ عبدہٗ مصری)

اعتراف نبوت لازمۂ انسانی ہے

اس لئے آغاز عالم سے یہ اعتراف سب فرقوں اور قوموں میں مشترک رہا ہے اس میں کسی قوم اور فرقہ کی تخصیص نہیں ہے اور یہ اس وجہ سے کہ بعثت انبیاء انسان کی اصلاح وتعلیم کے لئے ایسی ہی ضروری اور لازمی ہے جیسے زندگی کے لئے غذا اور اس کے بغیر کوئی مذہب قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے خدائے ذوالجلال وقتاً فوقتاً انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ کو دنیا کی اصلاح کے لئے ہر مذہب وملت میں بھیجتا رہا اور یہ مقدس سلسلہ ہمارے نبی محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر ختم ہوگیا۔

اگرچہ نبوت کا اعتراف تمام مذاہب اور فرقوں میں مشترک ہے لیکن حقیقی معنوں میں نبوت کا اعتراف صرف مسلمانوں ہی سے مخصوص ہے کیونکہ وہ ہر ملک و ملت میں نبیوں کا آنا تسلیم کرتے ہیں مگر دیگر مذاہب نبوت کو صرف اپنے ہی لئے مخصوص کرتے ہیں جو درحقیقت نبوت کا انکار ہے اور جب بایں معنے نبوت کا انکار ہے تو وہ دراصل خدا کی ہستی ہی کے منکر ہیں کیونکہ توحید و رسالت لازم و ملزوم ہیں اور یہ بات صرف مسلمانوں میں پائی جاتی ہے اس لحاظ سے سوائے مسلمانوں کے تمام فرقے کافر ہیں اگرچہ وہ خدا پرستی اور توحید پرستی ہی کا دم کیوں نہ بھریں۔

دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہوئی جسمیں کوئی اصلاح کرنیوالا پیدا نہ ہوا ہو۔ اسی بنار پر مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ کم و بیش دُنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیار علیہم السلام مبعوث ہوئے مگر قرآن کریم میں بعض کا ذکر ہے بعض کا نہیں۔ یہ تمام برحق تھے اور ہمیں سب پر ایمان لانا چاہئے۔

اب ہم چند مشہور انبیار و رسل کے نام بیان کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں ہے

مشہور انبیاء و رسل کے نام

سب سے پہلے نبی ابو الآدم حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے بعد حضرت شیث، حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہ السلام ہوئے ان کے بعد اور بھی بہت سے گزرے مگر اللہ پاک نے قرآن کریم سورۂ انعام میں صرف اٹھارہ انبیار و رسل علیہم السلام کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

حضرت نوح۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام۔ ان کی اولاد میں مشہور انبیار یہ ہیں حضرت داؤد۔ حضرت سلیمان۔ حضرت ایوب، حضرت یوسف۔ حضرت موسیٰ حضرت ہارون، حضرت ذکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت الیاس، حضرت اسمٰعیل، حضرت الیسع۔ حضرت یونس اور حضرت لوط علیہم السلام۔

ان انبیار علیہ السلام کو فرق مراتب اور اکرام و تفضل کے لحاظ سے مختلف درجات میں رکھا گیا ہے وہ مراتب چھ ہیں۔ جو یہ ہیں۔

پہلا مرتبہ۔ عوام الناس کے نزدیک سلطنت و بادشاہی اور قوت و عظمت ہے اس مرتبہ میں قرآن کریم نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو رکھا ہے۔

دوسرا مرتبہ۔ امتحان و ابتلا۔ بلار شدید اور محنت عظیم ہے۔ یہ مرتبہ حضرت ایوب علیہ السلام سے خاص ہے۔

تیسرا مرتبہ۔ سلطنت و بادشاہی اور امتحان و ابتلا کا جامع ہے اور یہ مرتبہ حضرت

یوسف علیہ السلام کے لئے خاص ہے کیونکہ آپ نے اپنے بھائیوں کے ہاتھ سخت تکلیف و مصیبت اٹھا کر پھر مصر کی بادشاہی حاصل کی تھی۔

چوتھا مرتبہ ۔ قوت معجزات ۔ کثرت براہین ۔ مہابت عظیم ۔ تقریب عظیم اور تکریم تام کا ہے اور یہ خواص حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام سے مخصوص ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کثرت کے ساتھ معجزات براہین ملے تھے ۔ آپ پُر رعب اور صاحب جاہ و جلال نبی تھے اور اللہ پاک نے آپ کو ہمکلام ہونے کا شرف عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے آپ کو موسیٰ کلیم اللہ کہا جاتا ہے ۔

پانچواں مرتبہ ۔ زہد شدید اور ترک دنیا کا ہے اور یہ وصف حضرت ذکریا حضرت یحییٰ حضرت الیاس اور عیسیٰ علیہم السّلام کے ساتھ خاص ہے ۔

چھٹا مرتبہ ۔ یہ ہے کہ دُنیا میں ان کا کوئی مددگار اور تبع باقی نہ رہا ہو ۔ اس مرتبہ میں حضرت اسمٰعیل حضرت الیسع حضرت یونس اور حضرت لوط علیہم السلام ہیں ۔

تمام انبیاء ایک ہی دین کے داعی تھے

اور انسان کے لئے خدا کی طرف سے ایک ہی مذہب لیکر آئے تھے یعنی سب نے توحید ہی کا سبق دیا تھا ۔ صرف شرائع اور مناہج میں اختلاف ہوتا رہا ۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ تمام انبیاء ان عقائد و اعمال میں متفق تھے خدا تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں ایک ہے ۔ اس کی عبادت کرنی چاہئے اور اسی سے استعانت مانگنی چاہیے اس نے تمام حوادث کے پیدا کرنے سے پہلے ہر ایک چیز کا اندازہ کر لیا تھا ۔ فرشتے گناہوں سے پاک ہیں اور اللہ کے حکم کے تابع ہیں اللہ تعالےٰ اپنے جس بندے پر چاہتا ہے کتاب نازل کر دیتا ہے ۔ اس کی عبادت بندوں پر فرض ہے ۔ قیامت حق ہے ۔ مرنے کے بعد جی اٹھنا حق ہے ۔ جنت دوزخ حق ہیں اسی طرح نیکیوں میں طہارت ۔ صلوٰۃ ۔ زکوٰۃ ۔ صوم اور حج وغیرہ میں تمام انبیا متفق تھے اور نوافل طاعات دعا و ذکر اور تلاوت کتاب اللہ کو تقرب الٰہی کا ذریعہ بتلاتے تھے ۔

اسی طرح نکاح اور تحریم زنا ۔ اقامت عدل ۔ اقامت الحدود ۔ مظالم کی روک تھام جدال و قتال کی ممانعت ۔ خدا کے دشمنوں کے ساتھ جہاد اور اشاعت دین میں سب انبیاء علیہم السلام متفق تھے اور یہی امور اصل دین میں ہے

ایک نکتہ یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ قرآن کریم نے تفصیلاً تمام نبیوں اور ہادیوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ اجمالاً تمام نبیوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا اور تمام قوموں میں ہادیوں کا

آنا تسلیم کیا ہے اس میں حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ اسلام دنیا میں اتحاد نسل انسانی اور اتحاد مذاہب کرانے کے لئے آیا ہے اگر وہ تمام انبیاء کے نام بالتفصیل بتا دیتا تو مسلمان بھی دیگر قوموں کی طرح اپنے ہی نبیوں کو ماننے پر مجبور ہوتے اب اس صورت میں وہ تمام ممالک و اقوام کے بزرگوں، رشیوں، منیوں اور اوتاروں کی تعظیم و تکریم کرنے پر مجبور ہیں اس کو ہم ذرا تفصیل کیساتھ ایک ذیلی سرخی کے ماتحت بیان کرتے ہیں۔

اسلام اور وحدت نسل انسانی کا گر

دنیا میں خدا کی طرف سے جتنے بھی پیغمبر آئے وہ سب کے سب توحید کے علمبردار اور ایک ہی مذہب کے داعی تھے لیکن قوموں نے اپنے اپنے پیغمبروں کو تو مانا لیکن دوسری قوموں کے پیغمبروں کے ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کو جھوٹا بتلایا اور ان کے در پے آزار ہو گئے اس وجہ سے مذہبی اختلافات اور جنگ و جدال پیدا ہو گئے۔ اسلام دنیا میں آیا اور بنی نوع انسان کو تعصب و عناد کی تاریکی اور گمراہی و غلطی سے نکالنے کے لئے ذیل کا اعلان کیا۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ

ہم ایک خدا کو مانتے ہیں۔ اور تمام آسمانی کتب کو جو ہماری طرف اتریں۔ یا ابراہیمؑ پر اسمعیلؑ اسحاقؑ اور یعقوبؑ پر اور جو کچھ ان کی اولاد پر اترا سب کو مانتے ہیں۔ اور اس کو مانتے ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر اترا الغرض ہم تمام انبیاء پر جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا سب کو مانتے ہیں اور خدا کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کی توقیر و تعظیم کرتے ہیں اور کسی قسم کا تمیز و تفرقہ نہیں کرتے۔

پھر فرمایا

وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ مسلمانو! اصولی طور پر یاد رکھو کہ ہر ایک قوم کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادی آئے ہیں۔ قرآن کریم میں ان سب کا ذکر نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی فہرست بہت لمبی ہے وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْكَ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ ہم نے کچھ رسولوں کا تو ذکر کر دیا ہے اور کچھ رسولوں کا ذکر آپ سے نہیں کیا لیکن اصول یہ ہے کہ تمہیں ہر ایک قوم کے ہادیوں کی صرف عزت ہی نہیں کرنی چاہیے بلکہ ان سب پر ایمان لانا چاہیے اور اسی

طرح ہر قوم کی آسمانی کتاب پر بھی ایمان لانا چاہئے اس سے بڑھ کر اور کوئی تعلیم اور اصول نہیں جو بنی نوع کی مختلف شاخوں اور قبائل کو متحد اور مجتمع کر سکے اور ان میں کوئی فرق نہ رہنے دے۔

کتاب اور رسول کے متعلق پہلی کتابوں اور قوموں کا جو طرز عمل ہے اب وہ بھی ملاحظہ فرمائیے وید وغیرہ تو کتاب اور رسول کے نام ہی سے خاموش ہیں چہ جائے کہ وہ ان کے متعلق کوئی صحیح نظریہ اور مفہوم قائم کرتے۔ انجیل میں خدا کا بیٹا آکر سب نبیوں کو چور اور بٹ مار قرار دیتا ہے۔ رہ گئی توراۃ اس میں یہ نظر آتا ہے کہ جس قوم کو وہ کتاب ملی ہے صرف وہی خدا کی ایک برگزیدہ قوم ہے اور اسی میں کتابیں اور رسول آتے رہے اب اس بات کا ثبوت کہ اس کتاب کے احکام انسانی افترا نہیں بلکہ خدا کے نازل کردہ ہیں اور رسولوں کی شناخت کا کیا معیار ہے ان امور پر روشنی ڈالنے سے تمام الہامی وغیر الہامی کتابیں خاموش ہیں۔

عصمت انبیاء مسلمانوں کو اعتقاد رکھنا چاہئے کہ خدائے ذو الجلال نے جس قدر رسول دنیا میں بھیجے ہیں وہ سب گناہوں سے پاک اور نیک کردار تھے، شرک وکفر تو کجا صغیرہ گناہ سے بھی معصوم تھے نیز تمام اخلاقی خوبیوں کے جامع اور افعال ذیلہ سے بری سمجھے المساٴ ۃ کے حاشیہ پر ہے۔

جاننا چاہئے کہ نفس کی بہت سی صورتیں اور شکلیں ہیں بعض ان میں راسخ ہوتی ہیں اور بعض غیر راسخ، جو غیر راسخ ہیں ان کو حال کہتے ہیں اور جو راسخ ہیں ان کو ملکہ کہا جاتا ہے اور عصمت انبیاء ان کی ملکات کی قبیل سے ہے پس وہ ایک ملکہ ہے جو صاحب عصمت کو فسق وفجور سے باز رکھتا ہے اور حال ارتکاب معاصی اور اجتناب طاعات ہے۔ ملکہ شروع میں حال ہوتا ہے اور گناہوں کے معائب ان کے مضار ومفاسد اور انجام جان لینے کے بعد ملکہ ہو جاتا ہے یعنی گناہوں سے بچنے کی عادت راسخ ہو جاتی ہے اور وہ طاعات کے محاسن وخوبیاں اور مصالح ومنافع جاننے کے بعد اور بھی راسخ ہو جاتا ہے اور یہ نیک سرشتی کسی طرح بھی نہیں جاتی یہ اس طرح کہ جو انسان گناہوں کی برائیاں اور طاعات کے محاسن جان لے وہ لازمی طور پر طاعات وعبادات کی طرف راغب ہوتا ہے اور گناہوں سے نفرت کرتا ہے پس وہ اطاعت کرتا ہے اور گناہ نہیں کرتا اور انبیاء میں یہ ملکہ وحی الٰہی کی متابعت سے زیادہ راسخ ہوتا ہے۔

ثبوت۔ ضرورت نبوت اور معصومیت انبیاء علیہم السلام پر فاضل اجل حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں۔

"القصہ جب اسباب طاعت و فرمانبرداری سب کے سب خداوند عالم میں موجود ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ اوروں میں اس قسم کی چیز اگر ہے تو اس کا فیض ہے تو بیشک خداوند عالم تمام عالم کے حق میں واجب الاطاعت ہوگا لیکن اطاعت اور فرمانبرداری اور تابعداری اس کو کہتے ہیں کہ دوسروں کی مرضی کے موافق کام کیا جائے ورنہ خلاف مرضی کرنے پر بھی طاعت اور بندگی اور فرمانبرداری ہی رہی تو پھر گناہ و خطا اور طاعت و بندگی میں کیا فرق رہے گا۔ الحاصل اطاعت کے لئے توافق رضا ضرور ہے لیکن رضا و عدم رضا کا یہ حال ہے کہ ہم باوجودیکہ سراپا ظاہر ہیں ہماری مرضی عدم مرضی ایسی مخفی ہے کہ بے ہمارے اظہار کے ظاہر نہیں ہو سکتی بے ہمارے بتلائے کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی بے ہماری تصریح و اشارہ کنایہ کے کسی کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی اس صورت میں اس خداوند عالم کی مرضی اس پوشیدگی پر کہ آج تک خدا تعالیٰ کو کسی نے دیکھا ہی نہیں بے خدا کے بتلائے کسی کو کیونکر اطلاع ہو سکتی ہے لیکن بادشاہان دنیا و محبوبان دار فنا کو ہم دیکھتے ہیں کہ اس نام کی ملکیت اور محبوبیت اور ذرا سے سامان نخوت پر مکان مکان اور دوکان دوکان اپنے مطیعوں سے کہتے نہیں پھرتے کہ یہ بات ہماری موافق مرضی ہے اس کی تعمیل کرنی چاہیئے اور یہ بات خلاف مرضی ہے اس سے احتراز لازم ہے بلکہ مقربان درگاہ ان کے ارشادات اور اشارات کے موافق اوروں کو مطلع کر دیا کرتے ہیں اور حسب ضرورت اشتہار و منادی کرا دیتے ہیں اس صورت میں خداوند عالم کو اس سامان بے نیازی پر کہ وہ کسی کا کسی بات میں محتاج نہیں اور سوا اس کے سب محتاج ہیں کب سزاوار ہے کہ ہر کسی سے کہتا پھرے کہ اس کام کو کرنا چاہیئے اور اس کام کو نہ کرنا چاہیئے وہ بھی اپنے مقربان خاص کے ذریعہ سے اوروں کو اپنی رضا و غیر رضا سے مطلع کرتا ہے ہم انہیں مقربوں کو جو خداوند عالم کے ارشادات کی اطلاع اوروں کو کرتے ہیں پیغمبر، نبی اور رسول کہتے ہیں، وجہ تسمیہ خود ظاہر ہے لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی کسی کا مقرب جبھی ہو سکتا ہے جبکہ اس کی موافق مرضی ہو جو لوگ مخالف مزاج ہوتے ہیں قرب و منزلت ان کو میسر نہیں آ سکتا چنانچہ ظاہر ہے مگر یہ بھی ظاہر ہے اگر کوئی شخص یوسف ثانی اور حسن میں لاثانی ہو پر اس کی ایک آنکھ مثلاً کانی ہو تو اس ایک کا نقصان تمام چہرہ کو بدنما اور نازیبا کر دیتا ہے ایسے ہی اگر ایک بات بھی کسی میں دوسروں کے مخالف مزاج ہو تو اُن کی اور خوبیاں ہوئی نہ ہوئی برابر ہو جائیں گی۔ غرض ایک عیب بھی کسی میں ہوتا ہے تو پھر محبوبیت اور موافقت طبیعت و رضا متصور نہیں جو امید تقرب ہو اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انبیاء اور مرسل سراپا اطاعت ہوں اور ایک بات بھی ان میں خلاف مرضی خداوندی نہ ہو۔ اسی وجہ سے ہم انبیاء کو معصوم کہتے

ہیں اور اس کہنے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ ان میں گناہ خداوند عالم کا مادہ اور سامان ہی نہیں۔ کیونکہ ان میں جب کوئی صفت بُری ہی نہیں تو پھر اُن سے بُرے افعال کا صادر ہونا بھی ممکن نہیں اس لئے کہ افعال اختیاری تابع صفات ہوتے ہیں اگر سخاوت ہوتی ہے تو داد و دہش کی نوبت آتی ہے اگر بخل ہوتا ہے تو کوڑی کوڑی جمع کی جاتی ہے۔ شجاعت میں معرکہ آرائی اور بزدلی میں پس پائی ظہور میں آتی ہے۔ ہاں یہ بات ممکن ہے کہ بوجہ سہو یا غلط فہمی جو گاہ بگاہ بڑے بڑے عاقلوں کو بھی پیش آجاتی ہے۔ سوائے خداوند علیم کے اور کوئی اُس سے منزہ نہیں کسی مخالف مرضی کام کو موافق مرضی اور موافق مرضی کو مخالف مرضی سمجھ جائیں اور اس وجہ سے بظاہر خلاف مرضی کام ہو جائے تو ہو جائے یا بوجہ عظمت و محبّت مطاع ہی مخالفت کی نوبت آجائے مگر اس کو گناہ نہیں کہتے۔ گناہ کے لئے یہ ضرور ہے کہ عمداً مخالفت کی جائے۔ بھول چوک کو لغزش کہتے ہیں۔ گناہ نہیں کہتے۔ یہی وجہ ہے کہ موقع عذر میں یہ کہا کرتے ہیں کہ میں بھول گیا تھا۔ اگر بھول چوک بھی گناہ ہوا کرے تو یہ عذر اور الٹا اقرار خطا ہوا کرتا۔ عذر نہ ہوا کرتا۔ افعال ہر چند تابع صفات ہیں لیکن موقع بے موقع کا پہچاننا بجز عقل سلیم و فہم مستقیم ہرگز متصور نہیں اس لئے ضرور ہے کہ انبیاء میں عقل کامل اور اخلاق حمیدہ ہوں گے تو محبت بھی ضرور ہوگی کیونکہ خلق حسن کی بنا محبّت پر ہی ہے اور جب موقع اور محل کا لحاظ ہے اور عقل کامل موجود ہے تو پھر خدا سے بڑھکر اور کونسا موقع سزاوار محبت ہوگا۔ مگر خدا کے ساتھ محبت ہوگی تو عزم اطاعت و فرمانبرداری بھی ضرور ہوگا جس کا انجام یہی نکلے گا کہ ارادہ نافرمانی کی گنجایش ہی نہیں اور ظاہر ہے کہ اس کو معصومیت کہتے ہیں۔ اب یہ گزارش ہے کہ مدار کار نبوت عقل کامل اور اخلاق حمیدہ پر ہے۔ رہے معجزات وہ خود نبوت پر موقوف ہیں۔ نبوت ان پر موقوف نہیں یعنی یہ نہیں کہ جس میں معجزات نظر آئیں اس کو نبوت عطا کریں ورنہ خیر جس میں نبوت ہوتی ہے۔ اُس کو معجزات عنایت کرتے ہیں تاکہ عوام کو بھی اس کی نبوّت کا یقین ہو جائے اور نبی کے حق میں اس کے معجزے بمنزلہ سند و دستاویز ہو جائیں۔ اس لئے اہل عقل کے نزدیک اوّل عقل کامل اور اخلاق حمیدہ ہی کا تجسّس چاہئے۔" الخ

آنحضرت صلعم کی نبوت کا ثبوت

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ

یُزَکِّیْھِمْ اللہ پاک وہ ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور انہیں پاک کرتا ہے۔

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
شوکت مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم
منہدم کس نے الٰہی قصر کسرے کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِ یتیم
اور غلاموں کو زمانہ بھر کا مولا کر دیا
سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسن کائنات
اب کسی نے اس کو عالم آشکارا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

نبوّت کی حقیقت اور اس کے متعلقات معلوم کر لینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا ایک بدیہی مسئلہ رہ جاتا ہے۔ اور جس شخص کو تاریخ اسلام سے ذرا بھی واقفیت ہے وہ آپ کو نبی ماننے پر مجبور ہے چند عام فہم ثبوت پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ملک عرب میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی اس لئے اہل عرب آپ کے تمام اقوال وافعال سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے آپ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے تھے جہاں ہر قسم کی گندگی۔ ناپاکی اور بداخلاقی کی کثرت تھی مگر آپ بچپن ہی سے تمام ناپاکیوں سے پورے طور پر مجتنب رہے اور آپ بچپن ہی سے راست باز اور دیانتدار تھے یہاں تک کہ آپ کی صداقت کے متعلق تمام کفار قریش کی متفقہ گواہی موجود ہے جو آپ کے جانی دشمن تھے چنانچہ جب ہرقل نے آپ کے جانی دشمن ابوسفیان سے پوچھا ھل کنتم متھمونہ تو اس نے آپ کے سچے اور راستباز ہونے کا پُرزور اقرار کیا۔ آپ کے چچا ابوطالب آپ کی نسبت شہادت دیتے ہیں کہ آپ پسندیدہ خو، راستبازی اور دیانت میں سب سے بڑھ کر تھے۔ آپ کا دشمن اُمیہ بن خلف کہتا ہے واللہ مایکذب محمدٌ اذا حدث خدا کی قسم محمد (صلعم) جب بات کرتا ہے تو جھوٹ نہیں بولتا حد ہے کہ ابوجہل جیسے دشمن کی شہادت ہے انا لا نکذبک بل نکذب ماجئت بہ۔ ہم تجھے جھوٹا نہیں کہتے بلکہ ہم تو تیرے دعویٰ کو جھٹلاتے ہیں۔ جائے انصاف ہے کہ کیا ایسا شخص

جس کی صداقت پر دشمن گواہ ہوں، تمام عمر جھوٹ نہ بولا ہو اور اس کی صداقت شعاری آفتاب کے مانند روشن ہو، کیا وہ دعوئ نبوت میں جھوٹا ہو سکتا ہے۔ ظن غالب یہی حکم لگاتا ہے کہ یقیناً وہ شخص راستباز ہے

(۲) اپنے اور غیر سب جانتے ہیں کہ ایک ایسا شخص جس نے نہ کسی کی ایک دن شاگردی کی ہو، نہ کوئی کتاب پڑھی ہو نہ کسی علمی سوسائٹی کی ہوا لگی ہو اور نہ چالیس برس تک نبوت و رسالت کا نام تک سُنا ہو اور بعد چالیس سال کے نبوت کا دعوٰی کرے اس کی زبان سے ایسے ایسے علوم ظاہر ہوں جو دنیا کے تمام علماء و عقلاء کو محوِ حیرت کر دیں اور پچھلی قوموں اور گزشتہ نبیوں کے حالات اسی طرح سُنائے جس طرح ان کی کتابوں میں ہوں، کیا ایسا شخص جھوٹا ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ عقل سلیم قطعی طور پر فیصلہ کرتی ہے کہ باتیں بغیر وحی سماوی اور الہام الٰہی کے ممکن ہی نہیں۔

(۳) کسی شخص کے کوئی جھوٹا دعوٰی کرنے کا مقصد محض یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک و قوم میں عزو جاہ، مال و دولت، عیش و آرام، خوبصورت سے خوبصورت عورتیں اور دیگر سامان تعیش و لذات حاصل کرے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان چیزوں میں سے کوئی چیز آپ نے حاصل کی۔ سب جانتے ہیں جس وقت حضور نے نبوت کا دعوٰی کیا تو تمام عرب آپ کا جان لیوا دشمن ہو گیا اور وہ مال و دولت کا ڈھیر آپ کے قدموں میں ڈالنے کو تیار تھے۔ خوبصورت سے خوبصورت عورت سے نکاح کر دینے پر رضامند تھے اور یہاں تک کہ اپنا بادشاہ بھی تسلیم کرنے پر آمادہ تھے مگر آپ نے ان تمام دُنیاوی وجاہتوں پر ٹھوکر ماردی اور تمام عمر صبر و قناعت، رنج و مصیبت اور بے سر و سامانی میں گزاری دنیا کا کوئی عقلمند اور انصاف پسند انسان بتلائے توسہی کہ کیا جھوٹا بھی دنیاوی وجاہتوں سے مُنہ موڑ سکتا ہے۔ اگر نعوذ باللہ آپ جھوٹے تھے تو آپ نے نبوت کا دعوٰی کر کے لیا۔ آپ کی فقیرانہ زندگی کو سامنے رکھکر ایک دیوانہ بھی یہی فیصلہ کرے گا کہ دنیا میں ہر شخص اس لئے کوئی جھوٹا دعوٰی کرتا ہے کہ وہ اپنے مکر و فریب سے کوئی دُنیاوی وجاہت حاصل کرلے اور حضور نے اس سے نفرت کی پس یقیناً آپ اپنے دعوٰی میں سچے اور خدا کے برگزیدہ رسول تھے۔

(۴) آپ بذات خود اُمّی تھے اور جس ملک میں آپ پیدا ہوئے، ہوش سنبھالا اور ساری عمر گزاری اس میں نہ علوم دینی کا پتہ تھا اور نہ علوم دنیوی کا نشان۔ نہ کوئی آسمانی کتاب تھی اور نہ کوئی زمینی اور بباعث جہالت جہاں بت پرستی، قمار بازی، شراب خواری، بدکاری، غارت گری اور ہر قسم کی خرابی و بداخلاقی کا زور تھا۔ جائے غور ہے کہ ایک ان پڑھ شخص ایسے تاریک خطہ میں اول سے آخر تک عمر گزارے اور پھر اس پر ایسا دین، ایسا آئین، ایسی لاجواب کتاب اور ایسی ہدایات بینات

عرب کے وحشی جاہلوں کے سامنے پیش کرے، جو ان کو الٰہیات یعنی علوم ذات وصفات خداوندی جو تمام علوم پر مشتمل ہے علم عبادات، علم اخلاق، علم سیاسیات، علم معاملات اور علم معاش ومعاد میں عرب کے وحشیوں کو رشک ارسطو وافلاطوں بنا دے جس کے باعث تہذیب عرب حکمائے عالم کے لئے رشک شائستگی ہو جائے۔ غور کرو کیا یہ کسی جھوٹے کا کام ہے اگر عقل وسمجھ رکھتے ہو تو یقین کرو کہ یہ وہ کام ہے جس کو کوئی بھی سر انجام نہ دے سکا مگر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دکھایا۔

آپ کا فلسفہ، اخلاق، تزکیۂ روح، الٰہیات، معاد، قانون معاشرت اور اصول تمدن کے سامنے تمام دنیا کے حکیم، فلسفی اور مقنن سرنگوں ہیں اور تہذیب اسلام سے استفادہ کر رہے ہیں کیا ایسے ایسے دقائق ونکات کا بتلانا ایک امی سے ممکن ہے اور کیا عقل انسانی یہ باور کر سکتی ہے کہ ایسا شخص خدا کا فرستادہ نہیں اور کیا ایسی کوئی نظیر پیش کی جا سکتی ہے۔

(۵) انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ انسان کے دل میں جو خیال آتا ہے وہ بیرون تاثیرات یعنی ان ہی واقعات، روایات اور خیالات کا نتیجہ ہوتا ہے جو اس کے اردگرد پھیلے ہوتے ہیں ان ہی کو وہ اوّل بدل کر ایک دوسری صورت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس اصول فطرت کے مطابق غور کرو کہ آنحضرت نعوذ باللہ اپنے دعویٰ رسالت میں جھوٹے ہوتے یا تورات وانجیل سے واقفیت بہم پہنچائی ہوتی اور یا آپ نے کسی یہودی اور عیسائی سے تعلیم پائی ہوتی تو چاہئے تھا کہ آپ نے جو مذہب دنیا کے سامنے پیش کیا وہ یہودیت اور عیسائیت سے ملتا جلتا ہوتا۔ مگر یہ بات ہر شخص ماننے پر مجبور ہے کہ اسلام کی بنیاد کسی پہلے مذہب پر نہیں، اسلام نے تو دنیا میں اگر تمام مذاہب کی اصلاحیں کیں اور دنیا کے سامنے بڑی بڑی ہدایتیں رکھیں، آپ نے خدائی مذہب کو نئی بنیادوں کے ساتھ اٹھایا۔ آپ نے پہلے کسی مذہب کی بنیاد پر عمارت نہیں اٹھائی کیونکہ وہ قومی مذاہب تھے آپ نے قومی مذاہب کو توڑ کر ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد ڈالی۔

ان حالات میں اگر کوئی شخص دنیا میں ایسی عظیم الشان اصلاح کر کے دکھاوے کہ نہ صرف عرب سے بت پرستی، جہالت ووحشت، جور وظلم، قتل وسفاکی اور فسق وفجور دور کر کے اس جگہ پاکیزہ اخلاق، توحید وتقویٰ اور علم وحکمت سے آراستہ کر دے بلکہ اہل کتاب کی بھی تمام غلطیاں دور کر کے انہیں اس صحیح راہ پر دعوت دے جو خدا کی اور عقل وفطرت کی ہے اور ان کی اپنی اپنی قوم سے مخصوص تعلیم کو بدل کر ان کی بنیاد عالمگیر اصولوں پر رکھ دے تو کون عقلمند اس بات سے

انکار کرسکتا ہے کہ اس شخص کے علم وہدایت کا منبع آسمان ہے نہ کہ زمین۔ کیونکہ زمین تو جہالت و ضلالت سے پُر تھی۔ خدائی ہدایت اور عقل وبصیرت سے خالی تھی۔ کوئی علم وہدایت کی روشنی نہ تھی جو کسی قلب کو منور کرسکتی۔ ایسی حالت میں ایک نور آسمان سے آیا جس نے دُنیا کا گوشہ گوشہ منور کردیا اسی قرآن نے ان الفاظ میں فرمایا ہے

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

خدا وہ ہے جس نے ان پڑھوں میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو اُن پر خدا کی آیتیں پڑھتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے۔

محمد الرسول اللہ کی بعثت سے قبل دنیا کا کھلی گمراہی اور گہری تاریکی میں مبتلا ہونا اور ایک اُمّی کا ایک بت پرست، فاسق وفاجر وحشی اور جاہل قوم کا تزکیہ کرکے موحد، متقی، مہذب اور باخدا قوم بنا دینا اور اس کو ایسے علم وحکمت کی وارث بنا دینا جو تمام دُنیا کی تہذیب اور تعلیمی ترقی کا اصل منبع ہے ظاہر کرتا ہے کہ اس رسول کا مبعوث کرنے والا اور اس تعلیم کا نازل کرنیوالا خود خدا تھا نہ کوئی اور۔

(۶) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" آپ کہیں کے بادشاہ نہ تھے بادشاہ زادے نہ تھے، امیر نہ تھے، امیر زادے نہ تھے، نہ تجارت کا سامان تھا، نہ کھیتی کا بڑا اسباب تھا۔ نہ میراث میں کوئی چیز ہاتھ آئی۔ نہ بذات خود کوئی دولت کمائی۔ ایسے افلاس میں ملک عرب کے گردن کشوں، جفاکیشوں اور برابر کے بھائیوں کو ایسا مسخر کرلیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو تیار ہوں پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دو روز کا ولولہ تھا۔ آیا نکل گیا۔ ساری عمر اسی کیفیت سے گزار دی یہاں تک کہ گھر بار چھوڑا۔ زن وفرزند چھوڑے اور مال ودولت چھوڑا آپ کی محبت میں سب پر خاک ڈال، اپنوں سے آمادۂ جنگ وپیکار ہوئے۔ کسی کو آپ مارا کسی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ یہ تسخیر اخلاق نہ تھی تو اور کیا تھا۔ یہ زور شمشیر کسی تنخواہ سے آپ نے حاصل کیا۔ ایسے اخلاق کوئی بتلائے تو سہی حضرت آدم میں تھے یا ابراہیم میں تھے، یا حضرت موسیٰ میں تھے، یا حضرت عیسیٰ میں تھے۔ جب عقل واخلاق کی یہ کیفیت ہو۔ اس پر زہد کی یہ حالت کہ جو آیا وہی لٹا یا نہ کھایا نہ پہنا اور نہ مکان بنایا پھر کونسا عاقل یہ کہے گا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہم تو نبی ہوں اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہ ہوں۔ اُن کی نبوت

میں کسی کو تامل ہو کہ نہ ہو، پر محمد الرسول اللہ کی نبوت میں اہل عقل کو تامل کی گنجائش ہے
اب چند نقلی دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○
اے نبی تم بھی پیغمبروں میں سے ایک ہو

(۲) وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ
ہم نے یہ کتاب تم پر صرف اس لئے بھیجی ہے کہ تم ان کے سامنے اس مذہبی صداقت کو کھول کر بیان کر دو جس میں انہوں نے اختلاف برپا کر رکھے ہیں۔

(۳) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ○
اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو کتاب کی اُن بہت سی حقیقتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو اور بہت سی باتوں کو معاف کر دیتا ہے۔

(۴) قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ
تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک واضح کرنے والی کتاب آئی ہے اللہ پاک اس کے ذریعہ ان لوگوں کو جو اس کی پسند کے مطابق چلتے ہیں امن و سلامتی کا راستہ دکھاتا ہے انہیں ظلمت سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

(۵) يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○
اے نبی ہم نے تم کو گواہ، خوشخبری دینے والا ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور ایک روشن کرنیوالا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

داعی اسلام کی یہ عظیم الشان خدمات کسی ایک قوم یا ملک کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لئے عام ہیں اور یہ خصوصیت اور مرتبہ رسول اکرم کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوا کہ آپ سے پہلے جتنے انبیاء اور بانیان مذاہب دنیا میں آئے ہیں ان سب کا پیغام اپنی قوم اور اپنے ملک کے لئے مخصوص تھا مگر داعی اسلام کا مشن تمام دُنیا کے لئے عام ہے چنانچہ فرمایا :۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ط

اے لوگو میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

اے نبی ہم نے تم کو تمام دنیا کیلئے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے مگر بہت سے لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔

آنحضرت صلعم کے فضائل ومعجزات

حد شمار سے باہر ہیں مگر ہم یہاں صرف چند فضائل ومعجزات بیان کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے قافلہ سالار سب رسولوں کے سردار سب میں افضل اور سب کے خاتم ہیں۔ وہ اس طرح کہ انبیاء کے تمام کمالات وفضائل خدا کے عطا کردہ تھے اور وہ خدا تعالےٰ کی کسی خاص صفت سے مستفید تھے گو سب انبیاء میں قلیل وکثیر تمام ہی صفتیں تھیں مگر اصل منبع فیض کوئی ایک ہی صفت خاص تھی۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہم السلام شرف تکلم سے مستفید تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام احیاء موتی اور شفائے امراض کی صفت خاص سے مستفید تھے مگر محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صفت علمی میں ممتاز وسرفراز ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ علم وہ صفت اور فضیلت ہے جس کو تمام محاسن واوصاف اور انسانی کمالات پر فوقیت اور فضیلت ہے۔ تمام صفات اپنی کارگزاری میں علم کے محتاج ہیں مگر علم کسی کا محتاج نہیں غرض صفات میں علم سب سے افضل، سب پر افسر ہے علم سے اول کوئی صفت نہیں علم ہی پر مراتب صفات ختم ہیں پس جو نبی صفت العلم سے مستفید ہو اور علمی بارگاہ تک باریاب ہو وہی مراتب میں سب انبیاء سے زیادہ رتبہ میں اوّل سب کا سردار اور سب کا مخدوم ومکرم ہوگا اور باقی سب انبیاء اس کے تابع اور محتاج ہوں گے۔ اگر آنحضرت صلعم کی صفت علم کا اندازہ لگانا ہو تو قرآن کے اسرار ونکات معلوم کرو جو تمام علوم اولین وآخرین کا منبع ہے۔

اب یہ بھی ظاہر ہے کہ جس نبی پر تمام کمالات علمی وعملی ختم ہوں گے اور جو سب کا سردار اور مخدوم ہوگا وہ نبی خاتم الانبیاء ہی ہو سکتا ہے کیونکہ جو حاکم سب کے اوپر اور سب سے اعلیٰ ہوتا ہے اور سب عہدہ جس کے ماتحت ہوتے ہیں اس کا حکم اخیر حکم سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً پارلیمنٹ تک مرافعہ کی نوبت تمام ماتحت عدالتوں کے بعد آتی ہے۔ پارلیمنٹ اوروں کے احکام کو توڑ سکتی ہے مگر اس کے احکام کو کوئی نہیں توڑ سکتا اور اس کے احکام اوروں کے تو ناسخ ہوں گے۔ مگر اس کے احکام

کا ناسخ کوئی حکم نہیں ہو سکتا سو اسی طرح خاتم الانبیاء پر مراتب نبوت ختم ہو جانے چاہیں اور ضرور ہے کہ وہ خاتم روحانی بھی ضرور ہو۔ مگر یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ سوائے ہمارے نبی محمد الرسول اللہ ؐ کے کسی نبی نے دعویٰ خاتمیت نہیں کیا اور آپ کا دعویٰ خاتمیت دلائل عقلیہ اور نقلیہ دونوں سے ثابت ہے چنانچہ ذیل میں اس دعویٰ کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

آنحضرت پر تکمیل ہدایت اور ختم نبوت

داعی اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت اور سب سے بڑا شرف و امتیاز یہ ہے کہ آپ خدا کی طرف سے ایک دائمی پیغام لیکر آئے تھے چونکہ آنحضرت نے تمام ادیان سابقہ کی کتابوں کو فی الاصل تسلیم کیا اور انبیاء و رسل میں سے کسی کو بھی نہیں جھٹلایا اس لئے آپ کی شریعت کے بعد عالم انسانی کو خدا کی طرف سے کسی دوسرے پیغام کی ضرورت نہ رہی اور قدرتی طور پر دنیا آپ کے بعد پیغمبروں کی بعثت سے بھی مستغنی ہو گئی اس لئے آپ اللہ کے آخری رسول ہیں۔

اسلام کے شروع سے لیکر آج تک ختم نبوت کے بارے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ہو سکتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ قطعیات میں سے ہے اس میں اختلاف ہو ہی نہیں مگر بدقسمتی سے کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جس کو ختم نبوت سے انکار ہے اور ان کا یہ خیال ہے کہ انبیاء کی آمد کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ مگر وہ امی نبی ہوں گے۔ براہ راست نبی نہ ہوں گے اور نہ خدا کی طرف سے کوئی نئی شریعت لائیں گے۔ لیکن یہ خیال سراسر گمراہی اور قرآن و حدیث اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

اس ضمن میں لفظ "خاتم" کی بحث مشہور ہے ایک گروہ اس کو بمعنی مہر لیتا ہے اور تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کا عقیدہ اور قرآن و حدیث کا منشا یہ ہے کہ آپ نے دنیا میں تشریف لا کر نبوت کو ختم کر دیا ہے لیکن یہ ایک لفظی بحث ہے۔ خاتم کے معنے خواہ مہر کے لئے جائیں اور خواہ ختم کرنیوالے کے دونوں حیثیتوں سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں سب جانتے ہیں کہ مہر ایک نشانی ہے اور یہ خط کے آخر میں لگائی جاتی ہے نہ کہ درمیان میں سو اس حیثیت سے اس کے معنے یہ ہوئے کہ ہدایت بنی آدم اور تکمیل اخلاق کا جو کام انبیائے سابق سرانجام دیا کرتے تھے وہ سب بنی آدمی کی رہنمائی کے لئے احکام الٰہی کی تکمیل کی صورت میں آپ کی ذات میں ختم ہو چکا ہے اب آپ کے اتباع سے ہی دنیا کمال حاصل کر سکے گی اور موخر الذکر صورت کے بھی یہی معنے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نیا ہو یا پرانا حقیقی ہو یا غیر حقیقی اور صاحب شریعت ہو یا غیر صاحب شریعت

کوئی نبی ان تعریفات اصلاحات یا ان معنوں میں آنے والا نہیں۔ آپ سب کے خاتم ہیں۔
کہا جاتا ہے کہ خدائی فیضان جو انبیاء اور کتب سماوی کی صورت میں ہر زمانہ اور ہر قوم کے شامل حال رہا ہے آیندہ زمانوں میں بنی آدم کو اس سلسلہ فیوض سے کیوں محروم کیا گیا۔ سو یہ امر تو مسلم فریقین ہے کہ کتب سماوی کا آیندہ کے لئے نزول بند ہو چکا ہے تو اب ہم کہیں گے کہ اس حساب سے تو کتب سماوی کو بھی آیندہ کے لئے جاری ماننا چاہئے اس کا حقیقی جواب یہ ہے کہ اصل چیز کتب سماوی اور شریعت ہے۔ شریعت نبوت سے بھی زیادہ ضروری چیز ہے۔ جب انعام شریعت وہدایت آیندہ کے لئے بند ہو گیا تو پھر قدرتی طور پر نبوت کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ کیونکہ نبوت کا اجرا اس کے بعد ایک عبث چیز رہ جاتی ہے۔ بغرض تکمیل ہدایت اور ختم نبوت اقرار لازم وملزوم ہے۔ اگر ختم نبوت کا انکار رہے تو لامحالا تکمیل ہدایت کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ جو دلائل قرآن شریف کے خاتم الکتب ہونے پر چسپاں ہوں گے اور ہو سکتے ہیں وہی خاتم النبیین پر اسی حیثیت سے چسپاں ہوں گے۔
ہم کہتے ہیں آنحضرت صلعم پر تکمیل ہدایت کر دی گئی یا نہیں یعنی وہ ہدایت جو انسان کی نجات کیلئے ضروری تھی قرآن پاک کی صورت میں مکمل کر دی گئی یا نہیں اگر اس کا جواب اثبات میں ہے اور یقیناً ہے جیسا کہ سب مانتے ہیں تو تکمیل کے بعد تاریخ میں لیجانا کونسی عقل صحیح تسلیم کرتی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان ایک قطرہ سے بکر اپنی انفرادی زندگی کے مختلف مدارج ومراحل طے کرتا ہے رحم کی زندگی میں بچہ کا جسمانی نظام کچھ اور ہوتا ہے اور عالم طفولیت کا نظام کچھ اور ہوتا ہے تنفس اور غذا کا نظام رحم مادر میں کچھ اور ہوتا ہے اور بیرونی زندگی میں کچھ اور جب بچہ غذا کھانے کے قابل ہو جاتا ہے تو قدرتی غذا کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور پھر قوت لایموت خود انسان سے متعلق ہو جاتی ہے یعنی جب انسان عالم بلوغ میں قدم رکھتا ہے اور اپنی ضرورتیں اپنے فہم اور عمل کے ذریعہ پوری کرنے کے قابل بن جاتا ہے تو ساری قدرتی امداد بند ہو جاتی ہے نوع انسانی کے عہد طفولیت میں ہی قدرتی امداد دستگیری کا عمل جاری رہتا ہے اور جب وہ اپنی ضرورتوں کے سامان اپنی عقل و تدبیر سے مہیا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو پھر قدرتی دستگیری کا عمل قدرت کے اعتبار سے تو جاری رہتا ہے لیکن تدبیر کے لحاظ سے نہ ہو جاتا ہے اسی طرح وہ اسباب ہدایت جو نوع انسانی کے دماغی عہد طفولیت سے متعلق تھے وہ ایک خاتم الکتب اور خاتم الانبیاء کے آنے سے بند ہو گئے اور اگر نبیوں کے آنے کی اب بھی ضرورت ہے جو نوع انسانی کے بلوغ کا زمانہ ہے تو پھر اس کی توقع کیوں نہ رکھی جائے کہ اگر کوئی جوان آدمی کسی حادثہ کی وجہ سے بچہ کی مانند اپاہج ہو جائے تو پھر اس کی ماں کی چھاتی میں دودھ پیدا کر دیا

جائے اور ایک درخت بڑا ہو کر پھر اپنے تخم کی شکل میں واپس چلا جائے جیسے یہ دونوں باتیں محال ہیں ایسے ہی اب انسانی جماعت کے لئے انبیاء کا آنا ناممکن ہے کیونکہ نبوت کو جاری کرنا نوع انسانی کو طفولیت کی طرف لے جانا ہے۔ نبی کا آنا اب اسی طرح بند ہے جیسے جوان آدمی کے لئے ماں کا دودھ پس آپ پر ہر قسم کی نبوت ختم ہو گئی۔

پس جس طرح کسی انسان کو بلوغیت سے نکال کر طفولیت میں نہیں لیجایا جا سکتا اسی طرح تکمیل ہدایت کے بعد ارتقاء انسانی کی درمیانی منزلوں کی طرف رہنمائی نہیں کیجا سکتی ہے یہ معنے ہیں ختم نبوت اور تکمیل ہدایت کے کیونکہ تکمیل ہدایت سے مراد یہ ہے کہ انسان کا ذہنی ارتقاء جسمانی ارتقاء کی طرح تدریجی ہوا ہے دُنیا میں جس قدر نبی آئے وہ سب ارتقاء کی درمیانی کڑیاں تھیں انسان عالم ہدایت میں ایک ابتدائی حالت سے ترقی یافتہ صورت میں ترقی کرتا رہا اور انسان بتدریج علم و فہم جسمانی و ذہنی قوتوں میں ترقی کرتا رہا بالآخر اس سلسلہ ارتقاء کو محمد الرسول اللہ صلعم نے دُنیا میں آکر انتہائی اور آخری مدارج پر پہنچا دیا یعنی نوع انسانی عالم طفولیت سے گزر کر عالم بلوغت میں آگئی ہمارے حضور صلعم سے پہلے جتنے نبی آئے ان کا تعلق عالم طفولیت سے تھا اور ہمارے حضور صلعم نے عالم بلوغت میں پہونچا دیا چنانچہ اس پر خدائی تصدیق ان الفاظ میں ثبت کر دی گئی ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ط	آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا۔

یعنی ہدایت پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور انسان کے ذہنی ارتقاء نے مکمل صورت اختیار کر لی

اب رسالت کے بارے میں فرمایا۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ہ	کہدو! اے دنیا جہان کے لوگو میں تم سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرور عالم صلعم ساری دنیا کے لئے نبی ہو کر آئے تھے حالانکہ آنحضرت سے پہلے کوئی نبی ساری دنیا کی طرف نہیں آیا۔ پھر فرمایا۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہ	ہم نے تمہیں ساری دنیا کے لئے رحمت اور برکت بنا کر بھیجا ہے۔

ان تمام مراحل کے بعد فرمایا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ	محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ

رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ
نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔

یعنی آپ اگرچہ کسی مرد کے نسبتی باپ نہیں لیکن آپ اللہ کے رسول ہونے کی وجہ سے باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ اس میں آپ کی کمال شفقت بیان کی گئی ہے۔ گویا فرمایا۔ اول تو ہر رسول اپنی امت کا باپ ہے اور شفقت میں باپ سے بھی زیادہ۔ خصوصاً یہ رسول تو خاتم النبیین ہیں جن کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں آپ تمام انبیاء میں زیادہ شفیق ہوں گے اور اپنی امت کی ہدایت و خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے کیونکہ آپ سے پہلے رسولوں میں تو یہ بات تھی کہ اگر ان کی تعلیم میں کوئی کمی رہی تو اس کے آنے والے انبیاء نے تکمیل کر دی جیسا کہ شرائع متقدمہ میں اس کی نظیریں موجود ہیں لیکن جو تمام انبیاء کا خاتم اور آخر ہو اُس کو یہ فکر لاحق ہوگی کہ کسی طرح مخلوق کی ہدایت کا راستہ صاف ہو جائے اور کسی وقت بھی گمراہی کا خطرہ نہ رہے چنانچہ آپ اپنی اُمت کو راہ راست پر لانے کی سچی تڑپ اپنے دل میں رکھتے تھے۔ گمراہی پر اصرار کرنے سے آپ کی روح کو حد سے زیادہ صدمہ پہنچتا تھا۔ اور وہ اسی غم میں گھلے جاتے تھے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا
اے! اگر وہ اس بات پر ایمان نہیں لاتے تو کیا تو اپنی جان کو ان کے لئے رنج میں ہلاک کر دے گا۔

آپ کو اپنی امت سے بے حد محبت تھی اور ان کی بھلائی پر آپ حد سے زیادہ حریص تھے ان کے گمراہی کے انجام اور ان کی تکلیف و مصیبت سے آپ کا دل کڑھتا تھا اور آپ ان کے حق میں سراپا رحمت تھے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ
تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا جسے تمہاری تکلیف و مصیبت شاق گزرتی ہے۔ جسے تمہاری فلاح و بہبود کی حسرت دامنگیر رہتی ہے اور جو ایمانداروں کے ساتھ مہربان اور رحیم ہے۔

چونکہ آپ اکمل البشر اور افضل الانبیاء تھے اور تمام دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اس لئے آپ نہایت درجہ اپنی اُمت پر رحیم تھے۔ کسی سے درشتی سے پیش نہ آتے تھے۔ یہی تسخیر اخلاق کی قوت تھی جس نے ایک عالم کو آپ کا گرویدہ بنا دیا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔

اللہ کی رحمت سے تم ان کے ساتھ نرم ہو۔ اگر تم سخت کلام اور سخت دل ہوتے۔ تو وہ تمہارے ارد گرد سے منتشر ہو جاتے۔

حضور پُر نور کو اپنی امت سے انتہائی محبت و شفقت اسی وجہ سے تھی کہ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا جیسے ایک باپ اپنے پیچھے اولاد چھوڑنے والا ہو اور اس کے متعلقین میں کوئی ایسا شخص نظر نہ آتا ہو جو اس کے بعد اس کی اولاد کی پرورش اور نگرانی کر سکے تو ایسی حالت میں باپ کی شفقت و محبت جس قدر ہیجان میں آئے گی ظاہر ہے وہ اپنی حیات ہی میں ایسے سامان مہیا کرنے کی کوشش کرے گا کہ آیندہ اس کی اولاد کسی کی محتاج نہ رہے۔

اسی طرح ہمارے آقائے نامدار سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے شریعت و ہدایت اور فلاح و نجاح کی صراط مستقیم کو اس قدر ہموار، صاف اور روشن کر دیا ہے جس میں رات اور دن برابر ہے جس میں کوئی کجی اور اینچ پیچ نہیں۔ آپ کے بعد نہ کسی شریعت سابقہ کی حاجت ہے نہ لاحقہ کی اور نہ کسی نبی جدید کی ضرورت ہے اور نہ شریعت جدیدہ کی۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔

"بخلاف امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو آپ کی وجہ سے مستغنی فرما دیا ہے نہ وہ کسی نبی کے محتاج ہیں اور نہ محدث کے بلکہ وہ تمام فضائل آپ میں جمع کر دئے گئے ہیں۔ جو دوسرے انبیاء میں متفرق ہیں۔" (الفرقان)

غرض افضلیت محمدی اور خاتمیت محمدی دونوں عقلاً و نقلاً پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اسلام کی حد میں رہتے ہوئے ان دونوں سے کسی صورت میں بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

معجزات محمدی

صرف افضلیت و خاتمیت محمدی کمالات ہی میں واجب التسلیم نہیں بلکہ معجزات میں بھی افضلیت محمدی واجب الایمان ہے۔

آپ کے معجزات میں پہلا درجہ قرآن شریف کا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے اور ان کی نبوت ثابت کرنے والی کتاب ہے اور جس کی بے مثلیت اور معجز ہونے کی شان کالشمس فی النہار ہے اسی لئے ہم اس کی شان کو زیادہ واضح کر کے دکھلاتے ہیں۔

جیسے ہم خدائی کاموں کو مصنوعات عالم میں غور کر کے بآسانی پہچان لیتے ہیں اور انسانی مصنوعات سے اس کو الگ کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ہم خدا کے کلام قرآن شریف کو شعراء کے کلاموں، شستہ و مہذب بیانوں، بڑے بڑے بولنے والوں، غلغلہ انداز خطیبوں، معرکۃ الآراء لکچروں اور ادبی و علمی مصنفات

کے مقابلہ میں رکھکر آسانی سے اس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں کہ یہ خدائی کلام ہے انسانی کلام نہیں خدائی کلام کے پرکھنے کی کسوٹی یہ ہے

(۱) مدعی نبوت یعنی کتاب کے لانے والے کی کیسی حالت ہے؟

(۲) اس کی تعلیمی حالت اور بیرونی تاثرات کیسے ہیں؟

(۳) کیا اس جیسا آدمی ایسا کلام اپنی طرف سے لاسکتا ہے؟

(۴) کیا اس کے پاس ایسا سامان موجود ہے جس سے وہ ایسے بیش بہا علوم و مضامین ادا کر سکے؟

اب اس کسوٹی کے مطابق ہم دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں جس شخص کے ذریعہ سے آسمانی علوم و معارف کا مخزن قرآن شریف ہمیں ملا ہے اس کی زندگی کے حالات صاف ظاہر کرتے ہیں کہ وہ الہامی کتاب ہے جس شخص نے کسی درس گاہ میں تعلیم نہ پائی ہو کسی اُستاد اور معلم کے سامنے زانوئے ادب تہ نہ کیا ہو عمر بھر ایک حرف نہ پڑھا ہو، اہل علم کی صحبت نصیب نہ ہوئی ہو، متمدن قوموں کے نظام زندگی اور ان کی درسگاہوں سے واقف نہ ہو اور جسے کسی علمی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو۔ اس طرح اپنی عمر کے چالیس سال گزار کر دفعتہً ایسے علوم و معارف کا اظہار کرنے لگے جس کی دُنیا کے علما و عقلا کو ہوا نہ لگی ہو۔ دُنیا کے سامنے علم کے وہ اصول اور ضابطے پیش کرے جس پر علوم نقلیہ و عقلیہ کی بنیادیں قائم ہونے لگیں اور ایک کتاب پُر از حقائق و معارف علمی دنیا میں پیش کر کے دنیا میں ایک تہلکہ عظیم مچادے اور حقیقت کے چہرہ سے نقاب الٹ کر مخالفین و معاندین کو اس کی نظیر لانے سے عاجز کر دے۔

غرض اس قسم کے واقعات کا ایک اُمی شخص سے ظاہر ہونا اس امر کی کھلی شہادت ہے، کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ خدا سے فیض پاکر کہہ رہا ہے۔

قرآن کے اعجاز پر جاحظ کا استدلال

وہ کہتے ہیں کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانہ میں بھیجا جب کہ عرب کی شاعری اور خطبہ گوئی نہایت عروج پر تھی۔ ان کے لغت کو بہت کچھ استحکام حاصل ہو چکا تھا سارے ساز و سامان سے درست تھے پس آپ نے تشریف لاکر ان کے ادنیٰ اور اعلیٰ کو خدا کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی تصدیق کی طرف متوجہ کیا۔ اور دلیلیں قائم کر کے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا اور شبہے دفع کر دیے اور ان کے لئے ناواقفی کے عذر کرنے کا کوئی موقع نہ چھوڑا۔ اب ان کا اعراض کرنا محض ہوا و ہوس یا ناحق طرفداری کی وجہ سے رہ گیا اور پھر آپس میں لڑائی ٹھن گئی اور رسول اللہ ان کے عالم فاضل اور کہنے والوں سے رات دن یہی کہا کرتے تھے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو تم

اس قرآن کی سی ایک سورت یا چند آیتوں ہی کی مثل لے آؤ۔ آپ جب کبھی اس طرح انہیں عاجز کر دیتے تھے تو کوئی دلیل تو ان سے بن نہ آتی تھی یہ حیلہ کر دیا کرتے تھے کہ آپ کو تو امتوں کے حالات معلوم ہیں اور ہم جانتے نہیں پھر اگر آپ نے ایسا کلام بنا لیا تو کونسا کمال کیا۔ اس پر آپ فرماتے کہ اچھا تم اپنی ہی طرف سے کچھ بنا کر اس کے مقابلہ میں لے آؤ۔ اس پر نہ کسی خطیب نے ارادہ کیا، اور نہ کسی شاعر نے ہمت باندھی اگر کوئی ہمت کرتا تو کچھ تو دکھائی دیتا۔ اور پھر اس کی طرفداری کرنے والے بہتیرے کھڑے ہو جاتے اور ضرور شور مچ جاتا کہ لیجئے قرآن کا مقابلہ کر لیا اور ویسا کلام بن گیا۔ پس اس دانشمند نے ان سب باتوں سے قوم عرب کا عجز سمجھ لیا۔ اور یہی ان کے عاجز ہونے کی دلیل ٹھیرائی۔ کیونکہ جب ان میں سے بہتیرے آپ کے ساتھیوں کی ہجو کرتے تھے مسلمان شاعروں اور خطیبوں سے مقابلہ کرتے تھے اور انہیں ذرا بھی دقت معلوم نہ ہوتی تھی تو پھر یہ کیا مشکل امر تھا کہ قرآن کے مقابلہ میں کچھ لکھ ڈالتے ایک چھوٹی سی سورت یا چند آیتوں میں تو قصہ پاک تھا۔ اتنے میں ہی تو آپ کا دعویٰ باطل ہوتا تھا اور سارا بنا بنایا کھیل بگڑ تا تھا۔ آپ کی جمعیت منتشر کرنے کے لئے اس سے سریع الاثر تو کوئی نسخہ ہی نہ تھا اس کی کیا ضرورت تھی کہ اپنی جان و مال کو معرض ہلاکت میں ڈالیں اور گھر بار چھوڑ کر مارے مارے پھریں قریش تو قریش وہ تو بڑے فصیح و بلیغ تھے اُن سے چھوٹے چھوٹے قبیلوں پر بھی یہ امر دشوار نہ تھا۔ اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو یہ کون سے بڑی بات تھی۔ آخر بڑے عجیب و غریب قصیدے نہایت طویل و عریض خطبے اور ان کا ہر طرح کا نظم و نثر کلام مشہور ہی تھا۔ پھر یہ کب ہو سکتا ہے کہ ایسی ظاہر بات کسی کی سمجھ میں بھی آتی اور قرآن کے مقابلہ سے ان کا عجز بیان کر کے لعن وطعن کرنے پر بھی انہیں عبرت نہ معلوم ہوتی اور وہ چُپ چاپ بیٹھے سُنا کرتے اور پھر ان کا حال یہ کہ اپنی آن بان میں بڑے کھرے تھے اور دنیا بھر سے زیادہ فخر کرتے تھے خصوصاً کلام کی فصاحت و بلاغت پر تو ان کو ناز تھا اور بجا تھا۔ پس جس طرح کہ یہ بات محال ہے کہ تیئیس ۲۳ برس تک انہیں ایسے ظاہر اور خیر المنفعت امر کی خبر نہ ہوئی اور غلطی میں پڑے رہے اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ جان بوجھ کر اس سے پہلو تہی کرتے اور قرآن کے مثل بنانے پر قادر ہونے کی صورت میں بھی کچھ نہ بنا لاتے۔

اعجاز قرآن پر امام فخرالدین رازی کا استدلال

اللہ پاک اپنے پیارے رسول محمد الرسول اللہ صلعم کے دعویٰ پر ایک محکم دلیل لاتے ہوئے فرماتے ہیں اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ط اے مشرکین

کہ کیا تم اس قرآن مبین پر غور نہیں کرتے (کہ یہ کس طرح صدق نبوت پر دلالت کرتا ہے) اگر یہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو تم اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ صدق نبوت پر دلالت قرآن تین طرح پہ ہے

(۱) اس کی فصاحت و بلاغت۔

(۲) اس کا غیب کی خبروں پر مشتمل ہونا۔

(۳) اس کا اختلاف سے محفوظ ہونا۔

پھر اس کا اختلافات سے پاک ہونا بھی تین طرح پر ہے۔

(۱) مخالفین اسلام کا ایک گروہ ایسا تھا جو اسلام کے استیصال اور مسلمانوں کو مٹانے کی خفیہ طور پر مجلسیں منعقد کرنا اور اس بات کا پورا پورا اہتمام اور انتظام رکھنا کہ ان کی مجلس کی کوئی بات باہر نہ نکلے اور مسلمانوں کو ان کی خفیہ تدبیروں، مکر و فریب اور مخالفانہ کارروائیوں کی کسی طرح بھی اطلاع نہ ہو لیکن باوجود ان حفاظتی تدبیروں اور سخت پابندیوں کے خدائے علیم و خبیر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف کے ذریعہ ان کی خفیہ چالوں اور حالات کا علم دیدیتا تھا اور مخالفین اپنے در پردہ حالات کو الم نشرح ہوتے ہوئے دن و رات دیکھتے تھے۔ قرآن شریف کا چند آئندہ واقعات کے متعلق قبل از وقت خبر دینا اس میں ذرہ برابر بھی خلاف نہ ہوتا تھا۔ اگر یہ بات اللہ تعالےٰ کی طرف سے نہ ہوتی تو کبھی نہ کبھی تو اختلاف واقع ہوتا اور مخالفین کو پروپیگنڈا کرنے کا موقع ملتا مگر ہمیشہ تمام خبریں سچی ہی ثابت ہوئیں تو ثابت ہوا کہ یہ علم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھا۔

(۲) متکلمین کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ضخیم کتاب ہے اور انواع علوم پر مشتمل ہے۔ اگر وہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو اس میں کہیں تو تناقض اور اختلاف پایا جاتا کیونکہ ایک بڑی کتاب کا تناقضات سے پاک رہنا ناممکن ہے اور جبکہ ایسا نہیں تو ثابت ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔

(۳) ابو مسلم اصفہانی فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کے اختلافات سے پاک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی فصاحت و بلاغت میں کہیں اختلاف نہیں پایا جاتا حتیٰ کہ اس کا ایک جملہ بھی رکیک اور پایہ فصاحت سے گرا ہوا نہیں۔ اس کی فصاحت اوّل سے لیکر آخر تک ایک ہی نہج پر واقع ہوئی ہے ظاہر ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی فصیح و بلیغ کیوں نہ ہو۔ جب وہ کوئی بڑی کتاب لکھے جو مختلف علوم و فنون پر مشتمل ہو تو ضرور وہ کتاب کہیں قوی و متین ہوگی۔ اور کہیں سخیف اور کہیں فصاحت و بلاغت ظاہر ہوگی

اور کہیں رکاکت وسخافت انسانی تصنیف فصاحت کے ایک ہی نہج پر ہو ہی نہیں سکتی اور قرآن پاک اس نقص اور الزام سے پاک ہے تو ثابت ہوا کہ یہ انسانی تصنیف نہیں بلکہ کلام الٰہی ہے۔

الغرض قرآن عزیز اپنی باطنی اور معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری الفاظ اور عبارت سے بھی علمی دُنیا میں اپنی مثال نہیں رکھتا یہی وجہ ہے کہ عرب کے فصحا اور بلاغت کا علم رکھنے والے زباندانوں جادو بیانوں اور شاعروں کو قرآن مجید سے الفاظ مرتبہ اور اس کی فصیح و بلیغ آیتوں کے مقابلہ کے واسطے دعوت دی گئی مگر نہ صرف عرب کے زباندان گنگ ہو گئے بلکہ ساری دُنیا کے فصحاء و بلغاء قرآن کی فصاحت وبلاغت کے سامنے سپر انداز ہو گئے اور ان کی علمی قوتیں بیکار اور ہیچ ہو کر رہ گئیں اسی کا نام معجزہ ہے۔ علامہ شیخ حسین آفندی مصری فرماتے ہیں۔

"اس سے ظاہر ہوا کہ معجزہ قرآن جو ہمارے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا ہے یہ معجزہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور بقیہ معجزات سے اگرچہ جن لوگوں نے ان کو مشاہدہ کیا نفع حاصل کیا جو زمانہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام میں تھے اور ان لوگوں نے بھی نفع حاصل کیا جنہوں نے ان کو نقل صحیح کے ساتھ نقل کیا جو بعد عصر رسل کے گزرے لیکن ان کا مشاہدہ اب تک باقی نہیں اور اب وہ زمانہ ہم سے دور ہو گیا لیکن معجزہ قرآن اس خاصہ مشاہدہ کے ساتھ باوجود اتنا زمانہ گزرنے کے اب تک موجود ہے اور یہ منجملہ ان فضائل و اکرام کے ہے۔ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد الرسول اللہ کو خاص فرمایا اور بقیہ تمام انبیاء و رسل سے ممتاز و سرفراز فرمایا۔ لیکن ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے وہ جس کو چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کر دیتا ہے۔

(الحصون الحمیدیہ صھ ۸۱)

اسلام کی بنیاد اس اعتقاد پر ہے کہ قرآن منزل من اللہ ہے۔ جب قرآن کو ہم منزل من اللہ مانیں گے تو اس کے حکم کے بموجب ہم اللہ کو ایک اور محمد کو اللہ کا رسول بھی سمجھیں گے۔ ممکن ہے کہ توحید کا یقین ہمیں اور طریقہ سے بھی ہو جائے لیکن رسالت کا یقین تو بغیر قرآن کو منزل من اللہ مانے ہوئے کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا۔ رسالت کیا ہے؟ احکام الٰہی یعنی قرآن مجید کا اللہ کی طرف سے بندوں کی طرف پہنچا دینا۔ اگر نعوذ باللہ قرآن اللہ کی جانب سے نہیں تو رسالت بھی باطل ٹھیری۔

دو چار دلائل جن کی بناء پر عالم اسلام نے قرآن کو برحق اور منزل من اللہ جانا اور قیامت تک مانیں گے یہ ہیں۔

(۱) آنحضرتؐ اور ان کے صحابہ و تابعین کے ساتھ ہماری خوش اعتقادی۔

(۲) اس کی لفظی و معنوی خوبیاں اور الفاظ قرآن کی فصاحت و بلاغت

(۳) مضامین قرآن۔

(۴) احکام قرآن یعنی اس کے حقایق معارف

بخوف طوالت ہم اختصار سے کام لیتے ہیں ورنہ ہم قرآن حکیم کے حقائق و معارف اور فصاحت و بلاغت کا نمونہ دکھاتے۔ لہذا صرف انہیں اشارات پر اکتفا کرتے ہیں

القصہ عرب کے بہت سے لوگوں نے قرآن کے مقابلہ اور اس معجزہ کی تکذیب سے عاجز آکر اپنے عجز کا اقرار کر لیا اور سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر کے مسلمانوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے اور بہت سے اپنی ازلی شقاوت اور گمراہی پر اڑے رہے اور یہ لوگ وہ تھے جو علمی مادہ اور فصاحت و بلاغت میں بصیرت تامہ نہ رکھتے تھے اور یا جو شقی ازلی تھے کیونکہ قرآن کا معجزہ ہونا اور اس کے عمدہ صفات علمی محاسن اوصاف کا سمجھنا انہیں کے لئے مفید اور باعث ہدایت ہو سکتا تھا جو فصیح و بلیغ زباندان تھے لہذا قرآن کے مقابلہ میں عاجز آکر مطالبہ کیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے ایسے معجزات دکھا جو عام طور پر عادت جاریہ کے خلاف ہوں تو پھر ہم سمجھ لینگے کہ تو خدا کا سچا رسول ہے۔

اس مطالبہ کا پورا کرنا از روئے عقل و نقل اور حکمت و مصلحت خداوندی ضروری تھا اس لئے خدائے قدوس نے اپنے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ان معجزات و نشانات کا اظہار فرمایا جو اگلے تمام انبیاء علیہم السلام سے الگ امتیازی اور اعجازی نشان لئے ہوئے ہیں۔

معجزہ شق القمر کافروں نے چاہا تھا کہ اے محمد (صلعم) اگر آپ چاند کے ٹکڑے کر دیں تو ہم آپ کو سچا پیغمبر تسلیم کر لیں گے۔ آپ نے بحکم ایزدی چاند کے دو ٹکڑے کر دکھائے۔ یہ معجزہ صرف حاضرین ہی نے نہیں دیکھا بلکہ ان سب لوگوں نے بھی دیکھا جو دور دراز ممالک میں تھے اور ان کا افق وہاں کے لوگوں کے موافق تھا۔ انہوں نے بھی اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا اور اس بات کی خبر دی کہ ہم نے یہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

یہ معجزہ اس دعویٰ اور زور شور کے ساتھ دکھایا گیا تھا کہ قرآن کریم میں بھی مخالفوں کو اس پر الزام دیا گیا ہے پھر یہ دعویٰ نہ صرف عرب میں بلکہ تمام ممالک روم و شام اور مصر و فارس وغیرہ دور دراز ممالک میں پھیل گیا تھا۔ اگر یہ دعویٰ جھوٹا ہوتا تو ناممکن تھا کہ مخالفین اسلام اس کی تردید نہ کرتے حالانکہ اس دعویٰ کی مخالفت میں کسی کا ایک قول بھی مذکور نہیں سوائے اس کے کہ کفار نے اپنی عادت کے موافق

اس کے مقابلہ میں عاجز آکر یہی کہا کہ یہ پکا جادو ہے۔ پس مخالفین کا اس معجزہ کے مقابلہ میں سکوت اختیار کرنا صاف اس بات کی دلیل ہے کہ معجزہ واقع ہوا ہے۔

معجزہ شق القمر پر مہابھارت کی گواہی

ان باتوں کے علاوہ شق القمر کے واقعہ پر ہندوؤں کی معتبر کتابیں شہادت دیتی ہیں چنانچہ مہابھارت کے دھرم پرم میں بیاس جی مہاراج کہتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہو کر مل گیا تھا۔ مگر وہ اس معجزہ کو سواتر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ صرف قیاسات پر مبنی ہے۔

مؤلف تاریخ فرشتہ نے بھی اپنی کتاب کے مقالہ یازدہم میں اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے کہ راجہ اپنے محل کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ یکبارگی چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور پھر مل گیا۔ بعد تفتیش اس راجہ کو معلوم ہوا کہ یہ معجزہ ایک عربی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے تب وہ مسلمان ہو گیا۔

مؤلف رسالہ حمیدیہ لکھتے ہیں۔

"اور ایک وقت میں اس حادثہ کو تمام روئے زمین کے باشندوں کا نہ دیکھنا اس کے وقوع کے منافی نہیں کیونکہ بسبب اختلاف آفاق کے چاند کو تمام اہل ارض ایک وقت میں نہیں دیکھ سکتے بلکہ کہیں ظاہر ہوتا ہے اور کہیں مخفی جیسا کہ علم ہیئت سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں اور جو اس معجزہ کو سنے اس پر ایمان لائے اور تحت قدرت الٰہی اس کو جائز عقلی تصور کرے۔ عقل کے پاس اس کی تصدیق کے لئے کوئی مخالف دلیل نہیں اور پھر ایسی حالت میں کہ ثبوت نقلی بھی موجود ہو اور اس کے جائز ہونے کی توضیح یہ ہے کہ قمر بھی ایک جسم منجملہ دیگر اجسام کے ہے جو قابل فرق والتیام ہیں جیسا کہ ہم اس زمین میں مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ زلزلہ کے وقت بڑے بڑے پہاڑ پھٹ جاتے ہیں اور خطہ کا خطہ تہ و بالا ہو جاتا ہے (الحصون الحمیدیہ)

کسی چیز کے ایک نئے خاصہ کا ظہور میں آنا اس کے پہلے خاصہ کے ابطال کے لئے ایک لازمی امر نہیں ہے سو اس قاعدہ کی رو سے دانشمند لوگ جو خدا تعالیٰ کی عظیم الشان قدرتوں سے ہمیشہ ہیبت زدہ رہتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ حکیم مطلق جس کی حکمتوں کی انتہا نہیں اس کی طرف سے شمس وقمر میں ایسی خاصیت مخفی ہونا ممکن ہے کہ باوجود انشقاق کے ان کے فعل میں فرق نہ آوے۔ اسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اقتربت الساعۃ وانشق القمر نزدیک آگئی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ وہ نازل سے حکیم مطلق

نے ایک خاصہ چاند میں مخفی رکھا ہوا تھا کہ ایک ساعت مقررہ میں اس کا انشقاق ہو گا اور یہ ظاہر ہے کہ نجوم اور شمس و قمر کے خواص کا ظہور ساعات مقررہ سے وابستہ ہے اور ساعات کو حدوث عجائبات سماوی و ارضی میں بہت کچھ دخل ہے اور حقیقت میں قوانین قدرتیہ کا شیرازہ انہیں ساعات سے باندھا ہے۔ سو کیا عمدہ اور پُر حکمت اور فلسفیانہ اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آیت مندرجہ بالا میں فرمایا کہ چاند کے پھٹنے کی جو ساعت مقررہ اور مقدر تھی وہ نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس آیۃ کے آگے بھی فرماتا ہے۔ وکذبوا واتبعوا اھواءھم وکل امر مستقر۔ یعنی کفار نے چاند پھٹنے کو سحر پر حمل کیا اور تکذیب کی مگر یہ سحر نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے ان امور یعنی قوانین قدرتیہ میں سے ہے جو اپنے اپنے وقتوں میں قرار پکڑنے والے ہیں اور عقلمند انسان اس نشان قدرت سے کیوں تعجب کرے کیا اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں یہی ایک بات بالاتر از عقل ہے جو حکیموں اور فلسفیوں کی سمجھ میں نہیں آئی اور باقی اسرار قدرت انہوں نے سمجھ لئے ہیں۔ اور کیا یہ ایک ہی عقدہ لاینحل ہے اور باقی سب عقدوں کو حل کرنے سے فراغت ہو چکی ہے اور کیا اللہ تعالیٰ کے عجائب کاموں میں سے یہی ایک عجیب کام ہے اور کوئی نہیں۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھو تو اس قسم کے ہزارہا عجائب کام اللہ تعالیٰ کے دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ زمین پر سخت زلازل آتے رہتے ہیں اور بسا اوقات کئی میل زمین تہ و بالا ہو جاتی ہے مگر پھر بھی انتظام عالم میں خلل واقع نہیں ہوتا حالانکہ جیسے چاند کو اس انتظام میں دخل ہے ایسا ہی زمین کو۔ (مرأۃ الحقائق صد ۱۸۴)

واقعہ معراج شریف یہ واقعہ قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورۃ اسراء کے شروع میں ہے سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ ترجمہ۔ پاک ذات ہے وہ اللہ جو اپنے بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اسکو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلائیں

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس عظیم الشان واقعہ معراج کا ذکر فرمایا ہے جو اپنی نوعیت اور افضلیت کے لحاظ سے ہمارے حضور کا ایک ممتاز معجزہ ہے۔

اس واقعہ سے چونکہ کمال عظمت و شان خداوندی ظاہر ہوتی ہے اور عجائبات قدرت پر مشتمل ہے اور جو عقل اور نفس کے پجاریوں اور صرف محسوسات کو حد ادراک سمجھنے والوں کو متعجب معلوم ہوتا ہے اس لئے

خدائے حکیم وبصیر نے اس واقعہ کو لفظ سبحان سے شروع کیا ہے یعنی خدائے قدوس ہر قسم عجز و نقص اور عیب و درماندگی سے پاک اور افعال لما یرید ہے اس لئے اس کا اپنے پیارے حبیب کو راتوں رات زمین وآسمان کی سیر کرانا اور عجائبات قدرت دکھلانا کچھ مشکل اور بعید از عقل نہیں۔

اس آیت شریفہ میں واقعہ معراج کا مختصر ذکر ہے اور اس سے زیادہ سورۂ والنجم میں وضاحت اور تفصیل ہے اور حدیثوں میں پوری پوری تفصیل ہے اس آیت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لیجانے کا ذکر ہے اور سورۂ والنجم میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا مذکور ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان پر ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مقام ہے۔ سورۂ اسریٰ سے تو صرف صراحتہً اتنی بات ثابت ہوتی ہے آپ مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک گئے لیکن سورۂ والنجم اور احادیث سے آسمانوں پر تشریف لیجانا ثابت ہے چنانچہ تفسیر روح المعانی میں ہے لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا اَیْ لِنَرْفَعَهٗ اِلَى السَّمَآءِ حَتّٰى یَرٰی مِنَ الْعَجَائِبِ حدیثوں سے ثابت ہے کہ جب حضور معراج سے واپس تشریف لائے تو آپ کا بستر مبارک گرم تھا اور حجرہ کی زنجیر ہل رہی تھی۔ اور یہ معراج آپ کو اُمِّ ہانی کے گھر سے ہوئی۔

معراج کی تفصیل

یہ واقعہ بعثت کے پانچویں سال پیش آیا شیخین نے مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت بیان کی ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس رات کی کیفیت اس طرح بیان کی۔

جس رات مجھے بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کرائی گئی میں حطیم کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ خدا کی طرف سے نقیب بارگاہ عز وجل حضرت جبرئیل ع آئے اور میرا دل سینہ سے نکال کر دھویا اور پھر سینہ میں رکھکر ملا دیا۔ پھر ایک جانور لایا گیا جو خچر سے نیچا اور گدھے سے اونچا تھا اور سفید رنگ کا تھا اس کا قدم وہاں تک پڑتا تھا جہاں تک اس کی نظر پہنچتی تھی اور اس کا نام بُراق تھا اس پر مجھکو سوار کرایا گیا اور حضرت جبرئیل ع میرے ہمراہ چلے جب ہم پہلے آسمان پر پہونچے تو آسمان کا دروازہ کھولنے کو کہا گیا۔ وہاں کے ساکنین نے پوچھا کون ہے؟ جبرئیل ع نے کہا میں جبرئیل۔ پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا گیا کہ محمد انہوں نے پوچھا کہ کیا ان کو طلب کیا گیا ہے۔ جبرئیل ع نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا آپ کے لئے مرحبا اچھا آنا آیا۔ پھر آسمان کا دروازہ کھولا گیا جب میں وہاں پہنچا تو حضرت آدم علیہ السلام کو موجود پایا۔ جبرئیل نے مجھ سے کہا کہ یہ تمہارے باپ ہیں ان کو سلام کرو۔ میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے میرے سوال کا جواب دیا۔ پھر کہا ابن صالح اور نبی صالح کو مرحبا ہو۔

اسی طرح دوسرے آسمان پر یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام۔ تیسرے پر یوسف علیہ السلام۔ چوتھے پر

(نوٹ) صحیح حدیث میں بستر کا گرم رہنا ثابت نہیں ہے اور زنجیر کے ہلتے رہنے کا تو ہے ہی۔ یہ روایت محض واعظوں کے تخیل کا ہیولا ہے۔ ۱۲

ادریس علیہ السلام پانچویں پر ہارون علیہ السلام چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام۔ اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات اور وہی سوال وجواب ہوئے۔ پھر میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا وہاں نہریں جاری تھیں۔ دو ظاہر کی اور دو باطن کی۔ پھر بیت المعمور جو فرشتوں کا کعبہ ہے میرے روبرو کیا گیا۔ پھر میرے سامنے تین پیالے لائے گئے۔ ایک دودھ کا۔ ایک شہد کا اور ایک شراب کا اور کہا گیا کہ ان تینوں میں سے جس کو چاہو اختیار کرلو۔ میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ اس پر جبرئیل نے کہا یہ وہ فطرت (دین اسلام) ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔ پھر پچاس وقت کی نمازیں فرض کی گئیں اور تخفیف ہو کر صرف پانچ رہ گئیں۔

معراج جسمانی ہوئی یا روحانی

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ آپ کو روحانی معراج ہوئی تھی جو ایک قسم کا کشف تھا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں چند دلائل پیش کرتے ہیں جن کا مفہوم ومنشاوہ اپنی مرضی کے مطابق بیان کرتے ہیں مگر یہ گمان فاسد قرآن واحادیث کے خلاف اور معراج کی شان کو گھٹانے والا ہے۔ اکثر صحابہؓ۔ تابعین جمہور فقہا متکلمین صوفیائے عظام حکمائے اسلام اور تمام سلف وخلف کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی اور آپ بجسدہ العنصری آسمان اور عرش معلیٰ پر تشریف لے گئے اسی کی تائید قرآن وحدیث سے ہوتی ہے اور یہی عقیدہ مبنی برحق وصداقت ہے جس پر بے شمار عقلی ونقلی دلائل ہیں۔ ہم صرف ایک دلیل پر اکتفا کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت میں جو لفظ "عبد" واقع ہوا ہے اسے باقتضاء النص ثابت ہوتا ہے کہ یہ سیر جسمانی تھی کیونکہ "عبد" روح اور جسد کا نام ہے نہ کہ صرف روح کا۔ اور اس کا اطلاق صرف روح پر کسی طرح صحیح نہیں۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے اس سے مراد روح مع الجسد ہی ہے چند آیات ملاحظہ ہوں۔

اللہ پاک فرماتے ہیں اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی یعنی کیا تو نے ابوجہل کو دیکھا ہے جو بندہ کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ اس آیت میں "عبد" سے مراد روح مع الجسد ہی ہے کیونکہ ابوجہل صرف روح کو نماز پڑھنے سے نہیں روکتا تھا۔ نیز باری تعالیٰ فرماتے ہیں وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا یعنی جب اللہ کا بندہ محمد نماز پڑھنے کھڑا ہوا تو قرآن سننے کے لئے جن اس پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ اس سے یہی ثابت ہوا کہ نماز پڑھنے کے لئے صرف آپ کی روح نہ کھڑی ہوئی تھی۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِیَّا اس آیت میں بھی "عبد" سے

مراد روح مع الجسد ہی ہے۔ بغرض اس قسم کی قرآن کریم میں بہت سی آیتیں ہیں جن میں عبد سے مراد روح مع الجسد ہے۔ پس اس سیر کو روحانی قرار دینا کسی طرح بھی قرآن کریم کے منشاء کے مطابق نہیں لہذا مسلمانوں کو عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ سیر آپ کو مع الجسد اور عالم بیداری میں ہوئی تھی۔

معراج کا عقلی ثبوت کہا جاتا ہے کہ ایک جسم خاکی کیسے آسمان پر گیا جبکہ کشش ثقل کسی مجسم چیز کے اوپر جانے میں مزاحم ہے۔ پھر آپ کرہ زمہریر اور کرۂ نار سے گذرے ان کی برودت اور حرارت سے آپ کا جسم کیسے محفوظ رہا اور پھر ایسی حرکت سریعہ عند العقل ناممکن ہے۔ یہ ہے عقلی اعتراضات کی کل کائنات۔ اب ان کی حقیقت ملاحظہ ہو جب ہم ایک ڈلا یا کوئی اور چیز اوپر پھینکتے ہیں تو چاہیئے کہ وہ اوپر نہ جائے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ ایسا نہیں تو بتلایئے اس وقت وہ کشش کہاں چلی جاتی ہے۔ یہی کہا جائے گا کہ کشش سے زیادہ جو طاقت اوپر جانے کی ہوتی ہے وہ کشش پر غالب آجاتی ہے جیسے ہوائی جہاز آسمانوں میں پرواز کرتے ہیں مگر ہم پوچھتے ہیں کہ ایک انسان میں تو یہ قوت و عقل ہو کہ وہ کشش پر غالب آکر ہواؤں میں پرواز کرے تو کیا وہ قادر قدیر اور فعال لما یرید اور انسان کو عقل و تدبیر دینے والا خدا اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ وہ راتوں رات اپنے پیارے بندے کو آسمانوں پر لیجائے۔ زمہریر اور کرہ نار سے گزرنا بھی خلاف عقل نہیں کیونکہ تحقیقات جدیدہ نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض جانور ایسے ہوتے ہیں جو آگ میں زندہ رہتے اور پرورش پاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جن کو برودت کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔ اور جو برفانی پہاڑوں میں پرورش پاتے ہیں۔ اب رہی ایسی حرکت سریعہ سو فلسفہ جدید و قدیم نے سرعت حرکت کی کوئی تحدید و تعین نہیں کی اور نہ آئندہ کر سکیں گے۔ فلک اعظم اول سب سے آخر شب تک قریب نصف دور کے حرکت کرتا ہے اور علم ہندسہ سے ثابت ہے کہ قطر کی نسبت دور کی طرف وہ ہے جو ایک کی نسبت ۳ ½ کی طرف ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نصف قطر کی نسبت نصف دور کی طرف بھی یہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکت مکہ سے فلک اعظم تک بمقدار نصف قطر کی ہے اور جب اس قدر زمانہ میں ملک اعظم نصف دور تک حرکت کرتا ہے تو آنحضرت بمقدار نصف قطر کے حرکت کرنا بدرجہ اولیٰ ممکن ہے اس سے ثابت ہوا کہ ایک تہائی رات میں مکہ سے عرش اعظم تک پہنچ جانا ممکن ہے پس ایک رات میں بیت المقدس تک اور وہاں سے سبع سموٰت تک کا سفر طے کرنا اور صبح ہونے سے پہلے واپس آجانا محال نہیں بلکہ ممکن اور واقع ہے

دیگر معجزات اسی طرح دیگر معجزات۔ سورج کا بعد غروب ہونے کے لوٹانا۔ آپ کی انگلیوں سے کثیر پانی کا جوش مار کر نکلنا۔ اور ایک جماعت کثیر کا سیراب ہو جانا۔ تھوڑے کھانے

سے گروہ کثیر کا شکم سیر ہو جانا۔ درخت کا آپ کی طرف دوڑنا اور سلام کرنا۔ سوسمار کا آپ کی رسالت کی شہادت دینا۔ آپ کے دست مبارک پھیرنے سے مریضوں کا صحتیاب ہو جانا۔ اندھے کو بینا کرنا۔ مردہ کو زندہ کرنا۔ حیوان اور پتھر کا رسالت کی گواہی دینا۔ بچہ کا ایام رضیع میں بولنا۔ مٹھی بھر کنکریوں سے کفار کا ہزیمت اٹھانا اور استن حنانہ کا آپ کے ہجر میں رونا یہ سب معجزات دلائل عقلی و نقلی سے ثابت ہیں۔ ان پر بھی ایمان رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ سب امور خدا کی قدرت و تصرف میں داخل ہیں اور ممکن الوقوع ہیں۔

مشہور الہامی کتابوں کے نام اور ان کی مختصر کیفیت

حضرت باری تعالیٰ عزاسمہ نے انسان کو جب کسی خاص غرض و غایت کیلئے بنایا تھا تو اس مقصد حیات کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ وہ انسانوں کو اپنی مرضی و عدم مرضی سے آگاہ کرتا ان کو ہدایت تامہ دیتا اور ان پر ان راہوں کو کھول دیتا ہے جس سے انسان اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کر سکتا ہے چنانچہ اسی غرض کیلئے اللہ پاک نے ہر ایک قوم میں ایسے افراد پیدا کئے جن کو اللہ پاک نے پیغام رسانی کے لئے منتخب فرمایا۔ یعنی ان کے قلب صافی پر اللہ تعالےٰ نے ان ہدایات اور علوم کو بذریعہ وحی القا کر دیا جن کی انسانوں کو ضرورت تھی۔ یہی لوگ ہیں جن کو نبی یا رسول کہا جاتا ہے۔ چونکہ ایک ہی خدا کی طرف سے تمام ہدایتیں یعنی کتابیں آئیں۔ اس لئے وہ آپس میں ملتی جلتی ہیں۔ سوائے خاص خاص قومی حالات کے باقی اصول سب کا ایک ہی ہے۔

لیکن چونکہ ظہور اسلام سے پہلے انسان ابھی تمدن کی پیچیدگیوں اور گہرائیوں میں مبتلا نہ ہوا تھا۔ اس کی زندگی کے حالات سادہ تھے۔ ضروریات زندگی محدود تھیں اور نہ ابھی اس کے دماغ نے اتنی ترقی اور استعداد اپنے اندر پیدا کی تھی کہ وہ ان تمام باریک حقائق الٰہیہ اور دقائق نبوت کو سمجھ سکتا اور جن کا جاننا معرفت الٰہی کے کامل علم کے لئے ضروری تھا۔ اس لئے ابتداء میں وحی الٰہی نے مختلف نبیوں کی معرفت جو ہدایات نوع انسان کو دیں وہ ان کی سمجھ اور ضروریات کے مطابق نہایت سادہ اور موٹی موٹی تھیں اس وقت انسان کے لئے صرف اتنا جاننا ضروری تھا کہ خدا ایک ہے وہی سب کا خالق ہے۔ انسان سب اس کے بندے ہیں۔ خدا کی عبادت بندوں پر فرض ہے

مرنے کے بعد ایک اور زندگی ہے جہاں اعمال کا بدلہ ملیگا۔ علیٰ ہذالقیاس عبادت کی صورتیں اور طریقے اور سادہ اخلاقی اصول تھے۔ مگر جوں جوں انسانی دماغ ترقی کرتا گیا اور تمدن کی پیچیدگیاں بڑھتی گئیں۔ شریعت کے قوانین میں زیادتی ہوتی گئی۔ غرض حسب قومی حالات اور مقتضیات وقت ضروری تھا کہ وقتاً فوقتاً مختلف انبیاء مبعوث ہوتے رہے۔ اور ہدایات میں ترمیم و تنسیخ حسب ضرورت زمانہ ہوتی رہی۔

بحث ناسخ و منسوخ

تبدیل احکام پر بعض نادانوں کی طرف سے یہ نامعقول اعتراض کیا جاتا ہے کہ احکام خداوندی میں جو ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام و ہدایات دینے میں خدا تعالےٰ کی طرف سے کچھ غلطی ہوئی ہوگی۔ جس کے تدارک اور اصلاح کے لئے سابق احکام بدلے جاتے رہے اس اعتراض کے جواب میں ہم چاہتے ہیں کہ نسخ کی حقیقت ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کردیں۔

اس شبہ یا اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ "نسخ" عربی زبان میں تبدیل احکام کو کہتے ہیں اور دنیاوی حکام اپنے پہلے احکام کو اُسی وقت بدلتے ہیں جبکہ پہلے حکم میں کوئی نقصان و فتور معلوم ہوتا ہے اس لئے "نسخ" کے لفظ کو سُن کر نادان اسلام پر مذکورہ بالا اعتراض جڑ دیتے ہیں اور خدا کے علم و حکمت کو بھی دنیاوی حکام کے علم و حکمت کے برابر سمجھ کر اپنے علم و عقل کی ہوا خیز ہی خود اپنے ہاتھوں کرتے ہیں۔

سو جاننا چاہئے کہ احکام شریعت میں نسخ و تبدیل جو بمقتضائے حکمت الہیہ ہے اس کی بابت قرآن شریف میں ہے۔ قولہ تعالےٰ۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ	جو موقوف کرتے یا بھلا دیتے ہیں ہم کوئی آیت تو پہنچاتے ہیں اس سے بہتر یا اس کی برابر۔ تم کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

واضح ہو کہ "نسخ" کے چار معنے ہیں اوّل نقل اتارنا جیسے نسخ الکتاب یعنی ایک کتاب سے دوسری کتاب میں نقل اتاری۔ دوم بمعنی تحویل جیسے تناسخ میراث کیونکہ مورث سے تحویل ہوکر وارث کو پہنچتی ہے سوئم بمعنی مٹانا یا دور کرنا چہارم تبدیل کرنا۔ یہی نسخ شرعی یہاں مراد ہے۔

اس آیت میں جو لفظ "ننسھا" ہے اس کے معنی تاخیر کرنے کے بھی ہیں۔ تاخیر سے مراد یہ کہ اس کی تلاوت اٹھا دیتے ہیں اور اس کا حکم باقی رکھتے ہیں اور یا لوح محفوظ سے نزول میں

تاخیر کر دیتے ہیں۔ حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس آیت کو تبدیل فرمایا اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی قراءۃ باقی رہی اور تعلیم حکم کو بدل دیا۔ جیسے یہ آیت لکم دینکم ولی دین بعضے احکام ایسے ہیں جن کی تلاوت اور حکم دونوں اٹھا دئے گئے۔ یا صرف تلاوت اٹھا دی اور علم میں تاخیر کردی جیسے الشایخ والشایخہ اذا ذنیا فارجموھما الخ اس کا حکم باقی ہے اور تلاوت موخر ہو گئی۔

"منہاج الوصول" میں ہے۔

فصل اول بیان نسخ۔ نسخ کے معنے حکم شرعی کی انتہا کو بطریق شرعی متاخر بیان کرنا۔

شرح "المسامرہ" پر ہے۔

نسخ سے عبارت وہ خطاب ہے جو کسی حکم ثابت مشروط استمراری یعنی وقت محدود کو موقوف کرنے بعد حاصل ہونے خطاب ارتفاع کے۔

مختصر یہ کہ نسخ شریعت محض ضروریات زمانہ اور اختلاف مصالح کی بناء پر ہوتا ہے نہ کہ جہل و فقاء کی بناء پر۔ نسخ شریعت بالکل اسی طرح سمجھئے جس طرح حکیم مریض کے حالات کے مطابق نسخہ بدلتا ہے کون بیوقوف ایسا ہے جو کہہ بیگا کہ حکیم بوجہ غلطی نسخہ تبدیل کرتا ہے۔ اس کو ایک اور مثال سے ذہن نشین کر لینا چاہئے مثلاً ایک آقا اپنے غلام کو کھڑا ہونے کا حکم دے مگر کھڑے رہنے کی مدت بیان نہ کرے ایسی صورت میں وہ آقا جانتا ہے کہ کھڑا ہونا مدت بقا مصلحت تک مطلوب ہے اور وہ مدت مصلحت بھی جانتا ہے۔ لیکن غلام کو اس مصلحت سے آگاہ نہیں کرتا۔ غلام جانتا ہے کہ وہ قیام پر مامور ہے اور اس پر قایم رہنا اس کا فرض ہے۔ جب تک آقا بیٹھنے کا حکم نہ دے پس جب آقا بیٹھنے کا حکم دیتا ہے تو وہ بیٹھ جاتا ہے اور غلام کو یہ وہم اور اعتراض نہیں ہوتا کہ میرا مالک پہلے بیٹھنے کی مصلحت سے واقف نہ تھا اب ہوا ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ازل میں ہی تمام امتوں کی مصلحت اور زمانوں سے واقف تھا اور اسی علم کے مطابق ہر ایک امت کو شریعت دی اور اسی کے مطابق نبیوں کو بھیجا اور سابق کو منسوخ اور لاحق کو ناسخ قرار دیا۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی کہتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے عالم ازل میں تمام احوال لوح محفوظ میں لکھ لئے تھے تاکہ ملائکہ کو معلومات میں علم الٰہی کے نفاذ کا علم ہو جائے اور وہ جان لیں کہ اس سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔" (تفسیر کبیر ج ۴ صفحہ ۸۲)

پس اللہ پاک ہر شے کو خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو اور پھر چاہے وہ حاضر ہو یا گزشتہ اور یا آیندہ سب کو بخوبی جانتا ہے اور اسے ہر چیز کا علم حاصل ہے۔ نسخ شریعت کی حقیقت محض اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم قدیم میں ایک حکم کو ایک وقت کے واسطے رکھا پھر جب دوسرا وقت آیا تو اس کو تبدیل کر دیا اور ہر ایک حکم کی علت و مصلحت سے وہ بخوبی واقف اور ہر ایک چیز پر قدرت رکھتا ہے جب چاہے حکم سابق سے بہتر حکم دے جس میں کثرت ثواب اور مصلحت و سہولت ہو اور دقائق حکمت، اسرار و رحمت اور تکمیل نفس میں اکمل ہو۔ اب اگر کوئی ناقص العلم، بلید الطبع اور کوتاہ فہم نسخ و تبدیل احکام شریعت کی حقیقت نہیں سمجھتا تو یہ اس کی جہالت اور بصارت و بصیرت سے محرومی ہے۔ یاد رہے کہ نسخ اخبار یا اصولی عقائد میں نہیں ہوتا بلکہ احکام میں ہوتا ہے اور ناسخ منسوخ سے اعلیٰ اور اکمل ہوتا ہے۔

اب چند الہامی کتابوں کے نام اور ان کا مختصر حال بیان کرتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ مختلف صحیفے تو بہت سے نازل ہوئے۔ مگر جو مشہور کتابیں ہیں ان کے نام یہ ہیں: توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن شریف سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے سب سے اوّل توراۃ کا نزول ہوا۔ اس کے بعد زبور نازل ہوئی مگر اس میں توراۃ کے احکام بدستور قائم رہے لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی تو اس میں توراۃ کے مشکل اور دشوار احکام منسوخ ہو گئے۔

ان تینوں کتابوں توراۃ، زبور اور انجیل کو قرآن مجید نے اگر منسوخ کر دیا اور اب دنیا میں یہ تینوں الہامی کتابیں ناپید ہیں۔ جو موجودہ کتابیں اس نام سے یہود و نصاریٰ کے پاس ہیں وہ الہامی نہیں بلکہ خود یہودوں اور نصرانیوں کی اپنی تصنیف ہیں جیسا کہ خود علمائے یہود و نصاریٰ کو اقرار ہے قرآن کریم نے جن کتب مقدسہ توراۃ، زبور اور انجیل کی تصدیق کی ہے اور جن کو الہامی تبلایا ہے اب اگرچہ ان کے نام موجود ہیں لیکن اصلیت ناپید ہے۔

قرآن کے ناسخ کتب سابقہ ہونے کا ثبوت

قرآن کریم نے جہاں نسخ شرائع کا قانون بیان کیا ہے وہ ان الفاظ میں ہے کہ جو کوئی شریعت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اُسے بھلوا دیتے ہیں تو اس سے بہتر لاتے ہیں یا اُس کے مثل یعنی قدرت نے کسی شریعت کو جب منسوخ کیا تو اس وقت منسوخ کیا جبکہ اس سے بہتر کوئی دوسری شریعت

آگئی۔ یہی قانون الٰہی نیچر میں بھی کام کرتا ہوا صاف طور پر نظر آتا ہے یعنی دنیا کا قدم ترقی کی طرف اٹھتا ہے نہ کہ تنزل کی طرف۔ آج دنیا نہایت سُرعت کے ساتھ ارتقائی منازل طے کر رہی ہے اور پُرانے افکار و خیالات اور معلومات کو چھوڑتی جا رہی ہے یہ ایک بالکل صاف اور سامنے کی بات ہے کہ کامل چیز ناقص کو ردی اور بیکار کر دیتی ہے مثلاً جب آفتاب نکلتا ہے تو چاند ستارے اور دیگر تمام روشنیاں بیکار اور گویا کالعدم ہو جاتی ہیں غرض نسخ شرائع کا جو قانون قرآن کریم نے بتلایا ہے اس پر نہ صرف علم و عقل کی گواہی ہے بلکہ نیچر ہی اس کی شہادت دیتی ہے اس لئے اب یہ امر ثابت ہو گیا کہ ایک چیز کو منسوخ یا ترک اس وقت کیا جاتا ہے جب اس کی جگہ دوسری اس سے بہتر یا اس کی مثل آ جائے اب اگر قرآن شریف کی نسبت یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ مکمل کتب سابقہ ہے۔ اس کی تعلیم تمام کتب الٰہیہ سے بہتر ہے اور وہ قیامت تک کی ضروریات کیلئے مکتفی ہے تو یقیناً وہ ناسخ کتب سابقہ ہے ورنہ نہیں۔

ہمارا دعوٰی ہے کہ اسلام کی تعلیم ہی موجودہ زمانہ کی ضروریات کو پورا کرتی ہے اور بنی نوع انسان کو ہدایت و کامرانی کی طرف لیجاتی ہے اور باقی کسی الہامی کتاب کی تعلیم اس زمانہ میں قابل عمل نہیں۔ اسلام کی وہ کامل و مکمل تعلیم جو اس کو مذاہب عالم پر فوقیت و فضیلت دیتی ہے۔ ہم پچھلے ابواب میں بالتفصیل بیان کر چکے ہیں یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ یہاں ہم مختصر طور پر واقعات سے دکھلاتے ہیں کہ اسلام کی تمام مذاہب پر فوقیت و بزرگی دشمن و دوست سب کے نزدیک مُسلمہ ہے۔

قرآن شریف نے اگر پہلی شرائع کو منسوخ کیا تو محض اس لئے کہ اس سے بہتر اس نے کچھ دیا کیا تورات، زبور اور انجیل نے قرآن سے بہتر کوئی چیز دی۔ آج علم کا زمانہ ہے۔ محض لفظوں میں بڑے بڑے دعوی کر دینے سے کچھ نہیں بنتا واقعات کی طرف آنا چاہئے اور غور کرنا چاہئے۔ ہمارے سامنے اس شریعت کو لانا چاہئے جس نے اپنے زمانہ میں اسلام جیسی کامیابی حاصل کی ہو کسی قوم اور ملک کی حالت کو پلٹ دیا ہو اور ذلیل و حقیر انسانوں کو پستی و ذلت سے اٹھا کر دنیوی اور اخلاقی رنگ میں کسی بلند مقام پر پہنچا دیا ہو

دیکھئے اسلام نے جو معجز نما کام کر کے دکھایا وہ اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ آخری شریعت لانے والے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف بیس سال کے عرصہ میں ملک عرب کو بُت پرستی ہر قسم کے شرک، توہم پرستی اور فسق و فجور سے پاک کر دیا۔ شراب خواری اور جوئے کا نام و نشان

مٹادیا۔ جو سینے اور دماغ باہمی بغض وعناد سے معمور تھے ان کو محبت واخلاق کا نشیمن بنادیا۔ اور لڑائی جھگڑوں اور قتل وخونریزی کی جگہ محبت وہمدردی اور اتفاق ورواداری کے دریا بہادئے۔ جہالت کی تاریکی دور کرکے علم کی روشنی سے جہل وحمق کے پتلوں کو منور کردیا۔ کالی کملی والے فقیر زرّیں قبا وکلاہوں کے ہم نشین بنادئے علم وتہذیب اور علم وادراک کے ٹھکرائے انسانوں کو دُنیا کے فاتح اور علم وتہذیب کے مشعل بردار بنادیا اور اخلاق وروحانیت کا ینبوع بنادیا بانی اسلام نے آخری شریعت کے ذریعہ جو قوم تیار کی اس کے جلال وجمال کی درخشانی وتابانی نے وہ مرتبہ حاصل کیا کہ آفتاب کو اس کی آئینہ داری کی خدمت تفویض ہوئی۔ ماہتاب کو اس کی ساغر گیری کا منصب سپرد کیا گیا اور ستاروں کو اس کی حویلی کے آنگن کی جاروب کشی کا شرف بخشا گیا۔ غرض ایک اقل قلیل مدت میں جو تاریخ عالم کے بالمقابل ایک لمحہ کا حکم رکھتی ہے کائنات انسانی میں وہ محیر العقول انقلاب برپا کیا جو آجتک کسی بنی آدم کے حصہ میں نہیں آیا اور نہ تاقیام قیامت آئیگا۔ بتلاؤ! کیا اس کا سوال یا ہزارواں حصہ بھی کسی نبی اور شریعت نے کرکے دکھایا؟ جس کو خاتم النبیین اور خاتم الکتب سے اگر بڑھ کر مرتبہ نہ دیا جائے تو کم ہی سہی۔ حالانکہ قرآن کریم کے ایک قوم اور ملک پلٹ دینے پر تو ساری دنیا گواہ ہے ۔

کیا کسی پہلی شریعت کے اندر وہ قوت اور طاقت تھی؟ جس نے پستیوں، بداخلاقیوں، بدیوں، فسادوں اور غلط گمراہانہ اعتقادات واوہام کو کبیت العنکبوت اڑادیا ہو اور کیا یہ کامیابی کسی اور الہامی مذہب کو حاصل ہوئی؟ یوں دعوی کرنے کو تو ہر کوئی دعویٰ کردیتا ہے۔ آج ویدک دھرم بھی تو لمبے چوڑے دعوے کررہی ہے۔ مگر ایسی مہمل لفاظیوں اور بے دلیل وگواہ دعووں سے کیا حاصل ہے جب تک واقعات کے رنگ میں دنیا میں کچھ نہ دکھایا جائے قرآن کریم نے جو کام بیس۲ سال میں کر دکھایا اس کا لاکھواں بھی ابتدائے آفرینش سے مذاہب عالم کرکے نہ دکھا سکے۔ محض منہ کی پھونکوں سے دھوکہ نہیں دیا جاسکتا اور قرآن کریم کی فوقیت واکملیت پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔

اسلام کی حیرتناک کامیابی کا اعتراف نہ صرف مسلمانوں کو ہے بلکہ غیر مسلموں کو بھی ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں "قرآن" کی نسبت صاف الفاظ میں یہ اعتراف موجود ہے کہ "آنحضرتؐ دُنیا کے تمام انبیاء اور مذہبی اشخاص میں سب سے زیادہ کامیاب انسان ہیں" کیا اس قسم کا اعتراف کسی اور شریعت کے متعلق بھی پیش کیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں سچ ہے ۔

آدمی کو آدمیت سے کوئی نسبت نہ تھی
دل سیاہ تھے جاہلیت کی شبِ دیجور سے
ہے تقاضا وقت کا عالم ہے محوِ انقلاب
بڑھ گیا کوہ صفا قیمت میں کوہ طور سے
اُٹھ گیا آخر نقابِ محملِ حُسنِ ازل
اور دنیا ہوگئی ساری منور نور سے
آخری قاصد زمیں پر بارگاہ قدس سے
سب سے پیچھے اس لئے آیا چلا تھا دور سے

پھر اسلام کا سحر حلال ایک ہی مرتبہ اپنا کرشمہ دکھاکر تاریخ کی زینت نہیں بن گیا بلکہ اس آسمانی جادو کے ڈورے آج بھی انسانی قلوب وارواح پر پڑ رہے ہیں اور اسلام کی قبولیت کی عالمگیر فضا پیدا ہو رہی ہے برخلاف تورات وانجیل کے آج ان کے ماننے والے ان سے بیزار ہوئے ہے اور علمی دُنیا ان کا مذاق اڑا رہی ہے۔ مگر قرآنی تعلیمات سائنس کی روشنی سے زیادہ منور ہو رہی ہیں موجودہ علمی وصنعتی انکشافات تمام الہامی وغیر الہامی مذاہب کے لئے پیغام موت ہیں اور اسلام کی روح قبولیت کے لئے قدرتی اسباب۔ یعنی قرآن کا سحر حلال اب بھی بدستور کرشمہ سنج ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اور اپنی کبریائی وبڑائی کا علم ناف عالم میں بلند کرتا رہے گا۔ کیا اب بھی کسی کو قرآن کے ناسخ کتب سابقہ ہونے میں کوئی شبہ ہوسکتا ہے

حاصل کلام یہ کہ چونکہ قرآن کی کبریائی وبڑائی، عظمت وبزرگی اور کاملیت واکملیت کا اعتراف دشمن ودوست سب کو یکساں ہے اور مذاہب عالم وکتب الٰہیہ پر اس کی فوقیت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اس لئے قرآن کریم ناسخ کتب سابقہ ہے جس کی تائید مندرجہ تحت عنوان سے بھی بخوبی ہوتی ہے۔

قرآن کے متعلق غیر مسلموں کی رائیں

قرآن کے متعلق ہم ایسے ملکوں کے لوگوں کے خیالات پیش کرتے ہیں جہاں اسلام کے واعظ، وفود اور معلم کبھی نہیں بھیجے گئے جنہوں نے وہاں قرآن کے مضامین اور محاسن کا برسوں وعظ کیا ہو اور حقیقت کی باتوں کو مشہور کیا ہو اور جہاں کبھی اسلام کی تلوار گئی ہو بلکہ قرآن نے خود ہی اپنی الٰہی تاثیر سے ان ملکوں اور ناواقفوں میں اپنی تجلی کی۔ اپنے حقیقت آگیں مضامین اور زبان معجز بیان سے وہاں کے اہل دل اور قلب سلیم رکھنے والوں سے خراج تحسین وصول کیا۔

ایڈورڈ گبن۔ کہتا ہے کہ بحر اوقیانوس سے لیکر دریائے گنگا کی انتہا تک الغرض مشرق سے مغرب تک قرآن مجید کو نہ صرف اصول دین کے لئے قانون اساسی تسلیم کیا گیا ہے۔ بلکہ اس بات

کا بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ تعزیرات کے احکام، اجتماع تمدن کے اصول اور معاشرت کے قوانین الغرض انسانی زندگی کے مختلف نظامات اور ان کی ترکیب بیان کرنے کے لئے ایک جامع کتاب ہے۔

پروفیسر ایڈورڈ مونٹل۔ کا قول ہے کہ قرآن پاک مسلمانوں کا ہمیشہ ملجا وماویٰ رہا ہے یہ وہ کتاب ہے جس میں مسئلہ توحید ایسی نفاست پاکیزگی اور ایسے جلال وجبروت اور تیقن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوا کسی مذہب میں اس سے بہتر طریقہ سے بیان نہیں کیا گیا۔

جان جاک روسیو۔ کا بیان ہے کہ بعض لوگ تھوڑی سی عربی سیکھ کر قرآن کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔ اگر انہیں خوش قسمتی سے کبھی یہ موقع حاصل ہوتا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنی فصیح زبان اور مؤثر لہجہ میں قرآن کریم کی کوئی صورت تلاوت فرماتے ہیں جس کا دلوں پر اثر پڑ رہا ہے اور جب کسی آیت کے یہ احتمال ہوتا ہے کہ سامعین اس کے حقیقی مفہوم تک رسائی نہیں حاصل کر سکتے اور آپ اپنی اعجازی قوت بیانیہ سے اس کی توضیح فرمادیتے ہیں تو یقیناً یہ حضرات بے اختیار ہو کر سجدے میں گر پڑتے اور سب سے پہلی آواز ان کے مُنہ سے یہ نکلتی کہ پیارے نبی! پیارے رسول خدا علیک الصلوٰۃ والسلام ہمارا ہاتھ پکڑ لیجئے اور ہمیں اپنے پیرؤوں میں شامل کرنے کی عزت بخشئے اور اس افتخار سے مشرف فرمانے میں دریغ نہ فرمائیے۔

جان ڈیون پورٹ۔ کی رائے ہے۔ کہ قرآن شریف کے سبب سے ہر طرح کا محصول جاتا رہا۔ قرآن شریف کے احکام کے سبب سے تجارت کے تمام اخراجات اور ہر قسم مشکلات دور ہو گئیں۔ غیر مذاہب کے آدمیوں کو آزادی حاصل ہو گئی۔

طامس کارلائل کا مقولہ ہے کہ قرآن مجید کو پڑھ کر یہ کہنا پڑھتا ہے کہ اس کتاب کی سب سے پہلی خصوصیت اس کا خالص اور اصلی ہونا ہے۔ میری دانست میں قرآن شریف کا وصف یہی ہے کہ یہ ہر لحاظ سے سچا ہے۔

گستاو لیباں۔ کا یہ کہنا ہے کہ ہر ایک مسلمان خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا اس کو یہ لازمی ہے کہ قرآن مجید کو عربی میں پڑھ سکے لہذا کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان دنیا میں مروج ہے اگرچہ پیروان اسلام اس وقت مختلف فرقے اور مختلف خیالات والے ہیں۔ لیکن ان سب میں ایک قسم کا اندرونی تعلق ہے۔ مگر ضرورت کے وقت یہ سب بہت آسانی کیساتھ

ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر لائٹنر۔ بے اختیار ہو کر کہتا ہے کہ دین محمدی نے قرآن کی عام تعلیم سے تمام دنیا میں تہذیب و شائستگی پھیلانے کے لئے ایک ایجنسی قائم کر رکھی ہے جو دیگر مذاہب کو نصیب نہیں ہو سکی

ولیول راس۔ کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں ہے انما المؤمنون اخوۃ یعنی ہر مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہے۔ اس معنے خیز آیت میں اشتراکیت کا بنیادی اصول نہایت لطیف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات فرض کر دی گئی ہے کہ ہر ایک مالدار مالک نصاب اپنے مال کا مقررہ حصہ غریبوں اور محتاجوں کو دیا کرے جس کو قرآن کی اصطلاح میں زکوٰۃ کہتے ہیں اس حکم میں یہاں تک تاکید کی گئی ہے کہ اگر مالدار یہ حق ادا کرنے سے پہلو تہی کریں۔ تو فقیر اور مساکین کو استحقاق حاصل ہے کہ وہ ہر مناسب طریقے پر ان سے وصول کریں اگر اس دین میں ایسے باخبر اور محقق افراد پائے جاتے جو لوگوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے واقف اور قرآن کی اصلی تفسیر سے مسلمانوں کو آگاہی بخشتے تو کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں کی قوم دنیا بھر میں ایک ترقی یافتہ قوم ہوتی اور مسابقت بین الاقوام میں ان کو سب سے آگے نکل جانے کا شرف حاصل ہوتا۔

مسٹر ای ڈی مارل۔ کا خیال ہے کہ اسلام کی قوت اور طاقت کی بنا قرآن پر ہے قرآن ہی پیروان ملت بیضا، کا قانون اساسی ہے وہی ان کا دستور العمل ہے اور وہی ان کے حقوق کی دستاویز ہے۔

فرشتے

سوال۔ فرشتہ کسے کہتے ہیں؟ ان کی حقیقت بیان کیجیے۔

جواب۔ انسان میں آثار حرارت و برودت اور رطوبت یبوست ظاہر ہونے سے پتہ چلتا ہے کہ جسم انسانی مختلف و متضاد عناصر سے مرکب ہے ورنہ ایک شخص سے مختلف کیفیتوں کا ظاہر ہونا ناممکن ہے چنانچہ حکماء نے غور و فکر کرنے کے بعد سراغ لگایا کہ حرارت کا مخزن کرۂ نار ہے۔ رطوبت کا معدن کرۂ ہوا ہے۔ یبوست کا منبع کرۂ زمین ہے اور برودت کا خزانہ طبقۂ آب ہے۔

اسی طرح انسان سے بھی دو مختلف کیفیتوں کا ظہور ہوتا ہے کبھی وہ طاعت پر کمربستہ

ہوتا ہے اور کبھی معصیت کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح انسانی کی
ترکیب دو متضاد چیزوں سے ہے ورنہ ایک شخص سے طاعت و معصیت کا صادر ہونا ایسا ہی
محال ہے جیسا کہ ایک عنصر سے حرارت اور برودت کا پیدا ہونا۔ اس لئے ضروری ہے کہ طاعت
کا منبع جدا ہو اور معصیت کا مخزن علیحدہ ہو۔ اس بنا پر اہل اسلام منبع معصیت و کفر کو شیاطین
اور مخزن طاعت و ایمان کو فرشتے یا ملائکہ کہتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ ملائکہ اللہ کے بندے ہیں حقیقت ان کی یہ ہے کہ
وہ اجسام لطیف اور نورانی پیکر ہیں۔ حق تعالےٰ نے ہر قسم کے تشکل کی ان کو قوت عطا فرمائی
ہے یعنی جو شکل وہ چاہتے ہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں وہ ارواح مجردہ ہیں اور
ان کے بدن بمنزلہ ان کے لباس کے ہیں۔ مختلف اشکال میں ہو جانا ان کے لئے لباس ہے
جیسے انسان کبھی کوئی لباس بدلتا ہے اور کبھی کوئی اسی طرح فرشتے کبھی کوئی صورت بدلتے
ہیں اور کبھی کوئی۔ کبھی ہوا ہو جاتے ہیں۔ کبھی انسانی جامہ پہن لیتے ہیں۔ کبھی جانور بنجاتے
ہیں نیز ان کو یہ قدرت بھی عطا فرمائی گئی ہے کہ وہ بہت ہی قلیل مدت میں زمین و آسمان کی
مسافت طے کر لیتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ملائکہ نوری ہیں اور جن و شیاطین ناری۔

ان کی اصلی جگہ آسمان ہے اور زمین پر بھی اپنی اپنی خدمات کے لئے آتے ہیں۔ ان کو مرد
و عورت نہیں کہا جاتا کیونکہ ان میں توالد و تناسل ہی نہیں۔ اور نہ وہ کھانے پینے کے محتاج
ہیں ان کا افتقار طبعی طاعت الٰہی ہے۔

ملائکہ انبیاء علیہم السلام کی طرح گناہوں سے پاک ہیں لیکن بعضوں کا خیال ہے ان سے
بھی معصیت کا صدور ممکن ہے اس کے ثبوت میں ابلیس اور دو فرشتے ہاروت و ماروت کی نافرمانیوں
کو پیش کیا جاتا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ابلیس ملائکہ میں سے نہیں بلکہ جنوں میں سے تھا
جس پر نص صریح کَانَ مِنَ الْجِنِّ موجود ہے اور ہاروت و ماروت کا قصہ محض لغو اور بے
بنیاد ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔ هٰذِهِ الرِّوَايَةُ فَاسِدَةٌ مَرْدُوْدَةٌ
غَيْرُ مَقْبُوْلَةٍ لِاَنَّهٗ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَا يَدُلُّ
عَلٰى ذٰلِكَ بَلْ فِيْهَا مَا يُبْطِلُهَا یعنی یہ روایت فاسد مردود اور غیر مقبول
ہے اور یہ قرآن سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے امام بیضاوی
لکھتے ہیں انما محکیۃ عن الیہود کہ یہ روایت یہودیوں سے لی ہوئی ہے حضرت ابی السعود

اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ملا ۱ رہ روایۃ الیھود اس کا مدار یہودیوں کی روایات ہیں اور قاضی عیاض شفاء میں لکھتے ہیں ھٰذِہٖ الْاَخْبَارُ فِی قِصَّۃِ ھَارُوْت مَارُوت لم یرو امنھا شیئ لا سقیم، لا صحیح عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہاروت و ماروت کے قصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سقیم یا صحیح روایت نہیں آئی پس یہ دونوں باتیں بے سند ہیں۔

فرشتوں کا کام اور ان کی ضرورت

ملائکہ کے مختلف اقسام یا کام ہیں بعض عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ بعضے عرش الٰہی کے گرد طواف کرتے ہیں۔ بعض کے ذمہ جنت کی خدمات کی ہیں۔ بعضے دوزخ پر موکل ہیں بعضے بنی آدم کے اعمال لکھتے ہیں بعضے احوال عالم کی تدبیر میں دخل رکھتے ہیں اور بعضے نبیوں پر وحی و الہام لاتے ہیں۔

لفظ ملک الوک سے نکلا ہے جس کے معنے رسالت و پیغام کے ہیں فرشتوں کو ملائکہ یا ملائکہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے فیوض و انعامات انسانوں تک پہنچانے کے لیے درمیان وسائط وذرائع ہیں اور رسالت کا کام انجام دیتے ہیں اس لئے ان کو ملائکہ کہا جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ کا ایک بندھا ہوا قانون اور ایک جنچی تلی ہوئی صداقت ہے کہ ہمارے نفوس و اجسام اور قویٰ کو جس قدر فیض قدرت کی طرف سے ہم کو پہنچاتے ہیں، وہ بعض خارجی چیزوں کے توسط سے پہنچتا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کے فیض قبول کرنے اور تربیت ظاہری پانے کے لئے وسائط کا ہونا ضروری ہے مثلاً ہماری آنکھوں کو خدا تعالیٰ ہی روشنی بخشتا ہے مگر وہ روشنی آفتاب کے توسط سے ہمکو ملتی ہے۔ اسی طرح ہم سماعت رکھتے ہیں مگر حس اعصاب اور ہوا کی ضرورت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف ہمارے قویٰ انسانیت کی کل چلانے کے لئے کافی نہیں بلکہ ہمیں خارجی مددوں اور معاونوں کی ضرورت ہے اگرچہ علت العلل خدا تعالیٰ ہی ہے مگر اس کا انتظام ہے کہ وہ توسط ہمارے قویٰ اور اجسام پر اثر ڈالتا ہے غرض جس طرح اللہ پاک ہماری جسمانی تربیت میں وسائط وذرائع سے کام لیتا ہے اس طرح روحانی تربیت کے لئے بھی وسائط وذرائع کی ضرورت ہے اور یہ ملائکہ ہیں جس طرح خارجی معینات اور معاونات کے بغیر مادی کائنات کا سلسلہ بیکار ہے۔ اسی طرح بغیر روحانی معاونات یعنی ملائکہ کے بغیر ہدایت روحانیت کا سلسلہ بیکار ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ ملائکہ اور جن کا وجود تمام ادیان سماوی میں مسلم رہا ہے۔ بعض نادان اور کوتاہ فہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو چھٹی رسانوں یعنی فرشتوں کی کیا ضرورت ہے ہم کہتے ہیں کہ تو پھر ہمیں خارجی معنیات آفتاب اور ہوا وغیرہ کی کیا ضرورت ہے۔ جب ظاہری سلسلہ کائنات بیرونی چیزوں کی تاثیرات مختلفہ سے تربیت پا رہا ہے تو اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ باطنی سلسلہ بھی باذنہ تعالیٰ نفوس نورانی کے ذریعہ تربیت پائے اگر خدا تعالیٰ کو فرشتوں سے کام لینے کی ضرورت نہیں تو آفتاب، ماہتاب یا ستاروں، ہوا، علم ہیئت، نجوم، طبابت اور نباتات کی بھی ضرورت نہیں یہ بھی تو اسباب اور وسائط ہی ہیں۔ اللہ پاک کو ان چپراسیوں اور خادموں کی کیا ضرورت ہے تمام سیارات و ذرات بھی تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہی ہیں۔ اگر فرشتوں سے خدمت لینے میں کوئی اعتراض ہے تو مذکورہ بالا چیزوں پر بھی ہونا چاہیے۔

پس از روئے عقل و نقل ملائکہ پر ایمان لانا ضروری ہے جس کا ثبوت قرآن کی بیشمار آیات سے ہوتا ہے ان کی حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ ان کو علم دیتا ہے بجا لاتے ہیں لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون وہ اللہ کی عبادت سے ناک نہیں چڑھاتے اور نہ اس کی عبادت سے تھکتے ہیں۔ اور اللہ کے حکم کے تابع ہیں

فرشتوں کے منکرین کا جواب فرشتوں کا منکر کوئی مسلمان تو ہو نہیں سکتا کیونکہ کتاب و سنت سے بالتصریح ان کا وجود ثابت ہے۔ ہاں جو لوگ علمائے جدید کی تحقیق وحی آسمانی سے زیادہ درجہ دیتے ہیں۔ ان سے ہمیں سروکار نہیں۔ اور حکمائے جدید کے پاس ملائکہ کے انکار کی کوئی دلیل نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ ان غیر مبصر یعنی دکھائی نہ دینے کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر فقط غیر مبصر ہونے کی وجہ سے کسی چیز کا انکار کر دینا جائز ہے تو حکمائے جدید کو خدا، روح اور ایتھر کا بھی انکار کرنا پڑے گا اگر ان کو غیر مبصر ہونے کی حالت میں مانا جاتا ہے تو اگر فرشتے اپنی شدید لطافت کی وجہ سے ہماری نگاہوں سے مستور ہوں تو اس میں کیا قباحت ہے۔ غرض فرشتوں کے منکرین کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ عقلی محض تخمین و قیاس کی بنا پر انکار و حجت ہے۔

مشہور فرشتے اور ان کے نام فرشتوں کی تعداد معین نہیں بلا تعین ان کی ہستی پر ایمان رکھنا چاہیے۔ ان میں چار فرشتے بہت مشہور اور سب میں افضل ہیں جن کے نام قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں (۱) جبرئیل علیہ السلام

انبیاء علیہ السلام پر وحی لاتے تھے (۲) میکائیل علیہ السلام مخلوق کو رزق پہنچاتے ہیں (۳) عزرائیل علیہ السلام یہ اہل عالم کی ارواح قبض کرنے پر مقرر ہیں اور (۴) اسرافیل علیہ السلام یہ قیامت میں صور پھونکیں گے۔

سوال۔ ملائکہ کی حقیقت تو معلوم ہوئی۔ اب ذرا جنوں کی حقیقت بھی تبلا دیجئے۔

جواب۔ انسان اربع عناصر سے فرشتے نور سے اور جن آگ سے پیدا کئے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے والجان خلقناہ من قبل من نار السموم۔ کہ ہم نے جنوں کو انسان سے پہلے بے دھوئیں کی آگ سے بنایا۔ قرآن مجید اور احادیث سے فرشتوں کے وجود کی طرح جنوں کا وجود بھی ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ایک سورۃ ہے جس کا نام سورۂ جن ہے۔ نیز سورۂ احقاف کے چوتھے رکوع میں ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن شریف کو سُنا۔ ایمان دار ہو کر اپنی قوم میں لوٹے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ بعض نیچری مسلمان اور قادیانوں کا خیال ہے کہ جنوں سے مراد گرم مزاج انسان ہیں مگر یہ قلوب و اذہان کی گمراہی ہے اور ان کے وجود پر بھی ایمان رکھنا ضروری ہے۔

مسئلہ تقدیر کی بحث

سوال۔ مسئلہ تقدیر کسے کہتے ہیں؟

جواب۔ عقیدۂ تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوا جو کچھ اب ہو رہا ہے۔ اور یا جو کچھ آیندہ ہوگا وہ سب اللہ تعالےٰ کے علم اور حکم سے ہے۔ تقدیر کے لفظی معنے اندازہ کرنے کے ہیں یعنی خدائے حکیم و بصیر ابتدائے آفرینش ہی میں ہر ایک بات کی بابت فیصلہ کر چکا ہے یا اندازہ لگا چکا ہے کہ یہ بات اس طرح ظہور پذیر ہوگی اور ہر شخص کو وہی حالات و واقعات پیش آئیں گے جن کی بابت اللہ تعالےٰ فیصلہ کر چکا جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ جو کچھ ہونے والا تھا اس پر قلم چل گیا حتی کہ اعمال کی نیکی بدی اور آدمی کا جنتی یا دوزخی تک ہونا مقدر ہو چکا۔ یعنی جو کچھ ہونا ہے وہ پہلے ہی دن لوح تقدیر میں لکھا جا چکا۔ مسئلہ تقدیر کا خلاصہ یہ ہے کہ بندوں کے تمام افعال خدا کے حکم سے ہوتے ہیں۔

سوال۔ اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم لوگ ہر ایک کام میں مجبور اور پابند ہیں اور ہمارے اعمال و افعال کی جواب دہی ہم سے ساقط ہونی چاہئے۔ کیا یہ نتیجہ صحیح ہے؟

جواب ۔ یہ مسلمانوں کی بہت بڑی بدقسمتی، کج فہمی، نادانی، پست ہمتی اور دون طبعی ہے کہ جو مسئلہ ہمارے عروج و ارتقار کا باعث ہر مرض کی دوا اور مصائب و آلام میں وجہ تسلی تھا اس کو بحث و نظر کی الجھنوں میں پھنسا کر اس عقیدہ کو سہل انکاری اور غفلت شعاری کا حیلہ بنا لیا اور اس کو سعی و کوشش کا منافی اور ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنے کے مرادف سمجھ لیا حالانکہ یہ سراسر غلط فہمی اور کج رائی ہے ۔ یہ مسئلہ تقدیر کی غلط فہمی اور اوندھے استدلال کا ہی نتیجہ ہے کہ ؎

"ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دُنیا"

ہم ہیں رہن مسئلہ جبر و اختیار   وہ ہیں عمل سے فاعل مختار دہر میں

مسئلہ تقدیر کا مفہوم

مسئلہ تقدیر سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہی بندوں کی نسبت اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سب کے سب فی حد ذاتہم کمال سے بالکل عاری ہیں ۔ اس واسطے مشیت ایزدی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ تکمیل ہدایت و اصلاح العباد کے لئے رسول بھیجے جائیں اور ان پر کتابیں نازل کی جائیں ۔ سو بعضوں کو اس سے ہدایت مل گئی اور بعضے گمراہ کے گمراہ ہی رہے ۔ اور اللہ تعالےٰ نے ان سب باتوں کا اندازہ ایک مرتبہ پہلے ہی کر لیا تھا ۔ مگر بندوں کی جو ذاتی حالت ہے اس کو اس حالت پر جو بعثت رسل کے بعد لاحق ہوئی تقدم ہے ۔

اس کے وہ معنے نہیں جو عوام کے دماغ میں سما گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار سے زبردستی کسی کو گمراہ بنا دیا اور کسی کو ہدایت دیدی ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ میں یہ لکھا جا چکا اور یہ طے ہو چکا کہ ہر کام کا ایک خاص نتیجہ ہے ۔ ہر چیز کا ایک سبب ہے ۔ نکی بدی یکساں نہیں ۔ نیکی کا نتیجہ نیک ہوگا اور بدی کا بد اور یہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا ٹھکانا دوزخ اور جنت میں لکھا ہوا نہ ہو ۔ اس سے مراد لوگوں کے اقسام اور اصناف کی طرف اشارہ ہے ۔ یعنی کوئی صف ایسی نہ ہوگی جس میں کمال اور نقصان اور عذاب و ثواب نہ ہوگا ۔

در اصل مسئلہ تقدیر علم الٰہی کو کہتے ہیں یعنی اللہ پاک چونکہ عالم الغیب والشہادت ہے اور اس کا علم ۔ ماضی ۔ حال اور مستقبل تینوں زمانوں سے متعلق ہے اس لئے اس نے اپنے بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا یا اپنے علم سے معلوم کر لیا تھا کہ حوادثات کے وجود و اعدام کے یہ اسباب و قوانین ہیں ۔ فلاں فلاں وقت یہ ہوگا ۔ فلاں آدمی دوزخی ہے اور فلاں جنتی ۔ اب لازمی ہے کہ جو اندازہ اس نے ازل میں لگایا تھا ۔ تمام حوادثات اس کے علم کے مطابق

ہوں اور اس کے علم سے مختلف نہ ہوں ورنہ نعوذ باللہ جہل لازم آئیگا۔ پس تقدیر کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے بھی پہلے علیم وخبیر عز اسمہٗ کا علم ازل سے ابد تک تمام حالات و واقعات معلومہ وغیر معلومہ پر حاوی و محیط تھا۔ بس اس سے آگے اپنی طرف سے اپنی عقل و سمجھ کے مطابق کوئی اچھا یا برا نتیجہ نکالنا اور تدبیر و تقدیر کی بحثیں چھیڑنا گمراہی اور کجروی ہے۔ اور مسئلہ تقدیر کی اپنی عقل وقیاس اور استنباط سے کوئی مزید تفسیر و تشریح کرنا اور اپنے مفہوم کی بنا پر نفیاً یا اثباتاً کوئی پہلو اختیار کرنا حد شریعت سے آگے بڑھنا اور اپنے آپ کو شکوک و اوہام کے سمندر میں ڈالنا ہے۔ علامہ عبدہٗ مصری فرماتے ہیں۔

مسئلہ تقدیر کے متعلق دو امر ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر ثابت اور حق ہے اول یہ کہ ہر شے کا خالق خدا ہے۔ دوئم یہ کہ انسان اپنے اعمال اپنے ارادہ اور اپنے اختیار سے کرتا ہے لیکن اس کو پوری قدرت اور پورا علم اور اختیار حاصل نہیں ہے انسان کبھی ایک کام کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اس کو پورا کر لیتا ہے اور کبھی عاجز ہو جاتا ہے یا اس کام کے شروع کرنے سے پہلے ہی مر جاتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اختیار اور اس کی قدرت کی جو اسے اپنے اعمال پر حاصل ہے اور اس کے اسباب کو پہچاننے اور ان پر کاربند ہونے کی حدیں مقرر ہیں جن سے وہ کسی طرح تجاوز نہیں کر سکتا۔ انسان کو نہ اس قدر علم ملا ہے کہ وہ موت کے تمام اسباب پر احاطہ کرے۔ نہ اس قدر قدرت ملی ہے کہ اس کے تمام اسباب سے بچ سکے۔ اور نہ موت کا ہر سبب ہی ایسا ہے کہ اگر آدمی اس کے پاس جائے تو اسے ضروری موت آجائے۔ جو لوگ لڑائی کی آگ میں ہمیشہ گھسے رہتے ہیں۔ وہ سب اپنی جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہوتے ہیں لیکن بایں ہمہ ان میں سے اکثر بچ جاتے ہیں اور کمتر مارے جاتے ہیں۔ اس تمام تقریر سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں اوّل یہ کہ جب کوئی بات واقع ہو جائے تو اس کے وقوع کے بعد یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات ضرور واقع ہونے والی تھی اور دوسرے یہ کہ جب آدمی اس بات پر اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ کی میرے حال پر عنایت ہے تو وہ کام میں خوب دل لگاتا ہے۔

مسئلہ تقدیر کے بارہ میں اہل السنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ بندوں کے تمام افعال اضطراری و اختیاری اللہ تعالےٰ کے علم کے مطابق اس کے حکم سے ثابت ہوتے ہیں آدمی کے افعال میں اس کی قدرت میں بالاستقلال کچھ اثر نہیں۔

قضا وقدر کے معنے۔ ایک شخص نے مسئلہ تقدیر پر یہ اعتراض کیا تھا کہ یہی عقیدہ

مسلمانوں کے میدان ترقی میں آگے بڑھنے اور ان کے غیر قوموں سے پیچھے رہ جانے کا باعث ہے کیونکہ اس عقیدہ کی وجہ سے مسلمان اس بات کے منکر ہیں اور ان کے فراہم کرنے کی ذرا کوشش نہیں کرتے۔ اس کا جواب علامہ عبدہ مصری نے یہ دیا ہے۔

جو کچھ اعتراض مسلمانوں پر کیا جاتا ہے اُس میں سے ٹھیٹھ اسلام پر ذرہ بھر بھی وارد نہیں اسلام نے اس بارہ میں جو کچھ تعلیم دی ہے وہ بلاشبہ حق اور امر واقع ہے اس سے انکار کرنے کی نہ کسی مومن کو گنجائش ہے اور نہ کسی بددین کو۔ قضاؤ قدر کی بس اتنی حقیقت ہے کہ خدا تعالےٰ کو جو بوجہ اس کے عالم الغیب ہونے کے تمام اشیاء کا علم ہے۔ اس کا نام قضا اور اس علم کے مطابق تمام اشیاء کے وقوع کا نام قدر ہے۔ پس خدا تعالےٰ کے عالم اشیاء ہونے اور اشیاء کے اس کے علم کے مطابق واقع ہونے پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علم ایک انکشاف ہے جو انسان کے ذمہ کسی بات کو لازم نہیں کرتا لیکن چونکہ علم وہی ہے جو مطابق واقع کے ہو اس لئے ضرور ہے کہ اشیاء کا وقوع مطابق علم کے ہو۔ ورنہ یا تو وہ علم، علم ہی نہ ہوگا بلکہ جہل ہوگا اور یا واقع غیر واقع ہوگا جو محال ہے۔

علامہ شیخ حسین آفندی فرماتے ہیں۔

"قدر اللہ تعالےٰ کا ازل میں مخلوق کی حد میں پیدا کرنا ہے جو بندوں سے اچھے بُرے افعال و نفع و ضرر وغیرہ پائے جانے والے تھے یعنی تقدیر (قدر) ازل میں مخلوقات کی صفات کا علم الٰہی ہے پس تقدیر صفت علم الٰہی ہے اور قضا اللہ تعالےٰ کا اشیاء کو اپنے علم کے مطابق پیدا کرنا ہے اور اس کی تقدیر ازل ہی میں ہو چکی تھی پس ظاہر ہوا کہ قضاؤ قدر کا تعلق اشیاء کا علم الٰہی ازلی اور ان کے ساتھ تعلق قدرت الٰہی سے ہے۔ (الحصون الحمیدیہ صفحہ ۱۲۶)

اللہ تعالےٰ خالق خیر بھی ہیں اور خالق شر بھی

انسان کی تکوین میں قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ نے دو متضاد قویٰ شامل کئے ہیں۔ ایک کو لسان شریعت میں داعی الی الخیر کہتے ہیں اور دوسرے کو داعی الی الشر کہتے ہیں یعنی ایک اسکو نیکی کی طرف لیجاتا ہے اور ایک بدی کی طرف اور یہ دو متضاد داعیے انسان میں اس لئے رکھے گئے ہیں کہ ایک کی خوبی اور دوسرے کی بُرائی و شناعت ظاہر ہو کیونکہ ہر ایک چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے خدا تعالےٰ کا قانون قدرت یہ ہے کہ جس طرح اس نے دن کے مقابلہ میں رات نور کے

مقابلہ میں تاریکی اور میٹھے کے مقابلہ میں کڑوا پیدا کیا ہے ایسا ہی اس نے انسان کیلئے نورانی مخلوق کے مقابلہ میں ظلمانی مخلوق بھی بنائی ہے اور دو روحانی داعی مقرر کئے ہیں۔ ایک داعی خیر جس کا نام روح القدس ہے اور ایک داعی شر جس کا نام ابلیس یا شیطان ہے یہ دونوں نیکی اور بدی کی طرف بلاتے ہیں مگر کسی بات پر جبر نہیں کرتے۔ اور یہ دونوں داعی انسان میں بطور ابتلاء کے رکھے گئے ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ علت العلل ہے اور یہ دونوں داعی خدا تعالیٰ کی تخلیق سے ہیں۔ اور یہ سب انتظام اسی کی طرف سے ہے اس لئے اس کو خالق خیر و شر کہا جاتا ہے ورنہ شیطان کی کیا حقیقت ہے کہ وہ کسی کے دل میں بُرا وسوسہ ڈالے اور اس کو گمراہ کرے۔ اور روح القدس کیا چیز ہے جو کسی کو تقویٰ کی راہوں کی طرف ہدایت کرے۔

بعض کوتاہ اندیش یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کے خالق خیر و شر ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائے قدوس نے دانستہ انسان کے پیچھے شیطان کو لگا رکھا ہے اور گویا آپ ہی خلق اللہ کو گمراہ کرتا ہے۔

سو اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اور وہ گمراہ کرنے کے لئے جبر کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ تعلیم ہے کہ انسان کو آزمایش اور امتحان کے طور پر دو متضاد داعیے دئے گئے ہیں اور امتحان سے مراد اظہار حقائق مخفیہ ہے تاکہ دوسرے بندوں کو عبرت و نصیحت ہو اور پھر ساتھ ہی بعض حالتوں میں شیطان کا اثر کالعدم ہو جاتا ہے۔ بلکہ عبادات و ریاضیات شاقہ کے ذریعہ شیطان مسلمان ہو جاتا ہے۔

سوال۔ جس حالت میں کہ انسان میں داعی الی الشر نہ رکھنے اور شیطان کو پیدا نہ کرنے سے گمراہی اور فسق و عصیاں کی جڑ کٹتی تھی تو پھر شیطان کو اللہ پاک نے پیدا ہی کیوں کیا اور نیکی کے مقابلہ میں بدی کو کیوں رکھا۔

جواب۔ جیسا کہ ترکیب انسانی مختلف و متضاد عناصر سے اس لئے کی گئی ہے کہ اس ترکیب سے ایک عمدہ نتیجہ پیدا ہو جس کو مزاج مرکب کہتے ہیں اسی طرح ترکیب عالم میں بھلی بُری دونوں قسم کی چیزیں اللہ پاک نے اس لئے پیدا کی ہیں تاکہ خیر و شر کے اجتماع سے نیکی کی حقیقت اور سعادت وہدایت کے آثار عجیبہ ظاہر ہوں۔

اگر خدا تعالیٰ انسان کے لئے فقط داعی الی الخیر کو مقرر کرتا تو انسان دیگر حیوانات کی طرح وہ کسی فضیلت و مرتبہ کا حقدار نہ ٹھہرتا اور اگر صرف داعی الی الشر مقرر کرتا تو اس کے

عدل ورحم پر دھبہ لگتا تھا کہ اس نے شرانگیزی اور وسوسہ اندازی کی غرض سے ضعیف وکمزور انسان کو فتنہ میں ڈالدیا مگر نیکی طرف رہنمائی کرنے کا کوئی سامان نہیں کیا۔ اس لئے داعی الی الخیر کو بھی انسان کا دائمی قرین بنادیا تاکہ میزان کے دونوں پلے برابر ہو جائیں اور تخلیق آلہی کے دونوں پہلو ظاہر ہو جائیں۔

سوال۔ یہ سب اگر مگر شکوک واوہام میں ڈالنے والے ہیں اور یہ قیاس مع الفارق ہے ہم تو سیدھی سی بات یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو نیک اور ایماندار بنا سکتا تھا جس سے انسان کو نیکی وبدی کی کشمکش میں پڑنے اور ہدایت وگمراہی کے انتخاب کرنیکی زحمت گوارا نہ کرنی پڑتی۔

جواب۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ سب نیکوکار ہی ہوتے اور سب کی یکساں حالت ہوتی لیکن اسلام تو کہتا ہے کہ اللہ پاک نے ایسی مخلوق بھی بنائی ہے جہاں تخلیق آلہی کے اس پہلو کا کمال ظاہر ہوتا ہے، مثلاً ملائکہ اور حیوانات ان کی دنیا ایسی ہے جس میں نیک وبد کی تمیز نہیں۔ کسی کو ایک دوسرے پر تفوق نہیں۔ اسی سبب سے وہ کسی بات کے جوابدہ اور کسی امر کے مکلف نہیں۔ لیکن انسان کے لئے اللہ کی مشیت یوں ہی تھی اس کو خیر وشر کے دو داعیے اور تھوڑا سا اختیار دیکر نیک وبد کی بھول بھلیوں میں ڈالدیا جائے اور اس نیک وبد کی کشمکش میں پڑنے اور ہدایت کی راہ اختیار کرنے کے صلے میں اس کو اشرف المخلوقات ٹھیرایا جائے۔ اب رہا یہ امر کہ خدا نے ہمیں ایسا کیوں بنایا؟ اس سوال کا ہمیں کوئی حق نہیں ہے خدا کی مشیت پر جواب طلب کرنا گمراہوں، دہریوں اور عقل کے اندھوں کا کام ہے محکوم کو حاکم سے کسی حکم کی علت دریافت کرنے اور اس سے جواب طلب کرنے کا کوئی حق نہیں۔ خدا کی مشیت پر "کیوں" کا سوال تو وہ کر سکتا ہے جو نعوذ باللہ خدا سے زیادہ علیم وحکیم ہو

سوال۔ اگر حق تعالےٰ کو خیر وشر دونوں کا خالق جانا جائے تو بندوں کی برائی اس کی طرف منسوب ہوگی۔ اور یہ اس کی شان قدوسی کے خلاف ہے۔

جواب۔ انسان اچھے برے افعال کا محل اور مقام ہے۔ سو بری اور ناپاک چیز کا جس جگہ وجود ہوتا ہے وہ جگہ ہی بری اور ناپاک سمجھی جاتی ہے مگر اس کا بنانے والا برا اور ناپاک نہیں ہو جاتا بلکہ الٹا اسے بھی منور کر دیتا ہے۔ آنکھ شیشے کو بھی دیکھتی ہے اور کالے توے کو بھی مگر توے کی سیاہی سے آنکھ میں کوئی نقص نہیں آتا۔ علم ہر بھلی اور بری چیز کا ہوتا ہے مگر معلوم کے برے ہونے

سے علم کی برائی لازم نہیں آتی بلکہ بصر اور علم کا تو کمال ہی یہ ہے کہ ہر بھلی بری چیز کو دیکھے اور معلوم کرے علیٰ ہذا ایجاد کا کمال یہ ہے کہ اس سے اچھے برے دونوں قسم کے وجود ظاہر ہوں۔ جس طرح امرت اور اکسیر کا ایجاد کرنا ڈاکٹر کمال ہے۔ اسی طرح زہر اور سم قاتل کا ایجاد کرنا بھی ڈاکٹر کا کمال ہے پس اسی طرح اگر باری تعالےٰ کی ایجاد ہر ہر خیر و شر ایمان و کفر اور مومن و کافر سب ہی پر وارد ہو تو اس ایجاد اور موجد میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ غرض برا فقط اسی شئے کو کہا جائیگا جس کے ساتھ شر قائم ہے۔ خالق برا نہیں ہو سکتا۔

ایمان بالقدر کی ضرورت اور فائدہ

جہاں عقیدہ تقدیر کے سمجھنے میں متعدد دشواریاں اور غلط فہمیاں حائل ہیں۔ وہاں اس کا ماننا بھی ہر پہلو سے ضروری اور لازمی ہے۔ یہ ایمان بالقدر کی پختگی کا ہی نتیجہ تھا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان خاک سے اٹھکر افلاک پر پہنچے تھے اور زندگی کے ہر شعبہ میں باکمال تھے۔

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ مسئلہ تقدیر کو ماننے اور اس کے ترک سے خدائے حکیم و بصیر کے علم اور حکم کے حاوی اور محیط ہونے کا انکار لازم آتا ہے اور اس کی تخلیق و ایجاد کا کمال ظاہر نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب انسان کی جوئے حیات مصائب و آلام کے بھنور میں محصور ہو جاتی ہے اور وہ اپنی راہ سے دور اور منزل سے بعد اختیار کر لیتی ہے۔ حسرت و یاس حیات کو لوٹ لیتے ہیں اور غم و الم کی ہیبت ناکیاں اس کے ولولوں کو سرد کر دیتی ہیں تو ایسی حالت میں عقیدۂ تقدیر مصائب و آلام کے تھپیڑوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالیجاتا ہے اور انسان کو قیام و سکوت کی ہلاکتوں سے بچاکر جد و جہد کے خطرات میں سے زندگی کے موتیوں کو نکال لاتا ہے۔ غرض جد و جہد کی پر مصائب زندگی میں "تقدیر" دنیا والوں کو ابد البقا کے بعد مسرت و کامرانی کا نغمہ سناتی ہے۔ اس حیثیت سے اگر ہم مسئلہ تقدیر کو حسرت و کامرانی کی کلید اور مذہب کی جان کہدیں تو بے جا نہیں چنانچہ حضور ختمی مآب صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔

مَنْ عَرَفَ سِرَّ اللّٰهِ فِی الْقَدْرِ هَانَتْ عَلَیْهِ الْمَصَائِبُ

جس نے تقدیر کے راز کو معلوم کر لیا۔ اس پر مصائب آسان ہو جاتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں۔

"کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حوادث ارضی اسباب آلٰہیہ کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے وہ جانتا ہے کہ قدر سے ڈرنا اس کو ٹلا نہیں سکتا پس لامحالہ جب اس کا مطلوب فوت ہو جاتا ہے تو وہ منغض نہیں

ہوتا۔ اور جب مطلوب حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے موانس نہیں ہوتا کیونکہ روحانیت کے اسرار و فوائد سے مطلع ہے اور یہ جسمانیات سے اشرف ہے۔ لہٰذا وہ طلب اشیا میں کسی سے بھی جھگڑا نہیں کرتا اور نہ اپنے مطالب کے فوت ہونے پر کسی پر غصہ کرتا ہے۔

دنیا کہتی ہے کہ انسان دکھ اور تکلیف اٹھانے کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ مگر عقیدۂ تقدیر کہتا ہے کہ بیشک دُنیا مصیبتوں کا گھر تو ہے مگر جب کہ وہ قوانین الٰہیہ کی خلاف ورزی کرے اگر انسان مجھے مانے تو یہ دکھوں بھری دُنیا مسرت و کامرانی اور عیش و نشاط کی جنت بن جاتی ہے اسلام کا دنیا پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے کامیابی اور جدوجہد کا وہ گر بتلا دیا جو ہر درد کی دوا ہر مرض کی شفا، ہر مصیبت میں وجہ تسلی اور ہر تکلیف میں باعث تسکین ہے مگر وائے بدقسمتی کہ اپنے اور غیر اسی عقیدہ تقدیر کو ہمارے قومی تنزل و انحطاط کا سبب ٹھیراتے ہیں اور مسلمان خود اپنی پست ہمتی عہدی پن، آرام طلبی اور دون طبعی کے نتیجوں کا الزام اسی کے سر تھوپتے ہیں۔

مسئلہ ارتقا اور عقیدۂ تقدیر مسئلہ ارتقا کا مدار اصول توریث پر ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان اپنی طبیعت اور خصوصیات اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں پاتا ہے اور جس طرح وہ اپنے نسب کو نہیں بدل سکتا اسی طرح ان موروثی خصوصیتوں کو بھی نہیں مٹا سکتا۔ اور تعلیم و تربیت وغیرہ کا جو کچھ اثر ہوتا ہے وہ ان طبعی خصائص کا تابع اور محکوم ہوتا ہے۔ یہ اصول انسانی کی صورت و سیرت تمام جسمانی، دماغی اور اخلاقی کیفیتوں اور قابلیتوں پر حاوی ہے اور کسی کو اس سے مفر نہیں۔

اب بتائیے کہ وہ قدرت و اختیار جس پر انسان کو ناز تھا کیا ہوا وہ امر مجاز اور فاعل مختار ہونے کا دعویٰ کہاں گیا۔ واقعی خدا کی قدرت ہے کہ وہ عقیدہ جو اسلام نے تیرہ سو برس پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا اور جس پر نیچر کے روشن خیال فلسفی ہنستے تھے اور اسلام کو نام دھرتے تھے۔ اب سائنس اپنی ساری تکاپو کے بعد اسی نتیجہ پر پہونچا اور اس کے سامنے تمام منکرین اور ملحدین کے سر جھک گئے اور سب کو بادل نخواستہ اپنی مجبوری تسلیم کرنی پڑی۔

(حقایق اسلام صفحہ ۶۶)

عملی زندگی پر تقدیر کا اثر نہیں ہونا چاہیے مسئلہ تقدیر کے بارے میں ایک بات سمجھ لینے کی نہایت ضروری یہ ہے کہ عقیدہ تقدیر صرف گزشتہ باتوں پر صبر و تسلیم کی تعلیم دیتا ہے اور

یا جو اختیار انسانی کے دائرے سے خارج ہوں۔ لیکن آیندہ ہونے والے کاموں یا ایسے امور کو جن میں ہماری سعی و تدبیر کارگر ہو سکتی ہو۔ محض تقدیر کا عذر و بہانہ کر کے چھوڑ دینا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ رہنا منافی اسلام اور جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے بیشک جو کچھ ہونا ہے وہ ہوگا اور تقدیر کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔ مگر ہم کو کیا معلوم کہ کیا ہونا ہے؟ اور تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ تقدیر تو اس وقت ظاہر ہوتی ہے جبکہ ہم مقدور بھر اپنے کام میں پوری کوشش کریں اور ناکام رہیں۔ شیخ حسین آفندی طرابلسی لکھتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ قدر پر ایمان لانا واجب ہے لیکن قبل وقوع کے اُس سے اس لئے حجت پکڑنا کہ وہ کام کیا جائے جائز نہیں۔ مثلاً کوئی زانی یوں کہے کہ زنا کرنا اللہ پاک نے اس کی تقدیر میں لکھدیا ہے اور اس سے مراد اس کی یہ ہو کہ اس بہانہ سے زنا پر اقدام کیا جائے۔ ایسی حالت میں اس زانی پر شریعت کی حجت ہوگی اور شرع کی جانب سے کہا جائے گا کہ تجھے کیا معلوم تھا کہ ازل میں زنا تیری تقدیر میں لکھا جا چکا تو تو نے زنا کا اقدام کیا۔ پس یہ گناہ پر اقدام کرنا تیرے اختیار اور اتباع نفس سے ہے۔ اور اس لئے اس پر مواخذہ ہوگا اور یہ عذر شرعی ہے مخلصی پانے کے لئے مسموع نہ ہوگا۔ (الحصون الحمیدیہ صفحہ ۱۲۷)

پس ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے ہر کام میں پوری پوری کوشش کریں اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دیں کوشش بلیغ کرنے کے بعد جو نتیجہ ظاہر ہو وہی تقدیر ہے۔

عقیدہ تقدیر کے بارہ میں اہل السنت والجماعت کے مسلک کے مطابق خلاصہ یہ ہے کہ انسان نہ تو بالکل آزاد اور خود مختار ہے کہ جو چاہے کرے اور جس طرح چاہے رہے۔ اور نہ بالکل مقید اور مجبور ہے کہ وہ ہر بات میں معذور سمجھا جائے اور اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ ہو۔ ہم اپنے گردوپیش کے اسباب سے وابستہ اور آس پاس کے حالات کے محکوم ہیں اور ایک حد تک ان اسباب پر تصرف کرنے اور ان کو مفید مطلب بنانے کی قابلیت دی گئی ہے اور اپنے طرزِ عمل کو اپنے مقدور بھر نیک اور پسندیدہ بنانے کی ہدایت اور تاکید کی گئی ہے۔ اسی کی بابت ہم سے باز پرس ہوگی اور اسی کے ہم جوابدہ ہیں۔

موت کے بعد کی زندگی یعنی اعتقاد حشر و نشر عالم برزخ

سوال۔ مرنے کے بعد انسان پر کیا گزرتی ہے؟

جواب۔ بخاری و مسلم کی احادیث میں ہے کہ جب مردہ کو قبر میں رکھکر اس کے عزیز و اقارب واپس چلے جاتے ہیں تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہے یہ صاحب قبر سے سوال کرتے ہیں۔ من ربک تیرا رب کون ہے؟ ما دینک تیرا دین کیا ہے؟ اور تو محمد رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیا عقیدہ رکھتا ہے۔ اگر مردہ کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے تو جواب دیتا ہے۔ میرا رب اللہ۔ میرا دین اسلام اور محمد اللہ کے رسول ہیں اس کے بعد فرشتے اس کو جنت اور دوزخ کا ٹھکانا دکھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تجھے اللہ نے جنت میں جگہ دی ہے۔ اب قیامت تک آرام سے سو تا رہ۔ اور اگر مردہ کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے اور وہ کافر یا منافق ہے تو فرشتوں کے جواب میں کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ پھر فرشتے کہتے ہیں کہ تو نے نہ جانا اور نہ مانا۔ پھر اس کو گرزوں سے مارتے ہیں جس کے صدمہ سے مردہ چیختا اور چلاتا ہے اور اس کی آواز جن و انس کے سوا سب سنتے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ مومن کی قبر کشادہ اور منور کر دی جاتی ہے اور کافر پر قبر اس قدر تنگ کی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر نکل جاتی ہیں اور اس پر قیامت تک عذاب ہوتا رہتا ہے

اہل السنت والجماعت عالم برزخ اور قبر کے عذاب و ثواب کے قائل ہیں اور یہی مذہب تمام صحابہ کرام اور آئمہ دین کا تھا اور یہی مذہب متواتر المعنی احادیث سے ثابت ہے۔ مگر معتزلہ اور روافض عالم برزخ کا انکار کرتے ہیں جو سراسر گمراہی اور اسلام کے منافی ہے۔

عالم برزخ کی حقیقت

برزخ ایک عربی لفظ ہے جو مرکب ہے زخ اور بر سے جس کے معنے یہ ہیں کہ طریق کسب اعمال ختم ہو گیا۔ اور انسان ایک مخفی حالت میں پڑ گیا۔ نیز "برزخ" اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو دو چیزوں کے درمیان واقع ہو چونکہ یہ زمانہ عالم بعث اور عالم نشاء اولی کے درمیان واقع ہے۔ اس لیے اس کو برزخ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"چونکہ برزخ معلوم اور غیر معلوم، نابود اور بود اور معقول اور غیر معقول کے درمیان ایک امر فاصل ہے اس لئے اس کا نام برزخ رکھا گیا۔

حضرت ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالے نے تین مقام انسان کے لئے ٹھہرائے ہیں۔ دنیا۔ برزخ اور دار قرار اور

ہر مقام کے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھیرائے ہیں جو اس سے مخصوص ہیں۔ اور انسان کو بدن و نفس سے مرکب کیا ہے۔ دُنیا کے احکام بدنوں پر ٹھیرائے اور روحوں کو بدنوں کا تابع کیا۔ اس لئے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور اندا موں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اگرچہ ذہنوں میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں۔ اور برزخ کے احکام روحوں پر ٹھیرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا پس جیسا کہ روح دنیا کے احکام میں بدنوں کے تابع ہوکر بدن کے دردناک ہونے سے دردناک ہوتے اور لذت پانے سے لذت پاتے ہیں۔ کیونکہ جسم ہی تو اسباب سُکھ اور دکھ کماتے ہیں۔ قبر یعنی عالم برزخ میں جسم دکھوں اور سکھوں میں روح کے تابع ہو جاتا ہے۔ اور روح دکھ سُکھ کو سہتی ہے۔ تو بدن بھی اُس دکھ سکھ کے تابع ہو جاتا ہے۔ بدن اس جگہ (دنیا میں) ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور بدن روح کے لئے مثل قبر کے ہے۔ اور عالم قبر یعنی عالم برزخ میں روح ظاہر و غالب ہوگی اور بدن پوشیدہ ہوں گے۔ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری ہوں گے یعنی دُکھ سکھ جب روح کو پُہنچے گا تو وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا جیسا کہ دُنیا میں جسم کو کچھ راحت یا دُکھ پُہنچے تو اس کا اثر روح پر بھی سرایت کر جاتا ہے۔ ایسا ہی قبر میں روح کو دُکھ سُکھ پہونچنے سے بھی اثر پہونچتا ہے۔

الغرض جبکہ یہ ثابت شدہ اور مسلّم امر ہے کہ کبھی روح جسم پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور کبھی جسم روح پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ جیسے اگر روح کو کوئی خوشی پہونچے تو اُس خوشی کے آثار یعنی بشاشت اور چمک چہرہ پر بھی نمودار ہوتی ہے اور کبھی جسم کے آثار ہنسنے رونے کے روح پر پڑتے ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ ایک چیز یعنی روح کو دُکھ سُکھ پہونچنے سے جسم پر بھی اُس کا اثر ہو جاتا ہے۔

جب حشر اجساد ہوگا اور لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس دن دُکھ اور سُکھ کا حکم روح اور جسم دونوں پر غالب اور ظاہر و باہر ہوگا۔ جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر اور اس کے دُکھ سکھ، عذاب و ثواب، تنگی کشادگی اس کے گھوٹنے اور اس کے دوزخ کا گڑھا ہونے یا بہشت کا باغ ہونے کی خبر دی ہے۔ وہ مطابق عقل کے ہے۔ یہ باتیں سچ ہیں ان میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اگر کسی پر یہ بات سمجھنی مشکل ہو تو اس کی اپنی غلط فہمی اور اس کے قلت علم کا باعث ہے۔

عذاب قبر کا نمونہ اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ دو شخص ایک ہی بستر پر سوتے ہوں اور ایک کی روح کو سُکھ ہوگا اور جب جاگے تو راحت

کے آثار اس کے بدن پر ظاہر ہوں گے اور ایک کی روح کو دکھ ہوتا ہے اور جب جاگتا ہے تو دکھ کا اثر اس کے بدن پر ہوتا ہے اور ایک کو دوسرے کے حال سے اطلاع نہیں ہوتی۔ اس پر عالم برزخ کے عذاب و ثواب کا استدلال کر لو۔ ان تمام دلائل مذکورہ بالا سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی اصول کی رو سے جسم کی رفاقت روح کے ساتھ دائمی ہے گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے۔ مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر ہر ایک روح کو کسی قدر اپنے اعمال کا مزا چکھنے کے لئے جسم ملتا ہے۔ وہ جسم اس جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے یا ایک تاریکی سے جیسا کہ اعمال کی صورت ہو جسم تیار ہوتا ہے۔ گویا اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں۔ ایسا ہی خدا تعالےٰ کے کلام میں بار بار آیا ہے۔ اور بعض جسم نورانی اور بعض ظلمانی قرار دئے ہیں۔ جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظلمت سے تیار ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ راز ایک دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں ہے۔ انسان کامل اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کثیف جسم کے علاوہ پا سکتا ہے اور عالم مکاشفات میں اس کی بہت مثالیں ہیں جن کو عالم مکاشفات میں سے کچھ حصہ ملا ہے۔ وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال سے تیار ہوتا ہے تعجب اور استبعاد کی نگہ سے نہیں دیکھتے۔

غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے بنتا ہے یہی عالم برزخ میں نیک و بد کی جزا کا موجب ہو جاتا ہے۔ صاحب مکاشفہ کو عین بیداری میں مردوں سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے۔ بہرحال مرنے کے بعد ہر ایک کو جسم ملتا ہے خواہ نورانی ہو خواہ ظلمانی۔ خدا تعالےٰ نے امور آخرت کو مکلفوں کے دریافت کرنے اور پانے سے در پردہ اور پوشیدہ رکھا ہے اور یہ بات خدا تعالےٰ کی کمال حکمت پر دال ہے۔ تاکہ مومن ایمان بالغیب کے ساتھ منکرین سے متمیز ہو جائیں (مراۃ الحقائق)

قبر کے عذاب و ثواب دکھائی نہ دینے کی وجہ

قبر کا عذاب و ثواب یا آگ و سبزی نہ دنیا کی آگ کی قسم سے ہوتی ہے اور نہ دنیا کی کھیتی و سبزہ کی مانند ہے جو دیکھ کر معلوم ہو سکے۔ آگ کو دیکھنے والا دنیا کی آگ یا سبزی کو دیکھ سکے۔ وہ تو آخرت کی آگ اور آخرت کی سبزی کی قسم سے ہوتی ہے وہ آگ دنیا کی آگ سے بہت تیز اور سخت ہے اور اس کو اہل دنیا معلوم نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالےٰ اہل قبر پر وہی مٹی اور پتھر جو اس کے اوپر اور نیچے ہوتے ہیں گرم کر دیتا ہے یہاں تک کہ دنیا کی حرارت سے وہ حرارت بہت سخت ہوتی ہے اور اگر اہل دنیا اس آگ کو چھوئیں

تو معلوم نہ کرسکیں یہ بات طلسمات الٰہی میں سے ہے کہ ایک چیز کو وہ سامنے رکھ دیتا ہے تو بعض اس کو دیکھتے اور بعض اس کو دیکھ نہیں سکتے۔ یہ امر اس لئے ہوا کہ پردہ الغیب کی حکمت قائم رہے۔

اگر مردے کو ہوا میں لٹادیا جائے سولی پر چڑھا دیا جائے۔ پانی میں غرق کر دیا جائے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں اور آگ میں جلادیا جائے تو ان سب صورتوں میں عالم برزخ کا عذاب نہیں ٹل سکتا۔ کیونکہ قادر مطلق پر یہ امر کچھ مشکل نہیں کہ جسم کے ٹکڑوں اور اجزاء میں روح کو پیوست کر دے اور دکھ سکھ کا شعور ان اجزاء میں پیدا کر دے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے جمادات میں بھی ادراک و شعور رکھا ہے۔

اب رہا قبر کے سانپ بچھو وغیرہ اسباب دوزخ اور نعمائے جنت وغیرہ کا معاملہ سو ان کی بابت معلوم کرنا چاہئے کہ ایسے امور کی تصدیق کرنے کے لئے تین حالتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ یہ سب موجود ہیں۔ سانپ اور بچھو مردہ کو کاٹتے ہیں اور اس کے نفس میں موجود ہوتے ہیں لیکن تم کو اس لئے نظر نہیں آتے ہیں کہ تمہاری آنکھ ان ملکوتی امور کے مطالعہ کے قابل نہیں ہے عالم برزخ کے سارے واقعات عالم ملکوت میں واقع ہوتے ہیں جیساکہ فرشتوں کو آدمیوں اور حیوانات سے کچھ مشابہت نہیں ہے ایسا ہی سانپ اور بچھو بھی قبر میں کاٹتے ہیں۔ وہ ہماری دنیا کے سانپو کے جسم جیسے نہیں ہیں بلکہ ان کی اور ہی جنس ہے۔ اور ایک دوسری قسم کی حس اور قوت سے معلوم و محسوس ہوتے ہیں۔

واقعات بعد الموت میں حضرت امام غزالی کی تحقیق

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کے خاتمہ میں موت کا ایک جدا باب باندھا ہے جس سے حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اور بہت سے اعتراضات کی جڑ کٹتی ہے اس لئے ہم اس کو نقل کرنے پر مجبور ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"موت کے معنی فقط تغیر حال ہے اور روح جسم سے مفارقت کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اس کو یا تو عذاب دیا جاتا ہے اور یا ثواب۔ اور جسم سے مفارقت کے معنے جسم سے نکل جانے کے باعث جسم سے تصرف کا منقطع ہو جانا ہے کیونکہ اعضاء روح کے لئے بمنزلہ آلات کے ہیں حتیٰ کہ وہ ہاتھ سے گرفت کرتی ہے۔ کان سے سنتی ہے آنکھ سے دیکھتی ہے اور قلب سے حقائق اشیاء کو معلوم کرتی ہے۔ یہاں قلب سے عبارت روح ہے اور اشیا کو بغیر ان آلات کے ذاتی طور پر جانتی ہے۔ رنج و غم اور اندوہ و ملال سے رنج پاتی ہے اور فرح و سرور سے راحت پاتی ہے اور یہ تمام

باتیں اعضاء سے متعلق نہیں، اور وہ تمام امور جو روح کے ذاتی اوصاف ہیں جسم سے مفارقت کے بعد بھی اس کے ساتھ باقی رہتے ہیں اور جو امور بواسطہ اعضاء کے ہیں وہ موت بدنی سے معطل ہو جاتے ہیں جب تک کہ روح جسم کی طرف نہ لوٹائی جائے اور یہ کوئی بعید نہیں کہ قبر میں روح لوٹا دی جائے اور یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ یوم بعث تک موخر کر دی جائے اور اس بات کو اللہ ہی جانتا ہے کہ کس بندہ پر کیا حکم لگایا جائے۔

حالات بعد الموت کے مرحلے میں پہلا اور مشکل مسئلہ بقائے روح کا ہے۔ اس کی حقیقت امام صاحب نے یہ بیان کی ہے:۔

وہ جوہر ہے لیکن جسم نہیں، اس کا تعلق بدن سے ہے۔ مگر اس طرح کہ بدن سے متصل ہے نہ منفصل نہ داخل ہے اور نہ خارج اور نہ حال ہے نہ محل

جوہر ہونے کی یہ دلیل ہے کہ روح اشیا کا ادراک کرتی ہے اور چونکہ ادراک عرض ہے یعنی ایک کیفیت کا نام ہے اور فلسفہ میں یہ مسئلہ ثابت ہو چکا ہے کہ عرض، عرض کیساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ضرور ہے کہ روح جوہر ہو ورنہ ادراک کا قیام اس کے ساتھ ممکن نہ ہو سکے گا۔ جسم نہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اگر جسم ہوگا تو اس میں طول اور عرض ہوگا اور اس کے اجزا نکل سکیں گے اور اجزا ہوں گے تو یہ ممکن ہوگا کہ ایک جز میں ایک چیز پائی جائے اور دوسرے جز میں اسی چیز کا نقیض مثلاً لکڑی کا ایک تختہ نصف سفید ہو سکتا ہے اور نصف سیاہ۔ اس بنار پر یہ ممکن ہوگا کہ روح کے جز میں زید کا علم ہو اور دوسرے جز میں اسی زید کا جہل۔ اس صورت میں روح ایک ہی زمانہ میں ایک شے سے واقف بھی ہوگی اور ناواقف بھی اور یہ محال ہے متصل منفصل داخل و خارج نہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ یہ تمام اوصاف جسم کے ساتھ خاص ہیں اور جب روح سرے سے جسم ہی نہیں تو متصل و منفصل داخل و خارج کچھ بھی نہیں مثلاً ایک پتھر کو عالم اور جاہل کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہ دونوں وصف جاندار کے ساتھ خاص ہیں اور پتھر سرے سے جاندار ہی نہیں۔

اس تفصیل کے بعد امام صاحبؒ یہ سوال قائم کر کے کہ شارع نے روح کی حقیقت بتانے سے کیوں انکار کیا؟ جواب دیا ہے کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں عوام و خواص۔ عوام تو ایسی چیز کا تصور ہی نہیں کر سکتے اسی بنا پر فرقہ حنبلیہ اور کرامیہ خدا کے جسم ہونے کے قائل ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک جو چیز مجسم نہ ہوگی وہ موجود ہی نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ عوام کی یہ نسبت

کسی قدر وسیع الخیال ہیں وہ جسم کی نفی کرتے ہیں تاہم خدا کا ذو جہتہ ہونا ضروری سمجھتے ہیں، اشعریہ اور معتزلہ البتہ اس قسم کے وجود کے قائل ہیں جو جسم و جہتہ سب بری ہو لیکن ان کے نزدیک اس قسم کا وجود ذات باری اور صفات باری کے ساتھ خاص ہے اگر روح کا وجود بھی اسی قسم کا مانا جائے تو ان کے نزدیک خدا میں اور روح میں کوئی فرق نہیں رہتا بہر حال چونکہ روح کی حقیقت عوام و خواص دونوں کے فہم سے باہر تھی اس لئے شارع نے اسکے بتانے سے انکار کیا (الغزالی ص۲۵)

بہر حال عالم برزخ میں قبر کے عذاب و ثواب کی نسبت جو تفصیلات شارع نے تبلائی ہیں ان پر عقل و نقل دونوں کی شہادت موجود ہے اور تمام امور اپنی اپنی جگہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں لہذا ان پر ایمان رکھنا چاہیئے اور شک و وہم کو اپنے دل میں جگہ نہ دینی چاہیئے شارع نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی جس کو عقلیں محال جانیں۔ البتہ دقیق اور غیر محسوس ضرور ہیں اور اسی بنا پر عالم غیب کی خبروں کا انکار کیا جاتا ہے۔

عذاب و ثواب قبر پر جس قدر بھی اعتراضات از روئے عقل و نقل ہو سکتے ہیں ان سب کا ضمناً ہم نے جواب دیدیا ہے اور اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔

سوال کیا ارواح کو مالی اور بدنی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے اور مردوں کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔

جواب۔ جمیع اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اگر ایصال ثواب بغیر کسی خاص اہتمام کے کیا جائے خواہ بذریعہ تلاوت قرآن مجید ہو یا فقراء و مساکین کو کھانا کھلا کر بہر کیف درست اور اموات کے لئے نافع ہے اور عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مُردہ کی حالت قبر میں مانند ڈوبنے والے کے ہے جو اپنے متعلقین سے درد خواہ اور اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ اس کے باپ یا بھائی اور یا دوست کی طرف سے کوئی ثواب پہنچے اور جب مُردہ کے حق میں دعا کی جاتی ہے تو وہ اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز (فائدہ مند) ہوتی ہے اور زندوں کے ہدایا مردہ کے لئے دعا اور استغفار ہیں۔

علی بن موسی الحداد کہتے ہیں کہ ایک جنازہ میں میرے ساتھ احمد بن حنبل ؒ اور محمد بن قدامہ جوہری تھے۔ بعد دفن کرنے کے ایک اندھا آیا اور قبر پر قرآن پڑھنے لگا اس کو احمد بن حنبل ؒ نے کہا کہ اے شخص قبر کے نزدیک قرآن پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم واپس ہوئے تو محمد بن قدامہ ؒ نے احمد بن حنبل ؒ

سے کہا کہ اے ابا عبداللہ! آپ مبشر بن اسمٰعیل حلبی کے بارے میں کیا کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے۔ محمد بن قدامہ نے کہا کہ کیا آپ نے اُس سے کوئی حدیث لکھی ہے۔ کہا ہاں۔

خبر دی مجھے مبشر بن اسمٰعیل نے انہوں نے عبدالرحمٰن بن العلاء سے اور انہوں نے اپنے والد سے کہ وصیت کی انہوں نے اس بات کی کہ میری قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی و آخری آیتیں پڑھی جائیں۔

یہ سُنکر احمد بن حنبل رح نے کہا کہ جا کر اس شخص سے کہدو کہ پڑھا کرے۔

محمد بن احمد المروزی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل رح کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم قبرستان میں داخل ہوا کرو تو سورہ فاتحہ، معوذتین اور قل ھو اللہ پڑھکر اس کا ثواب اہل مقابر کو پہنچایا کرو یہ ثواب ان کو پہنچتا ہے۔ حدیث صحاح میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی والدہ کیلئے دریافت کیا کہ ان کو کونسا صدقہ نافع ہے آپ نے فرمایا پانی کا صدقہ نافع ہے چنانچہ حضرت سعدؓ نے اپنی والدہ کے نام سے ایک کنواں کھدوا کر وقف کر دیا۔

غرض مطلق ایصال ثواب بلاریب ایک جائز اور مستحسن فعل ہے اور بلاشبہ ارواح کو مالی و بدنی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے اس میں تمام اہل سنت متفق ہیں البتہ طریقہ ایصال ثواب میں سخت اختلاف ہے ایک جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر مطابق رواج لایعنی اہتمامات کئے جائیں برادری وغیرہ کے لوگوں کو جمع کیا جائے اور رسوم کی پابندی کی جائے تو نادرست ہے۔ یہ حضرات اپنے دعوے کے ثبوت میں بہت سے دلائل عقلیہ و نقلیہ پیش کرتے ہیں۔ ہم صرف وہ ثبوت پیش کرتے ہیں جو ان حضرات کی طرف پیش کئے جاتے ہیں۔

شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں ناقل ہیں۔

"سلف کی یہ عادت نہ تھی کہ میت کے لئے نماز جنازہ کے سوا کسی دوسرے وقت جمع ہوتے اور قرآن شریف پڑھتے اور نہ قبر پر اور نہ کسی دوسری جگہ اور یہ سب بدعت و مکروہ ہے۔ ہاں اہل میت کی تعزیت کرنا تسلی دینا اور صبر کی تلقین کرنا سنت اور مستحب ہے۔ لیکن تیسرے دن یہ خاص اجتماع کرنا اور دوسرے تکلفات کا ارتکاب کرنا اور یتیموں کے حق میں سے بلا وصیت مورث ان رسوم میں صرف کرنا بدعت اور حرام ہے"

فتاوی بزازیہ میں ہے۔

"خاص مرنے کے دن یا تیجہ کے دن یا ہفتہ گذرنے پر کھانا تیار کرانا اور میلوں کے موقعوں

پر کھانا لیجانا اور قرآن شریف پڑھنے کے لئے بلاوا دینا اور صلحاء و فقراء کو ختم کے لئے یا سورہ انعام یا سورۂ اخلاص پڑھوانے کے لیے جمع کرنا یہ سب مکروہ ہے۔

ان حضرات کے اقوال و دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی فعل فی نفسہ اچھا ہی ہو لیکن لوگ اس میں اہتمام کرنے لگیں جن کی تعلیم شریعت نے نہ دی ہو تو وہ فعل صرف ان اہتمامات کی وجہ سے ممنوع اور قابل ترک ہو جاتا ہے بس یہی حقیقت ان کے نزدیک فاتحہ یا نیاز، تیجہ، دسواں اور چالیسواں اور دیگر رسوم مروجہ بعد الموت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ فی نفسہ قرآن شریف کا پڑھنا اور فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا بلاشبہ ایک اچھا فعل ہے لیکن چونکہ بدقسمت اور جدت پسند ہندوستانیوں نے اپنی ایجاد کردہ تخصیصات اور قیودات سے ان کی اصل صورت کو مسخ کر دیا لہذا اس صورت میں ان کا وہ حکم نہیں رہا بلکہ بجائے مستحسن ہونے کے یہ افعال بدعت ہیں۔

اس کے مقابلہ میں ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ ایصال ثواب خواہ بعد دفن قبر پر ہو یا تیسرے روز یا سال کے بعد یا ہر سال ہو یا جب کبھی ہو بلا ریب جائز و مستحسن ہے ہاں اس میں جو جہالت کی باتیں عوام نے اضافہ کر دی ہیں ان کا ترک اولیٰ ہے مگر یہ نہیں کہ بعض خرابیوں کی وجہ سے ایصال ثواب ہی روک دیا جائے غرض مطلق ایصال ثواب میں کسی کو کلام نہیں۔

ہمارے خیال میں ایک جائز اور مستحسن فعل کے طرائق کے لئے بحث و مباحثہ کا دفتر کھول دینا تبدیع و تضلیل کرنا۔ ایک دوسرے کو گمراہ بتانا، اور ایصال ثواب کو دین کا ستون سمجھکر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جانا اور خصوصاً ایسی حالت میں کہ عوام الناس فرائض و واجبات کو پس پشت ڈالے ہوئے ہوں اور شعائر الٰہیہ پامال ہو رہے ہوں، سراسر کوتاہ اندیشی، ناسمجھی، نفسانیت اور اپنی رائے کی ترجیح کرنا ہے جس کو امر معروف و نہی منکر سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی کوئی دینی خدمت ہے۔

قیامت

سوال۔ عالم برزخ کے بعد کیا ہوگا اور انسان پر کیا گذریگی تفصیلی حالات بیان فرمایئے۔

جواب۔ عالم برزخ کے بعد یہ عالم دھنکی ہوئی روئی کی طرح منتشر کر دیا جائیگا دنیا کی ہر شے پر فنا طاری ہو جائے گی اور تمام مخلوق حساب و کتاب کے لئے ایک دوسرے عالم میں جمع ہوگی جس کو عالم آخرت یا قیامت کہا جاتا ہے۔

سوال۔ قیامت اور اس کی تفصیلات کا خلاصہ اہل السنت والجماعت کے عقائد کے مطابق

بیان فرمائیے۔

جواب قرب قیامت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نشانیاں بیان فرمائی ہیں جن کی دو قسمیں ہیں ایک قسم کی علامات کو علامات صغریٰ کہتے ہیں اور دوسرے قسم کے علامات کو کبریٰ تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

علامات صغریٰ یہ ہیں۔ علم اٹھ جائے گا جہالت زیادہ ہوگی۔ زنا اور شراب کا استعمال عام ہو جائے گا۔ عورتیں بہت زیادہ اور مرد بہت کم ہو جائیں گے یہانتک کہ بیس عورتوں کی ایک شخص کفالت کرے گا۔ خاوند عورتوں کے تابع اور ماں باپ کے نافرمان ہوں گے۔ دوستوں سے تعلقات اور والدین سے قطع تعلق کریں گے۔ علم کو دین کی بجائے دنیا کے لئے پڑھا جائے گا۔ لوگ امانت میں خیانت کرینگے زکوٰۃ کو ایک جرمانہ اور ناقابل برداشت بوجھ سمجھا جائے گا۔ مساجد میں شور وغل اور دنیاوی باتوں کا رواج ہو جائیگا بدکار اور ذلیل لوگ قوم کی سرداری کریں گے اور بڑے بڑے کام نالائقوں کے سپرد کئے جائینگے پچھلے لوگ پہلوں پر لعنت کریں گے۔ نیکی کی جگہ برے کاموں کی اشاعت ہوگی نصاریٰ ابر کی طرح تمام دنیا پر چھا جائینگے۔ سخت اور سرخ رنگ کی آندھیاں آئیں گی۔ زلزلے آئیں گے۔ زمینیں دھنس جائیں گی صورتیں بدل جائینگی اور پتھر برسیں گے۔

علامات کبریٰ وہ ہیں جو قیامت کا پیش خیمہ ہیں اور جن کے بعد حشر کی ابتدا ہوگی اور جو قیامت کی بڑی علامتیں کہی جاتی ہیں ان کو ہم علیحدہ علیحدہ ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اول ہم اس حدیث کو بیان کرتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات کبریٰ کو بیان فرمایا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

حذیفہ بن السید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم کچھ ذکر کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر آئے اور فرمایا کہ تم کیا ذکر کر رہے ہو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں آپ نے فرمایا جب تک تم اس کی دس علامتیں نہ دیکھ لوگے تب تک قیامت نہیں آئے گی پس آپ نے ان علامتوں میں سے دخان، دجال، دابہ، طلوع شمس عن المغرب، نزول عیسیٰ ابن مریمؑ، خروج یاجوج وماجوج خسف بالمشرق، خسف بالمغرب، خسف بجزیرہ عرب کا ذکر کیا اور سب سے آخر یہ کہ عدن سے ایک آگ نکلیگی جو لوگوں کو ہانک کر محشر کی طرف لیجائے گی۔

(۱) دخان۔ اللہ پاک نے قیامت کے اس نشان کو سورہ دخان میں بیان فرمایا

ہے فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ۝ یعنی دھواں ظاہر جس کو آسمان لائے گا اس دن کے منتظر رہو۔

(نوٹ) مذکورہ بالا حدیث میں جو دس علامتیں بیان کی گئی ہیں، ان کے علاوہ بعض روایتوں میں ایک علامت ظہور مہدیؑ بھی ہے جس کو ہم بالتفصیل بیان کرتے ہیں۔

ظہور مہدی قیامت کی بڑی علامتوں میں سے ایک بڑی علامت حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مہدیؑ کی جو نشانیاں بتلائی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) مہدیؑ میری اولاد میں سے ہوگا۔

(۲) ان کا نام محمد باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔

(۳) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں گے۔

(۴) پیشانی کشادہ اور ناک بلند ہوگی۔

(۵) زبان میں لکنت ہوگی جب گفتگو میں تنگ ہوں گے تو زانو پر ہاتھ مارینگے۔

(۶) دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

(۷) چالیس برس کی عمر میں ظاہر ہوں گے۔

آپ کے ظہور سے پہلے دنیا میں ہر جگہ کفر کا تسلط شاندار ہو جائے گا اور اس وقت کے اولیاء و ابدال سب حرمین میں جمع ہو کر امام مہدی کا انتظار کرینگے اس انتظار کی حالت میں آپ مدینہ سے مکہ میں آئینگے رمضان کا مہینہ ہوگا اور لوگ آپ کو پہچان لیں گے اور بیعت کی درخواست کرینگے مگر آپ انکار فرمائینگے۔ پھر ایک غیب سے آواز آئیگی هٰذَا خَلِیْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِیُّ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِیْعُوْهُ یہ خدا کا خلیفہ مہدی ہے اس کی بات سنو اور اس کا حکم مانو۔

لوگ یہ آواز سنکر آپ سے بیعت کرینگے اور سب کو ہمراہ لیکر ملک شام میں تشریف لیجائینگے اور وہاں نصاریٰ کے ایک عظیم الشان لشکر سے جنگ کریں گے اور کامیاب ہونگے پھر قسطنطنیہ پر جو نصاریٰ کے قبضہ میں ہوگا حملہ کر کے قبضہ کرلیں گے اور اس کے مال غنیمت کو تقسیم فرمائینگے جب آپ وہاں سے فارغ ہو کر مع لشکر شام میں آئیں گے تو دجال کے نکلنے کی خبر مشہور ہوگی۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ دنیا میں کئی مفتری اور کذاب ہوئے جنہوں نے امام مہدیؑ ہونے کا دعویٰ کر کے مخلوق خدا کو گمراہ کیا چنانچہ سوڈان میں مہدی اور ہندوستان میں سید محمد جونپوری ہوئے اور ایک صاحب پنجاب میں ہوئے جن کی امت آجتک موجود ہے مگر امام مہدیؑ کے نشانات اور ارشادات نبویؐ کے مطابق یہ سب کے سب مفتری اور کذاب ہوئے اور آئندہ نہ معلوم کتنے ہوں گے۔ اگر کسی گمراہ کا گمان فاسد یہ ہے کہ مہدی کا ظہور ہو چکا تو وہ اپنے مہدی میں ان علامات ونشانات کا ہونا ثابت کرے مگر یہ امر محال ہو کیونکر ممکن ہو کہ دیگر علامتوں کی کھینچ تان کر کوئی تاویل بعید کر لیجائے مگر یہ کیسے ثابت کیا جائیگا کہ اس نے کفر کے تسلط کو توڑ دیا اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیا برخلاف اسکے کفر کا تسلط چھایا ہوا ہے اور دنیا میں ظلم وستم کا دور دورہ ہے بلکہ ایک مفتری مہدی نے تو کفر کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے اپنی ساری عمر وقف کی اور اپنے اور اپنے بعد ایک ایسا گروہ چھوڑ دیا جو ہمیشہ اسلامی اقتدار کا گلا گھونٹتا رہے گا اور نصاریٰ کی غلامی کو حصول جنت کا ذریعہ سمجھتا رہے گا۔ پس حضورؐ کے ارشادات اور اسلامی تعلیمات کے مطابق تو کوئی مہدی یقینی طور پر ظاہر نہیں ہوا۔ اگر کوئی محض سینہ زوری، بیجا تاویلات اور زبردستی سے مہدی بنجائے تو دوسری بات ہے جس کا علاج شریعت کے ہاتھ ہے۔

خروج دجال

یہی قیامت کا ایک مقدمہ ہے امام شوکانیؒ اپنے رسالہ توضیح میں فرماتے ہیں کہ دجال کے ثبوت میں سو حدیثیں وارد ہیں جس سے انکی غرض یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ دجال کا وجود محض وہمی نہیں ہے یا اس سے مراد کوئی اور چیز نہیں ہے بلکہ دجال کے قصہ کی احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور اس کا وجود قطعی الثبوت ہے اس کی علامت اور پہچان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

الا احدثکم حدیثا عن الدجال ماحدث به نبی قومه انه اعور وانه یجیئ معه بمثل الجنة والنار فالتی یقول انها الجنة هی النار وانی انذرکم کما انذر به نوح قومه	میں تم کو دجال کی حدیث بیان کرتا ہوں جو کسی نبی نے نہیں کی وہ کانا بھینگا ہے اور وہ اپنے ساتھ دوزخ اور جنت کی مثال لادے گا جس کو جنت کہیگا وہ حقیقت میں آگ ہوگی میں تم کو اس سے ڈراتا ہوں جیسے نوحؑ نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا۔

بخاری ومسلم کی احادیث میں دجال کے اور تصرفات بھی مذکور ہیں جو یہ ہیں۔ جو قوم اس کو

خدا مان لیگی وہ اس پر مینہ برسا دیگا جس کی وجہ سے ان کے کھیت خوب لہلہا دیں گے ان کی گائے بھینس اور بکریاں خوب دودھ دیں گی اور موٹی تازی ہو جائینگی۔ ایک اجاڑ زمین پر گذریگا اس سے کہیگا تو اپنے خزانے نکال بس اس کے خزانے پیچھے پیچھے ہوں گے۔ ایک شخص مومن کو قتل کر کے اس کے دو ٹکڑے کردیگا اور پھر اس کو زندہ کر دیگا لیکن مومن کہیگا کہ اب مجھکو خوب یقین ہوگیا ہے کہ تو دجال موعود ہے اس کے بعد پھر کسی کو قتل نہ کرسکے گا اس کے ساتھ روٹیوں کا ایک پہاڑ اور پانی کی نہر بھی ہوگی۔ جو قوم اس کو خدا نہ کہیگی اس پر قحط سالی مسلط ہو جائے گی ان کے مال مویشی ہلاک ہو جائیں گے شام اور عراق کے درمیان سے نکلیگا اور چالیس دن میں زمین کو فتنہ وفساد سے بھر دیگا۔ چالیس دن سے پہلا دن ایک برس کا دوسرا مہینہ کا اور تیسرا ایک ہفتہ کا ہوگا اور باقی دن ایسے ہی ہوں گے جیسے اور معمولی دن اس کے بعد حضرت عیسے علیہ السلام کے ہاتھ سے مقتول ہو جائے گا۔

سوال۔ قادیانیوں کا دجال کے بارہ میں عقیدہ یہ ہے کہ درحصل دجال شیطان ہے اور وہ ایک ہی ہے اور اس کا ایک مظہر ابن صیاد تھا جو مدینہ میں تھا اور وہ شیطان آخر مسلمان ہوگیا پھر ایک گرجا کا دجال ہے جو ایک بڑی قوم مظہر شیطان ہے اور دجال کے پیادہ وسوار ہیں۔ دجال کا مظہر اعظم پادری لوگ ہیں جو تمام دنیا میں پھیل گئے اور انہوں نے شراب اور زنا کو بھی حرام نہیں رکھا ایک آدمی کو خدا بنانے میں اربوں روپیہ خرچ کردیا اور قوم یہود کا دجال ابن صیاد تھا جو مدینہ میں گذر گیا۔ اور تمام علامات دجال کی تاویل کرتے ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ دجال کے گدہے سے مراد ریل گاڑی ہے یہ تمام باتیں کہانتک صحیح ہیں۔

جواب۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف ایک دجال کے علامات بتلائے ہیں مگر قادیانیوں نے کئی دجال نکال مارے یہودیوں کا الگ عیسائیوں کا الگ مگر ہندوؤں کا دجال کہاں گیا ہر قوم کے دجال کا ذکر کرنا چاہیئے تھا اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ ان لوگوں نے اصل بات کو کہاں سے کیا بنا دیا اس باب میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں۔

(۱) اگر قادیانیوں کا عقیدہ صحیح ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ اس بارے میں اپنی امت کو خود گمراہ کرنے کا سامان کیا کہ اصل تو کچھ اور تھی مگر بتلا کچھ دیا اور پھر کس پیرایہ میں کہ آج تک تمام صحابہؓ تمام ائمہ اور جمیع اہل اسلام قادیانیوں کے خلاف سمجھتے رہے مگر آج قادیانیوں پر ان کی اصل حقیقت کھل گئی کیوں نہ حضور علیہ السلام نے

صاف صاف الفاظ میں تبلادیا کہ دجال سے مراد یہ ہے تاکہ گمراہی کی جڑ کٹ جاتی اس سے بڑھکر ڈھٹائی کیا ہوگی کہ یہ لوگ تمام مفسرین محدثین اور محققین کی تحقیق کو غلط تبلاکر اپنے آپ کو محقق سمجھتے ہیں گویا ان کے نزدیک آجتک تمام مسلمان ایک غلط عقیدہ میں پھنسے رہے اور بالآخر مرزا صاحب نے اس غلطی سے نکالا حالانکہ امام شوکانی جنہوں نے متواتر حدیثوں سے دجال کے وجود کو ثابت کیا ہے ان کے مقابلہ میں بیچارے مرزا صاحب آنجہانی کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ نعوذ باللہ من شرورہ۔

(۲) اگر اسی طرح بیجا تاویلات کا دروازہ کھل جائے اور قادیانیوں کی تحقیق کو صحیح مان لیا جائے تو جس قدر بھی علامات قیامت اور تفصیلات قیامت ہیں اور جو احادیث میں مذکور ہیں ان میں سے ایک بات بھی ثابت نہ ہوگی اور عقائد اسلام کی تمام عمارت زمین پر آرہے گی۔

(۳) اگر قادیانیوں کا عقیدہ ٹھیک ہے اور دجال سے مراد عیسائی اور اس کے گدھے سے مراد ریل گاڑی ہے تو یہ کیا تماشہ ہے کہ خود مرزا صاحب دجال کی گاڑی میں سوار ہوتے رہے اور دجالیوں کی حکومت کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہے اور ساری عمر دجال کے جاں نثار غلام اور چاپلوس خادم رہے یہاں تک کہ دجال کی وفاداری کے جوش میں ہمیشہ اسلامی اقتدار کا گلا گھونٹتے رہے اسلامی حکومتوں میں اپنے لٹریچر کے ذریعہ بغاوت پھیلاتے رہے اور دجال کو ہر قسم کی امداد دیکر دنیا کے مسلمانوں کی سرکوبی کراتے رہے۔

بس ثابت ہوا کہ قادیانیوں کا عقیدہ سراسر باطل اور گمراہی ہے خدا مسلمانوں کو اس عقیدہ کے اثر سے محفوظ رکھے صحیح عقیدہ اس بارہ میں وہی ہے جو ہم پہلے درج کر آئے ہیں اسی پر عقیدہ اور ایمان رکھنا چاہیئے۔

نزول مسیح صحابۂ کرامؓ کے مبارک زمانہ سے لیکر آجتک مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے نازل ہونگے اور دجال کو قتل کرینگے لیکن جب سے گورداسپور کے ایک گوردہ میں مرزا صاحب نے جنم لیا مسلمانوں کے اس اجماعی عقیدہ میں طرح طرح کے شبہات و اعتراضات پیدا ہوگئے اور مرزا صاحب نے صاف طور سے اس عقیدہ سے انکار کر دیا اور کہا کہ حضرت عیسٰیؑ وفات پا چکے اور حدیثوں میں جس مسیح موعود کے آنے کی پیشنگوئی ہے ان کی جگہ میں آگیا۔ حالانکہ مرزا صاحب پہلے عام مسلمانوں کی طرح حیات مسیح و نزول مسیح کے قائل تھے مگر جوں جوں وہ اپنی نبوت کی

داغ بیل ڈالنے گئے نزول اجماعی عقائد پر ہاتھ صاف کرتے گئے چونکہ آجکل یہ مسئلہ ایک معرکۃ الآرا بنا ہوا ہے اس لیئے ہم پہلے نزول مسیح کی حدیث بیان کرتے ہیں اس کے بعد حیات مسیح کے مسئلہ پر کسی قدر روشنی ڈالیں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجکو خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تم میں ابن مریم نازل ہوگا۔ اترکر حکم کرے گا۔ انصاف کریگا صلیب کو توڑے گا۔ خنزیر کو قتل کرے گا۔ جزیہ کو موقوف کردے گا۔ مال کی کثرت ہو جائیگی کوئی اس کو قبول نہ کرے گا۔ ایک سجدہ تمام دنیا سے عزیز ہو جائے گا اس کی تصدیق کے لیئے ابوہریرہؓ نے آیت شریف پڑہی جس کا مطلب یہ ہے کہ نہیں کوئی اہل کتاب میں سے مگر عیسےٰ کی موت سے قبل اس کے ساتھ ایمان لائے گا یعنی جو اہل کتاب اس کا وقت پائینگے (بخاری و مسلم)

انہیں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک دوسری روایت ہے جس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔

جابرؓ سے مروی ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت سے ایک گروہ ہمیشہ قیامت تک حق پر لڑتا رہے گا فرمایا پس عیسیٰ ابن مریم اترے گا۔ اہل اسلام کا امیر یعنی امام مہدی علیہ السلام کہیگا آئیے نماز پڑہایئے حضرت عیسےٰ علیہ السلام فرمائینگے تم آپس میں ایک دوسرے پر امیر ہو اور آپ کسر نفسی اس امت کی تعظیم کے لیے فرمائینگے (مسلم)

نیز مسلم میں ایک طویل حدیث ابن سمعان سے مروی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

دجال کے ظہور کے بعد المسیح ابن مریم کو اتارے گا آپ دمشق کے منارہ شرقی پر اتریں گے ان پر دو رنگین کپڑے ہوں گے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کاندہوں پر رکھے ہوں گے جب سر نیچا کرینگے تو پسینہ گریگا اور جب سر اونچا کرینگے تو اس سے موتیوں کی طرح قطرہ گریں گے۔ جو کافر ان کے سانس کی بو پائیگا مر جاوے گا اور ان کا سانس ان کی نظر تک پہنچے گا پس عیسےٰ علیہ السلام دجال کو ڈہونڈیں گے اور بالآخر اس کو باب لد میں قتل کریں گے پھر آپ کے پاس ایک قوم آوے گی جو دجال کے فتنے سے بچی ہوئی ہوگی آپ ان کے چہروں سے گرد و غبار پونچھیں گے اور ان کو جنت کی خوشخبری دیں گے۔ اسی حالت میں اللہ تعالےٰ ان کو وحی کرے گا جھے اپنے بندے نکالنے ہیں جو ان کے مقابلہ اور لڑائی کی طاقت نہیں رکھتے پس اے عیسےٰ علیہ السلام تو میرے بندوں کو جو تیرے ساتھ ہیں کوہ طور کی طرف لیجا اور اللہ تعالےٰ یاجوج ماجوج کو نکالے گا الخ۔

ابن ماجہ کی صحیح حدیث میں ہے۔

"عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملے اور سب نے قیامت کا تذکرہ کیا۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ سے قیامت کی نسبت سوال کیا ان سے جواب نہ ملا۔ پھر موسیٰؑ سے سوال ہوا۔ انہوں نے بھی سکوت فرمایا۔ پھر عیسیٰؑ سے سوال ہوا انہوں نے فرمایا خاص قیامت کا تو مجھے بھی علم نہیں یہ تو اللہ ہی جانتا ہے مگر مجھکو اس سے قبل کی باتوں کا علم دیا گیا ہے۔ پس دجال کا ذکر کیا کہ میں اس کو قتل کرونگا پس لوگ اپنے گھروں کو جائینگے راستہ میں ان کو یاجوج ماجوج ملیں گے اور وہ بلندی سے بھاگ نکلیں گے تمام پانی پی جائینگے تمام چیزوں کو خراب کر ڈالیں گے اور مسلمان ان کی طرف عاجزی کریں گے۔"

اس کے علاوہ حضرت امام احمد حنبلؒ کی روایت کا بھی خلاصہ یہی ہے مگر اس میں یہ بات زیادہ ہے کہ میں معراج کی رات ابراہیمؑ اور عیسیٰ اور موسیٰ علیہم السلام سے ملا اور انھوں نے قیامت کا ذکر کیا۔ پہلی حدیث حکماً مرفوع ہے اور دوسری حقیقتاً مرفوع۔

تفسیر ابن کثیر میں یہ حدیث ہے۔

"امام حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں اور تمھاری طرف قیامت سے پہلے آئینگے۔

کنز العمال میں حدیث ہے۔

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔"

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ توضیح میں فرماتے ہیں:۔

نزول عیسےٰ کے بارہ میں انتیس ۲۹ حدیثیں ہیں۔"

امام نووی علیہ الرحمۃ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:۔

عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور ان کا دجال کو قتل کرنا حق ہے اور اہل سنت کا یہی مذہب ہے کیونکہ اس میں احادیث صحیح وارد ہیں اور عقل یا شرع میں کوئی چیز ایسی نہیں پائی جاتی جو اس کے خلاف ہو پس مذکورہ بالا دونوں امر ثابت ہوئے پس مسلمانوں کو ان احادیث صحیحہ پر ایمان رکھنا چاہیئے ان کے ظاہری معنے مراد لینے چاہئیں اور اگر کوئی گمراہ سلف کے خلاف

کوئی تاویل فاسد اور قیل وقال کرتا ہے اس کی طرف مطلق خیال نہ کریں۔

حیات مسیح سابق حدیثوں سے جہاں یقینی طور پر یہ معلوم ہوا کہ آپ قیامت کے نزدیک آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے وہاں ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اب آپ زندہ آسمان پر موجود ہیں کیونکہ آسمان سے زندہ اترنا اس بات کو لازم ہے کہ آپ آسمان پر گئے بھی ہوں اور آسمان پر رہتے ہوں۔

حیات مسیح کا عقیدہ صرف انھیں انتیس ۲۹ احادیث کی بنا پر نہیں بلکہ بحمد للہ قرآن کریم سے بھی یہ عقیدہ پایہ ثبوت کو پہنچا ہے چونکہ حیات و وفات مسیح کا پہلو پرانا ہو چکا ہے سینکڑوں مناظرے ہوئے اور کتابیں لکھی گئیں اس لئے اس کو زیادہ طوالت دینے کی ضرورت نہیں ہم صرف حضرت امام فخر الدین رازیؒ کی تحقیق اس بارہ میں پیش کرتے ہیں کیونکہ حضرت امام صاحب کو قائلین وفات مسیح میں مرزائی لیا کرتے ہیں۔

حضرت امام رازی اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر کے دو طریقے ہیں اول آیت کو بلا تقدیم و تاخیر اس کی ظاہری حالت پر رکھنا۔ دوسرے تقدیم و تاخیر کرنا۔ طریق اول کی بنا پر یہ معنے ہوں گے۔

انی متوفیك ای متمم عمرك فحینئذ اتوفاك فلا اترکھم حتے یقتلوك بل انا رافعك الی السماء

یعنی میں تیری طبعی عمر کو پورا کروں گا پھر وفات دوں گا پس تجھکو تیرے دشمنوں کے ہاتھ میں نہ چھوڑوں گا کہ تجھکو قتل کر سکیں بلکہ میں تجھکو اپنے آسمان کی طرف بلا لوں گا۔

اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ ھذا تاویل حسن یہ تاویل اچھی ہے دوسری صورت میں آیت کے معنے یہ ہوں گے ای ممیتك یعنی میں تجھکو ماروں گا اور یہ ابن عباس و محمد بن اسحاق سے مروی ہے قالوا والمقصود ان لا یصل اعداؤہ من الیھود الی قتله ثم انه بعد ذلك اکرمه بان رفعه الی السماء اور اس سے مقصود یہ ہے کہ تجھ تک تیرے یہودی دشمن نہ پہنچ سکیں گے کہ قتل کریں پھر اس کو رفع کر کے مکرم کیا جائے گا اس بنا پر تین قول ہیں۔

وہب کہتے ہیں کہ آپ کو تین ساعات کے لئے موت دی گئی اور پھر آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ سات ساعات کے لئے آپ پر موت طاری کی گئی اور پھر زندہ کر کے آسمان پر لیا گیا۔ ابن انس کا بھی یہی قول ہے۔

اس کے بعد امام رازی لکھتے ہیں کہ متوفیک ورافعک الی میں جو واؤ ہے وہ ترتیب کا فائدہ دیتا ہے اور آیۃ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کے ساتھ یہ افعال کرے گا اب یہ امر کہ اللہ تعالےٰ یہ افعال کیسے کرے گا اور کب کرے گا دلیل شرعی پر موقوف ہے سو دلائل قویہ سے یہ ثابت ہے کہ:۔

انہ حی وورد الخبر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ سینزل و یقتل الدجال ثم انہ تعالیٰ یتوفاہ بعد ذلک

حضرت عیسٰیؑ زندہ ہیں اور آنحضرت صلعم کی احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نازل ہونگے دجال کو قتل کریں گے اور پھر اللہ تعالیٰ ان کو وفات دیگا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

"توفی" کے معنے کسی چیز کا پورا پورا لینا ہے اور جبکہ اللہ تعالےٰ جانتا تھا کہ بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو یہ کہیں گے کہ حضرت عیسٰیؑ کی صرف روح کو رفع کیا گیا جسم کو نہیں اس لئے اس کلام کو بھی ذکر کر دیا تاکہ اس امر پر واضح دلالت ہو کہ حضرت عیسٰیؑ کو بتمامہ یعنی روح وجسم کے ساتھ اٹھایا گیا اور اس تاویل کی صحت پر اللہ تعالےٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے جس کے معنے یہ ہیں تجھکو تیرے دشمن کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔"

توفی کے دو معنے ہو سکتے ہیں بمعنی "قبض" اور بمعنی "استوفی" ان دونوں کا احتمالین کی حالت میں مقصود ہاتھ سے نہیں جاتا۔ چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں۔

دونوں احتمالین کی بنا پر آپ کا زمین سے نکالنا اور آسمان پر اٹھانا ہے اگر یہ کہا جائے کہ اس وجہ سے خود توفی "عین" "رفع" کے معنوں میں ہو جاتا ہے اور اللہ پاک کا قول ورافعک الی فضول تکرار پڑتا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ انی متوفیک کا قول حصول توفی پر دلالت کرتا ہے اور وہ جنس ہے جس کے تحت کئی انواع ہیں بعض کا موت کے ذریعہ اور بعض کا آسمان پر اٹھا کر پس جبکہ اس کے بعد ورافعک الی کہا تو اس سے نوع آخر کی تعیین ہوگئی اور کوئی تکرار نہیں رہی۔

ناظرین انصاف فرمائیں اور مرزائیوں کی غلط بیانی کی داد دیں کہ وہ کس طرح مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہیں اور امام رازی کو قائلین وفات مسیح میں شمار کرتے ہیں آپ نے دیکھا قرآن کریم نے کیسے منضبط پیرایہ میں حیات مسیح کے مسئلہ کو صاف کیا ہے اور امام رازیؒ اس پہلو کو کس طرح چمکا کر اور مرزائیوں کے اعتراضات کاٹ کر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں

اس سے زیادہ قابل تعجب کیا امر ہوگا کہ یہ لوگ اپنی شپرہ چشمی کو آفتاب کا عیب قرار دیتے ہیں اور اپنی کج فہمی کو دلیل کا قصور بتاتے ہیں۔ ان لوگوں نے ہر صورت سے اس آیت کی تحریف میں زور مارے قرآن وحدیث، اقوال صحابہؓ وتابعین اور قواعد لغت کے خلاف احتمالات ایجاد کئے مگر سوائے ہٹ دھرمی کے آج تک وفات مسیح ثابت نہ کر سکے۔ اس فرقہ کی سب سے بڑی صفائی یہ ہے کہ اپنی چرب لسانی اور مکر وفریب کی ملمع سازی سے عوام کو شبہات میں ڈالتے رہتے ہیں پس ان ادلہ قطعیہ کے خلاف مذہب اختیار کرنے والے کا مختصر اور اسلم جواب یہ ہے کہ ؎

تو کہے غنچہ کہ اس لب پہ دھڑی خوب نہیں　　چپ کہ منہ چھوٹا سا اور بات بڑی خوب نہیں

ایک شبہ اور اس کا جواب

مرزائی حضرات کی طرف سے ایک مشہور شبہ یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تو آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام جو متفق علیہ نبی ہیں کیسے آسکتے ہیں حالانکہ اُن کا آخر زمانہ میں آنا مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور قرآن وحدیث کا صریح مدلول ہے پس یا تو ختم نبوت سے انکار کیجئے اور یا نزول مسیح سے ہاتھ اٹھایئے۔

اگر تھوڑا غور اور انصاف کیا جائے تو ناظرین معلوم کریں گے کہ یہ ایک نہایت ناقابل التفات اعتراض ہے کیونکہ خاتم النبیین کے از روئے لغت ومحاورات یہ معنے ہوتے ہیں کہ آپ وصف نبوت کے ساتھ اس عالم میں سب سے آخر میں متصف ہوئے۔ یعنی آپ کے بعد کسی کو نبوت نہیں دیجائے گی۔ نہ کہ یہ کہ آپ سے پہلے تمام انبیا وفات پا گئے۔ ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آپ کے بعد عہدہ نبوت نہیں ملا بلکہ آپ سے پہلے مل چکا ہے اور جب آپ نازل ہوں گے تو کوئی نئی شریعت لیکر نہیں آئینگے بلکہ شریعت محمدیؐ کے مطابق حکم کریں گے اور اس سے آپ کی تنقیص یا معزول ہونا لازم نہیں آتا پس ختم نبوت اور نزول مسیح علیہ السلام میں کوئی تعارض نہیں۔

خلاصہ یہ کہ نزول مسیح کا اجماعی عقیدہ قرآن وحدیث کا صریح مدلول ہے اور اسی پر مسلمانوں کو یقین رکھنا چاہیئے۔

یاجوج وماجوج

فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ یہ قوم بھی بنی آدم سے ہے اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ کس قوم سے ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ قبیلہ ترک سے ہیں اور کسی نے کہا ہے کہ یاجوج ترک میں سے ہیں اور ماجوج قبیلہ دیلم سے ہیں اسی طرح ان کے قد وقامت اور کثرت کی نسبت بھی متعدد اقوال ہیں۔

سکندر ذوالقرنین جب شمال کی جانب سیر کو گئے تو وہاں کی ایک قوم نے یاجوج ماجوج کے ظلم کی آپ سے شکایت کی اور ان سے نجات کی درخواست کی سکندر نے اس قوم اور یاجوج ماجوج کے درمیان ایک دیوار بنادی جو سد سکندری کے نام سے مشہور ہے جسے کہ اللہ تعالےٰ ہی اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں قَالُوا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اے ذوالقرنین یاجوج ماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں۔

ترمذی میں ایک حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس دیوار کو ہر دن نکل کر کھودتے ہیں شام کو کہتے ہیں باقی کل کھودیں گے جب دوسرے دن جاتے ہیں تو وہ پھر ویسے ہی درست ہو جاتی ہے روز مرہ ایسا ہی ہوتا ہے قیامت کے قریب اس دیوار کو توڑ کر وہ تمام ملکوں میں پھیل جائینگے یاجوج ماجوج کی بھی دجال کی طرح تاویل کی جاتی ہے اور اپنے اپنے قیاس و تخمین سے انکی تعین کی جاتی ہے وہ نا قابل التفات ہے مسلمانوں کو یہی عقیدہ رکھنا چاہیئے جو اوپر مذکور ہوا۔

دابۃ الارض دابہ کے لغوی معنے زمین پر چلنے والی چیز کے ہیں بخاری اور مسلم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قبل قیامت ایک حیوان نکلے گا ترمذی و ابن ماجہ کی حدیث میں اس کا کام اور اس کی علامت اس طرح بتلائی ہے۔

"ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دابۃ الارض نکلے گا اور اس کے ساتھ موسیٰؑ کا عصا ہوگا اور سلیمانؑ کی مہر ہوگی پس مومن کا منہ روشن کر دیگا اور کافر کے ناک پر نشانی کر دے گا۔ مومن کو کہیگا اے مومن اور کافر کو کہے گا کہ اے کافر یعنی دونوں میں فرق اور نشان کر دیگا۔

قرآن شریف میں بھی اس کا ذکر ہے چنانچہ سورہ نمل میں ہے

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً الارض تکلمہ الناس کانوا بایٰتنا لا یوقنون ٥

جب قرآن کا وعدہ قیامت آنے پر واقع ہوگا یعنی اس وقت قریب ہوگا تو اس وقت ہم ان کے لیے ایک زمین کا حیوان نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا۔ لوگ ہماری آیتوں کے ساتھ ایمان نہ لاتے تھے۔

غرض وہ لوگوں سے کلام کرے گا اور مومن و کافر میں فرق کر دے گا رہی یہ بات وہ حیوان کیسا ہوگا سو اس کی صورت کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور اس کی صورت اور تعین کے

متعلق جو اقوال ہیں وہ قابل اعتماد نہیں غرض کوئی حیوان کسی قسم سے ہو اور کہیں سے نکلے ہمیں اس بات کا یقین رکھنا چاہیے کہ وہ قیامت سے پہلے آوے گا کیونکہ اس کا آنا حیوان ہونا اور کلام کرنا یہ تینوں باتیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔

آفتاب کا مغرب سے نکلنا

یہ بھی قیامت کی علامتوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے جو حدیث اول میں بیان ہوئی۔ ایک اور حدیث صحیح مسلم اور بخاری میں ہے۔

«ابی ذر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر تو جانتا ہے کہ جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو کہاں جاتا ہے میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کو خوب جانتا ہے آپ نے فرمایا یہ عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے اور پھر مشرق کی طرف پھرنے کے لئے اذن مانگتا ہے پس اس کو اذن دیا جاتا ہے اور قریب ہے کہ وہ وقت آوے کہ وہ سجدہ کرے اور قبول نہ کیا جائے اور اذن مانگے اور اذن نہ دیا جائے اور کہا جاوے کہ جا جدھر سے آیا ہے ادھر ہی پھر جا پس مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا۔

آگ جو لوگوں کو گھیر لیگی

دابہ کے بعد ملک شام کی طرف سے ایک ہوا چلے گی جس کی وجہ سے دنیا میں کوئی اہل ایمان زندہ نہ رہے گا پھر ملک حبشہ کے کافروں کی حکومت ہوگی وہ غالب ہو جائینگے خانہ کعبہ کو گرا کر اس کے خزانوں کو لوٹ لینگے۔ فسق وفجور عام طور پر پھیل جائے گا حتی کہ لوگ ماں بہن سے زنا کریں گے۔ قرآن کاغذوں سے محو ہو جائے گا شر وفساد دنیا کو برباد کردے گا بیماریاں آئینگی قحط سالی دنیا کا ناطقہ بند کردیگی اور لات عزیٰ کی پھر سے پرستش شروع ہو جائیگی۔

اس کے بعد ایک آگ ظاہر ہوگی جس کا طول وعرض بہت زیادہ ہوگا جس کی وجہ سے لوگ سمٹ کر ملک شام میں جمع ہو جائیں گے۔ ایک روایت میں ہو کہ یہ آگ یمن سے پیدا ہوگی اور لوگوں کو شام کی طرف جمع کردیگی یہاں حشر ہوگا

نفخ صور

لوگ فسق وفجور، عیش ونشاط اور کفر کی حالت میں زندگی کے دن گذار رہے ہوں گے کہ یکایک ان کے کانوں میں ایک باریک آواز آئے گی جسے اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے یہ آواز ابتدا میں باریک ہوگی مگر رفتہ رفتہ بڑھتی جائے گی بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک معلوم ہوگی اور پھر اتنی شدید ہو جائیگی کہ لوگ برداشت نہ کر سکینگے اور اس کی شدت کی وجہ سے

مرنے لگیں گے بالآخر صور کی آواز سے انسان وحیوان سب ہلاک ہو جائینگے۔ شجر وحجر اور پہاڑ نابود ہو جائینگے ستارے اور چاند وسورج کا نظام درہم وبرہم ہو جائے گا اور زمین وآسمان میں کسی کا وجود باقی نہ رہے گا صرف ذات باری باقی ہوگی اور تمام کائنات نیست ونابود ہو جائے گی اس وقت اللہ تعالےٰ فرمائینگے لمن الملک الیوم آج کس کی بادشاہت ہے کہاں ہیں دنیا کے سرکش اور متکبر کہاں ہیں دنیا کے مشرک وبت پرست مگر سب پر نیستی طاری ہوگی آخر خود اللہ جل جلالہ فرمائینگے للہ الواحد القہار صرف اللہ واحد وقہار کی بادشاہت ہو۔

بعض محققین کا خیال ہے کہ نفخ صور یعنی قرنا کا پھونکنا صرف ایک استعارہ ہے بعث وحشر اور تبدل حالت کا جس طرح لشکر میں قرنا پھونکنے سے سب مجتمع ہو جاتے ہیں اور لڑنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں اسی طرح بعث وحشر میں وقت موعود میں سب لوگ اٹھیں گے اور جمع ہو جائینگے اس حالت کا نفخ صور سے استعارہ کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

علامات قیامت اور اکابر اہل الہام ومکاشفات

علامات قیامت واشراط قیامت کی آیات واحادیث کو ظواہر پر ہی محمول کرنا چاہیئے اور ان کی نسبت وہی عقیدہ رکھنا چاہیئے جو اکابر سلف کا عقیدہ تھا چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی اپنی کتاب یواقیت الجواہر فی بیان العقائد الاکابر میں فرماتے ہیں:۔

"قیامت کی وہ تمام شرطیں جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے حق ہیں یہ سب قیامت سے پہلے ضرور واقع ہونگی۔ جیسے مہدی کا آنا پھر دجال کا ظاہر ہونا پھر عیسےٰ علیہ السلام کا نازل ہونا دابہ کا نکلنا۔ آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا۔ قرآن کا اٹھ جانا۔ یاجوج وماجوج کی سد کھل جانا اگر دنیا سے ایک دن بھی باقی رہ جائے تو بھی یہ سب نشانیاں ضرور ظاہر ہو جائینگی۔

شیخ تقی الدین بن ابی المنصور نے اپنے عقیدہ میں فرمایا ہے کہ تمام علامات آخری صدی میں واقع ہونگی شیخ محی الدین فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں۔

"جان لو کہ مہدی علیہ السلام ضرور ظاہر ہوں گے لیکن اس وقت نکلیں گے جس وقت زمین ظلم وجور سے بھر جائے گی پس امام صاحب اس کو عدل وانصاف سے بھر دینگے بالفرض اگر دنیا سے ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو بھی اللہ تعالےٰ اس کو لمبا کر دے گا اور یہ خلیفہ اس میں ہو جائے گا اور وہ آنحضرت صلعم کی اولاد سے ہوں گے۔

تفصیلات قیامت

پہلے لکھا جاچکا ہے کہ جب حضرت اسرافیل علیہ السلام پہلی مرتبہ صور پھونکیں گے تو جمیع اہل زمین اور اہل آسمان پر نیستی طاری ہو جائے گی۔ جب اس نیستی کو عرصہ گذر جائے گا تو اللہ پاک دوبارہ اسرافیل علیہ السلام کو پیدا کر کے نفخ صور کا حکم دیں گے اور جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو تمام ملائکہ اور جن و انس زندہ ہو جائینگے اس دوبارہ زندگی کو بعث و نشر کہتے ہیں یہ حشر صرف روح کا نہیں بلکہ جسم اور روح دونوں کا ہوگا اور اس کی کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں سب سے اول میں اپنی قبر سے اٹھوں گا پھر حضرت عیسیٰ اور پھر اور انبیا پھر شہدا پھر صالحین اور پھر عام مومنین یہ کہتے ہوئے اٹھیں گے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور اس خدا کے لئے حمد ہے جس نے ہمارا غم دور کیا بیشک ہمارا پروردگار بخشنے والا ہے۔ اور کفار یہ کہتے ہوئے اٹھیں گے یا ویلنا من بعثنا من مرقدنا افسوس ہم کو قبروں سے کس نے اٹھایا۔

کفار ایک طرف ہوں گے اور مومن ایک طرف۔ اسی طرح پرہیزگار ایک طرف اور بدکار ایک طرف ہوں گے جو شخص جس حالت میں مرا تھا اسی حالت میں اٹھیگا۔ حتیٰ کہ شہید کے زخموں سے خون بہتا ہوگا اور شرابی نشہ میں ہوگا۔ حضور صلعم فرماتے ہیں کہ میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ اٹھوں گا پھر بقیع میں آؤں گا اور میری امت کے سب لوگ میرے ساتھ ہوں گے ہر شخص برہنہ اور بے ختنہ اٹھیگا۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو جنت کا لباس پہنایا جائیگا پھر اس سے زیادہ بہتر جامہ حضور کے زیب تن کیا جائے گا اور پھر اور انبیاء علیہم السلام کو کپڑے پہنائے جائینگے اور پھر اس کے بعد حساب و کتاب شروع ہوگا۔

حساب و کتاب

قیامت کے دن ہر ایک آدمی کو اس کے عملوں کا اعمالنامہ ملیگا جس کو دائیں ہاتھ میں کتاب ملیگی وہ نجات پا جائے گا اور جس کو بائیں ہاتھ میں کتاب ملیگی وہ جہنم میں جائے گا۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ہم آسانی کے لئے کتاب دیں گے وہ اس کو خود ظاہر پڑھ لے گا۔ پھر فرمایا

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰٓی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا ؕ	جس کو دائیں ہاتھ میں کتاب ملیگی اس کا حساب سہل ہوگا اور اپنے اہل کی طرف خوش ہوتا ہوا آوے گا اور جس شخص کے بائیں ہاتھ میں عملوں کی کتاب دی جائے گی اُس کو پیٹھ کے پیچھے سے ملے گی پس واویلا کرے گا اور جہنم میں داخل ہوگا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اعمالنامے اڑکر ہاتھ میں ملیں گے کسی کے دائیں ہاتھ میں کسی کے بائیں میں۔ حساب مختلف ہوگا کسی کا سرسری طور پر درگذر کی صورت میں اور کسی کا شدت کے ساتھ خدا تعالےٰ ہر مومن وکافر سے سوال کرے گا کہ اے معشر الجن والانس ہم نے تمہارے پاس رسولوں کو بھیجا تھا جو تمھیں ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور اس دن سے ڈراتے تھے بتلاؤ تم نے دنیا میں کیا کیا۔

اس کے بعد ایک فرشتہ ندا کرے گا کہ جو شخص مشرک ہے جس نے دنیا میں کسی بت، درخت اور جانور کو پوجا تھا وہ اپنے اپنے معبودوں کے پاس جائیں پھر ان کو مع ان کے معبودوں کے دوزخ میں ڈالا جائے گا پھر انبیاء اور ان کی امتوں کا حساب ہوگا۔ سب سے اول نماز کا محاسبہ ہوگا اور پھر حقوق العباد سے بازپرس ہوگی اور یہ اتنا سخت حساب ہوگا کہ اللہ اپنی پناہ میں رکھے ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دی جائینگی اور مظلوم کی برائیاں ظالم پر ڈالی جائینگی۔

میزان

قیامت کے دن انسانوں کے عمل تولے جائینگے اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ اس دن عملوں کا وزن ہونا حق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اعمال تلنے کا وقت ایسا شکل ہوگا کہ کوئی کسی کو یاد نہ کریگا جب تک اُسے اپنے عملوں کا حال معلوم نہ ہوجائے گا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک میزان نصب کی جائے گی اور اس کے دو پلڑے ہوں گے اور ایک زبان ہوگی دائیں پلڑے میں نیکیاں تلیں گی اور بائیں میں بدیاں اور وہ عرش کی دائیں جانب اور جنت کی طرف نصب کی جائے گی کیفیت وزن اعمال میں مفسرین ومحققین کے دو قول ہیں ایک تو یہ کہ عمل کو متشکل کر دیا جائے گا۔ اعمال مومن کی صورت اچھی ہوگی اور اعمال کافر کی قبیح۔

دوسرا قول مجاہد، ضحاک اور اعمش وغیرہ کا ہے کہ میزان سے مراد صرف عدل ہے اور میزان اس کو مجازاً اور تمثیلاً کہا گیا ہے۔ معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اعمال اعراض ہیں اور عرض تلنے کے لائق نہیں صرف جسم تل سکتا ہے لیکن اس مذہب کو آیات و احادیث رد کرتی ہیں اللہ تعالےٰ قادر ہے کہ عمل کو متشکل کر دے نیک عملوں کو کوئی نورانی جسم عطا کر دے اور گناہوں کو کوئی ظلماتی شکل دیدے اور یہ بات تو عقلی طور پر بھی ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں ہوا کو بھی تولا جاتا ہے حالانکہ اس کا ظاہری وجود نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ توزن صحائف الاعمال اعمالناموں کا وزن کیا جائیگا کراماً کاتبین جو کچھ لکھتے ہیں وہ اجسام ہیں بہرحال اس پر بھی ایمان رکھنا چاہیئے کہ اعمال تولے جائیں گے۔

حوض کوثر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن حوض کوثر سے اپنی امت کو پانی پلائیں گے اور پھر ان کو پیاس نہ لگے گی چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں انا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔ بخاری و مسلم میں ہو۔

حوضی مسیرۃ شھر وزوایاہ سواء ماءہ ابیض من اللبن وریحہ اطیب من المسک وکیزانہ کنجوم السماء من یشرب منھا فلا یظماء ابداً۔

میرا حوض ایک مہینہ کے سفر کی مسافت کے برابر ہے اس کے کونے برابر ہیں اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ ہے اور اس کے آبخورے ستاروں کی مثل ہیں جو شخص اس پانی کو پی لیگا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

ایک دوسری حدیث ہے حضور صلعم فرماتے ہیں کہ ہر نبی کے لئے ایک حوض ہے وہ فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ لوگ آتے ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے حوض پر بہت زیادہ آدمی آویں گے۔

پل صراط

قیامت کے دن دوزخ کے اوپر رکھی جائے گی جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی اس پر سے تمام مخلوق کو گذرنا پڑے گا۔ انبیاء اولیا بآسانی صحیح سلامت پار ہو جائینگے دوزخ کی آگ ذرہ برابر ایذا نہ دیگی خاصکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گذرتے وقت تو آگ گلزار ہو جائے گی۔ اہل ایمان حسب اعمال بعضے تیز رفتاری اور بعضے سست رفتاری سے گذر جائینگے اور کافر کٹ کٹ کر دوزخ میں گر جائیں گے

چنانچہ اللہ پاک فرماتے ہیں وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا تم میں سے ہر کوئی دوزخ پر سے گذرنے والا ہے اور یہ تیرے رب کا فیصلہ کیا ہوا ہے مسلم میں ہو

"پل صراط دوزخ پر رکھی جائے گی، سب رسولوں سے پہلے میں اپنی امت کو لیکر اس پر سے گذروں گا اور اس دن کوئی کلام نہ کرے گا البتہ انبیاء ورسل کلام کریں گے مگر ان کا کلام بھی یہ ہوگا اے اللہ مجکو بچا مجھکو بچا"

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں۔

"جو اس دنیا میں صراط مستقیم یعنی احکام شریعت پر قائم رہا وہ "صراط آخرت" پر نہایت سرعت کے ساتھ گذر کر نجات پائیگا اور جس نے صراط مستقیم سے گریز کیا اور گناہوں و نافرمانیوں کے بوجھ سے لدگیا وہ قدم رکھتے ہی کٹ کر دوزخ میں گر پڑے گا" (احیاء العلوم)

اور اگر یہ کہا جائے کہ ایسی باریک اور تیز چیز پر سے گذرنا عندالعقل محال ہے کیونکہ چلنے کیلئے ضروری ہے کہ چلنے کی جگہ قدموں سے بڑی ہو اور وہ اطراف سے گھری ہوئی ہو۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ کوئی ضرور نہیں، کیا سرکس والے تاروں پر بائیکلیں نہیں چلاتے اور نٹ و بازیگر رسیوں پر سے نہیں گذرتے۔ ایسے ہی قیامت کے روز اللہ پاک مومنوں میں یہ مادہ اور پریکٹس خلق کر دیگا کہ وہ ان پر گذر سکیں لہذا پل صراط پر سے گذرنا عندالعقل جائز ہے اور اس دنیا میں ایک مشاہدہ کی چیز ہے جس قادر مطلق نے ہوا میں اڑنے والے جانوروں کو ہوا میں اڑنے اور قائم رہنے کی قدرت عطا فرمائی ہے کیا وہ نعوذ باللہ اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ وہ قادر کریم انسانوں کو "صراط" سے گذرنے کی قدرت عطا کرے۔ غرض بہر حال پل صراط پر ایمان لانا بھی واجب ہے اور عقل و نقل دونوں سے ثابت ہے۔

جنت و دوزخ وجود جنت و دوزخ کا جن صفات و خواص کے ساتھ آیات و احادیث میں وارد ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے جنت ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے اور دوزخ زمین کے نیچے ہے اور جنت و دوزخ اس وقت بھی موجود ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ جنت متقین کے لئے تیار کی گئی ہو دوزخ کے بارے میں فرمایا اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ دوزخ کافروں کے لئے بنائی ہے علاوہ ازیں بہت سی آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ جنت و دوزخ موجود ہیں جنت و دوزخ ہمیشہ باقی رہیں گی اور دوزخ میں کفار اور جنت میں مومن ابدالآباد رہیں گے، معتزلہ کا مذہب

ہے کہ دوزخ اور جنت اب موجود نہیں قیامت کے دن پیدا کئے جائینگے۔

معتزلہ کے علاوہ فلاسفہ کو بھی جنت و دوزخ سے انکار ہے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر وہ دونوں موجود ہیں تو اس کی تین ہی صورتیں ہیں۔ یا تو وہ عالم عناصر میں پائی جائینگی یا عالم افلاک میں اور یا کسی اور عالم میں اور تینوں صورتیں محال ہیں نہ اس طرح کہ عالم عناصر میں تو ان کے سمانے کی گنجائش نہیں کیونکہ جنت کے بارہ میں آیا ہے عرضہا السموات والارض اس کا عرض آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ وسیع اور فراغ ہے اور اگر عالم افلاک وغیرہ میں ہوں تو افلاک کا خرق والتیام لازم آتا ہے

اس دلیل کا ہمارے نزدیک باطل ہے اور وہ یہ ہے کہ موجودہ جنت و دوزخ کے منکر جنت کے وصف عرضہا کعرض السموات والارض کی بناپر خرق والتیام کو ممتنع سمجھتے ہیں حالانکہ جنت کی یہ تحدید اور حقیقی پیمائش نہیں بلکہ درحقیقت یہ جنت کی وسعت و فراخی کا کنایہ ہے۔

غرض جنت و دوزخ کے موجود ہونے پر تو بہت سی آیات و احادیث وارد ہیں مگر کسی نص شرعی سے جنت و دوزخ کا مکان و جہت ثابت نہیں اس لئے مکان و جہت کی تخصیص کرنا اور کسی طرح کا شک و شبہ کرنا جائز نہیں۔

حقیقت بہشت و دوزخ

اس میں کلام نہیں کہ ہر قسم کی چیزوں کا لذت دار ہوں یا بے لذت ہوں۔ لذت اور تکلیف دونوں ہی سے خمیر ہے تو اس صورت میں ان کے اجزاء کا شیرازہ بھی جدا جدا کر کے اپنی اپنی جگہ پہنچائیں گے مگر یہ تقسیم رنج و راحت بھی اس تقسیم نیکی و بدی میں داخل ہے کیونکہ لذت بھلائی کے اقسام میں سے ہے اور رنج برائی کے اقسام سے تو ان کی اصل کے لئے بھی دو ہی مقام ہوں گے جن کو اسلام نے بہشت و دوزخ سے تعبیر کیا ہے اس لئے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ دنیا کی ہر قسم کی لذتیں اگرچہ عورتوں سے صحبت کرنا ہی کیوں نہ ہو بہشت میں پائی جائیں ہاں زیادہ ہوں تو کچھ عجب نہیں علیٰ ہذا القیاس دوزخ میں دنیا کی ہر قسم کی تکلیفیں موجود ہوں البتہ اگر ان سے بھی زیادہ ہوں تو تعجب نہیں دوسرے وہاں کی لذتیں گو یہاں کی لذتوں اور تکلیفوں کے ہمرنگ ہوں۔ پھر یہاں کی لذتوں اور تکلیفوں کو وہاں کی لذتوں اور تکلیفوں سے کچھ نسبت نہ ہو کیونکہ نہ یہاں کی لذتیں خالص ہیں اور نہ یہاں کی تکلیفیں خالص ہیں۔

عالم آخرت درحقیقت دنیوی عالم کا ایک عکس ہے جو کچھ دنیا میں روحانی طور پر ایمان اور ایمان کے نتائج اور کفر اور کفر کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں وہ عالم آخرت میں جسمانی طور پر ظاہر ہو جائینگے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ أَعْمٰى جو اس جہان میں اندھا ہے وہ اس جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا ہمیں اس تمثیلی وجود سے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیئے اور ذرا سوچنا چاہیئے کہ کیونکہ روحانی امور عالم رویا میں متمثل ہوکر نظر آتے ہیں اور عالم کشف تو اس سے بھی عجیب تر ہے کہ باوجود عدم غیبت حس اور بیداری کے روحانی امور طرح طرح کے جسمانی اشکال میں انہی آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ بااوقات عین بیداری میں ان روحوں سے ملاقات ہوتی ہے جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں اور وہ اسی دنیوی زندگی کے طور پر اپنے اصلی جسم میں اس دنیا کے کپڑوں میں سے ایک پوشاک پہنے ہوئے نظر آتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں اور بااوقات ان میں سے مقدس لوگ باذنہ تعالےٰ آئندہ کی خبریں دیتے ہیں اور وہ خبریں مطابق واقعہ کے نکلتی ہیں یہانتک دیکھا گیا ہے کہ ایک شیریں طعام یا کسی قسم کا قہوہ یا شربت غیب سے نظر کے سامنے آگیا ہے اور وہ ایک غیبی ہاتھ سے منہ میں پڑ جاتا ہے اور زبان کی قوت ذائقہ اس کے لذیذ طعام سے لذت اٹھاتی جاتی ہے اور دوسرے لوگوں سے باتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور اس کی لذت وحلاوت بھی ایسی ہی کھلی کھلی طور پر معلوم ہوتی ہے بلکہ وہ لذت اس لذت سے نہایت الطف ہوتی ہے اور یہ ہرگز نہیں کہ وہ وہم ہوتا ہے یا صرف بے بنیاد تخیلات ہوتے ہیں بلکہ واقعی طور پر وہ خدا جس کی شان بالکل خالق وعلیم ہے ایک قسم کے خلق کا تماشہ دکھا دیتا ہے پس جبکہ اس قسم کے خلق اور پیدائش کا دنیا میں ہی نمونہ دکھائی دیتا ہے اور ہر ایک زمانہ کے عارف اس کے بارے میں گواہی دیتے چلے آئے ہیں تو پھر وہ تمثلی خلق اور پیدائش جو آخرت میں ہوگی میزان اعمال نظر آئے گی۔ پل صراط نظر آئے گی اور ایسے ہی بہت سے اور امور روحانی جسمانی شکل کے ساتھ نظر آئیں گے۔

آریہ اور عیسائی صاحبان اعتراضات کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کا عدالت (قیامت) کے دن تخت پر بیٹھنا ملائک کا صف باندھ کر کھڑے ہونا۔ ترازو میں عملوں کا تولا جانا پل صراط سے چلنا۔ جزا وسزا کے بعد موت کو بکرے کی طرح ذبح کر دینا اعمال کا خوش شکل یا بدشکل انسانوں کی طرح لوگوں پر ظاہر ہونا اور جنت میں دودھ اور شہد وغیرہ وغیرہ کا ہونا' یہ

سب باتیں صداقت اور معقولیت سے دور معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن یہ تمام شکوک و اعتراضات اس ایک ہی نکتہ کے حل ہونے پر دفع ہو جاتے ہیں کہ عالم آخرت ایک تمثیلی خلق کا عالم ہے۔

(اسرار شریعت جلد سوئم صفحہ ۸۴۴)

سوال یہ جو شریعت میں ہے کہ دوزخ کے سات دروازہ ہیں اور جنت کے آٹھ اس کی حقیقت بتلائیے۔

جواب۔ شریعت کے بتلائیے ہوئے قوانین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں نیکیوں اور بدیوں کے اصول سات سات ہیں اور یا یوں سمجھئے کہ انسان کے وہ اعضا جن سے وہ نیکی یا بدی کرتا ہے سات ہیں۔ کان۱ دماغ۲ آنکھ۳ منہ۴ ہاتھ۵ پاؤں۶ شرمگاہ۷۔

جس قدر اخلاقی اصول ہیں ان سب کا تعلق انھیں کے ساتھ ہے اسی مناسبت سے دوزخ کے دروازے سات اور جنت کے آٹھ ہیں۔ جنت کا جو آٹھواں دروازہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا ہے۔

بہشتی نعمتوں، نہروں، درختوں اور حوروں کی حقیقت

غیر مسلمین بہشت کے انعامات پر اکثر تمسخر اڑایا کرتے ہیں اور اپنی شقاوت و سیاہ دلی سے ثابت کیا کرتے ہیں حالانکہ بہشت کی نسبت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ بہشت کی نعمتیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل پر خیال میں گذریں پس بہشت کی نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں پر قیاس کرنا اور اپنی طرف سے کوئی خاص مفہوم قرار دیکر مذاق اڑانا جہل کی ظلمت سے خود اپنا ہی منہ کالا کرنا ہے۔

جنت کی راحتوں اور نعمتوں کی حقیقت نہ کسی کو معلوم ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ فرمان مصطفوی کے مطابق بہشت کی راحتوں و نعمتوں کا جب کبھی کسی نہ کسی طرح تصور آئے گا تو خطور علیٰ قلب بشر صادق آجائے گا۔ خواہ وہ اجمالی ہو یا تفصیلی بالوجہ ہو یا بوجہ اور بالکنہ ہو یا نہ غرض نعمائے جنت کی کنہ اور حقیقت کسی کے دل پر نہیں گذر سکتی۔ نعمائے جنت کی قرآن نے حسب ذیل تعلیم دی ہے۔

(۱) لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ — بہشت میں کوئی لغو بات ہے اور نہ گناہ

(۲) پاکباز بیبیوں کی رفاقت اور ان سے سکینت پانے کا ہی ذکر ہے اور ان کا

بیان کیا ہے کواعب اترابا مگر ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا ہے کہ لا یسمعون فیہا لغوا و لا کذابا کہ اس میں کوئی لغو اور جھوٹ بات نہ سنیں گے۔

(۳) انہار من خمر کی بھی بیشک قرآن کریم میں بشارت ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی بتلادیا لا یصدعون عنہا و لا ینزفون نہ وہ سر میں چکر پیدا کرے گی اور نہ بہکائیگی۔

غرض نعمائے جنت کی کسی چیز میں کوئی ناپاکی اور اعتراض کی چیز نہیں جو کچھ ہے وہ محض معترضین کے گندے خیالات ہیں جب بہشت کی کسی چیز کی ماہیت کا تصور ہی نہیں آسکتا تو اعتراض کی گنجائش کہاں ہے، خداوند تعالےٰ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا کہ وہ کیا کیا نعمتیں ہیں جو اس کے لئے مخفی ہیں اب یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں اور دودھ انگور، شراب، انار، شہد اور نہروں وغیرہ کو ہم جانتے ہیں معلوم ہوا کہ جنت کی چیزیں ہی اور ہیں ان کو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہے۔ پس جس نے بہشت کو دنیا کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا اور دنیا کی چیزوں پر ان کو قیاس کیا اس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا اسی پر عذاب دوزخ میں جو زنجیریں، طوق، زقوم اور گرم پانی وغیرہ ہیں اُن کو قیاس کر لیجئے۔

بہشت دوزخ کی حقیقت بالفاظ مولینا محمد قاسم صاحب رح

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ لذتیں تکلیف سے خالی نہیں اور تکلیفیں راحتوں سے خالی نہیں اور مضرتیں منفعتوں سے خالی نہیں کھانا پانی ہر چند سامان راحت اور نفع کی چیز ہے مگر اس کے ساتھ پاخانہ پیشاب کی خرابی اور امراض کے نقصان ایسے کچھ ہیں کہ کیا کہیئے اور کڑوی دوائیں اور فصد اور قطع برید جراح اگرچہ سر دست سرمایہ تکلیف ہے مگر انجام کار کیسی کیسی راحتیں ان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں اس بات کے دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں بحیثیت آرام و تکلیف اور نفع و ضرر ایسے ہیں جیسے باعتبار گرمی و سردی اور خشکی و تری مزاج مرکبات عنصری معلوم ہوتا ہے یعنے جیسے وہاں اشیاء متضادہ کے اجتماع سے ایک مرکب مزاج حاصل ہوجاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی سمجھئے مرکبات عنصری کی ترکیب میں اگر معلوم ہوتی ہے تو ایسی بات معلوم ہوتی ہے کہ گرمی و سردی اور خشکی و تری ساری باتیں مرکبات مذکورہ میں معلوم ہوتی ہیں وہ نہ ترکیب کرتے ہوئے کسی نے خدا تعالےٰ کو دیکھا ہے جو ہم اپنے بدن میں دیکھتے

ہیں کہ قلیل وکثیر یبوست ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے بدن میں جزو خاکی ہے ورنہ اس یبوست کی اور کیا صورت تھی کیونکہ یبوست خاصۂ خاک ہے سوا اس کے اور کسی چیز میں یہ بات نہیں ہونہ ہو جزو خاکی کی یہ تاثیر ہے کہ ہمارے بدن میں یبوست پائی جاتی ہے اسی طرح رطوبت بھی کسی قدر نہ کسی قدر اپنے بدن میں موجود ہے اور وہ خاصۂ آب ہے اس لئے یہ بات واجب التسلیم ہو کہ ہمارے بدن میں لاریب جزو آبی ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس ہوا اور آگ کا سراغ نکل آتا ہو مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ جیسے یبوست اور رطوبت باہم ضد یکدیگر ہیں اور آب و خاک اس بات میں مخالف یکدیگر ہیں ایسے ہی معدن راحت کچھ اور ہوگا اور مخزن تکلیف کچھ اور ہوگا جیسے مرکبات عنصریہ باعتبار کمی بیشی رطوبت و یبوست اور حرارت و برودت مختلف ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی میں خاک زیادہ ہے تو کسی میں پانی زیادہ اسی طرح باعتبار راحت و تکلیف کے مرکبات کو خیال فرمائیے کہ ان کے اصول بھی اسی طرح جُدے جُدے ہوں گے اُنھیں میں سے لیلو اگر سامانہائے آرام و تکلیف کو بنایا ہوگا اور ان اصول میں ایک ایک[۱] ایک ہی چیز ہے دوسری چیز نہیں اس صورت میں ایک ایسا مقام اور طبقہ ماننا پڑے گا کہ جہاں فقط آرام ہو تکلیف اصلاً نہ ہو ہم اسی کو بہشت کہتے ہیں، اور ایک ایسا مقام اور طبقہ ہوگا جہاں فقط تکلیف ہی تکلیف ہوگی آرام وہاں نام کو نہ ہوگا ہم اسی کو دوزخ کہتے ہیں بالجملہ جیسے رطوبت یبوست وغیرہ کیفیات جسمانی کے لئے ایک جُدی جُدی اصل اور جدا جدا طبقہ ماننا لازم ہے اسی طرح آرام و تکلیف کے لئے بھی جُدی جُدی اصل اور جدا جدا طبقہ ماننا لازم ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ کہاں ہیں اور کدھر ہیں یہ سوال ازروئے عقل قابل امتناع نہیں موجود ہونے کے لئے یہ لازم نہیں کہ ہم کو معلوم ہی ہوا کرے خود اس زمین میں ہزار ہا مقامات اور اشیا ایسی ہیں کہ ہم کو معلوم نہیں اگر زمین اور آسمان کے اندر ہو اور ہم کو معلوم نہ ہو تو کیا محال ہے اور ہو مگر زمین و آسمان کے باہر ہو تو کیا ممتنع ہے اور اسی تقریر کے ساتھ وجہ ثبوت شیطان و ملائکہ بھی بیان ہوگئی؟

حقیقت قیامت

واضح ہو کہ جو اشیا مختلف الاغراض چیزوں سے مرکب ہوا کرتی ہیں جیسے کھیتی کہ اس میں غلہ آدمیوں کے لئے اور بھس گھاس جانوروں کے لئے ایسی چیزوں کا انجام توڑ پھوڑ کر جدا جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچا دیتے ہیں اور ان کے مناسب ان کو کام میں لاتے ہیں

(۱) [illegible]

مثلاً کھیتی کو ایک روز کاٹ چھانٹ کر بھس اور غلہ کو جدا کر کے بھس کو کپوں میں اکٹھا کر دیتے ہیں اور غلہ کو کوٹھیوں، کھاتیوں اور برتنوں وغیرہ میں جمع کر لیتے ہیں اور پھر اس کو وقتاً فوقتاً جانوروں کو کھلاتے رہتے ہیں اور غلہ کو بقدر ضرورت آپ کھاتے رہتے ہیں۔ پھر اپنے کھانے میں بھی یہ تفریق ہے کہ چھان پھٹک کر اچھے اچھے غلہ کو اپنے لئے رکھتے ہیں اور ناقص کو خدام، شاگرد پیشوں اور جانوروں کو کھلاتے ہیں مگر غور سے دیکھا تو اس عالم اجسام کو بھی مختلف الاغراض اجزاء سے بنا ہوا پایا چنانچہ اس کے ہر ہر رکن اور ہر ہر طبقہ سے نمایاں ہے کہ یہ اور کام کا اور وہ اور کام کا اس میں اور خاصیت ہے اور اس میں اور کچھ خاصیت زمین میں اور ہی خوبیاں ہیں اور پانی میں اور ہی کچھ فائدے ہیں مومن اور کام کے اور کافر اور کام کے۔ علماء اور کام کے اور فقرا اور کام کے ذکی اور غبی میں فرق ہی سخی اور بخیل میں تفاوت۔ مرد اور نامرد میں اختلاف اور مرد و عورت میں افتراق غرض جس چیز کو دیکھئے اس کا رنگ و بو کچھ اور ہی ہے اس میں یہی ہونا چاہیئے کہ ایک روز توڑ پھوڑ کر سب کو جدا کر دیں یہانتک کہ نیکوں کو ان کے ٹھکانے میں اور بدوں کو ان کے جیلخانہ میں پہنچا دیں سو اس اپنے اپنے ٹھکانے پہنچ جانے کا نام جزا و سزا عذاب و ثواب اور یوم القیامت ہے (حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی)

سوال۔ بحوالہ قرآن المجید کہا جاتا ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں سو اس کو مخفی رکھنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب۔ اگر قیامت کا علم دیا جاتا تو اس سے انسان کی عملی حالت اور قوائے فکری پر بہت برا اثر پڑتا اور دنیا میں گمراہی و فسق و عصیان کی کثرت ہو جاتی۔

سوال وجہ تسمیہ قیامت بیان کیجئے؟

جواب قیامت کا لفظ قیام سے نکلا ہے جسکے معنے اپنی وضع و ہیئت پر کھڑا ہونے اور ٹھیرنے کے ہیں جب دنیا کی ہر چیز کی تکمیل ہو جائے گی تو گویا اس وقت ہر چیز کا اپنی وضع و ہیئت اصلی پر قیام و سکون ہوگا اور وہ ایک خاص تجلی الٰہی کا وقت ہوگا لہذا اس حالت کا نام قیامت ہو۔

عالم معاد کے اثبات کے دلائل

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وجود پر امکانی طور پر قرآن شریف میں بہت سے دلائل بیان فرمائے ہیں حسب ذیل دلائل ملاحظہ ہوں جو اپنی قطعیت اور دلنشینی میں لاجواب اور مسکت ہیں۔

(۱) وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ط اللہ وہ ذات ہے جو مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس پر بہت سہل ہے کیسی سادہ، عام فہم اور دلنشین مضبوط دلیل ہے کہ جب اس نے دنیا کو عدم سے پیدا کیا ہے تو کیا وہ پیدا شدہ کو تغیر جسم کے بعد انھیں متفرقہ اجزاء اور اس روح سے پیدا نہیں کر سکتا کیوں نہیں یہ تو بنظر علوت بہت سہل اور آسان ہے۔

(۲) کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۵ بھلا تم اللہ تعالےٰ کی قدرت موت وحیات سے کیونکر انکار کر سکتے ہو. حالانکہ اس نے تم کو عدم اور مردہ میں سے زندہ کیا پھر تم کو تمہاری موت یا اجل کے وقت مارے گا اور قیامت کے دن پھر تم کو زندہ کرے گا اور پھر تم حساب وکتاب کے لئے اکٹھے کئے جاؤ گے۔

(۳) وَقَالُوْا ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا قُلْ کُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَکْبُرُ فِیْ صُدُوْرِکُمْ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا قُلِ الَّذِیْ فَطَرَکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط منکران حشر ونشر کہتے ہیں کہ آیا جب ہم مر کر فنا ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی بوسیدہ و خاک خوردہ ہو جائیں گی تو کیا ہم از سر نو اٹھائے جائینگے ان کو کہو کہ اگر تم پتھر یا لوہا یا کوئی ایسی سخت مخلوق چیز مر کر بنجاؤ جو تمہارے دلوں میں بہت بڑی ہے تو بھی زندہ کئے جاؤ گے کہیں گے کہ کون ہم کو دوبارہ زندہ کرے گا ان کو کہو جس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔

(۴) وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ شَیْئًا. انسان کہتا ہے کہ آیا جب میں مر جاؤں گا تو پھر کیا زندہ کیا جاؤں گا. سو کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس سے پہلے اس کو پیدا کیا اور وہ کچھ چیز نہ تھا۔

(۵) یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا کَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ ط خدا تعالےٰ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے پیدا کرتا ہے اور زمین کو اپنے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے یعنے خشک ہونے کے بعد اس کو بارش سے تازہ کرتا ہے اسی طرح تم زندہ کئے جاؤ گے۔

ان آیات کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ جس نے پہلی دفعہ مخلوق کو پیدا کیا ہے وہ اس

بات پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ ان کو دوبارہ جس طرح چاہے پیدا کرے وہ ایک دفعہ پیدا کر کے
تھک نہیں گیا بے عقلو تم کیوں عالم معاد کے بارے میں حیران ہوئے جاتے ہو شک میں پڑ کر
خراب ہوتے ہو اور دین و دنیا سے جاتے ہو اس شک و انکار سے باز آؤ۔ مطیع نجات اس بارہ
میں کفار کا جو بہت بڑا شبہ تھا وہ یہ تھا کہ معدوم شئے کا اعادہ محال ہے اس کے جواب میں اللہ
تعالے نے فرمایا۔ اللہ کے نزدیک معدوم کا اعادہ محال نہیں جس نے تمام مخلوق کو عدم
سے موجود کیا ہے وہ قادر ہے کہ پھر دوبارہ اس کو پیدا کرے۔

منکرین حشر و نشر کا رد

جو لوگ قیامت کے منکر ہیں ان کے انکار کی دلیل یہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور اس کے عناصر اجزاء صغار صور
اور مادے قدیم ہیں اور ہمیشہ یہی دستور رہے گا اور اس کے بعض مرکبات کا بننا، جڑنا، ٹوٹنا
پھوٹنا مرنا جینا یہ ہمیشہ بدستور رہے گا اگر کسی انسان سے اچھے عمل ہوئے تو وہ دوسری جون میں
جاکر آرام پائے گا اور یہی اس کی جنت ہے اور اگر برے عمل کئے ہیں تو کسی بری جون میں مصیبت
اٹھائے گا اور یہی اس کا دوزخ ہے اس مذہب کا نام مذہب تناسخ ہے۔

اس لچر اور خلاف عقل کی بنا دو امر پر ہے ایک یہ کہ اصول عناصرہ اور مواد و صور وغیرہ قدیم
ہیں دوسرے یہ کہ نفس اور روح ہمیشہ قوالب میں بدلتے رہتے ہیں لیکن یہ دونوں امر سرے سے
باطل ہیں متوجہ ہو کر اس کے وجوہ سنیئے۔

نفوس حادث ہیں اور حادث کے واسطے ضرور ہے کہ ان کے لئے پہلے ان کی استعدادیں
قوابل اور محل حادث ہوں اور ظاہر ہے کہ نفسوں کے لئے محل اور قوابل ابدان ہی ہیں پس جب
ایک بدن حادث ہوا تو اس کے لئے ضرور ہے کہ اس کا اپنا نفس اس کے ساتھ ہو گا اب اگر
تناسخ کو مانا جائے تو اس بدن کے لئے ایک اور نفس متناسخہ متعلق ہو گا کیونکہ تناسخ کے یہی معنے
ہیں کہ ہر بدن میں کوئی سابق روح داخل ہوتی ہے۔ لازم آیا کہ ایک بدن اور ایک انسان میں
دو روح ہوں اور یہ غلط ہے کیونکہ ہر انسان میں ایک ہی روح ہے دو نہیں۔

بخوف طوالت ہم صرف اسی ایک دلیل پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ مسئلہ تناسخ الیا بدیہی البطلان
اور خلاف عقل ہے کہ اس میں ذرا سی عقل رکھنے والے کو کلام نہیں ہو سکتا اور اس کے ابطال پر
اس قدر اعتراضات اور دلائل قائم ہو سکتے ہیں کہ حد شمار سے باہر ہیں مختصراً ہم کہہ سکتے
ہیں کہ مسئلہ تناسخ اس وقت قائم رہ سکتا ہے جبکہ خدا تعالے کو اس کے مختارانہ و قادرانہ کاموں

قدرتوں، اختیاری تصرفات ذاتی طاقتوں اور ذاتی قوتوں سے ازل سے ابد تک معطل، بیکار، عاجزانہ لاچار سمجھا جائے۔ غرض یہ مسئلہ خداتعالیٰ کی قدرت، ربوبیت، ارادہ اور مشیت کے خلاف اور ضد ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

جسموں کا اٹھنا اور روحوں کا ان میں پھر آنا یہ کوئی نئی زندگی نہیں بلکہ اس پہلی زندگی کا تتمہ ہے جس طرح زیادہ کھانے سے بدہضمی ہو جاتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو لازم آوے کہ یہ کوئی دوسری خلقت ہو اور ان لوگوں کے بڑے بھلے کاموں کا کوئی بدلا ہی نہ ہو جو دنیا میں تھے۔

جو مر گئے ہیں ان کے نفوس کھڑے ہو جائینگے اور ان کا تعلق جسم سے قوی تر ہو گا اور ریڑھ کی ہڈی باقی رہ جائے گی۔ یعنی ایک ایسا نشان جس سے پہچانا جاوے کہ یہ فلاں شخص کا بدن ہے پھر وہ بدن سے مل جاویگی۔ ایک اور قسم کی روحیں آویں گی جو حیران ہوں گی کہ ان کی ریڑھ کی ہڈی کا نشان باقی نہ رہا ہو گا وہ ایک ایسی زمین میں پھونکی جاویں گی جس سے ان کو کچھ مناسبت ہو گی۔ ایک اور قسم کی روحیں آویں گی جن کو روحوں کے برانگیختہ ہونے اور صور پھونکنے کے وقت ایک مثالی جسم اختیار کرنا ہو گا۔ فرشتوں اور شیاطین کے جسم مثالی کی مانند غرض یہ زندگی کوئی ابتدائی زندگی نہ ہو گی بلکہ اس کی تکمیل کیلئے ہو گی جو ان میں بطور بدلا دینے کے ہو گی پھر یہ جسم ایک ہیئت نسمیہ میں اور پرچڑھیں گے اور حشر کے واقعات میں داخل ہوں گے۔

حضرت علامہ غزالی فرماتے ہیں۔

خدائے تعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں سے ایک اسم باعث ہی ہے جس کے معنے وصفت کا تقاضا ہے کہ وہ ایک حالت سے اٹھا کر دوسری حالت میں لیجائے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ خداتعالیٰ کی یہ صفت ہر وقت اور ہر چیز پر کام کر رہی ہے اس کے اسم باعث کا ہی مقتضیٰ ہے کہ حشر کے دن لوگوں کو زندہ کرے گا اور ان کو قبروں سے اٹھائے گا۔ اور دوسری پیدائش میں سینہ کی باتوں کو ظاہر کردیگا اور اس پیدائش کی معرفت حقیقت بعثت کی شناخت پر موقوف ہے یہ امر باریک ترین معارف میں سے ہے اور اکثر لوگ اس سے توہمات مجملہ اور خیالات مبہمہ میں پڑے ہوئے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ موت سے مراد نابود ہونا اور بعثت سے مراد پہلی ایجاد کو نابود کرکے پھر مثل اول از سر نو ایجاد کرنا ہے سو ان کا یہ گمان کہ موت سے مراد نابود ہونا ہے۔ غلط ہے اور یہ گمان کہ ایجاد ثانی پہلی ایجاد کی طرح ہے یہ بھی غلط

ہے اور ان کا یہ گمان کہ موت سے مراد محض عدم ہے یہ بات بھی باطل ہے بلکہ قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا یا بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے مردہ یا سعید ہوتا ہے یا شقی۔ سعید تو مردے نہیں ہوتے بلکہ ان کو اپنے پروردگار کے پاس سے رزق ملتا ہے اور فضل خداداد کے ساتھ خوش رہتے ہیں اور شقی بھی زندہ رہتے ہیں۔

صاحبان کشف کا باطنی مشاہدہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان ابد کے لئے پیدا ہوا ہے اور بالکل نابود نہیں ہو جاتا ہاں مگر جسم سے اس کا تصرف قطع ہو جاتا ہے پس کہا جاتا ہے کہ مرگیا اور کبھی اس کو قوت تصرف عطا کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کا جسم زندہ ہو گیا اور یہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بعث صرف ایجاد ثانی کا نام ہے یہ بات بھی مثل اول درست نہیں بلکہ بعث ایک نئی پیدائش ہے جس کو پیدائش اول سے کوئی مناسبت نہیں ہے انسان کے لئے بہت سی پیدائشیں ہیں۔ صرف دو ہی پیدائشیں نہیں ہیں۔

سوال حشر میں جسم ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو یہی یا کوئی اور؟

جواب حقیقت الامر یہ ہے کہ حشر و نشر کی بابت کلام مجید سے یہ تو ثابت ہے کہ عذاب و ثواب اٹھانے کے لئے جسم ہوں گے اور جزا و سزا جسمانی ہوگی مگر قرآن کریم نے یہ نہیں بتلایا کہ جسم یہی ہوگا یا کوئی اور۔ جو کچھ ہوگا وہ ہم پر ہوگا اور یہ "ہم" کیا ہے؟ کیا ہوگا؟ اس کا ہمیں علم نہیں دیا گیا۔ بہر حال یہ ایمان رکھنا چاہئیے کہ جزا و سزا کے لئے ایک جسم دیا جائے گا۔

تحقیقات جدیدہ سے قیامت کا ثبوت

سائنس والے آسمانوں کے وجود اور اس کی گردش کو تو مانتے نہیں بلکہ ان کا وجود ہی موہوم سمجھا گیا ہے ہاں زمین کے متعلق بعد تجربات و مشاہدات کثیرہ یہ امر ظاہر کیا ہے کہ باعتبار سابق اب روز بروز زمین کی گردش میں فتور آگیا ہے چنانچہ ہر سال کے بعد ۲۲ ثانیہ تک بالکل حرکت معطل ہو جاتی ہے جب یہ حالت ہے تو بالآخر ایک دن زمین کا بالکل ٹھہر جانا بھی ماننا پڑا۔

علاوہ ازیں اہل سائنس یہ بھی کہتے ہیں کہ بالآخر زمین و آسمان ایک خشک ستارہ ہو جائے گا کیونکہ سمندروں کا پانی اب خشک ہو چلا ہے اور بحری سنگریزوں اور اجسام کے تکوں سے آٹھ سو قدم عمیق کی مقدار اب تک تمام سمندروں کا پانی خشک ہوا ہے سمندروں کا متوسط عمق ۱۶۰۰۰ قدم سے زیادہ نہیں پس اس حساب سے جس طرح چاند بالکل خشک ہو کر

رہ گیا ہے اسی طرح دو سو ملین برس کے بعد زمین بھی بالکل خشک ہو جاوے گی اور سمندروں میں پانی نام کو بھی نہیں رہے گا اور زمین آسمان کے بعض خشک ستاروں کے مشابہ ہو جائیگی آفتاب سے نکلی اور اسی میں جا ملیگی اور بالآخر آفتاب بھی فنا ہو جائے گا چنانچہ مسٹر ہالڈین صاحب پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی کی ایک پیشین گوئی ملاحظہ ہو۔

کرہ ارض کا انجام آپ لکھتے ہیں کہ یہ قانون قدرت ہے کہ عروج و کمال کے بعد زوال و فنا کا دور آئے اس قاعدہ کے مطابق ہمارے موجودہ سنہ کے حساب ۴ کروڑ میں ہمارا کرہ ارض زوال پذیر ہو جائے گا ۵ لاکھ سے لیکر ۸ لاکھ تک زمین کے انسان اور حیوان اوج کمال پر پہنچ جائینگے اس وقت اب سے دگنا دن ہوگا زمین کا ہر گوشہ آبادی سے لبالب ہو جائے گا اس مصیبت سے بچنے کے لئے انسان کسی دوسرے سیارے میں اڑ کر پہنچنے کی کوشش کرے گا، فن پرواز کی مدد سے کئی قافلے مریخ کی طرف اڑیں گے اور تباہ ہوں گے پھر لاکھوں سالوں کے بعد زمین کی گردش اپنے محور پر اور بھی سست پڑ جائے گی اور رات و دن ہمارے موجودہ شب و روز سے ۴۸ گنا زیادہ ہو جائینگے۔

۲½ کروڑ تک ایک اور مصیبت پیش آئیگی، یعنی چاند اور زمین کا فاصلہ کم ہوتے ہوتے اس قدر کم رہ جائے گا کہ دونوں کا ٹکراؤ یقینی نظر آنے لگے گا اس خطرہ سے بچنے کے لئے زمین کے باشندے پھر کسی سیارے میں بھاگنے کی کوشش کریں گے اور بالآخر برباد ہوں گے کچھ عرصہ کے بعد چاند زمین کے بالکل قریب آجائے گا زمین کی کشش سے چاند کی سطح میں بڑے بڑے غار پیدا ہو جائینگے اور ایسا معلوم ہوگا کہ چاند کے بڑے بڑے ٹکڑے اس سے جدا ہو کر زمین کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں آخر کار چاند زمین کے بہت ہی قریب آجائے گا اور زمین و آسمان کے درمیان حائل ہو جائے گا اس وقت آسمان کا اکثر حصہ انسان کی نظروں سے چھپ جائے گا چاند کے اس قدر ٹکڑے ٹوٹیں گے کہ فضا میں ہر وقت ایک سنہری جال تنا ہوا نظر آئے گا اس ہولناک منظر سے انسانوں کے دل دہل جائینگے اور ایک خوفناک حالت پیدا ہو جائے گی انسان ادھر ادھر دیوانہ وار دوڑنے لگیں گے مریخ اور زہرہ کے باشندوں سے مدد مانگیں گے اسی حال میں یکایک کرہ قمر کے دہانوں اور غاروں سے شعلے اور پگھلا ہوا مادہ برسنے لگے گا اور آگ کی موجیں ایک پر شور سیلاب کی طرح زمین کی طرف بڑھیں گی: چار دن کے اندر اندر پورا چاند تنور کی طرح بھڑک اٹھے گا اور زمین پر آگ کی بارش شروع ہو جائیگی اہل زمین

اس آسمانی بلا سے بچنے کے لئے غاروں اور تہ خانوں میں پناہ لیں گے، مگر قطب شمالی کے چند انسانوں کے سوا سب کے سب جل بھن جائینگے کچھ عرصہ بعد ایک ہولناک آواز سے کرۂ قمر پھٹ جائے گا اور گرم وسیال مادے کی ایک قیامت زمین پر ٹوٹ پڑے گی ساری مخلوق اس کے نیچے دفن ہو جائے گی، اس کے بعد آگ اور مادے کا یہ طوفان عظیم بحر او قیانوس کا رخ کرے گا تمام سمندر آگ سے پٹ جائینگے اور بری و بحری مخلوق ایک ان کی آن میں جل بھن کر تباہ و برباد ہو جائینگی"۔

سائنس کے نقشۂ قیامت کو سامنے رکھکر فرمایئے کیا اب بھی کوئی انسان قرآن کے نقشۂ قیامت کا انکار کر سکتا ہے (معارف)

مسئلہ شفاعت

شفع عربی میں جفت کہتے ہیں جو طاق کے مقابل میں ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب ایک ناقص انسان ایک پاک فطرت اور کامل انسان سے تعلق قائم کرتا ہے تو وہ گویا اس کا جزو ہو جاتا ہے اور اس کے انوار میں حصہ لیتا ہے قاعدہ ہے کہ جب کوئی تاریک چیز روشن چیز کے مقابل پر آتی ہے تو اس کی تاریکی روشنی کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ اسی طرح جب ایک تاریک فطرت روشن فطرت کے مقابل آتی ہے تو بوجہ اس کے محاذات کے روشن ہو جاتی ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یعنی خدائے قدوس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کرسکتا قرآن کریم کی رو سے شفاعت کے معنے یہ ہیں کہ ایک شخص اپنے بھائی کے لئے دعا کرے کہ اس کا مطلب حاصل ہو جائے یا اس کی بلا ٹل جائے جو شخص باری تعالےٰ کے حضور میں زیادہ مقرب اور جھکا ہوا ہے اسی کو یہ مرتبہ حاصل ہوگا۔ گویا شفاعت ایک قسم کی ہمدردی ہے۔

شفاعت دراصل سفارش کو کہتے ہیں سو دنیا میں حاکم اپنے کسی ماتحت کی سفارش کسی کے حق میں اس وقت قبول کرتے ہیں جبکہ ان پر اعتبار ہو اور وہ خاص عزو جاہ رکھتے ہوں تو جب انبیاء علیہم السلام سراپا اطاعت اور مقربان بارگاہ الٰہی ہیں ان کو یہ اختیار حاصل نہ ہوگا کہ وہ ایماندروں کے خیرخواہ ہوں اور ان کے لئے دعا کریں کیوں نہیں ان کو یہ اختیار حاصل ہے۔ مگر ان کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنے اختیار سے جسکو چاہیں بخشدیں اور جسے چاہیں عذاب دینے لگیں اسی لئے

اذن الٰہی کے بغیر خدا کی بارگاہ میں وہ زبان نہیں ہلا سکتے۔

دنیا میں حاکموں سے سفارش کئی طرح پر ہوتی ہے ایک یہ کہ کوئی شخص بادشاہ کے حضور میں مجرم ثابت ہوا اور کوئی امیر و وزیر اپنی سفارش سے اس کو بچا لوے اور حالت یہ پیش آئے کہ بادشاہ کا جی تو اس مجرم کو چھوڑنا نہیں چاہتا مگر امیر سے دب کر یا کوئی مصلحت حکومت سمجھکر چار و ناچار اس کی تقصیر معاف کر دے۔ اس قسم کی سفارش اللہ تعالےٰ کے یہاں ہرگز ہرگز مقبول نہیں جو کوئی کسی نبی، ولی، امام، شہید، فرشتے اور پیر کو ان معنوں میں شفیع سمجھے وہ مشرک اور جاہل ہے

دوسری صورت یہ ہے کہ بادشاہ اپنے کسی مقرب کی محبت سے مجبور ہو کر اس کی تقصیر معاف کر دے اور اپنا غصہ پی جائے ان معنوں میں بھی کسی کو اپنا شفیع سمجھنا شرک اور جہل ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جرم ثابت ہو گیا مگر وہ مجرم ہمیشہ کا مجرم نہیں نہ جرم اس کا پیشہ ہے اور نہ وہ جرم پر دلیر ہے مگر نفس کی شامت اور یا بھول سے کوئی قصور ہو گیا اس پر وہ شرمندہ اور نادم ہے دن رات ڈرتا ہے پچھتاتا ہے بادشاہ کے آئین کو سر آنکھوں پر رکھتا ہے اپنے کو تقصیروار اور گناہگار سمجھتا ہے اور سزا کے لائق جانتا ہے اور کسی امیر وزیر اور مقرب کی حمایت یا سفارش نہیں ڈھونڈھتا۔ بادشاہ کے حکم کے حوالے اپنے آپ کو کر دیتا ہے یہ ذلت و مسکنت عاجزی اور شرمندگی دیکھکر بادشاہ کو اس پر ترس آتا ہے مگر آئین بادشاہت بے سبب درگذر کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اب کوئی امیر وزیر بادشاہ کی مرضی پاکر عفو و درگذر کی سفارش کر دیتا ہے اور بادشاہ اس کی عزت بڑھانے کو سفارش کے نام پر اس کی تقصیر معاف کر دیتا ہے اس امیر نے مجرم کی سفارش اس لئے نہیں کی کہ وہ بادشاہ کا قرابتدار معشوق یا آشنا اور عزیز ہے یا مجرم کا حمایتی بنکر سفارش نہیں کی اور نہ ہی بادشاہ نے اس کو یہ منصب دیا کہ وہ مجرموں کی سفارش کرکے چوروں ڈاکوؤں اور نافرمانیوں کو نافرمانی پر دلیر کرتا رہے بلکہ محض بادشاہ کی مرضی پاکر سفارش کر دی یہ سفارش خود بادشاہ کی مردانگی سے ہوئی۔ سو اللہ تعالےٰ کی جناب میں اس قسم کی سفارش قبول ہوگی۔ جس نبی ولی کی شفاعت قرآن کریم و احادیث نبویہ میں ذکر ہے اس کے معنے یہی ہیں اور اسی کو شفاعت بالاذن کہا جاتا ہے۔

مگر ساتھ ہی قرآن و احادیث نے بالصراحت تاکید کے ساتھ یہ بھی بتلادیا ہے کہ خدا غفور رحیم ہے اپنے بندوں کی سب مشکلیں اپنے ہی فضل و کرم سے آسان کریگا سب گناہ اپنی ہی رحمت سے بخشے گا اور جسکو چاہے گا اپنے حکم سے شفیع بنادیگا لہٰذا اپنی ہر حاجت خدا تعالیٰ ہی کو سونپنی چاہیئے

کو خلفا کرنا منظور تھا اگر اللہ تعالےٰ اس ترتیب کو پسند نہ کرتا تو یہ ترتیب کبھی وقوع میں نہ آتی اور وفات نبویؐ کے بعد دین الٰہی کا نظام استحکام نہ پاتا۔

اہل تشیعہ کا گمان فاسد ہے کہ اصحاب ثلثہ (ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم) غاصب اور ظالم تھے اور ان کا یہ گمان اسلام کی بیخکنی کے مترادف ہے اور گویا قادر مطلق خدائے قدوس کے ارادہ اور مشیت پر اعتراض کرنا ہے۔

اہل تشیعہ کی عقل و سمجھ پر تعجب آتا ہے کہ وہ اصحاب ثلثہ پر زبان طعن دراز کر کے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور تزکیہ و تربیت کو جھٹلاتے ہیں اور ایک معمولی بات کو نہیں سمجھ سکتے تمام مورخین اور اہل تشیعہ اقرار کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ بالغ مردوں میں اول المسلمین ہیں کثرت اعدار کے دنوں میں ایمان لائے شدت ابتلا و تکالیف کے وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفیق رہے قدرت خداوندی نے ہجرت کی مصیبت اور رفاقت کے لئے آپ کو چنا اور آپ باصدق و وفا آپ کے ہمراہ رہے اپنے جانداد و اموال خویش و اقارب اور وطن کو ترک کیا غزوات میں شریک ہوئے کفار سے لڑے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح امداد کی ساری عمر جاں سپارانہ عقیدت سے پیش آئے اور حبیب خدا صلعم سے زندگی و موت میں جدا نہ ہوئے تبلایئے ایسی حالت میں کون عقل کا اندھا انسان کہہ سکتا ہو کہ یہ نعوذ باللہ منافق تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو حضور علیہ السلام کی جو رفاقت اور فضیلت و عظمت میسر آئی وہ صحابہ کبار میں سے کسی کو بھی نصیب نہ ہوئی یعنی دونوں حضرات کو بعد وفات کے بھی حبیبؐ خدا کے جوار میں جگہ ملی اور حضورؐ کے پہلوؤں میں دفن ہوئے حضورؐ کی قبر مبارک بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یہ امام المتقین کیسے پاک فطرت ہیں جن کو حضورؐ کی ہمسائیگی ملی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے اپنے پیارے حبیب محمدؐ رسول اللہ صلعم کو دو منافقوں، غاصبوں اور خائنوں کے درمیان دفن کیا۔ خبیث و طیب میں تمیز نہ کی کھوٹے کو کھرے سے الگ نہ کیا۔ ناپاکوں کو پاکوں سے الگ نہ کیا اشرار سے نہ دنیا میں نجات بخشی اور نہ آخرت میں اور کفر و ایمان کو ایک کر دیا۔ ایسا عقیدہ تو وہی رکھ سکتا ہے جس کی بصارت و بصیرت اچک لی گئی ہو۔ عقل و شعور کا مادہ سلب کر لیا گیا جو خدا کی قدرت و حکمت کا منکر ہو اور جس کی راہ شیطان نے ماردی ہو۔

اپنے اور غیر سب جانتے ہیں کہ جتنی ترقی اسلام کی عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں ہوئی اس کا دسواں حصہ بھی ان کے بعد ترقی نصیب نہ ہوئی ان دونوں افضل ترین بزرگوں کے ہاتھوں نظام ملت کا شیرازہ بندھا اسلام کا پرچم جہاں کشائی قیاصرہ واکاسرہ کی فلک بوس عمارتوں پر لہرایا۔ کفار اشرار خائب و خاسر ہوئے کفر و طغیان کی سرکشی کا خاتمہ ہوا ظلم و استبداد کی قوتیں زیر و زبر ہوئیں مرتدین اور منافقین کی سرکوبی ہوئی اسلامی تعلیم کا منبع وماخذ قرآن کریم مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور دین اسلام کی اساسی بنیادیں مستحکم ہوئیں کیا کوئی گمان کر سکتا ہے کہ اسلام کی تمام خیر و برکات اور شوکت و قوت دشمنوں کے ہاتھ ظاہر ہوئی اور اسلام کی ترویج و اشاعت کی اینٹ منافقوں اور غاصبوں کے ہاتھوں رکھی گئی۔

اصحاب ثلثہ کو غاصب اور منافق سمجھنے والو! سنو! اور غور سے سنو! کہ جن لوگوں کو حیات و ممات میں معیت رسول حاصل ہوئی جنہوں نے اپنے وطن، اصحاب، اموال، املاک اور اسباب محض خدا و رسول کی رضامندی کے لئے چھوڑ دیئے کفار کی طرف سے اسلام کی وجہ سے سخت سے سخت ایذائیں برداشت کیں شریروں کے ہاتھوں گھروں سے نکالے گئے جلا وطن کئے گئے مگر ابرار کی طرح صبر و شکر سے کام لیا خلافت حاصل کر کے اپنے گھروں میں سونا چاندی کا انبار نہ لگایا اپنے بیٹوں بیٹیوں کو امارت و ریاست کا حقدار نہ ٹھیرایا ان کو مسند خلافت پر نہ بٹھایا عیش و عشرت کی طرف مائل نہ ہوئے امراء و روساء کی طرح امیرانہ ٹھاٹ قائم نہ کیا بلکہ ساری عمر فقر و فاقہ سے گذری اور اپنا ذاتی مال راہ خدا میں لگایا اگر ایسے پاکیزہ نفوس دنیا پرست غاصب اور منافق تھے تو تم دنیا میں ایک مسلمان بھی ثابت نہیں کر سکتے اور ان کے مقابلہ میں ایک بھی خدا پرست مومن نہیں پیش کیا جا سکتا یہ غاصب اور منافق تو تمہارے تمام اماموں سے بہتر ہیں یہ باتیں اپنے اماموں میں تو دکھاؤ محض باتوں اور زبانی دعووں سے کچھ نہیں بنتا۔

ذرا سوچو! اور غور کرو! کہ تمہاری پوزیشن کیسی خطرناک اور تمہاری ذہنیت کتنی پست ہے کہ تمہارے گمان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور تاثیرات نبوی ۲۳ سال کے عرصہ میں اپنے ساتھیوں کو پاک و طاہر نہ کر سکی اور صرف ایک ہی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کامل مومن تیار ہوا۔ یاد رکھو مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں تم یہ تو ثابت کر سکتے ہو کہ آفتاب تاریک ہے نور ظلمت ہے حق باطل ہے اور سفید سیاہ ہے مگر یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ اصحاب ثلثہ غاصب اور منافق تھے۔

ترتیب خلافت صحابہ کی حکمت خلافت راشدہ میں جس طرح ترتیب

وقوع میں آئی وہی حق ہے اور قرآن مجید سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اس ترتیب میں ایک قابل غور نکتہ جسے ابوطالب مکی رحمتہ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں :-

نبوت کی تاکید اور رسالت کی تائید کے لئے فضیلت اور خلافت میں ترتیب قیاس و معقول کے خلاف واقع ہوئی ہے تاکہ نبوت کا التباس ملک کے ساتھ نہ ہو جائے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خلافت میں اس طریق کو اختیار نہ کریں جو اکاسرہ و قیاصرہ نے مملکت میں اختیار کیا، چونکہ نبوت ملک کے مخالف ہے اس لئے خلافت بادشاہوں کے طریق پر نہ ہوئی جو اپنے بیٹوں اور اپنے گھر والوں کو اپنا جانشین بناتے ہیں اگر معقول قیاس کو فضیلت میں دخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے بیٹے حسن نبوت کے سبب اور آپ کے چچا عباس الوت کے سبب سب لوگوں سے افضل ہوتے حالانکہ اس کے خلاف پر اجماع ہے (قوت القلوب صفحہ ۴۴۱)

یہ جو شیعہ لوگ مشہور کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ وصی تھے یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خلافت کی وصیت کر گئے تھے حضرت علیؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے مستحق تھے یہ تمام باتیں غلط اور منافی اسلام ہیں خلفاء اربعہ کی ترتیب و فضیلت اور ترتیب وار خلافت پر اولاً آیات پھر احادیث کافی و وافی دلائل ہیں اور پھر اس پر اجماع صحابہ اور خود حضرت علیؓ کا اتفاق و رضا مندی بھی حجت قاطع ہے اور یہی خدا تعالےٰ کی خواہش تھی اگر خدا تعالےٰ کی مرضی نہ ہوتی تو خلافت کے تمام واقعات اس طرح ہرگز ظہور میں نہ آتے۔ ہاں اگر نعوذ باللہ خدا تعالےٰ بھی اصحاب ثلثہ کے رعب میں آگیا ہو اور تقیہ کر لیا ہو تو یہ دوسری بات ہے۔

علاوہ ازیں عقلاً بھی یہی ترتیب صحیح ہے اور یہی ثابت ہوتا ہے کہ جس طور سے خلافت ثابت ہوئی ہے وہی انتظام درست ہے کیونکہ خلافت اور سیاست و حکومت کے لئے زیادہ تر وہی شخص مستحق ہوتا ہے جو رعایا کے انتظام میں ذرک رکھتا ہو خبردار اور مدبر ہو اور رعیت پر اس کا رعب غالب ہو سو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں رعایا پر ان کا رعب و داب رہا رعایا میں امن رہا۔ باغیوں اور سرکشوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملا جدید ملک مفتوح ہونے لگے اور دن بدن اسلام کو ترقی ہوئی۔ فتنے اور فساد حضرت عثمانؓ سے شروع ہوئے اور حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں تو خوب ہی چمکے اگر حضرت علیؓ پہلے خلیفہ ہوتے یا حضرت عثمانؓ ہوتے تو جو جو اختلافات اور جھگڑے ان کے عہد میں ہوئے وہ اسلام میں پہلے ہی شروع ہو جاتے اور اسلام کی ترقی وہیں بند ہو جاتی اور اسلام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا

خلافت میں انتشار کی حقیقت

آفتاب اسلام کا طلوع ایک ایسی عام تاریکی کے زمانہ میں ہوا تھا جو نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا پر چھائی ہوئی تھی اور اسلام نے اپنے نشوونما کی بنیاد ایک ایسے ملک اور قوم میں رکھی جس کو دنیا کی کوئی قوت مسخر نہ کرسکتی تھی جن کی جبلی حریت پسندی کو دنیا جہان کی طاقتیں نہ کچل سکتی تھیں اور جو کسی شخص کی مطلق العنانی کی یک سر مو تاب نہ لا سکتے تھے مگر اسلام نے اپنے سیدھے سادے قانون قدرت انسانی فطرت عقل و فہم کے موافق اصولوں۔ توحید الٰہی، وحدت قومی اخوت ایمانی۔ اتحاد ملل اور حریت و مساوات سے اپنا سچا حلقہ بگوش بنا لیا اور یہ اسلام کی قوت تسخیر اس وقت اور بھی قوی ہوگئی جبکہ اسلام نے اپنی حریت پسندی اور مساوات پرستی سے بعد وفات رسول خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضؓ کا عوام الناس کے انتخاب اور مرضی سے انتخاب کیا اور پھر وہ اپنی قوم کے سامنے اپنے تمام افعال کے جواب دہ ہوئے تو اس قوم کی اسلام سے گرویدگی حد سے زیادہ بڑھ گئی اور حریت و مساوات پسندی کے جذبات دل و دماغ میں گھر کر گئے۔

بلاشبہ تئیس سالہ عہد نبوی اور تیرہ سالہ خلافت شیخین کے عہد کی چھتیس ۳۶ سالہ شیرازہ بندی اور جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کا اقبال ہر آن عروج کی طرف ترقی کرتا رہا مگر حضرت عثمان کے عہد خلافت میں جبکہ نیم عرب، نومسلم یہود اور عیسائی اور دیگر عجمی لوگ جو آگے چل کر اسلام میں فتنوں کے بانی اور مذہب تشیع کے علمبردار ہوئے، جو نسلی، وطنی جذبات لئے ہوئے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور جن کے دل و دماغ پر اسلامی تعلیم نے پوری طرح اثر نہیں جمایا تھا ان دلدادگان سیاست کو جب اسلام کی اندرونی سیاست میں دخل دینے کا موقعہ ملا تو انہوں نے حصول تفوق اور عز و جاہ کے لئے مذہب کو آلہ کار بنا لیا اسلام کی متحدہ اور مضبوط عمارت پر پولیٹکل تشتت کی گولہ باری شروع کر دی اور اسلام نے جس شخصیت پرستی اور عصبیت قومی کو بیخ و بن سے اکھاڑا تھا اسی کی داغ بیل ڈالنی شروع کر دی جن کے نتائج یہ پیدا ہوئے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی جنگ جمل اور جنگ صفین کے نامراد واقعات ظہور پذیر ہوئے حضرت معاویہ رضؓ مرکزی خلافت سے علیحدہ ہوگئے اور اپنی امارت کی علیحدہ بنیاد ڈالدی۔ حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی حضرت حسنؓ خلع خلافت پر مجبور ہوئے اور پھر ان کو زہر دیا گیا حضرت عبداللہ بن زبیر کو علیحدہ خلافت کا دعویٰ کرنا پڑا اور پھر سولی پر لٹکے اور پھر واقعہ کربلا رونما ہوا یہ تمام فتنے انھیں عجمی لوگوں کے

پیدا کیے ہوئے تھے جو حریت و مساوات اور جمہوریت سے ناآشنا تھے اور اسلام کو شخصیت پرستی کی کیچڑ میں دھسانا چاہتے تھے خلافت شیخین ٹھیک الٰہی جمہوری خلافت تھی جس کی اساس بنیاد حریت و مساوات اور جمہوریت پر قائم تھی مگر نیم عرب اور عجمی مسلمان (شیعہ) منصب خلافت کو پرانی لعنت یعنی فرقہ پرستی، شہنشاہیت، عصبیت قومی اور استبداد کا آلہ کار بنانا چاہتے تھے مگر خدا کو منظور نہ تھا منصب خلافت شخصیت پرستی کا آلہ کار بنے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اسلام کے قوائے فکری پر اندرونی خلفشار اور سیاسی انتشار کوئی اثر نہ ڈال سکا۔

ان حقائق کی موجودگی میں ناظرین بآسانی اس حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں کہ اسلام میں شیعہ و سنی اختلافات کی بنیاد عجمی مسلمانوں کے ہاتھ پڑی مذہب تشیع خالص سیاسی ضروریات نے پیدا کیا جس کو مذہبی اختلافات سے دور کی بھی نسبت نہ تھی مگر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اور تاریخی حقائق پر پردہ پڑتا گیا علمائے تشیع شخصیت پرستی، عصبیت قومی، حصول تفوق اور سیاسی واقعات کو مذہبی جامہ پہناتے گئے حالانکہ صحابہؓ کے آپس کے اختلافات کو مذہب سے کوئی تعلق ہی نہیں اور نہ ہمیں یہ اختیار ہے کہ ہم ان کے معاملات سیاست میں حکم بنیں یہاں سے آپ شیعہ و سنی اختلافات کی اصلیت کا پتہ لگا سکتے ہیں ہم اپنی طرف سے کوئی مزید حاشیہ آرائی کرنا نہیں چاہتے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ صحابہ انبیا کی طرح گناہوں سے معصوم تھے ان کو حصول خلافت کی تمنا نہ تھی انھوں نے کوئی غلطی یا کسی پر کوئی دانستہ یا نادانستہ ظلم نہیں کیا ان سے کوئی بے احتیاطی نہیں ہوئی اور ان میں آپس کے جھگڑے تنازعے نہیں ہوئے اور حصول خلافت کے معاملات میں بے احتیاطیاں نہیں ہوئیں۔ ہوئیں اور ضرور ہوئیں مگر سب کچھ اسلام کے لئے للہیت اور خلوص کے رنگ میں نہ کہ دنیا طلبی اور حصول عز و جاہ کی وجہ سے غرض صحابہ میں جھگڑے بھی ہوئے اور آپس میں خلفشار بھی رہا مگر صحابہؓ کے جھگڑوں کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں اور پھر ان کی نسبت خود خدا تعالیٰ نے فیصلہ فرما کر سب کے سینوں سے غل غش نکالدیا اور سب کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا چنانچہ ارشاد ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ	جو غیض و غضب صحابہ کے سینوں میں
إِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ	ایک دوسرے کی نسبت پیدا ہو گیا تھا وہ ہم

نے اُن کے سینوں سے نکال دیا ہے اب وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور آمنے سامنے تختوں پر تکیئے لگائے بیٹھے ہیں۔

یہ آیت صحابہؓ کی دارینی زندگی اور فائز المرامی کے متعلق پیشین گوئی اور پختہ فیصلہ ہے
کوئی انسان جو اس فیصلہ خداوندی کو توڑ کر کسی صحابی پر زبان طعن دراز کرے اگر کوئی اس فیصلہ
خداوندی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صحابہؓ کے جھگڑوں کا حکم بنتا ہے اور اپنی ڈھٹائی سے باز
نہیں آتا تو اسے مسلمانوں سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیئے اسے جہنم کا کندہ بننے دو اور
تمام صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوارح اور اعضا سمجھو خصوصًا خلفائے اربعہ کو جو اسلام
کا دل و دماغ اور ہدایت و سعادت کے روشن چراغ تھے۔

سوال۔ اب مسئلہ امامت بھی بتلا دیجیے۔

جواب۔ مسلمانوں کو اپنے دینی اور سیاسی انتظام کے لئے ضروری ہے کہ ان کے لئے ایک امام
ہو جو ان کے نزاع اور جھگڑوں کو ہٹائے اور احکام و حدود جاری کرے۔ سرحدوں کا انتظام کرے
لشکروں کو درست کرے صدقات اور زکوٰۃ کا مال جمع کرے باغیوں اور فسادیوں پر غلبہ پا دے چوروں
اور رہزنوں کا انتظام کرے جمعہ و عیدین کو قائم کرے۔ بیوہ عورتوں اور یتیموں کی نگرانی کرے اور
تربیت و پرورش کرنے کا سامان کرے۔ مال غنیمت کی تقسیم کرے اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے وسائل
و ذرائع سوچے۔ غرض تمام دینی و دنیاوی کاروبار کو چلا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی بھی اطاعت کرو۔

"اولی الامر منکم" میں امرا خلفاء اور آئمہ دین کی طرف اشارہ ہے۔ نیز مسلم میں ابوہریرۃؓ سے
مروی ہے۔

"جو شخص امام شرعی کی اطاعت سے باہر ہو جائے اور جماعت سے علیحدہ اور وہ اسی حالت میں مر جائے
تو اس کی موت زمانہ جاہلیت کی سی موت ہوگی۔"

قرآن مجید کی کثرت سے آیتیں اور احادیث کی بیشمار روایتیں ہیں جن سے امام اور امیر کے
قیام کی ضرورت واضح ہوتی ہے مگر ہم ایک آیت اور ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں۔

اگر مسلمانوں کا امیر نہ ہو تو ان کی قومیت جسد بے روح ہے قرآن کا علم و عمل دشوار ہے
اور دنیا میں عبدیت۔ محبت اور حکومت الٰہی کا دور دورہ محال ہے آج جو مسلمان پست حال
اور روبہ انحطاط ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنا کوئی امام شرعی نہیں رکھتے ہیں
امامت کی دو قسمیں ہیں ایک صغریٰ جو نمازوں کی تکمیل کے لئے ہوتی ہے اور دوسری امامت کبریٰ

جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں اس امام کے لئے شرط ہے کہ وہ مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ، قادر الجذبات مدبر امور دینی و سیاسی، بارعب وداب اور قریشی النسب ہو۔ امام کا محض مستحق امامت ہونا امامت کے لئے کافی نہیں بلکہ لازمی شرط یہ ہے کہ وہ قوم کے مشورے اور انتخاب سے امام بنایا گیا ہو۔ ایسے امام کی اطاعت مطلقاً ہر مسلمان پر فرض ہے بشرطیکہ اس کا حکم خلاف شریعت نہ ہو۔

دعا اور اسکی حقیقت

خالق القدر والقویٰ نے جذب منفعت و دفع مضرت اور حصول صحت کے کچھ اسباب مقرر کر رکھے ہیں اور ادویات کا ایک کافی ذخیرہ زمین میں رکھدیا ہے جن کے اثر میں کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا اور علم طب کی ضرورت و مفید ہونے میں کوئی تردد نہیں رہ سکتا اسی طرح خالق حقیقی اور قدرت فیاضنہ نے دعاؤں میں بھی ایک اثر رکھا ہے جب ایک بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدائے قدوس کی طرف کامل یقین کامل امید، کامل محبت کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور اس کی روح آستانہ الٰہی پر سر رکھدیتی ہے تو وہ قوت جذب جو خالق السموات والارض نے اسکے اندر رکھی ہے وہ خدا تعالےٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر اللہ جل شانہ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈال دیتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔

دُعا کی فضیلت

دعا کی فضیلت میں بہت سی آیات اور احادیث آئی ہیں جن کا بیان کرنا موجب طوالت ہے صرف چند آیات واحادیث کو بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ

اور جب میرے بندے تجھ سے مجھکو پوچھیں تو میں قریب ہوں جب پکارنیوالا پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کو پہنچتا ہوں تو چاہیئے کہ میرا حکم مانیں۔

(۲) اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط

اپنے رب کو تضرع واخفار کے ساتھ پکارو

(۳) اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ

تم مجھے پکارو میں قبول کرتا ہوں۔

نعمان بن بشیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

انہ قال ان الدعاء عبادۃ ثم قرأ ادعونی استجب لکم

دعا کرنا عبادت ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی "ادعونی استجب لکم"

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الدعاء مخ العبادۃ کہ دعا عبادت کا مغز ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیس شئ اکرم علی اللہ عزوجل من الدعاء اللہ کے نزدیک دعا سے بڑھکر کوئی اکرم چیز نہیں

حضرت امام فخرالدین رازی آیات و احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں والآیات کثیرۃ فی ھذا الباب فمن ابطل الدعاء فقد انکر القرآن اس باب میں بہت کثرت کے ساتھ آیات ہیں جو دعا کو باطل کہتا ہے اور بے فائدہ بتلاتا ہے وہ یقیناً قرآن کا انکار کرتا ہے۔

آداب دعاء دس ہیں۔ اوّل۔ ان یترصد الدعوۃ الاوقات الشریفۃ دعا کے لئے اوقات شریفہ کا منتظر رہے۔ مثلاً یوم عرفہ کا سال میں رمضان میں۔ ہفتہ میں یوم جمعہ اور ساعات میں وقت سحر۔ یہ اوقات استجابت دعا میں مؤثر ہیں۔

(۲) ان یغتنم الاحوال الشریفۃ۔ احوال شریفہ کو غنیمت جانے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ جس وقت مجاہدین خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اس وقت آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں یعنی دعا قبول ہوتی ہے نیز نزول بارش۔ اقامۃ صلوٰۃ کے وقت بھی دعا قبول ہوتی ہے مجاہد کہتے ہیں ان الصلوٰۃ جعلت فی خیر الساعات فعلیکم بالدعاء خلف الصلوٰۃ کہ نماز بہترین ساعات میں رکھی گئی ہے۔ بس ہر نماز کے بعد دعا کیا کرو۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الدعاء بین الاذان والاقامۃ لا یرد اذان اور اقامۃ کے بیچ کی دعا رد نہیں کی جاتی ایضاً الصائم لا ترد دعوتہ روزہ دار کی دعا بھی رد نہیں کی جاتی۔ درحقیقت اوقات شریف اور حالات شریف کا ایک ہی مطلب ہے۔

حضرت ابوھریرہ رض نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اقرب ما یکون العبد من ربہ عزوجل وھو ساجد فاکثروا فیہ الدعاء سجدہ کرنے والا سجدہ کی حالت میں سب سے زیادہ اللہ تعالےٰ کے قریب ہوتا ہے بس سجدہ کی حالت میں کثرت کے ساتھ دعا کیا کرو۔

(۳) ان یدعو مستقبل القبلۃ قبلہ روبہ کر دعا کرے ورفع یدیہ بحیث یری بیاض ابطیہ اور دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھا کہ دونوں بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگے۔
سلمانؓ حضور صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ذوحیاء اور کریم ہے جب اس کا بندہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ پاک حیا کرتا ہے کہ ان کو خالی واپس کردے۔
(۴) خفض الصوت بین المخافتہ والجھر اپنی آواز کو نہ زیادہ بلند کرے اور نہ زیادہ خفی کرے بلکہ جہر و خفا کے درمیان رکھے۔
(۵) ان لایتکلف السجع فی الدعاء دعا مقفیٰ کلام میں نہ کرے کیونکہ دعا کرنے والے کو عاجزی کرنے والا ہونا چاہیئے اور تضرع کے لئے تکلف مناسب نہیں۔
(۶) التضرع والخشوع والرغبۃ والرھبۃ دعا میں عاجزی، فروتنی، رغبت اور خوف اختیار کرے۔
(۷) ان یجزم الدعاء ویوقن بالاجابۃ ویصدق رجاءہ۔ قطعیت کے ساتھ دعا کرے قبولیت کا کامل یقین رکھے اور اس کی امید رکھنے کی تصدیق کرے حضور صلعم فرماتے ہیں لایقل احدکم اذا دعا اللھم اغفرلی ان شئت ولٰکن یجزم فیقول اللھم اغفرلی جب تم میں سے کوئی دعا کیا کرے تو یوں نہ کہے کہ اے اللہ مجھے بخشدے اگر تو چاہے بلکہ جزم و یقین کے ساتھ یوں کہے کہ اے اللہ مجھے بخشدے۔
(۸) ان یلح فی الدعاء ویکررہ ثلاثا دعا میں مبالغہ اور الحاح وزاری کرے اور الفاظ کو تین تین مرتبہ دہرائے۔
(۹) ان یفتتح الدعاء بذکر اللہ عزوجل فلا یبدأ بالسوال دعا کا افتتاح خدا تعالیٰ کی تعریف و توصیف اور تحمید و تقدیس سے کرے شروع ہی میں سوال نہ کرنے لگے۔
(۱۰) وھو الادب الباطن وھو الاصل فی الاجابۃ التوبۃ ادب باطن کو ملحوظ رکھے جو اجابت دعا کی اصل ہے اور وہ توبہ ہے (احیاء العلوم جلد اصفحہ ۱۷۱)

آثار قبولیت دُعا

دُعا جب قبول ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالےٰ بندہ کے دل میں ایک سچا جوش اور اضطراب پیدا کر دیتا ہے اور بسا اوقات اللہ تعالےٰ خود ہی ایک دعا سکھاتا ہے اور الہامی طور پر اس کا پیرایہ بتا دیتا ہے خدا تعالےٰ اپنے راست باز بندوں کو قبول ہونے والی دعائیں خود الہاماً سکھا دیتا ہے وہ دعا جو معرفت

کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے وہ فناکر نے والی چیز ہے وہ گداز کرنے والی آگ ہے وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے وہ موت ہے پھر آخر کو زندہ کرتی ہے وہ ایک تند سیل ہے پھر آخر کو کشتی بنجاتی ہے ہر ایک بگڑی ہوئی بات اس سے بنجاتی ہے اور ہر ایک زہر آخر اُس سے تریاق ہو جاتا ہے (اسرار شریعت جلد سوئم)

مذکورہ تفصیلات سے نہ صرف دعا کی ضرورت، فضیلت ظاہر ہوئی بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مغرور اور سرکش بندے دعا نہیں کرتے اور اس کے فوائد کے قائل نہیں ان پر اللہ تعالےٰ اپنا غصہ ظاہر کرتا ہے اور ان کا شمار اس کے نافرمان اور ناشکر گزار بندوں میں ہوتا ہے۔

چنانچہ اللہ پاک فرماتے ہیں:۔

فَلَوْلَا اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ

جب اُن کے پاس ہماری طرف سے کوئی ابتلا اور برائی ان کو پہنچی تو کیوں نہ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں تضرع وزاری کی لیکن ان کے قلب سخت ہو گئے۔

اس سے دعا نہ کرنے والوں کے لئے سخت وعید نکلتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ دعا نہ کرنا خلاف ادب سرکشی اور مغروری ہے۔

سوال دیکھا جاتا ہے کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں اور ان کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا حالانکہ ادعونی استجب لکم سے دعا کا ہر حال میں قبول ہونا معلوم ہوتا ہے۔

جواب۔ دعا کسی حالت میں بھی بیکار۔ اور خطا نہیں جاتی بلکہ ہر حال میں نافع رہتی ہے ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ دعا کا نتیجہ اور اثر کسی دوسرے پیرایہ میں انسان کو پہنچایا جاتا ہے اور انسان کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ کس چیز کا اثر اور نتیجہ ہے۔ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس میں ایک وقت تک اللہ تعالےٰ توقف اور تاخیر ڈال دیتا ہے اور اگر یہ بھی قضا الٰہی کے خلاف ہوتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں دعا کا ثواب لکھدیا جاتا ہے بہرحال فائدہ ہی فائدہ ہے دعا کے خطا جانے کا اکثر سبب یہ ہوتا ہے کہ عموماً لوگ دعا کے شرائط وآداب سے واقف نہیں ہوتے اور محض دعا پر توکل کرکے اسباب کو چھوڑ دیتے ہیں اور یا کسی محال چیز کا سوال کرتے ہیں پس بعض وقت دعا کا اثر معلوم نہ ہونے کی وجہ سے دعا کو بے فائدہ بتلانا سخت حماقت اور جہالت ہے۔

ایک اعتراض دعا کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر مطلوب بالدعا اللہ تعالےٰ کے نزدیک معلوم الوقوع ہے تو وہ اس پر واجب الوقوع ہو یعنی وہ لامحالہ ہوکر رہیگا

پس دعا کی کیا حاجت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر معلوم الوقوع ہے تو یہ خدا تعالیٰ پر ممتنع الوقوع ہے یعنی کسی صورت میں نہ ہوگا اس صورت میں بھی دعا کرنا بے فائدہ ہے جو قضا وقدر کے خلاف ہی معلوم ہوتا ہے۔

سو جاننا چاہیئے کہ قضاء الٰہی دو قسم کی ہوتی ہے ایک کا نام معلق ہے اور دوسری کا مبرم۔ معلق وہ ہے جو اسباب وذرائع کے ساتھ علم الٰہی میں معلق ہوتی ہے یعنی اگر استجابت دعا کے اسباب طبیعیہ فراہم ہو جاتے ہیں تو مطلوب حاصل ہو جاتا ہے ورنہ نہیں اور مبرم وہ جو کسی حال میں نہیں ٹلتی مگر چونکہ ان دونوں کا علم خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نہیں دیا اس لئے ان کو دعا کا حکم فرمایا قضا معلق کو تو دعا اور صدقات ٹلا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو بدل دیتا ہے اور مبرم ہونے کی صورت میں دعا اور صدقات کچھ فائدہ نہیں پہنچاتے مگر بیکار بھی نہیں جاتے جیسا کہ پچھلے بیان سے ظاہر ہوا ہوگا قضا الٰہی کی یہ دونوں قسمیں قرآن کریم سے ثابت ہیں مگر ان الفاظ کے ساتھ نہیں۔

حضرت امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں کہ "دعا سے مقصود اعلام نہیں بلکہ اظہار عبودیت ذلت انکسار اور رجوع الی اللہ ہے تو جبکہ دعا سے مقصود اظہار ذلت ومسکنت ہے تو پہلے یہ اظہار عبودیت کرے اور پھر قضاء الٰہی پر صابر شاکر ہو جائے" اس تعریف کی بناء پر دعا کے متعلق جس قدر اعتراضات وشبہات ہو سکتے ہیں وہ کبیت العنکبوت اڑ جاتے ہیں (تفسیر کبیر الرازی رنگ میں جدا یہ ہیں) ہم کہتے ہیں یہی حال دواؤں کا بھی ہے کبھی اثر ہوتا ہے اور کبھی نہیں، کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے یا ان کا خطا جانا غیر ممکن ہے مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی ان کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے یہ سچ ہے کہ ہر ایک امر پر تقدیر محیط ہو رہی ہے مگر تقدیر نے علوم کو ضایع اور بے حرمت نہیں کیا اور نہ اسباب کو بے اعتبار کر کے دکھلایا اگر غور کر کے دیکھو تو جسمانی وروحانی اسباب بھی تقدیر سے جدا نہیں ہیں مثلاً اگر ایک بیمار کی تقدیر نیک ہو تو اسباب علاج پورے طور پر میسر آ جاتے ہیں اور جسم کی حالت بھی ایسے درجہ پر ہوتی ہے کہ وہ ان سے نفع اٹھانے کے لئے مستعد ہوتا ہے تب دوا نشانہ کی طرح جا کر اثر کرتی ہے یہی قاعدہ دعا کا بھی ہے یعنی دعا کے لئے بھی تمام اسباب وشرائط قبولیت اس جگہ جمع ہوتے ہیں جہاں ارادہ الٰہی اس کے قبول کرنے کا ہے خدا تعالیٰ نے اپنے نظام جسمانی اور روحانی کو ایک ہی سلسلہ مؤثرات میں باندھ رکھا ہے۔

جو شخص دعا کی اصلی تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہ رکھتا ہو اور استجابت دعا کا قائل نہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک مدت تک اک پرانی سال خوردہ اور مسلوب القوی دوا کو استعمال کرے اور پھر اس کو بے اثر پاکر اس دوا پر عام حکم لگادے کہ اس میں کچھ بھی تاثیر نہیں (اسرار شریعت)

توبہ و استغفار

تُوبُوا اِلَی اللّٰہِ جَمِیعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ ۵

(ترجمہ) مسلمانو! تم سب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ

گر سیہ کردی تو نامۂ عمر خویش — توبہ کن زانہا کہ کردستی تو پیش

گناہ کا علاج اور قرآن مجید کا سب سے بڑا کمال

یہ ایک مشہود و محسوس اور ظاہر امر ہے کہ انسان کی فطرت میں بہت سی خوبیوں کے ساتھ یہ عیب اور کمزوری بھی ہے کہ اس سے بوجہ کمزوری گناہ اور قصور صادر ہوتا ہے انسان قصوروار عاصی ہے اور وہ غلطیوں سے مبرا نہیں مگر جس نے انسانی فطرت میں یہ کمزوری رکھی ہے اسی خالق القدر والقوی نے ساتھ ہی اپنی کمال شفقت و تربیت سے خود ہی اس کا علاج بتا دیا اور اس کی سزا کے بچاؤ کی صورت بھی دکھادی اگر رب بے نیاز گناہ کی طاقت تو انسان میں رکھدیتے مگر اسکی سزا سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ بتلاتے تو خدائے حکیم کی حکمت پر اعتراض وارد ہوتا تھا کہ اس نے گناہ کا مادہ تو رکھدیا مگر اس سے رہائی پانے کا کوئی راستہ نہیں بتایا گویا اس نے کسی کو نجات دینے اور مخلصی پانے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔

سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام کی تفوق وانانیت کی شان اور قرآن کی رہنمائی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے گناہ سے بچنے اور آئندہ گناہ کے مرتکب نہ ہونے کے طریق بتائے ہیں اور تکمیل ہدایت کے تمام پہلوؤں کو مکمل کردیا ہے۔

باقی الہامی کتابیں اس کے متعلق بالکل ساکت ہیں اور ان کے ماننے والوں نے اپنی اپنی طرف سے مختلف طریق اختیار کئے ہیں تمام مذاہب نے گناہ کو تو برا سمجھا ہے

مگر یہ نہیں بتلایا گیا کہ گناہ کیا چیز ہے گناہ کرنے کی طاقت کہاں سے آئی اور اس سے بچنے کا کیا علاج ہے قرآن کریم نے بنی نوع انسان پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ گناہ کی سزا سے بچنے اور آیندہ کے لئے انسانی کمزوریوں کی وجہ سے جو گناہ سرزد ہو سکتے ہیں ان سے محفوظ رہنے کیلئے منجملہ دیگر وسائل وطرائق کے ایک طریقہ مندرجہ ذیل بتلایا ہے۔

(۱) ھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِہٖ وَیَعْفُوْ عَنِ السَّیِّئَاتِ	اللہ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے گناہوں سے درگذر فرماتا ہے۔
(۲) اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا	اللہ تعالےٰ نے تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔
(۳) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ	اللہ تعالیٰ شرک کو تو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جس کے گناہ بخشنا چاہے بخش دیتا ہے۔
(۴) وَمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنَاتٍ	جس نے توبہ کی اور اچھے عمل کئے وہی لوگ ہیں جن کے سیئات کو حسنات سے تبدیل کر دیا جاتا ہے
(۵) اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ؀	جنھوں نے توبہ کی اپنے اعمال کی اصلاح کی اور صاف بیان کیا تو ایسے بندوں پر میں رجوع فرماتا ہوں اور میں تو رب رحیم ہوں۔
(۶) اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ	نیکیاں گناہوں کو بہاتی ہیں۔
(۷) اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِہٖ	کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ پاک اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں۔

توبہ کے معنے ان التوبة عبادة عن الندم علی فعل القبیح توبہ کے معنے فعل قبیح پر اظہار پشیمانی ہیں۔ ایک دوسری جگہ حضرت امام فخر الدین رازی توبہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں التوبة عبادة عن الندم علے ما مضی والعزم علے الترک فے المستقبل توبہ کے معنے ہیں گذشتہ گناہوں اور نافرمانیوں پہ نادم اور پشیمان ہونا اور آیندہ ترک گناہ کے عزم کرنے کا۔

توبہ کا مرتبہ تمام اعمال دینی پر مقدم ہے لہذا اس کی حقیقت سے کماحقہ واقف ہونا ہر سلیم الطبع مسلمان کے لئے واجب وضروری ہے۔

توبہ تین چیزوں سے مرکب ہے اول علم، دوئم حال اور سوئم فعل۔ علم سے مراد یہ ہے کہ تائب معاصی کی مضرت سے بخوبی واقف ہو اور پورے طور پر سمجھنے لگے کہ گناہوں کی تاریکی سے دل مردہ ہو جاتا ہے ضمیر فنا ہو جاتی ہے انسانیت کا شرف و امتیاز جاتا رہتا ہے اور معاصی وذنوب بندے اور خدا کے درمیان ایک حجاب عظیم بنجاتا ہے اذا اراد اللہ بعبد خیرا بصرہ بعیوبہ جب خدا تعالےٰ کسی بندہ سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اس کو اپنے عیوب پر واقف کار بنادیتا ہے، پس عیوب و معاصی کا علم مقدم اور ضروری ہے جو شخص اپنے عیوب اور کوتاہیوں سے واقف نہیں وہ گناہوں سے کیسے مجتنب رہ سکتا ہے اور آئندہ کے لئے ان کا تدارک کیسے کرسکتا ہے۔

اب اگر علم کے بعد آدمی اپنی غلط کاریوں اور سیاہ مستیوں پر آنسو بہائے تو اس کا نام ندامت ہے اور یہی توبہ کا جزو ثانی یعنے حال ہے اس حالت میں آدمی کا دل رنج والم سے دونیم ہو جاتا ہے فکر و پریشانی دل کا احاطہ کرلیتی ہے رات دن یہی غم لگا رہتا ہے آہ و بکا سے بےچین و بیقرار رہتا ہے اس سے دل پر ایک نئی حالت طاری ہو جاتی ہے اس حالت کا نام ارادہ و قصد ہے یہی توبہ کا جزو ثالث یعنی فعل ہے اس ارادہ یا فعل کا تعلق ازمنہ ثلاثہ سے ہوتا ہے زمانہ حال سے اس طرح کہ جو گناہ اس سے پیشتر صادر ہو چکے ہیں ان کو قطعاً ترک کرے زمانہ مستقبل سے اس طرح کہ جن افعال کی وجہ سے محبوب کا حصول ناممکن ہو غضب الٰہی کی آگ بھڑکتی ہو ان کو آئندہ ہمیشہ کے لئے خیرباد کہدے اور ان وسائل کو اختیار کرے جن سے محبوب حقیقی کا وصال میسر ہو اور اس کی رضامندی حاصل ہو اور زمانہ ماضی سے اس طریق پر کہ اگر اس سے کوئی ایسی چیز ضایع ہو چکی ہے جو قابل تلافی ہے تو فوراً اس کی تلافی کرے پس توبہ ان تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے جو یکے بعد دیگرے حاصل ہوتی ہیں اول علم۔ دوئم ندامت اور سوئم قصد۔

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں:۔

اے طالب عبادت! واقف کرے اللہ تجکو توبہ سے اور توفیق دے اس کی اور یہ دو باتوں کے لئے ایک تو اس لئے کہ تجھے طاعت حاصل ہو کیونکہ گناہوں کی شامت محرومی کا باعث ہے اور بالآخر راہ سعادت سے دوری اور خدا تعالےٰ سے علیحدگی کا موجب ہے گناہوں کی قید طاعت و عبادت کی راہ پر چلنے سے روکتی ہے اور خدمت الٰہی کی شتابکاری

سے منع کرتی ہو یہ اسلئے کہ گناہوں کا بوجھ نیکیوں کے لئے ہلکاپن اور طاعات کے سرور و نشاط سے محروم رکھتا ہے گناہوں پر اصرار قلبوں کو سیاہ کر دیتا ہے اور اس میں ظلمت و قساوت پیدا کرتا ہے ہر قلب میں نہ خلوص رکھتا ہے نہ صفائی رہتی ہے اور نہ عبادت کی لذت و حلاوت کا مادہ رہتا ہے ایسی حالت میں اگر اللہ پاک اپنے گناہگار بندہ پر رحم نہ کرے تو صاحب گناہ کو کفر اور شقاوت کی طرف لیجاتا ہے فیا عجب اس شخص کیسے طاعت کی توفیق ہو سکتی ہو جو گناہوں کی شامت اور قساوت میں مبتلا ہے وہ کیسے خدمت کا دعوی کر سکتا ہے جو معصیت پر مصر ہے اور ظلم و ستم پر قائم ہے (منہاج العابدین صفحہ ۱۲)

والثانی من الامرین انما تلزمک التوبۃ لتقبل منک عبادتک اور دوسرے اس لئے کہ توبہ کی وجہ سے خدائے کریم تیری عبادت قبول کرے۔ آگے فرماتے ہیں کہ توبہ تنزیہ قلب یعنی گناہوں سے پاکیزگی کو کہتے ہیں اور اس کی حد آیندہ گناہوں سے بکلی اجتناب ہو۔

توبہ کی شرائط چار ہیں مستقبل میں ترک معصیت کا قصد آہنی کرنا۔ ہاں اگر پھر کوئی گناہ نفس کی شامت سے ہو جائے تو یہ توبہ کے خلاف نہیں دوسرے اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ کرے اگرچہ ماضی میں گناہ کئے ہی نہ ہوں تیسرے گذشتہ گناہوں کی تلافی مجاہدات و ریاضیات سے کرے اور چوتھے ہر وقت خدائے قہار کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتا رہے

مقدمات توبہ یعنی جن کی وجہ سے دل توبہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تین ہیں اپنے گناہوں کی برائی یاد کرے دوسرے خدائے تعالیٰ کے عذاب کی سختی یاد کرے جسکے تحمل کی طاقت نہیں رکھتا اور تیسرے یہ کہ اپنی کمزوری اور کسی بہانہ کا پیش نہ جانا یاد کرے اور یہ سوچے کہ جب مجھ میں آفتاب کی گرمی حاکم کے پیادہ کی مار اور چیونٹی کے کاٹنے کی برداشت نہیں تو دوزخ کی آگ اور اس کے دربانوں کے گرزوں کی مار سانپوں اور بچھوؤں کے کاٹنے کی سہار کیونکر ہوگی۔

پس توبہ ایک شعلہ نار ہے جو دل میں بھڑک اٹھتا ہے ایک درد جگر ہے جو جگر سے ہرگز جدا نہیں ہوتا اس سے سلوک کی تمام دشوار گھاٹیاں ایک خوشی آرام دہ اور ہموار راستہ سے بھی زیادہ آسان ہو جاتی ہے راہ کے مصائب و تعب مبدل بہ فرحت و مسرت ہو جاتے ہیں رحمت حق کے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں تمام گناہ آب رحمت و مغفرت سے نامۂ اعمال محو ہو جاتے ہیں اور آئینہ قلب صاف و شفاف ہو کر مبداء خیرات و حسنات بنجاتا ہے۔

التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ (حدیث) گناہوں سے توبہ کرنے والا گناہوں سے ایسا

پاک ہو جاتا ہے گویا اُس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔

استغفار کی حقیقت

استغفار کا لفظ "غفر" سے نکلا ہے جس کے معنے یہ لکھے ہیں لباس نبی مایصونہ من الدنس الیا لباس یا ایسی چیز جو میل کچیل اور غلاظت سے بچائے اسی سے "مغفر" مشتق ہے جو لوہے کے خود کو کہتے ہیں پس استغفار کے معنے خدا تعالیٰ سے مدد طلب کرنے اور گناہوں سے حفاظت مانگنے کے ہیں اور گناہوں سے حفاظت مانگنا دو قسم پر ہے ایک تو سرزد شدہ گناہوں کے بد نتائج سے حفاظت طلب کرنا دوسرا گناہوں کے وقوع سے حفاظت مانگنا استغفار ایک ایسی دعا ہے جس میں ہم اپنی طبعی خواہشوں کو ظاہر کرتے ہیں استغفار صرف سرزد شدہ گناہوں کے لئے دعا نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر خیال ہے بلکہ بغیر گناہ کے وقوع کے بھی استغفار کرنا سچے مومنوں اور متقیوں کا کام ہے استغفار صرف گذشتہ گناہوں کے معاف ہونے ہی کی خواہش نہیں ہے بلکہ ایک تمنا ہے کہ ہم سے آئندہ گناہ سرزد ہی نہ ہوں پس وہ اعتراض جو بعض غیر مسلم حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار پر کرتے ہیں وہ کبیت العنکبوت اڑ گئے اور یہ ان کی سخت نادانی، عربی زبان سے ناواقفی اور حماقت ہے۔

انسان خطا و نسیان کا پتلا اور قصوروار عاصی ہے۔ صرف بھلائی اور نیکی ہی کا پایا جانا تو ملائکہ ہی کا خاصہ ہے صحیح معنوں میں انسان وہی کہلا سکتا ہے جو اپنی خطاؤں کی تلافی رجوع الی الخیر سے کرے ہر وقت اپنی خطاؤں کو ندامت اور ذلت و خواری کے خون آلودہ آنسوؤں سے محو کرتا رہے اور اپنے آئینہ قلب کو صاف و شفاف رکھے۔

سلیم الطبع انسان کو چاہیئے کہ اپنے مالک حقیقی کو ہر لمحہ و ہر آن حاضر و ناظر سمجھے اپنے گناہوں سے توبہ مانگے معاصی سے شرمسار اور خدائے رحیم و کریم سے معافی کا خواستگار رہے گناہوں سے توبہ کر کے مالک حقیقی کی بارگاہ میں رجوع کرنا سالکین اور اہل حق کا شعار اور معرفت الٰہی کی ابتدائی منزل ہے اور آئندہ گناہوں کے وقوع سے خدائے کریم سے طلب امداد کرے ؎

قلب مومن ہمچو آئینہ بود — ظلمتے از گنہ در وے رسد
ور عبادت میرسد نورے بدل — ظلمت عصیاں شود مضمحل
نور توبہ ہر کرا تابد بدل — برگناہاں گردد از حق منفعل

اولیاء اللہ ہونیکا ثبوت

اور

ان کا معیار فضیلت

ولی کی تعریف صاحب عقائد نسفی نے یوں لکھا ہے :- والولی ھوالعارف باللہ تعالیٰ و صفاتہ حسب مایمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانھماک فی اللذات والشہوات ولی وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں حتی الامکان زیادہ معرفت رکھتا ہو طاعت الٰہی میں مستغرق اور گناہوں سے مجتنب ہو اور لذات و شہوات سے بیزار ہو جس طرح تمام بندوں میں نبی خدا کا مقرب ہوتا ہے اسی طرح ہر نبی کی امت میں سے بعض لوگ روحانی و ایمانی کمالات کے سبب بارگاہ خداوندی میں باریاب اور مقبول ہو جاتے ہیں ان کی علمی و عملی حالت امت کے تمام افراد سے ممتاز و نمایاں ہوتی ہے ان کو تمام کمالات نبوت کے طفیل سے حاصل ہوتے ہیں اور نبی کی تابعداری سے وہ اس مرتبہ کو پہنچتا ہے ان کو بڑی بڑی توفیقیں اور نشانیاں دی جاتی ہیں یعنی ان کو کرامت کی قوت عطا فرمائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کے ہاتھ سے کرامات کا اظہار فرماتا ہے تاکہ اسکے نبی کی نبوت سے انکار کرنے والے کرامت کو دیکھ کر نبی کی صداقت کے قائل ہو جائیں پس اولیاء اللہ کا وجود اور انکی

ولی کے ذاتی خصائل شیخ عبداللہ بن المبارک رضؓ نے ایک مرتبہ حسن بصریؒ سے سوال کیا کہ صوفی یا ولی کون ہے آپنے جواب میں ارشاد فرمایا :- ھوالذی یکون فی وجہ حیاء و فی عینہ بکاء و فی قلبہ صفاء و فی لسانہ ثناء و فی یدہ عطاء و فی وعدہ وفاء و فی لفظہ شفاء ولی وہ ہے جس کے چہرہ پر حیا آنکھوں میں گریہ دل میں پاکی، زبان پر تعریف، ہاتھ میں بخشش وعدہ میں وفا اور بات میں شفا ہو۔"

قطب ربانی غوث صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اولیاء کے اوصاف و خصائص اپنی کتاب فتوح الغیب میں یہ لکھتے ہیں :-

خدا کی محبت و رضا کو بلا طلب اغراض و اعواض منظور خاطر رکھے اپنے اوپر تذلل اور اخلاص کو لازم رکھے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا رہے اور روح کو ذکر الٰہی سے زندہ رکھے۔

ں کی صحبت میں جب بیٹھے تو اپنے عزت و شرف کا غلبہ رکھے اور فقیروں کی مجلس میں عاجزی کرے بے شرمی، شوخی اور بدخلقی نہ کرے مسلمانوں سے حسن ظن رکھے ان کے مفاد کا خیال رکھے اور امر معروف و نہی عن المنکر میں ساعی رہے۔

کسی کی برائی اور بغض و کینہ اپنے سینہ میں رکھے حتیٰ کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اس کے حق میں دعا کرے سوائے خدا کے کسی کا خوف و خطر اپنے دل میں رکھے اور خلق خدا سے بے نیاز رہے دنیا میں سچائی اور حقیقت کا گواہ رہے ہمیشہ سچائی اور حق و صداقت کا اعلان کرتا رہے ادائے فرض کی راہ میں کبھی مصیبت اور آزمائش سے نہ ڈرے نذر و نیاز پر گذر اوقات نہ رکھے بلکہ اپنی روزی اپنے قوت بازو سے فراہم کرے اور اکل حلال پر نظر رکھے (فتوح الغیب مقالہ ۶)

اولیاء اللہ کی پہچان کا قرینہ

اسلام کے گلیم پوش، محرم اسرار، مخزن انوار، خدارسیدہ لوگ جس قدر گذرے ہیں اور اب موجود ہیں ان کا وجود اسلام کی زینت اور رونق ہے اور انہیں کے دم سے یہ معمورۂ عالم باوجود اپنی اس کثرت معصیت کے قائم و برقرار ہے۔ اولیاء اللہ کی محبت اللہ کی محبت ہے ان کی محبت و عقیدت بہشت کی چابی ہے ان کی نیاز مندی قلب کی روشنی ہے اولیاء سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور اولیاء سے بغض و دشمنی رکھنا فرعون اور شیطان کی عادت ہے۔ غرض اولیاء و صلحاء کی محبت و عقیدت دونوں جہان کی روشنی اور سعادت ہے لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ کہنے میں بھی کوئی باک نہیں کہ اہل اللہ کی محبت اور بے پناہ عقیدت و ارادت اور فقراء و اہل اللہ کے در کی جبہ سائی اور مخلوق خدا کی حاجتمندی نے ہندوستان میں بیشمار نام نہاد درویشوں اور اولیاؤں کو پیدا کر دیا ہے اور ریاکار پیروں کی اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ حقیقی اور غیر حقیقی درویش کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا ہے جس کی وجہ سے سمجھدار اور سنجیدہ طبقہ میں قوانین طریقت اور رسم و راہ تصوف کی بے حرمتی ہو رہی ہے اور مشائخ کی مسندیں اور شاہراہ حقیقت کی عقیدتمندی بری طرح بدنام و رسوا ہو رہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم اولیاء اللہ کی شناخت کا معیار عوام الناس کے سامنے رکھدیں۔

حضرت ذوالنون مصری رح فرماتے ہیں:۔

من علامات محب الله عز وجل متابعة حبيب الله صلى الله عليه وسلم في اخلاقه وافعاله واوامره وسنته

محبت الٰہی کی علامات حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اخلاق و افعال اور اوامر و سنت میں کرنا ہے۔

یعنی اخلاق و افعال میں سنت رسول کی متابعت کرنا ہی سچی درویشی اور علامت اہل اللہ ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رح فرماتے ہیں:۔

لو نظرتم الى رجل اعطى من الكرامات حتى يرتقي في الهواء فلا تغتروا به حتى تنظروا كيف تجدونه عند الامر والنهي و حفظ الحدود واداء الشريعة

اگر تم کسی درویش کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھو تو اس کی اس کرامت سے دھوکا نہ کھاؤ جب تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی حفظ حدود اور ادائے شریعت میں کیسا ہے یعنی اگر تم متابعت شریعت میں اس کا اتباع [illegible]

مطابق پاؤ تو سمجھ لو کہ بیشک وہ ولی کامل ہے اور اگر اس کے برخلاف پاؤ تو سمجھ لو کہ یقیناً وہ برعکس نام نہند زنگی کا فور ہے"۔ حضرت ابو حفص فرماتے ہیں:۔

من لم یزن افعاله واقواله فی کل وقت بالکتاب والسنة فلا تعدہ فی دیوان الرجال	جس کے افعال واقوال ہمہ وقت کتاب وسنت کے مطابق نہ ہوں اس کو مردان خدا میں سے نہ سمجھو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تصوف علوم دین کا خلاصہ ہے جو باطنی اجتہاد سے حاصل ہوتا ہے اس کا تعلق علم ظاہر کیساتھ جان وتن کا سا ہے یعنی علم ظاہر تن ہے اور علم باطن جان چنانچہ پیغمبر خدا صلعم کا ارشاد گرامی ہے:۔ العلم بدون العمل وبال والعمل بدون العلم ضلال علم بے عمل عذاب ہے اور عمل بے علم گمراہی ہے اس سے ثابت ہوا کہ تصوف کے لئے شریعت اور شریعت کے لئے تصوف کی سخت ضرورت ہے دونوں لازم وملزوم ہیں

اکثر دیکھا گیا ہے کہ اور اولیاء اللہ کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب صوفیائے کرام واولیائے عظام حضور قلب اور حقیقت ومعرفت کے انتہائی مدارج کو پہنچ جاتے ہیں تو ظاہری اعمال کی چنداں پرواہ نہیں کرتے یا مخالفت کرتے ہیں اور ایسے کلمات منہ سے نکال دیتے ہیں جو سراسر شریعت کے برخلاف ہوتے ہیں مگر ایسا حالت خود فراموشی اور عالم محویت میں ہوتا ہے جبکہ وہ حق میں محو ہو جاتے ہیں اور اگر ہوش وحواس کی قائمی میں کسی کا قول وفعل شریعت کے خلاف پاؤ جیسا کہ آجکل کے مصنوعی پیروں کا وطیرہ ہے کہ وہ شریعت کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے اور گرفت کرنے والے کو یہ کہکر خاموش کر دیتے ہیں کہ میاں ہمارے لئے شریعت کی پابندی ضروری نہیں اہل طریقت کی جداہی شاہراہ ہے اور آئین وقوانین ہی الگ ہیں" تو یقیناً ایسے گمراہ کی نسبت فتویٰ لگا دو کہ وہ اہل اللہ اور مشائخ میں سے نہیں۔ ولی کامل کا قول وفعل کبھی خلاف شریعت نہیں ہو سکتا کیونکہ صوفیوں پر غور حقائق اور اسرار الٰہی کا اخفا واجب ہوتا کہ عوام ناسمجھی کی وجہ سے ان کی تذلیل اور تکفیر کے اسباب فراہم نہ کریں چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کلموا الناس علی قدر عقولھم آدمیوں سے انکی سمجھ کے موافق بات کرو سند العلماسورہ تبارک کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ذات وصفات باری تعالیٰ کی بحث قضا وقدر جبر واختیار کے مسائل اور توحید وجودی وشہودی کی تحقیق عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے اس لئے ان امور پر زیادہ غور وفکر کرنا اور عوام الناس میں انکی حقیقت سے پردہ اٹھانا نہایت خطرناک ہے کیونکہ اس سے عوام ناسمجھی کی بناپر منکر حقائق ہو جائینگے اور ان کے خیالات مشکوک ہو جائینگے صاحب اجلۃ التائید لکھتے ہیں افشاء سر الربوبیة کفر نظرا الی العامة اذ یتصوودون بذلك حیث لا یبلغ یعنی عوام پر اسرار حقیقت کو فاش نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ وہاں تک ان کی سمجھ کی رسائی نہیں ہوتی اسلئے وہ اسرار حقیقت کو کفر تصور کرنے لگتے ہیں پس ولی کامل کا کوئی قول وفعل شریعت کے برخلاف نہیں ہو سکتا اگر کسی کو اس کے برخلاف

یا؟ تو سمجھ لو کہ وہ نفس پرست، ریاکار، بدنام کنندۂ طریقت اور ایمان ہے۔

افسوس کہ ولایت و درویشی کی شناخت کا جو معیار اصلی ہے اس پر عوام کی نظر نہیں بلکہ انھوں نے کشف کرامات کو معیار تمیز سمجھا ہوا ہے یہ خطرناک گمراہی اور عظیم الشان غلطی ہے یاد رکھو اتباع شریعت اصل چیز ہے اور کشف و کرامات اس کی فرع جب تک اصل ثابت نہ ہو فرع ثابت نہیں رہ سکتی جب کسی شخص کی بزرگی اور ولایت کا اندازہ لگانا ہو تو پہلے یہ دیکھو کہ تبیع شریعت ہی ہے یا نہیں علوم ظاہر و باطن میں مہارت تامہ رکھتا ہے یا نہیں پس اتباع شریعت کی بلندیوں اور علم و عمل کی خوشنمائیوں میں بزرگی اور ولایت کو تلاش کرو نہ کہ کشف و کرامات کی شہرتوں اور حیرت انگیزیوں میں۔

پیری مریدی

خداطلبی اور خدارسی کا ذریعہ اولین کتاب و سنت ہے قرآن کریم نے بتلایا ہے کہ انسان کی زندگی کی غرض پروردگار کی عبادت ہے اور عبادت کے لئے تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کی سخت ضرورت ہے اور تزکیہ نفس و تصفیہ قلب ہی تصوف کے مطالب ہیں اور تصوف کے لئے فقہ کی احتیاج ہے تو جس طرح شرع کے مطابق عمل کرنے کے لئے فقہائے قرآن و احادیث کے مسائل کو فقہ کی صورت میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے اسی طرح صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کے اصول و قوانین کو شرع شریف سے استخراج کر کے ایک جگہ جمع کر دیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ عوام کے لئے خداطلبی اور خدارسی کی راہ کو آسان کیا جائے لیکن پھر بھی دنیا کی کثافتوں و نجاستوں سے پاکیزگی حاصل کرنے، نفس و شیطان کے شر سے محفوظ رہنے اور خدا تک پہنچنے کے لئے کسی رہبر کی ضرورت ہے کیونکہ بغیر نور اتباع رسول کے اور بلا ضیائے ولایت کے اس راہ پر چلنا دشوار ہے کیونکہ راہ جتنی قریب اور آسان ہے اتنی ہی پرخطر بھی ہے اس راہ کے شیاطین جن و انس اتنے دشمن ہیں کہ بے نور ولایت ایک قدم چلنا دشوار ہے راہبری شیخ میں گمراہی و ضلالت کا خوف نہیں رہتا اور سالک بےفکری کے ساتھ سلوک کی منزلیں طے کرتا ہے اسی ضرورت کے ماتحت اسلام میں پیری مریدی کا سلسلہ رکھا گیا ہے چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم فرماتے ہیں:۔

مقصود از سیر و سلوک شیخی و مرید گرفتن نیست مقصود از آں ادائے وظائف بزرگی ست و نیز مقصود نیستی و گمنامی است و زوال رعونت و انانیت امارہ کہ معرفت باں مربوط است

سیر و سلوک سے مقصود پیری مریدی نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود ادائے وظائف بندگی ہے اور نیستی و گمنامی اور زوال رعونت و انانیت نفس امارہ ہے کہ معرفت اس سے وابستہ ہے۔

پس سچا شیخ اور اصلی پیر وہ ہے جو مرید کو طریقت کی خاموشیوں میں لینے کے بعد اس میں ایک تغیر و انقلاب پیدا کر دے قوائے عملیہ کے اضمحلال اور ضعف کو دور کر دے اور مرید میں وہ قوت پرواز پیدا کر دے کہ اس کی روح تنازع و تنافس کے عرصۂ حیات سے آسائش گاہ حقیقی کی طرف پرواز کر جائے اگر بیعت حاصل کرنے کے بعد مرید

میں کوئی تغیر واقع نہ ہو اور اس کا پایۂ عمل تیز ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسی پیری مریدی نفس پرستی اور دنیا کمانے کا ڈھنگ ہے اور بس۔

نیز پیر کو صالح و پرہیزگار ہونا چاہیئے وہ گناہگار اور بدعتی نہ ہو ایک ولی کامل لکھتے ہیں کہ ہم نے مریدوں کی تربیت دودھ پلانے والی عورت سے سیکھی ہے اگر وہ ناخوردنی اشیاء سے پرہیز کریگی تو لڑکے کی صحت اچھی رہے گی اور خمیر صالح اس کے پیٹ میں جائیگا لیکن بصورت دیگر تمام خراب چیزیں دودھ میں اثر کر کے طبیعت کو متاثر کرینگی اور وہ توانا و تندرست نہ رہ سکیگا یعنی اگر پیر خود اعمال شنیعہ اور افعال خبیثہ کا مرتکب ہوگا تو یقیناً مرید اس کے اتباع میں زیادہ گناہگار ہوگا لہذا مرید کو صالح و پرہیزگار بنانے کے لئے اور مرید کو کمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پیر خود صالح پرہیزگار اور کامل ہو۔

اگر کسی پیر سے بیعت ہونے کے بعد ثابت ہو کہ وہ غیر صالح ناقص، نااہل، خلاف شرع اور بدعتی ہے تو اس کی بیعت فسخ کر دینی چاہیئے سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کا مرید ہو اور اس پیر کو باطل و بیکار پائے تو کیا وہ دوسرے سے بیعت ہو سکتا ہے؟ آپنے جواب دیا کہ اس پر فرض ہے کہ دوسرے سے بیعت کرے کیونکہ اگر کوئی شخص جنگل میں ہو اور قبلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کسی سمت پر نماز پڑھ رہا ہو اور بعد میں اسے معلوم ہو کہ قبلہ ادھر نہیں تو اسی سمت پر قائم رہنا اسکے لئے جائز نہیں پس اسی طرح اگر کسی نے کسی کو اپنا پیر بنایا مگر اس میں کوئی نقص پایا تو وہ اس کا قبلہ باطن نہیں ہو سکتا اور اس کا اتباع محض ضلالت اور گمراہی ہے ؎

این ہمہ شیخان خرافی پرست ۔۔۔ بر ہمانند بت زر پرست

مسئلہ وحدت الوجود

علم تصوف کا ایک نہایت باریک مسئلہ وحدت الوجود یا ہمہ اوست ہے یعنی تمام موجودات کو حق تعالےٰ کا وجود سمجھنا اور وجود ماسوا کو محض معتبر سمجھنا شمار کرنا جیسے موج حباب قطرہ اور برف کو پانی خیال کرنا چنانچہ حضرت مولانا جامی فرماتے ہیں ؎

لیس فی الکائنات غیرک شئ ۔۔۔ انت شمس الضحٰے وغیرک فئ

فئ چہ باشد بفارسی سایہ ۔۔۔ سایہ از روشنی برد مایہ

دو جہاں سایہ است و نور توئی ۔۔۔ سایہ را مایۂ ظہور توئی

این مثال صورت است و معنی تو ۔۔۔ نیست موجود صور تے بے تو

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لاموجود الا اللہ کا قول درست ہو جیسا کہ مذکورہ بالا اشعار سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں۔

اس کے برخلاف وحدت الشہود یعنی ہمہ از وست والے کہ ظاہر اور مظہر ایک نہیں کیونکہ اگر متحد ہوں تو موجودات کے اوصاف مثلاً بھوک و پیاس ضعف و ماندگی، جہالت و خباثت اور عذاب و ثواب وغیرہ خدا کی ذات میں لازم ہوتے ہیں حالانکہ اس کی ذات ان کمزوریوں اور عیبوں سے بری ہو پس اصل اور عکس حقل اور ظل ایک دوسرے سے غیریت رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

"وحدت الوجود کا مسئلہ واقع کے مطابق ہو کیونکہ اس پر عقلی و نقلی دلائل قائم ہوتے ہیں اس مسئلہ سے علماء متکلمین کے انکار کے دو وجوہ ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بہت سے عقلی و نقلی شبہات وارد ہوتے ہیں اور انکی نظر میں ان شبہات کا حل ممکن نہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اسرار الٰہی سے تعلق رکھتا ہے اور ایمان کیلئے اس کا جاننا ضروری نہیں بلکہ برعکس اس مسئلہ کی تلقین سے عوام میں شر و فساد اور شرک و الحاد پیدا ہوتا ہو اس لئے علماء متکلمین تھوڑی سی تفصیل اور تحقیق کے بعد خاموشی اختیار کرتے ہیں" اس کے مقابلہ میں حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب فرماتے ہیں:۔

"مدعائے ایں عبارت نفی وحدت و اثبات کثرت ست کہ منافی مذہب محققانہ صوفیا است و انحصار وجود مطلق است در وجود مقیدات یعنی وجود حق جل و علا در وجود ممکنات منحصر است و مطلق راجز در مراتب تقیدات وجودے نہ بطلان آن اظہر من الشمس ست چہ لازم می آید کہ حق سبحانہ در وجود و سائر کمالات محتاج بممکن باشد چنانچہ کلی طبعی کہ منحصر است در افراد در وجود خود محتاج است بآنہا بلکہ دریں ضمن نفی واجب ست تعالیٰ و ایں کفر صریح ست پس البتہ وجود واجب ذو تعالیٰ ورائے وجود ممکنات باید شمرد و اثبات باید کرد۔

ترجمہ حاصل ان عبارات کا نفی وحدت اور اثبات کثرت ہو جو مذہب محققان صوفیہ کے منافی ہو نیز وحدت الوجود کا حاصل یہ ہے کہ وجود مطلق یعنی حق تعالیٰ وجود ممکنات یعنی مخلوقات میں منحصر ہے اور مطلق کا مراتب تقیدات میں کوئی وجود نہیں اور اس کا بطلان اظہر من الشمس ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے وجود اور تمام کمالات میں ممکن یعنی مخلوق کا محتاج ہو بلکہ اس کے ضمن میں نفی واجب تعالیٰ بھی نکلتی ہے اور یہ کفر صریح ہے پس تحقیق وجود واجب تعالیٰ کو مخلوقات کے وجود سے جدا سمجھنا اور شمار کرنا چاہیئے (مکتوبات معصومیہ جلد ثالث[۳۵])

خلاصہ کلام یہ کہ چونکہ مسئلہ وحدت الوجود اسرار الٰہی میں سے ہے اور صوفیائے کرام کے ساتھ خاص ہے اس لئے عوام کو وحدت الوجود کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہیئے جو ان کے حق میں کفر صریح اور گمراہی و ضلالت ہو۔ ان کو صرف وحدت الشہود پر ایمان رکھنا چاہیئے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ حالہ۔

(۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب سوم

عبادات

مقدمہ

سبب تنزل مسلم مسلمانوں کے تنزل کے اسباب وعلل عام طور سے ان کے تمدن ومعاشرت وغیرہ کی اصولی وفروعی غلطیوں کو سمجھا جاتا ہے لیکن میرے زاویۂ نظر میں موجودہ زمانہ میں دنیا کے مسلمان عموماً اور ہندوستان کے مسلمان خصوصاً جس اندوہناک کرب واضطراب اور عبرتناک بیکسی وبیچارگی میں لمحات زندگی گذار رہے ہیں اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی پرنسپل نہیں رہا۔ انہوں نے اپنے قدیمی اور مایۂ ناز پروگرام کو پس پشت ڈالدیا بزرگ وبرتر خدا اور محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو جادہ مستقیم ان کی گامزنی کے لئے معین فرمائی تھی وہ اس سے بھٹک گئے قرآن کریم نے جن لکھنوں پر انھیں چلنے کی ہدایت کی تھی وہ انھیں یاد نہیں رہے تلقین احادیث نے دنیا کی پر پیچ زندگی کے جو اسرار اُن پر منکشف کئے تھے اور زندگی کو شگفتہ کامیاب اور سہل بنانے کی جو راہیں اور گھاتیں، تجویز فرمائی تھیں وہ ان کے تغافل شعار ذہن سے اتر گئیں اور کائنات عقل کی جس بے ثباتی اور تلون کا درس مقدس، اور محبوب، دین فطرت یعنی اسلام نے انھیں دیا تھا آج اُن کے دماغ کی گذرگاہیں اور دل کے گوشے اس سے قریب قریب خالی ہو چکے ہیں۔

مسلمان! اب قولاً نہیں تو عملاً تعلیم الٰہی کے مقابلہ میں اپنی عقل کو ترجیح دیتے ہیں،

اور اس قوم کی مانند ہوتے جارہے ہیں جو لامذہبیت کے پاس پہنچ گئی ہے وہ دنیا کی اندھیر نگری میں محبوبہ ترقی کے بیشک جویا ہیں لیکن عقل کا ٹمٹماتا ہوا چراغ لیکر اور آفتاب تابان اسلام کی نور پاشی و جلوہ ریزی سے محروم ہوکر۔

ایسی حالت میں نشیب و فراز دہر کے سمندر میں اگر مسلمانوں کی ڈانواں ڈول کشتی کو بفرض محال ناخدائے عقل کی پتوار نے کنارہ لگا ہی دیا تو میں پوچھوں گا کہ یہ مختلف الخیال بے قاعدہ اور بے ضابطہ کنارہ لگنے والے کونسی قوم کہلائینگے؟ کس قوم کے افراد ہیں ان کا شمار ہوگا کیا ان کی کامیابی کو اسلام کی کامیابی سمجھا جاسکتا ہے! اقوام عالم کی تقسیم بلحاظ مذہب مستقل مجوس و یہود و نصاریٰ اور مشرکین و کفار و اہل اسلام پر مشتمل ہے۔ مسلمان تو انھیں اس لئے نہ کہنا چاہیئے کہ نہ ان کا قول اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے نہ فعل وہ اپنے طریق کار سے اپنی ذاتی رائے کو تعلیم ربانی کے مقابلہ میں علی الاعلان زیادہ قابل وثوق اور لائق اعتماد ثابت کرتے ہیں مشرکین و کفار میں ان کا شمار اس لئے نہیں کہ وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔

مجوس و یہود و نصاریٰ انھیں موجودہ صورت میں اپنے اندر لینے کے لئے تیار نہیں اور لامذہبوں میں وہ اس لئے داخل نہیں کہ انھوں نے ان کی طرح لامذہبیت کا اعلان نہیں کیا

اس مختصر اظہار رائے سے میرا مقصد مسلمانوں کو ان کے تنزل کا صحیح سبب بتانے کے ساتھ ساتھ یہ سمجھانا ہے کہ وہ اپنے مذہب سے غفلت برت کر اپنی عقبیٰ کو تو خراب کر ہی رہے ہیں دنیا میں بھی وہ اقوام دنیا کی فہرست میں شامل ہونے کے قابل نہیں۔

اور اپنے سنبھالنے کے لئے اپنے اصول مذہب سے ہٹ کر جو جد و جہد وہ کر رہے ہیں وہ منزل مقصود اصلی سے انھیں دور لے جارہی ہے اور اقوام عالم کی فہرست میں ایک جدید اور عجیب بے قاعدہ اور بے ضابطہ قوم کا اضافہ کر رہی ہے۔

تنزل مسلم کا علاج

سب سے مقدم کام ان کا اس وقت یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے عقائد و اعمال سے اپنے آپ کو مسلمان ثابت کریں اور اپنی تمام اندرونی و بیرونی خرابیاں ہدایت اسلام کے ماتحت دور کرنے کی سعی کریں اور اپنے معالجہ کے لئے پھر اسی فارمولا کو کام میں لائیں جس نے صدیوں تک ان کی صحت کو بام ترقی پر رکھا اور دنیا کے اکھاڑے میں ببانگ دہل سب سے زیادہ شہ زور اور رستم لاثانی کہلوایا۔

مسلمانو! تمہاری صحت کے ترانے، تمہاری سپہگری و جاں سپاری کی داستانیں تمہاری فتح

و نصرت اور کامرانی کے گیت اور گانے آج بھی اقوام عالم کو یاد ہیں تمہاری سطوت و جبروت اور جاہ و جلال کا سکہ اب بھی دنیا کے وسط قلب میں پیوست ہے اور تمہاری ادنیٰ سی پھریری اب بھی دنیا کے عیش کو منغض اور ایوان اطمینان میں لرزہ ڈالنے کے لئے کافی ہوتی ہے لیکن یہ تمام کرشمے، یہ ساری تجلیاں، تمہاری ذاتی نہ تھیں صفاتی تھیں صفت مسلم سے جب تم متصف نہ تھے تو کچھ نہ تھے اور جب یہ صفت تم میں پیدا ہوئی تو تم تمام دنیا سے ممتاز اور اشرف بن گئے۔

اور اس صفت کی جب تم نے ناقدری کی تو پھر برباد ہو گئے۔

پیارے بھائیو!

تم نے نپولین بونا پارٹ کی داستان رزم پڑھ لی، تم نے شکسپیر کے افسانہائے بزم چاٹ لئے اب اپنی کتاب غم بھی اٹھا کر دیکھو اور غور کرو کہ تم کیا تھے اور کیا ہو گئے وہ اقوام عالم میں تمہارا اشرف و امتیاز کہاں گیا، وہ دنیا کے کارخانہ میں تمہاری استادی کا لوہا کیا ہوا۔

اسلامیو!

اسلام کا آغوش اب بھی تمہارے لئے کھلا ہوا ہے اسلام کا دعویٰ آج بھی یہی ہے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم (سچے) ایماندار ہو تو تم ہی (اقوام عالم پر) فائق رہو گے۔

آؤ اس سچے دعویٰ کو ایک دفعہ اور آزماؤ۔ ساری دنیا اور اس کے جوڑ توڑ سے کنارہ کش ہو کر اسلام کے مشورہ کا اپنے آپ کو محتاج بناؤ۔ دفع مضرت جسمانی کی تمام ناجائز ترکیبیں یک لخت بند کر دو، اور ایمان کی خامیاں چننے کی سعی کرو، ایمان، یقین، اور عقائد صحیحہ کی مضبوط و اٹل بنیاد پر اعمال کا ٹھوس عملہ تیار کرو۔

پھر دین بھی تمہارا اور دنیا بھی تمہاری۔

تالیف کتاب الاسلام کی غرض

یہ کتاب جو اس وقت تمہارے زیر نظر ہے تمہیں عقائد و اعمال کا ضروری سبق پڑھائے گی اور تمہاری اس اکثریت کو خاص طور سے اسلامی قانون بتائے گی جو متوسط درجہ کی تعلیم یافتہ جماعت کہلانے کے باوجود عربی زبان پڑھنے اور سمجھنے کی استعداد سے محروم ہے اور اپنی

نیکی اور علمی بیداری کے باعث مذہبی واقفیت پیدا کرنے کے لئے بےچین ہے اور چاہتی ہے کہ ایک مفصل و مربوط و قابل اعتماد اور عام فہم کتاب اردو زبان میں لکھی ہوئی ہاتھ آئے اور ہمارے ایمان کی خامیاں دور کرے اور عقلی و شرعی دلائل کے استحکام کے ساتھ عقائد و اعمال کی تعلیم دے چنانچہ اس کتاب کے پچھلے تین ابواب میں عقائد کی بحث گذر چکی اور اب اعمال کی باری ہے۔

فوائد مقدمہ لیکن اس سے پہلے کہ اس بات کے عنوان "اعمال" یا عبادت کی تفصیلات کا آغاز ہو ضرورت ہے کہ اس مقدمہ میں مسائل تقلید و فقہ وغیرہ پر روشنی ڈالی جائے تاکہ ناظرین جب مضامین باب کا مطالعہ کریں جن کی بنیاد صرف فقہ حنفیہ پر ہوگی تو وہ صداقت تقلید و فضیلت فقہ حنفیہ پر پہلے سے مکمل ایمان رکھتے ہوں اور ان مضامین کے حق ماننے میں ان کے قلوب مذبذب و تردد کی دلدل سے قطعاً محفوظ رہیں اور ان لوگوں کی اصلاح ہو جو تقلید جیسی اشد ضروری چیز کے قائل نہیں اور ان مقلدوں کی معلومات میں ایک ضروری اضافہ ہو جو مقلد کہلاتے ہیں لیکن اردو ترجمہ و تفسیر کتب دینیات کے مطالعے سے اپنی ناسمجھی اور اپنے ذوق کی خرابی کے باعث ایک گمراہی کا سبق حاصل کرتے ہیں اور ایک مغالطہ میں پڑ جاتے ہیں یعنی ان کتابوں کے مطالعہ کو اس قدر کافی سمجھتے ہیں کہ وہیں اپنی معلومات دینی کا سلسلہ ترقی پذیر محدود کر دیتے ہیں اور اس محدود و مختصر علمی کائنات پر اپنے آپ کو عالم زمانہ اور امام وقت گردانتے ہیں اور نظام تقلید کو بیکار اور ائمہ کبار کی تحقیق و تدقیق کو فضول سمجھتے ہیں بلکہ علمائے عہد حاضر سے استفتاء و استصواب رائے کو بھی غیر ضروری اور اپنی کسر شان خیال کرتے ہیں۔

تقلید کی ضرورت

تقلید کی تعریف کسی شخص کی بات کو خواہ وہ کوئی بھی ہو بے دلیل محض حسن ظن سے قابل اعتبار، لائق تسلیم اور واجب العمل جاننا اس کا نام تقلید ہے جیسا کہ شرح بدیع الاصول میں ہے التقلید ھو تسلیم قول الغیر من حسن الظن بغیر دلیل۔ بے دلیل کے معنے یہ نہیں ہیں کہ جس کی بات مانی جاتی ہے، جس کی تقلید کی جاتی ہے وہ اپنی بات کا کوئی ثبوت اور اپنے دعوی کی کوئی دلیل نہیں رکھتا بلکہ اس کی بات کا ماننے والا اس

کی تقلید کرنے والا اس کے زہد و ورع اس کی امانت و دیانت اس کی تحقیق و تدقیق اس کے تبحر علمی اور استحکام دلائل پر ایسا مکمل اعتقاد رکھتا ہے کہ اس سے دلیل طلب کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

مقلد و غیر مقلد کسے کہتے ہیں

تقلید کرنے والے مقلد کہلاتے ہیں اور اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا فرقہ ہے جو ائمہ کبار کی فقاہت اور مجتہدین عظام کے اجتہاد و استنباط کا قائل نہیں اور اسلاف علماء کے تبحر علمی اور تحقیق و تدقیق دینی کو اپنے لئے اسوۂ حسنہ اور قابل تقلید نہیں سمجھتا اور تقلید کو ممنوع و بدعت خیال کرتا ہے اس فرقہ کے لوگ غیر مقلد کہلاتے ہیں اور اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں۔

مقلدین و غیر مقلدین کے اختلاف کا لب لباب

ان دونوں جماعتوں کے اختلاف کا لب لباب یہ ہے کہ مقلدین احکام شرع پر عملدرآمد کرنے کے لئے کسی امام و مجتہد کی تقلید کو ضروری سمجھتے ہیں اور غیر مقلدین تقلید سے متنفر ہیں اور اسے ناجائز اور فعل عبث گردانتے ہیں اور یہ ہر ادنیٰ کوتاہ نظری و بے علمی، مسائل شریعت سمجھنے کے لئے قرآن کریم و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مروجہ کتابیں اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں

ایک مغالطہ کا ازالہ

بظاہر یہ بات کانوں کو بھلی اور دل لبھانے والی معلوم ہوتی ہے کہ اہل حدیث مقلد سے اچھا ہے اور قرآن و حدیث کو بالکل کافی سمجھنا تقلید سے بہتر ہے چنانچہ عام لوگ بہت جلدی اسے ذہن نشین بھی کر لیتے ہیں لیکن یہ جہالت و نادانی اور عدم تحقیق کا ایک فریب ہے حقیقت و واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں مقلدین تقلید امام اس لئے نہیں کرتے کہ حدیث و قرآن کو پس پشت ڈالدیں یا طاق نسیاں میں رکھدیں اور کسی شخصیت کی پرستش میں لگ جائیں بلکہ وہ تقلید اس لئے کرتے ہیں کہ صحیح معنے میں قرآن و حدیث کے پیرو ہو جائیں اور سچے اہل قرآن سچے اہل حدیث اور سچے اہل اسلام کہلائیں۔ غیر مقلدین کہنے کو اپنی زبان سے چاہے کچھ کہہ لیں لیکن صرف زبان سے اہل حدیث کہہ لینے سے آدمی اہل حدیث نہیں بنجاتا۔ حدیث رسول اللہ کا سمجھنا اور اس سے کوئی مسئلہ حل کر لینا ہنسی کھیل نہیں۔ آنحضرت کے ارشادات سمجھنے میں

آنحضرت کے صحابہ جلیل القدر بھی مساوی الفہم نہ تھے۔ بعض بعض دفعہ بڑے بڑے خاص الخاص صحابہ بھی فہم حدیث میں قاصر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ جیسے صحابی نے ایک مرتبہ کہیں یہ کہدیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے رونے سے مردہ عذاب پاتا ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ سنکر فرمایا اللہ عمرؓ پر رحم کرے وہ آنحضرتؐ کی بات سمجھے نہیں بات یہ تھی کہ ایک یہودیہ کا جنازہ جا رہا تھا اس کے عزیز و رشتہ دار اس پر رو رہے تھے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ رو رہے ہیں اور میت کو (اس کے یہودیہ ہونے کی وجہ سے) عذاب ہو رہا ہے اسی طرح بعض صحابہ نے غسل کے واجب ہونے کے موقع پر غسل کا کرنا واجب قرار دیا اور ثبوت میں حدیث انما الماء بالماء پانی (یعنی غسل) صرف پانی (یعنی انزال سے واجب ہوتا ہے جب یہ حدیث نقل کی حضرت عائشہؓ نے اس کی بھی تردید کی اور فرمایا:۔

لوگو! تم سمجھے نہیں یہ حدیث خواب کے متعلق ہے یعنی عالم خواب میں جماع کرنے سے غسل اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک انزال نہ ہو۔ اسی طرح مسئلہ تیمم میں حضرت عمرؓ اور حضرت عمار بن یاسر میں یہ اختلاف ہوا کہ حضرت عمرؓ حالت جنابت میں اگر پانی نہ ملے تو حصول طہارت کے لئے تیمم کو کافی نہیں سمجھتے تھے اور حضرت عمارؓ کافی سمجھتے تھے اور بالآخر حضرت عمارؓ کی بات صحیح ثابت ہوئی۔

بہت سے نظائر صحاح ستہ میں اس قسم کے مذکور ہیں ہماری تو کیا تاب و تواں جو ان بزرگوں میں سے کسی کی رائے کی بھی تغلیط یا تردید کر سکیں لیکن سوچنا یہ ہے کہ جب ایسے پیشوایان ملت کا فہم حدیث میں یہ حال ہے تو عام پڑھے لکھوں یا ان پڑھوں کا کیا حال نہ ہو گا راویوں میں نقص فہم ہی کے باعث بعض صحابہ نے ان کی بعض صحیح الاسناد حدیثوں کو صحیح نہ مانا چنانچہ حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیس کی ایک حدیث کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کیا ایک (ناقص العقل) عورت کے کہنے سے ہم کتاب اللہ کو چھوڑ دیں ممکن ہے یہ بھول گئی ہو یا سمجھی نہ ہو۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سامنے جب ایک بدوی کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی تو آپ نے اسے باور نہ کیا اور فرمایا ایڑیوں پر موتنے والے کا کیا اعتبار۔

صحابہ کرام کے علاوہ محدثین نے بھی بہت سے راویوں کی حدیثوں کو محض ان کی غلط فہمی کے باعث حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم نہیں کیا۔ امام مالکؒ کے سامنے کسی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث نقل کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ جنازہ کو ہاتھ لگانے سے غسل یا وضو کرنا چاہیئے امام مالکؒ نے اس کی تردید کر دی۔ امام شافعیؒ نے بھی بعض اسی قسم کی خرابیوں

کے باعث بہت سی حدیثوں کو صحیح تسلیم نہیں کیا۔

صحیح مسلم میں ایک روایت ہو کہ بشیر بن کعب عدوی حضرت ابن عباسؓ کے سامنے آکر ایک حدیث پڑھنے لگا حضرت ابن عباسؓ نے منہ پھیر لیا۔ اس کی بات نہیں سُنی اس نے کہا کہ اے ابن عباسؓ آپ میری حدیث کیوں نہیں سنتے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرتا ہوں اور آپ سنتے نہیں (یہ کیا بات ہے)، آپ نے فرمایا پہلے جب کوئی شخص کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو ہم کان لگا کر سنا کرتے تھے آنکھیں بھی اس کی طرف جلد نظر کرتی تھیں لیکن جب لوگ جھوٹ سچ ملانے لگے تو اب ہم وہی (حدیث) لیتے ہیں جس کو (صحیح) جانتے ہیں بھلا جب صحابہ کے زمانہ میں حدیث کے متعلق یہ دقتیں درپیش تھیں تو ائمہ کبار کے زمانہ میں احادیث کا کیا حال ہوگا اور استخراج واستنباط مسائل میں انھیں کیسی کیسی دقتوں سے دوچار ہونا پڑا ہوگا۔ اور آج بھی یہ کہنا کہ صحاح ستہ میں مکمل تحقیق ہو چکی مبالغہ کی بات ہے راوی میں حدیث کی اب بھی بھول چوک باقی ہے۔ بخاری ومسلم میں آنحضرتؐ کے قیام مدینہ کے متعلق غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ایک میں یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ہجرت مدینہ منورہ میں تیرہ برس تک رہے دوسری میں یہ ہے کہ آپ نے مدینہ میں دس برس قیام فرمایا۔ لامحالہ دونوں روایتوں میں ایک روایت غلط ہوگی اس قسم کی اور بہت سی نظیریں ہیں۔

محدثین نے روایت کے قاعدے تو بیشک مقرر فرمائے راویوں کے حالات کی بھی جستجو کی لیکن احادیث کے صحیح مطالب سمجھنے اور روایات ناسخ ومنسوخ ومجمل ومحکم اور اُن سے جو احکام مستفاد ہوتے ہیں ان کے دریافت کرنے میں وہ غالبًا کامیاب نہیں ہوئے اور اگر ہوئے تو انھوں نے اپنی تالیفات میں انھیں بیان نہیں کیا ان کی تالیفات میں اس قدر باہم مخالف روایتیں درج ہیں کہ پڑھنے والا حیران ہو جاتا ہے کسی باب میں کوئی روایت درج ہے تو کسی میں کوئی اور باہم مخالف ان مخالف روایتوں سے استخراج مسائل کرنا اور ان میں تطبیق دینا ہر کس وناکس کا کام نہیں یہ اہم کام سوائے مجتہد کے اور کسی سے نہیں ہو سکتا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے ارشاد فرمایا ہے رُبَّ مبلغ اوعی من سامع بہت سے وہ لوگ جن کے پاس (میرا قول) پہنچایا جائے گا (میرے قول کے) سننے والوں سے زیادہ (میرے قول کے سمجھنے اور) یاد رکھنے والے ہوں گے"۔

امام بخاری مقلد تھے اور وہ فقہائے کبار اور ائمہ عظام ہی ہیں اسی لئے خود محدثین کو

بھی بجز ان کی تقلید کے چارہ نہ ہوا. چنانچہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اپنی کتاب الانصاف میں فرمایا ہے کہ امام بخاری نے امام حمیدی سے فقہ سیکھی اور حمیدی امام شافعی کے شاگرد تھے اور امام بخاری شافعیوں میں شمار کیئے گئے ہیں. علامہ قسطلانی شارح بخاری قسطلانی جلد اول میں لکھتے ہیں وقال تاج الدین السبکی و ذکرہ یعنی البخاری ابو عاصم فی طبقات اصحابنا الشافعیۃ تاج الدین سبکی کہتے ہیں ابو عاصم نے بخاری کو ہم شافعیوں میں شمار کیا ہے۔

نسائی اور ابوداؤد بھی مقلد تھے

اسی طرح حضرت مولانا شاہ عبد العزیز اپنی کتاب بستان المحدثین میں نسائی کے متعلق لکھتے ہیں او شافعی المذہب بود وہ شافعی المذہب تھے. اور دارقطنی کے متعلق فرماتے ہیں کہ او علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن دینار بن عبد اللہ است و کنیت او ابو الحسین بر شافعی مذہب است وہ علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن دینار بن عبد اللہ ہیں ان کی کنیت ابو الحسین ہو شافعی مسلک پر ہیں۔

اور ابوداؤد کے متعلق لکھتے ہیں کہ مردم را در مذہب او اختلاف است بعض گویند شافعی بود بعض گویند حنبلی (ود لوگوں کو ان کے مسلک میں اختلاف ہے بعض انھیں شافعی کہتے ہیں بعض حنبلی) اسی طرح اور محدثین کی بھی تقلید ثابت ہو.

الحاصل علم حدیث ایک دریائے ناپیدا کنار ہے اس کی تہ تک پہنچنا اور گوہر مسئلہ نکال کر لانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں کسی مسئلہ کی تحقیق کے لیئے تاوقتیکہ تمام مختلف و متضاد روایات پر عبور تام حاصل نہ ہو محدثین کے قواعد مقررہ کے موافق درجات و مراتب روایات معلوم نہ کر لیئے جائیں راویین کے ثقہ و غیر ثقہ اعتبار و عدم اعتبار وغیرہ کے حالات کا علم نہ ہو ناسخ و منسوخ وغیرہ کی تحقیق نہ ہو روایات مختلفہ و متضادہ میں تطبیق و توفیق کا فن نہ آتا ہو کسی روایت کو ترجیح دینا اس سے مسئلہ معلوم کرنا اور اس مسئلہ کو قابل عمل قرار دینا ہرگز ہرگز درست نہیں یہ کام بڑے بڑے محدثین رحمۃ جن کا سینہ احادیث رسول کا گنجینہ تھا ان سے نہیں ہوا. انھیں بھی تقلید کے بغیر چارہ نہ ہوا. موجودہ دور میں جبکہ قحط الرجال ہے معمولی پڑھے لکھوں کا کال ہے. صحیح عالم باعمل مثل عنقا معدوم ہے. مسلمانوں کا کوئی گروہ بافرد تقلید سے کنارہ کش ہو کر کیسے قرآن و حدیث پر عمل کر سکتا ہے؟

ترک تقلید کے نتائج آدمی اگر فرقہ بندی کے تعصب ناجائز سے اپنے دل و دماغ کو خالی کرلے اور حق و انصاف کی عینک لگاکر مسئلہ تقلید و ترک تقلید پر غور و خوض کرے تو نہایت آسانی کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ نفس تقلید کا انکار کرنے کے بعد نہ کوئی قرآن پر عملدرآمد کرسکتا ہے نہ حدیث پر قرآن کریم کو نازل ہوئے تیرہ سو سال سے زائد ہو چکے ہیں جس عربی زبان میں وہ نازل ہوا تھا آج سرزمین حجاز بھی اس سے محروم ہے اب اگر الفاظ قرآن کریم کے معانی سمجھے جا سکتے ہیں تو کتب لغات کا اعتبار کئے بغیر چارہ نہیں اور اقوال اہل لغات کی صحت پر نہ قرآن کریم ناطق ہے اور نہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاہد۔ ایسی صورت میں یا تو قرآن کے ترجمہ سے محروم ہو جانا چاہیئے یا یہی تقلید جسے ممنوع و منکر سمجھ لیا گیا ہے اکرنی پڑے گی۔

اور اگر تقلید اہل لغات کو گوارا کر ہی لیا جائے جب بھی لفظی ترجمہ احکام شریعت کی تفہیم کے لئے قطعاً ناکافی ہے مثلاً تقلید کی قید و بند سے آزاد ہو کر ہر شخص رمضان المبارک کے روزوں سے فراغت حاصل کرسکتا ہے اس طرح کہ ہر روزہ کا فدیہ ادا کر دے اور آیہ کریمہ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ ؕ (سورۂ بقرہ پ۲)

(ترجمہ) اور ان لوگوں پر جو روزہ کی طاقت (نہیں) رکھتے فدیہ یعنی (دو) محتاجوں کو کھانا کھلانا ضروری ہے کو اپنے دعوے کی دلیل قرار دے اور کہے کہ اس کا مطلب یہ ہے اور ان لوگوں پر جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتے ہیں اور باوجود طاقت کے روزہ نہ رکھیں تو مضائقہ نہیں البتہ ہر روزہ کے بدلہ بطور فدیہ مساکین کا کھانا دینا ان پر فرض ہے۔" اگر اس کو بتایا جائے کہ لفظ یطیقونہ کے معنے طاقت رکھنے کے نہیں ہیں طاقت نہ رکھنے کے ہیں اس لئے کہ یہ باب افعال سے ہے اور باب افعال کا ہمزہ سلب ماخذ کی خاصیت رکھتا ہے کیا کہا جائے یہاں لائے نفی مقدر ہے یعنی لایطیقونہ ہے یطیقونہ نہیں ہے۔

یا سمجھا جائے کہ یہ آیت منسوخ ہے تو ہر بات کے لئے وہ دلیل طلب کرے گا اور دلیل کوئی آیت قرآنی ہوسکتی ہے یا حدیث صحیح رہے۔ مفسرین کے ارشادات جن سے کہ قرآن کے مطالب سمجھ میں آتے ہیں انھیں وہ تسلیم نہ کرے گا اور انھیں قابل اعتماد اور لائق تسلیم سمجھنے کے لئے وہ دلیل طلب کرے گا کیونکہ بے دلیل قرآن و حدیث کسی کی تحقیق و تدقیق کی تقلید کرنا اس کے مسلک غیر مقلدیت کے منافی ہے۔

یہی حال تمام خطابات قرآنی مثلاً اَقِیْمُوا الصَّلوٰۃَ وَاٰتُوا الزَّکوٰۃَ وغیرہ کا ہے تارک تقلید کہہ سکتا ہے کہ نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم ان آیات میں اس زمانہ کے لوگوں کے لئے تھا جو اس وقت موجود تھے اب تیرہ سو پچاس برس کے بعد جو مسلمان ہیں وہ ان باتوں سے آزاد ہیں اگر کہا جائے کہ یہ خطابات عام ہیں ہر زمانہ کے مسلمانوں کے لئے ہیں تو اثبات دعویٰ کے لئے قرآن و حدیث کی کوئی دلیل آنی چاہیے کیونکہ بے دلیل حدیث و قرآن کسی کی بات ماننا خواہ وہ خورد ہو یا بزرگ تقلید ہے اور تقلید کا وہ منکر ہے۔

اور اگر بالفرض وہ ان خطابات کی عمومیت کو بھی تسلیم کرلے اور پھر کہے کہ صیغہ امر وجوب و فرضیت کے لئے نہیں ہے یہ تمہارا خانہ ساز قانون ہے جو ہمارے لئے غیر مسلم ہے ورنہ آیت قرآنی یا حدیث صحیح سے ثابت کرو تو پھر قصہ ہی تمام ہوجائے۔

اسی طرح تارک تقلید اگر دو سگی بہنوں سے نکاح کرلے اور کہے کہ آیت وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الاُخْتَیْنِ میں دو بہنوں کا جاع کرنا ممنوع ہے اور جمع کرنے سے مراد ایک گھر میں دونوں کا جمع کرنا ہوگا تاکہ لڑائی جھگڑا نہ ہو دونوں کو نکاح میں لانا مراد نہیں ہے ورنہ قرآن کی آیت یا حدیث صحیح اثبات مدعا کے لئے پیش کرو رہے اقوال مفسرین تو وہ ناقابل تسلیم ہیں کیونکہ ان کا ماننا وہی تقلید بے دلیل ہے جو ممنوع و غیر مثبت ہے۔

اسی طرح نفس تقلید کا انکار کرنے کے بعد احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی عمل نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ اول تو ترجمہ احادیث کے لئے بھی ترجمہ قرآن کریم کی طرح ہر مسلمان اقوال اہل لغات کی تقلید و اتباع پر مجبور ہے۔

دوسرے یہ کہ احادیث جس قدر بھی آجکل مروج ہیں انھیں اس زمانہ میں بلکہ سرکار رسول علیہ التحیۃ والتسلیم کے وصال کے بعد کے ہر زمانہ میں خود آنحضرت ؐ سے تو کسی نے سنا نہیں راویوں کے ذریعہ سے دستیاب ہوئیں راوی اگر ثقہ اور اچھی یادداشت والا ثابت ہو تو اس کی حدیث کا اعتبار کیا گیا ورنہ اس کی بیان کردہ حدیث ناقابل اعتبار قرار پائی گویا اعتبار حدیث سے پہلے راوی حدیث کا اعتبار ضروری ہوا اور اس کے اعتبار کے لئے اس کے حالات معلوم کئے گئے اور یہ واقعہ ہے کہ راویوں کے حالات بجز اسماء الرجال کی کتابوں کے اور کہیں معلوم نہیں ہوسکتے لامحالہ ان کتابوں کے مصنفین کے اقوال پر حدیث کی صحت و عدم صحت کا مدار ہوگا وہ جس راوی کو ثقہ اور معتبر بتائینگے اس کی حدیث معتبر مانی جائے گی ورنہ غیر معتبر

اور ان کے اقوال کی صحت پر نہ قرآن کریم ناطق ہے اور نہ حدیث رسولؐ شاہد۔ ایسی صورت میں یا تو تمام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناقابل اعتماد قرار دینا ہوگا یا مصنفین اسماء الرجال کی تقلید اور تقلید بے دلیل کرنی پڑے گی۔

علاوہ ازیں انکار تقلید کے بعد دنیوی امور میں بھی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا تمام جغرافیائی تحقیقات و تاریخی انکشافات وغیرہ مسلمانوں کے لئے بالکل بیکار ہو جائینگے خط تار سب ناقابل اعتبار قرار پائینگے اور اگر یہ کہا جائے کہ تارک تقلید صرف مجتہدین کی تقلید کا منکر ہوتا ہے اور اس تقلید کا جس کا تعلق صرف قیاسی و استنباطی مسائل سے شروع ہے تو پھر یہ سوال وارد ہوگا کہ اس مسلک کے لئے قرآن کریم کی کونسی آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی حدیث موید ہے کہ دنیا بھر کے لوگوں کی تقلید کرو۔ لغوی کی، صرفی کی، ادیب کی، مورخ کی اور نہ کرو تو مجتہد کی، لغوی اگر کسی لفظ کے معنے بتائے تو بے دلیل مان لو، صرفی اگر کہے قال در اصل قول بود تو بے قیل وقال تسلیم کر لو۔ تقریر و تحریر کے میدان میں قول ادیب کو مشعل راہ بناؤ مورخ اگر بتائے کہ فلاں سنہ میں فلاں فلاں قومیں نبرد آزما ہوئیں اور اس نبرد آزمائی میں فلاں فاتح اور فلاں مفتوح رہیں تو بڑے سے بڑا دانشمند بھی آمنا وصدقنا کہنا عین دانشمندی خیال کرے مگر تقلید ائمہ و مجتہدین سے کوری پیٹھ پر پوچھنا لگے جن کی ساری عمر خدمت قرآن و حدیث کے لئے وقف رہی۔ کیا تمام امکانی طاقت شریعت کی پابندی و خدمت میں صرف کر دینے کے باوجود امام اعظم جیسے مجتہد اعظم کا علی الاعلان مسلمانوں سے یہ کہنا اترکوا قولی بخبر الرسول حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں میرے قول کو ترک کر دو" امام اعظم کی امانت و دیانت تقوی پرہیزگاری اور طبع محتاط کا پتہ نہیں دیتی۔

مختصر یہ کہ نفس تقلید کا انکار؟ اور جامہ انسانیت میں رہکر نہایت عجیب بات ہے خدا اس عجیب بات سے ہر مسلمان کو بچائے

جو لوگ نفس تقلید، یا تقلید امام معین یا فضیلت تقلید امام اعظم کا انکار کرتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ محققین دہر ہیں جن کی علمی کائنات صرف اپنے مسلک کی چند کتابیں دیکھنے تک محدود ہے اور جن کی حالت کی ترجمانی حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس شعر سے کی ہے ؎

ہر آن کرمے کہ در سنگے نہاں است	زمین و آسمان او ہماں است

ہر شہ کیڑا جو پتھر میں نہاں رہتا ہے اس کی زمین اس کا آسمان اس کے خیال میں وہی پتھر ہوتا ہے۔
دوسرے وہ آزاد منش لوگ ہیں جو تھوڑی بہت مغربی تعلیم سے آراستہ ہوکر یورپین تہذیب میں نشو و نما پاکر مسلک قدیم سے بیگانہ ہو گئے ہیں اور مذہب کی جستجو میں شتر بے مہار یا بن سری ناؤ کی طرح ڈانواں ڈول ہیں اور حق و باطل کا معیار دلیل عقل کی مضبوطی اور کمزوری کو قرار دیتے ہیں اور بلا امتیاز مذہب و مسلک ہر قسم کی کتابیں زیر مطالعہ رکھتے ہیں اور ہر فرقہ کی قید و بند سے بطور خود آزاد ہوکر ایک عجیب قسم کا فرقہ بنتے چلے جارہے ہیں اور فرقہ وارانہ تعصب سے اپنے قلب اور اپنے دماغ کو خالی کرکے اپنے قلب و دماغ میں ہر فرقہ کی طرف سے بد دلی، گہرے تعصب اور سخت حقارت کو جگہ دے رہے ہیں اور بطور فیشن اپنے آپ کو سچا اسلام پرست کہتے ہیں اور اپنی وسعت قلب و دماغ پر نازاں ہوکر ہیچ ما دیگرے نیست کا رؤس الاشہاد ڈنکا بجاتے ہیں اور کسی امام کی تقلید کو، کسی مولوی یا پیر کی اتباع کو، کسی بزرگ کی اطاعت کو اپنی توہین خیال کرتے ہیں
اس آخری گروہ کے لئے تو اس عنوان پر اس وقت تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کافی ہے لیکن گروہ اول جو بے دلیل قرآن و حدیث کسی کی بات کو ماننا تقلید ممنوع و بدعت سیئہ خیال کرتا ہے اس کے لئے چند دلائل نقلی پیش کرنے بھی ضروری ہیں جو گروہ دوم کے لئے بھی بصیرت افروزی کے موجب ہوں گے انشاء اللہ تعالےٰ۔

دلائل تقلید

دلیل اوّل قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ اے ایمان والو! (بزرگ و برتر) خدا کی اطاعت کرو اور (اس کے) رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی تابعداری کرو اور نیز ان اشخاص کی) جو اولی الامر ہیں (اور) تم ہی میں سے (ہیں)
اولی الامر کے لغوی معنے حکم والے کے ہیں حکم والوں سے مراد آیہ کریمہ مذکورہ میں مفسرین کے نزدیک علما و مجتہدین ہیں چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے قال ابن عباس وجابر رضی اللہ عنہما ھم الفقہاء والعلماء الذین یعلمون الناس معالم دینھم وھو قول حسن وضحاک ومجاھد دلیلہ قولہ تعالیٰ ولو ردوہ الی الرسول لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔

حضرت (ابن عباس و حضرت) جابر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حکم والے وہ فقہا و
علماء ہیں جو لوگوں کو ان کے دین کے امور بتاتے ہیں اور یہی حسن (البصری) و ضحاک و مجاہد
کا قول ہے (اور) اس (قول) کی دلیل ارشاد باری تعالے
آیۂ کریمہ مذکورہ یا ایہا الذین آمنوا الخ سے اطاعت خدا و رسول کے ساتھ اطاعت فقہا
بھی صاف بلا تامل واجب و ثابت ہے اور اسی اطاعت فقہاء کا نام تقلید ہے۔

دلیل ثانی ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم (پارہ والمحصنات سورہ نساء رکوع ۷)۔

(۷) اور (بعض ناسمجھ مسلمان ایسے بھی ہیں کہ جب انھیں امن یا خوف کی بات معلوم ہوتی
ہے تو وہ اس کی فضیلت کا پتہ نہیں چلاتے اور بے جانے بوجھے اسے پھیلا دیتے ہیں
حالانکہ اگر وہ اس (بات) کو (اپنے) رسول اور (دوسرے مسلمان) حکم (کرنے) والوں کے
پاس پیش کریں تو ان (مسلمان حکم کرنے والوں) میں سے وہ (عالم و فاضل) جو محقق ہیں
(اور ہر بات کی تہ کو پہنچ جاتے ہیں اس (کی) اصلیت کو معلوم کرلیں (اور ان کے مغالطہ کو
دور کر دیں۔

آیۂ کریمہ مذکورہ بالا میں اللہ عز و جل نے مسلمانوں کو امور دریافت طلب کے لیے سب
سے پہلے رسول کی طرف متوجہ ہونے کی تلقین کی ہے پھر اولی الامر کی جانب ان اولی الامر
کی جانب جو استنباط و قیاس کرنا جانتے ہیں اور مجتہدین کبار میں چونکہ یہ لیاقت بدرجہ
اتم موجود تھی اس لئے اس آیت کریمہ سے ہی مجتہدین کبار کی جانب متوجہ ہونا یعنے ان
کے قول پہ عمل کرنا یعنے ان کی تقلید کرنا واجب و ثابت ہوا۔

دلیل ثالث فلولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم اذا رجعوا الیہم لعلہم یحذرون ۵ پارہ یعتذرون
سورہ توبہ رکوع ۳۔

(ترجمہ) اور امام شریعت کے اذن عام کے بغیر مسلمانوں کو یہ نہیں چاہیئے کہ سب کے سب جہاد
کے لئے میدان کارزار میں آجائیں اور اپنے اپنے گھروں سے چل کھڑے ہوں یہ بات اصول جنگ
اور منافع اہل اسلام کے منافی ہے، اس لیے یہ کیوں نہ کیا جائے کہ (مسلمانوں کے) ہر گروہ
میں سے ایک ٹکڑی (میدان کارزار میں) جائے (اور ایک اپنے گھروں پر رہ جائے) تاکہ لوگ

(جو اپنے اپنے گھروں پر رہیں وہ بزرگ و برتر خدا کی شریعت کا) یہ (فرض پورا کریں کہ) دین میں تفقہ پیدا کریں اور (مسائل شریعت کی تحقیقات میں مشغول رہیں) تاکہ اپنی قوم کے (اُن) لوگوں کو (جو لڑائی پر گئے ہوئے ہیں) جب وہ (لڑائی سے) واپس ہوں تو دین کی تعلیم دیں اور (خدا کا) خوف دلائیں۔

آیہ کریمہ مذکورہ بالا کی ایک توضیح تو مفسرین کے نزدیک یہی ہے جو مذکور ہوئی اور ایک کا لُب لباب یہ ہے کہ " ہر گروہ کے تمام افراد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنا ضروری نہیں۔ کچھ لوگ تعلیم حاصل کرتے آئیں کچھ اپنے گھروں پر رہیں تاکہ جو لوگ تعلیم حاصل کر کے اپنے گھروں کو واپس ہوں وہ اپنی قوم کے پسماندہ اَن پڑھ مسلمانوں کو دینی تعلیم دیں اور خدا کی نافرمانی سے ڈرائیں تاکہ انتظام امور میں بھی خلل نہ پڑے اور تعلیم مذہب بھی عام ہو جائے۔

بہر حال توضیح اوّل تسلیم کی جائے یا توضیح ثانی اس آیت سے یہ ضرور واضح ہو گیا کہ علم دین میں جو فقیہہ بنجائیں ان کی بات کا ان لوگوں کو جو فقیہہ نہیں بنے تسلیم و اجب العمل یقین کرنا ضروری ہے۔

اور اس آیت میں اس بات کی تصریح کہیں نہیں کہ فقیہہ دین کی بات تسلیم کرنے کے لئے دلیل قرآن و حدیث مانگنی بھی ضروری ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جہلا عوام الناس میں نہ اس بات کی تمیز ہوتی ہے کہ ہر بات کی دلیل مانگنی بھی ضروری ہے اور نہ دلیل سمجھنے کی وہ استعداد رکھتے ہیں اور جو لوگ تقلید کے منکر ہیں وہ بھی اپنے اپنے مولویوں کی بات کو بے دلیل محض ان کا اعتبار کر کے ہی صحیح واجب العمل خیال کرتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ مترجموں وغیرہ کے ترجمے اور توضیحات پر اعتماد کرتے ہیں جن کی صحت کے لئے محض حسن ظن اور ذاتی اعتماد کے علاوہ نہ اُن کے پاس دلیل قرآنی ہوتی ہے نہ تائید حدیث۔

اب رہی یہ بات کہ اعتماد کے قابل موجودہ دور کے مولوی ہیں یا اگلے زمانہ کے مجتہد، تو آیہ کریمہ مذکورہ کے الفاظ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ بین طور پر اس امر کو واضح کر رہے ہیں کہ تعلیم جیسے امر اہم کے لئے اس عالم کو مخصوص کیا ہے جو علم دین کے تمام مسائل اجتہادی و غیر اجتہادی میں مکمل واقفیت رکھتا ہو اس لئے کہ عرف عام و خاص میں فقیہہ ایسے ہی عالم و فاضل کو کہتے ہیں۔ اس زمانہ کا بڑے سے بڑا مولوی بھی لقب فقیہہ سے

ملقب نہیں ہو سکتا۔

دلیل رابع بخاری شریف میں ہے بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ کَانَ آیَةً اور فلیبلغ الشاهد الغائب میری جانب سے تبلیغ کرو خواہ ایک ہی بات اور ایک عام آیت (کی) کیوں نہ ہو۔

"حاضر کو چاہیئے کہ (جو کچھ سنا ہے اور سمجھا ہے) غیر حاضر کو پہنچا دے"۔

حدیث اوّل تبلیغ کی تلقین کرتی ہے دوسرے غیر حاضر کو حاضر کی بات سنکر "مان لینی چاہیئے کی تلقین کرتی ہے دونوں حدیثوں میں کہیں اس کی وضاحت کا نام نہیں کہ سننے والے کا کہا' دلیل قرآن و حدیث سے معلوم کرلیں جب مانیں۔

دلیل خامس من یرد الله به خیرا یفقهوا فی الدین وانما انا قاسم والله یعطی متفق علیه اللہ جس کا بھلا کرنا چاہتا ہے اُسے (علم) دین میں فقیہہ (مجتہدین) بنا دیتا ہے اور میں ہی ہوں (اللہ کی نعمتوں کو) تقسیم کرنے والا اور اللہ اپنی نعمتیں مجھے عطا فرماتا ہے ترمذی و ابن ماجہ میں ہے فقیه واحد اشد علے الشیطان من الف عابد شیطان پر ایک فقیہہ (و مجتہد) ہزار (غیر فقیہہ) عباد تگذاروں سے زیادہ بھاری ہے"۔

علماء نے بین طور پر فقیہہ کے معنی مجتہد بیان فرمائے ہیں اور حدیث مذکورہ بالا علم فقہ اور فقیہہ و مجتہد کی فضیلت جس شان سے واضح کر رہی ہے اہل انصاف و اہل بصیرت کی نظروں سے مخفی نہیں اس کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں جو فقہاء کی فضیلت کی وضاحت میں اس حدیث کی موید و ہم معنی ہیں یہ تمام دلائل عقل و نقل جو کچھ مذکور ہوئے محض تقلید مطلق کے اثبات کے لئے کفایت کرتے ہیں اس کے بعد ایک حنفی کے لئے دو عنوان سمجھنے اور باقی رہتے ہیں۔ تقلید معین اور فضیلت تقلید امام اعظم۔

ضرورت تقلید معین

جس طرح ہر مسلمان کو مذہب کے مطابق عمل پیرا ہونے کے لئے مقلد ہونا ضروری ہے اسی طرح ہر مقلد کے لئے ائمہ اربعہ کے مسالک اربعہ میں سے تمام مسائل و احکام شریعت میں کسی ایک مسلک کو اختیار کرنا اور تا دم زیست اسی پر کاربند رہنا اُسے ترک نہ کرنا ہی لازم

ہے یعنے ازروئے شریعت نہ کوئی مقلد بالکلیہ اپنے امام کی تقلید سے رجوع کرسکتا ہے اور نہ کسی مسئلہ خاص میں اپنے امام کے مسلک سے منحرف ہوسکتاہے اور نہ اسے ایک امام سے زائد دو یا تین یا چار مسلک اختیار کرنے کی اجازت ہے چنانچہ

ملا تاری اپنے ایک رسالہ میں فرماتے ہیں :-

بل وجب علیه ان یعین مذهبا من هذه المذاهب اما مذهب الشافی رح فی جمیع الفروع والوقائع واما مذهب مالک واما مذهب حنیفة وغیرهم ولیس له ان ینتحل من مذهب الشافعی مایهویه ومن مذهب ابی حنیفة مایرضاه لانا لو جوزنا ذلک لادی الی الخبط والخروج عن الضبط حاصله یرجع الی نفی التکلیف لان مذهب الشافی اذا اقتضی تحریم الشی ومذهب ابی حنیفة مثلا اباحة ذلک الشئ لعینه اوعکس ذلک فهو ان شاء مال الی الحلال وان شاء مال الی الحرام فلا یتحقق الحلة والحرمة وفی ذلک اعدام التکلیف والبطال فائدته واستیصال قاعدته وذلک باطل انتهی۔

ترجمہ

بلکہ مقلد پر ان مسالک (اربعہ) میں سے کسی ایک مسلک کو معین کرنا واجب ہے یا تو وہ تمام فروع وواقعات میں مسلک شافعی پر (کاربند) ہو، یا مسلک مالک پر ہو یا مسلک ابوحنیفہ وغیرہ اُسے یہ حق نہیں کہ مسلک شافعی میں سے جس بات کو چاہے اسے لے لے اور مسلک ابوحنیفہ کی جس بات کو پسند کرے اسے اختیار کرلے، اگر ہم یہ طریقہ جائز کردیں تو یہ دیوانگی اور ضابطہ (شریعت) سے خارج ہونے تک کی نوبت پہنچا دے اس کا نتیجہ پابندی شرع کی نفی کی طرف رجوع ہوا اس لئے کہ مسلک شافعی جب کسی چیز کو حرام کرنا چاہے اور مسلک ابوحنیفہ رح اسی چیز کو مثلاً مباح کرے، مثال یونہی ہو یا اس کے برعکس تو مقلد کو یہ حق ہو جائے گا چاہے حلال کی طرف مائل ہو چاہے حرام کی طرف ملتفت ہو پس حلت وحرمت ثابت نہ ہوگی۔

اور اس میں پابندی شرع کا معدوم کرنا اس کے فائدہ کا باطل کرنا اس کے قاعدہ کا جڑ سے

اکھیڑ پھینکنا (لازم آتا) ہے اور یہ (صورت جو ایسے لغو نتائج تک پہنچائے وہ در اصل خود ہی لغو اور خود ہی) باطل ہے فقط۔

درمختار میں مذکور ہے ان الرجوع عن التقلید بعد العمل ممنوع بالاتفاق کسی امام کی تقلید سے پلٹنا (اس کے مسلک کے مطابق) عمل درآمد کرنے کے بعد بالاتفاق ممنوع ہے

صاحب بحرالرائق کا ارشاد ہے فوجب علی مقلدی ابی حنیفۃ العمل بہ ولا یجوز لہ العمل بقول غیرہ امام ابوحنیفہ کے مقلد کو انہی کے قول پر عمل کرنا واجب ہے اس کے لئے کسی اور (امام) کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں"

شیخ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں فیحصل اظہر ان الصواب ما ذہب الیہ ابوحنیفۃ وان العمل علی مقلدیہ واجب والافتاء بغیرہ لا یجوز لہم انتہی اسی سے ظاہر ہے کہ ٹھیک بات وہی ہے کہ جس کی طرف امام ابوحنیفہ گئے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ ان کے مقلدین پر انہی کے قول پر عمل کرنا واجب ہے اور غیر حنفی کے قول پر فتویٰ دینا ان کے مقلدین کے لئے ناجائز ہے"

فتاوی عالمگیری باب التعزیر میں ہے حنفی ارتحل الی مذہب الشافعی یعزر جو حنفی اپنا مسلک چھوڑ کر) مسلک شافعی کی طرف جائے گا اسے سزا دی جائے گی۔

نقایہ شرح مختصر وقایہ میں کتاب القضا میں وارد ہے قال ابوبکر الرازی لو قضی بخلاف مذہبہ مع العلم لم یجز فی قولہم جمیعا انتہی ابوبکر رازی فرماتے ہیں اگر کوئی (مفتی) اپنے مسلک کے خلاف جان بوجھ کر فیصلہ کرے تو وہ (فیصلہ) تمام (فقہاء) کے نزدیک ناجائز ہے"

عنوان بالا کے اثبات کے لئے کتب فقہا اس قسم کی عبارات سے پر ہیں یہ اقتباسات جو نذر ناظرین کئے گئے ان کا ایک مختصر انتخاب ہے۔ یہ انتخاب مختصر اثبات مدعا کے لئے بالکل ناکافی ہے۔

فضیلت تقلید امام اعظم

امام اعظم کا مسلک اختیار کئے بغیر چارہ نہ ہوگا امام اعظم کی فقاہت اور علم و لیاقت کا کیا ٹھکانا فقہائے دہر بھی اس کا لوہا مانتے ہیں اور ائمہ عصر ہی اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں حضرت امام اعظم کی فضیلت و علمی جد و جہد کی مسلمانوں کو بشارت دی ہے چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی ہونے کے باوجود اپنی کتاب تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ میں بصراحت لکھتے ہیں بشر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالامام ابی حنیفۃ فی حدیث اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان العلم بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس واخرج الشیرازی فی الالقاب عن قیس بن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان العلم بالثریا لتناولہ قوم من ابناء فارس واخرج البخاری والمسلم فی صحیحہما حدیث ابو ھریرۃ بلفظ لو کان الایمان عند الثریا لناله رجال من فارس . وفی لفظ مسلم لو کان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل من ابناء فارس حتی یتناولہ وفی معجم الطبرانی عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلعم لو کان الدین معلقا بالثریا لتناولہ ناس من ابناء فارس فھذا اصل صحیح یعتمد علیہ فی البشارۃ والفضیلۃ انتہیٰ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں (امام) ابو حنیفہ کی بشارت دی ہے جسے ابو نعیم نے (کتاب) حلیہ میں (اس طرح) نقل کیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ علم اگر میرے بعد آسمان بالا ثریا (تارے) کے پاس بھی ہوگا تو فرزندان فارس میں کے کچھ مرد اسے (وہاں سے بھی) ضرور حاصل کر لیں گے۔

اور شیرازی (کتاب) القاب میں (اس طرح) روایت کرتے ہیں کہ قیس بن سعد فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے علم اگر (آسمان بالا پر) ثریا کے پاس بھی ہوا تو فرزندان فارس کی ایک جماعت اُسے (وہاں سے بھی) قطعی حاصل کر لیں گی اور امام بخاری و مسلم نے بھی اپنی صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں کسی قدر تغیر الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے امام بخاری نے بخاری میں یہ حدیث مذکورہ ابو ہریرہ رضی سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ اگر ایمان (آسمان بالا پر) ثریا کے پاس بھی ہوا تو فارس کے کچھ لوگ اسے ضرور حاصل کر لینگے اور الفاظ مسلم میں یہ (حدیث یوں مروی) ہے کہ اگر دین ثریا کے قریب بھی ہوگا تو فرزندان

فارس میں سے ایک شخص وہاں جائے گا حتیٰ کہ اسے قطعی حاصل کرے گا پس یہ احادیث) جرح سے (اور بالکل) صحیح ہے (امام اعظم کی) بشارت وفضیلت میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

روایات مذکورہ بالا نے اس امر کو بین طور پر واضح کر دیا کہ دین علم اور ایمان اگر ثریا کے پاس بھی ہو تو یہ شخص فرزندان فارس میں سے ہے اپنی اولوالعزمی اور غیر معمولی ذہانت وفطانت، امانت ودیانت اور محنت وریاضت کے باعث سے حاصل کرلیگا اور دوسروں کو یہ بات میسر نہ آئے گی البتہ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ یہ شخص بزرگ ہیں کون؟

لیکن جب یہ مسلم ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ امت مسلمہ ائمہ اربعہ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد حنبلی کے مسالک معینہ کے سوا کسی کا مسلک قبول نہ کرے گی اور امور دین کا دارومدار تا یوم قیامت ان ائمہ پر ہوگا اور یہ واقعہ ہے کہ ان ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ کے علاوہ کوئی امام بھی فارس کا نہ تھا تو ان روایات نے جن بزرگوار کی ثنا وصفت بیان کی وہ باجماع امت محمدیہ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ قرار پائے اور علامہ جلال الدین سیوطی جیسے فاضل زمانہ کا حضرت امام کی فضیلت میں یہ فرمانا مسلمانوں کے لئے بالکل کافی دلیل ہے کیونکہ وہ اکابر محدثین اور اجلہ ائمہ وشافعیہ میں سے ہیں، اب رہی یہ بات کہ ان روایات میں کسی قدر لفظی اختلاف ہے بعض میں الفاظ رجال اور قوم مروی ہیں اور بعض میں رجل تو جہاں لفظ جمع یعنی رجال اور اسم جمع یعنی قوم مذکور ہے وہاں ذات حضرت امام اعظم اور آپ کے جلیل القدر تلامذہ ومتبعین مراد ہیں اور لفظ مفرد رجل صرف حضرت امام اعظم کی تعیین کرتا ہے؛ والعلم عند اللہ

تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے علاوہ مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ اسلاف کبار امت محمدیہ حضرت امام اعظم کے اعتراف خدمات دینیہ وعلو مرتبت میں کس عنوان سے رطب اللسان ہیں۔

محقق اصول، مدقق فروع میر سید شریف نے شرح خلاصہ کیدانی میں فرمایا ہے:-

والسلام علی ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ الذی جاھد فی دین اللہ تعالےٰ فاخلص اجتھادہ وجادہ وعلی اصحابہ الفائقین علی غیرھم بفضل الاصابۃ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر رضائے اکا، سلام کہ جنھوں نے اللہ تعالےٰ کے احکام دین کے مدون کرنے میں کوشش کی اور اس میں) اپنے زور اجتہاد کو بے لوث اور خوب

دمرف) کیا اور ان کے ساتھیوں پر ہی سلام جو حق بات تک تہ اتک پہنچنے کی فضیلت کے باعث اپنے علاوہ دیگر فقہاء پر فائض ہیں۔"

درمختار میں ہے قال الامام الشافعی رحمۃ اللہ من اراد الفقہ فلیلزم فقہاء الا یکتب محمد بن حسن انتھی۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص علم فقہ (جاننے) کا ارادہ کرے وہ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھیوں کا ہو رہے کہ دین کے معانی و مقاصد انہی کو میسر ہیں، خدا کی قسم میں صرف محمد بن حسن (شاگرد امام ابو حنیفہ) کی کتابوں (کا مطالعہ کرنے) سے ہی فقیہہ بنا ہوں۔

ابن حجر کی شافعی قلائد العقیان میں فرماتے ہیں قال سفیان بن عیینہ من اراد الفقہ فعلیہ بالکوفۃ یلازم اصحاب ابی حنیفۃ انتھے

سفیان بن عیینہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم فقہ (سیکھنے) کا ارادہ کرے تو اسے کوفہ جانا ضروری ہے اس حال میں کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا ہو رہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب صراط المستقیم میں فرماتے ہیں:-

امام شافعی را بہ بیند کہ چہ مدح وے و مدح اصحاب وے میکند و می گوید الناس کلھم عیال علی فقہ ابی حنیفۃ و در شان محمد بن حسن شیبانی کہ شاگرد ابو حنیفہ است فرمودہ اگر اہل کتاب از یہود و نصاری تصانیف امام محمد را بہ بیند بے اختیار ایمان آرند و امام محمد شش کتاب تالیف کردہ کہ ہر یکے ازاں شصت مجلد و ہفتاد مجلد بلکہ بیشتر است و امام محمد اکثر مسائل و تحقیق از کتب امام نقل می کرد و نظر میکرد و ازاں استفادہ می نمود و آنچنانکہ تقلید و اتباع امام ابو حنیفہ باحادیث و اقوال صحابہ است دیگر ہرا نیست انتہی۔

امام شافعی کو دیکھئے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھیوں کی کیسی تعریف کرتے ہیں فرماتے ہیں تمام (فقہاء) لوگ امام ابو حنیفہ کی فقہ کے مقابلہ میں بچے ہیں، اور امام محمد بن حسن شیبانی جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں (ان) کی شان میں فرماتے ہیں اگر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ امام محمد کی تصنیفات دیکھیں تو بے اختیار ایمان لے آئیں امام محمد نے چھ ایسی کتابیں تالیف فرمائی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی ساٹھ ساٹھ ستر ستر جلدیں ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ امام احمد (بن حنبل)، اکثر بار یک مسائل امام محمد ہی کی کتابوں سے نقل کرتے تھے اور اُن کی کتابیں دیکھتے رہتے تھے اور ان سے فائدہ حاصل کرتے تھے اور جیسی تقلید و اتباع

امام ابوحنیفہ کی احادیث (رسول اللہ) اور اقوال صحابہ کے مطابق ہے کسی دوسرے (امام) کا نہیں ہے۔

صراط المستقیم میں ایک اور مقام پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

"درچوں احادیث کہ امام شافعی بداں اخذ کردہ وتمسک نمودہ امام ابوحنیفہ بداں تمسک نمودہ واخذ نکردہ مردم گمان کردہ اند کہ مذہب او مخالف احادیث است وحال آنکہ درینجا احادیث دیگراست صحیحہ وقوی تر ازانکہ وے رضی اللہ عنہ اخذ کردہ وتمسک نمودہ انتہی"

چونکہ جن حدیثوں سے امام شافعی نے مسائل اخذ کئے اور (احکام) حاصل فرمائے ہیں امام ابوحنیفہ نے ان سے حاصل نہیں کئے اور اخذ نہیں فرمائے ہیں (اس بنا پر) لوگوں نے گمان کیا کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک احادیث (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے مخالف ہے حالانکہ (اصل واقعہ یہ ہے کہ) یہاں دوسری حدیثیں موجود ہیں جو ان حدیثوں سے جن سے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے (مسائل) اخذ کئے ہیں زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہیں۔

صاحب بحرالرائق کتاب اشباہ میں فرماتے ہیں قال الامام الشافعی من اراد ان یتبحر فی الفقہ فلینظر الی کتب ابی حنیفۃ کما نقلہ ابن وھبان عن حرملۃ انتھی امام شافعی نے فرمایا ہے جو شخص (علم) فقہ میں (عالم) متبحر ہونے کا ارادہ کرے اسے امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے جیسا کہ ابن وہبان نے حرملہ سے نقل کیا ہے۔

امام حموی نے شرح اشباہ میں فرمایا ہے وذکر الحافظ الذھبی فی کتابہ المسمی بالصحیفۃ فی مناقب فقیہ الوقت ابی حنیفۃ ان المزنی روی عن الامام الشافعی ھذا الذی رواہ حرملۃ حافظ ذہبی نے اپنی کتاب الصحیفہ فی مناقب فقیہ الوقت ابی حنیفہ کہا ہے کہ مزنی نے بھی امام شافعی سے یہی (مضمون) روایت کیا جو حرملہ نے بیان کیا۔

وقال ایضا فی کتب المذکور قال عبداللہ بن المبارک ان الاثر قد عرف وان احتیج الی الرأی فرأی مالک وشافعی وابی حنیفۃ وابوحنیفۃ احسنھم وادقھم فطنۃ واغوصھم علی الفقہ وھو افقہ الثلثۃ انتھی کلام الحموی۔

حافظ ذہبی کتاب مذکور (یعنی صحیفہ) میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا اثر (یعنی حدیث رسول اللہ و ارشاد صحابہ کا حال) تو معلوم ہو گیا (اب) اگر رائے (اور مشورہ) کی ضرورت ہے تو رائے تو تین بزرگوں کی ہے مالک کی، شافعی کی، اور ابوحنیفہ کی، ابوحنیفہ ان سب سے

سب سے زیادہ باریک عقل رکھنے والے ہیں اور بحر علم فقہ میں ان سب سے بڑے غواص ہیں اور ان تینوں میں سب سے بڑے فقیہ ہیں۔

عبداللہ بن مالک فرماتے ہیں رفاھیک ما رأیت فی الفقہ مثلہ ورأیت مسعرا فی حلقتہ جالسا بین یدیہ یسئلہ ویستفید منہ ما رأیت احدا قط تکلم فی الفقہ احسن منہ۔

قال معمر ما اعرف رجلا تکلم فی الفقہ احسن معرفۃ من ابی حنیفۃ

قال وکیع ما رأیت احدا افقہ ولا احسن من ابی حنیفۃ

قال ابراھیم بن عکرمۃ ما رأت احدا اورع ولا افقہ من ابی حنیفۃ

قال ابویوسف ما رأت احدا اعلم بتفسیر الحدیث من ابی حنیفۃ

قال ابو یوسف ما رأیت احدا اعلم بتفسیر الحدیث من ابی حنیفۃ

وقال سفیان الثوری کنا بین یدی ابی حنیفۃ کالعصافیر بین یدی البازی وان ابا حنیفۃ لسید العلماء

وقال علی بن عاصم لو وزن علم ابی حنیفۃ لعلم اھل زمانہ لرجح علمھم

قال یزید بن ھارون کتبت علی الف شیخ حملت عنہ العلم فما رأیت واللہ فیھم اشد ورعا من ابی حنیفۃ ولا احفظ لسانا منہ ولا فی اعظم عقلہ۔

(اے مخاطب) تیرے لئے بس (اتنا ہی کہنا) کافی ہے کہ میں نے فقہ میں امام ابو حنیفہ جیسا (عالم متبحر) کسی کو نہیں دیکھا اور میں نے (جناب) مسعر کو ان (کے شاگردوں) کے حلقہ میں بیٹھا دیکھا ہے وہ آپ سے سوال کر رہے تھے اور مستفید ہو رہے تھے میں نے کبھی کسی (فقیہ) کو نہیں دیکھا کہ اس نے علم فقہ میں امام ابو حنیفہ سے بہتر کلام کیا ہو۔

معمر فرماتے ہیں۔ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو مسائل فقہ میں از روئے معرفت امام ابو حنیفہ سے بہتر کلام کیا ہو

امام وکیع امام شافعی کے استاد فرماتے ہیں جیسا ابو حنیفہ سے زیادہ نہ فقیہ کسی کو دیکھا اور نہ بہتر پایا

ابراہیم بن عکرمہ کہتے ہیں میں نے ابو حنیفہ سے زیادہ نہ کسی کو متقی دیکھا نہ فقیہ دیکھا

ابو یوسف فرماتے ہیں میں نے ابو حنیفہ سے زیادہ نفس حدیث کو جاننے والا کسی کو نہیں دیکھا

ابو یوسف محمد لکھتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے تفسیر حدیث جاننے والا بھی کسی کو نہیں دیکھا

سفیان ثوری فرماتے ہیں۔ ہم ابو حنیفہ کی قوت استدلال اور فقاہت اور علم و فہم

آگے ایسے دبے بس ہوتے تھے جیسے باز کے سامنے چڑیاں اور اس میں مطلق شک نہیں کہ ابو حنیفہ علمار کے سردار تھے۔

علی بن عاصم فرماتے ہیں اگر ابو حنیفہ کا علم ان کے زمانہ کے دکل علمار کے علم کے ساتھ تولا جاتا تو ابو حنیفہ کا علم ان کے علم پر غالب آجاتا۔

یزید بن ہارون فرماتے ہیں ایک ہزار اساتذہ کی حدیثیں لکھیں تو میں نے خدا کی قسم ان (سب) میں ابو حنیفہ سے زیادہ متقی کسی کو دیکھا اور نہ زیادہ زبانی یاد داشت رکھنے والا کسی کو پایا) اور نہ عقل کی بڑائی میں کوئی ان کا ہمسر یا ان سے برتر مجھے نظر آیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اپنی مکتوبات کی جلد ثانی میں فرماتے ہیں:۔

"مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی است کہ بہ برکت ورع وتقوی و دولت متابعت سنت درجہ علیا در اجتہاد و استنباط یافتہ است کہ دیگراں در فہم او عاجز اند و مجتہدات او را بواسطہ دقت معانی مخالف کتاب وسنت دانند و او را اصحاب الرائے پندارند کل ذلک لعدم الوصول الے حقیقۃ علمہ ودرایتہ وعدم الاطلاع علے فہمہ وفراستہ

مگر امام شافعی رحمہ شمہ از فقاہت او علیہ رضوان دریافت کہ گفت الفقہاء کلہم عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ بواسطہ ہمیں مناسبت کہ روح اللہ دارد تواند بود خواجہ محمد پارسا رحمتہ اللہ علیہ در فصول ستہ نوشتہ است عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول بمذہب امام ابو حنیفہ حکم وعمل خواہد کرد بے شائبہ تکلف وتعصب گفتہ می شود کہ نورانیت مذہب حنفی بنظر کشفی در رنگ دریائے عظیم می نماید وسائر مذاہب ہر یک حیاض وجداول نظر می آید ناقصان چند احادیث را یاد گرفتہ اند واحکام شرعیہ در آں منحصر ساختہ ماورار معلوم خود را نفی نمایند ؎

ہر آں کرمی کہ در سنگے نہاں است　　　زمین و آسمان او ہماں است

وا صد ہزار وائے از تعصبہائے باریک ایشاں واز نظر ہائے فاسد ایشاں بانی فقہ ابو حنیفہ است وسہ حصہ فقہ او را مسلم داشتہ اند ودر ربع باقی ہمہ شرکت دارند ودر فقہ صاحب خانہ او ست ودیگراں ہمہ عیال وے اند انتہیٰ۔

امام اعظم کوفی کی مثال روح اللہ کی مثال ہے جو اتباع سنت کی دولت اور تقویٰ پرہیز گاری کی برکت سے اجتہاد مسائل واستنباط احکام میں انھوں نے وہ بلند مرتبہ پایا کہ دوسرے لوگ اس کے سمجھنے میں بھی عاجز ہیں اور ان اجتہادات کو مطالب

کی باریکی کی وجہ سے مخالف قرآن وحدیث خیال کرتے ہیں اور انھیں اصحاب رائے میں سے سمجھتے ہیں یہ سب باتیں (درحقیقت) اُن کے علم و دانش کی حقیقت تک نہ پہنچنے اور ان کی فہم و فراست سے مطلع نہ ہونے کے باعث ہیں مگر ہاں امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی شمہ بھر فقاہت معلوم کی تبھی جو انہوں نے کہا کہ فقہا (تمام) ابو حنیفہ کے (آگے علم) فقہ میں بچے ہیں۔ اسی مناسبت کی وجہ سے جو آپ روح اللہ سے رکھتے ہیں یہ ممکن ہو سکتا ہے جو کہ خواجہ محمد پارسا نے "فصول ستہ" میں تحریر کیا ہے (یعنی یہ) کہ عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام (آسمان بالا سے) نازل ہونے کے بعد امام ابو حنیفہ کے مسلک کے مطابق حکم و عمل کریں گے بے شائبہ تکلف و تعصب کہا جاتا ہے کہ مسلک حنفی کی نورانیت صاحب کشف کی نظر میں دریائے عظیم کے رنگ میں معلوم ہوتی ہے اور باقی ہر ایک (امام) کے مسلک کی حوض اور نہریں دکھائی دیتی ہیں ناقص لوگوں نے چند حدیثیں یاد کر لیں اور احکام شرعیہ کو ان میں منحصر کر لیا (اور اپنی معلومات (و تحقیق) سے آگے (کی بات) کی نفی کرنے لگے (سچ ہے)

ہر وہ کیڑا جو پتھر میں پوشیدہ ہے اس کا زمین و آسمان وہی (پتھر) ہے

افسوس ہزار افسوس اُن خفیف تعصبات اور فاسد نظروں پر بانی فقہ (امام) ابو حنیفہ ہیں اور فقہ کے تین حصے انھیں سونپ دیئے گئے اور باقی چوتھے میں سب (امام و فقہا) نے شرکت کی اور علم فقہ میں گھر کے مالک ابو حنیفہ ہیں اور دوسرے (ائمہ و فقہا) ان کی اولاد"

ملا قاری اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں:۔

واما اتباع ابی حنیفة فلا يما وحد يثا فهي الازدياد في جميع البلاد الروم وماوراء النهر وولاية الهند والسند واكثر اهل خراسان وعراق موجود كثير في بلاد العرب بالاتفاق واظن انهم يكونون ثلثي المسلمين بل اكثر عند المهندسين بالاتفاق۔

اور رہے امام ابو حنیفہ کے قدیم و جدید مقلدین تو وہ (دنیائے اسلام کے) تمام شہروں میں بکثرت ہیں خصوصاً بلاد روم و ماوراء النہر میں اور ملک ہندوستان میں اور اکثر اہل خراسان و عراق ہیں بلاد عرب میں بکثرت موجود ہونے کے ساتھ ساتھ میرا خیال ہے کہ وہ (دنیا کے کل) مسلمانوں کی دو تہائی آبادی سے کم نہ ہوں گے بلکہ محاسبوں کے نزدیک

بالاتفاق اس سے بھی زیادہ ہوں گے۔

ملا علی قاری اس رسالہ میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

ویکفینا من السلاطین ابراھیم بن ادھم المتلمذ لہ ما منافی العلم والعمل واعراضہ من الدنیا واقبالہ علی العقبیٰ والحضور مع المولیٰ مع ان السلاطین فی کل زمان ومکان ثابتون علی مذھب النعمان کسلاطین روم حفظھم اللہ من الحوادث والدوران وسلاطین ما وراء النھر فی کل دھر وعصر وسلاطین الھند والسند فی البر والبحر ولعل حکمۃ ذالک ان اباحنیفۃ من ذریۃ کسریٰ الملقب بنوشیروان العادل فحیث عدل الامام عن الدنیا وقبل علی العقبیٰ جعل اللہ سلاطین الاسلام واساطین الانام من العلماء الاعلام تابعین لہ الی یوم القیام حتی روی ان المھدی علیہ السلام انما یحکم علی وفق مذھبہ علیہ الرضوان لماروی الحسن بن سلیمان فی تفسیر حدیث لاتقوم الساعۃ حتی یظھر العلم وھو العلم الا ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ من الاحکام انتھیٰ۔

ہمیں (تقلید امام اعظم کی طرف مائل کرنے کے لئے سلطان ابراہیم بن ادہم (جیسے بزرگ) کافی ہیں جو (تخت شاہی چھوڑ کر) دنیا سے روگردانی کرنے اور عقبیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور مولے کے دربار میں حاضری دینے میں ہمارے ہی امام کے شاگرد (مقلد اور متبع) ہیں اس کے ساتھ یہ بات بھی کچھ کم نہیں کہ سلاطین اسلام ہر زمانہ اور ہر مقام میں مسلک امام اعظم نعمان پر قائم رہے ہیں مثل سلاطین روم (اللہ انھیں حوادث دہر اور (زمانہ کی) گردشوں سے بچائے) اور مثل سلاطین ماوراءالنہر ہر دہر اور ہر عصر میں اور مثل سلاطین ہند و سندھ و بر و بحر میں اور ممکن ہے اس میں خدا کی یہ حکمت ہو کہ ابوحنیفہ (چونکہ کسریٰ کی اولاد میں سے ہیں جو نوشیرواں عادل کے لقب سے ملقب ہے اس لئے جب امام اعظم دنیا سے گذر گئے اور عقبیٰ کی جانب تشریف لے گئے تو اللہ عزوجل نے سلاطین اسلام کو مخلوق (عالم) کے ستونوں (یعنی علمائے نامدار کو قیامت تک کے لئے ان کا متبع (و مقلد) کر دیا یہاں تک مروی ہے کہ امام مہدی

علیہ السلام بھی ان ہی کے مسلک کے مطابق (ان پر خوشنودی الٰہی نازل ہو) حکومت کرینگے اس لئے کہ حسن بن سلیمان حدیث لا تقوم الساعۃ الخ (قیامت اس وقت تک برپا نہ ہوگی جب تک کہ علم غلبہ نہ پائیگا) کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ وہ علم جو غلبہ پائے گا علم واحکام (امام) ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہوگا؛

امام اعظم کے علم و فضل زہد و ورع فقاہت و فراست، فطانت و ذکاوت، تحقیق و تدقیق وغیرہ خصوصیات کا جو سکہ ان کی موجودگی اور ان کے بعد محدثین و مجتہدین و فقہاء کے قلوب پر رہا ہے اس کا حال اقتباسات مذکورہ بالا سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا اور ہمیشہ سے مسلک امام اعظم کو جو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے اس کے وجوہ کی بھی تحقیق ہوگئی یہ نتائج ہر اس جویائے مسلک حق کو مسلک حق تک پہنچانے کے لیے بالکل کافی ہیں جس کا دماغ فہم و فراست کی قوت سے معمور ہے اور حق و انصاف کی دولت سے مالا مال ہونے کی استعداد رکھتا ہے لیکن عنوانات ثلثہ مذکورہ تقلید تعین، فضیلت تقلید امام اعظم کے مخالفوں کی تعداد میں اس قسم کے افراد کی خصوصیت سے کمی ہے، میرے زاویہ نظر میں سرزمین ہند میں یہ مخالف عام طور سے دو قسم کے ہیں،

غیر مقلدین کے اقسام

ایک وہ کہ جن کا ایمان تقلیدی ہے جس مسلک پر اپنے آباؤ اجداد کو انہوں نے پایا اسی کو صحیح اور قابل تقلید جانا تقلید ائمہ کے متعلق ان کی گفتگو "تیر بہ تاریکی انگندن" کی مصداق ہے انھیں نہ یہ خبر کہ تقلید جس کے ہم مخالف ہیں کیا چیز ہے نہ یہ معلوم کہ فقہ جس کی ہم تردید کر رہے ہیں کس علم کا نام ہے نہ یہ پتہ کہ فقیہہ و مجتہد و محدث کی کیا شان ہے یہ مسلمانوں کا وہ گروہ ہے کہ جس کا مرض ناقابل علاج ہے جو حقیقت کا درخشاں و تاباں آفتاب دیکھنے کے بعد بھی ظلمت و ضلالت کی پرستش سے باز نہیں آتا اور ہر معلم و ہر ہادی کے سامنے ھذا ما فعل اٰبائنا الاولون کا نعرہ لگاتا ہے اور اس نعرہ زنی کو اپنے بے بنیاد دعوے کی دلیل مستحکم خیال کرتا ہے۔

اس گروہ میں ایسے افراد بھی ہیں جو کتب متداولہ شرعیہ میں مدارس مروجہ سے دستار فضیلت حاصل کر چکے ہیں لیکن ان کا مطالعہ چند مخصوص کتابوں کے دائرے سے کبھی آگے نہیں بڑھتا اور ان کی نظریں ہمیشہ اپنی کوتاہی کی شاکی رہتی ہیں اور ان کی حالت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق اس شعر کی مصداق ہوتی ہے ؎

ہر آں کرمے کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسمان او ہمان است

(مطلب شعر) ہر وہ کیڑا جو کسی پتھر میں چھپا رہتا ہے، اسے کیا خبر کہ زمین کتنی وسیع ہوتی ہے اور آسمان کتنا بلند، اس کا زمین و آسمان (تو بس) وہی پتھر ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرے وہ آزاد منش مسلمان ہیں جو تھوڑی بہت مغربی تعلیم حاصل کر کے یورپین اٹیکیٹ میں نشو و نما پا کر اپنی آزادی بمطابق العنانی سے عاجز ہو کر مذہب حق کی جستجو میں بن سری ناؤ کی طرح ڈانواں ڈول ہیں اور ہر ایک بات کے حق و باطل کا معیار دلیل حق کی مضبوطی و کمزوری قرار دیتے ہیں اور بلا امتیاز مذہب و مسلک اور بلا تخصیص قوم و ملت ہر قسم کی کتابیں زیر مطالعہ رکھتے ہیں اور ہر فرقہ کی قید و بند سے آزاد ہو کر بطور خود ایک قسم کا فرقہ بنتے جا رہے ہیں اور فرقہ وارانہ تعصب سے اپنے قلب و دماغ کو خالی کر کے اس خلا میں ہر فرقہ کی طرف سے بد دلی گہرے تعصب اور شدید حقارت کو جگہ دے رہے ہیں اور ہمچو ما دیگرے نیست کا علی روس الاشہاد ڈنکا بجاتے ہیں لیکن بعض نو مولود فرقے موجودہ زمانہ میں ایسے بھی ہیں جو ان کی اس غیر معتدل روش سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مختلف ترکیبوں سے انھیں اپنے اندر جذب کر کے اپنی مختصر تعداد میں ایک معتد بہ اضافہ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کا وہ رشید الشان گروہ جسے اہل سنت و الجماعت ہونے کا فخر حاصل ہے سب کچھ جاننے اور سب کچھ سمجھنے کے باوجود اپنی غفلت کے اصول عام کو کسی طرح ہاتھ سے نہیں دیتا اور ان کے اذہان کے مناسب ان کی عقول کے مطابق ان کی اصلاح کی کوئی فکر نہیں کرتا۔

اس دیباچہ یا مقدمہ کے مضامین بالا ذیل میں فرقہ ۱ کے تعلیم یافتہ افراد کے خیالات کی تصحیح تو ہمارے پیش نظر ہے ہی لیکن اس فرقہ آخر یعنی ۲ کی رہنمائی خاص طور سے ہمارے مطمح نظر ہے۔

ہاں عنوانات ثلثہ مذکورہ کے متعلق اس وقت تک جو کچھ لکھا گیا وہ بمقابلہ اس کے کہ جو کچھ لکھنا چاہیئے تھا یا لکھا جا سکتا تھا نہایت مختصر ہے اور یہ سمجھ کر کہ ؎

ایک دفتر طویل کے لکھنے سے فائدہ
دو لفظ ہی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

اس اختصار کو مناسب خیال کیا گیا

بہر حال اب اس بیان کو ختم کیا جاتا ہے اور اس کی تکمیل کے لیے فقہ کی ضروری تحقیق کی جاتی ہے اور اس کی جمع و تالیف پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ اہل تقلید و غیر اہل تقلید دونوں جماعتوں کی بصیرت و معلومات میں اضافہ ہو۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

فقہ

فقہ کی لفظی معنوی تحقیق لفظ فقہ کی ف پر زیر ق پر جزم اور ہ پر تنوین ہے یہ مصدر ہے اس کی ماضی فَقِہَ (مکسور العین) ہے اور عَلِمَ (اس نے جانا) کے معنی میں مستعمل ہے۔

اس کے لغوی معنے "جاننا" اور "معلوم کرنا" ہیں اور عرف عام میں اس کا اطلاق علم شریعت پر ہوتا ہے جیسا کہ صاحب در مختار مقدمہ در مختار میں فرماتے ہیں الفقہ لغۃ العلم بالشیٔ ثم خص بعلم الشریعۃ وفقہ بالکسر فقہا علم اور علمائے اصول فقہ کی اصطلاح میں فقہ احکام شرعیہ[1] فرعیہ[2] کے اس علم کا نام ہے جو احکام مذکورہ کے دلائل[3] تفصیلیہ سے حاصل کیا جاتا ہے چنانچہ حاشیہ نور الانوار میں ہے الفقہ ھو العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ عن ادلتھا التفصیلیۃ

اور ارباب حقیقت[4] یعنی اصفیائے اتقیا کے نزدیک علم کو عمل کے ساتھ ملانے کا نام فقہ ہے چنانچہ مقدمہ در مختار میں ہے وعند اھل الحقیقۃ الجمع بین العلم والعمل

علم فقہ کا موضوع ہر علم کا ایک موضوع ہوتا ہے موضوع اس چیز کو کہتے ہیں جس کے عوارض ذاتی اور متعلقات سے اس علم میں بحث کی

ف۱ احکام کے ساتھ "شرعیہ" کی قید احترازی ہے یعنی اس قید سے احکام عقلیہ و حرفیہ و تجربیہ وغیرہ کو تعریف سے خارج کرنا مقصود ہے۔

ف۲ احکام شرعیہ کی دو قسمیں ہیں اصلیہ اور فرعیہ۔

وہ[1] احکام شرعیہ جن کا تعلق اعتقاد سے ہے انہیں اصطلاح شرعی میں احکام شرعیہ اصلیہ کہتے ہیں اور جن[2] کا تعلق عمل سے ہے وہ احکام شرعیہ فرعیہ کہلاتے ہیں۔

علم احکام شرعیہ اصلیہ کا نام کلام ہے اور علم احکام شرعیہ کا نام فقہ۔

ف۳ احکام شرعیہ (خواہ اصلیہ ہوں یا فرعیہ ان) کا استخراج و استنباط کتاب اللہ سنت، اجماع، قیاس ان چار دلائل پر موقوف و منحصر ہے دلائل تفصیلیہ انہی دلائل اربعہ کو کہتے ہیں ان دلائل اربعہ میں سے دلیل اول کتاب اللہ سے مراد بعض فقہاء کے نزدیک تمام قرآن کریم ہے یعنی قرآن کریم کی وہ پانسو آیتیں بھی کتاب اللہ میں داخل ہیں جن میں احکام ظاہری کا بیان ہے اور وہ قصص و امثال بھی جن میں احکام باطنی مذکور ہیں اور بعض کے نزدیک قرآن کریم کی صرف وہ پانسو آیتیں مراد ہیں جن کا تعلق احکام سے ہے اسلئے

جاتی ہے جیسے علم طب کا موضوع بدن انسان ہے اور صرف و نحو کا موضوع کلمہ و کلام
علم فقہ کا موضوع مکلف باشرع (یعنی ہر عاقل بالغ شخص) کا فعل ہے خواہ اس
فعل کا تعلق اوامر شریعت سے ہو یا نواہی سے۔

علم فقہ کی علت غائی علم فقہ کی تدوین و تالیف کی غرض و غایت یہ ہے کہ ایک عاقل بالغ اور مکلف باشرع صحیح و سہل طریقہ سے مسائل و احکام شریعت پر کاربند ہو اور فلاح و سعادت کونین حاصل کرے اور گمراہی و کجروی اور اس کے عذاب سے محفوظ رہے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۸۰) کہ وہ اصل شریعت ہیں اور قصے اور مثالیں تعریف کتاب اللہ سے مستثنے ہیں اور دلیل ثانی
سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول اور ہر فعل بالتخصیص مراد ہے بلکہ آثار و تقریر بھی داخل سنت ہیں
آثار (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے قول کو کہتے ہیں۔
تقریر اس بات کا نام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے معرض وقوع میں آئی اور آپ نے
اسے ممنوع نہیں فرمایا مباح رکھا۔
اور صاحب نور الانوار فرماتے ہیں وھکذا المراد من السنۃ بعضھا وھو مقدار ثلثۃ
آلاف یعنی جس طرح قرآن کریم سے قرآن کریم کا بعض حصہ مراد ہے اسی طرح سنت سے بھی تمام احادیث رسول
اللہ علیہ وسلم کا بعض حصہ مراد ہے اور اس حصہ کی احادیث کی تعداد تین ہزار ہے۔
اور دلیل ثالث اجماع ہے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مجتہدین کا کسی دینی بات پر متفق و متحد
ہو جانا مراد ہے
اور دلیل رابع قیاس ہے وہ قیاس مراد ہے جو ہر سہ دلائل مذکورہ بالا کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ
یا اجماع امت محمدیہ سے مستنبط ہو۔

۵ حقیقت و طریقت مغز و اصل شریعت ہے وہ متصوف جو طریقت کو شریعت سے جدا سمجھتا ہے کفر کی
سی بات کرتا ہے اور اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے درحقیقت نہ اسے مسائل و احکام شریعت سے واقفیت
ہے نہ نکات طریقت و رموز حقیقت سے آگہی۔
حضرت امیر خسرو علیہ رحمت نے خوب فرمایا ہے ؎

عین حقیقت بشریعت درا ست	شرع اگر عین نہ باشد ثمرا ست
ہر کہ تنگ از شرع فرا تر زدہ	اللہ و یارب ہمہ زو عمر بدہ

فقہ کی مختصر تاریخ مسلمانوں کی تاریخ کی ورق گردانی جن حضرات نے کی ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دیگر علوم وفنون کی طرح فن کتابت کا رواج بھی عربوں میں کم تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قدر کلام اللہ شریف نازل ہوا تھا اسے آپ کے صحابہ لکھتے بھی تھے اور یاد بھی کرتے تھے لیکن اہتمام کتابت اس کی شان کے شایاں نہ ہونے کے باعث اس کی حفاظت کا دارو مدار صرف حفاظ پر تھا جن کے قلب کی لوح پر اور دماغ کی گہرائی میں کلام منزل کا حرف حرف کالنقش فی الحجر تھا۔

اس دور کشاکش میں مسلمانوں کے پاس یا تو ایک ہی منقوش مغلظم تھا جو تمام دنیا کے علوم و فنون کی کلید سعادتوں کا سرچشمہ، اقبال مندیوں کا ذخیرہ مہمات وصعوبات کا مکمل وتیر بہدف علاج تھا یا ذات گرامی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تھی اور ذات گرامی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ کے صحابہ کو کسی اور چیز کی ضرورت بھی نہ تھی کتاب اللہ کی اتباع اور احکام شریعت کی پابندی میں جو طریقہ رسول تھا وہ متبعین رسول کا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وضو فرماتے اور نماز پڑھتے اور اپنے صحابہ کو ان کے فرائض وسنن ومستحبات کی تفصیلات سے آگاہ نہ کرتے تھے تو صحابہ کو بھی ان تفصیلات سے آگاہ ہونے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی صحابہ کا فرض بس اس قدر تھا کہ جو عمل آنحضرتؐ کو کرتے دیکھیں وہی خود بھی کرنے لگیں اور جو آنحضرتؐ حکم دیں اس کی تعمیل اپنا فرض عین جانیں اور اُسے فلاح دارین کا موجب بالیقین کریں۔

اور جو معمولی وغیر معمولی واقعہ رونما ہو تو قول فیصل رسول کو اس کے متعلق بالکل کافی ووافی خیال کریں اور اُسے لکھکر یا یاد کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کرلیں۔

چنانچہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ جب ملک یمن کے قاضی بناکر بھیجے گئے تو آپ نے آنحضرتؐ سے زکوٰۃ اور قتل کے بارے میں کچھ مسائل دریافت کر کے قلمبند کرلئے تاکہ یمن میں فیصلہ مقدمات میں وہ مسائل محفوظ آپ کی رہنمائی کریں اسی طرح حضرت معاذ بن جبل اور دیگر صحابہ کبار نے بھی بہت سے مسائل آپ سے تحقیق کر کے لکھ لئے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر صحابہ جلیل الشان نے اپنے اپنے قرآن میں بطور حاشیہ آنحضرتؐ کے تمام وہ الفاظ نوٹ کرلئے تھے جو آپ بطور تفسیر وتشریح وقت تلاوت قرآن ارشاد فرمایا کرتے تھے جنھیں بوقت جمع قرآن قرآن سے الگ کردیا گیا اور اس علیحدگی کی بنا پر بعض لوگوں نے اُسے قرأت منسوخہ جانا۔

الحاصل اس دور میں بلکہ اس کے کچھ عرصہ بعد کے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی ہدایت کا

سرچشمہ یا تو کلام اللہ ہی تھا یا ان کی یادداشت کا وہ بیش قیمت خزانہ تھا جو کلام اللہ کی تفسیر اند سیرت رسول اللہؐ کی زرین معلومات سے لبریز تھا اس زمانہ میں دراصل مسلمانوں کی نظر اصول و مقاصد کی طرف زیادہ تھی فرعیات وغیرہ ضروری تفصیلات کی انھیں فرصت نہ تھی اور تعداد کے اختصار دائرہ کے محدود سمجھ کی پختگی اور فیضان تعلیم کے مکمل ہونے کے باعث حوادث و واقعات بھی کچھ ایسے رونما ہو گئے تھے اور ہوتے بھی تھے تو اس دور ہدایت کے علما کی ہدایت ان کے استیصال وانفصال کے لئے بالکل کافی ہوتی تھی لیکن ذات گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راہی ملک بقا ہونے کے بعد صحابہ و تابعین کے عہد میں جبکہ شمع رسالت کے پروانوں کی تعداد میں ایک معتدبہ اضافہ ہوا تمام جزیرہ نمائے عرب کے ریگستانی ذرے آفتاب اسلام کی ضیا پاشی سے جگمگا اٹھے اور ان کی تابندگی و درخشندگی کے آگے تمام عالم کے تمدن و معاشرت و مذاہب کا چراغ گل ہونے لگا اور ایمان و صداقت کی حکومت کا دائرہ عرب کی چار دیواری سے نکلنے کے باوجود بھی ایک مرکز پر قناعت نہ کر سکا تو واقعات و حوادث اس قدر کثرت سے پیش آئے کہ قرآن کی ظاہر عبارت سے ان کا تصفیہ نہ ہو سکا اور حضرت علی حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت معاذ بن جبل وغیرہ صحابہ جلیل الشان کو بھی اجتہاد و استنباط کی ضرورت ہوئی کتب احادیث میں اب بھی ان کے استنباط کی نظائر موجود ہیں بلکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لما بعث معاذا الی الیمن قاضیا قال لہ بما تقضی یا معاذ قال بکتاب اللہ قال فان لم تجد قال بسنۃ رسولہ قال فان لم تجد قال اجتھد فیہ برائی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ بما یرضی بہ رسولہ اخرجہ ابوداؤد والترمذی واشار الی ضعفہ ولہ شواھد موقوفۃ عن عمر وابن مسعود وزید بن ثابت وابن عباس اخرجھا البیھقی وفی سننہ عقیب تخریج ھذا الحدیث تقویۃ لہ کذا فی مرقاۃ الصعود وشرح سنن ابی داود للسیوطی۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو قاضی بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت فرمایا اے معاذ! فیصلہ (مقدمات) کس چیز سے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا قرآن سے! آپ نے فرمایا اگر تمھیں (اپنے فیصلہ کی سند کے لئے دلیل)

قرآن نہ ملے؟ عرض کیا (پھر) سنت رسولؐ سے فرمایا اگر تمہیں وہ بھی نہ ملے؟ عرض کیا (پھر) اس (صورت) میں میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا

اس پر خدا کے رسول علیہ التحیۃ والتسلیم نے (مسرت و خوشنودی کا اظہار کیا اور فرمایا حمد و ثنا اس (بزرگ و برتر) خدا کے لئے (شایاں) ہے جس نے اپنے رسول کے ایلچی کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ جس سے اس کا رسول راضی ہوا نیز آیہ کریمہ

ولو ردوہ الی الرسول والی الامر منھم[1] الخ جس کی تشریح و توضیح دلائل تقلید کے عنوان میں بیان کردی گئی ہے اجتہاد و استنباط کی ضرورت کے اثبات کے لئے بالکل کافی ہے۔

یہ امر سورج کی روشنی سے زیادہ روشن ہو کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت دور رسالت میں بھی ہوئی اور عہد صحابہ میں بھی اور طریق اجتہاد و استنباط مجتہدین کبار و ائمہ عظام تک صحابہ ہی سے منتقل ہو کر پہنچا ہے مجتہدین و ائمہ کی ایجاد نہیں ہے البتہ اتنا فرق ضرور ہوا کہ ائمہ نے ضروریات احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے استخراج مسائل کے لئے کچھ قواعد و ضوابط مثلاً تفریع۔ حمل النظیر علی النظیر۔ قیاس وغیرہ وضع کرلئے۔

اور علوم قرآن و حدیث و فقہ کے اس عظیم الشان خزانہ کو جو صحابہ کرامؓ کے سینہ ہائے فراخ میں مکنون تھا اور باقاعدہ کتابت سے محروم صحابہ و تابعین سے انہوں نے حاصل کیا اور بساط قرطاس پر بشکل کتاب سے سجایا سب سے پہلی اور شہرۂ آفاق تصنیف امام مالکؒ کی کتاب موطا ہے قدر کے ہاتھوں نے اس کا استقبال کیا اور ضرورت تصنیف و تالیف کے احساس کو قوت بخشی پھر امام ابو یوسفؒ نے قرآن کریم و احادیث و اجماع صحابہ سے اعمال شرعیہ و فرعیہ کا انتخاب کیا امام محمدؒ نے چھ ضخیم کتابیں جامع صغیر۔ جامع کبیر۔ مبسوط۔ زیادات سیر کبیر و صغیر تالیف فرمائیں یہ دونوں بزرگ امام اعظمؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں مسائل کی موجودہ صورت میں ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ کا بڑا دخل ہے ہم ان کا اور بعض دیگر تلامذہ امام اعظمؒ کا تذکرہ اس مقدمہ کے خاتمہ پر درج کریں گے تاکہ مسلمانوں کو ان کی دینی خدمات ان کی علمی شان اور ان کے زہد و ورع کا حال معلوم ہو مذکورہ بالا کتابوں کی تصانیف سے قبل جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں غیر مرتب تھیں اور ائمہ محدثین کی یادداشت کے خانے اس خزانے سے معمور تھے اور اپنے اپنے حلقہ تلامذہ میں

[1] پارہ ۵ والمحصنات رکوع ۸۔

ائمہ انھیں سنایا کرتے تھے اسی طرح مسائل فقہیہ بھی باقاعدہ مدون نہ تھے فقہار کے سینوں میں پوشیدہ تھے اور اپنے اپنے شاگردوں کے حلقہ میں فقہار ان کی تحقیق و تدقیق تعلیم و تلقین فرمایا کرتے تھے اس بابرکت زمانہ میں گو کہ ائمہ محدثین و فقہار کی کافی تعداد موجود تھی لیکن امام ابو حنیفہ نے اپنی خداداد قابلیت کے باعث جو نام نیک پایا اس کی نظیر نہ اس زمانہ میں تھی نہ آجتک پیدا ہوئی کبار ائمہ و اساتذہ نے جس عمدہ عنوان سے امام اعظم کے نادر المثال محاسن کا اعتراف کیا ہے اس کا کچھ حال ناظرین مقدمہ کے عنوان گذشتہ فضیلت تقلید امام اعظم کے ذیل میں بھی علوم کر چکے ہیں اور عنوان آیندہ "حالات ائمہ اربعہ" کے ذیل میں بھی معلوم کریں گے۔

بقول امام شافعی فقہ میں سب لوگ امام اعظم کے سامنے ان کی اولاد کے مانند ہیں۔ استنباط کے قواعد امام صاحب نے مدون فرمائے استخراج مسائل کے قوانین جن کا مدار تبحر علمی زباندانی خداداد سلیقہ اور خوش فہمی پر ہے امام صاحب ہی نے باندھے ہی اسی استخراج و استنباط کو قیاس کہتے ہیں اور استخراج و استنباط کرنے والے کا نام مجتہد ہے۔ مجتہد کے لئے جس طرح معلوم استنباط قرآن پر عبور کامل اور زباندانی و خوش فہمی کا بہرہ ور ہونا ضروری ہے اسی طرح احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار کے ایک ذخیرہ کافی کی بھی ضرورت ہے امام صاحب کی سکونت کدہ چونکہ کوفہ تھا جو اس زمانہ میں قبلۃ العلم کے معزز لقب سے ملقب تھا اور صحابہ کرام کی منزل گاہ اور مسلمانوں کے لئے علوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا اس لئے اجتہاد کی تمام مذکورہ شرائط امام صاحب نے بڑی سہولت سے اور نہایت اعلیٰ پیمانہ پر پوری کیں اس کے بعد آپ کی خداداد طبیعت اور نادر المثال قابلیت کے جوہروں نے دین متین کی جو مہتم بالشان خدمات انجام دیں لا محالہ اس کا اعتراف بڑے بڑے محدثوں فقیہوں اور مفسروں کو کرنا پڑا آپکے تلامذہ کی شہرہ آفاق تالیفات بھی در اصل آپ ہی کے فیضان خاص کا نتیجہ اور قابلیت عظمیٰ کا کرشمہ ہیں اس دور میں تصنیفات و تالیفات کا رواج روز افزوں ترقی پذیر تھا اور صرف۔ نحو۔ کلام۔ سیرت تاریخ ہر علم و فن کی کتابوں کا ذخیرہ میدان تحریر میں نمایاں ہو رہا تھا لیکن مسائل و احکام شریعت کا وہ مجموعہ جس کا نام فقہ ہے مسلمانوں کی عبادات مسلمانوں کے معاملات میں جو کام آیا اور عدالت اسلامیہ میں باقاعدہ قانون کی شکل اسی نے اختیار کی مقدمات کا فیصلہ اسی کے ماتحت صادر ہونے لگا۔

امام ابو حنیفہؒ کے وصال کے بعد امام شافعیؒ کا زمانہ آیا امام شافعی نے اپنی تحقیقات اور

پھیلا ہیں کاو نیائے اسلام ہیں وہ ڈنکا بجایا کہ ہر شخص نے ان کی بزرگی و علمی فضیلت کا اعتراف کیا امام اور لائق ائمہ تسلیم کیا لیکن انھیں بھی اسی منبع فیوض و برکات امام اعظم اور ان کے تلامذہ کے فیضان سے استفاضہ کئے بغیر چارہ نہ ہوا۔ خود فرماتے ہیں "اگر امام محمد (شاگرد امام اعظم) کتابوں کا میں مطالعہ نہ کرتا تو کبھی فقیہہ نہ بنتا" آپ کو امام اعظم سے خاص عقیدت تھی نہایت تعظیم و تکریم سے ان کا تذکرہ فرماتے تھے۔

ان کے بعد ان کے شاگرد خاص امام احمد حنبل رح نے شہرت پائی۔ علم الحدیث اور روایت میں انھیں دستگاہ کامل اور ملکہ تام حاصل تھا۔

ہم نے کو بڑے بڑے فضلاء اور کملا دنیا میں پیدا ہوئے لیکن قبولیت و فضیلت و شہرت کسی کے بس کی بات نہیں خدا جسے چاہتا ہے اسی کو مرحمت فرماتا ہے اور اپنے دین کی خدمت جس سے جس قدر چاہتا ہے لیتا ہے امامت کا زرین تاج مجتہدیت کا معزز لقب عالمگیر شہرت کے ساتھ حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ سے انہی ائمہ اربعہ مذکورہ امام مالک، امام ابو حنیفہ امام شافعی امام احمد حنبل کو عطا ہوا۔ صدیوں سے دنیا کے ہر حصہ میں عرب میں عجم میں چین میں جاپان میں ترکستان میں ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت انہی میں سے کسی نہ کسی ایک امام کی پیرو ہے حنفی ہے یا مالکی۔ شافعی ہے یا حنبلی۔ دنیا بھر کی کل اسلامی آبادی میں تقریباً نصف حصہ احناف کا ہے نصف باقی میں زیادہ تر شوافع ہیں باقی مالکی یا حنبلی۔

وہ لوگ جو ان ائمہ کی تقلید کے دائرہ اربعہ سے خارج ہیں بہت کم ہیں۔

مقلدین کی تقلید کا منشا یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے اماموں کو خدا یا اس کا رسول گردانتے ہیں اور ان کے قول کو آیت قرآنی یا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دیتے ہیں۔

ان کا اعتقاد ہے کہ ائمہ کرام قرآن خدا و رسول کو اپنے تبحر علمی اور تحقیقات کی اکملیت کے باعث ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں اور ہمارے دیانتدار اور قابل و فاضل استاد ہیں۔

باوجود ان کی تحقیق کے کمال اور فضیلت و لیاقت و دیانت و امامت و مجتہدیت کے مسلم ہونے کے کتب اصول فقہ میں یہ مسئلہ صاف کر دیا گیا ہے کہ قول ائمہ اگر شارع علیہ السلام کے ارشاد کے خلاف پایا جائے تو ترک کر دیا جائے۔

خود امام ابو حنیفہ کی اپنے مقلدوں کو یہی ہدایت ہے "اترکوا قولی بخبر الرسول" میری بات حدیث رسول کے مقابلہ میں نہ قابل عمل اور لائق قبول نہ سمجھو ترک کر دو۔

لیکن تقلید کرنے والے انتہائی تحقیق و تدقیق کے بعد بھی اپنے ائمہ کی ہر بات شریعت کی دلیل مستحکم سے ثابت پاتے ہیں اور ان کی تقلید ہی میں اتباع شریعت کا صحیح جلوہ دیکھتے ہیں اس لئے نہایت مضبوطی کے ساتھ اپنے مسلک حق پر قائم رہتے ہیں ائمہ ثلثہ کی ذات گرامی پر عموماً اور امام اعظم پر خصوصاً تارکان تقلید کا یہ الزام کہ "وہ حدیث رسول اللہ پر اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہیں" ایک صریح بہتان ہے ہم اس بہتان عظیم کے ازالہ اور عامۃ المسلمین کے افادہ کی غرض سے اس کتاب کے آخر میں شرط وسعت و مہلت نماز وغیرہ کے ان مسائل کو جو احناف و تارکان تقلید کے مابین مختلف فیہا و مابہا نزاع ہیں شریعت کے دلائل مسکتہ سے ثابت کرکے دکھائینگے انشاء اللہ تعالیٰ صفحات اسبق میں بعض تفصیل طلب باتیں اجمالی طور پر بیان ہوئی ہیں اور تاریخ فقہ کا ایک اجمالی خاکہ بھی کھینچا گیا ہے لیکن ابھی بہت سے اہم مسائل جن کا تعلق خصوصیت سے فقہ سے ہے مثلاً یہی کہ مجتہدین و فقہائے صحابہ میں امتیاز خاص کن کن بزرگوں کو حاصل تھا اجتہاد و فقہ کا سلسلہ کس تدریج کے ساتھ صحابہ سے منتقل ہوکر ائمہ تک پہنچا، تدوین فقہ کی کیا صورت تھی وغیرہ وغیرہ بیان کرنے باقی ہیں لہذا تکمیل عنوان کے لئے اب ان کا آغاز کیا جاتا ہے۔

جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تحقیق مسائل شرع اور اجتہاد و استنباط کی خدمات جن افراد نے انجام دیں اور مجتہد و فقیہہ کے لقب سے ملقب ہوئے ان میں حضرت علی، حضرت عمر حضرت ابن عباس حضرت ابن مسعود یہ چار بزرگ ایک خاص امتیازی شان رکھتے ہیں۔ حضرت عمر و حضرت ابن عباس کے تعلق سے حرمین کو دار العلوم کا لقب حاصل ہوا، حضرت علی و حضرت ابن مسعود زیادہ تر کوفہ میں رہے اس لئے اہل کوفہ کو ان سے فیض اندوز ہونے کا موقع ملا اور کوفہ قبۃ العلم کہلایا۔

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کا علمی تبحر آپ کی ذہانت و فطانت آپ کا ملکہ استخراج و استنباط ایسا تھا کہ تمام صحابہ اس کا اعتراف کرتے تھے۔ حضرت عمر اکثر فرماتے تھے کہ خدا نہ کرے کوئی مشکل مسئلہ ایسے وقت میں درپیش ہو جبکہ علی موجود نہ ہوں حضرت عبد اللہ ابن عباس باوجود خود مجتہد ہونے کے کہا کرتے تھے کہ جب ہمیں علی کا فتویٰ مل جائے تو پھر کسی اور چیز کی ضرورت نہیں آپ کے علمی تبحر اور فضیلت کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے اور فرمایا ہے۔

انا مدینۃ العلم و علی بابہا وقال صلی اللہ علیہ وسلم انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی وقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ

میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ اور فرمایا ہے کہ اے علی! تم میرے لئے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ! مگر اتنی بات ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور فرمایا ہے میں جس کا آقا ہوں علیؓ بھی اس کے آقا ہیں۔"

کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ اور صحابہ کی نسبت آپ احادیث رسول اللہ زیادہ بیان کرتے ہیں (اس کی کیا وجہ؟) آپ نے فرمایا (رسول اللہ کی مجھ پر کرم کی نظر تھی) میں جو کچھ آپ سے استفسارات کرتا تھا آپ اس کے جوابات مرحمت فرماتے تھے اگر میں خاموش رہتا تھا تو آنحضرتؐ خود کچھ نہ کچھ تلقین کرنی (شروع کر دیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم و فضل میں کلام نہیں مقدمہ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح وقایہ میں ہے هو عبد الله بن مسعود بن غافل بن حبيب الهذلي ابو عبد الرحمن من اجلة اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم صاحب المناقب الجليلة

منها انه كان صاحب نعلی رسول الله صلى الله عليه وسلم وعصاه ووساده وطهوره كما اخرجه البخاری والترمذی

ومنها ان رسول الله خذوا القران عن اربعة وذكره منهم

ومنها انه اعلم بكتب الله كما قال هو بنفسه اظهار النعمة ربه لقد علم اصحاب رسول الله انی اعلم بكتاب الله ولو اعلم ان احدا اعلم منی لرحلته. قال الراوی فما سمعت احدا من الصحابة يرد ذلك ويعيبه

ومنها انه كان هو وامه ممن يحسب انه من اهل بيت رسول الله من كثرة دخولهما وترددها الله ودخوله فی بيته بلا اذن كما اخرجه البخاری وغيره۔

وكان مفتيا مرجوعا اليه فی المشكلات باتفاق علماء الحجاز والشام والعراق وهو الذی قال له بعض الصحابة لا تسئلونی مادام هذا الحبر فيكم وشهد له عمر بن الخطاب كما فی المؤطا انه ملئ علما ومناقبه كثيرة فی كتب الحديث مروية. اقام بالكوفة دهرا ثم دخل المدينة ومات فيها فی خلافة عثمان سنة اثنتين وثلثين او ثلث وثلثين۔

(۱) آپ عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب ہذلی ہیں ابو عبدالرحمن آپ کی کنیت ہے

جلیل القدر صحابی ہیں اوصاف جلیلہ سے متصف ہیں۔

(۲) آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی عزت خصوصیت سے میسر آئی۔ حسب روایات بخاری و ترمذی آنحضرت کی نعلین۔ لاٹھی تکیہ۔ لوٹا آپ ہی کے پاس رہا کرتا تھا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن (کی تعلیم میرے) چار (صحابہ) سے حاصل کیا کرو اور ان چار میں سے ایک آنحضرتؐ نے آپ کو فرمایا۔

(۴) آپ (معانی، قرآن (صحابہ میں) سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے جیسا کہ حسب روایت (امام) بخاری وغیرہ (ایک موقع پر آپ نے اپنے پروردگار کے شکر نعمت کا اظہار کرنے کی غرض سے بطور خود فرمایا تھا کہ "اصحاب رسول اللہ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ (معانی) کتاب اللہ کا سب سے بڑا عالم میں ہوں اور اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی مجھ سے زیادہ عالم ہے (اور وہ پردیس میں ہی) تو میں اس کی طرف سفر کروں (اور جس طرح ممکن ہو اس تک پہنچوں اور استفادہ کروں) راوی کا بیان ہے (حضرت ابن مسعود کے اس فرمانے پر) میں نے صحابہ میں سے ایک کو بھی (ان کے) اس (دعویٰ) کی تردید یا برائی کرتے نہیں سنا۔

(۵) حسب روایت (امام) بخاری وغیرہ آپ اور آپ کی والدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے بکثرت آنے جانے اور آپ کے گھر میں بے اجازت (لئے) داخل ہونے کی وجہ سے اہل بیت رسول اللہ میں محسوب تھے۔

(۶) آپ مفتی تھے، حجاز و شام و عراق کے علماء مہات مسائل میں متفق ہو کر آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

(۷) آپ (ہی) وہ (بزرگ) ہیں جن کے لئے بعض صحابہ (جلیل الشان) نے (یہاں تک ثوق کا اظہار کیا کہ مسلمانوں سے) فرما دیا کہ جب تک یہ فاضل تم میں (موجود) ہیں ہم سے مسئلہ دریافت نہ کرو۔

(۸) آپ کی (علمی فضیلت کی) گواہی حضرت عمر بن خطاب نے دی جیسا کہ موطا میں ہے کہ آپ علم میں بھرپور ہیں"

(الغرض) آپ کے مناقب و اوصاف کتب حدیث میں بکثرت مروی ہیں آپ ایک عرصہ تک کوفہ میں مقیم رہے پھر مدینہ منورہ تشریف لے آئے مدینہ میں حضرت عثمان کے عہد خلافت

ہیں ۶۲ سنہ یا ۷۳ سنہ ہجری میں آپ نے وفات پائی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا آپ کے شاگرد بکثرت تھے انہی میں سے اسود، علیدہ، حارث، علقمہ نے عظیم الشان شہرت حاصل کی آپ کے ان شہرۂ آفاق تلامذہ اربعہ میں سے حضرت علقمہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں

آپ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے اور صحابۂ جلیل القدر حضرت علیؓ، عمرؓ، عثمانؓ، سعدؓ، خالد بن ولیدؓ وغیرہ سے آپ نے استفادہ کیا ان حضرات سے آپ نے حدیثیں بھی روایت کی ہیں آپ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں اس اہتمام سے رہتے اور ان کے اسوۂ حسنہ کی اس شان سے اتباع کرتے تھے کہ لوگوں کا مقولہ تھا جس نے علقمہؓ کو دیکھ لیا اس نے عبد اللہ بن مسعودؓ کو دیکھ لیا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ میری معلومات علقمہؓ کی معلومات سے بڑھکر نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کا شرف حاصل تھا حسب ضرورت علقمہؓ ہی سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔

علقمہؓ و اسود حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے جب ان دونوں نامور شاگردوں کا انتقال ہوگیا تو ابراہیم نخعی مسند آرائے درس افتا ہوئے ان کے دور میں علم فقہ نے ترقی کی انہیں فقیہ العراق کا معزز لقب دیا گیا امام شعبی نے ان کی وفات کے بعد کہا، ابراہیم نے اپنے بعد کسی ایسے بزرگ کو نہیں چھوڑا جو اُن سے زیادہ عالم (قرآن و حدیث) اور فقیہہ (مسائل شریعت) ہو۔

کسی نے سوال کیا حسن بصری و ابن سیرین بھی (ابراہیم سے زیادہ عالم و فقیہہ نہیں ہیں)

شعبی نے جواب دیا حسن بصری و ابن سیرین پر کیا موقوف ہے تمام حجاز و شام و بصرہ و کوفہ میں ان سے زیادہ عالم کوئی نہیں۔

ان کے شاگردوں میں حماد کو خصوصیت وامتیاز حاصل تھا فقہ کا وہ تمام مجموعہ جو حدیث و قرآن اور حضرت علیؓ و ابن مسعودؓ کی تعلیمات سے ماخوذ تھا اور ان کے دور میں تیار ہوا تھا تمام و کمال ان کے شاگرد حماد ہی کو حفظ تھا ان کی وفات کے بعد مسند فقہ پر بھی وہی رونق افروز ہوئے وہ گو کہ اپنے دور میں اپنے استاد کے مجموعہ پر کوئی اضافہ نہ فرما سکے لیکن اپنی تمام مبارک زندگی انھوں نے اسی کی حفاظت و حمایت اور تبلیغ و اشاعت کی مساعی میں صرف فرمادی ۱۲۰ سنہ ہجری میں انھوں نے وفات پائی ان کے بعد ان کے جلیل القدر شاگرد امام ابو حنیفہ

مسند درس شریعت پر متمکن ہوئے۔

فقیہہ العراق ابراہیم نخعی اور ان کے تلامذہ کے زمانہ تک اگرچہ مسائل فقہ کی ایک کافی تعداد مدون ہو چکی تھی لیکن نہ وہ قلمبند ہو سکی تھی اور نہ باقاعدہ فن کی صورت اُسے حاصل ہوئی تھی اور وہ مجموعہ جو حماد کو حفظ تھا وہ فقہ کے مسائل جزئیہ پر مشتمل تھا جو اسلاف سے سینہ بسینہ چلا آتا تھا اور امام صاحب کے زمانہ میں دائرہ سلطنت کے وسیع ہونے اقوام عالم سے اختلاط بڑھنے معاملات و عبادات میں طرح طرح کے حوادث و مسائل پیش آئے اور تعلیم و تعلم کی گرم بازاری کے باعث قطعاً ناکافی تھا۔

ان حالات میں امام صاحب کی نکتہ رس اور مقننانہ طبیعت میں قدرتاً یہ احساس پیدا ہوا کہ استخراج و استنباط کے قواعد معین کئے جائیں اور تفریعات احکام کے اصول منضبط ہوں اور یہ "مجموعہ مسائل جزئیہ" ایک باقاعدہ فن اور ایک مرتب قانون بن جائے۔

لیکن یہ اہم کام امام صاحب نے بطور خود اور یکہ و تنہا انجام نہیں دیا بلکہ حسب روایت امام طحاوی اپنے چالیس شاگردوں کی عظیم بالشان جماعت کو اس میں اپنے ساتھ شریک کیا۔

اس جماعت میں یحییٰ بن ابی زائدہ، قاضی ابو یوسف، داؤد الطائی وغیرہ بھی شریک تھے جنھیں حدیث و آثار میں ملکہ خاص حاصل تھا امام زفر بھی تھے جو قوت استنباط میں کامل تھے۔ قاسم بن معن اور امام محمد بھی تھے جو ادبیت کے ماہر تھے۔

یہ اہم کام تیس سال کی مدت میں انجام کو پہنچا اس کی انجام دہی کی شکل آجکل کی باقاعدہ انجمنوں کے طریق کار سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اس کے باقاعدہ اجلاس ہوتے تھے ہر اجلاس میں مسائل بطور ایجنڈا پیش ہوتے تھے اور جب تک تمام افراد جماعت شریک جلسہ نہ ہو لیتے تھے کسی مسئلہ کو طے نہیں کیا جاتا تھا۔

بقول امام طحاوی خدمت کتابت یحییٰ بن ابی زائدہ کے سپرد تھی ہر شخص کو حق رائے زنی حاصل تھا پیش آمدہ مسئلہ پر اگر سب لوگ اتفاق کرتے تو وہ لکھ لیا جاتا ورنہ آزادانہ بحث و تمحیص ہوتی امام صاحب بحیثیت صدر نہایت تحمل اور غور و خوض کے ساتھ ان مباحث کو سنتے اور آخر میں ایسی فیصلہ کن تقریر فرماتے کہ کسی کو انکار کی وسعت نہ ملتی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کا فیصلہ حضار مجلس کی تسکین نہ کرتا اور لوگ اپنی اپنی رائے پر قائم رہتے تو اس صورت میں تمام آرائے مختلفہ درج کر لی جاتی تھیں اور یوں بحث کو ختم کر دیا جاتا تھا۔

یہ قانون علی الترتیب تین بڑے عنوانات پر منقسم تھا طہارت۔ عبادات۔ معاملات۔ ان عنوانات کے تحت میں اور بھی بہت سے ضمنی اور ضروری عنوانات تھے۔

یہ قانون اپنی شان اہتمام اور باقاعدگی و پختگی کے باعث درجہ تکمیل پر پہنچنے سے پہلے ہی حسن قبول اور شہرت عام حاصل کر چکا تھا اس کے جس قدر حصے مکمل ہو جاتے تھے اطراف و اکناف میں شائع ہوتے جاتے تھے۔

اس کے حسن قبول کی یہ کافی مثال ہے کہ ملکی عہدوں پر نہایت کثرت سے اسی قانون کے پڑھنے والے یعنی امام صاحب کے تلامذہ مامور تھے اور ان کا آئین حکومت یہی قانون تھا اسکی باقاعدگی اور پختگی کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ جن بزرگوں کو اس قانون کے مدون اعلیٰ امام صاحب کے ساتھ ہمسری نا فضیلت کا دعویٰ تھا انھیں بھی دقائق شریعت کے تفہیم کے لئے اس قانون کا مطالعہ کئے بغیر چارہ نہ تھا اس قانون کے حسن و جمال کا یہ ادنیٰ کمال ہے کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء جن میں سے بعض امام صاحب کے ساتھ مخالفت رکھتے تھے اور اکثر کو اس قانون کی صحت سے انکار تھا اس کی تردید کی جرأت نہ کرسکے۔ امام رازی فرماتے ہیں:۔

ان اصحب الرائ اظہروا مذہبہم وکانت الدنیا مملوۃ من المحدثین و رواۃ الاخبار ولم یقدر احد منہم الطعن فی اقاویل اصحب الرائ

(ترجمہ) اصحاب رائے (یعنی امام صاحب اور اُن کے تلامذہ) نے اپنا قانون ایسے زمانہ میں شائع کیا جبکہ دنیا محدثین اور راویان اخبار سے بھری ہوئی تھی لیکن باایں ہمہ ان میں سے ایک شخص کو بھی ان کے اقوال پر طعن زن نہ ہوسکا

قانون کے فقہی مسائل کی تعداد اس قانون کے ابواب مذکورہ لکھوکھا مسائل کی تعداد پر مشتمل تھے اور حسب قول فقیہہ اعظم شمس الائمہ کردری ان کی تعداد چھ لاکھ تھی اور حسب روایت صاحب عقود العقبان بارہ لاکھ اختلاف روایات کی بنا پر ان مسائل کی تعداد صحیح کا حال معلوم کرنا مشکل ہی مگر ایک دانشمند آدمی نہایت آسانی کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ وہ قانون جس کی تدوین میں تیس سال کی طویل مدت صرف ہوا اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ جیسی اہم شخصیتیں اس کا اہتمام و انصرام کریں وہ یقیناً لاکھوں مسائل کی تعداد پر مشتمل ہوگا۔

تصنیفات امام ابو حنیفہ کی گمشدگی یہ بات کہ اس قانون کے تمام ابواب

امام صاحب کی زندگی میں کمال ترتیب وتدوین کو پہنچ چکے تھے اظہر من الشمس ہے کتب اسماء الرجال وکتب تاریخ اب بھی اس کا بین ثبوت پیش کرنے کے لئے موجود ہیں۔

ہاں امام رازی کا یہ فرمانا کہ "ابوحنیفہ رح کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی بہت حد تک واقعہ کے مطابق ہے اور یہ بات امام صاحب کی تصنیفات کے ساتھ مخصوص نہیں اس زمانہ کے دیگر مصنفوں ابن جریج - ابن عروبہ وغیرہ کی تالیفات بلکہ ان کے نام ونشان کا بھی آج دنیا کے کسی کتب خانہ میں پتہ نہیں لگتا۔

لیکن ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ امام صاحب کے تلامذہ کی معرکۃ الآرا تالیفات دراصل امام صاحب ہی کی مساعی کا نتیجہ اور مسائل کا دفینہ ہیں۔ امام صاحب کے مسائل مرتبہ آج بھی دنیا میں موجود ہیں لیکن ان کے تلامذہ کے اضافہ دلائل وبراہین وتشریحات وتوضیحات کے باعث ان کی طرف منسوب نہیں ان کے تلامذہ کی بابت منسوب ہیں یعنی قاضی ابویوسف وامام محمد شیبانی کی تالیفات مبسوط وزیادات وغیرہ دراصل ان کے استاد امام ابوحنیفہ کی تالیفات الفقہ الاکبر۔ کتاب الوصیت کتاب العالم والمتعلم کتاب المقصود وغیرہ کی توضیحات وتشریحات ہیں اور ایک عقیل وفہیم آدمی کے لئے ان توضیحات وتشریحات کے اسماء مبسوط وزیادات وغیرہ بھی اس حقیقت کی طرف جس کا انکشاف کیا گیا ایک صریح اشارہ کر رہے ہیں۔

اس سے یہ مقصد نہیں کہ امام صاحب کے تلامذہ کا علمی تبحر یا مرتبہ مجتہدیت ناقابل انکار ہے ان کی فقاہت وفطانت علمی تبحر وشان اجتہادیت سے کسے انکار ہے ان کے یہ یقینی اوصاف تو ان تشریحات وتوضیحات ہی سے آفتاب تاباں سے زیادہ تاباں ودرخشاں ہیں مقصد ان کی اور ان کے استاد امام اعظم کی خدمات واقعیہ کا اظہار ہے۔

یہ قانون جو فقہ حنفیہ کے نام سے موسوم ہوا امام صاحب کا بھی مرہون منت ہے اور ان کے تلامذہ کا بھی اور زمانہ مابعد کے علمائے احناف کا بھی۔

اس کی باقاعدگی اس کی تدوین وترتیب کی ایجاد کا جس حد تک تعلق ہے اسے امام صاحب اور ان کے تلامذہ نے درجہ کمال کو پہنچایا۔

اس کے بعد علمائے احناف نے پچھلی بنیاد پر بہت ضروری اضافے کئے اور اس فن کو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر عروج دیا۔

اس کی خوبی وسعت اور ترقی وعروج کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تمام سلطنت عباسیہ

میں جو ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہی قانون مروج تھا اور اس کی عدالتیں تمام دیوانی و فوجداری کے مقدمات کا فیصلہ اسی قانون کے ماتحت صادر کرتی تھیں۔

اس کے مسائل کی دو بڑی قسمیں ہیں (۱) تشریعی (۲) معاشرتی۔

(۱) پہلی قسم کے متعلق جو خدمات جلیلہ امام اعظم نے انجام دیں ان کا نتیجہ یہ تھا کہ جزوی مسائل کا وہ مجموعہ جو اس وقت تک منضبط و قلمبند بھی نہ تھا ایک مستقل فن اور باقاعدہ قانون کی شکل میں منتقل ہو گیا۔

استنباط مسائل و استخراج احکام کے قواعد و ضوابط کا انضباط اور شرائط و قیود کا انحصار امام صاحب ہی کی جودت ذہن اور مقننانہ و مجتہدانہ طبیعت کا کرشمہ ہے۔

اصول فقہ کے قواعد کی ترتیب امام شافعی کی جانب منسوب کی جاتی ہے یا واصل بن عطاؒ کی طرف، اس میں شک نہیں کہ امام شافعی کے دور میں مسائل اصول فقہ پہلی مرتبہ معرض تحریر میں آئے لیکن کتابت و تحریر سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو ایجاد فن کا جہاں تک تعلق ہے اس کا سہرا امام صاحب ہی کے سر ہے۔

امام صاحب کے زمانہ سے قبل جو کچھ ہوا تھا وہ صرف اس قدر تھا کہ بنو امیہ کے آخری دور میں واصل بن عطا رنے جو علم کلام کے ہی موجد ہیں اصول فقہ کی یہی چند اصطلاحات مقرر کی تھیں اور بیان کیا تھا کہ احکام شرعیہ کے دلائل تفصیلیہ چار ہیں۔ قرآن۔ حدیث۔ اجماع امت۔ عقل و حجت۔

اور کہا تھا کہ "نسخ اخبار و واقعات میں نہیں ہو سکتا صرف اوامر و نواہی میں ہو سکتا ہے"۔

اور "عموم و خصوص دو علیحدہ علیحدہ مفہوم ہیں" وغیرہ وغیرہ۔

ان چند اصطلاحات کی بنا پر واصل ابن عطار کو اصول فقہ میں صرف متقدم کی حیثیت حاصل ہے اور یہ حیثیت ایسی ہی ہو گی جیسے کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ فن نحو میں وصرف چند گنے چنے مسائل بیان فرمانے پر اولیت متقدم کے مرتبہ میں ہیں۔

لیکن اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امام اعظم نے فقہ کو ایک مستقل قانون بنانے کے لئے استخراج و استنباط کے قوانین باندھے۔

اور وہ کثیر التعداد مسائل جو امام صاحب کے بعد ایجاد ہوئے اور ارکان اصول فقہ کہلائے مثلاً دلائل اربعہ کی توضیح مراتب حدیث اور ان کے احکام۔ جرح و تعدیل کے اصول اجماع کے حدود و ضوابط۔ قیاس کے احکام و شرائط۔ انواع احکام۔ فہم مراد کے طریقے وغیرہ وغیرہ

ان کے لئے وہ اصول وقواعد جو بعد میں ان تمام کی ایجاد کا سبب اور بنیاد ثابت ہوئے امام صاحب ہی نے منضبط فرمائے آپ کے تلامذہ کی تالیفات وکتب اصول شافعیہ وحنفیہ میں آپ کے یہ زرین ضابطے۔ ما لم یثبت بالتواتر لیس بقرآن۔ الزیادۃ نسخ ولا یجوز الزیادۃ علی الکتاب بخبر الواحد حمل المطلق علی المقید زیادۃ علی النص۔ انعام قطعی کالخاص۔ الخاص ان کان متأخر خصص العام وان کا متقدما نسخ۔ وغیرہ وغیرہ آج بھی مذکور ہیں اور اس حقیقت کو بین طور پر واضح کر رہے ہیں کہ فقہ کے ساتھ ساتھ اصول فقہ کی ایجاد وتدوین بھی آپ ہی کی ذات سے ایک گہرا تعلق رکھتی ہے۔

(۲) مسائل فقہ کے دوسری قسم کی تدوین وتالیف جس کا تعلق صرف تمدن ومعاشرت سے ہے امام صاحب نے جس شان سے کی ہے آج دنیا کے کسی قانون ساز کو میسر نہ ہوئی۔

اور اس کی جزئیات وتفصیلات بیع وشراء دیوانی وفوجداری وغیرہ کا احاطہ جس طرح آپ نے اپنے قانون کے اس حصہ میں کیا ہے قوانین عالم اس موجودہ دور میں اسکی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

قانون کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ وہ انتظام والصرام کے ساتھ حوادث وواقعات کا فیصلہ اس طرح کرے کہ ایمان انصاف بھی ہاتھ سے نہ جائے اور مخلوق خدا کے جائز آرام وسکون کی زندگی میں بھی اختلال پیدا نہ ہو اس وقت جو قوانین ہمارے پیش نظر ہیں یا تو اُن کے بنانے والے وہ متقی وپرہیزگار لوگ اور وہ پیشوایان مذہب ہیں جو دنیا اور دنیا کے معاملات سے کنارہ کش رہنا انسانی اخلاق کی انتہائی معراج اور اہل دنیا کو نفرت کی نظر سے دیکھنا سو عبادتوں کی ایک عبادت تصور کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے ساختہ پرداختہ قانون مخلوق عالم کے معاملات کا لکھا جو پورا کریں گے کم ہوگا۔

یا وہ لوگ ہیں جن کا ابتدائی وانتہائی مقصد سوائے دنیا طلبی اور خود غرضی اور خود پرستی کے اور کچھ نہیں وہ یقیناً اپنے بنائے ہوئے قانون میں تمام دنیا کے فوائد کو اپنے اس حلقہ کے لئے مخصوص کر دیں گے جس میں انہوں نے جنم لیا ان کے قانون کی دفعات میں دنیا کی اس وسیع آبادی کے راحت وسکون کا لحاظ قطعاً نہ ہوگا جسے الٰہی کی طرح اشرف المخلوقات ہونے کا اعزاز اور چین کی زندگی بسر کرنے کا قدرتی حق حاصل ہے

اسلام تمام دنیا کے لئے آیا اور بانیٔ اسلام رحمت عالم بنکر آیا مذہب حق کا سایہ ساری

دنیا پر عام ہونا چاہیئے قانون عادل کی دفعات تمدن عالم کے تمام وسیع تعلقات کے لئے یکساں ہونا ضروری ہیں یہ ایک حقیقت تھی جسے اپنے ہمعصروں سے بہت زیادہ امام اعظم نے سمجھا۔

اور یہ ایک خداداد بات تھی کہ امام اعظم کی ذات والاصفات جہاں تقدس وپاکیزگی نفس میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی وہاں مخلوق خدا کی اغراض وضروریات بھی آپ کی وسعت نظر کے احاطہ میں تھیں۔

آپ کی بزم رفقا ملکی حیثیت رکھتی تھی اور کثرت مقدمات کے باعث دنیا کی کسی بڑی سے بڑی عدالت سے کم نہ تھی۔

آپ کے قانون کی سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ وہ اپنے ماخذ یعنے تعلیم الاسلام کے مقصد وسیع کے مطابق اور اپنی ظاہری وسعتوں اور باطنی خوبیوں کے اعتبار سے وہ ساری دنیا میں عام ہونے کی استعداد رکھتا تھا۔

چنانچہ تمام اسلامی ممالک میں جو فروغ اس قانون کو میسر ہوا وہ دیگر ائمہ ثلثہ بابقیہ کے قوانین فقیہہ کو نہیں ہوا حالانکہ وطنیت ونسبیت کے اعتبار سے جو رسوخ اور اعزاز واقتدار انھیں حاصل تھا امام اعظم کو نہ تھا۔

امام مالک نسب کے اعتبار سے محدثین جلیل الشان کی اولاد تھے مدینہ آپ کا وطن تھا جو سرکار رسول کی موجودگی میں مرکز نبوت تھا اور خلفائے راشدین کے دور خلافت میں دار الخلافہ مسلمانوں کو مذہباً اس سے اور اس کے باشندوں سے جس قدر محبت وعقیدت تھی کم تھی۔

ان حالات میں جب امام مالک نے علم وفضل میں نام پیدا کیا تو یہ نسبی خصائص ان کے ذاتی اوصاف میں چار چاند لگانے کا سبب بنے

اور تمام اطراف واکناف مدینہ میں آپ کے تبحر کی ایک دھاک بیٹھ گئی۔

لیکن اس کے باوجود آپ کے مسائل فقہ کا مجموعہ آپ کے حدود اثرات سے بہت کم متجاوز ہوا یہی حال امام شافعی کا ہے باوجود وطنی شرافت ونسبی اعزاز کے ان کا قانون فقہ بھی فقہ حنفیہ پر غلبہ نہ پاسکا اور اپنی وسعت کی کمی کے باعث اپنی مقبولیت میں وسعت وہمہ گیریت پیدا نہ کرسکا

اور امام اعظم باوجود نسبی ووطنی محاسن سے معرا ہونے کے محض اپنے قانون کی عمدگی وسعت کے باعث امام اعظم کہلائے اور ان کا قانون شہرت خاص وعام اور بقائے ودوام کے

اعزاز سے معزز ہوا اس کے خاص پسند ہونے کے لئے یہ بات کم تعجب خیز نہیں کہ شاہان اسلام قریب قریب تمام کے تمام فقہ حنفیہ کے مقلد تھے۔

سلاطین عباسیہ میں جنھوں نے تقلید اختیار کی فقہ حنفیہ کی کی۔ سلجوقی خاندان جو زوال سلطنت عباسیہ کے بعد عروج پذیر ہوا جس کی سلطنت کا رقبہ طول و عرض میں کاشغر سے بیت المقدس اور قسطنطینیہ سے بلاد خزر تک تھا حنفی تھا۔

محمود غزنوی نہ صرف مقلد امام اعظم تھا بلکہ فقہ حنفیہ میں دستگاہ کامل رکھتا تھا التفرید جو فن فقہ میں ایک ضخیم کتاب ہے وہ اس کی تالیفات سے ہے۔

جراکسہ مصر جو ڈیڑھ سو برس تک مصر پر حکومت کرتے رہے حنفی تھے ہندوستان کے تمام اسلامی بادشاہ امام اعظم ہی کے پیرو تھے۔

اس کے عام پسند ہونے کے لئے یہ کہدینا ہی کافی ہے کہ اس وقت بھی ہندوستان سندھ۔ کابل۔ بخارا وغیرہ میں فقہ حنفیہ کے ماننے والوں اور امام اعظم کی تقلید کرنے والوں ہی کی اکثریت ہے۔

علاوہ وسیع ہونے کے فقہ حنفیہ میں دوسری خوبی اس کا آسان اور سہل العمل ہونا ہے اور اپنے تمام احکام میں دعوی قرآنی یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اللہ تمھارے لئے آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا" کو پیش نظر رکھتا ہے۔ عبادات میں بھی اور معاملات میں بھی۔

اگر فقہ حنفیہ کے ابواب کے مقابلہ میں دیگر فقہا کے ابواب فقہ رکھکر پڑھے جائیں تو احکام فقہ حنفیہ کی نرمی اور دیگر فقہا کے احکام کی سختی نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے یہ فرق عبادات و معاملات کے ابواب میں بھی ہے اور جنایات و حدود احکام میں بھی۔

مثلاً سرقہ کی سزا قطع ید ہے لیکن سرقہ کی تعریف وقیود کی تعین میں امام صاحب کا دیگر ائمہ سے اختلاف ہے۔

اس اختلاف کی بنا پر سے جزئیات واحکام مسائل پر جو اثر پڑا اور جو سہولت اصول فقہ حنفیہ نے پیدا کی اور جو سختی دیگر ائمہ کی فقہوں نے پیدا کی وہ مندرجہ ذیل نقشہ میں ملاحظہ کیجئے

فقہ حنفیہ کے احکام	دیگر فقہا کے احکام
۱۔ چوری کا اطلاق کم سے کم ایک اشرفی یا	اشرفی کی چوتھائی اور اس چوتھائی کی مالیت

فقہ حنفیہ کے احکام	دیگر فقہا کے احکام
اس کی مالیت کی چیز پر ہوگا یعنی نصاب سرقہ ایک اشرفی ہوگا	کی چیز پر ہوگا۔
۲۔ اگر ایک نصاب میں کئی شریک ہیں تو ہاتھ کسی کا کاٹا نہیں جائے گا	امام مالک کے نزدیک کاٹا جائے گا
۳۔ میاں بیوی اگر باہم ایک دوسرے کی چوری کریں تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا	امام مالک کے نزدیک کاٹا جائے گا۔
۴۔ قریبی رشتہ داروں میں سے اگر کوئی کسی کا مال چرائیگا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا	اور ائمہ کے نزدیک کاٹا جائے گا۔
۵۔ اگر کوئی کسی کی چیز عاریتاً مانگ کر مکر جائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔	دیگر ائمہ کے نزدیک کاٹا جائیگا
۶۔ اگر کوئی شخص اپنی چرائی ہوئی چیز کا کسی طریقہ سے جائز مالک ہو جائے تو اس چیز کے چرانے کی وجہ سے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔	دیگر ائمہ کے نزدیک کاٹا جائیگا۔

جنایات کے متعلق قرآن کریم کے ارشادات کی جو تشریحات و توضیحات امام صاحب نے کی ہیں دیگر مجتہدین نے نہیں کیں۔ دور جاہلیت یعنی عہد قبل از اسلام میں یہ دستور قصاص عام تھا کہ عزت دار لوگ اگر کسی چھوٹی پوزیشن کے آدمی کو ہلاک کر دیتے تھے تو اس کی جان کے بدلے اپنے غلام کو اور اپنے آزاد مرد کے بدلے دوسرے قبیلے کے دو مردوں کو اور اپنے غلام کے بدلے ان کے شریف و آزاد مرد کو قتل کرتے تھے۔

اسلام نے اپنے دستور کے مطابق اس ظلم کو بھی انصاف سے بدلا اور آیت قصاص کو نازل کیا اور فرمایا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى (مسلمانو!) تم پر مقتول کے بارے میں قصاص لازم (و فرض) کر دیا گیا (تم) اس طرح قصاص لو کہ) آزاد مرد (قاتل) آزاد مرد (مقتول) کے مقابلہ میں اور غلام

(قاتل)، غلام (مقتول) کے بدلے اور قاتلہ، عورت (مقتولہ) عورت کے عوض میں (قتل کی جائے)

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں یہ دستور بھی عام تھا کہ قاتل مقتول کے بدلے کچھ روپیہ دیدیا کرتا اور اسی کو کافی سمجھتا اور قرآن کریم نے اس کا سدباب کیا اور فرمایا۔

وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطاء و من قتل مومنا خطاء فتحریر رقبة مومنة و دیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم و هو مومن فتحریر رقبة مومنة و دیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا ان کان من قوم بینکم و بینهم الخ

مسلمانوں کو کسی مسلمان کو قتل کرنا نہیں چاہیئے مگر بھول چوک سے اور جو شخص بھول چوک سے کسی مسلمان کو قتل کرڈے تو اُسے (اپنی بھول چوک کی پاداشں میں) ایک غلام آزاد کرنا چاہیئے اور مقتول کے ورثا کو کچھ رقم یعنی دیت بھی دینی چاہیئے۔

یعنی دیت کو صرف خطا یا شبہ کی صورت میں جائز و کافی رکھا اور اس میں ذمی وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگائی اپنے اس حکم کو ہر ایک کے لئے عام رکھا۔

ان مذکورہ بالا احکام میں امام صاحب و امام شافعی وغیرہ کا اختلاف ہو۔

امام شافعیؒ و امام احمد حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ غلام کے بدلے آزاد مرد کو قتل نہیں کیا جائے گا اور فرماتے ہیں کہ آیت قصاص میں جو اوپر مذکور ہوئی آزاد کے مقابلہ آزاد کو قتل کا حکم دیا ہے

حالانکہ اگر یہ بات ہوتی تو الانثی بالانثی کے تقابل سے عورت کا قاتل اگر مرد ہو خواہ غلام ہی کیوں نہ ہو قتل نہ کیا جائے اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

۲- دوسرا رقم دیت کے تعین میں امام شافعیؒ کے نزدیک ذمی (جو غیر مسلم ہے اور اطاعت کے ساتھ اسلامی ممالک میں سکونت گزیں ہے اس) کی دیت کم ہے بہ نسبت مسلمان کے۔

حالانکہ الفاظ دیت مسلمانوں اور غیر مسلموں یعنی اہل میثاق سب کے لئے ایک ہی آیت کریمہ مذکورۃ الصدر میں فرمائے گئے ہیں۔

اور انصاف کی یہی وسعت و عمومیت ہی حقانیت اسلام کا ایک درخشاں ثبوت ہے جو کسی دوسرے مذہب کو میسر نہیں۔

مذاہب عالم بعض تو اس قدر تنگ ہیں کہ خود ان کے ماننے والے ان پر عمل نہیں کر سکتے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے ہاں دکھانے کے لئے کچھ اور ہے اور عملاً کچھ اور۔

الحاصل یہ مباحث تو اس قدر طویل ہیں کہ دفتر کے دفتر بھی ان کے لئے کافی نہیں ہیں چونکہ فقہ حنفیہ کی فضیلت اور خصوصیات کا حال بتانا ضروری ہے اس لئے ہم یہ چند مسائل مختلف فیہ معرض تحریر میں لے آئے ورنہ یہ تو ایک کتاب کا مقدمہ ہے اس میں اتنی وسعت نہ تھی اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں اور آخر میں یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ قانون فقہ حنفیہ کو جو فضیلت و مرتبت دیگر فقہاء کی فقہوں پر حاصل ہے وہ در اصل امام صاحب کے اصول و قواعد کی خوبی کا نتیجہ ہیں جس کا عمدہ اثر اکثر جزئیات فقہ پر بھی پڑا۔

یہ جو کچھ اس عنوان پر ہم نے لکھا اس کا مقصد کوئی یہ نہ سمجھے کہ دیگر فقہاء نے تمام اصول و فروع میں غلطیاں کی ہیں اور امام صاحب کے ہاں غلطی کا امکان نہ ان کے اصول میں ہے نہ فروع میں۔

یہ تو ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ وہ جماعت تلامذہ جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک تھی بعض مرتبہ امام صاحب کی تقریر اس کی تسکین کا موجب بھی نہ ہوتی تھی اور وہ مسئلہ مع اختلاف آرا نوٹ کرنا پڑتا تھا یعنی خود ان کے تلامذہ کو ان کے بعض مسائل میں کلام ہوتا تھا چنانچہ۔

کتب فقہائے حنفیہ میں ان مسائل مختلف فیہ کی ایک کافی تعداد اب بھی موجود ہے۔ ان مسائل میں امام صاحب کی رائے کو ترک بھی کیا گیا ہے اور قول مفتی بہ[1] درائے امام صاحب کے خلاف، قول صاحبین[2] بھی مانا گیا ہے۔

[1] مفتی بہ قول سے وہ قول مراد ہوا کرتا ہے کہ جس پر فتویٰ صادر کیا جاتا ہے

[2] صاحبین سے تلامذہ امام اعظم۔ امام ابو یوسف اور امام محمد مراد ہیں۔

کتب فقہ احناف میں "صاحبین" کی مانند دیگر مصطلحات کا بھی استعمال ہوتا ہے مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں ان اصطلاحات کو بھی جمع کر دیا گیا ہے اور ان کے مطالب کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے۔

چنانچہ مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں ہے المراد بالامام وبالامام الاعظم فی کتب اصحابنا هو صاحب المذهب ابی حنیفة وهو المراد بقولهم صاحب المذهب والمراد بالصاحبين ابو يوسف ومحمد وبالشيخين ابوحنيفه وابو يوسف وبالطرفين محمد وابو حنيفه وبالامام الثانی ابو یوسف وبالامام الربانی محمد وبقولهم عند ائمتنا الثلثة ابو حنيفه ومحمد وابو یوسف وبالائمة الاربعة ابو حنيفة ومالك وشافعی واحمد اصحاب المذاهب المشهورة۔

مختصر یہ کہ ہمارا مقصد اس موقع پر ناظرین کو صرف یہ بتانا ہے کہ جہاں تک تحقیق اور عمل و انصاف کا تعلق ہے بحیثیت ایک امام و مجتہد امام صاحب کو مسائل فقہ کی ترتیب و تدوین جتنی عمدہ اور بہتر کرنی چاہئے تھی انہوں نے کی اور اپنے ہمعصروں اور دیگر اماموں کے مقابلہ میں سب سے بہتر اس اہم بالشان خدمت کو انجام دیا اور نسیان و خطا کی آلودگی سے تو کسی انسان کا دامن محفوظ رہ نہیں سکتا خواہ وہ انسانیت کی کسی معراج پر کیوں نہ فائز ہو جائے۔

ائمۂ اربعہ

آج بھی اور آج سے صدیوں پہلے بھی اہل دنیا کا یہ عام دستور رہا ہے کہ انہوں نے حسب اختلاف اقوام اپنے ذوق۔ اپنے خیال۔ اپنے طریق زلیست۔ اور مسلک و مشرب کے مطابق کسی نہ کسی شخص کو اپنی رہنمائی و پیشوائی کے لیے مخصوص و منتخب کیا ہے۔

اور یہ ذوق پیشواگری ان کے دماغ کی گہرائی اور قلب کی تہہ میں اس قدر پختگی کے ساتھ سمایا ہے کہ ان پیشوایان منتخب میں سے کسی کا دنیا سے اٹھ جانا بھی کبھی اسے فنا نہیں کر سکا۔

اور ایسی صورت میں یہ لوگ بجائے اس کے کہ بغیر کسی لیڈر یا پیشوا کے رہیں۔ بطور خود ہی (بغیر کسی نظام کے) یکے بعد دیگرے لیڈری یا رہنمائی" اپنی پیشوائی اور رہنمائی کے لیے متعین کرکے انکی اتباع و تقلید میں زندگی بسر کرتے آئے ہیں۔ اور اپنے اس نیچرل ذوق کو بغیر اس کا سلسلہ منقطع کیے پورا کرتے رہے ہیں۔ اس ذوق کی تکمیل میں مسلمان۔ ہندو سکھ عیسائی۔ پارسی۔ یہودی قریب قریب

مطالب: کتب فقہ احناف میں الامام الامام الاعظم سے بانی مسلک (حنفیہ) ابو حنیفہ مراد ہوتے ہیں

نیز "صاحب المذہب" بھی ابو حنیفہ ہی کو کہتے ہیں۔

"صاحبین" سے مراد ابو یوسف و محمدؒ ہیں۔

"شیخین" " ابو حنیفہ و ابو یوسف ہیں۔

"طرفین" " محمد و ابو حنیفہ ہیں۔

"الامام الثانی"۔ ابو یوسف کا لقب ہے۔

"الامام الربانی" محمد کا لقب ہے۔

"الائمۃ الاربعۃ" سے مراد چاروں امام و مسالک اربعہ کے بانی۔ امامؒ ابو حنیفہ۔ امامؒ مالک۔ امامؒ شافعی امام احمد بن حنبل ہیں۔

دنیا کی ہر قوم مصروف رہی ہے اور رہتی ہے۔

موجودہ دور میں وہ مسلمان جو مغربیت کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے ہیں اور ہندوستانی ہونیکے باوجود اُن کی تربیت یورپین اٹیکیسٹ کے گہوارہ میں ہوئی ہے اُنہوں نے بھی انپے ذوق اپنے تخیل اپنی وضع قطع کا کوئی نہ کوئی لیڈر یا پیشوا اپنے لئے خاص کر رکھا ہے۔ نیز یہی حال اُن مسلمانوں کا بھی ہے جو مغربیت سے نفور اور مشرقیت سے وابستہ ہیں اور باوجودیکہ دعوی "غیر مقلدیت" و "لاپیشوائیت" کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ اپنے زمانہ کے کسی نہ کسی مولوی کے قبضہ و تصرف میں دین و دنیا کی رسی دیدیتے ہیں اور مسائل دنیا و دین میں جس طرح وہ اُنکی رہنمائی کرتا ہے وہ اس کے مطابق روش رکھتے ہیں۔

پہلے گروہ کے لوگوں کی تقلید کی حد تو یہاں تک ہے کہ وہ اپنے لباس و طریق بود و باش میں بھی اپنے لیڈر یا رہنما کی رہنمائی کے محتاج ہیں اور جس طرح اسے کرتے دیکھتے ہیں یا وہ تلقین کرتا ہے یہ انچ بھر اس کے خلاف نہیں کرتے۔

ڈاڑھی مونچھ کی صفائی تو معمولی چیز ہے جو وضع قطع ریش و بروت یا لباس و طعام کی متعین کی جاتی ہے اُسے اندھا دھند اختیار کیا جاتا ہے۔ اور اس کے "حسن" اور پچھلی وضع کے "قبح" کے لئے کوئی دلیل و برہان طلب کرنے یا نفع نقصان سمجھنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ ان کی تقلید کا "کورانہ پن" ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں ہے سیاسیات و اقتصادیات میں بھی تعلیمات مذہبیات میں بھی اور یہ بات دور حاضر کے لئے جو خاص نہیں اس زمانہ سے لیکر صدہا سال پہلے تک غور کرتے چلے جائیے تو بھی آپ کو یہی معلوم ہوگا کہ دنیا ان مقلد نما غیر مقلدوں سے کبھی خالی نہیں رہی اور زمانہ میں اُنہوں نے کسی نہ کسی کو اپنے اُمورات دارین کا چارج دیا ہے۔

لیکن حیرتناک بات یہ ہے کہ ان کے سامنے جب آئمہ اربعہ کی تقلید کا ذکر آتا ہے اُن کے محاسن اور ان کی اہم خدمات (مذہبیہ و ملیہ) کا حال بیان کیا جاتا ہے تو یہ اس سے کوسوں بھاگتے ہیں اور نفس تقلید کو ممنوع و ناجائز قرار دیتے ہیں۔

ہمیں احتمال ہے کہ یہ سب کچھ ان کی بے خبری اور کمی معلومات کے نتائج ہیں۔ اس لئے ہم مقدمہ میں تقلید کے متعلق ضروری امور ضروری تفصیل و توضیح کے ساتھ بیان کئے ہیں اور اس خاتمہ میں آئمہ اربعہ کے حالات کا اندراج کر رہے ہیں۔ یہ حالات آئمہ اکمال فی اسماء الرجال (عربی) سے ہم نے نقل کئے ہیں جو صاحب مشکوٰۃ محمد بن عبداللہ خطیب بن محمد کی تالیف ہے۔ اور ایک مختصر رسالہ کی صورت میں مشکوٰۃ مطبوعہ مجتبائی کے آخر میں منسلک ہے۔

ہم نے اس میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہیں کیا بلکہ عبارت اکمال کا لفظی ترجمہ بعینہ درج کردیا ہے ہم اس کا اقتباس بھی شائع کرسکتے تھے لیکن

جس اہتمام کو ہم نے مضامین ۔ مقدمہ میں پیش نظر رکھا ہے یہاں بھی اُسے ترک نہیں کیا اور نہ باب آیندہ میں ترک کریں گے ۔

اور اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اہل تقلید و غیر اہل تقلید اپنے مسلک کے خلاف یا موافق ہماری تالیف سے ایسی معلومات حاصل کریں کہ جس کا ماخذ نہایت قوی اور ناقابل انکار ہو۔

اور مخالفت کا غیر صحیح جذبہ رکھنے والے ان بزرگوں کو اور ان کی مساعی جمیلہ کو اچھی طرح سمجھکر اپنے دل میں انصاف کریں اور بتائیں کہ انہیں کیا کمی ہے' ان کی تقلید کیوں ممنوع ہے' ان کے حالات میں انکی خدمات میں کونسا ایسا بجوگ ہے جس نے ان کی تقلید و اتباع کو ان کی نظر میں ایک معمولی مولوی اور ایک معمولی لیڈر سے بھی زیادہ بُرا کر رکھا ہے ۔

۱۔ کیا یہ لوگ دنیا کے بہترین مقنن نہ تھے ؟

۲۔ کیا انہوں نے اپنی زندگیاں خدمت خالق و مخلوق میں ختم نہیں کیں ؟

۳۔ کیا جس چیز میں دنیائے اسلام کی اکثریت ان کو امام و پیشوا مانتی ہے اس میں ان کا تبحر' ان کی طویل و کامل تحقیق ان کی امانت و دیانت' امامت و پیشوائی کے قابل نہیں ؟

آخر وہ کونسی خوبی ہے جو ایک امام و پیشوا و رہنما میں ہونی چاہیئے اور اس سے اعلی پیمانہ پر ان میں نہیں پائی جاتی ؟

امام مالکؒ

یہ امام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی ہیں ۔ انکی کنیت ابو عبد اللہ ہے ۔ ان کا ذکر ہم (سب اماموں سے پہلے اور شروع میں اس لیے کر رہے ہیں کہ یہ زمانہ ۔ قدر (و منزلت) معرفت و علم کے لحاظ سے (اوروں پر) مقدم ہیں ۔ اما موں کے استاد ہیں کتاب (مشکوۃ) کے مقدمہ میں جو ہم نے بخاری و مسلم (کے نام) کو ان (کے نام) پر مقدم کیا ہے تو یہ اسی شرط کی پابندی کی وجہ سے (ایسے) ان دونوں کتابوں بخاری و مسلم کی فضیلت کے باعث لیکن یہاں ہم ان دونوں کو ان (کے نام) پر مقدم نہیں کریں گے اس لیے کہ وہ (بنفس نفیس) اُن سے زیادہ (اولیت) کے مستحق ہیں اور بہتر ہیں اور کتابیں ان دونوں کی ان کی کتاب سے زائد مقدم ہونے کے لائق ہیں ۹۵ھ ہجری

میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۹ہجری میں مدینہ منورہ میں آپ نے وفات پائی۔ آپکی عمر چھیاسی برس کی ہوئی واقدی کا بیان ہو کہ آپ نے ننانوے ۹۹ سال کی عمر میں انتقال کیا آپ فقہ و حدیث میں امام حجاز ملکہ امام ناس میں۔ آپ کے لئے یہ کافی فخر کی بات ہے کہ امام شافعی آپکے تلامذہ میں سے ہیں۔ زہری۔ یحیٰی بن سعید۔ نافع۔ محمد بن المنکدر۔ ہشام بن عروہ۔ زید بن اسلم۔ ربیعہ بن عبدالرحمن اور ان کے علاوہ اور بہت سے بزرگوں سے آپنے علم حاصل کیا اور آپ سے بھی اسقدر خلق کثیر نے علم حاصل کیا ہو کہ اس کی کثرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ (یعنی آپ کے تلامذہ) آئمہ بلاد تھے انہی میں سے (امام) شافعی محمد بن دینار۔ ابو ہاشم۔ عبدالعزیز بن حازم ہیں۔ یہ لوگ تو آپکے خاص تلامذہ سے ہیں۔ اور یحیٰی بن یحیٰی۔ عبداللہ بن مسلمہ قعنبی۔ عبداللہ بن وہب وغیرہ یہ (آپکے) ان (بکثرت) تلامذہ میں سے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہی لوگ بخاری۔ مسلم۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ احمد بن حنبل یحیٰی بن معین وغیرہ آئمہ حدیث کے استاد ہیں۔

بکر بن عبداللہ صنعانی کا بیان ہو کہ (ایک دفعہ) ہم امام مالک کے پاس حاضر ہوئے تو آپ بروایت ربیعہ بن ابی عبدالرحمن ہمیں حدیثیں سنانے لگے (آپ احادیث ربیعہ سنا رہے تھے) ہم آپ سے مزید احادیث ربیعہ سننے کی درخواست کرتے جا رہے تھے۔ اتنے میں آپنے فرمایا تم ربیعہ (کی حدیث) کا کیا کرو گے دیکھو ربیعہ خود اس محراب میں سو رہے ہیں یہ سنتے ہی ہم ربیعہ کے پاس آئے۔ اور انہیں جگایا اور ان سے دریافت کیا ربیعہ تم ہی ہو۔ انہوں نے کہا ہاں! ہم نے کہا (امام) مالک تم ہی سے حدیث بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا ہاں ہم نے کہا مالک تو آپ سے کتنا فائدہ اٹھا رہے ہیں اور آپ اپنی ذات سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے فرمایا تمہیں خبر نہیں اونٹ بھر علم سے ایک مثقال دولت بہتر ہے۔ عبدالرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ سفیان ثوری حدیث میں تو امام ہیں سنت میں نہیں اور اوزاعی سنت میں امام ہیں حدیث میں امام نہیں لیکن امام مالک (حدیث و سنت) دونوں کے امام ہیں امام مالک علم و دین کی تعظیم بہت کرتے تھے یہاں تک کہ جب حدیث پڑھانے کا ارادہ کرتے تو (آغاز تدریس سے قبل) وضو کرتے اور اپنے بچھونے کے صدر مقام پر بیٹھتے اور ڈاڑھی میں کنگھا کرتے اور خوشبو ملتے اور نہایت رعب و داب اور (عزت) وقار کیساتھ بیٹھتے پھر حدیث پڑھاتے آپ سے اس اہتمام کا سبب دریافت کیا گیا تو آپنے فرمایا میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (انتہائی) تعظیم کرنا چاہتا ہوں۔ ابو حازم اس وقت بیٹھے ہوئے حدیث پڑھا رہے تھے یہ دیکھکر آپ وہاں ٹھیرے نہیں، فوراً گذر گئے اس کا سبب آپ سے دریافت کیا گیا آپنے فرمایا میں نے وہاں کوئی جگہ ایسی نہ پائی جہاں میں بیٹھتا یہ مجھے برا

معلوم ہوا کہ میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر سنوں ۔ یحیٰی بن سعید کا قول ہے کہ مالک سے زیادہ حدیث کا صحیح جاننے والا لوگوں میں کوئی نہیں ۔ امام شافعی کا قول ہے کہ علماء کا تذکرہ ہو (اور اس تذکرہ میں امام مالک کا بھی ذکر ہو) تو مالک (ان سب میں ایک درخشاں تارہ ہیں ۔ مجھو امام مالک سے زیادہ کسی پر اطمینان نہیں ۔ نیز امام شافعی فرماتے ہیں جب مالک کی حدیث (نظر) آئے تو (اے مخاطب تو اسکو ہاتھ سے نہ چھوڑ) اسکو دونوں ہاتھوں میں مضبوط تھام لے ۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب امام مالک کے پاس کوئی (امر دین میں) جھگڑا کرنیوالا آتا تو آپ اس سے فرماتے کہ میں تو یقین کیساتھ اپنے دین پر قائم (ثابت) ہوں اور تو شک میں (مبتلا) ہے (میرا تیرا میل نہیں) تو اپنے جیسے شک کرنیوالے کے پاس جا اور اس سے بحث کر ۔ امام مالک کا قول ہے جب انسان کے خود اپنے دل میں بھلائی نہیں ہوتی تو لوگوں میں بھی اس کے واسطے بھلائی نہیں ہوتی ۔ آپ کا قول ہے علم کثرت روایات کا نام نہیں ہے وہ تو ایک نور ہے اسے اللہ (اپنی رحمت سے) دل میں بھرتا ہے ۔

ابو عبد اللہ کا بیان ہے کہ (ایک روز) میں نے (خواب میں) دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں آپ کے گرد (اور) اور لوگ (بھی جمع) ہیں) اور امام مالک بھی کھڑے ہیں امام مالک کے آگے اور رسول اللہ کے آگے مشک (رکھی) ہے آنحضرت اس میں سے مٹھی بھر بھر کرے رہے ہیں اور (اپنی طرف سے) اُٹھاکر امام مالک کی طرف رکھ رہے ہیں مطرف فرماتے ہیں میں نے اس سے امام مالک کا وسیع (علم) اور سنت کی اتباع مراد لی ہے ۔ امام شافعی فرماتے ہیں جب ہم مکہ میں تھے تو میری پھوپھی نے مجھسے فرمایا میں آج رات کو ایک عجیب خواب دیکھا میں نے اُن سے دریافت کیا کیا دیکھا ؟ کہا جیسے کوئی کہنے والا کہ رہا ہے کہ آج کی رات میں (روئے) زمین کا سب سے بڑا عالم وفات پاگیا ۔ امام شافعی فرماتے ہیں ۔ میں نے اُس دن کو یاد رکھا پس وہ دن وہی نکلا کہ جس دن امام مالک بن انس نے انتقال فرمایا ۔

امام مالک فرماتے ہیں ایک دفعہ میں ہارون الرشید کے پاس گیا تو اُس نے مجھسے کہا اے ابو عبد اللہ مناسب ہے کہ تم ہمارے ہاں آیا کرو تاکہ ہمارے بچے تم سے مؤطا سن لیں امام موصوف نے فرمایا اللہ امیر المومنین کو عزت دے ۔ یہ علم تم ہی میں سے نکلا ہے ۔ تم ہی اسے عزت دوگے تو عزت پائیگا ذلیل کروگے تو ذلیل ہو جائیگا ۔ علم کے پاس جایا جاتا ہے علم کسی کے پاس نہیں آیا کرتا اس پر ہارون الرشید نے کہا آپ نے سچ فرمایا اور اپنے بچوں کو حکم دیا تم خود مسجد میں جاکر (درس حدیث) لوگوں کے ساتھ سنا کرو ۔

بیان کیا جاتا ہو کہ ایک دفعہ ہارون نے امام مالک سے پوچھا کوئی مکان آپ کی ملکیت میں ہے
آپ نے کہا نہیں ہارون نے تین ہزار دینار آپکو عطا کئے اور کہا ان کا مکان خرید لیجئے۔ آپ نے دینار
لے لئے۔ لیکن انہیں خرچ نہیں کیا (اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد) جب ہارون نے سفر کا ارادہ کیا تو
آپ سے کہا آپ بھی میرے ہمراہ چلیں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں لوگوں سے موطا اس طرح جمع کراؤں جس طرح
حضرت عثمان نے قرآن جمع کر لیا تھا۔ آپ نے فرمایا تم لوگوں سے موطا کسی طرح جمع نہیں کرا سکتے اس لئے کہ
آنحضرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (بلاد و) امصار میں متفرق ہو گئے اور (جہاں
گئے وہاں) حدیثیں بیان کیں اور اہل شہر کے پاس ایک معلومات ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا ہو کہ میری اُمت کا اختلاف رحمت ہو اور رہا تمہارے ساتھ (میرا) جانا تو یہ بھی ممکن نہیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر لوگ سمجھدار ہوں تو اُن کے لئے مدینہ ہی بہتر ہے اور
آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ مدینہ (اپنے اندر سے) برائی (یعنی بروں) کو نکالتا ہے۔

اور لو یہ تمہارے دینار جیسے تھے (ویسے ہی) رکھے ہوئے ہیں اسیں چاہے واپس لے لو چاہے چھوڑ دو
اور تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا تھا تم اس کے بدلے مجھے مدینہ کی جدائی کا صدمہ دینا چاہتے ہو تو خوب سمجھ لو
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پر (دولت) دنیا کو اختیار نہ کروں گا۔ امام شافعی کا بیان
ہو کہ ایک دفعہ میں نے امام مالک کے دروازے پر ایسے عمدہ خراسانی گھوڑے اور مصری خچر دیکھے کہ اس سے
بہتر میں نے کبھی نہ دیکھے تھے میں نے ان سے کہا یہ (جانور) کیسے اچھے ہیں اسپر امام مالک نے کہا یہ
میری طرف سے تمہاری نذر ہیں میں نے کہا ان میں سے ایک آدھ تو اپنی سواری کے لئے رہنے دیجئے
فرمایا اس بات پر مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ جس زمین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں
میں اُسے کسی جانور کے کُھر سے روندوں۔

امام ابو حنیفہؒ

آپ امام ابو حنیفہ۔ نعمان بن ثابت زوطا کوفی ہیں۔ حمزہ زیات کے گروہ سے ہیں۔ جو ریشم فروخت کیا
کرتے تھے آپ کے دادا زوطا کابل کے باشندہ تھے (اور) بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے غلام تھے۔ انھوں نے
(زوطا کو) آزاد کر دیا اور آپکے والد ثابت حالت اسلام میں پیدا ہوئے اور (یہ بھی) کہا جاتا ہے کہ آپ
(نسلاً) احرار سے تھے غلامی آپکے ہاں کبھی واقع ہی نہ ہوئی تھی۔ (آپ کے والد ثابت بحالت صغر سنی
حضرت مولیٰ علی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو حضرت علی نے آپکے لئے اور آپ کی اولاد

کے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی آپ ۸۰ھ (ہجری) میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ ہجری میں آپ نے وفات پائی اور مقابر خیزران میں آپ کو دفن کیا گیا۔ بغداد میں آپ کا مزار (مشہور و) معروف ہے آپ کے زمانہ میں چار (صحابی) زندہ تھے۔ انس بن مالک بصرہ میں۔ عبداللہ بن اوفی کوفہ میں سہل بن سعد ساعدی مدینہ میں۔ ابوطفیل بن عامر مکہ میں۔ مگر ان میں سے آپ نے کسی سے ملاقات نہیں کی اور نہ اُن سے کچھ حاصل کیا۔ فقہ آپ نے حماد بن ابی سلیمان سے سیکھی اور حدیث عطاء بن ابی رباح۔ ابو اسحٰق سبیعی محمد بن منکدر۔ نافع ہشام بن عروہ۔ سماک بن حرب وغیرہ (محدثین) سے سنی۔

اور (خود) آپ سے عبداللہ بن مبارک (و) وکیع بن جراح۔ یزید بن ہارون۔ قاضی ابو یوسف۔ محمدؒ بن شیبانی نے (استفاضہ کیا اور) روایت کی۔ منصور (والی بغداد) نے آپکو کوفہ سے بغداد میں بلا لیا تھا آپ وہیں مقیم رہے حتیٰ کہ آپ نے وفات بھی وہیں پائی۔ مروان بن محمد اموی کے دور میں ابن ہبیرہ نے آپ کو کوفہ کا قاضی بننے پر مجبور کیا۔ لیکن آپ نے (صاف) انکار کر دیا اس پر اس نے دس دن میں (روزانہ دس کوڑے کے حساب سے) سو کوڑے مارے (لیکن آپ نے جب بھی اسکی خواہش پوری نہ کی) آخر جب اس نے آپ (کے استقلال) کی یہ حالت دیکھی تو چھوڑ دیا۔ اسی طرح، جب منصور نے آپ کو عراق میں بلایا تو آپ کو قاضی بنانے کا ارادہ کیا لیکن آپ نے اس سے بھی) انکار کیا اُس نے حلف اُٹھا کر کہا کہ وہ (ایسا ضرور کرے گا (یعنے آپ کو قاضی ضرور بنائیگا) تو آپ نے بھی حلف اُٹھایا کہ آپ کبھی (قاضی ہونا منظور) نہ کریں گے اور آپ کے اور اس کے مابین کئی بار قسما قسمی ہوئی آخر (جب وہ مجبور ہو گیا تو) آپ کو قید کر دیا آپ کا انتقال قید ہی میں ہوا۔

حکم بن ہشام کا بیان ہے کہ آپ ایمان داری کے اعتبار سے دنیا کے سب سے بڑے آدمی تھے۔ بادشاہ (وقت) نے ان سے چاہا کہ یا تو وہ (سیم و زر کے) خزانہ کی کنجیوں کا مالک ہونا قبول کریں (یعنی قاضی القضاۃ بنیں) یا اپنی کمر پہ مار کھائیں تو آپ نے بندوں کے عذاب کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مقابلہ میں پسند کیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ (ایک دفعہ) ابن مبارک کے سامنے امام ابو حنیفہ کا ذکر کیا گیا تو اُنہوں نے کہا تم (مسلمانوں کے) اس (بڑے) آدمی کا ذکر کرتے ہو کہ جس کے سامنے دنیا معہ اپنی تمام آسائشوں کے پیش کی گئی لیکن آپ نے اس سے نفرت کی۔ آپ لوگوں میں متوسط (القامت) اور بقول بعض طویل (القامت) گندم گوں، لوگوں میں سب سے زیادہ خوش گفتار شیریں بیان مجلس کا سنگھار۔ بہت سخاوت والے۔ ہم نشینوں کی بہترین غمگساری کرنے والے تھے۔

امام شافعی کا بیان ہے کہ امام مالک سے دریافت کیا گیا آپ نے (کبھی) امام ابو حنیفہ کو دیکھا ہے۔ کہا ہاں۔ میں نے ایک ایسے (قوی الحجت) شخص کو دیکھا ہے کہ اگر وہ تم سے اس ستون کے بارے میں گفتگو کرے (اور) یہ (چاہے) کہ اُسے سونے کا (ثابت) کر دے تو وہ (اُسے سونے کا ثابت کر دے گا اور اپنے دعوی کے لئے (ایک مستحکم) دلیل قائم کر دے گا۔

امام شافعی کا قول ہے جس نے علم فقہ میں تبحر حاصل کرنیکا ارادہ کیا تو امام ابو حنیفہ کی اولاد ہو گیا۔ ابو حامد غزالی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ (ہر روز) آدھی رات تک (عبادت الٰہی کے لئے) جاگا کرتے تھے اثناء راہ میں کسی نے آپ کی طرف اشارہ کر کے کسی شخص سے کہا یہ وہ (بزرگ) ہیں جو تمام رات (اللہ کی عبادت کرنے کے لئے) جاگتے ہیں۔ اس (واقعہ) کے بعد سے آپ ہمیشہ ساری رات بیدار رہنے لگے اور (اس شخص کا اشارہ دیکھکر) فرمایا کہ اس بات پر مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ میں (اسکی) عبادت (کے بارے) میں ایسی صفت سے متصف ہوں جو مجھ میں نہیں ہے

شریک نخعی کہتے ہیں امام ابو حنیفہ طویل خاموشی اختیار کرنے والے ہمیشہ سوچنے والے لوگوں سے کم گفتگو کرنے والے تھے یہ ان کے علم باطن اور مہمات دین میں مشغولیت کی نشانیوں میں سب سے زیادہ واضح نشانی ہے۔ کیونکہ (خدا کی طرف سے) جسے خاموشی اور زہد (و تقوی) مل گیا اُسے کل علم مل گیا (یہ جو کچھ اُن کے اوصاف میں ہم نے بیان کیا نہایت مختصر ہے اگر ہم اُن کے مناقب و فضائل کی تشریح (و توضیح) کی طرف رُخ کریں تو طویل (سے طویل) خطبوں کے بعد بھی (اُن کے فضائل کی تشریح) نہ ختم نہ ہوں اور (ہماری) غرض حاصل نہ ہو۔ اس لئے کہ آپ (تمام اوصاف کے جامع تھے) عالم بھی تھے عامل بھی تھے متقی و زاہد بھی تھے عابد بھی تھے تمام علوم شرع میں (مسلم) امام تھے ہم نے آپ کا ذکر آپ کے علو مرتبت اور کمال علم کی وجہ سے اور آپ کے ذکر سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے اس کتاب میں کر دیا ہے ورنہ ہم نے (اپنی کتاب) مشکوۃ میں آپ کی کوئی روایت درج نہیں کی۔

امام شافعیؒ

آپ امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن یزید ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف قریشی مطلبی ہیں۔ شافع نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی۔ اور شافع کے والد سائب نے غزوہ بدر میں اسلام قبول کیا۔ سائب بنی ہاشم کے علمبردار

تھے۔آپ قید ہوگئے تو آپ نے اپنی جان کا فدیہ دیا پھر آپ نے اسلام قبول کیا امام شافعی شہر غزہ (واقع فلسطین) میں سنہ ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے جب آپ دو سال کے تھے تو آپ کے والد آپ کو مکہ معظمہ میں لے آئے تھے بعض کہتے ہیں کہ آپ عسقلان میں پیدا ہوئے بعض (آپ کا ولادت کدہ) یمن بتاتے ہیں یہ وہی برس تھا کہ جس میں امام ابو حنیفہ نے وفات پائی تھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس روز امام ابو حنیفہ نے وفات پائی اسی روز امام شافعی پیدا ہوئے بیہقی کا قول ہے یہ (امام ابو حنیفہ کے) روز (وفات) کی قید لگانا میں نے بہت روایتوں میں پایا ہے اور سال کی تقسیم اہل تاریخ میں ایک مشہور (و معروف) بات ہے۔ محمد بن حکیم کا بیان ہے امام شافعی کی والدہ محترمہ جب حاملہ ہوئیں تو انہوں نے (خواب) دیکھا کہ مشتری ان کے بطن سے نکلکر پارہ پارہ ہوگیا اور ایک ایک ٹکڑا ہر شہر میں جا پڑا۔ ایک تعبیر دینے والے نے اسکی یہ تعبیر دی کہ تمہارے بطن سے ایک عظیم الشان عالم پیدا ہوگا (خود) امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا اے لڑکے تو کون ہے میں نے عرض کیا (حضور) میں آپ ہی کے گروہ سے ہوں۔ فرمایا میرے قریب آجا میں حضور کے قریب ہوگیا پھر آپ نے کچھ لعاب دہن مبارک لے کر میری زبان میرے منہ اور میرے دونوں ہونٹوں پر مل دیا۔ اور فرمایا جاؤ اللہ تمہارے منہ میں برکت عطا کریگا۔ نیز آپ فرماتے ہیں میں نے اپنے عہد طفلی میں مکہ کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس طرح کہ جیسے کہ ایک (بزرگ) شخص رعب و داب والے مسجد حرام میں لوگوں کی امامت فرمارہے ہیں۔ جب وہ اپنی نماز سے فراغت پاچکے تو انہوں نے لوگوں کو تعلیم دینی شروع کی میں بھی ان کے قریب ہوگیا اور عرض کیا مجھے بھی پڑھائیے انہوں نے ایک ترازو اپنی آستین سے نکال کر مجھے عطا فرمائی اور فرمایا یہ تمہارے لیئے ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں وہاں ایک تعبیر دینے والے (بزرگ) رہتے تھے۔ میں نے اپنا یہ خواب ان کے سامنے پیش کیا انہوں نے فرمایا تم علم (شریعت) میں امام ہوگے اور سنت (رسول اللہ) پر (قائم) رہوگے۔ اس لئے کہ مسجد حرام کے امام کل آئمہ (مساجد) سے افضل ہیں۔ اور میزان سے مراد یہ ہے کہ تم ہر بات کی حقیقت کو بعینہ جان لوگے اور علم وعقل کی ترازو میں تول لوگے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ امام شافعی ابتدا میں غریب (و بے مایہ شخص) تھے یہاں تک کہ استاد کو اجرت تعلیم بھی دینے کو نہ تھی اسلئے استاد ان کی تعلیم میں کوتاہی کرتا تھا مگر ان کی ذہانت اور ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ وہ اور بچوں کو سبق پڑھاتا تھا اسے یہ یاد کرلیتے تھے

اور اس کے جانے کے بعد خود انہی یاد کی ہوئی باتوں کی اُن لڑکوں کو تعلیم دیتے تھے معلم کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے سب بچوں کی غور و پرداخت انہی کے سپرد کردی یہ نفع اس اجرت سے زیادہ قیمتی تھا جسکی وہ ان سے طمع رکھتا تھا اس لیئے اس نے اجرت (تعلیم) ان سے مانگنی چھوڑ دی اور ہمیشہ یہی صورت رہی یہاں تک کہ نو سال کی عمر میں آپ نے قرآن شریف پڑھ لیا

امام شافعی فرماتے ہیں جب میں قرآن ختم کر چکا تو مسجد میں داخل ہوگیا وہاں میں علماء کی صحبت میں بیٹھتا تھا اور حدیث و مسائل یاد کیا کرتا تھا اور ہمارا مکان مکہ میں شعب خیف میں (واقع) تھا اور میں اتنا غریب تھا کہ اتنے دام میرے پاس نہ تھے کہ کاغذ خریدوں اس لیئے میں ہڈیاں لیکر اُس پر لکھا کرتا تھا۔ آپ نے ابتدا میں مسلم بن خالد سے فقہ پڑھنی شروع کی تھی پھر بعد میں آپکو پتہ چلا کہ مالک بن انس تمام مسلمانوں کے امام اور سردار ہیں آپ فرماتے ہیں میرے دلمیں خیال آیا کہ مجھے وہاں چلنا چاہیئے اس لیئے میں نے (اُن کی کتاب) موطا ایک شخص سے مکہ میں مستعار لی اور (لیکر) اس (سب) کو حفظ کرلیا پھر والی مکہ سے والی مدینہ اور امام مالک کے نام ایک خط لکھوایا اور مدینہ آیا اور وہ خط (والی مدینہ کو) پہنچایا والی مدینہ نے کہا اے جوان اگر تم مدینہ سے مکہ پا پیادہ ننگے پیر چلنے کی تکلیف دو تو یہ (تکلیف میرے حق میں) اس سے زیادہ سہل ہے کہ میں امام مالک کے دروازہ تک جاؤں۔ میں نے کہا اگر امیر مناسب سمجھیں تو انہیں بلالیں کہا ہیہات (یہ ممکن نہیں) امام شافعی فرماتے ہیں کہ پھر ہم سوار ہوکر امام مالک کے دروازہ پر پہنچے۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک کالی سی لونڈی نکلکر ہمارے سامنے آئی امیر نے اس سے کہا اپنے آقا سے کہدے میں دروازہ پر کھڑا ہوں۔ لونڈی اندر چلی گئی اور اس نے دیر (لگا) دی۔ لگا دی پھر باہر آئی اور کہنے لگی میری آقا فرماتے ہیں اگر کوئی مسئلہ آپ کو دریافت کرنا ہے تو کسی کاغذ پر لکھکر بھیجد یجئے تاکہ آپ کے پاس جواب پہنچ جائے۔ اور اگر کسی اور امر اہم میں مشورہ (لینے) کے لیئے آپ کا آنا ہوا ہے تو اس کی حقیقت آپکو پنجشنبہ کو معلوم ہوگی اب آپ واپس تشریف لیجائیے

والی مدینہ نے اس سے کہا میرے پاس والی مکہ کا ایک خط ہے ایک (امر) اہم کے متعلق وہ لونڈی پھر اندر چلی گئی اور ایک کرسی لیکر باہر آئی اور اُسے رکھدیا اتنے میں امام مالک باہر تشریف لائے جو ایک طویل القامت بزرگ تھے اور اُن (کے چہرہ) پر رعب (و داب) تھا والی مدینہ نے والی مکہ کا وہ خط انہیں دیا۔ (امام مالک نے وہ خط پڑھنا شروع کیا) جب (مضمون خط کے) ان الفاظ پر پہنچے کہ محمد بن ادریس ایک مرد شریف ہیں اور ایسے ہیں ویسے ہیں تو خط کو اپنے ہاتھ سے پھینکدیا اور فرمایا اب علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہوگیا کہ خطوط کے ذریعہ اُسے حاصل کیا جائے۔

امام شافعی فرماتے ہیں میں آگے بڑھا اور عرض کیا اللہ آپکو سنوارے میں ایک مُطلبی شخص ہوں میرے حالات اور قصے یہ ہیں جب میری گفتگو سنی تو ایک لمحہ مجھے دیکھا چونکہ انہیں (مخصوص) فراست حاصل تھی مجھسے پوچھا نام کیا ہی۔ میں نے عرض کیا محمد مجھسے فرمایا اے محمدؐ اللہ سے ڈر اور گناہوں سے پرہیز کر کیونکہ عنقریب تم میں ایک خاص شان پیدا ہوگی میں نے عرض کیا بہتر ہے۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ نے تیرے قلب میں ایک ایسا نور ڈالا ہے تو اُسے گنہگاری سے ماندنہ کر۔ اور کل کسی ایسے شخص کیساتھ آنا جو تمہیں موطا سناوے میں نے عرض کیا میں حفظ پڑھ لونگا۔ دوسرے روز میں اُن کے پاس گیا اور میں نے (موطا) پڑھنی شروع کی میں جب پڑھنے کا ارادہ کرتا تو ان کے ملال کے اندیشہ سے رُک جاتا۔ لیکن وہ میری خوبی قرأت سے مسرور ہوئے اور فرمایا ای جوان اور پڑھ یہاں تک کہ چند روز میں میں نے (کل موطا) انہیں سنادی۔ میں ان کی وفات تک مدینہ ہی میں مقیم رہا۔

امام شافعی کا دستور تھا کہ جب امام مالک کوئی قول بیان کرتے تھے تو (فخریہ) فرماتے تھے کہ یہ قول ہمارے استاد امام مالک کا ہے۔

عبداللہ بن احمد حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ امام شافعی کون شخص ہیں کہ جنکی آپ اسقدر تعریف کیا کرتے ہیں اُنہوں نے فرمایا ای پیارے بیٹے امام شافعی (دنیا والوں کے لیئے) ایسے تھے جیسے دن کے لیئے آفتاب۔ اور (آرام و) عافیت (دنیا کے لوگوں کے حق میں کیا (کسی انسان کے لیئے) ان دونوں چیزوں کا بدل (ممکن ہی) یا اُن کے بغیر چارہ ہے۔

صالح بن احمد کہتے ہیں کہ ایک دن امام شافعی میرے والد کی عیادت کو آئے جو کہ علیل تھے والد ان (کی تعظیم) کے لیئے کھڑے ہوگئے پھر انہیں اپنی جگہ بٹھایا اور خود ان کے سامنے (با دب) بیٹھ گئے۔ پھر وہ اُن سے کچھ دیر کچھ پوچھتے رہے۔ پھر جب امام شافعی (چلنے کے لیئے) کھڑے ہوئے اور (اپنی سواری پر) سوار ہوگئے تو میرے والد ان کی رکاب پکڑ کر (اُن کے ہمراہ) چلنے لگے یحیےٰ بن معین کو جب یہ خبر پہنچی تو اُنہوں نے فرمایا اے ابو ذکریا اگر تم شافعی کی دوسری طرف سے رکاب پکڑ کر (اُن کے ہمراہ) چلتے تو تم بھی ضرور نفع حاصل کرتے جب جسکا ارادہ (علم) فقہ حاصل کرنیکا ہو تو اُسے امام شافعی کے خچر کی دم سونگھنی چاہیئے۔ امام احمد بن حنبل کا بیان ہے میں نے امام شافعی کے زمانہ میں اُن سے زیادہ اسلام سے تعلق رکھنے والا کسی کو نہیں پایا میں (ہر) نماز کے بعد اُن کے حق میں یہ دعا کرتا ہوں۔ اللھم اغفرلی ولوالدی ولمحمد بن ادریس الشافعی۔

ترجمہ۔ بار الٰہا مجھے، میرے ماں باپ کو اور محمد بن ادریس کی مغفرت فرما۔

حسین بن محمد زعفرانی کا بیان ہے میں نے امام شافعی سے کوئی کتاب نہیں پڑھی کہ جس کے گواہ امام احمد بن حنبل نہ ہوں۔ امام شافعی کا قول ہے جس نے اپنے نفس کو عزت دار اور مغرور کر کے علم حاصل کیا اس نے کبھی فلاح نہیں پائی۔ اور جس نے تنگدستی اور ذلت نفس اور خدمت علماء کے ساتھ علم حاصل کیا وہ (ہمیشہ) فلاح کو پہنچا۔ امام شافعی فرماتے ہیں میں نے جب کسی سے مناظرہ کیا تو اس ارادہ سے کہ اس شخص کو توفیق (خیر) حاصل ہو اور یہ سیدھے راستہ پر آجائے اس کی مدد کی جائے اللہ کی نگرانی وحفاظت اس کی طرف ملتفت ہو۔ اور جب کبھی کسی سے مناظرہ کیا اس بات کی کبھی پرواہ نہیں کی اللہ حق بات میری زبان سے ظاہر کرائے یا اس کی زبان سے۔

یونس بن عبد الاعلی کا بیان ہے میں نے امام شافعی سے سنا ہے آپ فرماتے تھے اگر کوئی شخص شرک کے علاوہ ہر اس (گناہ) میں مبتلا ہو کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے منع کیا ہے تو اس کے حق میں یہ بات اس بات سے بہتر ہے کہ وہ علم کلام میں نظر کرے میں نے خدا کی قسم اس بات کا جو مجھے اہل کلام سے معلوم ہوئی کبھی خیال تک نہیں کیا۔ نیز آپ کا قول ہے کہ (علم) کلام سے جو منکر ہوا اس نے نجات پائی۔

امام شافعی کے بھانجے ابو محمد کا بیان ہے میری والدہ فرماتی تھیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ رات میں تیس تیس مرتبہ یا کچھ کم وبیش امام شافعی کے سامنے چراغ پیش کیا جاتا تھا۔ آپ (سونے کے ارادہ سے) لیٹے جاتے تھے (اور کچھ) سوچتے تھے پھر لونڈی کو آواز دیتے تھے کہ اے لونڈی جلدی چراغ لا۔ وہ چراغ پیش کرتی اور آپ کو جو لکھنا ہوتا لکھتے پھر فرماتے اسے اٹھا کر لیجا۔ کسی نے ابو محمد سے دریافت کیا کہ چراغ واپس کر دینے سے امام شافعی کا کیا مقصد تھا۔ کہا آپ اندھیرے میں رہنا پسند فرماتے تھے اس لئے کہ اندھیرا قلب کو زیادہ روشن کر دیتا ہے۔

امام شافعی کا ارشاد ہے (لوگو!) کلام اور استنباط (کلام) میں سکوت اور (غور و) فکر سے مدد حاصل کیا کرو۔ امام شافعی کا ارشاد ہے جس نے اپنے (مسلمان) بھائی کو چپکے سے نصیحت کی تو بیشک اس نے نصیحت کی اور اس کے اخلاق کو آراستہ کیا اور جس نے علانیہ (لوگوں کے سامنے) نصیحت کی تو اس نے اسے رسوا کیا اور اس سے دغا کی۔

حمیدی کا بیان ہے کہ امام شافعی صنعاء سے مکہ (جب تشریف لائے تھے تو) دس ہزار روپیہ ساتھ لائے تھے اور آپ نے اپنا خیمہ مکہ کے باہر نصب کیا تھا۔ اور جو لوگ اس خیمہ میں آپ

کے پاس آتے تھے (آپ انہیں ایک رومال عطا فرماتے تھے) یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ (جب) سب رومال ختم ہو گئے (تو) پھر آپ مکہ کے اندر داخل ہوئے۔ قرخی کا بیان ہے کہ میں نے امام شافعی سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا (ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ) میں عید کی رات آپ کے ساتھ کسی مسئلہ میں باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا جب میں اُن کے گھر کے دروازہ پر پہنچا تو اُن کے پاس ایک غلام ایک تھیلی لیکر آیا اور کہا میرے آقا نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ تھیلی قبول فرمالیجئے۔ آپ نے (وہ تھیلی) اس سے لے لی اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا اے ابو عبداللہ (کنیت امام شافعی) میری بیوی کے ہاں ابھی بچہ پیدا ہوا ہے اور میرے پاس کچھ نہیں ہے امام شافعی نے اسی وقت وہ تھیلی اُسے دیدی اور اپنے گھر کی چوکھٹ پر اس حال میں چڑھ گئے کہ آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔

مختصر یہ کہ آپ کے فضائل حد شمار سے باہر ہیں۔ آپ دنیا کے امام تھے (اطراف) مشرق و مغرب (اکناف) میں سب سے بڑے عالم تھے جو علوم اور فخر کی باتیں اللہ نے آپ (کے اخلاق) میں جمع کی تھیں وہ نہ آپ سے پہلے کسی (عالم) میں تھیں اور نہ آپ کے بعد اور نہ آپکی جیسی شہرت کسی کو نصیب ہوئی۔

آپ نے علم حدیث امام مالک بن انس۔ سفیان بن عینیہ۔ مسلم بن خالد۔ ابو ابراہیم مزنی ربیع بن سلیم مرادی وغیرہ کثرت لوگوں سے حاصل کیا۔

اور (خود) آپ سے امام احمد بن حنبل۔ ابو ثور ابراہیم بن خالد۔ ابو ابراہیم مزنی۔ ربیع بن سلیم وغیرہ خلق کثیر نے حدیث پڑھی۔ آپ ۱۹۵ھ ہجری میں بغداد آئے اور دو سال تک یہاں مقیم رہے پھر (وہاں سے) آپ مکہ تشریف لائے پھر ۱۹۸ھ میں (پھر) بغداد آئے اور وہاں ایک مہینہ رہے پھر آپ مصر چلے گئے۔ اور وہیں بوقت عشاء جمعہ کے دن آپ نے وفات پائی۔ اور جمعہ کے دن بعد عصر رجب کی آخری تاریخ تھی ۲۰۴ھ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر چون سال کی ہوئی۔

ربیع کا بیان ہے میں نے امام شافعی کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ (جیسے) آدم علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اور لوگ ان کا جنازہ لے جانے کا ارادہ کر رہے ہیں جب صبح ہوئی تو میں نے بعض اہل علم سے اسکی تعبیر دریافت کی اُنہوں نے کہا یہ موت روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کی (موت کی خبر دے رہی) ہے اس لئے کہ (آدم علیہ السلام) روئے زمین کے سب سے بڑے عالم تھے کیونکہ (اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کل اسماء کا علم دیا تھا۔ چنانچہ

(یہ تعبیر صحیح ہوئی اور) کچھ عرصہ کے بعد ہی امام شافعی نے وفات پائی۔
نیز مزنی کا بیان ہے کہ امام شافعی کی خدمت میں اُن کی اس بیماری کے دوران میں کہ جس میں اُنہوں نے وفات پائی حاضر ہوا اور پوچھا کیسا آپکا مزاج ہے فرمایا اب دنیا سے کوچ کرنیوالا اپنے بھائیوں سے جدا ہونیوالا۔ جام موت پینے والا۔ اپنے اعمال بد سے ملاقات کرنے والا اور دربار الٰہی میں حاضری دینے والا ہوں نہ معلوم میری روح جنت میں جائے گی تو اس سے بہتر کیا ہے یا دوزخ میں جائے گی تو اس سے بہتر کیا ہے۔ پھر آپ رو کر یہ اشعار پڑھنے لگے۔
مطلب اشعار:- (۱) جب کہ میرا دل سخت ہے اور میرے راستے تنگ ہیں میں نے اپنی امید کو تیرے عفو کی طرف رجوع ہونے کے لئے) سیڑھی بنا لیا ہے (۲) مجھے میرا گناہ بہت بڑا معلوم ہوتا تھا لیکن جب میں نے اسے میرے پروردگار تیرے عفو سے اس کا مقابلہ کیا تو تیرے عفو (و درگذر) کو بڑا پایا۔ تو ہمیشہ سے گناہوں کا معاف کرنیوالا ہے۔ تو بخشش و درگذر اور کرم (اپنے بندوں پر) کرتا رہتا ہے۔ (۳) اگر تیرے کرم کا یہ حال نہ ہو تو کوئی عابد بھی شیطان (کے فریب) سے نہ بچ سکے۔ اور کیسے کوئی بچ سکتا ہے۔ جبکہ اس نے تیرے برگزیدہ (بندے) آدم تک کو بہکا دیا تھا۔
امام احمد بن حنبل کا بیان ہے میں نے امام شافعی کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا اے بھائی اللہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ فرمایا اللہ عزوجل نے مجھے بخشدیا۔ اور مجھے اپنے فضل وکرم کا) تاج پہنایا۔ اور میری شادی کردی اور مجھ سے فرمایا یہ میری وہ عنایتیں ہیں جنہیں تونے (پہلے کبھی) نہیں دیکھا تھا اور اب جو نعمتیں میں تجھے عطا کروں تو ان کا انکار نہ کیجو۔ تمام علمائے فقہ۔ اصول۔ حدیث۔ لغت۔ نحو وغیرہ آپ کی ثقاہت۔ امامت۔ عدالت۔ زہد و ورع تقویٰ وسخاوت حسن اخلاق اور علو شان پر متفق ہیں آپ کی جسقدر بھی تعریف کی جائے ناکافی ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ

آپ امام ابو عبداللہ احمد بن حنبل شیبانی مروزی ہیں۔ آپ بغداد میں ۱۶۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور یہیں ۲۴۱ھ میں آپنے وفات پائی تاپ کی عمر ستر سال کی ہوئی۔ آپ فقہ میں حدیث میں زہد وورع میں عبادت میں امام تھے (حدیث) صحیح وسقیم اور مجروح و معدل میں امتیاز آپ ہی کے ذریعہ معلوم ہوتا تھا۔ آپ نے بغداد ہی میں پرورش پائی اور (وہیں) علم حاصل کیا۔ اور اپنے اساتذہ سے حدیث سنی پھر آپ نے کوفہ۔ بصرہ۔ مکہ۔ مدینہ۔ یمن۔ شام اور جزیرہ کی طرف سفر کیا۔ اور اس زمانہ

کے تمام علماء سے حدیثیں لکھیں۔ آپنے یزید بن ہارون یحیی بن سعید قسطان یسفیان بن عیینہ محمد بن ادریس شافعی۔ عبدالرزاق بن ہمام اور ان لوگوں کے علاوہ خلق کثیر سے احادیث سنیں۔ اور خود آپ سے آپ کے دونوں بیٹوں صالح و عبداللہ نے اور آپ کے چچازاد بھائی حنبل بن اسحٰق نے اور محمد بن اسمٰعیل بخاری مسلم بن حجاج نیشاپوری۔ ابو زرعہ۔ ابو داؤد سجستانی اور علاوہ ازیں اور بہت سے لوگوں نے احادیث سنی ہیں مگر نہ معلوم اس کی کیا وجہ ہے کہ بخاری نے آپ سے صرف ایک ہی حدیث روایت کی ہے جو کتاب الصدقات میں مذکور ہے۔ اور ایک اور حدیث احمد بن حسن ترمذی نے آپ سے روایت کی ہے۔ آپ کے فضائل بکثرت ہیں۔ بیحد ہیں۔ آپکے اقوال اسلام میں مشہور ہیں اور مقامات (و درجات) دین میں مذکور۔ تمام دنیا میں آپ کا ذکر (خیر) شائع ہے۔ اور سب شہروں میں آپ کی توصیف وثنا ہوتی ہے۔ ان مجتہدین (کبار) میں سے آپ بھی ایک ہیں جن کے مسلک۔ رائے۔ اور قول کی بہت سے شہروں میں تقلید کیجاتی ہو اسحٰق بن راہویہ کا قول ہے کہ احمد بن حنبل خدا اور بزرگان خدا کے مابین ہندا کی زمین میں ایک حجت ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں جب بغداد سے چلا تو میں نے احمد بن حنبل سے زیادہ عالم۔ فقیہہ متقی پرہیزگار کسی شخص کو (بغداد میں) نہیں چھوڑا۔ احمد بن سعید دارمی کا قول ہو کہ میں نے ابوعبداللہ احمد بن حنبل سے زیادہ حدیث کا حافظ اور حدیث کے معانی و مطالب کا سمجھنے والا کوئی کالے سر والا نہیں دیکھا۔

ابو زرعہ کا بیان ہے کہ احمد بن حنبل کو دس لاکھ حدیثیں حفظ تھیں ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہا (اس کے متعلق) میں نے ان سے ذکر کیا تو اُنہوں نے مجھ پر ابواب (علوم) کھول کر رکھدیئے۔ ابراہیم حربی کا بیان ہے میں نے احمد بن حنبل کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ گویا اللہ تعالیٰ نے علم اولین و آخرین اُن کے قبضہ میں دیدیا ہے وہ جتنا چاہتے ہیں بیان کرتے ہیں ہیں اور جتنا چاہتے ہیں بیان نہیں کرتے۔ ابو داؤد سجستانی کا قول ہے کہ امام احمد بن حنبل کی مجالس مجالس آخرت تھیں۔ کہ اس میں دنیا کی کوئی بات یاد نہیں آتی تھی (ورنہ میں نے (وہاں) کبھی کسی اور سے کسی امر) دنیا کا ذکر کیا۔ محمد بن موسیٰ کا بیان ہے کہ حسن بن عبدالعزیز کے پاس ان کے ترکہ کے مصر سے ایک لاکھ دینار آئے اُس میں سے اُنہوں نے تین تھیلیاں کہ انمیں سے ہر ایک میں ایک ہزار دینار تھے احمد بن حنبل کی خدمت میں پیش کیں اور عرض کیا اے ابوعبداللہ ترکہ حلال ہو آپ اس کو اپنے بال بچوں کے کام میں لائیے۔ آپ نے فرمایا میں اطمینان بخش حالت میں ہوں

اور ان تھیلیوں کو واپس کر دیا ایک کو بھی قبول نہ کیا عبدالرحمٰن بن احمد یعنے آپکے بیٹے فرماتے ہیں میں نے اپنے والد کو ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگتے سنا ہے" بار الہا جس طرح تو نے میرا منہ غیر کو سجدہ کرنے سے محفوظ رکھا ہے ۔ اسی طرح غیر سے سوال کرنے سے بھی محفوظ رکھ۔
میمون بن اصبغ کا بیان ہے کہ جب میں بغداد میں تھا تو میں نے ایک چیخ سنی ۔ تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے لوگوں نے کہا احمد بن حنبل کو ایذا دیجا رہی ہے (اور اس بات پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ الفاظ قرآن کو مخلوق کہو) میں بھی وہاں گیا۔ جب آپ کے پہلا کوڑا لگا تو آپ نے فرمایا بسم اللہ جب دوسرا لگا تو فرمایا لاحول ولا قوۃ الا جب تیسرا لگا تو فرمایا "قرآن اللہ کا کلام ہے (اس لئے) غیر مخلوق ہے" جب چوتھا کوڑا لگا تو فرمایا لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔ آپکے اُنتیس کوڑے لگائے گئے آپ کا ازار بند کپڑے کا ایک کنارہ تھا وہ ٹوٹ گیا اور آپ کا پائجامہ آپ کے پیروں تک اُتر آیا یہ دیکھکر آپ نے آسمان کی طرف نظر بلند کی اور دونوں ہونٹوں کو حرکت دی (یعنے کچھ پڑھا) تو میں نے اس پاجامہ کے چڑھنے سے زیادہ کوئی زیادہ چڑھنے والی چیز کبھی نہیں دیکھی (یعنے آپ کے پڑھنے کی برکت سے آپکا پائجامہ فوراً ہی اوپر ہو گیا) اور اترا نہیں۔ اس واقعہ کے سات یوم بعد میں ان سے ملا گیا تو دریافت کیا اے ابو عبداللہ میں نے (اس وقت) آپ کے ہونٹوں کی حرکت کو دیکھ لیا تھا۔ وہ کیا چیز تھی جسے آپ نے پڑھا تھا فرمایا میں نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا تھا "خداوندا! تو اپنے اس نام کی برکت سے جس (کے نور) سے تو نے (فضائے) عرش کو معمور کر رکھا ہے اگر تو جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں تو مجھے بے ستر کر کے ذلیل نکر"
احمد بن کندی کا بیان ہے میں نے احمد بن حنبل کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا فرمایا مجھے اللہ نے بخشدیا۔ پھر فرمایا تو میری راہ میں پٹا ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں اے رب! فرمایا اے احمد یہ میرا چہرہ ہے تو اس کی زیارت کر میں نے اسکی زیارت تیرے لیئے جائز کی :-

---

بابُ الطّہارۃ

طہارت کے اقسام

طہارت یعنی پاکی دو قسم کی ہوتی ہے (۱) **جسمانی** (۲) **روحانی**۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ طہارت دو طرح کی ہوتی ہے **ظاہری** اور **باطنی**
طہارت جسمانی کے یہ معنی ہیں کہ کسی پاک چیز سے جسم کے ہر ظاہری حصہ کی کدورت غلاظت اور میل کچیل صاف کر دینا یعنی ہر بُن مو کی نجاست اور گندگی پاک اور صاف کر دینے کو طہارت جسمانی کہتے ہیں۔ اگر ناخن میل آلودہ ہیں یا بال نجس ہیں یا دانتوں میں گندہ نجس مادہ بھرا ہوا ہے یا ناپاک کے اندر غلیظ کثافت جمع ہے تو طہارت جسمانی کا حکم نہیں ہو سکتا ہے۔
طہارت روحانی کے یہ معنی ہیں کہ جسقدر اخلاقی گندہ مواد ہو اُسکو دور کر دیا جائے۔ خدا کی حق تلفی کی نجاست، نفس کی حق تلفی کی کدورت، عزیز و اقارب اور دوست و احباب کی حق تلفی کی غلاظت اور اجنبیوں کی حق تلفی کا تمام میل کچیل صاف کر دیا جائے۔
دُنیا کی محسوس نیم محسوس اور غیر محسوس اشیاء کی نجاستوں کو اپنے دل، ضمیر، روح بلکہ اپنی ہستی سے باہر نکال کر پھینکدیا جائے۔ ناانصافی، کذب، غرور انتقام غیبت، استہزاء، طمع، اسراف، عیاشی، بے اعتباری، بدگمانی، بخل اور سستی و کاہلی کی پلیدی کو نیک نیتی، فیاضی، حیا، تحمل، صبر، بردباری، کفایت شعاری، سچائی، راستبازی، ادب، صلح، سچی محبت اور بلندی حوصلگی و چستی کے پانی سے اپنے اندر سے دھوکر پاک کر دیا جائے۔ طہارت روحانی کو فلسفہ اور تصوف کے الفاظ میں اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ طبعی یا فطرتی درجہ (نفس امارہ) کی کثافت و گندگی کو اخلاقی اور مذہبی تعلیم کے پاک پانی (نفس لوّامہ) سے دھوکر ادائے حقوق کی چادر یا روحانی روشنی (نفس مطمئنہ) کے رومال سے صاف اور خشک کر دینے کو طہارت روحانی کہتے ہیں
آریہ مذہب والے بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ تموگن کے درجہ سے آگے بڑھ کر رجوگن کے مرتبہ میں پہونچنا اور پھر وہاں سے ستوگن کی کیفیات اپنی آتما پر طاری کرنے کو طہارت روحانی

کہتے ہیں۔ میرا یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اگر انسان بقول ارسطو اپنے نفس کو عیوب کا آئینہ بنائے اگر مادی اخلاقی اور روحانی رذائل اپنے نفس سے دور کردے۔ اگر افعال قبیحہ اور اعمال شنیعہ کا ارتکاب چھوڑ کر فضائل جمیلہ و خصائل حمیدہ سے متصف ہوجائے اور پھر اس سے ترقی کرکے اس میں وہ قوت پیدا ہوجائے کہ اپنے ماحول کی انسانوں کی حالت سنوار سکے اُنکی تمام بُرائیاں اور خرابیاں نیست نابود کرکے خوبیوں اور نیکیوں کا پالش اُنکے دماغوں اور دلوں پر کرسکے۔ اُن میں ہر اچھے کام کی رغبت اور بُرے کام سے نفرت کرنے کا جذبہ پیدا کردے پھر اس سے آگے بڑھ کر دنیا کے وحشی اور ننگ انسانیت قوانین کو توڑ کر صحیح مناسب اور مفید قواعد کا اجراء کرکے دنیا کے بھٹکے ہوئے انسانوں کو گمراہی کے غار سے نکال کر ترقی اور روشنی کی اونچی سطح پر پہنچادے۔ حیا سوز اور مخالف اُصول کی بیخ کنی کردے اور نیچرل اسلامی قوانین کی شاندار عمارتیں اُنکی جگہ بپا کرکے جہالت اور گمراہی کے مارے ہوئے انسانوں کو ٹھکانا اور امن عطا کردے تو ایسے شخص کو کہہ سکتے ہیں کہ اُس کی روح بھی پاک ہے۔ اور جسم بھی۔ ظاہری طہارت بھی اسکو حاصل ہے اور باطنی پاکیزگی بھی۔ اب رہی یہ بات کہ طہارت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کونسا ایسا ذریعہ ہے جس سے ہم کو ظاہری اور باطنی پاکیزگی نصیب ہوجائے اُس کے حصول کے صرف دو ذرائع ہیں مذہب اور تہذیب۔ بلکہ میں تو نہایت بلند آواز سے یہ کہنے کو تیار ہوں کہ مذہب مذہب مذہب ہی ایک ذریعہ ہے جس سے روحانی اور جسمانی شستگی حاصل ہوسکتی ہے۔ کیونکہ شروع میں بھی تہذیب نے مذہب کی گود میں پرورش پائی اور آخر میں بھی مذہب میں ضم ہوکر فنا ہوجائیگی۔

مذہب اور تہذیب کا مقابلہ اور ہر ایک کی تفصیل

میں موضوع مندرجہ عنوان پر ایک بسیط مقالہ لکھنا چاہتا تھا مگر افسوس کہ یہ اُس کا محل نہیں اس لیئے یہاں صرف دو باتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) مذہب کو انسان کی ظاہری اور باطنی حالات کے پاکیزہ کرنے میں کہاں تک دخل ہے اور کیا بغیر مذہب کے بھی روحانی اور جسمانی نجاست سے انسان کو نجات مل سکتی ہے یا نہیں؟ (۲) تہذیب یا نظام عقلی پر کاربند رہ کر کیا واقعی انسان پاک و طاہر بن سکتا ہے؟ یہ موضوع کے دو حصے ہیں جنکی اجمالی تفصیل ذیل میں دیکھو۔

(عـــ۱) مذہب انسانی معاشرت کی پشت پناہ ہے۔ اگر مذہب نہ ہوتا تو انسان میں
بیم ورجا کے مادہ کو کبھی تقویت نہ ہوتی اور نہ انسانی حالت میں اعتدال پیدا ہوتا۔
نہ خواص کو عوام کی تکلیف رسانی سے کبھی تنبہ ہوتی۔ نہ عوام کی طبیعتیں شور و شر سے
باز رہتیں اور نہ مختلف رنگ، مختلف مزاج اور مختلف ملک کے اقوام میں قوت
اجتماعیہ پیدا ہوتی۔ اگر مذہب نہ ہوتا تو کبھی اتحاد قومی قائم نہ رہتا اور نہ تمدنی حالت کو
استقلال ہوتا۔ اگر بادشاہ ہیں محافظ دین یا حامی دین ہوتے کا پر تو داخل نہ ہوتا تو
تہدید و غضب کے ملکی سخت قواعد فی نفسہ انتظام قائم رکھنے کے لئے کبھی کافی نہ ہوتے
اور نہ کبھی راعی و رعایا میں ہمدردی پیدا ہوتی۔ اگر مذہب انسانی دماغ کو روشن نہ کرتا
تو دنیا میں علوم کی ایجاد کبھی نہ ہوتی اور نہ انسانی فطرت بام پر پہونچ سکتی خدا کا
تصور ایک ایسا فلسفیانہ طریقہ ہے کہ جسکو یہ مرتبہ حاصل ہو گیا اس کی فطرت میں ایک
جامعیت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور امی سے عالم بنجاتا ہے۔ بالطبع انسانی ہمدردی
اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور اسی وجہ سے عمدہ اخلاق اور معاشرت کے قواعد کا
وہ رہنما بن جاتا ہے۔ مذہب انسان اور انسانی معاشرت کی روح ہے۔ اگر مذہب
نہ ہوتا تو انسان کی جماعت کبھی متحد نہ ہو سکتی۔ دنیا میں سب سے بڑا کام جو مذہب
نے کیا وہ اخلاقی حالت کی اصلاح ہے۔ تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مختلف
فرقوں کا اجتماع بجز مذہب کے اور کسی طریقہ سے ہوا ہو تو حد سلطنت ہی کبھی دنیا ایک قسم
نہیں بن سکتی تھی جب تک مذہب کی روح اسمیں نہ داخل ہوئی اور عام و خاص میں اتفاق
پیدا کرنے کے لئے مذہب سے زیادہ کوئی شے نہ تھی۔ کون نہیں جانتا کہ جبتک اجتماعی حالت نہ
پیدا ہوئی تہذیب کی ترقی محال تھی۔ وحشی اقوام جن میں مذہبی اصول متفرق ہیں نہ کبھی کوئی
بڑی قوم بنی ہیں نہ آئندہ بن سکتی ہیں۔ بالعموم چھوٹے چھوٹے فرقے اور حکومتیں ہیں۔
ایرانی، مصری، بابلی، یونانی، رومی اور اسلامی قوموں نے عظیم الشان سلطنتیں دنیا میں
قائم کیں۔ جانتک مذہب کی توسیع ہوتی گئی وہ قومیں متحد ہوتی گئیں اور اسی قدر سلطنتوں
کو مضبوطی ہوتی گئی۔ مسٹر میکس میلر کا قول ہے کہ قوم بننے کے دو باعث ہوتے زبان اور
مذہب۔ مگر زبان میں فی نفسہ کوئی ایسی بات نہیں کہ جماعت کو متحد کر سکے بلکہ مذہب ہی میں
ایسی قوت جاذبہ ہے جو متفرق فرقوں کو ایک اجتماعی دائرہ میں جمع کر سکتی ہے۔ شوپنہار جرمن فلاسفر

کی یہ رائے کہ یونان وروم میں گو مذہب تھا مگر مذہب کی ایک خاص حد تھی۔ وہ معاشرت انسانی کو گھیرے ہوئے نہ تھا تو جس طرح بغیر مذہبی اعتماد اور سہارے کے قوموں نے ترقی کی، اسی طرح دنیا بغیر مذہب کے ترقی کرسکتی ہے یہ دلیل خلاف واقعہ ہے۔ یونان تمام دنیا کے مذاہب کا مخزن تھا۔ زردشتی، بودھ اور آریہ مذہب کی بُت پرستی اور فلسفی مذہب یہ سب وہاں جمع تھے۔ دنیا میں بغیر مذہب کے کہیں ترقی نہیں ہوئی۔ قدیم مصری قوم جسکو دُنیا کے مورخ حد سے زیادہ مذہب کا پابند بتاتے ہیں تو دیکھو کہ اُس نے کیسی ترقی کی۔ یونان میں عمارتیں اگرچہ خوشنما تھیں لیکن شان وشوکت مصر کی سی نہ تھی۔ ریاضی اور علم ہیئت نے مصر ہی میں ترقی کی اور یونان نے اُس کی تقلید کی۔ فلاحت وزراعت مصری کا حصہ تھا۔ یونان نے جہاز رانی اہل فینشیا سے سیکھی اور اہل فینشیا نے مصر کی تقلید کی لقمان حکیم سب سے پہلے مصر ہی میں پیدا ہوا جس کے فلسفہ کی پیروی یونانی علماء نے کی۔ یہ تو سوشل اور اقتصادی ترقیاں تھیں باقی اخلاقی اور روحانی حالت مصر سے بہتر دنیا کی نہ تھی۔ مصر میں یہ سب کچھ کیوں ہوا صرف اتحاد مذہبی کی بدولت جب تک مذہب نہ تھا انسان کے لیئے کوئی مستقل سہارا پشت نہ تھا۔ تحقیقات اور تجربہ ایسے متغیر آلے تھے کہ ہر شخص انہیں اپنی ایجاد سے تبدیلیاں پیدا کرسکتا تھا اور اُن پر مضبوطی سے ہر حالت میں بھروسہ نہیں ہوسکتا تھا۔ تمام حیوانات کو قدرت نے ایک ایسی مضبوط اور محکم عقل حیوانی عطا کی تھی کہ اُن کو کسی سہارے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ اسپر پورا بھروسہ کرکے بلا دغدغہ اپنی ضروریات بہم پہنچا سکتے تھے انسان کو اُس کے عوض میں ایک عمدہ شے عنایت ہوئی جو تجربہ سے انتہائی درجہ تک ترقی کرسکتی تھی مگر اُس کے پاس مستقل سہارے کی کوئی شے نہ تھی۔ لہٰذا مستقل سہارا اُس کو مذہب سے ملا۔ اگر انسان مذہبی اصول واحکام کا پابند رہے تو اُس کا دل ایسا قوی رہتا ہے جیسا کہ حیوان کا عقل حیوانی سے ہوتا ہے خصوصًا وقت مرگ مذہب ہی ایک ایسی شے ہے جس سے کچھ سہارا ہوسکتا ہے۔ اگر دُنیا میں مذہب نہوتا تو انسان کے دل کو کبھی ایسی مضبوطی نہوتی اور نہ کوئی کام قوت وجرأت سے کرسکتا۔ انسان کے تمدن میں کوئی جزو ایسا نہیں ہو کہ باہمی لین دین معاوضہ یا ضرورت اس کے اجزا میں نہ ہو انہی اسباب سے تمدن قائم ہوا ہے لیکن مذہب میں کوئی نہ کوئی ظاہری ضرورت ہی نہ ظاہری معاوضہ نہ ظاہری اُجرت سو اُس میں اجتماع انسانی کی ایک نامعلوم برقی قوت ہی جو بظاہر محسوس نہیں ہوتی

مگر ہر فرد بشر کو باہم متحد کرنے میں ویسا ہی اثر رکھتی ہے جیسا کہ تمام کائنات کو ایک قدرت قائم کئے ہوئے ہے۔ اخلاق جو تمدن کی جان ہے وہ مذہب کا ایک رکن اعظم ہے۔ خواہشات انسانی کو اعتدال میں لانا یہ مذہب ہی کا کام ہے اور .... یہی اخلاق کی جڑ ہے یہ مذہب کی بدولت پیدا ہوا۔ اس نامعلوم قدرت (مذہب) نے انسانوں میں باہم ایسا پیوند لگایا کہ جسموں کو متحد کر دیا اور بعد زوال جسم کے روحوں کو یکجا کیا۔ ایسا پیوند تمدن نے انسانوں کے درمیان کوئی نہ لگایا تھا کہ موت کے بعد بھی قائم رہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مذہب نے ہمکو نیکی اور بدی کی تمیز سکھائی۔ ہماری روحانی اور جسمانی حالت درست کی۔ ہماری روح کو صاف و پاک کیا۔ ہر طرح کی اخلاقی، علمی، اور عملی نجاست دور کر کے ہماری ہستی کو طاہر اور شستہ کر کے خدا کے سامنے سربسجود کر کے قرب خداوندی میں پہونچایا ہے یَا أَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً۔ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔

(۲) تہذیب کیا انسان کی باطنی اور ظاہری حالات کو سدھار سکتی ہے؟ اس کا جواب اگر کسی روشن دماغ رکھنے والے انسان سے دریافت کیا جائیگا تو نفی میں دیگا اور بتائیگا کہ مذہب ظاہری اور باطنی محاسن کا سرچشمہ ہے۔ دماغ، دل، ضمیر، نفس، لطائف اور روح کو مذہب سے شستگی اور طہارت حاصل ہوتی ہے۔ اور تہذیب سے اور کثافت و غلاظت پیدا ہوتی ہے۔ یہ کیوں صرف اسلئے کہ مذہب کی اعلیٰ درجہ کی ترقی محض سادگی قناعت، تزکیۂ نفس کائنات کا فیضان ہے اور تہذیب یا تمدن کی ترقی حالت انسانی کی پیچیدگی، ہوا و ہوس اور حظ نفسانی ہے۔ انسان ہر مجہول شے کو معروف کرنا چاہتا ہے اور اس سے فائدہ اندوز ہونے کا قصد کرتا ہے اور اس کا حاکم بنتا ہے۔ مذہب کی ایک خاص حد ہے اور قناعت و فیضان روح کائنات اس کے تسلی بخش ذرائع یا اصلی مقاصد ہیں۔ تہذیب تمدن کی کوئی حد نہیں کیونکہ ہوس کی کوئی انتہا نہیں۔ ذاتی ناموری تہذیب کا منتہائی خیال ہے اور چونکہ انتہا اور حقیقت معلوم نہیں اس لیے انسان کائنات میں تغیر پیدا کرتا چلا جاتا ہے اور اس تغیر کا عجیب و غریب اثر کائنات پر کسی دوسرے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔ انیسویں صدی تہذیب کی معراج ہے۔ قریب ہے کہ سبع سیارہ میں انسان علمی تحقیقات کی بنیاد ڈالے! اربعہ عناصر مہذب انسان کے مطیع فرمان ہوگئے ہیں۔ آگ پانی کے اجتماع ضدین سے کلیں، ریلیں اور

جہاز متفرق حصۂ دنیا کو یکجا جمع کرتے جاتے ہیں۔ وقت اور جگہ کو جن کا خیال پہلے غیر محدود تھا، بھاپ اور بجلی اور تار کے ذریعہ سے انسان اپنے قابو میں لاتا جاتا ہے۔ دوربینوں نے افلاک کی دوری مٹا دی۔ قطب شمالی کی قدرتی مزاحمتوں کو انسان نے دور کرکے وہاں اپنا جھنڈا نصب کر دیا۔ بجلی سے ادنیٰ خدمتگار کا کام لیا جاتا ہے۔ آواز کو قیدی بنا کر اپنی خوشی کا جلیس کر لیا ہے۔ ہوائی جہاز اور غبارے تاروں تک پہونچنے کا قصد کر رہے ہیں اور قریب ہے کہ چاند کی نہروں اور پہاڑوں کا علم طبعیات نیا قائم ہو اور وہاں کے باشندوں سے سلسلۂ مراسلت نکل آئے۔ یہ سب کرشمہ حس و ادراک کا ہے۔ دنیا کے مظاہر کو خوب روشن کیا۔ جنگلوں کو معدوم کر دینے سے بارش میں کمی ہوئی۔ زراعت کی کثرت سے زمین کی قوت نامیہ میں فرق آیا، لوہے اور کوئلہ کے کھودنے سے اور کوئی سطح زمین پر پھیلانے سے طبقات الارض میں ایک خاص تغیر پیدا ہو گیا اور معلوم نہیں کہ ان قدرتی اشیاء کا اپنے مرکز سے ہٹا دینا کیا کیا عظیم الشان انقلاب دنیا میں پیدا کریگا۔ یہ سب کچھ صحیح لیکن حقیقت ہنوز سربستہ ہے۔ تہذیب نے کائنات ارضی و سماوی میں تغیرات پیدا کئے۔ لیکن دردِ دل کا کیا علاج کیا، نظام روحانی کی کیا اصلاح کی۔ کون نہیں جانتا کہ تہذیب حال میں معاشرت کی ضروریں بے انتہا ہو گئیں۔ صرف دولتمند طبقہ اُس سے نفع پذیر ہو سکتا ہے۔ غریبوں کو سادہ زندگی بسر کرنی دشوار بلکہ ناممکن ہو گئی۔ تجارت آسودہ سلطنتیں مقروض۔ جنگی سامان ایسا بیش قیمت ہو گیا کہ سلطنتوں سے بار نہیں اُٹھ سکتا۔ تہذیب بے چین آگے بڑھنے والی شے ہے۔ مذہب میں ایک استقلال اور مضبوطی ہے۔ جو لوگ تہذیب کو ترقی اور مذہب کو جمود سے تعبیر کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اضطراب و ترقی اور جمود و استقلال کا فرق اُنکی نظروں سے پوشیدہ ہے مذہب استقلال اور طمانیت سکھاتا ہے۔ جمود اور مردگی کی تعلیم نہیں دیتا۔ تہذیب بے چینی اور اضطراب بڑھاتی ہے۔ ترقی کو اس سے کوئی تعلق نہیں دنیا جانتی ہے کہ مادہ پرست تہذیب نے عالم روحانی کی کیا خدمت کی۔ اخلاقی حالت کہاں تک ہنگواری تہذیب، شرابخواری، قماربازی اور جمہوری غلامی سکھاتی ہے۔ ہیرو پرستی شخصی نہیں بلکہ قومی اور اجتماعی موجود ہے۔ حریت اور فطری استقلال قطعاً معدوم ہے، پالیسی ہے یا منافقی، ڈپلومیسی ہے یا عیاری و مکاری۔ مہذب لباس ہے یا ننگ عریانی

تعلیم ہے یا جہالت و بربریت کی طرف رجعت قہقری۔ خدا کے لیئے مجھے بتاؤ کہ حیا و شرم، بردباری، تحمل، سخاوت، شجاعت، عفت، عدالت اور انسانی مساوات کے جذبات اس تہذیب نے کونسی قبر میں دفن کر دیئے۔ خدا پرستی اور جلائر روحانی کے قوانین کیا ہوئے۔ لوگوں کے دلوں میں سکون کیوں نہیں۔ مادہ پرست انسان، روشن روح رکھنے والے آدمیوں پر کیوں غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ آخر مادی کثافت و نجاست، روحانی طہارت و پاکیزگی کو کیوں فنا کرنا چاہتی ہے میں پوچھتا ہوں کہ مروت، وفاء عہد، سچائی، سچی محبت، صلح، ادب، نیک نیتی اور فیاضی کا مادہ تہذیب نے کہاں کھو دیا۔ غیبت، استہزاء، طمع، انتقام، کذب، غرور، افتراء، بدگمانی اور بے اعتباری کی آگ کیوں لوگوں کے دلوں میں بھڑکا دی۔ کیا اسی تہذیب کو دعویٰ ہے کہ انسان کی ظاہری اور باطنی حالت کو درست کرے گی۔ کیا یہی تمدن انسان کے جسم و جان کو پاک کر سکتا ہے۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ کلّا و حاشا۔ یہ تہذیب نہیں وحشت و بربریت ہے۔ روشنی نہیں تاریکی ہے۔ ہدایت نہیں گمراہی ہے۔ بہت سے سادہ لوح اور کور بصیرت انسان اعتراض کرتے ہیں کہ مذہب کے بہت سے معمے ہنوز حل نہیں ہوئے اور خلاف عقل ہیں۔ دوزخ، جنت، مبدء و معاد ملائکہ، شیطان، صور، پل صراط، حور و قصور، لوح محفوظ، روز الست اور خود حقیقت روح پردۂ اخفاء میں ہے اس کو ہم کس طرح خواہ مخواہ مان لیں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ کونسی عجیب بات ہے، تہذیب مرئی اور غیر مرئی کے معمے کونسے اب تک حل ہو گئے یا حل ہو سکتے ہیں۔ حرکت، طاقت، قدرت، یا فطرت اور قوت جاذبہ کی حقیقت کیا حس و ادراک میں آ سکتی ہے۔ کیا جگہ، وقت، شمار، کثرات و آحاد کی ماہیت کسی نے سمجھی ہے۔ مان لیا کہ انسان کے پاس دماغ و عقل ہے اور عقل کا کام سمجھنا سوچنا اور ادراک کرنا ہے لیکن سونا تولنے کے کانٹے میں کیا پہاڑ تولا جا سکتا ہے۔ معمولی گدھے پر کیا عظیم الشان سر بفلک پہاڑ لادے جا سکتے ہیں۔ کتنے بڑے ظلم کی بات ہے کہ قومی مراسم جو عموماً شادی و غم کے موقعہ پر استعمال کیئے جاتے ہیں اُن پر تو بڑے بڑے ذی دماغ رکھنے والے بلا چون و چرا کے عمل پیرا اور کاربند ہو جاتے ہیں مگر مذہب کا یہ مرتبہ بھی نہیں۔ اگر مذہب کا کوئی واقعہ مصدقہ ہو اور تہذیب کے بلہ میں نہ آتا ہو تو وہ دنیا کے مادہ پرست دماغوں

کے نزدیک غلط قرار پاتا ہے یاللعجب۔ مذہب ہی نے انسان کی نجات کا راستہ بتایا۔ دنیا ودین کی بھلائی دکھائی۔ ظاہری وباطنی حالت کو درست کیا۔ جسم روح کی نجاستوں کو دور کیا اور بالآخر انسان کو پاک صاف کرکے ملیک مقتدر کے قرب میں پہونچادیا۔

اسلام اور طہارت مرادف الفاظ ہیں

یوں تو ہر مذہب بلند آواز سے دعویٰ کرتا ہے کہ میں انسان کی نجات کے لئے آیا ہوں اور اُس کی روحانی خباثتیں دور کرنی میرا اولین مقصد ہے اور ممکن ہے کہ یہ دعویٰ کسی حد تک صحیح بھی ہو کیونکہ لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ایک مُسلّم اُصول ہو لیکن اسلام نے نہایت ہی نرالے رنگ سے انسانی طہارت کا دعویٰ کیا۔ طہارت جسمانی اور روحانی کا چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ ایسا نہ چھوڑا جسکی نوع انسان کو ضرورت تھی۔ دیکھو قرآن متفرق مقامات میں بلند آواز سے کہہ رہا ہے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

دوسری جگہ اہل بیت کی شان میں وارد ہے إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔

ایک اور جگہ بعض صحابہ کے حق میں آتا ہے۔ فیهم رجال یحبون ان یتطهروا واللہ یحب المتطهرین۔

اول الذکر آیت واضح طور پر دلالت کررہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اخلاق اعمال اور فضائل حمیدہ کی تعلیم دیکر روحوں کو پاک صاف کردیں۔ اخلاق رذیلہ کی کثافت دور کرکے پہلے تو خصائل فاضلہ اور ریاضت وعبادت کی جلا روحوں پر کردیں اور بعد کو تسلیم ورضا کے زیور سے آراستہ کرکے قرب الٰہی میں پہونچادیں۔ اور چونکہ طہارت جسمانی و روحانی ہر دو طرح کی ہوتی ہے اور ہر ایک کا دوسرے سے تعلق وہ ہی ہے جو چولی دامن کا نہ طہارت روحانی بغیر جسمانی پاکیزگی کے ہوسکتی ہے اور نہ جسمانی پاکیزگی کا وجود بغیر روحانی طہارت کے ممکن ہے اس لئے نبی نے جہاں خصوص نیت، پابندی عبادت اور

اوا رحقوق کی تعلیم دی وہاں وضو اور غسل کے مسائل، ناخن ترشوانے بال منڈوانے
یا کتروانے کے احکام، لباس اور مکان کی ستھرائی اور صفائی، خوشبو لگانے اور مسواک
کرنے کے فوائد بھی ذہن نشین کئے جس طرح حضورؐ نے نفس ارواح کی اصلاح کی کوشش
کی۔ اسی طرح جسمانی طاقتوں کی حفاظت اور ان کے قیام کے طریقے بھی بتائے جہاں
حضورؐ کو یہ خیال تھا کہ انسانی قلوب خصائل رذیلہ، حسد، غرور، کینہ، طول امل، غصہ اور دیگر
نفسانی خواہشات سے پاک صاف ہوں وہاں اس کا بھی خیال تھا کہ ظاہری جسم
کی حالت بھی درست رہے اور انسانی قوی قوی رہیں۔ آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ
بُنِيَ الاِسْلَامُ عَلَى النَّظَافَةِ "اسلام کی بنیاد ہی نظافت و پاکیزگی پر ہے"
مکانات کی صفائی کے متعلق عام حکم تھا کہ نظفوا افنیتکم یعنی اپنے مکانوں کے
صحن خوب صاف رکھو" لباس کے پاک وصاف رکھنے کا یہاں تک حکم تھا کہ جس
کپڑے پر نجاست یا خون لگ جائے اُس سے نماز نہ ہو گی۔ بدن پر اگر پیشاب یا خون
کی چھینٹیں پڑ جاتی تھیں تو حکم تھا کہ ان کو خوب دھو کر پاک کرو۔ میلے کچیلے آدمی سے
حضورؐ کو نفرت تھی، خوشبو لگانے اور مسواک کرنے کی یہانتک تاکید تھی کہ آپؐ نے
ارشاد فرمایا تھا التعطر والسواک من سنن الانبیاء یعنی خوشبو لگانی اور
مسواک کرنی انبیاء کی سنت ہے۔ خصوصًا مسواک کی تو اسقدر تاکید تھی کہ آپؐ نے
فرمایا تھا الصلوٰۃ بسواک خیر من سبعین صلوٰۃ بغیر سواک یعنی جو نماز
مسواک کرکے پڑھی جائے وہ اُن ستر نمازوں سے بہتر ہے جو بغیر مسواک کے پڑھی جائیں
اسی طرح ہر نماز سے قبل حکم دیا گیا ہے کہ وضو کرو یعنی مُنہ ہاتھ اور پاؤں خوب صاف کر کے
نماز پڑھو ورنہ نماز نہ ہو گی۔ بغیر پاکی حاصل کئے نماز ہی قبول نہیں ہوتی چنانچہ ارشاد ہے
لا یقبل اللہ الصلوٰۃ الا بطہور یعنی خدا بغیر پاکیزگی کے نماز قبول ہی نہیں کرتا۔
اسی طرح جنابت کی حالت میں بغیر غسل کے پاک ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک بال بھی خشک
رہجائے تو غسل نہ ہوگا۔ اسی بنا پر حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنا
سر منڈوا دیا تھا۔ یہ آپ کی انتہائی اتقاء کی علامت تھی۔ اسی طرح ہر جمعہ کے دن غسل
کرنے کی سخت تاکید تھی۔ نیز یہ بھی حکم تھا کہ صاف کپڑے پہنکر خوشبو لگا کر وضو اور
مسواک کرنے کے نماز جمعہ پڑھی جائے۔ حضورؐ اور تمام صحابہ جب نماز پڑھنے مسجد میں

جاتے تو بقدر امکان صاف اور اچھا لباس پہنکر جاتے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ خذوا زینتکم عند کل مسجد - غرض یہ کہ دین اسلام سراسر پاکیزگی اور نظافت پر مبنی ہے بلکہ یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ اسلام اور طہارت مرادف الفاظ ہیں -

طہارت نکرنے کے جسمانی نقصانات

طہارت نہ کرنے سے مختلف زہریلے جراثیم انسان کے بدن کے اندر جمع ہو جاتے ہیں - ہر قسم کا سمی مادہ خون میں شامل ہو کر انسانی صحت کو تباہ کر دیتا ہے - ظاہر و باطن میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے - نظام جسمانی اعتدال سے ہٹ جاتا ہے - تمام اعصاب اور عضلات پر ناگوار اثر پڑنے لگتا ہے جسکی وجہ سے دوران خون میں کمی رنگ میں تغیر، اعصاب میں ترہل اور استرخا، عضلات میں نرمی ہو جاتی ہے بدنی قوت سست پڑ جاتی ہے، عضلات کی بندشوں کے تناؤ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں چہرہ کا رنگ زرد یا سیاہ پڑ جاتا ہے، ہاتھ پاؤں میں کس نہیں رہتا، بدن گراں ہوتا ہے آنکھوں کی روشنی کم ہو جاتی ہے، نہ بھوک معلوم ہوتی ہے نہ پیاس اور نہ بولنے کو جی چاہتا ہے نہ کسی کی بات سننی گوارا ہوتی ہے، معدہ و جگر کی حالت خراب - انتظام جسمانی میں خلل باطل خیالات کا ہجوم، افکار اور پریشانیوں کا احاطہ اور ہر وقت یاس انگیز خیالات پیدا ہوتے ہیں - دنیوی کاروبار چھوٹ جاتا ہے - اگر اندوختہ یا میراث آبائی نہ ہو تو فاقوں کی نوبت آجاتی ہے اور انسان ہر خیانت و بے ایمانی پر آمادہ ہو جاتا ہے - روحانی اصلاح تو کجا اخلاقی حالت بھی برباد ہو جاتی ہے اور مذہب کا جو اصل نقطۂ خیال تھا وہ یکسر فنا ہو جاتا ہے - یہی وجہ تھی کہ حضورؐ خود بھی ہمیشہ صاف ستھرے رہتے تھے اور دوسروں کو بھی صاف ستھرے رہنے کا شدید ترین حکم اور سخت تاکید تھی اور بالآخر حضورؐ نے فرمایا تھا کہ بنی الاسلام علی النظافۃ

وضو مسواک اور دیگر طہارتوں کے متعلق احادیث و اقوال

نبی صلعم نے فرمایا ہے کہ جن چیزوں سے انسان کے گناہ بالکل مٹا دیئے جاتے ہیں ان میں سے ایک چیز تکمیل وضو بھی ہے - حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضورؐ نے

ارشاد فرمایا کہ باوضو سونے والا اگر رات میں مرجائے تو شہید ہے حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مومن ہی وضو کی پابندی کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مسلمان بندہ جب وضو کرتا ہے تو منہ دھونے کے وقت ہر گناہ جو اس نے آنکھ سے کیا ہے پانی کے آخر قطرہ کے ساتھ نکلجاتا ہے اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں کے گناہ بالکل دور ہوجاتے ہیں اور جب سر کا مسح کرتا ہے اور بالوں پر پانی پہنچتا ہے تو اس کے بالوں کی برابر خدا تعالیٰ اس کے گناہ معاف کردیتا ہے۔ پھر دونوں پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں کے گناہ دور ہوجاتے ہیں اور بالآخر بندہ گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے حضرت عمر بن عتبہ سے بھی اسی کے قریب قریب روایت ہے۔ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ اعضاء کو دھونا فرض ہے اور دو مرتبہ دھونے سے دوہرا ثواب ملیگا اور تین مرتبہ دھونا میرا اور تمام انبیاء کا وضو ہے۔ مسواک کرنے کے فوائد حدیثوں میں بہت سے آئے ہیں ہم ان میں سے چند فوائد ذیل میں درج کرتے ہیں:-

مسواک سے منہ پاک وصاف ہوجاتا ہے۔ منہ میں خوشبو پیدا ہوجاتی ہے دانتوں کے تمام امراض دور ہوجاتے ہیں۔ مسوڑے شیر کے مسوڑوں کی طرح مضبوط ہوجاتے ہیں۔ تمام زہریلے مادے منہ سے خارج ہوجاتے ہیں۔ نگاہ میں تیزی پیدا ہوجاتی ہے۔ بلغم قطع ہوجاتا ہے۔ ناخنہ کی بیماری دفع ہوجاتی ہے۔ فقر و حاجت دور ہوکر وسعت رزق اور دولتمندی حاصل ہوجاتی ہے۔ حضور اکرم صلعم نے ہنتور، انار اور بانس کی لکڑی سے مسواک کرنے کو منع فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اس سے منہ میں مرض آکلہ پیدا ہوجاتا ہے اور مسوڑھے ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں۔

مؤمن کا وضوءِ کامل

مومن کا کامل وضوء اس معمولی اور مروجہ طریقہ ہی سے نہیں ہوجاتا کیونکہ یہ وضو تو فاسق فاجر اچھے برے سب ہی کرتے ہیں۔ مومن کو چاہیئے کہ چار چیزوں سے چار چیزوں کا وضو کرے۔ (۱) منہ کو آنکھوں کے پانی سے دھوئے (۲) ہاتھ پاؤں کے گناہوں کی نجاست ترکِ حرام کے پانی سے دور کرے (۳) زبان کو ذکر الٰہی سے غسل دے (۴) قلب کو خوفِ خدا سے دھوئے۔

اولیاء کا وضوء

مُنہ کو حیا اور شرم کے پانی سے دھونا۔ زبان کو توبہ و استغفار سے دھونا۔ ہاتھ پاؤں اور دیگر حصۂ بدن کو تعمیل اوامر الٰہی کے پانی سے دھونا۔ اور بالآخر دل کو ندامت خوفِ خدا اور ایمان و تصدیق سے صاف کرنا۔ اولیاء کا وضوء ہے۔

شہداء اور صدیقوں کا وضوء

جب تک چھ اعضاء کا چھ طریقوں سے وضوء نہ کیا جائے گا اُس وقت تک درجۂ شہادت و صداقت حاصل نہیں ہو سکتا:۔

(۱) قلب کا وضوء۔ مکر، دھوکہ، حسد، بغض، کینہ، عداوت مسلمانان اور نفاق کی نجاست دور کر کے کیا جائے (۲) زبان کا وضوء جھوٹ، تہمت، غیبت، فحش، بکواس، فضول قصے اور خلاف حکم الٰہی استعمال سے زبان کو محفوظ رکھا جائے (۳) پیٹ کا وضوء۔ پیٹ کو حرام اور مشتبہ چیزوں سے خالی رکھا جائے (۴) پشت اور بدن کا وضوء۔ ناجائز اور حرام لباس نہ پہنا جائے (۵) ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک، کان، مُنہ کا وضو یہ ہے۔ کہ ان سے کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے (۶) تمام ظاہر و باطن کو رضاء و تسلیم کے پانی سے دھویا جائے اور نفس امارہ کی قربانی کے خون سے اپنے چہرہ اور بدن کو رنگا جائے۔ یہ صدیقوں اور شہیدوں کا وضوء ہے اس کے بغیر تکمیل وضو نہیں ہوتی :

فصل اوّل

احکام کا بیان اور اُن کے اقسام

احکام شرعیہ کے اقسام شرعی احکام دو طرح کے ہوتے ہیں (۱) وہ احکام جو کسی چیز کے کرنے کے متعلق ہوں۔ ایسے احکام کو **اوامر** کہتے ہیں (۲) وہ احکام جو کسی چیز کے نہ کرنے کے لیئے ہوں۔ ایسے احکام کو **نواہی** کہتے ہیں اوامر کی تین قسمیں ہیں۔ فرض[۱]۔ واجب[۲]۔ سنت[۳]۔ پھر سنت دو طرح کی ہوتی ہے مؤکدہ[۱] اور غیر مؤکدہ[۲] یعنی مستحب۔ نواہی کی بھی تین قسمیں ہیں۔ حرام[۱]۔ مکروہ تحریمی[۲] مکروہ تنزیہی[۳]۔

احکام شرعیہ کی تعریف **فرض** وہ ہے جسکا ثبوت قرآن یا حدیث متواتر سے ہو۔ **واجب** وہ ہے جسکا ثبوت وجوباً دلیل ظنی یعنی حدیث غیر متواتر وغیرہ سے ہو **سنت مؤکدہ** وہ ہے جسکو رسول اللہؐ نے ہمیشہ کیا ہو کبھی ترک نہ کیا ہو اور وہ حضورؐ کے مخصوصات سے بھی نہ ہو **سنت غیر مؤکدہ یا مستحب** وہ ہے جسکو رسول اللہؐ نے کبھی کیا ہو اور کبھی ترک کر دیا ہو **حرام** وہ ہے جسکی ممانعت دلیل قطعی یعنی قرآن یا حدیث متواتر سے وجوباً ثابت ہو کر۔ **مکروہ تحریمی** وہ ہے جسکی ممانعت دلیل ظنی سے وجوباً ثابت ہو۔ **مکروہ تنزیہی** وہ جسکی ممانعت صرف شفقت یا تہذیب و ادب کے لحاظ سے ہو حکم کی ایک قسم اور بھی ہے جسکو **مباح** کہتے ہیں اور جس کا کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہوتے ہیں اور دونوں صورتیں برابر ہوتی ہیں مگر یہ حکم شرعی کی قسم نہیں ہے۔

اوامر و نواہی کے احکام **فرض** دو طرح کا ہوتا ہے۔ اعتقادی[۱] اور عملی[۲] اعتقادی فرض تو وہ ہے جسپر اعتقاد رکھنا اور عمل کرنا دونوں فرض ہیں اور عملی فرض وہ ہے جسپر عمل کرنا فرض ہے اعتقاد رکھنا

فرض نہیں ہے۔ عملی فرض میں ائمہ کا اختلاف ہے مثلاً سر پر مسح کرنا اعتقادی فرض ہے سب ائمہ کا اسی پر اعتقاد ہے کسی کو اس سے اختلاف نہیں باقی سر کی ایک خاص مقدار پر یا کل سر پر مسح کرنا چاہیئے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک کل سر پر مسح کرنا ضروری ہے بعض کے نزدیک چوتھائی سر پر بعض کے نزدیک ایک بال پر مسح کر لینا کافی ہے لہٰذا فرض عملی کا منکر کافر نہیں ہے۔ فرض اعتقادی کا منکر کافر ہے اور تارک مستحق عذاب ہے اور کرنے والا مستحق ثواب ہے **سنت مؤکدہ** کے کرنے والے کو ثواب ملیگا اور نہ کرنے والا صرف عتاب اور زجر و توبیخ کا مستحق ہے اور خفیف و سبک یا فضول سمجھ کر چھوڑ دینے والا کافر ہے۔ **سنت غیر مؤکدہ** کا تارک نہ مستحق عذاب ہے نہ مستحق عتاب۔ البتہ فاعل غیر فاعل سے افضل ہے۔ **حرام** کا مرتکب مستحق عذاب ہے اور تارک مستحق ثواب اور منکر کافر ہے یعنی حرام اعتقادی کا منکر کافر ہے۔ حرام عملی کا منکر کافر نہیں ہے۔ کیونکہ حرام عملی میں ائمہ کا باہم کثیر اختلاف ہے۔ **مکروہ تحریمی** کو نہ کرنیوالا ثواب پائیگا اور نہ کرنے والا مستحق عتاب ہے اور **مکروہ تنزیہی** کا تارک فاعل سے افضل ہے **مباح** کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔

تنبیہ (۱) مکروہ تحریمی حرام کے قریب ہوتا ہے اور مکروہ تنزیہی حلال کی طرف مائل ہوتا ہے لہٰذا مکروہ تحریمی اور حرام میں اعتقادی فرق ہے یعنی حرام کو جائز سمجھنے والا کافر ہے اور مکروہ تحریمی کا منکر کافر نہیں ہے باقی عمل میں دونوں ایک سے ہیں۔

(۲) واجب اور فرض دونوں کے اعتقاد میں فرق ہے عمل میں دونوں ایک سے ہیں۔ فرض کی فرضیت کا منکر کافر واجب کے وجوب کا منکر کافر نہیں ہے۔

فصل دوم وضو کا بیان

وضو کے فرائض حنفیہ کے نزدیک وضو میں چار فرض ہیں (۱) پیشانی کے بالوں کی جڑوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک پانی بہانا (۲) دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت پانی بہانا۔ (۳) چوتھائی سر کا مسح کرنا یعنی چوتھائی سر کے بالوں کو صرف تری پہنچا دینا (۴) دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا۔

تنبیہ:۔ وضو میں کوئی چیز اور کوئی طریقہ واجب نہیں ہے۔

وضو کی سنتیں

حنفیہ کے نزدیک وضو میں چودہ چیزیں مسنون ہیں (۱) وضو کی نیت کرنی، اگر بے وضو آدمی وضو کرے تو رفع حدث کی نیت کرے اور باوضو دوبارہ وضو کرے تو عبادت اور حصول قرب الٰہی کی نیت کرے۔ (۲) زبان سے بِسْمِ اللهِ العظیم والحمد لله علی دین الاسلام یا بسم الله الرحمٰن الرحیم پڑھنا (۳) پہونچوں تک دونوں ہاتھ دھونا (۴) ہاتھوں کی انگلیوں میں خلال کرنا (۵) کلی کرنا (۶) مسواک کرنا (۷) ناک میں پانی ڈالنا (۸) ہر عضو کو تین بار دھونا (۹) وضو میں ترتیب ملحوظ رکھنی (۱۰) پے در پے دھونا یعنی پہلے عضو کے خشک ہونے سے قبل دوسرے عضو کو دھونا (۱۱) ڈاڑھی میں اس طرح خلال کرنا کہ ہتیلی آگے کو رہے اور پشت دست اندر کی طرف (۱۲) سارے سر کا مسح کرنا (۱۳) کانوں کا مسح کرنا۔ (۱۴) پانوں کی انگلیوں میں اس طرح خلال کرنا کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے دائیں پانوں کی چھنگلی میں خلال کرے اور پھر اُس کی برابر والی اُنگلی میں کرے اور بالآخر بائیں پانوں کی چھنگلی پر لاکر ختم کردے اور خلال کے وقت بائیں ہاتھ کی چھنگلی کو پانوں کی اُنگلیوں کی جڑوں کے نیچے سے اوپر کو کھینچے۔

ھدایت:۔ سر اور کانوں کے مسح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہتیلیاں مع انگلیوں کے تر کرکے اول مقدم سر سے گدی تک اس طرح کھینچے کہ کھینچنے میں دونوں ہاتھوں کی چھ اُنگلیاں بیچ میں سارے سر سے متصل رہیں اور ہتیلیاں متصل نہ ہوں پھر لوٹانے میں ہتیلیاں وسط سر سے متصل رہنی چاہئیں۔ اس کے بعد کلمہ کی دونوں انگلیوں سے دونوں کانوں کے اندر اور انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے باہر مسح کرے اور پھر انگلیوں کی پشت سے گردن کا مسح کرے۔

ھدایت:۔ کانوں کے اور گردن کے مسح کے لئے جدید پانی کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر عمامہ اور ٹوپی سے مسح کا پانی لگادیا ہے تو اب کانوں کے لئے جدید پانی لینا ضروری ہے (درمختار)

وضو کے مستحبات

وضو میں سترہ مستحبات ہیں:۔ قبلہ رُخ بیٹھنا (۲) مٹی کے برتن سے وضو کرنا (۳) وضو کا لوٹا بائیں طرف رکھنا۔ اگر بڑا برتن ہو کہ جس میں چلو ڈال کر وضو کیا جائے تو برتن دائیں طرف رکھا جائے (۴) اونچی جگہ

بیٹھکر وضو کیا جائے (۵) بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑنی (۶) اعضاء کو ملنا (۷) وقت آنے سے قبل وضو کر لینا (۸) انگوٹھے کو انگلی میں گھمانا (۹) ہر عضو دھوتے وقت بسم اللہ کہنی (۱۰) وضو میں درود شریف پڑھنا (۱۱) گردن کا مسح کرنا (۱۲) دھونے کے وقت ہر دائیں عضو سے ابتدا کرنی (۱۳) وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پی لینا (۱۴) اعضاء مقررہ کو حدود معینہ سے زائد دھونا (۱۵) بائیں ہاتھ سے دونوں پاؤں کا دھونا (۱۶) خود وضو کرنا بلا وضو کرنے میں غیر سے مدد نہ مانگنی (۱۷) وضو میں اور وضو کے مقررہ اور مسنونہ دعائیں پڑھنا۔

وضو کے درمیان اور بعد کی مسنون دعائیں ہر عضو دھوتے وقت علیحدہ علیحدہ دعا پڑھنی مقرر ہے جس کی تفصیل ذیل میں مندرج ہے:۔

کلی کرتے وقت کی دعا اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔

ناک میں پانی ڈالتے وقت کی دعا اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَلَا تُرِحْنِیْ رَائِحَۃَ النَّارِ۔

منہ دھونے کے وقت کی دعا اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ

دائیں ہاتھ دھونے کے وقت کی دعا اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا۔

بائیں ہاتھ دھونے کے وقت کی دعا اَللّٰھُمَّ لَا تُعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ وَلَا مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِیْ۔

سر کا مسح کرنے کے وقت کی دعا اَللّٰھُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِکَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِکَ

کانوں کا مسح کرنے کے وقت کی دعا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ۔

گردن کا مسح کرنے کے وقت کی دعا اَللّٰھُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ۔

دایاں پاؤں دھونے کے وقت کی دعا

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِی عَلَى الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ

بایاں پاؤں دھونے کے وقت کی دعا

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِی مَغْفُوْرًا وَّسَعْیِی مَشْكُوْرًا وَّ تِجَارَتِی لَنْ تَبُوْرَ

وضو کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اور کلمہ شہادت پڑھ کر یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھیگا بہشت کے آٹھوں دروازے اس کے لیئے کھول دیئے جائینگے جس سے چاہے داخل ہو (مسلم) ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص وضو کے بعد اس دعا کو پڑھیگا اس کا عمل برباد نہ ہوگا۔ یہ دعا یہ ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِی مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

وضو کے مکروہات

حنفیہ کے نزدیک وضو میں یہ چیزیں مکروہ ہیں (۱) چہرہ پر پانی زور سے مارنا (۲) حاجت سے کم و بیش پانی کا استعمال کرنا (۳) وضو کے اندر بلا شدید ضرورت کے دنیا کی باتیں کرنی (۴) تین بار مسح کرنا اور ہر بار نیا پانی لینا (۵) مسجد کے اندر وضو کرنا (۶) عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا (۷) اسی پانی میں تھوکنا اور ناک سنکنا جس سے وضو کر رہا ہے خواہ پانی جاری ہو یا بند حوض ہو یا تالاب (۸) ناپاک جگہ میں بیٹھکر وضو کرنا (۹) کسی برتن کو اپنے وضو کے لیئے مخصوص کر لینا (۱۰) بائیں سے کلی کے یا ناک میں ڈالنے کے لیئے پانی لینا (۱۱) خواہ مخواہ بلا عذر دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنی (۱۲) وضو میں پاؤں دھونے کیوقت پاؤں کو قبلہ کے رُخ سے نہ پھیرنا

مسنونات و مکروہات مسواک

امور ذیل مسواک میں مسنون ہیں (۱) مسواک سیدھی ہو (۲) زیتون کی تلخ لکڑی کی ہو (۳) ایک بالشت کی برابر ہو (۴) داہنے ہاتھ میں مسواک پکڑی جائے کہ چھنگلی اور انگوٹھا نیچے رہے اور تین انگلیاں اوپر (۵) مسواک بے گرہ ہو (۶) چھنگلی کی برابر موٹی ہو (۷) دانتوں میں عرضاً کی جائے طولاً نہ کی جائے اور کم از کم تین مرتبہ اوپر کے دانتوں میں اور تین مرتبہ نیچے کے دانتوں میں کیجائے اور کلی کے علاوہ تین بار جدید پانی استعمال کیا جائے۔

امور ذیل مسواک میں مکروہ ہیں:۔ (۱) لیٹ کر یا کروٹ سے مسواک کرنی

(۲) مسواک کو مٹھی سے پکڑنا (۳) مسواک کو چوسنا (۴) فراغت کے بعد مسواک کو نہ دھونا۔
(۵) مسواک کھڑی نہ رکھنی (۶) بانس کی لکڑی کی مسواک کرنی (در مختار)

مسواک کے یہ طریقے مکروہ ہیں

لیٹ کر یا کروٹ سے مسواک کرنے سے طحال بڑھتی ہے۔ مسواک کو نہ دھونے سے بواسیر پیدا ہوتی ہے۔ مسواک کو چوسنے سے آدمی اندھا ہوتا ہے۔ مسواک کو نہ دھونے سے دانتوں کے میل کچیل کے جراثیم اُس میں رہجاتے ہیں اور دوبارہ اگر بغیر دھوئے استعمال کیجائے تو غذا میں مل کر سمیت پیدا کرتے ہیں۔ بانس کی لکڑی سے مسواک کرنے سے صحت تباہ ہوجاتی ہے۔

مسواک کا ثواب اور فائدہ

حدیث میں وارد ہے الصلوٰۃ بسواک خیر من سبعین صلوٰۃ بغیر سواک یعنی جو نماز مسواک کرکے پڑھی جائے اُس کا ثواب اُن ستر نمازوں سے زائد ہے جو بغیر مسواک کے پڑھی جائیں گویا مسواک وضو اور نماز بے مسواک وضو و نماز سے بدرجہا افضل ہے۔ یہ کیوں؟ اس لئے مسواک کرنے سے دانت صاف رہتے ہیں کسی قسم کا میل کچیل دانتوں میں جمع نہیں ہوسکتا۔ پائیریا ہونا ناممکن ہے۔ دانتوں میں پیپ اور فاسد مادہ جمع نہیں ہوسکتا۔ منہ خوشبودار رہتا ہے۔ معدہ اور ہاضمہ پر اسکی وجہ سے ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ معدہ کو تقویت ہوتی ہے۔ غذا صحیح ہضم ہوتی ہے۔ تمام اعضاء میں طاقت، چہرہ پر شادابی، طبیعت میں فرحت وانبساط اور قلب میں جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے جسکی وجہ سے تمام کار خیر میں ترقی ہوتی ہے صحت جسمانی پر تمام عبادات اور اخلاقی فرائض کا دارومدار ہے اور صحت جسمانی بغیر ہاضمہ صحیح کے ناممکن ہے اور ہاضمہ صحیح اُس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک منہ، دانت اور زبان کی رطوبت لعابیہ تمام فاسد زہریلے اور مضر صحت مواد سے صاف نہو۔ اسی صفائی کے لئے مسواک استعمال کرنے کا حکم ہے۔ مسواک سے مُنہ اور دانت صاف رہتے ہیں پھر نہ دانت نکلوانے کی ضرورت رہتی ہے نہ دیگر منجنوں کے استعمال کی۔ مسواک کرنے سے آنکھوں میں روشنی، جگر میں قوت، معدہ میں طاقت اور دماغ میں صفائی ہوتی ہے اور ان تمام باتوں کی وجہ سے عبادت میں ذوق آتا ہے اور روح میں روشنی اور انجلاء ہو جاتی ہے۔ لہٰذا فلسفہ صلوٰۃ پورا پورا مسواک کی وجہ سے

رو بظہور ہو جاتا ہے، کیونکہ نماز صرف روحانی روشنی ہی کے بیئے نہیں ہے بلکہ اس کے اندر طبی فوائد بھی ہیں جن کے ساتھ بقاء صحت وابستہ ہے ۔

وضو توڑنے والی چیزیں

وضو توڑنے والی آٹھ چیزیں ہیں (۱) پاخانہ یا پیشاب کی جگہ سے کسی نجس چیز کا برآمد ہونا (۲) جسم کے کسی حصہ سے خون، پیپ، یا لہو کا نکلکر مخرج سے پاک جگہ پر پہنچ جانا (۳) ٹیک لگا کر یا تکیہ کے سہارے سے سونا (۴) منہ بھر کر قے آنا (۵) نماز کے اندر بالغ آدمی کا ٹھٹھہ مار کر ہنسنا خواہ قصداً ہو یا سہواً (۶) نشہ میں سرمست ہو جانا (۷) بیہوش ہو جانا (۸) مباشرت فاحشہ۔

حنفیہ کے نزدیک وضو کرنیکا طریقہ

مذکورۂ ذیل طریقہ سے وضو کرنیسے وضو کے تمام فرائض سنتیں اور مستحبات ادا ہو جاتے ہیں اور مکروہات سے وضو محفوظ رہتا ہے۔ سب سے پہلے وضو کرنے والیکو چاہیئے کہ کسی اونچی جگہ پر بیٹھکر قبلہ رُخ ہو کر بسم اللہ کہہ کے تین بار گٹوں تک ہاتھ دھوئے پھر تین دفعہ کلی کرے اور تین بار اوپر کے دانتوں میں اور تین بار نیچے کے دانتوں میں مسواک کرے۔ اگر مسواک نہ ہو تو کسی موٹے کپڑے سے یا صرف انگلی سے دانت صاف کرے کہ میل کچیل باقی نہ رہے۔ اگر روزہ دار نہ ہو تو غرغرہ کرکے اچھی طرح سارے منہ میں پانی پہنچائے اور روزہ ہو تو غرغرہ نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ کچھ پانی حلق کے اندر چلا جائے۔ پھر تین بار دائیں ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالے اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرے لیکن جبکہ روزہ ہو تو ناک کے نرم گوشت سے آگے پانی نہ لیجائے پھر تین بار پیشانی کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک خوب دھوئے اور پانی بہائے ابروؤں کے نیچے بھی پانی بہانا چاہیئے کہیں خشک نہ رہجائے پھر تین بار دایاں ہاتھ کہنی سمیت دھوئے۔ پھر بایاں ہاتھ تین بار کہنی سمیت دھوئے اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کرے تاکہ انگلیوں کی جڑیں بھی صاف ہو جائیں اور کوئی حصہ خشک بھی نہ رہجائے۔ اگر ہاتھ میں انگوٹھی چھلا یا جوڑی ہو تو اس کو بھی ہلالے۔ پھر ایک مرتبہ سارے سر کا مسح کرے پیشانی کے بالوں سے مسح کرتے ہوئے تین انگلیاں گدی تک لیجائے اور انگوٹھا اور کلمہ کی انگلی سے مسح کرتا ہوا پیشانی کے بالوں پر لا کر ختم کردے اور اسی مسح کے پانی سے کانوں کا مسح اس طرح کرے کہ کلمہ کی انگلی سے کانوں کے اندر صفائی کرے اور انگوٹھے سے کان کے بیرونی

اوپر کے حصہ پر مسح کرے پھر انگلیوں کی پشت سے گردن کا مسح کرے لیکن گلے کا مسح نہ کرے یہ مکروہ ہے۔ پھر دایاں پانوں ٹخنے سمیت تین بار اور پھر بایاں پانوں ٹخنے سمیت تین بار دھوئے اور بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے پانوں کی انگلیوں کا خلال اس طرح کرے کہ دائیں پانوں کی چھنگلی سے شروع کرے بائیں پانوں کی چھنگلی پر لاکر ختم کردے۔ وضو کرنے کے بعد اور درمیان میں مندرجہ بالا دعائیں پڑھے خصوصاً آخیری دعا پڑھتے کا بڑا ثواب ہے۔

مسائل متفرقہ

مسئلہ وضو میں چاروں مذکورہ اعضاء کا دھونا چونکہ فرض ہے اس لئے اگر ان میں سے کوئی عضو یا بال برابر جگہ خشک رہ جائیگی تو وضو نہ ہوگا۔ مسئلہ اگر کسی کے ہاتھ پانوں میں شگاف ہو اور دھونے سے عاجز ہو تو اُس کو نہ دھوئے صرف پانی بہائے اور پانی بھی نہ بہا سکے تو اس جگہ پر مسح کرے اور مسح بھی نہ کر سکے تو آس پاس دھولے اُس جگہ کو چھوڑ دے۔ مسئلہ اگر پتھری یا کیڑے زخم کے اندر سے نکلیں تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور پیشاب کی جگہ سے نکلیں تو وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر ریح اگر پیشاب گاہ سے نکلے تو ناقض وضو نہیں کیونکہ نجس نہیں ہے۔ مسئلہ جونک کے خون چوسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مچھر اور کھٹمل کے خون چوسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ چیچڑی اگر بڑی ہے تو جونک کے حکم میں ہے اور چھوٹی ہے تو مچھر کے حکم میں (عالمگیری) مسئلہ جو پانی آنکھ، ناک، کان یا ناف سے درد کے ساتھ نکلے وہ ناقض وضو ہے۔ مسئلہ آنسو نکلنے اور پسینہ بہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ مسئلہ تھوک میں اگر خون کی سرخی نمودار ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور زردی نمایاں ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ مسئلہ اگر کسی نے زخم پر پٹی باندھی اور خون وغیرہ کی تری پٹی پر نمودار ہو گئی تو وضو ٹوٹ جائیگا۔ مسئلہ اگر کوئی شخص بیٹھا بیٹھا سوتا ہوا جھونکے کھا رہا ہو تو جب تک گر نہ جائے وضو نہ ٹوٹیگا اور گرنے کے بعد بھی اگر فوراً اُٹھ گیا اور سنبھل گیا تو وضو باقی رہیگا۔ اسیطرح اگر سوتا ہوا آدمی باتیں سنتا رہے تب بھی وضو نہ جائے گا۔ مسئلہ اپنی یا غیر کی شرمگاہ دیکھنے اور چھونے سے وضو نہیں جاتا۔ مسئلہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں جاتا تاوقتیکہ مذی خارج نہ ہو۔ مسئلہ اگر ایک شخص کا وضو تھا اور وضو ٹوٹنے کا اُسکو شک ہوا لیکن ٹھیک یاد نہیں یہ شخص اپنے کو باوضو سمجھے۔ مسئلہ اگر کسی کو کسی عضو کے دھونے یا مسح کرنے میں پہلی مرتبہ شک واقع ہوا ہو اور شکی مزاج کا آدمی بھی نہ ہو اور یہ شک میان وضو میں ہوا ہو تو جس عضو کی نسبت شک ہوا ہو

اُسکو دوبارہ دھوئے اور مسح کرے اور اگر شک کا عادی ہے یا وضو کرنے کے بعد
شک ہوا ہے تو دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر یقیناً معلوم ہو کہ پانوں نہیں
دھویا ہے مگر یہ یاد نہیں کہ کونسا پانوں نہیں دھویا تو پانوں کو دھو ڈالے (در مختار)
مسئلہ اگر کوئی نہاتے وقت سارے بدن پر پانی بہالے اور وضو نکرے یا حوض میں
گر پڑے یا پانی برستے میں باہر کھڑا رہے اور وضو کے چاروں اعضا دھل جائیں
تو وضو ہو جائیگا خواہ وضو کا قصد ہو یا نہ ہو مگر بلا قصد وضو کا ثواب نہیں ملیگا
مسئلہ اگر کوئی شخص اُلٹا وضو کرے کہ پانوں پہلے دھوئے پھر مسح کرے پھر منہ دھوئے
پھر ہاتھ دھوئے یا کسی صورت سے دھونے میں تقدیم تاخیر کرے تو وضو ہو جائے گا۔
لیکن یہ سنت کے خلاف ہے مسئلہ اگر ایک عضو کے خشک ہونیکے بعد دوسرا
عضو دھویا تو وضو ہو جائیگا لیکن خلاف سنت ہے مسئلہ اگر کسی کے ناخن میں
آٹا وغیرہ لگا ہو اور خشک ہو گیا ہو اور وضو کا پانی نیچے نہ پہونچ سکے یا نہ پہونچا ہو
تو وضو نہ ہوگا۔ اور اسی حالت میں اگر کوئی نماز نہ پڑھی ہو تو اس کا لوٹانا واجب ہے مسئلہ
اگر کسی کے ماتھے پر افشاں چنی ہو اور اوپر سے پانی ایسا بہالے کہ افشاں نہ چھوٹے
تو وضو نہ ہوگا تاوقتیکہ سب گوند چھڑا کر منہ نہ دھویا جائے۔ مسئلہ اگر ایک
وقت وضو کیا تھا اور دوسرا وقت آگیا لیکن ابھی وضو نہیں ٹوٹا ہے تو اسی وضو
سے دوسرے وقت کی نماز پڑھنی بھی جائز ہے مگر تازہ وضو کرنا اولیٰ ہے مسئلہ
اگر ایک دفعہ وضو کر لیا تو جب تک اس وضو سے کوئی عبادت نہ کرے اسپر دوسرا
وضو کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر نہاتے وقت کسی نے وضو کیا ہے اور ٹوٹا نہیں ہے تو
اسی وضو سے نماز پڑھنی چاہیئے۔ دوسرا وضو نہ کرنا چاہیئے۔ ہاں اگر کم سے کم دو
رکعتیں ہی اس وضو سے پڑھی ہوں تو دوسرا وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے
مسئلہ کسی کے ہاتھ پانوں پھٹ گئے اور اس میں موم روغن یا کچھ اور دوا بھر دی
اور وضو کرتے وقت دوا نکالے بغیر اوپر ہی اوپر پانی بہا لیا تو کافی ہے اور اگر یہ بھی ممکن
نہ ہو تو صرف بھیگا ہاتھ پھیر لینا ہی کافی ہے۔ مسئلہ اگر ایڑی پر کوئی پھوڑا یا زخم ہو
یا کسی اور جگہ ہو اور وضو کرتے وقت پانی اسپر نقصان کے خوف سے نہ بہایا صرف
مسح کر لیا تو کافی ہے اور مسح بھی ممکن نہ ہو تو خشک رہنے دیا جائے۔ مسئلہ وضو

کرتے وقت اگر ایڑی پر یا کسی اور جگہ پانی نہ پہونچا اور جب پورا وضو ہو چکا تب معلوم ہوا
کہ فلاں جگہ خشک رہ گئی تو وہاں پر صرف ہاتھ پھیر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ پانی
بہانا چاہیئے **مسئلہ** اگر منہ بھر کر قے میں بلغم نکلا تو وضو نہیں ٹوٹتا ہاں اگر پت
یا خون یا کھانا قے میں منہ بھر کر نکلا تو وضو ٹوٹ گیا۔ منہ بھرنے کے یہ معنی ہیں کہ مشکل
سے منہ میں رُکے **مسئلہ** بے وضو آدمی کو کلام مجید کا چھونا جائز نہیں۔ پڑھنا
جائز ہے۔ اگر کلام مجید کھلا رکھا ہے تو اُس کو دیکھ کر تلاوت کرنی بھی جائز ہے اور
جس تشتری یا تعویذ میں کوئی آیت لکھی ہو اُس کا چھونا بھی جائز نہیں۔

پٹی اور جبیرہ کے مسائل

جس وقت ہڈی ٹوٹ جاتی ہے تو اُس کو جوڑ کر ادھر اُدھر دو بانس کی کھپاچیں باندھ لیتے ہیں
ان کھپاچوں کو جبیرہ کہتے ہیں **مسئلہ** اگر زخم پر پٹی بندھی ہو اور پٹی کھول کر زخم پر
مسح کرنے سے نقصان ہو یا پٹی کھولنے باندھنے میں بڑی دقت اور تکلیف ہو
تو پٹی کے اوپر مسح کر لینا درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پٹی پر مسح کرنا درست نہیں
پٹی کھول کر زخم پر مسح کرنا چاہیئے **مسئلہ** اگر پوری پٹی کے نیچے زخم نہیں ہے تو
اگر پٹی کو کھول کر زخم کو چھوڑ کر اور سب جگہ دھو سکے تو دھونا چاہیئے اور اگر پٹی نہ کھول
سکے تو ساری پٹی پر مسح کر لیوے جہاں زخم ہے وہاں بھی اور جہاں زخم نہیں ہے
وہاں بھی **مسئلہ** جبیرہ کا حکم بھی پٹی کی طرح ہے کہ جب تک جبیرہ نہ کھول سکے جبیرہ
کے اوپر ہاتھ پھیر لیا کرے اور کھولنا ممکن ہو تو زخم کی جگہ چھوڑ کر باقی حصہ کو دھوے۔
فصد کی پٹی کا یہی حکم ہے کہ اگر زخم کے اوپر مسح نہ کر سکے تو پٹی کھول کر کپڑے کی گدی پر
مسح کرے۔ اور اگر کوئی کھولنے باندھنے والا نہ ملے تو پٹی پر ہی مسح کرے۔ **مسئلہ** جبیرہ اور
اور پٹی میں بہتر تو یہ ہے کہ سارے جبیرہ اور پٹی پر مسح کرے۔ اگر کل پر نہ کر سکے تو آدھی سے
زائد پر کر لینا جائز ہے اور اگر فقط آدھی یا آدھی سے کم پر مسح کریگا تو جائز نہیں **مسئلہ**
اگر جبیرہ یا پٹی کھلکر گر پڑے اور زخم ابھی اچھا نہیں ہوا ہے تو پھر باندھ لیوے اور وہی
پہلا مسح کافی ہے۔ دوبارہ مسح کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر زخم اچھا ہو گیا
ہے کہ اب باندھنے کی ضرورت نہیں ہے تو مسح ٹوٹ گیا اب اتنی جگہ دھو کر نماز پڑھ لے
پورا وضو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

فصل سوم غسل کا بیان

غسل کے اقسام

غسل کی چار قسمیں ہیں۔ فرض[۱]۔ واجب[۲]۔ سنت[۳]۔ مستحب[۴]۔

فرض غسل کے اقسام فرض غسل تین[۳] ہیں غسل جنابت۔ غسل بعد انقطاع حیض۔ غسل بعد انقطاع نفاس۔

واجب غسل کے اقسام۔ واجب غسل صرف دو ہیں (۱) زندوں پر مُردہ کو غسل دینا واجب ہے۔ (۲) اگر کل بدن نجاست آلودہ ہو جائے یا بدن کے کسی حصہ پر نجاست لگجائے لیکن مکان نجاست معلوم نہو تو سارے بدن کا غسل واجب ہے۔

سنت غسل کے اقسام سنت غسل حنفیہ کے نزدیک پانچ ہیں (۱) جمعہ کی نماز کے لیئے (۲) عیدین کے لیئے (۳) احرام حج یا عمرہ کے لیئے (۴) عرفات میں ٹھیرنے کے لیئے (۵) اسلام میں داخل ہونے کے وقت۔

مستحب غسل کے اقسام مستحب غسل بتیں ہیں (۱) دیوانگی غشی اور نشہ کی سرمستی دور ہونے کے بعد (۲) پچھنے لگوانے کے بعد (۳) شعبان کی پندرہ تاریخ کو (۴) نویں ذی الحجہ کی رات کو (۵) مقام مزدلفہ میں ٹھیرنے کے وقت (۶) ذی الحجہ میں قربانی کرنے کے وقت (۷) پتھریاں پھینکنے کے لیئے منا میں داخل ہونے کے وقت (۸) طواف زیارت کے لیئے مکہ معظمہ میں داخل ہونے کے وقت (۹) شب قدر میں (۱۰) سورج اور چاند کے گرہن ہونے کے وقت (۱۱) طلب بارش کی نماز کے لیئے۔ (۱۲) کسی خوف کے وقت (۱۳) (۱۴) اگر سخت آندھی آجائے یا کوئی اور ارضی وسماوی آفت ہو تو اُسکو دفع کرنے کے لیئے (۱۵) مدینہ مکرمہ میں داخل ہونے کے وقت۔ (۱۶) نئے کپڑے یا سفید لباس پہننے کے وقت (۱۷) مردہ نہلانے کے بعد (۱۸) مقتول کو غسل دینا خواہ قتل کیسا ہی ہو حرام یا حلال (۱۹) سفر سے مراجعت کے وقت (۲۰) مستحاضہ عورت پر ہر نماز کے لیئے۔

جنابت حیض اور نفاس کی تعریف جنابت شریعت میں اُسکی ناپاکی کی

حالت کو کہتے ہیں جو منی نکلتے یا دخال حشفہ کے بعد تمام بدن پر حکما پیدا ہو جاتی ہے
حیض اس خون کو کہتے ہیں جو رحم کے اندر سے ہر ماہ آتا ہے۔ اسکی رنگت سرخ سیاہ زرد مکدر اور خاکستری ہوتی ہے۔ نفاس اُس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کے رحم سے آتا ہے۔

جنابت کے شرائط زندہ اور بالغ مرد یا عورت کے قبل یا دبر میں دخول حشفہ ہو خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ جانور، مردہ آدمی، اور نابالغ سے وطی کرنے میں انزال شرط ہے بغیر انزال کے جنابت نہیں ہوتی۔ انزال کے وقت ضروری ہے کہ مادہ کود کر اور شہوت سے خارج ہو۔ خواہ چھونے سے ہو یا دیکھنے سے یا اور کسی وجہ سے سوتے میں ہو یا جاگتے میں۔ مرد سے ہو یا عورت سے۔ اگر انزال بغیر ان شرائط کے ہوگا تو جنابت نہ ہوگی۔ مثلاً بوجھ اٹھانے سے یا بیماری سے یا اور کسی وجہ سے ہو۔ اور شرائط بالا موجود نہوں تو جنابت نہیں ہوتی اور نہ غسل جنابت فرض ہوتا ہے۔

حیض کی مدت اور شرائط خون حیض تین رات دن یعنی ۷۲ گھنٹے سے کم اور اور دس رات دن سے زائد نہیں ہوتا۔ اگر اس مدت سے کم یا زیادہ ہو تو حیض نہیں استحاضہ ہے جس سے غسل واجب نہیں اور نہ یہ نماز روزہ سے مانع ہے کیونکہ استحاضہ ایک بیماری ہے جس میں رگوں سے خون آتا ہے۔ رحم کے اندر سے نہیں آتا مثلاً ایک عورت کو صبح ۶ بجے سے حیض شروع ہوا اور چوتھے دن پونے چھ بجے خون منقطع ہوا تو حیض نہ شمار کیا جائیگا۔ اگر ٹھیک ۶ بجے یا سوا چھ بجے ختم ہوگا تو حیض ہوگا۔ اسی طرح اگر دس روز سے ۱۵ منٹ کی بھی زیادتی ہوگئی تو حیض نہ شمار کیا جائیگا۔ مثلاً ایک عورت کو صبح کے چھ بجے خون آنا شروع ہوا۔ اور گیارھویں روز ۶ بجے منقطع ہوا تو حیض ہے اور اگر سوا چھ بجے ختم ہوا تو حیض نہیں بلکہ بیماری ہے جسکو استحاضہ کہتے ہیں۔ یعنی گیارھویں دن کے چھ بجے تک تو حیض شمار ہوگا اور باقی پندرہ منٹ طہر کے سمجھے جائیں گے۔

طہر کی مدت طہر کی مدت کم از کم پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی حد معین نہیں بعض عورتوں کو تمام عمر یہی طہر رہتا ہے۔ اور ایک ماہ میں دو مرتبہ حیض ہونا بھی ممکن ہے۔

نفاس کی مدت اور شرائط نفاس کی کم از کم مدت تو کوئی معین ہی نہیں ہے ہاں زیادہ سے چالیس دن کی میعاد ہے چالیس دن سے زائد نفاس نہیں ہوتا۔

بلکہ بیماری ہوتی ہے۔ مثلاً ایک عورت کو صبح چھ بجے سے خون ولادت جاری ہوا اور اکتالیسویں دن دس بجے تک رہا تو اکتالیسویں دن چھ بجے تک تو نفاس شمار کیا جائیگا اور باقی چار گھنٹے استحاضہ کے خیال کئے جائیں گے۔ عورتوں کی عادت نفاس کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ عموماً ۲۰ روز نفاس ہوتا ہے۔ کبھی زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی۔ بہر حال عادت کا اعتبار ہے۔ اور جسکی عادت نہ ہو اور ابتداءً نفاس ہوا ہو اس کے لئے چالیس روز مقرر ہیں۔

جنابت حیض اور نفاس کے غسل کے فرائض :غسل مذکور میں تین چیزیں فرض ہیں (۱) منہ بھر کر کلی کرنا (۲) ناک کے نرم چمڑے تک پانی پہنچانا (۳) سارے بدن کا دھونا خواہ مالش کرے یا نہ کرے۔

غسل کی سنتیں :غسل کی سنتیں چار ہیں (۱) دونوں ہاتھوں کو پہونچوں تک دھونا (۲) غسل سے قبل شرمگاہ کو دھونا خواہ اثر نجاست ہو یا نہ ہو (۳) علاوہ پانوں دھونے کے وضو کرنا (۴) تین بار سر اور تمام بدن پر اس طرح پانی بہانا کہ پہلے تین بار سر پر پانی ڈالے پھر تین بار داہنے مونڈھے پر تین بار بائیں مونڈھے پر۔

غسل کے مستحبات غسل میں آٹھ چیزیں مستحب ہیں (۱) ناپاکی دور کرنیکی نیت کرنی (۲) ہاتھ دھوتے وقت بسم اللہ پڑھنی (۳) نہاتے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرنا (۴) تمام بدن پر پانی مل لینا تاکہ سب جگہ پانی اچھی طرح پہونچ جائے (۵) ایسی جگہ نہانا جہاں کوئی نہ دیکھے (۶) غسل کرتے وقت باتیں نہ کرنا (۷) ضرورت سے زائد یا کم پانی صرف نہ کرنا (۸) غسل کے بعد موٹے کپڑے سے بدن صاف اور خشک کرنا۔

غسل کرنے کا مسنون طریقہ :۔ مذکورہ ذیل طریقہ سے غسل کرنے سے غسل کے تمام فرائض سنتیں اور مستحبات ادا ہو جاتے ہیں غسل کرنے والیکو چاہیئے کہ قبلہ کی طرف سے مڑ کر اول پہونچوں تک دونوں ہاتھ بسم اللہ کہکے دھوئے پھر استنجا کرے خواہ نجاست کا اثر ہو یا نہ ہو پھر جہاں جہاں بدن پر نجاست لگی ہو اسکو دھوئے پھر وضو کرے اگر کسی پتھر یا چوکی پر غسل کر رہا ہو تو پانوں بھی دھوئے اور اگر ایسی جگہ ہو کہ پانوں پھر نجاست آلود ہو جائیں گے تو پانوں نہ دھوئے۔ باقی وضو کر کے تین مرتبہ سر پر پانی ڈالے پھر تین مرتبہ داہنے مونڈھے پر اور تین مرتبہ بائیں مونڈھے پر

پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاک جگہ آکر پاؤں دھوئے۔ اور اگر وضو کے وقت پاؤں دھولیے ہوں تو اب دھونے کی ضرورت نہیں۔

جنابت کے احکام اور مسائل :- اگر کوئی شخص سوتے سے جاگا اور اس نے اپنے بچھونے یا ران پر یا سوراخ احلیل میں تری پائی اور اسکو احتلام ہونا یاد ہے اور منی ہونے کا خیال ہے یا کم از کم شک ہے بہر حال غسل واجب ہے اگر ودی ہونے کا یقین ہے یا مذی ہونے کا۔ یا احتلام یاد نہو اور سونے سے قبل عضو بھی منتشر تھا تو غسل واجب نہیں۔ اور اگر سونے سے قبل عضو ساکن تھا تو غسل واجب ہے مسئلہ اگر بیدار ہونے کے بعد سوتے میں احتلام ہو جانے کا لطف تو یاد ہے لیکن بدن اور بستر پر کہیں اثر احتلام نہیں تو غسل فرض نہیں مسئلہ اگر ایک شخص کو احتلام ہوا اور اثر احتلام بیداری کے بعد محسوس ہوا اس نے وضو کرکے نماز پڑھ لی اس کے بعد خروج مادہ ہوا تو غسل واجب ہے نماز کا اعادہ ضروری نہیں مسئلہ اگر پیشاب کرتے وقت منی خارج ہو اور تندی بھی موجود ہو تو غسل واجب ہے بغیر تندی کے غسل واجب نہیں مسئلہ دانتوں میں اگر گوشت کا ریشہ یا کوئی اور کھانا رہ جائے یا کوئی اور سخت چیز رہجائے جو پانی نہ پہونچنے دے تو غسل نہ ہوگا مسئلہ مرد کے سر کے بال اگر گندھے ہوں تو ان کا کھولنا غسل کے وقت واجب ہے مسئلہ اگر کوئی شخص غسل کرتے میں کلی کرنی بھول گیا اور نماز کے وقت تک اسکو یاد بھی نہیں آئی البتہ اس درمیان میں پانی ضرور پیا ہے تو دوبارہ غسل کرنے کی ضرورت نہیں۔ پانی پینا ہی غسل کی بجائے سمجھا جائے گا۔ (در مختار) مسئلہ اگر مرد جنب ہوا اور جگہ ایسی ہو کہ اگر غسل کیا جائیگا تو مردوں سے بے پردگی ہوگی یا عورت جنب ہے اور ایسی جگہ ہے کہ غسل کرے تو عورتوں سے بے پردگی ہوگی تو غسل لازم ہے تیمم جائز نہیں۔ اور اگر ایسی جگہ ہے کہ مرد کی عورتوں سے یا عورتوں کی مرد سے بے پردگی ہوگی تو غسل کرنا چاہیئے تیمم کافی ہے۔ مگر یہ صورت اسوقت جائز ہے جب تاخیر کرنے میں نماز کے قضا ہو جانے کا اندیشہ ہو ورنہ جائز نہیں مسئلہ اگر تنہائی کی جگہ ہو جہاں کوئی دیکھ نہ سکے تو ننگے ہو کر نہانا بھی درست ہے خواہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مسئلہ اگر سارے بدن پہ پانی پڑ جائے اور کلی کرے اور ناک میں پانی بھی ڈال لے تو غسل ہو جاتا ہے خواہ غسل کی نیت ہو یا نہو چنانچہ اگر کوئی ناپاک آدمی

بارش میں کھڑا ہو جائے یا حوض میں گر پڑے اور سب بدن بھیگ جائے منہ اور ناک
میں پانی بھی پہنچ جائے تو غسل ہو جاتا ہے۔ مسئلہ غسل کرتے وقت کلمہ پڑھنا یا
پڑھ کر پانی پر دم کرنا ضروری نہیں چاہے کلمہ پڑھے یا نہ پڑھے بہر صورت پاک ہو جائیگا
بلکہ نہاتے وقت کلمہ اور کوئی دعا نہ پڑھنا ہی افضل ہے۔ مسئلہ اگر بدن بھر میں بال برابر
بھی جگہ سوکھی رہ جائیگی تو غسل نہ ہوگا مگر دوبارہ غسل کرنا لازم نہیں بلکہ نہانے کے
بعد جب یاد ہو جائے کہ فلاں جگہ خشک رہ گئی ہے تو اس جگہ پانی بہا لینا چاہیئے۔
مسئلہ اگر کوئی بیماری کی وجہ سے سر پر پانی نہ ڈال سکے تو سر چھوڑ کر سارا بدن دھولے
اور تندرست ہو جانے کے بعد صرف سر دھولے۔ مسئلہ اگر عورتوں کے سر کے بال
گندھے ہوئے نہ ہوں تو سارے بال بھگونا اور سب جڑوں میں پانی پہونچانا فرض ہے
ایک بال بھر بھی سوکھا رہ گیا یا ایک بال کی جڑ میں بھی پانی نہیں پہونچا تو غسل نہ ہوگا اور
اگر بال گندھے ہوئے ہوں تو بالوں کا بھگونا ضروری نہیں ہے لیکن سب جڑوں میں
پانی پہونچانا فرض ہے ایک جڑ بھی سوکھی نہ رہنے پائے اور اگر بے کھولے جڑوں میں پانی
نہ پہونچ سکے تو بالوں کو کھول ڈالے اور پھر بالوں کو بھی پانی سے بھگوئے۔ نتھ اور
بالیوں اور انگوٹھی چھلوں کو اور چوڑی کنگن وغیرہ کو خوب ہلالے۔ اور اگر بالیاں نہ پہنے
ہو تب بھی قصد کر کے سوراخوں میں پانی ڈالے ایسا نہ ہو کہ پانی نہ پہنچے اور غسل صحیح نہ ہو
البتہ اگر انگوٹھی چھلے ڈھیلے ہوں کہ بلا ہلائے بھی پانی پہنچ جائے تو ہلانا واجب نہیں
لیکن اسوقت بھی ہلانا مستحب ضرور ہے۔ مسئلہ اگر ناخن میں آٹا یا کوئی اور سخت چیز
لگی رہ جائے اور سوکھ جاتے اور اس کے نیچے پانی نہ پہونچے تو غسل نہ ہوگا۔ جب یاد آوے
تو آٹا چھڑا کر پانی ڈالے اور اگر پانی پہنچانے سے قبل کوئی نماز پڑھ لی ہو تو اس کی
قضا پھیرے۔ مسئلہ اگر ہاتھ پاؤں پھٹ گئے اور اس میں موم روغن یا کوئی اور دوا
بھر لی تو اس کے اوپر سے پانی بہا لینا درست ہے۔ مسئلہ کان اور ناف میں بھی خیال کر کے
پانی پہونچانا چاہیئے۔ پانی نہ پہونچے گا تو غسل نہ ہوگا۔ مسئلہ اگر بالوں میں یا ہاتھ پاؤں
میں تیل لگا ہوا ہے کہ بدن پر اچھی طرح پانی ٹھیر نہیں سکتا بلکہ پڑتے ہی ڈھلک جاتا ہے تو
اس کا کچھ حرج نہیں ہے جب سارے بدن اور سارے سر پر ڈال لیا تو غسل
ہو گیا۔ مسئلہ اسکے پر افشاں چنی ہو یا بالوں میں گوند لگا ہو جسکی وجہ سے بال اچھی طرح

نہ بھیگ سکیں تو گوند وغیرہ خوب چھڑا کے اور افشاں دھو ڈالے۔ اگر گوند کے نیچے پانی نہ پہونچیگا اور اوپر ہی اوپر جائیگا تو غسل نہ ہوگا۔ مسئلہ اگر مسّی کی دھڑی جمائی ہے تو اسکو چھڑا کر کلی کرے نہیں تو غسل نہیں ہوگا۔ مسئلہ کسی کی آنکھیں دُکھتی ہوں اور آنکھوں سے اس قدر کیچڑ نکل کر جم جاتا ہو کہ اگر نہ چھڑایا جائے تو آنکھ کے کوئے پر پانی نہ پہونچ سکیگا تو اسکو چھڑانا واجب ہے بے چھڑائے غسل درست نہیں۔

مسئلہ اگر آنکھ کھلی اور کپڑے یا بدن پر منی کا اثر دیکھا تو غسل واجب ہے چاہے سوتے میں کوئی خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ مسئلہ جسپر نہانا واجب ہے اگر وہ نہانے سے قبل کچھ کھانا پینا چاہے تو پہلے ہاتھ منہ دھوئے اور کلی بھی کرے بعد کو کھائے اور بے ہاتھ منہ دھوئے کھانا پینا بھی گناہ نہیں ہے۔ مسئلہ ناپاک آدمی کو کلام مجید کا چھونا پڑھنا اور مسجد میں جانا جائز نہیں۔ ہاں اللہ کا نام لینا یا کلمہ شریف اور درود شریف پڑھنی جائز ہے۔ مسئلہ تفسیر اور فقہ دینی کتابوں کو بے نہائے اور بے وضو چھونا مکروہ ہے اور ترجمہ دار قرآن کو چھونا بالکل حرام ہے۔

حیض کے احکام و مسائل:- اگر کوئی کم سن بچی یا حاملہ قبل ولادت یا پچاس ساٹھ برس والی بڑھیا خون دیکھے تو حیض کا خون نہ ہوگا بلکہ استحاضہ کا ہوگا۔ خون حیض و استحاضہ کی شناخت یہ ہے کہ حیض کے خون میں بدبو ہوتی ہے اور استحاضہ کے خون میں بدبو نہیں ہوتی۔ **حیض والی** عورت کے لئے سات چیزیں حرام ہیں:- نماز پڑھنی روزہ رکھنا۔ طواف کعبہ کرنا۔ مسجد میں جانا۔ قرآن شریف پڑھنا۔ قرآن شریف چھونا۔ جماع کرنا۔ مسئلہ اگر عورت نے پاکی کی حالت میں نماز یا روزہ شروع کیا اور پھر درمیان میں حیض شروع ہوگیا تو اگر روزہ نماز نفلی ہے تو دونوں کی قضا لازم ہے اور اگر فرضی ہے تو فرض روزہ کی قضا لازم ہے فرض نماز کی قضا نہیں کیونکہ شروع کرنے سے قبل ہر نفل نفل ہوتا ہی اور شروع کرنے کے بعد اس کی تکمیل واجب ہو جاتی ہے لہذا صورت مذکورہ میں نفل کا ادا کرنا بعد انقطاع حیض واجب ہوگیا کیونکہ خود اس نے اپنے ذمہ لیا ہے اور فرض خدا کا مقرر کردہ ہے۔ لہذا خدا نے تو اپنا واجب معاف فرمادیا قضا لازم نہیں اور جو انسان نے خود اپنے اوپر واجب کیا ہے تو اس کی تکمیل لازم ہے اور تکمیل نہ ہوسکے تو قضا ضروری ہے۔ رہی یہ بات کہ فرض نماز

کی قضا نہیں ہے اور فرض روزہ کی قضا ضروری ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فرض
روزے سال بھر میں ایک ماہ کے ہوتے ہیں اور چونکہ مدت حیض کی زیادہ سے زیادہ
دس دن ہوتے ہیں اس لیئے سال بھر میں حیض کی وجہ سے اگر روزے قضا ہو سکتے
ہیں تو زائد سے زائد دس۔ ایسی صورت میں دس روزوں کی قضا سال بھر میں کوئی
مشکل بات نہیں ہے اور نماز روزانہ پانچ وقت فرض ہے اس لیئے ہر ماہ کی پچاس اور
سال بھر کی چھ سو نمازیں ہوتی ہیں ایسی صورت میں ہر ماہ پچاس نمازوں کی قضا سخت
دشوار ہے اس لیئے قضا معاف ہے۔ مسئلہ ایک عورت کو اول مرتبہ دو دن
خون آکر بند ہو گیا پھر چھٹے دن خون آیا بیچ میں چار دن پاک رہی تو اس عورت کا
آٹھ دن حیض شمار ہوگا کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جو پاکی دو خونوں کے درمیان عشرۂ
حیض کے اندر ہو وہ پاکی نہیں ہے بلکہ حیض میں داخل ہے خواہ یہ طہر عادت والی عورت کو ہو یا
بالکل ابتدائی عورت کو۔ مسئلہ اگر عورت کی کوئی خاص عادت ہو اور ایک مہینہ میں اسکو
عادت کے خلاف خون آجائے مثلاً پانچ دن کی عادت تھی اور ایک بار چھ سات دن
ہو گیا یا سات دن کی عادت تھی اور آٹھ نو روز ہو گیا تو یہ سمجھا جائیگا کہ اس عورت کی عادت
بدل گئی۔ دس دن تک یہ تمام ایام حیض کے خیال کیئے جائینگے۔ مسئلہ اگر کسی عادت والی
عورت کو گیارہ دن تک حیض آئے تو جتنے دن عادت سے زائد ہیں وہ استحاضہ میں شمار
ہوں گے مثلاً ایک عورت کی عادت چار دن کے حیض کی تھی اور ایکدفعہ اسکو گیارہ دن خون
آیا تو عادت کیموافق چار دن تو حیض کے شمار ہونگے اور بقیہ سات دن کا استحاضہ شمار ہوگا۔
غرض دس روز سے جہاں خون متجاوز ہوا تو اب عادت کے ایام منہا کر کے زائد ایام پر
استحاضہ کا حکم ہوگا اور ان ایام میں نماز روزہ سب کچھ ادا کرنا ہوگا اور اگر عورت کی کوئی
عادت نہیں ہے تو دس دن حیض کے شمار ہوں گے اور باقی زائد دن استحاضہ کے۔ مسئلہ اگر
مستحاضہ عورت جسکو عرصے سے خون جاری ہے اپنے حیض کے دنوں کو بھول جائے تو غالب گمان
پر عمل کرے جو غالب گمان ہو وہی کرے یعنی جن دنوں کو طہر خیال کرے انہیں نماز روزہ سب کچھ
ادا کرے اور جنکو ایام حیض خیال کرے اس میں نماز روزہ ترک کرے۔ مسئلہ حائضہ عورت
سے سوا ناف اور زانوں کے درمیان کے اور تمام مقامات پر مساس جائز ہے۔ کھانا پکانا
اور اس کی مستعملہ اشیاء کا استعمال بھی درست ہے بلکہ اس کو اپنے بستر سے علیحدہ کر دینا مکروہ ہے

اس سے یہود و ہنود کی مشابہت ہوتی ہے۔

حائضہ سے جماع کرنیوالے کا حکم۔ اگر کوئی شخص حائضہ سے جماع کرے تو سوا توبہ و استغفار کرکے اور کوئی چارہ نہیں۔ البتہ اگر صاحب حیثیت ہو تو صدقہ دے۔ صدقہ کی صورت یہ ہے کہ اگر اسوقت جماع کیا ہے جبکہ خون سرخ آرہا تھا تو ساڑھے چار ماشہ سونا صدقہ کرے۔ اور اگر اس حالت میں جماع کیا ہو کہ خون زرد ہوگیا تھا تو سوا دو ماشہ سونا خیرات کرے تاکہ گناہ کا کفارہ ہو جائے۔ باقی عورت پر اس کا کوئی جزء نہیں اس فعل کے ارتکاب کا وبال مرد پر عائد ہوتا ہے۔ **مسئلہ** اگر عورت دس دن میں پاک ہوئی تو قبل از غسل بھی اس سے صحبت کرنی جائز ہے اور اگر دس سے کم ایام میں حیض منقطع ہوگیا ہو تو دس روز گذرنے کا انتظار کرنا چاہیئے یا کم از کم نماز کا پورا وقت گذر جانا چاہیئے کیونکہ ایسی عورت پر نماز بھی اسی وقت فرض ہوتی ہے جبکہ نماز کے آخر وقت کا اتنا زمانہ موجود ہو۔ **مسئلہ** اگر کسی عورت کا حیض عادت مقررہ سے کم مدت میں منقطع ہوگیا تو تاخیر غسل واجب ہے، مثلاً ایک عورت کی پانچ دن کی عادت مقرر تھی اور چار دن میں حیض منقطع ہوگیا تو ایکدن غسل میں تاخیر کرنی واجب ہے۔ **مسئلہ** اگر عورت معلمہ ہو تو تعلیم قرآن اس طور پڑھے کہ ایک ایک کلمہ پڑھا جائے اور دو کلموں کے درمیان توقف کرے۔ پورا رواں پڑھانا درست نہیں۔ ہجا پڑھانا جائز ہے۔ تسبیح و تہلیل اور بسم اللہ پڑھنی بھی حائضہ عورت کے لیئے جائز ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ جب نماز کا وقت ہو حائضہ عورت وضو کرکے نماز کی جگہ پر آبیٹھے اور جتنی دیر تک نماز پڑھتی تھی اتنی دیر تک سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ پڑھتی رہے۔ **مسئلہ** حائضہ عورت کو تفسیر فقہ اور حدیث کی کتابیں چھونا یا اس روپیہ اور تختی و تعویذ کو ہاتھ لگانا ناجائز ہے جس پر آیت قرآنی لکھی ہو۔ **مسئلہ** حائضہ عورت کو قبرستان اور عیدگاہ میں جانا ناجائز ہے۔ **مسئلہ** حائضہ عورت کو ایسی تحریر لکھنا جسکی بعض سطروں میں قرآنی آیات لکھی ہوں مکروہ ہے۔

ہدایت:۔ ایک آیت سے کم پڑھنا اگر بہ نیت استعاذہ یا حمد و ثنا ہو تو حائضہ نیز جنب آدمی کے لیئے جائز ہے۔

ہدایت:۔ قرآن وغیرہ کو ایسے غلاف اور جلد کے ساتھ چھونا جو قرآن سے علیحدہ ہے ساتھ سیا ہوا جائز ہے۔ البتہ اگر غلاف یا جلد قرآن سے چسپاں اور

ساتھ سی ہوئی ہو تو ناجائز ہے۔ اس حکم میں جنابت والے بے وضو اور حائضہ سب ہی شریک ہیں مگر بچے اس حکم سے مستثنےٰ ہیں۔

نفاس کے احکام و مسائل

تنبیہ:۔ نفاس والی عورت کے احکام و مسائل تقریباً وہی ہیں جو حیض والی عورت کے ہیں کچھ معمولی سا فرق ہے۔ قرآن کے چھونے اور پڑھنے کے احکام، نماز روزہ کی معافی کی کیفیت، غسل کی ترکیب اور فرائض، مسجد میں داخل ہونے اور کعبہ کے طواف کرنے کے مسائل سب وہی ہیں جو حیض والی عورت کے ہیں چند مسائل نفاس والی عورت کے ساتھ مخصوص ہیں جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

مسئلہ اگر کسی عورت کا بچہ پیٹ چاک کرکے نکالا گیا تو اگر خون رحم سے بھی جاری ہوا ہو تو نفاس کا حکم ہوگا ورنہ نفاس نہ شمار کیا جائیگا۔ نماز روزہ سب کچھ واجب الادا ہے **مسئلہ** اگر کسی حاملہ کا بچہ نصف سے کم نکلکر رہ گیا اور نماز کا وقت قریب الاختتام ہے تو چونکہ خون جاری نہیں ہوا ہے اس لیئے نفاس کا حکم نہیں کیا جا سکتا اسوقت کی نماز اشارہ سے ادا کرنی ہوگی۔ ہاں اگر نصف سے زائد بچہ خارج ہو گیا اور خون بھی جاری ہو گیا تو نفاس کا حکم ہوگا اور نماز معاف ہو جائیگی **مسئلہ** جوڑواں بچوں کی ماں کا نفاس اول بچہ کی ولادت سے معتبر ہے۔ اگر دو بچوں کی ولادت کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہو تو جوڑواں سمجھے جائینگے اور چھ ماہ یا اس سے زائد فاصلہ ہو تو دو حمل قرار دیئے جائینگے۔

اسقاط کا حکم۔ اگر اسقاط ایسی حالت میں ہوا جبکہ ظہور اعضاء ہو چکا ہے یعنی چار ماہ کا حمل ہو گیا ہے تو اب جو خون ہوگا اس کو نفاس کا خون سمجھا جائیگا۔ اور اگر اسقاط چار ماہ سے قبل ہو گیا تو وہ خون حیض ہے بشرطیکہ پندرہ دن طہر کے گذر جانیکے بعد تین دن خون جاری رہا اور اگر تین دن خون جاری نہیں رہا یا تین دن جاری رہا لیکن پندرہ دن طہر کے پہلے نہیں گذرے تو یہ استحاضہ ہے **مسئلہ** اگر اسقاط حمل ہو کر خون جاری ہو گیا مگر یہ معلوم نہیں کہ بعض اعضاء کی خلقت کا ظہور ہو گیا تھا یا نہیں مثلاً اندھیرے میں گر پڑا اور پھینکدیا گیا یا عورت حمل کے دنوں کو بھول گئی تو عورت پر لازم ہے کہ جو دن اس کے یقینی حیض کے ہوں خواہ پانچ یا سات یا دس وغیرہ تو حیض تو نماز ترک کرے اور باقی ایام کو استحاضہ کے ایام خیال کرے۔ نماز نہ ترک کرے۔

معذور کی تعریف اور احکام

معذور شرعاً وہ شخص ہے جس کا عذر ایک نماز کے پورے وقت میں برابر قائم رہے اور وہ شخص اس عذر کو روکنے اور دفع کرنے میں بے قابو ہو۔ مثلاً نکسیر جاری ہو یا خون استحاضہ ہو یا ریح یا پیشاب یا دست یا پیپ یا کسی حصۂ بدن سے پانی درد کے ساتھ خارج ہو۔ معذور کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت کے لیئے تازہ وضو کرنا اسپر لازم ہے اس وضو سے اُس وقت کے فرض نفل سب نمازیں ادا کر سکتا ہے۔ جب تک یہ وقت ختم نہ ہو جائیگا یا کوئی دوسرا حدث نہ ہو جائیگا اس کا وضو نہ ٹوٹیگا۔ مثلاً ایک مستحاضہ عورت نے ظہر کے وقت وضو کیا تو ابتدائے عصر تک وہ جو کچھ چاہے پڑھ سکتی ہے۔ وضو اس کا باقی رہیگا۔ وضو ٹوٹنے کی صرف دو شکلیں ہیں یا تو عصر کا وقت شروع ہو جائے یا اسکو کوئی دوسرا حدث ہو جاتے مثلاً پیشاب آجائے یا ریح خارج ہو جائے اور اگر کسی کا عذر درمیان وقت میں اتنی دیر کے لیئے جاتا رہتا ہو کہ وضو کر کے اُسوقت کی نماز پڑھ سکتا ہے تو اس کا وضو ٹوٹ جائیگا۔ ہاں اگر اس سے کم وقت کے لیئے عذر جاتا رہے تو وہ معذور ہی سمجھا جائیگا۔ مسئلہ اگر معذور کی حالت ایسی ہو کہ کپڑے دھو کر نماز کو کھڑا ہوا اور نماز سے فارغ ہونے سے قبل پھر کپڑے نجس ہو گئے تو اُسکو کپڑے پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ انہی کپڑوں سے نماز پڑھے ورنہ کپڑے دھونے واجب ہیں۔ بدن اور جانماز کا بھی یہی حکم ہے۔

غسل کے لیئے پانی کی مقررہ مقدار غسل میں اگر استنجا اور وضو بھی کرے تو تقریباً ساڑھے چار سیر پانی صرف کرنا چاہیئے۔ اور اگر استنجا نہ کرے تو ایک پونڈ پانی کم کر دے اور وضو بھی نہ کرے تو تین پاؤنڈ کم کرے اور استنجا کرے مگر وضو نہ کرے تو دو پاؤنڈ کم کرنا چاہیئے۔ یہ مقدار مستحب ہے ورنہ حسب ضرورت کمی بیشی کا اختیار ہے۔

فصل چہارم تیمم کا بیان

تیمم کی تعریف شرعاً اُس قصد کو کہتے ہیں جو پاک کرنے والی مٹی وغیرہ کے لیئے طہارت حاصل کرنے کے لیئے کیا جاتا ہے۔

تیمم کے ارکان یعنی فرائض تیمم کے ارکان یہ ہیں۔ (۱) ایک ضرب لگا کر مُنہ پر

مسح کرے (۲) دوسری ضرب لگا کر ہاتھوں پر کہنیوں سمیت مسح کرے (۳) کل اعضاء مقررہ پر مسح کرے۔ کوئی جگہ مسح سے خالی نہ چھوڑے۔

تیمم کی سنتیں:۔ تیمم کی آٹھ سنتیں ہیں۔ (۱) کف دست کو پاک مٹی پر مارنا۔ (۲) ہتھیلیوں کو مٹی پر مار کر اپنی طرف کھینچنا (۳) اس کے بعد ہتھیلیوں کو ذرا اچھی ہٹانا۔ (۴) ہاتھوں کو جھاڑنا (۵) بسم اللہ کہنی (۶) مٹی پر ہاتھ رکھنے کے وقت انگلیوں کا کشادہ رکھنا (۷) ترتیب یعنی اول منہ پر مسح کرنا اور پھر ہاتھوں پر (۸) پے در پے مسح کرنا توقف نکرنا

تیمم کے شرائط:۔ تیمم کرنیوالا مسلمان ہو۔ نیت بھی کرے تین یا زائد انگلیوں سے مسح کرے۔ مسح پاک مٹی یا ایسی چیز پر ہو جو مٹی کی جنس سے ہے مٹی وغیرہ صرف پاک ہی نہ ہو بلکہ پاک کرنے والی بھی ہو۔ پانی موجود نہو یا بیماری ہو یا اس بات کا خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کیا جائیگا تو ہلاکت واقع ہو جائے گی یا کم از کم بیماری میں ترقی ہو جائیگی

تیمم کرنیکا مستحب طریقہ۔ پہلے دونوں ہاتھ پاک مٹی پر مار کر پورے چہرہ کا مسح کرے کوئی حصہ باقی نہ رہنے پائے اور دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر بائیں ہاتھ کی ۴ انگلیاں اور ہتھیلی کا کچھ حصہ دائیں ہاتھ کی چھنگلی کے پورے کے نیچے رکھکر سیدھے ہاتھ کے بیرونی حصہ پر کھینچتا ہوا کہنیوں تک لیجائے پھر بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی اور انگوٹھا اور ہتھیلی کا بقیہ حصہ سیدھے ہاتھ کی کہنی کے اندرونی حصہ سے کھینچتا ہوا انگلیوں کے سروں تک پہنچائے اور بائیں ہاتھ کا بھی اسی طرح مسح کرے۔

تیمم کرنے کی نیت:۔ اگر جنابت والا آدمی جنابت دور کرنے اور نماز پڑھنے کے لئے نیت کرتا ہے تو یہ نیت کرے۔ نَوَیْتُ اَنْ تَیَمَّمَ لِرَفْعِ الْجَنَابَۃِ وَاِسْتِبَاحَۃِ الصَّلٰوۃِ۔ اگر مسجد میں داخل ہونے کی نیت ہو تو یہ کہے۔ نَوَیْتُ اَنْ تَیَمَّمَ لِدُخُوْلِ الْمَسْجِدِ۔ اگر قرآن کو ہاتھ لگانے کی نیت ہو تو یہ کہے۔ نَوَیْتُ اَنْ اَتَیَمَّمَ لِمَسِّ الْقُرْاٰنِ اگر بے وضو آدمی حدث دور کرنے اور نماز پڑھنے کی نیت کرے تو یہ کہے۔ نَوَیْتُ اَنْ تَیَمَّمَ لِرَفْعِ الْحَدَثِ وَاِسْتِبَاحَۃِ الصَّلٰوۃِ۔

مذکورۂ ذیل اشیاء پر تیمم جائز ہے مٹی پر۔ پتھر پر۔ چونہ پر۔ گیرو اور ملتانی مٹی پر۔ سرمہ، ہڑتال اور گندھک پر۔ یاقوت۔ زمرد، عقیق اور فیروزہ پر۔ سیندھا نمک اور معمولی نمک پر وغیرہ۔

مذکورہ ذیل اشخاص کو تیمم کرنا روا ہے - (۱) ایک میل پانی دور ہو اور قریب پانی نہ مل سکے یا ملے تو اتنا ہو کہ کافی نہ ہو تو تیمم جائز ہے - ایک میل چار ہزار گز کا ہوتا ہے اور اتنی دوری سامنے کے رُخ میں جدھر مسافر کے جانے کا ارادہ ہو معتبر ہے دائیں بائیں کی دوری معتبر نہیں خواہ میل سے کم ہو یا زائد (۲) پانی کے استعمال سے بیماری پیدا ہونے یا بیماری کے زائد ہونے کا خوف ہو تو تیمم جائز ہے (۳) پانی لینے کے لیئے اگر عورت جائے تو اسکو کسی بد چلن مرد کا خوف ہو تو حفظ آبرو کے لیئے تیمم جائز ہے (۴) مقروض مفلس ہو اور پانی کی تلاش کے لیئے جاتا ہے تو قرضخواہ کا خوف ہے کہیں قید نہ کرے (۵) کوئی سانپ، بھیڑیا، شیر وغیرہ درندہ یا کوئی اور دشمن لگا ہو کہ پانی کے لیئے جاتا ہے تو جان کا خوف ہے لہذا تیمم جائز ہے -

ھدایت:- اگر نجاست حقیقی بدن یا کپڑے پر اتنی لگی ہے کہ نماز نہیں پڑھ سکتا اور پانی صرف اتنا ہے کہ یا تو وضو کرے یا نجاست دھوڈالے تو کپڑے اور بدن کو دھوڈالنا چاہیئے اور وضو کی بجائے تیمم کافی ہے - اسی طرح اگر خود یا کوئی دوسرا آدمی سخت پیاسا ہو اور پانی زائد نہ ہو تو پانی سے پیاس بجھائے اور تیمم کرے -

تیمم کو توڑنے والی چیزیں - جو چیزیں ناقض وضو ہیں انہی سے تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے - اس کے علاوہ اگر پانی کے استعمال پر قدرت ہو جائے تب بھی تیمم جاتا رہتا ہے

اصول موضوعہ

(۱) **اگر بدچلن** آدمی یا قرضخواہ کی وجہ سے خود بخود خوف پیدا ہوا ہو اور تیمم کرکے نماز پڑھ لی ہو تو رفع خوف کے بعد اس نماز کو دوبارہ پڑھے - اور اگر ان دونوں اشخاص کے خوف دلانے کی وجہ سے خوف پیدا ہوا ہے تو رفع خوف کے بعد نماز کو مکرر پڑھنا ضروری نہیں - (۲) **اگر کسی** نے قرآن پڑھنے کے لیئے یا قبرستان میں جانے کے لیئے یا دفن میت کے لیئے یا اذان دینے کے لیئے یا مسجد میں داخل ہونے کے لیئے تیمم کیا تو اس سے فرض نماز ادا نہیں کر سکتا - (عالمگیری)، (۳) اگر سجدہ **تلاوت** کے لیئے یا نماز جنازہ کے لیئے تیمم کیا تو اس سے فرض نماز ادا کر سکتا ہے (۴) **اگر جنازہ کی نماز** فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو اور یہ شخص میت کا ولی بھی نہ ہو تو باوجود پانی ہونے کے تیمم کرکے نماز جنازہ پڑھنی روا

ہے خواہ بیمار ہو یا تندرست، جنبی ہو یا حائضہ، اسی طرح کسوف خسوف اور عیدین کی
نمازوں کے فوت ہوجانیکا اگر اندیشہ ہو تو باوجود تندرست ہونے اور پانی موجود ہونے
کے آدمی تیمم کرکے پڑھ سکتا ہے کیونکہ یہ نمازیں اگر فوت ہوجائینگی تو پھر نہ انکی قضا ہے
نہ ان کے قائم مقام دوسری نماز ہوسکتی ہے (۵) **سجدۂ تلاوت** کے اگر فوت ہوجانے کا
اندیشہ ہو تو تیمم کرکے ادا نہیں کرسکتا وضو کرنا لازم ہے (۶) **جمعہ کی نماز** بھی تیمم سے
ادا نہیں کرسکتا کیونکہ اگر جمعہ فوت ہوجائے گا تو ظہر کی نماز اس کے قائم مقام ہوسکتی ہے
(۷) **انسان** کو جب تک پانی پر قدرت حاصل نہو ایک ہی تیمم سے مختلف اوقات
کی نمازیں ادا کرسکتا ہے مثلاً فجر کو پانی نہ ملا اور اس نے تیمم کرکے نماز پڑھ لی تو اگر پورے
دن بھر پانی نہ ملے اور اسکو کوئی حدث یا کوئی امر ناقض وضو نہ پیدا ہو تو اسی تیمم سے دن بھر
کی نمازیں پڑھ سکتا ہے (۸) **اگر کوئی شخص** مجبور ہو تیمم خود نہ کرسکتا ہو تو دوسرا شخص
اسکو تیمم کرا سکتا ہے مگر نیت اسی پر ہے تیمم کرانے والے پر نیت کرنی نہیں ہے (۹)
اگر کسی کافر نے اسلام لانے سے قبل تیمم کیا تو اسلام کے بعد اسی وضو سے نماز ادا نہیں
کرسکتا۔ ہاں اگر اسلام سے پہلے وضو کیا ہے تو اسلام کے بعد اسی وضو سے نماز
پڑھ سکتا ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ تیمم میں نیت شرط ہے وضو میں نیت شرط نہیں اور کافر
کی نیت بحالت کفر صحیح نہیں کیونکہ وہ مکلف ہی نہیں ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام
محمدؒ کا یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (۱۰) **غسل و وضو** دونوں کا تیمم ایک ہی طرح سے
ہوتا ہے (۱۱) **ایک مٹی** سے ایک آدمی کئی مرتبہ یا ایک جماعت مل کر تیمم کرسکتی ہے
یعنے مختلف آدمی ایک مٹی سے تیمم کرسکتے ہیں۔ تیمم کرنے سے مٹی مستعمل نہیں ہوتی
پانی مستعمل ہوجاتا ہے۔

مسائل متفرقہ

مسئلہ اگر کنوئیں پر رسی ڈول نہ ہو اور پانی نکالنے کی اور صورت بھی ممکن نہو تو تیمم
درست ہے۔ مسئلہ اگر ڈول رسی نہ ہو اور کپڑا پاس موجود ہو کہ اسکو کنوئیں میں لٹکا کر بھگو کر
نچوڑ کر وضو کرسکتا ہے لیکن کپڑا بہت بیش قیمت ہے کہ بھیگنے سے خراب ہوجائیگا
تو تیمم درست ہے۔ مسئلہ اگر ایک اجنبی آدمی کے پاس کوئی جانور ہو اور صرف
اسقدر پانی ہو کہ یا غسل کرسکتا ہے یا جانور کو پلا سکتا ہے اور برتن ایسا موجود ہے

کہ اُس میں دھوون جمع کرسکتا ہے تو اس کو نہا کر دھوون جمع کر کے جانور کو پلانا چاہیے ورنہ پانی جانور کو پلادے اور خود تیمم کرے مسئلہ ایک شخص نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا لیکن بعد کو پانی ملگیا فوراً ایسے مراض میں مبتلا ہو گیا کہ وضو نہیں کرسکتا تو از سر نو تیمم کرنا چاہیے پہلا تیمم کافی نہ ہوگا مسئلہ ایک مسافر کے پاس کوئی آدمی تھا جس سے پانی کے متعلق دریافت کرسکتا تھا لیکن اس نے بغیر دریافت کیے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور نماز کے بعد اُس سے دریافت کیا اُس نے پاس ہی پانی کا پتہ بتادیا تو نماز باطل ہو گئی دوبارہ پڑھنی چاہیے۔ ہاں اگر دریافت کرلیتا اور وہ شخص نہ بتاتا اور یہ تیمم کر کے نماز پڑھ لیتا اور بعد کو وہ پانی کا پتہ دیتا تو نماز باطل نہ ہوتی مسئلہ اگر مسافر بغیر تلاش کیے تیمم کر کے نماز پڑھے گا تو نماز ہو جائیگی مگر یہ گناہگار رہے گا کیونکہ تیمم سے پہلے پانی کی تلاش واجب ہے اور ترک واجب سے آدمی گناہگار ہوتا ہے مسئلہ اگر پانی کے ملنے کی اُمید نہ ہو تو نماز اخیر وقت تک نہ پڑھنی اور پانی کا انتظار کرنا مستحب ہے۔ ہاں اگر پانی کی اُمید نہ ہو تو نماز میں تاخیر نہ کرنی چاہیے مسئلہ ایک شخص کے پاس پانی کافی ہے مگر اس کو گمان ہے کہ پانی کافی نہیں ہے اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی بعد کو معلوم ہوا کہ پانی کافی ہے تو دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھنی واجب ہے مسئلہ ایک مسافر نے تیمم کر کے نماز شروع کی۔ اثنائے نماز میں معلوم ہوا کہ دوسرے شخص کے پاس پانی موجود ہے تو اگر اس کا غالب گمان ہو کہ یہ پانی دیدیگا تب تو نماز توڑ دے ورنہ پڑھتا رہے مسئلہ اگر مسافر کے ساتھی کے پاس پانی تھا لیکن اس نے خیال کیا کہ یہ شخص پانی نہ دیگا مانگنا فضول ہے اور یہ تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو درست نہیں۔ اور اگر نماز پڑھ ہی لی اور بعد کو پانی مانگا اور ساتھی نے دیدیا تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھے خواہ وہ مروجہ قیمت پر ہی دے یا مفت دے۔ اور اگر اُس نے پانی نہ دیا اور انکار کردیا تو نماز درست ہو گئی لیکن تیمم جاتا رہا مسئلہ دو برتنوں میں پانی بھرا ہے ایک میں پاک دوسرے میں ناپاک لیکن مصلی کو معلوم نہیں ہے کہ کس برتن میں پاک پانی ہے اور کس میں ناپاک تو تیمم کرے مسئلہ اگر قیدیوں کو وضو و تیمم کرنے کی بھی اجازت نہ ہو تو ویسے ہی نمازیوں کی مشابہت پیدا کرلیں رکوع و سجود کریں اور اگر اتنی بھی اجازت نہ ہو یا پاک زمین نہ ملے تو اشارہ ہی سے پڑھیں پھر جس وقت موانع دفع ہو جائیں تو اس نماز کا اعادہ کریں مسئلہ ہاتھ پانوں کٹا ہوا آدمی مجبور و معذور ہے۔ طہارت کا

حکم اس سے ساقط ہے نہ اس کو وضو کرنا ضروری ہے نہ تیمم مسئلہ سفر میں ایک مرد
ایک عورت اور ایک میت ہے مرد جنب ہے اور عورت پر غسل حیض واجب ہے اور پانی صرف
اتنا ہے کہ ایک کے غسل کے لیئے کافی ہوسکتا ہو تو جسکا پانی ہو وہ غسل کرلے یہی اولے ہے
اگر پانی مشترک ہو تو میت کو غسل دینا چاہیئے اور دونوں مرد و عورت تیمم کریں۔ اور
اگر پانی کسی کی ملک نہیں مباح ہے تو جنبی کو غسل کرنا چاہیئے۔ حائضہ تیمم کرلے مسئلہ اگر
کوئی شخص آبادی سے ایک میل دور نکل گیا اور ایک میل تک کہیں پانی نہ ہو تو تیمم درست ہے خواہ مسافر ہو
یا مسافر نہ ہو یونہی تفریح یا کسی ضرورت سے گیا ہو۔ مسئلہ اگر پانی اتنا مل سکے کہ ایک ایک دفعہ
منہ اور دونوں ہاتھ پانوں دھو سکتا ہے تو تیمم درست نہیں۔ ایک ایک دفعہ ان چیزوں کو
دھولے سر کا مسح کرے باقی کلی وغیرہ نہ کرے۔ مسئلہ عورتوں کے لیئے پردہ کی وجہ سے
یا مردوں کی شرم سے پانی لینے نہ جانا اور بیٹھے بیٹھے تیمم کرلینا درست نہیں ایسا پردہ جس سے
شریعت کا کوئی حکم چھوٹ جائے ناجائز اور حرام ہے۔ برقع اوڑھکر یا چادر لپیٹ کر پانی
لینے چلی جائے۔ ہاں مردوں کے سامنے بیٹھکر وضو نہ کرے اور لوگوں کے سامنے منہ ہاتھ
نہ کھولے مسئلہ اگر پانی مول بکتا ہے اور دام نہیں ہیں تو تیمم درست ہے۔ اگر دام بھی ہیں
لیکن کرایہ بھاڑا اور راستہ کے مصارف سے زائد نہیں ہیں تو تیمم درست ہے اگر مصارف
سے زائد بھی ہیں مگر پانی اتنا گراں ملتا ہے کہ اتنی قیمت پر کوئی دوسرا نہیں لے سکتا تو تیمم
درست ہے۔ البتہ مصارف سے زائد دام موجود ہوں اور پانی بھی مروجہ قیمت پر ملے تو
خریدنا واجب ہے اور تیمم درست نہیں۔ مسئلہ اگر کہیں اتنی سردی پڑتی ہے اور برف
کٹتی ہے کہ نہانے سے مرجانے یا بیمار ہوجانے کا خوف ہے اور کوئی گرم کپڑا بھی نہیں کہ
نہاکر اس کو لپیٹ لیا جائے تو تیمم درست ہے مسئلہ اگر کسی کے آدھے سے زیادہ بدن
زخم ہوں یا چیچک نکلی ہو تو نہانا واجب نہیں تیمم درست ہے مسئلہ اگر کسی میدان
میں نماز پڑھلی اور پانی وہاں سے قریب ہی تھا لیکن اسکی خبر نہ مل سکی نماز کے بعد خبر ملی
تو تیمم و نماز دونوں درست ہیں مسئلہ اگر زمزمی میں زمزم کا پانی بھرا ہے تو کھول کر پانی
نکال کر وضو کرے تیمم درست نہیں مسئلہ اگر کسی کے پاس پانی تو ہو لیکن راستہ
ایسا خراب ہو کہ کہیں آگے پانی ملنے کی امید نہ ہو اور راستہ میں پیاس کے مارے تکلیف
و ہلاکت کا خوف ہو تو وضو نہ کرے تیمم کرلینا درست ہے مسئلہ اگر غسل کرنا نقصان کرتا ہو

اور وضو کرنا نقصان نہ دیتا ہو تو غسل کی بجائے تیمم کرے اور وضو کی بجائے وضو۔
مسئلہ جو چیز نہ تو آگ میں جلے نہ گلے وہ چیز مٹی کی قسم سے شمار ہوگی اسی پر تیمم درست ہے اور جو چیز جل کر راکھ ہو جائے یا پگھل جائے اُسپر تیمم درست نہیں یہی وجہ ہو کہ اناج پر اور سونے چاندی رانگ لوہے وغیرہ پر تیمم درست نہیں۔ ہاں اگر ان اشیاء پر غبار اور خاک ہو تو تیمم درست ہے **مسئلہ** تانبے کے برتن اور تکیے گدے توشک لحاف وغیرہ پر تیمم کرنا درست نہیں۔ ہاں اگر ان پر اتنا غبار ہو کہ ہاتھ مارنے سے خوب اڑتا ہو اور ہتھیلیوں میں خوب اچھی طرح لگ جاتا ہو تو تیمم درست ہے اور اگر ذرا اور اڑتا ہو تو تیمم درست نہیں **مسئلہ** مٹی کے گھڑے بدھنے پر تیمم درست ہے خواہ انہیں پانی بھرا ہو یا نہ بھرا ہو لیکن اگر ان پر روغن اور رنگ کیا ہو تو ان پر تیمم درست نہیں **مسئلہ** اگر پتھر پانی سے بھی دُھلا ہوا ہو اور گرد کا نام نشان نہ ہو تب بھی اسپر تیمم کرنا درست ہے کیونکہ پتھر خود مٹی کی جنس سے ہے۔ اسی طرح پکی اینٹ پر بھی تیمم درست ہے۔ چاہے اسپر گرد ہو یا نہو **مسئلہ** کیچڑ سے تیمم کرنا اگرچہ درست ہے مگر مناسب نہیں ہے۔ اگر کیچڑ کے سوا کوئی اور چیز نہ ملے تو یہ ترکیب کرے کہ کیچڑ کو کپڑے میں بھر کر خشک کرے اور اُس پر تیمم کرے۔ ہاں اگر نماز کا وقت ہی نکلا جاتا ہو تو جس طرح بن پڑے کیچڑ سے ہی تیمم کرلے۔ **مسئلہ** اگر یہ یقینی معلوم ہو کہ زمین پر پیشاب پڑا تھا اور وہ دھوپ سے خشک ہو گیا جس کا نشان باقی نہ رہا تو وہ زمین پاک ہوگئی نماز اسپر جائز ہے مگر تیمم درست نہیں۔ اور اگر یقینی نہ معلوم ہو تو وہم نہ کرے تیمم کرے **مسئلہ** اگر کسی کو دکھانے اور سکھانے کے لیے تیمم کیا اور اپنے تیمم کی نیت نہ کی تو اپنا تیمم نہ ہوگا **مسئلہ** تیمم کی نیت صرف اتنی کافی ہے کہ میں طہارت حاصل کرنے کے لیے تیمم کرتا ہوں یا نماز کے لیے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ غسل کی یا وضو کی نیت کرے۔ اگر کرے گا تو بہتر ہے **مسئلہ** جب تیمم نماز کے لیے کیا ہے اُس سے قرآن پڑھنا چھونا قبرستان اور مسجدوں میں جانا سب کچھ درست ہے **مسئلہ** اگر کسی کو نہانے کی ضرورت ہو تو وضو اور غسل کا جدا جدا تیمم کرنے کی ضرورت نہیں صرف غسل کی نیت سے تیمم کرے یا مطلق طہارت کی نیت سے بس کافی ہے وضو کا تیمم بھی ہو سکے گا۔
مسئلہ اگر پانی ایک میل سے کم دور ہو لیکن وقت اتنا تنگ ہو کہ اگر پانی لینے جاتا ہے تو نماز قضا ہوئی جاتی ہے تب بھی تیمم درست نہیں۔ پانی لا کر وضو کر کے قضا نماز پڑھے

مسئلہ اگر پانی پاس ہے لیکن یہ ڈر ہے کہ اگر پانی لینے جائیگا تو ریل چھوٹ جائے گی۔ تو تیمم درست ہے۔ مسئلہ اسباب کے ساتھ پانی بندھا تھا لیکن یاد نہیں رہا اور تیمم کرکے نماز پڑھلی بعد کو یاد ہوا تو نماز دوہرانی لازم نہیں۔ مسئلہ اگر وضو کا تیمم ہے تو وضو کے موافق پانی ملنے سے تیمم ٹوٹیگا اور غسل کا تیمم ہے تو غسل کے لائق پانی ملنے سے تیمم ٹوٹیگا۔ کم پانی ملنے سے تیمم نہ ٹوٹیگا۔ مسئلہ اگر راستہ میں پانی ملا لیکن ریل چھوٹ جانے کے خوف سے نہ اُتر سکا تو تیمم نہ ٹوٹیگا۔ مسئلہ اگر نہانے کی ضرورت تھی اس لیئے غسل کیا لیکن ذرا سا بدن سوکھا رہ گیا اور پانی ختم ہو گیا تو ابھی غسل مکمل نہیں ہوا تیمم کر لینا چاہیئے۔ پھر جہاں کہیں پانی ملے تو خشک جگہ کو دھو لینا چاہیئے مکرر غسل کرنے کی ضرورت نہیں۔ مسئلہ اگر ایسے وقت میں پانی ملا کہ وضو بھی ٹوٹ گیا ہے تو اول اس سوکھی جگہ کو دھونے بعد کو وضو کرے۔ اگر وضو کے لیئے پانی کافی نہ ہو تو تیمم کرلے۔

فصل پنجم موزوں پر مسح کرنیکا بیان

اہل السنت والجماعت کے نزدیک موزوں پر مسح کرنا اور پانوں نہ دھونا جائز مسح پانوں دھونے کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ حدیثوں سے اس کی اجازت ثابت ہے۔ علماء اہل سنت کو اس کے جواز میں کلام نہیں خصوصًا حنفیہ تو اس کو سنت کے درجہ تک پہنچاتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہے۔

موزوں پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ۔ دائیں ہاتھ کی اُنگلیاں مع ہتھیلیوں کے دائیں موزے کے اگلے حصے پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی اُنگلیاں مع ہتھیلیوں کے بائیں موزے کے اگلے حصے پر اور اُنگلیوں کو کھولے ہوئے پنڈلی کی طرف کھینچے۔ ٹخنوں سے اوپر تک پہنچا دے۔

موزوں پر مسح کرنے کی شرائط:۔ (۱) مُدت مقررہ میں مسح کرے۔ مدت مقررہ سے زیادہ نہ کرے (۲) موزوں کو طہارت کے بعد پہنا ہو یعنی بدن دھوکر وضو کی حالت میں پہنا ہو (۳) موزے موٹے ہوں کہ پانی اندر سرایت نہ کرے (۴) موزے ٹخنے سے اونچے ہوں ٹخنا نہ دکھتا ہو (۵) کوئی موزہ اتنا پھٹا نہ ہو کہ چلنے میں تین اُنگلیوں کی

برابر پانوں کھل جاتا ہو (۶) موزوں کو پہنکر بے تکلف آدمی سفر طے کرسکتا ہو یعنی لکڑی اور لوہے وغیرہ کے نہ ہوں۔

موزوں پر مسح کرنے کی مدت: مقیم کے لیئے مدت وقت حدث سے ایک رات دن تک ہے اور مسافر کے لیئے تین شبانہ روز تک مثلاً ایک مقیم نے صبح کے وقت وضو کر کے موزہ پہنا اور گیارہ بجے اس کا وضو ٹوٹا تو اب دوسرے روز گیارہ بجے تک اس کو پانوں نہ دھونے اور مسح کر لینے کا حق ہے۔ دوسرے دن اسکو موزہ اُتارنا چاہیئے۔ اگر باوضو ہو تو صرف پانوں دھوکر موزہ پہن لینا چاہیئے اور اگر بے وضو ہو تو پورا وضو کرے اسی طرح مسافر کے تین شبانہ روز حساب کر لئے جائیں۔ ہاں اگر مقیم ایک رات دن گذرنے سے پہلے مسافر ہو جائے یا مسافر تین رات دن گذرنے سے قبل مقیم ہو جائے تو پھر مقیم پر مسافر کے احکام اور مسافر پر مقیم کے احکام جاری ہوں گے یعنی مقیم تو مسافر کی طرح تین شبانہ روز تک مسح کرتا رہیگا اور مسافر فوراً موزے اُتار کر پانوں دھوئیگا۔

موزوں پر مسح کرنے کی کیفیت اور احکام:۔ چمڑے یا بانات وغیرہ کے موزوں پر مسح جائز ہے کیونکہ ان کے اندر پانی سرایت نہیں کرتا۔ سوتی یا معمولی اونی موزوں پر مسح کرنا درست نہیں۔ ان کے اندر پانی سرایت کر جاتا ہے۔ اگر موزہ ایسا ڈھیلا ہو کہ ڈھیلے پن کی وجہ سے اوپر سے پانوں دکھائی دیتا ہو تو اسپر بھی مسح درست ہے۔ اگر ایک موزہ اتنا پھٹا ہو کہ چلتے وقت تین انگلیوں کی برابر جگہ نمودار ہو جاتی ہے تو مسح درست نہیں اور اگر اس سے کم شگاف ہو تو مسح درست ہے۔ اور اگر لمبا پھٹا ہو کہ اس میں تین انگلیاں سما جاتی ہیں لیکن چلتے میں اتنا کھلتا نہیں ہے شگاف ملا رہتا ہے تو اس پر مسح درست ہے۔ اور اگر ایک موزہ مختلف مقامات سے اتنا پھٹا ہے کہ اگر جمع کیا جائے تو تین انگلیوں کی مقدار ہو جاتا ہے تو اس پر مسح درست نہیں اگر اس سے کم ہو تو درست ہے۔ اور اگر دونوں موزوں کے شگاف کی مجموعی مقدار تین انگلیوں کی برابر ہو جاتی ہے تو کوئی حرج نہیں مسح درست ہے۔ اگر کسی نے مسح کرتے وقت انگلیاں کشادہ نہ کیں مگر ہاتھ کی تین انگلیوں کی برابر مسح کر لیا تو مسح درست ہی ہے۔ اگر ایک ہی انگلی سے ایک ہی جگہ ایک ہی جگہ ایک مرتبہ یا تین مرتبہ مسح کرنا درست نہیں اگر ایک ہی

انگلی سے تین جگہ علیحدہ علیحدہ خط کھینچا تو درست ہے۔ الٹا مسح کرنا یعنی پنڈلی کیطرف سے کھینچتے ہوئے پنجہ کی طرف لانا اگرچہ درست ہے مگر خلاف سنت ہے۔

موزوں کے مسح کو توڑنے والی چیزیں:۔ جو چیزیں وضو کو توڑتی ہیں وہی مسح کو توڑتی ہیں۔ اس کے علاوہ مذکورۂ ذیل صورتوں میں مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ دونوں پانوں موزے سے نکال لیئے مسح ٹوٹ گیا۔ یا صرف ایک قدم یا ایک قدم کا زیادہ حصہ نکال لیا تب بھی مسح ٹوٹ گیا۔ موزے کے اندر اتنا پانی چلا گیا کہ تمام پانوں بھیگ گیا مسح ٹوٹ گیا۔ مدت مسح کی گذر گئی اور پانی موجود بھی ہو تو مسح ٹوٹ گیا۔ ہاں اگر مسح کی مدت گذر گئی اور پانی موجود نہیں تو مسح نہ ٹوٹیگا اگر ایسی حالت میں آدمی نماز میں ہو تو نماز پڑھتا رہے۔

مسائل متفرقہ

مسئلہ ایک شخص موزوں پر مسح کرنا بھول گیا پھر بارش کیوجہ سے اسکا موزہ تین انگل کی برابر بھیگ گیا یا تر گھاس کی وجہ سے تین انگل موزے پر تری آگئی تو مسح ہو گیا۔ مسئلہ موزوں پر ایسی جگہ مسح کرنا جس میں پانوں داخل نہیں ہے اور موزہ خالی ہے جائز نہیں۔ مسئلہ عمامہ پر۔ ٹوپی پر۔ برقعہ پر اور دستانوں پر مسح درست نہیں۔ مسئلہ۔ اگر غسل واجب ہو جائے تو موزہ اتار کر نہائے غسل کے لیئے موزہ پر مسح کرنا درست نہیں۔ مسئلہ موزہ کے تلوے کی طرف یا دائیں بائیں کروٹ پر مسح کرنا درست نہیں۔ مسئلہ اگر مسح کرتے وقت انگلیاں کھڑی رکھیں اور صرف انگلیوں کے پوروؤں کو موزہ پر لگا دیا تو درست نہیں۔ ہاں اگر انگلیوں کو اتنا پانی لگا ہو کہ بہکر تین انگل کی برابر موزے کو تر کردے تو درست ہے۔ مسئلہ ہتیلی کی پشت کی طرف سے مسح کرنا اگرچہ جائز ہے مگر خلاف سنت ہے۔ مسئلہ اگر ایک موزہ اتار ڈالا تو دوسرا اتار کر پانوں دھونے واجب ہیں۔ مسئلہ۔ اگر سوتی یا اونی جرابوں پر چمڑا چڑھا دیا گیا ہو یا پوری جرابوں پر نہ چڑھایا ہو صرف جوتہ کی شکل کا یا تلا یہ چمڑے کا کاٹ کر چڑھا دیا گیا ہو یا جرابیں بہت سنگین اور سخت ہوں کہ بغیر کسی چیز سے باندھنے کے خود بخود ٹھیری رہتی ہوں نیچے سرک کر نہ آتی ہوں اور انکو پہن کر تین چار میل راستہ طے بھی کیا جا سکتا ہو تو ان سب صورتوں میں جرابوں پر مسح

کرنا درست ہے۔ ہاں اگر پاتابے جراب کے صرف تلے پر لگے ہوں اور چمڑے کا ڈبل سول معہ پنجہ اور ایڑی کے نہ ہو تو ایسی جرابوں پر مسح درست نہیں۔

باب النجاسۃ

فصل اوّل نجاست کے اقسام اور احکام

نجاست دو طرح کی ہوتی ہے۔ **نجاست حکمی اور نجاست حقیقی**۔ نجاست حکمی وہ ہے جو نظر سے محسوس نہ ہو صرف شرعی حکم کی وجہ سے ناپاک کہا جاتا ہو جیسے جنابت یا بے وضو ہونا ان دونوں میں بظاہر بدن پر کوئی نجاست محسوس نہیں ہوتی لیکن شریعت نے ان کے ناپاک ہونیکا حکم دیا ہے اس لیے ان کو نجاست کے ذیل میں داخل کیا گیا۔

نجاست حکمیہ کا حکم۔ نجاست حکمیہ کا دور کرنا واجب ہے کسی قسم کا کوئی عذر اس کے ازالہ سے روکنے کے لیے کافی نہیں۔ تندرست ہو یا بیمار۔ بوڑھا ہو یا جوان۔ طاقتور ہو یا کمزور بہر حال اور بہر صورت ہر شخص پر اس کا دور کرنا واجب ہے۔ نجاست حکمیہ خالص پانی سے بھی دور کی جا سکتی ہے اور کوئی عذر ہو تو مٹی سے بھی (مٹی کا حکم فصل تیمم میں آئیگا) خالص پانی میں چار اوصاف ہونے ضروری ہیں:۔ (۱) سیال ہو (۲) پیاس بجھانے کی صلاحیت رکھتا ہو (۳) سبزہ و نباتات میں روئیدگی پیدا کر سکتا ہو (۴) شفاف ہو یعنی کوئی رنگ اس میں نہ ہو۔ جس طرح کہ دریا کا، نہر کا، ندی کا، چشمہ کا، کنوئیں کا، بارش کا اور دیگر تالابوں اور جھیلوں کا پانی۔ غیر خالص پانی اسکو کہتے ہیں جسمیں ان چار اوصاف میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو مثلاً عرق گلاب، عرق کیوڑہ، تربوز کا پانی بعض قسم کے غیر خالص پانی سے نجاست حقیقی دور ہو سکتی ہے نجاست حکمی دور نہیں ہو سکتی۔ اور بعض قسم کے غیر خالص پانی سے نہ نجاست حقیقی دور ہوتی ہے نہ نجاست حکمی (اس کا بیان مفصل آئندہ آئیگا)

نجاست حقیقیہ اس نجاست کو کہتے ہیں جو نظر سے محسوس ہو جیسے پیشاب، خون وغیرہ اس کی دو قسمیں ہیں غلیظہ، خفیفہ۔ نجاست غلیظہ اسکو کہتے ہیں جسکے نجس یا ناپاک ہونے کی قرآن یا حدیث میں صراحت ہوگئی ہو کوئی نص اسکی ناپاکی کے خلاف نہ ہو نہ قرآن

میں کہیں اسکو پاک کہا گیا ہو نہ حدیث میں اور نہ ائمہ مجتہدین کا اس میں اختلاف ہو بلکہ سب کے نزدیک بالاتفاق نجس ہو۔

نجاست خفیفہ اُس کو کہتے ہیں جس کا ناپاک ہونا بعض آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہو اور بعض آیات و احادیث سے پاک ہونا ثابت ہوتا ہو اور اسی وجہ سے اُسکی پاکی ناپاکی میں مجتہدین کا باہم اختلاف ہوا۔

مذکورہ ذیل **اشیاء** نجاست غلیظہ میں داخل ہیں۔ پیشاب خواہ جوان آدمی ہو یا بوڑھے کا، شیر خوار بچہ کا ہو یا غذا کھانے والے بچہ کا۔ پاخانہ۔ منی۔ مذی۔ ودی۔ خون حیض۔ خون نفاس۔ خون استحاضہ۔ کچلہو۔ پیپ۔ جاری خون۔ مُنہ بھر کرتے۔ شراب اُن جانوروں کا پاخانہ اور پیشاب جن کا گوشت حرام ہے خواہ درندے ہوں جیسے بلی، بھیڑیا، شیر، یا چرندے ہوں جیسے گدھا، بط، مرغی، جونک اور سانپ کا پاخانہ۔ گائے بھینس کا گوبر۔

مذکورہ ذیل اشیاء نجاست خفیفہ میں داخل ہیں:۔ حلال جانوروں کا پیشاب حلال یا حرام جانوروں کی بیٹ۔ گھوڑے کا پیشاب اور لید۔

نجاست غلیظہ کا حکم۔ نجاست غلیظہ اگر گاڑھی ہے تو ساڑھے چار ماشہ کا وزن اور پتلی ہو تو ہتھیلی کے گڑھے کی برابر معاف ہے۔ یعنی اگر اتنی نجاست کپڑے یا بدن پر لگجائے تو نماز درصل صحیح ہوتی ہے مگر اتنی نجاست غلیظہ کا دور کرنا بھی واجب ہے اگر دور نہ کرے گا تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ ہاں اگراس سے کم مقدار ہو تو دور کرنا سنت ہے اگر دور نہ کیا تو نماز مکروہ تنزیہی ہوگی۔ ہاں اگر مقدار مقررہ سے زائد نجاست موجود ہو اور اُسکو دور نہ کیا جائے تو نماز بالکل نہ ہوگی۔

تنبیہ۔ بلی اور چوہے کے پیشاب سے چونکہ احتیاط ناممکن ہے اسلئے معاف ہے ہاں اگر پانی میں یا برتنوں میں بلی چوہا پیشاب کردے تو پانی اور برتن نجس ہوجاتے ہیں اور مجتہدار۔

نجاست خفیفہ کا حکم:۔ اگر نجاست خفیفہ بدن کے ہر عضو یا کپڑے کے ہر حصہ کے چوتھائی سے کم پر ہے تو معاف ہے مثلاً اگر نجاست ہاتھ پر لگی ہے یا کمر پر یا پیٹ پر تو اگر ہاتھ یا کمر یا پیٹ کے چوتھائی حصہ سے کم پر ہو تو معاف ہے۔ اسی طرح اگر شیروانی کی آستین نجاست آلودہ ہوگئی یا دامن ناپاک ہو تو اگر آستین یا دامن کے چوتھائی

حصہ سے کم پر ہو تو معاف ہے ورنہ معاف نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر عضو کا علیحدہ علیحدہ چوتھائی حصہ۔ اسی طرح ہر حصۂ پارچہ کا جدا جدا چوتھائی حصہ قابل اعتبار ہے۔ مجموعہ بدن یا مجموعہ لباس معتبر نہیں۔ معاف ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اتنی مقدار اگر کسی وجہ سے بھول کر پاک کرنے سے رہ جائے تو نماز ہو جاتی ہے لیکن بالقصد چھوڑنے سے نماز مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے۔ اور اس مقدار سے کم ہو اور بغیر پاک کئے نماز پڑھ لیا گیا تو نماز مکروہ تنزیہی ہوتی ہے اور یہ حکم صرف کپڑے اور بدن کے واسطے ہے۔ اگر نجاست خفیفہ پانی یا کسی سیال چیز میں گر جائیگی تو کتنی ہو سب کو ناپاک کردیگی (عالمگیری)

نجاست حقیقی دور کرنے کے طریقے اور چند کلیہ قواعد

نجاست حقیقی مذکورہ ذیل طریقوں سے دور ہو سکتی ہے۔ (۱) خالص یا غیر خالص پانی سے (۲) ناخن سے، لکڑی پتھر سے یا زمین سے رگڑنے سے (۳) چھیلنے سے (۴) آگ میں جلانے سے۔ مثلاً برتن، مٹی یا پتھر کا ہے اور نجاست اس کے اجزا میں گھس گئی تو آگ میں جلانے سے نجاست دور ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر نجاست اجزا میں پیوستہ نہ ہوتی تو صرف دھو ڈالنا ہی کافی ہے۔ گوبر اور لید کی راکھ بھی پاک ہے۔ بکری کی خون آلود سری بھی اگر جلادی جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔ مٹی کے برتن جو ناپاک مٹی سے بنائے جائیں یا اینٹیں جو ناپاک پانی سے بنائی جائیں وہ بھی آگ میں جلانے سے پاک ہو جاتی ہیں (۵) ذات کے بدل جانے سے مثلاً شراب میں نمک ڈالنے سے سرکہ بن جائے (۶) پونچھنے سے مثلاً آئینہ پر یا روغنی اور چینی کے برتن پر نجاست لگ گئی تو اگر اسقدر پونچھ لیا جائے کہ نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو پاک ہے (۷) خشک ہو جانے سے خشکی حرارت آفتاب کی وجہ سے ہو یا آگ سے۔ مگر یہ حکم اُن چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے جو زمین پر قائم ہوں مثلاً درخت، گھانس، لکڑی وغیرہ (۸) مجموعہ میں سے بعض حصہ نکالدینے سے مثلاً غلہ کے گٹھوں کو جسوقت بیل پامال کرتے ہیں اور اُس پر دائیں چلتی ہے تو بیل اُسپر پیشاب بھی کرتے ہیں اور گوبر بھی اور وہ غلہ نجس ہو جاتا ہے مگر جسوقت بھوسہ کے ساتھ گانٹھ بھی نکلجاتا ہے تو تمام غلہ پاک ہو جاتا ہے۔ اسیطرح وہ روئی جو نصف سے کم ناپاک تھی اُسکو دُھننے سے تمام روئی پاک ہو جاتی ہے کیونکہ دُھننے سے روئی کا کچھ حصہ اُڑ جاتا ہے اور باقی روئی پاک ہو جاتی ہے (درمختار)

قاعدہ۔ جن چیزوں میں چکنائی ہو اُن سے نجاست حقیقی دور نہیں ہو سکتی مثلاً دودھ
چھاچھ، لسّی وغیرہ۔ (عالمگیری) قاعدہ مستعمل پانی سے نجاست حقیقی دور ہو سکتی ہے
نجاست حکمیہ دور نہیں ہو سکتی مستعمل پانی وہ ہے جس سے حدث دور کیا جائے یا باوضو
ہونے کے باوجود صرف عبادت کی نیت سے استعمال کیا جائے جسوقت یہ پانی عضو
سے جدا ہوا مستعمل ہو جاتا ہے۔ (شامی۔ در مختار) قاعدہ۔ اگر بدن یا کپڑے پر غلیظہ
اور خفیفہ دونوں نجاستیں لگجائیں اور ہر ایک مقدار معافی سے کم ہو تو اس صورت
میں نجاست خفیفہ غلیظہ کے تابع ہو جاتی ہے۔ دونوں کی مقدار کو ملا کر دیکھا جائے
اگر غلیظہ کی مقدار کو پہونچ جائے تو غلیظہ کا حکم ہوگا۔ قاعدہ۔ جو نجاست کپڑے پر
نمایاں نہ ہو تو اُس جگہ کو دھویا جائے۔ اگر پاک ہو جانے کا گمان غالب ہو تو بس پاک ہو گیا
اور وسواس والے کے لیئے زیادہ سے زیادہ سات بار خوب دھونا اور نچوڑنا چاہیئے
اور جو نجاست نمایاں ہو اُسکو بالکل دور کر دینا چاہیئے۔ نجاست کا نام نہ رہے خواہ تین بار
دھو کر دور کی جائے یا رگڑ کر یا چھیل کر۔ قاعدہ اگر کسی چیز پر کوئی بدبودار نجاست
لگجائے کہ دھونے کے بعد بھی بو نہ جائے یا ناپاک تیل یا مردار کی چربی لگ جائے کہ
دھونے کے بعد بھی زائل نہ ہو سکے تو اُس کو تین بار دھو ڈالنا چاہیئے۔ اس کے بعد
اگر بدبو یا تیل و چربی کے آثار باقی بھی رہیں تو کچھ حرج نہیں ہے قاعدہ۔ نجاست
غلیظہ اور خفیفہ کے بخارات اور دھواں اگر کپڑے پر لگ جائے اور اس کا رنگ یا بدبو
کپڑے پر پیدا ہو گیا تو ناپاک ہے اور نہ پاک۔ قاعدہ۔ طہارت و نجاست کا اعتبار
علم کے بعد ہے اگر نجاست کا علم ہی نہ ہو اور یقین نہ ہو سکے کہ کس جگہ نجاست لگی
ہے تو جس جگہ کے متعلق گمان غالب ہو اُسکو دھو ڈالے کپڑا وغیرہ پاک ہو جائیگا۔ ہاں
پاک کرنے کے بعد اگر معلوم ہوا کہ دھوئی جگہ پر نجاست نہ تھی بلکہ دوسری جگہ نجاست آلودہ
تھی تو اب طہارت کا حکم نہیں کیا جا سکتا۔ دوبارہ نجس مقام کو دھونا چاہیئے۔
قاعدہ ذبح کے بعد جو خون جانوروں کی رگوں میں رہ جاتا ہے وہ پاک ہے
خون جاری نہیں ہے۔ اگر کپڑوں کو لگجائے تو کپڑے ناپاک نہیں ہونگے البتہ جاری
خون اگر مقدار معافی سے زائد لگجائے گا تو اس سے کپڑے ناپاک ہو جائینگے قاعدہ جس
جانور کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے اور جس کا پیشاب نجاست خفیفہ ہو اُس کا پتہ

بھی نجاست خفیفہ ہے۔ قاعدہ جس جانور کا پائخانہ نجس ہے اُس کا جگال بھی نجس ہے
قاعدہ مردہ جانور کے بال، ہڈی، کھر، پٹھا، سم، سینگ، دانت، پر، چونچ اور
ناخن پاک ہیں۔ بشرطیکہ ان پر چکنائی نہ ہو۔ (در مختار) قاعدہ آدمی کے سر کے
بال پاک ہیں۔

فصل دوم نجاست کے متعلق مسائل

مسئلہ ایک شخص نے انتہائی طاقت سے کپڑا دھونے کے بعد نچوڑ لیا اب اگر اُس میں
پانی باقی رہ گیا ہو تو کچھ حرج نہیں ہاں دوسرا آدمی اگر اس سے زائد طاقت سے نچوڑ کر
چند قطرے نکال سکتا ہے تو اس کے لیئے یہ کپڑا بغیر نچوڑے پاک نہیں ہو سکتا۔
مسئلہ بڑی دری، فرش وغیرہ جن کو نچوڑنا ناممکن ہو اگر اُن پر نجاست لگ جائے تو
جاری پانی سے اُن کی نجاست کو دور کر دینا چاہیئے۔ نچوڑنے سکھانے کی ضرورت
نہیں۔ مسئلہ دیوار یا چھت اگر گوبر اور مٹی سے لیپی ہوئی ہو اور خشک ہو تو اس پر
گیلا کپڑا رکھنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا (عالمگیری) مسئلہ اگر خشک ناپاک کپڑا
پاک پانی سے تر ہو جائے اور پھر یہ بھیگا ہوا کپڑا کسی دوسرے خشک پاک کپڑے کو لگ جائے
تو اگر اسقدر اثر پیدا کرے کہ اس دوسرے کپڑے سے نچوڑنے کے بعد قطرے نکل آتے
ہیں تو یہ کپڑا بھی ناپاک ہو گیا اور اگر صرف معمولی نمی کا اثر پہونچ گیا تو کچھ حرج نہیں پاک ہے
(عالمگیری) مسئلہ جگر اور تلی کا خون پاک ہے (شامی در مختار) مسئلہ مردہ جانور کے
تھنوں میں جو دودھ باقی رہ جاتا ہے وہ پاک ہے (عالمگیری) مسئلہ مچھلی، پسو، جوں، کھٹمل
مچھر اور ہر دریائی جانور کا خون پاک ہے (عالمگیری) مسئلہ اگر دودھ دوہتے وقت
بکری کی مینگنی دودھ میں گر جائے تو جسوقت تک سالم ہے دودھ پاک ہے مینگنی کو
نکال کر پھینک دینا چاہیئے۔ اگر ٹوٹ جائے تو دودھ ناپاک ہے (عالمگیری) مسئلہ پاخانے
کی مکھیاں اگر بدن یا کپڑے پر زیادہ بیٹھ جائیں تو کپڑا اور بدن ناپاک ہو جائیگا ورنہ نہو گا
مسئلہ اگر چوہے کی مینگنیاں گیہوں کے ساتھ پس جائیں یا تیل میں گر کر گھل مل جائیں
تو اگر مزہ نہ بدلا ہو تو پاک ہے ورنہ ناپاک ہے مسئلہ اگر گھی جما ہوا ہے یعنی اس حالت میں ہو کہ اگر
اُس میں سے کچھ حصہ نکال لیا جائے تو فوراً مل کر برابر نہو جائے اور اس میں چوہا

مر جائے یا کوئی اور نجس چیز پڑ جائے تو مردہ چوہے کے آس پاس کا گھی نکال کر پھینکدینا چاہیئے۔ باقی گھی پاک ہے مسئلہ اگر پتلا گھی یا تیل ہو اور اس میں نجاست گر جائے تو اسے پانی ڈال کر جوش دینا چاہیئے جب پانی خشک ہو جائے تو پھر دوسری اور تیسری مرتبہ ایسا ہی کرنا چاہیئے تیسری بار پانی جلنے کے بعد وہ چیز پاک ہو جائیگی (در مختار) مسئلہ سڑے ہوئے گوشت کا کھانا درست نہیں۔ سڑا ہوا گھی اور دودھ کھانا درست ہے (در مختار) مسئلہ اگر لوٹے میں مردہ چوہا یا کوئی اور نجاست پائی جائے اور لوٹے میں پانی حمام یا مٹکے سے لیا جاتا ہو اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ مردہ چوہا حمام میں پڑا یا مٹکے میں یا کنوئیں میں یا لوٹے میں تو اس صورت میں جس برتن میں نجاست پائی جائے اُسی پر نجاست کا حکم ہوگا۔ مٹکہ، حمام یا کنواں نجس نہ مانا جائیگا۔ مسئلہ ذبیحہ کے متعلق اگر دو متعارض خبریں ہوں ایک خبر سے ذبیحہ کا حلال ہونا اور دوسری خبر سے ذبیحہ کا حرام ہونا معلوم ہو تو ذبیحہ کو حرام سمجھا جائیگا۔ مسئلہ اگر پانی یا کھانے کی حلت حرمت یا نجاست و طہارت کے متعلق دو متضاد خبریں ہوں تو پانی اور کھانے کو حلال سمجھا جائے گا۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ذبیحہ میں اصل حرمت ہے لہذا اصل پر عمل کیا گیا اور کھانے پانی میں اصل حلت ہے لہذا اس پر عمل کیا گیا مسئلہ مشرکوں اور کافروں کے مستعمل کپڑے سوائے پاجامہ کی میانی کے پاک ہیں اگر بیانی دھوئے بغیر نماز پڑھے گا تو مکروہ ہوگی۔

فصل ہفتم آدمی اور جانور کے جھوٹے کا بیان

اصول مقررہ:۔ (۱) آدمی کا جھوٹا پاک ہے خواہ کافر ہو یا مسلمان۔ بے دین یا دیندار۔ مرد ہو یا عورت جنب ہو یا حائض۔ ہاں غیر عورت کیلئے اجنبی مرد کا جھوٹا مکروہ ضرور ہے بشرطیکہ علم ہو۔ اسی طرح غیر مرد کیلئے اجنبی عورت کا جھوٹا مکروہ ہے کفار کو شریعت میں نجس کہا گیا ہے لیکن ان کی نجاست اعتقاد کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ان کے عقائد ناپاک ہیں۔ بظاہر بدن پر اگر ناپاکی کے علامات نہ ہوں تو ان کا بدن پاک خیال کیا جائیگا یہی وجہ ہو کہ رسول اللہ صلعم نے کفار کو مسجد میں آنے کی اجازت دی تھی مگر یہ مسلہ اور اجازت صرف ضرورت کیلئے ہے خواہ مخواہ

کفار کا کھانا درست نہیں۔

(۲) مذکورہ ذیل جانوروں کا جھوٹا پاک ہے:۔ گھوڑا، گدھا، خچر اور سوائے کوچہ گرد مرغی اور نجس خوار گائے کے تمام حلال چرندے اور پرندے ان سب کا جھوٹا پاک ہے۔

(۳) مذکورہ ذیل جانوروں کا جھوٹا ناپاک ہے۔ سور، کتا، ہاتھی اور اور تمام گوشت والے درندے اور چرندے۔

(۴) مذکورہ ذیل جانوروں کا جھوٹا مکروہ ہے چوہے، چھپکلی اور تمام خانگی جانوروں کا جھوٹا۔ چیل کوے، باز اور ان تمام پرندوں کا جھوٹا جن کا گوشت حرام ہے۔ بلی کا جھوٹا بشرطیکہ اس نے فوراً پانی نہ پیا ہو۔

(۵) گدھے اور خچر کا جھوٹا پاک ہے۔ مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا۔ گو یا خود تو طاہر ہے مگر مطہر ہونا اس کا مشکوک ہے اسی لئے اگر گدھے اور خچر کے جھوٹے پانی کے سوا اور پانی نہ مل سکے تو وضو اور تیمم دونوں کرنے کا حکم ہے خواہ وضو پہلے کیا جائے اور تیمم بعد کو یا تیمم پہلے اور وضو بعد کو۔ (در مختار)

فصل چہارم جانوروں کے پسینے اور لعاب دہن کا حکم

اصول مقررہ:۔ (۱) آدمی کا پسینہ پاک ہے خواہ کافر ہو یا مسلمان۔ جنابت کی حالت میں ہو یا طہارت کی حالت میں حیض کی حالت میں ہو یا طہر کی۔ بہر صورت آدمی کے پسینہ سے نہ کپڑے ناپاک ہوتے ہیں نہ بدن۔

(۲) جانور کا پسینہ اس کے جھوٹے کی طرح ہے جس جانور کا جھوٹا ناپاک ہے اس کا پسینہ بھی ناپاک ہے اور جس جانور کا جھوٹا پاک ہے اس کا پسینہ بھی پاک ہے اور جس کا جھوٹا مکروہ ہے اس کا پسینہ بھی مکروہ ہے۔

(۳) لعاب دہن کا بھی یہی حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہاتھی کا لعاب جو سونڈ کے اندر سے گرتا ہے نہ ناپاک ہے (عالمگیری)

مسائل متفرقہ

مسئلہ اگر کتے نے کسی برتن میں منہ ڈال دیا تو تین مرتبہ دھو ڈالنے سے برتن پاک ہو جائے گا مٹی کا ہو یا تانبے کا یا کسی اور چیز کا دھونے سے سب برتن پاک ہو جاتے

ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ سات مرتبہ دھوڈالے اور ایک مرتبہ مٹی لگا کر مانجھ بھی ڈالے
تاکہ خوب صاف ہوجائے مسئلہ اگر غریب آدمی بلی کا پس خوردہ یا جھوٹا کھائے تو کچھ
ہرج نہیں ہے مسئلہ اگر چوہا روٹی وغیرہ کو کتر کر کھائے تو مناسب یہ ہے کہ اس جگہ سے
ذرا سی توڑ ڈالے اور پھر باقی کھائے مسئلہ گدھے اور خچر کا پسینہ پاک ہے یہ عام
قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں مسئلہ اگر پالی ہوئی بلی پاس آکر بیٹھ جاتی ہو اور ہاتھ وغیرہ
چاٹتی ہو تو جہاں اُس کا لعاب لگتا ہو اُسکو دھوڈالنا چاہیئے نہ دھونا مکروہ ہے۔

فصل پنجم جاری اور غیر جاری پانی کے احکام و مسائل

اُصول مقررہ (۱) پانی دو طرح کا ہوتا ہے جاری اور بند جاری پانی تو وہ ہے
جسکو عام لوگ جاری کہتے ہیں بشرطیکہ اتنا گہرا ہو کہ چلو بھر کر اُٹھانے کے بعد زمین نہ دکھنے
لگے۔ ایسے پانی میں اگر کوئی نجاست گر جائے اور پانی کے تینوں اوصاف یعنی رنگ، بو،
اور مزہ میں سے کوئی چیز نہ بدلے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ ہاں اگر پانی کا مزہ، رنگ، یا بو
میں تغیر آگیا تو پانی ناپاک ہو جائیگا۔ اگر پانی کا کوئی وصف بدل جائے تو اُس وقت تک
پاک نہیں ہوسکتا جب تک اس میں دوسرا پانی اتنی مقدار میں نہ شامل ہوجائے جو اس کے
متغیر وصف کو چھپا دے اگر اس قدر پانی اس میں اور شامل ہوگیا کہ اس کے وصف
متغیر کو دور کر دیا تو سب پانی پاک ہوجائیگا ورنہ سب ناپاک۔

بند پانی دو قسم کا ہوتا ہے۔ کثیر اور قلیل۔ بند پانی کثیر تو وہ ہے کہ جس کے اگر
ایک طرف کوئی نجاست پڑی ہو تو دوسری طرف اُس کا اثر نہ پہونچ سکے اسکی مقدار علماء
نے چالیس گز مربع یا اڑتالیس گز مدور بیان کی ہے۔ گویا اگر بند پانی چالیس گز مربع
یا اڑتالیس گز مدور ہو اور گہرائی اتنی ہو کہ چلو بھر اُٹھانے کے بعد نہ زمین کھلجاتی ہو نہ پانی
گدلا ہوتا ہو تو پاک ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو جاری پانی کا ہے یعنی اُس وقت تک نجس نہیں
ہوتا جب تک بو یا مزہ یا رنگ نجاست کی وجہ سے تبدیل نہ ہوجائے۔ کثیر بند پانی کو حوض
کبیر بھی کہتے ہیں۔ حوض کبیر میں اگر کوئی نجاست گر جائے تو موضع نجاست کو چھوڑ کر ایک
چھوٹے حوض کے فاصلہ سے وضو کرنا چاہیئے قلیل پانی وہ ہے جو دہ در دہ سے کم
ہو۔ اس میں اگر اتنی نجاست گر جائے کہ گرنے سے پانی کو حرکت ہوجائے تو پانی ناپاک

ہو جائیگا خواہ پانی کے تینوں اوصاف میں سے کوئی وصف تبدیل نہ ہو (در مختار)

مسائل متفرقہ

کس پانی سے وضو کرنا اور نہانا درست ہے

مسئلہ آسمان سے برسے ہوئے پانی اور ندی نالے اچشمے اکنوئیں اتالاب اور دریا کے پانی سے وضو اور غسل درست ہے چاہے پانی میٹھا ہو یا کھاری۔ مسئلہ کسی پھل یا درخت یا پتوں سے نچوڑے ہوئے پانی سے وضو کرنا درست نہیں۔ اسیطرح تربوز کے پانی اور گنے کے رس سے بھی وضو درست نہیں مسئلہ جس پانی میں کوئی اور چیز مل گئی یا پانی میں کوئی چیز پکائی گئی اور ایسا ہو گیا کہ بول چال میں اسکو پانی نہیں کہا جاتا بلکہ اُس کا کچھ اور نام ہو گیا تو اُس سے وضو و غسل جائز نہیں جیسے شربت، شیرہ، شوربا، سرکہ، گلاب، عرق وغیرہ مسئلہ جس پانی میں کوئی پاک چیز مل گئی اور پانی کے رنگ یا مزہ یا بو میں فرق آگیا لیکن وہ چیز پانی میں پکائی نہیں گئی نہ اُس کے ملنے سے پانی کے پتلے ہونے میں کچھ فرق آیا جیسے کہ بہتے ہوئے پانی میں ریت ملی ہوتی ہے یا پانی میں زعفران پڑ گیا اور اس کا بہت خفیف سا رنگ آگیا یا صابون وغیرہ کوئی اور چیز پڑ گئی تو ان سب صورتوں میں اس پانی سے وضو و غسل درست ہے مسئلہ اگر کوئی چیز پانی میں ڈال کر پکائی گئی اور اس سے رنگ مزہ وغیرہ بدل گیا تو اس پانی سے وضو و غسل درست نہیں البتہ اگر ایسی چیز پکائی گئی جس سے میل کچیل خوب صاف ہو جائے اور اس کے پکانے سے پانی گاڑھا نہ ہوا تو اس سے وضو درست ہے جیسے مردہ کو نہلانے کے لئے بیری کی پتیاں پانی میں پکا لیتے ہیں یا بیمار کے نہانے کے لئے بعض دوائیں ڈال کر پانی کو گرم کر لیتے ہیں ہاں اگر پانی گاڑھا ہو گیا تو وضو غسل درست نہیں مسئلہ کپڑا رنگنے کے لئے زعفران یا اور کسی قسم کی پڑیہ گھولی تو اس سے وضو درست نہیں مسئلہ اگر پانی میں دودھ مل گیا اور دودھ کا رنگ پانی پر غالب آگیا تو اس سے وضو درست نہیں۔ اور اگر دودھ کا رنگ پانی میں نہ آیا تو وضو درست ہے مسئلہ جنگل میں اگر کہیں تھوڑا سا پانی مل جائے تو جب تک اُس کے ناپاک ہونے کی یقینی اطلاع نہ مل جائے اُسوقت تک اُس سے وضو کیا جائے اس وہم پر وضو نہ ترک کر دینا چاہیے کہ شاید نجس ہو۔ اگر اس پانی کے ہوتے ہوئے تیمم کریگا تو تیمم نہ ہوگا مسئلہ کسی کنوئیں میں درخت کے پتے گر پڑے اور پانی

میں بدبو آنے لگی اور رنگ و مزہ بھی بدل گیا تو بھی اس سے وضو درست ہے جب تک
پانی اصلی حالت کی طرح پتلا باقی رہے **مسئلہ** اگر حوض ۲۰ گز لمبا اور پانچ گز چوڑا یا
پچیس گز لمبا اور چار ہاتھ چوڑا ہے تو یہ بھی دہ در دہ کے حکم میں ہے **مسئلہ** اگر
چھت پر نجاست پڑی ہے اور مینہ برسا اور پانی پرنالہ سے جاری ہوا تو اگر آدھی
یا آدھی سے زائد چھت ناپاک ہو تب تو وہ پانی نجس ہے اور اگر آدھی سے کم ناپاک
ہو تو پانی پاک ہے اور اگر نجاست پرنالہ کے پاس ہی ہو کہ سب پانی اس سے مل کر آرہا
ہو تو وہ پانی بہر صورت نجس ہے **مسئلہ** اگر پانی آہستہ آہستہ بہ رہا ہو تو جلدی جلدی
وضو نہ کرنا چاہیئے تاکہ جو دھوون گرتا ہے وہی ہاتھ میں نہ آجائے۔ **مسئلہ** دہ در دہ
حوض میں جہاں دھوون گرا ہے اگر وہیں سے پھر پانی اٹھا کر استعمال کر لیا جائے
تو جائز ہے **مسئلہ** اگر کوئی غیر مسلم یا چھوٹا بچہ اپنا ہاتھ پانی میں ڈالدے تو پانی
نجس نہیں ہوتا۔ البتہ اگر معلوم ہو کہ اس کے ہاتھ میں نجاست لگی ہوئی تھی تو ناپاک
ہو جائیگا۔ لیکن چونکہ چھوٹے بچوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ معلوم نہیں ان کے ہاتھ کیسے ہوں
اس لیئے جب تک اور پانی ملے اس کے ہاتھ ڈالے ہوئے پانی سے وضو نکرنا بہتر ہے۔
مسئلہ جس پانی میں ایسی جاندار چیز مر جائے جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا یا باہر مر کر
پانی میں گر پڑے تو پانی نجس نہیں ہوتا جیسے مچھر، مکھی، بھڑ، بچھو وغیرہ **مسئلہ** جس جانور
کی پیدائش پانی کی ہو اور ہر دم پانی میں ہی رہتا ہو اس کے مر جانے سے پانی خراب
نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر شہد و دودھ وغیرہ میں یہ جانور مر جائیں تو یہ چیزیں نجس نہیں
ہوتی ہیں جیسے مچھلی، کیکڑا، آبی مینڈک، خشکی کے مینڈک کا بھی یہی حکم ہے ہاں اگر
خشکی کے مینڈک میں خون ہو تو اس کے مرنے سے پانی وغیرہ ناپاک ہو جاتا ہے۔
فائدہ:- دریائی مینڈک کی انگلیوں میں جھلی لگی ہوتی ہے اور خشکی کے مینڈک
کی انگلیاں الگ الگ ہوتی ہیں۔

مسئلہ جن جانوروں کی پیدائش پانی کی نہ ہو وہ اگر پانی میں مر جائیں یا مر کر پانی میں
گر جائیں تو پانی نجس ہو جاتا ہے جیسے مرغابی، قاز، بطخ وغیرہ **مسئلہ** مینڈک
کچھوا کیکڑا وغیرہ اگر پانی میں مر کر گل جائیں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں تب بھی
پانی پاک ہے لیکن اس پانی کا کھانا پینا درست نہیں ہے صرف وضو و غسل ہو سکتا ہے

مسئلہ دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے برص کے سپید داغ پڑ جانے کا اندیشہ ہے اس لیئے اس سے وضو و غسل کرنا اولی ہے مسئلہ مردار کی کھال کو اگر دھوپ میں سکھا لیا جائے یا دوا وغیرہ لگا کر درست کر لیا جائے کہ رطوبت بالکل خشک ہو جائے اور رکھنے سے خراب نہ ہو تو کھال پاک ہو جاتی ہے اسپر نماز پڑھنا اور اسکی مشک ڈول وغیرہ بناکر استعمال کرنا جائز ہے لیکن سانپ اور چوہے اور سور کی کھال پاک نہیں ہوتی اور سب کھالیں پاک ہو جاتی ہیں مسئلہ کتا بلی، بندر، شیر اور تمام وہ جانور کی کھال بنانے سے پاک ہو جاتی ہے۔ اگر ان کو بسم اللہ کہکر ذبح کیا جائے۔ تو بغیر بنائے بھی انکی کھال پاک ہو جاتی ہے۔ ہاں گوشت بہر صورت ناپاک ہے مسئلہ اگر کسی تالاب یا جوہڑ میں ناپاک پانی بھرا تھا اور وہ خشک ہو گیا اور دوبارہ بارش کے پانی سے پھر وہ بھر گیا تو یہ پانی پاک ہے مسئلہ اگر کسی چھوٹے بڑے حوض میں کائی اس قدر جمی ہو کہ ہلانے سے اسمیں حرکت نہ پیدا ہو اور پانی بالکل نہ دکھے تو اس سے وضو و غسل کرنا درست نہیں ہاں اگر کائی اتنی ہو کہ ہلانے سے ہل جاتی ہو اور نیچے کا پانی نمودار ہو جاتا ہو تو وضو اور غسل درست ہے۔ مسئلہ اگر کسی پانی میں بدبو آرہی ہو اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ بدبو نجاست کی ہے یا کسی پاک چیز کی تو اس سے وضو و غسل درست ہے کیونکہ پانی اکثر ٹھہرے رہنے سے بھی بدبودار ہو جاتا ہے مسئلہ اگر چھت پر نجاست پڑی ہو اور بارش ہو جائے اور چھت ٹپکنے لگے تو بارش کے بند ہو جانے کے بعد بھی اگر پانی ٹپک رہا ہے تو یہ پانی ناپاک ہے اور بارش کے دوران میں اگر ٹپک رہا ہے تو اس کا حکم آب جاری کا سا ہے بالکل پاک ہے بشرطیکہ پانی کے تینوں اوصاف میں سے کسی میں تغیر نہ آیا ہو۔ اگر نجاست کے اثر سے ٹپکے ہوئے پانی کا رنگ یا مزہ یا بو میں تبدیلی پیدا ہو گئی تو بہر صورت یہ پانی ناپاک ہے مسئلہ یہ پہلے بتادیا گیا ہے کہ آدمی کے بال اور ہڈیاں پاک ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا استعمال بھی درست ہے۔ آدمی کے بال اور ہڈی کا استعمال قطعًا ناجائز ہے۔

فصل ششم کنوئیں کے پانی کے احکام و مسائل

اصول مقررہ۔ قاعدہ۔ بعض اشیاء کے کنوئیں میں گرنے سے کل پانی نکالنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور بعض چیزوں کے گرنے سے پانی کی ایک معین مقدار کا نکالنا ضروری ہوتا ہے اور بعض اشیاء کے گرنے سے کنوئیں کا پانی نکالنا مستحب ہے۔

قاعدہ۔ مذکورہ ذیل صورتوں میں کل کنوئیں کا پانی نکالنا واجب ہے:۔ بڑے جثہ والے جاندار (جیسے بکری، آدمی گدھا وغیرہ) اگر کنوئیں میں گر کر مر جائیں تو کل پانی نکالنا واجب ہے۔ وہ جانور جنمیں جاری خون ہوتا ہے خواہ چھوٹے ہوں یا درمیانی (جیسے چڑیا، چوہا، مرغی، بطخ وغیرہ) اگر پانی میں گر کر پھٹ جائیں یا پھول جائیں یا بہری پھوڑے ہوں اور سے پھٹے ہوئے کنوئیں میں گر جائیں تو کل پانی نکالنا واجب ہے سوئر کا اگر ایک بال بھی گر جائے تو کل پانی نکالنا واجب ہے۔ کافر مردہ اگر کنوئیں میں گر جائے خواہ قبل غسل کے یا بعد غسل کے تو کل پانی نکالنا واجب ہے۔ وہ جانور جنکا جھوٹا ناپاک یا مشکوک ہے اگر کنوئیں میں گر جائیں اور گرنے کے وقت اُن کا منہ پانی میں ڈوب جائے تو کل پانی نکالنا واجب ہے خواہ وہ زندہ برآمد ہوں یا مُردہ۔ نجاست حقیقی خواہ غلیظہ ہو یا خفیفہ اگر کنوئیں میں گر جائے تو کل پانی نکالنا واجب ہے۔ آدمی یا بھینس وغیرہ کے پیشاب کا ایک قطرہ بھی اگر کنوئیں میں گر جائیگا تو کل پانی نکالنا واجب ہے۔

قاعدہ۔ جو جانور دموی ہیں یعنی انمیں جاری خون ہے وہ اگر کنوئیں سے مُردہ برآمد ہوں اور پھولے پھٹے نہ ہوں تو کل پانی نکالنا ضروری نہیں ہے۔ پانی کی کچھ مقدار نکالنا کافی ہے۔

قاعدہ۔ جن جانوروں میں جاری خون نہیں ہے (مچھلی، مچھر، بچھو وغیرہ) وہ اگر کنوئیں میں گر کر مر جائیں تو کنواں نجس نہیں ہوتا۔

قاعدہ۔ اگر کنوئیں کی سوتیں ایسی ہوں کہ جسقدر پانی نکالا جائے کبھی ختم نہ ہو جس کو توڑ کنواں کہتے ہیں اگر اُس کے کل پانی نکلنے کی ضرورت ہو تو دو پرہیزگار مسلمانوں سے کنوئیں کے موجودہ پانی کا اندازہ کرا لیا جائے اور جتنا اندازہ کردیں اتنا پانی نکال ڈالا

جائے یا رسی سے ناپ لیا جائے۔ پانی نکالنے کا یہ طریقہ ہے کہ تقریباً ایک گھنٹہ پانی نکالنے پر
جسقدر پانی کم ہو جائے اُسیقدر گھنٹوں کے حساب سے پانی نکلوایا جائے مثلاً ایک
کنوئیں میں دس گز پانی ہے اور متواتر ایک گھنٹہ پانی نکالنے سے دو گز پانی کم ہوا تو
پانچ گھنٹہ تک متواتر پانی کھینچا جائے کنواں پاک ہو جائیگا خواہ نو بنو پانی آتا رہے
اور کنواں خالی نہو اور جن کنوؤں میں سے پانی باوجود متواتر کھینچنے کے کچھ بھی کم نہو
تو یوں کرنا چاہیے کہ جسقدر کنوئیں میں پانی موجود ہو اُسی قدر ایک گڑھا لمبا چوڑا اور
گہرا کھود کر اُس کو بھر دینا چاہیئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ دو سَو ڈول کھینچنے سے کنواں
بالکل پاک ہو جاتا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ یہ فتویٰ امام محمد رح کا ہے اور بغداد کے کنوؤں
کے ساتھ مخصوص تھا ہر جگہ یہ حکم جاری نہیں ہو سکتا۔ بغداد کے کنوؤں میں چونکہ عموماً
دو سو ڈول سے زائد پانی نہ ہوتا تھا اس لیئے امام محمدؒ نے یہ فتویٰ دیدیا ورنہ حضرت
ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے اس کے خلاف اقوال منقول ہیں (تحقیق المسائل)

مسائل متفرقہ

مسئلہ اگر کنوئیں کا پانی بالکل توڑ دیا جائے تو کنکر و دیوار کے پاک کرنیکی ضرورت نہیں
اور نہ رسی ڈول کو دھونا ضروری ہے کنوئیں کے ساتھ ساتھ یہ سب چیزیں خود بخود پاک ہو گئیں
مسئلہ اگر کبوتر یا چڑیا کی بیٹ کنوئیں میں گر گئی تو کنواں نجس نہ ہوا۔ ہاں مرغی اور بطخ کی
نجاست سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے اور کل پانی نکالنا واجب ہو جاتا ہے مسئلہ کتا
بلی، گائے، بکری اگر کنوئیں میں پیشاب کر دے تو کل پانی نکالا جائے مسئلہ اگر چوہا
چڑیا، یا ان کی برابر کوئی اور جانور کنوئیں میں گر کر مر گیا یا مرا ہوا گر گیا اور پھولا پھٹا نہیں
تو بیس ڈول نکالنے واجب ہیں اور ۳۰ ڈول نکالنے مستحب لیکن پانی نکالنے سے
قبل چوہے وغیرہ کو نکال لینا چاہیئے بعد کو پانی نکالنا چاہیئے ورنہ پانی کھینچنے کا
اعتبار نہیں اگر بڑی چھپکلی کنوئیں سے مردہ برآمد ہو اور پھولی پھٹی نہ ہو تب بھی ۲۰ ڈول
نکالنے واجب اور ۳۰ ڈول نکالنے مستحب ہیں مسئلہ اگر کبوتر، مرغی، بلی یا اتنا ہی بڑا
کوئی اور جانور کنوئیں سے مردہ برآمد ہو اور پھولا پھٹا نہو تو چالیس ڈول نکالنے واجب
اور ساٹھ نکالنے مستحب ہیں مسئلہ اگر کنوئیں میں سے مرا ہوا چوہا یا کوئی اور جانور نکلا اور
پھولا پھٹا نہیں ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ کب سے گرا ہے تو جن لوگوں نے اس کنوئیں کے

پانی سے وضو کیا ہے اُن کو ایک شبانہ روز کی نماز لوٹانی چاہیئے اور اس پانی سے جو برتن یا کپڑے دھوئے گئے ہوں اُن کو دوبارہ دھونا چاہیئے۔ اور اگر بھول گیا یا پھٹ گیا ہو تو تین شبانہ روز کی نمازیں قضا پھیرنی ضروری ہیں۔ ہاں جن لوگوں نے اس پانی سے وضو نہ کیا ہو اُن کو دھرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ مسئلہ صرف احتیاط پر مبنی ہے ورنہ بعض علماء کا صحیح فتویٰ ہے کہ جسوقت کنوئیں کا ناپاک ہونا معلوم ہو اُسی وقت سے ناپاک سمجھا جائیگا اس سے پہلے کی نماز وغیرہ سب کچھ درست ہے اُس کو لوٹانا ضروری نہیں ہے مسئلہ جنب آدمی اگر ڈول وغیرہ ڈھونڈھنے کے سبب کنوئیں میں اُترا اور اسکے بدن اور کپڑوں پر نجاست نہ ہو تو کنواں ناپاک نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم کنوئیں میں گھسے اور اس کے بدن اور کپڑوں پر علامات نجاست نہوں تو کنواں نجس نہ ہوگا۔ البتہ اگر نجاست بدن یا کپڑے پر موجود ہو تو کنواں ناپاک ہوجائیگا اور سب پانی نکالنا پڑیگا۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کپڑا پاک ہے یا ناپاک تب بھی کنواں پاک ہی سمجھا جائیگا لیکن اس صورت میں بیس تیس ڈول نکالنے مستحب ہیں مسئلہ اگر کنوئیں میں بکری یا چوہا بلی وغیرہ گر کر زندہ نکل آیا تو کنواں پاک ہی مسئلہ چوہے کو بلی نے پکڑا اور اس کے دانت لگنے کی وجہ سے چوہا زخمی ہوکر بھاگا اور خون آلودگی کی حالت میں کنوئیں میں گر پڑا تو کل پانی نکالنا واجب ہے۔ مسئلہ چوہا پرنالہ سے نکل کر بھاگا اور اس کے بدن میں نجاست بھر گئی پھر کنوئیں میں گر پڑا تو سب پانی نکالا جائے۔ مسئلہ اگر چوہے یا چھپکلی کی دم کٹ کر کنوئیں میں گر پڑی تو کل پانی نکالنا چاہیئے مسئلہ جن چیزوں کے گرنے سے کنواں ناپاک ہوجاتا ہے اگر وہ چیزیں کوشش کے باوجود نہ نکل سکیں تو دیکھنا چاہیئے کہ وہ چیزیں کیسی ہیں اگر ایسی ہوں کہ خود تو پاک ہوتی ہیں مگر کسی ناپاک چیز کے لگنے سے ناپاک ہوجاتی ہیں مثلاً ناپاک کپڑا، جوتہ، گیند وغیرہ (یہ چیزیں درحقیقت خود تو پاک ہیں لیکن کسی نجاست کے لگجانے سے کپڑا ناپاک ہوجاتی ہیں) تو ان کا نکالنا معاف ہے صرف پانی نکال ڈالنا کافی ہے۔ اور اگر وہ چیزیں ایسی ہیں کہ خود ناپاک ہیں جیسے مردہ جانور، چوہا وغیرہ تو جب تک یہ یقین نہ ہوجائے کہ یہ سڑ گل کر مٹی ہوگئی ہیں اسوقت تک کنواں پاک نہیں ہوسکتا اگر سڑنے گلنے اور مٹی میں مل جانے کا یقین ہوجائے تب صرف کل پانی نکال ڈالنا چاہیئے۔ کنواں پاک ہوجائیگا مسئلہ جتنا پانی کنوئیں سے نکالنا ہو چاہے ایک دم سے

نکالیں چاہے تھوڑا تھوڑا کرکے نکالیں ہر طرح پاک ہو جائیگا مسئلہ کنویں میں اگر
اونٹ بکری کی مینگنیاں یا گوبر اور لید گر جائے اور زیادہ ہو تو کنواں نجس ہو جاتا ہے
اور زائد نہ ہو تو ناپاک نہیں ہے۔ یہ حکم عام ہے خواہ مینگنیاں ٹوٹی ہوئی ہوں
یا سالم تر ہوں یا خشک۔ ہاں اگر مٹکے وغیرہ میں ان نجاستوں میں سے کوئی نجاست
تھوڑی سی بھی گر جائے گی تو مٹکے کا پانی نجس ہو جائیگا صرف کنویں کو عموم بلوہ کے
اعتبار سے نجس نہیں کہا گیا ہے اور یہ حکم صرف جنگل کے کھلے ہوئے کنوؤں اور ان کنوؤں
کے ساتھ خصوص ہے جہاں مویشیوں کی آمد و رفت زیادہ رہتی ہے اور شہر میں بلا ضرورت
خاص کے یہ حکم نہیں ہے۔ شہر کے کنویں مذکورہ نجاستوں سے ضرور نجس ہو جائیں گے
کیونکہ یہاں مجبور کرنے والی کوئی ضرورت نہیں ہے مسئلہ اگر تین یا چوہے یکدم
کنویں سے مردہ برآمد ہوں تو اتنا پانی کھینچنا چاہیئے جتنا ایک مردہ بلی کے برآمد ہونے
کے وقت کھینچنا ضروری ہے اور اگر چھ چوہے مردہ نکلیں تو کل پانی کھینچنا چاہیئے
دو بلیوں کا بھی یہی حکم ہے۔ مسئلہ کسی جاندار کا بچہ اس کے بڑے کے حکم میں ہے
اس لیئے آدمی یا بکری کے بچہ سے کل پانی نکالنا واجب ہے مسئلہ اگر کسی مٹکے
یا گڈھے میں کوئی جانور مر گیا اور وہ پانی کسی کنویں میں ڈال دیا گیا تو کنویں سے پانی کھینچکر
پھینکنا چاہیئے۔ جیسا جانور ہو اتنی ہی مقدار پانی کی نکالنا چاہیئے مثلاً چوہا مردہ مٹکے سے
برآمد ہوا اور وہ پانی کنویں میں ڈالا گیا تو بیس ڈول نکالنے چاہئیں اور اگر پھولا پھٹا ہوا
چوہا مٹکے سے برآمد ہوا تو کل پانی نکالنا لازم ہے۔ (عالمگیری) مسئلہ اگر کنواں کسی
ایسے گڑھے کے قریب ہو جس میں نجاست بھری ہوئی ہے اور نجاست کا اثر کنویں
میں معلوم ہو تو کنواں ناپاک ہے اور اثر نہ معلوم ہو تو پاک ہے۔

مسئلہ ذیل کی صورتوں میں پانی نکالنا صرف مستحب ہے واجب نہیں
زندہ چوہا پانی میں گر جائے تو ۳۰ ڈول نکالنے مستحب ہیں۔ بلی یا کوچہ گرد مرغی
گر جائے تو ۴۰ ڈول نکالنے مستحب ہیں۔ جنبی یا بے وضو شخص کے گرنے سے
۴۰ ڈول نکالنے مستحب ہیں۔ (عالمگیری)

چند ہدایات:- کونسا ڈول معتبر ہے؟ جو ڈول جس کنویں
پر ہو اسی ڈول کی مقدار اس کنویں کے لیے معتبر ہے اور کوئی ڈول معتبر نہیں ہاں

بابُ الصّلوٰۃ

بُت پرستی۔ خدا پرستی۔ اور دونوں کا باہمی فرق

بُت پرستی ایسا عام مشہور لفظ ہے کہ اسکی تعریف کی چنداں ضرورت نہیں ہاں اگر احتیاج ہے تو اسکی ماہیت اور حقیقت کی بابت ہے تاہم سرسری طور پر اس کی تعریف کرنے سے حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ لفظ بت کسی چیز کے نقشہ یا مجسمہ کا نام ہے جو انسان کے خیال اور توجہ کا کسی وجہ سے مرکز بن جاتا ہے ہم یہ بتانے سے قبل کہ دنیا میں کون کون سے بڑے بڑے اور عام مذہب ہوئے اور کس کا طریق عبادت بت پرستی پر مبنی ہے اور کس کا خدا پرستی پر۔ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ بت پرستی کا آغاز کیسے ہوا اور کونسی بت پرستی سب سے پہلے ہوئی۔

دُنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے بت پرستی کا آغاز کواکب پرستی سے ہوا مصر کا کلدانیہ، ایران اور ہند میں ستارہ پرستی کا سب سے مقدم ہونا پایا جاتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری تاثیرات گرمی سردی زراعت کاعت کا نشوونما معدنیات کی رنگ آمیزی، نباتات کی نیرنگی اور حیوانات کی تلون مزاجی اور نیرنگی حال کو دیکھکر نظام علوی (آسمانی) اور نظام سفلی (زمینی) کا باہمی میل ملاپ اور تاثیر و تاثر انسانی عقل میں آیا اور انہی دونوں نظاموں کے طبعی اثرات دیکھنے کے بعد ان کے باہمی تعلقات سمجھ میں آئے جسکی وجہ سے ایک طرف علم نجوم گردش کواکب کی وجہ سے قائم ہوا اور دوسری طرف ستاروں کی تاثیر روکنے یا رفع کرنے کیلئے ان کی پرستش شروع کردی گئی اور اس پرستش کا نام تسخیر رکھا۔ صاحب تاریخ امارس کہتا ہے کہ نجوم کی ایجاد بابل سے ہوئی ستارہ پرستی کے متعلق یہ خیال ہے کہ ستارے جاندار اور ذی عقل ہیں بعضوں کا خیال ہے کہ ان میں دیوتاؤں کا مسکن ہے اور یہ خیال تمام مشرقی اقوام میں پھیلا ہوا ہے

تاثیرات اور گردش فلکی سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ستاروں کا اثر دنیا پر ہے اور اسی سبب سے ان کی تعظیم اور عبادت ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ یہی ستارے قدیم زمانہ میں شخصی نام سے موسوم ہوگئے۔ مثل زحل، مریخ، عطارد، زہرہ وغیرہ۔

چونکہ یہ ستارے نظر سے غائب ہو جاتے تھے اس لیئے اُن کی جگہ اُنکی ہیکلیں قائم کی گئیں اور ان ہیاکل کی ویسی ہی عبادت ہونے لگی جیسی اصلی ستاروں کی ہوئی تھی مسٹر برڈووڈ کا خیال ہے کہ صابی مذہب کی پرستش اصنام کا یہی آغاز ہے اور تمام قدیمی اقوام اس میں آلودہ تھیں۔ سانپ کی نسبت خیال تھا کہ یہ سورج کا معرکہ ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ تمام خلا روحانیات سے بھرا ہوا ہے۔ کلدانیہ سے صابی مذہب جاری ہوکر مصر اور ہندوستان میں پہونچا اور پھر تمام دنیا میں پھیل گیا۔ ہند کے معبد اور مندر بھی صابی مذہب کی طرح تھے۔ اس تقریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ستارہ پرستی کا فلسفہ یہ ہے کہ ستارے ذی روح اور ذی عقل ہیں۔ ان میں نیک و بد کی تاثیرات کی قوت ہے اور گردش فلکی پر ان تاثیرات کا انحصار ہے۔ ستاروں کا سعد و نحس انسان کے جسم اور دنیا کے تمام اُمور پر اثر انداز ہوتا ہے بارش کی کشش بھی ان ہی ستاروں کی تاثیر پر منحصر ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام روئے زمین اور خلا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ستاروں کی تاثیر سے ہوتا ہے۔ دساتیر اور ژند واوستا کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زرتشتی مذہب میں بھی ستاروں کی تعظیم کا حکم ہے اور عبادت کے وقت اُنکی ہیکلوں کو پیش نظر رکھنے کی خصوصی ہدایت ہے۔ چنانچہ نامۂ مہ آباد میں زردشت کی یہ عبارت درج ہے۔

وبسو پیش نماز ادا کنید یعنی تماثیل و اشکال سبعہ سیارہ را ہنگام نماز کردن پیش رو دارید و بداں سو نماز گذارید۔

اس سے ثابت ہوا کہ اہل ایمان کواکب کو قبلۂ نماز بناتے تھے اور اُنکی انتہائی عظمت کرتے تھے اور عالم سفلی کے تمام حوادث پر ستاروں کی اثر اندازی کے قائل تھے۔ یہ تو عالم علوی کی بُت پرستی کی کیفیت تھی۔ اب عالم سفلی کی بُت پرستی کی کیفیت سُنیئے۔

عالم سفلی آگ پانی ہوا اور خاک سے مرکب ہے اور انہی عناصر سے جمادات، نباتات اور حیوانات کا وجود ہوا۔ یہ ساتوں ملکر عالم سفلی کے سبعہ سیارہ ہیں ان ساتوں میں

روح مسلم ہے اور جسم طبعی تو ان کا ظاہر ہے۔ اس طبعی جسم اور روح کا نظام فرشتوں کے ہاتھ میں ہے اور ہر ایک قسم کا ایک خاص فرشتہ اُس کا رب النوع ہے اور چونکہ یہ مظاہر قدرت رب النوع کی وجہ سے دنیا میں جلوہ نما ہوئے ہیں اس لیے رب النوع کی پرستش کی جاتی تھی اور اس کا یقین تھا کہ رب النوع کی پرستش سے انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے اور اسی واسطے سے خدا تک پہنچ ہو سکتی ہے۔ بت پرستی کی یہی اصلی حقیقت اور فلسفہ ہے اس فلسفہ کے موجد قدیم ایرانی ہیں اُن کے مذہبی اقوال میں یہ بات صاف طور سے عیاں ہے اور دیگر اقوام مصر و کلدانیہ اور آریہ ہند میں بھی اس کی جھلک نظر آتی ہے چنانچہ سوانح عمری زردشت میں الہام ثانی کا یہ مضمون ہے کہ خاک پانی ہوا آگ حیوانات جمادات اور نباتات کے رب النوع یعنی فرشتوں سے زردشت کی جدا جدا ملاقات ہوئی اور انہوں نے زردشت کو اپنی جنس کی حفاظت کی ہدایت کی۔ زردشت چونکہ ساتوں اشیاء کا محافظ تھا اس لیے اُس نے انہیں سے آگ کو قبلۂ نماز قرار دیا اور اُسکی حفاظت کے بڑے آتشکدے بنوائے۔ عبادت کے وقت آگ کو پیش نظر رکھنے سے یہ مقصود تھا کہ وہ آگ کے رب النوع سے مخاطب ہو اسی لیے نماز کے وقت یہ الفاظ ادا کرتا تھا کہ۔ اے پروردگار نماز مرا بہ یزدان رسان۔ علاوہ اس کے زردشت کا یہ بھی خیال تھا کہ۔ بر زمین ہر چہ ہست پیکر و سایۂ چیزیست کہ در سپہر است۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عبادت سایہ کی نہ تھی بلکہ جس کا سایہ یا عکس ہو اسکی تھی۔ مگر رب النوع کے واسطے سے۔ اس لمبی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ آتش کدے قدیم سے تھے اور زردشتی مذہب میں آگ قبلۂ نماز تھی اور آسمانی اجسام معبود یا کم از کم واسطۂ عبادت تھے۔ یہ حالت تو صابی اور مجوسی مذہب کی تھی جو عراق و ایران میں انتہائی زور و ترقی پر تھی۔ اب ہندوستان کی بت پرستی کا حال سُنیئے۔

یوروپین مورخ وید کے زمانہ میں ہندوؤں کے مذہب کی حالت محض قدرتی مظاہر کی پرستش بتاتے ہیں جن میں نظام علوی کواکب پرستی اور نظام سفلی یعنی عناصر جمادات نباتات اور حیوانات داخل ہیں۔ رگ وید میں جن قابل پرستش دیوتاؤں (فرشتوں یا رب النوع) کا تذکرہ ہے اُس کی ترتیب یہ ہے۔

(۱) اندر (بارش کا دیوتا) (۲) ورونا (آسمان یا انصاف کا دیوتا) (۳) وِشنو (دیوتا مستقیم)

(سورج کا دیوتا) (۴) اگنی (آگ کا دیوتا) (۵) وایو (ہوا کا دیوتا) (۶) یاما۔ یامی (صبح و شام کا دیوتا) (۷) سرسوتی (دریا کا دیوتا) یہ وہ دیوتا ہیں جو کہ معبود یا قابل پرستش خیال کئے جاتے تھے اور انہی کی عبادت کی جاتی تھی چنانچہ خود سری کرشن رہنما رمذہب ہنود نے اسکی تلقین کی کہ عوام نامعلوم خدا کا تصور نہیں کر سکتے اور نہ حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں اسلیئے موجودہ کائنات کو ہی خدا سمجھیں اسی لیئے سری کرشن نے سب سے پہلے اپنے آپکو خدا کہا ہیں ذیل میں سری کرشن کے چند اقوال ذرا تفصیل کیساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں سری کرشن کہتے ہیں تم ثابت قدمی سے میری جانب اپنے خیالات کو لوٹانے کی قابلیت نہیں رکھتے تو بھگتی (عشق و عبادت) سے میری قربت حاصل کرو عشق میں ثابت قدم نہ رہ سکو تو ادائے فرائض میں سرگرم رہو بھگتی (عشق) سے علم بہتر ہے اور علم سے مراقبہ یعنی تصور کو ترجیح ہے اور تصور پر ترک خواہشات کو لیکن بے دیکھے بھالے خدا کی پرستش کرنی انسان فانی کے لئے سخت دشوار ہے لہذا بشکل نمایاں پرستش کرنی چاہیئے اور وہ نمایاں شکل مخلوقات ہیں۔ انسان مخلوقات کی پرستش کیونکر کر سکتا ہے بھگتی یا عشق کے ذریعہ سے سری کرشن فرماتے ہیں ہمکو خدا پر پورا بھروسہ کرنا چاہیئے مگر خدا کی پرستش شکل نمایاں میں کرنی چاہیئے کیونکہ دنیاوی مغالطہ کی وجہ سے انسان بے دیکھے خدا کو نہیں جان سکتا جس طرح سویا ہوا آدمی اپنی خوابگاہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ پس انسان کو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو اس کے اختیار میں ہو اور جس کے ذریعہ سے وہ ترقی کر سکے۔ عالم مخلوقات ویسا نہیں ہے جیسا انسان اسکو سمجھتا ہے تاہم وہ جھوٹا اور غیر حقیقی بھی نہیں ہے۔ عالم مثال کو مغالطہ کی وجہ سے انسان کا پیدا کیا ہوا سمجھو مگر وہ خدا کی شکل میں نمایاں ضرور ہے۔ خدائے حقیقی کو جاننا مغالطہ میں پڑے ہوئے انسان ضعیف البنیان کے لیئے ناممکن ہے لہذا قدرت کاملہ یعنی عالم موجودات کو اپنا خدا ماننا چاہیئے حضرت عیسیٰ سے تیرہ سو برس پہلے بحکم سری کرشن بت پرستی کا اعلان عام ہوا۔ اور مظاہر پرستی پہلے سے ہی تھی لہذا بت پرستی اور آثار پرستی عام ہو گئی اس کے بعد نویں صدی عیسوی میں شنکراچاریہ ہندو ریفارمر پیدا ہوئے انہوں نے بھی بت پرستی میں معمولی ترمیم کر کے اسکو برقرار رکھا بعض مندروں میں سرستی (علم کی دیوی) اور وشنو کی مورتیں رکھیں پھر گیارہویں صدی میں رامانج پیدا ہوئے یہ ہندو مذہب کے مصلح اعظم تھے۔ انہوں نے شیو دکار کنان قدرت یعنی فرشتے) کی پوجا عوام میں جاری کی

ان کے بعد رامانند نے عہد شاہجہانی میں رام راجودھیا کے ایک بزرگ کو الوہیت کا درجہ دیکر شمالی ہند میں ان کی پرستش کو رواج دیا۔ گویا ان چار بزرگوں کے نام سے قدرت کے مظاہر پرستی کا ثبوت ہوتا ہے۔ سری کرشن نے عام طور سے موجودات پرستی جاری کی۔ شنکراچارج نے وشنو اور رامانج نے شیو کی پوجا کرائی اور رامانند نے ہیرو پرستی یعنی رامچندر کی پرستش کو رواج دیا۔ گویا ۳۳ کروڑ دیوتا جنکی ہندوؤں میں اب تک پرستش ہوتی ہے انہی چار بزرگوں کے ایجاد کردہ ہیں۔ یہ ہے ہندو دھرم کی کیفیت اور یہ ہے توحید بت پرستانہ۔ اب ذرا بدھ مت کی کیفیت اور طریق عبادت بھی پڑھیئے۔ **ساکیامنی** گوتم بدھ نے سب سے نرالا اصول دھریاپن کا نکالا۔ انسان کو خدائی کا درجہ دیا اپنے آپ کو عقل کل بنایا۔ دنیا میں اپنی الوہیت کا بلند آواز سے دعویٰ کیا۔ یہاں تک تو گوتم نے بت پرستی اور خدا پرستی دونوں سے الگ رہ کر انسان پرستی کی بنیاد ڈالی لیکن گوتم کے پیروں نے برہما، وشنو اور شیو کی پوجا کو رواج دیا مختلف معابد شوالے بنائے۔ مورتیں، تیرتھ، جاترا اور میلے جاری کئے اور انسان پرستی کو بُت پرستی میں غرق کر دیا (کلاھما فی النار)

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ صابی مذہب میں ستارہ پرستی یعنی نظام علوی کی عبادت کی جاتی تھی۔ ایرین یا زردشتی دین میں کواکب پرستی کے ساتھ ساتھ آتش پرستی بھی عبادت کا جزو لاینفک تھا۔ ہندو دھرم میں مخلوق پرستی، دیوتا پرستی، ہیرو پرستی اور بت پرستی رواج پذیر تھی۔ بدھ مت میں انسان پرستی اور صنم پرستی روز بروز ہوئی اب ذرا ان مذاہب پر بھی ایک اجمالی نظر ڈال لیجئے جو خدا پرستی کے مدعی ہیں کہ کہاں تک انہیں پرستش کرو گا رہے۔ کیا واقعی اُن کی عبادت ریاضت اس قابل ہے کہ اسکو پرستش الٰہی کہہ سکیں یا محض زبانی جمع خرچ ہے۔ خدا پرستی کے دعوی کرنے والے یعنی اہل کتاب تین مذہب خیال کئے جاتے ہیں۔ یہود، عیسائی، مسلمان۔ ہم ہر ایک کی حالت علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ ذیل کے مضمون میں ہم بانیانِ مذہب کی ذات یا تعلیم و اقوال پر کوئی حملہ نہیں کرینگے۔ کیونکہ ہمارے عقیدہ میں یہ ہستیاں صادق تھیں اور خدا کے بھیجے ہوئے سچے نمائندہ تھے۔ گناہوں سے معصوم تھے۔ ہم صرف اُن کے بگڑے ہوئے طریق مذہب سے بحث کرنی چاہتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ خدا پرستی ان تینوں میں سے کس میں بحالہ

باقی ہے اور کس کا طریق عبادت بُت پرستی اور شرک کی آلائشوں سے پاک ہو سُنیئے
خدا پرستی یا نظام خدا پرستی کے پانچ ارکان ہیں۔ توحید، رسالت، اوامر، نواہی، سزا جزا
توحید تمام مبدأ و معاد کا مرکز ہے۔ اور مبدء و معاد مخلوق کے آغاز و انجام کا نام ہے
رسالت ایک قدرتی مشعل ہے جو مبدء و معاد کی تاریکی دور کرتی ہے اور اس کا نورانی
جلوہ دکھاتی ہے۔ یہی نور و ظلمت اوامر و نواہی ہیں جن سے مبدء و معاد کا سلسلہ قائم ہے
(۱) مذہب یہود اپنے اندر پانچوں ارکان موجود ہونے کا مدعی ہے۔ یہودی کہتے ہیں
کہ ہم میں خالص توحید ہے۔ ہمارے رسول حضرت موسیٰ ع ۱۵۷۱ء قبل مسیح میں پیدا ہوئے
اور اوامر نواہی اور جزا سزا کے احکام تعلیم کئے۔ خدا تعالیٰ کی توحید خالص پھیلائی ہمارے
لئے مذہبی کتاب تورات کا نسخہ سبعینیہ چھوڑ گئے اور خود پردہ پوش ہو گئے۔ میں
کہتا ہوں یہ ٹھیک ہے کہ حضرت موسیٰ نے خدائے واحد کی پرستش کا اعلان کیا
بُت پرستی کے خلاف جہاد کیا۔ نماز کو ذریعۂ عبادت قرار دیا۔ صحیح اعمال و عقائد کی تعلیم دی
لیکن میں پوچھتا ہوں کہ ۴۹۵ء قبل مسیح کے پیدا شدہ نبی یعنی حضرت عزیر کو آپ کیوں
خدا کا بیٹا کہتے ہیں؟ آخر اس توحید شرک آمیز کا کیا ثبوت ہے؟ یہ خدا پرستی ہے یا پیغمبر پرستی؟
حضرت عزیر بیشک خدا کے نبی تھے لیکن خدا کے بیٹے تو نہ تھے۔ کیا خداوند تعالیٰ تمام
نقائص اور صفات نقصان سے بری نہیں ہے یہ توحید میں تثنیہ کیسا۔ کیا آپ کی نماز موحدانہ
ہے یا مشرکانہ؟ پھر نماز میں سجدہ کرنے سے آپ کیوں عار ہے۔ کیا خدا کے سامنے
جبہہ سائی گناہ ہے۔ کیا سجدہ انتہائی عاجزی کی علامت نہیں ہے۔ پھر کیوں خدا کے
سامنے عاجزی کرنے سے آپ کو عملاً انکار ہے۔ اچھا یہ بھی سہی لیکن خدا کے سامنے
جھکنے سے اور رکوع کرنے سے آپ کے لیے کونسی چیز مانع ہے۔ آخر نماز میں رکوع کیوں
نہیں کرتے۔ کیا تورات کے اُن نشتر مواعظ میں جو حضرت موسیٰ نے فرمائے تھے نماز
بغیر رکوع و سجود کے تھی۔ کیا کتاب عزرا ثانی باب ۲۔ آیت ۱۴ میں آپ کو سجدہ اور
رکوع کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کی وہ اصلی کتاب کیا ہوئی جس کی
حضرت موسیٰ نے آپ کو ہدایت کی تھی۔ یہ حضرت عزیر کی مرتب کردہ توریت کو آپ نے کیوں
دستور العمل بنا لیا۔ ہاں ہاں ٹھیک ہے آپ کے حضرت عزیر خدا کے بیٹے تھے موسیٰ
سے افضل تھے یہ نماز بھی اُنہی کی ہے خدا کی نہیں۔

(۲) عیسائی مذہب بھی مدعی ہے کہ نظام خداپرستی کے ارکان خمسہ بیرے اندر موجود ہیں۔ توحید بھی۔ رسالت اور اخیر اجزا بھی۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ آپکی مذہبی کتاب کہاں ہے؟ کیا بقول فارلانگ یہ انجیل ۱۷۵ء میں بنی ہوئی نہیں ہے۔ یہ بھی ہاں سہی لیکن یہ تو بتایئے کہ آپنے توحید کی نجزی کیوں کر دی۔ آخر ایک خدا کو تین حصوں میں کیوں بانٹ دیا۔ باپ، بیٹا، روح القدس یہ تینوں کہاں سے پیدا ہو گئے۔ خالق و مخلوق کے تعلقات ایک دوسرے میں کیوں غائب کر دیئے گئے۔ کیا خدا مادہ اور مادیات سے منزہ نہیں ہے۔ کیا حضرت مسیحؑ نے تم کو یہی تعلیم دی تھی۔ کیا حضرت عیسےٰؑ کے دونوں حواریوں نے تم کو یہی بتایا تھا کہ بجائے خدا کے مسیح کی پرستش کرنا۔ اور نماز میں نہ قیام کرنا نہ رکوع کرنا۔ درحقیقت یہ نظام خداپرستی نہیں بلکہ نظام خود پرستی ہے۔ قدرتی مشعل کی روشنی کو آپنے چھپا دیا اور بجائے توحید کے تثلیث ، بجائے رسالت کے ابوت نبوت کے قائل ہو گئے۔ آپ کی اس نماز میں نہ اخلاص ہے نہ سچائی۔ نہ توحید نہ صفائی قلب۔ نہ روح میں روشنی اور نہ حواس میں یکسوئی اور نور۔ اگر آپ سے دریافت کیا جائے کہ کس کی عبادت کرتے ہو اور کیا طریقہ عبادت ہے تو آپ نہیں بتا سکتے۔ صرف اس قدر ظاہر کر سکتے ہو کہ آدمی نما خدا کی پرستش ہماری اصلی غرض ہے۔ یہ انسان پرستی بلکہ بت پرستی نہیں تو اور کیا ہے۔

(۳) **مسلمان** ۔ درحقیقت یہ فرقہ ہے جو خالص توحیدی رنگ میں خدا کی پرستش کرتا ہے اُس کی عبادت میں محو ہو جاتا ہے۔ دست لبستہ اُس کے سامنے کھڑا بھی ہوتا ہے اور جھکتا بھی ہے۔ جبہہ سائی بھی کرتا ہے اور ادب و تہذیب سے اُس کے سامنے بیٹھ بھی جاتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ خدا ایک ہے مگر تعداد سے خارج قادر ہے مگر روح و جان کی مدد سے نہیں۔ گویا ہے بغیر زبان کے۔ سنتا ہے بغیر کانوں کے۔ دیکھتا ہے بغیر آنکھوں کے۔ عالم ہے بعلم حضوری جسکو استدلال کی ضرورت نہیں۔ رازق ہے بغیر احتیاج کے۔ اپنے افعال وایجاد میں با اختیار ہے مجبور نہیں۔ اپنی صنعت میں حکیم ہے۔ ازلی ہے اُسکی ابتدا نہیں۔ ابدی ہے اُسکی انتہا نہیں۔ لاشریک لہ وناملک الا اللہ۔ تمام صفات کمال سے متصف ہے عیوب سے پاک ہے

نقصان سے منزہ ہے۔ جوہر نہیں، عرض نہیں، کل نہیں، جز نہیں، صورت نہیں حیثیت نہیں، کیفیت نہیں، کوئی ہیئت نہیں، اصل نہیں، فرع نہیں، بیٹا نہیں، باپ نہیں۔ لاالٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ۔ ہر جگہ اُس کا پرتو اور ہر مقام پر اُس کا ظہور ہے۔ نور میں، ظلمت میں، سورج میں، چاند میں، آسمان میں، زمین میں، بہار میں، خزاں میں، گرمی میں یا جاڑے میں، سب میں اُسکی ضیا پاشیاں ہیں۔ وہ بیشک مسجود لہٗ ہے۔ انسانی ادراک سے اُس کی حقیقت خارج ہے۔ مگر انسان اُسی غائب خدا کی بلاواسطہ پرستش کرتا ہے کیونکہ تمام دنیا سے انسان افضل ہے ہر مخلوق انسان سے کم درجہ پر ہے پھر کیوں غیر اللہ کی پرستش کیجائے اور کیوں کسیکو ذریعہ عبادت قرار دیا جائے۔ عبادت درحقیقت مسلمان کی عبادت ہے۔ اور نماز مسلمان کی نماز۔ اور تمام طریقے ہیچ ہیں۔ اسکی نماز کا کوئی حصہ دینوی و دینیوی، مادی اور روحانی منافع سے خالی نہیں۔ پاکیزگی اخلاق، صفائی قلب، صحت جسمانی، روشنی روح، تعمیل حکم الٰہی، درستگی افعال، سب اس کی نماز کے اندر مضمر ہیں۔ میں نماز کے ہر حصے کو علیحدہ علیحدہ بیان کردوں گا مگر سب سے پہلے میں تعیین قبلہ کی وجہ ظاہر کرنی چاہتا ہوں۔ کیونکہ اکثر مخالفین اسلام اعتراض کیا کرتے ہیں کہ نماز میں مسلمانوں کا قبلہ رُخ کھڑے ہوکر اُس طرف سجدہ کرنا بت پرستی سے خالی نہیں اور خدا تعالیٰ ہر کہیں موجود ہے اور اُس کی کوئی خاص جہت اور سمت نہیں تو کعبہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھنے سے کیا فائدہ ہے اس بیے میں لکھنا چاہتا ہوں کہ اس قبلہ رُخ کھڑے ہوکر نماز پڑھنے میں چند حکمتیں ہیں:

وجہ تعیین قبلہ (۱) خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں مرحمت فرمائی ہیں۔ ایک قوت عقلیہ ہے اس کا کام صرف یہ ہے کہ اُن چیزوں کا علم و ادراک کرے جو غیر مادی یا مجرد ہیں یعنی جسم و جسمانیت سے بری ہیں مثلاً فرشتوں کا علم اور دیگر عام قوانین کا ادراک۔ دوسرے قوت خیالیہ ہے اس کا کام صرف محسوسات اور قابل احساس چیزوں کا سمجھنا اور ادراک کرنا ہے اور اکثر موخرالذکر قوت اول الذکر قوت کو مدد پہنچایا کرتی ہے مثلاً ایک انجنیئر کو شکل مثلث کی تعریف سمجھانی ہے تو وہ سمجھانے کے لئے کوئی سہ گوشہ معین چیز لیکر سمجھاتا ہے کہ مثلث کل کے تینوں زاویے ایسے ہوتے ہیں اور قاعدے اس طرح ہوتے ہیں جیسے اس شکل میں ہیں۔ اسی طرح جب بندہ خدا تعالیٰ کے حضور میں

بوقت عبادت حاضر ہوتا ہے تو اُس ذات مقدس کے لیئے جو جسم اور عوارض جسم سے
پاک اور احاطۂ حس وخیال سے باہر ہے کوئی محسوس چیز ہونی چاہیئے جو اُسکی تجلیات کا
مظہر اور اُس کے جمال کا آئینہ ہو اور یہ بھی ضرور تھا کہ اس محسوس چیز کی نہ پرستش کیجائے
نہ ذریعہ عبادت قرار دیا جائے اور نہ اس میں کسیطرح کی ہمنیت کی رنگینی ہو یہ محسوس چیز
خانہ کعبہ ہے جو عالم ملکوت میں بیت المعمور کا نمونہ اور عالم ناسوت میں رئیس الموحدین حضرت
آدم علیہ السلام کی عبادت گاہ اور جلوۂ الٰہی کی کرسی ہے جیساکہ توریت سفر استثنار
میں ہے کہ خدا فاران یعنی مکہ کے پہاڑ سے جلوہ افگن ہوا یہی آفتاب دین محمدی کا سرچشمہ
اور یہی دولت اہل اسلام کا اصلی منبع ہے مسلمان نہ اس کو ذریعۂ عبادت جانتے ہیں۔ نہ صنم۔
نہ مسجود۔ صرف جہت عبادت خیال کرتے ہیں اور وہ بھی عذر کے وقت ساقط ہو جاتی ہے۔
اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ سجدہ ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں ۞ (غالب)

(۲) یہ تو ظاہر ہے کہ اجتماعی حالت انفرادی حالت سے قوی ہوتی ہے دو کی
طاقت ایک کی طاقت سے زائد ہوتی ہے۔ دیکھئے ایک بال میں وہ طاقت نہیں جو بیس
تیس پچاس کو ملا کر رسی بٹنے سے ہوتی ہے۔ یہ تو دنیا کی ہر چیز کا عام قاعدہ ہے کہ مجموعی
طاقت ایک کی طاقت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ اسیطرح انسان اور خصوصًا اہل ایمان کیحالت
عبادت کیوقت ہوتی ہے کہ پرستش الٰہی کے وقت ان کا اجتماع خداوندی تجلیات وانوار کا
ایک آئینہ عکس ریز ہوتا ہے۔ اسی اتفاق کی بدولت اسلام شروع آغاز تا کھوڑے سے دنوں
میں ابر رحمت بن کر دنیا پر چھا گیا اور اسی کی برکت سے نا فرمان بادشاہوں کی سرسبز
سلطنتیں دینداروں کے ہاتھ آگئیں۔ اسی لیئے نماز با جماعت مقرر کیگئی کہ اہل محلہ میں اتفاق
پیدا ہو جمعہ اور حج کی بھی یہی حکمت ہے کہ اہل شہر اور روئے زمین کے دینداروں کا
میل جول ہو۔ جب نماز میں باہم اتحاد و اتفاق ایک ضروری امر تھا تو اس کے لیئے ایک
سمت کا مقرر ہونا بھی ضروری تھا کیونکہ ظاہری اختلاف سے باطنی اختلاف پیدا ہوتا ہے
اور یہ جہت سوائے کعبہ کے اور کوئی ہو نہیں سکتی کیونکہ یہی اسلام اور مسلمانوں کا سرچشمہ
ہے۔ یہیں سے ہادی برحق نے آفتاب ہدایت کی تمام عالم پر ضیا پاشیاں کیں۔

(۳) نماز کی روح سکون و اطمینان قلبی ہے اور یہ اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے

کہ لوگ اِدھر اُدھر التفات نہ کریں اور ایک مقررہ جہت کو سب التزام کے ساتھ منہ کرکے عبادت کریں اس لیئے نماز میں ایک خاص سمت مقرر ہوئی۔

(۴) بہت صاف بات ہے اور حقیقت شناس دماغ رکھنے والوں کے نزدیک بالکل محل اعتراض نہیں کہ جس ہادی نے تمام دنیا کی عبادتوں شرک آمیزیوں اور مخلوق پرستیوں سے اپنی طریق عبادت کو خالص کرنا چاہا اور ایک روشن اور واضح مسلک قائم کیا اُس کے لیے ضرور تھا کہ وہ اپنی اُمت کے رُخ کو بھی ایسی سمت کی طرف پھیرے جسمیں روحانی قوتوں کو جوش ہو۔ ہر ایک مسلمان کو یقین ہے کہ مکہ میں بیت اللہ کو توحید کے بڑے واعظ نے تعمیر کیا اور آخری زمانہ میں اُسی کی اولاد میں سے ایک کامل نبی نے ایک مکمل شریعت لاکر اُس پہلی تعلیم کو پھر زندہ اور کامل کیا پس مسلمان نماز میں جب اُدھر رُخ کرتے ہیں تو یہ تمام تصورات آنکھوں میں پھر جاتے ہیں اور اُس مُصلح اعظم کی تمام خدمات اور جانفشانیاں جو اُس نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیئے کیں یاد آجاتی ہیں اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ قبلہ کی ضرورت نماز کے لیے کیا ہے اور قبلہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے میں اور دیگر صنم پرستی اور آتش پرستی میں کیا فرق ہے۔ اب ہم فضائل و مصالح نماز کو دو حصوں پر تقسیم کرتے ہیں (۱) عقلیہ (۲) نقلیہ

چونکہ ذکر الٰہی تین طرح سے ہوتا ہے۔ اوّل زبان سے اُسکی حمد و ثنا کرنی۔ دوسرے دلی ذکر یعنی اپنے تمام باطنی لطائف اور اور اکی قوتوں کو خدا تعالیٰ کیطرف متوجہ کر دینا اور اس قدر محو ہو جانا کہ انسان اپنے آپ کو بھی بھول جائے تیسرے ہاتھ پاؤں سے ذکر الٰہی کرنا یعنی ہاتھ پاؤں سے اُس کے احکام کی تعمیل کرنی۔ ہم پہلے اخیر حصہ کو شروع کرتے ہیں۔ اور ہر ایک کو بالتفصیل بیان کرتے ہیں۔

عبادت کے لئے تخصیص اوقات کا فلسفہ

(۱) تغیر اوقات اور تبدیل حالات سے جسمانی تبدیلیوں کا مشاہدہ بالکل ظاہر ہے۔ اسی طرح تغیر اوقات کے ساتھ اس پر روحانی تبدیلیاں بھی واقع ہوتی رہتی ہیں اور جیسا ان تغیر اوقات کا اثر انسان کے جسم پر پڑتا ہے ایسا ہی اُسکی روحانیت پر بھی ایک مخصوص اثر ہوتا ہے۔ تبدیل اوقات و حالات کے بعض دوروں کا وقت تو روزانہ

ہوتا ہے اور وہ روزانہ پانچ نمازوں کے اوقات ہیں اور بعض اوقات کا دورہ ہفتہ کے دور کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ جمعہ کا روز ہے۔ بعض اوقات کا دور سال کے دور کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ رمضان شریف اور عیدین ہیں۔

(۲) لوگوں کے اعمال کا درگاہ الٰہی میں دوشنبہ اور پنجشنبہ کو پیش ہونا جو احادیث نبویہ میں مذکور ہے اور رمضان میں قرآن کریم کا نازل ہونا خصوصیت اوقات اور انسانی حالات کی بعض مخصوص فضیلتوں کیطرف اشارہ ہے۔

(۳) جیسا کہ جسم کی حفاظت کے لئے بطور حفظ ماتقدم مختلف دوائیں اور غذائیں حسب مناسبت وقت تجویز طبیب استعمال کیجاتی ہیں ایسا ہی روحانیت کی حفاظت کے لئے احکام الٰہی کی بجا آوری بمناسبت اوقات معینہ کی کیجاتی ہے۔

(۴) نماز کے لئے وقت کا مقرر کرنا ضروری ہے کیونکہ وقت کے تعیین سے انسانوں کے دلوں کو خدا کی طرف توجہ رہتی ہے اور جمعیت خاطر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ جھگڑا نہیں رہتا کہ ہر شخص اپنی رائے پر چلے کیونکہ جس امر کی کوئی خاص تعیین نہ ہو اسمیں ہر شخص اپنی رائے کو دخل دینا چاہتا ہے خواہ اُس میں نقصان ہو یا فائدہ۔

(۵) اگر عبادت کے لئے اوقات مقرر نہ ہوتے تو اکثر لوگ تھوڑی سی عبادت کو زیادہ خیال کرتے جو بالکل غیر مفید اور رائگاں ہوتا۔ تعیین اوقات میں یہ بھی ایما ہے کہ اگر کوئی شخص ان اوقات کی پابندی سے آزاد رہنا چاہے اور ان کے ترک کر نیکے حیلے حوالے کرے تو اُس کی گوشمالی ممکن ہو سکے۔

(۶) حکمت الٰہی کا اقتضا ہوا کہ انسان کو زمانہ کے ہر ایک محدود حصہ کے بعد نماز کی پابندی کا اور اس کے لئے تعیین وقت کا حکم دیا جائے تاکہ نماز سے قبل اس کا انتظار کرنا اس کے لئے تیار رہنا اور نماز کے بعد اس کے نور کا اثر اور اسکے رنگ کا بقا بمنزلہ نماز ہی کے ہو جائے اور غفلت کے اوقات میں خدا تعالیٰ کا ذکر مد نظر رہا کرے اور اس کی اطاعت میں دل ہمیشہ آویزاں رہے۔ اسمیں مسلمان کا حال اس گھوڑے کی طرح رہتا ہے جسکی اگاڑی پچھاڑی بندھی ہوتی ہے ایک دو دفعہ کودتا ہو اور پھر بے بس ہو کر رہجاتا ہو اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں کی سیاہی بھی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی

(۷) تقرر اوقات خمسہ میں پابندی اوقات کی ہدایت ہے اور اس بات کی طرف

ایک لطیف اشارہ ہے کہ انسان کو کسی ضروری کام میں تاخیر کرنی چاہیئے اور ایک وقت کا کام دوسرے وقت پر نہ اُٹھا رکھنا چاہیئے۔ لا تؤخر عمل الیوم الی غد آج کا کام کل پر نہ چھوڑو۔

پنجگانہ اوقات کے تعین کی وجہ

خداتعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے پنجگانہ اوقات کی خصوصیت کی فلاسفی اور حقیقت سمجھانے کے لیئے اوقات خمسہ کے اوصاف موثر کی طرف توجہ دلائی ہے ارشاد ہوتا ہی فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ○ یعنی شام صبح، پچھلے وقت اور دوپہر کو خدا کی یاد کا وقت ہے اور زمین و آسمان میں اسوقت خدا کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔

اِس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ان اوقات میں آسمان و زمین کے اندر تغیرات عظیمہ واقع ہوتے ہیں جنکی وجہ سے خداتعالیٰ کی تسبیح و تحمید کا موقعہ آتا ہے اور ان تغیرات کا اثر انسان کے جسم و روح دونوں پر واقع ہوتا ہے الغرض پنجگانہ نمازیں کیا ہیں۔ انسان کے مختلف حالات کا فوٹو ہیں یعنی انسان کے حالات میں پانچ تغیر رونما ہوتے ہیں اور فطرت انسانی کے لیئے ان کا واقع ہونا ضرور ہے تفصیل ذیل میں درج ہے:۔

وجہ تعیین نماز ظہر

تم کو جبوقت اطلاع ملتی ہے کہ تیر کوئی مصیبت یا بلا آنے والی ہے مثلاً عدالت سے وارنٹ جاری ہونے والا ہے اکوئی مالی خسارہ یا جانی نقصان ہونیوالا ہے تو تم فوراً پریشان حال ہوکر چاہتے ہو کہ کسی نہ کسی طرح یہ بلا سر سے ٹلجائے تو اچھا ہے۔ انسان کی یہ مصیبت کی حالت زوال کے مشابہ ہے کیونکہ اس سے خوشی کے زوال پر استدلال کیا جاتا ہے۔ آفتاب انتہاءِ ترقی پر پہنچ کر آہستہ آہستہ انحطاط کی طرف مائل ہونے لگتا ہے۔ دن کی ترقی ختم ہوکر کمزوری شروع ہوجاتی ہے اس لیئے اسوقت ظہر کی نماز مقرر کی گئی جسکا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے تاکہ جس کے قبضہ میں وہ زوال ہے اُس کی قدرت کو یاد کرکے اُسی کیطرف توجہ کیجائے۔ آنحضرتؐ نے زوال کی ساعت کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اسمیں آسمان کے دروازے کُھلتے ہیں اس لیئے میں پسند کرتا ہوں

فطری تغیرات کو ملحوظ رکھکر پانچ نمازیں مقرر کی ہیں اور ہر ایک انقلابی حالت کے مناسب ایک وقت خاص نماز کا مقرر کیا ہے۔ یہ ہے اوقات نماز کی تعیین کا فلسفہ اور یہ ہے مسلمانوں کی نماز کی ظاہری حکمت۔

نماز میں دست بستہ کھڑے ہونے کا فلسفہ۔ نماز میں دست بستہ کھڑے ہونے میں اظہار سوال و احتیاج اور اقرار عجز و نیاز و زاری کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کیونکہ نماز شعائر الٰہی میں سے ہے اس لئے اس میں مقصود شاہی غلاموں کی اس حالت سے مشابہت ہے جبکہ وہ حضور شاہی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور چونکہ دربار شاہی میں عاجزانہ درخواست کیجاتی ہے اسی طرح یہاں بھی دعا کرنے اور طلب ہدایت کرنے سے قبل حمد الٰہی کیجاتی ہے اور اسی لئے نماز میں ایسی ہیئتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں جو مناجات کے وقت سلاطین کے سامنے اختیار کیجاتی ہیں۔ چنانچہ تمام ہاتھ پاؤں سمیٹ لئے جاتے ہیں اور کسی قسم کی بے توجہی نہیں کیجاتی از سر تا پا مؤدب ہو کر دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دست بستہ کھڑا ہونا قانون فطرت اور تہذیب ادب کے موافق ہے۔

نماز میں ادھر اُدھر نہ دیکھنے کا فلسفہ آنحضرتؐ ارشاد گرامی ہے کہ "جس وقت بندہ نماز میں رہتا ہے خدا تعالیٰ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ بشرطیکہ ادھر اُدھر نہ دیکھے اگر ادھر اُدھر دیکھتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی طرف متوجہ نہیں رہتا۔" مطلب ہے کہ جب بندہ جب خدا کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو خدا بھی اسکی طرف توجہ رحمت فرماتا ہے اور بخشش کا دروازہ اس کیلئے کھولدیتا ہے اور بندہ جب اعراض کرتا ہے تو عذاب الٰہی کا مستحق بن جاتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ انسان جب کسی دنیوی امیر یا بادشاہ کے دربار میں جاتا ہے تو ادھر اُدھر نہیں دیکھتا نہ کسی اور سے کلام کرتا ہے نہ کوئی اور نامناسب کام کرتا ہے پھر خدائے احکم الحاکمین کے دربار میں یہ امور کس طرح جائز ہو سکتے ہیں۔ حضور اقدس کا ارشاد ہے:"اگر کوئی شخص نماز کو کھڑا ہو تو ٹھیکریوں کو بھی صاف نہ کرے کیونکہ رحمت الٰہی اس کے روبرو ہوتی ہے"۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے:"نماز میں لوگوں کا کوئی کلام درست نہیں۔ نماز میں صرف تسبیح تکبیر اور قرآن پڑھا جاتا ہے"۔

نماز میں رکوع و سجود کا فلسفہ (۱) رکوع و سجود درحقیقت ان دونوں حالتوں

پردلالت کرتے ہیں جو بندہ کو سوال اور مژدہ کامیابی کے وقت ہونی چاہئیں جسطرح دنیوی حکام کے سامنے انسان سوال کے وقت تعظیماً جھک جاتا ہے اور گذشتہ زمانہ میں تو سجدہ کرنے کا رواج تھا۔

(۲) جب احکم الحاکمین کا پروانہ یعنی قرآن کریم پڑھا گیا تو امتثال اوامر اور تعمیل حکم کے لئے جھکنا اور جبہ سائی کرنا جو طاعت و فرمان برداری پر دلالت کرتے ہیں ضروری اور لازمی ہے کیونکہ دنیا کا معمولی مروجہ قاعدہ ہے کہ جب حکام کی طرف سے رعیت کو حکمنامہ آتا ہے اور انکو پڑھکر سنایا جاتا ہے تو اس حکمنامہ کی اطلاع پانی پر اطاعت کا ایک نمونہ ظاہر کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اسی طرح رکوع و سجدہ خدا تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت پر وال ہیں جو ان کو پڑھکر سنایا جاتا ہے۔

جماعت و امامت کا فلسفہ دنیا میں ہر چیز اور ہر فعل کا وجود بغیر توسط و اعتدال کے نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کو اس عالم کی ہر چیز میں اعتدال منظور ہے اور اشیاء میں اعتدال جب ہی قائم رہ سکتا ہے کہ ان میں اتحاد اور وحدت کا رابطہ قائم ہو پس خدا تعالیٰ نے شریعت و عبادت کے اندر وحدت و اتفاق کو جماعت و امامت کی شکل میں نمودار کیا۔ نظام شمسی کو کہ خدا تعالیٰ نے تمام چھوٹے چھوٹے ستاروں کو آفتاب کے ماتحت بنایا اور سارے اجرام صغیرہ پیدا کر کے سب کا امام اعظم سورج کو قرار دیا۔ الغرض عالم اجسام کے تمام سلسلے آفتاب تک بتدریج پہونچتے ہیں۔ پس جو شکل خدا تعالیٰ نے قانون قدرت اور نظام فطرت میں پیدا کی وہی صورت عالم شریعت میں جماعت و امامت کی شکل میں ظاہر کی تاکہ انسانوں میں باہم اتفاق و اتحاد ہو کیونکہ اتفاق و اتحاد ہی سے دنیا کا قیام ہے لہذا جس طرح عالم اجسام میں ہر وقت ایک امام کی ضرورت رہتی ہے اسی طرح عالم روحانیت کے قیام کیلئے کسی روحانی امام مقرر کرنے کی ضرورت ہے اور اس امامت کا سلسلہ بتدریج قائم کیا گیا۔ اولاً انبیاء و رسل پھر ان کے خلفاء پھر دینی علماء۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اسکے برخلاف عمل کرتا ہے اور جماعت کا قائل نہیں وہ مرتبہ اعتدال کو ترک کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت اور عالم شریعت سے خارج ہو کر باغی ہو جاتا ہے۔

اسرار صلوٰۃ

فحش باتوں سے کونسی نماز روکتی ہے؟

برائیوں اور فحش باتوں سے کونسی نماز روکتی ہے؟ جس طرح نماز کے ظاہری

ساتوں ارکان حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہیں اسی طرح ان کے اندر خاص خاص اسرار اور لطائف ہیں جن کو حقیقت رس دماغ اور چشم بصیرت رکھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں چنانچہ ذیل میں ہم ان کا بیان کرینگے مگر سب سے پہلے یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ کونسی نماز برائیوں اور فحش باتوں سے روکتی ہے اور کونسی نماز الٹ کر منہ پر ماردیجاتی ہے۔ کیونکہ اس نماز سے انبیاء اور اولیاء کو درجۂ قربت الٰہی حاصل ہوا کامل ایمانداروں کیلئے یہی معراج ہے۔ رسول اکرم صلعم کی آنکھ کی ٹھنڈک اسی نماز میں تھی اور یہی نماز پڑھکر ہزاروں بدکار گناہگار معصیت الٰہی میں ترقی کرتے ہیں اور طرح طرح کے فسق و فجور میں مبتلا ہیں ان دونوں میں کیا فرق ہے اور حقیقی نماز کونسی ہے؟

رسول اکرم صلعم کا ارشاد گرامی ہے انما الاعمال بالنیات یعنی تمام افعال و اعمال کی درستگی اور ثواب کا مدار دلی نیت اور ارادہ پر ہے کیونکہ نیت دلی ارادہ کا نام ہے اور جو افعال دل کے تابع ہیں یا دل سے ان کا تعلق ہے وہ بغیر نیت و ارادہ کے نہیں پیدا ہو سکتے اب اگر نیت نیک ہے تو سب افعال ٹھیک ہوں گے اور نیت بد ہے تو تمام اعمال بد ہونگے خواہ ظاہر میں اچھے ہی معلوم ہوں اور چونکہ ارادہ دل کا فعل ہے اسلئے ارادہ کا اچھا برا ہونا دل کی اصلاح و خرابی سے تعلق رکھتا ہے اور دل ہی کے نیک بد ہونے پر موقوف ہے حضور نے ارشاد فرمایا" انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا یعنی دل ہے اگر یہ ٹھیک ہوتا ہے تو تمام بدن ٹھیک ہوتا ہے۔ اور یہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن میں خرابی نمودار ہوجاتی ہے" معلوم ہوا کہ افعال کی اچھائی برائی اسی دلی ارادہ کی اچھائی برائی پر موقوف ہے۔ رہی یہ بات کہ ارادہ کونسا اچھا ہے اور کونسا برا اور دل کی اصلاح کس بات سے ہوتی ہے؟ اس کے لئے جاننا چاہیئے کہ ارادہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ اول وہ ارادہ جس کو ارادۂ خالص کہنا چاہیئے۔ دوسرا ارادہ جس کو ارادۂ مشترک کہہ سکتے ہیں۔ ارادۂ خالص سب نیکیوں کی جڑ اور سب بہترین اخلاق کا سرچشمہ ہے۔ اور ارادۂ مشترک تمام بد اخلاقیوں، گناہوں اور خطاؤں کی اصل اور کل برائیوں کا خزانہ ہے۔ ارادۂ خالص اور ارادۂ مشترک کے فرق کے لئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ آدمی کے دل کے درمیان اور دیگر اجزاء بدن مثلاً ہاتھ پاؤں ناک کان آنکھ و دماغی حواس کے درمیان ایک ایسا تعلق اور کشش ہے کہ ایک کا اثر دوسرے پر اثر انداز ہی سے خالی نہیں رہتا۔

جب ایک پر کسی طرح کا کوئی اثر ہوتا ہے تو دوسرا اس سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ مثلاً
دل سے ہمیشہ کان ناک ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کو ایک قوت اور مدد پہنچتی ہے اور اس مدد کی
وجہ سے یہ اعضاء برابر اپنے اپنے افعال کی تکمیل میں سرگرم رہتے ہیں۔ اسیطرح دل پر بھی
اعضاء کی طرف سے ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ انسان آنکھ کے ذریعہ سے مختلف رنگوں کو
دیکھتا ہے۔ ناک سے خوشبو یا بدبو سونگھتا ہے۔ کان سے اچھی بری آوازیں سنتا ہے اور اس سے دل میں
نفرت یا خواہش کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ دلکش رنگ، اچھی خوشبو اور گلوسوز آواز کی طرف
دل کو رغبت ہوتی ہے اور اس سے ایک خاص فرحت پیدا ہوتی ہے اور اسکے خلاف سے
نفرت اور ایک کبیدگی نمودار ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح دل کی قوت تمام بدن
میں اثر کرتی ہے اسیطرح اجزاء بدن کا بھی اثر دل پر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تمام
خواہشات نفسانیہ جب غالب آجاتی ہیں تو دل پر اثر ضرور کرتی ہیں اور دل کو اس بات پر
آمادہ کر دیتی ہیں کہ نفس کے میلان کے موافق دل میں ارادہ پیدا ہو اور اس سے
ان خواہشات کی تکمیل ہو۔ یہ ارادہ جو خواہشات نفسانیہ کی اثر اندازی سے پیدا ہوتا ہے
ارادہ مشترک کہلاتا ہے۔ یہی باطل ارادہ ہے اور یہی شہوات نفسانیہ و خواہشات باطلہ
کی شرکت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا باعث مختلف نفسانی جذبات ہوتے ہیں جو دل میں
اپنے موافق ارادہ پیدا کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ارادہ خالص بھی ہوتا ہے
کیونکہ جسطرح اعضاء بدن دل کے فرمانبردار خادم ہیں اسیطرح دل روح کا مطیع حکم ہے
اور روح خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتی ہے کیونکہ روح کا تعلق عالم ملائکہ سے ہے اور فرشتے
تعمیل حکم الٰہی میں ہر وقت سرگرم رہتے ہیں کبھی حکم کی سرتابی نہیں کرتے۔ ارشادِ
باری ہے لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ تو جو ارادہ دل میں
روح کے القاء کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور نفسانی جذبات کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا
وہ بلاشک نیک اور درست ہوتا ہے اور حکم الٰہی کے موافق ہوتا ہے۔ یہی ارادہ خالص اور
ارادہ حق ہے۔ یہی ارادہ دل کی عبادت ہے۔ اور یہی وہ ارادہ ہے جس سے رضا و تسلیم و محبت
کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ لہذا جسوقت آدمی نماز کو کھڑا ہوتا ہے اور دل عبادت میں مشغول
ہو جاتا ہے۔ دل میں خالص ارادۂ حق پیدا کرتا ہے تو ساری نماز درست اور ٹھیک ہو جاتی ہے۔
تمام شرکتی اور نفسانی خواہشات کنارہ کش ہو جاتی ہیں۔ انسان کعبۂ مقصود یعنی

مرتبۂ کبریا حقیقی کا احرام باندھ لیتا ہے۔ تمام ماسوا اللہ سے قطع تعلق کرکے اور تمام عالم کے تعلقات سے ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہنے کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھاتا ہے۔ تمام نفسانی ارادوں اور خواہشات سوا اپنے ہوش کو پاک صاف کرکے خالص عبادت و رضاء الٰہی میں محو و مدہوش کر دیتا ہے۔ اس کے تمام باطل ارادے فنا ہو جاتے ہیں تجلیات حق کا ظہور ہوتا ہے اور اس طرح نماز پڑھ کر پھر کسی امر بد اور نافرمانی الٰہی کی جرأت نہیں ہو سکتی کیونکہ نفس اور اس کے جذبات روح کے تابع ہو جاتے ہیں اور ناممکن ہو جاتا ہے کہ کبھی خواہشات کو خصوص نیت پر غلبہ حاصل ہو۔ یہی نماز انبیاء و اولیا کی تھی اور اور اسی نماز سے بہترین ثمرہ کی امید کیجا سکتی ہے اور اسی کی طرف کلام پاک میں اشارہ ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔

قیام ہم نے مذکورۂ بالا سطور میں ثابت کیا ہے کہ نماز تمام برائیوں اور فحش کاریوں سے انسان کو روکتی ہے اور چونکہ نماز کے سات ارکان ہیں اور ساتوں ظاہری شکل میں بھی مصلحت پر مبنی ہیں اور باطنی صورت سے بھی بدکاریوں اور نافرمانیوں سے مانع ہیں لہٰذا ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کونسا قیام بدکاریوں اور برائیوں سے مانع ہے۔ خدا تعالےٰ نے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ۔ یعنی فروتنی اور عاجزی کیساتھ خاص خدا کے لئے نماز کو کھڑے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ خداوند حقیقی کے سامنے ہاتھ باندھکر پوری نیاز اور احتیاج کامل کے ساتھ کھڑے ہو اسکے حضور و شہود کے غلبہ میں محو ہو کر اپنے ظاہری و باطنی قیام کو اسکی طرف سے ہی خیال کرو۔ اس قیام فاعل اپنی طاقت و قوت کو نہ سمجھ بلکہ اسکی توفیق بھی اسی کی طرف سے یقینی خیال کرو۔ اپنے خیالات خواہشات بلکہ اپنی ہستی کے خیال سے خالی ہو کر اسی کی توحید میں ڈوب جاؤ اور یہ سمجھو کہ ہم خدا کو دیکھ رہے ہیں یا کم از کم خدا تو ہم کو ضرور ہی دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ مرتبہ قرب اور حالت مشاہدہ حاصل نہ ہو تو پھر جہاد نفسانی کرو۔ نفسانی خیالات اور دماغی جذبات کی مخالفت کرو۔ قرات لمبی پڑھکر قیام میں بہت دیر کرو تاکہ نفس کی پوری مخالفت ہو داہنیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھو کیونکہ اعمال خیر داہنی طرف سے تعلق رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ نیکیاں لکھنے والے فرشتے کی جگہ بھی داہنی طرف ہے۔ قیامت دن بھی داہنی طرف والے ایماندار ہوں گے اور بائیں طرف والے کافر۔ خدا کی حمد و ثنا دست بستہ کھڑے ہو کر کرو۔

اسی سے ہر کام میں مدد مانگو۔ توفیق عبادت بھی اسی کی طرف سے سمجھو۔ اگر تمکو عروج کا یہ مرتبہ حاصل ہو گیا تو خدا کی رحمت تمہارے شامل حال ہو جائیگی۔ روحانی ترقیاں نصیب ہونگی۔ اس کالبد خاکی کو بھی نظر کشفی سے اونچے اونچے مراتب دکھائی دیں گے نور ازل کی جلوہ پاشیاں ہونگی جس سے چہرۂ روح اور یہ صورت خاکی دونوں روشن ہو جائینگے۔ عبادت میں لذت آنے لگیگی اور پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ گناہوں کی کثافت اور نافرمانی کی تاریکیوں سے تم کو دلی نفرت ہو جائیگی اور کسی گناہ پر کبھی جرارت نہ ہوگی ایسا قیام تمام گناہوں سے روکنے والا ہے اور یہی انبیاء و صلحاء کا قیام ہے۔

قعود قعدہ بھی نماز کا ایک رکن ہے اور نماز کا آخری جزء ہے۔ قعدہ میں انسان کے دل میں سکون اور تمکین ہونی چاہیئے۔ دل کو ماسوا اللہ کے خطروں سے بالکل بٹھا دینا چاہیئے خدا کے حضور و شہود سے دل کو تسکین و آرام دینا چاہیئے۔ نہایت مؤدب بیٹھکر خدائے جل وعلا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے نماز صحیح طور پر پوری کرادی۔ اس سے نفس میں وقار اور کامل بردباری پیدا ہوگی۔ تمام احوال کے تغیرات سے نکلکر صرف تنزیہ باری تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیگا۔ تمام دنیا کی ہوسناکیوں اور ہوا پرستیوں سے دل بیٹھ جائیگا۔ مال حرام اور ایذا رسانی سے ہاتھ رک جائینگے۔ گناہ کی چال اور نافرمانیوں کے قیام سے پاؤں سمٹ کر بندھ جائینگے۔ نامحرم پر نظر بد پڑنے سے آنکھیں نیچی ہو جائینگی۔ فضول بکواس، غیبت اور جھوٹ سے زبان بند ہو کر خدائے قدوس کے شکر و ثنا میں جاری ہو جائے گی پھر کسی طرح گناہ کی ہمت نہ ہوگی اور انسان ارتکاب گناہ نہ کرسکیگا۔

رکوع خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ یعنی حکم الٰہی کی تعمیل میں پیٹھ جھکا دو۔ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی عظمت کے سامنے پست کردو۔ تمام مخلوقات کی عظمت اپنے دل سے دور کردو۔ تمام فرشتوں اور آسمانوں کو عبادت الٰہی میں جھکا ہوا سمجھکر اپنے آپ کو بھی ان کے ساتھ شریک کردو۔ دنیا کے با جبروت سرکش، بادشاہ نخوت پرست مغرور حسین اور جاہ و جلال والے امیروں کو عظمت الٰہی کے سامنے ہیچ سمجھو۔ نفس سرکش کتنا ہی غرور اور سرتابی کرے اور دنیا کی رنگینیاں کتنی ہی تمہارے سر کو اپنی طرف پھیرنا چاہیں مگر تم خدا کے سامنے سر جھکائے رکھو اور اس

گوشت کی زبان کے علاوہ روح کی زبان سے کہدو کہ سبحان ربی العظیم یعنی میرا پروردگار بزرگ و برتر تمام عیوب اور نقصانات سے پاک ہے اس نے مجھے پیدا کیا پالا پرورش کیا اور توفیق عبادت عطا کی۔ اسی کے سامنے سر جھکانا شایاں ہے۔ میں اس کی نافرمانی کی جرات نہیں کر سکتا۔ میں اس کی معصیت میں کمر بستہ نہیں ہو سکتا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ کہ حرام دولت، فانی حسن، زوال پذیر حکومت اور مغرور امیروں سے تمہارا دل بیزار ہو جائیگا۔ پرکاہ کی برابر دنیا کی وقعت تمہارے دل میں باقی نہ رہیگی اور بالآخر تم اللہ کے ہو جاؤ گے اور اللہ تمہارا۔

سجدہ بھی نماز کا سب سے بڑا اور اہم رکن ہے۔ نماز میں سجدہ کرو مگر مرغ کی طرح چونچ نہ مارو بلکہ معشوق ازلی کی قدمبوسی کی سعادت حاصل کرو۔ زمین پر نخوت بھری ہوئی پیشانی اور تکبر آلودہ ناک رگڑو اور دیر تک رگڑتے رہو عظمت الٰہی میں فنا ہو جاؤ اور خدائی جبروت کے سامنے اپنے تن بدن اور من کو عاجزی کی زمین پر دے پٹکو اور خوب سمجھ لو کہ یہ شاندار سر بفلک عمارتیں، یہ ریشمی حریری نرم و نازک پوشاک، یہ جسمانی رستمانہ طاقت اور یہ چمکدار نظر فریب حسن یوسف اسی خاک میں ملجائیگا۔ غرور کو سر سے اتار کر زمین پر ذلت و حقارت سے ڈالدو۔ کبریائے الٰہی کے سامنے اپنے کو کچھ نہ سمجھو اور زبان دل سے کہدو کہ سبحان ربی الاعلیٰ۔ یعنی میرا رب تمام دنیا کی بڑی سے بڑی چیز سے بھی بزرگ ہے تمام عیوب سے پاک ہے سب فانی ہیں وہ باقی ہے سب حادث ہیں وہ قدیم ہے۔ اس اقرار کے بعد تم پر تجلیات الٰہی کا ظہور ہوگا۔ تمہارا سر دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہو جائیگا۔ تمام دنیا تمہاری نظروں میں ذلیل اور بے وقعت ہو جائیگی۔

اب ہم نماز کے نفلی فضائل بیان کرنے چاہتے ہیں اور جسطرح حدیث میں ہر نماز کی کیفیت، طریقہ اور اس کا ثواب وارد ہوا ہے اس کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

نماز پنجگانہ کی فرضیت اور فضیلت

صاحب تمہیہ کا بیان ہے کہ پنجگانہ نماز کی فرضیت سے قبل دو وقت کی نماز ہر شخص پڑھتا تھا لیکن معراج میں جب خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو پانچ نمازوں کا حکم دیا تو اسوقت پنج وقتہ نماز ہر شخص کیلئے فرض ہوئی کیفیت فرضیت یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد

فرمایا ہے کہ شروع میں خدا تعالیٰ نے مجھ پر پچاس وقت کی نماز فرض کی لیکن میں حضرت موسیٰؑ کے پاس جس وقت واپس آیا تو انہوں نے مجھ سے دریافت کیا۔ آپ کی امت پر کیا عمل فرض کیا گیا؟ میں نے کہا پچاس وقت کی نماز۔ موسیٰؑ بولے آپ کی امت میں اتنی طاقت کہاں۔ میں بنی اسرائیل پر اس کا تجربہ کر چکا ہوں۔ آپ واپس جا کر کمی کی درخواست کیجئے۔ میں نے واپس جا کر خدائے ذوالجلال سے کمی کی درخواست کی۔ خدا تعالیٰ نے پانچ وقت کی نمازیں کم کر دیں لیکن حضرت موسیٰؑ پاس آ کر جب میں نے کیفیت بیان کی تو انھوں نے پھر پہلے قول کا اعادہ کیا۔ میں ان کے مشورے کے موافق دوبارہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوا اور کمی کی خواہش کی خدا تعالیٰ نے پانچ نمازیں اور کم کر دیں موسیٰؑ سے میں نے آ کر واقعہ بیان کیا انہوں نے پھر وہی پہلا اچھا مشورہ دیا۔ خلاصہ یہ کہ آخر میں پانچ نمازیں شب و روز میں باقی رہ گئیں اور خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص دن رات میں یہ پانچ نمازیں پڑھیگا اسکو پچاس نمازوں کا ثواب ملیگا۔ ہر نماز میں دس نمازوں کا ثواب ہے۔ اگر کوئی شخص صرف نیکی ہی کا ارادہ کرے گا اور نیکی اس سے ظہور پذیر نہ ہوگی تب بھی اس کو ایک نیکی کا ثواب ملیگا۔ اور اگر نیکی کر بھی لی تو دس ثواب ملیں گے باقی بدی اور گناہ کے ارادہ صرف کا کوئی مواخذہ نہیں۔ ہاں اگر کسی نے برائی اور گناہ کر لیا تو اسکو صرف ایک گناہ کی سزا ملیگی۔

حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے۔ منافقوں پر عشاء و فجر کی نماز سب سے زیادہ بار ہے اگر منافق ان نمازوں کے ثواب سے واقف ہوتے تو گھسٹ کر مسجدوں میں آتے۔

بریدہ اسلمی کی روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا جو لوگ رات کے اندھیرے میں مسجد کو جاتے ہیں انکو خوشخبری دیدو کہ قیامت کے دن چمکتا ہوا نور تمہارے لیے ہے۔

حضرت امام حسنؓ راوی ہیں حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ نمازی کے لیے تین فضائل ہیں (۱) اس کی سر کی مانگ تک آسمان سے برکت برستی ہے۔ (۲) فرشتے اسکے قدموں سے فضاء آسمان تک اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ (۳) ایک فرشتہ آواز دیتا ہے کہ اگر اسکو اپنا معاملہ معلوم ہوتا جو اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے تو نماز چھوڑ کر کسی جانب متوجہ نہ ہوتا۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ حضرت دانیال نبی نے رسول اللہ کی امت کی تعریف

کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ وہ لوگ ایسی پانچ نمازیں پڑھتے ہیں کہ جن کو اگر قوم نوح ؑ پڑھتی تو غرق نہ ہوتی۔ اگر قوم عاد پڑھتی تو ان پر آندھی نہ مسلط کیجاتی۔ اگر قوم ثمود ؑ پڑھتی تو چیخ سے بیہوش نہ ہو جاتی۔ بس جو شخص یہ پانچوں نمازیں ادا کرتا رہیگا خدا تعالےٰ اسکو بھی ہر تہوی مصائب و آفات سے بچائے رکھیگا۔

صاحب تنبیہ الجہال کا قول ہے کہ جو شخص ہمیشہ پانچوں نمازیں ٹھیک وقت پر پڑھتا رہیگا تو اسکو ۱۳ بزرگیاں عطا ہوں گی (۱) اسکے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جائیگی (۲) اس کی جسمانی صحت اچھی رہیگی (۳) فرشتے اسکی حفاظت کرتے رہینگے (۴) اسکے گھر میں برکت نازل ہوگی (۵) اسکے چہرے سے نیک بختی کے آثار ظاہر ہونگے۔ (۶) خدا تعالیٰ اسکو عذاب قبر سے محفوظ رکھیگا (۷) وہ پل صراط سے تیز ہوا کی طرح گذر جائیگا۔ (۸) خدا تعالیٰ اس کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیگا (۹) اسکو میزان کی سختی سے خلاصی ملیگی (۱۰) حضور اکرم صلعم اسکی شفاعت فرمائینگے (۱۱) رب العزت اس کو امرا کے سے تاج و خلعت عطا فرمائیگا (۱۲) خدا تعالیٰ اسکو ان لوگوں کے ساتھ رکھیگا جنکو نہ کچھ غم ہو نہ خوف (۱۳) خداوند تعالیٰ کے دیدار سے وہ فیض یاب ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں حضور ؐ کا ارشاد ہے نماز دین کا ستون ہے اور اسمیں دس عمدہ باتیں ہیں۔ (۱) دنیا و دین میں چہرہ کا نور (۲) علم او دیگر نیک کاموں میں دل کا سوز (۳) تمام بیماریوں سے بدن کی حفاظت (۴) خدا تعالیٰ کی رحمت نازل ہونیکا سبب اور عبادت کے آسمان پر پہنچنے کی کنجی (۵) قبر کی تاریکی میں مونس (۶) نیکیوں کے پلہ کا بھاری وزن (۷) بہشت میں حوروں، محلوں اور میوہ جات کے حصول کا سبب (۸) دوزخ اور دیگر آفات سے پردہ (۹) قیامت کے دن رب العزت کی خوشنودی کا سبب (۱۰) جنت میں خداوند تعالےٰ کے دیدار اور نعمتوں کے حصول کا ذریعہ۔

حضرت وہب بن منبہ ؓ کہتے ہیں کہ نماز کی برابر کسی اور چیز سے حاجات کی طلب نہیں ہوتی۔ سلف سے نماز ہی کی بدولت بڑی بڑی مصیبتیں ٹلجاتی تھیں جس وقت ان پر کوئی آفت مصیبت یا ناگہانی بلا آتی تھی وہ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔

خدا تعالیٰ نے حضرت یونس ؑ کے قصہ میں فرمایا ہے کہ اگر وہ خداوند تعالیٰ کی تسبیح نہ پڑھتے تو قیامت تک انکو خلاصی نہ ملتی۔ حضرت ابن عباس ؓ نے اسکی تفسیر یوں بیان کی کہ

اگر حضرت یونسؑ نماز نہ پڑھتے تو مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے۔
رسول اللہ صلعم کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر کسی شخص کو دو رکعت نماز کی اجازت دیدی جائے تو اس سے بہتر اور کوئی بات اس کو نہیں مل سکتی۔
حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلعم کا ارشاد گرامی ہے کہ بندہ سے سب سے پہلے قیامت کے دن توحید کے بعد نماز کا حساب پوچھا جائیگا۔ اگر اس نے نماز اچھی طرح سے ادا کی ہوگی تو حساب میں آسانی کیجائیگی اور اگر کچھ کمی کی ہے تو خدا تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیگا اس شخص کے اعمال میں کچھ نفل ہوں تو فرض کی کمی نفل سے پوری کردو کیونکہ اعمال کی جزا بقدر اعمال ہے
حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں حضور نے ارشاد فرمایا بندہ جب نماز میں اللہ اکبر کہتا ہے تو گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسا پیدائش کے وقت تھا۔ اسکے بعد سبحانک اللّٰھم پڑھتا ہے تو اسکے ہر بال کے بدلے میں ایک سال کی عبادت لکھی جاتی ہے اور اسکی قبر میں وسعت ہوتی ہے پھر جب اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتا ہے تو اس پر موت کی سختی آسان ہوجائیگی۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے سے چار ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور چار ہزار گناہ معاف ہو کر چار ہزار مراتب بڑھتے ہیں۔ پھر سورۂ حمد پڑھنے سے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ رکوع سے کوہ اُحد کی برابر سونا خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اسکے بعد سبحان ربی العظیم پڑھنے سے وہ اجر ملتا ہے جو خدا کی نازل کردہ تمام کتابیں پڑھنے سے ملتا ہے۔ پھر جب وقت بندہ سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو خدا تعالیٰ اسکی طرف نظر رحمت سے دیکھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو گویا قرآن کے حرفوں کی برابر غلام آزاد کرتا ہے جب سبحان ربی الاعلیٰ کہتا ہے تو خدا تعالیٰ اسکے لئے تمام انسانوں شیطانوں اور جنوں کی تعداد کی برابر اس کی نیکیاں لکھتا ہے۔ جب التحیات پڑھنے بیٹھتا ہے تو جہاد کرنیوالوں کا ثواب خدا تعالیٰ اس کیلئے لکھتا ہے۔ اخیر میں جب سلام پھیر کر فارغ ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کیلئے دوزخ کے دروازے بند کرکے آٹھوں جنتوں کے دروازے کھولدیتا ہے کہ جس سے چاہے داخل ہو۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے تاہم موضوع نہیں اور نماز کی اہمیت کے ثبوت کیلئے کافی ہے۔
صحاح میں ایک حدیث ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تمہاری نماز کی مثال اس نہر کی سی ہے جو تمہارے دروازے پر بہہ رہی ہو اور تم روزانہ اسمیں پانچ مرتبہ غسل کرتے۔ اب بتاؤ کہ کچھ میل باقی رہ سکتا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا

اسی طرح نماز بدن سے تمام گناہوں کو دہو ڈالتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضورؐ نماز تہجد میں اس قدر کھڑے رہتے تھے کہ قدم مبارک پر ورم آگیا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ آپ اتنی دقتیں اپنے اوپر کیوں برداشت کرتے ہیں خدا نے تو آپ کی تمام لغزشیں معاف فرمادی ہیں آپؐ نے فرمایا (یہ تو ٹھیک ہے) لیکن کیا میں خدا تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ غریب مسلمان کی دو رکعتیں اللہ کو امیر مسلمان کی ستر رکعتوں سے زیادہ پسند ہیں۔ اور امیر مسلمان کی دو رکعتیں اللہ کو دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

ایک مرتبہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا جس مردہ پر سو مسلمان نماز پڑھ کر دعا کرتے ہیں انکی دعا ضرور قبول ہوتی ہے اسکے بعد حضورؐ نے فرمایا۔ ابو ہریرہؓ کیا تم کو علم نہیں کہ بندہ بہت گناہ کرتا ہے اور اسی حالت میں مر جاتا ہے پھر اس پر یہ جماعت نماز پڑھتی ہے اور دعا کرتی ہے خدا تعالیٰ ان کی دعا کی برکت سے ان کے گناہ بخشدیتا ہے اور قیامت کے دن اسکو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔

ان تمام احادیث، آثار اور اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی خوشنودی، فرشتوں کی محبت، انبیاء کا طریقہ، معرفت، نور ایمان کی اصل دعا اور اعمال کی قبولیت کا سبب، رزق میں برکت دینے والی، بدن کو آرام پہنچانے والی، تندرستی اور جسمانی صحت برقرار رکھنے والی، مرض کو دور کرنیوالی جسمانی اور روحانی کثافتوں کو زائل کرنیوالی، دشمنوں پر ہتھیار کا کام دینے والی، شیطان سے نفرت پیدا کرنیوالی، اللہ کے سامنے شفاعت کرنیوالی، ملک الموت کے آنے کے وقت انسان کی رفیق، قبر میں چراغ، پیٹھ کے نیچے فرش، منکر و نکیر کو جواب دینے والی، زندگی اور موت کے وقت مونس، قیامت تک ساتھ دینے والی ہے جب قیامت آئیگی تو نمازی کے سر پر سایہ ہو جائیگی۔ اسکے سر کا تاج، بدن کا لباس، آگے آگے چلنے والا نور اور دوزخ سے آڑ اور حجاب بن جائے گی۔ اللہ کے سامنے مسلمانوں کی دلیل، نیکی کے پلہ کو بھاری کرنیوالی پل صراط سے پار اتارنے والی اور جنت کے دروازے کی کنجی ہے۔ کیونکہ نماز تسبیح بھی ہے اور تقدیس بھی، تعظیم بھی ہے اور تمجید بھی، قرأت و دعا بھی ہے اور تمجید بھی، خلاصہ یہ کہ نماز

تمام نیک اعمال کا خزانہ اور سب عبادتوں سے افضل ہے۔

پنجگانہ نماز جماعت سے پڑھنے کا شرف

حضور اکرم صلعم کا ارشاد گرامی ہے "جماعت سنت مؤکدہ ہے منافق ہی اسکو ترک کرتا ہے"۔
ایک اور حدیث میں آتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا "ابو ہریرہ! جماعت سے پڑھنے والوں کے ساتھ بیٹھا کرو۔ جو شخص انکے ساتھ بیٹھیگا نقصان میں نہیں رہیگا ابو ہریرہ رض! اگر تم چاہتے ہو کہ اپنے بدن کو تمام بالوں سے محفوظ رکھو تو جماعت نہ چھوڑو کیونکہ جو شخص جماعت کی پابندی کریگا خدا دین دنیا کی نعمتیں اسکو عطا فرمائیگا۔

آنحضرت ؐ نے ارشاد فرمایا ہے جس نے پرہیز گار امام کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا انبیاء بنی اسرائیل میں سے کسی کے پیچھے نماز پڑھی اور جس نے عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا میرے پیچھے نماز پڑھی۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیگا خدا تعالیٰ اسکے گناہ فجر سے اسوقت تک کے معاف فرمادیگا۔ اور پھر عصر کی نماز جماعت سے پڑھیگا تو اسوقت تک کے گناہ معاف کرو لیگا۔ پھر اگر مغرب کی نماز جماعت سے پڑھیگا تو عصر سے اسوقت تک کے گناہ معاف کردیگا اور جب عشاء جماعت سے پڑھیگا تو مغرب سے اسوقت تک کے گناہ معاف ہوجائینگے اور اگر نماز فجر با جماعت پڑھیگا تو فجر تک کے گناہ بخشدیے جائینگے۔ یہی نمازیں وہ نیکیاں ہیں جنکی وجہ سے تمام برائیاں دور ہوجاتی ہیں۔

حضرت عمر رض فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو نماز میں تلاش کرو۔ اگر تم کو وہاں نہ ملیں تو ان کے گھر عیادت کو جاؤ۔ اب اگر وہ تندرست ہوں تو ان پر عتاب کرو یعنی جماعت ترک کرنے سے منع کرو۔ کیونکہ جماعت میں سستی کرنی کسی طرح مناسب نہیں۔ گذشتہ لوگ اسکی بہت کوشش کرتے تھے بعض لوگ تو تارک صلوٰۃ کے گھر مصنوعی جنازہ بنا کر بھجاتے تھے اور اس سے یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ مردہ وہی ہے جو نماز ترک کرے یا اہل محلہ کے برخلاف جماعت چھوڑے۔

فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں جو شخص ہمیشہ جماعت سے پنجوقتہ نماز ادا کرتا رہیگا اسکو خدا تعالیٰ پانچ باتیں عطا فرمائیگا (۱) تنگی عیش اس سے اٹھالیجائیگی۔ (۲) عذاب قبر

سے وہ محفوظ رہیگا (۳) نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائیگا جبکی وجہ سے اسکے حساب میں سہولت اور نرمی ہوگی (۴) وہ پل صراط سے تیز پرندہ کیطرح گذر جائیگا۔ (۵) جنت میں وہ بلا حساب داخل ہوگا۔ اور جو شخص پانچ وقت کی نماز جماعت سے ادا کرنے میں سستی کریگا اللہ تعالیٰ اسکو نو مصیبتوں میں گرفتار کریگا۔ (۱) اسکی کمائی سے برکت اٹھالیجائیگی (۲) چہرے سے نیک بختی کے آثار دور ہو جائیں گے۔ (۳) آدمیوں کے دلوں میں اسکی طرف سے نفرت اور دشمنی پیدا ہو جائیگی (۴) موت کے وقت اسکی روح پیاس بھوک کی حالت میں نہایت سختی کیساتھ قبض کیجائیگی (۵) قبر میں منکر نکیر اس سے سوال کرنے میں سختی کرینگے (۶) اسکی قبر میں تاریکی اور تنگی ہوگی (۷) قیامت کے دن اس پر حساب میں سختی ہوگی (۸) خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا۔ (۹) بالآخر اسکو دوزخ میں ڈالدیا جائیگا۔

ترک صلوٰۃ پر وعید نماز میں سستی کرنیکی مذمت تارک صلوٰۃ کا اظہار کفر

بہت سے صحابہ، تابعین اور ائمۂ امت (مثلاً حضرت عمرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ معاذ بن جبلؓ، ابو ہریرہؓ۔ ابن مسعودؓ۔ ابن عباسؓ۔ جابر بن عبداللہؓ حضرت ابو الدرداءؓ۔ امام احمد بن حنبلؒ۔ اسحاق بن راہویہ۔ عبداللہ ابن مبارکؒ۔ امام نخعی۔ حاکم بن عیینہ۔ ابو داؤد طیالسی۔ ابو بکر شیبہ۔ زہیر بن حرب وغیرہ) کے نزدیک جو شخص قصداً نماز ترک کرے وہ واجب القتل اور کافر ہے۔ حدیثوں میں سے اس کا خارج اسلام ہونا ثابت ہے اس کے تمام اعمال باطل ہیں۔ وہ رسول اللہ کے ذمہ سے خارج ہے نہ اس کا دین ہے نہ ایمان۔ چنانچہ ابن حزم نے حضرت عمرؓ اور دیگر مذکورہ بالا صحابہؓ و علماء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس شخص نے ایک فرض نماز قصداً چھوڑ دی یہانتک کہ اسکا وقت نکلگیا تو وہ شخص مرتد کافر ہے۔ فتاویٰ تاتار خانیہ میں ہے جو شخص قصداً نماز ترک کرے قضا کا ارادہ نہ کرے اور خدا کے عتاب سے نہ ڈرے وہ کافر ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تارک صلوٰۃ کو حبس دوام کیا جائیگا اور اس وقت تک رہا نہ کیا جائیگا جب تک خالص توبہ نہ کرے نماز سوا شرعی عذر کے اور کسی طرح ساقط نہیں ہوتی۔ عذر شرعی پانچ ہیں

(۱) آدمی بھول جائے اور اس وجہ سے نماز نہ پڑھ سکے (۲) بیہوشی کی حالت میں نماز کا وقت گذر جائے (۳) جنون و دیوانگی کی حالت میں نماز کا وقت نکلجائے (۴ و ۵) حیض یا نفاس۔ ان عذرات کے علاوہ نماز کے وقت سے تاخیر کرنی جائز نہیں۔ ہاں حیض نفاس کی وجہ سے ترک شدہ نماز کی قضا بھی معاف ہے۔

رسول اللہ صلعم کا ارشاد مبارک ہے "جو شخص عمداً نماز چھوڑیگا خدا تعالیٰ اسکو تین آفتوں میں مبتلا کریگا (۱) اسکے چہرہ کا نور زائل ہو جائیگا (۲) مرتے وقت اسکی زبان لڑکھڑا جائیگی (۳) دنیا سے بغیر شہادت توحید اور بلا ایمان کے جائیگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ کہتے ہیں حضورؐ نے ارشاد فرمایا "جو شخص فجر کی نماز نہ پڑھیگا اس کے رزق میں برکت نہوگی۔ جو ظہر کی نماز ترک کریگا اس کے دل میں نور نہ رہیگا جو عصر کی نماز نہ پڑھیگا اسکے اعضاء میں قوت نہ رہیگی جو مغرب کی نماز ادا نہ کریگا اسکے کہانے میں مزہ نہوگا اور جو عشا کی نماز نہ پڑھیگا وہ دنیا و دین میں مومن نہوگا"

ایک اور حدیث میں آتا ہے "جس شخص نے ایک وقت کی نماز ترک کی گویا اس نے اپنے آپ کو بغیر چھری کے ذبح کیا جس شخص نے دو وقت کی نماز چھوڑی وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوتا ہے جو تین وقت کی نماز ترک کرتا ہے وہ رسول اللہؐ کی روح مبارک کو تکلیف دیتا ہے اور جو شخص چار وقت کی نماز ترک کرتا ہے وہ گویا خدا کی تمام کتابوں سے کرتا ہے اور جو پانچ وقت کی نماز ترک کریگا اس کے لئے ندا کیجائیگی کہ اے گنہگار بن میں تجھ سے بیزار ہوں اور تو مجھ سے لہذا آسمان و زمین سے نکل جا۔ یہ شخص بالاخر بغیر توبہ کے مرجائیگا۔

نماز جمعہ کا بیان

خدا تعالیٰ کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ یعنی اے ایمان دارو! جب جمعہ کے دن نماز کیلئے اذان دیجائے تو سب کاروبار خرید و فروخت چھوڑ کر نماز کا بہت جلد اہتمام کرو اور نماز پڑھنے کے لئے لپکو۔

حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر دن جمعہ کا ہے۔ اسی لئے اس دن

حضرت آدمؑ پیدا ہوئے۔ اسی دن ان کو زمین پر اتارا گیا۔ اسی دن انکی توبہ قبول ہوئی اور بلاشک اسی دن قیامت ہوگی۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ جمعہ کی رات فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ آسمانوں کے دروازے کھولدیں چنانچہ فرشتے نور کے طبق لیکر اترتے ہیں اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندوں پر میری رحمت برسادو۔

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر آدمی گناہ کبیرہ سے بچتا رہے تو ایک نماز جماعت سے دوسری جماعت تک اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے۔ یعنی اگر جماعت سے نماز پڑھی جائے تو دوسری گذشتہ نماز کے وقت سے لیکر اس وقت تک کے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اسیطرح نماز جمعہ پڑھنے سے گذشتہ جمعہ سے اسوقت تک کے گناہ بخشدیے جاتے ہیں۔

بخاری وغیرہ میں ایک صحیح حدیث آتی ہے کہ جب تم کھانا کھاکر مسواک وغسل کرکے اچھے کپڑے پہنکر گھر سے نکلو اور جامع مسجد کو جلد جلد پہنچ جاؤ تو قیامت کے دن رسول اللہ کی شفاعت اور رفاقت کے مستحق ہوگے۔ جو شخص مسجد میں سب سے پہلے جاتا ہے اسکو ایک قوی اونٹ کے خیرات کرنیکا ثواب ملتا ہے۔ جو دوسرے نمبر پر جاتا ہے اسکو گائے ذبح کرنیکا ثواب ملتا ہے اور جو تیسرے نمبر پر جاتا ہے اسکو بکری ذبح کرنیکا اجر ملتا ہے اور چوتھے نمبر والے کو راہِ خدا میں انڈا خیرات کرنیکی برابر ثواب ملتا ہے جو شخص سستی کی وجہ سے جمعہ کی نماز ترک کردیتا ہے خدا تعالیٰ اس کے دل کے گوش وچشم پر مہر لگادیتا ہے۔

حضور فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کا دن سب ایام سے بزرگ ہے یہاں تک کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر بندہ اس ساعت میں خدا تعالیٰ سے سوائے حرام شرعی کے کچھ اور سوال کرتا ہے تو اسکی حاجت ضرور پوری کیجاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے روز غسل کرکے اول ساعت میں مسجد کو جاتا ہے تو گویا اس نے ایک اونٹ راہ خدا میں ذبح کیا۔ اگر دوسری ساعت میں گویا اس نے ایک گائے قربانی کی اگر تیسری ساعت میں گیا تو گویا اس نے

ایک بکری کی قربانی کی اور جو چوتھی ساعت میں پہنچا تو اس نے ایک انڈا خیرات کیا اسکے بعد جب امام خطبہ کیلئے جاتا ہے تو فرشتے خطبہ سننے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرکے خاموش بیٹھ کر خطبہ سنتا ہے تو اسکے وہ گناہ جو اسوقت سے لیکر گذشتہ جمعہ تک کئے ہیں سب معاف کر دیئے جائینگے اور جس نے (خطبہ کے درمیان میں) کنکری بھی چھوئی اس نے لغو کام کیا (ثواب کا مستحق نہیں ہے)

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں جو شخص بقدر امکان طہارت اور غسل کرکے تیل یا خوشبو ملکر مسجد کو جائے اور کسی شخص کو نہ ہٹائے، جاکر سنتیں پڑھے اور جسوقت امام خطبہ پڑھنے چلے تو خاموشی کے ساتھ سنتا ہے تو اسکے اس وقت سے لیکر گذشتہ جمعہ تک کے گناہ بخشدیئے جائینگے۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ فرماتے ہیں جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازہ پر آکر بیٹھ جاتے ہیں اور ہر شخص کو نمبروار لکھتے جاتے ہیں لیکن جسوقت امام خطبہ پڑھنے بیٹھتا ہے تو تحریر بند کرکے خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

تکبیر تحریمہ اور تعدیل ارکان کا بیان

رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب نماز کے رکوع سجود میں آدمی اپنی پشت ہموار نہ رکھے وہ نماز کافی نہیں ہے ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ آدمی جب رکوع سجود وغیرہ تمام ارکان کو اچھی طرح ادا کرتا ہے تو نماز کہتی ہے کہ اللہ تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری محافظت کی۔ اور اگر آدمی رکوع و سجود وغیرہ اچھی طریق سے ادا نہیں کرتا تو نماز کہتی ہے کہ خدا تجھے برباد کرے جسطرح تو نے مجھے رائگاں کھویا ایسی نماز پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر منہ پر مار دیجاتی ہے۔

حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری جوان پانچوں نمازیں رسول اللہ صلعم کے ساتھ ادا کرتا تھا۔ حضورؐ نے ایک دن فرمایا کہ اسکی سال بھر کی نماز ایک دن بھی نہ ہوئی جب تک یہ توبہ نہ کرے اور اپنی حالت کو درست نہ کرے چنانچہ اس شخص نے توبہ کرلی اور (نماز تعدیل ارکان کیساتھ پڑھنے لگا) پھر اسکی حالت بھی درست ہو گئی۔

حضرت امام حسنؓ کی ایک روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کیا میں تمکو سب سے بدتر چور کی اطلاع نہ دوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ کون شخص ہے؟ فرمایا بدترین چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہے۔ عرض کیا گیا نماز میں کس طرح چوری کرتا ہے۔ فرمایا رکوع سجدہ کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا۔ اسکے بعد آپؐ نے فرمایا نماز ایک پیمانہ ہے جو پورا ادا کریگا اس کو پورا ثواب ملیگا جو کم دیگا تو تم کو معلوم ہی ہو چکا کہ وہ چور ہے اور خدا تعالیٰ نے فرما دیا کہ کم تولنے والوں کیلئے عذاب ہے۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا پانچ وقت کی نماز تو بندوں پر خدا کا فرض ہی ہے جو شخص ان کو پوری پوری پڑھیگا اور معمولی چیز سمجھکر ان میں کمی نہ کریگا (تو اسکو ثواب دیا جائیگا مگر) خدا پر اجر دینا لازم و واجب نہیں ہے چاہے اس پر رحمت کرے یا اس کو عذاب دے۔

بخاری وغیرہ کتب حدیث میں ایک صحیح روایت ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں آکر دو رکعت نماز پڑھی پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ آپؐ نے فرمایا پھر جا کر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی اس نے دوبارہ جا کر ویسی ہی نماز پڑھی جسطرح پہلے پڑھی تھی اور حاضر ہو کر سلام کیا آپؐ نے فرمایا پھر جا کر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو سچائی کیساتھ مبعوث فرمایا ہے مجھے اس سے بہتر نماز نہیں آتی آپ بتا دیجئے۔ فرمایا۔ جب نماز کو کھڑے ہو تو اولاً تکبیر کہو پھر جتنا قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ اس کے بعد رکوع کرو جب ٹھیک اطمینان کے ساتھ رکوع کر لو تو اطمینان کے ساتھ ٹھیک سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ اس کے بعد اطمینان سے سجدہ کرو پھر سکون کے ساتھ بیٹھ جاؤ اسی طرح پوری نماز میں کرو (اس شخص کا نام خلاد بن رافع تھا)

ایک مرتبہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ دو شخص نماز کو کھڑے ہوتے ہیں اور بظاہر دونوں کا رکوع سجود ایک ہوتا ہے لیکن حقیقتاً ان کی نماز میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص پنجگانہ نماز پابندی سے ادا کرتا ہے لیکن رکوع سجود ٹھیک نہیں کرتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ صرف خدا کو فریب اور مغالطہ دینا ہے ایسی نماز سے نمازی پر وبال آتا ہے اور خدا کی محبت سے دوری پیدا ہوتی ہے یہ نماز سی

بدکاری اور گناہ سے نہیں روکتی کیونکہ درحقیقت یہ نماز ہی نہیں ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عباسؓ کا قول ہے کہ جس شخص کی نماز اچھے کام کا حکم اور برے کام سے ممانعت نہ کرے تو اس کی نماز سوائے بعد من اللہ کے اور کوئی بات پیدا نہ کریگی۔ حضرت حسنؓ و حضرت قتادہؓ کا قول ہے کہ جس شخص کو نماز فحش کاری اور بری باتوں سے نہ روکے تو اسکی نماز اس کیلئے وبال ہے۔ جو شخص پنجگانہ نماز تمام شرائط ارکان اور فرائض و سنن کو مدنظر رکھکر پڑھیگا اس کو خداوند تعالیٰ فحش اور بدکاریوں سے محفوظ رکھیگا اور اسکی نماز قبول فرمائیگا۔ ورنہ نماز منہ پر لوٹا کر ماری جائیگی۔

اذان و امامت کا بیان

کافی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا جب مؤذن بلند آواز سے اذان دیتا ہے تو ہر تر و خشک چیز جو اذان سنتی ہے اس کی تصدیق کرتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ سے مؤذن کیلئے مغفرت کی خواہاں ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آیت وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ مؤذن کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ تم جنگلوں میں ہو تو بلند آواز سے اذان دو کیونکہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے سنا ہے کہ کوئی درخت پتھر ڈھیلا آدمی اور جن ایسا نہیں کہ اذان سنکر قیامت کے دن خدا کے سامنے مؤذن کی شہادت نہ دے پھر مؤذن کی مغفرت ہو جائیگی۔

حضورؐ نے ایک مرتبہ ایک شامی شخص کو جنت میں داخل ہونے کا سبب بتایا تھا کہ اپنی قوم کے مؤذن بنجاؤ۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو امام بنجاؤ اور یہ بھی نہ کر سکو تو پہلی صف میں نماز کو کھڑے ہوا کرو۔

حضرت جبیرؓ کی روایت ہے کہ جب عبداللہ بن زیدؓ نے اذان خواب میں دیکھی اور حضرت بلالؓ کو بتائی تو حضورؐ نے حکم دیا کہ چھت پر چڑھ کر اذان دو حضرت بلالؓ نے حسب الحکم چھت پر چڑھ کر بلند آواز سے اذان دی۔

اذان و امامت کے آداب

فقیہ ابو اللیث کہتے ہیں موذن کو کامل ثواب اس وقت ملیگا کہ اس میں دس باتیں ہوں (۱) نماز کے اوقات سے واقف ہو (۲) اپنا حلق صاف رکھے اور حلق کی بندش کی وجہ سے اذان رک رک کر نہ کہے کہ لوگوں کو شبہ ہو (۳) جب خود کہیں چلا جائے اور کوئی دوسرا شخص اذان دیدے تو اسپر غصہ نہ ہو (۴) اذان خوب اچھی طرح کہے (۵) ثواب کی طلب صرف خدا سے کرے آدمیوں پر احسان نہ جتلائے (۶) اچھے کام کرنیکا حکم اور برے کام کی ممانعت کرے اور امیر غریب سب سے حق بات کہے (۷) امام کا اتنا انتظار کرے کہ لوگوں پر گراں نہو (۸) اگر کوئی اور شخص مسجد میں اسکی جگہ لیلے تو اسپر غصہ نہو (۹) مغرب کے وقت اذان و امامت کے درمیان کچھہ کاروبار نہ کرے (۱۰) اپنے لئے کوئی جگہ مقرر نہ کرے اور بچوں سے علیحدہ رہے۔

امام میں بھی دس آداب انسانی اور شرعی ہونے ضرور ہیں، تاکہ مقتدیوں کی نماز پوری ہو (۱) کلام مجید قرأت سے پڑھے مگر راگ نہ گائے (۲) تکبیریں باقاعدہ کامل طور پر کہے (۳) رکوع سجود اچھی طرح کرے (۴) اپنے آپ کو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچائے رکھے (۵) بدن اور لباس کو پاک رکھے (۶) قرأت میں لوگوں کا لحاظ رکھے زیادہ طویل نہ کرے کہ کمزور یا ضرورتمند مقتدیوں کو بار گذرے (۷) دماغ میں نخوت و غرور نہو (۸) نماز شروع کرنے سے پہلے تمام گناہوں سے استغفار کرے (۹) مقتدیوں کے لئے بھی استغفار کرے کیونکہ ان کا امام ہے۔ سلام پھیرنے کے بعد دعا صرف اپنے ہی لئے نہ کرے کہ لوگوں کے دل میں رنج پیدا ہو (۱۰) جب مسجد میں کوئی مسافر آجائے تو اسکی حاجت دریافت کرے اور بقدر طاقت اسکو خرچ دے۔

باب نماز کے اوقات کے بیان میں

فرض نمازوں کے اوقات پانچ ہیں۔ فجر[1] ظہر[2] عصر[3] مغرب[4] عشاء[5]۔ فجر کی نماز کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔ اور آفتاب کے نکلنے تک رہتا ہے صبح کاذب سے نہ نماز کا وقت شروع ہوتا ہے نہ روزہ کا۔ صبح صادق اس سپیدی کو کہتے ہیں جو آسمان کے کناروں پر نکلکر پھیل جاتی ہے۔ اور صبح کاذب اس سپیدی اور روشنی کو کہتے ہیں جو آسمان کے کناروں پر ایک لکیر کی طرح ظاہر ہوکر کچھ دیر کے بعد غائب ہوجاتی ہے اور اندھیرا ہوجاتا ہے۔ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوکر اسوقت تک رہتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے اصلی سایہ کو چھوڑ کر دو چند ہو جائے۔ سایہ اصلی شناخت کی یہ ترکیب ہے کہ ایک لکڑی بالکل سیدھی لیکر نہایت ہموار زمین میں گاڑی جائے لکڑی کسی جانب ترچھی نہو بالکل سیدھی کھڑی ہوئی ہو اب جسوقت تک اس لکڑی کا سایہ اصل لکڑی سے چھوٹا رہیگا اسوقت تک آفتاب چڑھتا رہیگا اور جسوقت سایہ اصل لکڑی سے بڑھنے لگے تو سمجھنا چاہیئے کہ زوال شروع ہوگیا۔ اور اگر سایہ نہ کم ہو نہ زائد بلکہ ٹھیک برابر ہو تو یہ وقت زوال کا ہے سایہ جسوقت ٹھیک برابر ہو اسوقت ایک نشان زمین پر اسی جگہ بنا دینا چاہیے اب اس نشان کے آگے سے حساب کرنا چاہیئے کہ کسقدر سایہ دراز ہوتا ہے یک چند دو چند یا اس سے زائد سایہ اصلی کے علاوہ دو چند سایہ ہونے تک امام صاحب کے نزدیک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے اور امام محمدؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سایہ اصلی کو چھوڑ کر اگر لکڑی کا سایہ یکچند ہوجائے تو ظہر کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ ظہر کی نماز سایہ کے ایک مثل ہونے سے قبل ہی پڑھ لی جائے تاکہ بالاتفاق وقت پر نماز ہو (شرح وقایہ)

جس طرح ظہر کے انتہاء وقت میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین کا باہمی اختلاف ہے اسیطرح عصر کے شروع وقت میں بھی اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک عصر کا ابتدائی وقت وہ ہوتا ہے جبکہ ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کو چھوڑ کر دو چند سے بڑھ جائے اور صاحبینؒ کے نزدیک عصر کا وقت جب شروع ہوتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کے علاوہ یک چند

سے زائد ہو جائے۔ اور عصر کا انتہائی وقت غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور جب تک شفق باقی رہتی ہے باقی رہ جاتا ہے صاحبین کے نزدیک شفق اس سرخی کا نام ہے جو آسمان کے کناروں پر شام کو ہوتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک شفق اس سپیدی کو کہتے ہیں جو سرخی غائب ہو جانے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ گویا امام صاحب کے نزدیک جب تک یہ سپیدی باقی رہیگی مغرب کی نماز کا وقت باقی رہیگا اور صاحبین کے نزدیک سرخی غائب ہو جانے کے بعد مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے امام صاحب کا قول احتیاط پر مبنی ہے۔ عشاء کا وقت شفق چھپنے کے بعد شروع ہو جاتا ہے اور صبح صادق تک رہتا ہے، وتر کا بھی یہی وقت ہے۔ (عالمگیری، کبیری)

نماز کے مستحب اوقات

مردوں کیلئے ہر زمانہ میں فجر کا وقت مستحب اس وقت ہے کہ کسیقدر اجالا ہو جائے لیکن اس قدر وقت میں گنجائش ہو کہ اگر کسی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے تو دوبارہ قرأت مستحب کے ساتھ نماز ادا کر لیجائے۔ ہاں نحر کے دن مقام مزدلفہ میں حاجیوں کیلئے افضل یہ ہے کہ اندھیرے میں ہی نماز فجر پڑھ لیں عورتوں کے لئے ہر زمانہ میں فجر کا مستحب وقت یہی ہے کہ نماز اندھیرے ہی میں پڑھکر چلی جائیں۔ ظہر کی نماز میں مستحب یہ ہے کہ گرمی کے موسم میں اتنی تاخیر کیجائے کہ سایہ یک مثل ہونے نہ پائے اور سردی کے موسم میں زوال آفتاب کے بعد جس قدر جلدی ہو سکے کیجائے۔ عصر کا مستحب وقت یہ ہے کہ تاخیر کیجائے۔ لیکن اتنی تاخیر ہو کہ دھوپ میں تغیر نہ ہونے لگے۔ (تغیر آفتاب سے یہ مراد ہے کہ سورج کا کرہ ایسا ہو جائے کہ اسکو دیکھنے سے آنکھیں نہ چندھیائیں۔ اگر تغیر آفتاب سے پہلے نماز عصر شروع کی اور نماز میں ہی آفتاب میں تغیر ہونے لگا تو مکروہ نہیں ہے، ہاں اگر کسی دینوی مشغلہ کی وجہ سے تغیر آفتاب تک تاخیر کی تو مکروہ ہے) مغرب میں ہر زمانہ میں تعجیل مستحب ہے اور عشاء کا وقت تہائی رات گذرنے تک مستحب ہے اور آدھی رات تک اصباح (کبیری) ابر کے دن فجر ظہر اور مغرب کی نماز میں ادائیگی میں دیر کرنی چاہیے تاکہ فجر کی نماز رات میں اور ظہر کی زوال سے پہلے اور مغرب کی غروب آفتاب سے قبل ہو جانے کا احتمال نہ رہے۔ باقی عصر و عشاء میں تعجیل کرنی چاہیے تاکہ عصر میں مکروہ وقت نہ آجائے اور عشاء میں بارش اور اندھیرے کی وجہ سے

شہر کا رجماعت کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔

نماز کے مکروہ اور ممنوع اوقات و مقامات

اگر بغیر کسی عذر سفر وغیرہ کے عشار میں اتنی تاخیر کی کہ نصف شب سے زیادہ حصہ گذر گیا یا مغرب میں اتنی دیر کی کہ ستارے خوب نکل آئے یا عصر میں اس قدر تاخیر کی کہ آفتاب میں زردی پیدا ہوگئی تو مکروہ تحریمی ہے (کبیری)

تین اوقات میں فرض واجب نفل یعنی ہر طرح کی نماز پڑھنی ممنوع ہے اگر ان اوقات میں پڑھی جائیگی تو نماز فاسد ہوگی (۱) سورج نکلنے کے وقت (۲) ٹھیک زوال کے وقت (۳) سورج کے سرخ ہوجانے سے چھپ جانے تک۔ ہاں اگر کسی دن عصر کی نماز نہ پڑھی تو اسی دن کی عصر کی نماز سورج ڈوبنے کے وقت کراہت تحریمی کیساتھ ادا ہوگی (کبیری) جنازہ کی نماز اگر مذکورہ ممنوع اوقات میں ہی واجب ہوئی ہو تو بہتر ہے کہ ممنوع اوقات ہی میں پڑھ لی جائے تاخیر مکروہ ہے اور اگر نماز جنازہ پہلے سے واجب ہوئی تھی اور اوقات ممنوعہ تک نہ پڑھی گئی ہو تو ان اوقات میں نہ پڑھی جائے۔

سجدۂ تلاوت اگر اوقات ممنوعہ میں واجب ہوا ہو تو ان اوقات میں ادا کر لینا جائز ہے مگر تاخیر افضل ہے۔ اور اگر پہلے سے واجب ہوا ہو تو ان اوقات میں نہ کیا جائے (کبیری)

مکروہ اوقات اوقات ذیل میں صرف نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ نماز فجر سے قبل اور طلوع صبح صادق کے سوائے فجر کی سنتوں کے اور تمام نفل نمازیں پڑھنی مکروہ ہیں۔ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک ہر طرح کی نفل نماز مکروہ ہے۔ عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک۔ غروب آفتاب سے لیکر قبل از نماز مغرب تک نفلیں پڑھنی مکروہ ہیں فرض نماز کی اقامت کے وقت اور خطبہ پڑھے جانے کے وقت بھی نفل پڑھنی مکروہ ہے اگر وقت اس قدر تنگ ہو گیا ہو کہ بس فرض پڑھے جا سکتے ہیں تب بھی ایسے وقت میں فرض کے علاوہ نوافل پڑھنے مکروہ ہیں۔ عید الفطر یا عید الضحیٰ کے دن طلوع آفتاب کے بعد سے نماز عید سے قبل ہر طرح کے نوافل مکروہ ہیں۔ عرفہ اور مزدلفہ میں حاجی ظہر عصر اور مغرب عشار کو ملا کر پڑھتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کیلئے ظہر و عصر کے درمیان یا مغرب و عشار کے درمیان نفل نماز پڑھنی مکروہ ہے (غایتہ الاوطار)

مکروہ مقامات نماز مقامات ذیل میں نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ کعبہ کی چھت پر۔

سرراہ یا راستہ میں۔ کوڑا جمع ہونے کے مقام ہیں۔ ذبح خانوں میں غسل خانہ میں۔ پاخانہ میں۔ پاخانہ کی چھت پر۔ حمام میں۔ عید کی نماز سے قبل اور بعد عیدگاہ میں۔ مسئلہ ایک شخص نے آخری رات میں دو رکعت نفل کی نیت باندھی ایک رکعت پڑھنے پایا تھا کہ صبح صادق نکل آئی لہٰذا اس شخص کو فجر کے وقت میں ہی دوسری رکعت پوری کر لینی نماز توڑنے سے افضل ہے کیونکہ یہ نفل بغیر قصد و ارادہ کے فجر کے وقت واقع ہو گئے ہیں اسلئے مکروہ نہیں ہیں۔ مسئلہ اگر کسیکی فجر کی سنتیں جاتی رہیں اور صرف فرض پڑھ لئے تو پھر نہ پڑھے نہ طلوع آفتاب سے قبل نہ بعد کیونکہ جب فجر کی سنتیں قضا ہو جائیں اور صرف فرض پڑھ لئے جائیں تو یہ سنتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ ہاں اگر فرض بھی قضا ہو گئے تو زوال سے قبل قبل فرضوں کے ساتھ سنتوں کی بھی قضا کرے اسوقت جسطرح فرض ساقط نہیں ہوئے سنتیں بھی ساقط نہونگی (عالمگیری) مسئلہ عرفات و مزدلفہ کے علاوہ اور کہیں یا کسی وقت حنفیہ کے نزدیک دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرکے پڑھنا جائز نہیں وتر کا وقت نماز عشاء کے بعد سے شروع ہو کر صبح صادق تک رہتا ہے۔ فرض اوقات کے علاوہ چار نفل نمازیں ہیں جن کا شریعت میں وقت مقرر ہے اشراق چاشت۔ زوال۔ تہجد۔ اشراق کا وقت طلوع آفتاب سے لیکر اس وقت تک رہتا ہے کہ آفتاب میں گرمی نہ پیدا ہو۔ آفتاب کے گرم ہونے سے زوال تک چاشت کا وقت ہے۔ زوال کے بعد سے ظہر کی نماز سے پہلے پہلے نماز زوال کا وقت ہے اور تہجد کا وقت آدھی رات سے صبح صادق تک ہے۔ تہجد کا افضل وقت رات کا اخیری تہائی حصہ ہے یا اخیری چوتھائی حصہ (غایۃ الاوطار)

اذان و اقامت کا بیان

اذان مذکورہ ذیل پندرہ کلمات سے مرکب ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان محمد الرسول اللہ۔ اشہد ان محمد الرسول اللہ۔ حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح۔ حی علی الفلاح۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ اقامت اور فجر کی اذان میں دو لفظ اور زائد ہیں گویا ملاکر سترہ کلمات

ہوجاتے ہیں۔ فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم دو مرتبہ اور اقامت یعنی تکبیر میں حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوۃ دو مرتبہ زائد کہی جاتی ہے۔

اذان دینے کا طریقہ مؤذن مسجد سے علیحدہ ایک اونچی جگہ پر قبلہ رخ کھڑا ہو دونوں کانوں میں شہادت کی دونوں انگلیاں ڈالکر اول چار مرتبہ ایک آواز میں دو مرتبہ اور دوسری آواز میں دو مرتبہ اللہ اکبر کہے پھر شہادتین کو چار مرتبہ چار آوازوں میں کہے اسکے بعد دائیں طرف کسی قدر مڑ کر حی علی الصلوۃ دو بار دو آوازوں میں کہے۔ اسی طرح بائیں طرف گردن پھیر کر دو آوازوں میں حی علی الفلاح دو بار کہے پھر ایک آواز میں دو بار تکبیر یعنی اللہ اکبر کہے اور ایک آواز میں ایک بار تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہکے اذان ختم کر دے۔ فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم دو مرتبہ دو آوازوں میں اور کہے (درمختار)

نوٹ:۔ اللہ کی بجائے اگر اللہُ پڑھا یا اَشْهَدُ اَنَّ کی بجائے اَشْهَدُ اَنَّا پڑھا تو کفر ہو جاتا ہے۔ اگر اللہُ اَکْبَر کی بجائے اَکْبَار کہا تو اذان فاسد ہو جاتی ہے

مکروہات اذان اقامت کی طرح جلدی جلدی بغیر ٹھیراؤ کے اذان کہنا اذان میں ترجیع کرنی یعنی پہلے آہستہ آہستہ کہنا پھر چاروں شہادتوں کو زور سے کہنا۔ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت گردن نہ پھیرنا۔ بیٹھکر جماعت کیلئے اذان کہنا۔

مسنونات اذان قبلہ کی طرف منہ کرنا حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت اِدھر اُدھر گردن پھیرنی مذکورہ ترکیب کے موافق اذان کہنی۔ یہ تمام امور اذان میں سنت ہیں۔ مسئلہ اگر مؤذن کسی کلمہ کو مقدم مؤخر کر گیا تو جہاں یاد آئے وہیں سے لوٹ جائے مکرر اذان کی ضرورت نہیں مثلاً اشہد ان محمدا رسول اللہ پہلے کہدیا اور بعد کو اشہد ان لا الہ الا اللہ کہا تو پھر اس کے بعد اشہد ان محمدا رسول اللہ کہدے یا اشہد ان لا الہ الا اللہ کہنا بھول گیا تو اب اس کلمہ کو کہکر آگے شروع کر دے مسئلہ پانچ وقتوں کی فرض نماز کیلئے خواہ ادا ہو یا قضا اور جمعہ کے لئے اذان کہنی سنت مؤکدہ ہے۔ یہانتک کہ اگر تمام شہر والے

اذان ترک کردیں تو ان سے قتال حلال ہے کیونکہ اذان شعائر اسلام میں سے ہے مسئلہ عورتوں پر اذان و اقامت نہیں خواہ نماز تنہا پڑھیں یا جماعت بنا کر (عالمگیری) مسئلہ آزاد بالغ مرد کو ہی اذان کہنی جائز ہے۔ عورت، خنثیٰ، نشہ میں مست، ناسمجھ بچہ، جنب، فاسق اور غلام کی اذان مکروہ اور ناجائز ہے۔ سوائے غلام اور فاسق کے اگر مذکورہ اشخاص نے اذان دیدی تو دوبارہ دیجائیگی مگر اقامت کہدی تو نہیں لوٹائی جائیگی۔ فاسق کی نہ اذان لوٹائی جائیگی نہ اقامت (غایۃ الاوطار) مسئلہ بے وضو کی اذان درست ہے، اور اقامت درست نہیں مگر اولیٰ یہی ہے کہ وضو کرکے اذان دے (عالمگیری) مسئلہ مؤذن شروع اذان میں باوضو تھا درمیان میں بے وضو ہوگیا تو اسی حالت میں اذان پوری کرے قطع نہ کرے کیونکہ جب بے وضو کو شروع ہی سے اذان کہنی درست ہے تو تکمیل اذان تو بدرجہ اولیٰ درست ہونی چاہئے اور اگر اذان قطع کرکے وضو کرنے چلا گیا تو دوبارہ پوری اذان دینی چاہیے (غایۃ الاوطار) مسئلہ تنہا مسافر اگر ایک دو بار اذان ترک کرے تو مکروہ نہیں ہے مگر ترک اقامت میں مکروہ ہے (غایۃ الاوطار) مسئلہ اگر چند مسافروں نے جنگل میں بغیر اذان کے نماز ادا کی اور صرف اقامت کہی تو جائز ہے اور مکروہ بھی نہیں کیونکہ اذان نمازیوں کو تیاری نماز کی اطلاع کے لئے مسنون کی گئی ہے اور یہ مقصود بہر صورت حاصل ہے لہذا کوئی شخص گنہگار نہ ہوگا۔ ہاں ترک اقامت بہر حال مکروہ ہے مسئلہ ایک شخص شہر یا گاؤں میں کسی مسجد میں نماز نہیں پڑھتا صرف اپنے گھر نماز پڑھتا ہے تو اگر شہر یا گاؤں کی مسجدوں میں اذان و اقامت ہوئی ہو تو اس شخص کیلئے کافی ہے۔ گھر نہ اذان دینی ضروری ہے نہ اقامت ورنہ اس کا حکم مسافر کا ایسا ہے اذان بھی دینی چاہیے اور اقامت بھی مسئلہ مؤذن کی غیبت کی حالت میں اسکی بلا اجازت اقامت کہنی بلا کراہت درست ہے اور اگر مؤذن موجود ہو اور دوسرے کی اقامت کہنے سے ناراض ہوتا ہو تو مکروہ ہے مسئلہ اذان شروع وقت میں کہنی چاہیے اور اقامت درمیانی وقت میں سوا مغرب کے۔ مغرب کی اذان و اقامت میں بقدر تین چھوٹی آیتوں کے فصل کرے (عالمگیری) مسئلہ اگر ایک مؤذن نے کسی مسجد میں اذان کہی اور نماز پڑھ لی تو دوسری مسجد میں جاکر اسوقت کی اذان کہنی مکروہ ہے اور اگر پہلی مسجد میں اذان کہنے کے بعد نماز نہ پڑھی تو دوسری مسجد میں آکر دوبارہ اذان کہنی مکروہ نہیں (درمختار) مسئلہ جو شخص مسجد کے باہر ہو اور

اذان کی آواز سنے تو تمام کاروبار چھوڑ کر مسجد میں نماز کیلئے آنا اسپر واجب ہے، یہاں تک کہ قرآن شریف کی تلاوت میں اگر مشغول ہو تو اسکو بھی ترک کر دینا چاہئے زبان سے جواب دینا اس پر واجب نہیں صرف مستحب ہے، اور جو شخص مسجد کے اندر ہی ہو اور دینی تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں مشغول نہو تو اسطرح اذان کا جواب دے کہ جب مؤذن اللہ اکبر کہے یہ بھی اللہ اکبر کہے جب مؤذن اشہد ان لا الہ الا اللہ کہے تو یہ بھی چپکے سے کہے۔ اسیطرح مؤذن اشہد ان محمد ارسول اللہ کہے تو یہ بھی اشہد ان محمد ارسول اللہ آہستہ سے کہے اور جسوقت مؤذن حی علی الصلوٰہ اور حی علی الفلاح کہے تو سننے والا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے۔ صبح کی اذان میں جب مؤذن الصلوٰۃ خیر من النوم کہے تو سننے والا جواب میں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ کہے اقامت کے وقت جب اقامت کہنے والا قد قامت الصلوٰۃ کہے تو تمام مقتدی اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰاتُ وَالْاَرْضُ کہیں (غایۃ الاوطار)

اذان کے بعد پڑھنے کی دعا اذان کے بعد مؤذن اور سامع دونوں اس دعا کو پڑھیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اذان کے بعد میرے لئے طلب وسیلہ کریگا۔ میری شفاعت اسکیلئے ضرور ہوگی (وسیلہ جنت میں ایک خاص مرتبہ کا نام ہے جو آنحضرت کے لئے مخصوص ہے) دعا یہ ہے اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (غایۃ الاوطار) بعض لوگ اس دعا میں وَالْفَضِيْلَةَ کے بعد وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ اور وَعَدْتَّهٗ کے بعد وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ اور آخر میں اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ پڑھتے ہیں مگر حدیث میں ان کی کہیں اصل نہیں ہے (غایۃ الاوطار)

ذیل کے اشخاص کو اذان دینا واجب یا جائز نہیں ہے

حائضہ۔ زچہ۔ خطبہ سننے والا۔ نماز پڑھتا ہوا آدمی۔ جماع میں مشغول شخص۔ پیشاب یا پاخانہ کرتا ہوا۔ علم دین کے سیکھنے یا سکھانے میں مشغول آدمی۔

مسئلہ اگر مسجد میں یا شہر کی مختلف مساجد میں چند اذانیں ہوں تو جو اذان سب سے پہلے سنے اس کا جواب دینا چاہئے (غایۃ الاوطار)

مسئلہ اذان کی طرح اقامت کا جواب بھی ہے مگر یہ مستحب ہے۔

نماز کی بیرونی شرطیں

فرضیت نماز کے شرائط نماز کے فرض ہونے کی چار شرطیں ہیں (۱) اسلام (۲) عقل کی درستگی (۳) بالغ ہونا (۴) نماز کا وقت ہونا۔ لہذا ہر مسلمان عاقل بالغ پر نماز کے مقررہ اوقات میں نماز ادا کرنی فرض ہے۔ ہاں دیوانہ پر، غیر مسلم پر یا بچہ پر نماز فرض نہیں۔ مسئلہ جو شخص نماز کی فرضیت کا منکر ہو وہ کافر ہے اور جو شخص فرضیت کا منکر نہ ہو صرف تارک صلوٰۃ ہو نماز نہ پڑھتا ہو وہ اعلیٰ درجہ کا فاسق ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جب تک خالص دل سے توبہ نہ کرلے اس کو قید رکھا جائیگا۔ اور دیگر ائمہ کے نزدیک ایسا آدمی واجب القتل ہے اسکو قتل کیا جائیگا۔ مسئلہ شرعی عذر جن کی موجودگی میں نماز معاف ہے سات ہیں:۔

نماز کی معافی کے شرعی عذر (۱) حیض (۲) نفاس (۳) بیہوشی (۴) غشی۔ (۵) بھول جانا (۶) دیوانہ ہونا (۷) نیند کی حالت میں ہونا۔

شریعت میں **بلوغ کا حساب** مرد کا احتلام سے اور عورت کا حیض سے کیا جاتا ہے بلوغ کی باعتبار عمر کے حد بندی اس طرح کیگئی ہے کہ لڑکا کم از کم بارہ برس کی عمر میں اور لڑکی کم از کم نو سال کی عمر میں بالغ ہوتی ہے۔ باقی زیادہ سے زیادہ بلوغ کی حد لڑکے اور لڑکی دونوں کیلئے پندرہ سال ہے اگر اس درمیان میں لڑکا یا لڑکی بلوغ کا دعوےٰ کرے تو بغیر قسم کے مقبول ہے ہاں اگر لڑکی نو سال کی عمر سے قبل اور لڑکا بارہ سال کی عمر سے پہلے بالغ ہونے کا دعوےٰ کرے تو مقبول نہیں مسئلہ باعتبار عمر کے نماز لڑکے اور لڑکی دونوں پر پندرہ برس کی عمر میں فرض ہوتی ہے مگر ماں باپ پر حسب ہدایت رسول اللہؐ واجب ہے کہ سات برس کی عمر سے بچہ کو نماز پڑھوائیں۔ یہ تاکید صرف بچوں کو نماز کا عادی بنانے کے لئے ہے۔

صحت نماز کے شرائط صحت نماز کی چھ شرطیں ہیں (۱) بدن کا ہر طرح کی نجاست سے پاک ہونا یعنی نماز اسوقت صحیح ہوگی کہ بدن تمام بول براز خون اور دیگر نجاستوں سے پاک ہو (۲) نمازی کے ان کپڑوں کا جو پہنے ہوئے ہو (یا ایسے کپڑے ہیں جن کے ایک کنارہ کے ہلنے سے دوسرا کنارہ بھی ہلجاتا ہو) ہر طرح کی نجاست سے پاک ہونا

مثلاً نمازی ایک چادر اوڑھے ہے اور چادر بڑی ہے جسکے ایک کنارہ پر ایسی نجاست لگی ہے جو مانع نماز ہے تو اگر نمازی کی حرکت سے چادر کا یہ ناپاک کنارہ ہلجاتا ہے تو نماز نہوگی اور اگر چادر اتنی دراز ہو کہ نمازی کی حرکت سے وہ کنارہ نہیں ہلتا تو نماز جائز ہے (۳) مصلے یا جانماز کا پاک ہونا یعنی جس جگہ نمازی کا کوئی حصہ بدن (زانو ہاتھ پیشانی وغیرہ) نماز میں لگجاتا ہو اس جگہ کا پاک ہونا (۴) اس حصہ بدن کا پوشیدہ رہنا جسکا ستر فرض ہو (۵) قبلہ کیطرف منہ ہونا (۶) نماز کی دل سے خاص خدا کے واسطے نیت کرنی۔ نیت چونکہ دل کا فعل ہے اسلئے جبتک دلی ارادہ نہ ہو صرف زبان سے نیت کرنی کافی نہیں ہے بلکہ اسکا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے کیونکہ زبان سے کہنا زبان کا کام ہے جسکو کلام کہا جاتا ہے نیت نہیں ہے۔ مثلاً دل میں ظہر کی نماز کا ارادہ تھا اور زبان سے نیت کرتے وقت عصر کا نام نکلا تو نیت صحیح ہے نماز ہو جائیگی صرف زبان کی غلطی ہے جس میں کچھ خرابی نہیں ہے۔

ستر عورت کی حد مردوں کیلئے ناف کے نیچے سے زانو تک مع زانو کے چھپانا فرض ہے۔ عورت بالغ حرہ کے لئے سوا چہرہ اور دونوں ہتیلیوں اور قدموں کے کل بدن پوشیدہ کرنا نماز میں ضروری ہے اور باندی کیلئے پیٹ، پیٹھ اور زانو تک چھپانا لازم ہے یہ بھی جان لینا چاہئے کہ ستر عورت چار اطراف سے ہونا چاہئے نیچے سے چھپانا ضروری نہیں مثلاً کوئی نمازی کسی اونچی جگہ نماز پڑھنے کھڑا ہو اور نیچے کے آدمی کی نظر اسکے کسی حصہ عورت پر پڑجائے تو اسکی نماز ہوجائیگی **مسئلہ** پیشاب، پاخانہ، ختنہ، علاج یا جماع حلال کے لئے حصہ فرض کا کھلجانا یا کھولنا درست ہے۔ **مسئلہ** جانماز کا اگر کوئی کنارہ نجاست آلودہ ہے تو دوسرے کنارہ پر نماز پڑھنی درست ہے کیونکہ مصلے لباس نہیں ہے اور نہ حکم لباس میں ہے۔ **مسئلہ** اگر گندہ انڈا نمازی کے پاس ہو تو نماز میں کوئی خرابی نہیں ہے **مسئلہ** اگر شیشی میں پیشاب یا کوئی دوسری نجس چیز بھری ہو تو اسکو ہمراہ لیکر نماز پڑھنی درست نہیں ہے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر کوئی مسافر جنگل میں جارہا ہو اور کعبہ کی سمت معلوم نہو اور نہ وہاں کوئی ایسا آدمی ہو جس سے دریافت کیا جاسکے تو اٹکل سے جسطرف غالب گمان ہو نماز پڑھ لے نماز ہوجائیگی خواہ واقعہ میں کعبہ کی طرف ہو یا نہو۔ **مسئلہ** نماز میں عورت کے بال بالاتفاق چھپانے ضروری ہیں اگر کچھ حصہ بھی کھلجائیگا تو نماز فاسد ہوجائیگی **مسئلہ** اگر بلاقصد نماز میں نمازی کا کوئی

حصۂ بدن جسکا چھپانہ فرض تھا کھلگیا اور اتنی دیر تک کھلا رہا جتنی دیر میں تین بار سبحان اللہ کہا جاتا ہے تو نماز فاسد ہوجائیگی اور اگر اتنی دیر سے کم کھلا رہا تو فاسد نہوگی ہاں اگر خود بخود نہ کہلا ہو بلکہ نمازی کے فعل کو اس کہلنے میں دخل ہو تو بہر صورت نماز فاسد ہو جائیگی (غایۃ الاوطار)

عورت غلیظہ مقام بول و براز اور اس حصۂ بدن کو کہتے ہیں جو ان کے گرد و نواح میں ہے اسکے علاوہ حصۂ بدن جسکا چھپانا ضروری ہے **عورت خفیفہ** کہلاتا ہے چار سال کا لڑکا لڑکی صغیر سنی میں داخل ہیں ان کا بدن ڈھانکنے کے لائق نہیں ہے چار برس سے زائد سات برس تک مقام بول و براز چھپانے کے لائق ہے۔ سات برس سے دس برس تک مقام بول و براز اور اس کے گرد و نواح کا تمام حصہ واجب الستر ہے دس برس سے زائد عمر کا بچہ جوانوں کے حکم میں ہے یعنی جس طرح جوان آدمی کو ستر ہونا چاہیئے ویسا ہی اس کا بھی ہوگا۔ باقی پندرہ برس کا لڑکا حقیقی جوان ہے جو عورتوں میں نہیں جا سکتا۔

کشف عورت کی مقدار جس عضو کا چھپانا فرض ہے اگر اس عضو کا چوتھائی حصہ یا اس سے کم بغیر قصد کے اور بغیر فعل نمازی کے کھل گیا اور فوراً ڈھانک لیا گیا تو نماز فاسد نہوگی اور اگر فوراً نہ ڈھانکا گیا یا قصداً کھولا گیا یا نمازی کے فعل کی وجہ سے کھل گیا تو نماز نہوگی (کبیری و در مختار)

نوٹ۔ ایک پستان۔ ایک خصیہ۔ ذکر۔ ایک سرین۔ ایک ران۔ پیٹ۔ پیٹھ سب علیحدہ علیحدہ اعضا شمار کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ اگر چند اعضا کا تھوڑا تھوڑا حصہ برہنہ ہو جائے اور مجموعہ کی مقدار ایک چھوٹے عضو کی چوتھائی کی برابر نہو تو کچھ حرج نہیں ہے ورنہ نماز فاسد ہو جائیگی مثلاً عورت کے کان کا کچھ حصہ اور پنڈلی کا کچھ حصہ کھل گیا لیکن اس قدر کھلا ہے کہ برہنہ حصے مجموعی کی مقدار چوتھائی کان کی برابر نہیں ہوتی ہے تو نماز جائز ہے ورنہ فاسد (عالمگیری)

برہنہ آدمی کے نماز کے احکام۔ **مسئلہ** اگر کسی شخص کے پاس اتنا کپڑا بھی نہو کہ عورت کو چھپا سکے تو مجبوراً برہنہ ہی نماز پڑھے مگر دونوں بیٹھ کر پڑھے اور رکوع سجود کیلئے اشارہ کرے کیونکہ اس سے کم برہنہ ہوگا **مسئلہ** اگر کوئی شخص باوجود لباس موجود ہونے یا میسر آجانے کے اندھیرے مکان میں رات کو تنہا برہنہ نماز پڑھتا ہی

تو جائز نہیں کیونکہ ایسا شخص شرعاً مستور نہیں ہے (کبیری) **مسئلہ** اگر کسی شخص کے پاس بدن کا حصہ فرض چھپانے کیلئے صرف ریشمی کپڑا ہو اور دوسرا کپڑا نہ ہو تو اسی کو پہن کر نماز پڑھ لے برہنہ نہ پڑھے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر کسی برہنہ شخص سے کوئی کپڑا دینے کا وعدہ کرے یا اسکو کہیں سے دستیاب ہوجانیکی امید ہو تو اتنا انتظار کرنا چاہئے کہ نماز کا وقت ختم نہ ہوجائے۔ اس اثناء میں اگر کپڑا ملجائے تو پہنکر نماز پڑھے ورنہ برہنہ پڑھ لے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر کسی کے پاس کوئی کپڑا ہو اور چوتھائی سے کم حصہ اس کپڑے کا ناپاک ہو تو پہنکر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ ایسی حالت میں برہنہ نماز درست نہیں ہاں اگر چوتھائی کپڑے سے زیادہ حصہ ناپاک ہے تو برہنہ نماز جائز ہے مگر اولیٰ یہی ہے کہ اسی ناپاک کپڑے کو پہنکر نماز پڑھے۔ یہ حکم اسوقت ہے کپڑے کو پاک کرنیکیلئے پانی وغیرہ نہ ملے۔ اگر کپڑا پاک کرنا ممکن ہو تو پھر پاک کرنا واجب ہے۔ **مسئلہ** اگر ننگے کو نماز پڑھتے میں کپڑا ملجائے تو نماز توڑ کر کپڑا پہنکر دوبارہ نماز پڑھے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر برہنہ آدمی کو صرف اسقدر کپڑا میسر آیا کہ صرف پیشاب کی جگہ یا صرف پاخانہ کی جگہ چھپا سکتا ہے دونوں نہیں چھپا سکتا تو پیشاب کی جگہ چھپانا چاہئے کیونکہ اس میں قبلہ کا ادب ملحوظ رہیگا۔ اگر اس قدر نہ ڈھکیگا تو نماز تو ہوجائیگی مگر گنہگار ہوگا۔ **قاعدہ کلیہ** برہنہ آدمی کو جسقدر کپڑا یا کوئی اور چھپانے کی چیز (مثلاً چٹائی کا ٹکڑا یا پتے وغیرہ) ملے تو اس سے قبل او دُبُر دونوں کو چھپانا بالاتفاق واجب ہے **مسئلہ** اگر کسی شخص کا پاجامہ اتنا پھٹا ہوا ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھتا ہے تو ستر اتنا کھل جاتا ہے جس سے نماز نہیں ہوتی اور بیٹھکر پڑھتا ہے تو اتنا ستر کھلتا ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی تو اسکو بیٹھکر پڑھنا چاہئے اور رکوع سجود اشارہ سے کرنا چاہئے مگر یہ صورت اس وقت ہے جبکہ دوسرا کپڑا میسر نہ آسکے ورنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا چاہئے۔

قاعدہ کلیہ جتنا حصہ بدن نماز میں ڈھانکنا ضروری ہے اتنا نماز سے باہر بھی ڈھانکنا واجب ہے **مسئلہ** اگر کوئی شخص نماز پڑھ چکنے کے بعد کپڑے پہ نجاست لگی ہوئی دیکھے اور یہ نہ معلوم ہو کہ کب لگی ہے تو اسی وقت دھو ڈالے اور کسی نماز کا اعادہ ضروری نہیں ہے خواہ نجاست کتنی ہی ہو۔

نماز کے مستحب کپڑے | مرد کے لئے تین کپڑوں سے نماز پڑھنی مستحب ہے

پاجامہ، کرتہ، عمامہ اگر عمامہ نہ ہو تب بھی ٹھیک ہے لیکن صرف پاجامہ سے مکروہ ہے (عالمگیری) عورت کے لئے بھی نماز میں تین کپڑے ہونے مستحب ہیں۔ پاجامہ۔ کرتہ۔ دوپٹہ۔ اور ویسے بھی پڑھ لے تو جائز ہے۔ ہاں اگر ایک کپڑا اتنا لمبا ہو کہ تمام بدن ڈھکجائے تو خیر ورنہ جائز نہیں۔ مسئلہ ناپاک کپڑے کا پہننا نماز سے باہر دیگر اوقات میں جائز ہے۔ مسئلہ مکہ والوں کے لئے بالکل ٹھیک کعبہ کو منہ کرنا اور غیر مکہ والوں کیلئے کعبہ کی جہت کو منہ کرنا واجب ہے ٹھیک کعبہ کو منہ ہو یا نہ ہو (کبیری)

قبلہ کی شناخت کی علامتیں شہر گانوؤں اور آبادی میں تو مسجدوں سے قبلہ کی جہت معلوم ہو سکتی ہے باقی جنگلوں اور دریاؤں میں قطب نما سے یا کسی سے دریافت کرلینے معلوم ہونا ممکن ہے۔ اور کوئی صورت ممکن نہ ہو تو ستاروں کی شناخت سے قبلہ کا پتہ چلسکتا ہے ہاں اگر کہیں ان صورتوں میں سے کوئی ممکن نہ ہو تو پھر اٹکل دوڑانی چاہئے جدھر گمان غالب ہو جائے بس اُدھر ہی قبلہ ہے مگر گمان غالب ہونا ضروری ہے (غایۃ الاوطار)

تحری قبلہ کے مسائل مسئلہ اگر کسی شخص کو ہر سمت میں تذبذب ہو کسیطرف گمان غالب نہ ہوتا ہو تو احتیاطاً ہر سمت کو ایک ایک بار نماز پڑھ لینی چاہئے (شامی) مسئلہ ایک شخص نے اٹکل کر کے ایک طرف کو ایک رکعت پڑھ لی پھر اسکی رائے دوسری جانب کو بدلی تو دوسری رکعت دوسری طرف کو پڑھی اسیطرح چاروں سمتوں کو رائے بدلی اور ہر طرف ایک ایک رکعت پڑھ لی تو جائز ہے نماز ہو جائیگی (عالمگیری) مسئلہ اگر کسی شخص کی غالب رائے ایک طرف کو ہوئی لیکن اس نے نماز دوسری طرف پڑھی تو نماز نہ ہو گی دوبارہ پڑھے (عالمگیری) مسئلہ اگر ایک شخص نے اٹکل کر کے ایک طرف نماز پڑھنی شروع کی اور نماز میں کسی وجہ سے معلوم ہو گیا کہ قبلہ دوسری طرف ہے تو فوراً اسطرف پھر جانا چاہئے توقف نہ کرنا چاہئے اگر ایک رکن کی مقدار بھی توقف کریگا تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ ہاں اگر نماز کے معلوم ہوا کہ قبلہ دو طرف ہے، تو نماز ہو گئی لوٹانیکی ضرورت نہیں ہے مسئلہ ایک شخص نے اٹکل سے ایک طرف کو ایک رکعت پڑھی پھر اپنی غلطی معلوم کر کے دوسری رکعت دوسری سمت کو پڑھی اب یاد آیا کہ پہلی رکعت کا ایک سجدہ چھوٹ گیا ہے لہٰذا اس شخص کی نماز فاسد ہو گئی ازسرنو پڑھنا چاہئے کیونکہ اگر سجدہ اس طرف کو کرتا ہے جدھر اب نماز پڑھ رہا ہے تو یہ قبلہ پہلی رکعت کا قبلہ نہیں ہے اور سجدہ رکعت کا جز لازم ہے

گویا یہ سجدہ اس قبلہ نہو گا جو نمازی کے علم میں پہلی رکعت ادا کرتے وقت تھا اور اگر
اس جانب کو سجدہ کرتا ہے جسطرح پہلی رکعت ادا کی تو جو سمت اب اس کے نزدیک قبلہ
ہے اس سے انحراف لازم آتا ہے لہذا ازسرنو پڑھے (غایۃ الاوطار) مسئلہ ایک اندھے
نے نماز شروع کرنی چاہی اور کوئی ایسا شخص نہ ملا جس سے جہت قبلہ دریافت کرے خود ہی
ایکطرف کو نماز شروع کردی لیکن یہ جہت قبلہ کی نہ تھی اتنے میں ایک شخص نے آکر اندھے
کو قبلہ کی طرف پھیر دیا اور خود اندھے کی اقتدا میں نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا تو اس مقتدی کی
نماز فاسد اور اندھے کی درست ہے۔ اور اگر اندھے نے غیر سمت قبلہ کو نماز پڑھنی شروع
کردی حالانکہ ایسا کوئی آدمی موجود تھا کہ اس سے جہت قبلہ دریافت کیجا سکے اور وسط
نماز میں کسی نے آکر اندھے کو سیدھا کرکے اسکی اقتدا کرلی تو دونوں کی نماز فاسد ہوئی۔
(عالمگیری) مسئلہ ایک شخص جماعت کی ایک دو رکعت فوت ہونیکے بعد آکر شریک ہوا
(یعنی مسبوق) اور بقیہ نماز امام کے ساتھ پڑھی لیکن امام کے سلام پھیرنے کے بعد اسکی
رائے بدلگئی اور اپنی رائے کے موافق جہت قبلہ کو پھر گیا تو اسکی نماز ہو جائیگی کیونکہ اس بقیہ حصہ نماز
کا جماعت اور امام سے کوئی تعلق نہیں مسبوق اپنی باقی نماز میں منفرد کیطرح ہوتا ہے۔
(عالمگیری) مسئلہ ایک شخص تکبیر تحریمہ میں امام کیساتھ شریک ہوا اور آخر تک شریک
رہا لیکن وسط نماز میں اسکو خیال ہوا کہ قبلہ اور سمت کو ہے تو ایسے شخص کی نماز نہ ہوگی کیونکہ
دوسری طرف کو اپنی رائے سے منہ پھیرنے میں امام کی صریحا مخالفت لازم آتی ہے اور
اگر اسی طرف کو منہ رکھتا ہے جدھر امام کا ہے تو دیدہ دانستہ مخالف سمت کو نماز پڑھ رہا ہے
جدھر اسکی رائے میں قبلہ نہیں ہے لہذا از سرنو پڑھے (عالمگیری) مسئلہ ایک شخص
تکبیر تحریمہ میں امام کے ساتھ شریک تھا لیکن درمیان میں کسی عذر شرعی کی وجہ سے
نماز توڑ کر چلا گیا اور پھر وضو وغیرہ کرکے شریک ہو گیا پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد
اسکی رائے میں دوسری طرف جہت قبلہ ثابت ہوئی تو اسکو توڑ کر از سرنو نماز پڑھنی چاہیئے
کیونکہ یہ شخص اپنی باقی نماز میں جماعت کے حکم میں ہے۔ اگر اپنی رائے کے موافق جہت قبلہ کو
نماز پڑھیگا تو امام کی مخالفت لازم آئیگی ورنہ دیدہ و دانستہ قبلہ سے انحراف ہوگا (عالمگیری)
حاصل یہ کہ مدرک و لاحق از سرنو نماز پڑھیں گے اور مسبوق قبلہ کیطرف منہ پھیر لیگا اور بقیہ نماز
پوری کریگا مسئلہ ایک امام مسافر نماز پڑھ رہا تھا اور مقتدی مقیم تھا۔ امام نے موافق حکم قصر

کے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا اور مقتدی چونکہ مقیم ہے اسلئے باقی دو رکعتیں پوری کرنے لگا اب مقتدی کی رائے میں قبلہ کی سمت کوئی دوسری ثابت ہوئی لہذا نماز توڑ کر از سر نو پڑھے کیونکہ اقتدار میں یہ مدرک کے حکم میں ہے۔ **مسئلہ** ایک شخص اتنا مریض ہے کہ خود قبلہ کیطرف منہ نہیں پھیر سکتا اور کوئی دوسرا شخص بھی پاس نہیں کہ اس سے قبلہ کی طرف منہ پھرو الے یا مریض کو قبلہ کی طرف منہ موڑنا ناممکن ہے یا کم از کم ضرر پہنچتا ہے تو جدھر کو ہو سکے نماز پڑھ لے یہ صاحب عذر ہے اور معذور سے استقبال قبلہ کا حکم ساقط ہے (عالمگیری)

مسئلہ ایک شخص نے جہاز یا ریل میں قبلہ کی طرف نماز شروع کی لیکن اثنار نماز میں جہاز یا ریل کا رخ قبلہ سے پھر گیا تو نمازی کو بھی قبلہ کی طرف جانا چاہیئے (عالمگیری)

مسئلہ اگر کوئی شخص بغیر اٹکل کئے کسی طرف کو نماز پڑھیگا تو اس کی نماز نہو گی۔ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں بھی یہی حکم ہے بلکہ ہر وقت اٹھنے بیٹھنے میں یہی خیال رہے تو بہتر ہے۔

نیت کے مسائل

نیت کہتے ہیں نماز شروع کرنے کے ارادہ کو یعنی نمازی نماز شروع کرنیکے وقت بلا تامل فوراً ارادہ کرے کہ آج کی نماز فرض ظہر پڑھتا ہوں۔ اگر یہ نیت کسی قدر تامل کے بعد ہو گی تو نماز نہ ہو گی (عالمگیری) اگر ایک شخص افکار و پریشانیوں میں اس قدر منہمک ہے کہ نماز کے وقت حضور دل نہیں کر سکتا یہاں تک کہ بلا تامل نہیں بتا سکتا کہ کون سے وقت کی نماز کے وقت کی نماز پڑھ رہا ہوں ایسے آدمی کیلئے بجائے دلی ارادہ صرف زبان سے کہہ لینا ہی کافی ہے (عالمگیری) **مسئلہ** جس شخص نے دل سے تو نماز کا ارادہ کر لیا مگر پھر بھی اس کے لیے مستحب ہے کہ زبان سے بھی کہہ لے تاکہ دل و زبان میں موافقت ہو جائے (درمختار)

نماز میں تعیین فرض و واجب اور سنت کا حکم

نماز کی نیت میں فرض و واجب کا تعین کرنا نیز وقت مقرر کا نام دل میں لینا ضروری ہے بغیر اس کے نماز نہ ہو گی۔ مثلاً اگر یہ نیت خاص طور پر نہ کرے کہ یہ نماز فرض ہے یا واجب اور فرض ہے تو ظہر کی یا عصر کی اور اگر واجب کی نیت کی لیکن یہ متعین نہ کیا کہ عید کی واجب ہے یا نذر کی اور عید کی واجب ہے تو کونسی عید کی عید الفطر کی یا عید الضحے کی۔ اسیطرح نذر کی واجب ہے تو کونسی نذر کی۔ بہر صورت فرض و واجب یا وقت کی تعیین نہ کی تو نماز نہ ہو گی۔ ہاں سنت اور نفل میں مطلق نماز کی نیت کافی ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ سنت کی یا نفل کی خاص طور پر

نیت کرے یا سنت ظہر یا عصر کی تعیین کرے مگر بہتر اس میں بھی یہی ہے کہ تعین کرے (کبیری) یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ مقتدی کو تین چیزوں کی نیت کرنی چاہئے (۱) خاص خدا کے واسطے نماز پڑھتا ہوں (۲) کعبہ شریف کی جانب نیت کرتا ہوں (۳) اس امام کی اقتدا کی نیت کرتا ہوں۔ امام کیلئے اور نیز منفرد آدمی کیلئے اول الذکر دو باتوں کی نیت کرنی ضروری ہے **مسئلہ** نیت میں رکعتوں کا تعین کرنا کہ چار ہیں یا تین یا دو ضروری نہیں ہے مگر بہتر ہے۔ نیت کے الفاظ یہ ہونے چاہئیں۔ میں نے نیت کی یا نیت کرتا ہوں آج کے فرض نماز فجر یا ظہر یا مغرب وغیرہ کی خاص خدا کے واسطے منہ میرا طرف کعبہ شریف کے یہ نیت تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہونی چاہئے۔ تکبیر کے بعد صحیح نہیں (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر کسی کے ذمہ فوت شدہ نمازیں اس قدر ہوں جن کی تاریخ تعداد اور دن معین نہیں کر سکتا یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں تاریخ یا فلاں دن کا ظہر میرے ذمہ ہے یا نہیں یاد کہ میرے دس ظہر کی نمازیں ہیں یا بیس تو اس شخص سے تعین کا حکم ساقط ہو جاتا ہے بلا تعین قضا کرے اگر اس طرح نیت کرے تو بہتر ہے کہ نیت کرتا ہوں پہلی فجر کی یا دوسری ظہر کی جو میرے ذمہ فرض ہے **مسئلہ** کوئی شخص اگر یہ نہیں جانتا کہ فرض کس کو کہتے ہیں اور سنت کس کو تو اس کی نماز نہ ہوگی کیونکہ اس کی نیت ہی صحیح نہیں ہے (عالمگیری غایۃ الاوطار) **مسئلہ** ایک مقتدی نے امام معین کی نیت کی مثلاً یہ نیت کی کہ زید کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں اور امام زید نہ تھا بلکہ عمر تھا تو نماز درست نہ ہوگی کیونکہ نیت ہی غلط ثابت ہوئی (عالمگیری) **مسئلہ** اگر کوئی شخص عشاء کی نماز صرف اقتدار کی نیت سے جماعت میں شریک ہو گیا اور یہ خبر نہیں کہ جماعت فرض کی ہے یا تراویح کی تو اس کی نماز نہ ہوگی جب تک امام کی نماز کی بھی نیت نہ کرے (عالمگیری) **مسئلہ** مردوں کے حق میں امام کو امامت کی نیت کی ضرورت نہیں یہاں تک کہ اگر یہ نیت کرے کہ فلاں شخص کا امام نہیں ہوں اور پھر وہی شخص اس کی اقتدا کرے تو اسکی اقتدا درست ہے۔ ہاں عورتوں کے حق میں امام کے لئے ضروری ہے کہ امامت کی نیت کرے۔ اگر عورت بلا نیت امام کے اقتدا کریگی تو اس کی نماز نہ ہوگی (غایۃ الاوطار۔ عالمگیری) **مسئلہ** ایک شخص تنہا نماز پڑھ رہا تھا دوسرے نے آکر اقتدا کر لی تو درست ہے کیونکہ امام کے لئے امامت کی نیت کرنی مردوں کے لئے ضروری نہیں **مسئلہ** ایک امام نے کسی جنازہ کو مردہ جانکر

اس کی نماز پڑھادی بعد کو معلوم ہوا کہ جنازہ عورت کا ہے تو جنازہ کی نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنی چاہیئے (غایۃ الاوطار)

وتروں کی نیت وتر کی اس طرح نیت کرنی چاہیئے۔ نیت کرتا ہوں میں تین رکعت نماز وتر واجب کی منہ میرا طرف کعبہ شریف کے خاص واسطے اللہ تعالیٰ کے اللہ اکبر

نماز جنازہ کی نیت اس طرح کرنی چاہیئے۔ نیت کرتا ہوں میں نماز جنازہ کی مع چار تکبیروں کے واسطے دعا اس میت کے منہ میرا طرف کعبہ شریف کے اللہ اکبر۔

عید کی نماز کی نیت اس طرح کرنی چاہیئے۔ نیت کرتا ہوں میں نماز عید الفطر یا عید الضحیٰ کی مع چھ تکبیروں کے خاص واسطے خدا کے منہ میرا طرف کعبہ شریف کے۔ اللہ اکبر۔

سنت نماز کی نیت اس طرح کرنی چاہیئے۔ نیت کرتا ہوں میں چار رکعت سنت ظہر کی واسطے پیروی رسول اللہ کے منہ میرا طرف کعبہ شریف کے اللہ اکبر۔

نماز کے ارکان یعنی فرائض

نماز کے فرائض سات ہیں (۱) شروع میں تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنا (۲) قیام یعنی بالکل سیدھے کھڑے ہونا (۳) قراءت یعنی ایک آیت لمبی یا تین چھوٹی آیتوں کا ہر رکعت میں پڑھنا (۴) رکوع یعنی اس قدر جھکنا کہ اگر دونوں ہاتھ پھیلائیے جائیں تو گھٹنوں پر ٹک جائیں ورنہ نہوگا۔ اگر بیٹھکر نماز پڑھ رہا ہو تو رکوع کرنے میں پیشانی زانو کے مقابل آجانی چاہیئے (۵) سجدہ یعنی پیشانی اور ناک دونوں زمین پر رکھنی اور پانوؤں کی انگلیوں میں سے کم از کم ایک انگلی کا زمین پر لگا رہنا۔ اگر ایک انگلی بھی ٹکی نہ رہے گی اور دونوں پنجے اٹھجائیں گے تو سجدہ نہ ہوگا (۶) قعدہ اخیرہ یعنی بمقدار تشہد اخیر نماز میں بیٹھنا (۷) قصد اً خود نماز تمام کرنی۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ سب ارکان نماز ہیں اور تکبیر تحریمہ اگرچہ شرط ہے وہ نماز سے خارج ہی مگر فرضیت میں ارکان کیطرح ہے (شامی) **مسئلہ** جو وقت امام شروع میں اللہ اکبر کہہ چکے تو فوراً مقتدی بھی تکبیر تحریمہ کہے۔ اگر مقتدی اکبر کا لفظ امام کی تکبیر سے پہلے کہہ لیگا تو نماز نہوگی۔ اسیطرح اگر امام رکوع میں اور مقتدی رکوع میں پہنچکر تکبیر کہے تو نماز شروع نہوگی (عالمگیری) **مسئلہ** اگر مقتدی کو پہلی رکعت ملگئی تو تکبیر تحریمہ کا ثواب کی فضیلت مل جائیگی (عالمگیری) **مسئلہ** ایک شخص نے امام کو رکوع میں پایا اور اس نے

کھڑے ہو کر تکبیر کہی مگر نہ رکوع کی تکبیر کی نیت کی نہ تکبیر تحریمہ کی تو اس شخص کی نماز تو صحیح ہے مگر نیت لغو ہے (عالمگیری) **مسئلہ** گونگا آدمی اور وہ ان پڑھ شخص جو اچھی طرح کچھ نہیں پڑھ سکتا اسکی نماز کی صرف نیت کافی ہے زبان کو حرکت دینا واجب نہیں (عالمگیری)

قیام کے مسائل | **مسئلہ** فرض نماز میں وتر میں اور فجر کی سنتوں میں قیام فرض ہے بغیر عذر شرعی کے معاف نہیں ..... ہاں نفلوں میں بغیر عذر کے بیٹھکر نماز پڑھنی جائز ہے (درمختار) **مسئلہ** اگر کوئی شخص بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے یا زیادہ بوڑھا ہو جانے کی وجہ سے فرض یا واجب نماز بیٹھ کر پڑھے تو جائز ہے کیونکہ یہی شرعی عذر ہیں اسکو معذور سمجھا جائیگا (درمختار) جتنی قرأت فرض ہے اتنی ہی دیر قیام کبھی فرض ہے اور بقدر سورہ فاتحہ اور ایک چھوٹی سورت کے پڑھنے کے قیام واجب ہے، اگر اس سے زائد سنت یا مستحب ہے (درمختار)

مسئلہ اگر ایک شخص مسجد میں آکر جماعت سے نماز پڑھتا ہے تو کھڑے ہونے کی طاقت نہیں ہوتی بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اور گھر پر کھڑے ہو کر پڑھ سکتا ہے تو اسکو گھر پر کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھ لینی چاہئے کیونکہ قیام فرض ہے اور جماعت واجب ہے واجب کیلئے فرض ترک نہیں کیا جا سکتا (درمختار) **مسئلہ** اگر ایک شخص جماعت میں جلدی سے جھکے جھکے آکر شریک ہو گیا اور صرف تکبیر تحریمہ کہی تکبیر انتقال جو رکوع میں جاتے وقت کہی جاتی ہے نہ کہہ سکا تو دیکھا جائیگا کہ اگر اتنا جھکا ہوا آیا تھا کہ ہاتھ گھٹنوں پر پہنچ رہے تھے یعنی بالکل رکوع کی حالت میں آیا تھا تو اسکو یہ رکعت نہیں ملی کیونکہ رکعت میں قیام فرض تھا اور اسکو قیام نہ ملا اور اگر آکر کھڑے ہو کر تکبیر کہی اور پھر رکوع کیا مگر رکوع میں جانے کی تکبیر نہ کہی تو قیام صحیح ہے اور رکعت مل گئی (درمختار)

قیام کے معنی | قیام کے یہ معنی ہیں کہ اگر ہاتھ سیدھے چھوڑ دیئے جائیں تو گھٹنوں تک نہ پہونچیں اس طرح تھوڑی دیر ٹھیرنے سے بھی قیام ادا ہو جاتا ہے (عالمگیری)

مسئلہ بغیر عذر کے ایک پانوؤں سے قیام کرنا مکروہ ہے (عالمگیری)

قرأت کے مسائل | ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیتیں ہر رکعت میں پڑھنی فرض ہیں اس سے کم میں نماز نہ ہوگی۔ **مسئلہ** اگر ایک شخص صحیح حرف ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے مگر ادا نہیں کرتا تو قرأت جائز نہیں (عالمگیری) توتلا، ہکلا اور گونگا آدمی معذور ہے اگر ان سے صحیح حروف نہ پڑھے جائیں یا بالکل ہی پڑھنا ممکن نہ ہو تب بھی ان کی نماز

ٹھیک ہے۔ **مسئلہ** نماز فرض کی چار رکعتیں ہوں یا تین یا دو۔ بہر صورت دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے خواہ رکعتیں پہلی ہوں یا پچھلی۔ اگر کسی رکعت میں قرأت نہ کی یا صرف ایک میں کی تو نماز نہ ہوگی (عالمگیری)، اگر کوئی شخص کھڑے کھڑے بغیر ٹیک لگائے نماز میں سو گیا اور نیند کی حالت میں قرأت پڑھی تو جائز نہیں پھر سے قرأت پڑھے یہی حکم اور ارکان کا بھی ہے یعنی اگر سوتے ہوئے سجدہ کیا تو صرف اس سجدہ کا اعادہ کرے اور اگر سجدہ میں سو گیا تو کچھ نقصان نہ ہوا سجدہ ہو گیا۔ ہاں اگر پوری رکعت سوتے ہوئے ادا کی تو نماز فاسد ہو گئی، دوبارہ پڑھے (عالمگیری)

رکوع و سجود کے مسائل

مسئلہ کبڑا آدمی جو ہر وقت رکوع ہی میں رہتا ہے رکوع کیلئے صرف اشارہ کرے کافی ہے زیادہ جھکنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ پہلا اور دوسرا یعنی دونوں سجدہ باجماع امت فرض ہیں (عالمگیری) **مسئلہ** اگر کسی شخص نے بلا عذر صرف ناک ہی پر سجدہ کیا پیشانی زمین پر نہ رکھی تو سجدہ نہ ہوا اسی پر فتوٰی ہے۔ مگر معذور کے لئے صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز ہے (عالمگیری) **مسئلہ** صرف پیشانی سے بغیر ناک زمین پر رکھے ہوئے سجدہ مکروہ ہے (عالمگیری) ناک پر سجدہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ناک کا سخت حصہ زمین سے چھو جائے صرف ناک کا نرم حصہ زمین سے لگجانا کافی نہیں ہے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر ناک اور پیشانی دونوں سے آدمی سجدہ نہیں کر سکتا اور ایک کو بھی زمین پر کسی عذر کی وجہ سے نہیں رکھ سکتا یعنی ناک و پیشانی زخم ہے یا کوئی اور عذر ہے تو سجدہ کے لئے صرف اشارہ کرنا کافی ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ گھاس اور گدے پر اس وقت سجدہ درست ہے کہ ناک اور پیشانی ٹھہر جائے یعنی ناک و پیشانی نہ پر جا کر ایسی رک جائے کہ دبانے سے آگے نہ دب سکے۔ اسی حکم میں وہ پرال ہے جو موسم سرما میں دیہات میں مسجدوں میں پچھا دیئے جاتے ہیں (عالمگیری) **مسئلہ** آدمی کی پیٹھ پر سجدہ کرنا معذور آدمی کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ آدمی جس کی پیٹھ پر یہ سجدہ کر رہا ہے یہ ہی نماز پڑھ رہا ہو نہ تو خالی بیٹھا ہو اور نہ کوئی دوسری نماز پڑھ رہا ہو۔ معذور کا مطلب یہ ہے کہ جگہ بہت تنگ ہو مثلاً عیدین یا جمعہ کی نماز میں آدمی اس قدر زیادہ ہوں کہ عیدگاہ یا مسجد میں صاف زمین سجدہ کرنے کے لئے نہ مل سکے تو مجبوراً سامنے والے آدمی کی پشت پر سجدہ کرلے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** سجدہ کی جگہ قدموں کی

جگہ ہموار ہونی چاہئے لیکن اگر ایک بالشت اونچی بھی ہوگی تو بھی سجدہ جائز ہے اور اس سے زیادہ اونچی پر بلا عذر سجدہ کرنا جائز نہیں **مسئلہ** پہلا سجدہ کرکے کم از کم اتنا اٹھنا چاہیے کہ بیٹھنے کے قریب ہوجائے پھر دوسرا سجدہ کرے اگر اس سے پہلے سجدہ کریگا تو بقول صحیح دوسرا سجدہ نہوگا (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** ایک شخص نے ناک اور پیشانی سجدہ سے اٹھا کر فوراً پھر زمین پر رکھدی اس صورت میں صرف ایک ہی سجدہ ہوگا اسیطرح اگر مقتدی امام سے پہلے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھالے اور فوراً پھر سر جھکادے تو بھی ایک ہی رکوع اور ایک ہی سجدہ ہوگا اور نماز درست ہوجائیگی (عالمگیری)

قعدہ کے مسائل جسطرح دیگر نمازوں میں خواہ فرض ہوں یا واجب یا سنت فرض ہیں اسیطرح قعدہ بھی سب نمازوں میں فرض ہے۔ فرض ہوں یا واجب یا سنت ہاں قیام نفلوں میں فرض نہیں ہے (غایۃ الاوطار) اخیری فرض یعنی نماز کو قصداً تمام کرنا یہ حنفیہ کے نزدیک فرض ہے اور دو ائمہ کے نزدیک فرض نہیں ہے صرف واجب ہے۔

نماز کے واجبات مختلف نمازوں میں ۱۹ چیزیں واجب ہیں۔ ہر نماز میں یہ واجبات کی مقدار نہیں ہے کسی نماز میں کم ہیں کسی میں اتنے ہی ہیں۔

(۱) فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کیلئے مقرر کرنا (۲) الحمد شریف پڑھنا (۳) الحمد کا ہر رکعت میں ایک دفعہ پڑہنا (۴) الحمد کا سورت سے پہلے پڑہنا (۵) فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور واجب و سنتوں کی سب رکعتوں میں سورت کا ملانا۔ (۶) دو رکعتوں کے درمیان اور دو سجدوں کے درمیان ترتیب رکھنی (۷) رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا۔ (۸) دو رکعتوں کے بعد تیسری رکعت سے قبل بیٹھ جانا (۹) تعدیل ارکان یعنی رکوع و سجود قومہ اور جلسہ میں سبحان اللہ کہنے کی مقدار اطمینان کیساتھ توقف کرنا (۱۰) فجر مغرب عشا جمعہ تراویح عیدین اور رمضان کے وتروں میں امام کیلئے چلا کر قرأت کرنی اور ظہر و عصر وغیرہ میں آہستہ سے پڑہنی (۱۱) جلسہ (۱۲) پہلے اور دوسرے دونوں قعدوں میں التحیات پڑہنی (۱۳) لفظ سلام پر نماز تمام کرنی (۱۴) تکبیر قنوت کہنی (۱۵) دعاء قنوت پڑہنی (۱۶) عید الفطر اور عید الضحیٰ کی نمازوں میں چھ چھ تکبیریں کہنی (۱۷) مقتدی کا قرأت سے خاموش رہنا اور امام کی قرأت پر اکتفا کرنا (۱۸) مقتدی کو امام کی تابعداری ہر صورت میں کرنی (۱۹) سجدہ تلاوت کرنا (کبیری و غایۃ الاوطار)

نماز کی سنتیں

نماز میں ۲۶ سنتیں ہیں (۱) تکبیر تحریمہ کے لئے تکبیر کہنے سے پیشتر دونوں ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا (۲) تکبیر کے وقت انگلیوں کا قبلہ رخ اور اصلی حالت پر رکھنا یعنی نہ زیادہ کشادہ رکھنا نہ بالکل ملی ہوئی رکھنا (۳) امام کو تکبیر تحریمہ اور باقی تکبیروں میں بقدر ضرورت پکار کر کہنا تاکہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے مگر اپنی نماز کی تکبیروں کی نیت بھی ہونی چاہئے اگر ان تکبیرات سے امام کی نیت صرف لوگوں کو ہی خبردار کرنے کی ہوگی اور اپنی نماز کی تکبیروں کی نہو گی تو نہ امام کی نماز ہوگی نہ مقتدیوں کی باقی امام کے سوا مقتدی اور تنہا نماز پڑھنے والا اتنی آہستہ تکبیریں کہے کہ خود سُن لے (۴) ناف کے نیچے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھنا (۵) یعنی سبحانک اللّٰھم پڑھنا (۶) اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا (۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔ امام ہو یا منفرد بہرحال اس رکعت میں جسمیں صرف الحمد پڑھی جاتی ہے اور سورۃ نہیں پڑھی جاتی سب کے لئے الحمد سے قبل آہستہ بسم اللہ پڑھنی سنت ہے اور اعوذ صرف پہلی رکعت میں پڑھی جائے باقی رکعتوں میں نہ پڑھی جائے (عالمگیری) (۸) فرض کی پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف الحمد پڑھنی (۹) آمین کہنی (۱۰) اعوذ و بسم اللہ اور آمین آہستہ کہنی (۱۱) قرأت مسنون پڑھنی (۱۲) تکبیرات انتقالی یعنی رکوع اور سجدہ کے لئے اللہ اکبر کہنا (۱۳) رکوع میں سبحان ربی العظیم تین بار کہنا (۱۴) رکوع میں دونوں گھٹنوں کو ہاتھوں کی کشادہ انگلیوں سے پکڑنا۔ (۱۵) امام کو سمع اللہ لمن حمدہ کہنا اور مقتدی کو ربنا لک الحمد اور تنہا آدمی کو دونوں ملا کر کہنا (۱۶) سجدہ میں دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کو پیشانی سے پہلے زمین پر رکھنا (۱۷) سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا (۱۸) جلسہ اور تشہد میں دایاں پاؤں کھڑا اور بایاں پاؤں بچھا رکھنا (۱۹) ہر جلسہ اور تشہد میں دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا (۲۰) التحیات میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کہتے وقت کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اشھد ان لا الہ الا اللہ کہنے کے وقت کلمہ کی انگلی سے ترپین کے ہندسہ کی طرح شکل بنائے یعنی تینوں انگلیاں بند کرکے کلمہ کی انگلی کھڑی کردی اور انگوٹھے کے سر کو شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے جوڑ پر رکھے اور جب اللہ کہے تو اس انگلی کو گرا دے۔ حنفیہ کا یہی مذہب ہے (کبیری و شامی) (۲۱) اخیری قعدہ میں درود شریف پڑھنی (۲۲) اخیری قعدہ میں دعا پڑھنی (۲۳) سلام کے وقت دائیں

بائیں منہ پھیرنا (۲۴) امام کے لئے فرشتوں اور مقتدیوں کے سلام کی نیت کرنی۔ (۲۵) امام کے لئے پہلے سلام سے دوسرے سلام کو پست آواز سے کہنا (۲۶) السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے الفاظ کہکر دائیں بائیں بائیں منہ پھیرنا (غایۃ الاوطار عالمگیری)

نماز کے مستحبات ذیل میں نماز کے مستحبات ذکر کئے جاتے ہیں :۔

(۱) تکبیر تحریمہ کے وقت مرد کے لئے دونوں ہاتھ آستینوں یا چادر آنچل سے باہر نکالنا (۲) دونوں قدموں کے درمیان بقدر چار انگل کے فاصلہ رکھنا (۳) تنہا نماز پڑھنے والے کو رکوع و سجود میں تین بار سے زائد تسبیح پڑھنا (۴) قیام کے وقت سجدہ گاہ پر رکوع کے وقت دونوں پاؤں کی پشت پر سجدہ میں ناک کے سرے پر، قعود میں اپنی گود پر پہلے سلام پر دائیں شانے پر نظر رکھنی (۵) رکوع میں انگلیوں کا کشادہ رکھنا اور سجدہ میں ملا ہوا رکھنا (۶) جمائی کے وقت نماز میں منہ بند رکھنا (۷) اگر نماز میں کھانسی آجائے تو بقدر امکان دفع کرنا (غایۃ الاوطار)

مردوں کیلئے حنفی مذہب کے مطابق نماز پڑھنیکا قاعدہ

نماز پڑھنے کا وہ قاعدہ جو سلف سے حنفی مذہب کے مطابق منقول متواتر ہے اور جس میں فرض واجب سنت مستحب سب ہی ادا ہو جاتے ہیں یہ ہے :۔

جب نمازی نماز شروع کرنی چاہے تو پہلے قبلہ رخ کھڑا ہو دونوں قدموں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ چھوڑے پھر دل سے نیت کرے اور زبان سے یہ نیت کہے کہ نیت کرتا ہوں میں اتنی رکعت فلاں نماز فرض کی خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے منہ میرا طرف کعبہ شریف کے پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلیاں قبلہ کی طرف ہوں انگلیاں جدا جدا ہوں اور انگوٹھے کانوں کی لو تک پہنچ جائیں اس وقت فوراً اللہ اکبر کہکر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے اس طرح باندھے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر ہو اور بائیں ہاتھ کے پہونچے کا حلقہ انگوٹھے اور چھنگلی سے کر لیا جائے باقی تینوں انگلیاں کلائی کے اوپر ہوں۔ اس کے بعد اسطرح پڑھنا شروع کرے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اسی طرح پوری سورۂ حمد ختم کر کے آمین کہے اور قرآن کا کہیں سے کچھ حصہ پڑھے جو جو یاد ہو پھر رکوع کرے جھکنے کے وقت تکبیر کہے

اور رکوع میں پورا پہونچتے پہونچتے تکبیر پوری کرے (اسی طرح اور ارکان میں بھی کرے یہ نہ کرے کہ رکن کے اندر پہونچکر تکبیر کہے اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے) پھر ہاتھوں کی انگلیاں پھیلا کر گھٹنوں کو مضبوط پکڑے۔ پنڈلیاں سیدھی رکھے۔ کمان کیطرح نہ جھکائے پشت کو پھیلائے کبڑی نہ کرے۔ سر نیوں کو پشت کی برابر ہموار رکھے سر نہ زیادہ جھکائے نہ اوپر کو اٹھائے بلکہ پشت کی برابر رکھے پھر تین بار سبحان ربی العظیم کہے اس کے بعد امام سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہتا ہوا کھڑا ہو اسکے بعد جھکتے ہوئے اللہ اکبر کہتا ہوا اسطرح سجدہ میں چلا جائے کہ اول دونوں زانو زمین پر ٹیکے پھر دونوں ہاتھ زمین پر رکھے کہنیاں بغلوں سے اور زمین سے علیحدہ رکھے پھر ناک اور اسکے بعد پیشانی زمین پر رکھے۔ ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رکھے تاکہ انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رہے سجدہ میں پیشانی دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں اس طرح کہ انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہو جائیں۔ سجدہ میں پانوؤں کی انگلیاں نہ اٹھیں ورنہ سجدہ نہ ہوگا پھر تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے پھر سجدہ سے سر اور ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ پہلے پیشانی اٹھائے پھر ناک پھر ہاتھ اسکے بعد باطمینان جلسہ کرے یعنی اتنی دیر کم از کم بیٹھے جتنی دیر میں ایک بار سبحان پڑھ جاتا ہے (اگر جلسہ میں یہ دعا بھی پڑھے تو مسنون ہے اللھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی (شامی) پھر اللہ اکبر کہتا ہوا دوسرا سجدہ پہلے سجدہ کیطرح کرے اسکے بعد دوسری رکعت کے لئے اللہ اکبر کہتا ہوا پنجوں کے بل بغیر ہاتھ ٹیکے ہوئے اٹھے ہاتھ ٹیک کر بغیر عذر کے اٹھنا صحیح نہیں ہے دوسری رکعت میں بسم اللہ پڑھکر سورۂ حمد پڑھے اور قرآن کا کوئی حصہ جو اچھا یاد ہو پڑھے مگر دوسری رکعت پہلی رکعت سے چھوٹی ہونی چاہئے اور قرآن کی وہ آیتیں پڑھنی چاہئیں جو پہلی رکعت کے حصہ قرآن کے بعد ہیں یعنی ترتیب قرآن کا لحاظ رکھے اس کے بعد پہلی رکعت کیطرح رکوع قومہ سجدہ جلسہ اور دوسرا سجدہ کرکے اللہ اکبر کہکر قعدہ میں اسطرح بیٹھے کہ دایاں پانوؤں کھڑا رکھے اور بائیں پانوؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے مگر بائیں پاؤں کو دائیں پانوؤں کے نیچے لاکر باہر کو نکالے اور اس طرح کا قعدہ صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے قعدہ میں دونوں ہاتھ اور دونوں پانوؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رہنی چاہئیں۔ ہاتھوں کو رانوں پر رکھکر یہ تشہد پڑھے۔ التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الٰہ
الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ اسکے بعد یہ درود پڑھے اللھم صل علی
محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید
اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک
حمید مجید درود سے فارغ ہوکر یہ دعا پڑھے۔ اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا و
لا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور
الرحیم (اشعۃ اللمعات) یہ دعا حضرت ابوبکر صدیق رض کو حضور سرور کائنات صلعم نے
تعلیم فرمائی تھی۔ اسکے بعد اگر امام ہو تو دائیں طرف کے فرشتوں اور مقتدیوں کی نیت کرکے داہنی طرف منہ پھیرکر
السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور بائیں طرف کو منہ پھیر کر ادھر کے فرشتوں اور مقتدیوں کی نیت کرکے بھی یہی کہے اور نماز
ختم کردے اگر مقتدی ہے تو فرشتوں اور مقتدیوں کیساتھہ نیت میں امام کو بھی شامل کرنا چاہئے بشرطیکہ
امام اسطرف ہو اور اگر تنہا ہے تو سلام پھیرتے وقت صرف فرشتوں کی نیت کرے یہ تو دو رکعت
پڑھنے کی ترکیب ہے۔ باقی اگر ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نماز ہو تو وہ بھی اسی طرح پڑھی جائیگی۔
فرق صرف اس قدر ہے کہ چار یا تین رکعت والے فرض میں اس قعدہ پر جسپر دو رکعت
والی نماز ختم کی ہے سلام نہ پھیرے صرف التحیات اور تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے اور پچھلی دونوں
رکعتوں میں سوائے الحمد کے کچھہ اور نہ پڑھے باقی ساری نماز اسیطرح پڑھے **مسئلہ** چار رکعتوں
والی سنتوں میں چاروں رکعتوں میں سورۂ حمد کے ساتھہ کچھہ آیات قرآنی ملانی ضروری
ہیں یعنی سنتیں نفلیں اور وتر سب بھرے پڑھے جاتے ہیں خالی کوئی رکعت نہیں ہوتی۔
مسئلہ باقی فرضوں کی اخیری دو رکعتوں میں سورۂ حمد پڑھی جائے مگر بعض فقہا کے نزدیک
خاموش کھڑا رہنا بھی جائز ہے **مسئلہ** جن نمازوں کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں ان میں
فرض ختم کرکے امام یہ دعا پڑھے اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت
ربنا وتعالیت یا ذوالجلال والاکرام پھر فوراً کھڑا ہوکر اپنی جگہ سے ہٹکر دوسری
جگہ سنتیں ادا کرے اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہوتی ہیں (مثلاً فجر وعصر) ان سے
فارغ ہونے کے بعد امام دائیں بائیں یا مقتدیوں کیطرف منہ کرکے بیٹھے۔ باقی امام ہو یا
مقتدی یا تنہا نماز پڑھنے والا سب کے سب نماز کے بعد تین بار استغفر اللہ پڑھ کر ایک
بار آیۃ الکرسی اور ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھیں

آیۃ الکرسی پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو کوئی فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے گا اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت حائل رہجاتی ہے یعنی مرنے کے بعد یہ شخص یقیناً اور فوراً جنت میں جائیگا۔

نوٹ:- مذکورہ طریقہ امام اور تنہا پڑھنے والے کیلئے ہے۔ مقتدی اتنی اور زیادتی کریگا کہ نیت کے وقت اقتدار کی بھی نیت کریگا اور پہلی رکعت میں سبحانک اللھم پڑھ کر اخیر تک خاموش رہیگا اور قومہ میں صرف ربنا لک الحمد کہیگا۔ نیز جہری نماز میں آمین آہستہ کہیگا باقی سب اذکار امام کیطرح ادا کریگا۔

حنفی مذہب کے مطابق عورتوں کے نماز پڑھنے کا قاعدہ اور اختلافی مسائل

عورت کی نماز مرد کی نماز سے ہمارے مذہب میں ۲۱ باتوں میں مختلف ہے (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت عورت صرف شانوں تک ہاتھ اٹھائے (۲) عورت آستینوں یا دوپٹہ کے اندر سے ہاتھ باہر نہ نکالے (۳) عورت دائیں ہاتھ کی ہتیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے بائیں ہاتھ کی کلائی پر نہ رکھے (۴) سینہ پر ہاتھ باندھے (۵) مرد کی بہ نسبت رکوع میں کم جھکے (۶) رکوع میں ہاتھوں پر سہارا نہ دے (۷) رکوع میں انگلیوں کو کشادہ نہ رکھے (۸) رکوع میں گھٹنوں کو جھکائے (۹) رکوع میں گھٹنوں پر صرف ہاتھ رکھدے زور سے نہ پکڑے (۱۰) رکوع میں سمٹی رہے (۱۱) سجدہ میں بغلیں نہ کھولے سمیٹے رکھے (۱۲) سجدہ میں دونوں ہاتھ کہنیوں تک زمین پر بچھائے (۱۳) قعدہ میں دونوں پاؤں کو باہر کو نکالکر سرین پر بیٹھے کوئی پاؤں کھڑا نہ رکھے (۱۴) قعدہ اور جلسہ میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی رکھے (۱۵) عورت کی نماز کے سامنے سے اگر کوئی شخص گذرے تو یہ ہاتھ پر ہاتھ ملا کر زبان سے کچھ نہ کہے اور مرد زبان سے سبحان اللہ کہے (۱۶) عورت مرد کی امامت نہیں کرسکتی۔ مرد عورت کی امامت کرسکتا ہے (۱۷) عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اور مردوں کی جماعت واجب (۱۸) اگر عورتیں مکروہ تحریمی ہونے کے باوجود جماعت کریں تو امام عورت بیچ میں کھڑی ہو آگے نہ کھڑی ہو (۱۹) عورتوں پر جمعہ اور عیدین کی نماز نہیں اور مردوں پر واجب ہے (۲۰) عورتوں پر ایام تشریق میں تکبیریں نہیں مردوں پر واجب ہیں (۲۱) عورت کے لئے فجر کی نماز اندھیرے میں مستحب ہے اور مرد کے لئے اجالا ہونے کے بعد۔ (غایۃ الاوطار)

نماز کو فاسد کرنے والے افعال بارہ ہیں

(۱) قصداً یا بھول کر کلام کرنا خواہ کم ہو یا زیادہ (۲) نماز میں قصداً یا سہواً سلام تحیت کرنا یعنی وہ سلام کرنا جو یوں بھی طور پر باہم کیا جاتا ہے) (۳) سلام کا جواب نماز میں دینا خواہ بھولکر ہو یا قصداً (۴) چھینک کا جواب دینا (۵) کوئی مصیبت کی حالت سنکر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھنا (۶) کوئی خوشی کی خبر سن کر سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہنا (۸) سوائے امام کو اور کسی کو نماز میں لقمہ دینا (۹) نماز میں خدا سے اس قسم کے سوال کرنا جسطرح مخلوق سے کئے جاتے ہیں مثلاً یا الہٰی فلاں عورت سے میرا نکاح کرا دے. فلاں عہدہ دلوا دے. فلاں نوکری کرا دے (۱۰) آہ یا اف کرنا (۱۱) قرآن شریف میں دیکھ دیکھکر پڑھنا یعنی قرآن یاد نہو اور پھر قرآن سامنے رکھکر نماز میں دیکھ دیکھکر کچھ پڑھا جائے (۱۲) قرآن شریف غلط پڑھنا (نہایۃ الاوطار و عالمگیری)

نماز کو فاسد کرنے والے افعال تیرہ ہیں

(۱) عمل کثیر یعنی کوئی ایسی حرکت نماز میں کرنی جسکے سبب سے دور سے دیکھنے والا یہ سمجھ لے کہ یہ حرکت کرنے والا نماز کے اندر نہیں ہے بشرطیکہ وہ عمل اصلاح نماز کے لئے نہو خواہ یہ عمل اپنے ارادہ اور قصد سے کیا جائے جیسے کہ کپڑے پہننا کچھ کھانا وغیرہ یا بغیر ارادہ کے ہو جائے مثلاً کسی دھکے سے نمازی چند قدم ہٹ جائے. ہاں اگر عمل کثیر نماز کی اصلاح کے لئے ہے تو نماز نہیں ٹوٹیگی مثلاً کوئی شخص نماز پڑھتے پڑھتے کسی وجہ سے بے وضو ہو گیا اور نماز چھوڑ کر وضو کرنے مسجد کے اندر ہی اندر چلا گیا چونکہ یہ فعل اصلاح نماز کے لئے ہی اسلئے نماز نہیں ٹوٹیگی اگرچہ یہ عمل کثیر ہے دور سے دیکھنے والا بھی خیال نہیں کر سکتا کہ یہ شخص نماز میں ہے (درمختار) ہاں اگر دور سے دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ یہ حرکت کرنیوالا نماز میں ہے یا کم از کم اسکو تردد ہو جائے کہ جانے یہ نماز میں ہے یا نہیں ہے بہر صورت نماز نہیں ٹوٹیگی (درمختار. شامی. کبیری) (۲) جانکر یا بھول کر کھانا پینا (۳) بلا عذر قبلہ کیطرف سے سینہ پھیرنا (۴) بغیر ضرورت کے دو صفوں کی مقدار کے برابر ایکدفعہ چلنا (۵) کسی دکھ درد کی وجہ سے رونا (۶) جوان آدمی کا نماز میں چلا کر ہنسنا (۷) نماز میں غیر نمازی کا کہنا ماننا مثلاً کسی شخص نے جو نماز نہیں پڑھ رہا تھا نمازی سے کہا کہ ہٹ جا اور وہ اسکے کہنے سے بلا خیال امر شرعی ہٹ گیا تو نماز ٹوٹ جائیگی اور اگر ہٹنے یعنی صف میں جگہ دینے کیوقت

رسول اللہ صلعم کی اطاعت کا خیال کر لیا تو نماز فاسد ہوگی (شامی) (۱۰) امام کا کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین بنانا جو امامت کے قابل نہیں ہے (۱۱) امام بے وضو ہوگیا اور نماز میں سے ہٹ کر مسجد سے باہر چلا گیا اور کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا یہ بھی مفسد نماز ہے سب کی نماز جاتی رہیگی (۱۲) نماز میں حدث ہو جانے کے باوجود نمازی کا مقام حدث پر بمقدار ایک رکن نماز کے ٹھیرا رہنا یعنی نمازی کو نماز میں حدث ہو گیا اور وہ اتنی دیر جگہ سے نہیں ہٹا جتنی دیر میں نماز کا ایک رکن سجدہ یا رکوع وغیرہ کیا جاتا ہے تو نماز فاسد ہو جائیگی (۱۳) عورت کا مرد کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مگر اس میں چند شرطیں ہیں۔ (۱) عورت قابل جماع ہو (۲) نماز وہ ہو جسمیں رکوع سجود کیا جاتا ہو نماز جنازہ وغیرہ نہو (۳) عورت مرد شروع تکبیر تحریمہ سے آخر تک شریک رہیں (۴) مکان واحد ہو لہذا اگر مرد ایسے چبوترہ پر ہو جو قد آدم اونچا ہو اور عورت نیچے کھڑی ہو تو نماز فاسد نہوگی (۵) عورت مرد میں کوئی چیز حائل نہو اگر درمیان میں ستون یا سترہ حائل ہوگا تو نماز فاسد نہوگی اسیطرح اگر درمیان میں ایک آدمی کی بقدر فاصلہ چھوٹا ہوا ہے تب بھی نماز فاسد نہوگی (۶) عورت ذی عقل ہو دیوانی نہو اگر دیوانی عورت برابر کھڑی ہو جائیگی تو نماز فاسد نہوگی (۷) امام نے عورتوں کی امامت کی نیت بھی کی ہو اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت نہ کی تو عورت کی اقتدار صحیح نہیں اور جب اقتدار صحیح نہیں تو عورت کا برابر آکر کھڑا ہونا مفسد نماز نہیں ہے اور امامت میں یہ بھی شرط ہے کہ امام نے تکبیر تحریمہ سے قبل عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو اگر درمیان نماز میں یہ نیت کی تب بھی عورت کی نماز نہوگی اور مرد کی برابر اس کا آکر کھڑا ہونا مرد کی نماز کے لئے کچھ مضر نہیں ہے (۸) مرد عورت دونوں ایک رخ کو نماز پڑھ رہے ہوں اگر عورت اندھیری رات میں کسی اور طرف نماز پڑھ رہی ہو اور مرد اپنی رائے سے کسی اور سمت کو تب بھی نماز میں خرابی نہیں (غایۃ الاوطار و عالمگیری)

فساد نماز کے متعلق مسائل

مفسدات نماز کے مسائل | **مسئلہ** بلا عذر کھنکارنے یا ہنکارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے (غایۃ الاوطار) ہاں اگر امام آواز درست کرنے کے لئے یا مقتدی امام کی غلطی بتانے کے لئے کھنکارے تو نماز فاسد نہیں ہوتی (شامی) **مسئلہ** ایک مقیم نے اپنے

آپ کو مسافر سمجھکر یا ظہر پڑھنے والے نے جمعہ کی نماز خیال کرکے دوسری رکعت میں سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہو جائیگی کیونکہ اصل نماز میں ہی سہو ہو گیا **مسئلہ** اگر کسی نے دوسری رکعت کے قعدہ میں اس خیال سے سلام پھیر دیا کہ یہ چوتھی رکعت ہے تو نماز فاسد نہوگی اسکو کھڑے ہو کر نماز پوری کر لینی چاہیے اور اخیر میں سجدۂ سہو کر لینا چاہئے **مسئلہ** اگر کسی نے نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر سے قبل سلام پھیر دیا تو نماز فاسد نہوگی۔ دعا مقررہ پڑھ کر چوتھی تکبیر پڑھکر سلام پھیر دینا چاہیے **مسئلہ** اگر کسی نے معمولی نماز میں قیام یا رکوع یا سجود کی حالت میں سہواً سلام پھیر دیا تو نماز ٹوٹ جائیگی کیونکہ یہ موقعے نماز کے ہیں سلام تحلیل کے نہیں ہیں (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** کسی شخص کو نماز میں چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا یا چھینکنے کے بعد اپنے نفس کو خطاب کرکے یرحمک اللہ کہا تو نماز نہ ٹوٹیگی ہاں اگر غیر کو سبب چھینکنے کا جواب دے گا تو نماز ٹوٹ جائیگی (اسی طرح سلام وغیرہ کا جواب دینے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے) جسکو اوپر مفصل بیان کر دیا گیا ہے **مسئلہ** اگر کسی نے نمازی سے کچھ بات دریافت کی اور نمازی نے جواب میں قرآن کی کوئی آیت پڑھ دی مثلاً کسی نے دریافت کیا تیرے پاس کیا کیا ہے؟ نمازی نے جواب دیا اَلْخَیْلُ وَالْبِغَالُ وَالْحَمِیْرُ یعنی گھوڑے خچر اور گدھے تو نماز فاسد ہو جائیگی (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر کسی نے نماز میں کسی کی زبان سے اللہ پاک کا نام سنکر جل جلالہ کہدیا یا نبی کا نام سنکر صلی اللہ علیہ وسلم کہدیا یا قرأت قرآن سنکر صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کہا تو نماز فاسد نہوگی بشرطیکہ پڑھنے والے کو جواب دینے کی نیت نہو اور اگر جواب کی نیت کی ہے تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ (عالمگیری و درمختار)

غلطی قرآن کے اقسام اور ہر ایک کا حکم

تحقیق مسئلہ قرآن کی غلطیاں چند قسم کی ہیں (۱) اعراب کی غلطی یعنی زبر کی جگہ زیر اور زیر کی جگہ پیش، متحرک کی جگہ ساکن یا ساکن کی جگہ متحرک پڑھنا۔ مشدد حرف کی بجائے مخفف یا مخفف کی بجائے تشدید پڑھنا مد کی بجائے قصر یا قصر کی بجائے مد ظاہر کرنا وغیرہ۔ (۲) تبدیل حرف کی غلطی یعنی ایک حرف کی بجائے دوسرا حرف پڑھنا یا حرفوں میں کمی بیشی یا تقدیم و تاخیر کر دینا (۳) تبدیل کلمہ یا تبدیل جملہ کی غلطی یعنی ایک لفظ کی بجائے دوسرا لفظ

یا ایک جملہ کی بجائے دوسرا جملہ پڑھنا یا کمی بیشی الفاظ میں کر دینا یا کلام تقدیم تاخیر کر دینا (۴) وقف و وصل کی غلطی یعنی وقف کی بجائے وصل یا وصل کی بجائے وقف کر دینا مطلب یہ کہ ایک کلمہ یا جملہ کو دوسرے سے ملانا چاہیئے تھا لیکن نہ ملایا اور ٹھیراؤ کر لیا یا ٹھیراؤ کرنا تھا اور نہ کیا بلکہ ملا لیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان غلطیوں سے معنی میں کیا تبدیلی ہوئی اگر معنی کی ایسی تبدیلی ہو گئی جسکا اعتقاد کفر ہے تو نماز مطلقاً فاسد ہو جائیگی خواہ اعراب کی غلطی کی وجہ سے ہو یا کلمہ و جملہ کی غلطی کی وجہ سے مثلاً وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (آدم نے اپنے رب کا فرمان نہ مانا اسلئے گمراہ ہو گئے ہیں) وَعَصٰٓى اٰدَمَ رَبُّهٗ (آدم کے رب نے آدم کا کہنا نہ مانا اسلئے گمراہ ہو گیا) پڑھا تو نماز فاسد ہو جائیگی کیونکہ اس وقت کفر آمیز معنی پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بھی کئے وہ بہترین مخلوق ہیں) کی بجائے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بھی کئے وہ بدترین مخلوق ہیں) پڑھا تب بھی نماز فاسد ہو جائیگی کیونکہ اس تغیر سے بھی کفر انگیز معنی پیدا ہوتے ہیں۔

ہاں اگر اعراب کی غلطی سے اعتقاد کفر نہ پیدا ہوا تو فتویٰ اس پر ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اکثر لوگ اعراب کی تمیز نہیں رکھتے مثلاً لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ میں اَصْوَاتُكُمْ تو نماز ہو جائیگی۔ اور اگر حروف یا کلمات کی غلطی سے معنی میں کھلا ہوا تغیر پیدا ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائیگی مثلاً ھٰذَا الْغُرَابُ کی بجائے ھٰذَا الْغُبَارُ پڑھا یا زَرَابِيُّ کی بجائے سَرَابِيْلُ یا ذَاكِرِيْنَ کی بجائے غَافِلِيْنَ پڑھا تو نماز صحیح نہیں اور اگر حروف و کلمات کی تبدیلی سے معنی میں تغیر فاحش نہ پیدا ہوتا ہو اور اس طرح کے کلمات یا جملے قرآن میں موجود ہوں تو نماز فاسد نہیں ہوتی مثلاً علیم کی بجائے حکیم یا خبیر کی بجائے بصیر پڑھیں تو نماز ہو جائیگی اور اگر اس طرح کے کلمات قرآن میں دوسرے مقام پر بھی نہ آئے ہوں تو نماز نہ ہوگی مثلاً قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ کی بجائے قَيّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ پڑھا تو نماز نہ ہوگی کیونکہ یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا ہے۔ ان مسائل میں متقدمین اور متاخرین فقہاء کا بہت اختلاف ہے مگر چونکہ فقہائے متاخرین کے قواعد منضبط نہیں ہوئے ہیں اس لئے نماز کے متعلق بموجب قول ردالمحتار و عالمگیری و کبیری متقدمین کے قواعد کو ہی اختیار کیا گیا ہے اور ہمیں نے متقدمین کی قواعد

کے موافق مسائل لکھے ہیں۔

حروف مدو لین کے معنے

مسئلہ قرأت کو راگنی سے پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح اگر مدو لین میں بھی حد سے تجاوز کریگا تو راگنی ہو جائیگی اور نماز نہو گی (عالمگیری)

تحقیق حروف مد تین ہیں۔ الف۔ آو۔ ی بشرطیکہ ان سے پہلے حروف کی حرکت ان کے موافق ہو جیسے خَالِدِیْنَ میں الف حرف مد ہے کیونکہ اس سے پہلے زبر ہے اور ی بھی حرف مد ہے کیونکہ اس سے پہلے زیر ہے اور مُسْلِمُوْنَ میں واو حرف مد ہے کیونکہ اس سے پہلے میم پر پیش ہے (گویا واو سے پہلے پیش اور الف سے پہلے زبر اور ی سے پہلے زیر ہو تو یہ حرف مد ہیں)

حروف لین دو ہیں آو اور ی بشرطیکہ ان سے پہلے حرف کی حرکت ان کے موافق نہو۔ مثلاً خَالِدِیْنَ میں چونکہ دال پر زبر ہے اسلئے یٓ حرف لین ہے۔

مسئلہ وہ حرف جن کی باہم تمیز مشکل ہے مثلاً س ص۔ ض ظ۔ ت ط ان میں باہم اگر دانستہ تبدیلی کریگا تو نماز فاسد ہو گی اور اگر بے اختیار زبان سے نکل گیا یا حروف کی تمیز نہیں جانتا تو نماز ہو جائیگی (عالمگیری و غایۃ الاوطار) مسئلہ اگر کوئی شخص ہکلا یا توتلا ہے تو اس کو زبان پر حرف صحیح لانے کی انتہائی کوشش کرنی چاہئے اگر انتہائی اور کامل کوشش کرنے کے بعد بھی زبان پر صحیح حرف جاری نہوں تو معذور ہے ہر طرح اس کی نماز درست ہے اور اگر کوشش کرنے سے بعض حرفوں پر زبان صحیح چلنے لگی اور بعض پر نہ چلسکی تو اسکو قرآن میں سے وہ سورتیں یا آیتیں چھانٹ لینی چاہئیں جنمیں کے اکثر حروف اسکی زبان پر صحیح چڑھے ہوئے ہیں اور ان ہی کو نماز میں پڑھنا چاہئے دوسری سورت یا آیت کے پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائیگی اور اگر ایسا ممکن نہو اور اس کو مطلب کے موافق سورت یا آیت نہ ملے تو نماز ادا کرتا رہے مگر امامت نہ کرے (عالمگیری) مسئلہ اگر کسی نے قرأت میں کھلی ہوئی غلطی کی اور پھر لوٹا کر صحیح پڑھ لیا تو نماز فاسد نہ ہوئی مسئلہ اگر قرأت میں کوئی ایسی غلطی ہو گئی کہ بعض وجوہ سے اسکو صحیح بھی کہہ سکتے ہیں تو نماز فاسد نہو گی ہاں اگر دیگر ارکان میں کوئی غلطی ہو گئی کہ بعض وجوہ سے نماز فاسد ہو سکتی ہے اور بعض وجوہ کے اعتبار سے جائز تو احتیاطاً نماز کے فاسد ہونے کا ہی فیصلہ کیا گیا ہے (عالمگیری) مسئلہ عورت کا اگر

قدم مرد کے کسی عضو کے مقابل ہو یعنی عورت اونچے پر ہو یا برابر زمین پر خواہ آگے ہو یا برابر یا پیچھے تو نماز فاسد ہو جائیگی اور اگر قدآدم مرد اونچی جگہ پر کھڑا ہو تو نماز ہو جائیگی۔ یہ مسئلہ پہلے گذر گیا ہے۔ عورتیں اس حکم میں سب برابر ہیں۔ اجنبی ہوں یا محرم بالفعل قابل جماع ہوں یا ایسی لڑکی جس کی طرف رغبت جماع ہو یا ایسی بوڑھی ہو جس سے مردوں کو نفرت ہو۔ (عالمگیری)

مسئلہ اگر عورت مردوں کی صف میں آکر ملجائے تو تین مردوں کی نماز فاسد ہو گی۔ دائیں بائیں والوں کی اور پیچھے والے کی (عالمگیری) مگر اس میں یہ شرط ہے کہ نماز مرد و عورت کی ایک ہی ہو اور اگر نماز دونوں کی علٰیحدہ علٰیحدہ ہے ایک فرض پڑھتا ہے اور دوسرا سنتیں۔ یا وتر وغیرہ تو نماز فاسد نہ ہوگی مگر مکروہ تحریمی ضرور ہے (شامی) **مسئلہ** اگر چنے سے کم کوئی چیز دانتوں میں رہ جائے اور نمازی اسکو نماز میں نگل جائے تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ (در مختار)

مسئلہ اگر کسی کے دانتوں سے خون بحالت نماز نکلا اور خون کم تھا تھوک کی رطوبت زائد تھی اور وہ اس کو نگل گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ ہاں اگر خون غالب ہو اور رطوبت کم ہو تو نکلنے سے نماز جاتی رہیگی (عالمگیری) **مسئلہ** اگر کسی نے مٹھائی کھا کر نماز شروع کی اور نماز میں مٹھائی کا مزہ آتا رہا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ ہاں اگر مٹھائی منہ میں باقی رہی ہو اور مزہ آرہا ہو یا کوئی چیز تل کی برابر منہ سے باہر آجائے اور نمازی اس کو چبا کر نگل جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے (عالمگیری وشامی) **مسئلہ** اگر کسی عورت کا بچہ بحالت نماز آکر دودھ پینے لگا اور دودھ پستان سے نکل آیا تو نماز فاسد ہو گئی اور اگر دودھ نہ بھی نکلے مگر تین چسکیاں لیلے تب بھی نماز جاتی رہتی ہے (شامی) **مسئلہ** اگر نماز میں قے بغیر ارادہ کے منہ بھر کر آگئی اور اس نے تھوک دی تو وضو ٹوٹ گیا نماز فاسد نہ ہوئی۔ وضو کر کے بغیر جدید نیت کے باقی نماز پوری کرے اور اگر منہ بھر کر نہ ہوئی ہو اور تھوک دی ہو تو نہ وضو ٹوٹا نہ نماز۔ اور اگر منہ بھر کر قے ہوئی مگر نمازی اس کو پھر نگل گیا حالانکہ باہر پھینک سکتا تھا تو نماز بھی فاسد ہوئی اور وضو بھی ٹوٹا۔ اور اگر منہ بھر کر نہ تھی اور نگل گیا تو بقول امام محمدؒ نماز ٹوٹ گئی وضو نہ ٹوٹا۔ اور اگر قصداً نماز میں قے کی ہو اور منہ بھر کر ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نہ ہو گی (عالمگیری) **مسئلہ** ایک رکن میں تین بار کھجانا اور ہر بار ہاتھ اٹھانا مفسد نماز ہے۔ اور بلا عذر ایک بار کھجانا مکروہ ہے (عالمگیری)

سترہ کے اور نمازی کے آگے سے گزر جانیکے احکام

سترہ اس لکڑی کو کہتے

ہیں جو نمازی آڑ کے لئے سامنے کھڑی کر لیتا ہے۔ سترہ نمازی کے سامنے تین ہاتھ کے فاصلہ پر دائیں ابرو کے مقابل کھڑا ہونا چاہئے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** بڑی مسجدوں اور جنگل میں تو اس جگہ تک نمازی کے سامنے سے کسی کو نہ گذرنا چاہئے جہاں تک کہ سجدہ گاہ کو دیکھنے کے وقت نمازی کی نظر پہنچے یعنی دو گز ڈھائی گز سجدہ گاہ سے آگے باقی چھوٹی مسجدوں میں اور گھروں اور دوکانوں وغیرہ میں نظر پہنچنے کا اعتبار نہیں ہے ان میں بغیر سترہ کے یا بغیر آڑ کے سامنے نہ گذرنا چاہئے۔ اس کے متعلق سخت وعید حدیث میں آئی ہے گذرنے والا سخت عذاب کا مستحق ہے مگر نمازی کی نماز میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ (در مختار و عالمگیری) **مسئلہ** اگر دو شخص نمازی کے سامنے سے گذریں تو جو شخص نمازی کی طرف ہو وہ گناہگار ہے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر نمازی اتنے اونچے چبوترہ پر نماز پڑھ رہا ہو کہ سامنے سے گذرنے والے آدمی کا سر بھی اس کے پاؤں سے نیچا ہی رہتا ہی تو سامنے سے گذرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ ہاں اگر گذرنیوالے کے اعضاء نمازی کے اعضاء کے مقابل ہو گئے۔ مثلاً گذرنیوالے کا سر نمازی کے پاؤں کے سامنے آگیا تو گنہگار ہوگا (عالمگیری) **مسئلہ** اگر نمازی سر راہ بغیر سترہ کے نماز پڑھنے کھڑا ہو اور لوگوں کو گذرنے کی ضرورت ہے تو گذرنے میں کوئی حرج نہیں ہے نمازی گنہگار ہوگا بشرطیکہ اس کی نیت راستہ روکنے ہی کی ہو ورنہ کسی پر کچھ گناہ نہیں مگر اولی یہی ہے کہ گذرنیوالا ختم نماز تک ٹھہرا رہے (عالمگیری) **مسئلہ** نمازی کے لئے لازم ہے کہ ایک ہاتھ لمبی اور انگل برابر موٹی لکڑی جنگل میں نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے گاڑ دے یا لمبی لمبی ڈال دے چڑان میں نہ ڈالے یہی مسنون ہے۔ اور اگر جنگل میں جماعت ہو تو امام کے سامنے سترہ کافی ہے۔ مقتدیوں کے سامنے ضروری نہیں۔ اب اگر کوئی جماعت کے آگے سے نکلے تو گناہ نہیں ہے کیونکہ امام کا سترہ مقتدیوں کیلئے کافی ہے۔ (عالمگیری) **مسئلہ** نمازی کے آگے سے کوئی چیز ہاتھ بڑھا کر لے لینی جائز ہے (غایۃ الاوطار صـ۲۹۲)

وہ عذر جنکی وجہ سے نماز توڑنی واجب ہے چھ ہیں

(۱) پاخانہ یا پیشاب کی انتہائی سخت ضرورت (۲) حاکم سے فریاد خواہی (۳) کسی مظلوم کی فریاد رسی (۴) جلتے ہوئے یا ڈوبتے ہوئے کو بچانا (۵) اندھے کو کنوئیں میں گرتے ہوئے دیکھتے وقت اس کو بچانے کی کوشش کرنی (۶) مسافر کو سواری کے چلے جانے یا بھاگ جانے

کے وقت نماز توڑنی واجب ہے مسئلہ اگر ماں باپ آواز دیں اور فرض نماز ہو تو نہ توڑنی چاہئے۔ اور نفلیں ہوں تو آواز سنتے ہی جواب دینا واجب ہے۔ بشرطیکہ ماں باپ کو یہ علم نہ ہو کہ بیٹا نماز میں ہے اور اگر یہ جانتے ہوئے ماں باپ آواز دیں اور بیٹا بھی جواب نہ دیں تو مضائقہ نہیں ہے۔ یہی حکم شاگرد کے متعلق بھی ہے۔ (شامی)

وہ عذر جن کی وجہ سے نماز توڑنی جائز ہے تین ہیں

(۱) سانپ بچھو مارنے کے لئے (۲) مقیم کو سواری کے چلے جانے یا بھاگ جانے کے خوف کے وقت (۳) جس چیز کی قیمت کم از کم پانچ آنے ہو اس کے تلف ہونے کے خوف کی وجہ سے خواہ وہ چیز نمازی کی ہو یا کسی اور کی (غایۃ الاوطار)

نماز میں کراہت تحریمی پیدا کرنے والے امور

(۱) کسی کپڑے کے بغیر پہنے ہوئے دونوں کنارے لٹکتے چھوڑ دینا مثلاً چادر کو اپنے دونوں مونڈوں سے لٹکا دینا یا کرتہ وانگرکھہ کی دونوں آستینیں بغیر پہنے ہوئے گردن پر پیچھے کو ڈال لینا (۲) چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں کنارے بائیں مونڈھے پر ڈال لئے جائیں (۳) کپڑے کو سمیٹے رکھنا تاکہ مٹی وغیرہ نہ لگے (۴) آستین یا دامن چڑھائے ہوئے نماز پڑھنی (۵) ڈاڑھی سے کپڑوں سے اور بدن سے کھیلنا (۶) ایسی چیز کا منہ میں رکھنا کہ جس سے قرأت مسنونہ ادا نہ کر سکے اور اگر ایسی ہو جس سے قرأت فرض بھی ادا نہ ہو سکے تو مفسد نماز ہے۔ (۷) نماز میں انگلیوں کا چٹکانا یا ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر جال بنانا (۸) نماز میں ہاتھ کوٹھے پر رکھنا (۹) نماز میں منہ اِدھر اُدھر پھیرنا اور دائیں بائیں توجہ کرنی (۱۰) نماز میں کتے کی طرح بیٹھنا یعنی دونوں رانوں کو کھڑا کرکے دونوں گھٹنے سینہ سے لگا کر سرینوں پر بیٹھنا یا دونوں پاؤں کھڑے کرکے دونوں ایڑیوں پر بیٹھنا اور ہاتھ زمین پر رکھ لینا (۱۱) کسی آدمی کے منہ کی طرف نماز پڑھنا یعنی دوسرا آدمی منہ کئے ہوئے بیٹھا ہوا اور نمازی اس کے منہ کی طرف نماز پڑھے یہ بھی مکروہ تحریمی ہے (۱۲) خود بخود جمائیاں لینی (۱۳) صرف امام کا بلا عذر محراب کے اندر کھڑے ہو کر نماز پڑھانا۔ اگر امام محراب کے باہر کھڑا ہو اور سجدہ محراب کے اندر کرے تو مکروہ نہیں ہے (۱۴) صرف امام کا ایک ہاتھ اونچے چبوترہ پر کھڑا ہونا اور مقتدیوں کا نیچے ہونا یا مقتدیوں کا ایک ہاتھ اونچی جگہ پر ہونا اور امام کا

نیچے ہونا اور اگر اس سے کم اونچی جگہ ہو تو علماء میں اسکی کراہت تحریمی کے متعلق اختلاف ہے (شامی)، (۱۵) نمازی کا اس کپڑے کو پہنکر نماز پڑھنا جسمیں جانداروں کی تصویریں ہوں یا اس مکان میں نماز پڑھنی جس میں دائیں بائیں یا سامنے تصویریں ہوں یہ سب مکروہ تحریمی ہے مکان میں تصویر ونکا رکھنا بھی مکروہ ہے۔ ہاں اگر تصویریں ذلت کے ساتھ ہوں جیسے پاؤں کے نیچے یا سر کٹی ہوئی ہوں تو مکروہ نہیں ہے (شامی) (۱۶) رکوع سجود قومہ اور جلسہ میں طمانیت نہ کرنی یعنی تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار سے کم ٹھیرنا (۱۷) باوجود پاخانہ یا پیشاب کی ضرورت کے نماز پڑھنی (۱۸) چادر کو بدن پر اس طرح لپٹینا کہ کہیں سے ہاتھ باہر نہ نکلے (۱۹) عامہ یا پگڑی صافہ کو اس طرح سر پر باندھنا کہ بیچ میں سر کھلا رہے (۲۰) ڈھاٹہ باندھ کر نماز پڑھنا کہ جس سے ناک اور منہ ڈھک جائے (۲۱) کرتہ ہوتے ہوئے صرف پاجامہ سے نماز پڑھنی (۲۲) عامہ کی کور پر سجدہ کرنا بشرطیکہ زمین کی سختی معلوم ہو یعنی زمین پر سر ٹک جائے اور درمیان میں عامہ کی کور ہو اور اگر زمین کی سختی معلوم ہو تو صرف عامہ کی کور پر ہی سجدہ ہو گا اور نماز فاسد ہو جائیگی (۲۳) مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت پڑھنی (عالمگیری)

نماز میں کراہت تنزیہی پیدا کرنیوالے امور

(۱) ایسے میلے کچیلے کپڑوں سے نماز پڑھنی جن کو پہنکر آدمی دوسروں کے پاس نہ جائے بشرطیکہ اور کپڑے ہوں (۲) بالوں کا جوڑا باندھ کر نماز پڑھنی (۳) نماز میں کنکریوں اور ٹھیکروں کو سجدہ گاہ سے ہٹانا۔ ہاں اگر بغیر ہٹائے سجدہ نہ ہو سکے تو کنکریاں ہٹانی مکروہ نہیں ہے (۴) بلا عذر چار زانو یعنی پالتی مار کر بیٹھنا (۵) جمائی کے وقت منہ کھلا رکھنا (۶) آنکھیں بند کر لینی۔ اگر آنکھیں خشوع خضوع کے لئے بند کی جائیں تو جائز ہے (۷) اگلی صف میں گنجائش کے باوجود مقتدی کا پچھلی صف میں اکیلا کھڑا ہونا۔ اگر اگلی صف میں گنجائش نہو تو مکروہ نہیں ہے (۸) سبحان اللہ وغیرہ کا نماز میں انگلیوں سے یا تسبیح لیکر شمار کرنا۔ ہاں انگلیوں کے پوروں کو اشارہ سے دبا کر شمار کریگا تو مکروہ نہیں ہے (۹) کوئی عمل قلیل بغیر عذر کے کرنا (۱۰) بلا عذر تھوکنا پنکھے یا آستین سے عمل قلیل کے ساتھ ہوا کرنی (۱۱) اگر عمل کثیر کے ساتھ کریگا تو نماز مکروہ تحریمی ہو جائے گی (۱۲) ننگے سر بلا عذر خشوع کے نماز پڑھنی۔

(نوٹ): - اگر ٹوپی یا عامہ سر سے گر جائے تو بغیر عمل کثیر کے دوبارہ سر پر رکھ لینا جائز ہے۔ بلکہ افضل ہے۔

(۱۳) سجدہ میں پاؤں کا ڈھانکنا (۱۴) دائیں بائیں طرف کو جھک جانا (۱۵) دائیں یا بائیں پاؤں پر بلا عذر زور ڈالنا (۱۶) نماز میں خوشبو سونگھنی (۱۷) سجدہ میں پاؤں یا ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ کی طرف سے پھیر لینی (۱۸) مسجد میں اپنی نماز کے لئے مخصوص جگہ مقرر کر لینی (۱۹) امام کو کسی آدمی کے آنے کی وجہ سے رکوع یا سجدہ میں دیر کرنی (۲۰) سجدہ میں بلا عذر زمین پر ہاتھ نہ رکھنا (۲۱) دونوں ہاتھ تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں سے اوپر اٹھانا یا مونڈھوں سے نیچے رکھنا (۲۲) مرد کا پیٹ کو رانوں سے سجدہ میں ملائے رکھنا (۲۳) ارکان نماز کو امام کا اس قدر جلدی ادا کرنا کہ مقتدی اذکار مسنون نہ ادا کر سکیں (۲۴) بلا ضرورت مکھی یا مچھر نماز میں اڑانا (عالمگیری)

مسئلہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو اور دوسرا شخص اس کے سامنے کپڑا یا مصلّے ڈال دے تو تو اس پر سجدہ کرنا جائز ہے **مسئلہ** امام کو جمعہ ظہر اور عصر کی نمازوں میں سورۂ سجدہ پڑھنی مکروہ ہے (عالمگیری) **مسئلہ** فرض نماز میں بلا عذر اور بغیر نسیان کے ایک آیت کا بار بار پڑھنا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے اور نفل نماز میں کسی صورت سے مکروہ نہیں ہے (عالمگیری) **مسئلہ** اکثر آدمی سجدہ کو جاتے وقت پاجامہ اوپر کو چڑھا لیا کرتے ہیں اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا کم از کم یہ فعل مکروہ تحریمی ضرور ہے ایسا نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ فعل دونوں ہاتھوں سے ہوتا ہے اور بعض علماء مکروہ تحریمی اس کو کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں سے کیا جائے **مسئلہ** سب نمازوں میں امام کو لقمہ دینا جائز ہے مگر لقمہ دینے کی نیت ہونی چاہئے۔ قرأت کی نیت نہو مگر مقتدی کو امام کے رکتے ہی فوراً لقمہ دینا مکروہ ہے اسی طرح امام کو بار بار پڑھنے سے مقتدی پر لقمہ دینے کا بار ڈالنا بھی مکروہ ہے۔ سو اگر بقدر واجب پڑھ چکا ہے تو رکوع میں چلا جائے۔ اگلی آیت چھوڑ دے ورنہ اس کو چھوڑ کر اور سورت شروع کر دے (عالمگیری وشامی)

ہم ذیل میں اُن لوگوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کو سلام کرنا مکروہ ہے یا جن پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔

وہ لوگ جن کو سلام کرنا مکروہ ہے

(۱) نماز پڑھتے ہوئے آدمی کو (۲) قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہوئے آدمی کو (۳) اُس شخص کو جو وعظ یا ذکر الٰہی میں مشغول ہو (۴) اُس شخص کو جو کان لگا کر قرآن حدیث خطبہ یا وعظ سن رہا ہو (۵) اُس شخص کو جو حدیث یا خطبہ پڑھنے میں مصروف ہو (۶) اُس قاضی یا حاکم کو جو فیصلہ

کرنے کے لئے مسند حکم پر بیٹھا ہو (۷) اس شخص کو جو شرعی مسائل کے متعلق گفتگو کر رہا ہو۔ (۸) اس مؤذن کو جو اذان دے رہا ہو (۹) اس شخص کو جو تکبیر کہہ رہا ہو (۱۰) اس شخص کو جو علم دین کی تعلیم میں مشغول ہو (۱۱) جوان عورتوں کو (۱۲) ان لوگوں کو جو شطرنج وغیرہ کھیل رہے ہوں یا اسی قسم کے اور کام میں مشغول ہوں (۱۳) باجہ بجانے والے، گانے والے، شراب پینے والے جوا کھیلنے والے، غیبت کرنیوالے، کبوتر اڑانے والے کو (۱۴) کافر کو (۱۵) برہنہ آدمی کو (۱۶) پاخانہ پیشاب کرنے والے یا استنجا کرنے والے کو (۱۷) اس بوڑھے شخص کو جو مسخرہ ہو مذاق اڑاتا ہو (۱۷) اس شخص کو جو کھانا کھانے میں مشغول ہو (۱۸) جھوٹے کو (۱۹) عیب چین کو (۲۰) گالیاں بکنے والے کو۔ ان تمام اشخاص کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ ان کے علاوہ سب کو سلام کرنا مسنون اور ثواب ہے (غایۃ الاوطار)

وہ لوگ جن پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے

(۱) اگر کوئی شخص السلام علیکم یا سلام علیکم کے علاوہ کچھ اور کہے تو جواب دینا واجب نہیں۔ (۲) اگر کوئی شخص نماز میں مصروف ہو تو اس پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں (۳) اگر کوئی شخص تلاوت قرآن یا دعا یا ذکر الٰہی یا خطبہ یا تکبیر یا اذان دینے میں مشغول ہو تو سلام کا جواب دینا واجب نہیں (۴) اگر پاخانہ پیشاب میں مصروف ہو تو جواب لازم نہیں (۵) لڑکے پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں (۶) دیوانہ پر جواب واجب نہیں (۷) جوان عورت پر سلام کا جواب واجب نہیں (۸) اونگھنے والے پر (۹) مدعی یا مدعا علیہ پر (۱۰) اس شخص پر جو نشہ میں سرمست ہو۔ ان سب لوگوں پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ اگر کوئی ان کو سلام کرے اور یہ لوگ جواب نہ دیں تو گناہگار نہیں ہیں (غایۃ الاوطار)

امامت کا بیان

امامت سرداری کو کہتے ہیں اور امام کسی قوم کے پیشوا کو۔ امامت دو قسم کی ہوتی ہے

(۱) امامت کبریٰ یعنی دین ودنیا کے مصالح کی حفاظت کے لئے آنحضرت کا نائب ہونا جس کو خلیفہ بھی کہہ سکتے ہیں (۲) امامت صغریٰ یعنی نماز میں مقتدیوں کی چند شرائط کے ساتھ پیشوائی

امامت کی شرطیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:-

نماز کی اقتداء کی شرطیں (۱) مقتدی اقتداء کی نیت بھی کرے (۲) مقتدی اور

امام کی جگہ ایک ہو۔ اگر امام سوار ہو اور مقتدی پیادہ ہو یا مقتدی سوار اور امام پیادہ ہو یا امام ایک سواری پر سوار ہو اور مقتدی دوسری پر یا امام ایک مکان میں ہو اور مقتدی دوسرے مکان میں ان سب صورتوں میں چونکہ اتحاد مکان نہیں اس لئے امامت صحیح نہیں ہے (۳) امام اور مقتدی کی نماز بھی ایک ہی ہو۔ اگر امام نفل پڑھتا ہو اور مقتدی فرض۔ یا امام اور فرض پڑھتا ہو اور مقتدی دوسرے تو امامت صحیح نہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ امام فرض پڑھتا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے نفل پڑھنے لگے (۴) مقتدی کے گمان میں امام کی نماز صحیح ہو اگر مقتدی کی دانست میں امام کی نماز صحیح نہ ہوگی تو امام کی امامت اور مقتدی کی اقتداء کچھ بھی صحیح نہیں (۵) امام سے مقتدی کے پاؤں کی ایڑیاں آگے نہ بڑھی ہوں یعنی اگر مقتدی ایک ہی ہو اور دائیں ہاتھ کو کھڑا ہو تو مقتدی کی ایڑیاں امام سے آگے نہ ہونی چاہئیں ورنہ مقتدی کی نماز نہ ہوگی۔ ہاں اگر مقتدی کے قدم لمبے ہوں اور طول کی وجہ سے مقتدی کے پاؤں کی انگلیاں امام کے پاؤں سے آگے بڑھ جائیں تو کچھ حرج نہیں ہے (۶) مقتدی یہ جان رہا ہو کہ اب امام رکوع کو گیا اب سجدہ کو گیا اب کھڑا ہوا اب بیٹھا خواہ خود دیکھ کر جانے یا سنکر یا دوسروں کو دیکھ کر (۷) مقتدی امام کی حالت جانتا ہو کہ امام مقیم ہے یا مسافر خواہ یہ علم نماز سے پہلے ہو یا بعد کو ہو جائے اگر ایسی صورت میں ہو کہ امام نے چار رکعت نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور مقتدیوں کو یہ معلوم نہیں کہ امام نے بھول کر سلام پھیرا یا سفر کی وجہ سے تو اقتداء صحیح نہیں (۸) مقتدی تمام ارکان میں امام کی اقتداء کرے اگر کسی رکن کو چھوڑ دیا امام کی اس میں اقتداء نہ کی یا کسی رکن کو پہلے کر لیا تو اقتداء صحیح نہیں (۹) مقتدی بہ نسبت امام کے نماز کے ارکان اور شرائط کی بجا آوری میں کمتر ہو یعنی اگر امام رکوع اور سجدہ کرے اور مقتدی بھی رکوع کرے اور سجدہ کرے تو اقتداء صحیح ہے یا امام رکوع وسجدہ کرتا ہو اور مقتدی کسی عذر کی وجہ سے رکوع وسجود اشارہ سے ادا کرے تب بھی اقتداء صحیح ہے یا امام و مقتدی دونوں معذور ہوں دونوں اشارہ سے رکوع وسجود کر رہے ہوں تب بھی اقتداء صحیح ہے۔ ہاں اگر امام رکوع وسجود کا اشارہ کرتا ہو اور مقتدی رکوع سجود کرتا ہو تو اقتداء صحیح نہیں (شامی)

نابالغ کی امامت مسئلہ بربنار قول مختار کسی نماز میں نابالغ کے پیچھے بالغ کی نماز صحیح نہیں ہے۔ خواہ عید کی نماز ہو یا کسوف وخسوف کی یا وتر ہوں یا نماز تراویح

کیونکہ نابالغ لڑکے کے ذمہ کوئی نماز واجب نہیں اس کو توصرف عادت ڈالنے کیلئے
قبل از بلوغ نماز کا حکم دیا گیا ہے جن مشائخ کے نزدیک نابالغ لڑکے کی نفل نماز ادا ہوجاتی
ہے انکے نزدیک بھی نابالغ لڑکے کو امام بنانا درست نہیں ہے کیونکہ نفل پڑھنے والا فرض
پڑھنے والوں کا امام نہیں بن سکتا۔ یہ صورت توفرض نمازوں کی اقتدا کی ہے باقی نفلوں
میں نابالغ کی امامت صحیح نہیں ہے کیونکہ بالغ کی نفل نماز نابالغ کی نفل نماز سے قوی تر اور
متفق علیہ ہے وجہ یہ ہے کہ بالغ کی نفلیں شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتی ہیں اگر کسی
وجہ سے نیت توڑ دے گا تو قضا کرنی لازم ہے بہر صورت دونوں قولوں کے بموجب نابالغ
لڑکے کی کسی نماز میں امامت درست نہیں ہے۔(غایۃ الاوطار) مسئلہ حنفیوں کے نزدیک
امامت کا ثواب اذان کے ثواب سے زیادہ ہے۔

امام بننے کا کون شخص زیادہ مستحق ہے

سب سے اول امامت کے لئے وہ شخص اولیٰ ہے۔ جو نماز کی صحت وفساد کے مسائل زیادہ
جانتا ہو بشرطیکہ متقی بھی ہو۔ یعنی ظاہری گناہوں اور دینداری پر طعون ہونے سے بچا ہوا
ہو۔ اور قرأت مسنونہ سے بھی واقف ہو۔ اگر اس بات میں دو آدمی برابر ہوں تو جو قاری ہو
یعنی علم تجوید جانتا ہو وہ امام بنایا جائے۔ اگر اس صفت میں بھی دو آدمی شریک ہوں اور ایک
جیسے ہوں تو جو صاحب ورع ہو یعنی مشتبہ گناہوں سے بھی بچتا ہو اسکو امام بنایا جائے اسکے
بعد زیادہ عمر کا لحاظ کیا جائیگا اگر ان تمام باتوں میں بھی ایک جیسے ہوں تو خوش اخلاق آدمی
کو فضیلت دی جائیگی۔ اس کے بعد وجیہ اور خوبصورت آدمی کو زیادہ حقدار سمجھا جائے گا
پھر شرافت حسب اور ذاتی کمالات کا لحاظ کیا جائیگا۔ اگر اس میں بھی مساوات ہو تو سب سے
زیادہ شریف النسب کو اولیٰ سمجھا جائیگا اور سید کی امامت افضل مانی جائیگی۔ اس کے
بعد سب سے زیادہ خوش آواز کو مقدم رکھا جائیگا۔ اگر یہ تمام باتیں بھی دو آدمیوں میں بطریق
مساوات پائی جائیں تو جس کی بیوی زیادہ حسین ہو اس کو امام بنا دیا جائیگا کیونکہ بیوی
کے حسن وجمال کی وجہ سے بظاہر اس میں عفت وپاکدامنی کا مادہ زیادہ ہوگا اور غیر کے حسن
جسمانی اور جمال صوری کی طرف اس کو رغبت کم ہوگی۔ اس کے بعد جو زیادہ مالدار ہو مگر
مال حلال کمائی کا ہو حرام مال کا اعتبار نہیں ہے پھر وہ شخص جس کا دنیاوی جاہ واعزاز
زیادہ ہو۔ اس کے بعد وہ شخص جس کے کپڑے سب سے اچھے ہوں۔ بشرطیکہ شرع کے

موافق ہوں۔ پھر وہ شخص جس کا سر سب سے بڑا ہو کیونکہ سر کی کلانی عقلمندی پر دلالت کرتی ہے اگر ان تمام شرعی اور عرفی امور میں سب برابر ہوں تو امامت کے لئے قرعہ ڈالا جائے اور جس کے نام قرعہ نکلے وہ امامت کرے یا مقتدی جس کو چاہیں۔ انتخاب کرلیں۔ اور امام بنالیں مگر اولیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کو امام بنائیں گے تو برا کریں گے (شامی)

امامت کے متعلق مسائل

نماز کے مختصر فوائد **مسئلہ** مذکورہ اوصاف صرف امامت کی فضلیت کے متعلق ہیں اگر ایسا امام نہ ملے تو جماعت ساقط نہیں ہوتی۔ اہل سنت کے نزدیک جماعت کی نماز ہر فاسق فاجر کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ اور تنہا نماز پڑھنے سے بہتر ہے کیونکہ اس سے مسلمانوں میں باہمی اتحاد و الفت کا سلسلہ منتظم رہتا ہے۔ جاہل عالم سے مسائل شرعی سیکھتے ہیں۔ ہمسایوں کا اہل محلہ کا اور اہل شہر کا حال دریافت ہوتا رہتا ہے جس کی وجہ سے ہر مسلمان کو دوسرے کی ہمدردی کرنے کا موقعہ ملتا رہتا ہے۔ دلوں میں اتفاق پیدا ہوتا ہے اور اسلام کو غیر مذاہب کی نظر میں جلال و قوت حاصل ہوتی ہے **مسئلہ** اگر پنج وقتہ فرضی نماز میں امام کے سوا دو آدمی ہوں اور جمعہ میں امام کے سوا تین آدمی تو جماعت کا حکم ہے نماز باجماعت پڑھنی چاہیئے خواہ ان میں ایک سمجھدار لڑکا ہی ہو۔ جماعت ترک کرنے کا حکم نہیں ہے۔ (شامی) **مسئلہ** جماعت جس طرح مسجدوں میں ہوتی ہے اسی طرح گھروں میں دوکانوں میں اور جنگل میں بھی ہو جاتی ہے۔ باقی مسجدوں کی جماعت کا ثواب تو مسجدوں کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ گھروں وغیرہ میں مسجد کا ایسا ثواب نہیں مل سکتا۔ چنانچہ محلہ کی مسجد میں گھر کی نماز سے پچیس نماز کا زیادہ ثواب ہے اور جامع مسجد میں محلہ کی مسجد سے پانچسو نمازوں کا زیادہ ثواب ہے۔ بیت المقدس کی مسجد میں پانچ ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں پچیس ہزار کا ثواب ملتا ہے اور مکہ معظمہ کی مسجد یعنی کعبہ شریف میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے (درمختار) **مسئلہ** اگر محلہ کی مسجد میں جماعت نہ ہوتی ہو تو محلہ داروں کے لئے محلہ کی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جاکر نماز پڑھنی درست نہیں خواہ جامع مسجد ہی کیوں نہ ہو محلہ داروں پر اسی مسجد کا حق ہے۔ لہذا اسی مسجد میں اذان کہہ کر تنہا نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ اس مسجد میں تنہا نماز پڑھنی اور مسجدوں کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے ان کے حق میں افضل ہے۔

(در مختار) **مسئلہ** اگر محلہ میں دو مسجدیں ہوں تو جو زیادہ قریب ہو اس میں نماز پڑھنی چاہیئے (در مختار) اور اگر دونوں کا فاصلہ برابر ہو تو جو زیادہ قدیمی مسجد ہو اسمیں پڑھنی چاہیئے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر کسی مسجد میں اذان ہو جائے تو پھر بغیر نماز پڑھے وہاں سے چلا جانا مکروہ ہے۔ ہاں امام و مؤذن کو اگر دوسری مسجد میں اذان دینی اور نماز پڑھانی ہو تو ان کے لئے مکروہ نہیں ہے (عالمگیری)

وہ امور جن کا ارتکاب مسجدوں میں ناجائز ہے (۱) سوال کرنا اور کسی سے کچھ مانگنا (۲) ایسے سائل کو کچھ دینا جو لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہو (۳) گم شدہ چیز کی تلاش کرنی (۴) لغو اشعار پڑھنے (۵) چیخنا چلانا ہنسی مذاق کرنا (۶) مسجد کے اندر سوا مقررہ مقام کے وضو کرنا (۷) سوا معتکف کے اور آدمی کے لئے کچھ کھانا پینا (۸) مسجد میں خرید فروخت کرنی (۹) لہسن پیاز یا مولی وغیرہ بدبودار چیز مسجد میں کھانا یا کھا کر مسجد میں آنا (۱۰) لوگوں سے باتیں کرنے کی نیت سے مسجد میں جانا اور وہاں جا کر دنیوی باتیں کرنی۔ ہاں اگر اس نیت سے نہ جائے اور وہاں جا کر دنیاوی باتیں ہو جائیں تو حرج نہیں ہے (غایۃ الاوطار)

جماعت کے احکام و مسائل

پنج وقتہ فرض نمازوں میں جماعت سے نماز پڑھنی واجب ہے بلا عذر جماعت ترک کرنی گناہ ہے۔ جمعہ اور عیدین کی نمازیں بغیر جماعت کے درست ہی نہیں ہیں۔ رمضان شریف میں وتروں کے لئے جماعت کرنی مستحب ہے (غایۃ الاوطار) تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے اگر کچھ لوگ پڑھ لیں اور کچھ نہ پڑھیں تو سب کے سر سے اُتر جاتی ہے۔ کسوف و خسوف کی نمازوں میں جماعت کرنی سنت ہے (عالمگیری) نفل نمازوں میں جماعت کرنی تو مکروہ ہے بلکہ درست ہی نہیں ہے۔ ہاں اگر بغیر بلائے دو تین آدمی جمع ہو جائیں، تو جماعت جائز ہے اور تین سے زیادہ نفل پڑھنے والوں کی جماعت بہر صورت مکروہ ہے (عالمگیری)

ترک جماعت کے عذر مذکورہ ذیل عذروں کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا گناہ نہیں ہے:- (۱) بیماری کی وجہ سے (۲) اپاہج ہونے کی وجہ سے (۳) مینہ اور کیچڑ کی وجہ سے (۴) زیادہ سردی کی وجہ سے (۵) سخت اندھیرا ہونے کی وجہ سے (۶) رات کے وقت آندھی آنیکی وجہ سے (۷) زیادہ بوڑھا ہو جانیکی وجہ سے (۸) علم دین میں مشغول ہونے کی وجہ سے (۹) مریض کی خدمت

کرنے کی وجہ سے (۱۰) اس کھانے کے سامنے آجانے کی وجہ سے جبکو دل چاہتا ہو (۱۱) اپنے مال کے چوری چلے جانے کے خوف سے (۱۲) قرضخواہ کی وجہ سے (۱۳) ظالم کے ظلم کی وجہ سے (۱۴) قافلہ کے چلے جانے کے خوف سے۔ اگر ان عذرات کی وجہ سے جماعت ترک کریگا تو گنہگار نہ ہوگا بلکہ دل میں اگر ان عذرات کے باوجود حسرت جماعت کی رہیگی تو جماعت کا ثواب ملتا رہیگا اور اسکے علاوہ جماعت ترک کریگا تو سخت گناہگار ہوگا جسکے متعلق حدیث میں بڑی بڑی وعیدیں آئی ہیں (شامی) مسئلہ اس زمانہ میں چونکہ فتنے بداخلاقیاں اور بدنظریاں بڑھ گئی ہیں اس لئے عورتوں کا مسجدوں میں اگر شریک جماعت ہونا بہر حال مکروہ ہے۔ خواہ عورت جوان ہو یا بوڑھی اور نماز فجر کی ہو یا عشاء کی یا کوئی اور (عالمگیری)

وہ لوگ جن کے پیچھے نماز ناجائز یا مکروہ ہے

مذکورہ ذیل اشخاص کے پیچھے نماز ناجائز ہے (۱) دائمی مجنون (۲) مدہوش (۳) نابالغ (۴) عورت (۵) خنثیٰ (۶) معذور یعنی وہ امام جو خود معذور ہو تو تلا ہو ہکلا ہو یا سلسل البول وغیرہ مرض میں مبتلا ہو اور مقتدی غیر معذور ہوں یا کم از کم مقتدی کسی اور عذر میں مبتلا ہوں اور امام کو کوئی دوسرا عذر ہو اور اگر امام اور مقتدی دونوں کو ایک ہی عذر ہو مثلاً دونوں ہکلے ہوں۔ یا دونوں تو تلے ہوں یا دونوں کو سلسل البول کا عارضہ ہو نماز ناجائز نہیں ہے (۷) مسبوق (۸) لاحق (ان دونوں کی تفصیل مستقل باب میں آئے گی (۹) بدعتی مثلاً رافضی، خارجی، قدری، جبری، اور دیگر بداعتقاد فرقے (عالمگیری۔ فتح المبین۔ حسام الحرمین)

فاسق۔ یعنی وہ شخص جو علانیہ گناہ کبیرہ کرتا ہو اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

اشخاص ذیل کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے۔ غلام۔ جاہل۔ حرامی۔ بیوقوف یعنی سادہ لوح، فالج زدہ، مبروص، جذامی۔ مگر یہ کراہت اس وقت ہے جبکہ مقتدیوں میں ان سے بہتر آدمی موجود ہو ورنہ یہ کراہت بھی نہیں ہے (غایۃ الاوطار)

جماعت ثانیہ کا حکم

مسئلہ محلہ کی اس مسجد میں جس میں امام مؤذن اور نمازی معین ہوں۔ دوسری جماعت محراب سے ہٹکر بغیر دوسری اذان کے بالاتفاق جائز ہے۔ ہاں ایسی مسجد میں دوسری اذان دیکر مکرر جماعت کرنی مکروہ تحریمی ہے اور اگر مسجد ایسی ہو جس میں نہ امام مقرر ہو نہ مؤذن نہ نمازی تو دوسری اذان کے ساتھ بھی مکرر جماعت بلا کراہت جائز ہے۔ (عالمگیر شامی)

وہ امور جو امام کے لئے مکروہ تحریمی ہیں

(۱) نماز کا قرائت و اذکار مسنونہ سے زائد طول دینا (۲) ایسی جگہ میں صرف اجنبیہ عورتوں کی امامت کرنی جہاں امام کی محرم عورتوں میں سے کوئی موجود نہ ہو (۳) امام کا صف کے بیچ میں کھڑا ہونا بشرطیکہ صف میں دو مقتدیوں سے زائد موجود ہوں۔ اور اگر دو مقتدیوں کے بیچ میں کھڑا ہوگا تو مکروہ تنزیہی ہے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر مقتدی ایک ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اور مقتدی کے پاؤں کی انگلیاں امام کے ایڑی کے پاس ہوں۔ ایک مقتدی کا بائیں طرف کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے (درمختار) **مسئلہ** اگر مقتدی امام کی برابر کھڑا تھا اور دوسرا شخص آگیا تو یہ شخص اول مقتدی کو پیچھے کھینچے خواہ نیت باندھ کر کھینچے خواہ نیت باندھنے سے قبل اور مقتدی ہٹنے کے وقت اصلاح نماز کی نیت کرے۔ اگر یہ نیت نہ ہوگی تو نماز فاسد ہو جائیگی اور اگر پہلا مقتدی اپنی جگہ سے نہ ہٹے گا اور اسکے پیچھے اور مقتدیوں کی صف ہو جائیگی تو نماز بالاتفاق مکروہ ہوگی ہاں اگر پیچھے ہٹنے کی جگہ نہ ہو تو امام کو ایک قدم آگے بڑھ جانا چاہیے (غایۃ الاوطار)
مسئلہ اگر ایک شخص ایسے وقت میں آیا کہ پہلی صف بالکل بھر چکی تھی اور اسمیں بالکل گنجائش نہ تھی تو اس کو امام کے رکوع تک انتظار کرنا چاہیئے اس اثنار میں اگر کوئی دوسرا مقتدی آجائے تو دونوں پچھلی صف میں کھڑے ہو جائیں ورنہ جس وقت امام رکوع میں جائے تو کسی مسئلہ جاننے والے کو اول یا دوسری صف میں پیچھے کھینچ لے۔ اور اگر ایسا شخص نہ ہو تو خود اکیلا امام کے پیچھے دائیں ہاتھ کو بچا ہوا کھڑا ہو جائے اس وقت اکیلے کھڑا ہونا مکروہ نہ ہوگا (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** صفوں میں ثواب کے اعتبار سے سب سے بہتر پہلی صف ہے پھر دوسری پھر تیسری پھر اسی ترتیب سے مگر جنازہ کی نماز میں اس کے برعکس ہے (غایۃ الاوطار)
مسئلہ وضو کرنے والے کی اقتدا تیمم کرنے والے کے پیچھے صاحب عذر کی اقتدا اپنے ایسے معذور کے پیچھے۔ پاؤں دھونے والے کی اقتدا اس شخص کے پیچھے جس نے موزوں یا پٹی پر مسح کیا ہو۔ کھڑے ہونیوالے کی اقتدا بیٹھے ہوئے آدمی کے پیچھے صحیح آدمی کی اقتدا کبڑے یا ایسے لنگڑے کے پیچھے جو پورے پاؤں پر نہ کھڑا ہو سکے نفل پڑھنے والیکی اقتدا فرض پڑھنے والے کے پیچھے مقیم کی اقتدا مسافر کے پیچھے اور مسافر کی مقیم کے پیچھے۔ یہ صورتیں سب جائز ہیں۔ مگر مسافر کی اقتدا مقیم کے پیچھے وقت نکلجانے کے بعد جائز نہیں (غایۃ الاوطار) عالمگیری۔ کبیری) **مسئلہ** عیدگاہ میں

جنازہ گاہ میں اور مسجد میں تو امام اور مقتدیوں کے درمیان جتنا فاصلہ بھی ہو جائز ہے نماز ہو جائیگی۔ مگر جنگل میں ایک صف کے لائق فاصلہ ہونا چاہئے۔ اس سے زائد اگر بقدر دو صفوں کے ہوگا تو ناجائز ہے اور اگر امام سرراہ نماز جنازہ پڑھانے کھڑا ہو اور مقتدی بھی راستہ میں اس کے پیچھے کھڑے ہوں تو اس قدر فاصلہ چھوڑنا چاہیئے کہ گاڑی درمیان سے نہ گذر سکے اس سے زائد فاصلہ چھوڑنا ناجائز ہے۔ نماز صحیح نہ ہوگی (عالمگیری) **مسئلہ** اگر امام مسجد کی چھت پر ہو اور لوگوں پر اس کی حالت مشتبہ نہ ہو اس کے حرکات سکنات دیکھ سکتے ہوں تو اقتدار جائز ہے ورنہ نہیں (عالمگیری)

صفوں کی ترتیب صفوں کی ترتیب میں اول مردوں کی صف ہونی چاہئے پھر لڑکوں کی پھر خنثوں کی پھر عورتوں کی پھر لڑکیوں کی مقتدیوں پر لازم ہے کہ جب نماز کو کھڑے ہوں تو صفیں برابر کرلیں درمیان کے فاصلے بند کردیں۔ مونڈھے سے مونڈھا ملالیں اور قدم سے قدم برابر رکھیں آگے پیچھے نہ رکھیں۔ امام اگلی صف کے سامنے ٹھیک وسط میں کھڑا ہو اگر دائیں بائیں کھڑا ہوگا تو سنت کی مخالفت لازم آئے گی پھر امام کی ٹھیک پیچھے وہ شخص کھڑا ہو جو جماعت میں سب سے افضل ہو (عالمگیری)

وہ امور جن کو اگر امام ترک کردے تو مقتدی پر بھی ترک کرنا لازم ہے

مسئلہ۔ مذکورہ ذیل امور کو اگر امام ترک کردے تو مقتدی بھی ان کو چھوڑدے: عیدین کی تکبیریں۔ پہلا قعدہ۔ تلاوت کا سجدہ۔ سہو کا سجدہ۔ دعاء قنوت (درمختار)

ترک متابعت امام کا حکم **مسئلہ** مذکورۂ ذیل صورتوں میں مقتدی پر امام کی تابعداری لازم نہیں ہے: (۱) اگر امام عیدین کی تکبیریں سولہ سے زائد کہے تو مقتدی اس کا ساتھ نہ دیں (۲) اگر امام جنازہ کی نماز میں چار سے زائد تکبیریں کہے تو مقتدی اسکی تابعداری نہ کریں یہ چار تکبیریں ہی کہیں (۳) اگر امام کسی رکن میں زیادتی کرے مثلاً دو سجدوں کی بجائے تین سجدے کرے یا ایک رکوع کی بجائے دو رکوع کرے تو مقتدی ایسا نہ کرے (۴) اگر امام پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے تو مقتدی نہ کھڑے ہوں (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** امور ذیل کو اگر امام ترک کردے تو مقتدی ترک نہ کرے بلکہ ادا کرے (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت اگر امام ہاتھ نہ اٹھائے مگر مقتدی ضرور اٹھائے (۲) اگر امام سبحانک اللّٰھم نہ پڑھے مگر مقتدی ضرور پڑھے (۳) اگر امام تکبیرات انتقالی یعنی رکوع سجود کے وقت تکبیریں نہ کہے مگر مقتدی ضرور کہے (۴) اگر

رکوع سجود میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ نہ پڑھے مگر مقتدی ضرور پڑھے (۵) اگر قومہ میں امام سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہے مگر مقتدی ربنا لک الحمد ضرور کہے (۶) اگر امام تشہد نہ پڑھے مگر مقتدی ضرور پڑھے (۷) اگر امام لفظ السلام نہ کہے مگر مقتدی ضرور کہے (۸) اگر امام ایام تشریق کی تکبیریں نہ کہے مگر مقتدی ہر فرض نماز کے بعد ضرور کہے تشریق کی تکبیریں یہ ہیں کہ ۹ ذی الحجہ کی فجر سے ۱۳ ذی الحجہ کی عصر کے بعد تک ہر فرض نماز کے بعد مقتدی اور امام یہ تکبیریں پڑھیں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد **مسئلہ** امام سے قبل اگر مقتدی رکوع سجود میں چلا جائے یا امام سے پہلے رکوع سجود سے سر اٹھالے تو مکروہ تحریمی ہے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر مقتدی سے قبل امام قعدۂ اولیٰ میں سے التحیات پڑھ کر کھڑا ہو جائے یا اخیری قعدہ میں مقتدی سے قبل امام درود دعا پڑھ کر سلام پھیر دے یا رکوع وسجدہ کی تسبیحات پڑھ کر مقتدی سے قبل امام سر اٹھا لیوے یا مقتدی سے پہلے امام دعاء قنوت پڑھ کر رکوع کو چلا جائے تو مقتدی پر لازم ہے کہ باقی حصہ کو چھوڑ کر امام کی تابعداری کرے (عالمگیری)

مسبوق مدرک لاحق وغیرہ کا بیان

مقتدی چار قسم کے ہوتے ہیں:۔ مدرک۔ لاحق۔ مسبوق۔ مسبوق لاحق۔ مدرک وہ ہے جس نے پوری نماز اول سے آخر تک امام کے ساتھ ادا کی ہو۔ لاحق وہ ہے جس نے امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی نیت باندھی لیکن درمیان نماز میں بے وضو ہو گیا یا کوئی اور وجہ ہو گئی اور یہ چلا گیا اور بعد میں آکر قضا شدہ رکعت تنہا پوری کی۔ مسبوق وہ ہے جو جماعت میں ایک دو رکعت فوت ہونے کے بعد شریک ہوا ہو۔ اور مسبوق لاحق وہ ہے جو دوسری رکعت میں بحالت قیام شریک ہوا اور پھر تیسری یا چوتھی رکعت میں سو گیا یا بے وضو ہو گیا اور نماز کے اخیری حصہ میں یا امام کی فراغت کے بعد بیدار ہوا یا وضو کر کے آیا اور آکر بقیہ نماز ادا کی۔ **مسئلہ** مسبوق کی نماز جس طرح فوت ہوئی ہے اسی طرح بعد کو ادا کرے مثلاً ظہر کی نماز میں مسبوق کو امام کے ساتھ صرف چوتھی رکعت ملی لہٰذا جس وقت امام سلام پھیر دے تو یہ کھڑا ہو جائے سبحانک اللھم اور اعوذ اور بسم اللہ پڑھ کر الحمد اور کوئی سورت پڑھے پھر رکوع کر کے سجدہ سے فارغ ہو کر تشہد کے لئے بیٹھ جائے

کیونکہ ایک رکعت اس کو امام کے ساتھ مل گئی تھی۔ اور ایک رکعت یہ ہو گئی کل دو رکعتیں ہو گئیں اور دو رکعتوں کے بعد تشہد میں بیٹھنا لازم ہے۔ تشہد سے فارغ ہو کر کھڑا ہو جائے اور دوسری رکعت پڑھ کر سجدہ سے فارغ ہو کر تیسری رکعت کو کھڑا ہو جائے اور تیسری سے فارغ ہو کر بیٹھ کر سلام پھیر دے۔ اس صورت میں چار پوری ہو جائیں گی۔ مگر اخیری دونوں رکعتیں خالی پڑھے۔ ان میں الحمد کے سوا کوئی سورت نہ پڑھے کیونکہ امام کے ساتھ بھی یہ رکعتیں خالی ہی ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح نماز فوت ہوا اسی طرح ادا کرے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** لاحق جس وقت وضو کر کے آئے تو اس رکن میں جس میں امام موجود ہو نہ شریک ہو بلکہ جس طرح امام ادا کر چکا ہے اسی ترتیب سے یہ بھی ادا کرے مثلاً پہلی رکعت کے سجدہ میں اسکو حدث ہوا اور یہ وضو کرنے چلا گیا اب لوٹ کر آیا تو دیکھا کہ امام دوسری رکعت کے قعدہ میں ہے تو اس کو چاہئے کہ جس سجدہ میں اسکو حدث ہوا تھا اسکو پہلے ادا کرے پھر وہ رکعت ادا کرے جو اسکے جانے کے بعد امام پڑھ چکا ہے اب امام جتنا آگے بڑھتا جائے اتنی ہی نماز بالترتیب ادا کرتا جائے۔ اگر اخیر نماز میں امام کی نماز تک پہنچ جائے توخیر اور اگر امام نماز ختم کر چکے اور یہ اس کو نہ پکڑ سکے تو اپنی نماز پوری کرے مگر ترتیب نہ چھوڑے اسی کا نام اقتداء ہے اور لاحق کیلئے ادا نماز کا بھی طریقہ ہے (درمختار) **مسئلہ** مسبوق للحق پہلے اس نماز کو ادا کرے جو اقتداء کی حالت میں فوت ہوئی ہے اور پھر اس حصہ نماز کو ادا کرے جو شروع سے ہی فوت ہو گئی ہو۔ مثلاً ایک شخص ظہر کی نماز میں دوسری رکعت میں امام کے ساتھ آکر شریک ہوا۔ اور تیسری رکعت میں اس کو حدث ہو گیا تو اس کو چاہئے کہ وضو کر کے آکر پہلے تیسری اور چوتھی رکعت ادا کرے مگر خالی بغیر سورۃ کے اور پھر قعدۂ اخیرہ میں بیٹھکر تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے اور اس رکعت کو ادا کرے جو ابتدا ہی سے رہ گئی تھی اس رکعت میں سبحانک اللھم اعوذ بسم اللہ الحمد اور کوئی سورت پڑھے الغرض یہ رکعت بھر پڑھے اور پھر بیٹھ کر باقاعدہ سلام پھیر دے (عالمگیری) **مسئلہ** مسبوق اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہو گیا اور اتنی دیر بھی نہ بیٹھا کہ امام تشہد پڑھ لیتا تو عذرا و بلا عذر بہر صورت اس کی نماز فاسد ہو گئی۔ کیونکہ اس صورت میں قعدۂ اخیرہ جو کہ فرض تھا ادا نہ ہو سکا اور اگر سلام سے پہلے بلا عذر کھڑا ہو گیا تو نماز مکروہ تحریمی ہو گئی اور اگر عذر کی وجہ سے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد سلام سے پہلے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے (عالمگیری)

وہ عذرات جن کی وجہ سے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد امام کے سلام پھیرنے سے قبل مسبوق کو کھڑا ہونا جائز ہے یہ ہیں :- (۱) بے وضو ہو جانے کے خوف سے (۲) وقت گے جاتے رہنے کے خوف سے (۳) مدت مسح پوری ہو جانے کی وجہ سے (۴) کسی آدمی کے سامنے سے گذر جانے کے خوف سے (در مختار) **مسئلہ** اگر مسبوق عذر کی وجہ سے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد امام کے سلام پھیرنے سے قبل کھڑا ہو گیا اور بعد کو معلوم ہوا کہ امام نے سجدۂ سہو کیا۔ تو اگر اس نے اپنی رکعت کا سجدہ ابھی تک نہ کیا ہو تو سجدۂ سہو میں شریک ہو جائے ورنہ اخیر میں سجدۂ سہو کرے۔ اگر سجدۂ سہو اخیر میں نہ کریگا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ یہ حکم صرف استحساناً ہے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر مسبوق صورت مذکورہ میں کھڑا ہو گیا اور بعد کو معلوم ہوا کہ امام نے سجدۂ تلاوت کیا تو اگر اس نے اپنی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو لوٹ کر سجدۂ تلاوت میں شریک ہو جائے اور سجدے سہو بھی کرے پھر اپنی نماز پڑھے۔ اور اگر اپنی رکعت کا سجدہ کر لیا تو پھر عود کرے یا نہ کرے بہرصورت نماز فاسد ہو جائے گی (عالمگیری غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر امام چوتھی رکعت کا قاعدہ اخیرہ کرکے پانچویں رکعت کو کھڑا ہو گیا اور مسبوق بھی اسکی اقتدا میں کھڑا ہو گیا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائیگی کیونکہ مسبوق نے علیحدہ ہو جانیکے موقعہ میں امام کی اقتدا کی اور اگر امام بغیر قاعدہ کرنے کے پانچویں رکعت میں کھڑا ہو گیا تو مسبوق کی نماز اس وقت تک فاسد نہ ہو گی جب تک امام پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے۔ پانچویں رکعت کا سجدہ کر لینے کے بعد مسبوق کی امام کی اور سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائیگی (عالمگیری و درمختار) **مسئلہ** مسبوق کو چاہئے کہ جب امام دونوں طرف سلام پھیر دے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اب امام کے ذمہ کوئی سجدۂ سہو وغیرہ باقی نہیں ہے تو اس وقت بقیہ نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو۔ تاکہ ہر طرح کی خرابی سے نماز محفوظ رہے (عالمگیری) **مسئلہ** مبوق کو چاہئے کہ جب امام قعدۂ اخیرہ میں بیٹھے تو یہ جلدی جلدی تشہد نہ پڑھے بلکہ اس قدر دیر دیر سے پڑھے کہ امام کے سلام پھیرنے تک پڑھتا رہے اور خالی بیٹھنا نہ پڑے اور اگر امام کے سلام سے پہلے تشہد سے فارغ ہو گیا تو صرف اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کی تکرار کرتا رہے یا خاموش بیٹھا رہے (عالمگیری و غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر مبوق دوسری رکعت میں اس وقت شریک ہوا کہ امام آواز سے قرأت پڑھ رہا تھا تو اسکو سبحانک اللھم نہ پڑھنا چاہئے کیونکہ قرآن کا کان لگا کر سننا واجب ہے اور ثناء کا پڑھنا سنت ہے۔ واجب کے مقابلہ میں سنت کو ترک کر دے۔

اور اگر مسبوق سری نماز کی دوسری رکعت میں شریک ہوا تو بہتر ہے کہ اس رکعت میں بھی سبحانک اللھم پڑھے اور اخیر رکعت میں بھی (کبیری) مسئلہ اگر مسبوق نے امام کو رکوع و سجدہ میں پایا اور اس کو ظن غالب ہے کہ ثناء پڑھ کر ہیں رکوع سجدہ میں شریک ہو سکونگا تو ثناء پڑھ لے ورنہ ثناء کو ترک کر کے رکوع یا سجدہ میں شریک ہو جائے (عالمگیری) مسئلہ اگر مسبوق نے امام کو قعدہ میں پایا تو ثناء نہ پڑھے ویسے ہی قعدہ میں شریک ہو جائے (عالمگیری)

امام کے لئے نماز میں جانشین بنانے کا حکم مسئلہ جس وقت امام کو نماز میں حدث ہو جائے تو فوراً ہٹ کر اسی رکن میں اپنا خلیفہ مقرر کرے جس کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ پہلی صف میں سے اس شخص کو جس میں اول سے امام ہونے کی قابلیت جانتا ہو اور وہ خلیفہ ہونے کے مسائل سے بھی واقف ہو طلب کر کے ہر ایک مقام کی علیحدہ علیحدہ ہدایت کر دے مثلاً اگر قرأت چھوٹی ہے تو منہ پر ہاتھ رکھدے اگر ایک رکعت باقی رہی ہے تو ایک انگلی اٹھادے۔ دو رکعتیں رہی ہوں تو دو انگلیاں تین رہی ہوں تو تین انگلیاں اٹھادے رکوع رہا ہو تو گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دے۔ سجدہ رہا ہو تو پیشانی پر اور سجدۂ سہو رہا ہو تو دل پر ہاتھ رکھدے (عالمگیری)

بناءِ نماز کے احکام مسئلہ جب وضو کر کے فارغ ہو کر امام واپس آجائے تو خلیفہ کے پیچھے بقیہ نماز ادا کرے۔ اسی کو بنا کہتے ہیں (عالمگیری) امام کو مقتدی کو تنہا نماز پڑھنے والے کو سب کو بناءِ نماز جائز ہے۔ ان میں سے جس کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو وضو کر کے آکر پھر گذشتہ پڑھی نماز سے آگے شروع کر دے مگر امام و مقتدی کے لئے بناء کرنا ازسرنو پڑھنے سے افضل ہے ورنہ جماعت کے ثواب سے محروم رہیں گے اور تنہا پڑھنے والے کے لئے ازسرنو نماز پڑھنی افضل ہے (عالمگیری)

بناءِ نماز کے شرائط بناءِ نماز کی ذیل میں شرطیں لکھی جاتی ہیں بغیر ان شرائط کے بناء صحیح نہیں (۱) نماز میں بے اختیار حدث موجب وضو ہو جائے (۲) نمازی کے بدن کے اندر سے کوئی امر موجب حدث پیدا ہوا ہو اگر اوپر سے یا دوسرا دوسرے سے کوئی ایسی نجاست بدن پر یا کپڑوں پر آلگی جو مانع صلوٰۃ ہے تو نماز فاسد ہو جائیگی بناء صحیح نہیں ہے (۳) حدث کثیر الوقوع ہو یعنی ایسا حدث ہو جو عموماً ہو جاتا ہے مثلاً ریاح کا خارج ہونا نکسیر پھوٹ جانا نادر الوقوع حدث نہ ہو مثلاً بیہوشی غفلت۔ دیوانگی وغیرہ نادر الوقوع حدث کی صورت

میں بناء درست نہیں ہے بلکہ ازسرِنو نماز پڑھنی چاہیئے (۴) نمازی نے حدث کی حالت میں
کوئی رکن ادا کیا ہو مثلاً ایک شخص کو سجدہ میں حدث ہوگیا اور اس نے ادا کے قصد سے
سر اٹھا لیا تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ بناء درست نہیں نماز ازسرِنو پڑھنی ہوگی (۵) چلتے ہوئے
کوئی رکن ادا نہ کرے مثلاً جب وضو کو گیا اور وضو کرکے لوٹتے وقت قرأت پڑھتا ہوا آیا
تو بناء درست نہیں (۶) کوئی فعل نماز کے خلاف نہ کرے مثلاً کھانا کھا لیگا یا پانی پی لیگا
یا کوئی اور حرکت کر بیٹھیگا تو نماز ٹوٹ جائیگی اور بناء صحیح نہ ہوگی (۷) بلا ضرورت نہ چلے مثلاً
وضو کے لئے پانی پاس ہوتے ہوئے دور جا رہیگا تو بناء صحیح نہیں (۸) کوئی پہلا حدث یاد
نہ آجائے۔ اگر اس وقت کوئی اور حدث پہلا یاد آگیا تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ بناء صحیح نہیں
ازسرِنو پڑھنی چاہیئے (۹) امام اور مقتدی کے درمیان آڑ نہ ہونے پائے۔ ان شرائط کے
علاوہ بناء صحیح نہیں نماز فاسد ہو جائیگی (عالمگیری) مسئلہ اگر کسی امام کی امامت کی
وجہ سے کسی امر شرعی کی بناء پر لوگ ناخوش ہوں اس کو امام کرنا نہ چاہتے ہوں تو اس امام
کو بحالتِ ناخوشیِ قوم امامت کرنی مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر کسی دنیوی امر کی بناء پر امام سے
ناخوش ہوں تو اس کا اعتبار نہیں امام امامت کر سکتا ہے (غایۃ الاوطار) مسئلہ اگر
امام اور مقتدیوں کے درمیان اختلاف ہو مثلاً مقتدی کہیں کہ تین رکعتیں پڑھی گئی ہیں
اور امام کہے چار رکعتیں ہو گئیں اور امام کو اس بات کا یقین بھی ہو تو امام کا قول معتبر ہے
مقتدیوں کے کہنے سے دوبارہ نماز کا اعادہ نہ ہوگا اور اگر امام کو اپنے قول میں شک ہو تو
پھر مقتدیوں کا قول قابلِ اعتبار ہے اور نماز مکرر پڑھی جائے (عالمگیری) مسئلہ اگر
مقتدیوں میں باہم اختلاف ہو جائے کوئی کہے تین رکعتیں ہوئی ہیں اور کوئی چار کہے تو جس فریق کے
ساتھ امام ہوگا اسی کا قول معتبر ہے خواہ ایک آدمی ہی کے ساتھ امام ہو (عالمگیری) مسئلہ اگر
ایک مقتدی کو یقین ہے کہ تین رکعتیں ہوئیں دوسرے کو یقین ہے کہ چار ہوئیں باقی امام اور
دیگر مقتدیوں کو نہ اس کا یقین ہے نہ اس کا تو کچھ نہ کیا جائے جو نماز پڑھی ہے بس پڑھ لی مکرر
پڑھنے کی ضرورت نہیں (عالمگیری) مسئلہ ایک مقتدی کو یقین ہے کہ تین رکعتیں
اور باقی لوگوں کو مع امام کے تین اور چار ہونے میں شک ہے تو احتیاطاً نماز دوبارہ پڑھی
جائیگی (عالمگیری) مسئلہ ایک شخص کو فجر یا ظہر یا عصر کی ایک رکعت امام کے ساتھ
ملی تو یہ جماعت سے نماز پڑھنے والا تو شمار نہ ہوگا۔ ہاں جماعت کا ثواب ضرور ملیگا (شامی)

مسئلہ اگر چار رکعت والی نماز میں سے تین رکعتیں امام کے ساتھ مل گئیں تو جماعت سے نماز پڑھنے والا شمار کیا جائیگا (عالمگیری) مسئلہ اگر کوئی شخص امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے قبل شریک ہو گیا تو رکعت مل گئی اور اگر اس کے جھکنے سے پہلے امام نے سر اٹھا لیا تو رکعت جاتی رہی (عالمگیری) مسئلہ اگر ایک شخص فجر یا مغرب کی نماز تنہا پڑھ رہا تھا۔ اتنے میں اسی نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو گئی تو اگر اس نے دوسری رکعت کا سجدہ ابھی تک نہ کیا ہو تو توڑ کر جماعت سے نماز پڑھے اور سجدہ کر لیا ہو تو نہ توڑے نماز تنہا پوری کرے (عالمگیری) مسئلہ اگر ظہر یا عصر یا عشاء کی نماز تنہا پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں اسی نماز کیلئے جماعت کھڑی ہو گئی تو اس نے اگر دوسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو قطع کر کے جماعت میں شریک ہو جائے اور کر لیا ہو تو قعدہ پڑھ کر سلام پھیر دے اور جماعت میں شریک ہو جائے یہ دونوں رکعتیں نفل ہو جائینگی اور فرض امام کے ساتھ ہو جائینگے اور اگر تین رکعتیں پڑھ چکا تھا اسوقت جماعت کھڑی ہوئی تو اگر اس نے تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو قطع کر کے جماعت میں شریک ہو جائے اور اگر کر لیا ہو تو نہ توڑے اپنی نماز پوری کرے اسکے بعد اختیار ہے چاہے ظہر و عشاء کی جماعت میں شریک ہو یا نہ شریک ہو۔ اگر شریک ہوگا تو یہ نفلیں ہو جائینگی کیونکہ فرض اسکے پہلے ہو چکے باقی عصر مغرب اور فجر کی نماز جب خود مکمل کر چکا تو جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ فجر و عصر کے بعد تو نفل نماز ہو ہی نہیں سکتی ہاں مغرب کے بعد ہو سکتی تھی مگر چونکہ جماعت میں شریک ہونے سے تین رکعتیں ہونگی اور نفل کی تین رکعتیں نہیں ہوتی ہیں اس لئے بعد ادائے فرض مغرب کی جماعت میں بھی شریک نہیں ہو سکتا (عالمگیری درمختار) مسئلہ اگر کوئی شخص فجر کی سنتیں پڑھ رہا تھا اور جماعت کھڑی ہو گئی تو اس وقت تک قطع نہ کرے جب تک جماعت کے ساتھ کم از کم قعدہ اخیرہ ملجانے کا قوی خیال ہو ورنہ قطع کر دے اور اگر فجر کے علاوہ کسی اور وقت کی سنتوں میں ایسا اتفاق ہوا ہو تو اگر پہلی دو رکعت پڑھنے کے وقت جماعت کھڑی ہو تو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور شریک جماعت ہو جائے اور اگر تیسری یا چوتھی رکعت میں یہ اتفاق ہو تو چاروں رکعتیں پوری کر کے سلام پھیر کر جماعت کے ساتھ ہو جائے (کبیری عالمگیری) اگر سنتوں کو جماعت میں شریک ہونے کے لئے قطع کیا ہو تو سنتوں کی قضا کرنی ہوگی (درمختار) مسئلہ ایک شخص فجر کے وقت مسجد میں آیا۔ فجر کی نماز جماعت سے ہو رہی تھی اور اس نے سنتیں نہ پڑھی تھیں

تو اگر اس کو قعدۂ اخیرہ مل جانے کا قوی خیال ہو تو سنت ادا کرکے جماعت میں شریک ہو جائے ورنہ مجبوراً ترک کرکے جماعت سے فرض پڑھ لے مگر یہ حکم صرف فجر کی نماز کے ساتھ مخصوص ہے ظہر و جمعہ کی سنتوں کا یہ حکم نہیں ہے ظہر یا جمعہ کی نماز شروع ہو جانے کے بعد سنتیں شروع ہی نہ کرے بلکہ جس وقت جمعہ کا خطبہ ہونا شروع ہو جائے اس وقت بھی سنتیں شروع کرے (کبیری۔ عالمگیری) فرض نماز کے بعد ظہر و جمعہ کی سنتیں پڑھ لے (در مختار) اور سنتیں اخیری سنتوں سے پہلے ادا کرے مگر فجر کی سنتیں قضا ہو جانے کے بعد پھر ادا نہیں کی جاسکتی ہیں وجہ یہ ہے کہ ظہر و جمعہ کی سنتوں کا وقت جماعت ہو جانے کے بعد موجود ہے اور فجر کی سنت کا وقت جماعت کے بعد موجود نہیں ہے ہاں اگر طلوع آفتاب کے بعد فجر کی قضا شدہ سنتوں کو ادا کرے تو منع بھی نہیں کیا جائیگا کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد فجر کی سنتیں ادا ہو جاتی ہیں (کبیری۔ در مختار۔ عالمگیری) باقی عصر اور عشار کی سنتوں کی قضا نہیں ہے کیونکہ عصر و عشار کی سنتیں موکدہ نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہمیشہ نہیں پڑھا ہے کبھی ترک بھی کر دیا ہے ظہر اور جمعہ کی سنتیں چونکہ موکدہ ہیں اس لئے وقت کے اندر ان کی قضا ہو سکتی ہے وقت گزر جانے کے بعد ان کی بھی قضا نہیں ہو سکتی (کبیری)

باب سنّت مؤکدہ غیر مؤکدہ اور وتر کے بیان میں

وتر کا بیان وتر واجب ہیں (عالمگیری و کبیری) وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں۔ عشار کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ وتروں کی تینوں رکعتیں پُر ہوتی ہیں یعنی الحمد اور کوئی سورت ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اور تیسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے قبل حنفیہ کے نزدیک دعاء قنوت پڑھی جاتی ہے شافعیہ کے نزدیک رکوع کے بعد قومہ میں دعاء قنوت پڑھنے کا حکم ہے۔ دعاء قنوت وتروں میں پڑھنی واجب ہے۔ اگر وتر سہواً ترک ہو جائیں اور فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد یاد آئیں تو صاحب ترتیب (وہ شخص جس کی پانچ نمازوں سے زائد متواتر کبھی قضا نہوئی ہوں) کیلئے لازم ہے کہ وتر پڑھ کر نماز فجر دوبارہ پڑھے تاکہ ترتیب درست ہو جائے۔ دعاءِ قنوت یہ ہے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ

عليك الخير ونشكرك ولا نكفرك ونخلع ونترك من يفجرك اللهم ایاک نعبد ولک نصلی ونسجد والیک نسعیٰ ونحفد ونرجو رحمتک ونخشیٰ عذابک ان عذابک بالکفار ملحق اگر کسی کو یہ دعا یاد نہ ہو تو ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃً وّفی الاٰخرۃ حسنۃً وّقنا عذاب النار پڑھے۔ اور یہ بھی یاد نہ ہو سکے تو تین مرتبہ اللھم اغفر لنا پڑھے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر مسبوق کو امام کے ساتھ دعائے قنوت ملجائے یا کم از کم تیسری رکعت کے رکوع میں شریک ہو جائے۔ تو دوبارہ بقیہ نماز میں دعائے قنوت نہ پڑھنی چاہیے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر حنفی نے وتر عشاء کے بعد شافعی کے پیچھے پڑھے اور امام نے اپنے مذہب کے موافق قومہ میں دعاء قنوت پڑھی تو حنفی مقتدی کو بھی امام کی تابعداری کرنی چاہیے اور قومہ میں ہی دعاء قنوت پڑھ لینی چاہیے۔ مگر شرط یہ ہے کہ امام نے وتر کی تین رکعتیں ایک سلام سے پڑھی ہوں اور اگر شافعی امام نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھی تو حنفی مقتدی کو قنوت نہ پڑھنی چاہیے ہاتھوں کو چھوڑے ہوئے خاموش کھڑا رہے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم۔ اور دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ پڑھنی مستحب ہے ورنہ جو یاد ہو پڑھے **مسئلہ** اگر کسی کو وتر کی دوسری رکعت میں خیال ہوا کہ یہ تیسری رکعت ہے۔ اس لیے اُس نے دعاء قنوت پڑھ لی۔ پڑھنے کے بعد خیال ہوا کہ یہ دوسری رکعت تھی لہذا اسکو تیسری رکعت میں دوبارہ قنوت پڑھنی چاہیے اور اگر وتر کی ہر رکعت میں خیال پیدا ہو کہ یہ تیسری رکعت ہے تو ہر رکعت میں قنوت پڑھے اور ہر ایک رکعت کے بعد قعدہ بھی کرے (عالمگیری)

سنتوں کا بیان

مؤکدہ سنتیں سنت مؤکدہ ساتؔ ہیں۔ فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعتیں ظہر سے قبل چار رکعتیں اور بعد کو دو رکعتیں جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعتیں مغرب کے فرض کے بعد دو رکعتیں عشاء کے بعد دو رکعتیں۔ رمضان میں بیس تراویح یہ سب مؤکدہ سنتیں ہیں جو شخص بلا عذر ترک کرے گا گناہگار ہوگا (درمختار۔ عالمگیری)

فجر کی سنتیں سب سے زیادہ مؤکدہ ہیں چنانچہ بعض فقہاء ان کو واجب کہتے ہیں اس کے بعد مغرب کی سنتوں کا مرتبہ ہے۔ پھر ظہر و جمعہ کے بعد کی سنتیں۔ اسکے بعد عشاء

کے بعد کی سنتیں اور سب سے اخیر میں ظہر و جمعہ کی وہ سنتیں جو فرضوں سے پہلے ہیں یہ سنت مؤکدہ کے مراتب کی ترتیب ہے اور اسی اعتبار سے ان کا ثواب بھی ہے (عالمگیری)

فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھنی سنت ہے (شامی) مسئلہ اگر چار رکعت والی سنتوں کو دو دو کر کے دو سلام سے پڑھا تو یہ سنت شمار نہ ہونگی بلکہ نفلیں ہو جائینگی (عالمگیری)

غیر موکدہ سنتیں مندرجہ ذیل سنتیں غیر مؤکدہ ہیں جن کو نفل بھی کہتے ہیں عصر سے پہلے چار رکعت۔ عشاء سے پہلے چار رکعت۔ عشاء کی مؤکدہ سنتوں کے بعد دو سلاموں سے چار رکعت۔ مغرب کی سنت مؤکدہ کے بعد چھ رکعت (ان رکعتوں کو صلوٰۃ الاوابین کہتے ہیں) جمعہ کی سنت مؤکدہ کے بعد دو رکعت یہ سب مستحب ہیں (عالمگیری)

مسئلہ عصر کے قبل اور عشاء کے بعد اگر بجائے چار نفلوں کے دو پڑھے تو جائز ہے۔ مگر افضل چار ہی ہیں (عالمگیری) مسئلہ فرضوں سے قبل والی سنتیں پڑھ کر دنیوی کام میں مشغول ہونا ٹھیک نہیں تاوقتیکہ فرض نہ پڑھ لئے جائیں بعض فقہاء کے نزدیک تو یہ سنتیں ہی نہیں رہتیں بعض کے نزدیک ان کا ثواب جاتا رہتا ہے۔ افسوس کہ اکثر لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں سنتیں پڑھ کر فرضوں سے قبل دنیوی کاروبار کرتے ہیں کھاتے پیتے ہیں چلتے پھرتے ہیں خصوصاً جمعہ کے روز تو یہ لغو حرکت بہت زیادہ کی جاتی ہے (عالمگیری)

مذکورہ نوافل کے علاوہ فقہاء علماء اور اسلاف نے اور نفلیں بیان کی ہیں جن کے نام مختلف ہیں مثلاً وتر کے بعد نفل جن کو نفل عائشہ کہا جاتا ہے۔ تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد۔ اشراق۔ چاشت۔ تہجد۔ سفر کے جاتے وقت کے نفل۔ سفر سے واپسی کے وقت کے نفل۔ صلوٰۃ التسبیح۔ نماز استخارہ۔ نماز حاجت۔ نماز حفظ الایمان۔ نماز آسانی۔ ضغطۂ قبر۔ نماز آسانی سوال منکر نکیر۔ مہینہ کی نماز۔ ہفتہ کی نماز۔ وغیرہ

ہم ذیل میں ہر ایک کا مفصل بیان کرتے ہیں:۔

نفل عائشہ رضؓ حضور نے ان نفلوں کی حضرت ام المؤمنین عائشہ رضؓ کو تعلیم دی تھی۔ یہ وتروں کے بعد دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اور بیٹھکر ان کو پڑھنا مستحب ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے جس کو رات کا اٹھنا گراں ہو اس سے کہو کہ وتر کے بعد دو رکعت پڑھ لیا کرے اگر رات کو اٹھکر نماز تہجد میسر آگئی تو فبہا ورنہ یہ دو رکعتیں تہجد کی نماز سے کافی ہو جائینگی (مشکوٰۃ)

ان نفلوں میں پہلی رکعت میں اذا زلزلت اور دوسری میں سورۂ کافرون پڑھنی مستحب ہے
ورنہ جو چاہے پڑھ سکتا ہے تحیۃ الوضوء کی بھی دو رکعتیں ہیں پہلی میں سورۂ کافرون
اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھنی مستحب ہے اسی طرح بعد غسل کے بھی دو رکعت پڑھنی
مستحب ہیں (غایۃ الاوطار) تحیۃ الوضوء پڑھنے کا موقعہ اس وقت تک ہے جب تک اعضاء
سے وضوء کا پانی خشک نہو اسی وقت ثواب بھی ملتا ہے (درمختار) تحیۃ المسجد یہ بھی دو
رکعتیں ہیں۔ اس نماز کے لئے کوئی خاص سورت مستحب نہیں ہے جو ممکن ہو پڑھ لیجائے
آدمی جب مسجد میں جائے تو افضل یہی ہے کہ بیٹھنے سے قبل تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھے
اور اگر بھول کر کچھ دیر بیٹھنے کے بعد بھی پڑھ لے گا تو کچھ حرج نہیں ہے (درمختار)

نماز اشراق اشراق کی بھی دو رکعتیں ہیں۔ اور چار بھی۔ حدیث شریف میں وارد ہے
کہ جو کوئی فجر کی نماز جماعت سے ادا کرکے طلوع آفتاب تک بیٹھکر ذکر آلہی میں مشغول رہا پھر
دو رکعت پڑھے تو اس کے لئے پورے حج اور عمرہ کا ثواب ہے اس کے تمام گناہ بخشدیئے
جاتے ہیں خواہ کف دریا کے برابر ہوں اور اگر طلوع آفتاب کے بعد چار رکعتیں پڑھیگا۔ تو
خداوندتعالیٰ شام تک اسکو تمام آفتوں سے برائیوں اور تقصیروں سے محفوظ رکھے گا۔
(شرح سفرالسعادۃ) اس نماز میں افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ والشمس اور دوسری
رکعت میں والضحیٰ پڑھے اس سے ثواب زائد ملتا ہے (غنیۃ الطالبین)

نماز چاشت نماز چاشت کی چار رکعتیں بھی ہیں اور بارہ بھی ہیں جو ہو سکے پڑھے
حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی چاشت کی بارہ رکعت نماز پڑھے گا اسکے لئے بہشت میں
سونے کا محل تیار رہیگا اور دفع افلاس کیلئے بھی یہ نماز نہایت مجرب ہے (مشکوٰۃ)
اس کا وقت سورج چڑھنے سے زوال سے پہلے تک ہے۔

نماز تہجد تہجد کی کم سے کم دو رکعت۔ اوسط چار رکعت اور آٹھ اور زیادہ سے زیادہ
بارہ رکعتیں مسنون ہیں (کبیری) اس نماز میں سورۂ بقر، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء،
سورۂ مائدہ، سورۂ جمعہ، سورۂ یٰسین، سورۂ اخلاص اور سورۂ مزمل کا پڑھنا بہتر ہے۔
سورۂ اخلاص کا ایک خاص طریقہ سلف سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ اول رکعت میں ۱۲ مرتبہ
دوسری میں ۱۱ مرتبہ تیسری میں ۱۰ مرتبہ چوتھی میں ۹ مرتبہ اسی طرح ہر رکعت میں ایک بار
کم کرتا جائے اخیر رکعت میں ایک بار سورۂ اخلاص پڑھ کر ختم کردی جائے اس طریقہ کو

سلف نے نہایت بہترین خیال کیا ہے۔ (تفسیر عزیزی)

نماز سفر سفر کو جانے سے قبل بھی دو رکعتیں پڑھنی مسنون ہیں (غایۃ الاوطار) حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص سفر کے ارادہ کے وقت اپنے گھر رہ کر دو رکعتیں پڑھے تو ان دو رکعتوں سے بہتر اسکے گھر والوں کیلئے کوئی اور قائم مقام اُسکا نہیں مل سکتا (شامی)

نماز واپسی سفر سفر سے واپسی کے وقت بھی دو رکعتیں پڑھنی مسنون ہیں حضور کا دستور تھا کہ سفر سے چاشت کے وقت واپس تشریف لاتے تھے رات کو واپس نہ ہوتے تھے۔ واپس تشریف لاکر سب سے پہلے مسجد میں قدم رنجہ فرماکر دو رکعتیں پڑھتے اور بیٹھ جاتے تھے (شامی)

صلوٰۃ التسبیح صلوٰۃ التسبیح کی چار رکعتیں ایک سلام سے ہوتی ہیں اسکے پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ اول رکعت میں سبحانک اللّٰھم پڑھ کر پندرہ مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہے اگر لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم بھی زائد کریگا تو مزید ثواب کا باعث ہے، پھر اعوذ بسم اللہ الحمد اور کوئی سورت پڑھ کر دس بار پھر مذکورہ کلمات کہہ کے رکوع کرے۔ رکوع میں بھی دس بار مذکورہ دس تسبیح پڑھے۔ پھر قومہ میں بھی دس بار پڑھے اس کے بعد سجدہ میں دس بار، جلسہ میں دس بار دوسرے سجدہ میں دس بار پڑھے۔ اسی طرح چاروں رکعتیں ختم کرے۔ ہر رکعت میں پچھتر بار ہو جائیگی اور چاروں رکعتوں میں ملاکر تین سو کلمات ہو جائینگے (غایۃ الاوطار) صلوٰۃ التسبیح کی پہلی رکعت میں سورۂ تکاثر دوسری میں والعصر تیسری میں کافرون اور چوتھی میں اخلاص پڑھنی مقرر کی گئی ہے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ پہلی رکعت میں اذا زلزلت الارض دوسری میں والعادیات تیسری میں اذا جاء نصر اللہ اور چوتھی میں سورۂ اخلاص پڑھنی چاہئے (قاضی ثناء اللہ پانی پتی) یہ نماز زوال کے بعد ظہر سے قبل پڑھنی افضل ہے لیکن ہونے کو تو ہر وقت ہو جاتی ہے خواہ دن کو یا رات کو۔ ہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ صلوٰۃ التسبیح میں التحیات کے بعد سلام پھیرنے سے قبل یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ تَوْفِیْقَ اَھْلِ الْھُدٰی وَاَعْمَالَ اَھْلِ الْیَقِیْنِ وَمُنَاصَحَۃَ اَھْلِ التَّوْبَۃِ وَعَزْمَ اَھْلِ الصَّبْرِ وَجِدَّ اَھْلِ الْخَشْیَۃِ وَطَلَبَ اَھْلِ الرَّغْبَۃِ وَتَعَبُّدَ اَھْلِ الْوَرَعِ وَعِرْفَانَ اَھْلِ الْعِلْمِ حَتّٰی اَخَافَکَ مَخَافَۃً تَحْجُزُنِیْ عَنْ مَعَاصِیْکَ حَتّٰی اَعْمَلَ بِطَاعَتِکَ عَمَلًا اَسْتَحِقُّ بِہٖ

رَضَاکَ وَحَتّٰی اُنَاصِحَکَ بِالتَّوْبَۃِ خَوْفًا مِّنْکَ وَحَتّٰی اُخْلِصَ لَکَ النَّصِیْحَۃَ حُبًّا لَّکَ وَحَتّٰی اَتَوَکَّلَ عَلَیْکَ فِی الْاُمُوْرِ حُسْنَ ظَنٍّ بِکَ سُبْحَانَکَ خَالِقِ النُّوْرِ

اس نماز کی وجہ سے نمازی کے تمام نئے پرانے اگلے پچھلے چھوٹے بڑے دانستہ نادانستہ سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہ نماز رسول اللہ نے اپنے چچا حضرت عباس رضؓ کو سکھائی تھی اور فضائل مذکور بیان کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ تمہارے گناہ اگر کف دریا کے برابر ہونگے تب بھی خداتعالیٰ معاف فرماویگا (شامی) اگر اس نماز میں سہو ہو جائے تو سجدہ سہو میں یہ تسبیح نہ پڑھنی چاہیئے کیونکہ تین سو سے زائد تسبیح پڑھنی اس نماز میں جائز نہیں ہے (غایۃ الاوطار) ہاں اگر کوئی شخص کسی رکن میں تسبیح پڑھنی بھول گیا تو دوسرے رکن میں پڑھے مثلاً رکوع میں بھول گیا تو قومہ میں نہ پڑھے بلکہ سجدہ میں جاکر بیس مرتبہ پڑھے اسی طرح اگر سجدہ میں بھول گیا ہے تو جلسہ میں نہ پڑھے بلکہ دوسرے سجدہ میں پڑھے، قیام میں بھول گیا۔ تو رکوع میں بیس مرتبہ پڑھے۔ یہ بات بھی جان لینی چاہیئے کہ رکوع سجدہ میں پہلے حسب معمول سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا جائیگا پھر مذکورہ تسبیح پڑھی جائیگی (شامی)

نماز استخارہ

نماز استخارہ کی دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہؐ جس طرح ہم کو قرآن کی سورتوں کی تعلیم دیتے تھے اسی طرح سب کاموں میں استخارہ کرنے کی بھی ہم کو ہدایت فرماتے تھے۔ آدمی کو چاہیئے کہ جب کوئی مہم اور امر دشوار پیش آئے اور اس کے کرنے نہ کرنے میں تردد ہو تو وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھے اول رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھکر نماز حسب معمول ختم کرے۔ ختم نماز کے بعد الحمد اور درود شریف پڑھ کر استخارہ کی یہ دعا پڑھے:-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْاَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ۔ ھٰذَا الْاَمْرَ کے لفظ کی بجائے کام کو دل میں یاد کرے یا زبان سے ذکر کرے اور دعا کرکے ختم کردے۔

کی نفلیں پڑھی جاتی ہیں (۱) چھ رکعتیں اور ہر رکعت میں چھ سورتیں یعنی والشمس۔ انا انزلناہ اذا زلزلت۔ اخلاص۔ فلق۔ ناس۔ نماز کے بعد سجدہ میں جاکر سورۂ کافرون پڑھکر گناہوں کی معافی کی خواستگاری کی جائے (۲) چار رکعت۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد پچاس بار سورۂ اخلاص پڑھی جائے (جواہر غیبی و غنیۃ الطالبین)

ماہ صفر کی نفل نمازیں

یکم صفر کی نماز ماہ صفر نزول بلا کا مہینہ ہے۔ اس میں مصائب نازل ہوتے ہیں لہذا اس میں عبادت الٰہی کرنی بہت بہتر ہے۔ پہلی تاریخ کو مختلف طریقوں سے نمازیں پڑھی جاتی ہیں (۱) چار رکعت پہلی رکعت میں پندرہ بار کافرون۔ دوسری میں پندرہ بار قل ہو اللہ تیسری میں پندرہ بار فلق چوتھی میں پندرہ بار سورۂ ناس پڑھی جاتی ہے۔ سلام کے بعد ستر مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہا جاتا ہے

(۲) چاشت کے وقت طہارت کامل کرکے دو رکعت۔ ہر رکعت میں گیارہ بار اخلاص پڑھی جاتی ہے۔ سلام کے بعد ستر بار یہ درود پڑھی جاتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ درود کے بعد یہ دعا کی جاتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ صْرِفْ عَنِّیْ سُوْءَ ھٰذَا الْیَوْمِ وَاعْصِمْنِیْ مِنْ سُوْءِہٖ وَنَجِّنِیْ عَمَّا اَصَابَ مِنْ نُحُوْسَاتِہٖ وَکُرُبَاتِہٖ بِفَضْلِکَ یَا دَافِعَ الشُّرُوْرِ وَیَا مَالِکَ النُّشُوْرِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الْاَمْجَادِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

آخری چار شنبہ کی نماز اس نماز کے صرف دو نفل ہیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد تین بار سورۂ اخلاص پڑھی جاتی ہے۔ سلام کے بعد الم نشرح ۲۰ بار۔ والتین ۲۰ بار اذا جاء ۲۰ بار سورۂ اخلاص ۲۰ بار۔ کل اسی مرتبہ پڑھی جائے۔ خداوند تعالیٰ غنا دلی عطا فرمائے گا (فضائل الشہور والصیام)

ربیع الاول کی نماز ربیع الاول کا مہینہ رسول اللہ کی پیدائش کا بھی ہے اور ہجرت کا بھی اور وفات کا بھی۔ اس میں عبادت کرنی انتہائی برکت پیدا کر دیتی ہے۔ اسکی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ یکم تاریخ سے بارہ تاریخ تک روزانہ یا کم از دوسری اور بارھویں تاریخ کو ۲۰ رکعتیں پڑھی جائیں اور ہر رکعت میں ۲۱ بار قل ہو اللہ پڑھی جائے اسکا ثواب

بہت ہے۔ دین و دنیا میں اس کی بدولت برکت حاصل ہوتی ہے اگر یہ نماز عشاء کے بعد پڑھے تو افضل ہے۔ (جواہر غیبی)

ربیع الثانی کی نماز اس مہینہ کی پہلی - ۱۵ - ۱۹ - اور ۲۹ تاریخوں کو ۴ رکعت نفل ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد ۵ مرتبہ قل ہو اللہ پڑھی جائے باعث برکت و ثواب ہے۔

جمادی الاولیٰ کی نماز جمادی الاولیٰ کی پہلی تاریخ کو رات کے وقت ۴ رکعتیں ادا کرے اور ہر رکعت میں گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص الحمد شریف کے بعد پڑھے۔

جمادی الاخریٰ کی نماز جمادی الاخریٰ کی اول تاریخ کو شب کے وقت ۴ رکعت ادا کرے۔ ہر رکعت میں اگر الحمد کے بعد سورۂ اخلاص پڑھے تو بہتر ہے ورنہ کوئی سورت مخصوص نہیں حضرت ابوبکر رضا اس مہینہ کی ۱۲ نفلیں پڑھتے تھے (فضائل الشہور والایام)

رجب کی نماز رجب کا مہینہ بڑی عظمت و برکت کا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رجب اللہ کا مہینہ ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص غسل کر کے رجب کی پہلی۔ پندرہویں۔ اور تین اخیری تاریخوں میں نماز پڑھے گا اس کے گناہ معاف ہو جائینگے اسی مہینہ میں ۲۷ تاریخ کو آنحضرتؐ کو معراج بھی ہوئی ہے۔ یکم تاریخ کو مغرب و عشاء کے درمیان بموجب ایک روایت کے ۳۰ رکعات اور بموجب دوسری روایت کے ۲۰ رکعات ادا ادا کرے اور ہر رکعت میں بعد فاتحہ کے سورۂ کافرون تین بار اور اخلاص تین بار پڑھے۔ خدا تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمائے گا۔ ایک اور ترکیب نماز کی یہ ہے کہ ظہر و عصر کے درمیان ۴ رکعت ایک سلام سے پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد سات مرتبہ آیۃ الکرسی اور ۵ بار قل ہو اللہ پڑھے پھر سلام کے بعد ۲۵ بار کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ الکبیر المتعالی اور سو بار کہے استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ۔ پھر سو بار درود شریف پڑھ کر نماز ختم کرے۔

لیلۃ الرغائب کی نماز اسی ماہ میں لیلۃ الرغائب بھی ہے۔ اسی مہینہ کی پہلی شب جمعہ کو لیلۃ الرغائب کہتے ہیں۔ اس کی نماز کا طریقہ یہ ہے کہ شب جمعہ کو مغرب کے بعد ۱۲ نفلیں پڑھی جاتی ہیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۳ بار انا انزلناہ اور ۱۲ مرتبہ اخلاص پڑھی جاتی ہے۔ سلام کے بعد ستر مرتبہ اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی آلہ کہا جائے۔ پھر سجدہ میں ستر بار کہا جائے۔ رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم وانک انت

العلی الکبیر- پھر دوسرا سجدہ بھی اسی طرح کرے

شعبان کی نماز شعبان کے مہینہ کی حدیثوں میں بڑی تعریف آئی ہے چنانچہ اس مہینہ کو حضورؐ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اس ماہ کی چند مختلف نمازیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں (۱) چاند رات کو ۱۲ رکعتیں پڑھی جائیں اور ہر رکعت میں ۵ بار سورہ اخلاص پڑھی جائے (۲) پندرہویں شعبان کو شب کے وقت ۴ رکعت نفل اور ہر رکعت میں پچاس بار سورہ اخلاص پڑھی جائے (۳) اس ماہ میں ہر جمعہ کی رات کو ۴ رکعت یا آٹھ رکعت نفل پڑھی جائے اور ہر رکعت میں تین ۳ بار سورۂ اخلاص پڑھنی چاہیے خداوند تعالیٰ تمام گناہ معاف فرمائے گا۔

مندرجۂ بالا مہینوں کی نمازیں بعض تو مسنون ہیں اور حدیثوں میں انکے متعلق ہدایت آئی ہے اور بعض صحابہ تابعین ائمہ اور مشائخ سلف سے منقول ہیں بہرحال اپنی طرف سے اختراع کردہ نوافل سے ان کو بدرجہا فضیلت ہے۔ کیونکہ اگرچہ سنت نبی نہیں ہیں۔ تاہم اسلاف کرام اور بزرگانِ دین کی سنت حسنہ ہیں جس کی خوبی اور ثواب میں کلام کی گنجائش نہیں ہے۔

رمضان کی نماز رمضان شریف کا مہینہ سب مہینوں سے افضل ہے۔ حدیث میں اس کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ اسی مہینہ میں مسلمانوں پر روزے فرض ہوئے ہیں۔ اسی مہینہ کا نام توریت میں حط انجیل میں طاب اور قربت اور قرآن میں رمضان ہے کیونکہ حط کے معنی ساقط کرنے اور گرانے کے ہیں۔ اس مہینہ میں بھی سلمان کے گناہ ساقط کئے جاتے ہیں اور طاب کے معنی پاک ہونے کے ہیں مسلمان اس میں گناہ سے پاک وصاف ہو جاتا ہے اور قربت کے معنی نزدیکی کے ہیں مسلمان کو اس ماہ میں خدا سے قربت اور نزدیکی حاصل ہوتی ہے اور رمضان لفظ رمض سے بنا ہے۔ رمض اس بارش کو کہتے ہیں۔ جو برسات سے پہلے ابتدائے جولائی میں ہوتی ہے۔ اس مہینہ میں بھی پہلے عشرہ میں رحمت دوسرے میں مغفرت الٰہی تیسرے میں گناہگاروں کی آتش دوزخ سے نجات ہو جاتی ہے گویا رحمت ومغفرت کی بارش خدائے قدوس کی طرف سے اپنے بندوں پر ہوتی ہے۔ رمضان شریف میں خدا تعالیٰ کی بندوں پر پندرہ رحمتیں ہوتی ہیں (۱) رزق میں فراخی ہوتی ہے (۲) مال میں زیادتی ہوتی ہے (۳) جو کھانا کھایا جاتا ہے۔ وہ عبادت میں

شمار ہوتا ہے (۴) تمام نیک اعمال دوچند لکھے جاتے ہیں (۵) روزہ داروں کیلئے فرشتے مغفرت کے خواستگار ہوتے ہیں (۶) شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے (۷) رحمت الٰہی کے دروازے کشادہ ہوجاتے ہیں (۸) جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے بند کردیئے جاتے ہیں (۹) ہر رات میں ہزاروں گناہگار رہائی پاتے ہیں (۱۰) ہر جمعہ کی رات کو لاکھوں دوزخی نجات پاتے ہیں (۱۱) رمضان کی آخر رات میں روزہ داروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں (۱۲) روزہ داروں کو روحانی ترقیاں نصیب ہوتی ہیں (۱۳) روزہ داروں کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں (۱۴) روزہ داروں کو جسمانی صحت وتندرستی حاصل ہوتی ہے (۱۵) سب سے بڑھکر رضاء الٰہی کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اس مہینہ کا نفل دوسرے مہینہ کے فرضوں کی برابر درجہ رکھتا ہے اور اس ماہ کا ایک فرض دوسرے مہینہ کے ستر فرضوں کے مساوی ہے۔ اسی مہینہ کے آخر عشرہ طاق راتوں میں ایک شب قدر بھی ہے جسمیں رحمت الٰہی کا خصوصیت کے ساتھ بندوں پر نزول ہوتا ہے اب ہم اس ماہ کی نمازیں لکھتے ہیں اور باقی فضائل کتاب الصیام میں تحریر کرینگے۔

شب قدر کی نماز (۱) ستائیسویں تاریخ کو چار رکعت نفل پڑھیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ انا انزلناہ ایک بار سورۂ اخلاص ۲۷ بار پڑھیں اور نماز کے بعد استغفار کریں۔ خداتعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمائے گا۔

(۲) دو رکعت نفل پڑھیں۔ ہر رکعت میں انا انزلناہ ۳ مرتبہ اور سورہ اخلاص ۳ مرتبہ پڑھیں۔ رمضان کے روزے انشاء اللہ مقبول ہوجائینگے اور گناہوں کی آلائشوں سے پاکیزگی حاصل ہوگی۔

(۳) چار رکعت نفل پڑھیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ایک بار سورہ انا انزلناہ اور پچاس بار قل ہو اللہ پڑھیں۔ پھر سلام پھیر کر سجدہ میں جاکر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ ایک بار کہیں اور اس کے بعد اپنے مدعا کی خداتعالیٰ سے دعا کریں انشاء اللہ مستجاب ہوگی۔

شب قدر کی دعا یہ ہے۔ اللھم انک عفوٌ کریمٌ تحبّ العفو فاعف عنی یا غفور یا غفور (فضائل الشہور وغنیۃ الطالبین)

نماز تراویح تراویح مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے

آنحضرتؐ نے نماز تراویح پڑھی ہے۔ تراویح کی جماعت کرنی سنت کفایہ ہے اگر بعض لوگ جماعت سے تراویح پڑھ لیں گے تو اوروں کے سر سے جماعت ساقط ہو جائیگی۔

تراویح کی بیس رکعتیں ہوتی ہیں۔ دو دو رکعت کی نیت باندھی جاتی ہے اور ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھنا مستحب ہے (عالمگیری، درمختار، غایۃ الاوطار) اس بیٹھنے کے وقت آدمی چاہے تو قرآن پڑھے یا نفلیں پڑھے یا خاموش رہے۔ اگر یہ تسبیح پڑھے تو افضل ہے۔ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْجَلَالِ وَالْكَمَالِ وَالْبَقَاءِ وَالثَّنَاءِ وَالضِّيَاءِ وَالْآلَاءِ وَالنَّعْمَاءِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ (عالمگیری غایۃ الاوطار)

بلا عذر بیٹھکر تراویح پڑھنی مکروہ ہے۔ تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے فجر تک ہے خواہ وتر کے قبل یا بعد (ہدایہ محیط، شامی) **مسئلہ** اگر کسی کی تراویح جماعت سے فوت ہوگئی ہوں اور امام وتروں کے لئے کھڑا ہو جائے تو اسکو وتر جماعت سے پڑھ لینے چاہئیں بعد کو تراویح تنہا پڑھ لے (درمختار) **مسئلہ** اگر کسی کی تراویح فوت ہو جائیں اور تراویح کا وقت نکل جائے تو بعض علماء کا قول ہے کہ تراویح کی قضا نہیں ہے۔ وقت نکل جانے کے بعد ان کا سنت مؤکدہ ہونا جاتا رہا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ دوسرے روز کی تراویح تک ان کی قضا کر سکتا ہے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر کسی شخص نے فرض نماز نہ پڑھی ہو تو تراویح کی جماعت میں داخل ہونا اسکے لئے جائز نہیں کیونکہ تراویح کی نماز عشاء کی نماز کی تابع ہے۔ عشاء سے مقدم کرنا جائز نہیں لہذا اول عشاء کی نماز جماعت سے ادا کرے پھر تراویح کی جماعت میں شریک ہو جائے بلکہ اگر عشاء کی نماز تنہا پڑھ لی ہو اور جماعت سے نہ پڑھی ہو تب بھی تراویح کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ تراویح کی جماعت فرضوں کی جماعت کی تابع ہے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر ایک شخص نے فرض جماعت سے پڑھے ہوں اور تراویح جماعت سے ادا نہ کی ہوں تو وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے (غایۃ الاوطار) ہاں اگر کسی نے فرض تنہا پڑھے ہوں تو وتر جماعت سے نہیں پڑھ سکتا (شامی) **مسئلہ** اگر ایک پورے گروہ نے عشاء کے فرض تو جماعت کرکے پڑھے اور تراویح جماعت سے ادا نہ کیں تو یہ گروہ وتر با جماعت نہیں پڑھ سکتا کیونکہ وتر کی جماعت تراویح

کی جماعت کے تابع ہے جب تراویح با جماعت ان لوگوں نے ادا نہ کیں تو وتر بھی با جماعت ادا نہیں کر سکتے (شامی)، مسئلہ تراویح کے سوا نماز وتر وغیرہ میں جماعت مکروہ ہے۔ (در مختار)، مسئلہ اکثر آدمی تراویح میں سستی کی وجہ سے انتظار کرتے رہتے ہیں کہ امام رکوع میں جائے تو ہم شریک ہوں یہ فعل نہایت مکروہ ہے۔ نمازیوں کو اس سے پرہیز رکھنا چاہئیے (در مختار)

تراویح میں قرآن پڑھنے کا حکم تراویح میں ایک بار پورے رمضان میں قرآن ختم کرنا سنت ہے اور ایک مرتبہ دَور کرنے کی بڑی فضیلت ہے اور تین مرتبہ پڑھنا بہت زیادہ افضل ہے (در مختار)، اگر لوگ قرآن سننے میں سستی کریں تو ان کے خیال سے ختم قرآن نہ چھوڑا جائے کم از کم ایک مرتبہ تو ضرور ختم کیا جائے کیونکہ قرآن میں کچھ اوپر چھ ہزار آیتیں ہیں اور تراویح کی رکعتوں کی مجموعی تعداد بھی چھ سو ہے اب اگر مہینہ تیس دن کا ہوا تو اس حساب سے ہر رکعت میں دس آیتیں ہوئیں۔ دس آیتوں کا پڑھنا اور اور سننا ہر رکعت میں کچھ زیادہ دشوار نہیں ہے۔

قرآن خوانی کی اجرت کا حکم قرآن خوانی کی اجرت لینی ناجائز اور حرام ہے۔ اس زمانہ میں جو حافظ اجرت پہلے سے ٹھیرا لیتے ہیں۔ یہ سب ناجائز ہے قرآن خوانی صرف خدا کے واسطے ہونی چاہئیے فقہاء متاخرین نے جواز اجرت کیلئے یہ حیلہ تراشا ہے کہ اگر آمد و رفت اور تعیین وقت کے عوض میں کچھ اجرت ٹھیرالی جائے تو کچھ حرج نہیں ہے مگر یہ صرف ایک حیلہ ہے (در مختار)، مسئلہ ایک مسجد میں تراویح کی جماعت دو مرتبہ ہونی مکروہ ہے۔ (عالمگیری)، ہاں اگر ایک امام دو مسجدوں میں پوری پوری تراویح پڑھاوے تو درست ہے (عالمگیری)، مسئلہ اگر ایک امام ہی تراویح کی بیس رکعتیں پڑھاوے تو افضل ہے اور اگر دو امام پڑھائیں تو مستحب یہ ہے کہ ہر امام اپنا ترویحہ یعنی چار رکعتیں پڑھا کر علیحدہ ہو (عالمگیری)، مسئلہ اگر فرض و وتر ایک امام پڑھا دے اور تراویح دوسرا امام تو درست ہے کیونکہ حضرت عمرؓ خود فرض و وتر پڑھایا کرتے تھے اور حضرت ابی بن کعبؓ تراویح پڑھاتے تھے (عالمگیری)، مسئلہ اگر تراویح کی دو رکعتیں قرأت کی غلطی یا کسی دوسرے سبب سے فاسد ہو جائیں تو جو قرآن ان رکعتوں میں پڑھ لیا گیا ہو اسکو دوبارہ پڑھنا چاہئیے تاکہ پورا قرآن صحیح نماز میں ادا ہو (عالمگیری)، مسئلہ جن مساجد میں قرآن ختم نہیں کیا جاتا وہاں کے اماموں

کو چاہئے کہ تراویح میں سورۂ فیل سے آخر تک دسوں سورتیں تراویح میں پڑھا کریں کیونکہ اس میں اول تو نسیان نہیں دوسرے ہر شخص کی طبیعت ان سورتوں سے مانوس اور اُنکی عادی ہے (عالمگیری) مسئلہ اگر مقتدی کھڑے ہوں اور امام خواہ مخواہ بھی نماز تراویح بیٹھ کر پڑھاوے تو کچھ ہرج نہیں ہے (عالمگیری) مسئلہ اگر تراویح کی دوسری رکعت میں امام قعدہ کرنا بھول گیا اور تیسری رکعت کو کھڑا ہوگیا تو اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے قبل اس کو یاد آجائے تو فوراً بیٹھ جائے اور قعدہ کر کے سلام پھیر دے اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد یاد آیا ہو تو اب چوتھی رکعت ملا کر آخر میں قعدہ کر کے سلام پھیرے نماز فاسد ہو جانی چاہئے تھی مگر استحساناً نماز فاسد ہونے کا حکم نہیں ہے مگر یہ چار رکعتیں بجائے دو کے ہونگی چار نہ ہونگی ہاں اگر دوسری رکعت کا قعدہ بقدر تشہد کر لیا اور بھولکر کھڑا ہوگیا سلام نہ پھیرا اور چار رکعتیں پوری کرلیں تو یہ چار رکعتیں ہی شمار ہونگی دو نہ سمجھی جائینگی (عالمگیری)

ماہ شوال کی نماز اس مہینہ میں صرف دو نفل نمازیں منقول ہیں (۱) چاندرات کو یا عید کی نماز کے بعد چار رکعت نفل گھر میں پڑھیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۲۱ بار سورۂ اخلاص پڑھیں (سورۂ اخلاص کل ۸۴ بار ہو جائیگی اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔

(۲) ماہ شوال میں کسی تاریخ کو آٹھ رکعتیں پڑھیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۲۵ مرتبہ قل ہو اللہ پڑھیں۔ سلام پھیرنے کے بعد ستر مرتبہ سبحان اللہ پڑھ کر ستر مرتبہ یہ درود پڑھیں

اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم اس کا بھی ثواب بہت ہے۔

ماہ ذیقعدہ کی نماز اس مہینہ کے نوافل کا بھی بہت ثواب ہے اور نوافل ادا کرنے کے مختلف طریقے منقول ہیں (۱) چاندرات کو چار رکعت نفل پڑھیں اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۲۳ بار اخلاص پڑھیں اس کا بڑا ثواب ہے (۲) ذیقعدہ کی ہر رات میں دو رکعتیں پڑھا کریں اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد تین بار سورۂ اخلاص پڑھیں (۳) اس ماہ کے ہر جمعہ کے دن چار رکعتیں پڑھیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۲۱ بار قل ہو اللہ پڑھیں (۴) ہر پنجشنبہ کو سو رکعت نفل پڑھا کریں ہر رکعت میں الحمد اور ایک بار سورۂ اخلاص کا ورد رکھیں یہ تمام نمازیں سلف صالحین کے نزدیک بڑے پایہ کی ہیں اور کتابوں میں انکے بڑے بڑے ثواب درج ہیں خدا تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔

ماہ ذی الحجہ کی نماز

اس مہینہ کی فضیلت حدیث میں بہت کچھ وارد ہے۔ خصوصاً اول عشرہ کو تو بہت ہی بابرکت شمار کیا گیا ہے خداتعالیٰ نے اس ماہ کو بڑی حرمت عطا فرمائی ہے حضرت ابراہیمؑ کو درجۂ خلت اسی مہینہ میں عطا ہوا۔ اسی مہینہ میں حضرت ابراہیم نے اپنی جان نذر آتش کی اپنا مال راہ خدا میں تقسیم کیا۔ اپنے پیارے نوجوان بیٹے کو خدا کی خوشنودی کیلئے ذبح کیا اور اپنا دل رضاء رحمٰن کیلئے قربان کر دیا۔ اسی ماہ میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیلؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ اس مہینہ میں تمام عبادتوں کا عموماً اور نماز کا خصوصاً بہت ثواب ہے اور نماز کے مختلف طریقے ہیں (۱) چاندرات کو چار رکعت نفل ادا کریں ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۲۵ بار سورۂ اخلاص پڑھیں (۲) اول عشرہ میں روزانہ رات کو وتروں کے بعد دو رکعت پڑھا کریں اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد تین بار اخلاص اور تین بار سورۂ کوثر پڑھیں (۳) اسی ماہ کی کسی ایک رات کے آخر حصہ میں چار رکعت نفل پڑھیں اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد تین بار آیۃ الکرسی تین بار سورۂ اخلاص اور معوذتین ایک ایک بار پڑھیں۔ نماز ختم کرنے کے بعد یہ دعا پڑھیں سبحان ذی العزۃ والجبروت۔ سبحان ذی القدرۃ والملکوت سبحان ذی الحی الذی لا یموت لا الٰہ الا ھو یحیی و یمیت وھو حی لا یموت سبحان اللہ رب العباد والبلاد والحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا علٰی کل حال اللہ اکبر کبیرًا ربنا جل جلالہ و قدرتہ بکل مکان۔ اسکے بعد جو دعا مانگیگے انشاءاللہ مقبول ہوگی۔ اگر دسوں رات اس نماز کو اسی ترتیب سے ادا کرتے رہیں تو خداتعالیٰ سب گناہ معاف فرما دیگا اور دنیا دین کی برکت عطا فرمائیگا (۴) جمعہ کے دن ۶ رکعتیں اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۱۵ بار سورہ اخلاص پڑھیں، سلام پھیرنے کے بعد دس بار لا الٰہ الا اللہ الملک الحق المبین اور دس بار درود شریف پڑھکر التجا مغفرت کریں (۵) ۹ تاریخ کی رات کو سو رکعت نفل ادا کریں، ہر رکعت میں قل ھو اللہ ایک بار یا تین بار پڑھیں اور مغفرت کے طالب ہوں (۶) ۹ تاریخ کی رات کے وقت دو رکعت نفل پڑھیں اول رکعت میں سو بار آیۃ الکرسی اور دوسری میں سو بار سورۂ اخلاص پڑھیں خداوند تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائیگا (۷) ۱۰ تاریخ کو رات کے وقت ۱۲ رکعت نفل پڑھیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۱۵ بار قل ھو اللہ پڑھیں (۸) ۱۰ تاریخ کو رات کے وقت چار رکعت نفل ہر رکعت میں ایکبار اخلاص ایکبار فلق ایک بار ناس پڑھیں اور سلام کے بعد ستر بار سبحان اللہ ستر بار درود شریف پڑھکر استدعائے مغفرت کریں۔

(۹) ۱۰ تاریخ کو عید کی نماز کے بعد گھر پر آکر چار رکعت نفل ادا کریں۔ اول رکعت میں الحمد شریف کے بعد سبح اسم ربک ایک بار دوسری رکعت میں والشمس ایک بار تیسری میں واللیل ایک بار اور چوتھی میں والضحیٰ ایک بار پڑھیں بڑا ثواب ہے (۱۰) قربانی کے بعد دو رکعت نفل پڑھیں ہر رکعت میں ۵ مرتبہ والشمس پڑھیں اور ختم نماز کے بعد اپنی حاجت خداوند تعالیٰ سے طلب کریں انشاء اللہ قبول ہوگی (۱۱) عید کی نماز کے بعد گھر آکر دو رکعت نفل ادا کریں ہر رکعت میں الحمد کے بعد تین بار سورہ کوثر پڑھ کر دعا کریں یہ نمازیں سلف کا دستور العمل رہی ہیں اور بعض روایتوں میں تو ان میں سے بعض کا مسنون ہونا بھی بیان کیا گیا ہے بہر حال یہ گیارہ نمازیں گناہوں کا کفارہ، روح کی روشنی اور دل کی تسلی اور مسلمان کے ایمان میں پختگی پیدا کرتی ہیں ان پر کاربند ہونے سے دین دنیا کی فلاحیت حاصل ہوتی ہے۔

ہفتہ کی نمازوں کا بیان

شنبہ کی نماز (۱) شنبہ کی رات کو مغرب و عشاء کے درمیان بارہ رکعتیں پڑھ کر جو چاہیں دعا کریں انشاء اللہ قبول ہوگی (۲) شنبہ کے دن کسی وقت چار رکعت نفل پڑھیں۔ ہر رکعت میں سورہ کافرون تین بار پڑھیں اور نماز سے فارغ ہونیکے بعد آیۃ الکرسی ایکبار پڑھکر دعا کریں **یکشنبہ کی نماز** (۱) یکشنبہ کی رات کو ۲۰ رکعت نماز اور ہر رکعت میں پچاس بار اخلاص ایک بار فلق ایک بار ناس پڑھیں پھر سلام کے بعد اپنے اور والدین کے لئے سو مرتبہ استغفار کریں اور سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر پچاس مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہیں۔ اسکے بعد اشھد ان لا الٰہ الا اللہ اشھد ان آدم صفوۃ اللہ وفطرتہ وابراھیم خلیل اللہ عزوجل وموسیٰ کلیم اللہ وعیسیٰ روح اللہ سبحانہ ومحمدا حبیب اللہ عزوجل خدا تعالیٰ پڑھنے والے کے اور اسکے والدین کے تمام گناہ معاف فرمائیگا (۲) یکشنبہ کے دن چار رکعت نفل ہر رکعت میں الحمد کے بعد آمن الرسول بما انزل الیہ آخر رکوع تک ایکبار پڑھیں سلام کے بعد استغفار کریں۔ خدا تعالیٰ گناہ معاف کر کے نیکیوں میں اضافہ فرمائیگا (۳) یکشنبہ کے دن ظہر کی نماز کے بعد چار رکعت نفل پڑھیں اول رکعت میں الحمد کے بعد سورہ الم سجدہ دوسری رکعت میں الحمد کے بعد تبارک الذی پڑھ کر تشہد کر کے سلام پھیر دیں پھر دوسری نیت باندھکر پہلی اور دوسری دونوں رکعتوں میں الحمد کے بعد سورہ جمعہ ختم کریں اور سلام کے بعد اپنی حاجت کی قاضی الحاجات سے خواستگاری کریں انشاء اللہ تعالیٰ دعا قبول ہوگی۔

دوشنبہ کی نماز (۱) دوشنبہ کی رات کو چار رکعت نفل۔ اول رکعت میں الحمد کے بعد دس بار قل ہو اللہ دوسری رکعت میں الحمد کے بعد بیس بار قل ہو اللہ تیسری میں تیس بار اور چوتھی میں چالیس بار قل ہو اللہ پڑھیں پھر سلام پھیرنے کے بعد سورۂ اخلاص استغفار اور درود شریف پچھتر پچھتر مرتبہ پڑھ کر دعا کریں۔ انشاء اللہ دینی و دنیوی حوائج پوری ہونگی۔ اس نماز کا نام نماز حاجت ہے۔ اور ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔

(۲) دوشنبہ کی رات کو دو رکعت نفل خالص نیت سے ادا کریں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد قل ہو اللہ پندرہ بار پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد پندرہ مرتبہ آیۃ الکرسی اور پندرہ مرتبہ استغفار کہیں خدا تعالیٰ تمام گناہ معاف فرمائیگا۔ (۳) دوشنبہ کے دن کسی وقت بارہ رکعت نفل ادا کریں۔ ہر رکعت میں ایک بار آیۃ الکرسی پڑھیں۔ فارغ ہونے کے بعد سورۂ اخلاص ۱۲ مرتبہ اور استغفر اللہ ۱۲ مرتبہ کہیں خدا تعالیٰ اجر جزیل عنایت فرمائیگا (۴) پیر کے روز آفتاب کے بلند ہو جانے کے بعد دو رکعت نفل پڑھیں۔ ہر رکعت میں ایک بار آیۃ الکرسی ایک بار قل ہو اللہ ایک ایک بار سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھیں۔ سلام کے بعد استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ دس بار کہیں خدائے غفار تمام گناہ معاف فرمائیگا۔

سہ شنبہ کی نماز (۱) منگل کی رات کو بارہ رکعت پڑھیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد ۵ مرتبہ اذا جاء نصر اللہ الخ پڑھیں خدا تعالیٰ بہشت بریں عطا فرمائیگا (۲) منگل کے دن آفتاب کے بلند ہو جانیکے بعد یا زوال کے بعد دس رکعت نفل پڑھیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد ایک بار آیۃ الکرسی اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھیں تمام آفات سے خداوند تعالیٰ محفوظ رکھے گا۔

چہار شنبہ کی نماز (۱) بدھ کی رات کو دو رکعت نفل۔ اول رکعت میں سورۂ فلق دس بار اور دوسری میں سورۂ ناس ۱۰ بار پڑھیں خدا کی رحمت شامل حال ہوگی (۲) بدھ کے دن نماز اشراق کے بعد بارہ رکعت پڑھیں ہر رکعت میں ایک بار آیۃ الکرسی تین بار سورۂ اخلاص اور تین تین بار سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھیں خدا تعالیٰ عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔

پنجشنبہ کی نماز (۱) جمعرات کی رات کو مغرب و عشاء کے درمیان دو رکعت نفل پڑھیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد آیۃ الکرسی، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس پانچ پانچ بار پڑھیں پھر سلام کے بعد ۱۵ بار استغفار کریں اور والدین کیلئے دعاء مغفرت کریں انشاء اللہ والدین کی مغفرت ہوگی (۲) جمعرات کے دن ظہر و عصر کے

درمیان دو رکعت نفل ادا کریں اول رکعت میں الحمد کے بعد سو بار آیۃ الکرسی دوسری رکعت میں سو بار سورۂ اخلاص۔ اور فراغت نماز کے بعد سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر دعا کریں اس نماز کو ایک روایت میں مسنون کہا گیا ہے۔ اس کا ثواب بہت ہے۔

جمعہ کی نماز (۱) جمعہ کی رات کو مغرب و عشاء کے درمیان ۱۲ رکعت نفل پڑھے ہر رکعت میں ۱۰ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے (۲) جمعہ کی رات کو عشاء کی نماز با جماعت پڑھ کر سنتوں کے بعد ۱۰ رکعت نفل اور ہر رکعت میں ۱۰ بار اخلاص اور ایکبار فلق و ناس پڑھے پھر وتر پڑھکر دائیں کروٹ پر سو رہے بروایت حضرت انسؓ اس نماز کا بہت اجر ہے (غنیہ) (۳) جمعہ کے دن اشراق کی نماز کے بعد چار رکعت نفل ادا کرے یا آٹھ رکعت یا بارہ رکعت پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد تین بار سورۂ اخلاص پڑھے (۴) جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان دو رکعت ادا کرے اول رکعت میں ایکبار آیۃ الکرسی اور ۲۵ مرتبہ سورۂ فلق اور ایکبار سورۂ ناس پڑھے۔ دوسری رکعت میں ایکبار سورۂ اخلاص ۲۵ بار فلق اور سورۂ ناس ایکبار پڑھکر سلام پھیرے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پچاس مرتبہ کہے اور اپنی حاجت کیلئے دعا کرے (۵) جمعہ کے دن بلندی آفتاب کے بعد دو رکعت نفل اول رکعت میں سورۂ فلق ایکبار اور دوسری میں سورۂ ناس ایکبار پڑھیں پھر سلام کے بعد سات بار آیۃ الکرسی پڑھیں اسکے بعد چار چار رکعت کی نیت کرکے دو مرتبہ میں آٹھ رکعت پڑھیں اور ہر رکعت میں کافرون ایکبار اور اخلاص ۲۵ بار پڑھکر سلام پھیر کر لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہیں، آتش دوزخ سے انشاء اللہ نجات ہوگی (۶) حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ جمعہ کے دن ۴ رکعت نفل ایک سلام سے پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد ایک بار آیۃ الکرسی پندرہ بار سورۂ کوثر پڑھے نماز کے بعد سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر یہ دعا ایک بار پڑھے:۔ اَللّٰهُمَّ يَا سَابِقَ الْفَوْتِ وَيَا سَامِعَ الصَّوْتِ وَيَا مُحْيِيَ الْعِظَامِ بَعْدَ الْمَوْتِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاجْعَلْ لِّيْ مَخْرَجًا وَّمَخْرَجًا مِّمَّا اَنَا فِيْهِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ يَا رَاحِمَ الْعِطَايَا وَيَا غَافِرَ الْخَطَايَا يَا سُبُّوْحُ قُدُّوْسُ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيُّ الْاَعْظَمُ يَا سَاتِرَ الْعُيُوْبِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

نوافل کے مسائل

مسئلہ۔ دن میں ایک سلام سے چار رکعت نفل پڑھنے درست ہیں اور چار سے زیادہ ایک سلام سے

پڑھنے مکروہ ہیں۔ ہاں رات میں ایک سلام سے آٹھ رکعت پڑھنا درست ہے اور آٹھ سے زائد مکروہ ہے (عالمگیری) مسئلہ دن و رات دونوں میں چار رکعت نفل ایک سلام سے پڑھنے افضل ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص چار نفل پڑھنے کی ایک سلام سے نذر مانے اور بروقت ادائیگی دو دو رکعتیں کرکے پڑھے تو نذر ادا نہ ہوگی۔ اور اگر دو دو کرکے چار رکعت کی نذر مانی ہے اور پھر ایک سلام سے چاروں رکعتیں پڑھ لیں تو نذر ادا ہو جائیگی (عالمگیری) مسئلہ اگر ایک شخص نے نفل نماز صحیح طور سے شروع کی اور پھر اس کو توڑ ڈالا تو اسکی قضا لازمی ہے کیونکہ نفل نماز شروع کرنیسے پہلے نفل ہوتی ہے اور شروع کرنیکے بعد اسکی تکمیل مثل واجب کے ضروری ہو جاتی ہے تو جس طرح فرض نماز کو توڑنے کے بعد اسکی قضا ضروری ہے اسی طرح نفل نماز کی توڑنے کے بعد قضا ضروری ہے (درمختار) مسئلہ اگر ایک شخص نے اس خیال سے کہ میں ظہر کی نماز پڑھ چکا ہوں امام کا اقتدار بہ نیت نفل کیا پھر نماز میں یاد آیا کہ ظہر کی نماز نہیں پڑھی اب اس نے نفل کی نیت توڑ کر فرض کی نیت سے دوبارہ اقتداء کی یا صرف یہ صورت ہوئی کہ پہلے نفلونکی امام کے پیچھے نیت باندھی پھر توڑ کر دوبارہ نفلوں کی نیت باندھی بہر حال نفلوں کی قضا اسکے ذمہ نہیں ہوگی کیونکہ اسکی نیت یہ ہے کہ نماز امام کے ساتھ ادا کروں اور وہ دونوں صورتوں میں حاصل ہے (شامی) مسئلہ اگر کسی شخص نے بلا قید رکعت نفل نماز کی نیت کی یعنی صرف یہ نیت کی کہ نفل پڑھتا ہوں اور یہ کچھ نہ کہا کہ دو پڑھتا ہوں یا چار تو اس صورت میں صرف دو نفلیں پڑھنی اس کیلئے ضروری ہیں چار کی ضرورت نہیں (عالمگیری) مسئلہ اگر ایک شخص نے چار رکعت نفل کی نیت نہیں کی اور دوگانہ پڑھکر بغیر قعدہ میں بیٹھے ہوئے کھڑا ہو گیا تیسری رکعت پڑھ رہا تھا کہ قعدہ یاد آیا لہذا فوراً لوٹ کر بیٹھ جائے اور قعدہ کرکے تشہد پڑھکر سلام پھیر دے اگر نہ لوٹے گا تو نماز فاسد ہو جائیگی (عالمگیری) مسئلہ اگر ایک شخص نے چار رکعت نفل کی نیت کی اور دو رکعت پڑھنے سے قبل ہی نیت توڑ دی تو اسکے ذمہ صرف دو رکعت کی قضا واجب ہے (درمختار) مسئلہ اگر ایک شخص نے دو رکعت نفل کی نیت کی پھر بقدر تشہد بیٹھکر تیسری رکعت کو کھڑا ہو گیا اور تیسری رکعت میں نماز توڑ ڈالی تو صرف دو رکعتوں کی قضا لازم ہے اور اگر بقدر تشہد بیٹھنے سے قبل تیسری رکعت کو کھڑا ہو گیا اور پھر نماز توڑ ڈالی تو چاروں رکعتوں کی قضا واجب ہے کیونکہ نوافل میں یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ نفل کا ہر دوگانہ علیحدہ ہے ایک دوگانہ کی تکمیل کے بعد اگر دوسرا دوگانہ فاسد ہو جائے تو صرف دو کی قضا لازم آتی ہے ہاں تین امور کی وجہ سے ایک دوگانہ دوسرے سے علیحدہ نہیں رہتا (۱) اقتداء یعنی اگر امام کی اقتدا سے رکعتوں

کی کی اور دو پڑھ کر تیسری رکعت میں نماز کو فاسد کر دیا تو چاروں کی قضا لازم ہے (۲) نذر یعنی اگر چار رکعت نماز نذر مانی اور تیسری رکعت میں نماز کو فاسد کر دیا تو چاروں کی قضا لازم ہے (۳) قعدہ اولیٰ کا ترک۔ یعنی اگر پہلے دوگانہ کا قعدہ چھوٹ گیا اور تیسری رکعت کو کھڑا ہو گیا اور پھر نماز کو فاسد کر دیا تو سر چہار رکعت کی قضا لازم ہے (شامی) **مسئلہ** کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے والے کا پورا ثواب ہے اور بیٹھکر پڑھنے والے کا آدھا ثواب (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** نفل نماز گھوڑے پر اونٹ پر پالکی اور سواری میں بہر صورت جائز ہے خواہ کوئی عذر ہو یا نہ ہو۔ ہاں فرض اور واجب نماز جب تک مندرجہ ذیل عذر نہ ہوں سواری پر پڑھنی جائز نہیں (۱) اتر کر نماز پڑھنے میں جان یا مال کا خوف ہو (۲) عورت کو اپنی حفظ آبرو ضروری ہو اور بدچلن لوگوں کا خوف ہو (۳) مسافر کو قافلہ یا سواری کے چلے جانے کا خوف ہو (۴) یا سواری ایسی ہو کہ اتر کر پھر بغیر دوسرے آدمی کی مدد کے سوار نہو سکے (۵) یا زمین پر کیچڑ اور دلدل ہو کہ نماز نہ پڑھ سکتا ہو (۶) یا خود اسقدر کمزور یا مجبور ہو کہ بغیر دوسرے کی مدد کے سوار ہونا ناممکن ہو (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** بیل گھوڑے اونٹ تانگہ وغیرہ کی سواری پر نماز اشارہ سے پڑھنی مشروع ہے رکوع و سجود نہ کرنا چاہیے لیکن اگر سواری روک سکتا ہو تو روک لے اگر نہ روک سکتا ہو تو کم از کم قبلہ رخ کرے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو جس طرح ہو سکے بوقت ضرورت نماز ادا کرے اور پھر ان نمازوں کی قضا لوٹانی بھی اسکے ذمہ باقی نہ رہیگی (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** سواری پر نماز پڑھنی مسافر اور مقیم دونوں کو جائز ہے گر مقیم شہر سے باہر جہاں سے مقیم پر قصر لازم آتا ہے پڑھ سکتا ہے۔ شہر کے اندر نہیں پڑھ سکتا (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** ٹھیری ہوئی ریل میں تو سب نمازیں پڑھنی بالاتفاق جائز ہیں چلتی ہوئی ریل میں علماء ہند کا باہم اختلاف ہے کہ کونسی نماز پڑھنی جائز ہے اور کونسی جائز نہیں صحیح یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے چلتی ریل میں فرض واجب سنت سب نمازیں پڑھنی درست ہیں (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** ایک آدمی کو چلتی ریل میں نماز کا وقت ہو گیا اور اسکو امید ہے کہ آئندہ اسٹیشن پر پہنچنے تک نماز کا آخر وقت باقی رہے گا تو اس کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ ریل کے ٹھیرنے تک توقف کرے جب ریل ٹھیر جائے تو نماز پڑھے اگر ابتدائے وقت میں ہی چلتی ریل میں اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے پڑھ لیگا تب بھی جائز ہے جس طرح صاحب شامی نے لکھا ہے کہ اگر قافلہ حجاج کسی وجہ سے سواریوں سے اتر کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو سواری پر ہی پڑھ لے (شامی) **مسئلہ** چلتی کشتی میں بھی نماز پڑھنی

جائز ہے اور اس کا حکم بھی ریل کی طرح ہے (عالمگیری)، **مسئلہ** اگر کوئی شخص ایک نفل میں کئی نفلوں کی نیت کرے مثلاً تحیۃ الوضوء کے دوگانہ پڑھنے کے تحیۃ المسجد اور اشراق کی بھی نیت کرے تو جائز ہے اور نیت کی وجہ سے اس کو سب نمازوں کا ثواب ملیگا (غایۃ الاوطار)

نماز کسوف سورج گرہن کی نماز بالاتفاق سنت ہے اور جماعت بھی اس میں ہونی چاہئے ہاں اذان اقامت اور خطبہ نہ ہونا چاہئے (عالمگیری وکبیری) اور اگر جماعت سے سورج گرہن کی نماز ادا نہ کرسکے تو تنہا ہی پڑھ لے اور یہ بھی نہ کرسکے تو صرف دعا ہی میں مشغول رہے (عالمگیری) **مسئلہ** نماز کسوف کی کم از کم دو رکعت ہیں ورنہ چار یا آٹھ بھی پڑھی جاسکتی ہیں اور قرأت پوشیدہ طور پر پڑھی جاتی ہے چلا کر نہیں پڑھی جاتی (درمختار) **مسئلہ** قرأت کو بہت طول دینا چاہئے کہ نماز پڑھتے پڑھتے سورج گرہن سے نکلجائے اور دیگر ارکان بھی بہت طویل کرنے چاہئیں۔ اور اگر نماز کے ارکان کسی وجہ سے طویل نہ کرسکے تو پھر دعا اتنی لمبی کرے کہ سورج گرہن سے نکل جائے غرض جب تک آفتاب صاف نہ ہو یاد الٰہی کی جائے (درمختار) **مسئلہ** اگر گرہن اوقات ممنوعہ میں شروع ہو تو نماز کسوف نہ پڑھنی چاہئے صرف دعا و استغفار کرنا چاہئے اور اگر گرہن کی حالت میں ہی سورج غروب ہوجائے تو مغرب کی نماز پڑھنی چاہئے گرہن کی نہ پڑھنی چاہئے اور دعا بھی ترک کردینی چاہئے اور اگر گرہن اور جنازہ کی نماز دونوں ایک وقت میں اتفاق سے جمع ہوجائیں تو پہلے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہئے (عالمگیری)

نماز خسوف چاند گرہن کی صرف دو رکعتیں پڑھی جائیں لیکن چونکہ رات کو لوگوں کا جمع ہونا دشوار اور تکلیف دہ ہے اس لئے یہ نماز جماعت سے نہ پڑھی جائے اگر کوئی شخص چاند گرہن ہونیکے وقت نماز نہ پڑھ سکے تو پھر بعد کو نہ پڑھے یہی حکم سورج گرہن کا ہے (عالمگیری)

نماز استسقاء جب کنوؤں اور نہروں میں پانی نہ رہے اور بالکل خشک ہوجائے یا اتنا رہے کہ جانوروں کو پلانے اور کھیتوں کو سینچنے کیلئے کافی نہ ہوسکے اور آسمان پر قطعاً ہتیلی برابر بھی ابر نہ ہو تو نماز استسقاء پڑھنی چاہئے۔ اگر پہلے روز ہی بارش ہوجائے تو خیر ورنہ دوسرے اور تیسرے روز بھی پڑھنی چاہئے۔ امام صاحب کے نزدیک اس نماز کیلئے نہ جماعت مسنون ہے نہ خطبہ۔ ہاں صاحبین کے نزدیک اسکی دو رکعتیں مسنون ہیں جو جماعت وخطبہ کے ساتھ بغیر اذان واقامت کے ادا کی جائیں (درمختار عالمگیری) قرأت ان دونوں رکعتوں میں پکار کر پڑھنی چاہئے یہی مستحب ہے۔ پہلی رکعت میں سورہ قاف اور دوسری میں قمر یا

پہلی میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ پڑھنی چاہئے (عالمگیری) نماز کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ جب سخت خشک سالی ہو تو امام اور دیگر اشخاص پا پیادہ میلے کچیلے کپڑے پہنے نماز کو چلیں اپنے گناہوں پر نادم اور سرنگوں ہوں۔ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں بلکہ جانے سے قبل ہر شخص کچھ نہ کچھ صدقہ بھی دے۔ کافروں کو نہ اپنے ہمراہ لیں نہ نماز کے سامنے کھڑا ہونے دیں کیونکہ خدا کی رحمت کی خواہش اور امیدواری ایمان و تقویٰ کے ساتھ ممکن ہے۔ بوڑھے مردوں بوڑھی عورتوں اور دیگر ضعیف لوگوں کو ضرور ہمراہ لیں مویشی بھی ساتھ ساتھ ہوں اور ان کے ذریعہ سے دعا کی جائے۔ امام پہلے دو رکعت پڑھائے پھر تلوار یا عصا پر سہارا دیکر خطبہ پڑھنے کھڑا ہو جس کی ایک مثال ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں:-

خطبۂ استسقاء اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَیْنَا الْغَیْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ قُوَّۃً وَّبَلَاغًا اِلٰی حِیْنٍ۔ اسکے بعد ہاتھ کی ہتھیلی زمین کی طرف اور ہاتھ کی پشت آسمان کی طرف اٹھاکر یہ دعا پڑھے:- اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُغِیْثًا مَرِیْئًا مَرِیْعًا نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَیْرَ اٰجِلٍ مُحَمِّرٍ عَا لِلنَّبَاتِ اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَکَ وَبَھَائِمَکَ وَانْشُرْ رَحْمَتَکَ وَاَحْیِ بَلَدَکَ الْمَیِّتَ۔

فوت شدہ نماز کی قضا کا بیان

جن نمازوں کو کسی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہو یا وقت کے اندر واجب ہو کر فوت ہو گئی یا نیند وغیرہ کی وجہ سے جاتی رہی ہوں تو ان کی قضا واجب ہے (عالمگیری)۔

ذیل کی نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے (۱) اگر حالت ارتداد میں مرتد کی نمازیں فوت ہو گئی ہوں اور پھر وہ مسلمان ہو جائے تو حالت ارتداد کی نمازیں واجب الادا نہیں ہیں (۲) اگر مجنوں کی جنوں کی وجہ سے نمازیں فوت ہو جائیں تو ان کی قضا ضروری نہیں (۳) اگر کوئی شخص اتنا بیمار ہو کہ اشارہ سے بھی نماز نہ پڑھ سکے اور یہ بیماری کی حالت ایک رات دن سے زائد باقی رہے تو فوت شدہ نمازوں کی قضا لازم نہیں (۴) اگر مدہوش کی بیہوشی ایک رات دن سے زائد گزر جائے تو فوت شدہ نمازیں معاف ہیں (۵) ایام حیض و نفاس کی چھوٹی ہوئی نمازیں معاف ہیں۔ اگر بیمار مذکور کی بیماری کی حالت یا بیہوش کی بیہوشی

ایک رات سے کم رہے تو فوت شدہ نمازوں کی قضا ضروری ہے (عالمگیری)
مسئلہ اگر حیض ونفاس والی عورت کی ایک نماز قبل از حیض ونفاس چھوٹی ہے اور پھر پاک ہونے پر اس نماز کو قضا نہیں کیا اور باوجود یاد ہونیکے وقتی نماز پڑھ لی تو جائز نہیں (عالمگیری)
مسئلہ فوت شدہ نماز کی قضا کا وقت تمام عمر ہے جب چاہے پڑھ سکتا ہے مگر اوقات ممنوعہ میں جائز نہیں لیکن بلاعذر قضا میں تاخیر کرنی درست نہیں ہے (درمختار) **مسئلہ** ایک لڑکا رات کو سوتے وقت نابالغ تھا جب فجر کو اٹھا تو احتلام کی علامتیں موجود تھیں اس پر عشار کی نماز کی قضا واجب ہے کیونکہ احتلام کے بعد نماز واجب ہوگئی اور وقت بھی موجود تھا لیکن سوتے رہنے کی وجہ سے قضا ہوگئی لہذا ضروری ہے ہاں اگر لڑکی سوتے وقت نابالغ تھی اور صبح کو اٹھنے کے بعد علامات حیض نمودار معلوم ہوئے تو عشار کی قضا نہیں ہے کیونکہ حیض سے قبل تو نابالغ ہونے کی وجہ سے نماز واجب نہ تھی اور حیض کے بعد عذر حیض کی وجہ سے نماز معاف ہے (عالمگیری)
صاحب ترتیب اس شخص کو کہتے ہیں جس کی کبھی چھ یا چھ نمازوں سے زائد متواتر قضا نہ ہوئی ہوں
مسئلہ ایک شخص کی فجر کی نماز قضا ہوگئی اور باوجود یاد ہونیکے اس نے فجر کی نماز ادا نہ کی اور ظہر کی وقتی نماز پڑھ لی تو اس کی ظہر کی نماز نہیں ہوئی کیونکہ ترتیب حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور اس نے دانستہ ترتیب کو ترک کردیا لہذا اس کو لازم ہے کہ پہلے فجر کی نماز پڑھے اور پھر دوبارہ ظہر کی نماز ادا کرے (کبیری وعالمگیری) ہاں یہ ظہر کی نماز جو اس نے پڑھ لی امام ابوحنیفہؒ کے اور امام یوسف رح کے نزدیک نفل ہوجائے گی (درمختار)

ترتیب کے ساقط ہوجانیکے وجوہ تین وجوہ سے ترتیب کا حکم جاتا رہتا ہے ان عذروں کے ہوتے ہوئے قضا نمازوں میں ترتیب ضروری نہیں جس طرح پڑھیگا فوت شدہ نمازیں ہوجائینگی۔ (۱) تنگی وقت یعنی کسی کی ظہر کی نماز قضا ہوگئی اور عصر کا صرف اتنا وقت ملا کہ اگر ظہر کی ادا کرتا ہے تو عصر کی نماز قضا ہوئی جاتی ہے لہذا اسکو عصر پڑھ لینا چاہیے اور یہ صاحب ترتیب نہیں رہا (۲) نسیان یعنی کسی شخص کی ظہر کی نماز قضا ہوگئی تھی اور اسکو یاد نہیں رہی اسلئے ظہر ادا کئے بغیر عصر پڑھ لی تو عصر کی نماز تو ہوجائیگی اور ترتیب کا حکم جاتا رہا (۳) چھ یا چھ نمازوں سے زائد متواتر قضا ہوگئی ہوں تو ترتیب کا حکم جاتا رہیگا جس طرح اور جس نماز کو چاہے ادا کرے اور جس کو چاہے بعد کو (درمختار کبیری) **مسئلہ** وتروں کے اندر بھی صاحب ترتیب کیلئے ترتیب ضروری ہے اگر وتر قضا ہوگئے اور باوجود یاد ہونیکے وتر نہ پڑھے اور

فجر کی نماز پڑھ لی تو نماز نہ ہوگی (شرح وقایہ و عالمگیری) مسئلہ اگر کسی کے ذمہ چھ نمازیں متفرق طور پر ہوں مثلاً چھ نمازیں فجر کی ہوں اور دیگر اوقات کی نمازیں پڑھ لی ہوں یا چھ عصر کی ہوں یا دو فجر کی دو عصر کی اور دو عشاء کی ہوں ظہر و مغرب کی نہوں تو صحیح قول یہی ہے کہ یہ شخص صاحب ترتیب نہیں رہا۔ ترتیب کا حکم جاتا رہا جس طرح فوت شدہ نمازوں کی قضا کریگا قضا ہو جائیگی (در مختار) مسئلہ ایک شخص کی عشاء کی نماز قضا ہو گئی فجر کو اس خیال سے کہ وقت میں گنجائش نہیں ہے فجر کی نماز پڑھ لی نماز سے فارغ ہونیکے بعد معلوم ہوا کہ ابھی دو رکعت کے لائق وقت باقی ہے تو یہ شخص پھر فجر کی نماز ادا کرے پہلی نماز نفل ہو جائیگی پھر اگر دوگانہ پڑھنے کے بعد بھی دو رکعت کا وقت باقی رہے تو سہ بارہ فجر کی نماز پڑھے گذشتہ دونوں نمازیں نفل ہو جائیں گی غرض یہ کہ جتنی بار وقت میں گنجائش ہوگی فجر ہی پڑھیگا جو دوگانہ طلوع کے وقت ہوگا وہ فرض ہوگا باقی سب نفل ہو جائینگے۔ (در مختار) مسئلہ ایک شخص نے سال دو سال تک نماز نہ پڑھی پھر شروع کرنے کے بعد اسکی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی اب اگر کوئی نئی نماز فوت ہوگی تو اسکو گذشتہ فوت شدہ نمازوں کے ساتھ ملا دیا جائیگا اور جب تک تمام قضا شدہ نمازیں قضا نہ پڑھیگا اسوقت تک صاحب ترتیب نہوگا (در مختار) مسئلہ اگر کسی شخص کے ذمہ ایک مدت کی سینکڑوں نمازیں واجب الادا تھیں اور اس نے سب ادا کر لیں صرف ایک یا دو نمازیں رہ گئیں اب پھر نئی نمازوں میں سے کوئی ایک قضا ہو گئی تو اس حالت میں باوجود یاد ہونے کے وقتی نماز پڑھنی جائز ہے کیونکہ جب تک گذشتہ فوت شدہ نمازوں میں سے ایک بھی اسکے ذمہ باقی رہیگی صاحب ترتیب نہیں ہو سکتا اسی قول پر فتوٰی ہے (شامی) مسئلہ اگر کسی کی بہت سی نمازیں قضا ہو جائیں تو ان کی ادائگی میں ترتیب کی رعایت رکھنی ضروری نہیں ہے مثلاً کسی کی ایک مہینہ کی نمازیں قضا ہو گئیں پھر انکو اس طرح ادا کیا کہ پہلے تیس۳۰ نمازیں فجر کی پڑھ لیں پھر تیس ظہر کی پھر تیس عصر کی وعلی ہذا یہ سب نمازیں درست ہیں (عالمگیری) مسئلہ کسی صاحب ترتیب کی فجر کی نماز قضا ہو گئی اور ظہر کے وقت اسنے بھولکر نماز فجر قضا نہ کی بلکہ نماز ظہر شروع کر دی دوسری رکعت میں یاد آیا کہ فجر کی نماز باقی ہے لہذا تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے یہ دونوں نفل ہو جائینگے اور اگر تیسری رکعت میں یاد آیا چوتھی رکعت ملا کر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے یہ چاروں نفل ہو جائینگے پھر نماز فجر کی قضا پھیر کے ظہر کی نماز پڑھے (در مختار) مسئلہ ایک شخص کی ایک نماز قضا ہو گئی اور یاد نہیں کہ کون سے وقت کی نماز تھی اور گمان غالب بھی کسی نماز پر نہیں ہوتا تو ایسی حالت میں پورے ایک رات دن کی نماز

کی قضا پھیرے اور اگر تین وقتوں کی نمازیں تردد ہو تو تین شبانہ روز کی قضا پھیرنی ضروری ہے اسی طرح جتنے وقتوں کی نمازیں تردد ہو اتنے ہی رات دن کی نمازوں کی قضا پھیرنی چاہئے ہاں اگر کسی نماز کے متعلق یقین یا گمان غالب ہو کہ فلاں نماز قضا ہو گئی ہے تو صرف اُسی نماز کی قضا پھیرنی کافی ہے (عالمگیری) مسئلہ جو نمازیں سفر کی حالت میں قضا ہوئی ہیں اُن کو خواہ قیام کی حالت میں دوبارہ پڑھے یا سفر کی حالت میں بہر حال قصر کے ساتھ پڑھیگا اور جو نمازیں قیام کی حالت میں فوت ہوئی ہوں ان کو سفر و حضر ہر حالت میں پوری پوری ادا کریگا۔ مثلاً سفر میں ظہر کی نماز فوت ہو گئی اور قیام کی حالت میں اسکی قضا پھیری تو دو رکعت ہی پڑھیگا اور اگر قیام کی حالت میں ظہر کی نماز فوت ہوئی تو سفر میں چار رکعت ہی قضا پھیرے گا (عالمگیری)

مسئلہ ماں باپ یا کسی دوست عزیز کی طرف سے قضا نمازیں پڑھنی درست نہیں ہیں کیونکہ نماز عبادت بدنی ہے جو ہر شخص کے ذمہ علیحدہ علیحدہ فرض ہے عبادت مالی نہیں کہ ایک کے ادا کرنے سے دوسرے کی طرف ادا ہو جائے (درمختار) مسئلہ قضا نمازوں کا علی الاعلان مسجد میں ادا کرنا جس سے ناواقف بھی واقف ہو جائیں مکروہ تحریمی ہے کیونکہ نماز کی تاخیر گناہ ہے اور گناہ پر دوسرں کو مطلع کرنا دوسرا گناہ ہے لہذا چھپکر گھر میں قضا نمازیں پڑھنی چاہئیں (عالمگیری، شامی)

اسقاط کا بیان

اگر ایک شخص نے مرنے کے وقت اپنے ورثاء کو قضا نمازوں کے کفارہ دینے کی وصیت کی اور اس کا کچھ ترکہ بھی ہے تو اُسکے تہائی مال سے اسکی وصیت پوری کی جائیگی اور ہر فرض نماز اور وتر کے عوض میں نصف صاع ڈیڑھ سیر ایک چھٹانک کم گیہوں بطور کفارہ دیئے جائیں گے اور اگر میت کا ترکہ موجود نہو تو غنی ورثاء تبرعاً اسکی طرف سے مذکورہ کفارہ دیں اور اگر ورثاء بھی غنی نہ ہوں تو یوں کرنا چاہئے کہ نصف صاع گیہوں کسی مسکین کو دیں اور وہ مسکین بطور صدقہ کے کسی فقیر وارث کو دیدے اور پھر یہ وارث کسی مسکین آدمی کو یہ گیہوں بطور کفارہ کے دیدے اور اسی طرح دَور رکھا جائے یہاں تک کہ سب نمازوں کا کفارہ ہو جائے روزہ کا کفارہ بھی ایک نماز کے برابر ہے (عالمگیری) یہ اسقاط کا جواز صرف امام محمدؒ کے قول کے موافق ہے ورنہ عام فقہاء حنفیہ کے نزدیک اسقاط جائز نہیں ہے۔ عبادت بدنی کفارہ مالی سے ساقط نہیں ہو سکتی کیونکہ میت اگر اپنی زندگی میں دیتا اور کوئی عذر شرعی موجود ہوتا تو ضرور عبادت کا کفارہ ہو جاتا۔ ورثاء اپ نہیں کر سکتے۔

شیخ فانی کا حکم

بہت بوڑھا جس کو شیخ فانی بھی کہتے ہیں جس طرح ممکن ہو نماز ادا کرے

خواہ بیٹھ کر یا لیٹ کر یا اشارہ سے اس کے لئے کفارہ دینا جائز نہیں (عالمگیری) ہاں روزہ کا کفارہ دے سکتا ہے۔ اس کا بیان کتاب الصوم میں آئے گا۔

سجدہ سہو کا بیان

سہو بھول جانے کو کہتے ہیں اور شک بھی اسی حکم میں داخل ہے (درمختار) فقہاء کے نزدیک سہو و شک دونوں حکم میں برابر ہیں جس طرح سہو سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے اسی طرح شک سے بھی واجب ہوتا ہے اور شک کی سب صورتیں وجوب سجدہ میں برابر ہیں (عالمگیری)

شک ظن اور وہم کا فرق شک کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے میں تردد کرنے کو کہتے ہیں۔ بشرطیکہ کسی جانب گمان غالب نہو۔ اگر گمان غالب ہوگا تو غالب جانب ظن اور مغلوب جانب وہم کہلاتا ہے۔

سجدۂ سہو کا طریق ادا سجدۂ سہو نماز سے فارغ ہونے اور ایک سلام پھیرنے کے بعد ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اخیر قعدہ میں تشہد و درود اور دعا سے فارغ ہو کر ایک طرف سلام پھیر کر اللہ اکبر کہکر سجدہ کو جھک جائے اور سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ پڑھکر اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھکر جلسہ کرے اور پھر دوبارہ سجدہ کرے۔ اسکے بعد قعدہ میں بیٹھکر دوبارہ تشہد درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔ اس سے غرض یہ ہے کہ جن باتوں سے نماز میں نقصان ہو گیا ہے انکی اصلاح اور تلافی ہو جائے۔ صرف تشہد پڑھ کر ایک سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنا بھی جائز ہے مگر احتیاط اسی میں ہے کہ تشہد درود اور دعا تینوں سے فارغ ہو کر سجدۂ سہو کرے اور پھر دوبارہ بیٹھکر تشہد درود و دعا از سر نو پڑھے **مسئلہ** اگر کوئی شخص ایک سلام بھی نہ پھیرے اور بغیر سلام پھیرے ہوئے سجدہ سہو کرے تو جائز ہے مگر مکروہ تنزیہی (درمختار) **مسئلہ** اگر کسی نے دونوں طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کیا تو ایک قول کے موافق تو صحیح ہے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک سجدۂ سہو ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ پہلا سلام دو چیزوں کیلئے ہے نماز ختم کرنے کیلئے اور قوم کی تحیت کیلئے اور دوسرا سلام صرف تحیت کیلئے تو دوسرا سلام کلام کی مانند ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہذا دوسرے سلام کے بعد سجدۂ سہو نہ کرے بلکہ از سر نو نماز پڑھے یہی قول احتیاط پر مبنی ہے۔

سجدۂ سہو واجب کرنیوالے اسباب اسباب ذیل سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے (۱) ترک واجب (۲) تاخیر واجب (۳) تاخیر فرض۔ مگر ان سب میں شرط یہ ہے کہ بھول کر ہوں

اگر ترک واجب یا تاخیر واجب یا تاخیر فرض قصداً ہوئی یا ترک فرض ہو خواہ قصداً یا سہواً تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ از سر نو نماز پڑھنی چاہیئے (عالمگیری) سجدہ سہو کا حکم فرض واجب سنت اور نفل سب نمازوں میں برابر ہے (عالمگیری) مسئلہ اگر کسی سے ایک نماز میں کئی واجب ترک ہوں مثلاً الحمد شریف پڑھنی بھول جائے اور قعدہ اولی بھی بھول جائے یا اور کوئی واجب سہواً ترک ہو جائے تو ایک ہی سجدہ سہو واجب ہوتا ہے کیونکہ سجدہ سہو ایک ہی دفعہ ہوتا ہے خواہ اسباب وجوب چند ہوں یا ایک سب کا تدارک ایک ہی سجدہ سے ہو جائیگا (عالمگیری) مسئلہ اگر کوئی شخص پہلے دوگانہ میں دو بار الحمد بھول کر پڑھ گیا تو چونکہ ایکبار الحمد پڑھنی واجب تھی اور یہ ترک ہو گئی اس لئے سجدہ سہو واجب ہے اور اگر دوسرے دوگانہ میں سہواً مکرر الحمد پڑھ لی تو سجدہ سہو نہ کرے (عالمگیری) مسئلہ اگر کسی شخص نے الحمد کا زیادہ حصہ پڑھ لیا اور پھر اس کو چھوڑ کر شروع سے پڑھنی شروع کی تو سجدہ سہو کرے اور اگر الحمد کا کم حصہ پڑھا تھا کہ اس کو چھوڑ کر پھر ابتداء سے شروع کر دی تو سجدہ سہو نہ کرے (درمختار عالمگیری) مسئلہ اگر الحمد سے قبل سورت پڑھ لی تو سجدہ سہو ضرور کرے کیونکہ سورت سے پہلے الحمد پڑھنی واجب تھی وہ ترک ہو گئی لہذا سجدہ سہو کرے اور اس حکم میں پوری سورت پڑھنی اور کم پڑھنی سب برابر ہے (عالمگیری) مسئلہ اگر فرضوں کے اخیر دوگانہ میں الحمد کے ساتھ سورت ملائی تو سجدہ سہو واجب نہیں (عالمگیری) مسئلہ اگر فرض نماز کے پہلے دوگانہ میں بحالت قیام الحمد سے پہلے بھول کر تشہد پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب نہیں اور اگر الحمد کے بعد تشہد پڑھا تو سجدہ سہو واجب ہے کیونکہ الحمد کے بعد اس چیز کا محل ہے جس کا پڑھنا واجب ہے لہذا تاخر واجب سے سجدہ سہو لازم ہے اور اگر فرض نماز کے اخیر دوگانہ میں بحالت قیام تشہد پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب نہیں ہے اور اگر یہ قیام وتر یا سنت یا نفل نمازوں کا ہے تو پچھلا دوگانہ ہو یا پہلا بہر حال اس کا وہی حکم ہے جو فرضوں کے پہلے دوگانہ کا ہے یعنی اگر الحمد سے قبل تشہد پڑھ لیا تو سجدہ سہو واجب نہیں اور بعد کو پڑھا تو واجب ہے (عالمگیری) مسئلہ قومہ طمانیت بلکہ عام تعدیل ارکان اگر سہواً چھوٹ جائیگی تو سجدہ سہو واجب ہوگا (عالمگیری) مسئلہ اگر قعدہ اولی کو بھول کر بغیر قعدہ کئے ہوئے تیسری رکعت کو کھڑا ہو گیا تو اگر سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو بیٹھنے کے قریب ہو اور یاد آ جائے تو لازمی طور پر بیٹھ جائے۔ اس صورت میں سجدہ سہو کی ضرورت نہیں۔ اور اگر قریب کھڑا ہونے کے ہو تو اب نہ بیٹھے بلکہ اخیر میں سجدہ سہو کرے۔ یہ حکم امام اور منفرد کا ہے۔ باقی مقتدی سیدھا

کھڑا ہوجانے کے بعد بھی وجوباً بیٹھ جائیگا۔ اگر نہ بیٹھے گا تو مقتدی کی نماز فاسد ہوجائیگی کیونکہ امام کی اقتداء اسکے ذمہ بہرصورت لازم ہے (عالمگیری درمختار) **مسئلہ** اگر قعدہ اولیٰ میں کوئی شخص بجائے التحیات کے الحمد پڑھ لے یا دوبارہ تشہد پڑھ لے یا ایک بار تشہد پڑھکر کسی قدر درود شریف بھی پڑھ لے تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ درود شریف پڑھنے کا یہ مطلب ہے کہ اللھم صل علی محمد کہہ لیا بلکہ اگر اتنی دیر خاموش بھی بیٹھا رہا تو سجدۂ سہو لازم ہے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر قعدۂ اخیرہ کو بھول کر کوئی شخص کھڑا ہوگیا تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اسوقت تک عود کرنا اور بیٹھکر سلام پھیرنا لازم ہے (درمختار) اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا ہو تو چھٹی رکعت ملالے اور اخیر میں سجدہ سہو کرلے یہ سب نفلیں ہوجائینگی فرض نہونگے کیونکہ قعدہ اخیرہ جوکہ فرض تھا ترک ہوگیا (عالمگیری) اگر قعدۂ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھکر پھر پانچویں رکعت کو کھڑا ہوگیا تو اس صورت میں بھی اگر پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو بیٹھ جانا واجب ہے ورنہ چھٹی رکعت ملالے اخیر میں سجدۂ سہو کرلے چار فرض اور دو نفل ہوجائینگے اور اگر چھٹی رکعت نہ ملائے گا تو چار فرض اور ایک نفل ہوجائے گی مگر سجدۂ سہو بہرصورت لازم ہے (عالمگیری) **مسئلہ** مقتدی سے اگر کوئی واجب ترک ہوگیا ہو تو سجدۂ سہو نہ کرے کیونکہ اگر امام کے سلام سے پہلے سجدۂ سہو کریگا تو امام کی مخالفت لازم آئیگی اور اگر بعد کو کریگا تو سجدۂ سہو نماز سے خارج وقت میں ہوگا جو معتبر نہیں ہے (غایۃ الاوطار)

مسئلہ اگر قرأت جہری کی بجائے امام نے پوشیدہ قرأت کی یا خفائی صورت میں جہری قرأت کی تو سجدۂ سہو لازم ہے کیونکہ ترک واجب اور تاخیر واجب سے سجدۂ سہو ضروری ہے باقی اسکی مقدار یہ ہے کہ اگر ایک آیت جہری کی بجائے خفی یا خفی کی بجائے جہری پڑھلی تو سجدہ واجب ہے کیونکہ اتنی قرأت سے نماز ہوجاتی ہے (درمختار) **مسئلہ** مسبوق اپنی بقیہ نماز میں منفرد کی طرح ہے اگر بقیہ نماز میں سہو ہوجائے تو سجدہ واجب ہے اور اگر امام کے ساتھ سہو ہوا ہے تو باتباع امام سجدہ کرے اور اگر اس حصہ نماز میں صرف اسی کو سہو ہوا جو امام کے پیچھے پڑھ رہا تھا تو اس کا حال مقتدی مدرک کی طرح ہے سجدۂ سہو لازم نہیں (درمختار)

مسئلہ مسبوق نے اگر امام کا اقتداء دوسرے سجدۂ سہو میں کیا پہلا سجدہ جس کو امام کرچکا ہے اس سے جاتا رہا تو اب دوسرا سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اگر سہو کے دونوں سجدے کرنے کے بعد اس نے امام کی اقتداء کی تب بھی سجدۂ سہو نہ کرے (عالمگیری)

مسئلہ لاحق سے اگر سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو نہ کرے۔ کیونکہ امام کی پیروی میں لاحق مقتدی کی طرح ہے (درمختار) ہاں اگر لاحق کے امام کو سہو ہو گیا اور اس نے سجدہ کیا تو لاحق بھی سجدہ کرے مگر اپنی نماز کے اخیر میں کرے کیونکہ امام نے بھی اپنی نماز کے اخیر میں کیا ہے۔ اور اگر امام کے ساتھ کر لیگا تب بھی دوبارہ لازم ہے (درمختار) **مسئلہ** اگر امام مسافر کو سہو ہو گیا اور اس نے سجدہ کیا تو مقتدی مقیم کو بھی کرنا چاہئے (درمختار) **مسئلہ** اگر امام کو سہو ہونیکے بعد حدث ہو گیا اور اس نے اپنی جگہ خلیفہ مسبوق کو بنا دیا تو مسبوق کو چاہئے کہ سجدۂ سہو کرنے کیلئے کسی مدرک کو اپنی جگہ قائم کر دے تاکہ وہ امام کی بجائے سجدۂ سہو کرے اگر مقتدیوں میں کوئی شخص مدرک نہ ہو تو سب اپنی بقیہ نماز پڑھنے کے بعد علیحدہ علیحدہ سجدۂ سہو کریں (عالمگیری) **مسئلہ** اگر امام قعدۂ اخیرہ کر لینے کے بعد پانچویں رکعت کو کھڑا ہو گیا تو مقتدیوں کو چاہئے کہ امام کو متنبہ کریں۔ اگر تنبیہ کرنیکے بعد بھی امام نہ بیٹھے تو انتظار کرتے رہیں اگر امام پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے بیٹھ جائے تو پھر امام کے ساتھ سب سلام پھیریں ورنہ مقتدی پر امام کی متابعت واجب نہیں سب سلام پھیر کر علیحدہ ہو جائیں اور اقتدا کرنی بھی درست ہے بصورت اقتدا اگر امام نے چھٹی رکعت ملا لی تو یہ بھی چھٹی رکعت پڑھ لیں سب کے چار فرض اور دو نفل ہو جائینگے اور اگر امام نے پانچویں رکعت پڑھ کر نماز قطع کر دی تو امام پر دو رکعتوں کی قضا واجب نہیں مگر مقتدیوں پر قضا لازم ہو (شرح وقایہ درمختار) **مسئلہ** اگر امام بھولکر پانچویں رکعت کو کھڑا ہو گیا اور مقتدی بھی اسکے ساتھ سہواً کھڑے ہو گئے پھر امام کو بعد رکوع کے سجدہ کرنے سے پہلے یاد آگیا مگر مقتدیوں کو سجدہ کرنیکے بعد معلوم ہوا اور وہ سجدہ کے بعد قعدہ میں لوٹے تو سب کی نماز صحیح ہو گئی کیونکہ اس صورت میں امام سے مقتدیوں کا ایک سجدہ زائد ہوا اور مقتدی کی سہواً ایک رکن کی زیادتی امام کے خلاف مفسد نماز نہیں ہے۔ ہاں اگر امام رکوع سے پہلے قعدہ کی طرف لوٹ آیا اور مقتدی رکوع و سجدہ دونوں کر کے لوٹے تو دو رکنوں کی زیادتی کیوجہ سے سب کی نماز فاسد ہو جائیگی (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر مسافر کو دو رکعت کے اندر سہو ہو گیا اور اس نے سجدۂ سہو کر لیا پھر سجدۂ سہو کے بعد قیام کی نیت کر لی تو دوبارہ سجدۂ سہو کرنا چاہئے کیونکہ پہلا سجدۂ سہو نماز کے اندر ہوا ہے اور سجدۂ سہو وسط نماز میں نہیں ہوتا بلکہ ختم نماز پر ہوتا ہے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر کسی سجدۂ سہو میں سہو ہو گیا تو مزید سجدہ کرنیکی ضرورت نہیں کیونکہ سجدۂ سہو میں سہو نہیں ہوتا ورنہ یہ سلسلہ ختم ہی نہیں ہوگا (عالمگیری) **مسئلہ** اگر ختم نماز اور سلام پھیرنے کے بعد کچھ شک ہو گیا تو بس نماز ہو گئی سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں (عالمگیری) **مسئلہ** اگر کسی کو نماز میں شک ہوا کہ جانے کتنی

رکعتیں پڑھی ہیں تو اگر یہ شخص شک کا عادی نہیں ہے صرف اتفاق سے اسکو پہلی مرتبہ شک ہو گیا ہے تو از سر نو نماز پڑھے (در مختار) اور اگر شکی مزاج کا آدمی ہے اور اس کو شک ہوتا ہی رہتا ہے تو چار رکعتوں کی جو کمتر مقدار ہو اسکو اختیار کرنا چاہیئے اور ہر رکعت کے بعد قعدہ کرنا چاہیئے تاکہ قعدہ فرض و واجب ترک نہو سب ادا ہو جائیں مثلاً اول رکعت میں شک ہوا کہ یہ اول ہے یا دوسری تو اس رکعت کو اول مقرر کرے کیونکہ اس میں غالب گمان اول ہونے کا ہے اور اس رکعت کے بعد قعدہ کرے کیونکہ ممکن ہے یہ دوسری رکعت ہو جسکے بعد قعدہ ضروری ہے پھر دوسری رکعت کے بعد بھی قعدہ کرے کیونکہ ممکن ہے بلکہ غالب گمان ہے کہ جس رکعت کو اول مانا ہے وہ اول نہ ہوا ور پہلا قعدہ بے محل ہوا ہو لہذا یہ قعدہ برمحل ہوگا علیٰ ہذا تیسری اور چوتھی رکعت کے بعد بھی قعدہ کرے گو اس صورت میں چار قعدے ہونگے مگر کوئی قعدہ فرض یا واجب قطعاً ترک نہو گا۔ پھر اخیر میں سجدہ سہو کرے نماز صحیح ہو جائیگی (در مختار۔ عالمگیری۔ شرح وقایہ)

مسئلہ اگر نمازی بھولے سے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دے اور یہ خیال کرے کہ چار رکعتیں ہو گئیں تو سلام کے بعد ہی فوراً کھڑا ہو جائے اور چار رکعتیں پوری کرے اور اخیر میں بوجہ تاخیر فرض کے سجدہ سہو کرے۔ اسی طرح اگر مسبوق امام کیساتھ بھولکر سلام پھیر دے تو وہ بھی نماز سے خارج نہو گا مگر مسبوق پر سجدہ سہو بھی لازم نہیں ہے (در مختار) مسئلہ اگر وتر کی نماز میں سہو ہوا کہ پہلی رکعت ہے یا دوسری یا تیسری تو سب رکعتوں میں قنوت پڑھنی چاہیئے اور ہر رکعت کے بعد قعدہ بھی کرنا چاہیئے نماز درست ہو جائیگی یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ نماز میں شک ہو یا وہم یا ظن بہر حال سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے (عالمگیری) مسئلہ اگر ایک شخص کو کسی رکن کے کرنے نہ کرنے میں تردد ہوا اور وہ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر دیر کے بعد اسکو یقین ہوا کہ کر لیا ہے یا نہیں کیا ہے تو اگر اتنی دیر تک سوچتا رہا کہ رکن کے حال میں تغیر ہو گیا تو سجدہ سہو کرے ورنہ نہ کرے (عالمگیری) مسئلہ اگر کسی کو نماز کے اندر شک پیدا ہوا کہ میں بے وضو ہوں تو نماز پڑھتا ہے اس شک سے ہرگز نہ توڑے ہاں اگر بے وضو ہونے کا یقین ہو گیا اور یقین کی حالت میں اس نے نماز کا کوئی رکن ادا کر لیا تو نماز فاسد ہو جائیگی گو اس کے بعد فوراً طہارت کا یقین ہو جائے۔ یہ اس شخص کے متعلق حکم ہے جو شک کرنے کا عادی ہے اور جسکو پہلی مرتبہ شک گذرا ہو تو وہ از سر نو نماز پڑھے (عالمگیری) مسئلہ اگر نماز کے بعد کوئی شخص خبر دے کہ تم نے بجائے چار کے تین یا پانچ رکعتیں پڑھی ہیں یا دو کی بجائے تین پڑھ لی ہیں تو اگر اسکو یقین ہو کہ یہ شخص غلط کہتا ہے میں نے نماز ٹھیک پڑھ لی

مگر احتیاط اسی میں ہے کہ از سر نو پڑھ لے (عالمگیری) مسئلہ اگر مقتدی و امام کے درمیان اختلاف ہوا اور ہر ایک کو اپنے قول کا یقین ہو اگر امام کو اپنی صحت نماز کا یقین ہے تو اعادہ نہ کرے لیکن مقتدی ضرور اعادہ کریں کیونکہ اس گمان غلط سے انکی نماز فاسد ہو گئی (درمختار) مسئلہ تکبیرات عیدین کی کمی بیشی یا ترک سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے (عالمگیری)

سجدۂ تلاوت کا بیان

تمام قرآن شریف میں امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک چودہ سجدہ ہیں جو ہر قرآن شریف میں موجود ہیں۔ امام مالک کے نزدیک گیارہ ہیں (درمختار) سجدۂ تلاوت ہر مسلمان عاقل بالغ پر پڑھنے اور سننے سے واجب ہو جاتا ہے (کبیری) کافر پر دیوانہ پر نابالغ حیض و نفاس والی عورت پر نہ پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے نہ سننے سے۔ ہاں ان کے منہ سے کوئی دوسرا عاقل بالغ مسلمان سنے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے یہ بھی ضروری ہے کہ سجدہ کی آیت رواں پڑھی جائے اگر ہجا کر کے پڑھی جائیگی تو نہ پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہوگا نہ سننے والے پر (عالمگیری) اگر آیت سجدہ کسی زبان میں پڑھی جائے خواہ عربی میں فارسی میں اردو میں یا کسی اور زبان میں بہرحال پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور سننے والے پر اس وقت واجب ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس کو بتا دے کہ یہ سجدہ کی آیت ہے اسی طرح عربی نہ جاننے والے اسوقت تک معذور ہیں جبتک ان کو معلوم نہو (عالمگیری)

سجدۂ تلاوت کے ادا کی شرطیں سجدۂ تلاوت کے ادا کی وہی چھ شرطیں ہیں جو ادا نماز کی ہیں یعنی طہارت بدن۔ طہارت لباس، طہارت جا نماز، استقبال قبلہ ستر عورت اور نیت ان چھ شرائط کے بغیر سجدۂ تلاوت بھی صحیح نہیں۔

سجدۂ تلاوت کا طریقہ اگر نماز سے خارج سجدۂ تلاوت ہوا ہو تو سیدھا کھڑا ہو کر بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے اللہ اکبر کہکر سجدہ کرے اور سجدہ کر کے اللہ اکبر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے اس ترکیب سے سنت (دو تکبیریں کہنی) اور مستحب (دو قیام) سب ادا ہو جائینگے (عالمگیری) اور اگر نماز میں کوئی سجدہ کی آیت پڑھی تو فوراً اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں چلا جائے اور وہی تین مرتبہ تسبیح پڑھکر اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھ جائے مسئلہ اگر امام شافعی ہو اور مقتدی حنفی اور امام سجدہ کی وہ آیت تلاوت کرے جہاں حنفیہ کے نزدیک سجدہ نہیں ہے تو متابعت امام کی وجہ سے امام شافعی کیساتھ حنفی مقتدی بھی سجدہ کرے۔ ہاں اگر نماز سے باہر مذکورہ آیت سنے تو سجدہ نہ کرے (غایۃ الاوطار)

مسئلہ اگر امام مالکی ہو اور مقتدی حنفی اور امام کوئی ایسی آیت تلاوت کرے جہاں مالکیہ کے نزدیک سجدہ نہیں ہے اور حنفیہ کے نزدیک ہے تو مقتدی حنفی کو بھی بمتابعت امام سجدہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ اقتدا کی حالت میں وجوب سجدہ کی شرط یہ بھی ہے کہ امام سجدہ کرے۔ چنانچہ اگر حنفی امام بھی سجدہ نہ کرے تو مقتدی پر بھی سجدہ نہیں ہے خواہ مقتدی نے امام کی تلاوت کردہ آیت سجدہ سنی ہو یا نہ سنی ہو۔ (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر نمازی کسی بیرونی آدمی سے آیت سجدہ سنے یا بیرونی آدمی کسی نماز پڑھنے والے سے سنے تو بہر حال سجدہ واجب ہے، نمازی تو نماز سے فارغ ہو کر سجدہ کرے اور غیر نمازی فوراً کرلے (درمختار۔ عالمگیری) **مسئلہ** اگر کوئی مقتدی بحالت اقتدا کوئی سجدہ کی آیت تلاوت کرے تو نہ اس پر سجدہ واجب ہے، نہ دیگر مقتدیوں پر نہ امام پر۔ ہاں بیرونی شخص اگر اس مقتدی سے آیت سجدہ سن لیگا تو اس پر سجدہ واجب ہوگا (شرح وقایہ) **مسئلہ** اگر کسی بیرونی آدمی نے امام سے آیت سجدہ سنی اور امام اسوقت پہلی رکعت میں تھا اب اسی نماز کی دوسری رکعت میں اس نے اگر امام کی اقتدا کی تو اس کو نماز سے فارغ ہونیکے بعد سجدہ کرنا چاہئے اور اگر اسی رکعت میں جس میں امام نے آیت سجدہ تلاوت کی تھی اگر اقتدا کی اور امام نے اس وقت تک سجدہ نہ کیا ہو تو امام کے ساتھ سجدہ کرلے۔ اور اگر امام سجدہ کر چکا ہو تو اس سے سجدہ ساقط ہو گیا۔ نہ نماز سے باہر سجدہ کرے نہ نماز کے اندر (عالمگیری) **مسئلہ** ایک نمازی پر نماز کے اندر سجدہ واجب ہوا اور اس نے سہواً یا قصداً نماز میں سجدۂ تلاوت نہ کیا تو اب نماز سے باہر نہ کرے۔ کیونکہ جو سجدہ نماز کے اندر واجب ہوتا ہے اسکے ادا کرنے کا محل نماز ہی ہے۔ نماز سے باہر قضا نہیں ہو سکتا وجہ یہ ہے کہ نماز کا سجدہ نماز کا جز ہے مگر قصداً ترک کرنیوالا گنہگار رہوگا اور اسکی تلافی بغیر توبہ کے اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتی (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** سوتے ہوئے آدمی یا نشہ والے سے اگر آیت سجدہ سنی جائے تو سجدہ واجب ہے بلکہ خود سونے والے اور نشہ والے پر بھی واجب ہے بشرطیکہ اسکو کوئی اسکی اطلاع کردے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر کسی نے نماز کے اندر آیت سجدہ تلاوت کی تو فوراً سجدہ کرنا چاہئے تاخیر مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر نماز سے باہر آیت سجدہ پڑھی تو تاخیر مکروہ تنزیہی ہے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر کسی نے نماز کے اندر آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کرنیسے پہلے نماز کسی وجہ سے فاسد ہو گئی تو خارج نماز سجدہ کرنا چاہئے کیونکہ نماز فاسد ہو جانے کے بعد یہ تلاوت کا سجدہ رہ گیا نماز کا سجدہ نہ رہا (درمختار)

چند سجدوں کی بجائے ایک سجدہ کافی ہونا

چند سجدوں کی بجائے ایک سجدہ

اسوقت کافی ہوسکتا ہے کہ آیت سجدہ ایک ہی ہو اور اسی کو بار بار ایک ہی مجلس میں پڑھا جائے
اگر جگہ یا آیت کا اختلاف ہوگا تو دو سجدے یا چند سجدے واجب ہونگے (شرح وقایہ وکبیری)
مسئلہ اگر ایک شخص نے ایک جگہ آیت سجدہ پڑھی اور پھر اسی جگہ دوسرے آدمی سے وہی آیت
سنی تو اس پر ایک ہی سجدہ واجب ہوا (غایۃ الاوطار) مسئلہ ایک شخص آیت سجدہ کو پڑھکر
اسی جگہ کھانا کھانے لگا یا کسی دوسرے کام میں مشغول ہوگیا یا تین قدم وہاں سے چلا گیا خرید وفروخت
کرنے لگا بعد کو پھر اسی جگہ اسی آیت کو پڑھنے لگا تو اس پر دو سجدے واجب ہیں کیونکہ اسوقت
مجلس کی تبدیل حکماً ہوگئی (شامی) مسئلہ اگر ایک شخص نے ایک آیت سجدہ کو آتے جاتے دونوں
وقت پڑھا اور سننے والے نے ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے سنا تو پڑھنے والے پر دو سجدے ہوئے اور
سننے والے پر ایک۔ کیونکہ پڑھنے والے کا مکان بدلگیا اور سننے والے کا مکان ایک ہی ہے اگر
سننے والے کی بھی جگہ بدلجاتی تو اس کا بھی وہی حکم ہوتا جو پڑھنے والے کا ہے (شرح وقایہ
درمختار) مسئلہ اگر کوئی شخص ایک ہی جلسہ میں سارا قرآن پڑھے تو چودہ سجدے واجب ہونگے
(کبیری درمختار) مسئلہ ساری سورت پڑھنی اور آیت سجدہ کو قصداً چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ ہاں
آیت سجدہ کو پڑھ لینا اور باقی سورت کو نہ پڑھنا مکروہ نہیں ہے (شرح وقایہ) مسئلہ تلاوت
کرنیوالے کو ہر وقت تلاوت سجدہ کی آیت آہستہ آہستہ پڑھنی چاہیئے۔ یہی مستحب ہے (شرح وقایہ)

سجدہ شکر کا بیان

جس وقت کوئی نعمت انسان کو حاصل ہو یا کوئی مصیبت اور تکلیف سر سے ٹلجائے
تو سجدہ شکر کرنا چاہیئے۔ صاحبین کے نزدیک سجدہ شکر عبادت ہے اس پر ثواب ملتا ہے (عالمگیری)
اس کا طریقہ معمولی سجدہ کا ایسا ہے۔ صرف ایک سجدہ کیا جاتا ہے اور کم از کم تین مرتبہ
سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور شکر کیا جاتا ہے مگر اوقات مکروہہ
میں سجدہ شکر نہ کرنا چاہیئے (عالمگیری) اکثر لوگ خواہ مخواہ نماز کے بعد سجدہ کیا کرتے
ہیں فقہا نے اس کو مکروہ لکھا ہے (عالمگیری)

نماز جمعہ کا بیان

جمعہ کو جمعہ اسلئے کہتے ہیں کہ اس دن مسلمان سب باہم جمع ہوتے ہیں۔ جمعہ فرض عین

ہے۔ ہر شخص پر اس کا ادا کرنا لازم ہے فرض کفایہ نہیں ہے کہ بعض کے ادا کرنے سے اوروں کے سر سے اٹھ جائے۔ اسکی فرضیت کا ثبوت دلیل قطعی اور نص قرآنی سے ہے۔ اس کا منکر کافر ہے اور تارک جمعہ کیلئے بڑی بڑی وعیدیں آئی ہیں (درمختار)

وجوب جمعہ کے شرائط | وجوب جمعہ کی چار شرطیں ہیں مرد ہو۔[1] آزاد ہو۔[2] بینا ہو۔[3] تندرست ہو۔ مقیم ہو[4]

عورت پر جمعہ فرض نہیں۔ غلام پر اگرچہ مالک اجازت دیدے لیکن جمعہ فرض نہیں۔ بیمار تیمار دار اور لنگڑے، اندھے، اپاہج وغیرہ پر جمعہ نہیں۔ نہ قیدی پر جمعہ ہے کیونکہ یہ سب معذور ہیں۔ مسافر پر جمعہ نہیں ہے۔ ہاں مزدور پر جمعہ واجب ہے اور مزدور کی مزدوری بحساب اجرت وضع کرلی جائیگی مثلاً مسجد اتنی دور ہے کہ آمد و رفت میں تین گھنٹے گذر جاتے ہیں اور بارہ گھنٹہ یومیہ روزانہ کام کرنا پڑتا ہے تو چہارم مزدوری ساقط ہو جائیگی۔ ہاں اگر مسجد اتنی دور نہو تو مزدوری ساقط نہو گی (شامی)

صحت جمعہ کے شرائط | (۱) شہر ہونا یعنی اتنی بڑی بستی ہونا کہ اگر وہاں کے تمام مکلف مسلمان (نمازی ہوں یا بے نمازی) نماز جمعہ کیلئے اکھٹے ہوں تو وہاں سب سے بڑی مسجد میں سما سکیں۔ بڑی مسجد سے وہ مسجد مراد ہے جو کم از کم پچیس گز کی ہو یعنی پچیس گز طول اور پچیس گز اسکا عرض ہو مگر یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جہاں اتنی بڑی مسجد نہو وہاں جمعہ صحیح نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ آبادی کی مقدار مذکورہ شرط کے موافق ہو مسجد اتنی بڑی ہو یا نہو۔ بعض نے شہر کی تعریف اس طرح کی ہے کہ جہاں امیر اور قاضی موجود ہوں وہ شہر ہے ورنہ شہر نہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ اگر ایسا ہونا تسلیم کر لیا جائے تو اس زمانہ میں کیا گزشتہ زمانہ میں بھی جمعہ مطلقاً ترک ہو جاتا اس تعریف کے بموجب تو ہندوستان کا بڑا سا بڑا شہر بھی شہر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی شہر میں ایسا امیر و قاضی موجود ہی نہیں ہے جو لوگوں کے فیصلے شریعت کے موافق کر سکے۔ مرادآباد، بریلی، دہلی، لکھنؤ، کلکتہ، بمبئی کونسا ایسا شہر ہے جہاں کے حکام شرع کے موافق دیوانی اور فوجداری کے مقدمات فیصل کر سکتے ہوں۔ حالانکہ ان مقامات میں ہمیشہ سے بغیر کسی اختلاف کے جمعہ جاری ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ تعریف غلط ہے اور اول الذکر تعریف ہی صحیح ہے کیونکہ وہ تعریف اکثر دیہات پر بھی صادق آتی ہے۔ اکثر گانوؤں ایسے ہیں کہ جہاں کے اگر بالغ مسلمان وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہیں سما سکتے اسلئے وہاں جمعہ جائز بلکہ واجب ہے اسی وجہ سے صاحب شامی نے کہا ہے ہذا الیصدق علی کثیر من القری یعنی اس تعریف

میں اکثر دیہات شامل ہوجائینگے۔ یہی اکثر فقہار کا مفتی بہ قول ہے اور اس زمانہ میں ہندوستان میں اسی پر عملدرآمد ہونا چاہیئے (۲) ظہر کا وقت ہو۔ ظہر کا وقت فوت ہونے کے بعد جمعہ کی قضا نہ کرے بلکہ ظہر کی قضا کرے۔ چنانچہ لاحق مسبوق پر اگر نماز پڑہنے کی حالت میں ظہر کا وقت نکل گیا تو یہ نماز نفل ہوگئی ازسر نو قضا پھیرنی چاہیئے (شامی)، (۳) ظہر کے وقت کے اندر خطبہ پڑہا جائے (۴) جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے (۵) جمعہ پڑہنے کی عام اجازت ہو۔ یہ پانچ شرطیں صحت جمعہ کی ہیں۔ گویا وجوب اور صحت کی شرائط سب ملاکر نو ہوئیں۔

وجوب و صحت کی شرطوں میں فرق یہ ہے کہ اگر صحت کی شرطیں نہونگی تو جمعہ صحیح نہوگا اور وجوب کی شرطیں نہونگی تو جمعہ تو صحیح ہوجائیگا مگر واجب نہیں ہے۔ مثلاً عورت یا بیمار اگر شرائط صحت کیساتھ جمعہ ادا کریں تو اس وقت کا فرض ان کا ادا ہوجائیگا اور نماز ظہر ان کے ذمہ باقی نہیں رہیگی۔ اور اگر کوئی شخص جوان ہو تندرست ہو اور مرد بھی ہو مگر ظہر کا وقت نہو یا جماعت یا خطبہ نہو شرائط صحت جمعہ میں سے کوئی ایک شرط نہو اور وہ جمعہ پڑھے تو درست نہیں اسکے ذمہ ظہر کی وقتی نماز بدستور باقی رہیگی جس قدر معذور طبقہ ہے اس کیلئے ظہر سے جمعہ پڑہنا افضل ہے ہاں عورت کیلئے جمعہ سے ظہر افضل ہے مگر جمعہ کی نماز اگر عورت نے پڑھ لی تو ادا ہوجائیگی۔ (درمختار)

خطبہ کی مقدار واجب اسقاط فرضیت کیلئے صرف الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ ایک بار کہنا کافی ہے مگر اسی مقدار پر کفایت کرنی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ سنت رسول اللہ صلعم کے خلاف ہے (درمختار)

خطبہ کی مقدار مسنون ایک طویل مفصل سورت کی برابر خطبہ پڑہنا مسنون ہے، اس سے کمی بیشی مکروہ ہے اور یہ مقدار دونوں خطبوں میں ہے ہر ایک میں ہونی چاہیئے (شرح وقایہ۔ درمختار) دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ کرنا بھی مسنون ہے، اس میں خواہ درود شریف پڑہے یا خاموش بیٹھا رہے بعض لوگ خطبہ میں جب رسول اللہ کا نام پاک آتا ہے تو چلاکر درود شریف پڑہتے ہیں یہ ناجائز ہے ہاں دل میں یا زبان سے چپکے چپکے پڑہنا درست ہے (درمختار)

خطبہ کے مستحبات خلفار راشدین اور حضرت حمزہؓ و حضرت عباسؓ اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار کا ذکر کرنا مستحب ہے (درمختار) خطبہ میں خطیب کا ادہر اودہر منہ کرکے لوگوں کی طرف دیکھنا یا دوسرے خطبہ میں لوگوں کی طرف دائیں بائیں منہ پھیرنا بدعت ہے۔ اس کی کوئی شرعی اصل نہیں (شامی)

خطبہ پڑھنے کی ترکیب اول امام ممبر پر جائے جب مؤذن اذان سے فارغ ہو جائے تو کھڑا ہو کر لوگوں کی طرف منہ کر کے آہستہ سے اعوذ پڑھے پھر بسم اللہ کہہ کے حمد و ثنا پڑھکر شہادت توحید و شہادت رسالت کہے پھر درود شریف پڑھکر موقع کے موافق لوگوں کو وعظ و نصیحت کرے اخیر میں قرآن شریف کی آیت پڑھکر خطبہ ختم کرے۔ پچھلا خطبہ بھی ایسا ہی پڑھے مگر اسمیں آیت قرآنی کا پڑھنا مسنون ہے (شامی) ہم ذیل میں عربی اور اردو خطبہ کی ایک ایک مثال بیان کرتے ہیں مگر اس میں ترمیم کرنی چاہئے کہ جسطرح موقع کا مقتضا ہو اور جس چیز کی لوگوں کو زیادہ ضرورت ہو اسی کا وعظ کرنا چاہئے۔ نبی صلعم بھی حسب ضرورت اور اقتضائے مقام کے موافق وعظ فرمایا کرتے تھے

خطبہ اولیٰ عربی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا۔ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ خَیْرُ الْوَرٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الدُّنْیَا خُضْرَۃٌ وَّحُلْوَۃٌ وَّاِنِّیْ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ اسکے بعد اتنی دیر بیٹھ جائے جتنی دیر میں تین چھوٹی آیتیں پڑھی جاتی ہیں پھر کھڑا ہو کر دوسرا خطبہ شروع کرے۔

خطبۂ ثانیہ عربی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلٰوتِکَ عَدَدَ مَعْلُوْمَاتِکَ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ اَجْمَعِیْنَ خُصُوْصًا عَلٰٓی اَفْضَلِ النَّاسِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ وَعُمَرَ الْفَارُوْقِ وَعُثْمَانَ ذِی النُّوْرَیْنِ وَعَلِیِّ نِ الْمُرْتَضٰی وَالْحَسَنَیْنِ وَعَلٰی سَیِّدَۃِ النِّسَاءِ فَاطِمَۃَ الزَّھْرَاءِ وَعَلٰی عَمَّیْہِ الْمُکَرَّمَیْنِ الْحَمْزَۃِ وَالْعَبَّاسِ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ اخْتَارَہُ اللّٰہُ بِصُحْبَتِہٖ نَبِیِّہٖ بِالْاِیْمَانِ

وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ الرَّحِیْمُ۔ عِبَادَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔ ذِکْرُ وَاللّٰہِ یَذْکُرْکُمْ وَادْعُوْہُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

اردو کا پہلا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا کَمَا اَمَرَ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ۔ یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ حمد وثنا بیان کرو اس خداوند علیم وحکیم کی جس نے انسان کو اپنی تمام مخلوقات پر شرف عطا فرما کر سرفراز فرمایا اور اسکو لقد کرمنا بنی آدم کے لقب سے ممتاز فرما کر اپنی عبودیت اور بندگی کیلئے مخصوص فرمایا اور سوا اپنی بندگی ومحکومیت کے دنیا کی ہر طاقت سے سرکشی وسرتابی کا امر فرمایا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اپنی محکومیت کے سوا کسی دوسری کی محکومیت کو شرک سے تعبیر فرماتا ہے اور شرک ہی وہ معصیت اور جرم ہے جو خدائے وحدہٗ لاشریک کے نزدیک ناقابل درگذر وعفو ہے۔ شرک کے متعلق صاف وصریح احکام ہیں کہ سب گناہ خدا معاف کر دیگا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے مگر شرک کو کبھی معاف نہ کریگا اور درود وسلام بھیجو اس نبی محترم پر جس کو حق کی منادی کرنیکیلئے ہم ہی میں سے خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور جس نے انسان اور خدا کے درمیان عبد ومعبود کے رشتہ کو واضح کیا اور عبودیت وبندگی کے فرائض سے انسان کو آگاہ کیا اور شرک وتمرد سے اسکو بچا کر صحیح راستہ دکھایا اور انسان کو انسانی شرف کا احساس دلایا اور اسکو بتایا کہ وہ صرف ایک خدا کا بندہ ہے اور کسی دوسری مخلوق کا غلام نہیں ہے۔ اگر خدا واحد کے سوا کسی اور کو اپنا آقا اور مولا بنایا اور اسکے سامنے اپنی گردن جھکائی تو وہ شرک وسرکشی کی گردن ہوگی۔ برادران اسلام! توحید خالص کی حقیقت اگر اچھی طرح سمجھ میں آجائے اور شرک کی عظیم قباحتیں ہمپر منکشف ہوجائیں تو پھر ہماری دنیا اور ہمارا دین دونوں درست ہوسکتے ہیں۔ ہم دنیا میں بھی کامیاب زندگی بسر کرسکتے ہیں اور دین میں بھی خدا کے سامنے سرخرو ہونیکا شرف ہم کو مل سکتا ہے برادران اسلام! خدا کی وحدانیت کے تسلیم اور زبانی اقرار کا جہاں تک تعلق ہے کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں مل سکتا جو اس معیار پر پورا نہ اترتا ہو۔ ہر شخص خدائے قدوس کو دل سے احد جانتا ہے

اور زبان سے اسکے واحد ہونیکا اقرار کرتا ہے لیکن توحید کا صرف دلی عقیدہ اور زبانی اقرار ہی کافی نہیں ہے۔ ہمارے اسلاف جو خدا کی بنائی زمین کے اوپر اور نیلگوں آسمان کے نیچے آفتاب و ماہتاب بنکر چمکے اور خدا کی نعمتوں اور برکتوں کے مستحق ہوئے۔ ان کو جو مراتب حاصل ہوئے وہ صرف زبانی اقرار اور دلی عقیدہ ہی کی وجہ سے حاصل نہ ہوئے بلکہ توحید خالص کی حقیقت انکے ہر رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ ان کی روح کا ہر ریشہ معرفت توحید کے نشے سے سرشار تھا وہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کا ورد صرف نماز ہی کے اندر نہیں کرتے تھے بلکہ نعبد و نستعین کی حقیقت انکی روح پر نقش تھی اور انکے ہر قول و عمل سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا تھا اللہ کے بندو! اگر ہمارے دل بھی توحید خالص کے خزانہ سے معمور ہوتے تو ہم کو دین و دنیا کی سعادت حاصل ہوتی مگر چونکہ ہمارے دل توحید خالص سے خالی ہو گئے ہیں اور ہم اللہ کے سوا ہر کس و ناکس سے ڈرنے لگے ہیں اور ہر ایک "ایرے غیرے" کو ہم نے اپنا معبود باطل بنا لیا ہے اور جو رشتہ خدائے واحد سے جوڑنا چاہیئے تھا وہ اس سے توڑ کر دوسروں سے جوڑ لیا ہے اسلئے ہم کو دنیا میں کوئی کامیابی نہیں ہمارا دین برباد ہماری دنیا تباہ ہماری کوششیں بے سود اور ہمارے تمام کردار گفتار رفتار نقصان دہ ہیں خدا تعالیٰ نے ہماری نصرت بخششوں سے منہ موڑ لیا اور غیروں کے رحم کرم پر ہم کو چھوڑ دیا۔ وہ قلوب جو صرف قوانین الٰہی کی عظمت و قدوسیت سے معمور تھے اور جن قلوب میں قوانین الٰہی کے سوا دوسرے قانون کی گنجائش نہ تھی آج ان میں اللہ کے قانون کی عظمت نہ رہی اور اسکی جگہ ہر باطل قانون نے لے لی۔ ہم اگر چوری نہیں کرتے تو اسلئے نہیں کہ خداوندی قانون قطع ید کی سزا دیتا ہے بلکہ اس لئے نہیں کرتے کہ جیل جانے کا خوف ہے۔ ہم مسلمان کو گالیاں دینے اور فحش بکنے سے اسلئے نہیں بچتے کہ سباب المسلم فسوق کا حکم ہے بلکہ ہم کو توہین کی سزا قید اور جرمانے کا خوف ہے۔ زنا بالجبر کرنے میں ہمکو سنگسار ہونیکے قانون کی پروا نہیں بلکہ جیلخانہ کے اندر قید بامشقت کا ڈر ہے۔ اللہ کے بندو! دنیوی مادی طاقتوں کے خوف اور لالچ کو چھوڑ دو اپنے تمام اعمال و افعال کا مرکز صرف توحید الٰہی کو بنالو۔ جس طرف قدم اٹھاؤ صرف خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اور جس بات کو زبان سے نکالو تو محض رضائے الٰہی کیلئے بلکہ خواب و بیداری، حرکت و سکون، رفتار و گفتار، زندگی و موت کا اصل مدعا صرف اور خالص ذات الٰہی کو سمجھو۔ دنیا میں کامیاب اور دین میں سعادتمند ہوگے۔ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ۔ اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَؤُوْفٌ رَحِيْمٌ۔

اُردو کا دُوسرا خطبہ

جو کسی قدر بیٹھکر پھر کھڑے ہو کر پڑھا جائے:- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْاَمِیْنِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ درود و سلام محمد رسول اللہ پر اور ان کے چاروں خلفاء ابو بکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ و عثمان غنیؓ و علی مرتضیٰؓ پر اور آپکی تمام بیویوں پر خصوصًا خدیجۃ الکبریٰؓ و عائشہ صدیقہؓ و حفصہؓ پر اور آپ کی تمام اولاد خصوصًا فاطمہ زہراؓ پر اور آپکے نواسوں حسنؓ و حسینؓ پر اور ان کی تمام آل و اصحابؓ پر اور تمام اماموں بزرگوں اور علماء صالحین پر جنکی کوششوں سے دین کا چراغ روشن ہے۔ عِبَادَ اللّٰہِ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ اُذْکُرُوا اللّٰہَ یَذْکُرْکُمْ وَادْعُوْہُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَعْظَمُ وَاَکْبَرُ۔

مسئلہ خطیب کے سوا دوسرے شخص کو امامت کرنی نامناسب ہے (شامی) اگر خطبہ پڑھنے کے بعد نماز سے پہلے خطیب کو حدث ہو جائے تو کسی ایسے آدمی کو اپنا جانشین مقرر کرے جو خطبہ سننے میں شریک ہوا ہو۔ اگر کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنائیگا جسنے خطبہ نہ سنا ہو تو جائز نہ ہوگا۔ اور اگر خطیب کو نماز کے اندر حدث ہوا تو جس شخص کو چاہے خلیفہ بنائے (عالمگیری) **مسئلہ** امام کو خطبہ پڑھنے سے قبل محراب کے اندر نماز پڑھنی مکروہ ہے (درمختار) **مسئلہ** دونوں خطبے ثواب میں جمعہ کی نصف نماز کے برابر ہیں (شامی) **مسئلہ** اگر خطبہ و نماز کے درمیان فاصلہ بہت ہو جائے مثلاً امام خطبہ کے بعد گھر چلا جائے یا کھانا کھائے یا اور کوئی کام مانع نماز کرے تو خطبہ از سر نو پڑھا جائے (درمختار) **مسئلہ** جو باتیں نماز میں کرنی ناجائز ہیں وہی خطبہ کے وقت کرنی ناجائز ہیں مثلاً کھانا، کلام کرنا، سلام کا جواب دینا، چلنا پھرنا وغیرہ۔ مگر اشارے سے اگر کسی کو بری بات سے منع کیا جائے تو جائز ہے (درمختار) **مسئلہ** جمعہ میں امام کے سوا بر بنا قول صحیح تین آدمی ہونے چاہئیں اس سے کم ہوں تو جمعہ کی جماعت صحیح نہیں۔ و دیگر نمازوں میں دو بھی کافی ہیں (درمختار) **مسئلہ** اگر کسی قلعہ کے اندر مسجد ہو اور حاکم قلعہ عوام کو آنے جانے سے روکے اور اپنے آپ چند فوجی اور باشندگان قلعہ کو لیکر جمعہ ادا کرے تو جمعہ جائز نہیں کیونکہ جمعہ کیلئے اذن عام کی ضرورت ہے بغیر اجازت عام کے جمعہ صحیح نہیں (درمختار) **مسئلہ** جیلخانہ کے اندر قیدی جمعہ ادا نہیں کر سکتے کیونکہ یہاں کبھی اذن عام نہیں ہوتا۔ اگر جمعہ کی نماز پڑھینگے تو ظہر کی نماز ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ شہر کے اندر جمعہ کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز پڑھنی حرام ہے۔ ہاں معذور اگر شہر میں جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لے تو مکروہ تنزیہی ہے (درمختار) مسئلہ معذور شہر کے اندر جمعہ کے دن ظہر کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھیں جماعت نہ کریں کیونکہ جمعہ کے روز معذور کے لئے ظہر کی جماعت شہر کے اندر مکروہ تحریمی ہے (درمختار) مسئلہ جہاں پر جمعہ درست نہیں وہاں کے باشندے ظہر کی نماز جمعہ کے دن جماعت سے پڑھ سکتے ہیں۔ صرف شہر والوں کو جماعت کے ساتھ جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھنی درست نہیں ہے (درمختار) مسئلہ ایک شخص نے ظہر کی نماز جمعہ کی نماز سے پہلے اپنے گھر پڑھ لی اور پھر جمعہ کی نماز پڑھنے گھر سے نکلا تو اگر اسکو امام کیساتھ جمعہ ملگیا تو ظہر کی فرضیت باطل ہو گئی جمعہ کی نماز پڑھ لے خواہ معذور ہو (جسپر جماعت واجب نہیں ہے) یا غیر معذور ہو اور اگر اسکو جمعہ نہ ملا تو اگر امام اسی وقت فارغ ہوا تھا جس وقت یہ گھر سے نکلا تھا تب تو بالاجماع ظہر کی فرضیت باطل ہو گئی پہلی نماز نفل ہو گئی ازسرنو ظہر کی نماز پڑھے اور اگر اسکے گھر سے نکلنے کے وقت امام نماز میں تھا مگر اسکے مسجد میں پہونچنے سے پہلے فارغ ہو گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک ظہر کی فرضیت باطل ہو گئی پہلی نماز نفل ہو گئی ازسرنو ظہر کی نماز پڑھے مگر صاحبین کے نزدیک فرضیت باطل نہوئی پہلی پڑھی ہوئی نماز کافی ہے (عالمگیری درمختار) مسئلہ اگر کوئی شخص نماز جمعہ میں تشہد میں آکر امام کے ساتھ شریک ہوا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اسکو جمعہ کی نماز ادا کرنی چاہئے خواہ مسافر ہو یا مقیم بلکہ اگر سجدہ سہو کی التحیات میں آکر شریک ہوا ہو تب بھی یہی حکم ہے (درمختار) مسئلہ اگر گانوؤں والے جن پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے جمعہ کے دن شہر کو نماز جمعہ ادا کرنے کیلئے آئیں اور اصلی مقصود نماز جمعہ ہی ہو تو ان کو جمعہ کا ثواب ملیگا اور اگر اصلی غرض کچھ اور ہے ضمناً جمعہ کی نماز بھی ادا کرلیں تو جمعہ کا ثواب نہ ملے گا۔ (درمختار۔ عالمگیری) مسئلہ ایک شہر میں چند جگہ و مختلف مساجد میں جمعہ کی نماز ہونی درست ہے امام صاحب کا صحیح قول یہی منقول ہے (درمختار۔ شامی) مسئلہ جمعہ کے بعد چار رکعت **فرض احتیاطاً** پڑھنی اچھی ہیں تاکہ فرض یقینی طور پر ذمہ سے ساقط ہو جائے کیونکہ یہ صورت احتیاط پر مبنی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز اکثر قومی روایات کے اعتبار سے ان گانوؤں میں جائز ہے جہاں اتنے مسلمان بالغ رہتے ہوں کہ وہاں کی ۲۵ گز کی مسجد میں نہ سما سکیں مگر بعض روایات کے اعتبار سے گانوؤں میں مطلقاً جمعہ جائز نہیں۔ اسی طرح ایک شہر میں چند مساجد میں جمعہ اگرچہ بر مذہب صحیح جائز ہے لیکن بعض لوگ ناجائز بھی کہتے ہیں اور مختلف فیہ مسائل میں بہتر یہی ہوتا ہے

کہ کوئی صورت ایسی نکل آئے کہ اختلاف دور ہوکر کسی متفق علیہ صورت کو اختیار کرلیا جائے اسلئے احتیاط یہی ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت فرض پڑھ لئے جائیں تاکہ اگر جمعہ کی نماز ہوگئی ہو تو یہ نوافل ہو جائیں ورنہ ظہر کی نماز ادا ہو جائے لیکن شرط یہ ہے کہ ان چار رکعتوں کو پڑھنے والا عام فرضیت جمعہ کا معتقد نہو جائے یہ نہ خیال کرے کہ چونکہ جمعہ فرض نہیں ہے اسلئے میں چار فرض ظہر کے پڑھتا ہوں ورنہ یہ چار رکعتیں نہ پڑھے جمعہ ہی کو فرض یقینی سمجھکر پڑھتا ہے (در مختار۔ شامی۔ شرح سفر السعادۃ۔ عالمگیری کبیری وغیرہ) اگر ان چار رکعتوں کو پڑھے تو نیت اس طرح کرے۔ نیت کرتا ہوں چار رکعت فرض اس ظہر کی کہ جسکا وقت میں نے پایا اور ابھی تک اسکو ادا نہ کیا۔ اس نیت کا فائدہ یہ ہے کہ اگر بموجب روایات ضعیفہ کے جمعہ نہوا تب تو یہ چار رکعتیں ظہر کے دن کی ہوجائینگی اور ظہر کا فرض اسکے ذمہ سے ساقط ہو جائیگا۔ اور اگر بموجب اقوال قوی یہ جمعہ درست ہوا تو کسی ظہر کی قضا نماز اگر اسکے ذمہ ہوگی تو ادا ہوجائیگی۔ اور اگر قضا نماز نہ بھی ہو تو نوافل ہو جانے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے (غایۃ الاوطار۔ کبیری۔ عالمگیری) ان چار رکعتوں کو پھر پڑھنا چاہیے بشرطیکہ اسکے ذمہ کوئی اور قضا نماز نہ ہو۔ اور اگر ہو تو دو پڑھے اور دو خالی پڑھنی چاہئیں (غایۃ الاوطار) مسئلہ جمعہ کی دو رکعتیں ہوتی ہیں اور دونوں جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں اور ان میں سورۂ جمعہ سورۂ منافقون سورۂ اعلیٰ اور سورہ غاشیہ کا پڑھنا مسنون ہے، ورنہ جو یاد ہو پڑھ سکتا ہے۔

جمعہ کی اذان کا بیان

ایک اذان کا ہونا تو آنحضرتؐ کے عہد مبارک اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت سے برابر چلا آتا ہے۔ باقی حضرت عثمان غنیؓ کے زمانۂ خلافت میں جب لوگوں کی بہت زیادہ کثرت ہونے لگی اور دور کے بیٹھنے والے لوگوں کو نماز قائم ہونیکی شناخت میں کسی قدر دشواری کا سامنا ہوا تو آپ نے دوسری اذان کا حکم دیدیا گویا یہ بھی سنت ہے مگر پہلی اذان باعتبار وقت کے اول کہلانے کی مستحق ہے اور دوسری اذان باعتبار مشروعیت کے پہلی کہی جا سکتی ہے جو اذان باعتبار وقت کے مقدم ہے اسی کو سنکر تمام کاروبار خرید و فروخت وغیرہ مکروہ تحریمی ہے اور نماز کا اہتمام کرنا اور مسجد کی طرف تیز تیز جانا واجب ہے (در مختار۔ عالمگیری)

جمعہ کی ساعت مقبولہ جس ساعت کے متعلق حدیثوں میں وارد ہے کہ اسمیں جو دعا کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے اسکے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں اور تقریباً ۴۵ روایتیں ہیں مگر صحیح قول دو بیان کئے گئے ہیں (۱) خطبہ کے شروع ہونیسے آخر نماز تک قبولیت کا وقت ہے،

اسمیں جو دعا کی جائے ضرور قبول ہوگی مگر چونکہ خطبہ کے وقت خاموش رہنا واجب ہے اسلئے دل میں دعا کرے (۲) عصر سے لیکر مغرب تک کوئی وقت ہو اسوقت دعا کرنی چاہئے اور اسی قول کو ترجیح بھی دی گئی ہے (درمختار)

نمازِ عید کا بیان

عیدیں دو ہوتی ہیں (۱) عید الفطر یا عید رمضان (۲) عید الضحیٰ یا عید قربان۔ دونوں عیدوں کی نمازیں واجب ہیں (کبیری۔ درمختار)

شرائط عیدین عید کی نماز کی وجوب و اداکی وہی شرطیں ہیں جو جمعہ کی ہیں صرف دو باتوں کا فرق ہے (۱) جمعہ میں خطبہ شرط ہے بغیر خطبہ کے جمعہ صحیح نہیں اور عید میں خطبہ سنت ہے مگر خطبہ کا ترک بری بات ہے، (۲) جمعہ میں خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور عید میں نماز کے بعد (درمختار و عالمگیری)

عید کے دن مسنون امور امور ذیل عید کے دن مسنون ہیں:۔ (۱) صبح کی نماز اپنے محلہ کی مسجد میں پڑھنی (۲) غسل کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) خوشبو لگانی (۵) نئے یا دھلے ہوئے کپڑے پہننا (۶) خاص عیدگاہ کو جانا (۷) واپسی میں راستہ کو بدلنا (۸) راستہ میں تکبیر پڑھنی (عید الفطر کے دن تکبیریں آہستہ پڑھی جائیں اور عید الضحیٰ کے دن چلا کر اور عیدگاہ میں پہونچکر ختم کردی جائیں) (۹) عید الفطر کی نماز سے پہلے صدقہ فطر دینا (۱۰) عید الفطر کی نماز سے پہلے کچھ میٹھا کھانا کھانا (اگر چھوہارے وغیرہ ہوں تو بعدد طاق کھاوے) ورنہ جو موجود ہو کھا کر عید کی نماز کو جائے عید الضحیٰ میں نماز سے پیشتر نہ کھانا مستحب ہے خواہ قربانی کرے یا نہ کرے۔ یہاں تک کہ پان حقہ اور ہر وہ چیز جس سے روزہ افطار ہو سکتا ہے نہ کھائے۔ ان کا نہ کھانا ہی مستحب ہے اگر کھا لیگا تو مکروہ بھی نہیں ہے مگر ترک اولیٰ ضرور ہے (درمختار و عالمگیری)

عید کی نماز پڑھنے کی ترکیب امام اور مقتدی دونوں عید الفطر یا عید الضحیٰ کی نماز کی نیت کریں پھر تکبیر تحریمہ کہکر ہاتھ باندھکر سبحانک اللّٰھم پڑھکر ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کے ہاتھ چھوڑ دیں دوسری مرتبہ پھر ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کے ہاتھ چھوڑ دیں تیسری مرتبہ پھر ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کے ہاتھ باندھ لیں۔ امام اعوذ بسم اللہ الحمد اور کوئی سورت پڑھ کر اللہ اکبر کہہ کے رکوع کو جائے۔ سب مقتدی بھی چلے جائیں۔ پھر حسب معمول سجدہ سے فارغ ہو کر دوسری رکعت امام شروع کردے مگر اسمیں الحمد سے قبل تکبیریں نہ کہے بلکہ جب قرأت الحمد اور سورت پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کے ہاتھ چھوڑ دے دوسری بار بھی ایسا ہی کرے تیسری بار بھی یہ ہی کرے چوتھی بار بغیر

ہاتھ اٹھائے ہوئے تکبیر انتقال کہہ کر رکوع کو چلا جائے اور سجدہ وغیرہ کرکے نماز ختم کردے عید کی نماز میں دوسری رکعت میں رکوع کو جاتے وقت تکبیر انتقالی کہنی واجب ہے نماز سے فارغ ہوکر امام خطبہ پڑھے خطبہ کا بیان آگے آئیگا (عالمگیری) تکبیرات کے درمیان کچھ پڑھنا نہ چاہئے بلکہ ہر دو تکبیروں کے درمیان بقدر تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے خاموش رہے۔ عام اور کلیہ قاعدہ ہے کہ جن تکبیروں کے بعد پڑھا جاتا ہے انکے بعد تو ہاتھ باندھے جاتے ہیں جیسے تکبیر تحریمہ کے بعد چونکہ تسبیح اعوذ بسم اللہ الحمد اور سورت پڑھی جاتی ہے اسلئے ہاتھ باندھے جاتے ہیں اور جن تکبیروں کے بعد کچھ نہیں پڑھا جاتا انکے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جاتے ہیں جیسے عید کی زائد تکبیر۔

مسائل عید عید کی نماز کیلئے سواری پر جانا درست ہے مگر پیادہ جانا افضل ہے (عالمگیری) مسئلہ ایک شہر میں عید کی نماز کئی جگہ ہونی درست ہے (درمختار۔ عالمگیری) مسئلہ عید کی نماز کا وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک رہتا ہے مگر افضل یہ ہے کہ عید الضحیٰ کی نماز میں جلدی کیجائے اور عید الفطر کی نماز میں تاخیر (عالمگیری) مسئلہ اگر عید کی نماز اس روز کسی عذر کی وجہ سے نہ پڑھی جائے مثلاً بارش کی کثرت ہو کہ لوگ جمع نہ ہوسکتے ہوں یا ابر کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا ہو اور ۳۰ تاریخ بھی نہو اور پھر دوسرے دن زوال کے بعد رویت ہلال کی اطلاع ملے یا جس وقت نماز پڑھی گئی اس وقت ابر تھا نماز کے بعد معلوم ہوا کہ زوال کے بعد نماز ہوئی ہے یا امام نے بے وضو نماز پڑھادی تو ان سب صورتوں کے متعلق کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ عید الفطر کی نماز دوسرے ہی دن زوال سے پہلے ہوجانی چاہیئے دوسرے روز کے بعد عید الفطر کی نماز درست نہیں۔ ہاں عید الضحیٰ کی نماز تین دن یعنی بارہویں تاریخ تک ہوسکتی ہے۔ بارہویں تاریخ کے زوال سے قبل تو بلا کراہت درست ہے اور زوال کے بعد مکروہ (درمختار۔ عالمگیری) مسئلہ عید کی نماز کی دو رکعتیں ہوتی ہیں لیکن ان میں نہ اذان ہونی چاہیئے نہ اقامت (عالمگیری) مسئلہ اگر تکبیریں ہوجانیکے بعد کوئی شخص پہلی رکعت میں شریک ہوا تو پہلے تکبیریں ادا کرنی چاہئیں پھر اقتدا کرنی مناسب ہے (عالمگیری۔ درمختار) مسئلہ اگر کوئی شخص پہلی رکعت کے رکوع میں امام کو پائے تو اگر بحالت قیام تکبیریں کہکر رکوع پالینے کی امید ہو تب تو قیام میں تکبیریں کہکر رکوع میں شریک ہوجائے ورنہ تکبیر تحریمہ کہکر رکوع کو چلا جائے اور رکوع میں باقی تکبیریں کہہ لے۔ اب اگر رکوع میں اتنا وقت نہ ملا کہ پوری تکبیریں کہہ سکتا امام نے جلد سر اٹھالیا تو جتنی تکبیریں کہہ چکا ہے وہ تو خیر باقی تکبیریں اس سے ساقط ہوگئیں (عالمگیری) اور اگر قومہ میں آکر امام کے ساتھ شریک ہوا تو

تکبیریں اس رکعت میں اسکو نہ کہنی چاہئیں یہ رکعت اس سے فوت ہوگئی. اب یہ مسبوق ہوگیا
جسوقت امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رکعت ادا کرے اسوقت قرأت کے بعد رکوع سے پہلے
یہ فوت شدہ تکبیریں کہے اور یہی حال اسوقت ہوگا جب امام کیساتھ پہلی رکعت سجدہ یا دوسری رکعت
میں شریک ہوا. ہاں لاحق تمام تکبیریں امام کی طرح کہیگا کیونکہ وہ درحقیقت امام کے ہی پیچھے ہے
اور مسبوق بقیہ رکعت پڑھنے میں مثل منفرد کے ہے امام کے پیچھے نہیں ہے (عالمگیری) **مسئلہ**
اگر کسی شخص نے امام کو تشہد کی حالت میں پایا خواہ تشہد اصل نماز کا ہو یا سہو کا تو یہ دونوں رکعتیں
مع چھہ تکبیروں کے امام کی طرح ادا کرے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر امام نے پہلی رکعت میں تکبیریں بھولکر
قرأت شروع کردی تو اگر الحمد اور سورت دونوں پڑھ چکنے بعد یاد آیا تو تکبیریں کہکر رکوع کو چلا جائے
اور اگر صرف الحمد پڑہی تھی تو الحمد چھوڑ کر تکبیریں کہے اور ازسر نو الحمد و سورت پڑھے (عالمگیری
تاتارخانیہ الاوطار) **مسئلہ** اگر امام دوسری رکعت میں تکبیریں کہنی بھول گیا اور رکوع کو چلا گیا
تو رکوع ہی میں تکبیریں کہہ لے قیام کی طرف عود نہ کرے (درمختار) **مسئلہ** عید کی نماز اگر
کسی کی فوت ہوجائے تو پھر اسکی قضا نہیں. ہاں گھر میں چار رکعت نفل بغیر تکبیروں کے چاشت
کی نماز کی طرح پڑھ لے (درمختار)

عیدین کے خطبہ کے مسائل اور احکام

تین خطبے الحمد سے شروع کئے جاتے ہیں :-
جمعہ کا. استسقاء کا. نکاح کا. عید کا خطبہ الحمد سے شروع نہیں کیا جاتا بلکہ دونوں عیدوں کے اور
تینوں خطبہ حج کے اللہ اکبر سے شروع کئے جاتے ہیں. عید کا پہلا خطبہ شروع کرنے سے قبل نو بار
تکبیریں متواتر کہنی چاہئیں اور دوسرا خطبہ شروع کرنے سے قبل سات بار (درمختار. عالمگیری)
جمعہ کے خطبہ میں شروع کرنیسے قبل اذان کے وقت امام تھوڑی دیر ممبر پر بیٹھتا ہے مگر حنفیہ کے نزدیک
عیدین کے خطبوں میں شروع کرنے سے پہلے بیٹھنا چاہیئے (عالمگیری) جسوقت امام تکبیریں
کہے تو قوم کو بھی کہنی چاہیئے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر عید کی نماز سے پہلے جنازہ بھی حاضر ہو تو عید کی
نماز پڑھ کر جنازہ کی نماز پڑہنی چاہیئے اور پھر خطبہ پڑھنا چاہیئے (عالمگیری) عید الفطر کے خطبہ میں
تکبیر تسبیح اور درود وغیرہ کے بعد صدقہ فطر کے احکام بیان کئے جاتے ہیں اور عید الاضحی کے خطبہ میں
تکبیر تسبیح وغیرہ کے بعد قربانی کے احکام. کیونکہ خطبہ صرف تعلیم احکام کیلئے ہے جس چیز کی ضرورت
ہو حسب موقعہ اسی کی تعلیم دی جاتی ہے (درمختار) ہم ذیل میں عید الفطر اور عید الاضحی کے عربی اور
اردو خطبے بطور نمونے کے لکھتے ہیں اور ہر ایک کے پڑہنے کا طریقہ بھی بیان کرتے ہیں :-

عید الفطر کا پہلا عربی خطبہ

امام ممبر پر کھڑا ہو کر پہلے آہستہ آہستہ نو مرتبہ تکبیر پڑھ کر شروع کرے:۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ نَحْمَدُہٗ وَھُوَ
الْمَحْمُوْدُ فِیْ کُلِّ مَکَانٍ وَّزَمَانٍ۔ وَھُوَ الْمَشْکُوْرُ بِکُلِّ لِسَانٍ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ
اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا
اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَللّٰھُمَّ
صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ اَجْمَعِیْنَ
یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰہَ فَاِنَّ التَّقْوٰی اَسَاسُ الْحَسَنَاتِ وَاعْبُدُوا اللّٰہَ فَاِنَّ
الْعِبَادَۃَ دَافِعَۃٌ لِّلسَّیِّئَاتِ ھَلْ عَرَفْتُمْ فَضَائِلَ شَھْرِ الصِّیَامِ وَھَلْ اَدْرَکْتُمْ لِمَا
ذَا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ فِیْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ یَا اَسَفًا عَلٰی ضَیْفٍ لَمْ نَجْعَلْ
لَہٗ مِنَ الْاِکْرَامِ نُزُلًا وَیَا حَسْرَتَاہُ عَلٰی رَفِیْقٍ شَفِیْقٍ وَدَّعَنَا وَمَشٰی اَلْوَدَاعُ
اَلْوَدَاعُ یَا شَھْرَ طَھَارَۃِ الْقُلُوْبِ۔ اَلْفِرَاقُ اَلْفِرَاقُ یَا شَھْرَ کَفَّارَۃِ الذُّنُوْبِ
اَلْوَدَاعُ اَلْوَدَاعُ یَا شَھْرَ التَّرَاوِیْحِ وَالتَّسَابِیْحِ اَلْفِرَاقُ اَلْفِرَاقُ یَا شَھْرَ الْقَنَادِیْلِ
وَالْمَصَابِیْحِ۔ یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اِنَّ فِی اللّٰہِ عَزَاءً مِّنْ کُلِّ مُصِیْبَۃٍ وَخَلَفًا
مِنْ کُلِّ فَائِتٍ فَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ
مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ
رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ۔ اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ
لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَاسْتَغْفِرُوْہُ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ اس کے بعد
تین چھوٹی آیتوں کے بیٹھ جائے پھر استغفار پڑھ کر آہستہ آہستہ سات مرتبہ تکبیر پڑھ کر یہ دوسرا
خطبہ شروع کرے۔

عید الفطر کا دوسرا عربی خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَمَرَ بِذِکْرِہٖ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ مُفْتَرِضًا
بِشُکْرِہٖ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ۔ اَمَّا بَعْدُ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ اَوْجَبَ عَلَیْکُمْ

فِي هٰذَا الْيَوْمِ رَكْعَتَيْنِ مَعَ سِتَّةِ تَكْبِيْرَاتٍ وَاَوْجَبَ اَدَاءَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ مُكَلَّفٍ مَالِكٍ مِقْدَارَ النِّصَابِ فَاضِلًا عَنْ حَوَائِجِهِ الْاَصْلِيَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ جِنْسِ الثِّيَابِ اَوِ الْاٰلَاتِ اَوِ الْعَبِيْدِ اَوِ الدَّوَابِّ عَنْ نَفْسِهٖ وَ مَمَالِيْكِهٖ وَاَوْلَادِهِ الصِّغَارِ لَا عَنْ زَوْجَتِهٖ وَوَالِدَيْهِ وَاَوْلَادِهِ الْكِبَارِ اِلَّا اسْتِحْسَانًا عَنْ كُلِّ رَاْسٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ دَقِيْقِهَا اَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ اَوْ قِيْمَةُ كُلٍّ مِنْهُمَا۔ وَمَصَارِفُهَا كَمَصَارِفِ الزَّكٰوةِ وَاَفْضَلُ اَوْقَاتِ اَدَائِهَا قَبْلَ الْغُدُوِّ اِلَى الْمُصَلّٰى قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى نَبِيِّنَا وَشَفِيْعِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الْعُظَمَاءِ وَاَصْحَابِهِ الْاُمَنَاءِ۔ خُصُوْصًا عَلٰى اَجَلِّ صَاحِبٍ وَاَسْعَدِ رَفِيْقٍ اَلْخَلِيْفَةِ السَّامِيْ اَبِيْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ وَعَلَى الْاِمَامِ الْهُمَامِ الشَّفُوْقِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَبِيْ حَفْصٍ عُمَرَ الْفَارُوْقِ وَعَلَى الشَّاكِرِ الصَّابِرِ زَوْجِ الْاِبْنَتَيْنِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانَ ذِي النُّوْرَيْنِ وَعَلٰى مَظْهَرِ الْعَجَائِبِ وَالْغَرَائِبِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَعَلٰى رَيْحَانَتَيْنِ لِسَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ اَبِيْ مُحَمَّدِ نِ الْحَسَنِ وَاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنِ وَعَلٰى اُمِّهِمَا سَيِّدَةِ النِّسَاءِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ وَعَلٰى عَمَّيْهِ الْمُكَرَّمَيْنِ الْحَمْزَةِ وَالْعَبَّاسِ وَعَلَى السِّتَّةِ الْبَاقِيَةِ مِنَ الْعَشَرَةِ الْمُبَشَّرَةِ وَسَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَاكْفِهِمُ الْاٰفَاتِ وَاَعِزَّ الْاِسْلَامَ وَنَاصِرِيْهِ وَ اَذِلَّ الشِّرْكَ وَمَوَالِيَهٖ وَاجْعَلْنَا مِنَ الْمُؤْتَمِرِيْنَ بِقَوْلِكَ الْمُبِيْنِ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ اُذْكُرُوا اللّٰهَ يَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا نِعْمَهٗ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَوْلٰى وَاَعْظَمُ وَاَكْبَرُ۔ اس کے بعد چودہ مرتبہ آہستہ سے تکبیر پڑھ کر ممبر سے اتر آئے۔ یہ بھی مستحب ہے (درمختار)

عید الفطر کا پہلا اردو خطبہ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

سُبْحَانَ مَنْ فَضَّلَ هٰذَا الشَّهْرَ بِالطَّاعَةِ وَسَمَّاهُ شَوَّالَ وَزَيَّنَهُ بِاَحْسَنِ صُوْرَةٍ وَاَلْطَفِ جَمَالٍ وَاَرْسَلَ اِلَيْنَا سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْهَادِيَ مِنَ الضَّلَالِ ـ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

اے مسلمانو! تم کو عید مبارک۔ تمہاری عورتوں بچوں اور عزیزوں کو عید مبارک یتیموں اور بیواؤں کو عید کی برکت اور اس کی خیرات مبارک۔ فقیروں اور ناداروں کو صدقۂ فطر مبارک۔ مسلمانو! مسلم قوم کے دو تہوار عید الفطر اور عید الضحیٰ اسلام کے دو بڑے بڑے فرائض پورے کرنے کیلئے محض اللہ کے واسطے ہوتے ہیں اور ان دو تہواروں کی اصلی غرض یہ ہے کہ سب مسلمان مل کر عیدگاہ میں جمع ہوں۔ ایک کو دوسرے کی حالت پر اطلاع ہو اور بقدر امکان مالی اور جانی ہمدردی کرنے کا موقعہ ملے۔ اللہ کے بندو! رمضان ختم ہوا جس میں دن کے وقت تمہاری بھوک پیاس اور نفسانی خواہشات کی روزہ کے بعد بندش تھی۔ اب آج عید ہے۔ روزہ کی بندش ختم ہو گئی۔ اب یہ دن کھانے پینے اور اپنی بیوی سے عیش کرنے کا ہے۔ خدا کی مار اُن مردوں کو جو آج کے دن اپنی منکوحہ بیوی سے بیزار ہیں اور ادھر اُدھر عزت و آبرو فروخت کرنے والیوں میں پھرتے ہیں۔ خدا تم کو سمجھ دے۔ مسلمانو! یہ بھی ذرا خیال رکھنا کہ عید کی خوشی بچوں کو اور ان پڑھ لوگوں کو زیادہ ہوتی ہے۔ جو لوگ زیادہ تعلیم یافتہ ہیں یا امیر ہیں انکو آج کے دن بھی تیوری چڑھائے منہ بنائے مغموم صورتیں پایا جاتا ہے۔ مگر تم ہر خیال کو طاق میں رکھدو۔ ہر سنجیدگی کو بھول جاؤ اور آج کے دن اپنی قوم کے ساتھ پوری خوشی شادمانی کے ساتھ عید مناؤ تاکہ سال بھر کی افسردگی دور ہو۔ اور آئندہ سال کیلئے تمہارے اندر نئی نئی اُمنگیں پیدا ہو جائیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ تم کو گناہوں کی اجازت دی جارہی ہے یا ہندؤں کی طرح گالیاں بکنے یا ناچنے کودنے کی تاکید کیجارہی ہے۔ یا خرچ اور فضول مصارف کی آزادی مل رہی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ تم سے صرف یہ کہا جارہا ہے کہ جن باتوں کو اسلام نے اجازت دی ہے وہ ضرور کرو اور جن باتوں سے منع کیا ہے اُن کے پاس تک نہ جاؤ۔ اور حیثیت سے زیادہ ایک پیسہ بھی صرف نہ کرو۔ آج کی عام خوشی سے محروم نہ رہو اور گھروں میں غمزدہ صورتیں بنائے نہ بیٹھے رہو بلکہ باغوں میں جاؤ دوستوں سے ملو بازاروں کی سیر کرو اور اپنی حیثیت کے موافق عمدہ لباس پہنو۔ تاکہ معلوم ہو کہ تم نے اللہ کے انعام کی قدر کی اور دنیا سمجھ لے کہ تم زندہ ہو۔ آج عید ہے۔ ہر شخص سے مل جاؤ۔ ہر کینہ و فساد کو دل سے نکال ڈالو۔ کیونکہ یہ عید تم سب کو راحت و اتفاق کی طرف عود کرانے آئی ہے۔ اللہ کے بندو! آج بھی وہی عمل کرو جو رمضان میں کرتے تھے اور عید کی خوشی میں حد سے زیادہ نہ بڑھ جاؤ۔ آج کے دن ہر

بدکاری فسق و فجور اور شراب خوری و فضول خرچی سے پرہیز رکھو ورنہ رمضان شریف کا سب ثواب برباد ہو جائے گا۔ اور عید کے بعد چھ روزے اور رکھو کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے رمضان کے روزے پورے کرنیکے بعد شوال کے چھ روزے اور رکھے اُس نے تمام عمر گویا روزہ داروں میں گذاری ہر روزے کے بدلے اُس کو چالیس روزوں کا ثواب ملیگا۔ عذاب قبر میں وہ مبتلا نہ ہوگا اور قیامت کی سختی اور ہول سے محفوظ رہیگا۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ رمضان کی وجہ سے معدہ کی طاقت کم ہو جاتی ہے اور اس طریقہ سے معدہ کو رفتہ رفتہ غذا کا عادی بنایا جاتا ہے۔ اللہ کے بندو! ذرا اپنے ہمسایوں کا یتیموں فقیروں اور بیواؤں کا بھی اس روز ضرور خیال رکھنا۔ تمہارے پاس اچھے لباس ہیں تمہارے بچے اور عورتیں زرق برق پوشاکیں پہنے ہیں۔ تمہارے ہاں ہر قسم کا عمدہ سے عمدہ کھانا موجود ہے مگر بیواؤں کا کوئی سرپرست نہیں یتیم بچوں کا کوئی کفیل نہیں اُن کے سر پر کوئی ہاتھ رکھنے والا نہیں تم ان کے سرپرست بن جاؤ۔ ان کی تسلی تشفی کرو۔ بقدر استطاعت ان کی مدد کرو۔ جو کچھ ہو سکے ان کی کوشش کرو۔ جو لوگ فارغ البال اور کھاتے پیتے ہیں ان پر لازم ہے کہ عید کی نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کریں تاکہ غریبوں کی بھی عید ہو جائے۔ وہ بھی تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ کے بندو! صدقہ سے مال میں برکت اور زیادتی ہے۔ مسلمان قوم کی حالت سدھر جاتی ہے۔ صدقہ فطر کی مقدار تقریباً آدھ پاؤ کم ڈیڑھ سیر گیہوں یا پورے تین سیر جو یا ان کی قیمت ہے۔ تم اتنا صدقہ اپنے گھر کے ہر ہر آدمی کی طرف سے دو۔ جوان اولاد اور بیوی کی طرف سے اگرچہ تم پر فرض نہیں ہے مگر پھر بھی انکی طرف سے دینا مستحب ہے۔ خدا تم کو اور تمام مسلمانوں کو نیکی کی توفیق دے۔ آمین۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

عید الفطر کا دوسرا اردو خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

درود و سلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُن کے چاروں خلفاء ابوبکر صدیقؓ عمر فاروقؓ عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ پر۔ رسول اللہ کی تمام ازواج مطہرات پر۔ آپ کی تمام اولاد پر۔ خصوصاً سیدہ فاطمہ زہرہؓ پر۔ تمام عشرہ مبشرہؓ اور کل صحابہ پر۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ پر۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ پر اور تمام آل اولاد پر۔ امت اسلامیہ کے اماموں پیشواؤں عالموں اور مشائخ پر۔ عادل بادشاہوں نیکوکار فقیروں اور اچھے اعمال والے امیر غریب پر اور ہر

عِبَادَ اللّٰہِ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ وَیَهْدِیْنَا وَیَهْدِیْکُمْ اِلٰی صِرَاطٍ

مُسْتَقِيْمٍ ـ اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ط

عید الضحیٰ کا پہلا عربی خطبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ـ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ـ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ـ
اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَاُحَذِّرُكُمْ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ هٰذَا الْيَوْمَ
تَشْرِيْفٌ فَتَقَرَّبُوْا فِىْ هٰذَا الْيَوْمِ بِضَحَايَاكُمْ وَاجْعَلُوْهَا مِنْ اَطْيَبِ ذَخَائِرِكُمْ فَاِ
نَّهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَطَايَاكُمْ وَاجْتَنِبُوا الْعَوْرَاءَ وَالْعَرْجَاءَ وَالْمَرِيْضَةَ وَالْجَرْبَاءَ
وَمَقْطُوْعَةَ الْاُذُنِ وَمُهْدَمَةَ الْاَسْنَانِ وَكُلَّ ذَاتِ عَيْبٍ يَنْقُصُ مِنْ لَحْمِهَا وَ
اخْتَارُوْهَا لِسِمَنِهَا فَاِنَّ الشَّاةَ السَّمِيْنَةَ اَفْضَلُ مِنْ شَاتَيْنِ هَزِيْلَتَيْنِ فَالْبُدْنُ
عَنْ سَبْعٍ وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعٍ وَالشَّاةُ عَنْ وَاحِدٍ وَلَا ذَبْحَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ
الْعِيْدِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ وَيَوْمَيْنِ بَعْدَهٗ وَيُسْتَحَبُّ التَّصَرُّفُ ثُلُثٌ لِنَفْسِهٖ وَثُلُثٌ هَدِيَّةٌ
وَثُلُثٌ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ اِنْ كَانَتْ تَطَوُّعًا وَاِنْ كَانَتْ وَصِيَّةً يَتَصَدَّقُ
بِجَمِيْعِهَا وَعَظِّمُوْا شَعَائِرَ اللّٰهِ وَاَدُّوا الْفَرَائِضَ وَالْحُقُوْقَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ لِمَنْ شَكَرَ
وَذَاكِرٌ لِمَنْ ذَكَرَ اَعَادَ اللّٰهُ عَلَيْنَا بَرَكَةَ هٰذَا الْيَوْمِ وَاٰمَنَنَا مِنْ سُوْءِ يَوْمٍ بَعِيْدٍ
وَجَعَلَنَا مِنَ الَّذِيْنَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ
الرّٰحِمِيْنَ ـ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ
شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا
فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ـ
اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ـ اس کے بعد بقدر چھوٹی تین آیتوں کے
بیٹھ کر پھر کھڑا ہو کر سات مرتبہ آہستہ آہستہ تکبیر کہہ کر یہ خطبہ شروع کرے ۔

عید الضحیٰ کا دوسرا عربی خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا كَمَا اَمَرَ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
لِمَنْ جَحَدَ بِهٖ وَكَفَرَ ـ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سَيِّدُ الْجِنِّ وَالْبَشَرِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ـ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

ثُمَّ السَّلَامُ مِنَ الْحَقِّ الْحَقِیْقِ عَلَی الْخَلِیْفَۃِ الْعَتِیْقِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِیْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ وَمِنَ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ عَلٰی اَعْدَلِ الْاَصْحَابِ النَّاطِقِ بِالْحَقِّ وَالصَّوَابِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ وَمِنَ الْمَلِکِ الدَّیَّانِ عَلٰی ذِی النُّوْرَیْنِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ وَمِنَ الْمَلِکِ الْوَلِیِّ عَلَی الْاَمِیْرِ الْوَصِیِّ اَسَدِ اللّٰہِ الْغَالِبِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَعَلَی الْاِمَامَیْنِ الْهُمَامَیْنِ اَمِیْرَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِیْ مُحَمَّدِ نِ الْحَسَنِ وَاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ الْحُسَیْنِ وَعَلٰی اُمِّهِمَا سَیِّدَۃِ النِّسَاءِ فَاطِمَۃَ الزَّهْرَاءِ وَعَلَی الْعَمَّیْنِ الْمُکَرَّمَیْنِ الْحَمْزَۃِ وَالْعَبَّاسِ وَعَلٰی سَائِرِ الصَّحَابَۃِ مِنَ الْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرِیْنَ وَالتَّابِعِیْنَ الصَّالِحِیْنَ الْاَبْرَارِ الْاَخْیَارِ اِلٰی یَوْمِ الْقَرَارِ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ عِبَادَ اللّٰہِ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَعَزُّ وَاَکْبَرُ۔ اس کے بعد عید الفطر کی طرح آہستہ آہستہ تکبیر پڑھ کر ممبر سے اتر آئے (در مختار)

عید الضحیٰ کا پہلا اردو خطبہ

چودہ مرتبہ آہستہ سے تکبیر پڑھنے کے بعد یہ خطبہ شروع کریں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ مسلمانو! آج عید الضحیٰ کا دن ہے۔ عید الضحیٰ کو عید قربان بھی کہتے ہیں کیونکہ اس عید میں قربانی کی جاتی ہے۔ جو لوگ صاحب نصاب شرعی ہیں یعنی جن کے پاس حوائج ضروریہ سے بچ کر ۵۲ روپیہ یا اتنا سونا چاندی وغیرہ ہو ان پر قربانی واجب ہے قربانی کا بڑا ثواب ہے۔ قربانی کے ہر بال کے مقابل دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ پل صراط پر عبور کرنا قربانی کی وجہ سے سہل ہو جائیگا۔ حدیث میں آیا ہے کہ موٹے موٹے جانور قربانی کرو۔ ایک موٹی بکری کی قربانی دو دبلی بکریوں کی قربانی سے افضل ہے۔ جس جانور کا دانت ٹوٹا یا گرا ہوا یا سینگ اکھڑ جائے یا مریض ہو یا خارشتی ہو یا لنگڑا ہو یا کانا ہو یا کان کٹا ہوا ہو یا دم کٹی ہو یا اسی طرح کا کوئی اور عیب ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ اونٹ اور گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں ہاں بکری و دنبہ صرف ایک آدمی کی طرف سے قربانی کیا جا سکتا ہے۔ قربانی عید کی نماز کے بعد سے بارہ تاریخ کی شام تک ہو سکتی ہے۔ اگر انسان اپنی طرف سے قربانی

کرے تو مستحب یہ ہے کہ تیسرا حصہ گوشت کا اپنے اور اپنے متعلقین کے لیئے رکھ چھوڑے اور تیسرا حصہ تحفہ تحائف میں اور دوست احباب و اعزہ میں تقسیم کر دے۔ اور تیسرا حصہ فقرار و مساکین کو بانٹ دے۔ ہاں اگر کسی مردہ کی وصیت کی تعمیل میں قربانی کی ہے تو کُل گوشت خیرات کرنا ضروری ہے۔ اللہ کے بندو اسی مہینہ کی نویں تاریخ کو کعبہ شریف کا حج ہوتا ہے اُسکی خوشی میں اللہ تعالیٰ نے یہ عید مقرر کی ہے۔ اس عید میں تمام مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو چاہیئے کہ سب کینہ و عناد اور بغض و عداوت کو دل سے دور کر دیں۔ یہ دن خوشی کا ہے۔ سب ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوں۔ کسی کے دل میں کسی کی طرف سے کوئی رنج نہ رہے ورنہ عید کی نماز کی اصلی غرض فوت ہو جائیگی۔ اے خدا پرستو! تمہیں اللہ نیکی کی توفیق دے۔ آج صرف تمہاری خوشی ہی کا دن نہیں ہے بلکہ آپس کی ہمدردی امداد باہمی اور اتفاق و اتحاد کا دن ہے۔ غریبوں کی بیواؤں کی اور یتیموں کی مدد کرو۔ آہ! ان بیچاروں کا کوئی وارث نہیں ہے۔ غریب بیوہ کا شوہر اور دلداری کرنے والا شوہر دنیا سے چلا گیا۔ اُس کے دل کا چین مفقود ہو گیا تم سے جہاں تک ہو سکے اُسکی اشک شوئی کرو۔ یتیموں کے سر پر مہربانی کا ہاتھ پھیرنے والا اور اُن کی نازبرداریاں کرنیوالا باپ ہمیشہ کیلئے گم ہو گیا۔ تم ان کو اپنا فرزند سمجھو اُن کے ساتھ آج وہ سلوک کرو کہ وہ اپنے باپ کو بھول جائیں۔ اے اللہ کے بندو! یہ مسکین مفلس طبقہ جو نان شبینہ کو محتاج ہے کوئی اندھا ہے تو کوئی لنگڑا کوئی بیماری کی وجہ سے چلنے سے معذور ہے تو کوئی مرض متعدی میں گرفتار۔ یہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں۔ مسلمان ہیں۔ خدا کو واحد اور رسول کو برحق جانتے ہیں۔ اخوت اسلامیہ کا یہی مقتضا ہے کہ تم انکی نگرانی رکھو۔ کم از کم قربانی کی کھالیں تو ان کو دیدو۔ تم بڑی بڑی رقمیں صرف نام و نمود کے لیئے چندہ میں دیتے ہو۔ کیا تم اخوت اسلامیہ کا واقعی ثبوت نہیں دے سکتے۔ کیا تم اسلامی ہمدردی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔ یہ بیکس لاچار ہیں ان کو پیٹ بھر کر کھانا ملتا ہے نہ تن چھپانے کیلئے کپڑا۔ یہ نیلگوں آسمان ان کی چھت ہے اور یہ بھڑکتی اور تپتی زمین ان کا فرش۔ خدا کے لئے ان پر رحم کرو۔ خود نیا لباس پہنو تو ان کو پرانا ہی پہنا دو۔ خود اعلیٰ درجہ کے لذیذ اور ذائقہ نواز کھانے کھاؤ تو ان کو رات کی باسی روٹی ہی دیدو۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

عید الضحیٰ کا دوسرا اردو خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدِ الْاَمِیْنِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے ہمکو حج کعبہ اور قربانی کی نعمت

عطا فرمائی اور درود وسلام حضور محمدؐ پر جو کعبہ میں پیدا ہوئے اور مدینہ کو ہجرت کرنے کے بعد بھی حج کیلئے تشریف لاتے اور قربانیاں کرتے تھے۔ اور سلام خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ پر اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ پر اور خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ پر اور خلیفہ چہارم حضرت علی مرتضیٰؓ پر اور رسول اللہؐ کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؓ پر اور رسول اللہؐ کی تمام ازواج مطہرات خصوصاً حضرت خدیجہ کبریٰؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اور رسول اللہؐ کے نواسوں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ پر اور انکی تمام اولاد پر اور رسول اللہؐ کے دونوں چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ پر اور مقبول صحابہ طلحہ زبیر سعد سعید عبدالرحمٰن ابوعبیدہ اور خالد بن ولید رضوان اللہ علیہم اجمعین اور رحمت خدا نازل ہو شریعت اسلامیہ کے داعی اور علمبرداروں حضرت امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد حنبلؒ اور تمام علماء امت اور مشائخ اسلام پر۔ یا اللہ مغفرت کر ان مسلمان بادشاہوں کی جنہوں نے اسلام کو پھیلانے کیلئے ہر طرح کی کوشش کی۔ اور دین محمدی کی مدد کی اور شریعت اسلامیہ کی ہمدردی میں تلوار اٹھائی۔ الٰہی تو بھی ان لوگوں کی مدد نہ کر جنہوں نے تیرے دین کی مدد چھوڑ دی۔

عِبَادَ اللّٰهِ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ۔ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَّؤُفٌ رَّحِيْمٌ ط

اس کے بعد بھی عید الفطر کی طرح چودہ مرتبہ تکبیر کہکر ممبر سے اتر آئے (درمختار)

ایام تشریق کے احکام و مسائل

جن لوگوں پر نماز فرض ہے انہی پر تکبیرات تشریق بھی واجب ہیں۔ یہی صاحبین کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ لہٰذا مسافر پر عورت پر اور تنہا نماز پڑھنے والے پر بھی تکبیرات تشریق واجب ہیں (درمختار کبیری)، یہ تکبیریں نویں تاریخ کی صبح کی نماز کے بعد سے شروع ہوتی ہیں۔ اور تیرھویں تاریخ کے عصر کے بعد تک رہتی ہیں۔ ہر فرض نماز کے بعد ایک بار بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں تکبیر یہ ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ مگر عورتوں کو تکبیر آہستہ کہنی چاہیے (درمختار) ان تکبیروں کو فرض نماز کے سلام کے بعد ہی فوراً کہنا چاہیے۔ اگر نماز کے بعد کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو بنائے نماز سے مانع ہو (شلاً کلام کرلیا۔ کچھ کھالیا۔ یا کچھ دعا درود جو نماز میں نہیں پڑھی جاتی پڑھ لی وغیرہ)، تو پھر یہ تکبیریں ساقط ہو جاتی ہیں (درمختار)

مسئلہ اگر کوئی شخص ایام تشریق کی نمازیں غیر ایام تشریق میں یا غیر ایام تشریق کی ایام تشریق میں قضا کرے تو تکبیریں نہ پڑھنی چاہئیں۔ ہاں اگر انہی ایام تشریق کی قضا شدہ نمازیں لوٹائے تو تکبیر

پڑھنی چاہیئے بشرطیکہ اسی سال کی۔ گذشتہ سال کے ایام تشریق کی نہ ہوں (درمختار)

قربانی کے مسائل

مسئلہ قربانی کا گوشت وزن سے تقسیم کیا جائے۔ اندازہ سے نہ بانٹا جائے۔ لیکن اگر کسی طرف پائے یا کھال بھی لگادی جائے تو اندازہ سے بھی تقسیم کرنی درست ہے۔ مسئلہ رات کو بھی قربانی کرنی جائز ہے۔ مگر بہتر نہیں ہے مسئلہ قربانی کے وقت کوئی دعا زبان سے پڑھنی ضروری نہیں ہے۔ صرف دل سے قربانی کی نیت کر کے بسم اللہ اللہ اکبر کہکر قربانی کرنی کافی ہے۔ لیکن قبلہ رُخ لٹاتے وقت یہ دعا پڑھنی افضل ہے۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِكَ اِبْرٰهِیْمَ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ۔ مسئلہ جس کے ذمہ قربانی واجب ہو۔ اور وہ قربانی کے زمانہ میں قربانی نہ کرسکے تو قربانی کی قیمت کا صدقہ دینا ضروری ہے مسئلہ جس شخص پر قربانی واجب نہیں اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اب اس کے ذمہ قربانی کرنی واجب ہو گئی۔ اُسکو فروخت نہیں کرسکتا۔ اگر دن گذر جائیں اور قربانی نہ کی ہو تو زندہ جانور خدا کے واسطے کسی کو دیدے۔ مسئلہ بکرا بکری ایک سال کی گائے بیل بھینس دو برس کی اور اونٹ پانچ برس کا ہونا چاہیئے۔ دنبہ اور بھیڑ چھ ماہ سے زائد کا بھی قربانی کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ خوب موٹا ہو کہ ایک سال کا معلوم ہوتا ہو مسئلہ بدھیا کی اور اُس جانور کی جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں یا درمیان سے سینگ ٹوٹ گیا ہو قربانی درست ہے۔ مسئلہ چرم قربانی کو فروخت نہیں کرسکتا۔ ہاں ویسے ہی اپنے خرچ میں لاسکتا ہے اگر فروخت کرے تو اُس کی قیمت صدقہ میں دیدینی واجب ہے۔ مصارف چرم قربانی وہی ہیں جو مصارف زکوٰۃ ہیں۔

مسافر کی نماز کا بیان

مسافر کی تعریف | شریعت میں مسافر اُس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے وطن سے نکلکر تین روز کی مسافت پر کہیں جائے۔ یہ تین روز کی مسافت درمیانی رفتار سے ہونی چاہیئے۔ خواہ پیادہ چلے یا اونٹ پر اور یہ بھی ضروری نہیں کہ رات دن چلتا رہے۔ بلکہ صبح سے دوپہر تک چلنے سے جو مسافت قطع ہو وہ ایک روز کی مسافت خیال کی جائیگی۔ کوس یا میل کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ ایک مقام کے اگر دو راستے ہوں ایک تین دن کا اور دوسرا دو دن کا تو جس راستے سے جائیگا اُسی کے احکام اُس پر

جاری ہوں گے اگر تین دن کے راستے سے جائیگا تو مسافر کے احکام جاری ہوں گے اور دو دن کے راستہ سے جائیگا تو مسافر نہ ہوگا مقیم سمجھا جائے گا۔

مسافر کے احکام | مسافر کے لیے شرعًا پانچ سہولتیں رکھی گئی ہیں۔ (۱) چار رکعتوں والی فرض نماز کو قصر کر کے صرف دو رکعتیں پڑھے (۲) جمعہ اور عیدین کی نمازیں اس پر واجب نہیں ہیں (۳) فرضی روزے اگر رمضان کے مہینے میں اگر ترک کر دے تو جائز ہے (۴) موزوں پر تین شبانہ روز تک مسح کر سکتا ہے۔ (۵) قربانی کرنی اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔

احکام سفر کی ابتدا اور انتہا | جس وقت مسافر اپنی آبادی کی عمارتوں سے نکلجائے اُسوقت سے اُس کو مسافر کہا جائیگا اور جبتک وطن کی آبادی میں داخل نہو اُسوقت تک مسافر رہیگا۔

مسافر کیلئے حکم اقامت کی شرطیں | اگر ذیل کی پانچوں شرطیں پائی جائینگی تو مسافر کو مقیم سمجھا جائیگا اور احکام سفر اس سے اُٹھہ جائیں گے (۱) مسافر چلنا موقوف کر دے۔ (۲) ایک ہی جگہ اقامت کی نیت کرے (۳) جس جگہ اقامت کی نیت کی ہو وہ جگہ ٹھیرنے کے قابل بھی ہو جنگل۔ دریا۔ یا جزیرہ وغیرہ نہو (۴) پندرہ دن یا اس سے زائد اقامت کرنیکی نیت ہو (۵) مسافر اپنی رائے میں مستقل ہو دوسرے کا تابع نہ ہو۔ یعنی اس کی اقامت کی نیت اپنی رائے پر موقوف ہو اس اقامت میں دوسرے آدمی کے تابع نہو۔ اگر یہ پانچوں شرطیں نہ پائی جائینگی تو حکم اقامت مسافر پر جاری نہوگا۔ احکام سفر برابر جاری رہیں گے۔ مثلاً ایک شخص نے اقامت کی نیت تو کی مگر برابر چلتا رہا یا پندرہ دن سے کم ٹھیرنے کی نیت کی یا ایسے کوہستان یا بیابان یا کسی سنسان مقام میں ٹھیرنے کا ارادہ کیا جہاں لوگوں کا عمومًا قیام نہیں ہوتا۔ یا دس روز ایک جگہ دس روز دوسری جگہ دس روز تیسری جگہ ٹھیرنے کا ارادہ کیا ایک جگہ جم کر اقامت کی نیت نہ کی یا نوکر نے اپنے آقا کے تابع ہو کر اور عورت نے اپنے شوہر کے تابع ہو کر مجبورًا اقامت کی نیت کی خود اپنی رائے میں مستقل نہیں ہے۔ اگر آقا نے ترک اقامت کر دیا تو نوکر کو قیام چھوڑنا پڑا۔ یا شوہر وطن کو واپس ہوا تو عورت کو بھی مجبورًا جائے اقامت ترک کرنی پڑی۔ ان سب صورتوں میں اقامت کے احکام جاری نہ ہونگے بلکہ سفر بدستور قائم رہیگا۔

وطن اقامت و وطن اصلی | وطن اصلی وہ ہے جہاں انسان مع اہل و عیال اور متعلقین کے بود و باش رکھتا ہے۔ اور وطن اقامت وہ ہے جہاں پندرہ دن یا زائد ٹھیرنے کا ارادہ کرے۔ چنانچہ جبوقت انسان وطن اصلی سے بالکل قطع تعلق کر کے کسی دوسری جگہ اقامت

کرے اور اسی کو وطن بنالے۔ اہل وعیال کو بھی وطن اصلی سے لیجائے اور پھر لوٹ کر وطن اصلی کو وطن بنانے کا ارادہ بھی نہ ہو۔ وطن اصلی میں کوئی ایسا سلسلہ باقی ہو جس سے بود وباش ظاہر ہو تو یہ وطن اصلی بن جاتا ہے اور پہلا وطن سفر کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اگر پہلے وطن سے کچھ بھی تعلق باقی ہو۔ مثلاً وہاں زمین ہو مکان ہو یا کچھ اور سلسلہ باقی ہو تو وطن اصلی اسی کو کہا جائیگا۔ اس میں اگر ایک دو روز کے لیے بھی جائیگا تو مقیم سمجھا جائیگا اور دوسرے وطن کو دار الاقامت کہا جائیگا۔

اصول مقررہ اور مسائل متفرقہ

(۱) مسافر صرف چار رکعتوں والی فرض نمازیں قصر کریگا۔ تین رکعت والی یا دو رکعت والی فرض نمازیں قصر نا جائز ہے۔ اگر چار رکعتوں والی نمازیں قصر نہ کرے اور بھول کر بھی چار پڑھ لے تو اخیر میں سجدۂ سہو کریگا۔ دو فرض ہو جائینگے اور دو نفل (۲) سنتوں کو سفر میں قصر سے نہیں پڑھ سکتا اگر اطمینان نہ ہو تو ترک کرے (عالمگیری) (۳) پنجشنبہ اور شنبہ کی صبح کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عموماً سفر کیا کرتے تھے (۴) مقیم آدمی مسافر کی اقتدار وقتی اور غیر وقتی سب نمازوں میں کر سکتا ہے۔ البتہ مسافر آدمی مقیم کی اقتدار صرف وقتی نمازیں کر سکتا ہے۔ غیر وقتی نمازیں نہیں کر سکتا (۵) مسافر آدمی مقیم کی اقتدار ظہر عشار اور عصر کی قضا نمازوں میں نہیں کر سکتا مغرب اور فجر کی قضا نمازوں میں کر سکتا ہے۔ مسئلہ اگر مسافر امام ہو اور مقیم مقتدی۔ تو امام اپنی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے اور مقتدی سلام نہ پھیرے بلکہ دو رکعتیں اور پڑھے مگر ان میں قرأت نہ پڑھے بلکہ مقدار قرأت خاموش رہے۔ مسئلہ اگر مقیم مقتدی مسافر امام کے پیچھے چوتھی رکعت میں آکر شریک ہوا تو بقیہ تین رکعتیں اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں جو کہ واقع میں اس کی دوسری رکعت ہے۔ قرأت نہ پڑھے۔ مقدار قرأت خاموش کھڑا رہے۔ پھر رکوع سجود کرکے قعدہ کرے۔ اسکے بعد دوسری رکعت میں جو درحقیقت اس کی تیسری رکعت ہے کچھ نہ پڑھے اور رکوع سجود کرکے بغیر قعدہ کئے کھڑا ہو جائے۔ اب تیسری رکعت میں جو دراصل اسکی چوتھی رکعت ہے سبحانک اللہم الحمد اور سورت پڑھ کر رکوع سجود کرکے قعدہ میں بیٹھکر سلام پھیرے۔ (در مختار) مسئلہ اگر مقیم مقتدی مسافر امام کی اقتدا قعدہ اخیرہ میں کرے تو پہلی دو رکعتوں میں کچھ نہ پڑھے۔ یا پڑھے تو دونوں رکعتیں خالی پڑھے۔ باقی پچھلی دونوں رکعتیں پُر پڑھے۔ مسئلہ مسافر کے لیے مستحب ہے کہ اپنی دو رکعتیں پوری کرنے کے بعد کہدے کہ میں مسافر ہوں تم اپنی نماز پوری کر لو۔

کشتی پر اور چلتی ریل پر نماز کا طریقہ اگر مسافر کو چلتی ہوئی کشتی یا چلتی ہوئی ریل میں رکوع وسجود پر قدرت ملے تو اشارہ سے نماز ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر قیام پر قدرت ہو تو بیٹھکر نماز پڑھنی ناجائز ہے۔ ہاں گھوڑے اونٹ اور ہاتھی وغیرہ پر اشارہ ہی سے نماز پڑھنی چاہئیے۔ رکوع و سجدہ کرنا ناجائز ہے۔ ہاں اگر کشتی بندھی ہوئی یا زمین پر ٹھیری ہوئی ہو یا ریل رُکی ہوئی ہو تو رکوع سجود کرنا چاہئیے۔ اور قیام بھی کرنا چاہئیے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو کشتی اور ریل سے باہر اُتر کر نماز پڑھے

مسئلہ اگر دورہ میں احکام شرعی مسافت کی مقدار چلے جائیں تو ان پر احکام سفر کے ہوں گے

مسئلہ اگر کوئی شخص ملزم کی گرفتاری کو نکلے۔ مگر یہ نہ معلوم ہو کہ ملزم کہاں گرفتار ہو سکیگا تو اپنے غالب گمان پر عمل کرے۔ اگر تین دن کی مسافت سے زائد پر ملزم کے ملجانیکا یقین ہو تو قصر کرے ورنہ اگر تمام دنیا میں گھوم آئیگا تب بھی قصر نہ کریگا۔

مریض کی نماز کا بیان

قاعدہ کلیہ (۱) اگر مریض کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے واقعی ضرر ہوتا ہو یعنی مرض بڑھ جاتا ہو یا مرض کے بڑھجانے کا خوف ہو یا مرض کے دیر میں اچھا ہونے کا ڈر ہو تو ان سب صورتوں میں بیٹھکر نماز پڑھ سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اگر مریض بالکل سیدھا نہ کھڑا ہو سکتا ہو یا زیادہ دیر تک کھڑا نہ رہ سکتا ہو تو جتنا کھڑا ہو سکے اور جتنی دیر کھڑا رہ سکے اتنی دیر قیام واجب ہے۔ مثلاً ایک مریض تکبیر تحریمہ یا ایک آیت کی مقدار کھڑا ہو سکتا ہے۔ زیادہ دیر کھڑا ہونے کی طاقت نہیں تو اس کو اتنا ہی کھڑا ہونا ضروری ہے۔ اگر لاٹھی کے سہارے سے یا دیوار کی ٹیک لگاکر یا کسی آدمی پر بوجہ ڈال کھڑا ہو سکتا ہے۔ تو اسی طرح کھڑا ہو جائے۔ غرض یہ کہ کھڑے ہونیکی کوئی امکانی صورت نہ چھوڑے۔ جہانتک ممکن ہو کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ بدرجۂ مجبوری قیام کو ترک کردے۔

(۲) اگر کوئی شخص کھڑا ہو لیکن رکوع سجود نہ کر سکتا ہو تو افضل یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع سجود کا اشارہ کرے۔ کیونکہ قیام کی صورت میں تو رکوع وسجود کا اشارہ بھی بہت دشوار ہے۔

(۳) اگر کوئی شخص قیام اور رکوع اور سجود پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر سر کے اشارہ سے نماز ادا کرے۔ مگر رکوع کیلئے سجدہ کی بہ نسبت کم جھکے اور اگر سیدھا بیٹھکر بھی نہ پڑھ سکتا ہو تو دیوار یا آدمی کے سہارے سے پڑھے جہانتک ممکن ہو لیٹ کر نہ پڑھے (۴) اگر بیٹھکر سہارے سے بھی نماز ادا نہیں کر سکتا تو پھر لیٹ کر پڑھے۔

لیٹ کر نماز پڑھنے کی ترکیب چت لیٹ کر قبلہ کی طرف پاؤں کرے۔ مگر پاؤں موڑے رکھے (قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ ہے)، سر کے نیچے کوئی اونچا سا تکیہ رکھے۔ تاکہ کسی قدر رکوع و سجود اور قعدہ سے مشابہت پیدا ہو جائے۔ پھر سر کے اشارہ سے رکوع و سجود کرے اور اگر چت نہ لیٹ سکے تو داہنی کروٹ سے لیٹ کر پڑھے اور دائیں کروٹ سے نہ لیٹ سکے تو بائیں کروٹ سے لیٹ کر پڑھے۔ مگر منہ قبلہ کی طرف رکھے۔ اور اگر منہ قبلہ کیطرف نہ رہ سکے اور قبلہ کی طرف منہ پھروانے والا بھی کوئی نہ ہو اور چارپائی پھروانے والا بھی میسر نہ آئے تو پھر جدہر کو منہ ہو اسی طرف کو نماز پڑھ لے۔ (۵) اگر مریض سر کے اشارہ سے بھی نماز ادا نہ کر سکے تو پھر نماز ساقط ہے۔ اب اگر مریض کی یہ شدت مرض ایک رات دن سے کم رہے تو فوت شدہ نمازوں کی قضا واجب ہے۔ اور اگر اسی حالت میں ایک دن رات سے زیادہ مدت گذر جائے تو ایسی صورت میں فوت شدہ نمازوں کی قضا بھی معاف ہے۔ بیہوش آدمی کا اور مجنوں کا بھی یہی حکم ہے لیکن اگر نشہ کی وجہ سے سرمستی اور مدہوشی ہو تو کتنی ہی مدت تک مدہوشی ہو سب نمازوں کی قضا ضروری ہے (۶) اگر بیہوش مریض کو تھوڑی تھوڑی دیر کے لیئے کبھی افاقہ بھی ہو جاتا ہے تو اگر افاقہ کا کوئی مقرر وقت ہو۔ مثلاً صبح کو افاقہ ہو جاتا ہے یا مغرب کو یا عشاء کو تو فوت شدہ نمازوں کی قضا واجب ہے اور اگر افاقہ کا کوئی خاص وقت معین نہیں کبھی صبح کو ہو جاتا ہے کبھی دوپہر کو کبھی شام تو قضا واجب نہیں (۷) اگر مریض قرأت تسبیح اور تشہد پڑھنے سے ہی عاجز ہو تو بدرجہ مجبوری ان کو ترک کر دے (۸) اگر مریض خود رکعتوں اور سجدوں کو شمار نہ کر سکتا ہو تو کسی دوسرے شخص کو پاس بٹھائے اور مریض کو وہ شخص یاد دہانی کراتا جائے۔

مسائل مسئلہ اگر بیمار یا حاملہ عورت کسی اونچی چیز کو سجدہ کیلئے زمین پر سامنے رکھ لے تو جائز ہے اور اگر کسی شخص کے ہاتھ پر وہ چیز رکھی ہوگی تو درست نہیں نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ مسئلہ اگر کسی کی پیشانی پر زخم ہو کہ پیشانی پر سجدہ نہ کر سکتا ہو لیکن ناک سالم ہو جس پر سجدہ کرنا ممکن ہو تو ناک ہی پر سجدہ کرے۔ اس صورت میں اشارہ سے نماز پڑھنی جائز نہیں۔ مسئلہ اگر سجدہ کرنے کو نہ جھک سکتا ہو تو سجدہ کا اشارہ کرے ایسا نہ کرے کہ ہاتھ سے کوئی پتھر اینٹ اٹھا کر پیشانی پر لگائے۔

جنازہ کا بیان

نزع کی علامتیں پاؤں کا سست ہو جانا کہ کھڑے نہ رہ سکیں۔ ناک کے بانسہ کا پھر جانا۔

کنپٹیوں کا بیٹھ جانا۔ منہ کی کھال کا تن جانا اور خشک ہو جانا۔ ہاتھ پاؤں کا اینٹھنا۔ خصیتین کا لٹک جانا۔ آنکھوں میں کسی قدر اندھیرا آ جانا۔

تلقین کا مسنون اور مستحب طریقہ میت کی جب نزع کی حالت ہو اور جانکنی کی علامتیں نمودار ہو جائیں تو ورثاء کو چاہیے کہ میت کا منہ قبلہ کی طرف پھرا دیں۔ یہ مسنون ہے۔ پھر غرغرہ سے قبل شہادت توحید اور شہادت رسالت کی بطور کنایہ و اشارہ کے تعلیم دیں یعنی خود بلند آواز سے اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله پڑھیں یا صرف لا اله الا الله محمد رسول الله پڑھیں۔ مردہ سے پڑھنے کو نہ کہیں کیونکہ نزع کا وقت نہایت نازک ہوتا ہے۔ کہیں میت انکار نہ کر بیٹھے۔ پھر جب مردہ کلمہ شہادت ایک بار کہہ لے تو تلقین نہ کریں ہاں اگر کلمہ شہادت کہنے کے بعد کوئی اور کلام کرے تو دوبارہ تلقین کریں تاکہ مردہ کی زبان سے جو آخری کلمہ نکلے وہ کلمہ شہادت ہو۔ تلقین کا یہ طریقہ مسنون ہے۔ اس کے بعد سورۂ یٰسین اور سورہ رعد پڑھیں اور کچھ خوشبو بھی پاس رکھیں۔ یہ چاروں باتیں قریب المرگ آدمی کے سامنے کرنی مستحب ہیں۔

مرنے کے بعد کے مستحب افعال و اعمال جب میت کی جان نکل چکے تو فوراً ایک چوڑی پٹی لیکر اس کے جبڑے سے باندھ دینی چاہیے۔ یعنی ٹھوڑی کے نیچے سے نکالکر سر کے اوپر گرہ لگا دیں۔ اس کے بعد نہایت آہستگی و نرمی سے آنکھیں بند کر دیں۔ آنکھیں بند کرنیوالا یہ دعا پڑھے۔
بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَسَهِّلْ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهٗ وَاَسْعِدْهُ بِلِقَائِكَ وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ مِنْهُ خَيْرًا مِّمَّا خَرَجَ عَنْهُ۔ اس کے بعد میت کا بند بند اور جوڑ جوڑ ڈھیلا کر دیں۔ پہلے اس کی دونوں باہیں بازو کی طرف لیجا کر پاؤں کی طرف پھیلا دیں پھر ہاتھوں کی انگلیوں کو ہتھیلی کی طرف موڑ کر سیدھی کر دیں۔ اس کے بعد ٹانگوں کو رانوں کی طرف موڑ کر سیدھا کر دیں۔ اخیر میں موت کے کپڑے اتاریں اور ایک چادر سے تمام بدن ڈھانک دیں اور پیٹ پر لوہے کا ٹکڑا یا مٹی کا ڈھیلا رکھ دیں۔ تاکہ پیٹ پھول نہ سکے لیکن بہت بھاری نہ ہونا چاہیئے

غسل کا بیان

غسل میت کا مسنون طریقہ جب غسل کا ارادہ ہو تو سب سے پہلے تخت کو تین یا پانچ یا سات مرتبہ لوبان وغیرہ کی خوشبو سے دھونی دیں پھر نہایت آہستگی سے مردہ کو اس پر لٹا دیں خواہ قبلہ کی طرف پاؤں ہوں یا شمال اور جنوب میں عرضاً لٹائیں جس طرح قبر میں مردہ کو لٹاتے ہیں پھر چاروں طرف پردہ کر لیں تاکہ مردہ کی بے پردگی نہ ہو اور سوائے غسل دینے والے کے اور کوئی

نہ دیکھ سکے۔ اس کے بعد ناف سے گھٹنے تک کسی کپڑے سے ڈھانک کر پہلے اسطرح استنجا کرائیں
کہ غسل دینے والا اپنے دونوں ہاتھوں کو کپڑے سے لپیٹ کر مقام نجاست کو دھوئے دکپڑا
پکڑنے اور لپیٹنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ستر کو دیکھنا حرام ہے۔ اُسیطرح بے حجاب چھونا بھی حرام ہے)
مرد مُرد کی ران اور عورت عورت کی ران کو بھی بے حجاب نہ دیکھے۔ کیونکہ یہ بھی ستر غلیظ ہے) پھر مردہ
کو وضو کرائیں۔ مگر وضو ہاتھوں سے شروع نہ کریں بلکہ منہ اور ناک سے شروع کریں اسکی ترکیب یہ ہے کہ غسل دینے والا
مردہ کے منہ اور ناک میں پانی ڈالنے کے بجائے اپنی انگلی پر ایک کپڑا لپیٹ کر اُس کو کسی قدر تر کرکے
مردہ کے منہ میں داخل کرے اور اس کے دانتوں لبوں مسوڑھوں اور تالو کو صاف کرے۔ پھر نتھنوں میں
انگلی ڈال کر صاف کرے۔ اس کے بعد منہ دُھلا کر سر کا مسح کرائے۔ اخیر میں غسل دینا شروع کرے
سب سے پہلے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو گلخیرو یا صابون یا ملتانی مٹی سے دھوئے اور بال نہ ہوں تو سر دھونے
کی ضرورت نہیں۔ سنت یہ ہے کہ پانی میں بیری کے پتے جوش دیئے جائیں۔ ورنہ خالص پانی ہی
کافی ہے۔ حنفیہ کے ہاں گرم پانی سے غسل دینا افضل ہے۔ جب سر دھو چکے تو مردہ کو بائیں کروٹ پر
لٹا کر پانی ڈالیں جب پانی نیچے تک پہنچ جائے تو دائیں کروٹ سے لٹا کر پانی ڈالیں۔ اس کے بعد مردہ
کو سہارے سے بٹھا کر پیٹ کو نرمی سے سُونتا جائے۔ اگر کچھ نجاست نکلے تو دھو دی جائے۔ مگر غسل و وضو
کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد مذکورہ طریقہ پر دائیں کروٹ سے لٹا کر غسل دیا جائے پھر بائیں پہلو پر
لٹا کر غسل دیا جائے جب غسل سے فراغت ہو جائے تو کسی پاک کپڑے سے پانی خشک کیا جائے
ڈاڑھی اور سر پر عطر لگایا جائے مگر کنگھی نہ کی جائے۔ کافور کو پیشانی ناک دونوں ہتھیلیوں دونوں
گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر ملا جائے بس غسل مکمل ہو گیا۔ عورت ہو یا مرد بچہ ہو یا بڑا سب کے
غسل کا یہی طریقہ ہے۔

غسل کے مسائل

مسئلہ جو بچہ مردہ پیدا ہو یا اُس کے اعضاء ناتمام ہوں اور ساقط ہو جائے
تو اُس کو بھی غسل دینا چاہیئے (در مختار) مسئلہ مردہ کے بال اور ناخن تراشنا ناجائز ہیں خواہ کسی
جگہ کے بال ہوں۔ اگر تراشے جائیں یا ٹوٹا ہوا ناخن علیحدہ کیا جائے تو مردہ کے کفن میں رکھدینا چاہیئے
مسئلہ مردہ کے کان ناک منہ وغیرہ میں روئی رکھنے میں کچھ حرج نہیں ہے مگر پاخانہ اور پیشاب
کے مقامات میں رکھی جائے (عالمگیری) مسئلہ اگر کوئی شخص ڈوب کر مر جائے تو اُس کو بھی غسل دیا جائے گا
لیکن اگر پانی سے نکالتے وقت بہ نیت غسل اُسکو ہلا لیا ہو تو دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔
(نہایۃ الاوطار) مسئلہ اگر کوئی مردہ بہت زیادہ سڑ گیا ہو کہ اُسکو چھونا بھی دشوار ہو تو اُس پر صرف

پانی بہادینا کافی ہے۔ مسئلہ اگر کسی کی لاش نصف سے زائد مع سر کے ملے تو اُسکو غسل دیا جائے اور اگر نصف لاش بغیر سر کے ملے یا صرف سر ملے تو غسل نہ دیا جائے اور نہ اُس پر نماز پڑھی جائے بلکہ کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہیئے (در مختار) مسئلہ شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دیسکتا کیونکہ عورت کے مرنیکے بعد شوہر کا تعلق اُس سے منقطع ہو جاتا ہے۔ ہاں عورت اپنے شوہر کو غسل دیسکتی ہے کیونکہ ایام عدت ختم ہونے تک اس کا تعلق شوہر سے قایم ہے (عالمگیری) مسئلہ اگر کوئی مرد مرجائے اور سوائے عورتوں کے اور کوئی موجود نہ ہو یا عورت مرجائے اور مردوں کے سوا کوئی عورت موجود نہو تو مردہ کو تیمم کرایا جائے مگر عورت کو اُس کے محرم مرد اور مرد کو اُس کی محرم عورتیں تیمم کرائیں اور محرم موجود نہ ہو تو اجنبی شخص اپنے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹکر مردہ کو تیمم کرائے۔ اگر مردہ عورت ہو تو اُس کی باہوں پر نظر نہ ڈالی جائے۔ ہاں اگر خاوند ہو تو اُس کو مردہ عورت کی باہوں پر نظر ڈالنی جائز ہے (عالمگیری) مسئلہ اگر کوئی شخص جہاز میں مرجائے تو اُسکو غسل و کفن دیکر نماز پڑھکر کچھ وزنی چیز باندھکر دریا میں ڈالدینی چاہیئے (عالمگیری) مسئلہ غسل دینے والا نہ جنب ہونا چاہیئے نہ حیض و نفاس آئی عورت غسل دینے والے کا جنب یا حائضہ یا نفساء ہونا مکروہ ہے ہاں بے وضو ہو میں کراہت نہیں ہے (عالمگیری)

مذکورۂ ذیل اشخاص کو غسل نہ دیا جائے (۱) جس شخص نے ماں باپ کو یا قصداً ہلاک کیا ہو اُس کو غسل نہ دیا جائے (۲) جو شخص امام وقت سے باغی ہو جائے اُسکو غسل نہ دیا جائے (۳) جو شخص گلا گھونٹ کر لوگوں کو قتل کیا کرتا ہو اُسکو غسل نہ دیا جائے (۴) جو شخص راتوں کو ہتھیار باندھکر ڈکیتی اور غارتگری کرتا ہو۔ اُسکو بھی غسل نہ دیا جائے۔ مگر مؤخر الذکر دونوں اشخاص کا یہ حکم اُس وقت ہے جبکہ گرفتاری سے قبل لڑائی میں مارے جاویں اور اگر گرفتاری کے بعد اپنی موت سے مریں تو انکو غسل و کفن بھی دیا جائیگا اور نماز بھی پڑھی جاگی (شامی) مسئلہ مردہ کا جو قریب ترین رشتہ دار ہو وہی غسل دے اور اگر وہ غسل دینا نہ جانتا ہو تو کوئی قابل اعتماد جو اچھی طرح غسل دینا جانتا ہو غسل دے۔ ورنہ پھر جو صورت بھی ممکن ہو اور جو شخص بھی نہلا سکے نہلا دے۔

مُردہ کی بُری بات کا تذکرہ کیا جائے اگر کوئی شخص مردہ کا کوئی عیب یا عذاب کی علامت دیکھے تو تذکرہ نہ کرنا چاہیئے۔ مثلاً مردہ کا منہ سیاہ ہو جائے۔ یا اُس سے بدبو آئے۔ یا اُس کا جنازہ بھاری پڑ جائے تو کسی کے سامنے ذکر نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے مسلمان مردہ کی پردہ دری اور اشاعت حال ہوتا ہی۔ ہاں اگر بدعتی اور لامذہب یا بدعقیدہ ہو یا مشرک ہو یا ظالم زانی شرابخور اور فاجر و بدکار ہو تو اُس کی حالت ظاہر کرنی جائز ہے تاکہ عام مسلمانوں کو اُس کی حالت پر واقفیت ہو اور اُسکے انجام کو

دیکھکر سب لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور اگر مردہ کی کوئی اچھی بات معلوم ہو مثلاً نور، روشنی، خوشبو قبر کا پھولوں سے بھر جانا وغیرہ تو اس کا ذکر کرنا مستحب ہے، (عالمگیری) **مسئلہ** اگر نہلانے والے چند موجود ہوں اور ایک آدمی غسل دے تو نہلانے کی اُجرت لینی جائز ہے اور اگر نہلانے والا صرف ایک ہی موجود ہو اور اسی پر نہلانا موقوف ہو تو اُجرت لینی جائز نہیں تاہم ہر صورت میں اُجرت نہ لینی افضل ہے۔ (عالمگیری)، **مسئلہ** اگر پانی نہ ملنے کی وجہ سے کسی میت کو تیمم کرا دیا گیا اور دفن سے قبل پانی ملگیا تو غسل دینا چاہیئے **مسئلہ** اگر چھوٹی بچی ہو تو مردوں کو اُس کو غسل دینا جائز ہے۔ اسی طرح اگر چھوٹا بچہ ہو تو عورتیں اُس کو غسل دیسکتی ہیں (عالمگیری)

کفن کا بیان

کفن فرض کفایہ ہے اگر ایک شخص مردہ کو کفن دیدے تو سب کے سر سے گناہ اُٹھ جاتا ہے اور اگر محلہ میں کسی میں اتنی توفیق نہو کہ مردہ کو کفن دے سکے تو مسلمانوں کے بیت المال سے کفن دینا چاہیئے اور بیت المال سے بھی نہ ہو سکے تو عام مسلمانوں سے چندہ کرکے کفن دیا جائے اور بچے ہوئے دام اُسی شخص کو واپس کر دیئے جائیں جس سے لیئے گئے ہوں۔ اور اگر کفن عام چندہ سے ہوا ہو تو بچے ہوئے دام کسی محتاج کے کفن میں صرف کر دیئے جائیں ورنہ خیرات کر دیئے جائیں۔ اور کفن اگر کسی صورت سے میسر نہ آئے تو جنازہ کو گھانس میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہیئے۔

ضرورت کفن کم از کم اتنا کفن ضروری ہے جس کو جنازہ کے چاروں طرف لپٹینا ممکن ہو اور جس قدر بھی میسر آسکے اگر پورا نہ ہو سکے تو کھلے ہوئے حصہ پر گھانس وغیرہ رکھدینی چاہئیں۔

کفن کفایہ مرد کے لیئے دو کپڑے یعنی کفنی اور لپٹینے کی چادر کافی ہے اور عورت کیلئے تین کپڑے یعنی کفنی اوڑھنی اور لپٹینے کی چادر ہونی چاہیئے۔

مرد و عورت کے کفن کا فرق مرد کی کفنی کا گریبان مونڈھوں کی طرف ہونا چاہیئے اور عورت کی کفنی کا گریبان سینہ کی طرف ہونا چاہیئے۔

کفن مسنون مرد کیلئے تین کپڑے مسنون ہیں (۱) تہبند سر سے پاؤں تک (۲) کفنی گردن سے پاؤں تک (۳) چادر سر سے پاؤں تک۔ عورت کیلئے پانچ کپڑے مسنون ہیں تین کپڑے تو یہی ہیں اور دو کپڑے زائد ہیں۔ اوڑھنی تقریباً دو گز کی۔ سینہ بند جو چھاتیوں سے رانوں تک ہونا چاہیئے۔

بچوں کا کفن نابالغ بچوں کو بالغ کی طرح کفن دیا جاتا ہے۔ لیکن دو کپڑوں سے بلکہ ایک کپڑے سے بھی بچوں کا کفن ہوسکتا ہے۔ **کفن کا رنگ۔** جو کپڑا مردہ کو حالت زندگی میں پہننا درست ہے

اُسکا کفن بھی اُس کے لیے جائز ہے۔ مگر مرد و عورت سب کے لئے سپید رنگ کا کفن بہتر ہے عورتوں کو ریشمی اور رنگین کفن بھی دیا جا سکتا ہے **کفن کی قیمت**۔ مرد کا کفن اُس قیمت کا ہونا چاہیئے جس قیمت کا لباس وہ عید میں پہنا کرتا تھا اور عورت کا کفن اُس قیمت کا ہونا چاہیئے۔ جس قیمت کے کپڑے وہ زندگی کی حالت میں باپ کے ہاں پہن کر جایا کرتی تھی۔

مردوں کو کفن پہنانے کا مسنون طریقہ سب سے پہلے کپڑوں کو معطر کرکے پوٹ کی چادر بچھا کر اُس پر تہبند کی چادر بچھا دی جائے اس کے بعد قمیص یعنی کفنی جسکا گریبان چاک ہو پہنا کر لٹا دیں پھر اس کا بایاں پلہ لپیٹ کر دایاں پلہ اُس کے اوپر لپیٹنا چاہیے۔ اخیر میں پوٹ کی چادر کا اول بایاں جانب پھر دایاں جانب لپیٹا جائے۔ **عورتوں کو کفن پہنانے کا مسنون طریقہ**۔ پہلے پوٹ کی چادر بچھا کر اُس پر تہ بند کی چادر بچھا دی جائے۔ پھر قمیص پہنائی جائے۔ لیکن قمیص کا گریبان سینہ پر رہنا چاہیئے۔ اس کے بعد اُس کے بالوں کے دو حصے کرکے دائیں بائیں سینہ پر کفن کے اوپر رکھدے جائیں پھر اوڑھنی اڑھائی جائے۔ اس کے بعد تہ بند کی چادر اور پوٹ کی چادر مذکورہ طریقہ سے لپیٹ دی جائے۔ پھر سب کے اوپر سینہ بند باندھ دیا جائے (عالمگیری) **مسئلہ** اگر کفن چوری چلا گیا ہو یا قبر سے نعش بلا کفن برآمد ہوئی ہو تو دوبارہ کفن دینا چاہیئے۔

جنازہ کی نماز کا بیان

جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے۔ اسمیں جماعت بھی شرط نہیں ہے یہانتک کہ اگر ایک آدمی بھی پڑھ لیگا تو سب کے سر سے فرضیت ساقط ہو جائیگی۔ درحقیقت جنازہ کی نماز صرف دعا درود اور تسبیح ہے۔ اس کو نماز کہنا بھی اسی اعتبار سے ہے ورنہ اس میں نہ قعدہ ہے نہ رکوع نہ سجود صرف قیام ہی قیام ہے۔

جنازہ کی نماز اُس مسلمان کی پڑھی جائے جو پیدا ہونیکے بعد مرے خواہ بچہ ہو یا بڑا مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام نمازی ہو یا بے نمازی۔ اور اگر کسی مسلمان کو بغیر غسل و نماز کے دفن کر دیا گیا ہو تو تین روز کے اندر اندر اُس کی قبر پر نماز پڑھی جائے (عالمگیری) اگر غسل سے قبل نماز پڑھ لی گئی ہو تو دوبارہ غسل کے بعد پڑھنی چاہیے۔ کیونکہ میت کا غسل میت کی نماز کیلئے ضروری ہے۔ بغیر سخت اور خاص عورتوں کے جن کی نماز ہوتی ہے۔ اُنکو غسل دینا لازمی ہے۔

جنازہ کی امامت اگر بادشاہ یا حاکم شہر موجود ہو تو اولی ان کو نماز جنازہ پڑھانی واجب ہے۔ ورنہ وہ شخص جو میت کا قریب ترین رشتہ دار اور ولی ہو نماز جنازہ پڑھائے۔ اس کے بعد محلہ کا امام اور کوئی صورت ممکن نہو تو ہر شخص باجازت ولی پڑھا سکتا ہے (غایۃ الاوطار) **مسئلہ** اگر میت

وصیت کر جائے کہ فلاں شخص میری نماز پڑھائے تو یہ وصیت باطل ہے ورثاء کو اختیار ہے جس سے چاہیں نماز جنازہ پڑھوائیں۔ اگر ماں مر جائے تو گو بیٹا ولی ہے مگر مناسب ہے کہ بیٹا باپ کو آگے بڑھائے کیونکہ باپ کی موجودگی میں بیٹے کی امامت مکروہ ہے بشرطیکہ باپ امامت کے لایق ہو۔ مسئلہ اگر ولی نماز میں شریک نہ ہو سکا ہو تو اُس وقت تک جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ جب تک کہ پیٹ پھول جانے کا یقین نہ ہو۔ باقی غیر ولی دوبارہ نماز نہیں پڑھ سکتا اور نہ جنازہ کی دوبارہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

جنازہ کی نماز کے ارکان و فرائض جنازہ کی نماز کے صرف دو رکن ہیں (۱) قیام اگر کوئی بلا عذر شرعی بیٹھکر جنازہ کی نماز پڑھیگا تو نماز نہ ہوگی (۲) چار تکبیریں۔ یہ چاروں تکبیریں چار رکعتوں کے قایم مقام ہیں۔

نماز جنازہ کے واجبات اور سنتیں نماز جنازہ میں صرف ایک واجب ہے یعنی میت کیلئے دعا کرنا۔ اور اگر جنازہ بچہ کا ہو تو اپنے لیئے دعا کی جاتی ہے۔ باقی سنتیں دو ہیں (۱) تسبیح و ثنا (۲) درود۔

نماز جنازہ کی شرائط (۱) میت کا مسلمان ہونا (۲) حقیقی اور حکمی نجاست سے پاک ہونا (۳) ستر عورت (۴) استقبال قبلہ (۵) نیت (۶) میت کا سامنے موجود ہونا (۷) میت کا زمین پر رکھا ہونا۔ غائب میت کی نماز رسول اللہ صلعم کے مخصوصات میں سے تھی دوسرے کیلئے جائز نہیں۔

نماز جنازہ کا وقت جس وقت جنازہ تیار ہو کر سامنے آجائے بس وہی جنازہ کی نماز کا وقت

نماز جنازہ کا مسنون طریقہ جنازہ کے سینہ کے مقابل امام کھڑا ہو کر اسطرح نیت کرے کہ میں اللہ کی عبادت کے لئے اس فرض کے ادا کرنیکی نیت کرتا ہوں اس کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہکر ہاتھ باندھے مگر مقتدی آہستہ سے تکبیر کہے۔ اس کے بعد یہ ثنا پڑھے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَاۤ اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ پھر بلند آواز سے تکبیر کہے مگر ہاتھ نہ اٹھائے اور درود پڑھے جو معمولاً نماز کے اخیری قعدہ میں پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہکر بالغ مرد و عورت کے جنازہ کیلئے یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ۔ اور اگر نابالغ لڑکا ہو تو یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّ ذُخْرًا وَّ

اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا۔ اور اگر نابالغ لڑکی کا جنازہ ہو تو یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْھَا لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْھَا لَنَا شَافِعَةً وَّمُشَفَّعَةً اگر ان دعاؤں میں سے کوئی دعا یاد نہ ہو تو یہ دعا پڑھ لینی چاہیئے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِوَالِدَیْنَا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ اور یہ بھی یاد نہ ہو تو جو دعا یاد ہو پڑھ سکتا ہے (عالمگیری) اس کے بعد تکبیر کہکر دائیں بائیں سلام پھیر دے۔ دوسرا سلام بہ نسبت پہلے سلام کے کسیقدر آہستہ ہو

نماز جنازہ کے مفسدات

جنازہ کی نماز اُن تمام چیزوں سے فاسد ہو جاتی ہے جن سے معمولی نماز فاسد ہوتی ہے لیکن اگر جنازہ کی نماز میں مرد کے برابر عورت کھڑی ہو جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

نماز جنازہ کے مسائل

اگر جوتیاں طاہر ہوں تو جوتیوں سمیت نماز جنازہ پڑھنی درست ہے ورنہ اتار کر پڑھنی چاہیئے مسئلہ مسجدوں میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ مگر بعذر بارش درست ہے مسئلہ اگر ایک شخص پہلے سے جنازہ کی نماز کے وقت موجود تھا۔ اور کسی وجہ سے تکبیر تحریمہ میں شریک نہ ہو سکا تو تکبیر ثانی کا انتظار کئے بغیر جماعت میں شامل ہو جائے اور اگر تکبیر کہنے کے بعد میں آیا ہے تو اب اسکو دوسری تکبیر کے کہنے تک امام کا انتظار کرنا چاہیئے۔ جب امام دوسری تکبیر کہہ چکے اس وقت تکبیر کہکر یہ بھی شامل ہو جائے۔ اور جس وقت امام نماز سے فارغ ہو اسوقت فوت شدہ تکبیر کو کہہ لینا چاہیئے۔ یہی حکم دوسری اور تیسری تکبیر نہ ملنے کا ہے (عالمگیری) مسئلہ اگر کوئی شخص چوتھی تکبیر ختم ہونے کے بعد آیا ہو تو فوراً شامل ہو جائے اور جبتک لوگ جنازہ کو اٹھائیں یہ تکبیریں پوری کرلے۔ البتہ دعائیں ترک کرے (عالمگیری) مسئلہ اگر امام دوسری یا تیسری تکبیر کے بعد بھول کر سلام پھیر دے تو نماز پوری کرے کچھ حرج نہیں ہے جو سہو ہو گیا ہو گیا (عالمگیری) مسئلہ اگر بہت سے جنازے حاضر ہوں تو اختیار ہے چاہے ہر جنازہ کی علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں چاہے سب کی ایک ہی نماز پڑھ لیں (عالمگیری) مسئلہ اگر بہت سے جنازے آجائیں تو ترتیب وار رکھے جائیں خواہ طول میں اس طرح رکھے جائیں کہ ایک کے سر کی طرف دوسرے کے پاؤں ہوں یا یکے بعد دیگرے قبلہ کی طرف جائیں مگر امام کے سامنے سب سے اول مرد کا جنازہ ہو اور اگر سب ہی مرد ہوں تو جو شخص حالت زندگی میں سب سے نیک اور صالح ہو اُس کا جنازہ امام کے روبرو ہونا چاہیئے (عالمگیری) مسئلہ جنازہ کے ہمراہ جس قدر آدمی ہوں اُن میں سے کوئی شخص نماز ہونے سے قبل واپس نہ ہو جب نماز جنازہ ہو چکے اور ولی اجازت دیدے تو دفن سے قبل مکان کو واپس آسکتا ہے۔

گو بغیر اجازت بھی واپس آنا جائز ہے۔ لیکن مناسب نہیں۔

جنازہ کو قبرستان کی طرف لیجانے کا بیان

بالغ آدمی اور ہوشیار بچہ کے جنازہ اُٹھانے کا طریقہ جنازہ کے اٹھانے میں دو چیزیں سنت ہیں۔ اصل سنت اور کمال سنت۔ اصل سنت تو یہ ہے کہ چاروں پایوں کو چار آدمی پکڑ کر دس دس قدم چلیں اور کمال سنت یہ ہے کہ اُٹھانے والا اول مردہ کے سرہانے کے دائیں پایہ کو پکڑے اور اپنے داہنے کاندھے پر رکھے پھر دوسرا آدمی پائینتی کے داہنے پایہ کو اٹھا کر کندھے پر رکھے پھر تیسرا آدمی مردہ کے سرہانے کے بائیں پایہ کو اپنے بائیں کاندھے پر رکھے پھر اخیر میں پائینتی کے بائیں پایہ کو بائیں کندھے پر رکھے۔ لکڑیاں وغیرہ باندھکر دو شخصوں کا جنازہ اٹھانا مکروہ ہے۔ باقی اسمیں کچھ حرج نہیں ہے کہ چارپائی کے پایہ کو کاندھے پر رکھا جائے یا ہاتھ پر۔ البتہ یہ مکروہ ہے کہ نصف پایہ کاندھے پر اور نصف گردن کے کنارہ پر ہو۔

بچہ شیر خوار کے جنازہ اٹھانے کا طریقہ۔ اگر بچہ شیر خوار ہو یا بڑا ہو لیکن ہوشیار نہو تو ہاتھوں ہاتھوں پر بھی لیجا سکتے ہیں۔ ورنہ چھوٹی کھٹولی یا چارپائی پر لیجائیں۔ باقی جنازہ کے لے چلنے میں جلدی کریں۔ اور تیز تیز لیجائیں لیکن دوڑنا نہ چاہیے۔ چلتے میں سرہانہ آگے ہونا چاہیے۔ جب قبرستان میں پہنچیں تو پہلے جنازہ کی چارپائی رکھی جائے۔ اُس کے بعد لوگ بیٹھیں۔

شرکاء جنازہ کو ہدایت شرکاء جنازہ آگے آگے نہ چلیں ہاں اگر جنازہ سے زیادہ فاصلہ پر آگے چلیں تو مکروہ نہیں ہے۔ جنازہ کے دائیں بائیں چلنا بہر صورت ناجائز ہے۔ راستہ میں اگر کلمہ طیبہ دلمیں پڑھتے جائیں تو جائز ہے۔ مگر پکار کر پڑھنا جائز نہیں۔ اگر راستہ میں جنازہ جا رہا ہو تو شرکت کے ارادہ سے کھڑا ہو جانا جائز ہے اور خواہ مخواہ کھڑا ہو جانے میں کفار کی مشابہت ہے (شامی)

قبر کا بیان

بغلی اور غیر بغلی دونوں طرح کی قبر جائز ہے۔ مگر بغلی قبر بنانی مسنون ہے۔ قبر طول میں قد آدم اور عرض میں نصف قد آدم اور گہرائی میں آدمی کے سینہ تک ہونی چاہیے۔ اگر قبر بغلی نہ ہو اور مٹی کے گر جانے کا اندیشہ ہو تو کچا گڑا لگانا جائز ہے۔ پکی اینٹوں کی لحد بنانی یا گڑا لگانا جائز نہیں۔ ہاں اگر پختہ اینٹیں مردہ کے متصل یعنی دائیں بائیں سرہانے اور پائینتی نہوں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ مسئلہ لوہے یا لکڑی کے تابوت میں مردہ کو رکھکر دفن کرنا بلا ضرورت مکروہ ہے اور اگر ضرورت ہو تو اسمیں بھی مُردہ کی

نیچے مٹی بچھادیں۔ اور گرد اگرد کچی اینٹیں لگادیں اور تابوت کی چھت کو بھی مٹی سے لیس دیں تاکہ لحد کی شکل ہو جائے۔ مسئلہ قبر میں مردہ کے نیچے چٹائی یا گدا بچھانا جائز نہیں۔ مسئلہ گھروں میں قبریں بنانی جائز نہیں۔

دفن کرنیکا بیان

مردہ کو قبر میں اُتارنیکا طریقہ مردہ کو قبر میں قبلہ کی طرف سے اُتاریں اور اُتارنے والے پرہیزگار اور قوی آدمی ہوں۔ عورت کو اُتارنے والے اُس کے رشتہ دار اور محرم ہوں۔ اگر محرم نہ ہوں تو غیر محرم ہی سہی اور رشتہ دار بھی نہ ہوں تو مجبوراً اجنبی لوگ اس کو قبر میں اُتاریں۔ مگر عورت قبر میں اُتارنے کیلئے نہ آئے۔ جس وقت قبر میں اُتاریں اُسوقت یہ الفاظ کہیں۔ بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ

مردہ کو قبر میں رکھنے کا طریقہ جب مردہ کو قبر میں اُتار دیں تو دائیں کروٹ پر قبلہ رخ لٹائیں اور اُس وقت تینوں گرہیں کھولدیں۔ کچی اینٹیں بغلی قبر کے منہ پر لگادیں اور ڈھیلوں وغیرہ سے اُس کی درزیں بند کردی جائیں پھر وہی قبر سے نکلی ہوئی مٹی ڈالدی جائے۔ زیادہ مٹی ڈالنی مکروہ ہے (غایۃ الاوطار) اور اگر سادی قبر ہو تو دائیں کروٹ سے قبلہ رخ مردہ کو رکھکر تینوں گرہیں کھولکر تختے دیدئے جائیں۔ ڈھیلوں وغیرہ سے درزیں بند کرکے مٹی ڈالدی جائے۔

مٹی ڈالنے کا مستحب طریقہ سر کی طرف سے مٹی ڈالنی مستحب ہے۔ مٹی ڈالنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ لپ بھر کر کہے مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اور اس کو قبر پر ڈالدے پھر دوسری مرتبہ لپ بھر مٹی لیکر کہے وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور قبر پر ڈالدے پھر تیسری مرتبہ لپ بھر مٹی لیکر کہے وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى اور اس کو بھی ڈالدے۔ اس کے بعد پھاوڑے وغیرہ سے قبر بنادی جائے۔

قبر کی اونچائی اور شکل قبر کوہان نما ہونی چاہیئے چورس نہ ہونی چاہیئے۔ قبر کی اونچائی حنفیہ کے نزدیک ایک بالشت ہونی چاہیئے اور بیچ میں سے قبر کچی رہنی چاہیئے۔ اگر قبر بنانے کے بعد اُس پر پانی چھڑک دیا جائے تو کچھ ہرج نہیں ہے۔

مسائل متفرقہ

مسئلہ اپنے لیئے حالت زندگی میں قبر بنا رکھنی جائز بلکہ بہتر ہے (عالمگیری)، مسئلہ ایک وقت میں ایک قبر میں چند مردوں کو دفن کرنا جائز ہے اور ضرورت کے وقت جائز ہے۔ بلکہ مسنون ہے۔ اب ان میں اگر مرد بھی ہوں اور عورتیں بھی تو اول قبلہ کیطرف مرد کو رکھیں اور اُسکے پیچھے عورت کو

اور مرد ہی مرد ہوں تو جو زیادہ نیک اور متقی ہو اس کو قبلہ کی طرف رکھیں اور اس کے پیچھے اوروں کو
ہاں اگر مردہ گل سڑ جائے تو پھر اس قبر میں دوسرے کو دفن کرنا یا اس جگہ کھیتی کرنی یا عمارت بنانی
جائز ہے۔ (عالمگیری)

مزارات اولیاء کا قرب اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب دفن کرنا مستحب اور افضل ہے اور
اس سے امید نجات کی جاسکتی ہے (در مختار)

ایک شہر سے دوسرے شہر میں جنازہ کو لیجانا مستحب تو یہی کہ جس شہر میں آدمی مرے
وہیں کے قبرستان میں اسکو دفن کیا جائے لیکن بضرورت دوسرے شہر کو لیجانا بھی جائز ہے۔ مگر جب
مردہ کو دفن کر دیا تو اب قبر اکھاڑ کر جنازہ نکال کر کسی دوسری جگہ لیجانا سوا دو صورتوں کے قطعاً ناجائز
ہے (۱) جس زمین میں مردہ کو دفن کیا گیا ہو وہ زمین کسی سے چھینی ہوئی ہو (۲) کوئی دوسرا شخص
جنازہ کے دفن ہونے کے بعد اس زمین کو بطور شفعہ کے لیلے ان دونوں صورتوں میں تو قبر اکھاڑ کر جنازہ
کو لیجانا جائز ہے ورنہ ناجائز (در مختار) مسئلہ دفن کرتے وقت اگر قبر میں اتارنیوالے کا کچھ مال قبر
کے اندر رہجائے اور قبر بند کر دی جائے تو قبر کھود کر نکال لینا جائز ہے مسئلہ قبرستان کی خشک
لکڑی اور گھاس کا ٹنا جائز ہے اور تر لکڑی یا گھاس کاٹنی ناجائز ہے مسئلہ قبرستان میں جوتیاں
پہنکر جانا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔

قرآن خوانی اگر دفن کے بعد حافظوں کو قبر کے پاس بٹھا کر قرآن پڑھوایا جائے اور مردہ کو
اس کا ثواب پہونچایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں (رد المختار در مختار)

مزارات کی زیارت کو جانا قبروں کی زیارت کو جانا مستحب ہے (شامی) البتہ جوان عورتوں کو
قبروں کی زیارت کرنی درست نہیں اگر بوڑھی ہوں تو کوئی ہرج نہیں (شامی۔ در مختار)

زیارت قبور کا مسنون طریقہ پنجشنبہ یا جمعہ یا شنبہ یا دوشنبہ کے دن قبرستان میں جاکر
کہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَ
الْمُؤْمِنَاتِ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ يَرْحَمُ
اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ اَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ يَغْفِرُ اللّٰهُ
لَنَا وَلَكُمْ وَيَرْحَمُنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ ط اگر اتنی لمبی دعا یاد نہ ہوسکے تو صرف یہ پڑھے۔ اَلسَّلَامُ
عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ ط ایک صحیح حدیث میں آتا ہے
کہ جو شخص گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھکر مردوں کو بخشے تو ان مردوں کے شمار کیموافق اسکو

بھی ثواب دیا جائیگا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص الحمد قل ہو اللہ اور سورۂ تکاثر پڑھکر مردوں کو ثواب بخشیگا مردے اُس کے لئے شفیع ہوں گے۔ سورۂ یٰسین پڑھکر مردوں کو اس کا ثواب بخشنے سے اُن کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ اور اُس کو بھی مُردوں کی شمار کے برابر ثواب ملتا ہے۔ عذاب قبر کے دفعیہ کے لیئے سورۂ تبارک الذی بھی مخصوصات میں سے ہے۔

توشہ میت کے ساتھہ لیجانے کا حکم اگر یہ ہو کہ میت کے ساتھہ حلوہ اور روٹیاں لیجا کر قبر پر تقسیم کرنے سے ہی ثواب ہوتا ہے یا کم از کم اس سے ثواب بڑھ جاتا ہے تو قطعاً ناجائز ہے۔ اور اس نیت کے بغیر بھی التزام کے ساتھہ غلہ اور روٹیاں مردہ کے ساتھہ لیجانا جائز نہیں۔ مستحقوں کو گھر پر دینا اور اس کا ثواب مردہ کو پہونچانا ہر طرح درست ہے خواہ گھر پر ہو یا قبرستان میں ایران میں ہو یا ہندوستان میں مشرق میں ہو یا مغرب میں پہلے دن ہو یا تیسرے دن ہو دسویں دن ہو بیسویں دن ہو یا چالیسویں دن سال میں ہو یا دو سال میں ہو بغیر تخصیص اوقات کے ہر طرح جائز ہے۔ اور مردہ کو ثواب پہنچتا ہے۔ روٹی پر فاتحہ دلائی جائے یا گوشت پر حلوے پر ہو یا مٹھائی پر کسی پر ہو غرض محتاجوں کا بھلا ہو تو بہر صورت بہتر ہے۔ مردہ کو پڑہنے کا خیر خیرات کرنیکا ہر وقت ثواب پہنچتا ہے۔ اور یہی اہل سنت اور احناف کا مسلک ہے باقی تخصیص اوقات یا تعین غذا یا تخصیص مقام یا خصوصیت طریقۂ ایصال بالکل بے بنیاد ہے نہ یہ جائز ہے نہ جائز ہوسکتا ہے

قبرستان میں ممنوع امور فضول بکواس دنیوی بیفائدہ کلام چلانا پکارنا ہنسنا ٹھٹھے مارنا، کھانا، پینا، سونا، لین دین اور خرید و فروخت کرنی قبرستان میں ناجائز ہے۔ قبرستان میں مردہ کیلئے دعا کرنی چاہیئے۔ قرآن پڑھنا چاہیئے۔ عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ کل یہ لوگ باجبروت بادشاہ تھے۔ جاہ و حشم والے امیر تھے۔ دلکش اور نظر سوز حسین تھے مخملی فرش اور ریشمی گدوں پر سونے سے ان کے بدن پر نشان پڑ جاتے تھے اور آج اس بیکسی کی حالت میں قبر کے تنگ و تاریک غار میں مقید ہیں۔ نہ یار ہے نہ مونس نہ غمخوار۔ اوپر خاک نیچے خاک دائیں خاک بائیں خاک۔ کل کو ہمارا بھی یہی حشر ہوگا۔ ہم کو بھی یہی پیش آنی ہے۔ ہر شے فانی ہے۔ دنیا ایک جھوٹی کہانی ہے۔ خواب ہے۔ خیال ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

سوگ اہل مصیبت اور عام اعزہ کو تین دن سے زائد سوگ حرام ہے۔ ہاں عورت کو اپنے شوہر پر ایام عدت میں یعنی چار ماہ دس روز تک سوگ کرنا چاہیئے۔

تعزیت ایک بار تعزیت کرنی مستحب بلکہ مسنون ہے۔ اس کا ثواب ہے ماتم پرسی کرنیوالا

قیامت کے دن نہایت معزز ہوگا وشامی، تعزیت کرنے والے کے لئے لائق ہے کہ تعزیت کے وقت مذکورہ ذیل کلمات کہے:۔ اَعْظَمَ اللّٰهُ اَجْرَكَ وَاَحْسَنَ جَزَاۤئَكَ وَغَفَرَ لِمَيِّتِكَ اس کے تسکین وتشفی کے کلمات کہکر چلا آئے۔ ہاں مسجد میں، قبر کے پاس، اہل میت کے مکان کے دروازے کے پاس تعزیت کرنی مناسب نہیں مکروہ ہے۔

شہید کا بیان

شہید کی تعریف شہید وہ شخص ہے جو راہ خدا میں مارا جائے۔ یعنی خوشنودیِ خدا کی طلب میں اس کا انتقال ہوا ہو۔

شہادت کے اقسام (۱) شہادت ناقصہ (۲) شہادت کاملہ۔ مذکورہ ذیل صورتوں میں شہادت ناقصہ ہوتی ہے۔ کمال شہادت حاصل نہیں ہوتا۔ کمال شہادت حاصل نہ ہونیکے یہ معنی ہیں کہ شہید ناقص پر دنیوی احکام شہادت کے جاری نہ ہونگے۔ یعنی اسکو غسل بھی دیا جائیگا اور کفن بھی دیا جائیگا اور اس کی نماز بھی پڑہی جائیگی ہاں آخرت میں اسکو شہید کامل کی برابر ثواب ملیگا۔ مذکورہ ذیل صورتوں میں شہادت ناقص ہوتی ہے (۱) جو شخص لڑائی میں دشمن کے مارنیکا قصد کر رہا ہو اور حق پر بھی ہو اور دھوکے سے خود اپنے ہاتھ سے مرجائے (۲) جو شخص پانی میں ڈوبکر مرجائے بشرطیکہ قصداً خود نہ ڈوبا ہو (۳) جو شخص دیوار درخت یا چھت وغیرہ سے دبکر مرجائے (۴) جو شخص جلکر مرجائے (۵) جو شخص سفر میں مرجائے (۶) دستوں یا استسقاء سے مرنیوالا (۷) طاعون یا ہیضہ سے مرنیوالا (۸) وہ شخص جو وبا کے زمانہ میں بہ نیت حصول ثواب اپنے شہر میں صبر کرکے ٹھیرا رہے۔ اور کسی مرض سے اس دوران میں مرجائے خواہ مرض وبائی ہو یا نہ ہو (۹) سل کی بیماری سے مرنیوالا (۱۰) مرگی کی بیماری سے مرنیوالا (۱۱) نمونیہ سے مرنیوالا (۱۲) اپنے گھر کی حفاظت کرنیکی وجہ سے جانے مرجانیوالے (۱۳) اپنے مال کی حفاظت کرنیکے سبب سے مرنیوالا (۱۴) اپنی جان بچانے کے وقت مرجانیوالا (۱۵) عشق میں مرجانیوالا بشرطیکہ پارسا ہو اور عشق کو پوشیدہ رکھے کسی پر ظاہر نہ کرے اور فسق وفجور کی نیت بھی نہ ہو (۱۶) سچ بولنے والا سوداگر (۱۷) اذان دینے والا (۱۸) سانپ بچھو کے کاٹنے سے مرنیوالا (۱۹) علم شرعی کی طلب میں مرنیوالا (۲۰) پانی کے بھنور اور ریچھ سے مرنیوالا (۲۱) اپنے بال بچوں کو حلال کمائی کھلانیوالا (۲۲) جہاز میں قے اور متلی سے مرنیوالا (۲۳) روزانہ ۲۵ بار یہ دعا پڑہنے والا۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِيْ فِي الْمَوْتِ وَفِيْ مَا بَعْدَ

اَلْمَوْتِ د ۱۹ ۲، مرض الموت میں چالیس مرتبہ آیۃ کریمہ یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ پڑہنے والا د ۲۵، روزانہ سو مرتبہ درود شریف پڑہنے والا د ۲۶، ہر رات کو سورۂ یٰسین پڑہنے والا د ۲۷، روزانہ صبح کو تین بار بِسْمِ اللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑہنے والا د ۲۸، روزانہ صبح کو سورۂ حشر کی اخیر تین آیتیں پڑہنے والا د ۲۹، جمعہ کے دن یا رات کو مرنیوالا د ۳۰، رات کو باطہارت سونیوالا د ۳۱، خوش اخلاق آدمی جو لوگوں کے ساتھہ نرمی اور تواضع سے پیش آتا ہو د ۳۲، سواری سے گر کر مرجانیوالا د ۳۳، بوقت ضرورت مسلمانوں کیلئے ایک شہر سے دوسرے شہر کو غلہ لیجانیوالا د ۳۴، فتنہ و فساد اور بیدینی کی حالت میں سنت نبوی پر قایم رہنے والا د ۳۵، زہر سے مرنیوالا د ۳۶، وہ شخص جو بادشاہ کے خوف سے چھپتا پھرتا ہو اور اسی حالت میں مرجائے د ۳۷، ظالم بادشاہ کی قید میں مرجانیوالا د ۳۸، وہ شخص جس کو ظالم حاکم نے پٹوایا ہو اور وہ مرجائے د ۳۹، حالت حمل میں مرجانیوالی عورت د ۴۰، وضع حمل یا نفاس کی حالت میں مرجانیوالی عورت د ۴۱، اپنی عزت کو بچانے کیلئے جان دیدینے والی عورت د ۴۲، سچے دل سے شہادت کی دعا مانگنے والا د ۴۳، ظالم کے ظلم سے مرجانیوالا د ۴۴، تپ سے مرجانیوالا یہ لوگ سب شہید اُخروی ہیں مگر خلوص نیت شرط ہے۔ تمام اعمال کا نیت پر مدار ہے۔ اگر نیت صحیح اور خالص ہوگی رضاء الٰہی کی ہر وقت جستجو ہوگی۔ اتباع شریعت ہر وقت پیش نظر ہوگا تو انشاء اللہ درجۂ شہادت نصیب ہوگا۔ **شہید کامل** وہ مسلمان عاقل بالغ ہوتا ہے جو بحالت طہارت کسی کافر یا رہزن یا دشمن کے ہاتھہ سے بصورت مقابلہ یا غیر مقابلہ کسی طریقہ سے ظلماً مارا جائے خواہ آلۂ جارحہ سے اُسکو قتل کیا یا آگ میں جلایا جائے یا پانی میں ڈبویا جائے یا دیوار کے نیچے دبا دیا جائے یا کسی اور طریقہ سے اُس کو ظلماً قتل کیا جائے۔ شہید کامل کو نہ غسل دیا جائے نہ کفن نہ اُس کی نماز پڑہی جائے ویسے ہی خون آلود کپڑوں میں اُسکو دفن کردیا جائے۔ ہاں اگر اُس کے کپڑوں میں نجاست غلیظ لگی ہو تو اُس کو دھو دیا جائے اور جو چیز جنس کفن سے نہ ہو اُس کو بھی اُس کے بدن سے علیحدہ کرلیا جائے۔ مثلاً پوستین زرہ تلوار اور دیگر ہتھیار ٹوپی عمامہ دستانے موزے جوتے وغیرہ۔ اگر کفن مسنون پورا نہ ہو تو کفن مسنون کی مقدار پوری کردی جائے۔ جو کپڑا کم ہو وہ پورا کردیا جائے۔ مگر یہ تمام احکام اُس شہید کے ہیں جو زخمی ہونے کے بعد منافع حیات میں سے کوئی فائدہ نہ حاصل کرسکا ہو اور نہ کلام کرسکا ہو نہ کچھہ کھا پی سکا ہو نہ علاج و دوا کرنی ممکن ہوئی ہو اور نہ زخمی ہونیکے بعد ایک نماز کے پورے وقت تک زندہ رہا ہو۔ ہاں وہ شخص جس نے لوازم

زندگی مین سے کوئی فائدہ حاصل کر لیا ہو۔ مثلاً کچھ کھالیا ہو پی لیا ہو سو گیا ہو علاج معالجہ کیا ہو یا میدان جنگ سے اُس کو زندہ اُٹھا کر لایا گیا ہو اور ہوش وحواس اُس کے اتنی دیر تک درست رہے ہون جتنی دیر تک ایک نماز کا وقت گذر جائے یا خرید وفروخت کی ہو یا اور کچھ دنیوی باتیں کی ہوں۔ میدان جنگ کے واقعات بیان کئے ہوں یا کوئی دنیوی وصیت کی ہو تو ان سب صورتوں مین شہید کو غسل وکفن دیا جائیگا۔ آخرت میں اس کا بھی وہی ثواب ہوگا جو شہید بیکس کا ہوگا۔ شہدار کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دوامی زندگی عطا ہوتی ہے۔ بظاہر وہ مقتول ہوتے ہیں لیکن درحقیقت زندہ جاوید ہوتے ہیں۔ ہر طرح کی راحت وآسایش اُن کو میسر ہوتی ہے۔

وصیّت کرنیکا بیان

وصیت کرنی مستحب ہے۔ میت کو مرنے سے قبل اختیار ہے کہ اپنا ثلث مال کسی کو یہ کہکر دیدے کہ میرے مرنیکے بعد تم اتنا مال لے لینا۔ مرنے کے بعد اُس کی وصیت کا اجرار کیا جائے گا عزیز و اقارب ودوست واجنبی سب کو وصیت کرنی صحیح ہے۔ اگر میت کا بچہ حالت حمل میں ہو تو اُس کے لئے بھی وصیت کرنی صحیح ہے۔ لیکن وصیت کا اجرار اُس وقت مکمل سمجھا جائیگا جس وقت جس کے لئے مال کی وصیت کی ہے قبول کرے اور اگر قبول کرنیسے پہلے یہ شخص خود ہی مر گیا تو اب اس کے وارثوں کو میت کا وصیت کردہ مال نہ دیا جائیگا۔ مثلاً زید نے مرنیکے وقت وصیت کی کہ عمر کو اتنا مال دیدینا اور عمر قبول کرنے سے قبل مر گیا تو اب عمر کے وارثوں کو یہ مال نہیں مل سکتا۔ میّت کو اختیار ہے کہ اپنی وصیت سے قولاً یا فعلاً رجوع کرلے۔ مثلاً یہ کہدے کہ میں نے پہلے وصیت کی تھی لیکن اب وصیت سے رجوع کرتا ہوں یا جو مال دینے کی لیئے وصیت کی تھی اُس کو حالت زندگی مین فروخت کردیا یا کسی اور کو ہبہ کردیا تو ان صورتوں میں وصیت کا اجرا نہ کیا جائیگا۔ مذکورۂ ذیل اشخاص وصیت نہیں کرسکتے۔

(۱) وہ مقروض شخص جس کا کل مال قرض کی رقم سے زائد نہ ہو (۲) بچہ (۳) مکاتب غلام (۴) مجنون آدمی۔ اگر یہ لوگ وصیت کرینگے تو اُس پر عملدرآمد نہیں کیا جائیگا۔ میت اگر وصیت کرکے حالت زندگی ہی میں انکار کردے اور کہدے کہ میں نے وصیت نہیں کی تو یہ انکار معتبر نہیں۔ ہاں وصیت سے رجوع کرنا اور وصیت کو فسخ کردینا معتبر ہے۔

(شرح وقایہ۔ شامی)

باب الحج

حج کیا ہے اور حج کی غرض کیا ہے؟

انسان پر قدرت نے چار قسم کے فرائض عائد کئے ہیں (۱) فرائض فطرتی (۲) فرائض تمدنی (۳) فرائض سیاسی (۴) فرائض مذہبی یا روحانی۔ اگرچہ بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے یا یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ ان فرائض میں کیا کچھ فرق یا تفاوت ہے اور ان کی کہانتک ضرورت ہے لیکن پھر بھی ہر ایک شخص کسی نہ کسی نہج پر ان فرائض کے ادا کرنے میں ساعی رہتا ہے۔ اگرچہ ہم میں سے بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے کہ فطرت کی جانب سے ہم پر کس قدر فرائض عائد کئے گئے ہیں لیکن فطرت مجبور کر کے ہم سے فرائض کشی کسی حد تک پورا کراتی رہتی ہے گو کہ وہ پورے طور پر تکمیل پذیر نہ ہوں۔ اسی طرح تمدنی اور سیاسی فرائض کا بھی حال ہے اور یہی صورت مذہبی فرائض کی بھی ہے۔ فریضہ حج بادی النظر میں ایک مذہبی فرض معلوم ہوتا ہے اور جو شخص یہ فرض ادا کرتا ہے وہ مذہبی رنگ میں ادا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اس فریضہ کی نسبت جن الفاظ میں حکم دیا گیا ہے وہ بھی ایک مذہبی پیرایہ میں ہے اور ان الفاظ میں یہ کہا گیا ہے کہ جو شخص اس فرض کے ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے اسکو جانا چاہیے وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا۔ اس کے ساتھ ہی احادیث اور اقوال بزرگان میں اس فریضہ کی تقدیس اور ضرورت پر مختلف پیرایہ میں بحث کی گئی ہے اور یہ جتلایا گیا ہے کہ مسلمان پر کن حالات میں اور کن شرائط سے حج فرض ہے۔ ان بحثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام حج پر باعتبار ایک رسم یا محض خیالی فریضہ کے زور نہیں دیتا بلکہ اُسکی ضرورت پر باعتبار ایک عملی پہلو کے بحث کرتا ہے۔ لفظ حج کے لغوی معنون سے ہی ثابت ہے کہ اسلامی نقطۂ خیال سے حج سے ایک ایسا عمل اور ایک ایسا فعل ہے جو چند وجوہ سے اپنے اندر عملی رنگ رکھتا ہو اور اُس عملی رنگ میں کیا کچھ شامل ہے یہ اُس وقت صحیح طور پر معلوم ہو سکتا ہے جب کوئی مسلمان صحیح رنگ میں یا صحیح عزم سے فریضۂ حج ادا کرے۔ اگرچہ رسوم میں بھی ایک عرصہ کے بعد ایک قسم کی کشش اور جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور اُن کا اثر بھی دلوں اور ارادوں پر بہت کچھ پڑتا ہے لیکن پھر بھی رسوم اور موہومی مسلمات کے تصرفات و جذبات میں بمقابلہ حقیقی مسلمات کے بہت کچھ فرق ہے

حج کا فریضہ بھی بظاہر ایک رسم خیالی یا زیادہ سے زیادہ ایک رسمی رنگ میں رنگا ہوا مذہبی فریضہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن گہری نظر اور حقیقت رس دماغ خوب جانتے ہیں کہ حج فی الواقع ایک دماغی اختراع کردہ رسم یا مذہبی فریضہ ہی نہیں بلکہ اس کے اندر تمام سیاسی اقتصادی تمدنی اخلاقی روحانی اور فطرتی فرائض کی ادائیگی مضمر ہے۔ حج کیا ہے؟ اس کا جواب مجمل طور پر یہ دیا جا سکتا ہے کہ حج وہ یادگار ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے نام سے بالخصوص مخصوص ہے۔ سنت ابراہیمی ہے۔ مجموعہ فرائض اربعہ ہے انسانی حالت کو سدھارنے والا ایک مذہبی فرض ہے۔ روحوں میں جولانی جذبات میں ہیجان دنیا میں راستی اور امن پیدا کرانیکی ایک جلیق مشین ہے۔ کون نہیں جانتا کہ یادگار کا قایم اور تازہ رکھنا ایک فطرتی ہے۔ زندہ قوموں میں مختلف قسم کی یادگاریں قایم رہتی ہیں یا رکھی جاتی ہیں۔ اسلاف کی تاریخ اسی لئے پڑھائی جاتی ہے۔ اور اسی لئے اس پر زور دیا جاتا ہے کہ اس کے مطالعہ سے آئندہ نسلوں کے خیالات اور جذبات میں ایک قسم کا تموج اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ یہ کہنا کہ حج محض ایک مذہبی یادگار ہے صحیح نہیں۔ یہ تمدنی بھی ہے۔ اخلاقی بھی' سیاسی بھی، مذہبی بھی، معادی بھی اور معاشرتی بھی۔

حج کے تمدنی، اخلاقی اور مذہبی منافع اور انکشاف حالات

کیا حج کے دنوں میں ہمیں مختلف تمدنوں' مختلف زندگیوں اور مختلف خیالات کا تماشا نصیب نہیں ہوتا۔ منیٰ عرفات اور جبل رحمت پر جو نظارہ ہمارے دیکھنے میں آتا ہے کیا وہ بڑے بڑے روشن دماغوں کے واسطے صدہا پاکیزہ اور وسیع خیالات کا مجموعہ نہیں ہوتا۔ کیا ایک فلسفی مزاج آدمی اُن سے صدہا مسائل کا چربہ نہیں اُتار سکتا اور کیا اُن نظاروں سے قوموں کی ترقی اور تنزل پر زندہ شہادتیں نہیں ملتیں کیا اس تماشے میں ایک گداز دل کے واسطے ہر پہلو سے جذبات کے اُبھارنے کے سامان پیدا نہیں ہوتے اور کیا ایک سوچنے والی طبیعت تاریخ اور واقعات گذشتہ و موجودہ کے اعتبار سے آزادانہ ریویو کا موقعہ نہیں نکال سکتی اور کیا زندہ اور مردہ احساس میں تمیز کرنا مشکل سے آسان نہیں ہو جاتا۔ کیا لق و دق جنگل اور سنسان میدانوں میں ہزاروں مخلوق اور تقریباً کل دنیا کے افراد انسانی کا مجمع ایک دوربین نگاہ کے واسطے دامن غور کو وسعت نہیں دیتا اور کیا ہر طرف سے اُسے مساوات اور اخوت کا سبق نہیں ملتا اور کیا سچی آزادی اور صادق انسانیت کے نمونے اُن پتھروں اور اُن چٹانوں میں نہیں ملتے جنہیں بعض جلد باز روحیں مقام وحشت کہنے میں دریغ نہیں کرتیں۔ کیا ایک گداز دل کے واسطے جبل رحمت کا پاک اور پُرجوش نظارا اور اللھم لبیک لا شریک لک کی دل ہلا دینے والی صدائیں موحدوں کیواسطے خدائی نظارہ اور الٰہی دیدار نہیں ہیں۔

بیساختہ لوگوں کا لاشریک لک کہنا اور رومال ہلانا گیا وہ منظر نہیں ہے جو توحید کو اپنے اصلی رنگ میں پیش کرکے تمام قسم کے شرکوں کا ازالہ کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں اور نہایت بلند آہنگی سے کہتا ہوں کہ حج سے بڑھکر دنیا میں کسی جگہ نوع انسان کا اتنا بڑا مجمع نہیں ہوتا۔ حج میں کل اقصار دنیا کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور اگرچہ اجنبیت کی وجہ سے بہت سے لوگ ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں پھر بھی اسلامی نقطۂ خیال سے ایک دوسرے کو دیکھکر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے اور باوجود اختلاف زبان، مغایرت ملکی، اجنبیت طبائع اور مخالفت عادت کے ایک دوسرے کے تاثرات وجذبات سے آشنا ہوکر ایک خاص نتیجہ پر پہونچتے ہیں اور اس سے بشمار تمدنی اخلاقی اور مذہبی وقومی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً جب ارض مقدس میں یہ سماں دیکھنے میں آتا ہے کہ باوجود اس قدر بعد وغیریت کے لوگوں میں کس قسم کی محبت واخوت پائی جاتی ہے تو سوچنے کی دل ودماغ پر یہ نقش ہوجاتا ہے کہ اسلام نے حج کو کن کن اعلیٰ اور پاک اغراض کے ماتحت فرض استطاعتی قرار دیا تھا۔ جب ہم وہاں غربا کو تکلیف میں دیکھتے ہیں تو فوراً ہی ہمارے دل ودماغ پر نقش ہونے لگتا ہے کہ جو لوگ افلاس کی حالت میں اپنے بال بچے اور وابستگان کو چھوڑکر حج کو آتے ہیں وہ نص کے خلاف چلنے کی وجہ سے خود کو ایک مصیبت وہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے مقدس اماکن میں بھی جاکر اخوت ومحبت کیخلاف دوسروں سے سلوک کرتے ہیں اور اس روحانی گناہ سے اپنے ضمیر کو آلودہ کرتے ہیں یا بعض لوگ اس قسم کی نکتہ چینیوں سے کام لیتے ہیں کہ گویا اُن کا حج صرف اسی غرض سے ہے کہ ارض مقدس میں اور اہل ارض مقدس کی ہر ایک بات پر عیب جینی اور خوردہ گیری کریں۔ یا بعض لوگ وقائع نگاری کی دُھن میں ارض پاک اور وہاں کے باشندوں کے بابت فرضی پہلو سے اس قسم کی رنگ آمیزی اور چرب بیانی کرتے ہیں اور ایسا خوفناک سماں دکھاتے ہیں کہ گویا دنیا بھر میں اگر کوئی خراب جگہ اور خراب لوگ اور خراب تمدن ہے تو اس خطہ کا ہے۔ ان واقعات اور انسانی طبائع کی سرکشی کو بہ نظر غائر دیکھنے سے ہم کو بدطینت اشخاص کے خبث جبلی اور کدورت فطری کا پتہ چلتا ہے کہ جہاں سلیم الطبع انسان اوصاف الٰہیہ کے ساتھہ متصف ہے وہاں بد باطن انسان میں شیطانی عادات بھی حلول کئے ہوتی ہیں۔ ارض مقدس اور دیگر اسلامی ممالک میں جاکر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام جہاں جہاں گیا اُس کی بدولت قومیں بدلکر مذہبی رنگ میں آگئیں۔ کوئی قوم نہ رہی۔ ارض مقدس میں سوا اسلام کے کوئی قوم نہیں تھا۔ ہر مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے مسلمان ہے چاہے کسی فرقہ سے ہو یعنی لوگ

کی حالت سے بھی ہمیں ارض مقدس اور دیگر اقطاع اسلامی میں ایک حیرت افزا اور خوش کن سماں دیکھنے کا موقعہ ملسکتا ہے۔ عورتیں پردہ میں رہتی ہیں لیکن گھروں میں مقید نہیں رہتیں وہ آزاد بھی ہیں اور پابند بھی انکی جرأت اور دلیری انکی آزادمنشی اور مکمل ستر پوشی اُن کا یکساں لباس۔ اُن کا احترام۔ اور خودداری۔ انکی غیرت اور شجاعت و بہادری دنیا کی عورتوں کے لیئے ایک سبق ہے۔ باوجود زیور نہ پہننے کے انکی آرائش اُن کا ستھرا پن اور انکا صحت افزا طریقۂ رہایش معمورۂ ہستی کی عورتوں کیلئے درس عبرت اور سبق نصیحت۔

اس قسم کی اور بیسیوں باتیں ایک مدبّر دماغ رکھنے والے کو ارض مقدس میں مل سکتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حج کے مجمل فوائد بیان کرنیکے لیئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حج سے بہتر اجتماعی زندگی کے لئے کوئی مسلک نہیں۔

(۱) دینی ثواب، گناہوں کی مغفرت، روح میں لطافت، اخلاق میں پاکیزگی اور خیالات میں عروج پیدا ہوتا ہے (۲) لسلسلۂ اخوت اسلامی ایک دوسرے سے ملکر تبادلۂ خیالات ہوتا ہے۔ (۳) ایک دوسرے کی حالت اور مذاق سے واقفیت ہوتی ہے (۴) مختلف تمدنوں اور خیالات کا توازن ہوتا ہے (۵) برائیوں اور اچھائیوں میں مقابلہ نظر آتا ہے (۶) اخوت اور مساوات کا سبق ملتا ہے (۷) دنیا اور اُس کے مختلف وسائل پر اطلاع ہوتی ہے (۸) ترقی اور تنزل کے اسباب پر غور کرنیکا موقعہ ملتا ہے (۹) علمی نظریات اور تاریخی ضروریات سے واقفیت ہوتی ہے (۱۰) رسوم حسنہ اور قبیحہ کا کھلا ہوا مقابلہ نظر کے سامنے آجاتا ہے (۱۱) اقتصادیات میں افزایش اور تجارتی امور میں ترقی کرنیکے وسائل سمجھ میں آتے ہیں (۱۲) اپنی اور دوسروں کی حالت کا مابہ الفرق اور مابہ الاشتراک سمجھ میں آتا ہے (۱۳) یہ سوچنے کا موقعہ ملتا ہے کہ اس قدر مجمع کن کن اغراض عظیمہ کے ماتحت ہوتا ہے اور کہاں تک عرصۂ عرفات میں اُن اغراض کا ایفا رعمل میں آتا ہے (۱۴) توحید الٰہی مجسم ہوکر نظروں کے سامنے پھر جاتی ہے (۱۵) مسلمان کا ایمان پختہ، روح بشاش، خیالات میں یکسوئی اضطراب باطنی میں سکون اور دلمیں طمانیت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ مناظر و اغراض وہ ہیں جو حج کا حقیقی نقطۂ خیال اور اصلی مطمح نظر ہیں۔ ثواب آخرت کے علاوہ حج کا تعلق امور تمدنی، امور اخلاقی، امور علمی اور امور مذہبی سے کیا کچھ اور کہاں تک ہے۔ جو شخص اس پر گہری نظر سے غور کریگا وہ فوراً کہدیگا کہ اس فریضہ میں ہماری ہر ضرورت اہم کا جو دنیا میں ہمیں بدقسمتیوں یا خوش قسمتیوں کے ماتحت پیش آنیوالی یا پیش آسکتی ہے۔ علاج اور مکمل علاج بتایا گیا ہے۔ جب ہمارے سامنے مختلف تمدنوں کا نمونہ پیش ہوتا ہے تو کیا اُس سے ہمیں یہ سوچنے کا موقعہ نہیں ملتا کہ اسلام نے ہمیں جو تمدن سکھایا تھا اُس میں کسقدر ترقی ہوئی ہے اور کسقدر تنزل اور ہمارے تمدنوں میں باوجود دعویٰ وحدت و مساوات کے کہاں اور

کس حد تک فرق و امتیاز ہے۔ کیا لباس احرام ہمیں یہ سبق نہیں دیتا کہ اسلام ہمیں ہر طرح اور
ہر پہلو سے ایک بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ غریب و امیر شاہ و فقیر سب خدا کے نزدیک برابر ہیں
کیا یہ درس مساوات نہیں کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امتیاز قومی امتیاز تمدنی امتیاز معاشرتی
یہانتک کہ امتیاز لباس بھی مساوات اسلامی کے سراسر مخالف بلکہ ضد ہے۔ زمانہ حج میں سب جاندار جیونٹی
واسطے حلت و حرمتِ اکل اور ممنوعات و مباحاتِ حج کا ایک ایسا ہونا، قصور پر قربانی کا کرنا اور
بعض قصوروں پر غلاموں کو آزاد کرنا کیا ہمیں اسکی تعلیم نہیں دیتا کہ ظاہر و باطن اعزاز و امتیاز
نشست و برخاست، اکل و شرب، طور طریق، گفتار و اطوار یہانتک کہ دنیا کے تمام اصول معاشرت
اور قواعد حیات میں امراء و فقراء کو مساوی ہونا چاہیئے اور دنیوی امتیاز و وجاہت کی بیخکنی کر دیجائے
آخر اسکی کیا وجہ ہے کہ شاہ و گدا سب کا لباس ایک سا ہوتا ہے سبھوں کے بال دراز، ناخن بغیر ترشے
ہوئے۔ احرامی چادر بلاسی ہوئی سب کے زیب تن اور پھر سب کی ایک دُھن رضاء مولیٰ کی طلب
یہ کیا امور ہیں اور کیوں ہیں۔ سچ یہ ہے کہ دنیا کے قصر رفعت و تکبر میں اصولِ حج کی کاری ضرب سے
زلزلہ پڑ جاتا ہے۔ حج میں جا کر با جبروت بادشاہ، دولتمند اور عیاش امیر، صاحب سطوت حکام
نان شبینہ کو محتاج رہنے والے فقیر اور خانہ بدوش فاقہ پرست مسکین ایک سے ہو جاتے ہیں حسینوں
کا غرور حسن اور رعنائی، جباروں کی ظلم پسندی اور سفاکی فلاسفروں اور حکیموں کی دماغی خود پرستی
اور خود آرائی، مکہ پہونچکر سب خاک میں مل جاتی ہے۔ کیا عرصۂ منیٰ میں ہر مسلمانکا احرام باندھے پھرنا
اُٹھنا بیٹھنا ہمیں یہ نہیں سکھاتا کہ ہم سب کے سب ایک ہی خدا کے ماننے والے اور ایک ہی نبیؐ کی اُمت
ہیں۔ ہمارا مذہب ایک ہے۔ ہمارا مسجود ایک ہے۔ ہمارا قبلہ ایک ہے ہمارا طریق رہائش وضع قطع اور
لباس ایک ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن اور معاند ہوں۔ کیوں دوسرے پر شرافت
نسبی، اعزاز دنیوی اور قابلیت دماغی کی بدولت اپنی بزرگی و برتری کے خواہاں ہوں۔ کیا وجہ کہ
اپنے اندر ہم اُس نفاق اور دشمنی کی تخمریزی کریں جس نے گذشتہ اقوام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا
اور جس کی وجہ سے موجودہ ذلیل اقوام ذلت کے گڑھے میں اور زیادہ دھنستی چلی جاتی ہیں
اِنَّ فِی ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔

حج ہماری نظروں کے سامنے کیا مناظر پیش کرتا ہے؟

منظر اول مذہبی دنیا کا شروع کہاں سے ہوا اور کہاں پر جا کر اختتام ہوا۔ یروشلم سے انبیاء
علیہم السلام کو اپنے وطن میں کیا کچھ سہولتیں اور نعمتیں حاصل تھیں اور عربی نبیؐ کی نبوت کن کن مشکلات

اور صعوبتوں میں سے ہو کر معرض ظہور میں آئی ہے۔ یروشلم یا فلسطین کے نبی انگوروں اور انجیر کی سرزمین میں پرورش پا کر دعویٰ نبوت کرتے ہیں اور عرب کا نبی محض پتھروں اور ریگستانوں میں رہ کر اعلان توحید کرتا ہے اور اُن کڑی مشکلات میں پڑتا ہے جو یروشلم کے نبیوں میں سے کسی کے حصہ میں نہیں آئیں۔ بیشک حضرت مسیح کو مصیبتیں پیش آئیں اور اہل یہود کی بے اعتنائیوں نے انہیں مخمصہ میں ڈالا۔ مگر عربی رسولؐ کی مصیبتوں کا کچھ اور ہی رنگ ہے۔ مسیح کی برداشت کا پیمانہ جس حد تک تھا رسول عربیؐ کی برداشت اور مقابلہ اُس سے بڑھ کر تھا۔ حضرت مسیح صرف اپنے وقت کے محترم اور مسکین رسولؑ تھے لیکن رسول عربی مصلح اور ریفارمر بھی تھے۔ حضرت مسیح صوفیانہ رنگ میں آئے تھے۔ ہمارے رسول کریم جلال و جمال دونوں رکھتے تھے۔ حضرت مسیح نے اُن لوگوں میں کام کیا جو موسیٰؑ کے پرورده اور آموختہ تھے۔ رسولؐ عربی نے اُن فرقوں میں تبلیغ کی جو بالکل وحشی اور بیرون از حدود انسانیت تھے۔ مسیح کوئی قانون اور کوئی شریعت نہیں لائے تھے۔ ہمارے رسولؐ یہ دونوں چیزیں لائے۔ مسیح صرف واعظ تھے اور ہمارے رسولؐ قائد منتظم اور فاتح بھی تھے۔ حضرت مسیح کی بادشاہت آسمانی تذکرات پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن عربی رسولؐ کی سلطنت زمین سے شروع ہو کر آسمان تک جاتی ہے۔ حضرت مسیح نے تمدن خود حفاظتی خود ضبطی عمل فعل اور مساوات کو اُڑا ہی دیا۔ رسولؐ عربی نے ان کی زور سے بنیاد رکھی۔ حضرت مسیح کے مواعظ سے توحید موسوی کی تجدید نہ ہوئی۔ رسولؐ عربی نے از سر نو توحید کا زور سے اعلان کیا اور ایک ایسی زبردست قوم کی بنیاد رکھی جو دنیا بھر میں توحید کا اعلان کرنے میں شہرت رکھتی ہے۔ حضرت مسیح نے صرف اعتقادات یا خیالات پر نجات کا مدار رکھا اور رسول عربیؐ نے فطرتی مذہب پیش کیا اور اُس پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی۔

منظر دوم اُس مساوات اور اُس اخوت کا رنگ دسماں دیکھنے کے قابل ہے جو اس سفر میں قدم قدم پر دیکھنے میں آتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس ذلت و خواری کا سماں بھی قابل دید ہے جو بعض ہماری ہی اپنی غلطیوں کی وجہ سے نشوونما پاتی دکھائی دیتی ہے۔ دراصل حج کا فریضہ اور حج کا مقام دوسرے الفاظ میں ایک تعلیم گاہ اور ایک عملی مدرسہ ہے۔ ہر ایک قسم کی ضرورت کا اس سفر میں حل ہو جاتا ہے اور ہر ایک راز کھل سکتا ہے۔ دیکھو جب مدینہ شریف سے مختلف رنگ و روپ والے لوگوں اور مختلف بولیاں بولنے والے انسانوں کا مجمع شغدفوں میں بیٹھ کر چلتا ہے اور مغرب کے وقت نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اُس وقت سوچنے والے دل و دماغ

پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح جب حرم شریف اور عرفات میں ہر گروہ نہایت خاموشی اور سکون سے آتا ہے تو اُس سے کن کن اغراض پر روشنی پڑتی ہے۔ کعبہ شریف بظاہر ایک پتھریلے کوٹھے سے کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن اُس کی ہیبت و وقار کچھ وہی دل محسوس کرسکتے ہیں جو یہ سوچنے کی تکلیف کریں کہ دنیا میں انسان اول کی بنیاد نہاد تعمیر یہی ہے اور ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کردہ یہی بنا رہ ہے ذکی الحس دلوں کو معلوم ہوتا ہے کہ پارینہ کوٹھے کے آس پاس چکر لگانے کی کیا وجہ ہے۔

صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا سب سے زیادہ صابر بی بی یعنی حضرت ہاجرہ رضؓ کے اُس فعل کی یاد دہانی کرتا ہے جو حضرت اسمٰعیلؑ کے لئے پانی تلاش کرنیکے وقت اُن سے ظاہر ہوا تھا۔ غرض اس منظر کے دیکھنے سے جذبات میں ایک خاص ہیجان اور فطرت پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔

منظر سوم | یہ بات بھی قابل دید ہے کہ عرب خصوصاً حجازیوں کی زندگی اُنکی روش، اور اُن کا چال چلن کس حد تک صاف ہے۔ تباہ کن نکتہ چینیوں اور فریب دہ خود غرضیوں سے اُنکا دامن کس قدر پاک ہے۔ فضول مذہبی تصرفات اور بیہودہ شرعی نکتہ چینیوں سے وہ کتنے آزاد و بری ہیں۔ مساوات و حریت کا ولولہ اُن کی طبائع میں کتنی اچھی مقدار میں پایا جاتا ہے ذاتی فخر و ذلت کے جھگڑے اُن کے اندر کس قدر کم ہیں۔ معاہدات اور مواعید میں اُن کے درمیان کتنے کم تنازعات ہوتے ہیں۔ خود غرضانہ مقدمات کی تعداد کیسی کم ہے۔ خور و نوش اور پوشش میں کیا اچھی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ باہمی اعتبار میں وہ کتنے بلند اور اعلیٰ پایہ پر پہونچے ہوئے ہیں۔ سودا اور تجارتمیں ایک دوسرے کے قول پر کتنا کافی اعتماد کیا جاتا ہے۔ اگر ایک طرف اُنکی زندگی آزاد ہے تو دوسری طرف واجبی پابندیاں بھی رکھتی ہے۔ لڑائی کے بعد ہر دو فریق کا دل کیسا صاف ہو جاتا ہے۔ تمدن کی ظاہری شکلوں میں بھی اُن کی روش اور اُنکی حالت کیسی سادہ ہے۔ اُنکی عورتوں میں باوجود باہر چلنے پھرنیکے عفت عصمت خوش کن حمیت غیرت جرأت سلیقہ اور خود حفاظتی کس اعلیٰ حد تک پائی جاتی ہے۔ جو مروت و اخوت ارض مقدس اور اُس کے اقطاع ملحقہ میں پائی جاتی ہے وہ اُن ممالک میں کافور ہے جو تہذیب اخلاق اور تعلیم مساوات کے ٹھیکیدار ہیں۔ جو مہمان نوازی اور خاطر تواضع یہاں ہے وہ دنیا کے کسی حصہ میں نہیں۔ بہر حال حج کے موقعہ پر عرب کے اسلامی عادات و اطوار اور فطری اخلاق دیکھنے سے ہر حاجی کے دل میں بشرطیکہ اُس کی فطرت سلیم ہے ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے جو اُسکی طبیعت کو اسلامی اخلاق اور سنت نبویؐ کا پابند کرانے پر مجبور کرتا ہے۔

منظر چہارم | سب سے بڑھکر یہ دیکھنا ہے کہ کیا دنیا بھر میں حج کے مقابلہ میں کوئی اور بھی

مجمع ہے۔ میرا ہی نہیں بلکہ بہت سے مبصروں کا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا بھر میں حج ایسا مجمع نہ تو ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس مجمع میں جو کشش جو جذب جو وحدت جو مساوات جو وابستگیاں جو یکسوئی اور جو حکمت ہے وہ کسی دوسرے مجمع میں نہیں ہے۔ یہ بات اُسی وقت سمجھ میں آتی ہے جب کوئی حج مقدس میں شامل ہو کر موازنہ کرے اور موازنہ کرنے کے بعد ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ جس قدر اس مقدس مجمع کو وسعت مقدرت جامعیت اور وحدت حاصل ہے وہ دنیا کے کسی مجمع کو نہ اب تک حاصل ہوئی نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہو سکتی ہے۔

حج کا حکم کن لوگوں کو ہے؟

حج کرنا کن لوگوں پر فرض ہے اور حج کی فرضیت کے کیا کیا شرائط ہیں؟ اس کا مفصل ذکر تو آئندہ آئیگا۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ صاحبان استطاعت اور مقدرت والے مالدار طبقہ کو حج کرنے کا قرآن و حدیث میں حکم دیا گیا ہے۔ غربار اور نادار انسان اس حکم سے مستثنیٰ ہی نہیں بلکہ بعض اوقات ان کو حج کرنیکی ممانعت ہے لیکن اس میں کیا حکمت اور مصلحت مضمر ہے اُمرا اور دولتمندوں کو حج کرنا کیوں ضروری ہے اور بعض غربار کو خصوصاً اور عام فقرار کو عموماً کیوں حج کرنیکی ممانعت ہے۔ اس کے سمجھنے کیلئے ذیل کی تقریر پڑھنی چاہیئے۔

قرآنی اشارات اور نبوی تشریحات سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ حج ایسے بڑے مجمع کی غرض صرف ادائے رسم یا اُمید ثواب ہی نہیں ہے بلکہ اور بھی کچھ ہے۔ سب سے بڑی غرض تبادلۂ خیالات اور اظہار اخوت ہے اور غریبوں کو یہ بات حج میں میسر آنا دشوار ہے۔ اگر اسلامی جماعت کے متمول اور مقتدر لوگ اس سفر کی تکلیف گوارا کیا کریں تو چونکہ یہ لوگ عموماً روشن دماغ ہوتے ہیں اس لئے ان کی روشن دماغی کی وجہ سے بہت کچھ منافع حاصل ہونیکی اُمید ہے۔ دہاں کے مقتدر اور چیدہ لوگوں سے ملنے جلنے کے بعد بہت کچھ مبادلۂ خیالات کی اُمید کی جاسکتی ہے کیونکہ یہی لوگ ایک دوسرے کے تاثرات اور جذبات سے آشنا ہو کر کسی بُرے بھلے نتیجے پر پہونچنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ مفلس طبقہ اگر اپنی نیت کیوجہ سے بہت کچھ ثواب کما لاتا ہے اور روحانی رنگ میں اسے بہت کچھ قابل رشک امتیاز بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس مجمع کبیر کے ساتھ دیگر خوبیاں اور برکات جس قدر مضمر ہیں اُنکا حاصل ہونا مذاق قابلیت اور وقت چاہتا ہے اگر سمجھدار اور مقتدر لوگ حج کو جائیں تو رفتہ رفتہ مبادلۂ خیالات کے بعد بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ سب سے بڑھکر یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اسلامی دنیا میں علمی روشنی یا علمی حیات کا نمبر کہاں تک پہنچا ہے اور اُسے سابقہ نمبروں سے کیا کچھ نسبت ہے اور اس مظہر تجلیات الٰہی میں تحصیل

علم کا ولولہ اور کرم جوشی کس حد تک ہے جہاں سے ابتدا دور میں علمی شعاعیں نکلکر دنیا کیلئے ضیا بخشی کا سبب بنی تھیں اور جہاں سے یہ پاک صدا نکلکر اطراف عالم میں گونجی تھی کہ طلب العلم فریضۃ علے کل مسلم و مسلمۃ اس قسم کی اور باتیں بھی غور وخوض کے قابل ہیں اور یہ کام عوام کا نہیں بلکہ خواص کا ہے۔ ضرورت خواص ہر پہلو سے ظاہر ہے یہ ظاہر ہے کہ اس سفر میں تکلیف بھی ہے اور خرچ بھی۔ سفر کی عادت نہ ہونیکی وجہ سے دل بھی اکتا ہے لیکن اسکے ساتھ ساتھ جو منافع اور فوائد حاصل ہونیکی امید ہے وہ تکلیف و خرچ سے کہیں زیادہ ہیں پھر دولتمندوں کے مال سے فقراء کو فائدہ پہونچنا اور اخوت اسلامیہ کا مظاہرہ ہونا بھی ظاہر ہے۔ غرباء تو خود ہی دوسروں کی گردنوں کا بار ہوتے ہیں وہ کسی کے ساتھ کیا سلوک کر سکتے ہیں ہاں مالداروں کے مال میں فقراء کا حق یقینی ہے اور یہ حق جہاں صدقات و زکواۃ کی شکل میں وصول ہوتا ہے وہاں حج کی صورت میں بھی بیچارے غریبوں کو ملجاتا ہے اور حج چونکہ فقط عبادت بدنی ہی نہیں ہے بلکہ عبادت مالی بھی ہے اس لئے دولتمند لوگ جسطرح بدنی تکلیف اور جسمانی مصائب برداشت کرنیکے بعد غرباء کی مشقتیں کو صحیح طور پر محسوس کر سکتے ہیں اسیطرح فاقہ مست مسکین انسانوں کو بھی چند روز تک پیٹ بھر کر روٹی نصیب ہو جاتی ہے۔ گویا امراء پر حج فرض کرنیکی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے اخوت اسلامی اور مساوات انسانی کا ظہور ہوتا ہے۔

حج مبرور کے معنی

حضور اکرم صلعم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے محض خدا کیواسطے حج کیا اور (دوران حج میں) کوئی فحش اور بدکاری نہ کی تو وہ (حج سے) ایسا پاک ہو کر واپس آئیگا جسطرح پیدائش کے دن تھا۔ (رواہ فی المصابیح باسناد ابی ہریرہ صحیح) یعنی جس شخص نے حج کیا اور دوران حج میں تمام قولی اور فعلی گناہوں سے بچا رہا تو اسکے تمام صغیرہ گناہ معاف ہو جائینگے اور اگر حاجی بدکاری اور فحش پرستی سے اثناء حج میں اجتناب رکھے تو حج گناہوں سے ایسا پاک کر دیتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہو۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جس نے تمام لوازم حج ادا کئے اور تمام مسلمان اسکے ہاتھ و زبان سے محفوظ رہے تو اسکے سب اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے تمام اصول خطا اور گناہ کے کفارہ ہیں یہی وجہ ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ پنجگانہ نماز جمعہ کی نماز رمضان کے روزے اور فرضی زکواۃ گناہوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینکدیتے ہیں اسی طرح چونکہ حج بھی ایک رکن اسلامی ہے اسلئے اسمیں بھی اگر کسی گناہ کی آمیزش نہو تو یہ انسان کو پاک صاف کر دیتا ہے اور انسانی روح پر حج خالص کرنیکے بعد گناہوں کی کوئی کدورت

رہنے نہیں پاتی۔ مسلم و بخاری میں صاف طور پر مذکور ہے کہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمادیا ہے کہ حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔ رہی یہ بات کہ حج مبرور سے کس قسم کے اور کون کون سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اس مسئلہ میں علمار کا اختلاف ہے بعض علمار کا قول ہے کہ حج سے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ لیکن حدیث کے مذکورہ الفاظ کے یہ قول بالکل خلاف ہے کیونکہ پیدائش کے دن انسان تمام صغائر و کبائر سے پاک ہوتا ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ حج سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوں اور کبیرہ معاف نہوں بلکہ صحیح یہ ہے کہ حج مبرور سے تمام حقوق اللہ اور خدا کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ ہاں جو جو مظالم حق تلفیاں خیانتیں چوریاں اور بدکاریاں انسان دیگر بنی نوع کے ہضم حقوق کے لیئے کرتا ہے وہ حج سے بھی معاف نہیں ہوتیں۔ بعض علمار نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حج سے صغیرہ گناہ تو معاف ہو ہی جاتے ہیں اور اُن فرائض کی تاخیر ادا کا جرم بھی معاف ہوجاتا ہے۔ جن کا کرنا فی الفور واجب تھا۔ مثلاً نماز فرض ہے۔ اور کسی نے دس بیس یا دو چار نمازیں نہ پڑھیں تو حج سے یہ نمازیں تو معاف نہ ہونگی بلکہ چند روز تک جو ان نمازوں کے ادا کرنے میں تاخیر کی وہ معاف ہوجائگی اور حج کے بعد بھی اگر اُس نے یہ نمازیں ادا نہ کیں تو اگناہ کبیرہ کا مرتکب سمجھا جائیگا۔ بہرحال حج مبرور وہ ہے جو محض خدا کے واسطے ہو کسی گناہ کا اسمیں لگاؤ نہو اور نہ کسی ریاکاری اور دکھاوٹ کی آمیزش ہو۔ اسی بنار پر بعض علماء سلف نے حج مبرور کی حج مقبول کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حج مبرور ہو یا مقبول دونوں کا حاصل یہ ہے کہ حج میں انسان ہر بدکاری فحش پرستی فسق و فجور ریاکاری اور ہر قسم کے گناہ سے اگر اجتناب رکھیگا تو حج واقعی حج ہوگا اور اس قابل ہوگا کہ بارگاہ الہی میں مقبول ہو۔ اور اگر نفسانی اغراض کو ذرہ برابر بھی اسمیں دخل ہوگا تو یہ حج نہ اسلامی حج ہوگا اور نہ اس قابل ہوگا کہ بارگاہ رب العزت میں قبولیت کا درجہ حاصل کرسکے بلکہ اس کو حج مردود کہنا بیجا نہیں ہے۔

حج مبرور کی علامت

حج کے مبرور یا مقبول ہونے کی خصوصی علامت یہ ہے کہ انسان جتنے بُرے کام کیا کرتا تھا۔ سب چھوڑ دے۔ گناہ کرنے سے اسکا دل بیزار ہوجائے۔ خواہشات نفسانیہ کا تابع نہ رہے اصلاح نفس میں سعی کرتا ہے اور عبادت الہی میں اُس کو ذوق آنے لگے۔ حج کے بعد اُس میں نیکیاں زیادہ ہوجائیں اور گناہ کی طرف ادنیٰ التفات بھی نہ کرے اور تمام نافرمانیوں اور سرکشیوں کو چھوڑ کر خالص مخلص دل سے رضائے الہی کی جستجو میں سرگرم ہوجائے۔ کیونکہ جو شخص حجر اسود کو ہاتھ لگاتا ہے

وہ اللہ تعالےٰ سے اس بات پر بعیت کرتا ہے کہ اُس کی نافرمانی سے بچیگا اور اُس کے تمام حقوق ادا کریگا۔ لہذا حج کے بعد گناہ کرنا خدا تعالےٰ کی عہد شکنی اور فسخ بعیت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حجر اسود زمین پر اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھہ ہے۔ جس نے اُس کو ہاتھہ لگایا اور مصافحہ کیا اُس نے اللہ سے مصافحہ کیا۔ اور جس نے اُسکو بوسہ دیا اس نے اللہ کے ہاتھہ کو چوما۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حجر اسود زمین پر اللہ کا داہنا ہاتھہ ہے۔ جس کو رسول اللہ صلعم کی بعیت نصیب نہ ہوئی اور اُس نے اس رکن کو چھو لیا تو اُس نے درحقیقت اللہ اور رسولؐ سے بعیت کر لی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کی پشت سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُن سے عہد لیا تو اس عہد کو پوست آہو پر لکھکر حجر اسود میں امانت رکھدیا۔ یہ الفاظ اگرچہ کنایۃً بیان کئے گئے ہیں لیکن اِن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص حج کرتا ہے اور حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے تو گویا از سرِ نو بعیت کرتا ہے اور اُس عہد قدیم کی تجدید کرتا ہے اور اس بات کی ذمہ داری ظاہر کرتا ہے کہ میں میثاق پارینہ اور عہد ازلی سے کبھی روگرداں نہ ہونگا۔ لہذا حاجی کو چاہیئے کہ جب حجر اسود کے پاس سے جدا ہو تو ہمیشہ اُس عہد کا لحاظ رکھے جو سنگ اسود کو بوسہ دیتے وقت لیا تھا۔ یہ کس قدر بری بات ہے کہ بنا اسلامی کو مکمل کرنیکے بعد پھر گناہوں کے پھاوڑے اور خطاؤں کے کدال سے اُسکو ڈھا دیا جائے۔ کون شخص نہیں جانتا کہ کسی عبادت کے مقبول ہونیکی یہ علامت ہی کہ اُس کے بعد گناہوں سے بیزار ہو جائے اور مزید عبادت کرتا جائے۔ اسی وجہ سے علماء سلف کا قول ہے کہ توبہ کے بعد گناہ کرنا قبل از توبہ سترؐ گناہوں سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ بیماری کا دوبارہ لوٹ آنا پہلے مرض سے سخت ہوتا ہے۔

حاجی سے مُصافحہ کرنے اور دُعا کرانے کا بیان

مذکورہ بالا تقریر سے واضح ہوتا ہے کہ حاجی کا حج اگر مبرور ہو تو گناہوں سے بے لوث اور پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ اس کے سب گناہ معاف کردئے جاتے ہیں اور اُس کی دعا بارگاہ مجیب الدعوات میں قبول ہوتی ہے۔ اسی واسطے اس سے ملنا السلام علیک کرنا اور مغفرت کی دعا کرانی مستحب ہے۔ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم کسی حاجی سے ملو تو اُس کو سلام کرو اور اُس سے مصافحہ کرکے کہو کہ وہ مکان میں داخل ہونے سے قبل تمہارے لئے دعاءِ مغفرت کرے کیونکہ جس کے لئے وہ دعا مانگے گا اُس کو بخشا ہوا سمجھو۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ جب حاجی روانہ ہوں تو انکو رخصت کرنیکو جاؤ اور دعاء خیر کا توشہ اُن کے ساتھہ کردو۔ اور جب وہ حج کر چکیں تو قبل اس کے کہ

وہ گناہوں میں پڑیں اُن سے مل کر مصافحہ کرو کیونکہ اُن کے ہاتھوں میں برکت ہے لیکن ایسے بہت کم ہیں جن کا حج مبرور ہوتا ہے۔

حج کی بدعتیں

(۱) حاجیوں میں بدعتیں اور برائیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ سب سے بڑا فتنہ سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑھکر کثیر الوقوع بلا یہ ہے کہ حاجی نماز ترک کر دیتے ہیں یا کم از کم اہتمام و تکمیل حج کے لئے نماز کو مؤخر کر کے اور وقت سے ٹالکر پڑھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالاجماع حرام ہے۔ اگر کوئی جانتا ہو کہ حج کو جائیگا تو اس کی ایک وقت کی نماز فوت ہو جائیگی تو اُس پر حج حرام ہے کیونکہ ایک نماز چھوڑنے کا کفارہ ستر حج سے کم نہیں۔ یہ کونسی عقل کی بات ہے۔ کہ ایک پیسہ کیلئے ہزار روپے برباد کر دئے جائیں۔ ہر حاجی پر لازم ہے کہ حتی الامکان نماز باجماعت ادا کرے اور ممکن نہ ہو تو تنہا ہی پڑھ لے۔ نماز کسی وقت ترک نہ کرے اور نہ ادا میں تاخیر کرے۔

(۲) مکہ و مدینہ میں داخل ہوتے وقت اونٹوں کو سونے چاندی وغیرہ کے ہار پہنانا یا ریشمی جھولوں سے آراستہ کرنا یہ سب حرام ہے اور اس گناہ کے مرتکب صرف حاجی ہی نہیں بلکہ وہ لوگ بھی اس میں شریک ہیں جو اس قسم کے تماشے دیکھنے جاتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔

(۳) مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جاکر بایام حج یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ اسلام یا شریعت اسلام اور قرآن و احادیث و عمل اسلاف نے جن شرائط سے عمل حج کو مشروط کیا ہے اُن کا بہت ہی کم لحاظ کیا جاتا ہے۔ یہ کہانتک جائز ہے کہ حاجیوں کا اکثر حصہ محض رسم کے تابع یہ قصد کرتا ہے اور بہت سے لوگ محض اس واسطے حج کرتے ہیں کہ واپسی پر انھیں حاجی کے خطاب یا لقب سے یاد کیا جائے اور اُنکی زندگی کے واسطے یہ خطاب یا لقب بھی ایک چمکتا ہوا احترام یا امتیاز ہو۔

(۴) بعض ایسے نادار مفلس جن کے پاس خرچ راہ نہیں ہوتا اور جن پر کسیطرح حج فرض نہیں ہے بغیر کسی مالی استطاعت کے حاجیوں کے ساتھ چل کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم متوکل ہیں ایسے لوگ دوسروں کی گردن کا بار بنجاتے ہیں۔ اس بیکار طبقہ کو بھیک مانگ کر اپنا پیٹ بھرنے سے فرصت ہی نہیں ملتی۔ حالانکہ مانگنے کی حرمت اور ذلت کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے یہ بیوقوف انسان حج غیر واجب کیلئے امر حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بلکہ پیٹ بھرنے اور نان شبینہ حاصل کرنے کیلئے اکثر نماز بھی ترک کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو چیز اُن کے کمال اور فائدہ کا ذریعہ تھی وہی اُنکی نقصان اور خسارہ کا سبب بنجاتی ہے ان کو نہیں معلوم کہ خدا تعالیٰ نے اپنے اوپر اور اپنے بندوں

کے کیا کیا حقوق مقرر کئے ہیں۔ اُن کو اس کا بھی علم نہیں کہ حج کرنے کیلئے استطاعت شرط اہم ہے اور استطاعت اتنی مالی قدرت چاہتی ہے کہ آدمی کی ضروری حاجتوں اور آنے جانیکی ضروریات کے لائق اُس کے پاس خرچ ہو۔ ان نادار انسانوں کے پاس چونکہ کھانے پینے اور سواری کا کرایہ دینے کے لائق روپیہ نہیں ہوتا بالکل محتاج مطلق بلازادوراحلہ کے حج کے ارادے سے چل کھڑے ہوتے ہیں اس لئے اکثر کھانے پینے اور سواری کے نہ ملنے کی تکلیف سے راستہ ہی میں ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اور گناہگار مرتے ہیں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے ایسی حالت میں سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جو شخص بغیر کافی خرچ کے حج کیلئے چل کھڑا ہو اور چلتے وقت یہ ارادہ کرے کہ خدا تعالیٰ کسی نہ کسی طرح پہنچا ہی دیگا اور جس چیز کی ضرورت ہوگی کوئی نہ کوئی خداترس آدمی دے ہی دیگا۔ ایسا شخص سخت گناہگار ہے۔ اس امر کی شکایت کے متعلق ہندی حاجیوں کی حالت میں بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہندی حجروں ہندی اقامت گاہوں اور ہندی مکانوں میں جاکر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصدی کتنے حاجی کھاتے پیتے اور مرفہ الحال ہیں۔ عموماً ہندی حاجی بھیک مانگتے اور مریض و ناچار دکھائی دیں گے۔ ہاں بعض ایسے بھی نکلیں گے کہ جیبوں میں تو چند پونڈ رکھتے ہونگے مگر اُن کی شکل اور ان کا دست سوال یہ یقین دلائے بغیر نہیں رہیگا کہ وہ نسلی فقیر یا نسلی محتاج ہیں یا اُن کی سوسائٹی میں اکثر حصہ محتاجوں کا ہے۔ کتنے بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض حاجی اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ کونسلر جدّہ کے پاس جمع کر جاتے ہیں اور خود بھیک مانگ مانگ کر گذارا کرتے ہیں۔ بعض گھر سے چلنے کے وقت یہ نہیں خیال کرتے کہ اُنکی غیر حاضری میں انکے عیال و اطفال کیونکر گذارا کرینگے۔ دوسری طرف جب سفر میں اُنکی یاد خلجان افزا ہوتی ہے تو گھبراہٹ میں پڑکر آسائش سفر سے محروم رہ کر بےچینی سے گذارنی پڑتی ہے چشم پوشی ایک اور چیز ہے لیکن دوربینی یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے۔ کہ ہندوستان کے اکثر حاجی محض حاجی بننے کے شوق میں خود تکالیف میں پڑتے اور دوسروں کو تکالیف میں ڈالتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسے لوگوں کو بھی اس تکلیف برداشت کرنے کا کچھ ثواب ہوگا کیونکہ میرے ہاتھ میں ایسا روحانی حساب نہیں لیکن ثواب کے مقابل میں جو کچھ ذلت اور درگت دیکھی جاتی ہے وہ بہت ہی زیادہ ہے۔ عموماً ہندوستان سے حج کیواسطے غریب غربا ہی جاتے ہیں باثروت لوگوں کو اس طرف بہت کم توجہ ہے یا تو اس وجہ سے کہ متمول طبقہ حج کی حقیقت اور ضرورت سے ناواقف ہے اور یا مذہب میں جو ثواب دکھایا گیا ہے اس پر انکا اعتقاد نہیں اور یا دنیا کے دھندوں سے انہیں فرصت نہیں ملتی۔ بہرحال ہمارے امیروں اور مرفہ الحال

لوگوں نے حج کا سارا بوجھ غربا رہی پر ڈال رکھا ہے۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ خواص کو فریضۂ حج کی ضرورت اور علت سے واقف نہیں۔ ورنہ انہیں اس مقدس فرض کی طرف سے بے اعتنائی نہ ہوتی۔ غربا رکو اپنی اپنی نیت کے مطابق ثواب اور اجر تو مل ہی جاتا ہوگا۔ جس کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے۔ لیکن چونکہ یہ لوگ اس گروہ میں شامل ہوتے ہیں جو اس قدر دور دراز اور کٹھن سفر میں جاکر سوائے رسمی حج کرنے کے اور کوئی شغل نہیں رکھ سکتا اور نہ اس گروہ کو ایسی قدرت اور ایسا مذاق ہوتا ہے اس واسطے حج جیسے مقدس اور پراز حکمت سفر کے بہت مفید نتائج معرض التوا میں رہتے ہیں۔ عام لوگ اس سفر میں نہ تو عرب کے باشندوں سے اور نہ دوسرے ملک والوں سے ملتے ہیں اور نہ انہیں تمدنی و اخلاقی رنگ میں انہیں تبادلۂ خیالات کا موقع ملتا ہے۔ جیسے جاتے ہیں ویسے ہی غریب آتے ہیں اس کمی کی وجہ سے بعض دفعہ بہت سے حاجی یاس انگیز خیالات واپس لیکر آتے ہیں یہ تھوڑی کمی نہیں ہے۔ سفر حج کی غرض صرف ثواب کمانا ہی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ فوائد تمدنی اور اخلاقی وغیرہ سے دامن سیاحت بھرا جائے۔

(۵) بعض لوگوں کو حج سے عبادت الٰہی فرمانبرداری رسول اور اخوت دینی کا مظاہرہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ ان کا مقصود دل کے ارمان پورے کرنا ہوتا ہے۔ دور دور کے عجیب غریب مقامات اور مکہ و مدینہ کی سیر مختلف مجمعوں کی تفریح اور مختلف انسانوں کے میلہ کا تماشا ان کا اصل نقطۂ خیال ہوتا ہے۔ یہ چیزیں گو کسی حد تک بری نہ ہوں لیکن ان کو اصل مطمح نظر بنا لینا سراسر غلطی ہے حج کے اصلی اغراض تو وہ ہیں جن کو ہم مفصل بیان کر چکے ہیں صرف سیر تماشہ اور تفریح مقصود حج نہیں ہے۔

(۶) یہ بھی کس قدر بیرحمی اور قساوت قلبی ہے کہ بعض لوگوں کے رفیق اثنائے سفر میں اگر کہیں مرجاتے ہیں تو ان بیچاروں کو یہ لوگ کبھی کبھی نہ غسل دیتے ہیں نہ کفن نہ گور نہ دفن ویسے ہی لاش بے گور و کفن چھوڑ کر تمام مال و اسباب سمیٹ کر آگے چل دیتے ہیں۔ لاش کو یا تو صحرائی درندے کھا جاتے ہیں یا یونہی دھوپ میں پڑی سڑتی رہتی ہیں۔ یہ بھی ایک اہم اور زبردست گناہ ہے۔ پرایا مال لینے کا گناہ اور پھر مسلمان کی لاش کو یوں بے گور و کفن چھوڑنے کا گناہ۔

(۷) بعض حاجی راستہ میں دوسرے حاجیوں کا مال چراتے ہیں اور اسکو کھانے پینے اور دیگر مصارف میں صرف کرتے ہیں حالانکہ ایسا حج اگرچہ ادائے فرضیت کے لیے کافی ہو جائے لیکن مبرور و مقبول نہیں ہو سکتا۔ اس طولانی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص حج مبرور کرنا چاہے اُس کو لازم ہے کہ حج کو مع تمام فرائض واجبات اور سنتوں کے ادا کرے۔ حالت احرام میں تمام ممنوعات سے

بچتا رہے۔ حج کے شرائط کے بغیر ارادہ حج نہ کرے۔ حج کرنے سے قبل تمام لوگوں کے حقوق ادا کرے اور تمام گناہوں سے توبہ کرکے خالص مخلص دل سے خدائے قدوس کی طرف دل سے توجہ کرکے حج کا ارادہ کرے ایسا حج مقبول اور مبرور ہوتا ہے۔

حج کے شرائط وجوب

حج کے واجب ہونیکی چھ شرطیں ہیں (۱) جوان ہونا یعنی بچہ نہ ہونا۔ بچہ پر حج فرض نہیں ہے (۲) عاقل ہونا دیوانہ پر حج فرض نہیں ہے (۳) آزاد ہونا غلام کے لیے حج کرنا ضروری نہیں (۴) بدنی تندرستی اور جسمانی صحت ہونا۔ لنگڑے لولے اپاہج اندھے اور بیمار پر حج فرض نہیں ہے (۵) راستہ میں امن ہونا (۶) استطاعت ہونا یعنی اتنی مالی قدرت ہونا کہ راستہ کی آمد و رفت اور زمانہ حج میں مکہ میں قیام بسہولت ہوجائے۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ پسماندگان کے خورد و نوش کا انتظام بھی کردیا جائے۔ تاکہ حاجی کی غیر حاضری میں اس کے متعلقین کو تکلیف نہ ہو۔ راستہ میں امن ہونیکے یہ معنی ہیں کہ کوئی دشمن یا صحرائی درندہ جان و مال سے تعرض کرنیوالا نہ ہو۔ اگر یہ خیال یقینی ہو کہ راستہ میں لوٹنے والا دشمن اور قطاع الطریق لٹیرے موجود ہیں اور مسافروں کو بغیر لوٹے نہیں چھوڑتے یا چھوڑ بھی دیتے ہیں تو کچھ مال رشوت میں لیکر چھوڑتے ہیں تو حج کو جانا ضروری نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر رازی اور اکثر متاخرین کا یہی فتویٰ ہے۔ حضرت ابو اللیث فقیہؒ کہتے ہیں کہ اگر راستہ میں امن کا گمان غالب ہے تو حج فرض ہے اور اگر سلامتی کا گمان غالب ہو تو حج واجب نہیں۔ البتہ پانی کی قلت، گرمی کی شدت، آفتاب کی تمازت ریت کی طپش، اور تیز لو چلنے کا عذر حج کو ساقط نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ عذر معمولی ہیں۔ شریعت میں انکا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح اگر مکہ میں بیماری یقینی ہو یا حاکم مکہ تمام حجاج سے چنگی وصول کرتا ہو تو بھی وجوب حج ساقط نہیں ہوتا۔

حج کے شرائط ادا حج کے ادا کرنیکی تین شرطیں ہیں (۱) حج کا وقت ہو یعنی وہ زمانہ ہو جسمیں احرام باندھنا بغیر کراہیت کے صحیح ہے۔ وقت حج یکم شوال سے حج کے آخری دن یعنی دس ذی الحجہ تک مقرر ہے۔ شوال سے قبل احرام باندھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ احرام طویل ہونیکی وجہ سے انسان صبر نہ کرسکے اور کسی فعل ممنوع کا مرتکب ہوجائے جس کی وجہ سے احرام باطل ہوجائے اور پھر از سر نو احرام کرنا پڑے اور حج مبرور نہ رہے کیونکہ حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد بغیر عذر شرعی کے کسی فعل ممنوع کا ارتکاب کرنے سے حج مبرور نہیں رہتا گو فوراً توبہ کرلی جائے اس لئے کہ توبہ کرنے سے گناہ دور ہوجاتے ہیں لیکن حج کے ثواب کے نقصان کی تکمیل ہی نہیں ہوسکتی۔ وجہ یہ ہے کہ حج کے مبرور ہونیکیلئے یہ شرط ہے کہ

بلا عذر شرعی حالت احرام میں کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے (۲) مقام حج ہو یعنی مکہ شریف کے علاوہ کسی اور جگہ حج کرنا صحیح نہیں (۳) شرعی احرام بندھا ہوا ہو بغیر احرام کے حج صحیح نہیں۔

حج کے فرائض (۱) احرام باندھنا (۲) عرفات پر ٹھیرنا (۳) طواف زیارت یعنی درمیانی طواف کرنا۔ اگر ان میں سے کوئی رکن فوت ہو جائیگا تو حج باطل ہو جائیگا اور آئندہ سال قضا کرنی واجب ہوگی۔

حج کے واجبات! صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا (۲) مزدلفہ میں ٹھیرنا (۳) کنکریاں پھینکی (۴) سر منڈوانا یا بال کتروانا (۵) اگر حاجی مکہ کا باشندہ نہو تو اُسپر طواف صدر یعنی آخری طواف بھی واجب ہے۔ اگر ان امور میں سے ایک امر ترک ہو جائیگا تو حج ہو جائیگا۔ لیکن قربانی کرنی واجب ہوگی۔ مذکورہ بالا امور کے علاوہ اور تمام امور مسنون یا مستحب ہیں جنکے ترک سے حج باطل نہیں ہوتا۔

احرام باندھنے کا طریقہ اور احرام کے ارکان احرام کے دو رکن ہیں (۱) نیت کرنی (۲) لبیک پڑھنا۔ جو شخص حج کرنا چاہے اُس پر لازم ہے کہ اول احرام کی نیت کرے اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے وضو یا غسل کرے (غسل افضل ہے) سیے ہوئے کپڑے اُتار ڈالے صرف تہبند اور چادر دو کپڑے پہنے نئے کپڑے بہتر ہیں اگر نہوں تو دُھلے ہوئے بھی کافی ہیں۔ مونچھیں کترواڈالے، ناخن ترشوالے اور اصلاح بھی کرلے۔ جب ان تمام باتوں سے فارغ ہو جائے تو دو رکعت نماز پڑھکر سلام پھیرنے کے بعد کہے۔ اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی۔ یا اللہ میں حج کرنا چاہتا ہوں تو مجھپر حج آسان کردے اور اس کو قبول فرما۔ اس کے بعد لبیک پڑھے یعنی یہ الفاظ پڑھے۔ لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ والملک لک لا شریک لک۔ اس عبارتمیں سے کم کردینا ناجائز ہے ہاں اگر اس میں کچھ دعائیہ الفاظ بڑھا دئے جائیں تو کچھ ہرج نہیں ہے۔

ممنوعات احرام لبیک پڑھنے کے بعد احرام مکمل ہو جاتا ہے۔ اب مذکورہ ذیل امور سے اجتناب لازم ہے۔ فحش بکنا۔ بدکاری کا ارتکاب کرنا۔ لڑائی جھگڑا فساد قتل اور خون ریزی کرنا۔ خود شکار کرنا۔ شکار کو چھیڑنا کسی شکار کی طرف اشارہ کرکے بتانا یا زبان سے شکار کا پتہ بتانا یا شکار کرنے میں مدد کرنی۔ سیا ہوا کپڑا کوٹ، شیروانی، جبہ، کرتہ، قمیص، پاجامہ، پگڑی، صافہ، ٹوپی، موزے پہننے (اگر موزے ٹخنے سے نیچے کاٹ کر جوتہ کی شکل پر بنالیے جائیں تو اُنکا پہننا جائز ہے) بال کٹوانا، منڈوانا، ناخن تراشنا۔ خوشبو لگانی جوں کھٹمل پسو وغیرہ مارنا، سر یا منہ ڈھانکنا، (مکان یا درخت یا کجاوہ کے سایہ میں بیٹھنا جائز ہے) سر کو اتنے زور سے کھجانا کہ جوں کے مرنیکا اندیشہ ہو۔ یہ تمام امور آداب احرام کے

خلاف ہیں ان کے ارتکاب سے احرام باطل ہو جاتا ہے۔

حج کی کیفیت اور آداب

حاجی پر لازم ہے کہ کسی ٹیلہ پر چڑھتے یا کسی پست زمین پر اترتے وقت لبیک بلند آواز سے پڑھے۔ اگر راستہ میں کوئی شخص ملے تب بھی اُس کو سامنے لبیک پڑھے اور صبح شام لبیک کہے۔ جب مکہ میں داخل ہو تو سب سے اول مسجد حرام میں جائے اور جس وقت بیت اللہ پر نظر پڑے تو اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہے پھر اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہتا ہوا دونوں ہاتھ اٹھائے حجر اسود کو بوسہ دے۔ فقہاء نے حجر اسود کو بوسہ دینے کا یہ طریقہ بیان کیا ہے۔ کہ اگر کسی کو تکلیف وایذا دینے کے بغیر ممکن ہو تو حجر اسود پر دونوں ہتھیلیاں ٹیک کر بوسہ دے اور اگر اس کے چومنے سے اوروں کو دھکے لگتے ہوں اور ایذا پہونچتی ہو تو جو لاٹھی وغیرہ ہاتھ میں ہو اسکو سنگ اسود کو لگا کر اس لاٹھی کو چومے خود دھکے دیتا ہوا سنگ اسود کو چومنے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ حجر اسود کو چومنا سنت ہے اور کسی کو ایذا نہ دینی واجب ہے اس لیے واجب کا لحاظ رکھنا مقدم ہے۔ اگر سنگ اسود کو لاٹھی اور رومال وغیرہ سے چھونا بھی ممکن نہ ہو تو فاصلہ پر حجر اسود کی بالکل سیدھ میں کھڑا ہو جائے۔ حجر اسود کی طرف منہ کر کے شانوں تک دونوں ہتھیلیاں اٹھائے اور حجر اسود کی طرف اشارہ کرتا ہوا اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہے۔ اللہ کی حمد کرے درود پڑھے۔ اس کے بعد اپنی چادر دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اُس کے کنارے بائیں مونڈھے پر ڈالکر طواف شروع کر دے۔ طواف میں حطیم کعبہ کو اندر لے لینا ضروری ہے۔ کیونکہ بنص حدیث حطیم بھی کعبہ کا ایک حصہ ہے طواف کی ابتدا حجر اسود کے پاس سے دروازہ کی دائیں جانب سے کرے۔ طواف میں سات چکر لگائے۔ پہلی تین گردشوں میں اکڑ کر چلے اور اخیری چاروں چکر معمولی رفتار سے پورے کرے۔ ہر چکر کے اختتام پر رکن یمانی کو بوسہ دے۔ جب طواف ختم کر چکے تو حجر اسود کو بوسہ دیکر مقام ابراہیم میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے۔ اور اگر زیادہ اژدہام ہو تو مقام ابراہیم میں نماز پڑھنی ضروری نہیں مسجد کے کسی گوشہ میں پڑھ لے۔ یہ نماز ساتویں چکر کے بعد پڑھنی واجب ہے۔ اس کے بعد مسجد سے نکلکر صفا پہاڑی پر چڑھے اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہے اور درود پڑھے پھر ہاتھ اٹھا کر جو کچھ دعا مانگنا چاہے مانگے۔ اس کے بعد صفا سے مروہ کیطرف معمولی چال سے چلے جب بطن وادی میں پہونچ جائے تو میلین اخضرین کے درمیان دوڑ کر چلے یہانتک کہ وادی کے درمیان سے گذر جائے اس کے بعد معمولی رفتار سے چل کر مروہ تک پہونچ جائے اور مروہ پر چڑھ کر وہی عمل کرے جو صفا پر کیا تھا۔ یعنی کعبہ کی طرف منہ کر کے تکبیر تہلیل حمد وصلوٰۃ پڑھے

اسکے بعد مروہ سے اتر کر صفا پر آئے اور اسیطرح صفا سے مروہ کیطرف اور مروہ سے صفا کیطرف سات چکر لگائے۔ جب ان امور سے فارغ ہوجائے تو احرام کی ہی حالت میں مکہ میں قیام پذیر ہو اور جسوقت کعبہ کیطرف گذر ہو تو طواف کرلیا کرے کیونکہ یہ مسنون ہے ۸ ذی الحجہ تک یہی عمل جاری رکھے ۸ ذی الحجہ کی صبح کو نماز پڑھ چکے تو منیٰ میں جاکر یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کی فجر تک ٹھیرا رہے پھر عرفات میں جاکر جس جگہ قیام کرے مگر مقام بطن عرنہ میں نہ ٹھہرے اس تاریخ کو ظہر کے وقت ظہر و عصر دونوں نمازیں یکے بعد دیگرے پڑھ لے۔ نماز کے بعد غسل کرکے موقف میں چلا جائے وہاں غروب آفتاب تک رہے جب آفتاب غروب ہو جائے تو مزدلفہ میں جاکر قیام پذیر ہو۔ ٹھہرنے کو مزدلفہ میں جہاں چاہے سوا وادی محسر کے سب جگہ ٹھیر سکتا ہے لیکن جبل قزح کے ٹھیرنا مسنون ہے یہاں پہونچکر مغرب و عشاء کی نماز ملا کر پڑھے اول مغرب کی پھر عشاء کی۔ ان نمازوں کیلئے اذان اور تکبیر بھی کہنی چاہیئے۔ ۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو اندھیرے میں نماز فجر پڑھ کر تکبیر تہلیل حمد و درود پڑھے اور جس مقصود کیلئے چاہے دعا کرے جب روشنی ہوجائے تو منیٰ میں آکر بطن وادی سے نیچے نکلکر جمرۃ العقبہ پر سات کنکریاں انگوٹھے سے مارے اور ہر کنکری مارنے کے وقت یہ کلمات زبان سے ادا کرے بسم اللہ و اللہ اکبر میں شیطان اور اس کے گروہ کو سنگسار کرنے کیلئے یہ کنکریاں مارتا ہوں۔ الٰہی تو میرا حج مبرور، میری کوشش مشکور اور میرے گناہ معاف فرما۔ اسکے بعد اگر چاہے تو قربانی کرکے سر کے بال کترواڈالے لیکن منڈوانا افضل ہے۔ حاجی جب ان امور سے فارغ ہوجائے تو سوا عورتوں کے اس کیلئے تمام ممنوعات احرام جائز ہوجاتے ہیں اسکے بعد اسی تاریخ کو یا ۱۱ یا ۱۲ تاریخ کو طواف زیارت کرے لیکن درمیانی رفتار سے کرے اکڑ کر نہ چلے اور نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور ۱۱ ذی الحجہ کو دوپہر ڈھلنے کے بعد منیٰ میں آجائے اور کنکریاں پھینکنی شروع کرے۔ اول اس جمرہ پر سات کنکریاں مارے جو مسجد خیف کے برابر ہے پھر درمیانی جمرہ پر اور اخیر جمرۂ عقبہ پر لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے اور دوسرے جمرہ پر کنکریاں مارنے کے بعد کچھ دیر توقف کرے اور خداوند تعالیٰ سے دعا کرے مگر جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد نہ ٹھیرے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر دفعہ کنکری پھینکنے کے وقت اللہ اکبر کہے۔ اب اگر مکہ میں مقیم ہے تو دوسرے اور تیسرے دن بھی اسی صورت سے کنکریاں پھینکتا رہے اور منیٰ میں رات کو قیام کرے۔ رمی کی راتوں میں منیٰ میں نہ ٹھیرنا مکروہ ہے۔ حج تو گویا ان تمام امور کے

کے ادا کرنے سے مکمل ہو جاتا ہے۔ اب اگر واپسی کا ارادہ ہو تو واپسی کے وقت سات مرتبہ پھر طواف کرے (طواف صدر) لیکن معمولی چال سے کرے۔ اکڑ کر نہ چلے اور نہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑ لگانی ضرورت ہے۔ طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت نماز پڑھکر چاہ زمزم کا پانی پی کر کعبہ معظمہ کے پاس آئے۔ کعبہ کی چوکھٹ کو بوسہ دے اور عاشقوں کی طرح سینہ اور منہ مقام ملتزم پر رکھے (ملتزم حجر اسود اور دروازۂ کعبہ کے درمیان ہے) اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر انتہائی عاجزی اور تضرع سے دعا مانگے۔ کچھ دیر گریہ و بکا میں مشغول رہنے کے بعد اُلٹے پاؤں واپس آکر مسجد سے نکل آئے۔

عورتوں کا مخصوص امتیاز

عورت کی حالت بھی مرد کی طرح ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ عورت سیا ہوا کپڑا پہنے اور سر نہ کھولے صرف منہ کھلا رکھے۔ اگر گھونگٹ نکالکر اس طرح چہرہ کا پردہ رکھے کہ کپڑا منہ کو نہ لگے تو اس میں بھی کوئی ہرج نہیں ہے۔ عورت آہستہ اور پست آواز سے لبیک پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے۔ حجر اسود کے پاس اُس وقت جائے جب وہاں مجمع نہ ہو۔ طواف کے وقت اکڑ کر نہ چلے اور میلین اخضرین کے درمیان دوڑ لگائے۔ معمولی رفتار سے چلے۔ سر نہ منڈوائے۔ صرف ایک لٹ کتروا دینی چاہیئے۔ اگر احرام سے قبل حائض ہو جائے تو غسل کرکے احرام باندھ لے۔ صرف طواف کعبہ نہ کرے۔ باقی تمام امور بدستور ادا کرتی رہے۔ اور اگر طواف زیارت کے بعد حائض ہو جائے تو طواف صدر نہ کرے۔

عورت کیساتھ حج میں محرم ہونیکی شرط

یہ بات ضروری ہے کہ عورت بوڑھی ہو یا جوان۔ بہر صورت لازم ہے کہ حج میں اُس کے ساتھ یا تو اس کا شوہر ہو یا کوئی اور محرم ہو یعنی ایسا شخص ساتھ ہو جس سے نکاح کرنا شرعاً کسی وقت جائز نہیں مثلاً۔ داماد۔ خسر۔ باپ۔ بھائی۔ بیٹا۔ چچا۔ وغیرہ۔ اور اگر محرم موجود نہ ہو تو کسی طرح اس کیلئے حج کرنا جائز نہیں بلکہ مطلق سفر بغیر محرم کے قطعاً حرام ہے۔ حدیث میں اس کے متعلق بڑی سخت وعید آئی ہے۔ فتاوی تجنیس میں تو یہاں تک ذکر ہے کہ اگر عورت کا محرم فاسق بدچلن یا مجنوں دیوانہ یا بچہ ہو تو ایسے لوگوں کے ساتھ بھی سفر حرام ہے۔ بہر حال عورت حج کیلئے محرم دیندار کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ ایک شرط عورت کے حج کیلئے یہ بھی ہے کہ عورت عدت میں نہ ہو۔ عدت توڑ کر حج کا احرام کرنا جائز نہیں۔ اگر دوران احرام میں شوہر کا انتقال ہو جائے یا شوہر طلاق دیدے تو انقضائے عدت تک اُسی مقام پر قیام رکھنا چاہیئے جہاں عدت واجب ہوئی ہو۔ ہاں اگر عدت ایسے مقام پر واجب ہوئی جہاں سے مکہ شریف کا فاصلہ مسافت سفر سے کم ہے۔ تو مکہ پہونچ جانے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تمتع اور قران کا بیان

مذکورۂ بالا بیان حج مفرد کا تھا۔ حج مفرد کے یہ معنی ہیں کہ ایک سال میں صرف حج کرے عمرہ نہ کرے یا عمرہ کرے بھی تو ایام حج یعنی شوال کے قبل یا ۱۰ ذی الحجہ کے بعد۔ بہر حال ایام حج میں صرف حج کرنے کو حج مفرد کہتے ہیں۔

تمتع اور قران کی تعریف تمتع کے یہ معنی ہیں کہ ایام حج میں اول عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام کھول کر یا بغیر احرام کھولے حج کرنا شروع کردے۔ اور قران کے یہ معنی ہیں کہ حج اور عمرہ کا ساتھ ساتھ ایک ہی احرام کرے۔ اور میقات سے دونوں کے لیئے ساتھہ ساتھ ایک لبیک کہے۔

فرق تمتع اور قران میں یہ فرق ہے کہ تمتع کرنیوالا عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج سے قبل ممنوعات احرام سے فائدہ اندوز ہوسکتا ہے۔ اس کے لئے جائز ہے کہ عمرہ کے بعد احرام کھولکر حلال ہوجائے اور ہر اس شخص سے نفع پذیر ہوجسکی حالت احرام میں ممانعت تھی۔ ہاں اگر تمتع کرنیوالے ساتھہ قربانی ہو تو حج سے قبل حلال ہونا جائز نہیں ہے اور قران کرنیوالا اگر حج سے قبل کوئی جنایت یا قصور کریگا تو قربانی کرنی لازم ہوگی تاکہ ارتکاب ممنوع کا کفارہ ہوجائے۔

ھدایت:۔ حنفیہ کے نزدیک قران سب سے افضل ہے اسکے بعد تمتع کا درجہ ہے اور اخیر میں حج مفرد کا

قران کرنیکا طریقہ جو شخص حج قران کرنا چاہے اسپر لازم ہے کہ اول احرام کا ارادہ کرنیکے وقت دو رکعت نماز پڑہنے کے بعد یہ نیت کرے۔ اللھم انی ارید الحج والعمرۃ فیسرھما لی وتقبلھما منی۔ اس کے بعد جب مکہ پہونچ جائے تو عمرہ کے لیئے سات طواف کرے۔ طواف کا وہی طریقہ ہے جو حج مفرد کے بیان میں ذکر کردیا گیا۔ اس کے بعد بغیر سر منڈائے حج کرنا شروع کردے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب حاجی عمرہ کے لیئے سات مرتبہ طواف کرچکا ہے تو اب حج کے لیئے طواف قدوم کرنے کی اس کو ضرورت نہیں رہتی۔ اگر طواف قدوم علیحدہ کریگا تو مکروہ ہوگا اس کے بعد نحر کے دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو جب رمی سے فارغ ہوجائے تو قربانی کرنی لازم ہے۔ ہاں اگر قربانی کی توفیق نہ ہو تو دس روزے رکھنے واجب ہیں تین تو ۷ ذی الحجہ سے ۹ ذی الحجہ تک اور سات روزے ایام تشریق کے بعد۔ اگر شروع کے تین روزے فوت ہوجائینگے تو لامحالہ قربانی کرنی ہوگی۔ **مسئلہ** اگر قران کرنیوالا مکہ میں نہ گیا اور پہلے ہی سے عرفات میں جاکر قیام پذیر ہوگیا

تو اس کا عمرہ باطل ہو گیا اور بطور کفارہ کے قربانی کرنی لازم ہے پھر آیندہ سال عمرہ کی قضا بھی واجب ہے۔ ہاں اس صورت میں قران کی قربانی اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئی کیونکہ جب عمرہ ہی صحیح نہیں ہوا تو قران کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اور قران کے صحیح نہونیکی وجہ سے قران کی قربانی بھی ساقط ہو گئی۔

تمتع کا طریقہ تمتع میں سب سے اول میقات سے ایام حج میں عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے اور حسب معمول لبیک کہی جاتی ہے۔ اور طواف وسعی کرکے حلق یا قصر کرکے عمرہ کا احرام کھولدیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سات یا آٹھ تاریخ کو حج کا احرام کیا جاتا ہے۔

چند مسائل تمتع کرنیوالے پر لازم ہے کہ عمرہ کا طواف کرتے وقت اول تین طوافوں میں اکڑ کر چلے اور جب طواف زیارت کرے تو اُس وقت بھی رمل کرے اور طواف زیارت کے بعد سعی بھی کرے۔ ہاں اگر منیٰ کو جانے سے قبل احرام حج کے بعد طواف وسعی کر چکا ہے تو اب طواف زیارت میں رمل نہ کرے اور نہ اس کے بعد سعی کرے۔ اور بطور کفارہ کے قربانی کرنی واجب ہے اور توفیق نہونیکی صورت میں تین روزے ایام حج میں رکھنے ضروری ہیں۔

ھدایت:۔ (۱) مکہ کے باشندوں کیلئے صرف حج کرنا واجب ہے۔ تمتع اور قران جائز نہیں ہے (۲) صرف عمرہ کرنا بھی جائز ہے اور عمرہ کی ترکیب وہی ہے جو ہم سطور مندرجہ بالا میں بیان، کر چکے ہیں۔ یعنی طواف کرنا اور سعی کرنی۔

حالت احرام میں ارتکاب ممنوعات کی سزا

اگر حالت احرام میں کوئی شخص مذکورہ ذیل قصوروں میں سے کسی قصور کا مرتکب ہو تو اُسپر ایک قربانی کرنی لازم ہے۔ قربانی ایک بکری کی کرے یا گائے اور اونٹ کا ساتواں حصہ خرید کر خیرات کر دے (۱) کسی عضو کو خوشبو لگانا (۲) سر پر مہندی لگانی (۳) خوشبودار تیل لگانا (۴) سیا ہوا کپڑا پہننا (۵) ایک دن کامل سر کو چھپا ہوا رکھنا (۶) کم از کم چوتھائی سر منڈوانا (۷) پچھنے لگانے کیلئے کسی جگہ کے بال مونڈنا (۸) دونوں بغلوں کے یا ایک بغل کے بال منڈوانا (۹) زیر ناف کے بال دور کرنا (۱۰) گردن کے بال دور کرنا (۱۱) ہاتھوں کے ناخن تراشنا (۱۲) دونوں پاؤں کے ایک جگہ بیٹھکر ناخن تراشنا (۱۳) یا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کے ناخن تراشنا (۱۴) حالت جنابت میں طواف قدوم یا طواف صدر کرنا (۱۵) امام سے قبل عرفات سے واپس آجانا (۱۶) طواف زیارت کے تین چکر یا اس سے کم ترک کرنا (۱۷) طواف صدر کے چار چکر یا اس سے زائد ترک کر دینا (۱۸) صفا و مروہ کے درمیان سعی ترک کر دینی (۱۹) مزدلفہ میں قیام نہ کرنا (۲۰) نحر کے دن جمرۂ عقبہ کی

کی رمی کا زیادہ حصہ ترک کر دینا (۲۱) حرم کو چھوڑ کر زمین حل میں حج و عمرہ کے واسطے سر منڈوانا (۲۲) حاجی کا زمین حرم سے نکلکر باہر چلا جانا اور پھر واپس آکر حرم میں سر منڈوانا (۲۳) کسی فعل کو دوسرے پر مقدم کر دینا مثلاً رمی سے قبل سر منڈوا دینا (۲۴) بقدر ضرورت کسی عضو کو چھپانا مثلاً سردی کی وجہ سے سر چھپا لینا یا قمیص پہن لینا یا عمامہ باندھ لینا یا ٹوپی اوڑھ لینی ان سب صورتوں میں ایک قربانی کرنی واجب ہے مگر قِران کرنے والا دو قربانیاں کرے گا۔

اگر مذکورۂ ذیل قصوروں میں سے کوئی قصور کیا تو دو قربانیاں کرنی لازم ہیں ایک عضو کی پوشش کی ضرورت کے وقت دوسرے عضو کو بلا ضرورت ڈھانک لینا۔ وقت ضرورت کے علاوہ دوسرے وقت کسی عضو کو چھپا لینا۔ کسی ایسے فعل کو جس کے ارتکاب سے قربانی لازم آتی ہے دو مرتبہ کرنا۔

مذکورۂ ذیل صورتوں میں صدقہ واجب ہے ایک عضو سے کم پر خوشبو لگانی۔ ایک دن سے کم وقت کے لئے سر چھپانا یا سیا ہوا کپڑا پہننا۔ چوتھائی سر سے کم منڈوانا۔ ایک ہاتھ کے چار ناخن کترنا۔ ایک ہاتھ کے تین اور دوسرے ہاتھ کے دو ناخن کترنا۔ طواف قدوم یا طواف صدر بے وضو کرنا۔ طواف صدر کے تین چکر ترک کر دینا کسی ایک جمرہ کی رمی ترک کر دینی دوسرے شخص کا سر مونڈنا ان سب صورتوں میں نصف صاع گیہوں صدقہ دینا چاہیئے اور اگر چوتھائی سر کسی عذر کی وجہ سے مونڈا تو اختیار ہے چاہے قربانی کرے یا تین صاع گیہوں مسکینوں کو دیدے یا تین روزے رکھ لے۔

ایک ضروری مسئلہ اگر وقوف عرفات سے قبل کسی نے دانستہ یا نادانستہ جماع کر لیا تو حج فاسد ہو گیا لیکن حج کو بدستور مکمل کرے اور ایک قربانی بھی بطور کفارہ کے کرے تاکہ حج کی ظاہری صورت کی تکمیل ہو جائے اور آئندہ سال پھر اس حج کی قضا کرے۔ ہاں اگر عرفات میں ٹھہرنے کے بعد کیا ہے تو حج فاسد نہ ہوگا لیکن اونٹ کی قربانی کرنی ہوگی اور اگر سر منڈانے کے بعد جماع کیا تو ایک بکرے کی قربانی کرنی چاہیئے اور اگر عمرہ میں چار چکر طواف کرنے کے بعد جماع کیا تو قربانی کر لینی چاہیئے عمرہ ہو جائے گا اور اگر اس سے قبل جماع کیا تو عمرہ فاسد ہو جائے گا آئندہ سال قضا کرنی ہوگی لیکن اس سال بدستور تکمیل کرنی چاہیئے اور بطور کفارہ کے قربانی بھی کرنی چاہیئے۔

شکار کی سزا اگر کسی محرم نے کسی شخص کو شکار بتایا خواہ پہلی بار یا دوسری بار چاہے قصداً ہو یا سہواً اور اس شخص نے شکار کر لیا تو محرم پر جزا لازم ہے خواہ شکار درندہ ہو یا پرندہ یا چرندہ اور صحیح تندرست ہو یا بیمار لاچار ہو یا لنگڑا لولا۔ جزا اور عوض کی یہ شکل ہوگی کہ اس شکار کی قیمت کا تخمینہ لگایا جائے جو قیمت مقرر کی جائے اس سے کوئی جانور خرید کر قربانی کر دی جائے

یا کچھ غلہ خرید کر مسکینوں کو تقسیم کر دیا جائے لیکن ہر مسکین کو نصف صاع سے کم نہ دیا جائے اور اگر یہ دونوں صورتیں ناداری کی وجہ سے ممکن نہ ہوں تو ہر نصف صاع کے عوض میں ایک روزہ رکھنا چاہیے اور اگر کسی جانور کے بال۔ پر اکھاڑ ڈالے یا کوئی عضو کاٹ ڈالا تو اس نقصان کا تاوان ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر کسی جانور کا انڈا توڑ دیا تو انڈے کی قیمت دینی چاہیے اور اگر شکستہ انڈے میں سے مردہ بچہ نکلے تو زندہ بچہ کی قیمت دینی ہی لازم ہوگی۔ اور اگر شکار کے پاؤں کاٹ دیئے تو پورے شکار کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

حرم کی کن کن چیزوں کو کاٹنا اور شکار کرنا حرام ہے۔ انسان احرام کی حالت میں ہو یا نہ ہو بہر حال حرم کی سبز گھانس اور ہرے خود رو درخت کاٹنا حرام ہیں بشرطیکہ درخت ایسے مقام پر پیدا ہوئے ہوں جہاں آدمی نہیں بویا کرتے ہیں اسی طرح حرم کے جانور کا شکار کرنا یا اس کا دودھ دوہنا ناجائز ہے اگر ان چاروں چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کریگا تو قیمت ادا کرنی ہوگی۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حرم کی سبز گھاس چرانے کی بھی ممانعت ہے

حرم کی کن کن اشیاء کو کاٹنا یا قتل کرنا جائز ہے اذخر گھانس (مرچیا گند) خواہ سبز ہو یا خشک، اور خشک درخت یا خشک گھانس کا کاٹنا جائز ہے۔ جانوروں میں کوے چیل کو بچھو کو سانپ کو چوہے کو کاٹنے والے کتے کو پسو اور چیچڑی کو کچھوے کو اور حملہ کرنے والے درندہ کو مار ڈالنا جائز ہے۔ ہاں جوں اور ٹڈی کے مار ڈالنے سے کم از کم ایک لپ گیہوں صدقہ میں دینے واجب ہیں۔

محرم کن جانوروں کو ذبح کر سکتا ہے حالت احرام میں محرم اونٹ۔ گائے، بکری خانگی مرغی۔ اور پالو بطخ کو ذبح کر سکتا ہے ان کے علاوہ کسی جانور کو ذبح نہیں کر سکتا۔

مسائل متفرقہ مسئلہ اگر غیر محرم نے کوئی جانور شکار کیا اور خود ہی ذبح کیا تو محرم اس کو کھا سکتا ہے بشرطیکہ محرم نے نہ شکار کرنے کا مشورہ دیا ہو اور نہ شکار بتایا ہو۔

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص شکار ہاتھ میں لئے ہوئے حرم میں داخل ہو تو چھوڑ دینا چاہیے اور اگر حرم میں پہنچکر فروخت کر دیا تو جب تک خرید نے والے کے ہاتھ میں ہو واپس کر کے چھوڑ دے ورنہ قیمت صدقہ کرنی ہوگی۔ ہاں اگر محرم کے مکان پر کوئی شکار کا جانور ہو تو اس کو رہا کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اگر شکار پنجرے کے اندر بند ہو اور پنجرہ محرم کے ساتھ ہو تب بھی شکار کو رہا کرنا ضروری نہیں

مسئلہ اگر کسی غیر محرم کے پاس شکار ہو اور پھر وہ احرام باندھ لے اور اس کے ہاتھ سے کوئی دوسرا

غیر شخص شکار کو لیکر چھوڑ دے تو چھوڑنے والے کو بطور تاوان کے قیمت ادا کرنی پڑیگی کیونکہ اس کو کوئی حق نہ تھا کہ اس کے ہاتھ سے لیکر چھوڑے۔

مسئلہ اگر محرم نے حالت احرام میں کوئی شکار پکڑا اور کسی نے اسکے ہاتھ سے لیکر شکار چھوڑ دیا تو اس پر لازم ہے کہ شکار کی قیمت ادا کرے بشرطیکہ شکار کسی غیر محرم کے ہاتھ لگ گیا ہو اور اگر غیر محرم کے پاس شکار نہ پہنچا ہو تو کچھ حرج نہیں ہے **مسئلہ** اگر کسی محرم نے حالت احرام میں شکار پکڑا اور کسی دوسرے محرم نے اس شکار کو مار ڈالا تو مارنے والا پکڑنے والے کو قیمت ادا کرے گا اور پکڑنے والا یہ قیمت خیرات کردیگا **مسئلہ** اگر دو محرموں نے مل کر ایک شکار کو قتل کیا تو دونوں پر علیحدہ علیحدہ پوری قیمت لازم ہے **مسئلہ** اگر دو غیر محرموں نے حرم کے اندر ایک شکار کو قتل کیا تو ہر ایک پر نصف قیمت دینی واجب ہے **قاعدہ کلیہ** جس قصور سے حج مفرد کرنے والے پر ایک قربانی واجب ہوتی ہو اس قصور کے ارتکاب سے قران کرنے والے پر دو قربانیاں لازم آتی ہیں۔

ضروری ہدایت۔ محرم کا کسی شکار کو خریدنا یا فروخت کرنا باطل ہے اور اگر کسی محرم نے کسی شکار کو ذبح کیا تو اس کا کھانا حرام ہے اور اگر کھا لیا تو بقدر کھانے کے قیمت دینی لازم ہے ہاں اگر ایک محرم نے ذبح کیا اور دوسرے محرم نے باوجود حرام ہونے کے کھا لیا تو کھانے والے پر کچھ قیمت نہیں ہے **مسئلہ** اگر کسی نے حرم کے جانور کو نکال دیا اور اس جانور کے حرم سے خارج ہونے کے بعد بچہ پیدا ہوا اور پھر دونوں مر گئے تو دونوں کی قیمت دینی ہوگی اور اگر جانور کی قیمت دینے کے بعد اس کا بچہ پیدا ہوا اور مر گیا تو اب بچہ کی قیمت نہیں ہے۔

احصار کا بیان

احصار کے یہ معنے ہیں کہ آدمی حج یا عمرہ کا احرام کرلے اور پھر مکہ میں کسی دشمن کی وجہ سے یا کسی سخت مرض کے لاحق ہونیکی وجہ سے نہ جاسکے اور اس سال حج نہ کرسکے۔ جب محرم حج نہ کرسکے تو حج مفرد کرنیوالے پر ایک قربانی لازم ہے اور قران کرنے والے پر دو قربانیاں۔ قربانی کو مکہ میں بھیجدیا جائے اور وہیں ذبح کیجائے تاریخ کوئی مقرر نہیں ہے جو دن مقرر کرنا چاہے مقرر کرکے اسی روز ذبح کرادے امام ابو حنیفہ رح کا یہی قول ہے لیکن صاحبین کہتے ہیں کہ اگر عمرہ سے احصار ہوا ہے تو ذبح کے لئے کسی تاریخ کے تعین کی ضرورت نہیں ہے اور حج سے احصار ہوا ہے

تو دسویں ذی الحجہ کو ذبح کرنا لازم ہے اب جس وقت قربانی ذبح ہوچکے تو یہ شخص احرام کھولدے سر منڈانے یا کترواسنے کی بھی ضرورت نہیں ہے ہاں جب احصار اور سبب منع جاتا رہے تو قضا لازم ہے اور اگر صرف حج کا احرام کیا تھا تو اب ایک حج اور ایک عمرہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر قران کا احرام کیا تھا تو ایک حج اور دو عمرے کرنے ہوں گے **مسئلہ** جس وقت احصار جاتا رہے اور حج کرنے سے کوئی عذر مانع ہو تو اب دیکھا جائے گا کہ یہ شخص حج اور ہدی دونوں پر قادر ہے یا صرف ایک پر یعنی حج کرسکتا ہو اور ہدی کا جانور نہیں بھیج سکتا یا ہدی لیجا سکتا ہے اور حج نہیں کرسکتا اول الذکر صورت میں حج کرنا لازم ہے اور موخر الذکر شکل میں اختیار ہے چاہے حج کو چلا جائے یا احرام کھولدے۔

احصار کا حکم کس وقت ہوتا ہے احصار کا حکم اس وقت ہوتا ہے کہ حاجی وقوف اور طواف دونوں سے مجبور ہو اور ایک سے مجبور ہے طواف کرسکتا ہے وقوف نہیں کرسکتا یا وقوف کرسکتا ہے اور طواف نہیں کرسکتا تو اس وقت احصار کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔

دوسرے کی طرف سے حج کرنیکا بیان

اگر انسان خود حج کرنے سے عاجز ہو اور عاجز بھی ایسا کہ بسبب عجز مرتے دم تک نہیں جاسکتا مثلاً بہت بوڑھا ہے یا مادرزاد نابینا یا کوئی ایسا مرض ہے کہ زندگی میں نہیں جاسکتا تو جائز ہے کہ کسی دوسرے شخص کو حج کرنیکا خرچ دیکر اپنی طرف سے بھیجدے لیکن یہ ضروری ہے کہ جس شخص کو بھیجا ہے وہ بھیجنے والے کی طرف سے حج کی نیت کرے۔ اور اگر کسی شخص کو دو آدمیوں نے اپنی اپنی طرف سے ایک سال میں حج کرنے کے لئے بھیجا اور ہر ایک نے خرچ بھی دیا اور اس شخص نے حج کرلیا تو یہ حج اسی کرنے والے کا ہوگا بھیجنے والوں میں سے کسی کا نہ ہوگا اور اس صورت میں یہ بھی جائز نہیں کہ دو آدمیوں نے ایک شخص کو مقرر کرکے بھیجا ہو اور یہ حج کرنے کے وقت ایک آدمی کی طرف سے حج کرنے کی نیت کرے اس وقت بھی کرنے والے کا ہی حج ہوگا اور دونوں کا روپیہ واپس کرنا اس پر لازم ہے۔ ہاں اگر کسی نے اپنے والدین کے لئے حج نفل کیا تو جائز ہے اس حج کا ثواب اس کے والدین کو پہنچے گا۔

حج کی وصیت کرنی

اگر کسی نے مرتے وقت وصیت کی کہ میری طرف سے حج کرادینا تو وصیت صحیح ہے اور ورثا پر لازم ہے کہ کسی شخص کو حج کے لئے مقرر کرکے بھیجدیں اس شخص کے حج کرنے سے میت کا حج ہوجائیگا اب اگر یہ شخص حج کرنے سے قبل کہیں راستہ میں مرجائے تو ورثہ پر لازم ہے کہ بقیہ مال کے ⅓ حصہ

سے دوبارہ کسی کو بھیجکر حج کرائیں امام صاحب کا یہی قول ہے، امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ کل مال کے
ایک تہائی میں سے جو کچھ حصہ بچ رہا ہو اس کو خرچ کرکے دوبارہ حج کرایا جائے گا۔ امام محمدؒ کہتے ہیں کہ
جو مال پہلے شخص کو دیا تھا اگر اس میں سے اتنا مال باقی رہا ہو کہ حج ہو سکتا ہے تو دوبارہ حج کرایا جائیگا
اور اگر اتنا مال باقی نہیں رہا ہے تو وصیت باطل ہو جائے گی مثلاً زید کا انتقال ہوا اور مرتے وقت
زید نے حج کرانے کی وصیت کی اور مال متروکہ اس کا کل تین سو ۳۰۰ روپیہ تھا لہٰذا سو روپیہ دیکر کسی کو حج کرانے
بھیجا جائے اب اگر راستہ میں یہ شخص مر جائے اور پچاس روپے خرچ ہو گئے ہوں تو امام صاحب
کہتے ہیں کہ ڈھائی سو کا ⅓ حصہ دوبارہ کسی کو دیکر حج کرایا جائے اور امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ پھر سو
روپے صرف کرکے حج کرایا جائے گا اور امام محمد کہتے ہیں کہ اگر پچاس روپے حج کے صرف کے لئے کافی
ہو جائیں تو دوبارہ حج کرایا جائے گا ورنہ نہ کرایا جائے گا۔

ہدی اور صدقہ کے احکام

ایام حج میں اگر کسی قصور و جنایت کی وجہ سے قربانی کرنی واجب ہو تو اس وقت اونٹ گائے
اور بکری سب کی قربانی جائز ہے بکری تنہا ایک آدمی کر سکتا ہے اور اونٹ و گائے میں سات سات
آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ **حکم** قربانی کا جانور عرفات میں لیجانا ضروری نہیں **حکم** قربانی کا جانور
اندھا لنگڑا کنکٹا یا اتنا دبلا کہ ذبح گاہ تک نہ جا سکے تا کافی ہے **حکم** اگر جنابت اسی حالت میں
طواف زیارت کیا ہے یا وقوف کے بعد وطی کی ہے تو اس وقت اونٹ یا گائے کی قربانی کرنی
ہوگی بکری کی قربانی کافی نہیں ہے اور دیگر قصوروں میں بکری کی قربانی بھی ہو سکتی ہے **حکم** نفل
قربانی یا تمتع اور قران کی قربانی کا گوشت خود بھی کھانا جائز ہے اور قربانیوں کا گوشت خود
نہیں کھا سکتا کیونکہ صحیح مسلم اور ابن ماجہ میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اکرم نے نفل
قربانی اور تمتع و قران کی قربانی کا گوشت کھایا اور دیگر قربانیوں کے گوشت کھانے سے منع
فرمایا یعنی اس کی مخالفت فرمادی کہ انسان اپنی دوسری قربانی کا گوشت کھاوے۔ **حکم** صرف تمتع
اور قران کی قربانی کا جانور نحر کے دن ذبح کیا جائے اور دیگر قربانیاں جب چاہے ذبح کرے
حکم ہدی کے جانور کا قربانگاہ صرف مکہ ہے دوسری جگہ اس کا ذبح کرنا جائز نہیں کیونکہ
ابوداؤد میں ابن ماجہ میں بروایت حضرت جابر بیان کیا گیا ہے کہ حضور اقدس نے فرمایا سارا
عرفہ موقف ہے اور سارا منا قربانگاہ اور مکہ کے جس قدر کوچے ہیں سب میں قربانی کی جاسکتی ہے

حکم قربانی کا گوشت حرم کے فقرا یا دیگر مساکین کو خیرات کر دیا جائے اور جھول و نکیل بھی دیدی جائے اجرت قصاب کی قربانی میں سے نہ دی جائے بلکہ اپنے پاس سے دی جائے کیونکہ ایک جماعت معتبر نے حضرت علی سے روایت کی ہے جو کتب صحاح میں علاوہ ترمذی کے موجود ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھکو رسول اللہ نے حکم دیا کہ قربانیوں کی کھالوں اور جھولوں کو تقسیم کردوں اور اجرت قصاب کی اس میں سے نہ دوں حضور نے فرمایا تھا کہ قصاب کی اجرت ہم اپنے پاس سے دینگے۔

حکم - قربانی کے اونٹ پر وقت ضرورت سوار ہونا جائز ہے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلعم نے ایک شخص کو دیکھا کہ قربانی کا اونٹ ہانک رہا ہے آپ نے فرمایا اس پر سوار ہوجا اس نے عرض کیا کہ یہ قربانی کا اونٹ ہے حضور نے فرمایا سوار ہو جا۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ شخص اس اونٹ پر سوار تھا **حکم** قربانی کے جانور کا دودھ دوہکر خیرات کر دیا جائے اور جب قربانی کا وقت آئے اور دودھ سے تھن بھرے ہوئے ہوں اور دودھ جاری ہو تو سرد پانی ڈالکر بند کر دیا جائے دوہا نہ جائے **حکم** اگر کوئی شخص نفل قربانی کا جانور مکہ کو روانہ کرے اور راستہ میں وہ جانور ہلاک ہوجائے تو دوسرا جانور بھیجنا ضروری نہیں ہاں اگر واجب قربانی کا جانور بھیجا ہو اور وہ ہلاک ہوجائے تو دوسرا جانور بھیجنا ضروری ہے **حکم** اگر واجب قربانی کے جانور میں راستہ میں کوئی کھلا ہوا عیب آجائے مثلاً دم کٹ جائے آنکھ پھوٹ جائے یا کوئی اور زیادہ عیب پیدا ہو جائے تو اس جانور کو بدلنا ہی ضروری ہے اوس کے بجائے کوئی دوسرا جانور بھیجدیا جائے باقی عیب دار جانور مالک کا ہے چاہے فروخت کرے چاہے ذبح کرکے کھالے

حکم اگر نفل قربانی کا جانور راستہ میں مرنے کے قریب ہوجائے تو اس کو نحر کر لینا چاہیے اور جوتے کا ٹکڑا اس کے خون میں تر کرکے کوہان پر مار کر نشان کر دینا چاہیے تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ یہ ہدی ہے اور فقراء و مساکین اس گوشت کو کھا سکتے ہیں۔ غنی نہ کھائیں کیونکہ رسول اللہ صلعم نے ناجیہ اسلمیہ کو یہی حکم دیا تھا۔

چند مسائل **مسئلہ** اگر دوسری اور تیسری رمی کی پہلی نہ کی تو بہتر یہ ہے کہ از سر نو تینوں رمی کرے لیکن اگر صرف پہلی رمی کر لی تب بھی درست ہے **مسئلہ** اگر کسی نے منت مانی کہ پیدل حج کرونگا تو اس پر لازم ہے کہ طواف زیارت تک تمام حج پیدل کرے ہاں طواف زیارت کے بعد اس کو سوار ہونا جائز ہے **مسئلہ** حنفیہ کے نزدیک عمرہ کرنا سنت ہے اور حج فرض ہے حج کا ثواب مثل جہاد کے ہے ابن ماجہ نے بروایت طلحہ بن عبیداللہ بیان کیا ہے کہ حضور کا ارشاد گرامی ہے

حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے کہ حج فرض ہے اور عمرہ نفل ہے امام شافعی کے نزدیک عمرہ بھی فرض ہے

قربانی کا جانور کیسا اور کس عمر کا ہونا چاہیئے ایام حج میں قربانی کے لئے کم از کم چھ ماہ کا دنبہ، ایک سال کی بکری، دو سال کی گائے اور پانچ سال کا اونٹ ہونا چاہیئے اس سے کم عمر کی قربانی درست نہیں۔ اگر قربانی کے جانور کا ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کٹا ہوا ہو یا اس کا کان تیسرے حصہ سے زائد کٹا ہو یا دم تیسرے حصہ سے زائد کٹی ہو یا آنکھ تیسرے حصہ سے زائد خراب ہو یا بدن کے کسی حصہ کا گوشت تیسرے حصہ سے زائد غائب ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہاں اگر سر منڈا ہو جسکے پیدائشی سینگ نہوں یا خصی ہو تو قربانی درست ہے مزید تفصیل کتاب الاضحیہ میں دیکھو

مکہ شریف اور کعبہ مقدس کی فضیلت

ترمذی میں بروایت حضرت ابن عباس بیان کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو خطاب کر کے فرمایا تو کیسا اچھا شہر ہے اور مجھے بہت پیارا معلوم ہوتا ہے اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کہیں نہ رہتا ترمذی اور ابن ماجہ میں ایک اور حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ ایک ٹیلہ پر کھڑے ہو کر مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا واللہ انك لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ ولولا انی اخرجت منك ما خرجت یعنی تو خدا کی سب زمین سے بہتر اور پیارا ہے اگر مجھے تجھ میں سے نہ نکالا جاتا تو میں نہ نکلتا۔ فتح مکہ کے دن دوران خطبہ میں فرمایا تھا ان ھذا البلد حرمه اللہ یوم خلق السموات والارض فھو حرام بحرمة اللہ الی یوم القیامة وانه لم یحل القتال فیه لاحد قبلی ولم یحل لی الا ساعة من نھار فھو حرام بحرمة اللہ الی یوم القیامة لا یعضد شوکه ولا ینفر صیده ولا یلتقط لقطته الا من عرفھا ولا یختلی خلاھا فقال العباس یا رسول اللہ الا الاذخر فقال الا الاذخر رواہ البخاری والمسلم یعنی جس روز خدا تعالے نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اسی روز سے اس شہر کو با حرمت بنایا لہذا اس کی عظمت خدا داد عظمت ہے جو قیامت تک قائم رہے گی اس میں کشت و خون کرنا مجھ سے پہلے کسی شخص کے لئے حلال نہ ہوا اور میرے لئے بھی دن کی صرف ایک ساعت میں جائز قرار پایا تھا اب یہ شہر خدا داد عزت کی وجہ سے باعظمت ہے اور اس کی یہ عظمت قیامت تک کیلئے ہے کوئی شخص نہ یہاں کے کانٹے کاٹے نہ یہاں کے شکار کو ہٹا کر بھگائے ہاں جو شخص شکار کو پہنچانا چاہتا

ہو اس کے لئے شکار کو بھگانا جائز ہے (اسی طرح) نہ یہاں کی پڑی ہوئی چیز اٹھائے اور نہ یہاں کی گھانس کاٹے یہ سنکر حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ سوائے مرچیا گند گھانس کے کیونکہ لوگ اس کو جلاتے ہیں اور قبروں کے کام میں لاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا ہاں سوائے مرچیا گند کے۔

ابن ماجہ نے بروایت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی بیان کیا ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا اس امت کے لوگ جب تک خانہ کعبہ کی پوری پوری عظمت و حرمت کرتے رہیں گے تو اچھے رہینگے جب تعظیم کرنی چھوڑ دینگے تو برباد ہو جائینگے" حدیث میں آیا ہے اور علماء کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ خانہ کعبہ میں ایک نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ اس سے بڑھکر اور فضیلت کیا ہو سکتی ہے

روضۂ اقدس کی زیارت کا بیان

روضۂ پاک کی زیارت کا شرف علمائے کرام اور سلف عظام کے نزدیک روضۂ پاک حضور اکرم صلعم کی زیارت افضل مستحبات سے ہے بلکہ مناسک فارسی اور شرح مختار میں تو قریب واجب کے لکھا ہے بہرحال جو مسلمان حج کو جائے اس پر لازم ہے کہ روضۂ پاک کی زیارت سے فیضیاب اور شرف اندوز ہو علامہ دارقطنی اور بزار نے روایت کی ہے کہ رسول اکرم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا من زار قبری وجبت له شفاعتی یعنی جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت ضرور ہوگی دارقطنی نے ایک اور روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا من حج و زار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی یعنی جس شخص نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی کی حالت میں میری زیارت کی ائمہ اور علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص ایمان دلی اور اخلاص قلبی کے ساتھ دیدار پرانوار سے حضور اقدس کی زندگی کی حالت میں فیضیاب ہوئے ہیں ان کے لئے جنت یقینی ہے اور حدیث مذکورہ بالا صاف بتا رہی ہے کہ مزار پاک کی زیارت کرنی گویا حضور کی زیارت کرنی ہے۔ لہذا نتیجہ صاف ہے کہ اگر خلوص قلب سے روضۂ پاک کی زیارت کی جائے تو جنت کا حصول یقینی ہے **مسئلہ** اگر فرض حج کرنا ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ پہلے حج کرے اور بعد کو روضۂ پاک کی زیارت کو جائے اور اگر حج نفل ہو تو اختیار ہے چاہے حج پہلے کرے اور زیارت بعد کو کرے چاہے زیارت پہلے کرے اور حج بعد کو کرے۔

حدیث لا تشد الرحال الا الی ثلثۃ کی تحقیق

اکثر کتب حدیث میں رسول اکرم صلعم کا ایک فرمان نقل کیا گیا ہے کہ حضور نے فرمایا لا تشد

الرجال الا الی ثلثة مساجد مسجد الحرام و مسجدی ھذا و المسجد الاقصیٰ
یعنی کجاوے صرف تین مسجدوں کو جانے کے لئے کسے جائیں مسجد حرام (کعبہ) مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس
اس حدیث کی تحقیق اور بیان مطلب سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی صحت و غلطی پر کافی
تنقیح اور پوری توضیح کر دی جائے یہ حدیث اکثر کتب صحاح میں مذکور ہے مگر ابن عون اور مسلم نے
اس کی تضعیف کی ہے اور تضعیف کے ثبوت میں بیان کیا ہے کہ اس کی اسناد میں ایک راوی شہر
بن حوشب ہیں جو حد ثقاہت سے گرے ہوئے ہیں مگر ابن عون و مسلم کے قول کے خلاف امام احمد
بن حنبل و یحییٰ بن معین، احمد بن عبداللہ العجلی، ابوزرعہ، امام بخاری یعقوب بن شیبہ اور سنان بن
ربیعہ اور دیگر ائمہ کبار نے تصریح کر دی ہے اور صاف بیان کر دیا ہے کہ شہر بن حوشب ثقہ ہیں معتبر ہیں
ان کے اخلاق اور کیرکٹر میں کوئی خرابی نہیں۔ حافظ ہیں صدوق ہیں عادل ہیں چنانچہ شیخ ابن
الہمام کے حاشیہ ہدایہ یعنی فتح القدیر سے اور نیز بعض دیگر کتابوں سے ہم ذیل کے اقوال نقل کرتے
ہیں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ شہر بن حوشب مقبول الروایۃ ہیں ان کی تضعیف کرنی غلط ہے۔

قال احمد ما احسن حدیثه، وقال احمد بن عبد الله العجلی هو تابعی ثقة وقال
ابن ابی خیثمة عن یحیی بن معین هو ثقة وقال ابو زرعة لا باس به وقال
الترمذی قال محمد یعنی البخاری شهر حسن الحدیث وقوی امره وقال یعقوب
بن شیبة شهر ثقة وقال صالح بن محمد شهر روی عنه الناس من اهل الکوفة
والبصرة واهل الشام ولم یوقف منه علی کذب وقال الامام النووی
فی شرح الصحیح للمسلم بل وثقه کثیرون من کبار ائمة السلف وقال ایضا
فهذا الکلام هؤلاء الائمة علی الثناء علیه قال الحافظ ابن حجر شهر صدوق
وقال الشیخ ابن الهمام فی فتح القدیر والصحیح فی شهر التوثیق وثقه ابو زرعة و
احمد ویحیی والعجلی ویعقوب بن شیبة وسنان بن ربیعة۔

حوالجات مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ محدثین کے نزدیک شہر حوشب نہایت جلیل القدر
راوی اور ثقہ تابعی ہیں لہذا صرف مسلم اور ابن عون کی تضعیف سے ان کا ضعف ثابت نہیں
ہو سکتا خلاصہ یہ کہ مذکورہ حدیث صحیح ہے باقی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان تین مساجد کے
علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی مقام کی زیارت کے لئے بھی
سفر نہ کیا جائے چنانچہ امام احمد کی روایت میں یہ تصریح صاف طور پر موجود ہے کہ لا تشد الرحال

الی مسجد الا الی ثلثۃ مساجد یعنی ان تین مساجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کو سفر کرکے نہ جایا جائے اسی وجہ سے شیخ ابن الہمام نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے روضہ مبارک کی زیارت کی خالص نیت کی جائے کسی دوسری زیارت کی نیت کو اس میں شریک نہ کیا جائے کیونکہ اس صورت میں رسول پاک کی تعظیم کا کامل مظاہرہ ہوگا بہت سے وہ لوگ جو عربی سے ناواقف ہیں اس حدیث سے یہ مطلب نکالتے ہیں کہ کسی متبرک مقام پر بھی سفر کرکے جانا منع ہے حالانکہ حدیث کے الفاظ سے کہیں یہ مطلب نہیں نکل سکتا۔

مدینہ میں داخل ہونے کے آداب گھر سے جس وقت روضہ پاک کی نیت سے چلے تو راستے میں ہر وقت درود شریف کا ورد رکھے۔ جب مدینہ شریف کے پاس پہنچے تو داخل ہونے سے قبل غسل کرے اچھے کپڑے پہنے خوشبو لگائے۔ اگر سوار ہو تو اتر کر پیادہ ہو جائے سوار ہو کر نہ داخل ہو کیونکہ یہ بارگاہ نبوی کے اداب کے خلاف ہے امام مالک سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ مدینہ میں سوار کیوں نہیں ہوتے؟ فرمایا میں خدا سے شرم کرتا ہوں کہ جس زمین پر رسول اللہ تشریف فرما ہیں اس کو چار پایہ کے کھروں سے پامال کروں۔ بہر حال داخلہ کے وقت اس حالت کا اظہار کرے جس سے تعظیم نبوی کا مظاہرہ ہوتا ہو جب مدینہ کے اندر داخل ہو تو یہ دعا پڑھے:۔

بسم اللہ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق۔ اللھم افتح لی ابواب رحمتك وارزقنی من زیارۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مارزقت اولیاءك و اھل طاعتك واغفرلی وارحمنی یا خیر مسئول مدینہ کے اندر نہایت تواضع عاجزی اور خشوع و خضوع سے چلنا چاہیے ہر وقت درود شریف کا ورد رکھنا چاہیے اور دل میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ یہ وہ شہر ہے جہاں رسول کریم ہجرت کرکے تشریف لائے تھے اور اسی جگہ قرآن اور وحی آپ پر نازل ہوئی تھی یہی شہر ایمان اور احکام اسلامیہ کا سرچشمہ ہے یہیں سے چمک کر آفتاب اسلام نے دنیا کی تاریک فضا کو منور فرمایا۔ عائشہ فرماتی ہیں کہ جتنے شہر ہیں سب تلوار سے فتح ہوئے صرف مدینۃ اللہ کے رحم اور قرآن سے فتح ہوا ہے۔

مسجد نبوی اور حرم پاک میں داخل ہونے کا طریقہ اور دعائیں

جب مسجد نبوی میں داخل ہو تو باب جبرئیل یا باب السلام سے داخل ہو اول داہنا پاؤں مسجد میں داخل کرے داخلہ کے وقت یہ دعا پڑھے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اَلْیَوْمَ مِنْ اَوْجَہِ مَنْ تَوَجَّہَ اِلَیْکَ وَاَقْرَبِ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیْکَ وَ اَبْتَغٰی مَرْضَاتِکَ اس کے بعد مزار مبارک اور منبر شریف کے درمیان محراب کے سامنے کھڑے ہو کر دوگانہ تحیۃ المسجد ادا کرے یہ مقام روضۂ اطہر میں داخل ہے اور رسول اکرم کا موقف ہے یہاں سجدۂ شکر کرنا چاہیے کہ خداوند تعالیٰ نے یہ نعمت عظمیٰ نصیب کی پھر مزار مبارک کے پاس آئے قبلہ کی طرف پشت کرے اور دیوار مزار کی طرف منہ کر کے یہ دعا پڑھے:۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَیْرَ خَلْقِ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خِیَرَۃَ اللّٰہِ مِنْ جَمِیْعِ خَلْقِہٖ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ وُلْدِ اٰدَمَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّکَ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَشْھَدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَّکَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَۃَ وَاَدَّیْتَ الْاَمَانَۃَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّۃَ وَکَشَفْتَ الْغُمَّۃَ فَجَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا جَزَاکَ اللّٰہُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَازٰی الْاَنْبِیَاءَ عَنْ اُمَمِھِمْ اَللّٰھُمَّ اَعْطِ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدَکَ وَرَسُوْلَکَ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالشَّرَفَ وَالدَّرَجَۃَ الْعَالِیَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَابْعَثْہُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ وَاَنْزِلْہُ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ سُبْحَانَکَ اِنَّکَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ یہ دعا پڑھ کر بوسیلہ رسول اکرم صلعم اپنی دینی اور دنیوی حاجات کی دعا مانگے رسول اللہ کی شفاعت کا طالب ہو اور یہ الفاظ کہے یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ وَاَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللّٰہِ فِیْ اَنْ اَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰی مِلَّتِکَ وَسُنَّتِکَ اس دعا کے بعد جو دعائیں طلب رحمت و محبت کی ہیں ان کو نہایت خشوع و خضوع سے پڑھے اور یہ دل میں خیال رکھے کہ رسول اللہ زندہ موجود ہیں میرے کلام کو سنتے ہیں اور حاضری کو جانتے ہیں۔ شیخ ابن الہمام نے بحوالہ حضرت ابو فدیک بیان کیا ہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ اگر روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہو کر اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ پڑھ کر ستر بار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ یَا مُحَمَّدُ پڑھا جائے تو ایک فرشتہ ندا کرے گا اور کہیگا اے درود پڑھنے والے خداوند تعالیٰ تجھ پر رحمت بھیجتا ہے۔ غرض جب اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے دعا کرنے سے فارغ ہو جائے تو اگر کسی نے بارگاہ نبوی میں سلام کہلا کر بھیجا ہو تو اس کی طرف سے سلام عرض کرے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے

مزار مبارک کے سامنے آکر یہ الفاظ کہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَثَانِيَهٗ فِي الْغَارِ اَبَا بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرًا اس کے بعد تقریباً ایک گز ہٹ کر حضرت عمر فاروق رضؓ کے مزار اقدس کے سامنے آکر یوں خطاب کرے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ الْفَارُوْقِ الَّذِيْ اَعَزَّ اللّٰهُ بِكَ الْاِسْلَامَ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرًا پھر ممبر اور روضۂ اقدس کے درمیان حضور اقدس صلعم کے سرہانے کھڑا ہوکر دعا مانگے اور اپنے اور اپنے والدین کے لئے شفاعت کا خواستگار ہو اور ختم دعا کے بعد آمین کہے اور بکثرت درود و سلام بھیجے لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ زیارت سے فارغ ہوکر رسول اللہ کے سرہانے آکر دعا مانگنا صحابہ کرام سے منقول نہیں اور ابوداؤد اور حاکم کی روایتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

ممبر پاک کی فضیلت زیارت سے فارغ ہوکر روضہ پاک میں آئے بکثرت درود و سلام بھیجے اور نفل نماز ادا کرے کیونکہ حدیث صحیح میں آیا ہے مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ یعنی میرے مکان اور ممبر کے درمیان باغہائے جنت میں سے ایک باغچہ ہے ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلعم نے فرمایا مِنْبَرِيْ عَلٰى تُرْعَةٍ مِّنْ تُرَعِ الْجَنَّةِ یعنی میرا ممبر جنت کی سیڑھیوں میں سے ایک سیڑھی ہے اس کے بعد ستون حنانہ کے پاس جاکر یہی افعال ادا کرے

قبرستان بقیع میں جانے کا بیان

مستحب ہے کہ مزار پاک کی زیارت سے فارغ ہوکر قبرستان بقیع میں جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وہاں تشریف لیجاتے تھے ہزاروں صحابہ تابعین اور اولیاء کبار وہاں مدفون ہیں حضرت عثمان رضؓ حضرت عباس رضؓ اہل بیت نبوی حضرت امام حسن حضرت امام زین العابدین امام محمد باقر رضؓ امام جعفر صادق رضؓ حضرت فاطمہ زہرا رضؓ رسول اللہؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضؓ ... ... حضرت عثمان رضؓ بن مظعون عبد الرحمٰن رضؓ بن عوف سعد بن ابی وقاص اور بہت سے جلیل القدر صحابہ کے اس قبرستان میں مزارات ہیں یہاں پہنچکر یہ دعا پڑھے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ اَنْتُمْ لَنَا سَابِقُوْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ الْبَقِيْعِ الْغَرْقَدِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهُمْ جب تمام قبور کی زیارت سے فارغ ہوجائے تو ان متبرک مقامات

اور مقدس مساجد میں جاکر نماز پڑھے جہاں رسول اللہ صلعم نے نماز پڑھی ہے مثلاً مسجد قبا وغیرہ۔

مدینہ سے واپسی کا طریقہ

جب مدینہ سے واپس ہونا چاہے تو مستحب یہ ہے کہ اول مسجد سے رخصت ہو اور بکثرت درود وسلام پڑھے پھر مزار اقدس کے پاس حاضر ہو اپنے اور اپنے والدین اعزا، واحباب کے لئے دعا مانگے۔ انتہا خشوع وخضوع سے گریہ وبکا میں مشغول ہو اور حضور اقدس کی مفارقت پر اظہار تاسف کرے۔ پھر الٹے پاؤں پھرتے ہوئے یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ هٰذَا اٰخِرَ الْعَهْدِ بِنَبِيِّكَ وَمَسْجِدِهٖ وَحَرَمِهٖ وَيَسِّرْ لِي الْعَوْدَ اِلَيْهِ وَالْوُقُوْفَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَارْزُقْنِي الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرُدَّنَا اِلٰى اَهْلِنَا سَالِمِيْنَ غَانِمِيْنَ اٰمِنِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

پھر لوٹ کر جس وقت اپنے گھر پہنچے تو مکان میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ فَلَا شَيْءَ بَعْدَهٗ

بابُ الصّوم

دنیا کے مذاہب اور روزہ

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تک کوئی آسمانی یا غیر آسمانی مذہب کوئی ملت اور کوئی قوم ایسی نہیں گذری جن کے مذہب میں روزہ فرض نہ ہو یا فاقہ کشی کو تزکیہ نفس اور روشنی روح کا ذریعہ نہ رکھا گیا ہو۔ حضرت آدمؑ کے زمانہ میں ہر ماہ کے تیرہویں چودہویں اور پندرہویں تاریخوں کے روزے فرض تھے یہودیوں کے ہاں محرم کی دس تاریخ کا اور رجب کے مہینہ میں کچھ روزے فرض تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی امت پر ہماری ہی طرح رمضان کے روزے فرض تھے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ رمضان کبھی گرمی میں آتا ہے تو کبھی جاڑوں میں عربی مہینوں میں کبھی بونڈا تو ہوتا نہیں ہے کہ کسی سال کے تیرہ مہینے ہوکر ہر مہینہ اپنے اپنے موسم میں برقرار رہے اور نہ انگریزی مہینوں کی طرح اٹھائیس اور اکتیس دن کے مہینے ہوتے ہیں کہ کم بیش ہوکر ہر مہینہ اپنے اصلی فصل میں قائم رہے لہذا جب رمضان سخت گرمی میں آتا تھا تو شدت پیاس کی وجہ سے اس سال کے روزے عیسائیوں پر بہت شاق گزرتے تھے اور اگر سخت کڑاکے کی کے جاڑوں میں آتا تھا تو بھوک سے برا حال ہوجاتا تھا اس لئے علماء عیسائیت اور زعماء ملت نے جمع ہوکر باہم مشورہ کیا اور سہولت و آسانی پیدا کرنے کے لئے روزوں کو فصل بہار میں تبدیل کرایا لیکن خدائی احکام اٹل ہوتے ہیں انسانی فطرت ان میں ترمیم و تنسیخ کس طرح کرسکتی ہے اس تبدیل زمانہ کی وجہ سے عیسائیوں پر عتاب ہوا اور بجائے ایک ماہ کے چالیس روز کے روزے بطور سزا کے ان پر فرض ہوئے اس کے بعد اتفاق سے عیسائیوں میں سے کوئی سردار یا بادشاہ بیمار ہوا اور چونکہ یہ شخص نہایت عادل اور منصف تھا رعایا کو اس کے ساتھ ایک خاص ہمدردی اور محبت تھی اس لئے قوم نے نذر مانی کہ اگر خدا تعالےٰ اس کو صحت عطا فرما دیگا تو ہم ایک ہفتہ کے روزے ہر سال زائد رکھا کریںگے اس طرح تقریباً چھ ہفتہ کے روزے عیسائیوں پر فرض ہوگئے ہندو دھرم

اور بدھ مت میں بھی ترک کار داخل بطور رکن مذہب عام ہے اور پارسیوں میں بھی روزہ کو بہترین عبادت کہا گیا ہے۔ یہ حالت تو دیگر مذاہب میں روزہ کی اہمیت اور فضیلت کی تھی رہا اسلام تو اس کے لئے سب سے اول قرآن کا مطالعہ ضروری ہے خداوند تعالےٰ فرماتا ہے :۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ مطلب :۔ یعنی اے مومنو! تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جس طرح گذشتہ اقوام پر فرض کئے گئے تھے تم کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے تم کو ہی اس کا حکم دیا ہے اور تمہاری ہی خواہشات اور نفسانی رغبتوں کی بندش کا امر کیا ہے ایسا نہیں ہے تمہارے ہی ساتھ روزہ کی فرضیت کی خصوصیت نہیں ہو بلکہ تم سے قبل جتنی قومیں گذری ہیں اس عبادت سے آزاد نہ تھیں کیونکہ روزہ ایک نعمت ہے اور جب تمام دنیا کی قومیں اور تمام انبیا کی امتیں اس نعمت عظمےٰ سے محروم نہ رہیں تو تم کس طرح محروم رہ سکتے ہو اس کے آگے مزید تشفی اطمینان اور رغبت و ترغیب دلانے کے لئے فرمایا کہ روزہ رکھنے کے حکم میں ہماری کوئی ذاتی غرض یا فائدہ مضمر نہیں ہے اور نہ تم کو زبردستی بلا وجہ بغیر تمہارے نفع کے اس کا حکم دیا گیا ہے بلکہ اس سے اصلی غرض یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے تمہاری تمام فطری قوتیں روشن اور صاف ہو جائیں مادی کثافتیں اور تاریکیاں تمہارے اندر سے بالکل دور ہو جائیں اور بالآخر تم جنت میں داخل ہو سکو اور قرب خدا تم کو حاصل ہو جائے تو کیا مومن ہو کر تم کو یہ بات گوارا ہوگی کہ قرب الٰہی تم کو حاصل نہ ہو اور تم جنت میں داخل نہ ہو ہرگز نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا لہٰذا تم کو انتہائی کوشش اور بیش از بیش سعی کرنی چاہیئے کہ بہشت الٰہی میں داخل ہو کر قرب خداوندی حاصل کرو۔ دیکھو ہم تم کو جبریہ اور طاقت سے زائد برداشت کرنے کا حکم نہیں دیتے ہیں صرف گنتی کے دنوں کے لئے تم کو روزہ کا حکم دیا گیا ہے ایک مہینہ نفسانی خواہشات سے صرف دنوں میں رک جانا کتنی بڑی بات ہے۔ صبح سے شام تک اور طلوع فجر سے غروب آفتاب تک صرف ایک ماہ کے لئے تزکیہ نفس اور تصفیہ روح کرنا کچھ مشکل امر نہیں ہے اور اس پر بھی اگر تم معذور ہو مجبور ہو بیماری کی وجہ سے یا سفر کے سبب سے روزہ نہ رکھ سکتے ہو تو روزہ چھوڑ دو پھر جب چاہو قضا کر لینا کچھ جبر نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ہر حالت میں روزہ رکھو۔ اتنی آسانیوں کے ہوتے ہوئے ایسے مفید حکم کی اگر تعمیل نہ کرو گے اور

نافرمان بنوگے تو یہ بہت بری بات ہے اس سے تمہارے ایمان کی خامی کا پتہ چلتا ہے اگر تم
عقل رکھتے ہو اور روزہ کے فوائد و منافع کا تم کو علم ہے تو ایسے شکم پرست اور ننگ جہوانیت
نہ بنو یہ حکم تو بہت سہولت پر مبنی ہے اور تمہارے ہی فائدہ کا ہے اگر علم و عقل رکھتے ہو تو اسکو سوچو غور کرو۔
یہانتک تو آیت کا سرسری ترجمہ آمیز مطلب تھا اب رہی تفسیر اور آیت کے حقیقی معنی اور سیاق آیت کا مغز
نیز اسلامی اور غیر اسلامی روزہ کا فرق تو ہم ان تمام امور کو بیان کرنے سے قبل چاہتے ہیں کہ روزہ کے طبی
روحانی اور اخلاقی فوائد کسی قدر بیان کردیں تاکہ روزہ کی فلاسفی کچھ سمجھ میں آجائے۔

روزہ کے طبی منافع

روزہ کی وجہ سے انسان پورے ایک دن کھانے اور پینے سے بچا رہتا ہے تقریباً اٹھارہ انیس
گھنٹہ بھوکا پیاسا رہتا ہے اس سے معدہ میں صفائی پیدا ہوتی ہے معدہ کی زائل شدہ قوت واپس
آجاتی ہے اور تندرستی اچھی ہو جاتی ہے اس کی تفصیل اور تحقیق سمجھنے کے لئے ذرا اصول طب پر گہری نظر
ڈالنی چاہیئے یونانی ہندی اور مصرانی طبیب کہتے ہیں اور سب کا اتفاقیہ مسئلہ ہے کہ منہ کے اندر پہنچکر
جس وقت حلق میں غذا پہنچتی ہے اسی وقت سے فعل ہضم شروع ہو جاتا ہے اس کے بعد مری کے ذریعہ
سے غذا معدہ میں پہنچتی ہے معدہ میں پہنچکر تین قوتیں کام کرتی ہیں ماسکہ تو غذا کو کچھ دیر روک رکھتی ہے
اور قوت ہاضمہ ہضم کرتی ہے آخر میں غذا کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔ عمدہ اور فضلہ۔ قوت دافعہ فضلہ
کو آنتوں میں بھیج دیتی ہے اور عمدہ جوہر غذائی کو عروق ماساریقا کے ذریعہ جگر میں روانہ کرتی ہے۔ فضلہ
آنتوں سے خارج ہو کر براز کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور جوہر غذائی جگر میں دوبارہ پکتا ہے اور یہاں
چاروں اخلاط یعنی خون صفرا، بلغم سودا بنتے ہیں اور یہ چاروں اخلاط بدن کے مختلف حصوں میں
چلے جاتے ہیں ڈاکٹری اصول کے اعتبار سے آنتوں کے فضلہ میں سے کچھ جوہر غذائی پہنچکر جگر میں پہنچتا ہے
بہرحال اس تقریر سے اتنا واضح ہو گیا کہ ہضم میں چار قوتیں کام کرتی ہیں جاذبہ غذائی ماسکہ غذائی ہاضمہ
غذائی۔ دافعہ غذائی ان چاروں قوتوں کے عمل کے بغیر نہ کوئی شئے ہضم ہو سکتی ہے اور نہ کوئی
غذا جزو بدن بن سکتی ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ بدن کے اندر غذا پہنچنے کا کیا فائدہ ہے یعنے
چاروں خلاط کا بننا اور تحلیل شدہ چیز کا بدن میں پہنچنا اور بالآخر بدن اور تمام قوائے بدن کا تندرست
اور صحیح رہنا یہ ہے نتیجہ۔ اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ فاقہ کرنا یا بالفاظ دیگر روزہ رکھنا انسان
کے لئے کیوں ضروری ہے یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ اگر بُری معدہ کی حالت میں کوئی چیز کھائی جائے
تو غذا ہضم نہیں ہوتی بالکل خام رہتی ہے اور یہی خام غذا جسم میں منتشر ہو کر طرح طرح کے مفاسد و

نقصانات پیدا کرتی ہے مثلاً اگر معدہ بھرا ہوا ہے تو معدہ کی قوت جاذبہ اول تو حلق سے ہی غذا کو کھینچتی ہے
اور حلق سے لقمہ نہیں اترتا اور اگر غذا معدہ میں پہنچ بھی جائے تو معدہ کی قوت ہاضمہ اپنا کام نہیں کرتی
کیونکہ اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ پڑتا ہے جس کی کسی طرح وہ متحمل نہیں ہو سکتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوء
ہضم تخمہ اور بکالرا میں مبتلا ہو کر یا تو انسان ہلاک ہو جاتا ہے یا غذا کے ردی بخارات دماغ کو چڑھتے
ہیں اور درد سر تبخیر ضعف بصر وغیرہ کی شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں دماغ میں فضلات بھر جاتے ہیں نزلہ
زکام وغیرہ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر خام غذا معدہ نے جگر کی طرف بھیجدی اور جگر نے اپنی کمزوری کی
وجہ سے ویسی ہی گردوں کو روانہ کر دی تو پیشاب میں ردی اور متعفن اجزاء خارج ہوتے ہیں جسکو
ہضم کاذب یا غیر جید کہتے ہیں بہر حال یہ مفاسد تو وہ ہیں جو داخل غذائی سے پیدا ہوتے ہیں
لیکن اکثر بلکہ ہمیشہ یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ انسان کے بدن کے اندر باوجود قوی معدہ کے درست
ہونے کے فضول مادے جمع ہوتے رہتے ہیں خواہ کھانے پینے میں کتنی ہی احتیاط کرے اخلاط فاسدہ
بدن کے اندر اکٹھے ہی ہوتے رہتے ہیں فاسد خون، ردی بلغم، غیر ضروری سودا یا زیادہ تیز صفراء یہ
سب بدن میں اکٹھے ہو کر ہر انسان کی تندرستی کو گھنٹہ دو گھنٹہ دن دو دن ہفتہ دو ہفتہ کے لئے خراب
کر ہی دیتے ہیں انسان کتنا ہی کم خور اور اصول حفظان صحت کا پابند ہو پھر بھی یہ ردی مواد کم و بیش
بدن میں جمع ہوتا ہی رہتا ہے اور چند گھنٹوں یا چند روز کے لئے انسان کے نظام صحت کو درہم برہم
کر ہی دیتا ہے اور بغیر اس کے چارہ نہیں ہوتا کہ کسی صورت سے اس فاسد مادہ کو بدن سے خارج کیا جائے
اور دوبارہ صحت کو اصلی حالت پر لایا جائے کون انسان ایسا ہے جو سال دو سال میں کبھی نہ کبھی نزلہ زکام
یا مرض معدہ یا کسی دوسرے مرض میں مبتلا نہ ہوتا ہو لہذا ہر شخص پر لازم ہے کہ سال بھر میں کم از کم ایک
مرتبہ ضرور بدن کا تنقیہ کرے اور ان فاسد مواد کو جسم سے خارج کر کے معدہ کی چاروں قوتوں کو از سر
نو تازہ اور درست کرے۔ تنقیہ کی مختلف صورتیں ہیں مسہل لینا حمام میں نہانا، فصد کھلوانا انجکشن لگوانا
مصفی دوائیں پینا، ریاضت بدنی اور ورزش جسمانی کرنی دوڑنا، کودنا، گھوڑے پر سوار ہونا لیکن
کون عقل رکھنے والا اور دماغدار انسان ایسا ہے جو یہ نہ سمجھتا ہو کہ جب وقت تک حلق بند نہ کیا جائے
گا اس وقت تک بدن میں صفائی پیدا نہ ہوگی اگر غذا برابر پہنچتی رہی اور حال یہ ہے کہ معدہ کی قوتیں
ویسے ہی سال بھر تک عمل کرنے سے کم و بیش کمزور ہو گئی ہیں اور اخلاط فاسدہ بدن میں جمع ہیں
تو پھر کس طرح جسمانی اور روحانی پاکیزگی پیدا ہو سکتی ہے لہذا فاقہ کرنے اور روزہ رکھنے کے سوا کوئی اور چارہ
نہیں اس کے علاوہ سوا روزہ کے جتنی اور صورتیں تصفیہ بدن کی ہیں سب کے سب کم و بیش فاسد کے مواد کے

ساتھ اصلی اور ضروری قوتوں میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔ مسہل لینے سے جہاں غیر ضروری مواد خارج ہوتا ہے وہاں عموماً اصلی اور ضروری جز غذائی اور جوہر خلطی بھی نکل جاتا ہے۔ فصد لینے سے اگر فاسد خون خارج ہوتا ہے تو ضروری اور صاف خون کا بھی حصہ نکل جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مسہل یا فصد کے بعد بہت زیادہ کمزوری بلکہ غشی کی نوبت پہنچ جاتی ہے نیز تنقیہ کی یہ شکلیں خطرہ سے بھی خالی نہیں ہوتیں نادان طبیب کی تجویز یا دوا کی ناموافقت کی وجہ سے بدن کو ان سے کبھی کبھی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے ان تمام خطرات سے بچنے اور صحت کو برقرار رکھنے یا زائل شدہ صحت کو واپس لانے کے لئے روزہ نہایت ضروری چیز ہے خصوصاً تندرستوں اور طاقتوروں کے لئے تو روزہ اکسیر کا حکم رکھتا ہے ان کے لئے روزہ بطور حفظ ما تقدم کے نہایت ضروری ہے ان کے بدن میں اگر بہترین طاقت اور عمدہ جوہر غذائی پیدا کرنے کی صلاحیت زائد ہوتی ہے تو ردی مواد بھی بہت ہوتا ہے لیکن چونکہ مقابلہ اور توازن کا لحاظ کرتے ہوئے جوہر غذائی فاسد مواد کی بہ نسبت زائد ہوتا ہے اس لئے ان کی صحت پر فی الفور اور بظاہر کوئی خرابی کا اثر معلوم نہیں ہوتا ورنہ واقع میں ان کو زائد خطرہ کا احتمال ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ورزشی پہلوان کو اگر کبھی بخار آتا ہے تو بس ہاتھی کا بخار ہوتا ہے کیونکہ اس کے بدن میں جہاں اصلی طاقت اور عمدہ جوہر زائد ہے وہاں فاسد مواد بھی کمزور آدمی سے زائد ہے جب تک طبعی یا ورزشی قوت فاسد مادہ پر غالب رہتی ہے کچھ نہیں معلوم ہوتا اور جہاں فاسد مادہ خواہ عارضی طور پر ہو، غالب آیا بس قیامت آگئی اس طولانی قلم فرسائی سے ثابت ہوتا ہے کہ روزہ سے معدہ میں قوت جگر میں طاقت اخلاط میں صفائی بدن کا تنقیہ دماغ میں پاکیزگی آنکھوں میں نور دل میں سرور قوی حیوانیہ اور طبعیہ میں طہارت اور قوت نفسانیہ میں نزاکت پیدا ہوتی ہے خون میں چمک اور روشنی ہو جاتی ہے بشرہ صاف ہو جاتا ہے غذا کو ہضم کرنے اور جزو بدن بنانے کی معدہ و جگر میں کافی قوت پیدا ہو جاتی ہے دماغ روشن ہو جاتا ہے انسان کی تندرستی قابل رشک بن جاتی ہے اور روزہ رکھنے والا آدمی ترقی کے اعلیٰ زینہ پر پہنچ جاتا ہے اور روزہ نہ رکھنے والے کا دماغ کثیف قویٰ میں انحطاط اعضاء میں ترہل اور ڈھیلا پن، معدہ خراب، دل کمزور اور صحت تباہ ہو جاتی ہے رہے وہ لوگ جو روزہ نہ رکھنے کے باوجود تندرست ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لازمی طور پر کوئی دوسری ورزش یا تصفیہ بدن کے طریقے پر کاربند ہیں اگر کوئی اور ورزش نہ کریں بدن کے تنقیہ کی کوئی صورت استعمال نہ کریں تو پھر میں پوچھوں کہ کس طرح تندرست رہ سکتے ہیں اور کس طرح ان کے یہ چکنے چپڑے گال اور لال لال صورتیں باقی رہ سکتی ہیں اس کے باوجود تندرستی اور روزہ

سے باقی رہ سکتی ہے وہ کسی اور طریقہ ریاضت یا تنقیہ سے ناممکن ہے ایک ماہ کے روزے رکھنے کے بعد اگر معدہ سے اس کی طاقت سے زائد کام نہ لیا جائے اور تداخل غذا نہ کیا جائے تو انسان بیمار نہیں ہو سکتا

روزہ کے روحانی فوائد اور محاسن

ذیل میں روزہ کے مختصر روحانی فوائد ذکر کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ چیز صرف وجدانی اور ذوقی ہے اور اہل مشاہدہ اور تجربہ کار اشخاص ہی اس سے واقف ہیں صفحۂ کاغذ پر لانا ضروری ہے اور نہ یہ کوئی عقلی چیز ہے جس کو استدلال کے زور سے ثابت کیا جاسکے تاہم جہاں تک دماغ فرسائی اور خیال آرائی ہوسکتی ہے آشنا بلکہ اس سے بھی کم تحریر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) روزہ سے دل میں صفائی، روح میں روشنی لطائف سبعہ میں چمک پیدا ہوتی ہے نور الٰہی دل میں پرتوفگن ہوتا ہے جس سے تمام جلوہ گاہ روح جگمگا اٹھتا ہے عبادت میں لطف نیکی کی رغبت بدی سے نفرت تعمیل حکم الٰہی کی حرص نافرمانی سے بغض پیدا ہوجاتا ہے۔ مادی کثافتیں دور ہوجاتی ہیں تجرد اور روحانیت بڑھ جاتی ہے۔

(۲) گناہوں کا کفارہ، بدیوں کا ازالہ معاصی اور نافرمانیوں کا دفعیہ روزہ سے ہوتا ہے انسان روزہ میں جو کچھ بھوک پیاس کی تکلیف اٹھاتا ہے اس سے گناہ خزاں رسیدہ پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔

(۳) قوت شہوانیہ اور بہیمیہ کا زور ٹوٹ جاتا ہے روزہ دار میں فرشتوں اور مجرد مخلوقات کے ایسے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں قوت روحانیہ خواہشات نفسانی پر غالب آجاتی ہے جس کی وجہ سے انسان واقعی انسان اور کامل انسان بن جاتا ہے واقعہ یہ ہے کہ انسان کے اندر تین قوتیں ہیں دو تو مادی ہیں اور تیسری روحانی غیر مادی یا مجرد ہے اس تیسری قوت میں ذاتی طور پر نہ مادیت ہے نہ تاریکی نہ کثافت۔ اول قوت بہیمیہ یا شہوانیہ ہے دوسری قوت سبعیہ یا غضبیہ ہے اور تیسری قوت روحانیہ یا عقلیہ ہے ان تینوں قوتوں میں سے ہر قوت اس بات کی متمنی رہتی ہے کہ دوسری پر غلبہ حاصل کرکے تمام بدنی رعایا یعنی تمام اعضائے جسمانی کو اپنے زیر نگین اور زیر فرمان لے آئے۔

(۱) قوت شہوانیہ چاہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح میرے مرغوبات حاصل ہوں خواہ یہ حرام کا ہو یا حلال کا ایمانداری کا ہو یا دغا و فریب کا اپنے حق کا ہو یا تغلب و تصرف سے حاصل کیا ہوا بہرحال مل جائے بہترین لباس اور لذیذ ترین کھانے جائز یا ناجائز طریقہ سے حاصل ہو جائیں محل شہوت رانی مناسب ہو یا نامناسب عقلاً ممنوع ہو یا جائز اخلاقاً حرام ہو یا حلال بہرطور دستیاب ہو جائے

خلاصہ یہ کہ اس شہوانی اور بہیمی قوت کا ہر وقت یہ تقاضا رہتا ہے کہ میری خواہش بہر طور ممکن پوری کی جائے (۲) قوت غضبیہ یا سبعیہ کی خواہش ہوتی ہے کہ جس طرح ہو سکے میرا مدعا حاصل ہو جائے میں اپنے دشمن کو اور ہر اس شخص کو جو میرے حصول مدعا میں رکاوٹ پیدا کرے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکوں اس کے خاندان کو تباہ کر دوں صفحہ ہستی سے اپنے عائق و مانع کا نام مٹا دوں اگر کسی شخص نے مجھے گالی دی تو مجھے اس وقت تک صبر نہیں آسکتا جب تک میں اس کو اس کے گھر والوں کو اس کے عزیزوں کو حتی کہ اس کے دوستوں کو اس کے شہر والوں کو بلکہ اس کے ہم مذہب اور ہم وطن لوگوں کو قطعاً اور یکسر فنا نہ کر دوں مجھے اس سے غرض نہیں کہ یہ ظلم ہو گا یا انصاف جائز ہو گا یا ناجائز مجھے اپنے مطلب سے کام ہے میرے زیر نگین تمام دنیا اور اہل دنیا بلکہ آسمانی اور زمینی تمام مخلوق کو رہنا چاہیئے کسی نے ذرہ برابر مجھ سے سرتابی کی یا میرے احکام کی تعمیل میں چون و چرا کیا اور میں نے اس کی سات نسلوں کو تباہ کیا (۳) قوت عقلیہ چاہتی ہے کہ شہوانی اور غضبی قوتیں اعتدال کے ساتھ کام کریں جس طرح کہ شہوانی اور غضبی قوتوں کی کمی فطرت انسانی کے خلاف ہے اسی طرح ان کی زیادتی سے بھی اشرف المخلوقات انسان درجہ حیوانیت سے ایک انچ نیچے نہیں رہتا یہ صحیح ہے کہ کھانا پینا نکاح کرنا عیش آرام دنیوی عزت و جاہ، دولت و حشم حکومت و تسلط اچھی چیزیں ہیں ان کا حاصل ہونا اچھا ہے اور ان کے حصول کی کوشش کرنی اچھی ہے لیکن پھر بھی اعتدال کے ساتھ ہونی چاہیئے زیادتی ٹھیک نہیں ورنہ ایک انسان میں اور ذلیل ترین حیوان میں کیا فرق ہے اسی طرح قوت عقلیہ کہتی ہے کہ دشمن کو دفع کرنا بہت اچھا ہے اور دشمن کو اپنے اوپر مسلط کر لینا برا ہے لیکن دفع کرنا بھی اعتدال کے ساتھ ہونا چاہیئے معمولی اور ادنیٰ غلطی پر کسی کی سات پشتوں کی بیخ کنی کر دینی ناجائز ہے یہ کہاں کا انصاف ہے کہ کوئی شخص تمہاری طرف صرف گھور کر دیکھے اور تم اس کو اور اس کے عزیزوں کو اور اس کے تمام ہم وطن اور اہل بلاد کو فنا کر دو انصاف سے کام لینا چاہیئے جبن اور بزدلی بری چیز سہی۔ لیکن خواہ مخواہ زیادتی اور زبردستی بھی تو بری چیز ہے بہرحال ان تینوں قوتوں میں بدن کے اندر برابر یہ جنگ جاری رہتی ہے اور ہر وقت معرکہ آرائی ہوتی ہے اگر قوت عقلیہ غالب آجاتی ہے تو انسان فرشتہ ہو جاتا ہے صرف صورت انسانی باقی رہتی ہے بلکہ فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے کیونکہ اس میں روحانیت بڑے جنگ و جدال اور لڑائی جھگڑوں کے بعد حاصل ہوئی ہے اور فرشتوں کو بلا مقابلہ حاصل ہوئی ہے اور اگر اول الذکر دونوں قوتیں غالب رہتی ہیں تو عفت و شجاعت تباہ ہو جاتی ہے مرتبہ عدالت سے انسان بے بہرہ ہو جاتا ہے اور ایک اچھا خاصہ انسان نرا حیوان ہو جاتا ہے لامحالہ ایک ایسے ستمگار کی

ضرورت ہے جو قوت روحانیہ کو مدد پہنچائے اور قوت شہوانیہ وغیرہ کو شکست دے کیونکہ جس
وقت شہوانیہ اور نیز قوت غضبیہ (جو درحقیقت قوت شہوانیہ کی خادم ہے) کا زور ٹوٹیگا اسی وقت
بدنی رعایا پر قوت روحانیہ کا تسلط جمیگا۔ یہ مددگار شریعت نبوی کا اتباع ہے اسوہ حسنہ کی پیروی
ہے اوامر الٰہیہ کی تعمیل ہے نواہی اور ممنوعات سے پرہیز کرنا ہے اسی کے لئے نماز فرض ہوئی اور
روزہ کا حکم ہوا۔ روزہ کو خصوصیت کے ساتھ قوت شہوانیہ کے زور توڑنے میں دخل ہے کیونکہ روزہ
رکھنے سے مادی زور کم ہوتا ہے جس سے قوت شہوانیہ کے زور اور تسلط میں کمی آجاتی ہے اسی لئے
شریعت اسلامی کا حکم ہے کہ جو شہوانی جذبات سے مجبور ہو اور نکاح بھی نہ کر سکتا ہو اس کو روزے
رکھنے چاہئیں اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ روزہ رکھنے سے بہیمیہ قوت کو شکست ہو جاتی ہے اور انسان
ملکوتی صفات سے متصف ہو جاتا ہے اور قرب الٰہی حاصل ہو جاتا ہے جو انسان کی پیدائش کی اصلی غرض ہے

(۴) جنت میں داخلہ بغیر دو چیزوں کے ناممکن ہے۔ خوف خدا۔ اور خواہشات سے نفس کو
باز رکھنا خداوند تعالےٰ فرماتا ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى یعنی جو شخص خوف خدا کرتا ہو اور نفسانی خواہشات سے اپنے نفس کو
باز رکھے اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔ خواہشات نفسانی سے دستکش ہونا اور خدا سے خوف کرنا دونوں
باہم لازم ملزوم ہیں اسلئے مجھے ہر ایک سے جدا جدا تفصیل وار بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف خوف
خدا اور اتقا کے معنی اور مدارج بیان کردینے سے ترک خواہشات کی بحث پر کافی روشنی پڑ جائے گی
اور مزید توضیح کی ضرورت نہ رہے گی۔ شروع آیت میں فرضیت صوم کی علت غائی اتقا اور پرہیزگاری
کو قرار دیا گیا ہے لیکن ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ اتقا صوم کی کس طرح اور کیونکر علت ہو سکتا ہے
اور صوم سے تقوی کس طرح حاصل ہوتا ہے ہم ہر ایک سے ذیل میں کسی قدر تفصیل آمیز بحث کرنی
چاہتے ہیں تقوی کے شریعت میں تین معانی آتے ہیں خدا کا خوف اور ہیبت دوسرے طاعت
وعبادت۔ تیسرے دل کا تمام ظاہری اور باطنی گناہوں سے پاک کرنا اسی طرح تقوی کے تین مراتب
ہیں (۱) خدا تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کرنا (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور صحابہ کے زمانہ میں جو چیزیں دین سے خارج تھیں ان کو خارج سمجھنا اور جو چیزیں دین میں داخل
تھیں اس کو داخل سمجھنا اپنی طرف سے دین میں کوئی نئی بات داخل نہ کرنا (۳) ہر طرح کے گناہوں
سے بچتے رہنا۔ ان تینوں درجات کا بیان قرآن پاک میں موجود ہے ارشاد ہوتا ہے :-
لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ اس آیت
میں تین بار اتقاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ اول سے اتقاء عن الشرک۔ دوسرے سے اتقاء عن البدعۃ
اور تیسرے سے اتقاء عن المعاصی مراد ہے۔ اتقاء کے اول معنی تو ایک مسلمان کو اسی وقت حاصل ہوجاتے
ہیں جب وہ سچے دل سے کلمۂ توحید پڑھ لیتا ہے اور دوسرے معنی سنت نبوی کی کامل پیروی
سے حاصل ہوتے ہیں ہاں تیسرے معنے ضرور کمی بیشی کے اعتبار سے اختلاف و امتیاز ہے جس قدر انسان
گناہوں سے بچتا رہے گا اسی قدر زائد متقی ہوگا اور اگر تمام گناہوں سے محفوظ رہے گا تو متقی کامل
شمار کیا جائے گا اور چونکہ روزہ تمام اعمال صالحہ کا خزانہ محاسن قلبیہ کا سرچشمہ اور تربیت روحانی کا
اعلیٰ ذریعہ ہے اس سے روح میں روشنی دل میں اوامر الٰہی کی پابندی کی استعداد اور اعضاء میں
منہیات شرعی سے بچنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تقویٰ کے تیسرے معنے
جیسے روزہ سے حاصل ہوتے ہیں اور کسی عبادت سے حاصل نہیں ہوتے ہر شخص جانتا ہے کہ انسان
کو بقاء شخصی کے لئے کھانا پینا اور بقاء نوعی کے لئے جماع جنسی کی ایسی ضرورت ہے کہ جسے کبھی نظر انداز
نہیں کیا جاسکتا اور روزہ میں انسان کو ان تینوں باتوں سے کنارہ کش رہنے کا حکم ہے۔ مطلب یہ
ہے کہ جو شخص لذات نفسانی سے تمام دن کنارہ کش رہے وہی صائم ہے اور یہ ممانعت محض اسلئے
ہے کہ جب انسان اپنے نفس کو ایسی چیزوں سے روک رکھیگا جن پر بقاء شخصی اور بقاء نوعی موقوف ہے
اور اس کے واسطے جائز و حلال بھی ہیں تو ان چیزوں سے جو اس کے لئے ناجائز اور حرام ہیں ضرور
بچتا رہے گا اور پھر اس سے کسی گناہ کا ارتکاب نہ ہوگا معلوم ہوا کہ تقویٰ کا حصول جس سہولت اور
خوبی سے روزہ سے ہوسکتا ہے وہ دوسرے کسی ذریعہ سے ناممکن ہے کیونکہ روزہ میں انسان اپنی
تمام مرغوبات اور ضروریات کو رضاء الٰہی پر قربان کردیتا ہے بطنی اور نسلی خواہشیں زبردستی روکتا ہے
پھر کیوں روزہ سرچشمہ محاسن نہ ہو اور کیوں اطاعت الٰہی کا اعلیٰ ذریعہ نہ سمجھا جائے اور کیوں انقیاد
امر ایزدی کا اصل الاصول اس کو قرار نہ دیا جائے اور کیوں نہ کہدیا جائے کہ الصوم ھو الاتقاء
عن الماکل والمشارب وحفظ النفس بالجماع وترک المعاصی کلہا وانقیاد النفس
باوامر اللہ تعالیٰ

روزہ کے اخلاقی فوائد

اخلاقی فوائد تو روزہ کے بہت ہیں جتنی چھان بین کیجئے اتنے ہی فوائد معلوم ہوتے ہیں میں ذیل
میں صرف چند فوائد کا بیان کرنا چاہتا ہوں (۱) صبر و استقلال اور قوت برداشت کا پیدا ہوجانا

(۲) مساوات انسانی کا حصول (۳) نوع انسانی کی سچی اور عملی ہمدردی (۴) فقراء اور مساکین کی امداد و دستگیری وغیرہ ہر شخص جانتا ہے کہ صبر و استقلال اور مصائب و شدائد میں قوت برداشت یہ ایسے جوہر ہیں جو قوموں کو مسابقت اقوام میں بازی لیجانے اور قوت و اقتدار حاصل کرنے میں ممد و معاون ہوتی ہیں اور روزہ دار چونکہ مصائب اور تکالیف کے برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے اس لئے اسمیں صبر و ضبط کے گرانبہا جوہر پیدا ہو جاتے ہیں اور زلزل و حوادث کے وقت پورے عزم و ثبات کا مظاہرہ کرتا ہے اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ افراد انسانی کی سچی ہمدردی اور فقراء و مساکین کی دستگیری دارالانسانیت کا فرض اولین ہے اسلام نے اخوت قومی کے علاوہ اخوت اسلامی بلکہ اخوت انسانی کی پرزور تعلیم دی ہے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے کہ بہترین انسان وہی ہے جس سے لوگوں کو نفع پہنچے اور یہ بھی ایک تسلیم شدہ قضیہ ہے کہ انسان جب تک خود کسی تکلیف و مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتا اس وقت تک اس کو دوسروں کی تکلیف اور مصیبت کا احساس نہیں ہوتا روزہ ایک دولتمند با جبروت رئیس اور صاحب ثروت فارغ البال امیر میں یہ جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اپنے غریب اور محتاج بھائیوں پر رحم کرے ان کی تنگدستی اور مصیبت کے وقت مدد کرے کیونکہ روزہ رکھنے کی وجہ سے اسے دوسروں کی بھوک و پیاس کی شدت و تکلیف کا اندازہ ہو جاتا ہے اور وہ دوسروں کی ہمدردی اور امداد کرنے پر اپنی طبیعت کی طرف سے مجبور ہو جاتا ہے چنانچہ یہ ہر شخص کا تجربہ اور واضح حقیقت ہے کہ عموماً ہر مسلمان اور خصوصاً دولتمند طبقہ رمضان شریف کے مہینہ میں معمول سے کہیں زیادہ فقراء و مساکین کی امداد کرتا ہے اور غریبوں کی سحری و افطار کا بقدر امکان انتظام کرتا ہے۔

روزہ کا آخری اور انتہائی نقطۂ نظر

روزہ کے مختصر فوائد بیان کرنے کے بعد میں روزہ کا مغز اور جوہر بتانا چاہتا ہوں اور یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں روزہ سے اطاعت و اتقیاء الٰہی کی تکمیل ہوتی صحت میں کمال حواس میں نشاط، دماغ میں نشو و ارتقا اور روح میں روشنی پیدا ہوتی ہے، اخوت مروت اور مساوات انسانی کا بہترین مظاہرہ ہوتا ہے وہاں روزہ میں عشق و محبت کا کافی اور نہ بھولنے والا درس بھی ملتا ہے۔ وارفتگی اور شیفتگی کی دل لبھانے والی تصویر سامنے آتی ہے جس طرح ایک عاشق صادق بھوک و پیاس اور خواہشات نفسانیہ سے بیخبر ہو کر اپنے مجازی معشوق کی طلب میں از خود رفتہ رہتا ہے اسی طرح روزہ دار محبوب حقیقی کی رضا جوئی اور خوشنودی کی تلاش

ہیں تمام جسمانی ضروریات اور نفسانی مرغوبات سے دستکش ہوکر ہر علت و سبب اور خواہش و رغبت سے بے نیاز ہو جاتا ہے خدائے قدوس چاہتا ہے کہ بھوک و پیاس کی شدت سے تمہارے ہونٹوں پر خشکی اور قوت شہوانیہ میں اعتدال پیدا ہو تاکہ تمہاری روح میں نور عرفان چمک اٹھے اور بالآخر تمہارا قلب حقیقی تجلی قدم اور پرتو ازلی کا بقعۂ نور بنجائے اور رضاء محبوب تم کو حاصل ہو جائے و رضوان من اللہ اکبر۔

رمضان روزہ سحری اور افطار کے فضائل اور اسلامی روزہ کے اوصاف

الصیام فی القرآن والاحادیث

(۱) خدا تعالیٰ فرماتا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ یعنی رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا جو انسانوں کے لئے سراپا ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں اور وہ حق و باطل میں علیحدگی پیدا کر دینے والا ہے" یہاں میں کچھ بیان کرنا نہیں چاہتا صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ خدائے قدوس نے فضیلت رمضان کے بیان میں نزول قرآن کا تذکرہ فرمایا اور پھر اس تذکرہ کرنے کی علت خود ہی بیان فرما دی کہ قرآن سے لوگوں کو ہدایت ہوتی ہے بلکہ قرآن خود سراپا ہدایت ہے اور ہزار ہا ہدایتوں کا سرچشمہ ہے حق و باطل میں تفریق کرنے والا راستی و کجی میں امتیاز قائم کرنے والا اور استقامت و گمراہی میں جدائی پیدا کر دینے والا ہے کیا مبارک ہے یہ مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا۔ وہ قرآن مجید جس نے کفر و شرک کی اندھیری رات میں مشعل ہدایت روشن کر کے پاک توحید کا نور پھیلایا ہزاروں برس کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو سیدھے راستہ پر لگا کر ٹھوکریں کھانے سے بچایا دنیا کے پھولوں اور کانٹوں میں تمیز کا سلیقہ بتایا اور قدرت و حکمت کی کھلی کھلی نشانیاں دکھا کر خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی بلاشک تمہارے پاس اللہ کے پاس سے ایک روشنی اور کھلی کھلی کتاب آ گئی جو لوگ رضاء الٰہی کے طالب ہیں ان کو خدا تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ سے سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور یہ سب کچھ اپنے حکم سے کرتا ہے کسی دوسرے کی مرضی کو اس میں دخل نہیں اور سب کو سیدھے سادھے راستہ کی ہدایت فرماتا ہے یہ مضمون اور آیت کی تفسیر تو بہت طویل ہے یہاں صرف اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن چونکہ تمام ہدایات کا سرچشمہ اور عمارت اسلامی کی اصلی بنیاد ہے اس لئے آیت مذکورہ میں نزول قرآن کا تذکرہ کر کے فضیلت

رمضان کی کھلی ہوئی دلیل اور ناقابل تردید حجت ہے ایک صحیح حدیث میں رمضان اور قرآن کو ہموزن اور مساوی قرار دیا گیا ہے حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ الصیام والقرآن یشفعان للعبد یعنی روزے اور قرآن قیامت کے دن بندوں کی شفاعت کریں گے۔"

ہر شخص جانتا ہے کہ خدا کے سامنے بغیر اذن خدا کے کوئی سفارشی اور شفیع نہ ہوگا۔ پھر روزہ کے متعلق یہ حکم کہ وہ خدا کے سامنے سفارش کریگا اس بات کو صاف بتا رہا ہے کہ رمضان فضیلت کی انتہائی چوٹی پر پہنچا ہوا ہے اور جس طرح قرآن کی قرات وتلاوت اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا باعث سفارش اور سبب شفاعت ہے۔ اسی طرح روزے دار کے روزے بھی اس کی مغفرت اور نجات کے لئے اسباب ہیں۔

(۳) مصابیح کی حدیث ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھولدیئے جاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھولدیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازہ بند کر دیئے جاتے ہیں اور تمام شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ ہیں اور باتفاق علماء نہایت صحیح حدیث ہے۔ حدیث کے ظاہری معنی چونکہ حالت حیات میں کوئی انسان آسمان پر حسب عادت نہیں چڑھ سکتا اور نہ جنت میں جاسکتا ہے پھر دروازوں کے کھولنے بند کرنے سے کوئی نتیجہ نہیں اسلئے علماء نے اس حدیث کے ظاہری معنی کی یہ تاویل کی ہے کہ جب اہل اسلام میں سے نیک بندے مرتے ہیں اور جنت کے دروازے کھولدیئے جاتے ہیں تو ان کو اتنی خوشبو آتی ہے جو دروازے بند ہونیکی حالت میں نہ آتی تھی اسی طرح جب دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں تو ان کو وہ لپٹ اور گرمی نہیں آتی جو دروازے کھلنے سے قبل آتی تھی۔ حدیث کے واقعی اور صحیح معنی یہ معنی اگرچہ ہو سکتے ہیں اور تاویل کو گنجائش ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ مراد لے لیکن درحقیقت یہ حدیث روزہ کی رغبت اور رمضان کا ترغیب دلانے کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ روزہ دار کے لئے جنت کے دروازہ کھولدیئے جاتے ہیں یعنی جنت کے دروازہ ایسے ہو جاتے ہیں گویا کھل گئے اور دوزخ کے دروازہ بند کر دیئے جاتے ہیں یعنی ایسے ہو جاتے ہیں گویا روزہ دار کے لئے ان کی بندش ہو گئی غرض یہ ہے کہ روزہ دار کا جنت میں داخلہ اور دوزخ سے بچاؤ یقینی ہے کیونکہ روزہ دار کو وہ عبادتیں حاصل ہو جاتی ہیں جو دخول جنت کی قطعی اور یقینی اسباب ہیں اور ان گناہوں سے اجتناب اور بچاؤ ہوتا ہے جو دخول دوزخ کی علت ہیں اسی وجہ سے دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کبیرہ گناہوں

يَقُولُ كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَالصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ

بِهٖ یعنی خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر نیکی پر دس گونہ سے لیکر سات گونہ تک ثواب ملیگا اور روزہ صرف میرے لئے ہے میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ ہر نیکی اور عبادت کرنے والے کو بشرطیکہ نفاق وریا سے خالی ہو کم از کم دس گونہ ثواب ملیگا خدا تعالےٰ فرماتا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اور بعض وقت یہ ثواب سات سو گونہ تک بلکہ اس سے بھی زائد بڑھا دیا جاتا ہے کیونکہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ، وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ (ترجمہ) راہ خدا میں مال صرف کرنے والوں کی مثال اس دانہ کی ایسی ہے جس میں سات بالیاں ہوں ہر بال میں سو دانے اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے زیادہ بھی فرما دیتا ہے" اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات نیکیوں کا ثواب تو سات سو گونہ سے بھی بڑھا دیا جاتا ہے اور روزہ کا ثواب تو بیحساب ہے کیونکہ روزہ بغیر صبر کامل کے ادا نہیں ہوسکتا اور قرآن میں صاف طور پر مذکور ہے کہ صبر کرنے والوں کو بیحساب اجر عطا کیا جائے گا۔ صبر اگرچہ دیگر عبادات میں بھی دیا جاتا ہے لیکن جو نوعیت صبر روزہ میں متحقق ہے وہ کسی دوسری عبادت میں موجود ہونی ناممکن ہے کیونکہ صبر تین طرح کا ہوتا ہے۔ اللہ کی عبادت پر صبر کرنا۔ ممنوعات الٰہی سے باز رہنا۔ تکلیف اور سختیوں پر صبر کرنا۔ اور یہ تینوں اقسام روزہ میں متحقق ہیں۔ روزہ دار عبادت الٰہی پر بھی صبر کرتا ہے۔ نفسانی خواہشات سے بھی باز رہتا ہے اور بھوک پیاس ضعف جسمانی اور دیگر تکالیف پر بھی صبر کرتا ہے لہذا جو اجر اس کا ہوسکتا ہے وہ کسی دوسری عبادت کا نہیں ہوسکتا۔ روزہ دار صرف خوشنودئ خدا حاصل کرنے کے لئے سب تکلیفیں گوارا کرتا ہے اپنی خواہشات نفسانی اور کھانا پینا صرف رضاء الٰہی کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور ان مادیات کے ترک کرنے سے صفات الٰہی کا نمونہ بن جاتا ہے اسی وجہ سے فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا روزہ رکھنے سے بندہ کو خصوصیت خدا تعالےٰ کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے وہ اسی بات کی مقتضی ہے کہ خدا تعالےٰ ہی اس کے ثواب کی متکفل ہو اور بیحساب اجر عطا فرمائے۔ بعض علماء نے حدیث کے جزو اخیر کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ روزہ اللہ اور بندہ کے درمیان ایک راز ہے جس کو بندہ خالصاً لوجہ اللہ محض اس کی رضا جوئی کے لئے ادا کرتا ہے۔ یہانتک کہ کراماً کاتبین کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی اور نہ وہ اسکو لکھتے ہیں لہذا خدا تعالےٰ نے روزہ کو اپنے ساتھ مخصوص فرمایا اور خود اس کے بدلہ دینے کا وعدہ کیا

کسی دوسرے کے حوالہ نہ کیا گویا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور کسی دوسرے کو اس کی خبر نہیں تو اب میں خود اس کی جزا کا ذمہ دار ہوں کسی دوسرے پر حوالہ نہیں کرتا ہوں اور یہ قاعدہ ہے کہ سخی جب کسی چیز کے متعلق یہ کہے کہ اس کی جزا کا میں خود ذمہ دار ہوں تو یہ امر اس بدلے کی انتہائی عظمت اور بے انتہا کثرت کا مقتضی ہوتا ہے خدا تمام سخیوں سے زیادہ سخی اور تمام کریموں سے زیادہ کریم ہے اور فرماتا ہے کہ روزہ کی جزا کا میں خود کفیل ہوں لہذا روزہ کے ثواب کا بے حد وحساب ہونا یقینی ہے انشاء اللہ۔

(۸) ترمذی میں بروایت ابوہریرہ مروی ہے حضور اکرم صلعم نے فرمایا لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ حِيْنَ يُفْطِرُ وَفَرْحَةٌ حِيْنَ يَلْقٰى رَبَّهٗ۔ یعنی روزہ دار کو دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک خوشی تو افطار کرنے کے وقت دوسری خوشی دیدار الٰہی کے وقت۔ دیدار الٰہی کے وقت خوشی دو وجہوں سے ہوگی اول تو روزہ دار کو دیدار الٰہی حاصل ہوگا یہی ایک زبردست خوشی کا سبب ہے دوسرے ملاقات خداوندی کے وقت اس کو وہ تمام ثواب ملیگا جو خدائے قدوس کے پاس جمع ہوگا حضور نے یہی ارشاد فرمایا تھا کہ تم خدا تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے جو چیز چھوڑ دو گے خدا تعالےٰ اس سے بہتر تم کو عنایت فرمائے گا **ایک اور روایت** میں آیا ہے کہ قیامت کے دن روزہ داروں کے لئے عرش کے نیچے دسترخوان چنا جائیگا اور روزہ دار اس پر کھا رہے ہوں گے باقی لوگوں کا اس وقت حساب ہوتا ہوگا۔ یہ دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ اس کی کیا وجہ کہ یہ لوگ تو خورد ونوش میں مشغول ہیں اور ہم حساب ہی میں پھنسے ہوئے ہیں ان کو جواب دیا جائے گا کہ یہ لوگ روزہ دار تھے اور تم روزہ نہیں رکھتے تھے۔ صحیحین میں ایک روایت ہو کہ حضور نے فرمایا جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریّان ہے اس میں صرف روزہ دار لوگ داخل ہوں گے یعنی اس میں وہی لوگ داخل ہوں گے جو بکثرت روزے رکھتے تھے کیونکہ انہی لوگوں نے پیاس کی شدت دنیا میں اٹھائی ہوگی لہذا سیرابی کے بھی مستحق یہی لوگ ہوں گے۔ حاصل حدیث یہ ہے کہ روزہ دار اپنی خواہشات کو دن میں صرف خدا ہی کے حکم سے اور اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے چھوڑتا ہے اور پھر شام کو اسی کی مرضی کے مطابق اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پوری کرتا ہے اور دونوں حالتوں میں اصل مدعا اور حقیقی مطمح نظر صرف رضاء الٰہی ہوتی ہے وہ یہ جانتا ہے کہ میرے مالک اور مولیٰ کی خوشی اسی میں ہو کہ دن کو خواہشات کو ترک کر دوں لہذا وہ اپنے مالک حقیقی کی خوشی کو اپنے ہوا و ہوس پر مقدم رکھتا ہے اور اس کو اسی میں زیادہ لطف آتا ہے اس کو ہر اس بات سے رنج ہوتا ہے جو اس کے مالک

کی خوشنودی کے خلاف ہو اور مالک کو ناپسند ہو خواہ یہ کام اس کی خواہش کے مطابق ہو۔ یہ تو جائز خواہشات کی حالت تھی رہے محرمات اور ممنوعات مثلاً غیبت، زنا، چوری، کذب، ظلم، ایذا رسانی وغیرہ تو ان سے تو وہ بدرجۂ اولیٰ کنارہ کش ہو جاتا ہے کیونکہ وہ خواہشات جنکی حرمت اور ممانعت صرف عارضی تھی اور دن میں روزہ کی وجہ سے ان کا کرنا منع تھا جب ان کو ہی وہ خیرباد کہدیتا ہے تو وہ محرمات جنکی حرمت وممانعت ہر وقت اور ہر حالت میں ہے ان کے ارتکاب کی وہ کیسے جرأت کر سکتا ہے اس کے علاوہ جب اس کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ میرے حال کو خلوت وتنہائی کے وقت بھی جانتا ہے اور اس نے میرے لئے اُن خواہشات پر عمل پیرا ہونے کو حرام کر دیا ہے جن کی طرف میری طبیعت خلقتاً مائل ہے تو روزہ دار تنہائی میں بھی نواہی اور محرمات کے ارتکاب کی جرأت نہیں کرتا اور خالص ومخلص مومن کامل بنجاتا ہے اس لئے اس کو ہر حالت میں ثواب ملتا ہے جاگتا ہو یا سوتا ہو چلتا ہو یا پھرتا ہو یا بیٹھا اور لیٹا ہو حدیث میں آیا ہے کہ روزہ دار کا سونا بھی عبادت ہے ابو العالیہ کہتے ہیں کہ روزہ دار جب تک غیبت نہ کرے عبادت میں ہوتا ہے خواہ رات کو وہ اپنے بستر پر رہے۔

(۹) ترمذی میں باسناد صحیح بیان کیا گیا ہے کہ حضور گرامیؐ نے فرمایا من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة بان یدع طعامه وشرابه یعنی جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو خدا تعالےٰ کو اس کی کچھ حاجت نہیں کہ وہ اپنے کھانے پینے کو ترک کرے مطلب یہ ہے کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور بیہودہ ناجائز کام کرنا نہ چھوڑے گا اللہ اس کے روزے قبول نہیں فرمائیگا اور نہ اس کی طرف نظر رحمت سے دیکھیگا اور نہ کھانا پینا ترک کر دینا اس کے لئے قیامت کے دن کچھ مفید ثابت ہوگا یہی مضمون ایک اور حدیث میں آتا ہے جو ترمذی میں موجود ہے کہ حضور نے فرمایا کم من صائم لیس له من صومه الا الجوع والعطش یعنی بہت سے روزہ داروں کو روزہ سے سوا بھوکے پیاسے رہنے کے اور کوئی نتیجہ نہیں۔ یہ کونسی حماقت کی بات ہے کہ انسان اُن چیزوں سے تو باز رہے جو اس کے لئے بدون روزے کے حلال تھیں اور ان چیزوں سے کنارہ کش نہ ہو جو کسی وقت بھی جائز نہ ہوں روزہ سے مقصود صرف بھوکا پیاسا رہنا نہیں ہے بلکہ شہوت کا توڑنا اور نفس امارہ کو مغلوب کرنا اصل مقصود ہے اور جب اصل مقصود حاصل نہ ہوا تو پھر کھانا پینا چھوڑنے سے کیا فائدہ

(۱۰) حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ روزہ ڈھال ہے لہذا تم میں سے اگر کسی کا روزہ ہو تو وہ نہ فحش بکے اور نہ شور وشغب میں مشغول ہو۔ اگر اس کو کوئی شخص گالی دے تو کہدے میرا روزہ ہے

(میں گالی دیگر زبان گندی نہیں کر سکتا) روزہ کو ڈھال اس لئے کہا گیا کہ جس طرح ڈھال انسان کو دشمن کے حملہ سے محفوظ رکھتی اور بچاتی ہے اسی طرح روزہ بھی کثرت ثواب کی وجہ سے روزہ دار کو آتش دوزخ سے بچائیگا شیطان انسان کے بدن میں دوران خون کے ساتھ ساتھ پھرتا ہے لیکن روزہ کی وجہ سے شیطان کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں قوت شہوانیہ مغلوب ہو جاتی ہے غصہ فرو ہو جاتا ہے طبیعت کے ہیجان اور جوش کو تسکین ہو جاتی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح ڈھال اگر کمزور یا سوراخدار ہو تو اس سے کافی فائدہ اور بچاؤ نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر روزہ خطا و خلل سے محفوظ نہ ہو تو کچھ زیادہ مفید نہیں کیونکہ روزہ کے نقصان اور خرابی سے ثواب میں نقصان اور کمی ہونا لازمی امر ہے اسی وجہ سے حدیث مذکورہ کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ روزہ دار کسی بحکار کے وقت فحش اور بیہودہ نہ بکے اور نہ بیہودہ افعال و اقوال میں کسی طرح مشغول ہو بلکہ ضرور ہے کہ کھانے پینے اور جماع کرنے سے جس طرح بچتا رہے اسی طرح شور و شغب فتنہ و فساد اور گالی گلوچ سے کنارہ کش رہے اگر کوئی خواہ مخواہ سر ہو کر گالیاں دینے لگے تو اس سے کہدے کہ بھائی میرا روزہ ہے میں تم کو گالی دیکر اپنا روزہ خراب نہ کروں گا اور اگر گالی کا جواب گالی سے اور فحش کا جواب فحش سے دیگا تو روزہ کا ثواب سوخت ہو جائیگا یہی مطلب اس حدیث کا ہے جو بعض کتب صحاح میں مذکور ہے کہ رسول اقدس علیہ التحیات والتسلیم نے فرمایا "بہت سے روزہ داروں کو روزہ سے سوائے بھوکے اور پیاسے رہنے کے کوئی حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے شب بیداری کرنے والوں کو شب بیداری سے سوائے جاگتے رہنے کے اور کوئی نتیجہ نہیں ہے" اس کی وجہ یہ ہے کہ قرب الٰہی صرف مباحات کو چھوڑ دینے اور غیر ممنوعہ چیزوں سے کنارہ کش ہونے ہی سے حاصل نہیں ہو جاتا۔ روزہ دار کو چاہیئے کہ جہاں تعمیل حکم الٰہی کھانا اور پینا چھوڑتا ہے اور دیگر جائز لذائذ نفسانی سے دست بردار ہوتا ہے وہاں ان چیزوں کو بھی ترک کر دے جو قطعاً حرام ہیں کسی حالت میں اور کسی وقت میں ان کی حلت شرعاً ثابت نہیں جو شخص اشیاء محرمہ سے دنیا میں انتفاع حاصل کرے گا آخرت میں محروم رہے گا اس قول کی تائید نبی اکرم صلعم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جس میں فرمایا ہے کہ "جو شخص دنیا میں شراب پی لیگا وہ آخرت میں نہ پئے گا اور جو دنیا میں ریشم کا استعمال کریگا وہ آخرت میں حریر سے محروم رہے گا" مطلب یہ ہے کہ جو دنیا میں ناجائز لذائذ نفسانیہ اور خواہشات شہوانیہ سے فائدہ اٹھا کر متمتع ہو جائے گا وہ آخرت میں ہر قسم کی لذت عیش کیف اور استراحت و آسائش سے محروم رہے گا۔

تقریر مذکورہ بالا سے تین باتیں واضح ہو گئیں۔ اسلامی اور غیر اسلامی روزہ کا فرق خاص لوگوں کا روزہ، عارفوں کا روزہ **معمولی اسلامی روزہ** تو یہی ہے کہ کھانا پینا اور جماع کرنا ترک

کردیا جائے۔ فحش بکواس لڑائی جھگڑا فتنہ وفساد شور وشغب شراب خواری زناکاری قماربازی اور دیگر کبیرہ گناہ چھوڑ دیے جائیں خاص لوگوں کے روزہ میں مذکورہ بالا اوصاف کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ جھوٹ بولنا، غیبت کرنی، کسی مسلمان پر تہمت رکھنی، کسی کو ستانا، ناحق ظلم کرنا، بے ایمانی اور چغلخوری کرنی خیانت ریاکاری اور بددیانتی کرنی، ناجائز اور ممنوع ذرائع سے کمائی کرنی ترک کردی جائے، کبر، حسد، غرور، شیخی، نفاق اور تمام افعال ذمیمہ بلکہ چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی ہر وقت کنارہ کش رہا جائے، دن رات تلاوت قرآن پابندی اوراد ووظائف تبلیغ اسلام اور ترویج علم دین میں کوشش کی جائے افطار کے بعد اور سحری کے وقت کم کھایا جائے اور تمام لذائذ نفسانیہ اور جذبات شہوانیہ کو خیرباد کہدیا جائے تاکہ رمضان کی برکت سے تمام گناہ اور بداخلاقیاں رامض یعنی سوختہ ہوجائیں۔ یہ خاص لوگوں کا روزہ ہے ہر شخص کے اختیار سے باہر ہے کہ ایسا روزہ رکھے عارفوں کے روزہ میں یہ تمام باتیں ہوتی ہیں لیکن ان کے علاوہ اور باتیں بھی ہوتی ہیں ان کے کان غیر حق سے بہرے ہوجاتے ہیں اور زبان قول باطل سے گونگی صائم النہار اور قائم اللیل رہتے ہیں، قلت نوم، کلام کی کمی، یاد حق اور صفائی قلب ان کا خاص شیوہ ہوجاتی ہے ان کے دل میں کوئی وسوسہ شیطانی نہیں آنے پاتا وہ ہر وقت روزہ میں رہتے ہیں معمولی آفتاب کے طلوع وغروب سے ان کے روزہ کی ابتدا وانتہا نہیں ہوتی بلکہ اس قانون صوم کے خلاف جب آفتاب لم یزلی کا پرتو ان کے دلوں پر پڑتا ہے اور دیدار الٰہی سے وہ فیضیاب ہوتے ہیں تو ان کا افطار ہوتا ہے اور جس وقت شمس قدم کی روشنی اور شعاعیں ان کے دلوں پر ضیاپاشی اور نورافشانی سے غائب ہوتیں تو ان کا روزہ شروع ہوگیا اسی روزہ کے متعلق حدیث قدسی میں آیا ہے کہ "روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا"

سحری کا بیان

حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ؐ نے ارشاد فرمایا تسحروا فان فی السحور برکۃ ووقتہ فی اخر اللیل یعنی سحری کھاؤ سحری کھانے سے برکت حاصل ہوتی ہے اور سحری کھانے کا وقت رات کا اخیری حصہ ہے،" صاحب جواہر الفتاوی کہتا ہے کہ سحری کہانے کا وقت رات کا پہلا حصہ یعنی رات کا چھٹا حصہ ہے اور ساتویں حصہ میں بھی کہانا مستحب ہو دیگر اہل کتاب کے لئے سونیکے وقت تک تو ایام صیام میں کھانا پینا اور جماع کرنا جائز تھا لیکن سوجانیکے بعد پھر کھانے پینے وغیرہ کی ممانعت تھی اور شریعت اسلامی میں بھی ابتدا میں یہی حکم تھا لیکن ایک مرتبہ حضرت قیس

بن خزیمہ نے ایام رمضان میں روزہ رکھا افطار کے وقت چونکہ کوئی چیز موجود نہ تھی اس لئے ان کی بیوی کہیں سے کچھ کھانے پینے کے لئے لینے گئیں بیوی کو واپسی میں دیر ہوگئی اور قیس کی آنکھوں میں نیند آگئی جب بیوی کھانا لائیں تو قیس کو سوتا دیکھکر مجبور ہوگئیں اور شریعت اسلامی کے موافق قیس کو بیدار ہوکر کھانا کھانے کا کوئی حق نہ رہا مجبوراً قیس نے روزہ پر روزہ رکھ لیا دوپہر کا وقت ہوا تو انتہا بھوک و پیاس کی وجہ سے ان پر غشی طاری ہوگئی حضور اقدس کو اطلاع ہوئی تو آپ نے تشریف لاکر استفسار حال فرمایا قیس نے واقعہ عرض کردیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ یعنی جس وقت تک صبح کاذب کے بعد صبح صادق نہ نکل آئے اس وقت تک تم کھاتے پیتے رہو۔ اس آیت کے نزول کے بعد پہلا حکم منسوخ ہوگیا اور حضور اکرم نے فرمادیا کہ سحری کھاؤ سحری کھانے میں برکت ہے سحری کھانے میں تاخیر کرنی مستحب ہے کیونکہ حضور نے ارشاد فرمادیا ہے کہ افطار میں جلدی کرنی سحری میں تاخیر کرنی اور مسواک کرنی اخلاق انبیاء میں سے ہے اگر انسان سحری کھانے کا عادی نہ ہو تو کم از کم پانی یا چھوارا یا کوئی اور چیز ہی کھالے تاکہ اتباع سنت ہوجائے اور سحری کھانا تو بہر صورت افضل ہے سحری کھانے سے دن میں انسان بھوک پیاس اور ضعف جسمانی سے عموماً محفوظ رہتا ہے اور روزہ رکھنا طبیعت پر زیادہ شاق نہیں ہوتا۔

افطار کا بیان

افطار میں تعجیل کرنی مستحب ہے نبی ہمیشہ افطار کرنے میں جلدی فرماتے تھے اور نماز مغرب سے قبل افطار کرلیا کرتے تھے کیونکہ نماز سے قبل افطار کرنے سے نماز میں سکون اطمینان قلب اور فراغ خاطر حاصل ہوجاتا ہے حضور اکرم عموماً چھوارے سے افطار کرتے تھے اور چھوارے سے ہی افطار کرنے کا حکم دیتے تھے اگر چھوارہ نہ ملے تو مجبوراً پانی سے افطار کیا جائے کبھی گرمی کے موسم میں آپ پانی سے ہی افطار کرلیا کرتے تھے افطار کا وقت قبولیت دعا کا وقت ہے انسان کو چاہیئے کہ جو دینی یا دنیوی حاجت ہو افطار کے وقت خدا تعالےٰ سے اس کی دعا کرے انشاء اللہ مقبول ہوگی۔

شب قدر کی تحقیق اور جستجو اور اعتکاف کا بیان

صحیح بخاری صحیح مسلم میں اور مصابیح میں بروایت حضرت ابوسعید خدری بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرم صلعم نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا پھر درمیانی عشرہ میں ترکی خیمہ میں اعتکاف کیا ایک روز خیمہ سے سر باہر نکال کر فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ نے آکر کہا کہ شب قدر کو پچھلے عشرہ میں تلاش کرو

لہٰذا جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہو تو پھر اخیر عشرہ میں کرے کیونکہ مجھ کو وہ رات بتا دی گئی تھی لیکن میں بھول گیا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اعتکاف کے مشروع ہونے سے اصل مقصود شب قدر کی تلاش ہے کیونکہ شب قدر بنص شریعت ہزار راتوں سے افضل ہے لہٰذا اس شب میں جاگتے رہنا اور اعمال حسنہ میں مشغول رہنا دل کو دنیاوی امور و مشاغل سے خالی رکھنا پروردگار کے مکان میں پناہ لینا اور اپنی جان کو مولیٰ کے حوالہ کرنا ضروری ہے شب قدر بمقتضائے احادیث رمضان کے آخیر عشرہ کی طاق راتوں میں ہو ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ تاریخوں کے متعلق مختلف روایتیں آئی ہیں لیکن اغلب یہ ہے کہ ۲۷ رمضان کی رات شب قدر ہے۔ صحیح حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے اور ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ کا یہی مسلک ہے اور یہی صحیح بھی ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ انسان رمضان کی تمام راتوں میں عموماً یا رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تو ضرور بیدار رہے اور عبادت الٰہی میں مشغول رہے۔ اعتکاف کا مفصل بیان تو آیندہ آئیگا لیکن یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ اعتکاف سنت موکدہ ہے حضور اکرم علیہ التحیہ والتسلیم رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے جس وقت سے حضور ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ میں تشریف لائے تھے اس وقت سے لیکر تا دم وفات ہر رمضان میں اعتکاف کرتے رہے۔ امام نووی نے اذکار میں بیان کیا ہے کہ امام شافعی نے اس کی تصریح کردی ہے کہ شب قدر کی تلاش گو رات کے وقت ہونی چاہیے لیکن دن میں بھی اعتکاف قائم رکھنا چاہیے۔ زہری کہتے ہیں کہ مجھے تعجب ہے کہ لوگ اعتکاف کیسے چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلعم اور کاموں کو تو کبھی کرتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے لیکن اعتکاف کو آپ نے کبھی نہیں چھوڑا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ اعتکاف واجب ہے کیونکہ حضور نے اعتکاف کے ترک کرنے والے کو کبھی برا نہیں کہا معلوم ہوا کہ اعتکاف بطور کفایہ سنت موکدہ ہے۔

روزہ کی تعریف روزہ کے لغوی معنے تو صرف رک جانے کے ہیں اور شریعت میں روزہ کے یہ معنی ہیں کہ انسان کھانے پینے اور جماع کرنے سے دن میں بہ نیت عبادت کے ساتھ رکا رہے۔

روزہ کے اقسام روزہ تین قسم کا ہوتا ہے فرض۔ واجب۔ نفل۔ رمضان کے روزے ہر مسلمان عاقل بالغ پر بشرطیکہ معذور نہ ہو فرض ہیں اسی طرح کفارہ کے روزے بھی فرض ہیں اور نذر معین یا غیر معین کے روزے رکھنے واجب ہیں باقی اور روزے سب نفل ہیں خواہ مسنون ہوں جیسے کہ عاشورہ وغیرہ کا روزہ یا غیر مسنون۔

حرام روزے۔ عید بقرعید اور ذی الحجہ کی گیارہویں بارہویں تیرہویں تاریخوں کے روزے

رکھنے حرام ہیں۔ حدیث میں ان ایام کے روزے رکھنے کی ممانعت آئی ہے۔

مطلق روزہ کا بیان

روزہ کا وقت فجر صادق کے نکلنے کے وقت سے غروب آفتاب تک روزہ کا وقت ہے اس کے اندر کھانا پینا یا روزہ کے خلاف کوئی فعل کرنا ناجائز ہے۔

روزہ کی نیت زبان سے روزہ کی نیت کرنی یا کچھ کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ دل میں یہ دھیان کر لینا کہ آج میرا روزہ ہے کافی ہے اگر کوئی شخص زبان سے بھی کہدے کہ آج کے روزہ کی میں نیت کرتا ہوں یا یہ الفاظ کہدے کہ نویت ان اصوم غداً یا یہ کہدے کہ بصوم غد نویت تو مستحب ہے۔

مسئلہ اگر کسی نے دن بھر نہ کچھ کھایا نہ پیا نہ کوئی فعل خلاف روزہ کیا لیکن روزہ کی نیت نہ تھی کسی وجہ سے کھانے پینے کا موقعہ نہ آیا تو روزہ نہوگا بغیر نیت و ارادہ کے روزہ نہیں ہوتا۔

مسئلہ چونکہ روزہ کی ابتدا فجر صادق کے نکلنے سے ہوتی ہے اسلئے جب تک فجر طلوع نہو اس وقت تک کھانا پینا وغیرہ جائز ہے بعض لوگ سحری کھاکر نیت کی دعا پڑھکر لیٹ جاتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اب کھانا پینا ناجائز ہے یہ خیال غلط ہے نیت کے بعد بھی جب تک صبح صادق نہ نکلے برابر کھانا پینا جائز ہے (شامی)

روزہ کی فرضیت کی شرطیں فرضیت روزہ کی تین شرطیں ہیں۔ اسلام۔ بلوغ۔ درستگی ہوش۔ یعنی عقل۔

فرضیت اداکی شرطیں روزہ کے ادا ہونیکی فرضیت کی دو شرطیں ہیں۔ تندرستی اور اقامت بیمار کو بیماری کی حالت میں اور مسافر کو حالت سفر میں افطار کر لینا جائز ہے لیکن پھر قضا لازم ہے۔

روزہ کی صحت اداکی شرطیں روزہ کے صحیح ادا ہونے کے لیے حیض و نفاس سے پاک ہونا شرط ہے جو عورت حائضہ ہو یا نفاس ہو یا روزہ کی حالت میں حیض و نفاس میں مبتلا ہو جائے اس کا روزہ نہ ہوگا اور قضا لازم ہے

رمضان کے روزہ کا بیان

چاند دیکھنے کے مسائل اگر آسمان پر ابر ہو یا غبار ہو جس کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا ہو لیکن کسی دیندار پرہیزگار سچے مسلمان نے آکر گواہی دیدی کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے تو چاند کا ثبوت ہو جائے گا خواہ گواہی دینے والا مرد ہو یا عورت اور اگر بدلی کی وجہ سے عید کا چاند نہ دکھائی دیا تو ایک شخص کی گواہی کا اعتبار نہیں خواہ کیسا ہی ثقہ اور وجیہ آدمی ہو ہاں اگر دو دیندار

پرہیزگار مرد یا ایک معتبر مرد اور دو عورتیں چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو عید کے چاند کا ثبوت ہو جائیگا اور اگر چار عورتیں گواہی دیں گی تب بھی شہادت مقبول نہ ہو گی (شامی) **مسئلہ** جو شخص دین کا پابند نہ ہو علانیہ گناہ کرتا ہو نماز نہ پڑھتا ہو روزہ نہ رکھتا ہو یا اور کوئی گناہ کرتا ہو اور شریعت کی پابندی نہ کرتا ہو تو شریعت میں اس کے قول کا اعتبار نہیں خواہ ایک ہو دو ہوں تین ہوں۔ (در مختار) مذکورہ بالا صورت تو اس وقت تھی جب آسمان صاف نہ ہو اور چاند نہ دکھائی دیتا ہو اور اگر مطلع صاف ہو چاند ہر شخص کو نظر آنا ممکن ہو تو ایسی صورت میں دو چار آدمیوں کے گواہی دینے سے چاند ثابت نہ ہوگا خواہ آدمی معتبر ہوں یا غیر معتبر اور چاند رمضان کا ہو یا عید کا سب برابر ہے البتہ اگر اتنی کثرت سے آدمی گواہی دینے آئیں کہ دل گواہی دینے لگے کہ یہ سب کے سب بات بنا کر اور اتفاق کرکے نہیں آئے ہیں اتنے لوگوں کا جھوٹا ہونا کسی طرح نہیں ہو سکتا تو اس وقت رویت ہلال ثابت ہو جائیگی (در مختار شامی) **مسئلہ** شہر میں اگر یہ خبر عام طور پر مشہور ہو جائے کہ چاند ہو گیا ہے بہت سے آدمیوں نے دیکھا ہے لیکن تحقیق و تلاش کے باوجود کوئی آدمی ایسا نہ مل سکے جو خود اپنی آنکھوں سے چاند دیکھنے کی گواہی دے تو یہ خبر قابل اعتبار نہیں اور نہ اس سے رویت ثابت ہو سکتی ہے **مسئلہ** اگر کسی نے خود تنہا چاند دیکھ لیا اور دوسرے لوگوں نے نہ دیکھا اور یہ شخص کوئی معتبر ثقہ آدمی نہیں ہے تو چونکہ یہ شرع کا پابند نہیں ہے لہذا اس کی گواہی کا تو اعتبار نہ کیا جائے اور نہ دوسرے آدمی اس کی گواہی سے روزہ رکھیں گے لیکن خود اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے اور آخر میں اگر اس کے تیس روزے ہو جائیں اور دوسرے لوگوں کے انتیس ہوں اور چاند نہ دکھائی دے تو اس کو ایک روزہ اور رکھکر اکتیس روزے پورے کر لینے چاہئیں تنہا عید نہ کرے دوسروں کے ساتھ مل کر عید کرے (شامی) **مسئلہ** اگر کسی نے عید کا چاند تنہا دیکھ لیا اور پابند شریعت نہ ہونے کی وجہ سے قاضی نے اس کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا تو تنہا اس کو عید کرنا جائز نہیں ہے مجبوراً دوسروں کی طرح یہ بھی روزہ رکھے اور سب مل کر عید کریں۔ (درالمختار)

رمضان کے روزہ کا بیان تو ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ رمضان کا روزہ فرض ہے اور اسلام کا رکن اعظم ہے اس کا منکر کافر اور نہ رکھنے والا فاسق ہے اور فرضیت کا یقین کرتے ہوئے بطلب ثواب روزہ رکھنے سے گذشتہ گناہ خدا تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے حدیث شریف میں اس کی بڑی بڑی تعریفیں آئی ہیں اور تمام امت اسلامیہ کا اس کی فرضیت پر اجماع ہے کسی فرقہ کو اور کسی امام کے مقلد کو اس کی فرضیت سے انکار نہیں۔

رمضان کے روزہ کی نیت کا بیان رمضان کے روزہ کی نیت اگر رات سے کرلی تو مسنون اور افضل ہے اور اگر رات سے نیت نہ کی بلکہ صبح ہوگئی اور صبح کو روزہ کا ارادہ کرلیا تب بھی روزہ صحیح ہوگیا اور اگر رات سے روزہ کا ارادہ نہ تھا اور صبح کو بھی نہ تھا دن چڑھے خیال ہوا کہ روزہ رکھ لینا چاہیئے اور دن چڑھے روزہ کی نیت کرلی تب بھی کچھ حرج نہیں روزہ ہو جائے گا بشرطیکہ دوپہر سے ایک گھنٹہ قبل نیت کرلی ہو اور اگر دوپہر کو یا دوپہر سے بعد نیت کی تو صحیح نہیں۔

نیت کرنے کا طریقہ رمضان شریف کے روزہ میں بس اتنی نیت کرلینی کافی ہے کہ آج میرا روزہ ہے یا رات کو اتنا سوچ لے کہ کل میرا روزہ ہوگا صرف اسی قدر نیت کرنے سے میرا روزہ ہو جائے گا یہ ضروری نہیں کہ نیت میں یہ بھی کہے کہ میں رمضان کا روزہ رکھتا ہوں یا فرض روزہ رکھتا ہوں کیونکہ رمضان کا روزہ تو فرض ہی ہے بغیر نیت فرضیت کے بھی روزہ ہو جائے گا **مسئلہ** اگر کسی شخص نے رمضان کے مہینہ میں کسی دن یہ نیت کی کہ کل میں نفل روزہ رکھوں گا رمضان کا روزہ نہ رکھوں گا رمضان کے روزہ کی پھر کبھی قضا کرلوں گا تو یہ صحیح نہیں روزہ رمضان ہی کا ہوگا قضا کا روزہ یا نفل روزہ نہ ہوگا (شامی) **مسئلہ** اگر پچھلے رمضان کا روزہ قضا ہوگیا تھا اور پورا سال گذر گیا اب تک قضا شدہ روزہ کو ادا نہیں کیا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا اور اس رمضان میں گذشتہ قضا شدہ روزہ کو ادا کرنے کی نیت سے روزہ رکھا مثلاً یہ نیت کی کہ جو روزہ قضا ہوگیا ہے اس کو ادا کرنے کے لئے کل میرا روزہ ہوگا تو اس صورت میں بھی قضا شدہ روزہ ادا نہ ہوگا بلکہ موجودہ رمضان ہی کا روزہ ادا ہوگا قضا کا روزہ رمضان نکلنے کے بعد رکھنا چاہیئے (فتح القدیر) **مسئلہ** اگر کسی نے نذر مانی تھی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اللہ کے لئے دو یا ایک روزہ رکھوں گا اسی اثنا میں رمضان کا مہینہ آگیا اور اس نے اسی نذر کے روزہ کی نیت کی رمضان کے روزہ کی نیت نہ کی تب بھی رمضان ہی کا روزہ ادا ہوگا نذر کا روزہ نہ ہوگا نذر کا روزہ پھر کبھی رمضان نکلنے کے بعد رکھے

مسئلہ شعبان کی ۲۹ تاریخ کو اگر رمضان کا چاند نکل آئے تو صبح کو روزہ رکھنا فرض ہے اور اگر نہ نکلے آسمان پر ابر یا غبار ہو تو احتیاط کے طور پر بھی روزہ نہ رکھنا چاہیئے حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے بلکہ شعبان کے ۳۰ دن پورے کرکے رمضان کے روزے شروع کرنے چاہئیں

مسئلہ شعبان کی ۲۹ تاریخ کو ابر وغیرہ کی وجہ سے رمضان کا چاند نہ دکھائی دے تو اس شخص کو نفل روزہ بھی نہ رکھنا چاہیئے جو نفل روزہ کا عادی نہ ہو البتہ جو شخص کسی مقررہ دن مثلاً جمعرات جمعہ یا پیر وغیرہ کو ہر ہفتہ میں روزہ رکھنے کا عادی ہے اور اتفاق سے بعد شعبان پیر کی یا جمعرات جمعہ

وغیرہ کی ہو جائے تو نفل روزہ رکھنے میں کچھ ہرج نہیں ہے۔ اب اگر کہیں سے چاند نکلنے کے متعلق خبر آگئی تو یہی نفل روزہ فرض ہو جائے گا ورنہ نفل ہی رہے گا۔ **مسئلہ** اگر بدلی یا غبار کی وجہ سے مطلع صاف نہ ہو اور ۲۹ شعبان کو رمضان کا چاند نہ دکھائی دے تو ۳۰ شعبان کو دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے تک کچھ کھانا پینا نہ چاہیے اب اگر کہیں سے چاند ہو جانے کی خبر آجائے تو روزہ کی نیت کر لینی چاہیے ورنہ پھر کھانا پینا چاہیے دوپہر کو یا دوپہر کے بعد چاند کی خبر کا اعتبار نہیں۔ اگر ۲۹ شعبان کو چاند نہ ہوا ہو تو یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ کل کا دن چونکہ رمضان کا نہیں ہے اس لئے میرے ذمہ پر سال کا روزہ جو ایک قضا کا باقی ہے اسی کو رکھ لوں ایسا روزہ مکروہ ہے اسی طرح شک کے دن مانی ہوئی نذر کا روزہ یا کفارہ کا روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے لیکن شک کے دن اگر قضا یا نذر کا روزہ رکھ لیا اور چاند ہونے کی خبر کہیں سے نہیں آئی تو نیت کے موافق روزہ ہو جائے گا اور اگر چاند ہونے کی خبر آگئی تو پھر یہ روزہ رمضان کا ہو گیا قضا یا نذر کا روزہ پھر کبھی رکھ لینا چاہیے (شامی. درمختار. فتح القدیر وغیرہ)

روزہ کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا بیان

روزہ میں بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ پیٹ بھر کر ہی کھا لے بلکہ چند مرتبہ بھول کر ایک روزہ میں کھا لینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ **مسئلہ** اگر کوئی شخص روزہ میں بھولے سے کچھ کھا رہا ہو اور اتنا ناطاقت و کمزور ہو کہ روزہ سے اس کو ضرر پہنچتا ہو تو یاد نہ دلانا چاہیے کھانے میں مشغول رہنے دیا جائے اور اگر کوئی طاقتور آدمی بھول کر کچھ کھا پی رہا ہو تو اس کو یاد دہانی کر دینی چاہیے۔ **مسئلہ** اگر کوئی شخص دن میں سو گیا اور سوتے میں نہانے کی ضرورت ہو گئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح دن کو سرمہ لگانا، خوشبو سونگھنا، تیل ملنا، کنگھا کرنا، کان کا میل صاف کرنا جائز ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا بلکہ اگر سرمہ لگانے کے بعد تھوک وغیرہ میں سرمہ کا کچھ اثر بھی برآمد ہو جائے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا صرف مکروہ ہو جاتا ہے (شامی) **مسئلہ** روزہ کی حالت میں مرد و عورت کا ساتھ لیٹنا بوس و کنار کرنا سب کچھ جائز ہے لیکن اگر جوانی کا اتنا جوش ہو کہ انزال کا خوف ہو تو یہ تمام باتیں جائز نہیں ہیں (شرح وقایہ) **مسئلہ** حلق کے اندر اگر خود بخود دھواں یا گرد و غبار یا مکھی چلی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح عطر کیوڑا گلاب مشک وغیرہ سونگھنے سے بھی روزہ نہیں جاتا ہاں اگر لوبان سلگا کر اپنے پاس رکھا اور اس کا دھواں ناک میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ گیا اس میں ایک کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ خود دھواں لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور آپ ہی آپ ناک یا منہ میں دھواں پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا چنانچہ حقہ پینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے (شامی)

مسئلہ - اگر گوشت کا ریشہ یا غذا کا کوئی ریزہ دانت میں رہ گیا اور اُسکو خلال سے کرید کر کھا لیا یا خود ہی وہ حلق میں چلا گیا تو اگر چنے سے کم ہے تو روزہ نہ ٹوٹیگا اور اگر چنے کی برابر یا اس سے بڑا ہے تو روزہ ٹوٹ جائیگا یہ صورت مسئلہ تو اس وقت ہے جبکہ منہ سے باہر نکال کر نہ کھایا ہو اور اگر منہ سے نکال کر دوبارہ کھایا یا وہ خود منہ سے نکل آیا اور دوبارہ کھا لیا تو بہر صورت ناقص صوم ہے خواہ چنے سے کم ہو یا زیادہ (فتح القدیر) مسئلہ تھوک رال وغیرہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگر تھوک نگل جائے گا تو روزہ برقرار رہیگا (شامی) مسئلہ اگر پان کھا کر خوب کلی غرغرہ کر کے منہ اور حلق صاف کر لیا لیکن تھوک کی سرخی نہیں گئی تو کوئی حرج نہیں ہے روزہ ہو جائے گا (فتوی مولانا اشرف علی) مسئلہ اگر رات کو نہانے کی ضرورت ہوئی اور دن کو غسل کیا تو کوئی حرج نہیں بلکہ اگر دن بھر غسل نہ بھی کیا تب بھی روزہ ہو جائے گا مگر مکروہ ہوگا (شامی) اس کا گناہ بہت زیادہ ہے کیونکہ چند وقتوں کی نماز قضا ہوتی ہے (دائم)

مسئلہ اگر ناک کو اتنے زور سے اندر کی جانب سڑکا کہ حلق کے اندر اس کا اثر پہنچ گیا یا منہ کی رطوبت اندر پہنچ گئی بہر حال روزہ نہ ٹوٹے گا (در مختار) مسئلہ اگر کوئی شخص منہ میں پان وغیرہ دبا کر سو گیا اور صبح کو آنکھ کھلی تو روزہ نہ ہوگا اس روزہ کی قضا کرے البتہ کفارہ نہ ہوگا (فتوی مولانا تھانوی)

مسئلہ اگر کلی کرتے وقت حلق میں پانی چلا گیا اور روزہ یاد بھی تھا تو روزہ ٹوٹ جائے گا قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں (شامی) مسئلہ خود بخود قے ہو جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ قے کم ہو یا زیادہ اور اگر اپنے اختیار سے قے کی ہے اور منہ بھر کر آئی ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر منہ بھر کر نہ ہو تو اس وقت بھی روزہ نہ ٹوٹے گا (شرح وقایہ وغیرہ) مسئلہ اگر کسی نے نگری لوہے کا ٹکڑا یا کوئی اور ایسی چیز کھا لی جو عموماً کھائی نہیں جاتی اور نہ بطور دوا کے کوئی اس کو کھاتا ہے تو روزہ جاتا رہے گا اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہ ہوگا اور اگر دوائی کھالی یا کوئی ایسی چیز کھالی جو کھائی جاتی ہے تو قضا بھی واجب ہوگی اور کفارہ بھی (شامی) مسئلہ جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے خواہ ناقص ہو یا کامل اور انزال ہو یا نہ ہو قضا و کفارہ دونوں واجب ہیں (شامی) مسئلہ لواطت سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور دونوں پر قضا و کفارہ واجب ہوتا ہے۔ مسئلہ اگر کسی نے روزہ کی حالت میں ناس لی یا کان میں تیل ڈالا یا جلاب میں عمل لیا اور دوا نہیں پی یا عورت نے روزہ کی حالت میں پیشاب کے مقام میں کوئی دوا رکھ لی یا پیشاب کے مقام میں تیل وغیرہ ڈالا تو ان سب صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا البتہ اگر مرد نے پیشاب کے مقام میں دوا ڈالی یا تیل ٹپکایا تو روزہ نہیں ٹوٹتا (شامی)

مسئلہ اگر منہ سے خون نکلا ہو اور تھوک کے ساتھ اس کو نگل جائے اور خون کا مزہ حلق میں معلوم ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر خون کی مقدار تھوک سے کم ہو اور نگلنے کے وقت اس کا مزہ حلق میں معلوم نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹیگا (نہایہ) **مسئلہ** اگر زبان سے کوئی چیز چکھکر تھوک دی تو روزہ فاسد نہ ہوگا مگر مکروہ ہے ہاں اگر مجبوری ہو تو مکروہ بھی نہیں ہے چنانچہ مرد کی بد اخلاقی اور ترش مزاجی کے خوف سے اگر عورت سالن کا نمک معلوم کرنے کے لئے مزہ چکھکر تھوک دے تو جائز ہے اسی طرح منہ سے چبا کر بچہ کو کوئی چیز کھلانی مکروہ ہے مگر مجبوری و ناچاری کے وقت مکروہ نہیں ہے (شرح وقایہ) **مسئلہ** کوئلہ چبا کر دانت مانجھنا اور منجن سے دانت مانجھنا مکروہ ہے اور اگر اس میں سے کچھ حصہ حلق سے اتر جائے گا تو روزہ جاتا رہے گا اور قضا واجب ہوگی باقی روزہ میں مسواک کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا خواہ تازہ اور سبز ہو یا خشک۔ اگر مسواک کی تلخی منہ میں محسوس ہوگی تب بھی روزہ مکروہ نہ ہوگا (کفایہ) **مسئلہ** اگر کوئی عورت غافل سو رہی تھی یا مرض کی وجہ سے مدہوش تھی اور اس سے کسی نے جماع کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا باقی مرد پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے **مسئلہ** اگر کسی نے رمضان میں روزہ نہ رکھا شروع ہی سے کھاتا پیتا رہا تو قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں باقی اگر بلا عذر ترک کیا ہے تو ترک فرض کا گناہ اس پر ہوگا۔ **مسئلہ** اگر کسی کو روزہ میں قے ہوئی اور وہ یہ سمجھا کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا اور پھر قصداً کھایا پیا تو قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں اور اگر سرمہ لگایا یا فصد کھلائی یا سر میں تیل ڈالا اور اس نے یہ سمجھا کہ روزہ ٹوٹ گیا اور پھر کھانا پینا شروع کر دیا تو قضا و کفارہ دونوں واجب ہیں (کفایہ) **مسئلہ** اگر رمضان کے ایام میں کسی کا روزہ اتفاقاً کسی وجہ سے ٹوٹ گیا یا مسافر سفر سے رمضان کے مہینہ میں وطن واپس آگیا تو دن میں کچھ کھانا پینا جائز نہیں حرمت رمضان کی وجہ سے سارا دن روزہ داروں کی طرح رہنا واجب ہے (شرح وقایہ)

قضا و کفارہ کا قاعدہ کلیہ (۱) اگر روزہ قصداً توڑا ہو یا ایسا فعل کیا ہو جس سے روزہ کا قصداً توڑنا معلوم ہوتا ہو تو کفارہ و قضا دونوں واجب ہیں اور بغیر اس کے صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا (۲) روزہ کے توڑنے سے کفارہ اسی وقت واجب ہوتا ہے جبکہ رمضان شریف میں روزہ توڑ ڈالے اور اگر رمضان شریف میں روزہ نہ توڑے مثلاً نفل روزہ کو توڑ دے یا نذر کے روزہ کو توڑ دے یا رمضان کا قضا شدہ روزہ رکھا ہو اور اس کو توڑ دے تو کسی صورت میں کفارہ نہیں ہے رمضان کے زمانہ میں بھی اگر روزہ رات سے رکھا ہی نہ ہو یا رکھا ہو لیکن روزہ میں حیض یا نفاس آنے لگا

اور اس وجہ سے روزہ جاتا رہا اور پھر اس نے کچھ کھانا پینا شروع کر دیا تو ایسی حالت میں بھی کفارہ نہیں صرف قضا ہے۔

مذکورۂ ذیل وجوہ سے روزہ توڑ دینا جائز ہے

تین صورتوں میں فرض روزہ توڑ دینا بھی جائز ہے لیکن عذر دفع ہونے کے بعد قضا رکھنی لازم ہے (۱) روزہ دار اچانک ایسا بیمار پڑ گیا کہ اگر روزہ نہ توڑے گا تو جان پر بن جائیگی یا بیماری بہت ترقی کر جائے گی تو روزہ توڑ دینا جائز ہے مثلاً کسی کے پیٹ میں ایسا سخت درد ہونے لگا کہ بیچارہ بے تاب ہو گیا یا سخت بخار میں مبتلا ہو گیا یا سانپ نے کاٹ لیا تو روزہ توڑ دینا اور دوائی پینی جائز ہے (۲) اگر حاملہ عورت کو کوئی ایسی بات پیش آگئی جس سے اپنی جان کا یا بچہ کی جان کا اندیشہ ہے یا بیماری کے زبردست حملہ کا ڈر ہے تو روزہ توڑ دینا جائز ہے (۳) اگر شرعی کاروبار کی وجہ سے یا عورت کو کھانا پکانے کی وجہ سے بیحد پیاس لگی اور اتنی بیتابی ہو گئی کہ جان کا خوف ہونے لگا تو روزہ کھول ڈالنا جائز ہے لیکن اگر اس نے خود قصداً اتنا کام کیا جس سے حالت ایسی ہو گئی تو روزہ توڑ دینا درست تو ہے لیکن توڑنے والا گنہگار رہوگا۔

مذکورۂ ذیل وجوہ سے روزہ کا ترک کر دینا یعنی نہ رکھنا جائز یا واجب ہے

جن وجوہ سے روزہ نہ رکھنا درست ہے وہ ۱۶ ہیں ان میں سے بعض صورتوں میں تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے اور بعض صورتوں میں روزہ رکھنا بہتر ہے لیکن نہ رکھنا جائز ہے اور بعض صورتوں میں روزہ رکھنا جائز ہی نہیں (۱) اگر عورت کو حیض یا نفاس شروع ہو گیا تو حیض و نفاس رہنے تک روزہ رکھنا درست نہیں (۲) اگر عورت رات کو پاک ہو گئی تو اب صبح کے روزہ کو ترک کر دینا جائز نہیں خواہ رات کو غسل کیا ہو یا نہ کیا ہو تو صبح کو غسل کر لے لیکن اگر صبح ہونے کے بعد پاک ہوئی تو اب پاک ہونے کے بعد روزہ کی نیت کرنی صحیح نہیں لیکن کچھ کھانا پینا بھی درست نہیں دن بھر روزہ داروں کی طرح رہنا ضروری ہے (۳) اگر انا نے دودھ پلانے کی نوکری کی اور رمضان میں روزہ رکھنے سے بچہ کی جان کا اندیشہ ہے تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے (۴) اگر کوئی شخص ماہ رمضان میں دن کے وقت مسلمان یا بالغ ہوا تو دن بھر کچھ کھانا پینا درست نہیں لیکن اگر کچھ کھا لیا تو قضا تو واجب نہ ہو گی لیکن گناہ ضرور ہوگا (۵) اگر کوئی شخص سفر میں ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے لیکن قضا ضروری ہے (۶) اگر سفر میں روزہ سے کوئی تکلیف نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ شام تک گھر پہنچ جائیگا یا اپنے ساتھ سب آرام و راحت کا سامان موجود ہو تو ایسے سفر میں روزہ رکھنا اولیٰ ہے اور نہ رکھنا بھی جائز ہے

لیکن قضا ضروری ہے اگر راستہ میں روزہ کی وجہ سے تکلیف اور پریشانی ہونیکا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے (۷) اگر مسافرت کی حالت میں کسی نے روزے چھوڑ دیئے اور گھر پہنچنے کے بعد اس کا انتقال ہوگیا تو جتنے دن گھر بلا روزہ کے رہا ہے فقط اتنے دنوں کا مواخذہ اس کے ذمہ ہوگا اس لئے میت کے لئے لازم ہے کہ مرنے سے قبل فدیہ دینے کی وصیت کر جاوے یا خود اپنے سامنے فدیہ دیدے مسافرت کے زمانہ میں جو روزے ترک ہوئے ہیں ان کا مواخذہ نہ ہوگا (۸) اگر راستہ میں پندرہ دن یا اس سے زائد زمانہ کے قیام کے ارادے سے ٹھیر گیا تو اب روزہ چھوڑنا درست نہیں مسافر کا حکم اب اس کا نہ ہوگا ہاں اگر پندرہ دن سے کم ٹھیرنے کی نیت کی اور دن زیادہ لگ گئے تو روزہ نہ رکھنا درست ہے (۹) حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی ماں کو اپنی یا بچہ کی جان کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھے پھر کبھی قضا کر لیوے لیکن اگر شوہر دولتمند اور مالدار ہے کہ دودھ پلانے کے لئے انا رکھ سکتا ہو تو پھر دودھ پلانے کے لئے روزہ کو ترک کر دینا جائز نہیں انا رکھکر دودھ پلوانا چاہیئے۔ البتہ اگر ایسا بچہ ہو کہ سوا اپنی ماں کے دوسری کا دودھ نہ پیتا ہو تو بہر صورت روزہ نہ رکھنا جائز ہے (۱۰) اگر کسی مسافر کا حالت سفر میں روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا لیکن اتفاقاً دوپہر سے قبل اپنے گھر پہنچ گیا یا مسافر سفر میں تھا اور اتفاق سے کسی روز پندرہ دن کے قیام کے ارادہ سے کہیں رہ پڑا اور ابتک کچھ کھایا پیا نہیں ہے تو روزہ کی نیت کر لینی چاہیئے ہاں اگر دوپہر کے بعد گھر پہنچا یا دوپہر کے بعد قیام کا ارادہ کیا تو روزہ کی نیت صحیح ہے (۱۱) اگر کوئی شخص ایسی بیماری میں مبتلا ہو جسکو روزہ نقصان پہنچاتا ہو اور یہ ڈر ہو کہ اگر روزہ رکھیگا تو بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں صحت ہوگی یا جان جاتی رہے گی تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے قضا کر لینی چاہیئے لیکن اپنی دلی تجویز سے روزہ نہ رکھنا درست نہیں ہے بلکہ اگر کوئی مسلمان دیندار حاذق کہدے کہ تم کو روزہ نقصان کرے گا اس وقت روزہ ترک کرنا جائز ہے (۱۲) اگر ڈاکٹر یا حکیم کافر ہے یا فاسق ہے شرع کا پابند نہیں ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہیں فقط اس کے کہنے سے روزہ نہ چھوڑنا چاہیئے (۱۳) اگر حکیم نے تو کچھ مشورہ نہ دیا ہو لیکن خود اپنا تجربہ ہے اور کچھ ویسی علامتیں ہیں جن کی وجہ سے دل گواہی دیتا ہے کہ روزہ نقصان کرے گا تب بھی روزہ نہ رکھے اور اگر خود تجربہ کار نہو اور اس بیماری کا حال معلوم نہ ہو تو فقط خیال کا اعتبار نہیں اگر دیندار طبیب کی ہدایت کے بغیر اور تجربہ نہ ہونے کے باوجود اپنے خیال ہی خیال پر رمضان کا روزہ توڑ دیگا تو کفارہ دینا پڑیگا اور اگر روزہ نہ رکھیگا تو ترک فرض کی وجہ سے گناہگار ہوگا (۱۴) اگر بیمار بیماری سے تو اچھا ہوگیا لیکن ابھی ضعف باقی ہو اور یہ ڈر ہے کہ اگر روزہ رکھا تو پھر بیمار پڑ جائے گا تب بھی روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

اگر بیماری سے بیمار اچھا نہ ہوا اور اسی میں مرگیا یا مسافر حالت سفر میں مرگیا تو جتنے روزے بیماری یا سفر کی وجہ سے قضا ہوئے ہیں ان کا مواخذہ اس شخص کے ذمہ نہ ہوگا کیونکہ قضا رکھنے کی اس کو مہلت ہی نہیں ملی (۱۶) اگر بیماری میں دس روزے چھوٹے تھے پھر پانچ روز کے لئے اچھا ہوکر مرگیا تو صرف ان پانچ روز کا مواخذہ اس کے ذمہ باقی رہا جن کی قضا باوجود موقعہ ملنے کے اس نے نہ کی اور اگر دس دن بیمار رہنے کے بعد دس روز اچھا رہا لیکن روزے قضا نہ رکھے تو دسوں دن کا مواخذہ رہے گا لہذا ضروری ہے کہ ایسی صورت میں مرنے سے قبل وصیت کرجائے کہ میرے مرنے کے بعد اتنے روزوں کا فدیہ دیدینا بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال موجود ہو۔

(نہایہ، کفایہ، شرح وقایہ، شامی، درمختار وغیرہ)

کفارہ کا بیان

رمضان شریف کا ایک روزہ بلاعذر قصداً توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ (۱) دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے تھوڑے تھوڑے کرکے روزے رکھنے یا کچھ روزے رکھکر بیچ میں ناغہ کرکے بقیہ روزے پورے کرنے جائز نہیں ہیں اگر کسی وجہ سے بیچ میں دو ایک روزے ناغہ ہوجائیں تو ازسرنو دو مہینے کے روزے رکھنے چاہئیں ہاں جتنے روزے حیض کی وجہ سے بیچ میں ناغہ ہوجائیں تو کچھ حرج نہیں ہے پاک ہونے کے بعد پھر بقیہ روزے پورے کرنے چاہئیں اور پورے ساٹھ دن کے روزے کرلئے جائیں اور اگر کفارہ کے روزوں کے درمیان نفاس ہوگیا اور اس وجہ سے کچھ روزے ناغہ ہوگئے تب بھی کفارہ کے جتنے روزے ادا کرلئے ہیں وہ سب باطل ہوگئے ازسرنو دو ماہ کے روزے رکھنے چاہئیں اور اگر کسی بیماری کی وجہ سے درمیان میں چند روزے یا ایک روزہ ہی ناغہ ہوگیا تب بھی ازسرنو رکھنے ضروری ہیں اور اگر کفارے کے روزے ادا کررہا تھا کہ درمیان میں رمضان آگیا تب بھی کفارہ صحیح نہ ہوا ازسرنو کل روزے رکھنے چاہئیں (درمختار، شامی، کفایہ وغیرہ) (۲) اگر کسی کو روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور کفارہ کے روزے ادا نہ کرسکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صبح شام خوب پیٹ بھرکر اپنی توفیق کے موافق کھانا کھلائے کفارہ ادا ہوجائے گا مگر مسکین بڑے آدمی ہونے چاہئیں بچے نہ ہوں اگر ان میں کوئی بچہ ہوگا تو اس کا شمار نہ کیا جائے گا اس کے بجائے دوسرے بڑے آدمی کو کھلانا ضروری ہے۔

کفارہ میں کیا چیز دی جائے اگر گیہوں کی روٹی ہو تو روکھی روٹی بھی کھلانی درست ہے اور جو باجرا جوار وغیرہ کی ہو تو کچھ سالن دال گوشت وغیرہ دینا ضروری ہے صرف روکھی روٹی کھلانی کافی نہیں ہے **مسئلہ** اگر روٹی نہ کھلائے بلکہ مسکینوں کو کچا اناج دیدے تب بھی درست ہے

لیکن ہر مسکین کو ایک سیر چھ چھٹانک دینا چاہیئے اور اگر اناج کی بجائے اس کی قیمت دیدی تب بھی درست ہے اور اگر ایک ہی مسکین کو روزانہ ساٹھ دن تک صبح شام کھلاتا رہا یا روزانہ اناج کی قیمت دینار ہا تو کفارہ صحیح ہو جائے گا ہاں ساٹھ دن کا اناج حساب کر کے ایک فقیر کو ایک دن میں دیدینا صحیح نہیں اس صورت میں صرف ایک ہی دن کا ادا ہوگا ۵۹ مسکینوں کو پھر دینا چاہیئے مطلب یہ کہ ایک فقیر کو ایک دن میں اتنا ہی دیا جائے جتنا ایک روزہ کا بدلا ہو اس سے زائد ایک دن میں ایک فقیر کو دینا جائز نہیں **مسئلہ** اگر کسی فقیر کو اناج کی مذکورہ مقدار سے کم دے گا تو کفارہ ادا نہ ہوگا **مسئلہ** اگر ایک رمضان کے چند روزے توڑ ڈالے تو کفارہ سب کا اتنا ہی دینا ہوگا جتنا ایک روزہ توڑنے کا ہوتا ہے چند کفارے دینے ضروری نہیں ہیں ہاں اگر مختلف رمضانوں کے مختلف روزے توڑے تو ہر رمضان کا الگ الگ کفارہ دینا چاہیئے **مسئلہ**۔ اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہدیا کہ میری طرف سے کفارہ ادا کردو اور اس نے ادا کر دیا خواہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دیا یا کچا اناج دیدیا یا قیمت دیدی بہرحال کفارہ ادا ہو جائے گا اور اگر اس کے کہنے کے بغیر اس شخص نے اس کی طرف سے کفارہ ادا کر دیا تو صحیح نہیں ہے (شامی، شرح وقایہ، فتاوی بزازیہ، عالمگیری)

فدیہ کا بیان

فدیہ کی تعریف جو شخص اس قدر بوڑھا ہو گیا ہو کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو یا اتنا بیمار ہو کہ اچھا ہونے کی امید ٹوٹ گئی ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت بھی نہ ہو تو ایسے شخص کے لئے جائز ہے کہ روزہ نہ رکھے بلکہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو صدقہ فطر کی برابر غلہ یا اس کی قیمت دیدے یا صبح شام پیٹ بھر کر اس کو کھلا دے یہی شرعاً فدیہ کہلاتا ہے اگر ایک روزہ کے فدیہ کے گیہوں چند مسکینوں کو تھوڑے تھوڑے کر کے تقسیم کر دیا تو درست ہے۔ اب اگر فدیہ دینے کے بعد اتفاق سے بشیت الہی طاقت آگئی یا بیماری سے صحت ہو گئی تو تمام قضا شدہ روزوں کی ادائیگی لازم ہے اور دیئے ہوئے فدیہ کا ثواب دیگر صدقات و خیرات کی طرح علیحدہ ملیگا۔

فدیہ کی وصیت اگر کسی کے ذمہ کچھ روزے قضا تھے اور مرتے وقت اس نے وصیت کر دی کہ میرے مال میں سے فدیہ دیدینا تو ولی پر لازم ہے کہ میت کے کفن دفن کرنے کے بعد اول اس کا قرض ادا کرے پھر بقیہ مال کی تہائی حصہ میں سے خرچ دے اور اگر میت نے وصیت نہیں کی بلکہ ولی نے اپنے مال میں سے فدیہ دیدیا تب بھی صحیح ہے بقول امام محمد امید ہے کہ خدا تعالے قبول فرمالیگا۔ ہاں میت کے مال میں سے بغیر اس کی وصیت کے فدیہ دینا صحیح نہیں ہے اسی طرح اگر تہائی مال ادائے فدیہ کیلئے

کافی نہ ہو تو باوجود وصیت کے بھی زیادہ مال میں سے فدیہ بغیر سب وارثوں کی رضامندی کے صحیح نہیں ہے ہاں اگر سب وارث خوشی دل سے راضی ہو جائیں تو دونوں صورتوں میں فدیہ دینا درست ہے لیکن نابالغ وارث کی اجازت کا شریعت میں اعتبار نہیں ہو چاہے وہ اجازت دے یا نہ دے اس کے مال میں سے فدیہ نہ دیا جائے گا بلکہ بالغ وارث اپنا حصہ علیحدہ کر کے اس میں سے فدیہ دیدیں تو درست ہے **مسئلہ** اگر ولی مردہ کی طرف سے قضا روزے رکھے تو صحیح نہیں جس طرح کہ مردہ کی طرف سے قضا شدہ نماز پڑھنی درست نہیں ہے **مسئلہ** بلا وجہ اور بغیر شرعی عذر کے رمضان کے روزے چھوڑنا سخت گناہ ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رمضان کے ایک روزہ کے بدلہ میں جتنا ثواب ملیگا اگر سال بھر برابر روزے رکھے جائیں تب بھی اتنا ثواب نہ ملیگا جتنا رمضان میں ایک روزہ رکھنے کا ملیگا اگر اتفاق سے روزہ نہ رکھا تو پھر لوگوں کے سامنے اس کا اظہار نہ کرنا چاہیے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ جب خدا کی چوری نہیں تو بندوں کی کیا چوری ہے کیونکہ اس سے دوگنا گناہ ہوتا ہے ایک تو روزہ نہ رکھنے کا دوسرے اظہار گناہ کا۔ **هدایت**:- جب لڑکا لڑکی روزہ رکھنے کے لائق ہو جائیں تو ان کو روزہ رکھایا جائے اور دس برس کی عمر کے ہو جائیں تو تنبیہ کر کے روزے رکھوائیں ہاں اگر نابالغ بچہ روزہ رکھکر توڑ دے تو قضا ضروری نہیں ہے کیونکہ نابالغ کے لئے روزہ رکھوانے کا حکم ان کو عادی بننے کے لئے ہے نہ کہ بطور وجوب و فرضیت کے لہذا قضا ضروری نہیں ہے (شرح وقایہ، ہدایہ، کفایہ، بنایہ، عالمگیری، شامی وغیرہ۔

قضا روزہ کا بیان

قضا روزہ کب اور کس طرح ادا کیا جائے اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزے قضا ہو گئے ہوں تو جہاں تک ممکن ہو رمضان کے بعد بہت جلد ان کو ادا کرنا چاہیے موت کا اعتبار نہیں ایسا نہ ہو کہ یہ روزے سر پر قائم رہیں اور آخرت میں مواخذہ دینا پڑے روزہ کی قضا میں دن تاریخ مقرر کر کے قضا کی نیت کرنی کہ فلاں تاریخ کے قضا شدہ روزہ کی ادائیگی کرتا ہوں ضروری نہیں ہو بلکہ جتنے روزے قضا ہو گئے ہوں اتنے روزے رکھ لینے چاہئیں ہاں اگر دو رمضانوں کے کچھ روزے قضا ہو گئے ہوں تو روزوں کو ادا کرتے وقت سال کا مقرر کرنا ضروری ہے یعنی دل میں یہ خیال کرنا ضروری ہے کہ فلاں سال کے قضا شدہ روزوں کو ادا کرتا ہوں۔

قضا روزہ کی نیت قضا روزہ رکھتے وقت رات سے نیت کرنی ضروری ہے اگر صبح ہو جانے کے بعد نیت کی تو قضا صحیح نہیں ہوتی یہ روزہ نفل ہو جائیگا اور قضا کا روزہ علیحدہ رکھنا پڑے گا کفارہ کے روزہ کا بھی یہی حکم ہے کہ رات سے نیت کرنی ضروری ہے اگر صبح ہونے کے بعد نیت کی تو کفارہ ادا نہ ہوگا از سر نو روزے رکھنے پڑینگے (کفایہ۔ درمختار)

مسئلہ جتنے روزے قضا ہو گئے ہوں ان سب کو چاہے یکدم پے در پے رکھ لے یا تھوڑے تھوڑے کر کے ادا کرے دونوں صورتیں جائز ہیں اور اگر یہانتک تاخیر کی کہ قضا روزے نہ رکھنے پایا تھا کہ دوسرا رمضان آگیا تو اب دوسرے رمضان کے روزے رکھے اور عید کے بعد پچھلے قضا شدہ روزے ادا کرے۔

بیہوشی کی وجہ سے قضا شدہ روزوں کے مسائل اگر رمضان کے مہینے میں کوئی شخص دن کو بیہوش ہو جائے اور تین دن برابر بیہوش رہے تو صرف دو روز کی قضا لازم ہے بیہوش ہونیکے دن کی قضا واجب نہیں ہے کیونکہ اس روز روزہ کی نیت تھی لہذا اس دن کا روزہ سمجھا جائے گا ہاں اخیر کے دونوں دن کی قضا لازم ہے البتہ بیہوشی کے دن اگر کسی نے حلق میں دوا ڈالدی اور حلق سے دوا اتر گئی تو اس وقت تینوں دن کی قضا واجب ہے اور اگر رات کو بیہوشی طاری ہوئی تب بھی اخیری دونوں دن کی قضا تو واجب ہے اور اول دن کی قضا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس روز یقینا روزہ کی نیت تھی لہذا روزہ سمجھا جائیگا ہاں جس رات کو بیہوشی طاری ہوئی تھی اگر بیہوشی سے قبل صبح کو روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا یا صبح کو کسی نے حلق میں دوائی وغیرہ ڈالدی تو ان دونوں صورتوں میں سب روزوں کی قضا لازم ہے اور اگر کوئی شخص سارے رمضان بیہوش رہا کسی دن ہوش ہوا تب بھی پورے رمضان کی قضا رکھنی واجب ہوگی۔ البتہ اگر جنون ہوگیا اور رمضان بھر دیوانہ رہا تو اس رمضان کی قضا واجب نہیں ہاں اگر کسی روز دیوانگی جاتی رہے اور عقل صحیح ہو جائے تو آیندہ روزے رکھنے شروع کرے اور قضا شدہ روزوں کو عید کے بعد ادا کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رمضان کے درمیان میں اگر جنون سے افاقہ ہوگیا تو فوت شدہ روزوں کی قضا لازم ہے اور کل رمضان میں اگر جنون رہا تو قضا معاف ہے۔

نذر معین اور غیر معین کے روزوں کا بیان

اگر کوئی شخص نذر مانے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے اگر نہ رکھیگا تو ترک واجب کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ نذر دو طرح ہوتی ہے معین اور غیر معین نذر معین تو یہ ہے کہ کوئی تاریخ یا دن مقرر کر کے نذر مانے مثلاً یہ کہے کہ یا اللہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو ۱۷ تاریخ کا یا جمعہ کے دن کا روزہ رکھونگا اور نذر غیر معین یہ ہے کہ دن تاریخ معین نہ کیا صرف یہ کہدیا کہ یا اللہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو ایک روزہ رکھونگا

یا ویسے ہی نذر مان لی کہ میں خدا کے واسطے پانچ روزے حصول ثواب کے لئے رکھوں گا

نذر معین کے روزہ کی نیت نذر معین کے روزہ کے لئے رات سے نیت کرنی افضل اور مستحب ہے اور اگر رات سے نیت نہ کی تو دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے نیت کرلے یہ بھی جائز ہے اس صورت میں بھی نذر ادا ہوجائیگی کیونکہ معین دن اور خاص تاریخ کا روزہ بغیر رات سے نیت کرنے کے بھی ہو جاتا ہے جب دن اور تاریخ مقرر ہے تو پھر رات سے مقرر کرنا ضروری نہیں ہے ہاں دوپہر سے قبل معین کرلینا اور نیت کرلینی ضروری ہے کیونکہ ممکن ہے اُس نے اپنا پہلا ارادہ فسخ کرلیا ہو اس لئے تعیین لازم ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ نذر کی ہی نیت کرے جب تاریخ آگئی اور فقط اتنی نیت کرلی کہ میرا آج روزہ ہے تو کافی ہے بلکہ اگر یہ نیت کی کہ آج میں نفل روزہ کی نیت کرتا ہوں تب بھی نذر کا روزہ ہی ہوگا ہاں اگر نذر کے دن قضا روزہ رکھہ لیا اور نذر کا روزہ رکھنا یاد نہ رہا یا یاد بھی تھا مگر قصداً قضا کا روزہ رکھا نذر کا روزہ نہ رکھا تو اس صورت میں نذر کا روزہ ادا نہ ہوگا بلکہ قضا کا روزہ ادا ہوجائے گا اور نذر کا روزہ واجب الادا رہے گا۔

نذر غیر معین کے روزہ کی نیت نذر غیر معین کے روزہ میں رات سے نیت کرنی ضروری ہے تاکہ نذر ادا ہوجائے اگر رات سے نیت نہ کی بلکہ صبح ہونے کے بعد نیت کی نذر ادا نہ ہوگی نفلی روزہ ہوجائے گا نذر کا روزہ ذمہ میں واجب رہے گا کیونکہ جب کسی معین تاریخ یا خاص دن کی نذر نہیں مانی ہو تو رات سے نیت کرنے کے بغیر کس طرح معلوم ہوسکتا ہو کہ یہ نذری روزہ ہے یا نفل (شامی ہدایہ شرح وقایہ در مختار)

نفل روزہ کا بیان

نفل روزہ کی نیت نفل روزہ کی نیت دو طرح سے ہوسکتی ہے اول تو اس طور پر کہ دل میں خیال کرے کہ میں نفلی روزہ رکھتا ہوں دوسرے یہ کہ نفل کی قید بھی نہ لگائے بلکہ صرف یہ نیت کرلے کہ میں روزہ رکھتا ہوں دونوں صورتوں سے نیت صحیح ہوجائے گی نفل روزہ کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ رات سے نیت کرے بلکہ دوپہر سے ایک گھنٹہ قبل بھی اگر روزہ کی نیت کرلی تو صحیح ہے مثلاً دن کے گیارہ بجے تک کسی نے کچھ کھایا پیا نہیں اور رات سے روزہ کی نیت بھی نہ تھی تو اب نیت کرسکتا ہے روزہ ہوجائیگا۔

نفل روزہ کس دن ہوسکتا ہے رمضان شریف کے علاوہ ہر دن نفلی روزہ ہوسکتا ہے جتنے زیادہ رکھیگا اتنا زیادہ ثواب ہوگا۔ ہاں عید بقرعید اور ذی الحجہ کی ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳ تاریخوں کو نفل روزہ رکھنا بھی حرام ہے اس کے سوا اور تمام دنوں میں نفل روزہ رکھنا جائز ہے اگر کسی شخص نے عید کے دن روزہ رکھنے کی نذر مانی تب بھی اس دن روزہ نہ رکھے کسی اور دن رکھہ لے اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ میں پورے

سال کے روزے رکھوں گا تب ان ممنوعہ ایام میں روزے نہ رکھے ان پانچ دن کی قضا پھر رکھے۔

کس وقت نفل روزہ واجب ہو جاتا ہے اور کس وقت نفل روزہ کا توڑنا واجب یا جائز ہے

نفل کا روزہ نیت کرنے سے واجب ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی نے صبح کو یہ نیت کی کہ آج میرا روزہ ہے اور پھر دن میں کسی وقت توڑ دیا تو قضا واجب ہے اور کسی نے ارادہ کیا کہ میں کل روزہ رکھوں گی لیکن صبح ہونے سے قبل ارادہ بدل گیا اور روزہ نہ رکھا تو قضا واجب نہیں **مسئلہ** شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کے لیے نفل روزہ رکھنا درست نہیں ہے اگر اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھ لیا تو اس کے توڑ ڈالنے سے توڑ دینا چاہیئے اور جس روز وہ قضا رکھنے کو کہے اس روز قضا رکھنا چاہیے **مسئلہ** مہمان کی خاطر سے میزبان کے لئے اور میزبان کی خاطر سے مہمان کو روزہ توڑ دینا جائز ہے تاکہ ایک دوسرے کی دلشکنی نہ ہو اور اخلاق اسلامی کا کامل مظاہرہ ہو سکے **مسئلہ** اگر کسی نے عید کے دن نفل روزہ رکھ لیا تو توڑ دینا واجب ہے اور قضا بھی ضروری نہیں ہے۔

مسنون روزے

مذکورہ ذیل روزے مسنون ہیں اگر کوئی شخص ان کو رکھے تو بڑا ثواب ہے (۱) محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی عاشورہ کا روزہ رکھے تو اس کے گذشتہ سال کے گناہ (یعنی صغیرہ) معاف فرما دیئے ہے (۲) ۹۔ ذی الحجہ کا روزہ۔ حدیث میں اس کا بھی بڑا ثواب آیا ہے اس سے بھی ایک سال کے اگلے اور ایک سال کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگر شروع چاند سے نویں تک برابر روزے رکھے تو بہت ہی بہتر ہے (۳) ہر ماہ کے تین روزے یعنی ۱۳-۱۴-۱۵ تاریخ کے روزے بھی مسنون ہیں حضور اکرم یہ روزے رکھا کرتے تھے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص یہ روزے رکھے گویا اس نے تمام سال کے برابر روزے رکھے (۴) ہر ہفتہ میں دوشنبہ اور جمعرات کا بھی روزہ حضور رکھا کرتے تھے اس کا بھی بہت ثواب ہے شب برات کی پندرہویں تاریخ کا روزہ اور عید شوال کے بعد چھ دن روزے رکھنے کا بھی زیادہ ثواب ہے دیگر غیر مسنون نفلوں سے یہ نفلی روزے افضل ہیں باقی مستحب روزے تو بہت ہیں جن پر اولیاء امت اور سلف صالحین کا عملدرآمد رہا ہے جن کی تفصیل طوالت سے خالی نہیں ہے چونکہ شریعت میں ان کو کچھ خاص فضیلت حاصل نہیں ہے سوا اس کے کہ بزرگان دین کا دستور العمل رہا ہے لیکن ثواب ان کا منصوص نہیں ہے اس لئے ان کا ذکر کرنا چنداں مفید نہیں ہے (ماخوذ از صحیح بخاری و مسلم و ترمذی و شامی و عالمگیری و فتح القدیر)

سحری کا بیان

سحری کہانی مسنون ہے اگر بھوک نہ ہو اور کہانے کی خواہش نہ ہو تو کم از کم دو تین چھوارے ہی کہا لیوے اور اگر چھوارے نہ ملیں تو کوئی اور چیز کہالے کچھ نہ ملے تو پانی ہی پی لے تاکہ سنت پر عمل ہو جائے اور دن کو بدن میں نشاط اور چستی قائم رہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ سحری کھانے میں برکت ہے یعنی دن کو بدن میں چستی اور نشاط و قوت قائم رہتی ہے اگر کسی نے سحری نہ کہائی صرف ایک آدھ پان کہا لیا تب بھی سحری کہانے کا ثواب مل گیا۔

سحری میں تاخیر کرنی مستحب ہے جہاں تک ہو سکے سحری دیر کر کے کہانا بہتر ہے لیکن اتنی دیر نہ کرے کہ صبح ہونے لگے اور روزہ میں شبہ پڑ جائے اگر کسی نے سحری پہلے سے جلدی کہالی مگر اس کے بعد پان تمباکو چاء وغیرہ دیر تک کھاتا پیتا رہا اور صبح کے قریب تک یہ شغل جاری رہا پھر کلی کر ڈالی تب بھی تاخیر سحری کا ثواب مل گیا **مسئلہ** اگر کسی کی آنکھ دیر میں کہلی اور یہ خیال ہوا کہ ابہی رات باقی ہے اور اس گمان سے سحری کہالی پہر معلوم ہوا کہ صبح ہو جانے کے بعد سحری کہائی تہی تو روزہ نہیں ہوا قضا کرے لیکن کفارہ واجب نہیں ہے مگر پہر بہی کچھ کہانا پینا جائز نہیں ہے۔ روزہ داروں کی طرح رہنا چاہیئے **مسئلہ** اگر سحری میں اتنی دیر ہو گئی کہ صبح ہو جانے کا شبہ ہو گیا تو اب کچھ کہانا مکروہ ہے اگر ایسے وقت میں کچھ کہا پی لیا تو گو جائز ہے لیکن مکروہ ضرور ہے اس کے بعد اگر معلوم ہو کہ صبح ہو گئی تہی تو قضا واجب ہے کفارہ نہیں ہے اور اگر کچھ نہ معلوم ہو شبہ ہی شبہ رہ جائے تو قضا بہی نہیں ہے **مسئلہ** اگر رات کو سحری کہانے کے لئے آنکھ نہ کہلی تو بے سحری کہائے روزہ رکہنا لازم ہے سحری چھوٹ جانے سے روزہ نہ چھوڑنا چاہیئے ورنہ ترک فرض کا گناہ ہو گا۔

افطار کا بیان

افطار میں جلدی کرنی اس حد تک مسنون ہے کہ ستارے نہ نکل آئیں کیونکہ حضرت سہل ابن ساعدہ سے مروی ہے کہ حضور نے **ارشاد فرمایا** جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے بھلائی کے ساتھ رہیں گے سنت یہی ہے کہ جب آفتاب کے غروب کا یقین ہو جائے تو نماز سے قبل افطار کیا جائے۔ **حضرت** ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ بندوں میں زیادہ محبوب بندہ میرے نزدیک وہ ہے جو افطار میں جلدی کرے۔

افطار کی مسنون چیز مسنون یہ ہے کہ چھواروں سے افطار کرے اگر چھوارے نہ مل سکیں تو پانی سے ہی سہی اور مجبوراً کسی میٹھی چیز سے افطار کرلے کیونکہ یہ بہی مستحب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے قبل چند تازہ چھواروں سے روزہ کھولتے تھے اور اگر تازہ چھوارے نہ ہوتے تو خشک چھواروں سے افطار کرتے تھے ورنہ چند گھونٹ پانی کے پی لیتے تھے حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم کو افطار چھوارے سے کرنا چاہیئے اس میں برکت ہے اگر چھوارے نہ ملیں تو پانی سے کھول لے کیونکہ یہ پاک ہے۔

افطار کے وقت کی دعا افطار کا وقت دعا کی قبولیت کا وقت ہے روزہ دار کی دُعا اس وقت قبول ہوتی ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم افطار کے وقت یہ الفاظ فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ یعنی الٰہی میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تجھی پر میرا یقین ہے اور تیرے رزق ہی سے میں نے روزہ کھولا۔

افطار کا وقت حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب رات اس مقام سے شروع ہو اور دن اس جگہ چلا جائے اور سورج ڈوب جائے تو یہ روزہ دار کے افطار کا وقت ہے یعنی جس وقت رات مشرق کی طرف سے شروع اور دن مغرب کی طرف چلا جائے اور سورج کا غروب یقینی ثابت ہو جائے تو روزہ دار کے افطار کا وقت آگیا اس کو افطار کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

مسئلہ ابر کے دن افطار میں جلدی مستحب نہیں ہے بلکہ جب تک غروب کا غالب گمان نہ ہو جائے افطار نہ کرنا چاہیئے گھڑی گھڑیال بلکہ مغرب کی اذان ہو جانے کا بھی ایسی حالت میں اعتبار نہیں ہے اگر روزہ کھول ڈالا اور ابر کے ہٹ جانے کے بعد معلوم ہوا کہ آفتاب موجود تھا تو قضا رکھنی ہوگی کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ یہ خطا بلا قصد ہے لہذا کفارہ نہیں صرف قضا واجب ہے بغیر قصد کفارہ نہیں ہوتا ہے حضرت عمر رض ایک روز رمضان کے زمانہ میں مع رفقاء و اصحاب کے شام کے وقت مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھے تھے تھوڑی دیر میں دودھ سے بھرا ہوا پیالہ پیش کیا گیا آپ نے اور آپ کے سب ساتھیوں نے وہ دودھ پی لیا پھر آپ نے مؤذن کو اذان دینے کا حکم دیا حسب الحکم جب مؤذن اذان دینے منارہ پر چڑھا تو اس کو آفتاب نظر آیا اس نے عرض کیا امیر المومنین آفتاب تو یہ موجود ہے۔ آپ نے فرمایا ہم نے تجھکو اذان دینے کے لئے بھیجا ہے نگہبانی کرنے کے لئے نہیں بھیجا ہے ہم نے گناہ کا ارادہ نہیں کیا ہے ہم آج صبح کی بجائے کسی دن قضا روزہ رکھ لیں گے ہمارے لئے ایک روزہ کی قضا رکھنی کچھ مشکل کام نہیں ہے

اعتکاف کا بیان

اعتکاف مسنون ہے حضور اکرم نے اس کو ہمیشہ کیا ہے۔ اعتکاف کے یہ معنی ہیں کہ انسان مسجد

میں یا گھر کے کسی معین گوشہ میں جہاں نماز پڑھتا ہو روزہ کی حالت میں نیت عبادت کے ساتھ پابندی سے جمکر دنیا سے منہ موڑ کر بیٹھ جائے اور سوا طبعی حاجات کے وہاں سے نہ اٹھے۔

اعتکاف مسنون سنون اعتکاف یہ ہے کہ رمضان کی ۲۰ تاریخ کو مغرب سے ذرا پہلے اس مسجد میں جہاں پنجوقتہ جماعت کی نماز ہوتی ہو بیٹھ جائے اور عورت ہو تو اپنے گھر میں اسی جگہ بیٹھ جائے جو نماز کے لئے مخصوص ہے اور رمضان کے آخری روزہ کی مغرب تک بیٹھا رہے اور ذکر و عبادت میں مشغول رہے۔

اعتکاف کا رکن اور شرط ٹہرنا تو اعتکاف کا رکن ہے اور مسجد و نیت اعتکاف کی شرطیں ہیں مطلب یہ ہے کہ مسجد میں نیت عبادت کے ساتھ قیام کیا جائے تو اعتکاف صحیح ہوگا ورنہ نہیں ہوگا

اعتکاف واجب کی مدت کم از کم اعتکاف واجب کی مدت ایک دن ہے چنانچہ اگر کسی نے اعتکاف کی نذر مانی ہو تو مسجد میں طلوع فجر سے پہلے دن داخل ہو اور غروب آفتاب کے بعد مسجد سے نکلے اگر اس سے قبل اعتکاف کو چھوڑ دے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور پھر قضا لازم ہوگی اور اگر دو دن کے اعتکاف کی نذر مانی ہے تو غروب آفتاب سے قبل مسجد میں داخل ہو اور تیسرے روز غروب آفتاب کے بعد مسجد سے خارج ہو۔

اعتکاف واجب کی وصیت اور کفارہ اگر آدمی اعتکاف نذر ادا نہ کر سکا ہو تو وصیت کر دینی لازم ہے اور ورثاء کو چاہیئے کہ ہر دن کے بدلے صدقہ فطر کی برابر صدقہ ادا کریں۔

مسئلہ اعتکاف واجب بغیر روزہ کے ادا نہیں ہوتا۔ لہذا اگر کسی نے اعتکاف کی نذر مانی ہو تو روزہ رکھنا لازم ہے ورنہ اعتکاف صحیح نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ رات کو اعتکاف کرنیکی نذر ماننی صحیح نہیں ہے۔

اعتکاف نفل کی مدت اور شرطیں نفل اعتکاف کی مدت کے بارہ میں حضرت امام ابو حنیفہ سے دو روایتیں منقول ہیں (۱) اعتکاف نفل کی کوئی مدت خاص مقرر نہیں ایک گھنٹہ کا اور اس سے کم کا بھی ہو سکتا ہے اور نہ اس کے لئے روزہ رکھنا شرط ہے (۲) اعتکاف نفل کے لئے روزہ دار ہونا شرط ہے اور کم از کم نفلی اعتکاف کی مدت بھی وہی ہے جو واجب اعتکاف کی ہے یعنی ایک روز مگر پہلی روایت بہت صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ **مسئلہ** امام صاحب کے نزدیک اعتکاف کی حالت میں بغیر ضروری حوائج یعنی پیشاب پاخانہ وغیرہ کے مسجد سے تھوڑی دیر نکلنا بھی اعتکاف کو فاسد کر دیتا ہے لیکن صاحبین کے نزدیک آدھے دن سے کم کے لئے معتکف مسجد سے نکل سکتا ہے۔

مسئلہ معتکف کے لئے مسجد کے اندر کھانا پینا خرید و فروخت کرنا جائز ہے لیکن سامان تجارت

مسجد میں نہ لانا چاہیئے صرف زبانی خرید و فروخت جائز ہے اور خاموش رہنا مکروہ ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ہر وقت ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن اور نوافل میں مشغول رہے اور امور دینی میں ہر وقت منہمک رہے۔ دینی مسائل کے درس و تدریس میں وقت گذارے یہی امام زیلعی کا فتویٰ ہے۔

باب الزکوٰۃ والصدقات

اسلام کی تعلیم نہایت مکمل ہے

یورپ کے تمدن کی آج دھوم ہے اندیجا ہے لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اس تمدن کے محاسن و اصول میں کونسی ایسی نئی بات ہے جس کی تعلیم اسلام نے نہیں دی اور جو آج سے تیرہ سو برس پہلے دنیا کو نہیں بتا دی۔ حریت و مساوات اسلام اپنے ساتھ لیکر آیا عدل و رفق کا اس نے بہترین سبق پڑھایا علم و عقل سے کام لینے کی اس نے ہدایت کی محنت و استقلال اور ایثار کی تعلیم کے علاوہ اس نے اعلےٰ نمونے ہزارہا پیش کر دیئے مختصر یہ کہ انسانی تہذیب اور تمدن ترقی کے لئے جو کچھ اصولاً ضروری ہے وہ سب اسلام میں موجود ہے صرف دل دانا اور چشم بینا کی ضرورت ہے کہ ان رازوں کو سمجھ سکے اور ساتھ ہی توفیق عمل اور عزم محکم کی حد سے زیادہ حاجت ہے تاکہ ان پر عمل کیا جا سکے انہی دونوں باتوں کی مسلمانوں کو اپنی ترقی و اصلاح کے لئے ضرورت ہے اور یہ دونوں باتیں مسلمانوں میں پیدا ہو سکتی ہیں مگر اس کے لئے یہ لازم ہے کہ قرآن پاک کے ان حکیمانہ اصول کو صاف صاف اور آسان عبارت میں بیان کیا جائے اور تعلیم اسلام کی دینی اور دنیاوی برکتوں اور مصلحتوں پر روشنی ڈالی جائے۔

اسلام کے عملی احکام

اسلام کے عملی احکام دو حصوں پر منقسم ہیں ایک حصہ حقوق اللہ اور دوسرا حصہ حقوق العباد کے متعلق ہے اور دونوں حصوں کے احکام انسانی فطرت کے ان گہرے اصول پر

منبع ہیں جو فطرت بشر کے موافق ہیں اور ان کا علم اس فطرت کے خالق کو ہی ہو سکتا ہے۔ ان احکام کی خصوصیت یہ ہے کہ نہایت سہل العمل ہیں اور ایسے وسیع و عالمگیر ہیں کہ تمام زمانوں اور تمام قوموں کی ضروریات کے لئے کافی اور موزوں ہیں حقوق العباد اور حقوق اللہ گو بادی النظر میں الگ الگ معلوم ہوتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے اور ہر ایک دوسرے سے وابستہ ہے۔

قرآن کریم کا ایک عظیم الشان مقصد انسان کی اخلاقی ترقی ہے اور اول سے آخر تک قرآن مجید نے اس اہم مقصد کو مدنظر رکھا ہے اس کے تمام احکام کی غرض یہ ہے کہ انسان کو درجہ بدرجہ اس اعلیٰ ترقی کی انتہائی بلندی پر پہنچا دیا جائے لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ جب تک انسان اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو وہ مومن نہیں کہلا سکتا یہ ایک ایسی تعلیم ہے جو سونے کے حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔

زکوٰۃ کیا چیز ہے اور زکوٰۃ نہ دینے کی کیا سزا ہے

اسلام پاک کے ان عملی ارکان میں سے جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے ایک رکن اعظم زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ درحقیقت اس خواہش یا صفت کے باقاعدہ استعمال کا نام ہے جو اپنے ابنائے جنس کے ساتھ ہمدردی و رحم کرنے کی انسان میں قدرتاً اور فطرۃً موجود ہے لفظ زکوٰۃ تزکیہ سے نکلا ہے جس کے معنے پاک کرنے کے ہیں چونکہ زکوٰۃ انسان کے دل کو بخل اور خود غرضی کی نجاست سے پاک و صاف کر دیتی ہے اس لئے اصطلاح شرع میں اس کا نام زکوٰۃ رکھا گیا قرآن پاک میں وارد ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِہِمْ صَدَقَۃً تُطَہِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْہِمْ یعنی اے نبی لوگوں کے مال سے صدقہ وصول کر کیونکہ یہ صدقہ ان کے مال کو طاہر اور پاکیزہ بنا دیگا قرآن مجید میں جس قدر نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اور کسی امر معروف کی اتنی تاکید نہیں ہے کیونکہ نماز اخلاقی مصلح ہے اور زکوٰۃ مالی مصلح نماز شخصی اخلاق کو بالذات درست کرتی ہے اور زکوٰۃ قومی و اجتماعی امراض کی خاص دوا ہے اور چونکہ یہ دونوں دوائیں لوگوں کے مذاق کو تلخ اور ناخوشگوار معلوم ہوتی ہیں اور وہ اسی تلخی کا احساس باطل کر کے گریز کرتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے نماز و زکوٰۃ ادا کرنیکا بار بار حکم دیا اور شاید میرا یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ترک زکوٰۃ ترک نماز سے بھی بڑھکر ہے چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور راہ خدا میں صرف نہیں کرتے ان سے کہدو کہ تم کو دردناک عذاب کا سامنا ہوگا۔ پھر اس دردناک عذاب کی یوں تصریح کی گئی ہے یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْہَا فِیْ نَارِ جَہَنَّمَ فَتُکْوٰی بِہَا جِبَاھُہُمْ وَجُنُوْبُہُمْ وَظُہُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ

لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ یعنی یہی چاندی سونا روپیہ اشرفی جس کو تم جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہو اور راہ خدا میں صرف نہیں کرتے، قیامت کے دن آتش دوزخ میں لال کیا جائے گا اور پھر اس سے تمہاری پیشانیوں پہلوؤں اور پشتوں کو داغ لگائے جاوینگے اور عذاب کے فرشتے تم سے کہیں گے، یہ تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا اب اس جمع کرنے کا مزہ چکھو، ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ تارک زکوٰۃ تارک صلوٰۃ سے بدتر ہے اور ترک زکوٰۃ پر ایک خاص وعید اور عذاب مقرر ہے۔

زکوٰۃ کے قومی اور تمدنی فوائد

پولٹیکل اکانمی و علم سیاست مدن، کا سب سے مشکل مسئلہ یہ ہے کہ افراد قوم اور بنی نوع انسان میں بلحاظ فقر و دولت کیونکر تناسب قائم کیا جائے۔ حکیم سولن کے عہد سے آجتک کوئی انسانی دماغ اور کوئی نظام اجتماعی اس عقدہ کی گرہ کشائی نہ کرسکا یورپ میں تین فرقے نہلسٹ، سوشیالسٹ، نیشلسٹ اسی مسئلہ تقسیم و تناسب دولت کی گرہ کشائی اور حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اول الذکر فرقے کا مقصد یہ ہے کہ جبراً املاک پر افراد قومی کا مساوی حق تصرف اور یکساں حق ملکیت ہو، متاخرالذکر کا خیال ہے کہ اراضی سکنی و مزروعہ یا قابل زراعت کی ملکیت پیداوار اور آمدنی کو شخصی قبضہ سے نکال لیا جائے اور کوئی زمیندار جاگیردار باقی نہ رہے متوسط الذکر کا مدعا یہ ہے کہ تمام اسباب معیشت پر سے شخصی تصرف و ملکیت کو اٹھا لیا جائے اور جمہور کے اقتدار و ملکیت میں دیدیا جائے لیکن با ایں ہمہ کوئی فرقہ اب تک کسی عملی نتیجہ پر نہیں پہنچا اور کیسے پہنچ سکتا تھا جبکہ قرآن پاک بہت پہلے فیصلہ کرچکا ہے کہ املاک پر سے ملکیت اشخاص کے حق کو اٹھا دیا جانا بادی النظر میں گو کیا ہی خوشگوار اور دل خوش کن معلوم ہو لیکن عملاً محال ہے ملکیت اشخاص کے حق کو ضبط کرنے کی کوشش کرنی فضول بے سود اور لاطائل ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ یعنی خدا ہی نے تم میں سے ایکدوسرے پر روزی میں کم و بیشی عطا کی ہے لہذا جن کو رزق میں برتری اور بیشی ملی ہے وہ اپنے زیر دستوں کو اس لئے واپس نہ دیں گے کہ کہیں سب آپس میں برابر ہو جائیں اور خادم و مخدوم ہونے کا نظام فطری بدلجائے جس کی وجہ سے شیرازہ تمدن بالکل بکھر جائے، مطلب یہ ہے کہ نظام تمدن اختلاف حالت پر مبنی ہے اگر سب آدمی سب حالات و کیفیات میں یکساں ہوں تو کیوں کوئی حاکم اور کوئی محکوم ہو کیوں کوئی محتاج اور کوئی محتاج الیہ ہو کیوں کوئی مالک اور کوئی کرایہ دار ہو آخر کیا وجہ ہے کہ کوئی دوسرے کی خدمت کرے، دنیا کے مکانات کیسے تعمیر ہوں، رہائشی سامان اور تمام اسباب معیشت

کہاں سے مہیا ہوں یہ لباس اور غذا کس طرح دستیاب ہو۔ چوروں قزاقوں اور بدمعاشوں سے دنیا کیونکر محفوظ رہے اور امن وامان کی زندگی اس مانوس ہستی یعنی انسان کو کس طرح نصیب ہو۔ اس اختلاف کا قائم رکھنا خدا کے انتظام سے ہے اور دنیا میں امن اسی اختلاف حالت سے قائم ہے دنیا کا کوئی فرقہ اور کوئی داغدار حکیم اس نظام فطرت کو نہ بدل سکا ہے اور نہ بدل سکتا ہے اس کے خلاف کوشش کرنی رائیگاں اور بیہودہ ہے غرض یہ کہ آج جس مسئلہ کے حل کرنے کے لئے عقلاء یورپ حیران پریشان ہیں اور گذشتہ فلاسفروں کو جس قضیہ کی نتیجہ رسی اور گرہ کشائی کا سودا رہا ہے وہ تیرہ سو برس پہلے اسلام نے نہایت خوش اسلوبی سے ہمیشہ کے لئے طے کر دیا ہے اور یہ صرف اس لئے کہ دنیا کے رہنے والے غیر منتظم انسان اور وحشی ومفلوک الحال ہستیاں دنیا کی برترین متمدن قوم بن جائیں اسی کا نام فرضیت زکوٰۃ ہے جس کے نہ ادا کرنے پر سخت سے سخت وعید آئی ہے سطحی نظر سے دیکھنے والے انسانوں نے سمجھا کہ زکوٰۃ بھی جس کے نہ ادا کرنے پر سخت سے سخت وعید آئی ہے۔۔۔ ... ...

صرف ایک طاعتی حکم ہے جس کی تعمیل میں امید ثواب ہے اور عدم تعمیل میں خوف عذاب مگر ماغدار اور قرآن کریم کے حکیمانہ اصول پر نظر تعمق ڈالنے والے لوگ جانتے ہیں کہ انسان کی تمدنی اور اخلاقی مصلحتوں سے زکوٰۃ کو بہت بڑا تعلق ہے انہی کی تکمیل کے لئے خداوند حکیم نے ادا زکوٰۃ کا حکم دیا ہے زکوٰۃ غرباء قوم کی پرورش اور حاجتمندوں کی کار براری ہوتی ہے زکوٰۃ ادا کرنے والے کے انسانی اخلاق کو مال کی محبت مغلوب نہیں کر سکتی زکوٰۃ ادا کرنے والا غرباء ومساکین کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے اور ان کو اپنی قوم کا ایک قابل رحم جز خیال کرتا ہے اور اس لئے بے حد دولت حاصل ہونے پر بھی اس میں تکبر وغرور پیدا نہیں ہوتا۔ بخل، امساک، خود غرضی، غرور، حب دنیا، بے رحمی وغیرہ سینکڑوں عادات رذیلہ سے زکوٰۃ دینے والا محفوظ اور پاک رہتا ہے چنانچہ لفظ زکوٰۃ خود اس امر کی طرف ایما کرتا ہے کہ اس فعل میں تزکیہ طہارت اور پاکیزگی اخلاق مضمر ہے چونکہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے اخلاقی وتمدنی مقاصد ومصالح ناقص ونا تمام رہ جاتے ہیں اور قوم کو سخت نقصان پہنچتا ہے اس لئے قرآن پاک میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کے حق میں ارشاد ہوا ہے وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

یعنی جو لوگ خداداد نعمتوں میں کنجوسی کرتے ہیں ان کو یہ ہرگز خیال نہ کرنا چاہیے کہ ان کے حق میں یہ اچھا ہے بلکہ برا ہے قیامت کے روز وہ چیزیں ان کے گلے کا طوق ہوں گی جن میں انھوں نے بخل کیا تھا۔ قرآن کریم اور حدیث مقدس پر گہری نظر اور وسیع مطالعہ رکھنے والے حضرات واقف ہیں

کہ زکوٰۃ کا حکم خاص نظام تمدن قائم رکھنے اور انسان کی شخصی و اجتماعی فلاح کے لئے ہے خدا اس کا محتاج نہیں ہے کہ اسے کچھ دے اور نہ خود لینا اس کی شان کے شایاں ہے یہ تمام مفاد قوم کی طرف ہی رجوع ہوتا ہے اور شیرازہ اخوت اس کی وجہ سے منتشر ہونے سے محفوظ رہتا ہے حضرت معاذ بن جبل رضی سے حضور اکرم فداہ ابی و امی نے مخاطب ہو کر فرمایا تھا اخبرھم بان اللہ قد فرض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیاھم و ترد علی فقرائھم یعنی ان کو بتا دینا کہ خدا نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو مالداروں سے لیکر غریبوں کو دیجائیگی" اس کی وجہ یہ ہے کہ غرباء کے ایک کثیر گروہ کو مالداروں کے ساتھ انس و محبت اور ان کی دولت و ثروت کے ساتھ بہبودی اور خیر خواہی پیدا ہو جائے کیونکہ مذکورہ صورت میں غرباء دولتمندوں کی دولت ایک ایسی مشترکہ ہوگی جس میں ادنیٰ و اعلیٰ حصہ دار شامل ہیں اور خدا کی طرف سے وہ لمیٹڈ اور رجسٹرڈ ہے اور اس سے سب کو بقدر اپنے حصہ کے تمتع اور فائدہ اندوز ہونیکا موقعہ ملتا رہتا ہے۔

مصارف زکوٰۃ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ یعنی خیرات و زکوٰۃ کے مال کے مندرجہ ذیل مصارف خدا تعالےٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں (۱) فقیروں اور ناداروں کو دی جائے (۲) مسکینوں محتاجوں اور ان لوگوں کو دی جائے جو نان شبینہ سے مجبور ہوں (۳) جو لوگ خیرات و زکوٰۃ کا مال وصول کرنے پر تعینات ہوں ان کی تنخواہیں بھی زکوٰۃ کے مال میں سے دی جائیں (۴) زکوٰۃ کا مال ان لوگوں کو بھی دیا جائے جن کا دل پرچانا اور جن کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہو (۵) غلاموں کی گردنوں کو قید غلامی سے آزاد کرانے کے لئے بھی زکوٰۃ کا مال صرف کیا جائے خواہ ان کو خرید کر آزاد کر دیا جائے یا کسی اور صورت سے مال صرف کر کے ان کو غلامی کی قید سے رہائی دلائی جائے (۶) قرضداروں کا قرضہ ادا کرنے میں زکوٰۃ کے مال سے مدد دی جائے (۷) راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کیلئے ساز و سامان ہتھیار اور ضروری مصارف زکوٰۃ کے مال سے مہیا کئے جائیں (۸) مسافروں کو زاد راہ اور ضروری سامان خورد و نوش وغیرہ بھی اس مال میں سے دیا جائے۔

ان مصارف زکوٰۃ پر نظر ڈالنے سے ہی ہمارا مذکورہ بالا مدعا اور مطلب واضح ہوتا ہے آیہ شریفہ میں جو مصارف بیان ہوئے ہیں وہ خود فلسفہ زکوٰۃ کے مظہر ہیں اور آیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ غنی اور دولتمند اشخاص پر لازم ہے کہ ان فقراء و مساکین کی دستگیری میں اپنی دولت کا ایک حصہ

صرف کریں جو کسی وجہ سے بقدر کفایت روزی کمانے سے معذور ہوں۔ اور جن لوگوں کے دلوں پر نور ایمان کی شعاعیں پڑنے لگی ہوں لیکن ابھی وہ راسخ الایمان نہ ہوئے ہوں تاہم ظن غالب ہے کہ وہ راسخ الایمان ہو جائینگے اور ان کے ساتھ ہی ان کے اہل و عیال بھی مسلمان ہو جائینگے تو ایسے لوگوں کی تالیف قلوب کے لئے کچھ مال صرف کیا جائے۔ نیز وہ مجاہدین جو دین اور قوم کی حمایت میں جان تک سے دریغ نہیں کرتے ان کی بھی ہر طرح کی مالی امداد کی جائے۔ وہ درماندہ مسافر جو اپنے عزیز و اقارب شہر و وطن دوست احباب اور مال و متاع سے دور پڑے ہوں اور بغیر کسی کی اعانت کے اپنے گھر اور وطن تک نہ پہنچ سکتے ہوں ان کی بھی ہر ممکن اعانت کی جائے۔ کیا یہ آیت مصارف زکوٰۃ بیان کر کے یہ ظاہر نہیں کر رہی ہے کہ اسلام جس طرح امیروں کے لئے ہے اسی طرح بیکس مجبور فقیروں کے لئے بھی ہے اور نظام تمدن و ترقی جو اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا اس کے خلاف کوئی قانون دنیا میں ان غیر منتظم بلکہ متمدن انسانوں کے لئے بھی نہ مفید ہو سکا ہے اور نہ ہو سکتا ہے فلسفہ زکوٰۃ کے خلاف کوئی فلسفہ اور حکمت مصارف زکوٰۃ کے خلاف کوئی حکمت صرف یہی نہیں کہ غیر مفید ہو بلکہ خلاف فطرت بھی ہے کیونکہ جس طرح قوم کے مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کرنی باعث نظام تمدن ہے اسی طرح ان سے بے پرواہی کرنی بھی خلاف انسانیت اور مخرب تمدن ہے ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم ہر ایک شہر اور ہر ایک گروہ میں بعض لوگ ناتوان حاجتمند اور مفلس و نادار ہوتے ہیں اور یہ حوادث آج ایک پر اور کل دوسرے پر آتے رہتے ہیں۔ دنیا میں ایسی کوئی جگہ اور ایسا کوئی مقام نہیں جہاں یہ قاعدہ جاری نہ ہو اب صورتیں صرف یہی دو ہوں گی کہ یا تو ان کی امداد اور دستگیری کی جائے یا بیدرد اور بے رحم ہو کر ان کی طرف سے منہ موڑ لیا جائے اگر ان کی مدد نہ کی جائے گی تو وہ ضرور بھوکے مرنے لگیں گے اور ہلاک ہو جائینگے یہانتک کہ جب ہر چہار طرف سے بے بس اور ناچار ہو جائینگے اور کوئی مفر اور چارہ کار باقی نہ رہے گا تو قوم کے دولتمندوں کی جانوں کو بد دعائیں دیتے ہوئے نہایت حسرت کے ساتھ سدھار جائینگے

فقر و مسکنت تمام جرائم کی جڑ ہیں

اگر مذکورہ بالا حد تک نقصان نہ بھی ہو تب بھی یقیناً اتنا تو ضرور ہو گا اور یہ بالکل قرین عقل و قیاس بھی ہے کہ وہ ملک اور قوم میں تمام فساد کا موجب ہو کر رہیں گے اور یہی باعث ننگ قوم اور بدامنی کا سبب ہو گا روزمرہ کے واقعات اس پر کافی سے زیادہ گواہ ہیں دیکھ لو

کہ جرائم کے مرتکب بالعموم وہی لوگ ہوتے ہیں جو فقر و مسکنت کے ہاتھوں تنگ آگئے ہوں اور سوا چوری قزاقی اور دیگر افعال شنیعہ کے کوئی چارہ اور سبیل کمائی کی ممکن نہ ہو کال اور وبا میں بھی لقمۂ اجل وہی لوگ زیادہ تر ہوتے ہیں جو فقیر و مسکین ہوتے ہیں پس اگر ان مسکینوں کی مدد نہ کی جائے گی تو لامحالہ وہ پہلے قرض دام سے مالداروں پر ہاتھ صاف کریں گے یہ دروازہ بند ہو جائے گا تو چوری چکاری پر آمادہ ہوں گے لوگوں کی جیبیں کتریں گے قزاقی کریں گے مار دھاڑ اپنا پیشہ بنا لیں گے یوں بھی کام نہ چلیگا تو بدترین اخلاقی جرائم کے مرتکب ہو کر اپنا پیٹ پالیں گے یا مذہب کو خیرباد کہہ کر نسل اسلامی کی قلت کا باعث ہوں گے اور دنیوی ذلت رسوائی اور مصائب کے علاوہ دینی مواخذہ میں گرفتار ہوں گے سچ ہے الفقر سواد الوجہ فی الدارین فقیری دونوں جہان میں روسیاہی کا سبب ہے" غرضکہ فقر و مسکنت قوم کے حق میں ایک بلا مبرم اور مرض مہلک ہے اسی بلا سے محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ مقرر کی ہے تاکہ فقر و مسکنت سے جو نتائج بد پیدا ہوتے ہیں اور تہذیب و تمدن میں خلل ڈالتے ہیں ان کا انسداد ہو جائے۔ مذہبی نقطہ خیال سے زکوٰۃ میں ایک اور بہی دقیق راز ہے اور اسی وجہ سے مذہب اسلام نے زکوٰۃ کو ایک رکن عظیم قرار دیکر انتہائی شد و مد سے اس کی تاکید کی ہے وہ راز یہ ہے کہ جب کسی مسکین کو کوئی حاجت پیش آتی ہے اور وہ زبان قول یا حال سے اس کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور میں گریہ و زاری کرتا ہے تو اس کا یہ عاجزی کرنا خدا تعالیٰ کی بخشش کے دروازہ کو کھول دیتا ہے اور اس وقت بمقتضائے مصلحت اکثر یہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی دولتمند شخص کے دل میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اس مسکین کی حاجت رفع ہو جائے اس وقت الہامی کیفیت اس دولتمند پر چھا جاتی ہے اور اس کے موافق خدا کی مرضی اور خوشنودی اس کا استقبال کرتی ہے اوپر سے نیچے سے دائیں سے بائیں سے برکتیں اس پر نازل ہوتی ہیں اور رحمت الٰہی جوش میں آکر اس کو اپنی گود میں لے لیتی ہے علوم الٰہی کے وارث اور انوار رسالت سے حصہ پانے والے علماء خوب واقف ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے تعلق الٰہی بہت مضبوط اور مستحکم ہو جاتا ہے زکوٰۃ دینے کا فعل اور اس کے آثار خود ظاہر کر رہے ہیں اور ہر مزاج سلیم میں یہ بات خوب راسخ اور مرکوز ہے کہ یہ فعل کرنے سے بنی نوع انسان کیساتھ ہمدردی ہوتی ہے اور اولاد آدم میں اس فعل سے برادری دوستی اور مواخاۃ پیدا ہوتی ہے اور یہ ایسی خصلت ہے جس پر بہت سے اخلاق موقوف ہوتے ہیں اور نتیجہ میں انسانی برادری میں باہم خوش معاملگی اور حسن سلوک پیدا ہوتا ہے سچ ہے کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ

یعنی تم پہلے ایک دوسرے کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے تمہارے دلوں
میں الفت و مودت اور مصافات پیدا کردی جس کی وجہ سے تم سب آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

اسلام کی امتیازی خصوصیت اور زکوٰۃ نہ دینے کی خرابیاں

یہ اسلام ہی کو ایک فخر اور امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ وہ ایک اعلیٰ درجہ کی اخوت قائم کر کے سب کو
مساوی حقوق دیتا ہے اور تمام پیشوں اور ذاتوں کی خصوصیت کو مٹا کر نابود کرتا ہے کلام الٰہی ناطق ہے
ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم یعنی جو شخص زیادہ خدا ترس اور متقی ہے وہ خدا کے نزدیک
زیادہ معزز ہے۔ یہ قول ذات کی بڑائی اور چھوٹائی کے اصول کو فنا کر دیتا ہے شرافت اور کمینہ پن
کی امتیازی حدود و قواعد کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے قرآن شریف کے نزدیک ذات پات کی
بلندی و پستی پر شرافت یا رذالت مبنی نہیں ہے بلکہ اعمال پر موقوف ہے پیشوں کا اچھا برا ہونا
ہیچ ہے ذلیل پیشہ کرنے والا ویسا ہی دل و دماغ رکھتا ہے جیسا ایک معزز پیشہ ور رکھتا ہے اس
کی رگوں میں بھی ویسا ہی خون دوڑتا ہے جیسا اعلیٰ دولتمند کی رگوں میں دوڑتا ہے کمین اور ادنیٰ
اہل حرفہ کے بدن میں اتنی ہی ہڈیاں عضلات اعصاب، اوتاد، شریانیں وریدیں ہیں جتنی
باجبروت رئیس اور متکبر دماغ رکھنے والے امیر میں ہیں پھر کیوں دولت ذات عزت دنیوی یا
شرافت پیشہ کے غرور میں کسی غریب مفلوک الحال اور ذلیل انسان کے حقوق کا خون کیا جائے
اور کیوں اس کی قابل ترقی امیدوں حوصلوں بلکہ نونہال انسانیت کو پامال کیا جائے اسلامی
تعلیم کی رو سے کل نسل ایک کنبہ کی طرح ہے اسلام ایک وسیع اخوت کی بنیاد ڈالتا ہے جس میں مرد و زن
بڑے اور بچے خواہ کسی قوم اور کسی ذات و خاندان سے تعلق رکھتے ہوں اور خواہ سوسائٹی میں ان کی کیسی
ہی حیثیت ہو اور خواہ کوئی سا پیشہ رکھتے ہوں امیر ہوں یا غریب فقیر ہوں یا با اقتدار رئیس حاکم ہوں
یا محکوم خادم ہوں یا مخدوم سب کے حقوق یکساں اور برابر ہیں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اپنے بھائی
کے حقوق کو دبالے اس اخوت میں ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ دوسرے سے ویسا ہی سلوک کرے جیسا اپنے
بھائی بلکہ اپنے نفس سے کرتا ہے اسی اخوت کی ایک خصوصیت یا ایک شاخ زکوٰۃ کا حکم ہے ہر مذہب
نے خیرات و صدقہ کی تعلیم دی ہے ہندو، بدھ، جینی، مہاویری، پارسی، عیسائی اور موسائی سب
ہی خیرات کو اچھا جانتے ہیں لیکن اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنے پیروؤں پر صدقہ
کا ادا کرنا فرض اور لازم قرار دیا ہے اسی کا نام زکوٰۃ ہے زکوٰۃ ادا کرنا ایک مسلمان کے لئے ایسا
ہی ضروری ہے جیسا نماز، روزہ اور حج ادا کرنا۔ ہر ایک شخص کو جو مقررہ مال سے زائد مقدار رکھتا

مالک ہو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ مال کا ایک مقررہ حصہ الگ کرے اور اُس سے اپنے بھائیوں اور نسل انسانی
کے افراد کی مدد کرے اس کے بغیر تکمیل اسلام نہیں ہوتی زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک جزو اہم ہے
اگر اس کی فرضیت کا کوئی منکر ہوگا تو بروئے شرع مسلمانوں کے گروہ میں شمار کیے جانے کے قابل نہیں
ہے اور نہ اس کو مسلمان کہا جا سکتا ہے اس کے برخلاف آجکل بعض کور مغز کوتاہ اندیش یورپ
کے ملحدوں کی اندھا دھند تقلید کرنے والے انسان ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ فقراء
کی دستگیری اور مسکینوں کی امداد صرف عبث اور فضول ہی نہیں بلکہ مفسد تمدن ہے قومی افراد کے
حوصلے کو پست کر دیتی ہے ہمتوں کو کمزور اور ترقی کی قوت کو ضعیف کر دیتی ہے یہ بیماری ایسے ملک
سے آئی ہے جس کو تمام دنیا کی اقوام کے مقابلہ میں یہ دعویٰ ہے کہ میرا ہی تمدن بے نظیر ہے اور میں
ہی بنی نوع انسان کی فلاح کا واحد ذریعہ ہوں یورپ کے مہذب انسان علانیہ کہتے ہیں کہ عمل و
عوض کے بغیر کسی کو مال دینا اس کو بطالت و کسالت سکھانا اور سلف ہلپ کے زرین اصول کے
خلاف دوسروں پر بھروسہ کرنے کا سبق دینا ہے اس کی وجہ سے قوم میں بھیک مانگنے کی عادت
پڑ جاتی ہے اور بھیک مانگنے والے زیادہ ہو جاتے ہیں اور آخر کار قوم خود فقر و فاقہ کی مصیبت
میں مبتلا ہو جاتی ہے اور ذلت و خواری اُسے چاروں طرف سے آکر گھیر لیتی ہے ان کا یہ کہنا بظاہر
بہت شاندار اور روپہلی سنہری اصول پر مبنی معلوم ہوتا ہے اور سطحی نظر سے کسی مسئلہ کو دیکھکر
سر تسلیم خم کر دینے والے اور عدم تدبر سے کام لینے والے بہت جلد اس کو ماننے کے لیے تیار ہو جاتے
ہیں جیسا کہ یہ مرض یورپ سے آکر اب ہندوستان میں پھیل رہا ہے اور ہندوستان میں اب اس کو بہت
کامیابی اور ترقی حاصل ہو رہی ہے اور لوگ ترک خیرات کو ایک بہت مفید کام خیال کرنے لگے ہیں لیکن
اخبار بین حضرات اور یورپ کے سیاحین اس امر کو خوب جانتے ہیں کہ بارہا ایسا دیکھنے اور سننے
میں آتا ہے کہ بڑے بڑے اور متمول شہروں میں جہاں دولت کی کوئی کمی نہیں کئی فقیر اور مسکین
شاہراہوں اور عام سڑکوں پر پڑے بھوکے مر جاتے ہیں اور عجب یہ ہے کہ انسان کو انسان کے حال
پر ترس آتا ہے اور نہ دوسرے کی فاقہ زدہ حالت دیکھکر اس انسان نما حیوان کا دل پسیجتا ہے اگر کبھی
کوئی عقلمند ان بیوقوف دولتمندوں کو جن کے ہاں دولت پھٹی پڑتی ہے ان کی اس قسی القلبی
پر ملامت کرتا ہے تو بڑی بے ساختگی اور بے تکلفی سے جواب ملتا ہے کہ چند افراد قوم کا مر جانا قومی
تمدن کے حق میں اتنا مضرت رساں نہیں ہے جتنا کہ ان اخلاقی امراض کے ساتھ یقین میں آسکتا ہے کہ
اگر محتاجوں کی اعانت میں مال کو خرچ کیا جائے گا تو یہ بالکل بھیک مانگنے کے عادی ہو کر ہزارہا

خرابیوں کے موجب ہوں گے جس سے قوم کا تمدن بگڑ جائے گا اور قوم فقر و مسکنت اور ذلت و رسوائی میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو جائیگی۔"

یہ جواب صرف سوء فہم اور شغف مال کا نتیجہ ہے ورنہ حقیقت کو اس سے کوئی تعلق نہیں اسلام خدائے قدوس کا ایک سچا اور کامل پیام ہے جس طرح اس کے تمام ظاہری قاعدے تمام دنیا پر حکمران ہیں اور کوئی چیز ان سے باہر رہ کر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح اسلام دنیا کے روحانی اور فطری قاعدوں کا مجموعہ ہے اس عالم کی کوئی قوم ان قوانین الٰہیہ کی خلاف ورزی کر کے کبھی زندہ نہیں رہ سکتی ان لوگوں نے اتنا بھی سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ جو نتائج بد ترک خیرات سے پیدا ہوتے ہیں وہ ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر خطرناک اور مالداروں کو تباہ اور شیرازۂ تمدن کو خراب کرنے والے ہیں جو خیرات سے پیدا ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ دولتمند ساری قوم نہیں ہو سکتی بلکہ قوم کا ایک حصہ مالدار ہوتا ہے باقی متوسط الحال اور غرباء ہوتے ہیں پس اگر متمول طبقہ غرباء کی ہر حالت میں اور متوسط الحال لوگوں کی وقت ضرورت مدد کرنے سے دریغ اور پہلو تہی کرینگے تو یہ بالکل صاف ہے کہ دولت صرف ایک فریق کا حصہ ہو جائے گی اور قوم یا ملک کا بڑا حصہ جو ہر حالت میں متمولوں سے صد چند بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے فقر و افلاس کی مصیبت میں گرفتار رہے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ یہ طبقہ ہلاک ہو جائے گا اور قوم کی جڑ کٹتے کٹتے بالکل فنا ہو جائیگی اور تھوڑے سے چند ایک آدمی جن کا شمار انگلیوں پر ہو گا عیش و آرام میں بسر کرتے ہوں گے اور جوں جوں غرباء اور فقرا کا شمار کم ہوتا جائے گا اصول تمدن کے موافق متمولوں کی زندگی اور ضروریات زندگی نہ صرف گراں ہوتی جائینگی بلکہ ان کی آمد کا دروازہ بھی بالآخر بند ہو جائے گا کیونکہ مالدار جو کچھ کماتے ہیں وہ نہ صرف اپنی سعی و کوشش اور جد و جہد سے بلکہ غرباء کی ہاتھوں کی بدولت جب غریب ہی نہ ہوں گے یا کم ہوتے جائینگے تو مالداروں کی آمدنی کے دروازے بھی بند یا تنگ ہوتے جائینگے اور فقر و فاقہ کی عمومیت اور دروازۂ رزق کی بندش سواد اعظم کو آمادہ کر دیگی کہ وہ دولتمندوں کے مایۂ تکبر دولت کو زبردستی لوٹ لیں اس وقت مالداروں کو یا تو ڈاکوؤں سے منہ کھول کر اپنی نقصان رسانی کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا یا ان کے دست تعدی کے شکار ہوں گے جو ہر صورت میں باعث نقصان اور سبب زوال تمدن ہے اگر تھوڑا سا اور غور کیا جائے تو نتیجہ وہی ہوتا ہے کہ جس کے خوف سے وہ ان کی امداد سے دستکش ہونیکی صلاح دیتے ہیں کہ بغیر عمل و معاوضہ کے ان کو کچھ نہ دیا جائے خواہ مخواہ سخاوت کرنی اور غرباء کو مال دینا قوم کو اپاہج بنا دیگا کیونکہ اس صورت میں بھی چونکہ اس گروہ کثیر کو بلا مقابلہ عمل اور بغیر معاوضہ مال نقد ہاتھ آئیگا وہ عمل کی طرف پھر بھی متوجہ نہ ہونگے اور ہمیشہ اسی لوٹ مار کی فکر میں رہیں گے جیسا کہ یورپ امریکہ

اور بعض دفعہ ایشیا کے مختلف حصوں اور ہندوستان میں بھی مزدور ہمیشہ محتاج ہو کر بھیک وغیرہ اختیار کرتے جاتے ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ ایسی ناگوار صورت حال ملک و قوم اور تمدن کے لئے بعید مضرت رساں اور پرلے درجہ کی نقصان دہ ہے باقی یہ کہنا کہ جب قوم میں بطالت و کسالت ہی نہ ہوگی تو فقر و فاقہ کیوں اس کو تنگ کرنے لگا ہے سراسر غلط اور تمام تنگیات سے زیادہ بےحقیقت اور کمزور ہے کیونکہ ہر شخص کو فقر و فاقہ کسالت و بطالت ہی سے لاحق نہیں ہوتا اور نہ یہ ضروری ہے کہ فقیر و مسکین خواہ مخواہ بطال اور کاہل ہوں بلکہ اس کے اور بھی اتفاقی اسباب ہیں اور ہوتے رہتے ہیں غریب لوگ اگرچہ بڑی بڑی پیش بندیاں کرتے ہیں اور کسب مال کی عمدہ عمدہ تدبیریں اور منزل مقصود تک یقینی پہنچا دینے والی راہیں نکالتے ہیں لیکن ناکام رہتے ہیں بلکہ اکثر مزید فلاکت میں پڑ جاتے ہیں اور اپنی قلیل مقدار پونجی بھی کھو بیٹھتے ہیں وجہ یہ ہے کہ کسب کی عمدہ تدبیر اور بہتر سبیل سوچنا تو آدمی کے لئے غور و فکر کے بعد ممکن ہے لیکن اپاہج ہونے کی وجہ سے یا اسباب موافق نہ ملنے کی وجہ سے آدمی اس کسب پر قادر نہیں ہوتا مثلاً کام نہ بیدے سے ہو سکتا ہے اور ضرورت ہے کہ بہت سے آدمی مل کر اس کو اس کام میں مدد دیں اور کام پورا کرائیں لیکن چونکہ تدبیر سوچنے والے کے پاس روپیہ نہیں ہوتا اس لئے ناممکن ہے کہ وہ اس کسب پر قادر ہو یا اپنے مدعا میں کامیاب ہو یا اپنی تدبیر سے کسی قسم کا فائدہ اٹھا سکے چنانچہ روزمرہ کا مشاہدہ اور تجربہ شاہد حال ہے کہ دولتمند جلب زر پر زیادہ قدرت رکھتے ہیں اور انہی کے پیٹ اور آگے کو بھگتے جاتے ہیں۔

زکوٰۃ ہی تمدن کی ترقی کا باعث ہے

مندرجۂ بالا تمام حالات اور واقعات کو مدنظر رکھ کر اسلام نے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے اور یہ ایسا پاک اصول ہے کہ کسی سلیم الفطرت اور صحیح الدماغ انسان کو اعتراض کی گنجائش نہیں بلکہ وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہی وہ پاک اور زرین اصول ہیں کہ جن پر عمل کر کے ہر قوم دنیا میں مہذب اور متمدن قوم کہلا سکتی ہے جب تک مسلمان ان پاک اصولوں کی قدر کرتے اور ان پر عمل پیرا رہے انھیں کا سکہ جاری رہا اور دوسری قومیں ان کو بطور نظیر پیش کرتی رہیں اور جب سے مسلمانوں نے ان سے منہ موڑا اسی دن سے ذلیل اور خوار ہیں اور دوسروں کی دست نگر اور محتاج۔

زکوٰۃ کا بے محل استعمال

خدا کی قدرت ہے کہ جب کوئی قوم تباہ و برباد ہوتی ہے تو اس کی بڑی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ یا تو اپنے اعلیٰ اصولوں کو بالکل ترک کر دیتی ہے اور یا ان کے موقع و محل کو بدل دیتی ہے اگرچہ اصلی اور واقعی

اصول تو قوم میں موجود ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ ان کو بے موقع اور بے محل استعمال کرتی ہو اسلئے
یہ اصول بجائے فائدہ کے ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں یہی حال زکوٰۃ کا ہے یا تو مسلمان زکوٰۃ ادا ہی
نہیں کرتے اور جو کرتے ہی ہیں تو وہ اس کے موقع و محل کی تمیز نہیں رکھتے اور مستحقین کو تقسیم نہیں کرتے
صدقات اور خیرات کے اہل تو بھوکے مرجاتے ہیں اور نااہل اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی واسطے اس کا
کچھ نتیجہ نہیں نکلتا بلکہ الٹا نقصان پہنچتا ہے اس کو دیکھکر بعض نافہم اور کج اندیش معترض اسلامی زکوٰۃ
پر اعتراض کرتے ہیں اور زکوٰۃ کو بطالت و کسالت پیدا کرنے والا قرار دیتے ہیں ان کا یہ اعتراض اسلامی
زکوٰۃ پر کسی طرح عائد نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر بلا معاوضہ عمل فقرار کی امداد و اعانت کرنی موجب بطالت
و کسالت ہے تو صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو کسب کی قدرت ہی نہیں رکھتے یا ان کا کسب باوجود
جدوجہد کے ان کے عیال کی معاش کے لئے کافی نہیں ہوتا اسلام پاک یہ سکھاتا ہے کہ لوگ جس کام
کی استعداد رکھتے ہوں ان کو مالی امداد دیکر اس کام کے قابل بنایا جائے تعلیم صنعت و حرفت دی کی مدد کی
یا اور جس طرف ان کی طبیعت کا میلان پایا جائے ادھر ان کو لگا دیا جائے اور اس کاروبار میں ان کی
مدد کی جائے یہ اسلام کا اور بھی خاص احسان ہے کہ اس نے فقرار و مساکین کا حق امرار کی دولت میں
نام نہاد زکوٰۃ ترقی کرنے والے مالوں واموال نامیہ میں مقرر کیا ہے جن میں سے ادا کرنا کبھی ناگوار
نہیں گذرتا۔ اموال نامیہ میں تجارت زراعت مواشی نقدی معادن اور دفائن شامل ہیں اور ظاہر
ہے کہ ان چیزوں میں سے کچھ حصہ نکال دینا ذرا بھی مشکل نہیں ہے مزید براں ان کا مستحق بھی ان
لوگوں کو ٹھیرایا جو واقعی مستحق ہوتے ہیں یعنی فقرار و مساکین وغیرہ۔

مسکین کون ہے اور فقیر کون؟

اسلام پاک مساکین کی امداد کی تعلیم دیتا ہے مگر مسکینوں سے مراد وہ نیکوکار حاجتمند ہیں کہ جو
واقعی کسب معاش سے معذور ہوں مسکین وہ گوشہ نشین ہیں جو باوجود حاجتمند ہونے کے شرم و
حیا کی وجہ سے ہاتھ نہیں پھیلاتے مساکین کئی قسم کے ہوتے ہیں مثلاً ایک شخص لوہار کا کام جانتا
ہے مگر اوزار نہیں رکھتا اس کو اوزار کی ضرورت ہے اس کو اوزار دیکر مدد کرنے کا حکم ہے تاکہ وہ اپنا
کام چلا سکے ایک شخص درزی ہے سینا تو جانتا ہے مگر سوئی قینچی گز مشین خریدنے کا مقدور نہیں
پس ان کی امداد یہ ہے کہ ان چیزوں کو مہیا کر دیا جائے وہ صاحب تصانیف جو اپنی مفید تصنیف
کی اشاعت نہیں کر سکتا اس کو مدد دینا بھی اسی ذیل میں داخل ہے بعض کہ اشاعت قومی اخبارات
والے یا وہ لوگ جو کتابیں اور اخبار نہیں خرید سکتے وہ سب اس زمرہ میں داخل ہیں اپنی اپنی حیثیت

اور حاجت کے لحاظ سے مسکین ہیں باقی اصطلاح فقہاء میں فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس خود ہی مال ہو لیکن قدر نصاب سے کم ہو اور مسکین وہ شخص ہے جو ایک دن کی خوراک یا بقدر پوشش لباس کا مالک نہ ہو اور بغیر سوال کئے ایک دن بھی بسر نہ کر سکے اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ مسکین کو ایک دن کی خوراک یا بقدر پوشش لباس کا سوال کرنا بھی جائز ہے اور فقیر کو جائز نہیں۔ حضور اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ مسکین وہ شخص نہیں ہے جس کو چھوارے اور کھانے کی تمنا در بدر لئے پھرتی ہو بلکہ مسکین وہ ہے جو کسی سے سوال نہ کرے (بخاری) یعنی جو شخص سوال کرنے سے شرم کرتا ہو اور حیا اس کو بھیک مانگنے کی اجازت نہ دیتی ہو ایسا آدمی مسکین ہے اور اس کی امداد سب سے مقدم ہے ایسے لوگوں کی دستگیری پر ہرگز اعتراض نہیں کیا جا سکتا اور شریعت اسلام ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیتی ہے جو کسب کی قدرت نہیں رکھتے یا باوجود سعی کامل کے بھی ان کا کسب ان کی معیشت کے لئے کافی نہیں ہوتا حتیٰ کہ فقہائے اسلام نے لکھا ہے کہ جو کسب معاش پر قادر ہے وہ غنی ہے اگر کسی کے پاس ایک کلہاڑا اور رسی ہے وہ بھی غنی ہے جس کی کوئی رشتہ دار اعانت کرتا ہے اور اس کے اخراجات کا کفیل ہو وہ بھی غنی ہے اسلام پاک یہ تو بیشک سکھاتا ہے اور یہ اسلام مقدس کا ایک نمایاں فخر ہے کہ وہ تعلیم دیتا ہے کہ جو کوئی تم سے مانگنے آئے اسے دو مگر اس کے ساتھ ہی وہ غیر مضطر کے لئے دست سوال پھیلانے اور گداگری کرنے کو حرام قرار دیتا ہے اور سخت ممانعت کرتا ہے کہ جو شخص مجبور نہ ہو اور کسی طرح کا کوئی کسب کر سکتا ہو اس کو سوال کرنا ہرگز جائز نہیں۔

سادات کرام کو زکوٰۃ لینا حرام ہے

رسول اللہ صلعم کا ارشاد گرامی ہے ان ھذہ الصدقات انما ھی من اوساخ الناس وانھا لا تحل لمحمد ولا لآل محمد یعنی یہ صدقات لوگوں کا میل ہوتا ہے اس لئے یہ نہ محمد کے لئے حلال ہیں نہ اولاد محمد کے لئے۔ دوسری حدیث میں آتا ہے نحن اھل البیت لا تحل لنا الصدقۃ یعنی ہم گھر والوں کے لئے صدقہ حلال نہیں علماء کرام کے نزدیک اہل بیت سے مراد بنو ہاشم اولاد علی و عباس و جعفر و عقیل و حارث بن عبد المطلب ہیں چونکہ بعض مذاہب نے اپنے متبعین کے معزز افراد کو شرافت نفس اور خاندانی اعزاز کے لحاظ سے صدقات و خیرات کا مستحق قرار دیا تھا اسی بنا پر ان مذاہب کے مقتداؤں اور پیشواؤں نے ذرائع معاش میں سے کسی کو ہاتھ لگانا تقدس و اعزاز کے خلاف سمجھا اور گداگری سے اپنی ضرورتوں کے پورا کرنے کو صرف جائز ہی نہیں سمجھا بلکہ نظر استحسان سے دیکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ عضو معطل ہو کر رہ گئے اسی لئے حکیم آقائے

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی دور اندیش عقل خداداد اور بصیرت فطری سے اس نے خوشگوار نتیجہ کو سمجھکر اپنے خاندان اور اپنی اولاد کو اس سے بچانے کے لئے فرمایا کہ ان کے لئے صدقہ لینا حرام ہے آپنے عموماً گداگری کو ایک بیتذل شیوہ قرار دیا ہے اور اسکی نسبت نہایت شدومد سے وعید فرمائی ہے اگر اجازت دی بھی تو ایسی سخت مجبوری اور معذوری کی حالت میں کہ جس حالت میں انسان کسب معاش سے بالکل معذور اور مجبور ہو اور کوئی چارۂ مصارف ممکن نہ ہو آپنے اجازت تو دی لیکن انتہائی احتیاط کو ملحوظ رکھکر تاکہ وہ مضار پیدا نہ ہوں جو دوسروں کی کمائی پر نیت رکھنے اور خود بیکار رہکر بیٹھ رہنے سے پیدا ہوتے ہیں اور پھر اجازت دینے کی صورت میں بھی اپنے معزز خاندان کو علیحدہ کر لیا چونکہ خاندانی اعزاز اور شرافت نفس کے لحاظ سے خود آپ کا خاندان سب سے زیادہ معزز تھا اس لحاظ سے حضور نے سادات کے لئے زکوٰۃ وصدقہ کو قطعاً حرام کردیا تاکہ خاندان کی عزت، شرافت پر کسی قسم کا حرف نہ آئے اور مزید براں گداگری جیسا ذلیل پیشہ نہ پھیلنے پائے اور لوگوں کو زکوٰۃ وصدقات کھانے کی عادت نہ پڑجائے۔ اس حکم میں ایک یہ بھی راز ہے کہ اگر آنحضرت خود بہ نفس نفیس لیتے اور اپنے عزیزوں اور ان لوگوں کے لئے جن کا نفع اپنا ہی نفع ہے زکوٰۃ لینا جائز قرار دیتے تو اس بات کا قوی احتمال تھا کہ لوگ آپ سے بدگمان ہوتے اور آپ کے حق میں وہ باتیں کہتے جو بالکل لغو ہوتیں اس لئے آپنے اس دروازہ کو بالکل بند کردیا اور اس بات کو ظاہر فرمادیا کہ صدقات کے منافع انھیں لینے والوں کی طرف عائد ہوتے ہیں اور انھیں کے اغنیاء سے لیکر انہی کے فقراء کو واپس کردیئے جاتے ہیں۔

بھیک مانگنے کی خرابیاں اور انسداد گداگری

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی نور بصیرت اور عقل خداداد سے جانتے تھے کہ جو لوگ صرف مانگ کر گذارہ کرنے کے عادی ہوجاتے ہیں ان میں سے تقوی عزت شجاعت اور دیگر اخلاق فاضلہ اور خصائل محمودہ ضائع ہوجاتے ہیں ان کی ہمتیں بہت پست ہوجاتی ہیں محنت، کسب اور تحصیل کمالات سے وہ جی چُراتے ہیں اور اوقات عیاشی ان کا پیشہ ہوجاتا ہے عیش وآسائش اور آرام طلبی ان کے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتی ہے ان امور کو منظر رکھکر آپ کو خوف دامنگیر ہوا کہ مبادا عام مسلمان اور میری آل لوگوں کی خیرات وصدقات پر تکیہ لگا کر تحصیل کمالات میں سست نہ ہوجائیں آپ نے تمام مسلمانوں کو عموماً اور اپنی نسل کو خصوصاً صدقات کھانے اور گداگری کرنے سے منع فرمایا تاکہ وہ ایسے امور ذمیمہ کے عادی ہونے سے سخت دل نہ بنیں اور ایسے رزق مذلت کے طالب بنکر ذلیل وخوار نہ ہوجائیں اسی لئے آپ نے فرمادیا کہ الید العلیا خیر من الید السفلیٰ

یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے سے اچھا ہے، حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فقراء و مساکین کے لئے ایسے حکیمانہ انداز سے مال زکوٰۃ میں حصہ مقرر فرمایا کہ اگر اس پر دینے والے اور لینے والے دونوں غور کریں اور خدا کا خوف دل میں رکھکر عمل پیرا ہوں تو چند دنوں میں رسم سوال جہان سے بالکل اٹھ سکتی ہے آپ نے امراء کو برمحل خیرات کرنے اور عدل و انصاف ملحوظ رکھنے کی ہدایت فرمائی اور غرباء کو صبر و قناعت کی تلقین کی گویا اس طرح رسم سوال و الحاح کا استیصال کر دیا مگر کیا یہ امر قابل افسوس و ندامت نہیں ہے کہ آجکل بعض مسلمانوں نے گداگری کو پیشہ بنالیا ہے اور شب و روز انتہائی بے حیائی بے شرمی بے باکی اور بے غیرتی کے ساتھ کوچہ و بازار میں دست سوال دراز کرتے ہیں مسلمانوں کے کئی خاندان اپنی اولاد کو مانگنا ہی سکھاتے ہیں مگر یہ سب نتائج بد خیرات و زکوٰۃ کے غلط اور بیجا استعمال، اسلام کے احکام کی خلاف ورزی اور موقع و محل کے نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اس مرض کا علاج صرف یہ ہے کہ صدقات و خیرات کو برمحل اور احکام اسلام کے موافق خرچ کیا جائے کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جو قاعدے اسلام کے تھے ان پر آج یورپ عیسائی ہونے کے باوجود کاربند ہے اور مسلمان اس سے آشنا تک نہیں ہیں یورپ و امریکہ میں جہاں لاکھوں کنجوس اور خیرات سے دریغ کرنے والے رہتے ہیں وہاں کروڑوں انسان ایسے بھی ہیں جو فقراء و مساکین کی امداد کرنی اپنا فرض جانتے ہیں مگر ان کی خیراتوں کے مرکز مقرر ہیں مثلاً گرجا، خاص خاص انجمنیں جہاں لوگ خیرات بھیجتے ہیں اور ان کے معتمد علیہ ان کی وصیت کے موافق فقراء و مساکین اور درماندہ اپاہجوں کو تقسیم کرتے ہیں اطراف و اکناف عالم میں اشاعت عیسائیت کے لئے منادی بھیجتے ہیں اور صنعت و حرفت کے کارخانے جاری کرتے ہیں شفاخانے اور ہسپتال قائم کرکے لوگوں کے دلوں کو عیسائیت کی طرف راغب کرتے ہیں کالجوں اور سکولوں کے ذریعہ دوسری قوموں کے دلوں میں عیسائیت کی عزت و عظمت کا سکہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی بالکل قرآن کریم کا حکم ہے قرون اولیٰ میں زکوٰۃ سے فقراء و مساکین کی امداد و اعانت بالکل اسی طرح ہوتی تھی جیسے کہ آج یورپ کر رہا ہے بلکہ اس سے بھی بہترین طریقہ سے کہ صرف زکوٰۃ تقسیم کرنے والا جانتا تھا کہ کون محتاج ہے اور دوسرے کسی کو کان و کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی اور بظاہر تمام مسلمان ایک حال میں نظر آتے تھے۔

ذوی القربیٰ

اسلام نے سب سے پہلے مستحق ذوی القربیٰ کو قرار دیا جیسا کہ قرآن پاک کے اکثر مقامات میں موجود ہے اسلام سکھاتا ہے کہ رشتہ داروں کی مدد کرنی سب سے مقدم ہے کیونکہ رشتہ داروں کو انسان اچھی طرح

جانتا ہے کہ کون امداد کا مستحق ہے وہ تعلیم دیتا ہے کہ یہ بات ہرگز مناسب نہیں اور کسی طرح جائز نہیں
کہ تم خود بنگلوں کوٹھیوں اور شاندار محلوں میں رہو اور تمہارے عزیز و اقربا کو صرف آسمان کی نیلگوں نیلی
چھت کے سوا اور کوئی جھونپڑی بھی نصیب نہ ہو تم بگھی اور لینڈو میں سوار پھرو اور ان کو پیدل جوتیاں
چٹخاتے پھرنے کی ہی اجازت ہو تم بہترین شامی نواز اور ذوالقبہ پرور مرغن غذائیں کھاؤ اور ان کو دربدر
پھر کر بھیک کا ٹکڑا بھی نہ ملے تمہارے لڑکے بی۔اے ایم۔اے وکیل اور بیرسٹر ہوں اور تمہارے
بھائی بند جاہل گدھے اور محض کندۂ ناتراش رہیں تمہارے بچے کٹلس ڈمٹن اڑائیں اور تمہارے بھائی
بندوں کے بچے دو دو وقتوں کے فاقوں سے روتے روتے بلک بلک کر سو جائیں۔ اسلام کہتا ہے
کہ تم ذوی القربیٰ کا ہر حال میں خیال رکھو اور ذوی القربیٰ میں بھی زیادہ مستحق کی رعایت ترتیبی
ملحوظ رکھو۔ ذوی القربیٰ سے مراد مقامی باشندے بھی ہیں یعنی پہلے اپنے گاؤں اور شہر کے
مسلمانوں کی اصلاح پر روپیہ خرچ کرو اور پھر دوسری جگہ کے باشندوں کا خیال رکھو اس سے
قوم کو اس قدر جلد فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ اور کسی صورت سے ناممکن ہے خدا کو واحد اور رسول کو برحق
جاننے والے اپنے بھائیوں کی عزیزوں کی دوستوں کی اہل شہر کی اور پھر غیروں کی حالت سے
واقف ہو کر ان کی مدد کرو۔ اگر خدا نے تم کو دولت دی ہے تو آہنی صندوقوں الماریوں سیونگ
بینکس اور امپیریل بینکس میں جمع کرنے کے لئے نہیں دی بلکہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر
ذوی القربیٰ اور رشتہ داروں کی مدد کرنے کے لئے دی ہے کم از کم زکوٰۃ اور صدقات کا روپیہ
تو اپنے بھائی بندوں کی خبرگیری اور اعانت میں صرف کرو اگر اپنے لڑکوں کو پرنسز کالجوں اور سکولوں
میں تعلیم دلاتے ہو تو اپنے غریب بھائی کے بچوں کو کسی مقامی مڈل یا ہائی سکول میں پڑھنے کی صورت
تو مہیا کر دو اگر اس کی خلاف ورزی کرو گے تو صرف تمہارے بھائی بندوں کی ہی ذلت و رسوائی اور حق
تلفی نہ ہوگی بلکہ چند دن کے بعد تمہاری قوم کی جس میں تم بھی داخل ہو نہایت ذلت کے ساتھ جڑ کٹ
جائیگی اور شیرازہ قومی منتشر ہو کر افراد اسلامی فنا ہو جائینگے اور ان سب اعمال بد اور نتائج قبیحہ کا
وبال ان دولتمندوں پر ہوگا جنہوں نے اپنے رشتہ داروں عزیزوں دوستوں اور شہر والوں کی گردنیں الٹی
چھری سے حلال کی ہیں اور زکوٰۃ و صدقات کا روپیہ ایسا بے محل برباد کیا جس سے نہ دنیوی فلاح پیدا
ہوئی اور نہ آخرت میں اس کے مفاد کی کوئی امید کی جا سکتی ہے۔

یتامیٰ

فقراء و مساکین میں سب سے پہلے امداد کے مستحق یتیم ہیں۔ یتیم اس نابالغ بچہ کو کہتے ہیں جو تربیت

کی منزل کو نہ طے کر چکا ہو اور کسب معاش پر قادر نہ ہوا ہو یا سن رشد کو پہنچ بھی گیا ہو لیکن اپنا
نفع نقصان اخلاقی و مادی حسن و قبح اور شخصی و تمدنی مفاد و مضار کو سمجھنے کی اس میں صلاحیت نہ پیدا
ہوئی ہو اور اس کا باپ اس کو چھوڑ کر مر جائے اگر باپ کا سایہ سن بلوغ کے بعد سر سے اٹھتا ہے تو وہ یتیم
نہ کہلائے گا باقی ماں کا مردہ ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہیں اسلئے کہ ماں بچہ کی تربیت جیسے کہ چاہیئے
نہیں کر سکتی اور خاصکر لڑکوں پر بیواؤں کا دباؤ اور کچھ اثر باقی نہیں رہتا الا ماشاء اللہ یا ان کا غم رسیدہ
دل اس قدر نرم ہو جاتا ہے کہ بچوں کی پرورش نہیں کر سکتیں ایسے بچے نیک سلوک اور امداد کے حد سے زیادہ حقدار ہیں
یتیم دراصل دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) وہ یتیم کہ جن کے باپ اس قدر مال و متاع چھوڑ کر مرے ہوں کہ ان کی
تربیت و پرورش کیلئے کافی ہو سکے (۲) وہ یتیم جن کے باپ نے کچھ نہ چھوڑا ہو اور باپ کے مرنے کے بعد بچے نان شبینہ
کے محتاج اور غیروں کے دست نگر ہوں، پہلی قسم کے یتیم مالی امداد کے محتاج نہیں ہوتے لیکن خاص قسم کی نگہداشت
کے محتاج ہوتے ہیں تاکہ ان کا مال ضائع نہ ہو جائے یا وہ اس کو بیہودہ کاموں اور فضول خرچیوں میں نہ اڑا دیں
اس قسم کی نگہداشت کے متعلق خدا تعالیٰ نے جداگانہ حکم دیا ہے مگر دوسری قسم کے یتیم مالی امداد اور اخلاقی تربیت
کے خاص طور پر حاجتمند ہوتے ہیں انسانی رحم و شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ ان یتیموں کی خبرگیری کیجائے
اور اگر رحم و شفقت سے قطع نظر کر لی جائے تو قومی مصلحت بھی یہی ہے کہ ان یتیموں کو سنبھالا جائے ان کی
ناگزیر ضرورتوں کو پورا کیا جائے قوم کی خبر نہ لینے کی صورت میں یہ بچے بلک بلک کر مر جائینگے اور جس قدر یہ
بچے ضائع ہوں گے قوم قسی القلب اور سنگدل کہلائیگی اور اپنے آدمی ہاتھ سے کھو دینے سے اس کو سخت
تمدنی و اجتماعی نقصان اٹھانا پڑیگا اگر قوم ان کی خبر نہ لیگی اور تنگ ہو کر ان کی ماں گھر سے باہر نکلیگی تو ہو سکتا ہے کہ
وہ بچوں کی محبت کے مارے یا بباعث تنگدستی کسی جرم قبیحہ کی مرتکب ہو جائے جس سے قوم کی بدنامی اور سارے
کنبہ کی رسوائی ہو اور بالآخر قوم میں اخلاقی بیماری نمودار ہو جائے اور اگر یہ صورت ہوئی کہ والدہ نے تنگ آ کر کسی
شخص سے دوسرا نکاح کر لیا اور دوسرے خاوند نے ان بچوں کی کفالت سے جی چرایا تو چونکہ ماں کی محبت بچوں
سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے ماں اپنے شوہر کے مال میں سے چھپا چھپا کر بچوں کی پرورش کریگی اور میاں بیوی میں
ناگوار تعلقات پیدا ہو کر باہمی اتحاد و اتفاق کافور ہو جائے گا اور مکان کا صحن دن رات معرکہ جنگ بنا رہے
گا اور اگر شوہر سے نہ بگاڑی تو بچے ضرور بھیک مانگنے کے عادی ہو جائینگے یا بھوکوں مر کر ہلاک ہو جائینگے
ان نقصانات کے علاوہ ایک زبردست نقصان یہ بھی ہے کہ بچے جب اپنی ضرورتوں کو پورا ہوتے نہ
دیکھیں گے تو ضرور بری صحبتوں میں پڑ جائینگے ہر کس و ناکس کے پاس جائینگے ان کے اخلاق بگڑ جائیں
گے اور چور بھی بنیں گے اور بد معاش بھی بد چلن بھی اور بد زبان بھی اور اسی طرح اگر کسی قوم

کے یتیم بچے یہی پیشہ اختیار کرتے رہیں تو غلب ہے کہ اس قوم کا بڑا حصہ اخلاقی خرابیوں کو خیر باد کہکر جرائم پیشہ بنجائیگا اور قومی عزت کو بٹہ لگائے گا یہ تمام نقصانات ایسے ہیں کہ قوم ان کی تلافی نہیں کرسکتی ان کا سد باب اگر ہو سکتا ہے تو اسی طرح کہ یتیموں کی مالی امداد کی جائے اسی وجہ اسلام نے جابجا یتیموں کی امداد کا حکم دیا ہے اور ان کی اعانت کو ابرار کا فعل یا ان کی علامت ایمان قرار دیا ہے رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہے انا و کافل الیتیم کھاتین فی الجنۃ یعنی میں اور یتیموں کی کفالت کرنے والا بہشت میں یوں ملے ہوئے ہونگے جیسے درمیانی انگلی اور کلمہ شہادت کی انگلی مطلب ہے کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والے دونوں جنت میں اکھٹے ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا والذی بعثنی بالحق لا یعذب اللہ یوم القیمۃ من رحم الیتیم و لان لہ الکلام و رحم یتمہ و ضعفہ یعنی اس ذات کی قسم جس نے مجھکو سچائی کے ساتھ مبعوث فرمایا قیامت کے دن خدا تعالےٰ اس شخص پر عذاب نہیں کریگا جس نے یتیم پر رحم کیا ہو اس سے نرمی سے کلام کیا ہو اور اس کی یتیمی و لاچاری پر ترس کھایا ہو یتیموں کی امداد کرنی درحقیقت خود اپنی مدد ہے اور جن لوگوں نے اس راز کو سمجھ لیا ہے وہ اپنے اس فرض کی ادائیگی سے کبھی غافل نہیں ہوتے آجتک دنیا میں جس قدر متمدن قومیں ہوئیں اور ہیں ان کی توجہ قوم کے یتیموں کی طرف خاص طور سے مبذول رہی ہے اور ہے جو قومیں اپنے یتیموں کی مدد کرتی اور اپنی اولاد کی طرح ان کو پالتی ہیں تو دوسروں کو بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ بچے بے پدر و مادر ہیں اور جب بچوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم یتیم ہیں باپ ہم کو بچہ چھوڑ کر مرگیا ماں ہماری کفالت نہ کرسکی اور پھر ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم نے ہمارے ساتھ کیا کیا احسان کئے کس طرح ہم کو پالا پرورش کیا پڑھایا لکھایا علم و فن سکھایا روزی کمانے اور نام پیدا کرنے کے قابل بنایا اور کسی طرح ان بچوں سے کم نہ رکھا جن کے سر پر ان کے والدین موجود ہیں تو اس وقت ان کے دلوں میں وہ محبت قومی جوش زن ہوتی ہے کہ جس کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کیا کچھ کریں کہ قوم یا محسنوں کے احسان کا بدلہ کرسکیں اور صرف اس پر ہی ان کے دلوں کے ولولے کا خاتمہ نہیں ہو جاتا بلکہ عمر بھر وہ قوم کی خدمت کرتے ہیں اور جیسے خود پلے تھے قومی یتیموں کو بھی ویسے ہی پالتے ہیں یا پالنے میں حصہ لیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یتیموں کی امداد و پرورش سے قوم کو بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

امداد یتامیٰ کا پہلا فائدہ:۔ اول تو یہ کہ قوم میں کوئی جزو معطل اور بیکار نہیں رہتے پاتا ساری قوم با کار اور ہنرمند ہو جاتی ہے ان اخلاق رذیلہ کا ان میں پتہ نہیں ہوتا جو یتیموں کی عدم خبر گیری کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں اور جس قوم میں بداخلاق انسان اور بیکار رذیل افراد نہ ہوں وہ بالطبع

عزت کی مستحق ہوتی ہے اور دنیا خود بخود اس کی عزت کرتی ہے کیونکہ ایسے یتیم درحقیقت یتیم نہیں ہوتے ان کا باپ اگرچہ صفحۂ ہستی پر موجود نہیں ہوتا مگر عقل ایسا سرپرست اور اخلاق فاضلہ جیسا باپ ان پر ہر وقت سایہ افگن ہوتا ہے۔

امداد یتامیٰ کا دوسرا فائدہ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قومی مشکلات و مصائب کے دفع کرنے کے لئے قوم میں ایسے لوگ ہر وقت موجود ہو جاتے ہیں جن کو قوم کی تکلیف و مصیبت دفع کئے بغیر چین نہیں آتا اور اس کے بغیر وہ اپنی زندگی کو تلخ سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کا وجود قوم میں نہایت ضروری ہے انھیں لوگوں سے قوم کی مشین چلتی ہے اور ایسے لوگ یتیموں اور کمزور بیکسوں کی دستگیری و اعانت کرتے کرتے ایک دن ایسے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ انھیں فنا فی القوم کے مبارک نام سے پکارا جاتا ہے یہی لوگ حقیقی معنوں میں مہذب اور تربیت یافتہ ہوتے ہیں نامہذب بے تربیت اور وحشی انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذاتی جذبات اس پر حاکم ہوتے ہیں اور جس طرف اس کو جاتے ہیں لیجاتے ہیں اور مہذب و تربیت یافتہ انسان اپنے ذاتی جذبات اور خواہشوں کو دبا کر ان سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچاتا ہے اور بالآخر بڑے عمدہ عمدہ نتائج پیدا کرتا ہے، مختصر یہ کہ یتیموں کی تربیت والی اور ایسی قوم سینکڑوں خرابیوں سے محفوظ اور بہترین قوام پر قائم رہتی ہے اس لئے اسلام نے یتیموں کی امداد و اعانت کی خاص تاکید فرمائی خدا تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے کہ قومیں اسی وقت تک با اقبال اور با عزت رہ سکتی ہیں کہ جمہور قوم ان اخلاق و اعمال پر عامل رہے جو ذریعہ مجد و شرف اور اسباب عزت ہیں اور جو قومیں صرف تمنا پر زندہ رہتی ہیں نہ ان میں حوصلہ ہوتا ہے نہ ہمت اور نہ ان کو اعمال و اخلاق کی درستی سے کچھ سروکار ہوتا ہے ان کے سر پر ہمیشہ نکبت سوار رہتی ہے افلاس ان پر چھایا رہتا ہے دنیا کی نظروں میں ذلیل اور آخرت میں رسوا ہوتے ہیں خسر الدنیا والاخرۃ اولئك هم الخاسرون۔

اے خواب غفلت میں سرشار مسلمانو! تم درحقیقت اسلام کا نام ڈبونے والے اور اسے بدنام کرنے والے ہو۔ احساس و شعور کا مادہ تم سے سلب ہو چکا ہے تم بے رحم ہو قسی القلب ہو مآل اندیشی سے تم اس قدر دور جا پڑے ہو کہ تم کو یہ بھی نہیں سوجھتا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے کچھ اپنا ہی بگاڑ رہے ہو تمہاری قوم کے سینکڑوں یتیم بچے تمہاری اسی غفلت شعاری اور بے پرنالی کی بدولت غیروں کے ہاتھ پڑ گئے اور نہ صرف تمہاری قوم سے گئے بلکہ تمہارے دین و مذہب سے بھی گئے گذرے ہوئے مگر تم آج تک نہ سمجھے آجکل کساد بازاری کی دہوم ہے تجارتیں تباہ اور زراعتیں برباد ہیں قوم کے اکثر افراد بھوکے مر رہے ہیں نہ تن بھر کپڑا ہے نہ پیٹ بھر روٹی نہ دل میں چین نہ بدن کو آرام نہ دماغ کو راحت نہ ہاتھ پاؤں کو آسائش

پھر ذرا سوچو تو ان معصوم روحوں کا کیا حال ہوگا جو نہ اپنے شفیق باپ کے کاندھے پر سر رکھتے ہیں نہ پیاری ماں کی گود میں کھیل سکتے ہیں دنیا میں کوئی سہارا نہیں۔ ان کے ننھے دل اور یہ مصائب تعداد تم نے ان کی دستگیری کا حکم خدا کے مطابق کیا انتظام کیا انصاف سے کہو کہ بجائے خود تم نے کسی آس پاس کے یتیم کی مدد کا بھی کوئی انتظام کیا اے بدرو بے رحم انسانو یاد رکھو کہ تمہاری قوم کے ہزاروں یتیم بچے تم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوکر فریاد کناں خدا کی طرف راستہ لے رہے ہیں اور بہت سے غیروں کے ہاتھ پڑ رہے ہیں اور دیگر باطل مذہبوں کے زمرہ میں داخل ہو رہے ہیں اس سب کا وبال تمہاری گردنوں پر رہے گا اور قیامت میں اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

یتیم کو مسکین ہونا ضروری نہیں ہے

یتیم کے ساتھ مسکنت کی قید قرآن کریم نے نہیں لگائی کیونکہ جہاں کہیں قرآن پاک میں یتیم کا ذکر آیا ہے اس میں اس شرط کو کہیں بیان نہیں فرمایا حدیثوں میں بھی یتیم کے لئے مسکین ہونا ضروری نہیں ظاہر کیا گیا اسی وجہ سے فقہا و علماء اسلام کہتے ہیں کہ یتیم بالذات عنایت و احسان کا مستحق ہے خواہ مسکین ہو یا نہ ہو پس قوم کے یتیموں کی خدمت کرنی خواہ وہ امیر ہوں یا غریب مالدار ہوں یا نادار اسلام میں داخل ہے جو شخص ان کی خدمت و تربیت کرنے کو اپنا فرض نہیں سمجھتا اس سے کہدو کہ اگرچہ جامۂ انسانیت تو نے پہن رکھا ہے مگر انسانیت کا رتبہ تجھے ابھی حاصل نہیں ہوا۔

سائل اور مسافر وغیرہ

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مساکین سے مراد یہ ہٹے کٹے جوان کمانے کھانے کے لائق بھیک منگے نہیں جنھوں نے مانگنے کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے حالانکہ اگر وہ چاہیں تو گذر اوقات کیلئے کمائی کر سکتے ہیں بلکہ مسکین وہ ہے جو بقدر ضرورت روزی پیدا کرنے سے عاجز ہو اس میں شبہ نہیں کہ اسلام نے بعض مقامات پر مساکین کے بعد سائلین کی امداد کا بھی حکم دیا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِی الرِّقَابِ

یعنی یہ بھی نیکوکاری ہے کہ اپنے محبوب مال کو رشتہ داروں یتیموں مسکینوں مسافروں سائلوں اور غلاموں کے چھڑانے میں صرف کیا جائے مطلب یہ کہ اگر تم سے کوئی شخص کچھ مانگنے آئے اور تمہارے آگے ہاتھ پھیلائے تو اس کو کچھ دیدو محروم واپس نہ کرو اور چونکہ اسلام میں سوال کرنا بدترین ذلت ہے اور سائلوں کی مذمت بہت کی گئی ہے لہذا فقراء مساکین اور سائلین کے ساتھ سچی ہمدردی یہ ہے کہ واقعی محتاج جس کے پاس ضرورت صحیحہ کے لئے کچھ نہ ہو اس کی حاجت پوری کی جائے مثلاً کسی کو ریل کا

ٹکٹ لینا ہے مگر اتفاق سے اسکے پاس چند پیسے کم ہیں اور وہ اس کے بغیر جہاں جانا چاہتا ہے
جا نہیں سکتا یا ایسے نادار طلبا جو اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم جاری رکھنی چاہتے ہیں یا وہ نادار طلبہ
جو علم دین سیکھنا چاہتے ہیں اور ان کو اپنے اخراجات اور کتابوں وغیرہ کی ضرورت ہے اور شرم سے
سوال بھی نہیں کر سکتے ان کو وظیفہ دینا اور سرکاری سکولوں اور کالجوں میں بھیجکر تعلیم دلانی چاہیے
تاکہ وہ قوم کے لیے مفید ہو سکیں یا کوئی مسلمان کما تو سکتا ہو مگر اس کے پاس سامان نہیں مثلاً
کوئی جلد ساز ہے اور وہ سب سامان نہیں رکھتا جس سے اپنی دکان کھولے لہذا اس کی مدد کرنی
بھی ضروری ہے اور کسی نے دست سوال دراز کیا ہے اور ضرورت نے اس کو مجبور کیا ہے کہ وہ حیا کی
پردہ دری کر کے سوال کرے تو اسلام کے نزدیک سوال کرنا گو حد سے زیادہ برا ہے اور یہ حرکت سخت مذموم ہے
لیکن پھر بھی ہمیں یہ حکم نہیں کہ ہم اس کو ڈانٹ بتائیں اور محروم واپس کر دیں ہماری رحمت کا
اقتضا یہ ہونا چاہیئے کہ کچھ دے ہی دیں تاکہ اس وقت اس کی یہ ذلت دور ہو جائے لیکن یہ یاد رکھنا
چاہیئے کہ سائل سے مراد یہ سائل نہیں جنھوں نے دریوزہ گری کو اپنا پیشہ بنالیا ہو اور پیشہ بھی ایسا کہ
نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا چلا جاتا ہے ان پیشہ ور فقیروں کو اگر قوت لایموت کا دانا بھی مل جائے تب بھی
انکو صبر نہیں آتا اگلے زمانہ میں سائلین قوت لایموت حاصل کر کے اپنے ٹھکانے بیٹھ رہتے تھے اور انہی
کے بارہ میں قرآن میں آیا تھا کہ واما السائل فلا تنھر یعنی سائل کو نہ جھڑکو۔ لیکن اس زمانہ میں
یہ بہت مشکل ہے آجکل سائلین بہت کچھ وصول کرتے ہیں کمر میں اشرفیاں بندھی ہوتی ہیں اور
ایک ایک پیسہ کے لئے اصرار و الحاح کرتے ہیں ایسے سائلوں کو دینا تعلیم اسلامی کے خلاف ہے
اور ان کے دینے سے مستحقین کی حق تلفی ہوتی ہے لیکن ان کو کس طرح ٹال دیا جائے اور ان کو کیا جواب
دیا جائے اس کے متعلق قرآن پاک کی ایک آیت کلیہ یاد رکھنی چاہیئے ارشاد ہوتا ہے وبالوالدین
احسانا وذی القربی والیتامی والمساکین وقولوا للناس حسنا یعنی اپنے والدین کے
ساتھ رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیم و مسکینوں کے ساتھ احسان کرو اور لوگوں سے اچھی بات کہو چونکہ
از روئے فطرت بشری احساس قرابت تمام احساسات سے قوی اور تعلق نسبی تمام تعلقات سے زیادہ
پائیدار ہوتا ہے اس لئے مذہب اسلام نے بھی قریب ترین رشتہ داروں کے حقوق کو سب سے
مقدم رکھا ہے اور پھر دوسرے رشتہ داروں کے حقوق علی قدر مراتب مقرر کئے اہل قرابت کے
حقوق کے بعد عامۃ الناس میں اہل حاجت کے حقوق کا ذکر کرتے ہوئے والیتامی والمساکین
کہکر یتیموں اور مسکینوں کو ترجیح دی گئی اور چونکہ یہ ممکن نہیں کہ آدمی سب کے ساتھ احسان

کر سکے یا بعض مقامات پر احسان کرنا اور کچھ دنیا حالات شخصی اور قومی کے مناسب نہیں ہوتا اسلئے آیت کے اخیر حصہ میں اسلوب حکم بدل گیا اور بجائے احسان کے حسن قول کا حکم ہوا۔ اس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ والدین اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ حسب مراتب احسان کرو اور چونکہ یتیم و مسکین بھی مستغنی عن الاحسان نہیں اسلئے ان کو بھی فرزند جان کر اعانت کرو کیونکہ ان کی بھلائی خود تمہاری بھلائی اور ان کی تباہی خود تمہاری تباہی ہے اگر اپنا بگاڑ نہیں چاہتے تو انھیں بناؤ اور عام لوگوں کے ساتھ یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو تم مستحق امداد خیال نہیں کرتے جیسے آجکل کے اکثر سائلین ہیں حسن قولی اختیار کرو یعنی اُن سے نرمی و شفقت سے کلام کرو اور اگر تم ان کو کچھ دینا مناسب نہیں سمجھتے تو میٹھی میٹھی باتوں سے ان کو ٹال دو درشت بیانی یا سخت کلامی سے کام نہ لو بلکہ میرے خیال میں تو حسن قولی سے مراد یہ ہے کہ سائلوں کو محبت و نرمی سے سوال کی برائیاں ذہن نشین کر کے اس برے پیشہ سے ان کو باز رکھنے کی سعی و کوشش کرو ان کے آگے کسب و کمائی کی خوبیاں بیان کر کے کسب حلال کی ترغیب دو۔ اور ظاہر ہے کہ اس پُر حکمت طریقہ پر عمل کرنے سے کس قدر جلد قوم کی حالت درست ہو سکتی ہے اور رسم سوال کا سد باب ہو سکتا ہے۔

ترقی و مدنیت کیلئے دنیا کے حکیموں اور فلاسفروں کی کوششیں اور اسلامی امتیاز

آؤ میرے ہم ملت اور ہموطن مسلمانو! میں تم کو دنیا کے روشن ستاروں کی روشنیاں اول دکھانی چاہتا ہوں جنھوں نے افق ترقی میں چمک کر دنیا کے جاہل انسانوں کی تاریک رات میں رہبری کی لیکن آفتاب اسلام کے چمکنے کے بعد سب کی روشنیاں اور ضیا پاشیاں ماند پڑ گئیں۔ دیکھو سقراط اور ڈیموکرائٹس نے ملک کی بہبودی اور ابناء وطن کی اصلاح کا خیال زندگی کے آخر لمحہ تک مستقیم رکھا اور دنیا میں اپنی جذبات ہمدردی کی ضیا پاشیاں کر کے غائب ہو گئے۔ ایم روسیو اور کرامول جیسے عالی ہمتوں نے طبقات رعایا کی جائز خواہشوں کو حکمران طبقہ تک پہنچانے کا نازک اور خطیر کام انجام دیا اور زندگی کے آخری سانس تک دنیا کے انسانوں میں مساوات پیدا کرنے کی امکانی کوشش کی۔ واشنگٹن اور گریبالڈی اور الفریڈ اعظم نے اپنی قوم اور اپنے ملک کی دولت و اقبال کے قوی بنانے میں اور وطن کی عزت و جلالت روشن کرنے میں بلا خوف و خطر بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا کیا۔ مقنن اعظم سولن نے اپنا قانون قوموں کے لئے دستور العمل بنایا اور دنیا نے اس پر عمل کیا۔ ریورنڈ مالتھر نے حفاظت نوع انسانی کے لئے اصول مردم شماری وضع اور مدون کئے۔ مشہور جہاں آدم اسمتھ نے علم الاقتصاد کی تہذیب و تربیت سے مدنی الطبع انسان کے تمدن کا درجہ بلند کیا دنیا کے مہذب اور ہمدرد انسان یعنی

کنگ آرتھر نے نائٹ ہڈ کا آرڈر قائم کرنے سے غریبوں مسکینوں مسافروں اور راہگیروں کی امداد و دعایت کی پہلی انجمن انگلستان میں قائم کی بولی سینر شاہ یونان نے کے بی نٹ سسٹم پر طرز حکومت کو ڈالا اور تمدو سلطنت کے سایہ میں حریت کو بالا دست کیے سب اعلےٰ دل و دماغ والے روشن فہم و ذکا والے برترین اخلاق اور بالاترین طبیعت کے انسان سمجھے اور انہوں نے دنیا کی ترقی تہذیب و تمدن اور ہمدردی کے لئے بڑے بڑے قانون بنائے طول طویل مقالے لکھے زرین تحقیقات اور باریک ترین موشگافیاں کیں لیکن ان کا کوئی قانون دنیا کے مختلف طبقات مختلف ٹولیوں مختلف رنگ رکھنے والے انسانوں اور مختلف عادات و مزاج رکھنے والے آدمیوں کو ایک سطح پر نہ لاسکا میں ان کی کوششوں کا مدح سرا ہوں اور ایک حد تک ان کو ان کی کوششوں میں کامیاب خیال کرتا ہوں لیکن آجتک اس روشن دماغ اور ان تھک کوشش کرنے والے طبقہ نے کوئی ایسا قاعدہ کوئی ایسا قانون اور کوئی ایسا کلیہ قائم نہیں کیا جو باوجود اختلاف تمدن اختلاف تدین اختلاف رنگ اختلاف زبان اور بعد شرق و غرب کے جملہ طبقات مردم کے لئے یکساں مفید ہو جس کی رو سے دنیا میں کوئی بیوہ بیوہ نہ رہے ہر یتیم سایۂ عاطفت پدری کو بھول جائے فقیروں اور مسکینوں کو مالدار طبقہ کے ساتھ مساویانہ حقوق حاصل ہوں راعی و رعایا میں امتیاز خصوصی نہ رہے قیدیوں کی قید ٹوٹ جائے غلاموں کی گردنیں قید غلامی سے آزاد ہو جائیں فسق و فجور فحش پرستی و بدکاری جرائم قبیحہ اور افعال شنیعہ کا ارتکاب لوگ فطرتاً یا عادۃً خود بخود چھوڑ دیں لاوارث اپاہج اور مجبور محض فقیر بھوکے ننگے لب ماہ دم نہ توڑیں سوال کرنے اور بھیک مانگنے کی لعنت دنیا سے غائب ہو جائے مال موجود ہو اور مال لینے والا موجود نہ ہو کسب ہنر اور علمی و اقتصادی کوششیں اور ترقیاں ہر فرد انسانی کو حاصل ہوں اور ہر شخص کے دل میں یہ ذہن سما جائے کہ علمی ترقی اور کسب و محنت کی کمائی تاج عزت کے جگمگاتے موتی ہیں اور ان کو حاصل کرنا ہر انسان کے اختیار میں ہے الغرض وہ قانون جس کی رو سے اور جس پر کاربند ہو کر قوم ملک بلکہ دنیا کا ہر انسان تمدن و ترقی کی بالائی سطح پر پہنچ جائے آجتک سوا قانون زکوٰۃ کے اور کوئی نہیں بنا اور نہ آئندہ بن سکتا ہے سچ ہے الصدقۃ تذکی البال وتطھر الحال

زکوٰۃ کے متعلق آیات احادیث اور اقوال علمار

خداوند تعالےٰ زکوٰۃ نہ دینے والوں کی مذمت کرتے ہوئے اور ان کو ڈراتے ہوئے فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ

فذوقوا ما کنتم تکنزون اس آیت کا ترجمہ پہلے گذر گیا اس آیت کی تفسیر بروایت ابوہریرہؓ مصابیح میں اس طرح آئی ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ہے جو سونے اور چاندی والا اس کا حق ادا نہ کرتا ہو تو قیامت کے دن (جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی برابر ہوگی) اس چاندی سونے کی لوحیں بنائی جائینگی اور دوزخ کی آگ میں گرم کرکے اس شخص کے دونوں پہلوؤں کو پیشانی کو اور پشت کو داغ لگائے جائینگے اور جب یہ لوحیں ٹھنڈی ہوجائینگی تو دوبارہ گرم کی جائینگی یہ حالت اس وقت تک رہے گی کہ تمام مخلوق کا حساب ختم ہوجائیگا بالآخر اس شخص کو جنت یا دوزخ کا راستہ بتا دیا جائیگا آیت بالا اور حدیث مذکورہ میں یہ بیان کیا گیا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے کے تین اعضاء پر داغ لگائے جائینگے پیشانی پہلو اور پشت ان اعضاء کے تخصیص کی یہ وجہ ہے کہ جو شخص زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آجانے کے باوجود زکوٰۃ نہیں دیتا ہے اور فقیر اس سے مانگتے ہیں تو اول یہ شخص منہ بگاڑ کر چین بجبیں ہو کر ترش رو ہو جاتا ہے اگر فقیر اس پر نہیں مانتا تو منہ موڑ کر پہلو پھیر لیتا ہے اگر سائل بہت ہی زیادہ مجبور ہوا اور سوال سے باز نہ آیا تو بالآخر یہ شخص وہاں سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور پشت پھیر کر چل دیتا ہے اس کی تینوں حرکات سے بیچارے سائل کو جو ایذا و تکلیف ہوتی ہے اس کو یا تو فلسفہ جذبات سے واقف لوگ جان سکتے ہیں یا وہ شخص جان سکتا ہے جسکو کبھی ایسا موقعہ ہوا ہو بہرحال چونکہ زکوٰۃ نہ دینے کے وقت ایذاء و تکلیف کا ظہور عموماً ان تین صورتوں سے ہی ہوتا ہے اس لئے ان اعضاء کو عذاب کے لئے مخصوص طور پر بیان فرمایا۔

قرآن شریف میں ایک دوسری جگہ پر وارد ہے ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاھم اللہ من فضلہ ھو خیراً لھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ اس آیت کا ترجمہ بھی مذکورہ بالا تحریر میں گذر چکا۔ حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح آئی ہے کہ حضورؐ علیہ السلام نے فرمایا جسکو خدا نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ نہیں دی قیامت کے دن اس کا مال گنجا سانپ بنایا جائے گا جس کے اوپر دو داغ ہوں گے یہ سانپ اس شخص کے گلے کا طوق ہوگا اور دونوں جبڑے پکڑ کر کاٹے گا اور کہیگا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے کا مال قیامت کے دن سانپ کی شکل میں ہوگا اور سانپ بھی ایسا زہریلا کہ کثرت زہر کی وجہ سے اس کے سر کے بال اڑے ہوئے ہوں گے اور اس قدر پرانا ہوگا کہ اس کی دونوں آنکھوں پر دو سیاہ داغ پیدا ہوگئے ہیں یہ سانپ اس بخیل کو کاٹیگا اور دونوں جبڑوں کو پکڑ کر چیر یگا۔

علماء اسلام اور فقہاء ملت نے جہاں زکوٰۃ کی حکمت طرح طرح سے بیان کی ہے وہاں ایک صورت یہ بھی بیان کی ہے کہ در حقیقت فرضیت زکوٰۃ سے اصل غرض مسلمانوں کا امتحان ہے کیونکہ ہر مسلمان

زبان سے توحید کا اقرار کرتا ہے دل سے معبود کی یکتائی کی شہادت دیتا ہے اور محبت الٰہی کا دعویٰ کرتا ہے گویا ہر مسلمان کہتا ہے کہ میں اپنی عقل و بصیرت سے جانتا ہوں کہ اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ محبوب میں نے اسی کی عبادت اور محبت اپنے اوپر لازم کرلی ہے میں عہد کرتا ہوں کہ نہ کسی اور کی پرستش کروں گا اور نہ غیر اللہ سے محبت کروں گا لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جس محبت کا دعویٰ کیا ہے اس کی تکمیل عملی شکل میں کرے اور وفادار کا کمال یہ ہے کہ سوا ذات واحد کے موحد کا اور کوئی محبوب نہ ہے کیونکہ محبت میں شرکت کفر ہے بلکہ محبت شرکت کو قبول ہی نہیں کرتی اور صرف زبانی اقرار توحید میں کوئی زائد فائدہ نہیں ہے اس لئے محبت کا کمال تمام دیگر دلکش اور محبوب چیزوں کے چھوڑ دینے ہی سے کہلاتا ہے اور مخلوق کی زندگی کا دارومدار چونکہ مال پر ہے مال ہی دنیا میں کاربرآری اور اسباب عیش کی فراہمی کا واحد ذریعہ ہے اس لئے انسان کو مال ہی سے محبت و شغف ہوتا ہے لہٰذا مال کے خرچ کرنے کا حکم دیکر خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کے اقرار توحید اور محبت دلی کی آزمائش کی ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کس شخص کو محبت الٰہی پر ثبات ہے اور کون شخص تعمیل حکم الٰہی میں اپنی تمام محبوب و مرغوب چیزوں کو قربان کرسکتا ہے

خرچ کرنیوالوں کے اقسام اور احکام

خرچ کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ لوگ جو توحید و محبت کے دعویٰ میں اس قدر سچے نکلے کہ اپنا تمام مال خرچ کر ڈالا اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا کل مال رسول اللہ کی خدمت میں لاکر حاضر کردیا جب حضور نے دریافت فرمایا کہ تم سب مال راہ خدا میں صرف کرنے کے لئے لے آئے اپنے لئے تم نے کیا رکھا تو عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو یہ صورت تو اس شخص کے لئے جائز ہے جس کو اللہ پر کامل اعتماد اور پورا بھروسہ ہو دینے کے بعد کبھی نہ اس کو افسوس ہو نہ پشیمانی چنانچہ اس حدیث میں رسول اللہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو فقیر کو باوجود اپنی احتیاج کے دیتا ہے لیکن جس شخص کا توکل کامل اور بھروسہ پورا نہ ہو اس کے لئے ضرور ہے کہ اپنے اور اپنے بال بچوں کی ضروریات کے لئے کچھ رکھ لے اور ضروریات سے زائد مال راہ خدا میں خرچ کرے تاکہ آئندہ کو ندامت اور افسوس نہ ہو چنانچہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے حضور اکرم نے ارشاد فرمایا کہ اچھا صدقہ وہ ہے جو تونگری کی حالت میں ہو یعنی مالی غنا کی حالت میں یا دل کی غنا کی حالت میں ہو اول صورت دلی استغنا و تونگری کی ہے اور یہ صورت مالی تونگری کی گویا جس کا دل غنی ہے کل مال دینے کے بعد اس کو ندامت و افسوس کا خوف نہیں ہے تو اس کے لئے کل مال دیدینا افضل ہے اور جس کا دل غنی نہ ہو آئندہ اپنی اور اپنے متعلقین کی حاجتوں اور ضرورتوں کو دیکھ کر اپنے کئے ہوئے پر افسوس ہوتا ہو تو اس کے لئے کل

مال دینا اور راہِ خدا میں صرف کرنا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے مناسب یہ ہے کہ اپنی اور متعلقین کی ضروریات
اور دنیوی مصالح کے لحاظ سے جس قدر مال کی حاجت ہو اتنا تو رکھ لے اور باقی فی سبیل اللہ خرچ کردے
کیونکہ یہ کسی طرح جائز نہیں کہ انسان اپنے بال بچوں کا کھانا بھی فقیروں کو دیدے اور ان کو بھوکا مارے
ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو تونگری چھوڑ جائے یعنی خیرات کرنے والے کو چاہیئے
کہ دو باتوں میں سے ایک بات اس میں ضرور ہو یا تو خیرات کرنے کے بعد اس کے پاس اتنا مال رہے
کہ یہ تونگر اور غنی باقی رہے یا مال خرچ کرنے کے بعد کم از کم اس کا دل آسودہ اور غنی رہے ایک اور حدیث
صحیح میں آیا ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ مالداری مال کی کثرت سے نہیں ہے بلکہ دل کی آسودگی سے
ہے کیونکہ اگر غریب آدمی اپنی مقررہ روزی راہ خدا میں صرف کر ڈالے اور خود بھوک پر صابر رہے تو
اس کا یہ صدقہ سب سے افضل ہے ہاں اگر اس کے دینے سے کوئی دینی نقصان ہوتا ہو مثلاً نماز میں ضعف
کی وجہ سے کھڑا نہ ہوسکے یا تنگ آجائے تو کل مال کسی حالت میں بھی دینا جائز نہیں (۲) وہ لوگ جو اس
ایثار و قربانی کی قابلیت نہیں رکھتے کل مال صرف نہیں کرسکتے بلکہ خیرات و زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ حصہ
تو بقدر حاجت دیدیتے ہیں اور باقی روک رکھتے ہیں تاکہ آئندہ جو مواقع خیرات در پیش ہوتے جائیں
ان میں مناسب طریقہ سے اس مال کو صرف کریں اور اس روکنے سے غرض عیش و عشرت کا اکتساب ذاتی
لذت اندوزی یا نفسی آرام طلبی نہیں ہوتی بلکہ ان کا اصلی مطمحِ نظر یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی مناسب موقعہ دینے
کا آجائے اس وقت صرف کریں (۳) وہ لوگ جو فرض معین سے زائد نہیں دیتے جتنا حق شرعی طور پر
ان کے مال میں واجب ہوتا ہے اتنا ادا کرتے ہیں نہ اس سے زائد دیتے ہیں نہ کم یہ تینوں درجات میں ادنیٰ
ہے لوگوں کو عموماً چونکہ مال سے محبت زائد اور آخرت کا خیال کم ہوتا ہے اسلئے اکثر لوگ اسی درجہ پر ہیں اس کے
بعد محبت کا کوئی درجہ نہیں کم از کم محبت الٰہی کا اتنا درجہ ہونا لازمی ہے جو شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے
وہ دعویٔ محبت میں جھوٹا ہے درحقیقت محبت الٰہی اس کے دل میں متمکن نہیں ورنہ یہ مالی شغف اور دنیوی
محبت اس کو فریضہ واجبہ سے ہرگز نہ روک سکتی لہذا جو لوگ مقدم الذکر دونوں مراتب کی قابلیت
نہیں رکھتے ان کے لئے لازم ہے کہ کم از کم اس مرتبہ سے نہ گریں بلکہ جو کچھ حق واجب ہے اس کو
ادا کرنے کی کوشش کریں لیکن یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ صدقہ و خیرات دینے والا یا زکوٰۃ واجب ادا
کرنے والا نہ کسی کا محسن ہے نہ اس کو فقیر کی گردنوں پر بار احسان رکھنے کا حق ہے اگر صدقہ و زکوٰۃ دیکر
احسان جتائیگا اور اپنے آپ کو محسن سمجھیگا تو اس کا ثواب باطل ہو جائے گا تمام دیا دلایا رائیگاں اور برباد
ہو جائیگا احسان جتانے کی چند صورتیں ہوتی ہیں مثلاً زکوٰۃ دیکر لوگوں میں کہتے پھرنا کہ میں نے فلاں فلاں لوگوں

کو زکوٰۃ یا خیرات کا مال دیا ہے یا فقراء سے دعا کی طلب کرنا، تعریف یا خدمت کرنے کی خواہش کرنی شکر ادا کرنے کی رغبت یا توقیر و تعظیم کرانے کی طرف میلان خاطر ہونا یہ سب احسان جتانے کی مختلف صورتیں ہیں ورحقیقت صورت یہ ہونی چاہیئے کہ دینے والا لینے والے کو اپنا محسن خیال کرے کیونکہ کوئی دینے والا فقیر کو کچھ نہیں دیتا بلکہ جو کچھ دیتا ہے خدا کو دیتا ہے چنانچہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ صدقہ کا مال سائل کے ہاتھ میں جانے سے قبل اللہ کے ہاتھ میں جاتا ہے اس لئے فقیر محسن ہے اور فقیر ہی اس کو اس کے فرض سے سبکدوش کرتا ہے اگر دنیا میں کوئی فقیر کسی سے کچھ نہ لے تو فرض زکوٰۃ کس طرح ادا ہو اس کے علاوہ یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیئے کہ صدقہ دینے کے بعد جس طرح جتانا برا ہے ایسے ہی ایذا دینی یعنی فقراء کو جھڑکنا ڈانٹنا شرم دلانی درشت کلامی کرنا ان کے سامنے تیوری چڑھانی اور دیتے وقت ان کو ذلیل سمجھنا ان سب باتوں سے خیرات کا ثواب برباد ہو جاتا ہے مال بھی جاتا ہے اور آخرت میں بھی کسی نتیجہ کی امید نہیں کی جاسکتی۔ ایک صورت ایذا رسانی کی یہ ہے کہ فقیروں سے اپنے کو عالی مرتبہ خیال کرے اور ان بیچاروں مصیبت کے ماروں کو ذلیل جانے یا مال دینے کے بعد افسوس ہو اور دل پر شاق گذرے یہ صورتیں بھی ایذا میں داخل ہیں اور قرآن میں صاف طور پر تصریح کردی گئی ہے کہ لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی یعنی اپنے صدقات کے ثواب کو احسان جتا کر اور تکلیف دیکر برباد نہ کرو یہی وجہ ہے کہ شریعت میں خیرات صدقات کا خفیہ طور پر دینا بہت افضل بیان کیا گیا ہے کیونکہ اس سے نہ تو فقیر منت کش ہوتا ہے اور نہ لوگوں کے سامنے اس کے فقر و مسکنت کی حالت ظاہر ہونے پاتی ہے سلف کا بھی یہی دستور تھا کہ انتہائی اخفا کے ساتھ جو کچھ دینا ہوتا تھا دیتے تھے اور غیروں سے تو بجائے خود اپنے خاص خاص متعلقین سے بھی اس کا تذکرہ نہ کرتے تھے والسلام علی من اتبع الہدی

اسباب اور سونے چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ

ارکان اسلام میں سے ایک رکن زکوٰۃ ہے زکوٰۃ کا منکر کافر ہے اور زکوٰۃ نہ دینے والا فاسق ہے زکوٰۃ نہ دینے سے اصل مال کی برکت جاتی رہتی ہے اور زکوٰۃ نہ دینے کا بڑا سخت عذاب ہے قرآن شریف میں آیا ہے کہ ایسے مال کو قیامت کے دن پگھلا کر زکوٰۃ نہ دینے والوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں کو داغا جائے گا۔ سچ ہے خدا کی دی ہوئی دولت کو خدا کی راہ میں نہ دینا اور حقداروں کی حق تلفی کرنی کس قدر ظلم ہے۔

سونا چاندی کا نصاب زکوٰۃ

جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو اور ایک سال تک باقی رہے روپیہ کے حساب سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس کے پاس چون روپے تیرہ آنے ۲ رتی بھر چاندی یا سات روپے بارہ آنے ۷ رتی بھر سونا ہو اور سال بھر تک باقی رہے تو سال گذرنے پر اس کی زکوٰۃ دینی واجب ہے اور اگر اس سے کم ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں اگر کوئی شخص سال کے اول و آخر حصہ میں مالدار ہو اور سال کے بیچ میں کچھ دنوں کے لئے مال بقدر نصاب زکوٰۃ نہ رہے اس سے کم ہو جائے تب بھی زکوٰۃ واجب ہے مثلاً کسی کے پاس چھ مہینے تک دس تولہ سونا رہا پھر درمیان میں تین ماہ کے لئے دو تولہ رہ گیا پھر اخیر سہ ماہی میں دس تولہ ہو گیا تو زکوٰۃ دینی لازم ہے اور زکوٰۃ دس تولہ سونے کی دینی ہوگی ہاں اگر درمیان سال میں مال جاتا رہا اور پھر اخیر سال میں اتنا ہی مال ہو جائے تو جس وقت سے دوبارہ مال حاصل ہوا ہے اس وقت سے ابتداء سال مانی جائے گی مثلاً چھ ماہ کے لئے آٹھ تولہ سونا رہا پھر سب فنا ہو گیا اور تین ماہ کے بعد پھر آٹھ تولہ سونا حاصل ہو گیا اور اخیر سہ ماہی میں یہ سونا برقرار رہا تو اختتام سال پر یہ سمجھا جائے گا کہ گویا اس مال کو تین ماہ ہوئے ابتدائی چھ ماہ کا اعتبار نہ کیا جائے گا اب اس کے بعد نو ماہ کا اور انتظار کیا جائے گا جب تین اور نو بارہ مہینے پورے ہو جائینگے تو زکوٰۃ دی جائے گی اور اگر کسی کے پاس آٹھ تولہ سونا تھا لیکن اخیر سال تک نہ رہا آٹھ نو ماہ گذرنے پائے تھے کہ ضایع ہو گیا تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

مسئلہ اگر کسی کے پاس مقدار نصاب کے موافق روپیہ موجود ہو اور اتنے ہی کا وہ قرضدار ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں مثلاً دو سو روپے پاس موجود ہیں اور دو سو کا قرضدار بھی ہے تو زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر قرضہ ڈیڑھ سو روپیہ ہے تب بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ ڈیڑھ سو نکالنے کے بعد صرف پچاس باقی رہتے ہیں اور پچاس روپے پر زکوٰۃ نہیں ہے ہاں اگر دو سو روپے پاس ہیں اور ایک سو چھیالیس سے کم کا قرضدار ہے تو بقیہ روپے کی زکوٰۃ دینی ضروری ہے کیونکہ رقم قرض نکالنے کے بعد بھی مقدار نصاب باقی رہتی ہے۔

مسئلہ اگر سونے چاندی میں کچھ کھوٹ ہو خالص سونا چاندی نہ ہو مثلاً چاندی میں رانگ اور سونے میں پیتل ملا ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ میل زائد ہے یا اصل سونا چاندی اگر میل کم ہو اور سونا چاندی زیادہ ہو تو میل کا اعتبار نہیں سب کو سونا چاندی مانا جائیگا اور اگر میل زائد ہو سونا چاندی کم ہو تو اس کو سونا چاندی نہ مانا جائے گا بلکہ دیگر اسباب کی طرح اس کا بھی سامان کا حکم ہو گا مثلاً چاندی میں

رانگا ملا ہو اور ۱/۲ چاندی ہو ۱/۲ رانگا ہو لہذا اس سب کو چاندی اعتبار کیا جائے گا نصاب شرعی پورا ہو جائے گا تو زکوٰۃ دینی ہو گی اور اگر چاندی ۱/۴ ہو اور رانگ ۳/۴ تو اس سب کا حکم رانگ کا ہو گا اور زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔ **مسئلہ** اگر کسی کے پاس نہ تو پوری مقدار سونے کی ہے نہ پوری مقدار چاندی کی بلکہ کچھ سونا ہے اور کچھ چاندی تو اگر دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر یا ساڑھے سات تولہ سونے کی برابر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہے اور اگر دونوں چیزیں اتنی تھوڑی ہیں کہ دونوں کی قیمت ملا کر بھی تو چاندی کے نصاب کی برابر ہوتی ہے نہ سونے کی نصاب کی برابر تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور اگر سونے چاندی دونوں کی مقدار پوری ہو تو قیمت لگانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ چاندی کی زکوٰۃ نصاب کا حساب کر کے علیحدہ دیدے اور سونے کی زکوٰۃ اس کے نصاب کا حساب کر کے الگ دیدے اور اگر اس صورت میں بھی قیمت لگا کر دینا چاہے تو اس شرط پر جائز ہے کہ قیمت اس طور پر لگاؤ جس میں غریبوں کا فائدہ ہو۔

مسئلہ اگر کسی کے پاس ڈیڑھ تولہ سونا قیمتی مثلاً ۳۹ روپے کا ہے اور سولہ روپیہ موجود ہیں تو زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ اس صورت میں ۳۹ روپیہ کا سونا اور سولہ روپیہ کل ۵۵ روپے ہوئے اور یہ مقدار نصاب کی ہے البتہ اگر صرف ڈیڑھ تولہ سونا قیمتی لعث ۳۹ کا ہو اور روپیہ بالکل نہ ہو یا دس بارہ روپے ہوں ۱۶ روپے نہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ اس صورت میں مجموعی مقدار بقدر نصاب نہیں ہوتی۔ **مسئلہ** اگر ایک روپیہ کی چاندی دو تولہ ملتی ہے اور کسی کے پاس صرف ۳۰ روپیہ ہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ ۳۰ روپے کی چاندی ساٹھ تولہ ہو گی کیونکہ روپیہ تو چاندی کا ہوتا ہے اور جب فقط چاندی یا فقط سونا پاس ہو تو وزن کا اعتبار ہے قیمت کا اعتبار نہیں **مسئلہ** اگر کسی کے پاس سو روپیہ ضرورت سے زائد رکھے تھے اور اختتام سال سے قبل ساٹھ روپے اور آگئے تو ان ساٹھ روپے کا حساب الگ نہ لگایا جائے گا بلکہ جب سو روپے پر ایک سال پورا ہو جائے گا تو یہ سمجھا جائیگا کہ ایک سو ساٹھ روپیہ پر سال پورا ہو گیا لہذا ایک سو ساٹھ روپے کی زکوٰۃ دینی ہو گی اسی طرح اگر کسی کے پاس سو تولہ چاندی رکھی تھی پھر دو تین مہینے کے بعد چار تولہ سونا آ گیا تب بھی اس کا حساب الگ نہ کیا جائے گا بلکہ چاندی کے ساتھ ملا کر زکوۃ کا حساب ہو گا۔ لہذا جس وقت اس چاندی کا سال پورا ہو گا تو سب سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی۔

مسئلہ سونے اور چاندی کے زیور و برتن بنیر سچا گوٹہ وغیرہ سب پر زکوٰۃ واجب ہے چاہے یہ اشیا استعمال کے لئے رکھی ہوں یا ویسے ہی غیر مستعمل بند رکھی ہوں۔ خلاصہ یہ

کہ سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ واجب ہے

زکوٰۃ کی مقدار

سونے چاندی اور دیگر اسباب (جن کا بیان مفصل آئندہ آئیگا) کی زکوٰۃ بحساب قیمت ۲½ ڈھائی روپیہ سیکڑہ دی جائے یہی شرعی مقرر کردہ زکوٰۃ ہے۔

سامان اور جواہر وغیرہ کی زکوٰۃ

سونے چاندی کے علاوہ اور جتنی چیزیں ہیں جیسے لوہا، تانبا، پیتل، کانسی وغیرہ اور ان چیزوں کے بنے ہوئے برتن نیز کپڑا جوتہ اور دیگر سامان اگر یہ سب مال تجارتی ہو اور اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کی برابر ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے اور اگر اتنی مقدار نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہاں اگر یہ سامان سوداگری کا نہ ہو تو پھر اگر ہزاروں روپیہ کا ہو تب بھی زکوٰۃ واجب نہیں اسی طرح گھر کا اسباب پتیلی دیگچہ، دیگ، سینی، لگن صندوق کھانے پینے کے برتن، رہائش کے مکانات پہننے کے کپڑے موتیوں کے ہار، جواہر کا زیور یا جواہر چارپائیاں، پلنگ وغیرہ ان میں سے کسی میں زکوٰۃ نہیں ہے چاہے استعمال میں آتا ہو یا صندوقوں میں ویسے ہی بند رکھا ہو لیکن تجارتی نہ ہو اگر تجارتی مال ہوگا تو زکوٰۃ واجب ہوگی **مسئلہ** اگر پہننے کے لباس یا شادی وغیرہ میں استعمال کرنے کے کپڑے بہت زیادہ قیمتی ہوں اور کارآمد ہوں تب بھی ان میں زکوٰۃ نہیں ہے ہاں اگر ان میں کچا کام اتنا ہو کہ اگر ان کی چاندی چھڑائی جائے گی تو کم از کم ساڑھے باون تولہ ہو جائے گی تو اس چاندی پر زکوٰۃ واجب ہے **مسئلہ** اگر کسی کے پاس کچھ چاندی کچھ سونا اور کچھ سوداگری کا دوسری قسم کا مال ہے اور مجموعہ کی قیمت نصاب زکوٰۃ کی برابر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں **مسئلہ** اگر کسی کے پاس کچھ مکانات ہیں جو کرایہ پر چلائے جاتے ہیں یا کچھ دیگیں ہیں یا دریاں قالینیں اور چاندنیاں ہیں جو کرایہ پر دی جاتی ہیں یا کچھ اور سامان ہے جو کرایہ پر چلانے کے لئے رکھا ہے بہرحال ان میں سے کسی پر زکوٰۃ نہیں ہے خواہ کتنا ہی ہو کیونکہ زکوٰۃ سوداگری کے مال پر واجب ہے اور یہ سوداگری کا مال نہیں ہے۔

ھدایت سوداگری کا مال وہ سمجھا جائے گا جو سوداگری کے لئے خریدا جائے خواہ اسکو فروخت کرے یا نہ کرے اور جو مال سوداگری کے لئے نہ خریدا گیا ہو اور بعد کو اس کو فروخت کر دیا جائے تو وہ سوداگری کا مال نہ کہا جائے گا اور نہ اس پر زکوٰۃ ہوگی مثلاً کسی شخص نے گھر کے

صرف کے لیے یا شادی وغیرہ کے صرف کے لئے کچھ چاول خریدے لیکن اتفاق سے گھر میں صرف نہ کر سکا یا شادی میں صرف نہ ہوئے اور اس نے فروخت کر دیئے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ فروخت کرنے کے ارادہ سے نہیں خریدے گئے تھے اور کسی نے اگر فروخت کرنے اور تجارت کرنے کے ارادہ سے کچھ چاول خریدے پھر ان کو شادی میں صرف کر دیا تو اس پر قیاساً زکوٰۃ ہوئی کیونکہ تجارت کے ارادہ سے یہ مال خریدا گیا ہے۔

قرض کی زکوٰۃ

قرض کی تین قسمیں ہیں (۱) کسی کو سونا چاندی یا نقد روپیہ قرض دیا (۲) سوداگری کا مال کسی کے ہاتھ اتنی قیمت میں بیچا جس پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن قیمت دو تین سال میں آہستہ آہستہ ادا کرنی ٹھیری نقد قیمت نہ ملی (۳) عورت کا مہر شوہر پر قرض ہو قسم اول کا قرض اگر اتنا ہو کہ نصاب زکوٰۃ تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہے خواہ کبھی ہو قسم دوم کا قرض اگر یکمشت دو سال کے بعد وصول ہو جائے تو دو سال کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور تین سال کے بعد اگر یکمشت وصول ہو تو تین سال کی زکوٰۃ دینی ہوگی اور یکمشت اگر وصول نہ ہو تو تھوڑا تھوڑا کر کے وصول ہو تو اگر گیارہ گیارہ روپیہ کر کے وصول ہوں تو ہر گیارہ روپے کی زکوٰۃ الگ دینی چاہئیے یعنی اگر پہلی مرتبہ گیارہ روپیہ وصول ہوئے تو اس کی زکوٰۃ دیدی جائے پھر گیارہ وصول ہوں تو ان کی زکوٰۃ علیحدہ دیدی جائے اور اگر گیارہ سے کم وصول ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں ہاں اگر اس کے پاس کچھ اور مال بھی ہو اور مثلاً عہ روپیہ وصول ہوئے تو اب سب کی زکوٰۃ واجب ہے اور اگر کسی کو نقد روپیہ نہیں دیا اور نہ سوداگری کا مال بیچا بلکہ کوئی اور چیز فروخت کی مثلاً پہننے کے کپڑے گھر کا سامان کھانے پینے کے برتن وغیرہ اور قیمت نقد نہ لی ہو بلکہ دو تین سال کا وعدہ ہے لیکن قیمت اتنی ہے جس پر زکوٰۃ شرعاً واجب ہوتی ہے تو جس وقت یہ قیمت وصول ہو زکوٰۃ دینا چاہئیے ہاں اگر یکمشت وصول نہ ہو بلکہ تھوڑی تھوڑی کر کے وصول ہو تو اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جب تک للہ روپے وصول نہ ہو جائیں جب للہ روپے وصول ہو جائینگے تو سب برسوں کی زکوٰۃ دینی واجب ہوگی قسم سوم کا قرض اگر وصول ہو جائے اور تاریخ وصول کے بعد اسکو رکھے رہے ایک سال گذر جائے تو زکوٰۃ ایک سال کی واجب ہوگی ورنہ نہوگی۔

مسئلہ اگر کسی کے مال پر پورا سال گذر گیا لیکن ابھی تک اس نے زکوٰۃ نہ دی تھی کہ سارا مال چوری ہو گیا یا اور کسی طرح فنا ہو گیا تو زکوٰۃ بھی معاف ہو گئی بشرطیکہ زکوٰۃ ادا کرنیکی نیت ہو اور اگر سال پورا ہو جانے کے باوجود زکوٰۃ نہ دی بلکہ کل مال کسی کو ہبہ کر دیا یا خود خرچ کر دیا تو زکوٰۃ معاف نہ ہوگی اس کے ذمہ واجب رہے گی ہاں اگر سال پورا ہونے کے بعد کسی نے اپنا کل مال خیرات کر دیا تو زکوٰۃ معاف ہو جائے گی **مسئلہ** اگر مالدار آدمی کسی سال کی زکوٰۃ پیشگی دیدے تو جائز ہے لیکن اگر کسی سال میں کچھ ترقی ہو گئی تو زیادہ مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینی ہوگی **مسئلہ** اگر کسی کے پاس سو روپیہ ضرورت سے زائد رکھے ہوئے ہیں اور سو روپے کہیں سے ملنے کی امید ہے اور اس نے اختتام سال سے قبل دو سو روپیہ کی زکوٰۃ دیدی تو یہ بھی جائز ہے **مسئلہ** اگر کسی کے پاس چار سو روپے تھے اور اختتام سال کے بعد نصف چوری ہو گئی یا نصف خیرات کر دئیے تو اب نصف کی زکوٰۃ معاف ہو گئی باقی نصف کی زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہے **مسئلہ** اگر کوئی دولتمند آدمی جس کے پاس کافی مال جمع ہے سال گذرنے سے قبل ہی زکوٰۃ دیدے تو جائز ہے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی ہاں اگر کوئی شخص مالدار نہ ہو اور کہیں سے اس کو روپیہ ملنے کی امید ہو لیکن وصول سے قبل وہ زکوٰۃ دیدے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب روپیہ مل جائے اس وقت زکوٰۃ دینی لازم ہے

پیداوار اور زمین کے حاصل کی زکوٰۃ

عشری زمین اگر کوئی شہر مسلمانوں نے لڑکر کافروں سے چھین لیا اور پھر وہاں تبلیغ اسلام کی اور کافروں کی زمین لیکر مسلمانوں کو دیدی یا لڑنے کی ضرورت نہ پڑی بلکہ اس ملک کے باشندے اپنی خوشی سے دباؤ کی حالت میں مسلمان ہو گئے اور ان کی زمینیں لیکر مسلمانوں کو دیدی گئیں یا انہی کے پاس باقی چھوڑ دی گئیں تو ایسی زمینیں عشری کہلاتی ہیں ایسی زمینوں کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے عشری زمین عام ہے خواہ کسی شخص کے قبضہ میں اس طرح آئی ہو کہ فتح کے بعد بادشاہ نے اس کو دی ہو یا کسی کے باپ دادا وغیرہ کو بادشاہ کی طرف سے ملی ہو اور پھر بطور میراث اس کے ہاتھ آئی ہو۔ یا کسی کی عشری زمین اس نے خریدی ہو بہر صورت اس کے پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے۔

عشری زمینوں کی پیداوار کی مقدار زکوٰۃ اگر کھیت کو سینچنا نہ پڑے، آب پاشی نہ کرنا ہو بلکہ کھیت ترائی کے اندر ہو یا دریا کے کنارہ ہو یا بارش کے پانی سے پیدا ہو ہر صورت سینچ کی

پانی نہ دیا گیا ہو تو ایسے کھیت کی پیداوار میں ۱/۱۰ زکوٰۃ دینی ضروری ہے یعنی دس سیر میں ایک سیر اور دس من میں ایک من اور اگر چرسے وغیرہ سے کھیت سینچا گیا ہو تو ایسے کھیت کے پیداوار پر ۱/۲۰ زکوٰۃ واجب ہے یعنی ۲۰ سیر میں ایک سیر اور ۲۰ من میں ایک من ایسے کھیت میں پیداوار کم ہو یا زیادہ بہر صورت زکوٰۃ دینی ہوگی کمی بیشی قابل اعتبار نہیں باغ کا حکم بھی کھیت کی طرح ہے اگر پانی دیا گیا ہو تو باغ کی پیداوار میں سے ۱/۲۰ حصہ اور پانی نہ دیا گیا ہو تو ۱/۱۰ حصہ صدقہ دینا واجب ہے اناج، سبزی، ترکاری، میوہ پھل، پھول وغیرہ سب کا یہی حکم ہے۔ **مسئلہ** اگر کسی نے اپنے گھر کے اندر کوئی درخت لگایا یا مکان کے اندر دس بیس گز میں کچھ سبزی ترکاری بوئی تو اس کے حاصل میں زکوٰۃ واجب نہیں عشری زمین میں اگر کچھ شہد پیدا ہوا یا جنگل و پہاڑ وغیرہ سے کچھ شہد توڑا جائے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے چاہے جتنا ہی ہو **مسئلہ** اگر عشری زمین مسلمان سے کوئی کافر خرید لے تو اب یہ زمین عشری نہیں رہے گی ہمیشہ کے لئے اس کا عشری ہونا باطل ہوگیا اب پھر اگر یہ زمین کوئی مسلمان خرید لے یا کسی اور ذریعہ سے مسلمان کے قبضہ و ملک میں پہنچ جائے تو اس کے پیداوار پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی **مسئلہ** اگر زمین لگان پر اٹھا دی گئی ہو اور مالک زمین نے کسی کو ٹھیکہ پر دیدی ہو تو پیداوار کی زکوٰۃ کاشتکار پر واجب ہے اور اگر زمین بٹائی پر اٹھائی گئی ہو تو زمیندار اور کاشتکار دونوں اپنے اپنے حصہ کی زکوٰۃ دیں۔

کن لوگوں کو زکوٰۃ نہ دیجائے

مذکورہ ذیل اشخاص کو زکوٰۃ دینی ناجائز ہے (۱) جس شخص کے پاس نصاب زکوٰۃ موجود ہو وہ شرعاً غنی اور مالدار کہلاتا ہے ایسے شخص کو زکوٰۃ دینی ناجائز ہے (۲) زکوٰۃ کے روپے سے مسجد پل کنواں نہ بنوایا جائے۔ لاوارث مردہ کا گور و کفن نہ کیا جائے مردہ کی طرف سے اس کا قرض اس پیسے سے ادا نہ کیا جائے (۳) اپنے اصل یعنی دادا دادی، پردادا پردادی، نانا نانی، پرنانی والدین اور وہ تمام لوگ جن کی اولاد میں یہ داخل ہیں ان سب کو زکوٰۃ دینی ناجائز ہے (۴) جو لوگ زکوٰۃ دینے والے کی اولاد میں داخل ہیں مثلاً پوتا، پرپوتا، پوتی پرپوتی، نواسا، نواسی، پرنواسا، پرنواسی اور بیٹا بیٹی وغیرہ ان سب کو زکوٰۃ دینی ناجائز ہے (۵) شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی (۶) اگر نابالغ بچہ مفلس ہے اور اس کا باپ مالدار ہے تو اس بچہ کو کوئی شخص

زکوٰۃ نہیں دے سکتا (۷) اولادِ فاطمہ اولادِ علی اولادِ عباس اولادِ عقیل اولادِ حارث بن عبدالمطلب کو زکوٰۃ دینی ناجائز ہے (۸) جس عورت کو یقین ہو کہ جس وقت میں اپنے شوہر سے مہر کا روپیہ جس کی مقدار نصاب زکوٰۃ کی برابر یا اس سے زائد ہے، طلب کرونگی دیدے گا تو ایسی عورت بھی مالدار ہے اس کو زکوٰۃ دینی ناجائز ہے (۹) کافر کو زکوٰۃ کا مال دینا ناجائز ہے۔

مذکورہ ذیل صورتوں میں زکوٰۃ دینی درست ہے (۱) جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اسی قدر قیمت کا کوئی مال تجارتی غیر تجارتی نہ ہو اس کو زکوٰۃ دینی جائز ہے اگر کسی کے پاس نصاب زکوٰۃ کی قیمت کا کوئی غیر تجارتی مال ہو گو اس پر زکوٰۃ دینی واجب نہیں لیکن اس کو زکوٰۃ لینی بھی ناجائز ہے ہاں جس شخص کے پاس ضروری اسباب ہوں گو اس کی قیمت نصاب زکوٰۃ سے زائد ہو مگر اس کے لئے زکوٰۃ لینی جائز ہے

ضروری اسباب:۔ رہنے کا گھر، پہننے کے کپڑے، کام کاج کے نوکر چاکر گھر گرستی کا سامان پڑھے ہوئے آدمی کے پڑھنے کی کتابیں استعمال کے ہتھیار وغیرہ۔

غیر ضروری اسباب:۔ بڑی بڑی دیگیں، بڑے بڑے فرش فروش، شامیانے اور چاندنیاں جن کی برسوں میں کبھی اتفاقیہ ضرورت پڑتی ہے روزمرہ ان کو استعمال نہیں کیا جاتا غیر ضروری سنہری روپہلی کپڑے وغیرہ یہ سب غیر ضروری اشیاء ہیں جس کے پاس یہ اشیاء ہونگی اس کو زکوٰۃ دینی ناجائز ہے (۲) اگر کسی کے پاس کچھ مکانات، باغ گاؤں وغیرہ کوئی جائداد ہو جس کی آمدنی آتی ہو لیکن اہل وعیال اور متعلقین اتنے زائد ہوں کہ اچھی طرح بسر نہ ہوتی ہو ہمیشہ خرچ کی تنگی رہتی ہو اور اس کے پاس ایسا کوئی مال بھی نہ ہو جس میں زکوٰۃ واجب ہو تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دینی جائز ہے (۳) اگر کسی کے پاس ہزار روپیہ موجود ہوں لیکن قرض بھی اس پر ہزار روپیہ کا ہو تو اس کو بھی زکوٰۃ دینی جائز ہے اور اگر ہزار روپیہ سے کم قرضدار ہو اور ہزار روپیہ موجود ہوں تو حساب کیا جائے کہ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب مال رہتا ہے یا نہیں اگر نصاب شرعی کے برابر روپیہ نہ بچتا ہو تو اس کو زکوٰۃ دینی جائز ہے ورنہ ناجائز (۴) اگر کوئی مسافر اپنے گھر پر تو بڑا مالدار ہو لیکن اتفاق سے سفر کی حالت میں اس کے پاس اتنا خرچ نہ رہا ہو کہ گھر تک پہنچ سکے ایسے شخص کو زکوٰۃ دینی جائز ہے حاجیوں کے متعلق بھی یہی حکم ہے (۵) بھائی بہن، بھتیجا بھتیجی، بھانجا بھانجی، چچا چچی، پھوپھا پھوپھی، خالہ خالو، ماموں ممانی سوتیلی ماں، سوتیلا باپ، سوتیلا دادا، سوتیلا نانا، ساس خسر اور دیگر رشتہ داروں کو زکوٰۃ

دینی جائز ہے (۶) اگر نابالغ بچہ کا باپ مفلس ہو اور ماں مالدار ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے (۷) بالغ لڑکے اور لڑکی کا باپ اگر مالدار بھی ہو لیکن یہ مفلس ہوں تو ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے (۸) گھر کے نوکر چاکر ماما، انا، دائی کھلائی اور خدمتگار وغیرہ کو بطور انعام زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے لیکن زکوٰۃ کا پیسہ دیکر تنخواہ میں مجرا کرنا ناجائز ہے (۹) دودھ شریک بھائی بہن کو دودھ پلانے والی کو دودھ پلائے ہوئے بچہ کو زکوٰۃ دینی درست ہے (۱۰) اگر کسی عورت کا مہر ہزار روپیہ ہے لیکن اس کا شوہر غریب ہے کہ ادا نہیں کر سکتا یا شوہر امیر ہے لیکن مہر نہیں دیتا یا عورت نے اپنا مہر معاف کر دیا ہے تو ان سب صورتوں میں اس عورت کو زکوٰۃ دینی درست ہے (۱۱) اگر ایک شخص کو مستحق سمجھکر زکوٰۃ دیدی بعد کو معلوم ہوا کہ وہ مالدار ہے یا سید ہے یا اندھیری رات میں کسی کو زکوٰۃ کا مال دیا پھر معلوم ہوا کہ وہ کوئی ایسا رشتہ دار تھا جس کو زکوٰۃ دینی ناجائز تھی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں لیکن لینے والے کو اگر معلوم ہو جائے کہ یہ زکوٰۃ کا پیسہ ہے اور مجھے زکوٰۃ لینی ناجائز ہے تو واپس کر دے اور اگر دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جس کو دیا ہے وہ کافر ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی دوبارہ ادا کی جائے (۱۲) اگر کسی کے متعلق یہ شبہ ہو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ غریب ہے یا مالدار تو بغیر تحقیق کے زکوٰۃ نہ دیجائے اگر بے تحقیق دیدی تو خیال کرنا اور سوچنا چاہیئے کہ وہ مالدار ہے یا محتاج اگر ظن غالب ہو کہ وہ غریب ہے تو زکوٰۃ ادا ہو گئی اور اگر گمان غالب یہ ہوا کہ وہ دولتمند ہے تو دوبارہ زکوٰۃ دینی چاہیئے لیکن ظن غالب کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ جس کو ہم نے امیر سمجھا تھا وہ محتاج ہے تو دوبارہ زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں

قاعدہ کلیہ:۔ اولاد حضرت فاطمہ رضؓ و حضرت علیؓ و حضرت عقیلؓ و حضرت حارثؓ و حضرت عباسؓ کو جس طرح زکوٰۃ دینی ناجائز ہے اسی طرح مال نذر، کفارہ، عشر اور صدقہ فطر بلکہ ہر صدقہ دینا ناجائز ہے

چند مسائل مسئلہ زکوٰۃ دینے میں بلکہ تمام صدقات و خیرات میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو مقدم رکھو سب سے پہلے ان کو دو۔ اہل قرابت کو خیرات دینے سے دوہرا ثواب ملتا ہے ایک تو خیرات کا دوسرے عزیزوں کے ساتھ سلوک و احسان کرنے کا رشتہ داروں سے جو کچھ بچے وہ دیگر لوگوں کو دیا جائے لیکن دیتے وقت عزیزوں کو اس کی اطلاع نہ دی جائے کہ یہ صدقہ خیرات کا مال ہے اس سے انکی دلشکنی ہوگی مسئلہ ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر میں بھیجنی مکروہ ہے ہاں اگر دوسرے شہر میں اس کے رشتہ دار رہتے ہوں یا اس شہر والوں سے دوسرے شہر کے لوگ زیادہ مستحق ہوں اور انکی احتیاج زائد ہو وہ لوگ دینی کاموں میں اور تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہوں تو اس وقت وہاں زکوٰۃ بھیجنی مکروہ نہیں ہے۔

زکوٰۃ کس طرح اور کس وقت دی جائے

اگر مال پر پورا سال گذر جائے تو زکوٰۃ ادا کرنے میں تاخیر نہ کی جائے فوراً دیدی جائے اگر سال گذرنے کے بعد جو زکوٰۃ ادا نہ کی یہانتک کہ دوسرا سال بھی گذر گیا تو بڑا سخت گناہ ہوگا پھر بھی لازم ہے کہ دونوں سال کی زکوٰۃ ادا کرے اگر کوئی دس بیس سال بلکہ تمام عمر زکوٰۃ نہ دیگا تو تمام سالوں کی زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب الادا رہے گی بغیر دیئے اس فرض سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔

زکوٰۃ کی نیت جس وقت زکوٰۃ کا روپیہ کسی مستحق کو دے تو دل میں یہ خیال کرے کہ میں زکوٰۃ دے رہا ہوں اگر یہ نیت نہ کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی دوبارہ دینی چاہیئے اگر دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہ کی تو کم از کم اس وقت تک نیت کر لینی چاہیئے جب تک وہ مال اس شخص کے پاس رہے۔ جس وقت اس شخص نے مال خرچ کر دیا تو پھر نیت کرنی بے سود ہے از سر نو زکوٰۃ دینی چاہیئے یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ دیتے وقت ہی زکوٰۃ کی نیت کرنی ضروری نہیں ہو بلکہ جس وقت زکوٰۃ کی رقم اصل مال سے نکال کر علیحدہ رکھی ہے اس وقت اگر زکوٰۃ کی نیت کر لی تب بھی کافی ہے اب دیتے وقت نیت کرے یا نہ کرے ہاں اگر زکوٰۃ کی رقم نکالتے وقت بھی نیت زکوٰۃ نہ کی اور نہ دیتے وقت کی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

زکوٰۃ کا مال کس طرح دیا جائے اگر زکوٰۃ کی رقم کسی نے نکالی تو اختیار ہے چاہے سب ایک ہی کو دیدے اور چاہے تھوڑا تھوڑا کر کے آہستہ آہستہ چند مستحقوں کو دیدے لیکن بہتر یہ ہے کہ ایک شخص کو کم از کم اتنا دیدے کہ اسکے لئے ایک دن کے واسطے کافی ہوجائے کسی اور سے مانگنا نہ پڑے ہاں اتنا بھی نہ دے کہ وہ شخص غنی ہوجائے کیونکہ یہ بھی مکروہ ہے لیکن اگر دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی **مسئلہ** قرض کے نام سے کسی کو زکوٰۃ کا روپیہ دیدینا جائز ہے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی مثلاً ایک شخص کچھ قرض مانگنے آیا اور یہ معلوم ہے کہ یہ شخص اس قدر نادار ہے کہ کبھی ادا نہ کر سکیگا یا اتنا نادہند ہے کہ کبھی قرض نہ چھڑائے گا اور ایسے شخص کو قرض کے نام سے زکوٰۃ کا روپیہ دیدیا اور اپنے دل میں خیال کر لیا کہ میں زکوٰۃ دیتا ہوں تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجائے گی خواہ لینے والا اپنے دل میں یہی سمجھے کہ میں قرض لے رہا ہوں **مسئلہ** زکوٰۃ کی نیت سے کسی کو زکوٰۃ کی رقم بطور انعام کے دیدینا جائز ہے اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے **مسئلہ** اگر زید کے کسی غریب شخص پر دس روپے قرض تھے اور زید کے پاس اتنا مال بھی تھا جس کی زکوٰۃ دس روپے ہوتے ہیں اب زید نے اپنا قرضہ زکوٰۃ کی نیت سے اس غریب شخص کو معاف کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی

البتہ اگر اس کو اول دس روپے زکوٰۃ کی نیت سے دیدیے پھر یہی روپے اپنے قرض میں اس سے لے لیے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی **مسئلہ** اگر زکوٰۃ کا روپیہ خود نہیں دیا بلکہ کسی اور کو دیدیا اور اس سے کہدیا کہ تم کسی کو دیدینا تو جائز ہے اب اگرچہ وہ شخص دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہ بھی کرے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور یہ صورت بھی جائز ہے کہ زید نے دو روپے زکوٰۃ کے عمر کو دیدیے اور کہدیا کہ کسی غریب آدمی کو دیدینا عمر نے وہ روپیہ تو رکھ لئے اور اپنے پاس سے دو روپے کسی غریب کو دیدیے اور یہ خیال کر لیا کہ زید کے دیئے ہوئے روپے میں لیلوں گا مگر یہ جواز اس وقت ہے کہ زید کے دیئے ہوئے روپے عمر کے پاس موجود ہوں اور دیتے وقت عمر نے یہ نیت کر لی ہو کہ زید والے روپے میں لیلوں گا اگر عمر نے زید کے دیئے ہوئے روپے پہلے خرچ کر ڈالے اور بعد کو اپنے پاس سے دو روپے کسی غریب آدمی کو دیدیے یا زید کے روپے عمر کے پاس موجود تو ہیں اور عمر نے اپنے پاس سے روپے دیئے ہیں لیکن دیتے وقت یہ نیت نہیں کی ہے کہ زید والے روپے میں لیلوں گا تو ان دونوں صورتوں میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی دوبارہ اور دو روپے دینے ہوں گے اور اگر زید نے عمر کو روپیہ تو نہیں دیا صرف اتنا کہدیا کہ ہماری طرف سے زکوٰۃ کا اتنا روپیہ غریبوں کو دیدینا اور عمر نے زید کی ہدایت کے موافق اتنا روپیہ غریبوں کو دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور عمر کا روپیہ زید کے ذمہ واجب الادا رہیگا ہاں اگر عمر نے زید سے کچھ نہیں کہا اور عمر نے زید کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی خواہ زید منظور کرے یا نہ کرے اور جس قدر روپیہ عمر نے دیا ہے وہ روپیہ عمر زید سے وصول نہیں کر سکتا **مسئلہ** اگر زید نے عمر کو اپنی زکوٰۃ دینے کے لئے دو روپے دیے تو عمر کو اختیار ہے چاہے خود فقیروں کو دیدے یا بکر کو اس کام پر مامور کرے کہ تم یہ روپیہ فقیروں کو دیدینا اور نام کا بتانا ضروری نہیں ہو کہ فلاں شخص کی زکوٰۃ کا یہ روپیہ ہے اب اگر عمر یہ دونوں روپے اپنے ماں باپ یا دیگر رشتہ داروں کو غریب سمجھکر دیدے تو درست ہے لیکن اگر وہ خود ہی غریب ہو تو آپ ہی لے لینا درست نہیں ہے ہاں اگر زید نے یہ کہدیا ہو کہ جو چاہے کرو اور جسے چاہو دیدو تو عمر خود بھی لے سکتا ہے (نہایۃ الاوطار، ہدایہ، شرح وقایہ، مستخلص عینی، نہایہ)

باب چہارم

معاملات

کِتابُ النکاحُ

نکاح کی تعریف نکاح در حقیقت اُس عقد کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے مرد کو عورت سے منافع جنسی حاصل کرنے کا شرعاً استحقاق ہو جاتا ہے۔

نکاح کا طریقہ اور ارکان اگر مرد و عورت دونوں ایجاب و قبول ماضی کے الفاظ استعمال کر کے ادا کریں تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے یعنی اگر عورت کہے کہ میں نے اپنے نفس کا نکاح تیرے ساتھ کر دیا اور مرد کہے میں نے قبول کر لیا یا عورت کا وکیل کہے کہ میں نے فلاں عورت کا نکاح تیرے ساتھ کر دیا اور مرد کہے میں نے قبول کر لیا تو نکاح صحیح ہو جائیگا۔

الفاظ ذیل کہنے سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے ہندہ نے وکیل سے کہا کہ تو میرا نکاح زید سے کر دے اور وکیل نے کہا کہ میں نے تیرا نکاح زید سے کر دیا ہندہ نے عمر سے کہا کہ تم زید کی بیوی بننا قبول کرتی ہو، ہندہ نے کہا میں نے قبول کیا۔ پھر عمر نے زید سے کہا تم نے قبول کیا۔ زید نے کہا میں نے قبول کیا۔ یا ہندہ نے زید سے کہا کہ میں نے تجھ کو اپنے نفس کے اختیار کا مالک کر دیا اور زید نے کہا میں نے قبول کر لیا یا ہندہ نے زید سے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو تجھے ہبہ کر دیا یا میں نے اپنا نفس تیرے ہاتھ فروخت کر دیا یا میں نے اپنے نفس کا اختیار تجھے دیدیا یا میں نے اپنا نفس تجھے صدقہ میں دیدیا اور زید نے قبول کر لیا تو ان سب صورتوں میں نکاح صحیح ہو جائیگا۔

ذیل کے الفاظ کہنے سے نکاح نہیں ہوتا اگر عورت اور مرد دونوں کہیں کہ ہم میاں بی بی ہیں تو ان الفاظ کے کہنے سے نکاح نہیں ہو جاتا۔ اگر عورت نے کہا کہ میں نے تجھے اپنا نفس ٹھیکہ پر یا کرایہ پر یا اجرت پر یا فیس پر دیا میں اپنے آپ کو تجھے بطور عاریت کے سپرد کرتی

ہوں یا ایک ماہ یا دو ماہ کے لئے اپنے نفس کا اختیار تجھے دیتی ہوں تو ان سب صورتوں میں نکاح نہیں ہوگا

نکاح کے شرائط

زوجین میں سے ہر ایک بذات خود یا اُن کے وکیل ایک دوسرے کے کلام کو سن سکیں ۲ دو آزاد عاقل بالغ مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں نکاح کے وقت بطور گواہ کے موجود ہوں، گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے ہاں فاسق یا نابینا ہونے میں کوئی ہرج نہیں ہے لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ گواہ مجنوں نہوں۔ ۳ دونوں گواہوں نے مل کر نکاح کے الفاظ سُنے ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک نے اول سے اور دوسرے نے بعد کو کیونکہ اس صورت میں صرف ایک ہی گواہ باقی رہیگا ۴ اگر لڑکی نابالغہ ہو تو اُس کے ولی کا موجود ہونا یا کم از کم اُسکی اجازت ہونی ضروری ہے۔ ہاں بالغہ عورت کے نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے۔

اگر کسی عورت کے پہلے شوہر سے یا کسی مرد کی پہلی عورت سے دو جوان بیٹے ہوں تو وہ اپنے ماں یا باپ کے نکاح ثانی کے گواہ بن سکتے ہیں، اسی طرح اگر کسی شخص نے دوسرے آدمی سے کہا کہ میری نابالغہ لڑکی کا زید سے نکاح کردے اور اس شخص نے حسب اجازت والد نکاح کر دیا۔ لیکن گواہوں میں صرف اجازت دینے والا باپ اور ایک گواہ اور موجود تھا تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جائیگا، کیونکہ اسوقت باپ عاقد سمجھا جائیگا اور قاضی مع دوسرے شخص کے دو گواہ ہو جائیں گے۔ ہاں اگر باپ حاضر نہ ہو تو نکاح نہ ہوگا۔

اگر کوئی بالغہ عورت موجود ہے اور اُس کا والد اور قاضی بھی موجود ہے تب بھی اُس کا نکاح ہو جائیگا کیونکہ باپ اور قاضی دو گواہ ہو جائیں گے البتہ اگر عورت موجود نہ ہوگی تو چونکہ دو گواہ حاضر نہیں ہیں اس لئے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

نکاح کا خطبہ

ہم ذیل میں دو مسنون خطبے نقل کرتے ہیں پہلا خطبہ تو وہ ہے جس کے راوی حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ ہیں یہ خطبہ مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے اور علماء و محدثین کے نزدیک یہی خطبہ افضل ہے دوسرا خطبہ وہ جو حضرت نجاشی نے اُس وقت پڑھا جب کہ حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ کا نکاح حبش میں رسول اللہؐ کے ساتھ باندھا تھا۔

۱ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ

الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۔ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُھَیْمِنِ الْعَزِیْزِ الْجَبَّارِ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۔

نکاح کا مستحب طریقہ

اگر لڑکی بالغ ہو تو لڑکی کے والد یا ولی کو مناسب ہے کہ اول اُس سے اذن طلب کرے اذن طلب کرنے کے وقت دو گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے، جب لڑکی اذن دیدے یا خاموش رہے یا ہنس دے یا رونے لگے یا ہوں کرے تو آکر قاضی کو اجازت دے دے اور گواہ آکر گواہی دے دیں کہ فلاں عورت کی بیٹی نے اپنا نکاح پڑھانے کے لیے بعوض اتنے مہر کے فلاں شخص کے ساتھ تم کو اپنا وکیل مقرر کیا یا اختیار دیا قاضی یہ سُن کر نکاح کا خطبہ شروع کر دے جب خطبہ پڑھ چکے تو دولھا سے کہے کہ میں نے فلاں بنت فلاں کا نکاح بعوض اتنے مہر کے تمہارے ساتھ کیا تم نے قبول کیا دولھا جواب میں کہے میں نے قبول کیا بس ان الفاظ کے کہنے سے نکاح ہو جاتا ہے اس کے بعد مناسب ہے کہ فاتحہ پڑھیں تاکہ زوجین میں اتفاق اور نکاح میں برکت حاصل ہو نکاح ایسی جگہ ہو کہ سب کو معلوم ہو جائے کیونکہ نکاح کا اعلان ضروری چیز ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ نکاح کی ممانعت فرمائی ہے۔ بلکہ امام مالک کے نزدیک تو اعلان شرط نکاح ہے۔

دُلہن کو گھر لانے کے بعد کیا کرنا چاہیئے

جب دُلہن کو گھر لے آئیں تو اوّل اُسکے پاؤں دھو کر وہ پانی مکان کے چاروں گوشوں میں ڈالیں تاکہ برکت و رحمت نازل ہو اور دلہن دیوانگی و جذام کے مرض سے محفوظ رہے اس کے بعد اُسکی چادر کے گوشہ پر دو رکعت نماز پڑھ کر اُسکی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا جَبَلْتَ عَلَیْھَا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَ عَلَیْھَا۔

ولیمہ کا بیان

مسنون ہے کہ نکاح کے بعد پہلے ہی روز دعوت ولیمہ کی جائے اور اگر دوسرے روز ہو تب بھی جائز ہے۔ تیسرے روز ریاکی علامت ہے اسی طرح نکاح سے قبل دعوت ولیمہ کرنے سے بھی سنت ادا نہیں ہوتی اور نہ ایسا کھانا طعام ولیمہ کہا جا سکتا ہے۔ مسلم و بخاری میں اس

کی بھی ممانعت آئی ہے کہ دعوت ولیمہ میں امیروں اور دولتمندوں کو ہی شریک کیا جائے اور فقراء اور مساکین کو ترک کر دیا جائے۔ لہذا ایسا نہ کرنا چاہیئے، طعام ولیمہ میں زیادہ تکلف کرنا یا فضولخرچی کرنی بھی ممنوع ہے ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ نام و نمود کے لیئے بیدریغ روپیہ صرف کر کے آدمی مفلس ہو جائے کیونکہ قطعاً ناجائز ہے کہ انسان خود اپنے ہاتھوں اپنی تباہی مول لے۔

محرمات کا بیان

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ حرمت علیکم امہاتکم و بناتکم و اخواتکم و عماتکم و خالاتکم و بنات الاخ و بنات الاخت و ربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بہن فان لم تکونوا دخلتم بہن فلا جناح علیکم و امہات نسائکم۔ ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم و حلائل ابنائکم الذین من اصلابکم و امہاتکم اللاتی من ارضعنکم و اخواتکم من الرضاعۃ

یعنی مذکورۂ ذیل عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ مائیں۔ بیٹیاں۔ بہنیں۔ پھوپیاں۔ خالائیں بھتیجیاں۔ بھانجیاں۔ اُن بیویوں کی بیٹیاں جنسے منافع جنسی حاصل کر لیئے ہوں اور اگر صحبت کامل نہ کی ہو تو اُن کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح درست ہے، خوشدامن۔ باپ کی بیوی حقیقی بیٹیوں کی بیویاں دودھ پلائی مائیں یعنی انائیں۔ دودھ شریک بہنیں۔

یہ کل تیرہ اقسام کی عورتیں ہوئیں جنکی تفصیل نمبروار ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

حقیقی ماں کے ساتھ نکاح حرام ہے

اس حرمت میں نانی پرنانی سکرنانی وغیرہ اور دادی پردادی سکردادی وغیرہ داخل ہے کیونکہ یہ بھی درحقیقت مائیں ہیں۔

حقیقی بیٹیاں بھی حرام ہیں

اس میں پوتی پرپوتی سکرپوتی اور نواسی پرنواسی وغیرہ داخل ہیں۔

حقیقی بہنوں کے ساتھ نکاح حرام ہے

اسمیں وہ بہنیں بھی داخل ہیں جو اخیافی یا علاتی ہوں یعنی اُن بہن بھائی کا باہم نکاح حرام ہے جنکے ماں باپ ایک ہوں یا ماں ایک ہو اور باپ علٰحدہ علٰحدہ ہوں یا باپ ایک ہو اور ماں علٰحدہ علٰحدہ ہو۔

پھوپیوں سے بھی نکاح حرام ہے

یعنی باپ کی حقیقی بہنیں ہوں یا اخیافی یا علاتی۔ سب سے نکاح حرام ہے

خالاؤں سے بھی نکاح حرام ہے

یعنی ماں کی حقیقی بہنیں یا اخیافی بہنیں یا علاتی بہنیں سب حرام ہیں

بھتیجیوں سے بھی نکاح جائز نہیں

یعنی بھائی کی لڑکیاں خواہ بھائی حقیقی ہو یا اخیافی یا علاتی

بھانجیوں سے بھی نکاح ناجائز ہے خواہ بہن حقیقی ہو اخیافی ہو یا علاتی ہو۔

مدخول بہا بیوی کی بیٹی سے نکاح حرام ہے یعنی اگر عورت سے صحبت کرلی ہو تو پھر اُسکو طلاق دیکر بھی اُسکے پہلے شوہر کی لڑکی سے نکاح حرام ہے کیونکہ صحبت کے بعد حکماً یہ پہلے شوہر والی بیٹی اُسکی بیٹی مانی جائیگی، ہاں اگر صحبت نہ کی ہو صرف نکاح کرکے طلاق دے دی ہو تو ایسی صورت میں مطلقہ کی بیٹی سے نکاح ناجائز نہیں ہے۔ ترمذی میں بروایت ابن عباس اور بروایت ابن عمرو بن العاص وارد ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے تو اُسپر اُس عورت کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے بشرطیکہ صحبت کرلی ہو اور اگر صحبت نہ کی ہو تو جائز ہے۔

خوش دامن سے نکاح کرنا حرام ہے یعنی بیوی کی ماں یا نانی یا دادی یا پرنانی یا پردادی وغیرہ سب سے نکاح حرام ہے۔

سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے یعنی باپ کی بیوی دادا پردادا کی بیوی اسی طرح نانا کی بیوی پرنانا کی بیوی وغیرہ سب سے نکاح حرام ناجائز ہے۔

حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے اس میں بیٹے کی بیوی پوتے کی بیوی پرپوتے کی وغیرہ نواسے کی بیوی پرنواسے کی بیوی وغیرہ داخل ہیں ہاں لے پالک اور متبنیٰ کی بیوی سے نکاح درست ہے۔

اپنی انا سے نکاح ناجائز ہے یعنی وہ عورت جس نے اپنے دُودھ کا ایک قطرہ بھی پلایا ہو اسکے ساتھ نکاح درست نہیں۔

دودھ شریک بہن سے بھی نکاح حرام ہے اِن دونوں صورتوں کے مسائل و احکام کا دائرہ بہت وسیع ہے، خلاصہ یہ سمجھنا چاہیے کہ جو سلسلہ اصل و فروع نسب کی وجہ سے حرام ہے وہی سلسلہ رضاعت کی وجہ سے حرام ہے چنانچہ انا انا کی ماں انا کی نانی پرنانی دادی پردادی، انا کی بہن وغیرہ سب حرام ہیں اسی طرح نسبی بہن کی رضاعی بیٹی رضاعی بہن کی نسبی بیٹی اور رضاعی بہن کی رضاعی بیٹی نسبی بھائی کی رضاعی بیٹی۔ رضاعی بھائی کی نسبی بیٹی اور رضاعی بھائی کی رضاعی بیٹی یہ سب عورتیں حرام ہیں وعلیٰ ہذا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو سلسلہ نسب سے حرام ہے وہی سلسلہ رضاعت سے بھی حرام ہے (رواہ البخاری والمسلم)

یہاں تک اُن اقسام محرمہ کا بیان تھا جنسے نکاح کی حرمت اشتراک نسب یا رضاعی بیعت سے

تھی چند قسمیں اور بھی ہیں جن سے نکاح کی حرمت کسی خارجی سبب کی وجہ سے ہے اگر وہ سبب موجود نہ ہو تو فی نفسہٖ اُن سے نکاح حرام نہیں ہے۔

۱۔ جس عورت سے زنا کیا ہو یا نفسانی شہوت سے اُس کو چھوا ہو تو ایسی عورت کی اصل و فرع۔ سب کے ساتھ نکاح کرنا اُس مرد پر حرام ہے۔ نفسانی شہوت کے ساتھ چھونے کے یہ معنی ہیں کہ چھونے سے مرد یا عورت کی شہوت میں ہیجان ہو جائے۔

۲۔ دو بہنوں کو ایک وقت میں نکاح میں رکھنا حرام ہے یعنی دو بہنوں کو ایک وقت میں نکاح میں رکھنا جائز ہے جس کو اجتماعی حالت کہا جا سکتا ہے مثلاً دونوں نکاح میں ہوں۔ یا ایک کو طلاق دیدی اور اُسکی عدت گزرنے سے قبل دوسری سے نکاح کر لیا تو یہ ناجائز ہے۔ حضور اکرمؐ نے فیروز دیلمی سے فرمایا تھا کہ دو بہنوں میں جسکو چاہو پسند کر لو (اور دوسری کو ترک کر دو) (ترمذی ابوداؤد)

۳۔ اُن دو عورتوں کو نکاح میں بیک وقت جمع رکھنا حرام ہے جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کر لیں تو اُن کا آپس میں نکاح ناجائز ہو۔ مثلاً ایک شخص نے اول کسی عورت سے نکاح کیا تو اب اُس عورت کی پھوپھی خالہ بھتیجی اور بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ اگر عورت کی پھوپھی کو مرد فرض کریں تو گویا یہ پھوپھی نہ ہوئی بلکہ اِس کی بیوی کا چچا ہوا اور چچا بھتیجی کا نکاح درست نہیں۔ اسی طرح اگر خالہ کو مرد فرض کریں تو یہ خالہ خالہ نہ ہوگی بلکہ بیوی کا ماموں ہوگا۔ اور ماموں بھانجی کا نکاح درست نہیں اور اگر بیوی کی بھتیجی کو مرد فرض کریں تو بھتیجی نہ ہوگی بلکہ بھتیجا ہوگا اور پھوپھی و بھتیجی کا باہم نکاح درست نہیں اسی طرح اگر عورت کی بھانجی کو مرد فرض کریں تو یہ بھانجی نہ ہوگی بلکہ بھانجا ہوگا اور خالہ بھانجی کا نکاح ناجائز ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے نہ جمع کیا جائے درمیان کسی عورت اور اُسکی پھوپھی کے اور نہ درمیان کسی عورت اور اُسکی خالہ کے (بخاری و مسلم) دوسری حدیث میں آیا ہے نہ نکاح کی جائے کوئی عورت اپنی پھوپھی پر اور نہ پھوپھی اپنی بھتیجی پر اور بھانجی خالہ پر اور نہ خالہ بھانجی پر اور نہ نکاح کی جائے بڑی چھوٹی پر اور نہ چھوٹی بڑی پر (ابوداؤد ترمذی)

۵۔ مشرک عورت سے نکاح حرام ہے یعنی بت پرست۔ ستارہ پرست آتش پرست خلاصہ یہ کہ اُن عورتوں سے نکاح حرام ہے جو غیر اللہ کی پرستش کرتی ہوں۔

۶۔ چار منکوحہ عورتیں ہونے کے باوجود پانچویں سے نکاح حرام ہے۔ یعنی اگر چار بیویاں زندہ ہوں تو پانچویں سے نکاح صحیح نہیں بلکہ اگر کسی عورت کو طلاق بھی دیدی ہو مگر عدت نہ منقضی ہوئی ہو تب بھی پانچویں سے نکاح ناجائز ہے۔

اگر عورت حاملہ ہو اور حمل کا نسب معلوم ہو تو اُس عورت سے بھی حالت حمل میں نکاح ناجائز ہے بشرطیکہ حمل کسی غیر کا ہو۔

محرمات کی شناخت کیلئے ذیل کا نقشہ دیکھو

نمبر		
۱	مرد کی اصل	ماں دادی - پردادی - نانی پرنانی وغیرہ جس قدر بالائی سلسلہ ہے مثلاً پھوپھی خالہ وغیرہ
۲	مرد کی فروع	بیٹی - پوتی - پروتی - نواسی - پرنواسی وغیرہ جس قدر زیریں سلسلہ ہے مثلاً بھانجی بھتیجی وغیرہ۔
۳	رضاعت کا پورا سلسلہ	انا۔ انا کے فروع اور انا کے اصول کا پورا سلسلہ۔
۴	اشتراک خون کا سلسلہ	بہن حقیقی اخیافی علاتی وغیرہ۔
۵	باپ دادا کی منکوحہ	سوتیلی ماں - سوتیلی دادی - سوتیلی نانی وغیرہ۔
۶	بیٹے کی بیوی	یعنی بیٹے کی نواسے کی پوتے کی بیویاں وعلی ہذا۔
۷	جس عورت سے زنا رحقیقی یا حکمی کیا ہو اُس کی اصل و فرع کا سلسلہ	یعنی جس عورت سے زنا کیا ہو یا شہوت سے چھوا ہو اُس کی ماں نانی دادی وغیرہ اسی طرح بیٹی پوتی نواسی وغیرہ
۸	مدخولہ بیوی کا پورا سلسلہ نسب	یعنی ساس - ساس کی ماں ۔ نانی دادی وغیرہ اور بیوی کی بیٹی پوتی - نواسی وغیرہ۔
۹	غیر مدخولہ بیوی کا سلسلہ اصل فقط	یعنی جس عورت سے صحبت نہ کی ہو اور اُسکو طلاق دیدی ہو یا وہ مرگئی تو اُسکی ماں نانی دادی وغیرہ سے نکاح جائز نہیں البتہ بیٹی پوتی وغیرہ سے جائز ہے۔
۱۰	جن دو عورتوں میں علاقۂ رحم یا اشتراک خون ہو۔ اُن کو ایک وقت میں جمع کرنا.	مثلاً دو بہنیں. پھوپھی بھتیجی - خالہ بھانجی وغیرہ۔
۱۱	غیر اللہ کی پرستش کرنے والی عورت	ہندو آتش پرست - بدھ - مہابیری جین وغیرہ۔
۱۲	حاملہ بشرطیکہ حمل مجہول الاب ہو۔	

وہ عورتیں جن سے نکاح جائز ہے ذیل کی عورتوں سے نکاح جائز ہے:۔

۱۔ اپنی بیوی کی سوتیلی بیٹی سے ۲۔ یہودن سے ۳۔ نصرانیہ سے ۴۔ باندی سے ۵۔ جس عورت سے خود زنا کیا ہو ۶۔ اُس حاملہ سے جس کا حمل اُسی شخص کے نطفہ سے ہو ۷۔ محرم کا غیر محرم سے ۸۔ محرمہ کا غیر محرم سے۔

متعہ کی حرمت متعہ کے یہ معنے ہیں کہ مرد عورت سے کہے کہ میں بعوض اتنے مال کے اتنی مدت کے لئے تجھ سے متعہ کرنا چاہتا ہوں۔ ائمہ اربعہ اور علماء اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق متعہ حرام ہے صحابہ کا بھی اس پر اجماع ہے تابعین بھی اس پر متفق ہیں، خدا تعالیٰ فرماتا ہے فمن ابتغی وراء ذالك فاولئك هم العادون۔ یعنی جو لوگ اپنی بیویوں اور باندیوں کے علاوہ اور عورتوں کی طلب کرتے ہیں وہ زیادتی کرنے والے ہیں اور چونکہ متوعہ عورت کو زوجہ نہیں کہا جاتا۔ اور نہ اُسکو کامل حقوق زوجیت حاصل ہوتے ہیں جو فرقہ متعہ کی حلت کا قائل ہے اُس کے نزدیک بھی متوعہ عورت کو حق وراثت حاصل نہیں ہے لہذا متعہ قطعاً حرام ہے صرف حضرت ابن عباسؓ اس کی حلت کے قائل تھے لیکن آخر میں اُنہوں نے بھی اس قول سے رجوع کر لیا چنانچہ اسکی تفصیل آئندہ آتی ہے صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضور اقدس نے ایک موقعہ پر فرمایا لوگو میں نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ لیکن اب سے قیامت تک کے لئے خدا تعالیٰ نے متعہ حرام کر دیا لہذا جس شخص کے پاس ایسی عورت ہو تو اُسکو چھوڑ دے اور جو کچھ اُس کو دیدیا ہے واپس نہ لے ابن ماجہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے خطبہ پڑھا۔ دوران خطبہ میں فرمایا کہ رسول اللہؐ نے متعہ کی تین بار اجازت دی تھی لیکن بعد کو حرام کر دیا۔ لہذا اب اگر کوئی شادی شدہ شخص متعہ کریگا تو میں اسکو سنگسار کرونگا۔ ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا حال ہے اُن لوگوں کا جو نکاح متعہ کرتے ہیں، حالانکہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے منع فرما دیا ہے میرے پاس جو متعہ کرنے والا آئیگا میں اُسکو سنگسار کرونگا حضرت ابن عمرؓ سے متعہ کا حکم دریافت کیا گیا تو فرمایا متعہ حرام ہے عرض کیا گیا کہ ابن عباس تو اسکی حلت کا فتویٰ دیتے ہیں فرمایا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کیوں نہیں دیا، مسلم نے بروایت حضرت سلمہ بن اکوع بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ہم کو متعہ کی تین بار اجازت دی لیکن اسکے بعد منع فرما دیا۔ مسلم نے بروایت سبرہ بن معبد بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے سال جب ہم مکہ میں داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو متعہ کی تین بار اجازت دی لیکن ہم مکہ سے نکلنے نہ پائے تھے کہ آپنے متعہ کی ممانعت فرمادی حازمی نے بروایت جابر بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے غزوہ تبوک میں خطبہ پڑھا دوران خطبہ میں حمد

خدا کے بعد متعہ کی ممانعت فرمادی بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ نے سُنا کہ حضرت ابن عباسؓ متعہ کے معاملہ میں کچھ نرمی سے کام لیتے ہیں حضرت علیؓ نے فرمایا ابن عباس اس چال کو چھوڑ دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ کی اور گدھے کے گوشت کی ممانعت فرمادی ہے، احادیث مذکورہ کے علاوہ اور بہت سے اخبار و آثار حرمت متعہ پر دلالت کرتے ہیں۔ صرف عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ آپ حلت متعہ کے قائل تھے چنانچہ بعد کو فقہا میں سے بھی چند اشخاص نے ابن عباس کے قول پر فتویٰ دیا مثلاً ابن جریج طاؤس عطار سعید بن جبیر وغیرہ لیکن بیہقی نے بروایت زہری بیان کیا ہے کہ آخر دور حیات میں حضرت ابن عباس نے حلت متعہ کے قول سے رجوع کر لیا تھا ابوعوانہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے تفسیر مظہری میں ابوعوانہ کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابن جریج نے بھی حلت متعہ کا قول ترک کر دیا تھا۔ ترمذی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے متعہ ابتداء اسلام میں حلال تھا جب کوئی شخص کسی اجنبی شہر میں آتا تھا اور اُسکو شہر کی حالت کا علم نہ ہوتا تھا تو وہ بہ مقدار مدت قیام کسی عورت سے متعہ کر لیتا تھا۔ یہ عورت اُسکے مال کی نگرانی کرتی تھی اور اُسکے تمام سامان کو درست کرتی تھی لیکن جس وقت آیت الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم نازل ہوئی تو متعہ حرام ہو گیا۔ لہٰذا اب ہر عورت سوائے بیوی یا باندی کے حرام ہے۔

نکاح موقت کا حکم نکاح موقت اور متعہ قریب قریب ہے متعہ میں بھی عموماً مدت معین ہوتی ہے اور نکاح موقت میں بھی لیکن نکاح کے وقت دونوں کے الفاظ میں فرق ہوتا ہے متعہ کے الفاظ تو یہ ہوتے ہیں کہ میں بعوض اتنے روپیہ کے تجھ سے متعہ کرتا ہوں اور نکاح موقت کے الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ میں بعوض اتنے مہر کے ایک ماہ کے لیے یا دس روز کے لیے یا ایک روز کے لیے تجھ سے نکاح کرتا ہوں یہ توقیت بھی بہ اجماع صحابہ و ائمہ باطل ہے اور زنا کا حکم رکھتا ہے۔ صرف امام زفرؒ اس کی حلت کے قائل ہیں اور وہ بھی چند شرائط کے ساتھ جن کا یہاں ذکر کرنا موجب طوالت ہے۔ البتہ نکاح بہر صورت صحیح ہے۔

نکاح کی ولایت عورت عاقلہ بالغہ کو خواہ وہ ثیب ہو یا دوشیزہ اختیار ہے کہ وہ بغیر موجودگی ولی کے اپنا نکاح جس سے چاہے کر لے خواہ وہ شخص کفو ہو یا نہ ہو لیکن ولی کو بھی یہ حق ہے کہ اگر لڑکی نے غیر کفو میں نکاح کیا ہو تو حاکم وقت سے کہہ کر فسخ کرا دے مختلف حدیثیں اس امر پر دال ہیں کہ عورت کو بشرط بالغہ ہو اپنے نفس کا خود اختیار حاصل ہے، چنانچہ مسلم نے۔ مالک نے۔ ابوداؤد نے۔ ترمذی نے۔ نسائی نے اور بعض دیگر محدثین نے اس قسم کی بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ البتہ نابالغہ عورت کا نکاح خواہ عورت ثیب ہو یا دوشیزہ بغیر اذن ولی کے نہیں ہو سکتا۔ اور ولی کے لیے جائز ہے کہ اپنے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا اپنی

طرف سے کسی کے نکاح میں کردے۔

ولی کا کیا ہوا نکاح کیا قابل فسخ ہے؟ اگر باپ یا دادا نے اپنے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح لازم ہو گیا بالغ ہونے کے بعد حنفیہ کے نزدیک اولاد کو فسخ کر دینے کا حق نہیں ہے اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے نکاح کر دیا ہو تو لڑکے اور لڑکی کو حق ہے کہ بالغ ہونے کے بعد چاہے نکاح فسخ کر دیں یا برقرار رکھیں۔

چند مسائل مسئلہ اگر دوشیزہ لڑکی بالغ ہوئی تو اُس کو چاہیئے کہ فوراً نکاح کی اجازت یا فسخ کا اظہار کر دے ورنہ اگر خاموش بیٹھی رہے گی تو رضامندی سمجھی جائیگی۔ مثلاً ہندہ کا نابالغی کی حالت میں کسی ولی نے علاوہ باپ دادا کے زید سے نکاح کرا دیا اور کچھ زمانہ کے بعد ہندہ بالغ ہوئی تو ہندہ کو چاہیئے کہ فوراً اپنی رائے کا اظہار کرے، خواہ اس کو پہلے سے اپنے نکاح کا علم ہو یا بعد بلوغ کے علم ہوا ہو اگر خاموش بیٹھی رہے گی تو رضا سمجھی جائے گی اور پھر فسخ کا حق باقی نہ رہے گا۔ بلکہ اس مسئلہ سے ناواقفیت کا عذر بھی مسموع نہ ہوگا مسئلہ اگر عورت ثیبہ ہو یا لڑکا ہو تو یہ دونوں جبتک بالتصریح اپنی رائے کا اظہار نہ کر دیں تو اسوقت تک ان کا اختیار فسخ باطل نہیں ہوتا یا کم از کم کوئی ایسا فعل کرنا چاہیئے کہ جس سے فسخ نکاح ثابت ہوتا ہو مسئلہ فسخ نکاح کے لیئے یہ لازم ہے کہ قاضی یا حاکم کے سامنے فسخ کیا جائے ورنہ فسخ ثابت نہیں ہوتا۔

اجازت نکاح کا طریقہ اگر بالغہ دوشیزہ سے ولی نے اذن طلب کیا اور وہ خاموش رہی یا ہنس دی تو اذن ہو گیا کیونکہ حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ صحابہ نے رسول اکرمؐ سے دریافت کیا کہ دوشیزہ کا اذن کس طرح ہے آپ نے فرمایا دوشیزہ کا اذن اس طرح ہے کہ وہ خاموش رہے (بخاری و مسلم) مسلم کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ بکر سے اذن مانگا جائے اور خاموش رہنا ہی اُس کا اذن ہے ابن ماجہ کی روایت میں آیا ہے کہ دوشیزہ کی رضامندی اُس کی خاموشی ہے اسی طرح اگر بغیر آواز کے طلب اذن کے وقت لڑکی رو دیگی تب بھی اذن شمار کیا جائیگا۔ ہاں اگر آواز سے رو دے تو یہ رضامندی شمار نہ ہوگا۔ بلکہ ناراضی کا اس سے اظہار ہوتا ہے۔ لیکن سکوت کو رضامندی پر اُسوقت محمول کیا جائیگا کہ شوہر کا نام لیکر لڑکی سے اذن مانگا جائے اور ولی اقرب اذن طلب کرے اگر شوہر کا نام نہ لیا یا غیر ولی نے اذن طلب کیا یا ولی اقرب کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے ولی نے اذن مانگا مثلاً باپ کے ہوتے ہوئے بھائی نے اذن لیا اور لڑکی خاموش رہی تو اس سے رضامندی کا ثبوت نہیں ہو سکتا بلکہ اسوقت زبان سے نکلا ادر اذن دینا ضروری ہے اگر عورت دوشیزہ نہ ہو بلکہ ثیبہ بالغہ ہو تو بہر صورت بغیر زبان سے کہے ہوئے اذن نہیں ہوتا خواہ ولی کوئی ہو

اولیا نکاح کی ترتیب اول یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ سوائے عصبہ حنفیہ کے کسی کو ولایت

نکاح کا حق حاصل نہیں ہے یعنی صرف وہی شخص ولی ہو سکتا ہے کہ جسکے رشتہ کے سلسلہ میں کسی عورت کا واسطہ نہ پڑتا ہو مثلاً باپ دادا - چچا - بیٹا - پوتا - لہذا نانا ولی نہیں ہو سکتا - کیونکہ نانا اور نواسی کے درمیان رشتہ میں عورت کا واسطہ ہے اسی طرح عصبہ بالغیر اور عصبہ مع الغیر بھی ولی قرار نہیں دیئے جاسکتے عصبہ بالغیر چار عورتیں ہیں بیٹی پوتی حقیقی بہن علاتی بہن اور عصبہ مع الغیر وہ ہے جو دوسرے کے ساتھ مل کر عصبہ ہو مثلاً بہن بیٹی کے ساتھ مل کر عصبہ ہوتی ہے - یہ بات بھی جان لینا چاہیئے کہ ولایت نکاح کی وہی ترتیب ہے جو وراثت کی ہے یعنی اول فرع کو تقدیم ہے پھر اصل کو پھر اصل کے قریب کے قریب اجزار کو پھر اصل کے قریب کے بعید اجزار کو پھر اصل بعید کے قریب اجزار کو پھر اصل بعید کے بعید اجزار کو - چنانچہ اس کی تفصیل سمجھنے کے لیئے ذیل کا نقشہ دیکھو:-

فرع	بیٹا پوتا پر دتا - سکر دتا - آخر نسل تک -
اصل	باپ دادا پر دادا سکر دادا - آخر اصل تک -
اصل قریب کے قریبی اجزا	حقیقی بھائی - یا علاتی بھائی - یہ دونوں اسی کے اصل قریب یعنی باپ کے قریبی اجزار یعنی بیٹے ہوتے ہیں -
اصل قریب کے بعید اجزا	بھتیجہ - بھتیجے کا بیٹا بھتیجہ کا پوتا بھتیجہ کا پر دتا وغیرہ - کیونکہ یہ سب لوگ باپ کے اجزار بعیدہ ہیں -
اصل بعید کے قریبی اجزا	چچا کیونکہ چچا دادا کا بیٹا ہوتا ہے اور دادا اصل بعید ہے -
اصل بعید کے بعید اجزار	چچا کے بیٹے پوتے پر دتے سکر دتے وغیرہ
اصل ابعد کے قریبی اجزا	باپ کا چچا - کیونکہ پر دادا اصل ابعد ہیں اور باپ کا چچا اُسکا قریبی جز ہے -
اصل ابعد کے بعید اجزار	باپ کے چچا کے بیٹے پوتے پر دتے سکر دتے وغیرہ
یہی ترتیب اصل کی سمجھی جائیگی	مثلاً دادا کا چچا اس کے بعد دادا کے چچا کے بیٹے پوتے پر دتے سکر دتے وغیرہ
والدہ	
دیگر ذوی الارحام لیکن حسب رعایت قرابت	ذوی الارحام وہ لوگ ہیں جن کا میراثی حصہ قرآن و حدیث میں مذکور نہیں نہ اجماع سے ثابت ہے اور نہ وہ عصبات ہوتے ہیں - مثلاً نواسہ پوتی کا بیٹا نانا پر نانا - بھانجا - ماموں وغیرہ ان میں جس کا رشتہ قریب ترین ہوگا - وہی ولایت نکاح کا زیادہ حقدار ہوگا - مثلاً نواسہ مقدم ہے پر نواسا پر نانا مقدم ہے پر نانا پر

ولایت نکاح کے متعلق چند ہدایات	۱ - قریب ترین رشتہ دار کو بعید پر حق ولایت نکاح

میں ترجیح ہے چنانچہ حقیقی بھائی کو علاتی بھائی پر ترجیح ہے [۱] کافر کو مسلمان کا حق نکاح اور مسلمان کو کافر کا حق نکاح نہیں ہے [۲] اگر ولی قریب غائب ہو اور جس شخص سے نکاح ہو رہا ہے وہ عورت کا کفو ہے اور ولی قریب کا انتظار نہیں کرتا تو مجبوراً ولی بعید کو حق ولایت نکاح پہنچتا ہے اور جائز ہے کہ ولی البعید نکاح کرادے مثلاً ہندہ کا باپ کہیں غائب ہے اور بھائی موجود ہے اور ہندہ کا نکاح زید سے ہو رہا ہے لیکن زید کہتا ہے کہ میں ہندہ کے والد کے آنے کا انتظار نہیں کرونگا تو مجبوراً جائز ہے کہ ہندہ کا بھائی ہندہ کا نکاح پڑھوادے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر ولی قریب اتنی دور پر ہو کہ تین روز سے کم میں نہ آسکتا تو یہ غیبت منقطعہ کہلاتی ہے اور اُس وقت جائز ہے کہ ولی بعید نکاح پڑھوادے [۴] اگر کوئی عورت دیوانی ہو اور اُس کا باپ اور بیٹا دونوں موجود ہوں تو حق ولایت نکاح بیٹے کو ہے [۵] بالغہ عورت پر کسی کو جبر یہ حق ولایت حاصل نہیں ہو سکتا۔ خواہ دوشیزہ ہو یا ثیبہ۔

کفو کا بیان کفارت کے لغوی معنی برابری اور مساوات کے ہیں اور شرعی کفارت کے معنی ہیں کہ میاں بی بی مذکورہ ذیل امور میں مساوی ہوں۔ قوم[۱]۔ اسلام[۲]۔ دینداری[۳]۔ مال[۴]۔ پیشہ[۵]۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ شوہر کی قوم۔ بیوی کی قوم کے مساوی ہونی چاہیئے، مگر یہ حکم صرف عرب کے لیے ہے غیر عرب اس سے مستثنےٰ ہیں [۲] جس کی صرف ایک پشت مسلمان ہو یعنی باپ مسلمان ہوا ہو وہ قدیم الاسلام خاندان والی عورت کا مساوی نہیں ہو سکتا۔ ہاں جسکی دو پشتیں مسلمان گذری ہوں یعنی باپ دادا مسلمان ہوئے ہوں تو وہ قدیم الاسلام خاندان والی عورت کا ہم رُتبہ سمجھا جائیگا اور جو شخص بدچلن ہو علی الاعلان بدرفتاری میں مبتلا ہو وہ صالح اور صحیح کیرکٹر رکھنے والے انسان کی بیٹی کا ہم رتبہ نہیں ہے [۴] جو شخص مہر معجل یعنی مہر کی اتنی مقدار ادا کرنے سے قاصر ہے جو نکاح کے وقت دی جاتی ہے وہ کسی عورت کا کفو نہیں۔ ہاں جو مہر معجل ادا کرنے پر قادر ہو وہ ہر مالدار عورت کا کفو سمجھا جائیگا، اسیطرح جو بیوی کے مصارف ضروریہ پورے کرنے سے قاصر ہے وہ بھی نکاح کرنے کا اہل نہیں ہے [۵] پیشہ کی شرافت اور ذلت کا بھی لحاظ ضروری ہے۔ حجام دھوبی نفر جولاہہ وغیرہ بزاز بجلیداد کسی شریف پیشہ کرنیوالے کا آدمی مساوی نہیں ہے نکاح میں کفارت کا لحاظ رکھنا مسنون ہے اگرچہ غیر کفو میں بھی نکاح ہو جاتا ہے لیکن با جازت ولی ہوتا ہے اگر ولی اجازت نہ دے تو غیر کفو میں نکاح نہیں ہو سکتا۔

وکالت نکاح اور فضولی نکاح کا بیان جو شخص خود اپنے ساتھ نکاح کرے اُسکو اصیل کہتے ہیں اور اگر کسی دوسرے شخص کا اُسکی اجازت سے نکاح کرے تو وہ وکیل کہلاتا ہے۔ اور اگر کسی دوسرے شخص کا اُس کی اذن کے بغیر نکاح کرائے اور ان دونوں میں وہ سلسلۂ قرابت ہو جو ولایت نکاح میں

معتبر ہے تو اُس کو ولی کہتے ہیں اور اگر کوئی اجنبی شخص کسی کا نکاح بغیر اُسکی اطلاع و اجازت کے کرادے تو یہ شخص فضولی کہلاتا ہے۔

نکاح فضولی کے احکام نکاح فضولی جائز ہے لیکن اجازت پر موقوف ہے یعنی اگر کسی اجنبی شخص نے ہندہ کا نکاح اُس کی اطلاع و اذن کے بغیر زید سے پڑھوا دیا تو نکاح جائز ہے مگر ہندہ کے اذن پر نفاذ نکاح موقوف ہے اگر ہندہ اظہار رضامندی کردیگی نکاح نافذ ہو جائیگا ورنہ باطل ہو جائیگا

نکاح فضولی کے چند مسائل نکاح کی چند مختلف صورتیں ہوتی ہیں جو ذیل میں درج کیجاتی ہیں ۱ ایک ہی شخص اصیل بھی ہو اور ولی بھی مثلاً ہندہ کے چچا کا بیٹا اپنے ساتھ ہندہ کا نکاح کرے ہندہ کو اُسکی اطلاع بھی نہ ہو اور دوسرا کوئی ولی بھی موجود نہ ہو خود ہی اپنے دلمیں وہ ایجاب بھی کرے اور قبول بھی۔ ایک شخص خود ہی اصیل ہو اور خود ہی وکیل مثلاً ہندہ نے زید سے کہا کہ تم میرا نکاح اپنے ساتھ کرلو اور زید نے خود ہی نکاح کرلیا ۳ ایک شخص لڑکی اور لڑکے دونوں کا ولی ہو مثلاً زید اپنی لڑکی یا لڑکے کا نکاح اپنے بھتیجے یا بھتیجی سے کرادے ۴ ایک شخص دونو طرف سے وکیل ہو مثلاً ہندہ نے زید کو اپنے نکاح کا وکیل مقرر کیا اور عمر نے بھی زید کو ہی اپنے نکاح کا وکیل بنایا اور زید نے عمر و ہندہ کا باہم نکاح کردیا۔ ۵ ایک شخص ایک طرف سے وکیل مقرر ہو اور دوسری طرف سے ولی۔ مثلاً زید کو عمر نے اپنے نکاح کا وکیل کیا اور زید ہندہ کا باپ ہے لہذا زید نے عمر کا نکاح اپنی دختر ہندہ سے کردیا۔ یہ سب صورتیں جائز ہیں لیکن مندرجہ ذیل چار صورتیں ناجائز ہیں ۱ ایک شخص اصیل اور فضولی ہو مثلاً زید نے ہندہ کی اذن کے بغیر اور اُس کی بدون اطلاع اپنے ساتھ اُس کا نکاح کرلیا۔ خود ہی دل میں ایجاب کرلیا اور خود ہی یہ صورت باطل ہے خواہ اطلاع کے بعد ہندہ اذن ہی دیدے ۲ ایک ہی شخص ایک طرف سے ولی ہو اور دوسری طرف سے فضولی۔ مثلاً زید ہندہ کا ولی ہے اور اُس نے عمر کی اطلاع کے بغیر عمر کا نکاح ہندہ کے ساتھ کردیا۔ اب اگر عمر اطلاع کے بعد اذن بھی دیدے تب بھی یہ نکاح جائز نہیں ۳ ایک طرف سے ایک شخص وکیل ہو اور دوسری طرف سے فضولی مثلاً زید عمر کے نکاح کا وکیل ہے اور اُس نے ایک اجنبی عورت ہندہ نامی کا اُس کے اذن و اطلاع کے بغیر عمر سے نکاح کردیا یہ صورت بھی ناجائز ہے ۴ ایک شخص دونوں طرف سے فضولی ہو مثلاً زید کا نہ عمر سے کوئی تعلق نہ ہندہ سے اور خواہ مخواہ خود ہی اپنے دلمیں یہ دونوں کا نکاح کردیتا ہے یہ صورت بھی باطل ہے۔

مہر کی مقدار کم از کم مہر کی مقدار حنفیہ کے نزدیک دس درہم یعنی تقریباً ۳ع ہونا ضروری ہے اس سے کم مہر نہیں ہوسکتا اور زائد کی کوئی مقرر مقدار نہیں جتنا چاہے مقرر کرے۔ اگر دس درہم

سے کم مہر باندھا تو دس درہم ہی دینے ہونگے ہاں اگر دس یا دس سے زائد مقرر کئے تو مقدار مقرر کردہ دینی ہوگی بشرطیکہ صحبت کرلی ہو یا کم از کم خلوت صحیحہ کرلی ہو یا زوجین میں سے کوئی مرجائے۔ اور اگر خلوت صحیحہ یا جماع سے قبل طلاق دیدی تو نصف مہر دینا ہوگا۔

نکاح شغار کا حکم نکاح شغار اُس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کردے کہ اُس کی بیٹی سے اپنے ساتھ نکاح کرے اور کچھ مہر مقرر نہ کیا جائے۔ رسول اللہؐ نے اس نکاح کی ممانعت فرمائی ہے لیکن اگر یہ نکاح کرلیا جائے تو لازم ہو جاتا ہے اور مہر مثل ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ خلوت صحیحہ یا جماع ہو گیا ہو یا احد الزوجین میں سے کسی کا انتقال ہو گیا ہو۔

نکاح مفوضہ کا حکم نکاح مفوضہ کے یہ معنی ہیں کہ کوئی عورت یا اُس کا ولی بدوں ذکر مہر کے نکاح کردے یا اس شرط پر نکاح کرے کہ مہر کچھ نہیں ہے یہ نکاح بھی درست نہیں لیکن اگر کرلیا جائے تو مہر مثل لازم ہو جاتا ہے بشرطیکہ خلوت صحیحہ یا وطی کرلی ہو یا زوجین میں سے کوئی قبل جماع مرگیا ہو اور اگر خلوت صحیحہ یا جماع سے قبل طلاق دیدی تو شوہر کی وسعت مالی اور طاقت کو دیکھتے ہوئے کچھ کپڑے اور سامان عورت کو دلایا جائیگا مہر نہ دیا جائے گا۔

نکاح کی مندرجہ ذیل صورتیں ناجائز ہیں لیکن اگر اختیار کرلی جائیں تو خلوت صحیحہ یا جماع کے بعد یا زوجین میں سے کسی کے انتقال کے بعد مہر مثل کامل ادا کرنا ہوگا اور اگر خلوت صحیحہ یا جماع سے قبل طلاق دیدی یا زوجین میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو عورت کو کچھ لباس اور ضروری اشیاء بقدر وسعت مالی دیا جائیگا۔ ۱؎ کسی حرام چیز کو مہر مقرر کیا مثلاً شراب کو یا سور کو مہر بنایا۔ ۲؎ کوئی کپڑا یا کوئی جانور مہر میں بنا مقرر کیا اور کپڑے و جانور کے ضروری حالات و اوصاف نہ بیان کئے مثلاً یہ کہا کہ مہر میں ایک گائے دیجائیگی یا کچھ چڑھاوا دیا جائیگا یا کوئی جوڑا دلہن کا دیا جائیگا۔ ۳؎ تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا۔ مثلاً یہ کہا کہ میں اس عورت کا مہر یہ مقرر کرتا ہوں کہ اُس کو قرآن پڑھا دونگا۔ ۴؎ اس شرط پر نکاح کیا کہ ایک سال تک بیوی کی خدمت کرونگا۔

خلوت صحیحہ کا بیان خلوت صحیحہ کے یہ معنی ہیں کہ میاں بیوی دونوں ایسے مکان میں جمع ہوں کہ وہاں کوئی دوسرا عاقل شخص نہ ہو اور بغیر اُن کی اجازت کے کوئی اندر نہ آسکے یا بوجہ تاریکی وغیرہ کے کسی کو اُنکی موجودگی کا علم نہ ہو اور خاوند جانتا ہو کہ یہ میری بی بی ہے خواہ شوہر خلقی نامرد یا خصی ہو یا مقطوع الذکر ہو بہر حال اُسوقت خلوت صحیحہ کا حکم کیا جائیگا۔ اس طرح خلوت صحیحہ میں یہ عذر بھی مانع نہیں ہے کہ زوجین میں سے کسی کا نفلی یا قضا یا نذر کا روزہ ہو یا کوئی نفل نماز یا قضاء نماز کے ادا کرنے میں مشغول ہو۔

خلوت صحیحہ سے منع کرنے والے عذر اگر مرد یا عورت فرض نماز پڑہنے میں مشغول ہوں یا کسی کا فرض روزہ ہو یا کوئی حج کے احرام میں ہو یا عورت حیض ونفاس کی حالت میں ہو یا تنہائی کا موقعہ نہو بہر حال کوئی مانع حسی یا شرعی موجود ہو تو خلوت صحیحہ کا حکم نہ کیا جائیگا۔ ہاں اگر دونوں کو کوئی شرعی امر مانع ہو گا مثلاً دونوں حج کے احرام میں ہوں یا دونوں فرض نماز پڑھ رہے ہوں یا دونوں کا فرض روزہ ہو تو خلوت صحیحہ کا حکم کیا جائیگا۔

مہر کی کمی بیشی کا حق مرد کو اختیار رہے کہ مہر کی مقرر کردہ مقدار سے زائد روپیہ عورت کو دیدے اسی طرح عورت کو اختیار رہے کہ مقرر کردہ کل مہر یا مہر کا کچھ حصّہ اپنے شوہر کو معاف کر دے۔

مہر کا ایک ضروری مسئلہ اگر کسی عورت نے مہر کے ہزار روپیہ اپنے شوہر سے لیکر قبضہ میں کر لئے اور پھر وہی ہزار روپیہ بطور ہبہ کے شوہر کو دیدے اور اُس کے بعد اُس کو شوہر نے قبل جماع کے طلاق دیدی تو شوہر کو حق ہے کہ عورت سے پانسو روپیہ اور وصول کرے کیونکہ عورت نے اپنے تمام مہر پر قبضہ کر لیا تھا اور مرد پر نصف مہر واجب تھا لہذا نصف مہر وصول کرنے کا شوہر کو حق ہے رہا وہ روپیہ جو عورت نے شوہر کو بطور ہبہ دیا تھا تو وہ مال موہوب شمار ہو گا جو قبضہ کرنے کے بعد شوہر کی ملک میں داخل ہو گیا اور عورت کو واپس کرنے کا کوئی حق نہیں رہا۔ ہاں اگر شوہر نے عورت کو نصف مہر ادا کیا ہو یا کل مہر وہی دیا لیکن عورت نے صرف نصف مہر پر قبضہ کیا ہو اور پھر کل مہر شوہر کو ہبہ کر دیا ہو اور پھر شوہر نے قبل جماع کے طلاق دیدی تو اُسوقت شوہر کو مزید مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

اور اگر مہر کچھ اسباب ہے مثلاً کپڑا یا دیگر سامان اور عورت نے قبل وصول یا بعد وصول شوہر کو ہبہ کر دیا تو دونوں صورتوں میں عورت پر بعد طلاق کچھ مطالبہ باقی نہیں ہے۔

نکاح کے شرائط غیر متعلقہ کا لحاظ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے ہزار روپیہ مہر پر نکاح کیا لیکن یہ شرط مقرر کی کہ تجھ کو شہر سے نہ لے جاؤنگا یا تیرے اوپر دوسری عورت نہ کرونگا یا یہ شرط کی کہ اگر شہر سے لے جاؤنگا تو دو ہزار روپیہ مہر کے دونگا اور شہر سے نہ لے جاؤنگا تو ایکہزار روپیہ دونگا تو اگر شرط کے موافق عمل کیا تو ہزار روپیہ دینے ہونگے اور اگر شرط کی خلاف ورزی کی تو پہلی دونوں صورتوں میں مہر مثل ادا کرنا ہو گا خواہ کتنا ہی ہو اور تیسری صورت میں بھی مہر مثل دینا ہو گا لیکن شرط یہ ہے کہ ہزار سے کم نہ ہو۔

اگر مہر میں کوئی گھوڑا یا لنکا شائر کا چالیسی گز تھان یا دس من گیہوں وغیرہ مقرر کیے۔ اور

دیگر اوصاف نہ بیان کئے تو حسب عدہ مہر ادا کرنا ہوگا۔ لیکن اشیائے مذکورہ میں سے درمیانی چیز کا اعتبار ہوگا۔ مثلاً درمیانی قیمت کا گھوڑا نہ زیادہ بیش بہا نہ لنگڑا ٹٹو اسی طرح نہ چالیس ہزار والا لٹھا نہ ٹیلر صاحب والا بلکہ ڈی دن کا لٹھا دینا ہوگا اور گیہوں بھی درمیان قسم کے دینے ہونگے اگر یہ چیزیں موجود ہوں تو ان کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

نکاح فاسد کا حکم نکاح فاسد میں بغیر جماع کے مہر ادا کرنا واجب نہیں ہے خواہ خلوت کی ہو یا نہ کی ہو اور اگر جماع کرنے کے بعد طلاق دی ہو تو مہر مثل ادا کرنا ہوگا۔ بشرطیکہ مہر مثل مقرر کردہ مہر سے زائد نہ ہو ورنہ مقرر کردہ مہر دینا ہوگا۔ اور جماع سے چھ ماہ کے بعد اگر اولاد ہو جائے تو اسکا نسب اُسی شخص سے ثابت ہو جائے گا اور چھ ماہ سے قبل اولاد نہ ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا۔

مہر مثل کے کیا معنی ہیں مہر مثل سے مراد وہ مہر ہے جو ددھیال والی عورتوں کا ہو مثلاً بہنوں کا پھوپھیوں کا۔ پھوپھی زاد بہنوں کا۔ چچازاد بہنوں کا۔ ننہال کے مہر کا اعتبار نہیں ہے۔

مہر مثل کے شرائط مہر مثل کی شرائط یہ ہیں ۱؎ کہ دو عورتیں نکاح کے وقت سن میں قریب قریب ہوں ایسا نہ ہو کہ ایک زیادہ عمر کی ہو اور دوسری کم عمر کی ۲؎ حسن میں بھی برابر ہوں ایک حسین اور دوسری بدشکل نہ ہو ۳؎ حال میں بھی قریب قریب ہوں ایسا نہ ہو کہ ایک دولتمند امیرزادی ہو اور دوسری مفلس نادار کی لڑکی ۴؎ عقل میں بھی مساوات ہو ایک مہذب عقیل و فہیم اور دوسری کندہ ناتراشیدہ نہ ہو ۵؎ دینداری میں بھی برابری ہو ایک صالح با اخلاق نماز گذار پرہیزگار۔ اور دوسری فاسق بدکردار نہ ہو ۶؎ شہریت اور بدویت میں بھی برابری ہو ایک شہری اور دوسری دیہاتی نہ ہو ۷؎ دونوں ایک زمانہ میں ہوں ایسا نہ ہو کہ ایک پچاس برس پہلے گذری ہو جبکہ مہر دس روپیہ مقرر ہوتا تھا اور دوسری پچاس برس بعد کو ہو جبکہ مہر دس ہزار مقرر ہوتا ہو ۸؎ دونوں دوشیزہ یا ثیبہ ہوں۔

اگر اوصاف مذکورۂ بالا کے ساتھ ددھیال کی عورتوں میں سے کوئی عورت متصف نہ ملے تو ہم رتبہ خاندان کی دوسری عورتوں کے مہر کا اعتبار کیا جائیگا جنمیں اوصاف مذکورہ پائے جاتے ہوں۔ بہر صورت ننہال کی عورتوں کا مہر قابل اعتبار نہیں ہے۔

شوہر کو عورت کس وقت حقوق زوجیت سے روک سکتی ہے اگر مرد عورت کو مہر معجل ادا نہ کرے یا مہر مؤجل میں سے جتنا حسب رواج دیا جاتا ہے اتنا حصہ نہ دے تو گو برضامندی عورت اس سے قبل وطی ہو چکی ہو لیکن پھر بھی عورت کو حق ہے کہ شوہر کو تحصیل حقوق زوجیت سے روک دے اور نفقہ بہر صورت شوہر کے ذمہ واجب رہے گا اور عورت کو یہ بھی حق ہے کہ

شوہر کی اجازت کے بغیر سفر کرے یا اپنے عزیز اقارب کے ملنے چلنے چلی جائے اور اگر مہر مؤجل و معجل کی وقت نکاح تفصیل نہ بیان کی گئی ہو یا مہر مؤجل میں سے کچھ حصہ دینے کا رواج ہو اور مرد حسب رواج کچھ حصہ ادا کر دے تو اب عورت کو شوہر سے سرتابی کرنی جائز نہیں نہ بدون اجازت عزیز و اقارب کے ملنے جا سکتی ہے اور نہ سفر کر سکتی ہے اور نہ جماع سے باز رکھ سکتی ہے اسی طرح اگر کل مہر مؤجل ہو اور مہر مؤجل میں سے کچھ حصہ بھی دینے کا دستور نہ ہو تو اب عورت کو حقوق بالا نہیں مل سکتے۔

عورت کو مرد سفر میں نہیں لیجا سکتا اگر عورت مرد کے ساتھ سفر میں جانے سے انکار کرے اور مرد مہر مؤجل کا کچھ حصہ حسب دستور ادا بھی کر دے تب بھی مرد کو حق نہیں ہے کہ عورت کو جبراً سفر میں لیجائے ہاں اتنی مسافت پر لیجا سکتا ہے جو مسافت سفر سے کم ہو۔

نکاح کافر کا بیان اگر کسی کافر نے کافرہ عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا یا دوسرے کافر کی عدت میں تھی اور اس دوران میں اُس سے نکاح کر لیا اور پھر دونوں اسلام لائے تو نکاح اپنے اصلی حال پر باقی رہے گا تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر کسی کافر نے اپنے مذہبی قانون کی رو سے کسی ایسی کافرہ عورت سے نکاح کیا جو اس کی محرم تھی مثلاً بیٹی سے بہن سے اور پھر دونوں اسلام لے آئے تو تفریق کرا دی جائے گی۔

اگر کسی مجوسی عورت کا شوہر مجوسی ہے یا مجوسی شوہر کی عورت مجوسی ہے اور ایک مسلمان ہو جائے تو دوسرے کے سامنے اصول اسلامی پیش کیے جائیں اور اُسکو اسلامی تعلیم سے واقف کیا جائے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو بدستور سابق ان کا نکاح قایم رہے گا ورنہ تفریق کرا دی جائے گی اب اگر عورت پہلے مسلمان ہو گئی اور شوہر کسی طرح مسلمان نہ ہوا تو یہ تفریق طلاق بائن شمار ہو گی اور اگر عورت مسلمان نہ ہوئی تو صرف تفریق ہی رہے گی طلاق بائن نہ شمار ہو گی کیونکہ عورت کی طرف سے طلاق نہیں ہوتی ہے

اگر عورت کتابی ہے یعنی یہودن یا نصرانیہ ہے اور اُس کا شوہر مسلمان ہو گیا تو ایسی صورت میں عورت پر اسلام کا پیش کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ تفریق کی جائے گی کیونکہ کتابی عورت سے نکاح جائز ہے۔

اگر خاوند مسلمان ہو گیا اور عورت مسلمان نہ ہوئی تو اگر وطی نہ کی ہو تو مہر بالکل نہیں ہے اور اگر وطی کر لی ہو تو کل مہر دینا ہو گا۔

اگر عورت مسلمان ہوگئی اور شوہر مسلمان نہ ہوا تو قبل وطی نصف مہر لازم ہے اور بعد وطی کل مہر واجب الادا ہے۔

نکاح مرتد کا بیان اگر زوجین میں سے کوئی مرتد ہوگیا تو بلا حکم قاضی فوراً نکاح فسخ ہوجائیگا اب بعد جماع کل مہر دینا ہوگا اور قبل جماع میں دو صورتیں ہیں اگر شوہر مرتد ہوگیا تو عورت کے لئے نصف مہر ہوگا اور عورت مرتد ہوگئی ہو تو کچھ لازم نہیں ہے۔

اگر زوجین دونوں ساتھ ہی مرتد ہوئے اور پھر ساتھ ہی مسلمان ہوگئے تو نکاح بدستور باقی رہیگا اور اگر کوئی دوسرے سے قبل اسلام لایا تو نکاح فاسد ہوگیا۔

نکاح ذمی و حربی کا بیان اگر کسی ذمی کافر نے کسی ذمیہ سے یا کسی حربی کا حربیہ سے دار الحرب میں نکاح کیا اور مہر میں کوئی مردار جانور مقرر کیا اور پھر وطی سے قبل یا وطی کے بعد طلاق دیدی تو مہر مطلقاً واجب نہیں ہے بشرطیکہ مردار کا مہر میں مقرر کرنا اُن کے مذہب میں جائز ہو کیونکہ کفار قوانین اسلام کے پابند نہیں ہیں۔

اگر ذمی یا حربی کافر نے نکاح کیا اور مہر میں معین مخصوص سور یا مخصوص شراب مقرر کی اور یہ دونوں زوجین میں سے کوئی مسلمان ہوگیا تو عورت کو مہر میں وہی معین سور اور مخصوص شراب دلائی جائیگی ہاں اگر سور و شراب کی تعین نہ کی ہو بلکہ یہ کہا ہو کہ مہر میں کوئی سور یا دس سیر شراب دیجائیگی تو اسلام کے بعد شراب کی قیمت دلائی جائیگی۔ اور سور کی بجائے مہر مثل دلایا جائیگا

نکاح غلام کا بیان نکاح موقوف۔ کسی باندی غلام کا نکاح بدوں اجازت مولی صحیح نہیں ہے لیکن اگر اذن مولا کے بغیر نکاح کرلیں تو نکاح موقوف رہیگا اگر مولا اجازت دیدے تو نکاح صحیح ہوجائیگا ورنہ فاسد۔ اب اگر غلام نے باذن مولا نکاح کیا تو مہر کا ذمہ دار خود ہے۔ مولا پر اس کا بار نہیں بصورت عدم ادائیگی اسکو فروخت کیا جائیگا اور اسکی قیمت سے عورت کو مہر دیا جائے گا۔

اگر غلام نے مولا سے اذن طلب کیا اور مولا نے کہا کہ طلاق رجعی دیدے تو اذن ثابت ہوگیا کیونکہ طلاق رجعی بغیر جواز نکاح کے نہیں ہوتی ہے اور اگر مولا نے صرف اتنا کہا کہ طلاق دیدے تو اجازت ثابت نہ ہوگی۔

بیویوں میں عدل کرنیکا بیان اگر کسی کی دو بیویاں ہوں تو تقسیم میں عدل کرنا واجب ہے یعنی یہ واجب ہے کہ خورونوش اور لباس و رہائش میں سبھوں کو ایک طرح سے رکھے اگر ایک

روز ایک کے پاس رہے تو دوسرے روز دوسری کے پاس اس حکم میں نئی اور پرانی بیوی دوشیزہ اور ثیبہ مسلمہ اور کتابیہ حسینہ اور بدشکل سب برابر ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ محبت قلبی اور جماع میں بھی ساوات اختیار کرے کیونکہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا تھا کہ الٰہی یہ میری تقسیم ہے جس میں میں مختار ہوں سو مجھے ملامت نہ کرنا اس چیز میں جس میں تو مختار ہے میں مختار نہیں ہوں۔

اگر شوہر کہیں سفر میں جائے تو اس وقت تقسیم میں ساوات ضروری نہیں اور نہ قرعہ اندازی واجب ہو جس کو چاہے ساتھ لے جائے البتہ قرعہ ڈالنا مستحب ہے تاکہ کسی عورت کی دلشکنی نہ ہو۔ رسول اللہ بھی جب کبھی سفر کو تشریف لیجاتے تو قرعہ ڈالتے جن بیوی کا نام نکلتا انکو ساتھ لیجاتے

اگر کوئی بیوی کسی سوکن کو اپنی باری دیدے بشرطیکہ بخوشی خاطر ہو تو اسمیں کچھ ہرج نہیں ہے۔ حضرت ام المومنین سودہؓ نے بھی اپنی باری ام المومنین عائشہؓ کو دیدی تھی۔

رضاعت کا بیان رضاعت کا حکم کس وقت ہوتا ہے اگر دودھ پلانے کی مدت یعنی دو سال کے اندر پستان سے منھ لگا کر بچہ ایک چسکی بھی لگائے گا تو احکام رضاعت ثابت ہو جائیں گے دودھ پلانے والی اس بچہ کی ماں اور اس کا شوہر اس کا باپ اور اسکی اولاد اس کے بہن بھائی ہو جائیں گے اور جس قدر اس کے رشتہ دار ہوں گے سب اسکے رشتہ دار سمجھے جائیں گے اور جن جن نسبتی رشتہ داروں سے نکاح حرام ہے ان ہی رضاعی رشتہ داروں سے بھی نکاح حرام ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو چیز نسب کی وجہ سے حرام ہے وہی رضاعت کی وجہ سے حرام ہے۔

ان نسبی اور رضاعی رشتہ داروں کا بیان

جن کے احکام میں باہم فرق ہے

مذکورہ ذیل صورتوں میں نسبتی رشتہ داروں سے نکاح حرام ہے اور رضاعی رشتہ داروں سے جائز ہے۔

نسبتی بہن بھائی کی ماں سے نکاح حرام ہے	نسبتی بہن بھائی کی اناسے نکاح حلال ہے
	رضاعی بہن بھائی کی والدہ اور نیز ان کی انا سے نکاح حلال ہے۔

اپنے بیٹے کی رضاعی بہن سے نکاح حلال ہے۔	بیٹے کی نسبتی بہن سے نکاح حرام ہے کیونکہ بیٹے کی نسبتی بہن یا تو خود اس کی بیٹی ہوگی یا اس کی ربیبہ یعنی اس کی بیوی کی بیٹی اور دونوں سے نکاح حرام ہے
اپنے بیٹے کی رضاعی دادی حرام نہیں ہے	اور بیٹے کی نسبتی دادی اور نانی حرام ہے کیونکہ بیٹے کی دادی اس کی ماں ہوگی اور بیٹے کی نانی اس کی ساس اور دونوں حرام ہیں۔
اپنے چچا اور پھوپی اور ماموں اور خالہ کی رضاعی ماں یعنی انّا حلال ہے۔	اور اپنے چچا پھوپھی ماموں اور خالہ کی ماں حرام ہے کیونکہ اس کی یا تو حقیقی دادی و نانی ہوگی یا سوتیلی دادی و نانی اور دونوں اس کے لیئے حرام ہیں۔

دو کلیہ قاعدے نمبرا۔ از جانب شیردہ ہمہ خویش شوند۔ وز جانب شیرخوارہ زوجان وفروع یعنی دودھ پلانے والی اس کا خاوند اس کی تمام اولاد اُس کے باپ دادا اور اس کی ماں بہنیں سب شیرخوار بچہ کے اقربا اور محرم ہیں لہذا شیرخوار بچہ کا نکاح ان سب سے حرام ہے۔ اور شیرخوار اسکی بیوی یا شوہر اور اولاد دودھ پلانے والی کے محرم ہیں لہذا دودھ پلانے والی کا نکاح ان سے حرام ہے اس کے سمجھنے کے لیئے نقشہ ذیل دیکھو۔

دودھ پلانیوالی	اسکی بہن	اسکی ماں	اس کا باپ	اس کا دادا	اس کا خاوند	اسکی اولاد
ہندہ	عائشہ	ضنار	زید	عمر	بکر	خالد زینب

دودھ پینے والا یا پینے والی	ان کی بیوی	یا خاوند	ان کی اولاد ذکور و اناث	
رشیدہ یا زبیدہ	آسیہ	قاسم	یحیی وحسن مریم وحفصہ	

نقشہ مذکورہ بالا میں رشیدہ وزبیدہ کے لیئے ہندہ اور اس کے مذکورہ رشتہ دار حرام ہیں

اور ہندہ کے لیئے رشید و زبیدہ اور اس کے مذکورہ اقربار حرام ہیں۔
قاعدہ کلیہ نمبر ۲ اگر زید کے رضاعی بھائی کی کوئی علاتی بہن ہو تو اُس سے زید کا نکاح جائز ہے اسی طرح اگر زید کے علاتی بھائی کی اخیافی بہن ہو تو اُس سے بھی زید کا نکاح درست ہے۔

چند مسائل اگر عورت کا دودھ پانی یا دوا میں مل گیا یا بکری وغیرہ کے دودھ میں مل گیا اور عورت کا دودھ غالب ہے تو اُس کے پینے سے حرمت رضاع ثابت ہوگی اور اگر مغلوب ہے تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔

اگر ایک عورت کا دودھ دوسری عورت کے دودھ میں مل گیا تو خواہ دونوں برابر ہوں یا غالب و مغلوب بہر حال اس کے پینے سے دونوں عورتوں سے حرمت رضاعت ثابت ہے۔

اگر کسی عورت کے دودھ کو کھانے میں ملا کر کھالیا تو دودھ غالب ہو یا مغلوب بہر حال حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی اسی طرح اگر کسی مرد کے پستان سے دودھ نکل آیا اور کسی نے اسکو پی لیا یا کسی عورت کے دودھ سے کسی مرد کو حقنہ دیا گیا تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

اگر کسی شخص کی دو عورتیں ہوں ایک عمر رسیدہ اور دوسری شیر خوارہ۔ اور عمر رسیدہ عورت صرف فساد کے ارادہ سے شیر خوارہ کو دودھ پلادے تو دونوں سے نکاح فاسد ہو جاتا ہے اب اگر عمر رسیدہ سے وطی کر چکا ہے تب تو شیر خوارہ سے بھی کبھی نکاح نہیں کرسکتا اور اگر اُس سے وطی نہیں کی ہے تو جائز ہے کہ دوبارہ شیر خوارہ سے نکاح کرلے۔ صورت مذکورہ میں بڑی عورت کا قبل از وطی بالکل مہر نہیں ہے اور بعد از وطی کل مہر واجب الادا ہے اور شیر خوارہ کا نصف مہر واجب الادا ہے لیکن چونکہ بڑی عورت نے فساد کے ارادہ سے ایسی حرکت کی ہے لہذا شوہر کو حق حاصل ہے کہ یہ نصف مہر جو شیر خوارہ کو ادا کیا ہے بڑی عورت سے وصول کرلے ہاں اگر اس کا فساد کا ارادہ نہ ہو بلکہ کوئی اور سبب ہو تو اب شوہر کو حق استرداد نہیں ہے۔

ثبوت رضاعت کے لیئے دو مردوں کی یا ایک مرد و دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔

کتاب الطلاق

طلاق کے اقسام طلاق تین طرح کی ہوتی ہے احسن حسن یا مسنون۔ بدعت۔ طلاق احسن یہ ہے کہ مرد عورت کو اس طہر میں ایک طلاق دیدے جسمیں جماع نہ کیا ہو اور پھر اسکو چھوڑ دے یہانتک کہ اس کی عدت کا زمانہ ختم ہو جائے۔ صاحب کشف الغمہ ور ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ صحابہ اس طلاق کو سب سے بہتر جانتے تھے اور ان کے نزدیک یہ طلاق اس طلاق سے افضل تھی۔ طلاق حسن یا مسنون یہ ہے کہ مرد اپنی غیر مدخولہ بیوی کو حالت حیض یا طہر میں ایک طلاق دے اور مدخولہ بیوی کو تین طلاقیں اس طرح دے کہ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دے اور ان تینوں طہروں میں جماع نہ کرے لیکن یہ حکم اس عورت کی طلاق کا ہے جس کو حیض آتا ہو اور اگر صغیرہ نابالغ ہو یا اتنی عمر رسیدہ ہو کہ حیض آنا بند ہو گیا ہو یا حاملہ ہو تو ہر مہینہ میں ایک طلاق دینی چاہیئے۔ طلاق بدعت یہ ہے کہ مرد عورت کو ایک ہی طہر میں دو یا تین طلاقیں دیدے یا ایسے طہر میں ایک طلاق دے جسمیں جماع کیا ہو یا مدخولہ بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے۔

طلاق کی باعتبار حکم کے تقسیم۔ طلاق کی باعتبار حکم دو قسمیں ہیں بائنہ اور رجعی بائنہ تو وہ طلاق ہے جس میں بغیر نکاح جدید کے حق رجعت باقی نہیں رہتا اور طلاق رجعی یہ ہے کہ ایام عدت گذرنے سے قبل بغیر نکاح جدید کے شوہر کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے قول کو واپس لے اور جماع کرے

طلاق کا حکم طلاق احسن طلاق بائنہ ہوتی ہے حق رجوع باقی نہیں رہتا اور طلاق مسنون میں بھی اگر ایام عدت گذر جائیں تو طلاق بائنہ ہو جاتی ہے حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے اور ایام عدت گذرنے سے قبل رجوع باقی رہتا ہے۔ بشرطیکہ تین طلاقیں پوری نہ ہوئی ہوں۔ اور طلاق بدعت طلاق بائنہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد طحاوی موطا مالک دربعض دیگر کتب حدیث میں رسول اکرمؐ کا فرمان اور حضرت عبداللہ بن عباس حضرت ابن مسعود حضرت علی حضرت عثمان بن عفانؓ دربعض دیگر صحابہ کے فیصلے درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق بدعت سے عدت بالکل بائنہ ہو جاتی ہے اور حق استرداد ساقط ہو جاتا ہے صرف ایک قسم ہے جسمیں حق رجوع باقی رہتا ہے وہ یہ کہ مرد عورت کو حیض کی حالت

میں طلاق دے تو اسوقت رجوع واجب ہے پھر جس وقت عورت حیض سے فارغ ہو اُسوقت طلاق دینی چاہئے

ایک مشتبہ مسئلہ | اگر کسی شخص نے بغیر کسی خاص نیت کے اپنی مدخولہ بیوی سے کہا کہ تجھے سنت طریقہ پر تین طلاقیں ہیں تو ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہو گی اور اگر ان الفاظ سے یہ نیت کی کہ تینوں طلاقیں ابھی پڑجائیں یا ہر طلاق ایک ایک مہینہ میں واقع ہو تو یہ نیت بھی صحیح ہے اور یہ طلاق بدعت ہوگی

کن اشخاص کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور کس کی طلاق واقع ہوجاتی ہے

بچہ کی۔ دیوانے کی۔ سوتے ہوئے آدمی کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ امام احمد ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ نے بروایت حضرت عائشہؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا تین آدمی مرفوع القلم ہیں سونے والا بیدار ہونے سے قبل لڑکا بیانا ہونے سے قبل اور مجنون ہوش میں آئے یا افاقہ پانے سے قبل۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ سوائے بچہ اور دیوانہ کی طلاق کے سب طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ باقی جو شخص عاقل بالغ ہو خواہ نشہ میں مست ہو یا نہ ہو اور چاہے کوئی اس سے جبراً طلاق دلوائے سب کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

طلاق جبریہ کا بیان | حنفیہ کے نزدیک اگر جبراً طلاق دیدی جائے تو واقع ہو جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر شعبی۔ نخعی زہری۔ قتادہ ابوقلابہ اور سعید بن جبیر کے اقوال اور فیصلے اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور طلاق مکرہ میں حق رجوع بھی باقی نہیں رہتا۔

طلاق کی لفظی تقسیم | طلاق کے اقسام باعتبار لفظ کے دو ہیں (۱) صریح (۲) کنایہ۔ طلاق صریح اُسوقت ہو گی جبکہ لفظ طلاق یا اس کا کوئی مشتق صیغہ استعمال کیا جائے اور طلاق کنایہ اس وقت ہو گی جبکہ ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہو طلاق دینے والا جس معنی کی چاہے نیت کر سکتا ہے۔

کن صورتوں میں طلاق صریح بائن ہوتی ہے اور کن صورتوں میں رجعی

اگر یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے یا تجھے میں نے طلاق دی یا تو طالق ہے یا تو مطلقہ ہے اور کچھ نیت نہ کی یا طلاق بائن کی نیت کی یا تین طلاقوں کی نیت کی بہر حال ایک طلاق رجعی واقع ہو گی۔ اور اگر یہ کہا کہ تو طلاق ہے یا تو طالق الطلاق ہے اور کچھ نیت نہ کی یا ایک طلاق یا دو طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گی اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اگر کہا کہ تیرے سر کو یا تیرے منہ کو یا تیری گردن کو یا تیری روح کو یا تیری پشت کو یا تیری پیٹ کو طلاق ہے یا یہ کہا کہ تیرے نصف حصہ کو یا تیرے

ثلث حصہ کو طلاق ہے تو ان سب صورتوں میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر یہ کہا کہ تیرے پاؤں کو یا تیرے ہاتھ کو طلاق ہے تو طلاق نہ ہوگی۔

اگر کہا کہ تجھے آدھی طلاق ہے یا تہائی طلاق ہے یا ایک سے دو تک طلاق ہے تو ایک رجعی طلاق ہوگی۔ اگر کہا کہ تجھ کو ایک اور دو طلاق ہیں تو غیر مدخولہ کو ایک اور مدخولہ کو تین واقع ہونگی۔

اگر کہا کہ تجھ کو یہاں سے لکھنؤ تک طلاق ہے تو ایک رجعی واقع ہوگی اور اگر کہا کہ تجھکو مکہ میں یا گھر میں یا بازار میں طلاق ہے تو بالفعل ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی بازار یا گھر یا مکہ میں جانے کا انتظار نہ کیا جائے گا ہاں اگر یہ کہدیا کہ جب تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے تو جب تک گھر میں داخل نہ ہوگی اسوقت تک طلاق نہ ہوگی۔

اگر کہا کہ تجھ کو کل طلاق ہے تو جس وقت دوسرے روز کی فجر ہوگی اس وقت طلاق ہو جائیگی اور اگر کہا کہ تجھ کو کل دن میں طلاق ہے تو اول صورت میں اُسی روز طلاق ہو جائیگی اور دوسری صورت میں دوسرے روز واقع ہوگی۔

اگر کہا کہ اس سے قبل کہ میں تجھ سے نکاح کروں تجھے طلاق ہے یا یہ کہا کہ میں نے تجھے کل ہی طلاق دیدی حالانکہ نکاح آج کیا ہے تو یہ کلام لغو ہے طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ نکاح سے قبل طلاق نہیں ہوتی۔

اگر کسی عورت سے دو روز قبل نکاح کیا اور آج اُس سے کہا کہ کل سے تجھے طلاق ہے تو بالفعل طلاق واقع ہوگی۔ اگر یہ کہا کہ تجھ کو طلاق ہے جب تک میں طلاق نہ دوں یا یہ کہا کہ تجھ کو تین طلاقیں ہیں جس وقت کہ میں طلاق نہ دوں تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر کہا کہ جس روز میں تجھ سے نکاح کروں تجھے طلاق ہے اور رات کو نکاح کیا تو طلاق ہو جائے گی اور اگر یوں کہا کہ جس روز زید سفر سے واپس آئے اُس روز تجھے طلاق ہے اور زید رات کو آیا تو طلاق نہ ہوگی۔

اگر کہا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے یا نہیں۔ یا یہ کہا کہ تجھے میرے مرنے کے بعد طلاق ہو یا تجھے تیرے مرنے کے بعد طلاق ہے تو طلاق نہ ہوگی۔

اگر کسی نے کہا تجھے اس قدر طلاق ہے اور یہ کہہ کر ہتھیلی کا رُخ عورت کے سامنے کر دیا تو جتنی انگلیاں کھڑی ہونگی اُتنی طلاقیں واقع ہونگی اور اگر ہتھیلی کی پشت عورت کی طرف کر دی تو جتنی انگلیاں بند ہونگی اُتنی طلاقیں واقع ہونگی۔ اگر کہا کہ میں نے تجھے طلاق بائن دی یا اشد الطلاق یا افحش الطلاق یا اخبث الطلاق یا طلاق شیطان یا طلاق بدعت یا پہاڑ کی برابر طلاق یا ہزار طلاقوں کی

برابر طلاق یا گھر بھر کے طلاق یا طلاق شدید یا طلاق لمبی چوڑی دی تو بلا نیت کے صرف ایک بائن طلاق واقع ہو گی اور اسوقت بھی ایک ہی طلاق بائن ہو گی جبکہ ان الفاظ سے ایک یا دو طلاقوں کی نیت کی ہو اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین واقع ہو جائینگی۔

اگر کسی نے اپنی بیوی کو قبل از جماع یک دم تین طلاقیں دیں تو تینوں بائن واقع ہو جائینگی ہاں اگر یہ کہا کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو صرف ایک بائن طلاق واقع ہو گی اسی طرح اگر یوں کہا کہ تجھے طلاق ہے ایک اور ایک اور ایک تب بھی ایک بائن طلاق واقع ہو گی اور اگر یہ کہا کہ تجھے ایک طلاق ہے تو ایک طلاق ہو گی اور اگر کہا تجھے دو طلاقیں ہیں تو دو طلاقیں ہونگی اور اگر کہا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین واقع ہو نگی۔

اگر کہا کہ تجھے ایک اور طلاق ہے اگر تو گھر میں داخل ہو تو جس وقت گھر میں داخل ہو گی دو طلاقیں پڑ جائیں گی۔

کن الفاظ سے طلاق کنایہ بائن ہوتی ہے اور کن الفاظ سے رجعی | ہدایت۔ طلاق کنایہ میں اگر طلاق کی نیت نہ ہو اور حالت سے بھی طلاق کا اظہار نہ ہو رہا ہو تو طلاق نہ ہو گی ہاں اگر طلاق کی نیت ہو یا حالت سے طلاق کا اظہار ہو رہا ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

الفاظ ذیل سے ایک طلاق بائن واقع ہو گی بشرطیکہ ایک کی نیت ہو یا دو کی اور اگر تین کی نیت ہے تو تین طلاقیں واقع ہو نگی۔ تو جدا ہے۔ تو حرام ہے۔ تو خالی ہے۔ تو جہاں چاہے جا۔ اپنے میکے والوں کے پاس چلی جا۔ میں نے تجھے میکے والوں کو بخشدیا۔ میں نے تجھے رخصت کر دیا۔ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ تو خود مختار ہے۔ تو خود مہار ہے۔ تو آزاد ہے۔ مجھ سے چھپ جا۔ مجھ سے پردہ کر لے۔ چل دور ہو۔ مجھ سے دور ہو جا۔ نکل جا۔ چلتی بن۔ کھڑی ہو جا۔ کوئی اور شوہر تلاش کر۔

الفاظ ذیل سے صرف ایک رجعی طلاق ہو گی۔ اپنی عدت کر۔ اپنے رحم کو پاک کر۔ تو اکیلی ہے تنہا ہے۔

طلاق بتہ کا بیان | طلاق بتہ ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ تو اب مجھ سے کٹ گئی یا تیرا سلسلہ مجھ سے منقطع ہو گیا۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ علماء کا باہم اختلاف ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ طلاق بتہ سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے لیکن عام علماء کا قول ہے کہ دارومدار نیت پر ہے اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہونگی ورنہ ایک چنانچہ حضرت رکانہ بن عبد بن یزید کا قصہ ہے کہ جب انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی اور اس کی

خیر رسول اکرمؐ ہوپنچی تو رکانہ نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ خدا کی قسم میری نیت ایک طلاق کی تھی حضورؐ نے فرمایا واللہ اس نے ایک طلاق کا ہی ارادہ کیا تھا اس کے بعد حضورؐ نے نکاح جدید کرا کر رکانہ کو ان کی بیوی کی واپسی کا حکم دیا۔

اگر کسی شخص نے بیوی سے کہا عدت کر عدت کر عدت کر اور پھر کہنے لگا کہ اول لفظ سے میری مراد طلاق تھی اور دوسرے دونوں لفظوں سے حیض مراد تھا تو اس کا قول معتبر سمجھا جائیگا اور اگر یہ کہا کہ اخیر کے دو لفظوں سے میری کچھ نہ تھی تو قول معتبر نہ ہوگا اور تین طلاقیں ہو جائیں گی اور اگر یہ کہا کہ تینوں الفاظ سے میری کچھ نیت نہ تھی تو ایک طلاق بھی نہ ہوگی۔

ضروری ہدایت

کون سے الفاظ کنایہ مفید طلاق ہونے میں نیت پر موقوف ہیں۔ کنایہ طلاق کے الفاظ تین قسم کے ہیں (۱) وہ الفاظ جن میں دشنام دہی اور بدگوئی زجر و توبیخ کا احتمال ہو سکتا ہے مثلاً تیرا سلسلہ منقطع ہے یا تو حرامی ہے یا تو بائن ہے تو بیزار ہے بالکل خامی ہے وغیرہ (۲) وہ الفاظ جو عورت کے کلام کی تردید میں استعمال کیے جا سکتے ہیں مثلاً نکل جا چلی جا ہٹتی بن کھڑی ہو جا یعنی اگر عورت نے طلاق کی استدعا کی اور مرد نے غصہ میں آ کر اس کے کلام کی تردید مذکورہ الفاظ سے کی (۳) وہ الفاظ جنمیں دشنام دہی اور تردید کلام دونوں کا احتمال ہو مثلاً تو عدت کر اپنے رحم کو پاک کر تو اکیلی ہے تو آزاد ہے تو خود مختار ہے میں نے تجھے رخصت کر دیا میں نے تجھے چھوڑ دیا وغیرہ۔ اب یہ جان لینا ضروری ہے کہ اگر شوہر بیوی سے راضی ہو یعنی غصہ میں نہ ہو اور طلاق کا ذکر بھی نہ ہو تو تینوں قسم کے الفاظ سے بغیر نیت کے طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر شوہر غصہ میں ہو لیکن طلاق کا ذکر نہ ہو تو پہلی دونوں قسموں میں نیت ہوگی تو طلاق ہوگی ورنہ نہ ہوگی اور موخر الذکر قسم میں نیت ہو یا نہ ہو طلاق ہو جائے گی۔ اور اگر طلاق کا تذکرہ ہو رہا ہو تو اول الذکر قسم کے الفاظ میں نیت پر مدار ہے نیت ہوگی تو طلاق ہوگی ورنہ نہ ہوگی اور موخر الذکر دونوں قسموں میں بہر صورت طلاق ہو جائے گی نیت ہو یا نہ ہو

تفویض طلاق کا بیان

تفویض طلاق کے یہ معنے ہیں کہ مرد عورت کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے کہ چاہے وہ طلاق خود بخود لے اور چاہے مرد کے قول کو واپس کر دے۔

تفویض طلاق کا حکم اختلاف مجلس کے وقت بدل جاتا ہے۔ اگر مرد نے عورت سے کہا کہ تو خود اپنے کو طلاق دے لے یا بہ نیت طلاق کہا کہ تو خود مختار ہے یا تجھے اختیار ہے تو اب عورت کو اختیار ہے کہ جس مجلس میں اس کو اس قول مذکور کا علم ہوا ہے اس مجلس میں خود اپنے کو طلاق دے لے اور جس

وقت مجلس بدل جائے گی اسوقت اختیار باطل ہو جائے گا۔ اختلاف مجلس کے چند طریقے ہیں مثلاً عورت کو شوہر کے قول مذکور کا علم ہوا اور اس کے بعد وہ اُٹھ گئی یا جس کام میں مشغول تھی اس کو چھوڑ کر دوسرا کام کرنے لگی یا جانور پر سوار تھی اور جانور آگے چل دیا تو ان سب صورتوں میں چونکہ اختلاف مجلس ہو جاتا ہے اس عورت کو طلاق کا اختیار نہیں رہتا ہاں اگر عورت کھڑی تھی اور قول مذکور کے علم کے بعد بیٹھ گئی یا بیٹھی تھی اور تکیہ لگا کر لیٹ گئی یا باپ بھائی وغیرہ کو مشورہ کے لیے بلایا گواہوں کو گواہی کے لیئے طلب کیا یا جس جانور پر سوار تھی اس کو کھڑا کر لیا یا کشتی میں بیٹھی تھی اور کشتی چلنے لگی تو ان صورتوں میں مجلس واحد ہی رہے گی اور اختیار باطل نہ ہوگا۔

تفویض طلاق سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے یا رجعی اگر مرد نے بہ نیت تفویض عورت سے کہا کہ تجھے اختیار ہے تو ہوقت تین طلاق کی نیت کرنی صحیح نہیں اب اگر عورت نے کہہ دیا کہ میں اپنے نفس کو اختیار کر لیا یا میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

اگر کسی نے بیوی سے کہا تجھے اختیار ہے تجھے اختیار ہے تجھے اختیار ہے اور بیوی نے جواب میں کہا میں نے پہلی کو یا دوسری کو یا تیسری کو اختیار کر لیا تو امام صاحب کے نزدیک بغیر نیت طلاق کے تین طلاقیں ہو جائینگی اور اگر عورت نے جواب میں کہا کہ میں نے اپنے نفس کو طلاق دی یا میں نے اپنے نفس کو ساتھ ایک طلاق کے اختیار کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

اگر مرد نے عورت سے کہا کہ تو اپنی ایک طلاق کی مختار ہے یا یہ کہا کہ تو ایک طلاق کو اختیار کر لے اور عورت نے اختیار کر لیا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

اگر یہ کہا کہ تیرا کام تیرے اختیار میں ہے اور تین طلاق کی نیت کی اور عورت نے جواب میں کہا کہ میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق کے ساتھ اختیار کر لیا تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائینگی ہاں اگر عورت نے جواب میں کہا کہ میں نے اپنے نفس کو ایک طلاق دی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی

اگر مرد نے کہا کہ تجھے آج اور پرسوں اختیار ہے تو اختیار میں رات داخل نہ سمجھی جائیگی یعنی اگر عورت نے رات کو کہا کہ میں نے اپنے نفس کو پسند کر لیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ ہاں اگر مرد نے یہ کہا کہ تجھے آج اور کل اپنا اختیار ہے تو رات بھی اختیار میں داخل ہے اگر رات کو عورت اپنے نفس کو پسند کرے تو طلاق ہو جائے گی۔

اگر مرد نے عورت سے کہا کہ تو اپنے نفس کو طلاق دے اور کسی عدد کی نیت نہ کی یا ایک کی یا دو طلاقوں کی نیت کی اور پھر عورت نے طلاق دے لی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر تو

جواب دیا کہ میں نے اپنے نفس کو پسند کر لیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

ہدایت خاص۔ اگر مرد نے عورت کو طلاق کا اختیار دیدیا تو جب تک مجلس نہ بدل جائے عورت کو اختیار باقی رہتا ہے یہ جائز نہیں کہ وحدت مجلس کے باوجود مرد اپنے قول سے رجوع کرے اور یہ کہدے کہ میں اب تجھے طلاق کا اختیار نہیں دیتا اسی طرح عورت کو بھی مجلس بدل جانے کے بعد طلاق لینے کا اختیار نہیں رہتا۔

طلاق کی وکالت اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنی سوکن کو طلاق دیدے یا کسی غیر مرد سے کہ تو میری بیوی کو طلاق دیدے تو شوہر کے لیئے جائز ہے کہ وحدت مجلس کے باوجود اپنے قول سے رجوع کرے اور حق وکالت واپس لیلے اسی طرح اگر اس نے حق وکالت واپس نہ لیا تو وکیل کو حق ہے خواہ وکیل اس کی بیوی ہو یا کوئی دوسرا شخص۔ کہ اختلاف مجلس ہو جانے کے بعد بھی طلاق دیدے اختیار طلاق وحدت مجلس پر ہی موقوف نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب تو چاہے اپنے نفس کو طلاق دے لے تو اس صورت میں بعد تبدیل مجلس کے بھی عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہے لیکن اگر کسی غیر مرد سے کہا کہ اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دیدے تو اسوقت اس کو اپنا قول واپس لے لینے کا حق نہیں رہا اور وکیل کو حق نہیں ہے کہ تبدیل مجلس کے بعد اس کی بیوی کو طلاق دیدے۔

تفویض طلاق کے چند مسائل اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے کو تین طلاقیں دے اور اس نے ایک طلاق دی یا مرد نے کہا کہ اپنے کو ایک طلاق دے اور اس نے تین طلاقیں دے لیں تو بہر صورت ایک طلاق واقع ہوگی۔ اگر مرد نے کہا کہ تو اپنے کو ایک طلاق رجعی دے اور اس نے طلاق بائن دی یا مرد نے طلاق بائن کا اختیار دیا اور اس نے طلاق رجعی دی تو پہلی صورت میں طلاق رجعی اور دوسری صورت میں طلاق بائن واقع ہوگی مخالفت زوجہ کا کچھ اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اگر کسی نے کہا کہ تو اگر چاہے تو اپنے نفس کو تین طلاقیں دے اور عورت نے ایک طلاق دی تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر شوہر نے کہا کہ اگر تو چاہے تو اپنے نفس کو ایک طلاق دے اور عورت نے تین طلاقیں دیں تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

اگر مرد نے عورت سے کہا کہ اگر تو چاہے تو طلاق ہے عورت نے جواب دیا کہ اگر میرا باپ گھر میں ہو تو میں چاہتی ہوں تو اگر باپ گھر میں موجود ہوگا تو طلاق ہو جائیگی ورنہ نہوگی مطلب

یہ ہے کہ اگر طلاق کو کسی امر موجود پر معلق کیا جائیگا تو طلاق ہو جائے گی اور اگر کسی امر معدوم پر موقوف کیا جائے گا تو واقع نہ ہو گی۔

اگر کسی نے کہا کہ تجھے طلاق دینے کا حق ہے جہاں یا جس جگہ چاہے تو عورت کو صرف اُسی مجلس میں طلاق لینے کا حق ہے تبدیل مجلس کے بعد حق نہیں ہے۔

اگر مرد نے کہا کہ تجھے طلاق ہے جس طور پر چاہے تو اب عورت نہ چاہے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور چاہے گی تو ایک طلاق بائن ہو گی بشرطیکہ شوہر کی نیت بھی ایک طلاق دینے کی ہو گی اور اگر شوہر کی نیت تین طلاقوں کی ہو گی تو تین طلاقیں واقع ہونگی۔ اور اختلاف نیت کی صورت میں صرف ایک طلاق رجعی واقع ہو گی۔

طلاق دینے کو کسی فعل کے ساتھ مشروط کرنا

طلاق مشروط کے واقع ہونے کی شرطیں

طلاق مشروط کے واقع ہونے کی یہ شرط ہے کہ طلاق کے وقت عورت مرد کی منکوحہ ہو یا کم از کم وقوع طلاق نکاح پر موقوف کیا گیا ہو۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے اگر میں تجھ سے کلام کروں تو تجھ پر طلاق ہے اب اگر کلام کریگا تو طلاق ہو جائے گی یا عام طور پر یہ کہدے کہ جس عورت سے میں نکاح کروں اُسے طلاق ہے اس وقت بھی جس عورت سے نکاح کرے گا فوراً طلاق واقع ہو جائے گی۔ ہاں اگر کسی اجنبی عورت سے کہے کہ اگر میں تجھ سے کلام کروں تو تجھے طلاق ہے اس وقت طلاق نہ واقع ہو گی کیونکہ طلاق مشروط کی دو شرطوں میں سے ایک شرط بھی موجود نہیں ہے نہ تو عورت منکوحہ ہے نہ طلاق کو نکاح کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

طلاق مشروط کے چند مسائل۔ اگر کسی نے بیوی سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے تو جس وقت وہ گھر میں داخل ہو گی طلاق ہو جائے گی۔

اگر مرد نے عورت سے کہا کہ اگر تو اس گھر میں آئیگی تو تجھے طلاق ہے اس کے بعد اس کو ایک طلاق بائن بالفعل دی اور عدت کے گذرنے کے بعد وہ عورت گھر میں داخل ہوئی تو قسم تمام ہو گئی طلاق واقع نہ ہو گی کیونکہ اسوقت عورت طلاق کی محل نہ رہی۔ اگر کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھ کو تین طلاقیں لیکن غصہ اُترنے کے بعد اپنے کلام پر پشیمان ہوا اور خیال کیا کہ طلاق سے کسی طرح گلو خلاصی ہو جائے تو چاہیئے کہ عورت کو بالفعل ایک طلاق بائن دیدے اور عدت گذرنے کے بعد وہ گھر میں داخل ہو اسکے بعد اس سے نکاح کرلے تو اب گھر میں داخل ہونے سے طلاق واقع نہ ہو گی۔ اگر زوجین میں وقوع شرط میں اختلاف ہو مثلاً شوہر کہے کہ تو گھر میں نہیں آئی تھی اور بیوی کہے

کہ میں آئی تھی تو شوہر کا قول معتبر ہوگا لیکن اگر شرط ایسی ہو کہ بدوں زوجہ کے اظہار کیئے ہوئے معلوم نہیں ہوسکتی تو بیوی کا قول معتبر ہوگا مثلاً شوہر نے کہا کہ اگر تجھ کو حیض آئے تو تجھے اور فلاں عورت کو جو میری بیوی ہے طلاق ہے اور عورت نے کہا کہ میں حائضہ ہوئی تو اسوقت اس مقرہ کو طلاق ہو جائے گی لیکن دوسری بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تجھ کو حیض آئے تو تجھے طلاق ہے اور حیض شروع ہو گیا تو فقط شروع ہونے سے ہی طلاق نہ ہو جائیگی بلکہ تین روز اگر برابر آتا رہیگا تو طلاق ہوگی کیونکہ تین دن کے بعد یہ معلوم ہوگا کہ یہ دم استحاضہ ہے یا دم حیض۔ اور اگر یہ کہا کہ اگر تجھ کو ایک حیض آئے تو تجھے طلاق ہے تو جب تک حیض اوّل ختم نہ ہو جائیگا اس وقت تک طلاق نہ ہوگی اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اگر ایک روزہ رکھے تو تجھے طلاق ہے اور بیوی نے روزہ رکھا تو جب تک آفتاب غروب ہو جائے اسوقت تک طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر یہ کہا کہ اگر تو روزہ رکھے گی تو تجھ کو طلاق ہے تو اگر روزہ کے دن کا ایک گھنٹہ بھی گذر جائے گا تو طلاق واقع ہو جائیگی پورا دن گذرنا ضروری نہیں ہے۔

ایک خاص ہدایت۔ طلاق تنجیز سے طلاق تعلیق یعنی طلاق بالفعل سے طلاق مشروط کا حکم باطل ہو جاتا ہے مثلاً زید نے اپنی زوجہ رحیمہ سے کہا کہ اگر تو گھر میں جائے تو تجھ کو تین طلاقیں اور پھر اس کے بعد رحیمہ کو تین طلاقیں بالفعل دیدیں اور رحیمہ نے عدت کے بعد خالد سے نکاح کر لیا اور کچھ دنوں کے بعد خالد نے بھی طلاق دیدی اور پھر زید نے رحیمہ سے نکاح کر لیا اور اب رحیمہ گھر میں داخل ہوئی تو طلاق مشروط کا حکم اب واقع نہ ہوگا۔

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے انشاء اللہ تعالیٰ تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

طلاق مریض وغیرہ کا بیان

کسی مریض کی طلاق معتبر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اس قدر مریض ہو کہ انتہا لاغری وضعف کی وجہ سے گھر کے بیرونی کاروبار انجام نہیں دے سکتا اور کمزوری کی وجہ سے گھر سے نہیں نکل سکتا اور اسکے مرجانے کا قوی اندیشہ ہے یا ایسا شخص ہو کہ قصاص میں پھانسی دینے کے لیئے اس کو باہر نکالا گیا ہو یا کوئی ایسا سپاہی ہو جو فیلڈ مارشل میں لڑائی کے لیئے موجود ہو اور لڑائی کے وقت پریڈ میں نکل رہا ہو اور ایسی حالت میں یہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق بائن دیدیں تو طلاق واقع نہ ہوگی اور ان کے اس حالت میں مرجانے کے بعد بیوی وارث ہوگی بشرطیکہ عورت کے ایام عدت کے اندر یہ لوگ مرے ہوں اور اگر ایام عدت گذر جانے کے بعد انتقال ہوا تو وارث نہ ہوگی۔ اسیطرح

اگر طلاق کنایہ دی ہو تب بھی ایسی حالت میں اگر مریض مرگیا تو اسکی بیوی وارث ہوگی۔

اگر مریض نے مرض مذکور میں خلع کیا اور پھر مرگیا تو عورت وارث نہ ہوگی۔

اگر مریض مذکور کی بیوی نے ایک طلاق رجعی طلب کی اور مریض نے تین طلاقیں دیدیں تو عورت وارث ہوگی، اسی طرح اگر مریض نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی اور ایام عدت میں عورت نے اپنے سوتیلے بیٹے کو شہوت سے بوسہ دیا تب بھی وارث ہوگی۔ اور اگر مریض نے اپنی بیوی سے لعان کیا اور قاضی نے دونوں میں تفریق کرادی اور پھر مرض کی حالت میں شوہر کا انتقال ہوگیا تو بیوی وارث ہوگی

اگر مریض نے قسم کھائی کہ چار ماہ تک بیوی سے قربت نہ کرونگا اور چار ماہ تک قربت نہ کی اور دونوں میں جدائی ہوگئی اس کے بعد زوج اسی حالت میں مرگیا تو بیوی وارث ہوگی۔

اگر مریض کو صرف اتنی بیماری ہو کہ اُس کے ضروری حوائج کی سرانجام دہی میں حارج نہ ہو اور وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے باہر نکل سکتا ہو یا کوئی قیدی ایسا ہو کہ اسکو سزائے موت کا حکم ہوگیا ہو لیکن پھانسی دینے کے لئے کمرہ سے باہر نہ نکالا ہو یا سپاہی فیلڈ مارشل میں موجود ہو لیکن دشمن سے مقابلہ نہ رہا ہو تو ان سب کا تندرست آدمی کا ایسا حکم ہے اگر یہ مذکورہ حالات میں طلاق بائن دینگے تو طلاق واقع ہو جائیگی اور انکی بیویاں وارث نہ ہونگی اور اگر بیوی نے اشخاص مذکورہ سے حالات مذکورہ میں خلع کیا یا انہوں نے زوجہ کو حقوق طلاق تفویض کئے یا بیوی کے کہنے سے اس کو تین طلاقیں دیں تب بھی بیوی وارث نہ ہوگی۔

اگر مریض مذکور نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھ کو صحت کی حالت میں تین طلاقیں دی تھیں اور اب تیری عدت کا زمانہ گذرچکا اور عورت نے اس کی تصدیق بھی کردی اسکے بعد شوہر نے اقرار کیا کہ بیوی کا مجھ پر کچھ قرضہ ہے یا بیوی کے واسطے کچھ وصیت کی اور اسکے بعد اسکا انتقال ہوگیا تو دونوں صورتوں میں سے جس میں عورت کو کم مال پہنچے وہی صورت اختیار کی جائے گی اگر حسب اقرار و وصیت جو مال زوجہ کو دیا جائے وہ مال میراث سے کم ہو تو اقرار و وصیت کا نفاذ کیا جائے گا اور میراث شرعی کم ہو تو میراث دی جائے گی اور اقرار و وصیت جاری نہ ہوگی۔

طلاق کو واپس لینے کا بیان

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک یا دو رجعی طلاقیں دیدے تو اس کو استحقاق ہے کہ عدت گذرنے سے قبل طلاق کو واپس لے لے خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو ہاں تین طلاقیں دینے کے بعد یا ایام عدت گذرنے کے بعد حق رجوع باقی نہیں رہتا۔ خواہ عورت راضی ہو جائے اور خواہ نکاح جدید کرنے کے بعد یا بغیر نکاح کے بہر صورت رجوع ناجائز ہے۔

رجعت کا کیا طریقہ ہے اگر کوئی شخص طلاق رجعی دینے کے بعد اپنی بیوی سے ایام عدت میں رجعت کرنا چاہے تو ذیل کے طریقوں سے رجعت ہو جائے گی (۱) زبان سے کہدے کہ میں نے تجھ سے رجوع کیا یا میں نے اپنی بیوی سے رجوع کیا (۲) جماع کرلے یا بنظر شہوت عورت کو چھولے یا کوئی اور ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے دیکھنے والے کو رجعت کا ثبوت ہوجائے اگر زبان سے رجعت کے الفاظ کہے ہیں تو مستحب ہے کہ دو آدمیوں کو گواہ کردے اور اُن کے سامنے کہے کہ تم گواہ ہو جاؤ میں نے رجعت کرلی۔

اگر رجعت کا ارادہ نہ ہو تو مستحب ہے کہ بیوی کے پاس بغیر اجازت کے یا کم ازکم بغیر اطلاع کے نہ جائے۔

رجعت کا حق کب تک باقی رہتا ہے جو عورت عدت میں ہو اور تیسرے حیض کا دسواں دن گذر جائے تو جس وقت پاک ہو اسی وقت حق رجعت ساقط ہو جاتا ہے اور اگر دس روز سے کم میں پاک ہوئی تو جب تک غسل نہ کرے یا پاکی کے بعد ایک فرض نماز کا وقت نہ گذر جائے یا تیمم کر کے نماز ادا نہ کرے اس وقت تک حق رجعت ساقط نہیں ہوتا۔ اگر عورت نے غسل کرلیا لیکن کسی عضو کا دھونا بھول گئی اور شوہر نے رجعت کرلی تو رجعت صحیح ہے ہاں اگر ایک عضو سے کم دھونا بھول گئی اور شوہر نے رجعت کرلی تو رجعت صحیح نہیں ہے۔

اگر کسی نے اپنی حاملہ بیوی کو طلاق رجعی دی اور جماع کرنے سے انکار کیا اس کے بعد رجعت کرلی اور طلاق سے چھ ماہ سے کم مدت میں عورت کے بچہ پیدا ہوا تو رجعت ثابت ہوگئی بچہ اسی شخص کا ہوگا خواہ وہ کتنا ہی انکار کرے۔

مطلقہ رجعیہ کے متعلق چند ضروری ہدایات جس عورت کو طلاق رجعی دیدی گئی ہو اس کے لئے مناسب ہے کہ ایام عدت میں اپنا بناؤ سنگار کرے تاکہ شوہر کی طبیعت مائل ہو اور وہ رجعت کرے لیکن شوہر کے لئے جائز نہیں کہ طلاق رجعی کے بعد ایام عدت میں عورت کو اپنے ساتھ سفر میں لے جائے تاوقتیکہ رجعت نہ کرلے اور شوہر کو حق ہے کہ مطلقہ رجعیہ سے بغیر اظہار رجعت کے جماع کرے کیونکہ یہ رجعت فعلی ہے۔

حلالہ کا بیان حلالہ کے یہ معنی ہیں کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور بیوی دوسرا شوہر کرلے اور پھر دوسرا شوہر جماع کرنے کے بعد اس کو طلاق دیدے اور عدت گذرنے کے بعد شوہر اول اس سے نکاح کرلے۔ مثلاً زید نے ہندہ کو طلاق دی اور ہندہ نے عدت گذرنے کے بعد

خالد سے نکاح کر لیا اور خالد نے جماع صحیح کرنے کے بعد پھر ہندہ کو طلاق دیدی اور ہندہ نے عدت گذر جانے کے بعد دوبارہ زید سے نکاح کر لیا۔

حلالہ کا حکم۔ حلالہ گو شرعاً جائز ہے لیکن حلالہ کرنے کی شرط پر نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے نبی نے حلالہ کرنے والے پر اور اُس شخص پر جس کے لیئے حلالہ کیا گیا ہو لعنت فرمائی ہے۔ مثلاً اگر زید نے ہندہ کو طلاق دی اور ہندہ سے خالد نے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں تجھ کو طلاق دیدونگا تاکہ تو دوبارہ زید سے نکاح کر لے تو یہ شرط قطعاً ناجائز ہے ایسا نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

حلالہ کے شرائط۔ حلالہ کی تین شرطیں (۱) طلاق ثانی کے بعد عدت گذر جائے۔ (۲) شوہر ثانی قبل جماع ہو یعنی جوان ہو یا نوجوان لڑکا ہو جو قریب بلوغ ہو اور مشتہی ہو بچہ نابالغ یا بوڑھا فرتوت نہ ہو (۳) شوہر ثانی نے جماع صحیح کر لیا ہو صرف نکاح ہی کافی نہیں ہے رسول اللہ صلعم نے حضرت رفاعہ کی بیوی کو یہی حکم دیا تھا جو کتب حدیث میں مفصل مذکور ہے۔

ایلاء کا بیان ایلاء کے لغوی معنی صرف قسم کھانے کے ہیں اور شریعت میں ایلاء کے یہ معنی ہیں کہ شوہر قسم کھائے کہ میں چار ماہ تک اپنی بیوی سے قربت نہ کرونگا۔

ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ تک قربت نہ کی تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے اقوال اس کے موید ہیں (رواہ البخاری)

ہدایت خاص۔ (۱) اگر چار ماہ سے کم کی قسم کھائے گا تو ایلاء نہ ہوگا (۲) اگر مدت ایلاء میں جماع کر لیا تو قسم کا کفارہ یا جزاء دینی لازم ہے۔

ایلاء کی چند صورتیں۔ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ خدا کی قسم میں تجھ سے قربت نہ کرونگا یا یہ کہا کہ خدا کی قسم میں چار ماہ تک تجھ سے قربت نہیں کرونگا یا یہ کہا کہ اگر میں تجھ سے قربت کروں تو مجھ پر حج ہے یا روزہ یا بیس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے تو ان سب صورتوں میں ایلاء ثابت ہوگا اب اگر مدت ایلاء میں قربت کریگا اور خدا کی قسم کے ساتھ ایلاء کیا ہے تو کفارہ قسم کا دینا ہوگا ورنہ صرف جزاء دینی ہوگی یعنی حج کرنا یا روزہ رکھنا یا مساکین کو کھلانا بہر حال جو شرط لگائی ہو وہ ادا کرنی ہوگی۔

ایلاء موقت۔ اگر مدت ایلاء گذرنے کے بعد دوبارہ نکاح کر لیا تو ایلاء موقت کا حکم باطل ہو جاتا ہے مثلاً اگر یہ کہا کہ خدا کی قسم میں چار ماہ تک تجھ سے قربت نہ کرونگا اور پھر چار ماہ تک قربت نہ کی اور عورت سے مطلقہ بائنہ ہو گئی اور چار ماہ گذرنے کے بعد دوبارہ نکاح کر لیا تو اب حکم ایلاء سابق

کا باقی نہیں رہا۔

ایلاء دائمی۔ اگر مدت ایلاء گذرنے کے بعد دوبارہ نکاح کر لیا تو ایلاء دائمی کا حکم باقی رہتا ہے مثلاً کسی نے اگر یوں کہا کہ خدا کی قسم میں تجھ سے قربت نہیں کرونگا اور کوئی مدت خاص مقرر نہ کی اور چار ماہ گذر گئے تو ایک طلاق بائن واقع ہو گئی اب پھر اُس نے نکاح کر لیا اور پھر چار ماہ تک قربت نہ کی تو دوسری طلاق بائن واقع ہو گئی اور پھر اس نے نکاح کر لیا اور چار ماہ تک قربت نہ کی تو تیسری طلاق بائن واقع ہو گئی اب بغیر حلالہ کے نکاح جدید درست نہیں ہے جب حلالہ کرے گا تو نکاح جدید درست ہوگا اور نکاح جدید کے بعد ایلاء کا حکم تو باقی نہیں رہیگا لیکن قسم کا کفارہ لازمی ہے اور بصورت عدم قسم کے جزا لازم ہے مثلاً اگر زید نے اپنی بیوی سے حلالہ کرنے کے بعد نکاح جدید کیا اور صورت مسئلہ وہی ہے جو سابق میں گذر گئی اور اب نکاح کے بعد قربت کی تو قسم سابق کا کفارہ دینا لازم ہے۔

ایلاء کے چند مسائل۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ خدا کی قسم میں تجھ سے دو مہینے اور دو مہینے قربت نہیں کرونگا تو ایلاء ہو گیا لیکن اگر ۱۲ تاریخ کو کہا کہ خدا کی قسم میں تجھ سے دو مہینے قربت نہیں کرونگا اور پھر ۲۴ تاریخ کو یہی الفاظ کہے تو ایلاء نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں چار ماہ سے ایک روز کم ہوتا ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ خدا کی قسم میں ایک سال تک سوائے ایک دن کے تجھ سے قربت نہ کرونگا تو ایلاء نہ ہوگا کیونکہ ایلاء اسوقت ہوتا ہے جبکہ شوہر کو بغیر جزاء یا کفارہ لازم ہونے کے چار ماہ تک جماع کا امکان نہ ہو اور اس صورت میں ممکن ہے کہ بغیر جزاء اور کفارہ ادا کیئے کسی ایک روز اُس سے جماع کرے لیکن اگر ایک روز جماع کر لیا اور بعد جماع کے چار ماہ یا اس سے زائد مدت باقی رہی تو ایلاء ثابت ہو جائیگا کیونکہ اب امکان جماع بغیر دم جزاء یا کفارہ کے نہیں رہا۔

اگر کوئی شخص دہلی میں ہو اور اُس نے قسم کھائی کہ میں لکھنؤ نہ جاؤنگا اور اسکی بیوی لکھنؤ میں ہو تو ایلاء نہ ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ بغیر لکھنؤ جائے ہوئے عورت کو وہ دہلی بلالے۔

جو عورت مطلقہ رجعیہ ہے اس سے ایلاء کرنا قبل انقضاء عدت کے درست ہے اور جو عورت مطلقہ بائنہ یا اجنبیہ ہے اُس سے کسی طرح ایلاء درست نہیں۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا اور کسی خاص سبب سے جماع نہ کر سکا مثلاً خود بیماری کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہوا یا عورت بیماری کی وجہ سے یا صغر سنی کی وجہ سے یا مرض رتق کی وجہ سے ناقابل جماع ہو یا عورت اتنی دور ہو

کہ چار ماہ میں وہاں پہنچنا ممکن ہو تو اسوقت رجعت کرنے کے لئے صرف زبانی رجعت کافی ہے زبانی رجعت کے بعد اگر مدت ایلاء گذر بھی جائے گی تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی اگر مدت ایلاء گذرنے سے قبل جماع پر قادر ہو گیا اور عذر جاتا رہا تو اب بغیر جماع کے رجوع نہیں ہو سکتا۔

اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو جو نیت کی ہے ویسا ہی حکم ہوگا۔ اگر طلاق کی نیت کی ہے تو ایک طلاق بائن پڑے گی اور ظہار کی نیت کی ہے تو تین طلاقیں واقع کی ہیں اور اگر ویسے ہی جھوٹ کہا ہے تو کچھ نہیں ہوا اور اگر اپنے اوپر حرام کرنے کی نیت کی ہو تو ایلا ہو جائیگا

خلع کا بیان

خلع کے یہ معنی ہیں کہ شوہر بیوی سے کچھ مال لے کر اپنی زوجیت سے علحدہ کردے۔

خلع کا حکم۔ خلع کرنا بغیر کسی شرعی یا خاص وجہ کے مکروہ ہے اور اگر کوئی خاص وجہ ہو اور وہ وجہ شرع کے موافق ہو تو خلع جائز ہے مثلاً زوجین میں لڑائی جھگڑا ہو جائے اور اصلاح ناممکن ہو تو عورت کے لئے جائز ہے کہ کچھ مال دیکر شوہر سے اپنا پیچھا چھڑالے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ثابت بن قیس کی بیوی رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ثابت کے اخلاق اور دینداری پر تو میں عیب نہیں لگاتی لیکن حالت اسلام میں شوہر کی ناشکری کو بُرا جانتی ہوں حضورؐ نے فرمایا کیا تو اس کا باغ واپس کرے گی۔ عورت نے عرض کیا جی ہاں آپ نے ثابت سے فرمایا کہ باغ قبول کرلے اور اسکو طلاق دیدے (رواہ البخاری)

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر مرد کی طرف سے شرارت ہو تو خلع کا بدلہ لینا مکروہ تحریمی ہے اور اگر عورت کی طرف سے شرارت ہو تو مقدار مہر سے زائد مال لینا مکروہ ہے۔

خلع کے چند مسائل

اگر عورت کو کچھ مال کے عوض میں طلاق دی اور عورت نے اس شرط کو قبول بھی کرلیا تو طلاق بائن واقع ہوگی اور ادائیگی مال زوجہ پر لازم ہے اور اگر شراب یا کسی حرام چیز کے عوض میں طلاق دی تو طلاق رجعی واقع ہوگی اور عورت پر کچھ لازم نہ آئیگا ہاں اگر شراب یا سؤر یا کسی اور حرام چیز کے عوض خلع کیا تو طلاق بائن واقع ہوگی لیکن زوجہ پر کچھ تاوان نہ آئیگا۔

اگر بیوی نے کہا کہ میرے ہاتھ میں جو کچھ ہے اسکے بدلہ میں خلع کرلو اور شوہر نے قبول کرلیا اور ہاتھ میں کچھ نہ نکلا تو طلاق بائن واقع ہوگی اور زوجہ پر کچھ لازم نہ آئیگا۔ ہاں اگر عورت نے کہ جو کچھ مال میرے ہاتھ میں ہے یا جو روپیہ میرے ہاتھ میں ہے اسکو لیکر خلع کرلو اور پھر اس میں کچھ نہ نکلا تو اول صورت میں عورت نے جو مہر لیا ہے وہ واپس کرنا ہوگا اور دوسری صورت میں کم از کم تین روپیہ ادا کرنے ہونگے۔

اگر عورت نے اس شرط پر خلع کیا کہ جو کچھ اُس کے گھر میں ہے وہ شوہر کا ہے اور مرد نے قبول کرلیا تو خلع ہو جائیگا اب جو کچھ گھر میں برآمد ہوگا وہ شوہر لے لیگا اور اگر کچھ نہ نکلے گا تو عورت پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس شرط پر خلع کیا کہ جو مال گھر میں ہے وہ مرد کا ہے اور گھر میں کچھ نہ نکلا تو جتنا مہر عورت نے لیا ہے وہ واپس کرنا ہوگا۔

اگر عورت نے مرد سے کہا کہ مجھے ایک ہزار روپیہ کے عوض میں تین طلاقیں دیدے اور مرد نے ایک طلاق دی تو طلاق بائن واقع ہوگی اور عورت پر لازم ہوگا کہ ہزار کا ۱/۳ مرد کو ادا کرے اور اگر یہ کہا ہے کہ مجھے ہزار روپیہ کی شرط پر تین طلاقیں دے اور مرد نے ایک طلاق دی تو طلاق رجعی ہوگی اور عورت پر روپیہ دینا لازم نہیں۔

اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ ایکہزار روپیہ کے عوض یا ایک ہزار کی شرط پر اپنے کو تین طلاقیں دے اور عورت نے طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی ہاں اگر مرد نے عورت سے کہا کہ تجھے ایک ہزار روپیہ کے عوض یا ایک ہزار روپیہ کی شرط پر طلاق ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی لیکن ہزار روپیہ دینا لازم نہ ہوگا۔

ہدایت خاص۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عورت کے حق میں خلع درحقیقت ایک معاوضہ ہی اس لئے عورت کے لئے جائز ہے کہ اگر اس کی طرف سے ایجاب ہو تو شوہر کے قبول کرنے سے قبل اپنے قول کو واپس لے لے۔ چنانچہ اگر عورت نے مرد سے کہا کہ ہزار روپیہ پر مجھ سے خلع کرلو اور شوہر کے قبول کرنے سے قبل اُس نے اپنے قول کو واپس لے لیا تو جائز ہے اسی طرح عورت کے لئے شرط خیار بھی صحیح ہے مثلاً اگر مرد نے عورت سے کہا کہ تجھ کو ایک ہزار روپیہ ادا کرنے کی شرط پر طلاق ہے اور تین دن تک تجھ کو قبول کرنے کا اختیار ہے تو اگر تین دن کے اندر عورت نے رد کردیا تو طلاق نہ ہوگی ورنہ طلاق ہو جائے گی اور ہزار روپیہ دینے لازم ہونگے۔

کیا قبول خلع کے لئے وحدۃ مجلس شرط ہے

اگر عورت کی طرف سے ایجاب ہو تو یہ ضروری ہے کہ شوہر اسی مجلس میں قبول کرے تبدیل مجلس کے بعد قبول کرنا معتبر نہیں ہی اور اگر مرد کی طرف سے ایجاب ہو تو مرد کو حق رجوع نہیں ہے اور عورت جب چاہے قبول کرسکتی ہی اس کے لئے وحدت مجلس ضروری نہیں ہے اگر اختلاف مجلس کے بعد بھی قبول کرے گی تو جائز ہے اور مرد کو کسی طرح رجوع کا حق نہیں ہے۔

مبارات کا بیان

مبارات اُس خلع کو کہتے ہیں جسمیں زوجین میں سے ہر ایک اپنے حقوق

دوسرے کو معاف کردیتا ہے۔ مبارات سے کون سے حقوق ساقط ہوجاتے ہیں۔ مبارات سے وہ تمام حقوق ساقط ہوجاتے ہیں جو نکاح کے متعلق ہیں۔ مثلاً جتنا مہر شوہر کے ذمہ واجب الادا ہے وہ معاف ہوجائے گا اور نفقہ بھی ساقط ہوجائے گا لیکن ایام عدت کا نفقہ معاف نہ ہوگا جب تک اُس کا خصوصی ذکر نہ کیا جائے اس طرح اس اسباب کی قیمت بھی شوہر کو معاف نہ ہوگی جو عورت نے شوہر کے ہاتھ فروخت کیا ہو۔

اگر باپ نے اپنی نابالغہ لڑکی کی طرف سے اُس کے شوہر سے خلع کیا تو لڑکی کا مہر ساقط نہ ہوگا البتہ طلاق بائن واقع ہوجائے گی اب اگر باپ نے بدل خلع ادا کرنے کی ذمہ داری کی ہے تو بدل خلع ادا کرنا باپ پر لازم ہے لڑکی کا مہر ہرگز معاف نہ ہوگا خواہ لڑکی قبول کرے یا نہ کرے۔

ظہار کا بیان

ظہار کی تعریف۔ ظہار کے شرع میں یہ معنی ہیں کہ مرد اپنی بیوی کو یا اپنی بیوی کے خاص خاص اعضاء کو اپنی محرم عورت کے ان اعضاء سے تشبیہ دے جن پر نظر ڈالنا اس کے لئے شرعاً ناجائز ہے مثلاً پیٹ پشت ران وغیرہ۔

ظہار کن الفاظ سے ہوتا ہے۔ اگر مرد کہے کہ تو مجھ پر میری ماں یا بہن یا پھوپی کی پشت یا ران کی طرح ہے یا یہ کہے کہ تیری پشت مجھ پر میری بہن کی پشت کی طرح ہے یا میرے لئے تیرا سر میری ماں بہن کے سر کی طرح ہے یا یہ کہے کہ تیرا نصف بدن یا ثلث بدن میرے لئے میری ماں یا بہن یا خالہ کے پشت یا شکم کی طرح ہے یا یہ کہا کہ تو مجھ پر ایسی حرام ہو جیسے میری ماں کی پشت تو ان سب صورتوں میں ظہار ہوجائے گا۔

کیا عورت کی طرف سے ظہار ہوسکتا ہے۔ عورت کی طرف سے ظہار نہیں ہوسکتا اگر عورت اپنے شوہر سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے تو ظہار نہ ہوگا۔

ظہار کا حکم۔ اگر ظہار کیا ہو تو کفارہ ادا کرنے سے قبل جماع اور دواعی جماع سب کچھ حرام ہے اگر کفارہ دینے سے قبل جماع کرلیا تو توبہ استغفار کرے اور جب تک ظہار کا کفارہ ادا نہ کرے اور عورت کو حق حاصل ہے کہ اگر شوہر جماع کا ارادہ کرے تو اس کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے اور حاکم بھی شوہر کو (بشرطیکہ وہ جماع کا قصد رکھتا ہو) کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرسکتا ہے قید بھی کرسکتا ہے اور سزا تازیانہ بھی دے سکتا ہے۔

ظہار موقت - اگر ظہار کے لئے کوئی خاص میعاد مقرر کی ہو مثلاً یوں کہا ہو کہ تو مجھ پر ایک سال کے لئے حرام ہے جیسے میری ماں کی پشت تو اگر سال کے اندر جماع کرتا ہو تو کفارہ ادا کرنا لازم ہے اور سال ختم ہو جانے کے بعد ادائے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے بغیر کفارہ کے بھی عورت حلال ہو جاتی ہے۔

ظہار موئد یا غیر موقت - اگر ظہار میں کسی میعاد خاص کی قید نہیں لگائی ہو تو جبتک کفارہ ادا نہ کریگا عورت سے جماع کرنا حلال نہوگا۔

ظہار ایلاء اور طلاق کے چند مشتبہ مسائل - اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے تو نیت پر دارمدار ہے اگر کچھ نیت نہ ہو گی تو کلام نہ سمجھا جائیگا ورنہ اگر طلاق کی نیت ہو گی تو طلاق بائن پڑ جائے گی اور ظہار کی نیت ہو گی تو ظہار ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر یہ کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے تو اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق ہو جائے گی اور ظہار کی نیت ہو تو ظہار ہو جائیگا اور کچھ نیت نہ ہو تو ایلا ہو جائیگا۔

کفارۂ ظہار - کفارۂ ظہار یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا متواتر دو ماہ کے روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو فی کس ڈیڑھ سیر گیہوں یا تین سیر جو تقسیم کرے اگر کفارہ میں روزے رکھے تو ایسے زمانہ میں رکھے کہ ان دو ماہ کے اندر ماہ رمضان عیدین اور ایام تشریق نہ آئیں روزے رکھنے کے دوران میں اگر ایک دن بھی ناغہ کردے گا یا کسی روز جماع کرے گا تو پھر از سر نو دو ماہ کے روزے رکھنے ہونگے - اگر مسکینوں کو گیہوں تقسیم نہ کرے تو صبح شام پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے خواہ وہ کتنا ہی کھا سکیں - اور کھانا نہ کھلائے تو ہر ایک کو کھانے کی قیمت دیدے البتہ یہ جائز نہیں کہ غلہ کی قیمت یکمشت ایک ہی شخص کو دیدی جائے۔

لعان کا بیان

لعان کی تعریف - لعان کے لغوی معنی باہم لعنت کرنے کے ہیں اور اصطلاح فقہ میں یہ معنی ہیں کہ شوہر و بیوی دونوں ایک دوسرے طور پر قاضی کے سامنے شہادت دیں اور جھوٹے پر لعنت کریں - لعان کس وقت ہوتا ہے - اگر شوہر اپنی بیوی کو بد چلن کہے اور عورت اپنی پاکدامنی کی مدعی ہو اور کبھی پہلے زنا کے ساتھ متہم نہ ہوئی تو اسوقت لعان ہوگا - لعان کی شرطیں (۱) زوجین عاقل بالغ ہوں کبھی حد قذف کی سزا ان کو نہ ملی (۲) عورت عفیفہ اور پاکدامن ہو (۳) عورت لعان کا مطالبہ کرے - کن صورتوں میں لعان نہ ہوگا - عورت بد چلن ہو یا کم از کم

ایک مرتبہ پہلے اس کا زنا ثابت ہو گیا ہو یا عورت کے پاس کوئی ایسا لڑکا ہو جس کا نسب معلوم نہ ہو یا عورت پر کبھی حد قذف پڑ چکی ہو یا زوجین میں سے کوئی شہادت شرعی کے قابل نہ ہو یا زوجین نے باہم نکاح فاسد کر کے جماع بھی کیا ہو یا عورت یا مطالبہ ہی نہ کرے تو ان سب صورتوں میں لعان جاری نہ ہوگا۔ ہاں اگر عورت پاکدامن عاقل بالغ ہو بہت کم عمر اور دیوانی نہ ہو مسلمان ہو اور لعان کا مطالبہ کرے تو لعان کیا جائے گا۔

لعان کا طریقہ۔ لعان کا طریقہ یہ ہے کہ اول چار مرتبہ شوہر قاضی کے سامنے اس کہے کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اس عورت کی طرف زنا کی نسبت کرنے میں میں سچا ہوں پھر پانچویں بار کہے کہ اگر میں اس عورت کی طرف زنا کی نسبت کرنے میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو جب مرد اس طرح پانچ مرتبہ کہہ چکے تو عورت چار مرتبہ کہے کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ میری طرف زنا کی نسبت کرنے میں یہ شخص جھوٹا ہے پھر پانچویں بار کہے کہ اگر شوہر زنا کی نسبت کرنے میں سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب ٹوٹے۔ اب اگر دونوں لعان کر چکیں تو قاضی دونوں میں تفریق کرا دے اور اُسوقت ایک طلاق بائن ہو جائے گی۔ اور اگر مرد نے بچہ اپنا نہ بتایا ہو تو وہ عورت کو مل جائیگا۔ **چند مسائل۔** اگر مرد نے تفریق سے اور لعان کے بعد خود اپنی تکذیب کی تو اُس پر حد قذف جاری ہوگی لیکن عورت سے اس کے لئے نکاح حلال ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر تفریق کے بعد بھی مرد نے کسی پر زنا کی تہمت لگائی اور اس تہمت کی شرعی سزا اسپر پڑی یا زوجہ نے زنا کیا اور زنا کی حد اُسپر پڑی تو ان دونوں میں نکاح حلال ہو جائیگا۔ اگر کسی شخص نے لڑکے کی پیدائش کے بعد سات روز کے اندر نسب ولد سے انکار کر دیا تو نسب ثابت نہ ہوگا اور لعان جاری ہوگا ہاں اگر سات روز کے بعد انکار کیا تو لعان واجب نہیں اور نسب ثابت ہے۔ اگر گونگے نے اشارہ سے عورت پر زنا کی تہمت لگائی تو لعان لازم نہیں اور نہ گونگے پر حد قذف ہوگی۔ اگر مرد نے عورت سے کہا کہ تو نے زنا کیا اور یہ حمل زنا کا ہے تو لعان واجب ہوگا اور نسب ولد ثابت رہیگا

عنین کا بیان عنین وہ شخص ہے جو عورت سے ہم صحبت ہونے پر قادر نہ ہو لیکن اگر جماع ثیب پر قادر رہو اور جماع دوشیزہ پر قادر نہ ہو یا بعض عورتوں سے جماع کرنے پر قادر رہا دل اپنی کمزوری کی وجہ سے بعض کے ساتھ جماع کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ عنین نہیں ہے۔ عنین کا حکم۔ اگر کوئی شخص عنین ہو اور اپنی عاجزی کا مقر ہو تو اسکو ایک سال کی مہلت دی جائیگی تاکہ اس دوران میں وہ علاج کرائے ایک سال کے اندر اگر اُس کو صحت ہو جاوے تو خیر ورنہ ایک سال

کے بعد اگر عورت تفریق کی خواہشمند ہو تو قاضی تفریق کرادے لیکن اگر خلوت کرلی ہو تو کل مہر دینا ہوگا اور عورت پر عدت لازم ہے اور اگر باہم اختلاف ہو اور گواہوں سے ثابت ہو جائے کہ مرد قابل نہیں تو مرد کو قسم دی جائے گی اگر قسم کھالی تو حق تفریق باطل ہو جائے گا اور قسم کھانے سے اعراض کیا تو قاضی تفریق کرادے گا۔

خصی اور مقطوع الذکر کا حکم۔ خصی کو بھی عنین کی طرح ایک سال کی مہلت دیجائیگی البتہ مقطوع الذکر شخص کی بیوی اگر تفریق کی خواہشمند ہوگی تو فوراً تفریق کرادی جائے گی۔

ایک اہم مسئلہ۔ اگر زوجین میں سے کسی کو جنون، جذام، برص وغیرہ امراض ہوں تو کسی کو حق تفریق نہیں ہے البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کو جنون یا جذام یا برص ہو تو عورت کو حق تفریق حاصل ہے

عدت کا بیان

مطلقہ کی عدت۔ مطلقہ رجعیہ یا بائنہ کو اگر حیض آتا ہو تو اس کی عدت کی مقدار تین حیض کامل ہے اور اگر عورت صغیر السن ہو یا اتنی عمر کو پہنچ گئی ہو کہ حیض سے ناامیدی ہو گئی ہو اور حیض نہ آتا ہو تو اُسکی عدت کی مقدار تین ماہ کامل ہیں اسی طرح اگر کسی وجہ سے نکاح فسخ ہوگیا ہو مثلاً خیار بلوغ کی وجہ سے یا احد الزوجین کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے یا کفوء نہ ہونے کی وجہ سے تو مقدار عدت تین حیض ہیں ورنہ تین ماہ۔ تنبیہ۔ جس حیض میں طلاق دی ہو وہ حیض عدت میں شمار نہ ہوگا۔ اُس عورت کی عدت کا بیان جس کا شوہر مرگیا ہو۔ اگر کسی عورت کا شوہر مرجائے اور وہ حاملہ نہ ہو خواہ مسلمہ ہو یا کتابیہ حائضہ یا غیر حائضہ مدخولہ یا غیر مدخولہ صغیرہ یا کبیرہ بہرحال اسکی عدت کے چار ماہ دس روز ہیں۔ حاملہ کی عدت۔ اگر عورت حاملہ ہو اور اسکا شوہر مرجائے تو اسکی عدت صرف یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے یعنی جس وقت بچہ پیدا ہو جائیگا اُسی وقت عدت ختم ہو جائیگی۔ عدت فار کا بیان۔ فار وہ شخص ہے جس نے حالت مرض میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہو ایسی عورت اگر مطلقہ بائنہ ہو تو اس کی عدت کی مقدار یہ ہے کہ اگر عدت طلاق کی زائد ہو تو اس کا حساب لگایا جائے گا اور اگر عدت وفات کی زائد ہو تو عدت وفات کا حساب ہوگا بہرحال دونوں عدتوں میں سے جو طویل ہوگی وہی محسوب ہوگی۔ اور اگر مطلقہ رجعیہ ہو تو اسکی عدت وہی عدت وفات ہے۔

عدت آئسہ کا بیان۔ اگر عورت آئسہ ہو یعنی حیض سے مایوس ہو گئی ہو اور اس کی عمر ۵۵ سال ہو گئی ہو اور عدت گذار رہی ہو لیکن اتفاق سے پھر خون برآمد ہو تو اس کی پہلی

عدت کا حکم فسخ ہو جائے گا اور از سر نو تین حیض گذارنے ہونگے۔ **عدت کے احکام**۔ جس عورت کا شوہر مر گیا یا اُس کے شوہر نے اس کو طلاق بائن دیدی تو اُسکو سوگ کرنا چاہیئے اسکو گھر سے نہ نکلنا چاہیئے اگر عدت طلاق میں ہو تو کسی وقت نہ نکلنا چاہیئے خواہ دن ہو یا رات اور اگر عدت وفات میں ہو تو اس کے لیئے جائز ہے کہ دن بھر گھر سے غائب رہے اور رات کا تھوڑا سا حصہ بھی گھر سے غائب رہ سکتی ہے لیکن رات کا زیادہ حصہ گھر میں گذارنا لازم ہے اور عدت اُسی گھر میں پوری کرنی چاہیئے جس میں طلاق یا شوہر کی وفات ہوئی بشرطیکہ یہ گھر اُس کا یا اُسکی سکونت کا ہو ہاں اگر اُس کو زبردستی گھر سے نکالا جائے یا اس گھر میں رہ کر مال کے تباہ ہو جانے کا خوف ہو یا گھر کے گر جانے کا ڈر ہو تو جائز ہے کہ اُس کی سکونت ترک کر دے اسی طرح اگر عدت طلاق کی عدت میں ہو اور شوہر بدچلن ہو تب بھی اُس گھر سے نکل آنا جائز ہے۔

اگر مرد کے ساتھ سفر میں عورت ہو اور اثنار سفر میں مرد کا انتقال ہو گیا یا اُس نے طلاق بائن دیدی اور وہاں ٹھیرنے کا کوئی محفوظ مقام بھی نہ ہو اور وہاں سے مکان تک تین روز کی مسافت بھی نہ ہو تو وہاں سے لوٹ کر مکان پر ایام عدت گذارنا چاہئیں اور اگر مکان تین روز کی مسافت پر ہے اور جہاں جانے کا ارادہ ہے وہ جگہ بھی تین روز کی مسافت پر ہے تو عورت کو اختیار ہے جہاں چاہے چلی جائے خواہ کوئی ولی ساتھ ہو یا نہ ہو لیکن احتیاط اسمیں ہی کہ واپس آجائے اور مکان پر پہنچکر عدت کرے۔

سوگ کا بیان۔ حدیث میں آیا ہے کہ عورت مردہ پر سوگ تین روز سے زائد نکرے ہاں شوہر کے مرنے پر چار ماہ دس روز سوگ کرے (بخاری و مسلم) دوسری حدیث میں آتا ہے کہ عدت والی عورت مہندی کا خضاب نہ لگائے۔

سوگ میں کن چیزوں کا استعمال حرام ہی۔ مہندی نہ لگائے بناؤ سنگار نہ کرے زعفرانی اور کسم کا رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ کوئی کپڑا رنگ کر نہ پہنے۔ ہاں اگر کپڑے کا ذاتی رنگ ہو تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ خوشبو اور سرمہ اور تیل نہ لگائے ہاں اگر کوئی عذر قوی ہو تو تیل اور سُرمہ کا استعمال جائز ہے۔ اگر مطلقہ عدت میں ہو تو اسکو نکاح کا صریحی پیغام نہ بھیجا جائے۔

ثبوت نسب کا بیان اول یہ جان لینا ضروری ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہیں اور زائد سے زائد دو برس ہیں۔ لہٰذا اگر کسی عورت سے کہا کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے پھر اس سے نکاح کیا اور وقت نکاح سے چھ ماہ کے بعد اسکے اولاد ہوئی تو اولاد کا

نسب اُس شخص سے ثابت ہو جائے گا اور عورت کا مہر لازم ہو گا۔

اگر معتدہ عورت نے دعویٰ کیا کہ یہ بچہ میرے پیدا ہوا ہے اور شوہر نے انکار کیا تو اگر قبل ولادت کے علامات حمل کے ظاہر ہونے کا اقرار کیا تھا تو صرف ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائیگا اور علامات حمل کے انکار کی صورت میں ثبوت نسب کے لئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی لازم ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور چھ ماہ سے کم میں اسکے اولاد پیدا ہوئی تو اس شخص سے بچہ کا نسب ثابت نہ ہو گا ہاں اگر چھ ماہ یا اس سے زائد میں بچہ ہوا تو نسب ثابت ہو جائیگا خواہ شوہر اقرار کرے یا خاموش رہے البتہ اگر انکار کرے اور کہے کہ میری بیوی کے کوئی بچہ پیدا ہوا ہی نہیں ہے تو ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر یہ کہے کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے تو لعان کیا جائے گا۔

بچہ کی پرورش کا بیان اگر میاں بی بی میں تفریق ہو جائے یعنی شوہر بیوی کو طلاق دیدے تو بچہ کی پرورش کی سب سے زیادہ حقدار ماں ہے پھر نانی پر نانی نانی کی نانی وغیرہ پھر دادی پردادی دادی کی دادی وغیرہ پھر حقیقی بہن پر اخیافی بہن پھر علاتی بہن پھر حقیقی خالہ پھر ماں کی اخیافی بہن پھر ماں کی علاتی بہن۔ پھر اثبات ترتیب وار۔ لیکن عصبہ غیر محرم کو پرورش کا حق نہیں مثلاً چچا کا بیٹا وغیرہ۔

شرائط حضانت۔ بچہ کی پرورش کی حقدار مذکورہ عورتیں اسوقت تک ہیں جبکہ غیر محرم سے نکاح نہ کریں اگر بچہ کے باپ کے کسی محرم رشتہ دار سے نکاح کرلیں تو کوئی ہرج نہیں ہے مثلاً بچہ کی ماں نے بچہ کے چچا سے نکاح کرلیا تو اس وقت بھی حق حضانت باقی رہتا ہے۔

عصبات کو بھی حق حضانت بشرط مذکورہ بالا ہے لیکن اتنی شرط اور ہے کہ یہ عصبات بدچلن نہ ہوں۔

مدت حضانت ماں اور نانی کو لڑکے کا حق حضانت اُسوقت رہتا ہے جب تک لڑکا سات برس کا نہ ہو اور لڑکی کا حق حضانت جوان ہونے تک ہے۔ باقی دیگر عورتوں کو حق حضانت لڑکی کا اسوقت تک ہے جب تک اُس کو اشتہا نہ ہو یعنی نو سال کی عمر تک۔

مطلقہ عورت کے لئے جائز نہیں کہ جس وطن میں اس کا نکاح ہوا ہے۔ عدت کے بعد وہاں سے کہیں اور دوسری جگہ بچہ کو لیجائے ہاں صرف ماں کیلئے جائز ہے کہ اتنی دور لیجائے کہ مسافت بقدر اس کم ہو

نفقہ کا بیان ۔ عورت کا نفقہ لباس اور جائے سکونت مرد پر واجب ہے خواہ عورت مسلمہ ہو یا کافرہ بڑی ہو یا چھوٹی بیمار ہو یا تندرست۔ کس عورت کا نفقہ واجب نہیں ہے؟ (۱) وہ عورت جو صغر سنی یا کسی اور مانع کی وجہ سے قابل جماع نہ ہو (۲) وہ عورت جو شرارت کی وجہ سے اپنے باپ کے گھر جا بیٹھی ہو اور شوہر کے طلب کرنے پر بھی نہ آتی ہو (۳) وہ عورت جو بلا حق صرف شرارت کی وجہ سے گھر سے نکل گئی ہو (۴) وہ عورت جو کسی کے قرض میں قید کردی گئی ہو (۵) وہ عورت جو اپنے باپ کے گھر بیمار پڑی ہو (۶) وہ عورت جس کو کوئی چھین لے گیا ہو (۷) وہ عورت جو بغیر اذن شوہر کے حج کو گئی ہو (۸) وہ عورت جس کا شوہر مر گیا ہو اور وہ عورت عدت میں ہو۔ ان سب عورتوں کا نفقہ شرعاً شوہر پر واجب نہیں ہے ۔ اگر عورت شوہر کے ساتھ حج کو گئی تو حضر کا نفقہ ملے گا یعنی وہ خرچ ملے گا جو حالت قیام میں تھا حالت سفر کا خرچ نہیں ملے گا ۔

عورت کو خرچ کتنا دینا چاہیئے ۔ شوہر کو اپنی حیثیت کے بموجب عورت کے مصارف برداشت کرنے چاہئیں اگر مالدار ہو تو کم از کم عورت کے لئے ایک خادم بھی مقرر کرنا چاہیئے اور خادم کے مصارف خود اُٹھانے چاہئیں اور مفلس ہو تو خادم رکھنا ضروری نہیں ہے۔ خرچ برداشت کرنے سے عاجز ہو جانے کا بیان ۔ اگر شوہر افلاس کی وجہ سے بیوی کے مصارف برداشت نہ کرسکے تو عورت کو چاہیئے کہ شوہر کے نام سے قرض لیکر گذارا کرے جب شوہر مالدار ہو جائے تو اسوقت ادا کرے اور سبیل قرض بھی ممکن نہ ہو اور کسی طرح مرد اس قابل نہ ہو کہ عورت کے ضروری مصارف کو برداشت کرسکے تو پھر قاضی دونوں میں تفریق کرادے ۔ چند مسائل ۔ اگر مدت تک شوہر نے اپنی بیوی کو نفقہ نہیں دیا اور اُس نے طلب بھی نہیں کیا تو گذشتہ نفقہ ساقط ہو جائیگا ہاں اگر قاضی نے کچھ ماہواری خرچ معین کرادیا ہو یا مرد و عورت دونوں نے باہم ملکر کچھ ماہوار طے کرلیا ہو اور یہ مقررہ رقم کچھ عرصہ تک شوہر نے نہ دی ہو تو یہ رقم شوہر کے ذمہ واجب الادا رہے گی ساقط نہ ہو گی ۔ اور اگر شوہر نے پیشگی چند ماہ کے مصارف دیدیئے اور اس مدت میں زوجین میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو دیا ہوا صرف واپس نہیں لیا جائے گا ۔

جو عورت کہ طلاق بائن یا رجعی کی عدت میں ہو یا اس تفریق کی عدت میں ہو جو معصیت زوجہ کی وجہ سے نہ ہو تو ایام عدت تک اس کا نفقہ اور مسکن شوہر پر واجب ہے ۔ اور جو عورت تین طلاق کی عدت میں ہو اور وہ مرتد ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا اور اگر ایام عدت میں کوئی بدچلنی کرے تو نفقہ زوج پر قایم رہے گا ساقط نہ ہو گا ۔

زوجہ کے مسکن کا بیان - مرد پر واجب ہے کہ عورت کو ایسے مکان میں رکھے جو بالکل علیحدہ ہو۔ عورت کا سوتیلا بیٹا یا غیر لوگ وہاں نہ آسکتے ہوں اور اگر گھر بڑا ہو اور اسمیں کئی قطع ہوں تب بھی ایسے حصہ میں رکھنا چاہئے جہاں کی زنجیر اور قفل بالکل علیحدہ ہو۔ لیکن مرد کو بھی یہ حق ہے کہ عورت کے والدین کو ہفتہ میں ایک بار سے زائد آنے سے روک دے اور دیگر محرم رشتہ داروں کو سال بھر میں ایک بار سے زائد نہ آنے دے۔

عورت پر شوہر کے بچوں کے کیا حق ہے - اگر بچّہ شیر خوار ہے تو عورت پر دودھ پلانے کے لئے جبر نہیں کیا جائے گا اور مرد پر لازم ہے کہ اپنے بچّہ کے لئے کوئی انّا مقرر کرے ہاں اگر کوئی اور عورت دودھ پلانے والی نہ ملتی ہو یا شوہر انّا کے مصارف برداشت نہ کرسکتا ہو تو عورت پر لازم ہے کہ بچّہ کو دودھ پلائے لیکن اس دودھ پلانے کی اجرت لینی جائز نہیں۔

والدین اولاد اور دیگر اعزّا کا نفقہ - اگر چھوٹے بچّے مالدار ہوں تو انکے مصارف ان کے مال میں سے ہونگے اور مفلس ہوں تو باپ اُن کے مصارف کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح اگر لڑکا لڑکی بالغ ہوں اور مفلس ہوں یا مجبور ہوں کمائی نہ کرسکتے ہوں تو انکے مصارف کی کفالت بھی باپ کے ذمہ ہے۔ والدین کا نفقہ خواہ کافر ہوں یا مسلمان کمائی کرسکتے ہوں یا نہ کرسکتے ہوں اولاد کے ذمہ ہے اولاد میں لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہیں اگر کسی کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو تو دونوں نصف نصف مصارف کے ذمہ دار ہیں۔ دادا دادی وغیرہ کا حکم بھی والدین کیطرح ہے

قاعدہ کُلیہ - خرچ کی ذمہ داری میں ترتیب وراثت کا اعتبار نہیں بلکہ قرب اور جزئیت کا اعتبار ہے لہذا اگر کسی کا ایک پوتا اور ایک بیٹی ہو تو اس کا نفقہ کل بیٹی پر واجب ہے اور اگر ایک بھائی اور ایک نواسا ہو تو کل نفقہ نواسے پر ہے۔

اعزا میں سے جو شخص بچّہ ہو یا فقیر ہو یا عورت صغیرہ یا فقیرہ ہو یا مرد بالغ بیدست و پا ہو یا اندھا ہو تو اس کا نفقہ اُس رشتہ دار پر واجب ہے جو وارث ہونے کی قابلیت رکھتا ہو لہذا جس شخص کا ایک ماموں اور ایک چچازاد بھائی ہو تو نفقہ ماموں پر ہے۔

جس رشتہ دار کا دین غیر ہو اُس کا نفقہ دوسرے رشتہ دار پر واجب نہیں ہاں بیوی کا نفقہ ضروری ہے خواہ وہ کافرہ اور مالدار ہو اور اصول و فروع کا نفقہ بھی ضروری ہے بشرطیکہ مفلس ہوں خواہ کافر ہوں یا مسلمان۔

محتاج آدمی پر سوائے اپنی بیوی کے اور محتاج بچّوں کے کسی کا نفقہ واجب نہیں۔

باپ کے لیئے جائز ہے کہ اپنے ضروری مصارف کے لیئے بیٹے کی جائداد منقلہ فروخت کردے جائداد غیر منقلہ کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سوائے نفقہ ضروریہ کے اور کسی مطالبہ کے لیئے لڑکے کی غیبت میں اس کا کوئی مال فروخت کرنا باپ کے لیئے جائز نہیں ہے
ماں اپنے لڑکے کے مال کو کسی طرح فروخت نہیں کرسکتی۔

اگر کسی کے پاس زید کا کچھ مال بطور امانت کے رکھا ہوا ور وہ بغیر حکم حاکم کے صرف کیا تو ضمان نہ دے۔ اسی طرح اگر لڑکے کا مال ماں باپ کے پاس بطور امانت کے جمع ہو تو وہ اُس کو صرف کرسکتے ہیں ؛
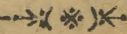
کِتابُ الحقوق

حقوق اللہ یوں تو خدائے تعالیٰ کی نعمتیں اپنے بندوں پر بے انتہا اور حد شمار سے خارج ہیں خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا وجود اور توابع وجود سب اسی خداوند قدوس کی عطا کردہ نعمتیں ہیں کون نہیں جانتا کہ ہر انسان ہر منٹ میں پچھتر مرتبہ سانس لیتا ہے لیکن یہ سانس کیا چیز ہے انسان کو اسکی کیا ضرورت ہے بدن کو اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے اس سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ جالینوس کے نزدیک یہی روح حیوانی ہے یہی مدار حیات ہے اسی سے انسان کی تمام نظام جسمانی کی حفاظت ہوتی ہے علماء منافع الاعضاء کہتے ہیں کہ اجزاء نسیم سانس کے ذریعہ سے انسان جذب کرتا ہے اور جلے ہوئے اجزاء ردحانیہ خارج کرتا ہے ڈاکٹروں کے نزدیک بھی اکسیجن یعنی اجزاء نسیم انسانی بقاء شخصی کا سنگ بنیاد ہے مصلح الامۃ حکیم شیرازی تو پہلے سے کہہ چکے ہیں کہ ہر نفسے کہ فرو میرود ممد حیات است و چوں بروں می آید مفرح ذات۔ اب کون شخص کہہ سکتا ہے کہ ہر منٹ میں ۱۵۰ نعمتیں خداوند قدوس کی انسان کے شامل حال نہیں ہوتیں اور یہ بھی ذی عقل طبقہ کے نزدیک مسلم کلیہ ہے کہ شکر المنعم واجب یعنی احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا فرائض فطرت میں سے ہے۔ لیکن ان غیر متناہی نعمتوں کا شکریہ کس طرح ادا کیا جائے گو یہ واقعہ بین محال ہے اور کوئی بڑے سے بڑا نبی اور بزرگ یا یہ کہنے والا امر سل اس فرض کو کامل طور پر ادا نہیں کر سکتا لیکن خدا برتر و اعلیٰ نے اپنے بندوں کی سہولت کے لئے اسکی ادائیگی کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے جس کی طرف حضور اکرم ؐ نے بھی اشارہ فرمایا تھا جبکہ آپ کے قدم مبارکات کو عبادت الٰہی میں کھڑے کھڑے ورم کر گئے تھے اور یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضؓ نے عرض کیا تھا آما غَفَرَ اللہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ کیا حضور کے گذشتہ اور آئندہ گناہ خدا تعالیٰ نے معاف نہیں فرما دیئے ہیں پھر اس قدر عمل شاقہ اور تکلیف مالا یطاق کی برداشت حضور کیوں فرماتے ہیں آپ نے فرمایا۔ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْداً شَکُوْراً کیا میں خدا کا شکرگذار بندہ نہ ہوں ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر و عبادت الٰہی میں مشغول رہنا ہی شکرگذاری

الٰہی کا بہت کرا اور واحد ذریعہ ہے اس ذکرالٰہی سے دلوں کو اطمینان روحوں کو سکون اور لطائف انسانی کو راحت ملتی ہے اسی سے انسان کو زندہ کہا جاتا ہی مصابیح کی ایک صحیح حدیث ہی کہ ذکر خدا کرنے والا زندہ ہے اور یاد خدا نہ کرنے والا مُردہ ہے لیکن یاد الٰہی کس طرح کی جائے اور کون سا طریقہ ہے جس سے روح میں روشنی دلمیں سکون اور خواہشات نفسانی میں اعتدال پیدا ہو اس کے لئے شریعت اسلامیہ کا اتباع جزو لاینفک بلکہ اصل الاصول ہے اس لئے لازم ہے کہ ہر دعویدار اسلام پہلے اپنے تمام عقائد و اعمال احکام شرعی کے موافق رکھے اور کبھی خلاف حکم شرع کسی فعل یا قول کا ارتکاب نہ کرے۔ شریعت کے احکام دو طرح کے ہیں ایک قسم وہ ہے جو ظاہر بدن سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسری وہ جو دل سے وابستہ ہے پھر ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ قسم جس کا کرنا واجب ہے (۲) وہ قسم جس کا ترک ضروری ہے ہم ذیل میں ہر ایک کے سمجھنے کے لئے ایک مختصر مقالہ حکمت چاہتے ہیں۔

(۱) وہ احکام جن کا تعلق بدن سے ہے اور ان کا کرنا واجب ہی مثلاً توحید و رسالت کا زبان سے اقرار کرنا (اور دل سے خدا کو واحد اور رسول کو برحق جاننا) اور ہاتھ، پاؤں، آنکھ ناک، کان اور زبان سے اس کے موافق عمل کرنا باقاعدہ اخلاص کے ساتھ نماز پڑھنی زکوٰۃ دینی رمضان کے روزے رکھنے اور خانہ کعبہ کا حج کرنا کفار پر جہاد کرنا۔ حمایت اسلام میں اپنی تمام مالی اور بدنی کوشش صرف کرنی اخوت اسلامی اور اتحاد بین المسلمین کی ہر وقت سعی کرنی تمام فرائض واجبات اور سنن کو ادا کرنا نیک باتوں کا حکم کرنا اور بُری باتوں سے منع کرنا سچ بولنا ہر طرح کے فرائض انسانی ادا کرنے وغیرہ۔

(۲) خونریزی بدکاری چوری شرابخواری غیبت سخن چینی بدگوئی فحش پرستی جھوٹ بولنا۔ طمع اسراف انتقام عیاشی بدگمانی۔ بخل، غرور، ظلم، استہزاء، آبرو ریزی، خیانت، مسلمانوں میں فساد ڈلوانا وغیرہ یہ تمام کام قابل ترک ہیں۔

(۳) وہ احکام جن کا تعلق دل سے ہے اور ان کا کرنا واجب ہے توبہ، اخلاص توکل، صبر، شکر، خوف خدا، امیدداری، نیک نیتی، فیاضی، حیا، تحمل، بردباری، راستبازی صلح، سچی محبت وغیرہ واجب العمل اوصاف ہیں۔

(۴) وہ احکام جن کا تعلق دل سے ہے اور ان کا نہ کرنا واجب ہی تکبر، خودپسندی ریاکاری، مکاری، حسد، بغض، دشمنی، عناد، کینہ وغیرہ اوصاف ذمیمہ واجب الترک چیزیں ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص پر فطری اور خلقی فرض ہے کہ احکام مذکورہ کی دل سے تعمیل کرے کسی ایک حکم کا بھی خلاف کرے گا تو خدا کا نافرمان ہے ایسا شخص نہ ولی ہو سکتا ہے نہ صاحب کرامت جس وقت تک انسان اپنے اعمال کو احکام شرعیہ کے مطابق نہیں کرے گا اُسوقت تک اس فریضۂ الٰہی سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ ابو سعید خراز فرماتے ہیں جو باطن ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل ہے یعنی جو اندرونی خطرات دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے کہ جو تصوف کی باتیں قرآن و حدیث کے خلاف ہوں وہ باطل ہیں۔ ابو حفص کبیر کا قول ہے کہ جو شخص اپنے افعال اقوال اور احوال کو کتاب و سنت کی ترازو میں نہ تولے اور اپنے خطرات قلبی کو مشکوک نہ سمجھے اسکو مردان خدا میں شمار نہ کرو۔ ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم دیکھو کہ کسی شخص کو طرح طرح کی کرامتیں دی گئی ہیں یہاں تک کہ ہوا میں چار زانوں بیٹھا ہو یا پانی پر چلتا ہو تو ان باتوں سے دھوکہ نہ کھائیو تا وقتیکہ یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی اور حد شرعی کی نگہداشت اور احکام شریعت کی پابندی میں پورا ہے یا نہیں جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ سے ملنے کے راستے اتنی کثرت سے ہیں جتنے مخلوق کے انفاس ہیں لیکن وہ سب بند ہیں یعنی کوئی شخص ان راستوں تک نہیں پہنچ سکتا سوائے اس شخص کے جو رسول اللہ کی پیروی کرے۔ لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے تمام افعال اقوال اور احوال میں شریعت کی پابندی کرے احکام خدا کی تعمیل کرے اور ہرگز کسی بات میں اسکے حکم کی خلاف ورزی نکرے۔

اثبات نبوت عامہ - ہر روشن بصیرت رکھنے والا انسان جانتا ہے کہ نظام عالم ایک خالق قانون اور منظم ضابطہ کے ماتحت اپنے اپنے افعال کی سرانجام دہی میں منہمک اور مشغول ہے ادنیٰ مخلوق سے لیکر اعلیٰ مخلوق تک سب ایک قانون کی لڑی میں منسلک ہیں۔ پہاڑوں کے پتھر دریاؤں کے چھوٹے چھوٹے قطرے بیابانوں اور ریگستانوں کے باریک ذرات میں اگر صرف جسمانیت ہے۔ قوت حافظہ الاجزار یا قوت اجتماع ہے تو ان سے اوپر کی مخلوق یعنی درختوں میں اس جسمانیت کے ساتھ ساتھ ایک قوت نامیہ بھی ہے جسکے ذریعہ سے یہ اپنی مقدار میں افزائش اور حجم میں اضافہ کرتے رہتے ہیں ہر وقت اپنی ترقی جسمانی کے کوشاں رہتے ہیں اس سے ذرا اوپر نظر اٹھاکر دیکھا جاتا تو معلوم ہوتا ہے کہ زندہ مخلوق یا سلسلہ حیوانات میں اگر جسمانیت اور نمو ہے تو ایک اور قوت بھی ہے جسکے ذریعہ سے احساس شعور مرغوب کی خواہش اور امر ناگوار کی مدافعت کا جذبہ ان میں پیدا ہوتا ہے بقاء نسل اور بقاء شخص کے فرائض کی سرانجام دہی کرتے ہیں اور اپنے کو دشمنوں کے پنجہ سے رہائی دینے کی ہر وقت سعی کرتے ہیں ذرا اس سے اور اوپر نظر اُٹھاکر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسانی

دنیا میں جسمانیت نمو اور احساس و شعور کے علاوہ ایک اور قوت بھی ہے جسکی وجہ سے انسان
رُوحانی ترقی کرتا ہے۔ دماغ میں روشنی روح میں نور حواس میں ضیا راس کا ادنیٰ کرشمہ ہے اسکے
مختلف اصطلاحوں میں مختلف نام ہیں کوئی اسکو قوت عقلیہ کہتا ہے کوئی قوت روحانیہ اور کوئی قوت مدرکہ
بہرحال تمدن و ترقی تمصر اور انتظام میل جول اور ریاست اقتصار اور اصلاح اخلاق اس قوت کا
خاص فعل ہے یہی قوت سابق کی دونوں قوتوں یعنی بہیمیہ اور غضبیہ کو معتدل کر کے راہ راست پر لاتی
ہے اس قوت سے عفت شجاعت اور علم و عرفان پیدا ہو جاتا ہے اور جب تمام مادی اور مجرد قوتیں
اعتدال پر آجاتی ہیں تو انسان صفت عدالت کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے لیکن ان مادی اور
مجرد قوتوں میں کس طرح اعتدال پیدا کیا جائے اور کس طرح انسان میں صفت عدالت پیدا ہو
کونسا قانون ہے جسکی پابندی کر کے انسان ایک کامل انسان ہو سکتا ہے اور کس طرح باہم انسان
مل ملا کر انصاف کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور کیونکر دوسرے کے ہضم حقوق سے بخوشی خاطر دست بردار
ہو سکتے ہیں اس کے لیئے ایک قانون الٰہی کی ضرورت ہے وہ قانون کیسا ہونا چاہیئے اسکے صفات و فوائد
کیا کیا ہونا چاہئیں اسکے سمجھنے کے لیئے جان لینا چاہیئے کہ یہ دنیا جو مختلف طبقات پر حاوی ہے جو
مختلف ٹولیوں مختلف رنگتوں مختلف عادتوں مختلف مزاجوں اور مختلف دعاوی و اختیارات کے
مدعیوں کو ایک ہی سطح پر لیئے ہوئے ایک ہی گود میں رکھ کر تربیت کر رہی ہے اس تمام دنیا کے لیئے
باوجود اختلاف تمدن اختلاف رنگ اختلاف زبان اور بعد شرق و غرب کے جملہ طبقات ہر قوم
کے لیئے عام اس سے کہ وہ حکمراں طبقہ ہو یا مزدوری پیشہ گروہ وہ کسی سخت سے سخت ظالم طبیعت کا
انسان ہو یا رفیق و رحیم دل والا انسان نما فرشتہ امیر ہو یا غریب مغرور مجسمۂ حسن ہو یا نفرت انگیز
صورت رکھنے والا بدہیئت بھوت بہرحال سب کے لیئے وہ قانون یکساں مفید ہو جس میں سب
انسانوں کے حقوق بیان کر دیئے گئے ہوں۔ اپنے پرائے دشمن کے دوست کے ماں باپ کے بیوی
بچوں کے اور اجنبیوں کے حقوق اسمیں تفصیل کے ساتھ ظاہر کیئے گئے ہوں خدا کے حقوق اور
انسان کو اپنے نفسانی حقوق پر اس میں کامل تبصرہ کیا گیا ہو ایسا قانون انسانوں کے لیئے مفید
بلکہ تمدنی زندگی کے لیئے راس الاصول ہے لیکن یہ قانون فطرت خدا کی طرف سے بندوں کو
کس طرح پہنچایا جائے کیا ہر شخص براہ راست خدا تعالےٰ سے اس قانون کو حاصل کر سکتا ہے یا
عقل انسانی ایسے مجموعہ قوانین کے ایجاد کے لیئے کافی ہے اسپر اگر روشن دماغ رکھنے والے
انسان غور کریں گے تو جواب نفی میں ملے گا۔ لامحالہ چند نفوس قدسیہ ایسے ہونے چاہئیں جنکا تجرد

ان کی مادیت پر غالب ہو جن کی تمام اندرونی اور بیرونی مادی اور غیر مادی قوتیں فطرتاً اور پیدائشی طور پر معتدل ہوں جو ہر لغزش اور ہر غلطی سے خلقتاً معصوم ہوں ایسے ہی لوگ اس قابل ہو سکتے ہیں کہ اس قانون کے حامل ہوں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ قانون لیکر دنیا کے بھٹکے ہوئے انسانوں کو پہنچا سکیں تاکہ گمراہ انسان اس قانون کی روشنی میں راہِ راست پر آجائیں اور اپنے تمام قویٰ میں اعتدال پیدا کرکے ان معصوم ہستیوں کا نمونہ بن سکیں جنہوں نے انکی اصلاح کے واسطے خدا تعالیٰ کی طرف سے قانون لاکر پھیلایا ہو یہ معصوم اور مقدس نفوس رکھنے والی ہستیاں انبیاء اور مرسلین ہیں۔ اور ان سب کے سردار رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہیں میرے اس قول کا ثبوت گو طویل ہے لیکن مختصر الفاظ میں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضور اکرمؐ کا لایا ہوا قانون خود اس پیمبر اعظم کی برتری اور بزرگی کا بیّن ثبوت ہے۔ جسکی تفصیل انشاء اللہ آئندہ آئیگی۔

حقوق النبیؐ

رسول اللہؐ سے محبت کرنے کا بیان۔ ہم سطور بالا میں ثابت کر چکے ہیں کہ تمام انسان اپنے تمدن معاشرت اجتماع انتظام اقتصاد اعتدال قویٰ اصلاح اخلاق اور تزکیۂ نفوس کے لیئے قانون الٰہی کے محتاج ہیں اور یہ قانون مرسلین و انبیاء کے ذریعہ سے مخلوق کو پہنچا چلا آیا ہے اور ہر زمانہ میں یہ کالے رنگ رکھنے والی دنیا اس سے فائدہ حاصل کرتی چلی آئی ہے لیکن گذشتہ زمانہ میں جس قدر قوانین الٰہی اور شرائع الہامی اس ربع مسکون پر نازل ہوئے وہ ہر ہر قوم کے لیئے علحدہ علحدہ تھے کوئی قانون ایسا نہ تھا جو تمام عالم کے لئے یکساں مفید ہو یا تمام قومیں اس کو ماننے کے لئے مکلف ہوں مگر اخیر زمانہ میں جب تمام انبیاء اور ہادیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور قوانین الٰہی کے حاملوں یعنی پیغمبروں کی تبلیغ کے تمام والے منظم طریقہ ہو سب تمام ہو گئے تو ان سب کے امام یعنی محمد رسول اللہ علیہ افضل التحیات والتسلیم پیدا ہوئے اور ایک قانون تمام عالم کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ یہ کل دنیا کی تاریکی دور کرنے کے لیئے نور اور تمام گمراہ انسانوں کے لیئے ہدایت ہے چنانچہ اس قانون کو جن لوگوں نے مانا اور جن ذی عقل انسانوں نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا ان کو مسلمان کہا گیا اور جن لوگوں نے سرتابی اور سرکشی کی ان کو کافر یا منکر کے لقب سے ملقب کیا گیا اور یہ کھلی ہوئی بات ہے اور بالکل واضح حقیقت کہ جس ذات گرامی کے لائے ہوئے قانون سے گمراہ انسانوں کو دینی اور دنیوی فلاح و بہبود حاصل ہو وہ ذات مقدس یقیناً اس قابل ہے کہ اُس پر اپنا تمام عزیز ترین سرمایہ یعنی قریب ترین اعزا، پیارا مال اور محبوب

جان قربان کرنے میں دریغ نہ کیا جائے اور اس کے برخلاف عمل کرنے سے بلاشک شبہ نفرت و
سرکشی کا اظہار ہوتا ہے اسی لئے صحاح کی مشہور کتابوں میں بروایت حضرت انس رضی ایک نہایت
قابل وثوق اور صحیح حدیث آتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اس
وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھ کو اپنے ماں باپ اولاد مال و متاع بلکہ
اپنے نفس سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔

محبت سے کونسی محبت مراد ہے؟ یہاں محبت سے وہ محبت مراد نہیں ہے جو طبعی اور غیر
اختیاری ہے کیونکہ جو چیز اختیارات انسانی سے خارج ہو اس پر کوئی شخص مکلف نہیں ہو سکتا
بلکہ اس سے مراد وہ محبت ہے جو عقلی اور اختیاری ہے یعنی ان چیزوں کا اختیار کرنا جن کو عقل بہتر
سمجھے اور ان کا اختیار کرنا صحیح عقل رکھنے والے انسانوں کے نزدیک افضل و اعلیٰ ہو خواہ نافہم اور کم سمجھ
انسانوں کی طبیعت ان کے خلاف ہی ہو دیکھو تلخ اور بدمزہ دوا کو عموماً مریض بُرا سمجھتا ہے اور
اس کی طبیعت کو اس سے نفرت ہوتی ہے لیکن صحیح دماغ اور درست حواس رکھنے والا باوجود
نفرت طبیعت کے اُسکی طرف اپنے اختیار سے مائل ہو جاتا ہے اور بمقتضاء عقل اُسی کو کھانا چاہتا
ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میری تندرستی اسی میں ہے اسی طرح عقلمند انسان یہ جان لیتا ہے
کہ رسول کی وہ تمام باتیں جن کا وہ ہم کو حکم کرتا ہے یا جن سے وہ ہم کو روکتا ہے وہی ہیں
جنمیں ہماری دین دونیا کی بھلائی مضمر ہے تو لامحالہ وہ تمام دنیا پر رسول کو ترجیح دیکر اس کا
حکم بجالاتا ہے اور اُس کی منع کی ہوئی باتوں سے بچتا ہے اور یہی وہ بات ہے جس کے بغیر ایمان
حاصل نہیں ہوتا اسی بحث میں افراط و تفریط کرنے سے انسان گمراہی کے غار میں گر جاتا ہے
نبی کو نبی کی حد تک ماننا واجب ہے اُس کے مرتبہ سے کم سمجھنا یقیناً نبی کی توہین ہے جو صریحاً
کفر ہے اسی طرح نبی کو اُس کے مرتبہ سے بڑھا کر خدا کے درجہ تک پہونچانا بھی کھلی ہوئی گمراہی
ہے جس طرح حضرت عیسیٰ و عزیز علیہما السلام کو ابن اللہ ماننے والے بھی گمراہ خیال کئے گئے
یاد رکھو کہ ہر ایک کا مرتبہ ہر ایک کی شان اور ہر ایک کا درجہ جدا جدا ہے اور ایک کا درجہ دوسرے
میں مدغم نہیں ہو سکتا کون بیوقوف انسان کہہ سکتا ہے کہ پتھروں کو درختوں کا مرتبہ یا درختوں
کو حیوانوں کا درجہ یا حیوانوں کو انسانوں کا اعزاز یا انسان کو خدائی کی قدرت اور ربانی
اوصاف حاصل ہو سکتے ہیں۔ درحقیقت نبی کو اس کے مرتبہ سے بڑھانا گھٹانا ان کے قول کا
اتباع و تعمیل نہیں بلکہ کھلی ہوئی ضلالت ہے۔

اتباع سنت کیوں کرنا چاہیئے صاحب مصابیح نے بروایت حضرت ابوہریرہؓ ایک صحیح حدیث نقل کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے جس بات سے میں تم کو منع کروں اُس سے پرہیز رکھو اور جس بات کا میں تم کو حکم دوں اس پر بقدر امکان عمل کرو اس حدیث کے مطلب میں نہ کوئی اجمال ہے نہ الہام اس لئے ہم کو اسکی توضیح کرنے کی ضرورت ہے نہ تفصیل کرنے کی۔ اس کے علاوہ دیگر حدیثوں سے بھی اتباع سنت کا ثبوت ہوتا ہے۔ قرآن میں بھی متعدد آیات اس مدعا پر دلالت کرتی ہیں مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوتا۔ انکنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ دوسری جگہ حکم ہے۔ ولکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ۔ تیسری جگہ ہے اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ان آیات سے بھی اتباع سنت اور پیروی رسول کا حکم ثابت ہوتا ہے بہرحال سنت نبویؐ سے مخالفت کرنی باعث ہلاکت ہے آپ کے لائے ہوئے احکام کے سامنے بلا چون وچرا سر جھکا دینا ان کو تسلیم کرنا ان پر عمل کرنا آپ کی سنت کی قولاً و فعلاً پیروی کرنا ہی سبب نجات اور ذریعہ رہائی ہو سکتا ہے صحابہ کے اقوال و اعمال سے یہ بات یقیناً معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ اپنی گفتار رفتار اور تمام اطوار میں بلا کسی قسم کے تردد و توقف کے آپ کی پیروی کرتے تھے ہاں جو مخصوصات نبیؐ ہوتے تھے اور صحابہ کو ان کی تخصیص کا علم ہوتا تھا تو اُس کے اتباع میں کوشش نہ کرتے تھے۔ چنانچہ حضورؐ نے نماز کے لئے جب اپنی جوتیاں اُتاریں تو صحابہ نے بھی اُتاریں حضورؐ نے اپنی انگوٹھی اُتاری تو صحابہ نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں اُتار دیں۔ صحابہ حضورؐ کے طرز نشست برخاست خواب بیداری رفتار گفتار خورد نوش صورت اور سیرت کے متعلق بہت زیادہ تفتیش اور تحقیق کیا کرتے تھے تاکہ آپکی پیروی کرکے سعادت دارین حاصل کریں۔ بعض صحابہ نے جب دنیا کو ترک کردینے اور دن رات عبادت کرنے کا تہیہ کرلیا تھا تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میں کھاتا بھی ہوں پیتا بھی ہوں سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جو شخص میری سنت سے پھر جائے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت نبویؐ کا اتباع بلا چون وچرا کرنا چاہیئے اپنی عقل سے اُسمیں تصرف و تغیر کسی طرح جائز نہیں ہو اسی لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ہو کہ ہمارے دین کی بنیاد منقول پر ہو امام غزالیؒ نے اصول الدین میں بیان کیا ہو کہ دین میں اپنی عقل سے تصرف نہ کرو اور یہ نہ خیال کرو کہ جو چیز بہتر اور مفید ہوگی وہ جس قدر زیادہ ہوگی اُسی قدر زیادہ نافع ہوگی کیونکہ تمہاری عقل اسرار الٰہی کا ادراک نہیں کرسکتی ان کی حقیقت صرف قوت نبویؐ ہی پاسکتی ہے لہذا تم اتباع نبویؐ کو لازم سمجھو کیونکہ

خاص باتیں ہر شخص کے قیاس سے نہیں معلوم ہوسکتیں کون نہیں جانتا کہ بعض دوائیں بعض
بیماروں کو مفید ہوتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ مفید دوا جسقدر زیادہ ہوگی اتنی ہی زیادہ مفید ہوگی
حالانکہ مفید دوا کی کثرت بعض اوقات مہلک ثابت ہوتی ہے۔ امام غزالی احیار العلوم میں کہتے ہیں
کہ طبیب حاذق جس طرح معالجات میں ایسے ایسے اسرار جانتا ہے جن سے ناواقف لوگ حیران ہوکر
رہ جاتے ہیں ایسے ہی انبیاء دلوں کے طبیب ہیں اخروی زندگی کے اسباب سے واقف ہیں لہذا ان کے
طریقہ پر اپنے اختراع عقل سے کچھ حکم نہ لگاؤ ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے ایسے شخص بہت ہیں کہ انکی انگلی
میں کوئی مرض پیدا ہو جاتا ہے اور خود ان کی عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اسپر مقامی طور پر کوئی
لیپ لگانا چاہیئے لیکن یہ بیمار جب کسی حاذق طبیب کے پاس جاتا ہے تو وہ کہتا ہے اس کا علاج یہ ہے
کہ بدن کے دوسری طرف کے مونڈھے پر لیپ کیا جائے بیمار یہ سُن کر حیران ہوتا ہے اگر انکار کرتا ہے
تو ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کے قول پر عمل کرتا ہے تو تندرست ہو جاتا ہے وجہ یہ ہوتی ہے کہ طبیب
پٹھوں کی شاخوں کی کیفیت جانتا ہے اسکو عصباتی تعلقات اور ان کے راستے معلوم ہیں اور
بیمار ان سے ناواقف ہیں۔ یہی حال آخرت کی راہ کا ہے اسکے باریک راستے ہر شخص عقل اور ہر کس
ناکس کے احاطہ حواس میں نہیں سما سکتے۔ پتھروں میں اور نباتات میں بعض ایسے خواص ہیں کہ ہم کو
ان کا علم نہیں ہم نہیں جانتے کہ کس سبب سے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے عقائد و اعمال کے عجائبات
تو دواؤں سے بہت زیادہ باریک ہیں پس جسطرح عقل دواداروں کی تاثیرات کلی جاننے سے قاصر ہے
اسیطرح ہر شخص کی عقل نکات دین نہیں سمجھ سکتی عقل ضرور سمجھنے اور سوچنے کیلئے پیدا کی گئی ہے ہر خیر کی
اچھائی برائی عقل سے معلوم ہوتی ہے ہدایت و گمراہی میں امتیاز عقل ہی کرتی ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ سونا
تولنے کے کانٹے میں کوہ ہمالیہ کا وزن کیا جا سکتا ہے عقل سے اتنا فائدہ کیا کم ہے کہ وہ ہم کو پیروی رسول
کی ہدایت کرتی ہے اور آپ کے اشارات کے معنی بتا دیتی ہے اسکے بعد عقل کا کوئی تصرف صحیح نہیں
ہوسکتا بس اتباع نبوی ہی نجات و فلاح کا ذریعہ ہے ایک عالم کا قول ہے کہ عقل تم کو تصدیق
نبی کی حد تک پہنچا دیتی ہے اس کے بعد تم اس کو چھوڑ دو اور جو کام نبی علیہ السلام نے کئے ہیں اور
جن کو چھوڑ دیا ہے ان میں آپ کی پیروی کرو جس طرح کہ سفر میں گھوڑا تم کو دریا تک پہنچا دیتا ہے
اس کے بعد تم اس کو چھوڑ دیتے ہو اور کشتی میں سوار ہو جاتے ہو اور اسکے چلانے اور ٹھیرانے میں ملاح
کی پیروی کرتے ہو۔ بہرحال اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ نبیؐ کی پیروی فعلاً اور قولاً ہر مسلمان کے
لئے ضروری ہے آپ کی نشست و برخاست اکل و شرب خواب بیداری طریقہ عبادت کیفیت

عبادت اور مقدار عبادت میں پیروی لازم ہے دنیوی تعلقات اصلاح اخلاق تربیت جسمانی و روحانی دنیوی و اخروی ترقی کی جو شاہراہیں حضور نے کھول دیں ہیں ان پر گامزن ہو کر بہبودی دارین حاصل کرنی ہر مسلمان کا فرض ہے۔

انبیاء کے حقوق ہم گذشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں کہ دنیا میں روشنی صرف ان معصوم ہستیوں کی وجہ سے پیدا ہوئی جو فطرتاً ہر لغزش سے معصوم اور ہر گناہ سے پاک ہیں جنہوں نے بہکے ہوئے انسانوں کو گمراہی کے غار سے نکال کر سطح ترقی پر پہنچایا جنہوں نے تمدن ارتقاء اور صفاء روحانی کے قوانین لوگوں کو سکھائے اور جنہوں نے بچھڑے ہوئے انسانوں کو پھر اصلی مرکز سے ملا دیا ان ہی لوگوں نے بارگاہ قدس سے روشن قوانین حاصل کر کے دنیا میں رائج کئے جن پر کار بند ہو کر بہکے ہوئے آدمی عذاب سرمدی سے محفوظ ہوئے اسی طبقہ نے خداوند تعالیٰ کی ذات صفات اور مکروہات و مرضیات کا بیان لوگوں کے سامنے کیا اور اس بیان سے عرفان کی بجلی از سر نو مردہ دلوں میں کوندگئی یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ نے جہاں اقرار وحدانیت رسالت کو جزو ایمان قرار دیا وہاں تمام فرستادگان الٰہی کی حقانیت کے اقرار کو بھی داخل ایمان قرار دیا قرآن میں صاف طور پر موجود ہے اور صریح حکم ہے کہ قولوا آمنا باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون حضور اکرمؐ نے نمائندگان قبیلہ عبد القیس سے بھی یہی فرمایا تھا۔

اہلبیت اور اصحاب النبی کے حقوق پیام الٰہی یعنی تعلیم عقائد صحیحہ و اعمال حقہ کی حامل اگرچہ رسول اللہؐ کی ذات گرامی تھی اور آپ ہی نے لوگوں کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے قوانین فطری یعنی شریعت اسلامی کی تعلیم دی تھی لیکن یہ تمام قوانین و ضوابط بعد کے لوگوں کو براہ راست نبیؐ کی زبان مبارک سے حاصل نہیں ہوئے بلکہ اہل بیت اور صحابہ کے ذریعہ سے حضورؐ کی تعلیم اطراف عالم میں پہونچی خصوصاً خلفائے راشدین اور اہلبیت کی سعی اور کوشش سے تبلیغ اسلام مکمل ہوئی ان ہی کی کد و کاوش سے اسلام میں قوت اور زور پیدا ہوا رسول اللہؐ کے وہ قوانین اور سنن نقلیہ جو بعض صحابیوں کو معلوم تھے اور اکثر کو ان کا علم نہ تھا وہ مذکورہ حضرات کی کوششوں ہی سے اطراف جہان میں منتشر ہوئے اور انہی کی چھان بین سے مسائل مختلفہ قوانین اجماعی بن گئے کیونکہ خلفائے راشدین ہی ہر مسئلہ میں اصحاب کو جمع کر کے خوب چھان کر اور تحقیق کر کے رواج دیتے تھے انہوں نے قرآن کی متفرق آیات کو اس موجودہ مرتب شکل میں جمع کیا تاکہ قرآن پاک ہر قسم کے تغیر و تبدیل اور اعرابی غلطیوں سے محفوظ ہو جائے۔ انہی کے زور بازو اور عقل خداداد کی بدولت بلکہ ہدایت و صحبت نبی کے فیض سے دنیا کا بیشتر حصہ مسخر اسلام ہوا اور انہی کی فوق العادت جفاکشی اور

نفس کشی کی وجہ سے کفر کی گھٹائیں پھٹ کر نور اسلام اُفق عالم پر چمکا اس لئے حضورؐ نے جہاں اپنی سنت پر کاربند رہنے کی ہدایت فرمائی تھی وہاں سنت خلفائے راشدین کے متعلق بھی فرمایا تھا تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ یعنی خلفائے راشدین کی سنت قولی وفعلی کو خوب مضبوط دانتوں سے پکڑو یعنی کسی حالت میں کسی وقت اسکی خلاف ورزی نہ کرو اس سے ثابت ہوتا ہے حقوق صحابہ واہل بیت کا ادا کرنا درحقیقت حقوق رسول اللہؐ کا ادا کرنا ہے ان کی محبت واطاعت بعینہٖ رسول اللہؐ کی محبت واطاعت ہے۔ چنانچہ ترمذی نے بروایت عبداللہ بن مغفل بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس شخص نے میرے اصحاب کو دوست رکھا تو بلحاظ میری دوستی کی ان کو دوست رکھا اور جس نے ان کو دشمن رکھا تو بلحاظ میری دشمنی کے اُن کو دشمن سمجھا جس نے ان کو ایذا دی اُس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اُس نے خداوند تعالیٰ کو ایذا دی۔ مسلم وترمذی نے بروایت حضرت حذیفہ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میرے بعد ابوبکرؓ وعمرؓ کی پیروی کیجیو۔ دوسری حدیث میں فرمایا لازمی طور پر میرے بعد میرے طریق اور خلفائے راشدین کے طریق پر عمل کرنا۔ طبرانی اور حاکم نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اُس کا دروازہ ہیں میں اپنے بعد دو مضبوط وسیلے چھوڑتا ہوں ایک کلام اللہ دوسرا اپنی عترت۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ نصف علم اس حُمیرا یعنی حضرت صدیقہ سے سیکھو۔ رزین نے بروایت حضرت عمرؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں لہٰذا جس صحابی کی پیروی کروگے سیدھی راہ پاؤگے۔

حضرت ابوبکرؓ کے مختصر مناقب حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ آپ ہمیں کوئی ایسا کام تعلیم فرمائیں جس سے ہم کو دوزخ سے نجات حاصل ہو فرمایا پندرہ باتوں کا التزام رکھو۔ پانچ زبان سے پانچ اعضاء سے اور پانچ دل سے۔ زبان سے تو یہ پانچ کلمات پڑھو سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم اعضاء سے پانچ نمازیں ادا کرے اور دل سے پانچ آدمیوں کی محبت کرے رسول اللہؐ کی محبت حضرت ابوبکرؓ کی محبت حضرت عمرؓ کی محبت حضرت عثمانؓ کی محبت حضرت علیؓ کی۔ اور ان سے افضل ابوبکرؓ ہیں کیونکہ رسول اللہؐ نے آپ کے حق میں فرمایا ہے کہ الٰہی ابوبکرؓ کو جنت میں میرے ساتھ ایک ہی درجہ میں کرنا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابوبکرؓ ہیں۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء ومرسلین کے بعد کسی ایسے شخص پر آفتاب طلوع نہیں ہوا جو ابوبکرؓ سے افضل ہو۔ ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے واقعہ معراج کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگوں

نے میری تکذیب کی اور ابوبکرؓ کے پاس جاکر کہا کہ تو تمہارے دوست ایسا کہہ رہے ہیں ابوبکرؓ بولے اگر یہ محمدؐ رسول اللہ نے فرمایا ہے تو سچ ہے اس کے بعد میرے پاس آئے اور میں نے تفصیل وار ان کے سامنے بیان کیا اور ابوبکرؓ نے تصدیق کی اور کہنے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہو (تفسیر کبیر)

حضرت حمید کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا میں ابوبکرؓ کا بھائی ہوں اور ابوبکرؓ میرے بھائی ہیں اور ابوبکرؓ اس امت میں سب سے افضل ہیں مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ابوبکرؓ مجھ سے ہیں اور میں اُن سے ہوں وہ دُنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں اور آسمان و زمین میں عتیق ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں اول ہوں ابوبکرؓ دوسرا اور عمرؓ تیسرے باقی لوگ ہمارے بعد صف اول میں ہیں میں اولاد آدمؑ کا سردار ہوں لیکن فخر نہیں ہے اور ابوبکرؓ عرب کے سردار ہیں اور علیؓ عرب کے نوجوانوں کے سردار ہیں لیکن فخر نہیں ہے اور میں اسلام کی شمشیر ہوں اور ابوبکرؓ مرتد ہو جانے والوں کے لئے سردار ہیں۔

حضورؐ فرماتے ہیں اول میری تصدیق ابوبکرؓ نے کی اور اول مجھ پر ابوبکرؓ ایمان لائے اور اول میرا نکاح ابوبکرؓ نے کرایا اور سب سے پہلے قیامت میں میرے ہمراہ ابوبکرؓ حشر کئے جائینگے اور سب سے پہلے میرے ساتھ ابوبکرؓ داخل ہونگے۔

حضرت عمرؓ کے مختصر مناقب یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین۔ یہ آیت عمرؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ شرح فقہ اکبر میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے ہر نبی کے دو وزیر اہل آسمان سے اور دو وزیر اہل زمین سے ہوتے ہیں میرے لئے دو آسمانی وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں اور زمین پر میرے دو وزیر ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ عمرؓ کے غصہ سے ڈرو۔ کیونکہ جس وقت عمرؓ غضبناک ہوتے ہیں تو خدا بھی غضبناک ہوتا ہے۔ رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ بن خطاب ہوتے جو اٹھائیس سال کی عمر میں اسلام میں داخل ہوئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان پر سچائی کو جاری فرما دیا ہے

حضرت عثمانؓ کے مختصر مناقب شرح فقہ اکبر میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا مجھے اس سے شرم آتی ہے جس سے فرشتے بھی شرماتے ہیں اور وہ اللہ اور رسولؐ سے شرماتا ہے یعنی عثمانؓ بن عفان ذو النورین۔

حضرت عثمانؓ کا یہ شرف کافی ہے کہ آپ رسول اللہ کی دو صاحبزادیوں کے شوہر تھے اوّل حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہؐ سے نکاح ہوا تھا اور ان کی وفات کے بعد حضور اکرمؐ نے اپنی دوسری صاحبزادی اُم کلثومؓ کا نکاح آپ سے کردیا جب حضرت اُم کلثومؓ کی بھی وفات ہوگئی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا اگر میری کوئی تیسری لڑکی ہوتی تو اُس کا نکاح بھی میں عثمانؓ سے کردیتا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بیعت رضواں کے وقت حضرت عثمانؓ مکہ کی جانب گئے رسول اللہ نے اپنی طرف سے بیعت لینے کے لیئے آپکو بھیجا تھا چنانچہ حضرت عثمانؓ کی غیر حاضری میں جب بیعت رضواں ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا عثمانؓ اللہ اور رسولؐ کے کام میں ہے اس کے بعد حضورؐ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا مطلب یہ تھا کہ عثمانؓ کی میں غائبانہ بیعت لیتا ہوں۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تلوار نیام میں تھی لیکن جب حضرت عثمانؓ کی وفات ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اُس تلوار کو کھینچ لیا اور پھر قیامت تک نیام میں نہ کریگا۔

حضور اکرمؐ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ عثمان بن عفانؓ جنت میں میرے رفیق ہوں گے حضرت عثمانؓ نے سب سے پہلے حبش کی جانب ہجرت کی تھی اور ترک وطن کیا تھا۔

حضرت علیؓ کے مختصر مناقب

آیت ویطعموا لطعام علی حبہ مسکینا ویتیما و اسیرا۔ حضرت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ابوبکرؓ دین کے ستون ہیں عمرؓ فتنہ کے انسداد ہیں عثمانؓ منافقوں کا قید خانہ ہیں اور علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے جہاں میں ہوں گا علیؓ ہوں گے اور جہاں علیؓ ہونگے میں ہونگا حضورؐ نے فرمایا میں علوم کا شہر ہوں اور علیؓ اُس کا دروازہ ہیں۔ لہذا جو شخص علم کا خواستگار ہو اُسکو دروازہ سے آنا چاہیئے۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا تھا خداوند تعالیٰ نے جس طرح تم پر نماز روزہ حج زکوٰۃ فرض کی ہے اسیطرح ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی محبت فرض کی ہے

حضور اکرمؐ فرماتے ہیں لوگو مجھ سے علم سیکھو اور ان لوگوں سے سیکھو جنہوں نے مجھ سے سیکھا ہے۔ اس سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ حضرت علیؓ حضورؐ کے داماد تھے اور حضورؐ نے آپکو اہلبیت میں سے شمار کیا ہے اور اپنے بدن کا ایک حصہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ لحمہ لحمی ودمہ دمی یعنی ان کا گوشت بعینہ میرا گوشت ہے اور ان کا خون درحقیقت میرا خون ہے۔

حضرت علیؓ کے لیئے یہ شرف کافی ہے کہ بچوں میں سب سے اوّل آپ ایمان لائے تھے اسلام لانے کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔

علمار اولیار امت کے حقوق صحابہ اور اہل بیت کے حقوق ہم پر کیوں ہیں ہم کو ان کا اتباع کیوں کرنا چاہیئے ہم کو ان سے محبت رکھنی کیوں ضروری ہے اس کا جواب ہماری گذشتہ تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ میں دانش وبینش کا مادّہ تھا انہوں نے تبلیغ اسلام اور اعلار کلمۃ اللہ میں جن جانفشانیوں اور سرگرمیوں کا ثبوت دیا اور جن ان تھک کوششوں سے درخت اسلام کو اپنے دل کے خون سے سینچ کر بار آور کیا وہ ہم کو مجبور کرتا ہے کہ ہم کو ان سے دلی محبت ہو قول میں فعل میں طرز معاشرت اور نشست و برخاست اور لباس وطعام میں ہمیں ان کی پیروی کرنی چاہئے بعینہٖ یہی وجہ علمار امت فقہار ملت محدثین مجتہدین دینی کتابوں کے مصنفین اولیار کرام اور ہادیان برحق میں پائی جاتی ہے ان ہی لوگوں کی کوششوں سے صحابہ کے بعد اطراف جہان میں اسلام پھیلا۔ دینی کتابیں مدون ہوئیں احکام اسلام سے بچہ بچہ واقف ہوا ان ہی کی توجہ سے دلوں میں روشنی اور صفائی پیدا ہوئی اعمال میں درستگی عقائد میں اصلاح ان ہی کی مرہون منت ہے دلائل وبراہین سے اور اپنے عملی مظاہروں سے ان ہی نے اسلام کی حقانیت ثابت کی ان ہی کی کدوکاوش سے عیسائی، موسائی، جینی اور بدھ ہندو اور پارسی یورپ کے مہذب انسان اور افریقہ کے بربریت پرست وحشی حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کے دل صاف تھے ارادوں میں اخلاص تھا دماغ میں روشنی روحوں میں کشف وجلا اور حواس میں چمک تھی اس لیئے جو کچھ یہ کر گئے اور جو کچھ کر رہے ہیں اُس کے احسان سے ہماری گردنیں کبھی آزاد نہیں ہوسکتیں درحقیقت یہی لوگ پیغمبروں کے وارث اور دین کے علمبردار ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ہم کو ان سے دلی محبت اور روحانی شغف نہ ہو کیوں ہم ان کے قول کا اتباع انکے فعل کی پیروی بلکہ ان کے کارنامہ حیات کی تقلید نہ کریں۔ اصحاب السنن نے بروایت بشر بن قیس بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا درحقیقت علمار ہی انبیار کے وارث ہیں انبیار کوئی درہم ودینا نہیں چھوڑ گئے بلکہ ان کا ترکہ صرف علم ہے۔ ترمذی نے بروایت ابی امامہ اور دارمی نے بروایت مکحول بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا عالم کا شرف عابد پر ایسا ہے جیسا ادنیٰ مسلمان پر میرا شرف اس کے بعد حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء یعنی جو خدا کے عالم بندے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو صرف تعلیم دینے کے لیئے ہی بھیجا ہے۔ بیہقی نے بروایت انسؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ سب سے بڑا جواد ہے اور آدمیوں میں میں بڑا جواد ہوں اور میرے بعد وہ شخص بڑا جواد ہے جس نے علم پڑھکر

لوگوں کو سکھایا ہو اور دنیا میں پھیلایا ہو ایسے لوگ قیامت کے دن مستقل گروہ بنکر آئیں گے اور باقی امت علیحدہ گروہ میں ہو گی (یعنی ان کی امتیازی شان ہو گی) ذہبی نے بروایت عمران بن حصین بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قیامت کے دن عالموں کی روشنائی اور شہیدوں کا خون میزان میں رکھیں گے لیکن عالموں کی روشنائی شہیدوں کے خون پر غالب رہے گی۔

درحقیقت علماء و اولیاء کی اطاعت و فرمانبرداری خدا ورسول کی اطاعت فرمانبرداری ہے یہ لوگ اگرچہ بندگان خدا ہیں لیکن ان کے حقوق خدا کے حقوق میں داخل ہیں کیونکہ اگر انبیاء اور وارثان انبیاء یعنی علماء نہ ہوتے تو خدا کو کون پہچانتا اور اس کے حقوق لازمہ کون ادا کرتا حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر خدا کی ہدایت نہ ہوتی تو کوئی شخص ہدایت نہ پاتا یعنی اگر خداتعالیٰ انبیاء علماء اور آسمانی قوانین بھیجکر بندوں کو ہدایت نہ فرماتا تو کوئی شخص راہ راست پر نہ آتا۔ چونکہ یہ لوگ ذکر الٰہی میں غرق اور یاد خداوندی میں محو ہوتے ہیں اس لئے ان کے دیکھنے سے خداتعالیٰ یاد آتا ہے ان کی دوستی خدا کی دوستی اور ان کی دشمنی خدا کی دشمنی ہے بغوی نے ایک حدیث قدسی بیان کی ہے کہ خداتعالیٰ فرماتا ہے میرے بندوں میں میرے اولیاء وہ ہیں کہ جہاں میرا ذکر ہوتا ہے وہاں ان کا ذکر ہوتا ہے اور جہاں ان کا ذکر ہوتا ہے وہاں میرا ذکر ہوتا ہے۔

مجدّد کا بیان اور اُس کے حقوق رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خداوند تعالےٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں ایک ایسا شخص بھیجتا رہے گا جو دین کو از سر نو تازہ کرتا رہے گا۔ صدی سے صدی ہجری مراد ہے اور دین تازہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا لوگوں کو پابند بنائیگا۔ مجدّد کیسا شخص ہوتا ہے۔ جو عالم دین ہو علم میں و عمل میں امتیازی حیثیت رکھتا ہو پرہیزگار ہو تمام ظاہری و باطنی علوم دینی کا ماہر ہو سنت کا حامی اور بدعت کو کھو دینے والا ہو اس کے علم سے دنیا کے اکثر انسان نفع اندوز ہوں اور آخر صدی تک اسکا زندہ رہنا بھی شرط ہے تاکہ آئندہ مجدّد اور اس مجدّد کے درمیان فصل نہ ہو یہ مجدّد نبی کے قائم مقام ہوتا ہے دین کو تازہ کرتا ہے اعلاء کلمۃ اللہ اور تبلیغ مذہب حق میں ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ ہم ذیل میں متکلمین کی بعض کتابوں سے مجددوں کے نام ذکر کرتے ہیں پہلی صدی کے مجدّد عمر بن عبدالعزیزؒ تھے دوسری صدی کے امام شافعیؒ تیسری صدی کے ابن شریحؒ چوتھی کے باقلانیؒ پانچویں کے امام غزالیؒ چھٹی کے امام فخر الدین رازیؒ ساتویں کے ابن دقیق العید آٹھویں کے جر بلقینی نویں کے امام سیوطی وغیرہ۔

اب رہی یہ بات کہ مجدد کا ہم پر کیا حق ہے اور کیوں ہے تو اس کا جواب وہی ہے جو گذشتہ سطور میں دیا گیا ہے کہ مجدد حامل دین ہے ہادی ملت ہے مصلح اسلام ہے ماحی بدعت ہے مبلغ دین ہے ہماری روحانی زندگیاں اسکی ہدایت سے وابستہ ہیں اس کو وہ پایہ حاصل ہے جو ہم کو حاصل نہیں دُنیا کے مُردہ دل مسلمانوں میں از سر نو تازہ رُوح پھونکنی اس کا خاص فعل ہے دین کی کمزور اور گرتی ہوئی عمارت کو درست کرنا اس کا فرض ہے کفر کی گھٹاؤں اور بدعت کی تاریکیوں کو دور کر کے آفتاب اسلام کو چمکانا اُسی کا طرۂ امتیاز ہے پھر کیا ہم پر فرض نہیں ہے کہ قولاً اور فعلاً ہم اُس کی پیروی کریں اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کریں اگر وہ تجدید دین کر رہا ہے تو ہم اس کی تائید کریں کیونکہ مجدد درحقیقت سرچشمہ ہدایت اور مظہر نبوت ہے اُس کا ہر قول اور ہر فعل ہمارے لئے شاہراہ عمل ہونا چاہیئے۔

والدین کے حقوق توحید علمی و قولی کے بعد انسان پر والدین کا حق ہے لیکن والدین کے حقوق انسان کے ذمہ کیوں ہیں اور کیا ہیں اس کی توضیح و تفصیل جاننے کے لیے ہم کو قرآن و حدیث عقل سلیم تہذیب تمدن بلکہ قانون فطرت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ قرآن کہتا ہے وَلَا تَقُل لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا دوسری جگہ ارشاد ہے حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا۔ ایک اور جگہ حکم ہوتا ہے وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کو کوئی ناسزا کلمہ نہ کہو اور نہایت خوش خلقی اور نرمی سے ان سے بات کرو۔ دوسری آیت کا یہ حاصل ہے کہ ہر شخص کی ماں حالت حمل میں انتہائی تکلیفیں برداشت کرتی ہے اور پھر وضع حمل کے وقت درد زہ وغیرہ کی مشقت اٹھاتی ہے۔ تیسری آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ تم ماں باپ کے لئے خدا سے التجا کرو اور دعا کرو کہ پروردگار جس طرح انہوں نے میری تربیت اور پرورش کی ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔ ایک اور جگہ قرآن مجید میں توحید کی ہدایت کے بعد ماں باپ کے ساتھ انتہائی حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں ماں باپ سے حسن سلوک کرنے کا نہایت موکد حکم اور وجوبی امر کیا گیا ہے اور اس حسن سلوک کی تین وجہیں بیان کی گئی ہیں (۱) ماں نے حالت حمل میں بچہ کو انتہائی تکلیف کے ساتھ اپنے شکم میں رکھا (۲) ماں نے وضع حمل کے وقت بہت زیادہ تکلیفیں اُٹھائیں (۳) پیدائش کے بعد ماں نے دو سال دودھ پلایا اور حالت شیر خوارگی کے بعد صغر سنی میں والدین نے بچہ کی تربیت کی اسکو پالا پوسا

کیا اور ان تمام ذمہ داریوں کا اصل باعث شفقت قلبی اور رحم فطری ہے جو عموماً والدین کو اپنی
اولاد سے ہوتی ہے۔ اب ذرا گہری نظر سے وجود مذکورہ بالا کو دیکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ جو استحقاق
والدین کو اپنی اولاد پر ہے یا ہو سکتا ہے وہ خود اولاد کو اپنے نفس کے لئے حاصل نہیں کیونکہ انسان کی
دینی و دنیوی ترقی روحانی و جسمانی بہبودی اور دماغی و بدنی فلاحیت صرف دو امر پر موقوف ہے
(۱) انسان صحیح سالم مطمورۂ عدم سے عالم وجود میں آئے اس کے پاس صحیح قویٰ اور سالم اعضاء
ہوں ادراک کرنے والا دماغ اور اس میں مدرکہ قوت ہو مختلف حرکت کرنے والے اعضاء جسمانی
اور ان میں قوت محرکہ ہو اور پھر ان سب پر ایک حکمراں طاقت یعنی روح انسانی مسلط ہو اور یہ
تمام باتیں کیسے حاصل ہوں۔ وہ کون سا ذریعہ ہے جس کی وجہ سے انسان عدم سے وجود میں آئے
اس کا جواب اگر نیچر عالم سے طلب کیا جائے تو یہی ملے گا کہ اگر ماں بچہ کو پیٹ میں حفاظت سے نہ رکھے
حالت حمل میں بے احتیاطی سے کام لے یا وہ ترکیبیں کرے جس سے استقرار ہی نہ ہو یا استقرار ہو تو
حمل ساقط ہو جائے یا پیدائش کے وقت ولادت میں بد وضعی ہو جائے یا پیدائش کے بعد ماں
بچہ کو دودھ نہ دے یا اس کے حفظان و نگہداشت میں کمی کرے تو یقیناً بچہ زندہ نہیں رہ سکتا
اور جب عالم وجود میں ہی نہ آئے یا پیدا ہو کر زندہ نہ رہے تو پھر دنیوی ترقیاں اور دینی مدارج
اسکو کیسے حاصل ہو سکتے دنیا میں ثروت و دولت حکومت عزت عیش آرام جاہ و حشم وغیرہ کس طرح
نصیب ہو سکتے ہیں عرفان الٰہی اور قرب خداوندی کیونکر مل سکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ جسمانی و روحانی
نعمتوں سے ایک ضعیف البنیان انسان کس طرح بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔ اب رہا تربیت و تعلیم کا
سوال تو اس کا جواب بھی فطرت سے ہی لیا جائے تو صحیح مل سکتا ہے۔ انسان کو دیگر کائنات عالم پر
شرف و فضل کیوں ہے اس ضعیف مخلوق کو اشرف المخلوقات کیوں کہا جاتا ہے اسکی وجہ فطرت عالم
یہ بتاتی ہے کہ انسان کو تمام عالم پر امتیاز و تفوق صرف عقل کی وجہ سے ہے عقل کا کام علوم و معارف
کا ذخیرہ حاصل کرنا مصنوعات عالم پر غور کر کے وجود صانع کے نتیجہ تک پہنچنا موجودات دنیا کو متاع
دین کے لئے مہیا کرنا اور بالآخر تمام فراہمی اسباب کے بعد قربت الٰہی اور معرفت ربانی حاصل کرنا
یہ تمام کام عقل کے ہیں لیکن کیا تمام ترقیاں بغیر تربیت صحیح اور تعلیم صادق کے حاصل ہو سکتی ہیں
یا ہر شخص کی عقل اس مادی اور کثیف دنیا میں رہتے ہوئے یہ ارتقا حاصل کر سکتی ہے اسکا جواب عقلمند
طبقہ کی طرف سے یقیناً نفی میں ملے گا دنیا میں سوائے معصوم ہستیوں کے کوئی شخص بغیر صحیح تربیت اور
عمدہ تعلیم کے کوئی جسمانی و مادی ترقی کر سکتا ہے نہ روحانی و عرفانی ورنہ ایک وحشی بربریت پرست جاہل اور

ایک مہذب تعلیم یافتہ انسان میں فرق نہ رہے گا افریقہ کے نیم انسان اور مہذب دنیا کا بہترین دماغ رکھنے والا زبردست فلاسفر دونوں ایک جیسے ہو جائینگے یہ تربیت و تعلیم ہی ہے جس نے ایک کو ارتقاد کے آخری زینہ پر پہنچا دیا اور دوسرے کو جامۂ انسانیت سے عاری کر دیا۔ حاصل یہ ہے کہ بغیر تربیت و تعلیم کے انسان کو دیگر کائنات عالم سے ایک ارفع امتیازی مرتبہ حاصل نہیں ہوتا اور اس تربیت کا سرچشمہ صرف والدین کی ذات بابرکات ہے۔ مذکورہ بالا تمام امور کی بنا پر ہدایت توحید کے بعد احسان بالوالدین کا امر کیا گیا ہے حضورؐ نے بھی شرک اور عقوق والدین کو ام الکبائر قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا باپ میرا تمام مال چھینا چاہتا ہے تو حضورؐ نے فرمایا تو اور تیرا مال سب باپ کا ہے پھر حضورؐ نے فرمایا کہ تمہاری اولاد تمہاری کمائیوں میں سب سے اچھی کمائی ہے لہذا تم اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ۔ احمدؒ نے بروایت حضرت معاذ بن جبل بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے دس چیزوں کی نصیحت فرمائی تھی منجملہ دس کے ایک بات یہ تھی کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا خواہ تجھ کو مار ڈالیں یا جلا دیں دوسری بات یہ تھی کہ ماں باپ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا خواہ ماں باپ تجھ کو تیری بیوی بچوں اور مال و اسباب سے جدا ہو جانے کا حکم دیں۔ صحیحین میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا یا رسول اللہ سب سے زیادہ کون شخص مستحق ہے جس کے ساتھ میں حسن سلوک سے پیش آؤں اور اسکے ساتھ نیکی کروں آپ نے فرمایا تیری ماں زیادہ حقدار ہے دوبارہ اس نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون ہے حضورؐ نے فرمایا تیری ماں تیسری بار بھی یہی سوال و جواب ہوئے جب اس نے چوتھی بار دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا تیرا باپ زیادہ مستحق ہے پھر اس کے بعد اس سے کمتر اور پھر اس سے کمتر۔ یعنی والدین کے بعد جس کا مرتبہ رشتہ میں کم ہے ویسا ہی اس کا حق بھی کم ہے، صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز حضورؐ نے تین مرتبہ زبان مبارک سے فرمایا اس کے سر پر خاک پڑے صحابہؓ نے عرض کیا حضورؐ کس کے متعلق فرما رہے ہیں آپ نے فرمایا جسکے ماں باپ دونوں یا دونوں میں سے ایک بوڑھے ہوں اور وہ جنت سے محروم رہے۔ ترمذی میں بروایت ابن عمر بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہوا ہے اب میری توبہ کیونکر قبول ہو سکتی ہے آپ نے فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے اس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا کیا تیری کوئی خالہ ہے اس نے عرض کیا ہے فرمایا تو اس کے ساتھ نیکی کر بیہقی نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص والدین کے حقوق ادا کرنے

میں خدا تعالیٰ کا فرمانبردار ہے اس کے لئے بہشت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور اگر صرف والد یا والدہ ہو تو ایک دروازہ کھولا جاتا ہے اور اگر کوئی شخص والدین کی نافرمانی کرنے میں خدا تعالیٰ کے کا مطیع حکم نہ ہو (یعنی خلاف حکم خدا والدین کی نافرمانی کرے) تو اُس کے واسطے دوزخ کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور اگر والدین میں سے صرف ایک ہو اور صرف ایک کی انسان نافرمانی کرے تو دوزخ کا ایک دروازہ اُس کے لئے کھولا جاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اگر ماں باپ ظلم کریں (تو کیا کیا جائے) آپ نے تین مرتبہ فرمایا اگرچہ ماں باپ ظلم کریں۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے جو نیک بیٹا اپنے ماں باپ کی طرف محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر نظر کے بدلے ایک حج مبرور کا ثواب لکھتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اگر روزانہ سو بار دیکھے تو روزانہ سو حج کا ثواب ملے گا آپؐ نے فرمایا بیشک۔ اللہ سب سے بزرگ برتر ہے اُس کو یہ بات کچھ مشکل نہیں۔ بیہقی نے بروایت معاذ بن جبل بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرا ارادہ جہاد کا ہے آپ نے پوچھا کیا تیری ماں زندہ ہے اُس نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اُس کی خدمت گزاری میں رہ کر کیونکہ جنت اُس کے قدموں کے نیچے ہے۔ ترمذی اور ابو داؤد نے بیان کیا ہے کہ ایکمرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میری ایک بیوی ہے جس سے مجھے بہت محبت ہے لیکن میرے والد یعنی حضرت عمرؓ اُس سے ناخوش ہیں آپؐ نے فرمایا تو اُس کو طلاق دیدے۔

ابن ماجہ نے بروایت ابی امامہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ والدین کا کیا حق ہے آپ نے فرمایا وہ تیری جنت و دوزخ ہیں (یعنی اگر ان کی اطاعت کرے گا تو بہشت میں داخل ہو گا ورنہ دوزخی ہو گا)

کافر والدین کے ساتھ سلوک۔ بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ میری ماں آئی ہے لیکن کافرہ ہے میں اسکے ساتھ صلہ رحمی کروں (یعنی کیا میں اس کے ساتھ عزیز داری کا سلوک کروں) حضورؐ نے فرمایا تو اس کے ساتھ ضرور صلہ رحم کرو۔

قرآن پاک میں آیا ہے وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔ یعنی اگر تمہارے والدین تم سے اس بنا پر جھگڑا کریں کہ تم خدا تعالیٰ کے ساتھ اُس چیز کو شریک بناؤ جس کا تم کو کوئی علم نہیں ہے تو تم

اس بات میں ان کی اطاعت نہ کرنا اور یہ بات ان کی نہ ماننا البتہ دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔

شریعت اسلامیہ کا مسئلہ ہے کہ اگر والدین کافر ہوں بلکہ اگر دادا دادی ہوں اور مفلس بھی ہوں خواہ ان میں کمائی کرنے کی طاقت ہو یا نہ ہو بہر صورت ان کے مصارف اس اولاد پر واجب ہیں جسمیں کمائی کرنے کی قدرت ہو اور کمائی کر سکتی ہو۔

والدین کی اطاعت کس امر میں کرنی چاہیئے - والدین کی رضا جوئی خاطرداری اور تعمیل حکم اُسوقت تک واجب ہے جبتک وہ ترک فرائض یا واجبات کا حکم نہ دیں اگر والدین ادائے فریضۂ الٰہی سے روکیں یا واجب کے ادا کرنے سے منع کریں تو چونکہ والدین کے حقوق پر حق خداوندی مقدم ہے اس لیئے اُن کے قول کو نہ ماننا چاہیئے۔ ترمذی نے بروایت عبداللہ بن عمرؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا حق تعالیٰ کی رضامندی باپ کی رضامندی میں مضمر ہے اور اس کی ناخوشی باپ کی ناخوشی میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے کسی بندہ کی فرمانبرداری نہ کرنی چاہیئے۔

باپ کے دوستوں کے حقوق - باپ کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے دوستوں سے حسن سلوک اور نیکی کرے ان کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرے اور ان کی بزرگانہ توقیر کرے مسلم نے بروایت ابن عمرؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ نیکی اور حسن سلوک کا کمال یہ ہے کہ بیٹا اپنے باپ کے مرنے کے بعد اُس کے دوستوں کے ساتھ نیکی کرے مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے اپنے باپ کے دوستوں سے خوش خلقی اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے اطاعت والد کا یہ تکمیل درجہ ہے۔

اولاد کے حقوق والدین پر

شفقت و محبّت کا برتاؤ - مسلم نے بروایت حضرت انسؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ صلعم نے فرمایا جو شخص دو لڑکیوں کی جوان ہونے تک پرورش کرے قیامت کے دن میں اور وہ ایسے قریب ہونگے جیسے یہ دونوں انگلیاں یعنی شہادت کی اور بیچ کی انگلیاں۔ بخاری و مسلم راوی ہیں کہ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں ایکبار ایک عورت میرے پاس آئی دو لڑکیاں اسکے ساتھ تھیں اس عورت نے مجھ سے کچھ کھانا مانگا میرے پاس اُسوقت صرف ایک چھوہارا تھا میں نے وہ چھوہارا اُس عورت کو دیدیا اُس نے آدھا آدھا دونوں لڑکیوں کو بانٹ دیا اور خود کچھ نہ کھایا جب وہ چلی گئی تو رسول

اللہ گھر میں تشریف لائے میں نے آپ کے سامنے واقعہ عرض کیا فرمایا جس شخص کی کئی لڑکیاں ہوں اور وہ شخص انکے ساتھ نیکی کرے تو وہ لڑکیاں اس کو دوزخ سے بچانے کیلئے پردہ اور حجاب ہو جائنگی صحیحین میں بروایت حضرت صدیقہؓ مروی ہے کہ ایک اعرابی نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ تم لڑکوں کو پیار کرتے ہو چومتے ہو لیکن ہم تو پیار نہیں کرتے آپنے فرمایا اگر خدا تعالیٰ نے تمہارے دل سے مہر و شفقت دُور کردی تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

فقہ اسلامی کا مسئلہ ہے کہ چھوٹے بچوں کا نیز ناکتخدا لڑکیوں کا نفقہ باپ پر واجب ہے بلکہ بعض علماء تو کہتے ہیں کہ اگر لڑکی بیوہ ہو جائے اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اسکا نفقہ بھی ضروری ہے اولاد سے محبت و شفقت کا برتاؤ رافت وانس کا مظاہرہ واجبات اسلامی سے ہے۔ رسول اللہؐ حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ کو اپنے کاندھوں پر سوار کر لیا کرتے تھے۔ نماز میں اگر حسنینؑ سجدہ کی حالت میں حضورؐ کے شانوں پر سوار ہو جاتے تو آپ اُس وقت تک سر نہ اُٹھاتے جب تک صاحبزادگان خود علیحدہ نہ ہو جاتے اور یہ انس صرف اپنی اولاد سے ہی نہ تھا بلکہ دوسروں کے بچوں سے انتہائی شفقت سے پیش آتے اور بچوں میں اس طرح مل جاتے کہ بچے حضورؐ کو اپنے میں کا ایک فرد خیال کرنے لگتے اور یہ تو مسلمہ ہے کہ بچوں پر رحم و شفقت نہ کرنے والا اور بڑوں کی عزت نہ کرنے والا اسلام سے خارج ہے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت و توقیر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

والدین کو اولاد کے ساتھ کیا کرنا چاہیئے صحیح روایات میں آیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ فطرتاً مسلمان پیدا ہوتا ہے یعنی اسلام اسکی فطرت و سرشت میں داخل ہوتا ہے اور پھر پیدائش کے بعد اس کے ماں باپ (جبکہ وہ عالم جس سے عالم تمیز میں ترقی کرتا ہے) اس کو یہودی یا مجوسی بناتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر بچہ بیرونی اثرات سے بچا ہے تو اس کا مذاق صحیح اسکو فطری مذہب یعنی اسلام کی طرف رہبری کرتا ہے سورہ روم میں خداوند تعالیٰ اس مضمون کو مزید توضیح کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی تم ایک خدا کے ہوکر اس کے دین کی طرف مُنہ کئے رہو یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی بنائی ہوئی بناوٹ میں تبدیلی نہیں یہی دین کا سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے انسان کا دل ہی ایسا بنایا ہے کہ ادنیٰ توجہ سے خواہ مخواہ اُسے خدا کا اقرار کرنا پڑتا ہے لیکن غفلت آدمی کو سوچنے نہیں

دیتی۔ اس آیت سے ہم یہ نتیجہ نکالنے کے مجاز ہیں کہ بچہ کی جس قدر عمر بڑھتی جائے اور بیرونی بُرے اثرات نہ پڑیں تو بچہ بڑا ہو کر شعائر اسلام کا صحیح اور زندہ نمونہ ہوگا اور اسلامی خصوصیا اور اخلاق حسنہ سے متصف ہوگا اور اندرونی اثرات تو سب کے سب اسلام کے موئد و معاون ہی ہونگے جب انسان کی راسخ عادتیں بدی پر مستحکم ہو جاتی ہیں تو برائی اسکی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اور اس کے اندر سے بھی برائی کی تحریک ہوتی ہے۔ بیرونی اثرات میں قوی ترین صحبت اور خانگی تعلیم ہیں اور یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ بچہ کے اولین جلیس اُس کے والدین ہوتے ہیں جنکی صحبت سے وہ اثر پذیر ہوتا ہے اسی تاثیر کا نتیجہ ہے کہ بچہ اپنے والدین کے خصائل کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور یہ امر بھی بالکل واضح ہے کہ مثال نصیحت سے بدرجہا زیادہ مؤثر اور دل پذیر ہوتی ہی تمام قوموں کی ضرب المثلیں اور زبان زد عام مقولے مثال کی برق نما تاثیر کے مقر و مثبت ہیں لہذا اگر مسلمان خود بھی نیک ہوں اور اپنے بچوں کو بھی نیکی کی ہدایت کریں تو ان کی مثال اور نصیحت دونوں مل کر بچوں کو پکا مسلمان بنا دیں اور وہی ناسمجھ بچے جو آج آغوش مادریں ہیں بڑے ہو کر قوم کی مشکلات حل کرنے میں نہایت مفید ثابت ہونگے ہر مسلمان کو اس کا احساس ہو کہ جہانتک مذہب سے واقفیت رکھنے اور مذہب کے احکام پر عمل کرنے کا تعلق ہے ہماری موجودہ نسل گذشتہ آباؤ اجداد سے بہت زیادہ خراب ہے آخر اس انحطاط کا سبب کیا ہے۔ والدین کی تربیت صحیح اور تعلیم مذہبی سے لاپروائی اور بچوں کی مذہب سے ناواقفیت یہ دونوں چیزیں ہماری قوم کی تباہی کے اصلی اسباب ہیں پُرانے زمانہ کے لوگ اب خال خال نظر آتے ہیں آج کل کے والدین نئی روشنی کے فیضیاب ہیں اور دنیاوی مسائل میں زیادہ منہمک رہنے سے اپنی تعلیم سے غافل ہو گئے ہیں اور روز بروز اسلام سے زیادہ دُور ہوتے جاتے ہیں اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ انکی اولاد نیک ہو تو انہیں نہ صرف نیکی کی تلقین کرنی چاہیئے بلکہ خود بھی نیکوکار بنکر دکھانا چاہیئے اگر وہ اپنی اولاد کو پابند مذہب کرنا چاہتے ہیں تو پہلے انہیں خود شعائر اسلامی کا پابند بننا چاہیئے۔ بچوں کو جھوٹ بولنے سے بچانے کا یہ طریقہ نہیں کہ خود جھوٹ بولا جائے کاش سب مسلمان اس زریں اصول کو اپنا نصب العین بنالیں۔

عورت کے حقوق مرد پر تمام مخلوق کی ترکیب پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس ترکیب میں اعتدال ہے تو ہر چیز اپنی حالت پر قائم ہے اور اگر اعتدال سے کم و بیش منحرف ہے تو قریب بہ زوال ہے گویا ہر چیز کی ترکیب کا اعتدال اس کی جان ہے اسی طرح فطرت

کی جان فطرتی اعتدال ہے اگر گردن کی کشش اپنے طبعی اعتدال سے ذرا منحرف ہو تو سارا عالم تہہ و بالا ہو جائے۔ آفتاب و ماہتاب ٹکرانے لگیں کوہ و دریا ذرے بن بن کر اڑ جائیں اسی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ مذہب کی جان مذہبی اعتدال ہے مذہب ہی پر کیا موقوف ہے ہر کام چاہے دنیوی ہو یا دینی سب میں اعتدال ملحوظ رکھنا ضروری اور لابدی ہے ورنہ حقیقی کامیابی محال ہے اب اس اعتدال سبق اگر قانون فطرت سے لیا جائے تو یہ قانون ایشیا یورپ افریقہ اور امریکہ ہی کی چار جلدوں میں مجلد نہیں ہے بلکہ جس طرح یہ قانون سارے براعظم میں ہے اسی طرح سارے بحر محیط میں بھی ہے جس طرح خشکی میں ہے ویسا ہی تری میں بھی ہے جزیروں میں بھی اور ہوا کے ذروں میں بھی ہے زمین میں ہے اور آسمان میں بھی ہے غرض قانون فطرت ہر جگہ سائر و دائر ہے۔

رسول اکرمؐ نے عورت و مرد کے حقوق کی جو تفصیل و توضیح فرمائی ہے وہ سراسر اعتدال پر مبنی ہے آپ صنف قوی اور صنف نازک کے باہمی تعلقات کے درست رکھنے کے لیئے جو قانون لائے وہ دماغ و فطرت دونوں کے کمال کے مطابق ہے خواہ اُس قانون کو گرم ملکوں میں استعمال کیا جائے یا سرد اقلیموں میں وہ ہر جگہ اور ہر وقت دونوں صنفوں کے لیئے مفید ہے زمانہ نے ہزاروں پلٹے کھائے ہزاروں اُلٹ پھیر ہوئے ہزاروں ترقیاں ظہور میں آئیں چاہے زمانہ اس عالم شباب میں رہے یا دو چار ہزار برس کا اور پرانا ہو جائے مگر یہ قانون قدرت فطرت کے مطابق مزاج کے موافق اور صنف انسانی کے مناسب ہے قانون اسلامی اسی وقت غیر مؤثر ہو سکتا ہے جب فطرت کائنات بدل جائے اور فطرت کا مزاج حد اعتدال سے بگڑ جائے اور چونکہ فطرت نہیں بدل سکتی اس لیئے قانون اسلام بھی نہیں بدل سکتا۔

قانون فطرت ہم کو تبلا رہا ہے کہ بغیر تمدن تمصر اور میل جول کے ہماری زندگی زندگی کا لُطف اور لُطف کی زندگی ناممکن ہی ہر انسان اپنی ضروریات کی فراہمی کے لیئے دوسرے کا دست نگر ہے کیونکہ ہر شخص دُنیا کے کل کاروبار نہیں کر سکتا اور نہ تنہا کل حوائج مہیا کر سکتا ہے۔

تمدنی زندگی کے لیئے دو چیزوں کی ضرورت ہے (۱) ضروریات زندگی کسطرح بہم پہنچائی جائیں (۲) اگر ضروریات اور اسباب زندگانی میسر آجائیں تو ان کو کس طرح صرف کیا جائے۔ یہ دونوں امور لوازم حیات میں سے ہیں اگر روپیہ حاصل کرنے کے اسباب مہیا نہ کیئے جائیں یا اسباب کی فراہمی کی باوجود روپیہ نہ کمایا جائے یا روپیہ ہونے کے باوجود قانون فطرت کے خلاف اسکو صرف کیا جائے تو یقیناً نتیجہ میں تباہی اور بربادی سے دوچار ہونا پڑے گا اور زندگانی کا لطف

کسی طرح حاصل نہ ہوگا اس مختصر تمہید کے بعد میں بتانا چاہتا ہوں کہ قانون اسلامی میں ہر دو صنف کے حقوق کا لحاظ رکھا گیا ہے مرد و عورت دونوں کو بالکل آزاد کیا گیا ہے نہ مرد عورت کا غلام ہے اور نہ عورت مرد کی باندی بحیثیت انسانیت دونوں مساوی ہیں ایک کو دوسرے پر تفوق و برتری نہیں لیکن خلقت جسمانی اور لوازم وجدانیات کے اعتبار سے دونوں کے فرائض جدا جدا ہیں مرد کی بدنی ساخت اعضا کے چڑھاؤ اتار قوت کا کمال عقل کی روشنی اور رہر مردانہ رعب و داب اور جاہ و جلال اس بات کا مقتضی ہے کہ بیرونی دنیا میں اختلاط میل جول اور تعلقات پیدا کرکے حوائج ضروریہ کے اہتمام کے لئے روپیہ بہم پہونچائے دنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد کرے جس سے ترقی رفعت بلندی عزت اور مرتبہ حاصل ہو اپنے اہل و عیال کی عزیز و اقربا کی دوستوں ملاقاتیوں اور محلہ داروں بلکہ اس سے بڑھ کر قوم والوں شہر والوں اور ملک والوں کی زندگی آزادی اطمینان خاطر اور سکون روحانی کے ساتھ بسر ہو اسباب زندگانی کی فراہمی اور لوازم حیات کے بہم پہنچانے میں ہر وقت سرگرم ہے سکون کی بجائے حرکت جمود کی بجائے ارتقا اور خواب کی بجائے بیداری میں ہر دم منہمک رہے تاکہ اپنے نفس کو اپنے متعلقین اور احباب کو اور ابنائے وطن کو کچھ فائدہ پہونچا سکے لیکن یہ تمام لوازم زندگانی کی فراہمی اور ارتقار کی کوشش اس وقت تک رائیگاں اور بے سود ہے جب تک اندرونی سکون اور خانگی اطمینان نہ حاصل ہو جب تک ضمیر کو آسائش اور قلب کو راحت و چین میسر نہ آئے جبتک دن بھر کی تھکی ہوئی روح اور ماندہ حواس میں تازگی نہ پیدا ہو اس وقت تک فراہمی اسباب در ہتیہ ذرائع دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ عورت وہ عورت جو باعتبار خلقت کے نازک اندام جادو چشم بصیرت نواز اور بصر افروز واقع ہوئی جس کا ہر ہر حصہ بدن انسانی دل کو اطمینان مسرت سکون آسائش راحت چین اور فراغت حاصل کرانے کا کوشاں رہتا ہے جس کے تبسم میں راحت ہنسی میں شگفتگی رفتار میں کشیدگی اور سکون میں سکون ہے۔ یہ عورت انسان کے ضمیر کو حواس کو روح کو اور دل کو خانگی بکھیڑوں سے نجات اور اندرونی غموم سے خلاصی دیتی ہے اسکی خلقت کمزور ہے اعضا نازک و ضعیف ہیں صوت میں لطافت اور دماغ میں نزاکت ہے یہ کسی طرح بیرونی دنیا کی مشقتیں تکلیفیں اور مصائب برداشت کرنے کے قابل نہیں اور اگر بالفرض چند واقعات کو نظر کے طور پر پیش کرنے کے بعد قوت نسوانی کی ہمہ گیری ثابت کرنے کی کوشش بھی کی جائے تب بھی عورت کی فطرت اور اعضا کی ساخت اسکی تکذیب کر رہی ہے علاوہ بریں تربیت اولاد تنظیم خانگی اور تیمارداری بیماران جس طرح عورت

کر سکتی ہے اس طرح مرد سے نہ ہو سکتی ہے نہ کبھی ہوئی اور نہ آئندہ اس کا امکان ہے برکت والی
عورت نفاست نزاکت اور ضعف خلقت کی وجہ سے ایسے سلوک احسان کی مستحق ہے کہ وہ ہمیشہ آرام
آسائش میں رہے انہی امور کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن ہم کو حکم دیتا ہے کہ عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
یعنی عورت کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ حضور اکرمؐ نے امور مذکورہ بالا کا لحاظ فرماتے ہوئے
ارشاد فرمایا کہ عورت اپنے شوہر کے گھر میں اور اولاد پر حکمران ہے (بخاری) ایک دفعہ ایک سفر میں
اونٹوں کے کجاووں میں عورتیں سوار تھیں ساربان جو اونٹوں کی مہار پکڑے جا رہا تھا حدی
خوانی کرنے لگا حضورؐ نے فرمایا دیکھ کانچ کے شیشوں کو توڑ پھوڑ نہ دینا (مسلم)

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک مصابیح میں ایک صحیح حدیث بروایت حضرت ابوہریرہؓ
منقول ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا استوصوا بالنساء خیرا یعنی لوگو عورتوں سے بھلائی کرنے
کے متعلق میری نصیحت مانو۔ مصابیح میں ایک اور حدیث بروایت حضرت جابرؓ منقول ہے کہ
حضور اکرمؐ نے حجۃ الوداع میں فرمایا اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ
اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ یعنی عورتوں کے حق میں خدا سے ڈرو کیونکہ تم نے
ان کو بعہد امانت لیا ہے اور باذن خدا ان کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے
اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي النِّسَاءِ یعنی عورتوں کے حقوق ادا کرنے میں خدا سے ڈرو خدا سے۔ مذکورہ احادیث
کا حاصل مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اُن کو ناحق نہ ستاؤ وہ تمہارے
قبضہ میں ہیں تم نے خداوند تعالیٰ سے معاہدہ کیا ہے کہ ہم عورتوں کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی کا
برتاؤ کریں ان پر شفقت و مہربانی کریں گے اب اگر تم ان سے نرمی نہ کروگے خوش خلقی رافت اور
مہربانی کا ان کے ساتھ برتاؤ نہ کروگے تو میثاق الٰہی کی شکست کروگے اس عہد کو توڑ دوگے جو تم نے
خداوند تعالے سے کیا ہے اس کی امانت میں خیانت کروگے تم نے خداوند تعالیٰ سے معاہدہ کیا تھا
کہ نظام حیات میں کوئی رخنہ اندازی اور اختلال نہ کر سکیں گے لیکن عورتوں پر سختی اور ترشی کرنے سے اُس
معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی۔ نظام زندگانی درہم برہم ہو جائیگا اور روح اجتماع فنا ہو جائیگی میثاق
الٰہی کی شکست قوانین الٰہی کی شکست ہے اور قوانین فطرت کی شکست سے انسانی حیات خطرہ میں پڑ جاتی ہے

کہاں ہیں عورتوں کو باندیاں سمجھنے والے اور حبس دوام کی سزا دینے والے ادھر آئیں اور ذرا انکے
دل و دماغ کو تکلیف دیکر حضور اکرمؐ کے مذکورہ بالا فرامین پر نظر بصیرت ڈالکر بتائیں کہ کیا خدا سے یہی
معاہدہ کیا تھا کہ گھر کے اندر ہم فرعون بے سامان بنے رہینگے غضب اور غصہ کا ثبوت بلکہ جنون کا جن گھر

میں داخل ہوتے ہی ہم پر سوار ہو جائیگا عورت اور مظلوم و بیکس عورت کو ہانڈی کے ٹوٹنے روٹی کے جلنے سالن میں نمک . یا مرچ کم و بیش ہونے پر لہولہان کر کے اپنی قساوت قلبی کا ثبوت دینگے آہ اس بیکس کمزور اور جاذبیت کی دیوی کی یہی قدر ہے کہ اسکو باندی اور نوکرانی سے بدتر سمجھا جائے کیا اس کے حقوق کی یہی پاسداری ہے کہ دن بھر کی جلی بھنی غریب و لاچار عورت کو جو بیچاری درماندہ ہو کر رات کو دس بجے سے سو گئی ہو گیارہ بجے ٹھوکر مار کر بیدار کر کے چند مغلظات سنا کر اپنے پاؤں دبانے پر مجبور کیا جائے کیا وصیت خیر کے یہی معنی ہیں کہ صرف اس زعم میں کہ ہم اسکو نوکرانیوں کی طرح نان نفقہ دیتے ہیں اس کو مکان کی چار دیواری میں بند کر کے اس کے والدین اور قریب ترین عزیزوں سے بھی نہ ملنے دیا جائے کیا خوف خدا یہی ہے کہ اس مجروح دل دکھیاری کو ہر طرح کی تکلیفیں اور دکھ دیکر اپنے اور ایک حسن فروش عصمت پاش ننگ انسانیت بام نشین کے دل کو خوش کیا جائے کس قدر ظلم ہے کہ اجتماع و تمدن کا ایک ستون اس قدر کمزور اور شکستہ حالت میں ہو اور دوسرا ستون بزعم خود ایسا مضبوط اور پائدار ہو - او خستہ دل مصیبت زدہ قیدی کو تیر پر تیر مارنے والو خدا مجھے بتاؤ کہ کیا تمہاری انانیت اور نمرود کے دعوی خدائی میں کچھ فرق ہے نمرود کی جس قوم پر حکومت تھی اور جو امت نمرود کے آہنی پنجہ میں گرفتار تھی وہ ان سے اپنے کو خدا کہلانا چاہتا تھا اور تمہاری جس فرد یا جس شخص پر بزعم خود حکومت ہے تم اس سے اپنی انانیت قبلوانے میں ہر ظلم و ستم سے دریغ نہیں کرتے اور گلے پھاڑ پھاڑ کر پکارتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر سوائے خدا کے میں کسی اور کے لیئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اور بزعم خود غلط انسان نما پتھروں تم نے اس کا مطلب غلط سمجھا درحقیقت یہ تمہاری فرعونیت میں اضافہ کرنے کا سامان نہیں ہے بلکہ عورت کی سرکشی اور سرتابی کا سدباب ہے بیکس عورت کی بیچارگی کا اظہار ہے مغرور دل کو اس کی بیچارگی کی طرف توجہ دلاکر رحم کرنے کی التجا اور ترغیب ہے - کیا رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو ان پر ہرگز زیادتی نہ کرو ان کے ادائے حقوق میں ہر وقت خدا سے ڈرتے رہو جو خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ جو خود پہنو ان کو بھی پہناؤ ان کو ذلیل و حقیر مت کرو پورا مومن وہ ہے جو اچھے خلق والا اور اپنی بیوی سے اچھی گزران کرنے والا ہو اور سب سے بڑھ کر کیا حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ دنیا کی چیزوں میں سے تین چیزیں بہت مرغوب ہیں خوشبو عورت اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز - کیا حضور کا یہ فرمانا عورت کی عزت و عظمت پر دال نہیں ہے کیا اس سے بڑھکر کوئی اور فضیلت ہو سکتی ہے کہ جس طرح خوشبو کو بدبو پر نماز کو دیگر عبادات پر فضل و شرف حاصل

ہے اسی طرح عورت کو۔ میرے کہنے سے یہ مدعا نہیں ہے کہ عورت کی مرد پر بہمہ وجوہ فضیلت ثابت کروں بلکہ جس طرح نماز سے دل میں ایمان و انبساط پیدا ہوتا ہے خوشبو سے دماغ میں کیف و سرور بڑھتا ہے اسی طرح عورت کی بصیرت افروز اور باصرہ نواز صورت کے دیکھنے سے دل میں سکون ضمیر میں راحت اور اندرون سینہ میں ہلکی ہلکی فرحت حاصل ہوتی ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَاءِ کا مطلب

بعض کج فہم اور غلط اندیش آدمیوں کو آیت مذکورہ سے دھوکہ ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ مرد عورت پر ہر صورت سے مسلط ہے حاکم ہے خود مختار اور مطلق العنان حکمراں ہے عورت اسکی ملک ہے۔ یفعل مایشاء و یحکم مایرید۔ عورت کو چون و چرا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے وہ شوہر کے ہاتھ فروخت ہو چکی مردہ بدست زندہ جس طرح اس کے ساتھ برتاؤ کیا جائے اس کو بولنے کا حق نہیں قیدی ہے باندی ہے نوکرنی ہے فرمانبردار اطاعت شعار خدمت گذار ہے امۃ اللہ نہیں امۃ الزوج ہے۔ چند روٹیاں اور دو کپڑے اسکو ہمیشہ کے لئے باندی بنانے کے لئے ثبوت بیّن ہیں ان کوتاہ اندیش انسانوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ مرد کے قوّام ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ مطلق العنان شیطان ہے جو کچھ چاہے کر سکتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ عورت کم فہم ناقص العقل ہے خلقتاً کمزور ہے لطیف الطبع ہے اپنے مآل کو نہ کم سمجھتی ہے (گو بعض عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں) مرد کو خدا تعالیٰ نے قوت جسمانی عطا کی زیرکی اور دانش کی روشنی سے اُس کے دماغ کو منور کیا اُس کو حق ہے اور قدرت ہے کہ اپنی بیوی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے بھلی بات کی تعلیم اور بُرائی سے منع کرے اس کی سرپرستی کرے کھانے پینے سے اُس کو فارغ البال کر دے اور اس کا کوئی کام یا کوئی ضرورت ہو اور وہ اپنی ضرورت پوری کرنے سے عاجز ہو تو اس کی طرف سے سرانجام دہی میں کمی نہ کرے اس کے مصارف اور تمام حقوق کا مرجع اپنے آپ کو سمجھے اگر وہ بیمار ہو تو اس کے علاج و تیمارداری میں کوشاں ہو اگر ضرورتمند ہو تو اُس کی ضرورت کو پورا کرے وغیرہ

عورت کی طرف سے جو ایذا ہو اس کو برداشت کرنے کا حکم

مرد پر لازم ہے کہ عورت کے بعض چھوٹے چھوٹے عیبوں کو نظر انداز کر دے اگر ان سے کچھ قصور یا غلطی ہو جائے تو اُس کو ان کی کم عقلی اور ناسمجھی پر محمول کرے ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہ کرے ان کی کمزور حالت پر رحم کرتے ہوئے ان کے قصوروں سے درگذر کرے ان کی جائز اور شرعی خواہشوں کو پامال نہ کرے اگر ان کی خواہشات کی تکمیل میں کچھ مالی نقصان ہو جائے بشرطیکہ قابل برداشت

ہو تو اُس کو بطیب خاطر برداشت کرے کیونکہ عورتوں کی لگام مرد کے ہاتھ میں ہوتی ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ بہتر سے بہتر چال والا گھوڑا کبھی نہ کبھی اتفاقیہ ٹھوکر نہ کھائے یا تھک کر کسی وقت اپنے ریسٹ و آرام کا خواہاں نہ ہو۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

بیوی سے ہنسی اور دل لگی کرنے کا حکم

مرد کے لئے جائز ہے بلکہ مسنون ہے کہ بیوی سے جائز مذاق اور دل لگی کی باتیں کرے اور ایسی ہنسی کرے جو گناہ نہ ہو مرد کا اپنی بیوی سے کھیلنا اس لہو الحدیث میں داخل نہیں ہے جس کی شرعاً ممانعت ہے بلکہ یہ جائز کھیل ہے جسکی شریعت میں اجازت ہے دیکھو رسول اکرم علیہ السلام والصلوٰۃ اپنی بیویوں سے مذاق کیا کرتے تھے اور اُنکی عقلوں کے موافق کلام کیا کرتے تھے بلکہ یہاں تک روایت ہے کہ رسول اللہؐ حضرت ام المومنین صدیقہؓ کے ساتھ دوڑتے تھے کہ آگے کون نکل جائے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ اپنی بیویوں کے ساتھ سب سے زیادہ ظریف یعنی خوش مزاج تھے دوسری حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مومنوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ زیادہ خوش خلق اور زیادہ مہربان ہو

بیوی پر خواہ مخواہ بدگمانی کرنے کی ممانعت

مرد پر لازم ہے کہ عورت کی عیب بھید کی تلاش اور خواہ مخواہ کی بدگمانی سے باز رہے کیونکہ حضورؐ نے عورتوں کی پوشیدہ باتوں کی تلاش کرنے اور عیب جوئی کرنے سے منع فرمایا ہے یاد رکھو کہ بلاشبہ کے مرد کی غیرت جو عورت پر ہوتی ہے خدا تعالیٰ اس کو ناپسند فرماتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ ایک غیرت ایسی بھی ہے جسکو خدا تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اور وہ غیرت یہ ہے کہ مرد بلا کسی شبہہ کے عورت پر غیرت کرے کیونکہ یہ غیرت بدگمانی میں داخل ہے ہاں بر محل اور باموقع غیرت واجب ہے۔

ازواج مطہرات کے ساتھ حضورؐ کی محبت

ہر سعید الفطرت انسان جس قدر غور و خوض کر کے تاریخ کی ورق گردانی کرے گا اور رسول اللہؐ کے مبارک حالات سے واقفیت پیدا کرے گا اسی قدر اس کو اس بات کا قائل ہونا پڑے گا کہ آپ مکمل اخلاق اور مجموعۂ اوصاف تھے آپکی معاشرت کے وہ طریق جو آپ اپنے گھر میں اپنی بیویوں سے مختلف بالطبع وقتوں میں برتتے تھے اور جس حسن اخلاق اور محبت سے اپنی بیویوں سے پیش آتے تھے اُسکی شہادت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب آپ پر وحی کا نزول ہوا تو آپ گھر میں تشریف لائے اور اپنی بیوی صاحبہ کو تمام ماجرا سنایا دیکھئے نبوت کے پہلے ہی دن آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ کا اسلام قبول کر لینا آپکی پاک باطنی اور حسن سلوک کی کامل شہادت ہے اپنی بیویوں کے ساتھ آپکا جیسا بے نظیر برتاؤ تھا وہ صنف

لطیف کے حقوق کی مراعات کا واضح پیام اپنے اندر رکھتا ہے اور حقیقت و صداقت کرانے کے لئے مقناطیس کا کام دیتا ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ہم پر بڑے شفیق تھے کبھی آپ نے کوئی کام کرنے کے لئے ہم کو نہیں فرمایا کبھی نہیں فرمایا کہ میری خاطر کرو بلکہ خود ہماری خدمت کے لئے کمربستہ ہو جاتے تھے (بخاری) ایک اور حدیث بروایت حضرت صدیقہ مروی ہے کہ حضورؐ مکان کے اندر گھر والوں کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے (بخاری) مسلم میں ایک روایت ہے کہ حضورؐ نے کبھی اپنے ہاتھ سے اپنے خادم اور عورت کو نہیں مارا اور نہ لعنت کی۔

اسلامی پردہ یہ بات دلیل کی محتاج نہیں کہ عورتوں کا مطلق العنان اور خودسر ہونا کسی طرح مناسب نہیں۔ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ کی مقدس تعلیم ہم کو بتلا رہی ہے کہ ہم عورتوں کے ساتھ گھروں میں ایسا سلوک کریں کہ ان کو باہر نکلنے کی ضرورت نہ پڑے اور یہ ہماری پردہ دری کی باعث نہ ہوں۔ اور ہر طرح ہماری ستر پوشی کو قائم رکھیں کوئی آسمانی کتاب پردہ کی مخالف نہیں کرتی آفرینش عالم سے لیکر اب تک دین الٰہی اور احکام خداوندی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی پردہ میں رہنے سے نہ حبس ہوتا ہے نہ قید نہ اختلاج نہ اختلاق قیود سے عورت مقید ہوتی ہے جس کی سخت ممانعت ہے گھر میں پھر سکتی ہے چل سکتی ہے خاص خاص عزیزوں کے ہاں جا سکتی ہے وہ مقید نہیں محبوس نہیں لیکن جنس گرانمایہ ہے ہر ایک کے دیکھنے سے میلی ہوتی ہے بے پردہ ہونے سے اگر چار نظریں نیک اس پر پڑتی ہیں تو بیس بد نظریں بھی اس کے چہرہ سے پیوست ہو جاتی ہیں اسلام میں پردہ کی بڑی سخت تاکید ہے ام المومنین حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اتنے میں ابن ام مکتوم آئے اور سیدھے آپ کے پاس پہنچے حضورؐ نے مجھ سے اور میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم دونوں پردہ میں ہو جاؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ابن مکتوم نابینا نہیں ہیں فرمایا کیا تم نابینا ہو کیا تم انکو نہیں دیکھ سکتی ہو (ترمذی)

مرد و عورت دونوں کیلئے پردہ و ستر پوشی ضروری ہے مرد کے لئے ناف سے لیکر زانو تک چھپانا ستر میں داخل ہے اور باقی بدن کا چھپانا اس کی تکمیل ہے۔ عورت کے لئے تمام بدن ڈھانپنا واجب ہے اور مکان کے اندر پردہ نشین ہونا اس کی تکمیل ہے۔ عورت کا مکان کے اندر رہنا ایسا ہے جیسا مرد کا تمام بدن پر کپڑا پہننا اور تمام بدن چھپانا یا یوں کہو کہ عورت کا باہر پھرنا وہی نسبت رکھتا ہے جیسا مرد کا صرف تہ بند پر اکتفا کرنا۔

پردہ سے پارسائی عفت و عصمت پرہیزگاری عزت و وقعت قائم رہتی ہے انسان دیگر حیوانات

کے مقابلہ میں اشرف اور افضل کہلاتا ہے اس کا یہی باعث ہے کہ خلاق عالم نے اس کو جوہر عقل اور جوہر علم عطا فرمایا ہے پس جن انسانوں میں بے حمیتی بے غیرتی اور بے حیائی کا مادہ پایا جاتا ہے وہ لوگ حیوان ہیں انسان نہیں۔ حیوانات کو دیکھیے کہ خالق اعظم نے ان اعضاء کی جو باعث شرم و حجاب ہیں دم اور اُن سے ستر پوشی کی ہے چارپایوں کی ستر پوشی کے لیئے دم ہے تو پرندوں کے لیئے پر۔

اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسان کو عقل اور قوت مدرکہ عطا فرمائی ہے اور اس شعور کی بدولت انسان نے اپنی پردہ پوشی کے لیئے مختلف قسم کے لباس مہیا کر لیئے ہیں اور پروردگار عالم نے بھی انسان کی درایت اور شرافت کے باعث اس کو متناسب الاعضاء مستقیم القامت اور دیگر حیوانات سے ممتاز بنا کر وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا کی تعلیم دے کر شب کی تاریکی سے پردہ پوشی کا سبق حاصل کرنے کی ہدایت فرما دی ہے۔

جلباب والی آیت کی تفسیر میں ابن جریر بروایت ابن عباسؓ لکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے مومنوں کی عورتوں کو اپنی چادروں کے ساتھ ایک آنکھ کے سوا باقی سر اور چہرہ کے ڈھانپنے کا حکم دیا ہے محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ جب میں نے حضرت عبیدہ سے يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ کے معنے پوچھے تو انہوں نے اپنی چادر اوپر اٹھا کر سر اور چہرہ پر اوڑھلی اور بائیں آنکھ کا تھوڑا سا حصہ ننگا رہنے دیا (در منثور)

عورتوں کے لباس کے متعلق قرآن میں حکم ہے وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ یعنی اپنی اوڑھنیاں سینہ پر ڈال لیا کرو۔ دیکھنے کے متعلق فرمایا ہے يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔ چلنے کے متعلق فرمایا وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ یعنی چلتے وقت زمین پر زور سے پاؤں نہ ماریں کہ خفیہ زیورات کی جھنکار پر کسی کی توجہ نہ پھر سکے۔ گفتگو کے متعلق فرمایا قُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا یعنی صاف صاف لفظوں میں اپنا مطلب بیان کر دیں تصنع اور بناوٹ سے چبا چبا کر بات نہ کریں تاکہ اس سے کسی قسم کی غلط فہمی نہ پیدا ہو کیونکہ صرف چہرہ کی خوبصورتی سے ہی واردات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا بسا اوقات نرم کلامی اور آواز کی دل کشی بھی جذبات میں تحریک پیدا کر دیتی ہے۔ الغرض بالوں کی درازی قوت واہمہ کی زیادتی گردن کی باریکی اور لمبائی حیض و نفاس تمام اعضاء کی نزاکت حسن کی دل کشی آواز کی سامعہ نوازی اور کوتاہی دماغ یہ تمام باتیں ایسی ہیں جن کے باعث بالعموم عورتیں مردوں کی بہ نسبت باہر نکلنے سے مجبور ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر ان کا

گھر میں رہنا ہی مناسب ہے ان کا فرض اتنا ہے کہ مرد جو کچھ کما کر لائیں اسکا انتظام اور خوش سلیقہ سے اُٹھائیں گھر کو سنبھالیں بچّوں کی پرورش کریں اور مردوں کی جو حفاظت خدا تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے اُس کی پوری پوری حفاظت کریں اور یہ بات بغیر پردہ کے اطمینان بخش نہیں ہو سکتی مرد اگر اپنے گھر کا با اختیار بادشاہ ہے تو عورت اُس کی وزیر ہے جو ہر مصیبت اور تکلیف میں درد میں دُکھ میں مرد کی ساتھی ہے۔

شوہر کے حقوق بیوی پر

عورت کو چاہیئے کہ خاوند کی غیرت پر صبر کرے اور اس پر اللہ تعالےٰ سے ثواب کی اُمیدوار رہے کیونکہ عورت کا یہی جہاد ہے حدیث میں آیا ہے کہ عورت کا جہاد یہی ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ خوبی سے گذران کرے، کسی وقت مرد کی بلا اجازت کوئی کام نہ کرنا چاہیئے اس کی خلاف مرضی اس کے مال روپیہ پیسہ وغیرہ کسی کو نہ دے مرد کی اجازت کے بغیر کہیں نہ جائے اگر ایسا کرے گی تو واپسی کے وقت تک فرشتے اُس پر لعنت کریں گے اگر مرد خواہشمند ہو تو بغیر عذر شرعی کے انکار نہ کرے ورنہ لعنت خدا میں گرفتار ہوگی عورت پر لازم ہے کہ ہر وقت شوہر کی رضا جوئی میں سرگرم رہے اس کی اور اسکے بچّوں کی خدمت اور اُسکے گھر بار کی نگرانی ہر وقت کرتی رہے شوہر کی خدمت یا گھر کا کاروبار اگرچہ عورت پر واجب نہیں ہے لیکن مستحب ہے۔ حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کے درمیان رسول اللہؐ نے یہی تقسیم فرمائی تھی۔ جہاں تک ہو سکے اچھا لباس پہنا کرے اور شوہر سے اظہار محبت کیا کرے اور خوشبو لگائے پاک صاف رہے اور ہر وقت خانہ نشین رہے شوہر کے خلاف اجازت کہیں نہ جائے اگر اجازت لیکر بھی کہیں جائے تو بن سنور کر نہ جائے ہاں اگر کسی سواری میں ہو تو خیر بن سنور کر جانا جائز ہے۔ رستہ میں اپنے شوہر سے ترشروئی کج خلقی اور درشت کلامی سے نہ پیش آئے مرد کو حرام کمائی کرنے سے روکے اور زیادہ عیش و آرام کی خواہشمند نہ ہو جو کچھ اس کو میسّر آئے اُسی پر صبر کرے طاقت سے زائد مصارف کا بار اُس پر نہ ڈالے سوکنوں کے رشک پر صبر کرے مرد سے طلاق کی خواہشمند نہ ہو اپنے شوہر اور خاص خاص محرموں کے سوا کسی کو اپنا بناؤ سنگار نہ دکھائے ذیل کے محرموں کو آرائشگی اور عورت کی زیب و زینت دیکھنا جائز ہے باپ، بھائی، خسر، بیٹا، سوتیلا بیٹا، بھتیجہ، بھانجا اور دیگر عورتیں۔ طبیب، قاضی کے سامنے یا گواہی کے وقت یا اگر کوئی شخص پاکبازی کے ساتھ شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو عورت کے ہاتھ اور چہرہ پر نظر ڈالی جا سکتی ہے۔ بہر حال عورت کے فرائض میں سے یہ ہے کہ مرد کے حقوق کی ہر وقت نگہداشت کرے جہاں تک ممکن ہو سکے اسکو بھی

اگر مرد ترشرو اور بد خلق ہو تو اُس کی ترشروئی پر صبر کرے لڑائی جھگڑا فتنہ و فساد سے گریزاں رہے ہمسائیوں اور دیگر رشتہ دار عورتوں سے مرد کی رضامندی کے خلاف میل نہ رکھے مرد کی شکر گذار رہے اُسکی نافرمانی نہ کرے وغیرہ۔

اہل قرابت اور اعزار کے حقوق

صلۂ رحم کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے بھائیوں، بہنوں، ماموؤں، خالاؤں، پھوپھیوں اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ حسب مراتب محبت اور حسن سلوک کرتا ہے۔ جو شخص قرابت اور رشتہ میں زیادہ قریب ہو اس کا حق زیادہ اور جو شخص رشتہ میں کم ہو اس کا حق کم سمجھے کیونکہ ہر دولتمند شخص پر اپنے قریبی رشتہ دار کے حقوق اُسکے مصارف اخراجات کی خبر گیری اور نگہداشت شرعاً واجب ہے بشرطیکہ وہ محتاج ہو اور کمائی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور قطع رحم کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے چنانچہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ دو ذی رحم محرم عورتوں کا (نکاح میں) جمع کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے ان کے درمیان رشتہ داری اور قرابت کا سلسلہ منقطع ہوتا ہے باقی جو لوگ محارم میں داخل نہیں ہیں ان کا نفقہ اگرچہ واجب نہیں ہے لیکن ان سے حسن سلوک کرنا اور موقعہ بموقعہ ان کی ہمدردی کرنی واجب ہے ان سے رشتہ داری منقطع کرنی حرام ہے اُن سے رنجش کشیدگی اور ناموافقت جائز نہیں ہے۔ بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ مخلوقات کو پیدا کر چکا تو رحم نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی کہ الٰہی میں پناہ ڈھونڈھتا ہوں منقطع ہونے سے یعنی میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو قطع نہ کیا جائے خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کیا تو اس بات سے خوش نہیں ہے جو تجھ کو ملائے رکھے میں اُس سے ملا رہوں اور جو تجھ کو قطع کرے میں اس سے قطع کروں۔ رحم نے عرض کیا الٰہی میں راضی ہوں خدا تعالیٰ نے فرمایا میں ایسا ہی کرونگا ابوداؤد ترمذی اور احمدؒ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے اور حاکم نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ میں اللہ ہوں میں رحمٰن ہوں میں رحیم ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام سے نکالا لہٰذا جو شخص اسکو ملائے رکھے گا میں اسکے ساتھ وصل کروں گا اور جو شخص اس کو قطع کریگا میں اُس سے قطع کروں گا۔ بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ رحم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قربت و اتصال رکھتا ہے اور خداوند تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ جو تجھ کو وصل کرے گا میں اسکے ساتھ وصل کرونگا اور جو تجھ کو قطع کرے گا میں اس سے قطع کرونگا۔ صحیحین میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث بروایت حضرت

صدیقہؓ وارد ہے اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس قوم میں ایک بھی قاطع رحم ہو گا اس تمام قوم پر رحمت نازل نہ ہو گی۔ خلاصہ یہ کہ صلہ رحم کا وجوب اور قطع رحم کی حرمت بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے اس لیئے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنا نسب خوب تحقیق کرے اور اُس سے بہر صورت ممکن خبردار رہے تاکہ صلہ رحم کرتا رہے اور قطع رحم سے بچے حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ زمین میں فساد کرنیوالے اور رحم کے قطع کرنے والے پر لعنت کرتا ہے دوسری حدیث میں حضورؐ نے فرمایا قریب ہے کہ تم لوگ احکام الٰہی سے روگردانی اور سرتابی کرو گے زمین پر فتنہ وفساد کرو گے اور اپنے ارحام کو منقطع کرو گے ایسے لوگوں پر خدا تعالےٰ نے لعنت فرمائی ہے ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کر دی ہیں جسکی وجہ سے وہ لوگ نہ حق کو سُن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی قریبی رشتہ دار سے بدسلوکی اور قطع رحم کرے تب بھی اُس شخص کے لیئے شرعاً اجازت نہیں کہ اُس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے یا رشتۂ قرابت کو منقطع کر کے میل ملت چھوڑ دے بلکہ صلۂ رحم واجب ہے قطع رحم کا وبال قاطع پر ہے اور صلہ رحم کی برکتیں اُس شخص کے شامل حال رہینگی چنانچہ بخاری نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ گرامی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ صلۂ رحم کرنے والا وہ شخص ہے جس سے اگر کوئی شخص رشتہ داری قطع کرے تو وہ اس کے ساتھ میل قایم رکھے۔ یعنی بدی کے عوض بدی نہ کرے بلکہ نیکی کرتا ہے۔ صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے حضور گرامیؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسولؐ اللہ میرے اقربا ایسے ہیں کہ جس قدر میں ان سے وصل کرتا ہوں وہ مجھ سے قطع کرتے ہیں میں ان کے ساتھ نیکی کرتا ہوں وہ مجھ سے بدی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ حلم وتحمل سے پیش آتا ہوں وہ مجپر زیادتی کرتے ہیں حضورؐ نے جواب میں فرمایا جس طرح تم کہہ رہے ہو اگر ایسا ہی ہے تو تم ان کو گرم خاکستر کھلا رہے ہو جس سے ان کی ہلاکت یقینی ہے اور تم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے امداد پہونچتی رہے گی جب تک تم ایسا کیئے جاؤ گے۔

صلۂ رحم کے دنیوی فوائد صلہ رحم میں علاوہ فوائد مذکورۂ بالا کے دنیوی فوائد بھی بہت زیادہ ہیں بخاری ومسلم نے بروایت حضرت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اُس کی روزی کشادہ عمر دراز اور ذکر خیر کرنے والی اولاد باقی رہے تو اُس کو چاہیئے کہ صلۂ رحم کرتا رہے۔ امام ترمذی نے بروایت حضرت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ

رسول اکرمؐ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تم اپنے رشتہ داریوں اور قرابتوں سے واقفیت حاصل کرو اور جب معلوم ہو جائیں تو ان سے صلۂ رحم سے پیش آؤ کیونکہ صلۂ رحمی میں چند فوائد ہیں آپس میں محبت زیادہ ہوتی ہے مال بڑھتا ہے عمر دراز ہوتی ہے لوگوں میں اس کا ذکر جاری رہتا ہے۔

قطع رحم کا وبال جس طرح صلہ رحم میں سوائے ثواب آخرت کے دنیوی فوائد بھی مضمر ہیں اسی طرح قطع رحم میں علاوہ عذاب عقبیٰ کے دنیا میں بھی وبال لاحق ہوتا ہے ترمذی اور ابوداؤد نے بروایت ابوبکرہؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ سوائے دو گناہوں کے ایسا کوئی گناہ نہیں کہ سوائے عذاب آخرت کے دنیا میں بھی اس گناہ کے کرنے والے پر اسکا وبال برداشت کرنا لازم ہے۔ ایک تو بادشاہ عادل کی اطاعت سے پھر جانا دوسرا قطع رحم کرنا بیہقی نے بروایت ابوبکرہ بیان کیا ہے کہ ہر گناہ کو اگر خداوند تعالیٰ چاہے گا تو بخشدے گا اور اس سے درگذر فرمائیگا لیکن والدین کی نافرمانی کو خدا معاف نہیں فرمائیگا اس کا عذاب مرنے سے قبل ضرور دنیا ہی میں نازل فرمائے گا۔

ہمسایہ کے حقوق خدا تعالیٰ فرماتا ہے واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئًا وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم۔ یعنی لوگو خدا کی پرستش کرو کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ والدین عزیز و اقربا یتیموں مسکینوں قریبی اور اجنبی ہمسایوں یار دوستوں مسافروں اور باندی غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔ ابن عباس مجاہد اور عقرمہ کہتے ہیں کہ یار اور ہم صحبت سے وہ شخص مراد ہے جو شریک سفر ہو حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بیوی ہے بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسافروں سے مہمان مراد ہیں بہرحال آیت مذکورہ بالا میں جہاں پرستش الٰہی کا حکم عدم شرک کی ہدایت۔ والدین عزیز و اقربا یتیم و مسکین دوست احباب بیوی اور دیگر اہل حقوق سے حسن سلوک کرنے کا امر کیا گیا ہے وہاں ہمسایہ کے ساتھ خوش معاملگی ہمدردی اور احسان کرنے کی خاص ہدایت کی گئی ہے اور ہمسایہ کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں اول وہ ہمسایہ جس سے کسی قسم کی قرابت ہو رشتہ کی قرابت ہو مکان کا قرب ہو دینی قرابت ہو سلسلہ دوستی کے اعتبار سے قرابت ہو یا کسی اور طرح کا رشتہ قرابت نکل آئے دوسرا وہ ہمسایہ جو بالکل الگ تھلگ ہو نہ تو اس کا مکان متصل ہو نہ رشتہ دار ہو نہ دوست ہو نہ اس سے

دینی اتحاد ہو اور نہ کوئی دوسرا ذریعہ قرابت ہو مذکورۂ بالا ہر دو قسم کے ساتھ حسن برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے کیا کوئی مذہب کوئی قوم کوئی ملت کوئی اصلاح اخلاق کا علمبردار، ریفارمر یا کوئی امن عامہ و مساوات انسانی کی دعویدار سلطنت اس سے بہتر کوئی قانون دکھا سکتی ہے وہ مذہب صرف اسلام ہی ہے جس نے اجنبیوں اور غیروں بلکہ دشمنوں تک کے حقوق واجب الادا قرار دیئے ہیں یہ بحث چونکہ نہایت طویل ہے اس لیئے اس کو ہم ایک مستقل مقالہ میں پیش کرینگے یہاں صرف آیت نقل کرنی مقصود ہے اور احادیث کے وہ اقتباسات پیش کرنے کی غرض ہے جن سے ہمارے مدعا پر روشنی پڑتی ہے۔

ابو نعیم بن سفیان اور بزاز نے اپنی اپنی تالیفات میں لکھا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہمسائے تین قسم کے ہیں ایک ہمسایہ ایسا ہے جس کے تین حق ہیں حق ہمسائگی حق قرابت اور حق اسلام۔ دوسرا ہمسایہ وہ ہے جس کے صرف دو حق ہیں حق ہمسائگی اور حق اسلام تیسرا ہمسایہ وہ ہے جس کا صرف ایک حق ہے یعنی حق ہمسائگی اور وہ ہمسایہ وہ پڑوسی ہے جو کتابی مشرک ہو۔ عدی نے بروایت ابن عمرؓ اس مضمون کی ایک اور حدیث بھی بیان کی ہے اور اصفہانی نے بروایت ابن عمرؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا بہت ہمسائے ایسے ہونگے جو قیامت کے دن اپنے ہمسایوں کا دامن پکڑ کر بارگاہ ایزدی میں عرض کرینگے کہ الٰہی ان سے دریافت فرما کہ یہ لوگ ہماری طرف سے اپنے دروازے کیوں بند کر لیا کرتے تھے اور اپنا پس خوردہ کھانا ہم کو کیوں نہیں دیا کرتے تھے

بخاری میں بروایت ابن عمرؓ بیان کیا ہے کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیلؑ مجھکو ہمیشہ ہمسایہ کے حق میں وصیت کیا کرتے ہیں یہاں تک کہ مجھ کو گمان پیدا ہونے لگا کہ شاید خداوند تعالیٰ ہمسایہ کو وارث کر دے گا مطلب یہ ہے کہ ہمسایہ کے حقوق قریب قریب ورثہ کے ہیں جن سے خیال ہوتا ہے کہ شاید ان کو ترکہ میں شریک کر دیا جائے گا۔

مسلم نے بروایت حضرت ابوذرؓ روایت کی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم لوگ گوشت پکایا کرو تو اس کا شوربہ زیادہ کیا کرو اور اپنے ہمسایوں کی ضیافت کیا کرو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے دو ہمسائے ہیں میں ان میں سے کس کو ہدیہ دوں آپؐ نے فرمایا جس کا دروازہ نزدیک ہو عدی نے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا جس شخص کا خدا پر اور روز قیامت پر ایمان ہو اس کو چاہیئے کہ ہمسایہ کے ساتھ نیکی کرے اور مہمان کی عزت کرے اور جو بات اچھی ہو وہ کہے ورنہ خاموش رہے۔ بیہودہ بات نہ کرے۔ اس مضمون کی ایک اور حدیث بروایت ابوہریرہؓ صحیحین میں وارد ہے۔ کس سے ہم نشینی کی جائے اور کس سائے میں بیٹھنا چاہیئے

مذکورہ بالا سطور سے واضح ہوتا ہے کہ ہمسایہ کے کس قدر عظیم الشان حقوق ہیں پھر وہ شخص جو ہر وقت ساتھ رہتا ہو ہر وقت ہمکلام ہم صحبت اور شریک نشست و برخاست ہو اُسکا حق تو بطریق اولیٰ واجب ہے چنانچہ بلحاظ ہم نشینی اور ہم صحبتی کے رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب کی کس قدر تعریفیں اور کس قدر مناقب بیان فرمائے ہیں اور ان کی صحبت تعظیم اور پیری کی کیسی تاکید فرمائی ہے لیکن مسلمانوں کو چاہیئے کہ نیکوں کے ساتھ ہم نشینی کریں بدکاروں اور خراب کیرکٹر رکھنے والے آدمیوں کی صحبت اور سوسائٹی سے بچتے رہیں۔ بخاری و مسلم نے بروایت حضرت ابو موسیٰ بیان کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ نیک ہم نشین اور اچھا ہم صحبت ایسا ہے جیسا مشک کو پاس رکھنے والا کہ یا تو وہ تجھ کو خود بخود کچھ دیگا یا تو اس سے مول لے گا اور یا ویسے ہی تجھ کو اُس کی خوشبو پہونچ گئی (مطلب یہ کہ بہر حال انسان کو اُسکے منافع حاصل ہونگے) اور بُرا ہم نشین اور بدکردار ہمسایہ ایسا ہے جیسا لوہے کا پکانے والا کہ یا تو اس کے ذریعہ سے تیرا گھر یا تیرے کپڑے جل جائینگے ورنہ اُس کی بدبو تو تجھے ضرور ہی پہونچیگی۔

ابوداؤد اور حاکم نے بروایت حضرت انسؓ بیان کیا ہے کہ حضور اقدسؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ نیک ہمسایہ عطر فروش کی طرح ہے کہ اگر تجھ کو وہ عطر نہ دیگا تو اس کی خوشبو ہی تجھ کو پہونچے گی۔

احمد و ابوداؤد و ترمذی اور حاکم نے بروایت ابوسعید خدری بیان کیا ہے کہ سوائے کامل الایمان مسلمان کے کسی کی صحبت میں مت بیٹھ اور مناسب ہے کہ تیرا کھانا متقی لوگ کھائیں۔ بغوی نے بروایت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا آدمی اپنے دوست کے دین اور مذہب پر چلتا ہے لہٰذا تم کو دیکھ لینا چاہیئے کہ تم کس کے ساتھ دوستی رکھتے ہو۔ اسی مضمون کی ایک حدیث صحیحین میں بھی بروایت حضرت انسؓ بیان کی گئی ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے آدمی دنیا میں جس شخص کو زیادہ دوست رکھتا ہے آخرت میں اُسکے ساتھ ہوگا حق تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ علاوہ متقیوں کے جو لوگ دنیا میں ایک دوسرے سے دوستی رکھتے ہیں قیامت کے دن وہ آپس میں دشمن ہو جائینگے۔ دوسری جگہ یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا میں بُروں کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں قیامت کے دن حسرت کرینگے کہ ہائے افسوس ہم نے فلاں شخص کو دوست بنایا تھا۔ یاد خدا کرنے والوں کے حق میں بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ بیان کیا گیا ہے کہ یاد الٰہی کرنے والوں پر خدا تعالیٰ رحمت و مغفرت نازل فرماتا ہے اور ان کے سب ہمنشینوں اور جلیسوں کو بھی بخشدیتا ہے۔ فرشتہ عرض کرتا ہے الٰہی اس مجلس میں فلاں شخص گناہگار ہے وہ تو اس قوم میں نہیں ہے کسی کام کے لئے ان کے پاس آکر بیٹھ گیا ہے خدا تعالیٰ

فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو بھی بخشدیا۔ ذاکرین خدا کا ہمنشین درحقیقت بد ہوتا ہی نہیں، خدا تعالیٰ جس شخص کی مغفرت کرنا چاہتا ہے اُس کو اچھے لوگوں کی صحبت عطا فرماتا ہے۔ رسول اللہؐ نے بارگاہ الٰہی میں ہمسایہ بد سے پناہ مانگی ہے۔ چنانچہ طبرانی نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے الٰہی میں بدی کے دن سے بدی کی ساعت سے اور بدی کی رات سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور بُرے ہمنشین اور بد ہمسایہ سے بھی تجھ سے پناہ کی درخواست کرتا ہوں بُرے شخص کی ہمسائیگی سے محفوظ رہنے کیلئے شریعت اسلامیہ میں حق شفعہ عطا فرمایا گیا ہے تاکہ اگر کسی زمین یا مکان کو خریدنے والا بد افعال اور خراب کیرکٹر کا آدمی ہو تو اس کو نہ خریدنے دیا جائے کیونکہ ایسے شخص کی ہمسائیگی میں بڑے بڑے نقصانات ہیں۔

یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور عام مسلمانوں کے حقوق

پرورش یتیم خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ۔ یعنی خدا کے نیک بندے وہ لوگ ہیں جو اپنا مال خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے رشتہ داروں کو یتیموں کو مسکینوں کو مسافروں کو سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کرتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے وَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ یعنی یتیموں پر غصہ مت کرو اور مانگنے والوں کو نہ جھڑکو۔ احمد بخاری ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت سہیل بن سعد سے روایت کی ہے کہ رسول اقدسؐ نے فرمایا جو شخص یتیم کی پرورش اور غم خواری کا بوجھ اُٹھاتا ہے میں اور وہ بہشت میں اس طرح قریب ہونگے اور یہ فرماتے ہوئے حضورؐ نے دو اُنگلیاں اُٹھا کر اشارہ فرمایا یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں قریب اور ملی ہوئی ہیں اسی طرح میں اور یتیم کی نگہداشت کرنے والا باہم قریب ہونگے۔

مہمان نوازی بخاری و مسلم نے بروایت ابی شریح الکعبی بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص خدا پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو اُس کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے ایک دن اور ایک رات اُسکی پُر تکلف مہمانی کرے اور مہمانی تین روز تک ہے اس کے بعد صدقہ ہے یعنی تین روز کے بعد اگر جی چاہے تو کچھ میسر آئے وہ کھلا دے ورنہ رخصت کر دے۔

سوال پورا کرنا حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ سوال کرنیوالے کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے یعنی باوجودیکہ غنی کو سوال کرنا حرام ہے لیکن اگر بضرورت وہ سوال کرے تو رد مت کرو۔

مسلمانوں کے باہمی حقوق احمدؒ ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے
کہ حضور گرامیؐ نے ارشاد فرمایا ہے مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں (۱) جس وقت ملاقات ہو تو
سلام علیک کرے (۲) اگر دعوت کرے تو اسکو قبول کرے (۳) اگر چھینکنے کے بعد وہ الحمدللہ کہے
تو یہ شخص یرحمک اللہ کہے (۴) اگر بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے (۵) مرجائے تو اس کے
جنازے کے ساتھ جائے (۶) جو کچھ اپنے واسطے پسند کرے اس کے واسطے بھی پسند کرے۔ نسائیؒ
نے بھی بروایت حضرت ابوہریرہؓ اس مضمون کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ اصفہانی نے بروایت
حضرت علیؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص چھینکنے کے بعد الحمدللہ
کہے اور سننے والا اسکا جواب نہ دے یعنی یرحمک اللہ نہ کہے تو یقیناً قیامت کے دن وہ اس سے
مواخذہ اور مطالبہ کریگا۔ اسی طرح ایک حدیث ابونعیم نے سعید بن جبیرہ سے روایت کی ہے۔

صحیحین میں بروایت حضرت ابوسعید خدری بیان کیا ہے کہ رسول گرامی فداہ ابی
وامی نے ارشاد فرمایا دوستو راہوں پر بیٹھنے سے پرہیز کرو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم تو
راہوں پر بیٹھنے پر مجبور ہیں (یعنی بعض ضروریات کی وجہ سے لب راہ بیٹھنا ہمارے لئے ضروری ہے)
آپ نے فرمایا تو راستے کا حق ادا کرتے رہو صحابہؓ نے عرض کیا راستہ کا کیا حق ہے فرمایا حرام کی
طرف دیکھنے سے آنکھیں بند کرلینی۔ کسی کو ایذا نہ دینی۔ سلام علیک کا جواب دینا۔ شریعت کے
موافق حکم کرنا۔ نامشروع باتوں سے منع کرنا۔ ابوداؤد نے بروایت حضرت عمرؓ اتنا اور زیادہ
بیان کیا ہے کہ ستم رسیدہ کی فریادرسی کرنی اور بھولے کو راہ بتانی۔

سلام علیک کرنی مسلم نے بروایت حضرت ابوہریرہ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا
تم بغیر ایمان لائے بہشت میں داخل نہ ہوگے اور تمہارا ایمان اسوقت پورا ہوگا جس وقت تم آپس
میں دوستی اور محبت کروگے اس کے بعد فرمایا میں تم کو وہ بات بتاتا ہوں جسکی وجہ سے تم آپس میں
دوست ہوجاؤ وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام علیک بہت کیا کرو۔ بیہقی نے بروایت ابن مسعودؓ
بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص سب سے پہلے سلام علیک کرے وہ غرور و تکبر سے پاک ہے۔

ایک شخص نے حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ خصائل اسلام
میں سے سب سے اچھی خصلت کونسی ہے فرمایا راہِ خدا میں کھانا کھلانا اور ملاقات سے قبل ہر
مسلمان سے سلام علیک کرنا جان پہچان ہو یا نہ ہو۔

قرآن میں تو موجود ہی ہے کہ اگر تم کو سلام کیا جائے تو یا ویسا ہی جواب یدو یا اس

سے بہتر جواب دو یعنی اگر کوئی سلام علیک کرے تو تم بھی اس کے جواب میں وعلیکم السلام کہو
یا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہو اور اگر وہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو تم یہی الفاظ دوہرا دو یا وعلیکم
السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو۔ الفاظ قرآن اگرچہ سلام علیک کے حق میں نازل ہوئے ہیں لیکن چونکہ
کلام پاک میں لفظ تحیت وارد ہوا ہے اور ارشاد ہوا ہے واذا حییتم بتحیۃ اور تحیت کا لفظ
عام ہے اس لئے بیجا نہیں اگر آیت کو عام کہا جائے اور یہ مطلب لیا جائے کہ اگر کوئی مسلمان کسی
کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کرے کوئی چیز تحفہ میں بھیجے یا لوگوں میں اس کو ذکر خیر سے یاد کرے یا سلام
علیک کے لئے ہاتھ اٹھائے یا تعظیم کو کھڑا ہو جائے یا مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے یا معانقہ کرے
یا کوئی اور بات ایسی کرے جس سے محبت واخلاص کا مظاہرہ ہوتا ہو تو دوسرے شخص کو چاہیئے
کہ اپنی طرف سے اس کا عوض اس سے بہتر عمل میں لائے یا کم از کم اس کے برابر تو ضرور ادا کرے۔

مصافحہ کرنا

احمدؒ و ترمذی نے بروایت ابو امامہ باہلیؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد
فرمایا ہے آپس میں ملاقات کے وقت سلام علیک کے بعد مصافحہ کرنا پوری تحیت اور سلام علیک
ہے یعنی بغیر مصافحہ کے سلام علیک ناقص رہتی ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے آپس میں
مصافحہ کروگے تو کینہ اور بغض دور ہوگا اگر ایک دوسرے کو ہدیہ اور تحفہ بھیجوگے تو محبت زیادہ
ہوگی اور دشمنی برطرف ہوگی ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر دو مسلمان
ملاقات کے وقت آپس میں مصافحہ کریں تو ان کے سب گناہ درختوں کے پتوں کی
طرح جھڑ جاتے ہیں۔

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت ابوذر سے بغلگیر ہو کر فرمایا یہ عمل خوب ہے۔

دل میں کدورت رکھنی حرام ہے

صحیحین میں حضرت ایوب انصاری سے مروی ہے
کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کسی شخص کے لئے جائز اور حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے
تین روز تک ملاقات موقوف رکھے اور ان دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام وعلیک کرنے
میں سبقت کرے یعنی اگر دو مسلمانوں میں کسی دنیوی سبب سے کچھ رنجش اور کشیدگی ہو جائے تو چاہیئے
کہ تین روز کے اندر صفائی کرلیں رنجش دور کردیں اور ایک دوسرے سے ملاقات کریں تین دن
سے زائد کدورت رکھنی حرام ہے اور جو شخص ملاقات میں سبقت کریگا اس کو زائد ثواب ملیگا

ابوداؤد نے بروایت حضرت صدیقہؓ بیان کیا ہے کہ مسلمان کیلئے اپنے مسلمان بھائی سے
ملاقات موقوف رکھنی جائز نہیں اگر ایک شخص دوسرے سے ملا اور تین بار سلام علیک کی اور اس نے

جواب نہ دیا اور دل سے رنج دور نہ کیا تو دونوں کا گناہ اُس نے اپنے سر پر لیا۔

احمدؒ اور ابوداؤدؒ نے بروایت حضرت ابوہریرہ بیان کیا ہے مسلمان کیلئے حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین روز سے زائد ملاقات متروک رکھے اگر تین دن سے زائد گذر جائینگے اور اسی اثنار میں مرجائے گا تو دوزخی ہو گا لہذا اگر تین روز گذر جائیں تو جلد ایک دوسرے سے ملاقات اور ملاپ کرے اور سلام علیک کرے اب اگر دوسرا شخص جواب دیگا تو دونوں ثواب میں داخل ہونگے ورنہ جواب نہ دینے والے پر گناہ رہے گا اور یہ گناہ سے پاک ہو جائے گا۔

بدگمانی کرنی ناجائز ہے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلعم نے ارشاد فرمایا لوگو بدگمانی سے دور بھاگو کیونکہ بدگمانی تمام باتوں میں سب سے بڑا جھوٹ ہے اور کسی (کے عیب) کی جستجو مت کرو (یعنی اگر کوئی شخص کسی کا عیب بیان کرے تو اُسکو مت سُنو) اور جاسوسی مت کرو (یعنی کسی کا عیب تلاش مت کرو) اور آپس میں حسد مت کرو اور بغض و عداوت باہم نہ رکھو اور ایک دوسرے سے رُخ گردانی کرو (یعنی کسی کی طرف سے دلمیں رنج رکھ کر اس سے اعراض نہ کرو) اور ملاقات ترک نہ کرو۔

بغض رکھنا منع ہے مسلم نے بروایت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے دوشنبہ اور پنجشنبہ کے دن بہشت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور خداوند تعالےٰ مسلمانوں کے گناہ بخشتا ہے لیکن جو لوگ آپس میں بغض و عداوت رکھتے ہیں ان کی بخشش نہیں فرماتا اور ارشاد فرماتا ہے ان کو رہنے دو تاکہ آپس میں صلح کرلیں۔

امر بد سے منع حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے قیامت کے دن ایک شخص دوسرے کو پکڑے گا تو وہ کہے گا تجھ کو مجھ سے کیا غرض میں تو تجھ کو پہچانتا بھی نہیں وہ شخص جواب دیگا تو مجھ کو بدکار جانتا تھا اور بدکار سمجھتے ہوئے پھر ممنوعات سے نہ روکتا تھا۔

رحم کرنا صحیحین میں حضرت جریر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے جو شخص آدمیوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اُس پر رحم نہیں کرتا۔ ابوداؤد و ترمذی نے بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا رحم کرنے والوں پر اللہ رحم کرتا ہے تم زمین کے رہنے والوں پر رحم کرو تم پر وہ رحم کریگا جو آسمان میں ہے (یعنی جس کا حکم آسمان میں ہے) بخاری اور ابوداؤد نے بروایت ابن عمرؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص ہماری چھوٹوں

پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

مسلمانوں میں صلح کرانی صحیحین میں بروایت ام کلثوم بنت عقبہ نقل ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص جھوٹ بول کر اچھی بات بنا کر اور اچھا پیغام پہونچا کر لوگوں میں صلح کرا دے وہ جھوٹا نہیں ہے۔ احمد و ترمذی نے اسماء بنت زید سے روایت کی ہے کہ جھوٹ بولنا صرف تین مقامات پر جائز ہے (۱) بیوی کے راضی کرنے کو (۲) کافروں کی لڑائی میں بشرطیکہ عذر اور عہد شکنی نہ ہو (۳) آدمیوں میں صلح کرانے کو۔ صحیحین میں حضرت ابوالدرداء سے مروی ہے کہ حضورؐ نے اصحاب کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو ایسی بات بتادوں جس کا درجہ روزہ نماز اور صدقہ سے افضل و برتر ہے۔ اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے آپ نے فرمایا لوگوں میں صلح کروانا روزہ نماز اور صدقہ سے افضل ہے اور لوگوں میں فساد کرانا دین کو چھیلنا ہے (یعنی دین کو برباد کر دیتا ہے۔

حسد کرنا ناجائز ہے احمد و ترمذی نے بروایت زبیر بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا جو مرض گذشتہ قوموں میں تھا وہ تم میں بھی آیا۔ آپس میں حسد و بغض کرنا مونڈ دینے والا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بات بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ بغض و حسد دین کو تباہ کر دیتا ہے۔ ابوداؤد نے بروایت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے اصحاب سے فرمایا دوستو حسد سے دور بھاگو اور بچتے رہو درحقیقت حسد نیکیوں کو ایسا کھا لیتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا لیتی ہے۔

ضرر پہونچانا بُرا ہے ترمذی نے بروایت حضرت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا آدمیوں میں بدی اور فساد ڈالنے سے پرہیز کرو کیونکہ فساد ڈلوانا دین کو برباد کر دیتا ہے۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے بروایت ابی صبرمہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص کسی کو کچھ نقصان دے گا اللہ اس کو رنج و تکلیف دیگا۔ ترمذی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کو ضرر پہنچائے یا ان کے ساتھ فریب کرے وہ شخص ملعون ہے۔ ابوداؤد میں سعید بن زید سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ناحق اور بلا سبب کسی مسلمان کی آبروریزی کرنے کے لئے زبان درازی کرنی سود کھانے سے بدتر ہے۔ بیہقی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے آگے اپنی کسی خطا کی معذرت کرے اور وہ اسکا عذر قبول نہ کرے تو اسپر ایسا گناہ ہے جیسا بلا حکم شرعی رستہ میں راہ گیروں سے ٹیکس وصول کرنیوالے پر۔

ایفاء وعدہ نیکی کرنے کے وعدہ کی وفا کرنا واجب ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔ طبرانی نے بروایت حضرت علیؓ و ابن مسعودؓ بیان کیا ہے کہ وعدہ پورا کرنا حکم فرض

کا رکھتا ہے ابن عساکر نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا وعدہ پورا کرنا قرض کا حکم رکھتا ہے ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو وعدہ کرکے پورا نہ کرے یہ کلمات حضورؐ نے زبان مبارک سے تین مرتبہ فرمائے۔ صحیحین میں بروایت حضرت ابوہریرہ بیان کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱) جب بات کہے تو جھوٹ کہے (۲) جب وعدہ کرے پورا نہ کرے (۳) جب کوئی چیز اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں سے چوری کرے حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا جس شخص میں یہ چار چیزیں ہوں وہ پورا منافق ہے (۱) امانت میں چوری کرنی (۲) جھوٹ بولنا (۳) قول وقرار کرکے دھوکہ اور فریب کرنا (۴) لڑائی جھگڑے میں گالیاں بکنا۔

ادائے قرض رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ سوائے قرض کے شہید کے تمام گناہ معاف ہیں (در راہ مسلم) صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ فرمایا باوجود میسر ہونے کے ادائے قرض میں دیر کرنی ظلم ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کا جنازہ رسول اللہ صلعم کے پاس نماز پڑھوانے کیلئے لایا گیا آپنے دریافت کیا کہ اسپر کسی کا کچھ قرض تو نہیں ہو لوگوں نے عرض کیا نہیں آپنے اس کی نماز پڑھی پھر ایک جنازہ اور آیا آپ نے پوچھا یہ شخص کسی کا قرضدار تو نہیں ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس نے کچھ مال چھوڑا ہے لوگوں نے عرض کیا تین دینار چھوڑے ہیں یہ سُن کر آپ نے نماز اسکی پڑھی اس کے بعد ایک جنازہ اور آیا اسکے متعلق بھی حضورؐ نے یہی دریافت فرمایا کہ یہ کچھ قرضدار تو نہیں ہو لوگوں نے عرض کیا اسپر تین دینار قرض ہیں آپنے فرمایا اس نے کچھ مال بھی چھوڑا ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے کچھ مال نہیں چھوڑا آپ نے فرمایا اسپر تم ہی نماز پڑھو ابوقتادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا قرض میں ادا کردونگا آپ اس کی نماز پڑھ دیجئے تب آپ نے اُسپر نماز پڑھی۔

بخاری نے بروایت سلمہ بن اکوع اور بغوی نے شرح السنۃ میں بروایت ابوسعید خدری بیان کیا ہے کہ ایک شخص کا جنازہ حضورؐ کی خدمت میں نماز پڑھوانے کے لئے لایا گیا آپنے دریافت فرمایا اسپر کسی کا کچھ قرض ہے لوگوں نے عرض کیا جی ہاں آپنے فرمایا کہ بقدر قرض کے اس نے مال بھی چھوڑا ہے لوگوں نے عرض کیا نہیں۔ آپنے فرمایا اس کی نماز تم ہی پڑھو حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا قرض میں نے اپنے ذمہ لیا میں ادا کرونگا آپنے اس جنازہ کی نماز پڑھ کر حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے فرمایا تم نے اس مُردہ کو قید سے چھڑایا اللہ تم کو قید

سے رہائی دے مسلم نے بروایت ابو قتادہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں خدا تعالےٰ کی راہ میں ثواب کی امید پر کافروں کے مقابلہ میں مارا جاؤں اور صبر کروں اور سامنے سے منہ نہ پھیروں تو کیا خداوند تعالےٰ میرے گناہ معاف فرمادیگا یا نہیں آپنے فرمایا صرف خدا تعالےٰ سب گناہ بخشدیگا مگر قرض نہ بخشا جائیگا جبرئیلؑ نے مجھ سے ایسا ہی کہا ہے۔

ایک خاص مسئلہ۔ اگر کوئی شخص قرض کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو لیکن میسر آنے سے قبل مرجائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قرض خواہوں کو راضی کرکے اُسکو بہشت میں داخل فرمائے گا چنانچہ حاکم نے حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص کسی سے کچھ معاملہ کرے اور اُس کے ذمہ قرض لازم ہو اور دل میں ادا کرنے کا ارادہ بھی ہو لیکن ادا کرنے سے قبل مرجائے تو خداوند تعالےٰ اُس سے درگذر فرمائیگا اور اسکے قرض خواہ کو کچھ دیکر راضی کردیگا اور اگر دل میں ادائگی کا ارادہ نہ ہوگا اور اسی حالت میں مرجائے گا تو قیامت کے روز خدا تعالےٰ اُس کے قرضخواہوں کو اس کے عوض دلوائے گا۔ طبرانی اور حاکم نے ابی امامہ سے اس طور پر بھی روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص قرضدار مرے اور ادائگی کا ارادہ نہ ہو تو قیامت کے دن خدا تعالےٰ فرمائے گا میں اپنے بندہ کا حق اس سے لوں گا اس کے بعد اُس کی نیکیاں قرضخواہ کو دلوادیگا اور اگر اس قرضدار کے پاس کچھ نیکی نہ ہوگی تو قرضخواہ کے گناہ قرضدار پر رکھے جائیں گے۔ طبرانی سے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قرض دو قسم کا ہے (۱) وہ قرض جس کو ادا کرنے کی نیت قرضدار نہ رکھتا ہو ایسے قرض کا میں ضامن ہوں یعنی اس قرض کو میں معاف کراؤں گا (۲) وہ قرض جسکے ادا کرنے کا قرضدار کا ارادہ نہ ہو اور اُس حالت میں مرجائے تو ایسے قرضدار کی نیکیاں قرض کے بدلے قرضخواہ کو دلوادینگے کیونکہ اُس روز روپیہ پیسہ نہ ہوگا۔

مسلمان پر ظلم کرنے کی مذمت ناحق کسی کو قتل کرنا، ہاتھ پاؤں توڑنا۔ مارنا پیٹنا گالی دینا غیبت کرنا دغابازی یا زبردستی سے کسی کا مال چھیننا وغیرہ۔ یہ سب کی سب ظلم کی شاخیں ہیں اور ظالم شریعت اسلامیہ کے قانون کے مطابق کسی طرح رہائی کا مستحق نہیں جب تک مظلوم سے بہرصورت ممکن معاف نہ کرائے اور بغیر معاف کرائے ظالم کی مغفرت ناممکن ہے کیونکہ حاکم و احمد نے بروایت حضرت ام المومنین صدیقہؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا نامۂ اعمال تین قسم کے ہیں (۱) وہ نامۂ اعمال جو خدا کی نظر میں ہیچ ہیں خدا ان کو کچھ شمار میں نہیں لاتا (۲) وہ نامۂ اعمال جنمیں سے خدا تعالےٰ کچھ بھی

نہیں چھوڑتا (۳) وہ نامۂ اعمال جس کو خدا تعالےٰ ہرگز معاف نہیں فرماتا۔ مؤخر الذکر شرک ہے جس کو خدا تعالےٰ ہرگز معاف نہیں فرماتا۔ مقدم الذکر وہ ظلم ہے جو بندہ اپنی جان پر کرتا ہے مثلاً نماز روزہ عبادت وغیرہ ترک کرتا ہے اس کو اگر خدا چاہے گا تو بخشدیگا۔ اور متوسط الذکر نامۂ اعمال جس میں سے خدا تعالیٰ کچھ نہیں چھوڑتا وہ بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہے اسکا یقیناً بلا شبہ عوض اور قصاص ہوگا۔ اسی مضمون کی ایک حدیث طبرانی نے حضرت سلمان سے اور بزار نے حضرت انسؓ سے بھی روایت کی ہے۔ بخاری نے بروایت حضرت ابو ہریرہؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر کسی نے کسی پر کچھ ظلم کیا ہو تو لازم ہے کہ کچھ دیکر یا جس طرح ہو سکے مظلوم سے دنیا ہی میں معاف کرالے کیونکہ آخرت میں روپیہ پیسہ کچھ نہ ہوگا اگر دنیا میں معاف نہ کرائے گا تو قیامت کے دن ظالم کے نیک اعمال بقدر ظلم مظلوم کو دلوا دیئے جائیں گے اور اگر اسکے نیک اعمال نہ ہونگے تو مظلوم کے بداعمال اولٹا کر ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔ مسلم و ترمذی نے بروایت ابو ہریرہؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مفلس کس کو کہتے ہیں عرض کیا گیا مفلس وہ ہے جس کے پاس کچھ مال و متاع نہ ہو آپ نے فرمایا میری اُمت میں مفلس وہ ہے جس نے دنیا میں باوجود نماز روزہ اور زکوٰۃ ادا کرنے کے کسی کو گالی دی ہو یا کسی پر زنا کی تہمت لگائی ہو یا کسی کا مال کھالیا ہو یا کسی کو مارا ہو تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں حاضر ہوگا کہ ان گناہوں کے عوض میں اس کی تمام نیکیاں مظلوموں کو دلوا دی جائیں گی اور جب تمام نیک اعمال ختم ہو جائیں گے اور پھر بھی لوگوں کا حق اس کے ذمہ باقی رہے گا تو ان حق دار مظلوموں کے گناہ اُسپر رکھ دیئے جائیں گے اور اس کو دوزخ میں ڈالدیا جائیگا۔

بزاز اور طبرانی نے حضرت عمار کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں جو دنیا میں اپنے غلام کو مار کر قیامت کے دن کوراً بچ رہے اور اُس سے عوض نہ لیا جائے اِسی مضمون کی حدیثیں بزاز و طبرانی نے بروایت ابی ہریرہؓ اور حاکم نے بروایت سلمان و سعد و ابن مسعود و ابی امامہ باہلی وابی بردہ بھی بیان کی ہیں۔ ابراہیم نخعی کا بیان کہ کچھ صحابہ اور تابعین فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی کسی کو گدھا کتا یا سور کہے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اُس سے پُوچھے گا کیا تو نے دیکھا تھا کہ میں نے فلاں شخص کو گدھا یا کتا یا سور پیدا کیا تھا۔

کافروں کی حق تلفی کی ممانعت جس طرح مسلمان پر ظلم کرنا شریعت میں منع ہے اسی طرح ذمی کافر کی حق تلفی کرنی اس کو بیجا تکلیف دینی اور اسپر ظلم کرنا ناجائز ہے کیونکہ ذمی کفار

سے حضور صلعم نے عہد کیا تھا کہ تم پر شرط کے خلاف کوئی زیادتی نہ کی جاویگی خیبر وغیرہ کے واقعات
اس قول کے شاہد ہیں لہذا ذمی پر ظلم کرنے سے اس عہد کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جو رسول
اکرمؐ نے کیا تھا چنانچہ طبرانی نے بروایت حضرت واثلہ بن اسقع بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو
شخص کسی ذمی پر زنا کی تہمت لگائیگا اُس کو قیامت کے دن آگ کے کوڑوں سے سزا دی جائیگی
دوسری حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا خبردار رہو جو شخص ذمی پر ظلم کریگا یا اسکی کچھ حق
تلفی کرے گا یا اُس کو برداشت سے زائد تکلیف دیگا یا اُس کی مرضی کے خلاف کچھ لے گا تو قیامت
کے دن میں ذمی کی طرف ہو کر ظالم سے لڑوں گا اور اس کا حق طلب کروں گا۔

انتقام میں زیادتی منع ہے مظلوم کے لیئے جائز ہے کہ جس قدر اُس پر ظلم ہوا ہے اُسی قدر
اپنا انتقام لیلے لیکن انتقام میں زیادتی کرنی حرام ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ گو بقدر ظلم بدلا
لینا امر مباح اور جائز ہے لیکن معاف کرنا اور اُس سے درگذر کرنا بہت ہی بہتر اور افضل ہے قرآن
میں مختلف آیات صبر کی فضیلت اور عدم انتقام کی برتری ظاہر کر رہی ہیں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے
وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ۔ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصَّابِرِیْنَ
یعنی اُس ظلم وزیادتی کا بدلا لے لو جو تم پر ہوا ہے لیکن اگر خاموش رہو اور صبر کرو تو اہل صبر کے
لیئے یہ بات بلاشبہ بہت اچھی چیز ہے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ فَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا
بِاللّٰہِ۔ یعنی اے محمدؐ صبر کرو۔ اور تمہارا صبر کرنا بھی اللہ کی توفیق اور امداد سے ہی ہے تیسری
آیت میں حکم ہوتا ہے۔ فَمَنْ عَفٰی وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ یعنی
بدی کا عوض تو یہی ہے کہ اُسکی برابر معاملہ کیا جائے لیکن اگر مظلوم عوض نہ لے اور معاف کرے
اور صلح کرے تو اُس کا ثواب اللہ پر ہے بلا شک وشبہہ خدا تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔
احمدؒ ومسلم نے بروایت ابوذرؓ اور ترمذی نے بروایت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ
نے ارشاد فرمایا جو دو شخص آپس میں گالی گلوج اور بدگوئی کریں تو دونوں کی بدگوئی کا گناہ اُس
شخص پر جس نے ابتدا کی ہو بشرطیکہ دوسرے نے زیادتی نہ کی ہو! ور اگر زیادتی کریگا تو اُسپر باقی
کا گناہ اسپر ہے۔ بخاری نے باسناد صحیح حضرت عیاض بن حماد سے نقل کی ہے کہ حضور اکرمؐ نے
ارشاد فرمایا ہے جو دو شخص آپس میں بدگمانی کرتے ہیں وہ دونوں شیطان ہیں آپس میں فضول
بکواس کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ نیکی اور بدی یکساں نہیں ہے لہذا
جو شخص نیکی کرسکتا ہو وہ بدی کیوں اختیار کرے تو دوسروں کی) بدی کو (اپنی) نیکی سے دفع کر اگر تو نے لیا

کرے گا تو جو کوئی تیرے ساتھ دشمنی رکھتا ہوگا وہ تیرا یکرنگ دوست بن جائے گا اس صفت کو صرف صابر لوگ ہی اختیار کرتے ہیں اور اس چال کو وہی لوگ سیکھتے ہیں جس کا خدا کے ہاں بڑا درجہ ہوتا ہے اور اگر تیرے دل میں شیطان کی طرف سے ایسا وسوسہ پیدا ہو جو تجھے اُس نیکی سے باز رکھے تو بارگاہ الٰہی سے پناہ کا خواستگار ہو کیونکہ خدا تعالےٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے وہ تجھ کو ضرور پناہ دیگا۔

ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میرے کئی غلام ہیں جو مجھ کو جھوٹا کہتے ہیں میرا مال چُراتے ہیں اور میرا کہنا نہیں مانتے اور میں اُن کو مارتا ہوں اور گالیاں دیتا ہوں میرا کیا حال ہوگا آپ نے فرمایا اُن کی تکذیب چوری اور نافرمانی کا تیری گالی سے موازنہ کیا جائے گا اگر تیری گالی اور مار ان کے گناہ سے کم ہوگی تو تجھے فضیلت حاصل ہوگی اور اگر ان کا عذاب و گناہ برابر ہوگا تو تُو اور وہ غلام برابر ہونگے اور اگر تیرا عذاب اُن کے گناہوں سے زائد ہوگا تو تجھ سے عوض لیا جائے گا یہ سُن کر وہ شخص نالہ وزاری کرنے لگا آپ نے فرمایا کیا تو نے کلام اللہ نہیں پڑھا جہاں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن ہم عدل کی ترازو قایم کریں گے اُس وقت کسی پر زیادتی نہیں کی جاوے گی اور اگر کسی نے رائی برابر ظلم کیا ہوگا تو ہم اُس کو پیش کریں گے۔ یہ سُن کر اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اب میرے لئے یہی بہتر ہے کہ غلاموں کو جدا کردوں یا رسول اللہ میں حضورؐ کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں نے ان سب کو آزاد کیا۔ (رواہ احمد و ترمذی)

مزدور کی مزدوری ادا کرنے کا حکم ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابن عمرؓ ابو یعلی نے بروایت ابو ہریرہؓ طبرانی نے بروایت جابرؓ اور حاکم و ترمذی نے بروایت حضرت انسؓ بیان کیا ہے کہ حضور اقدسؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

خوش خلقی کا حکم خداوند تعالیٰ نے رسول اکرم صلعم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ یعنی تم بلاشبہ اخلاق کے ایک بڑے پایہ پر ہو دوسری جگہ اپنے خاص بندوں کے اوصاف حسنہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔ یعنی خدا کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جس وقت جاہل لوگ ان سے کوئی جہالت کی بات کرتے ہیں تو وہ لوگ ان کے جواب میں ایسی بات کہتے ہیں جو ایذا رسانی اور گناہ سے

بالکل بچی ہوئی ہے۔ مسلم نے بروایت جویر بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص رحمدلی اور نرمی سے محروم ہوا وہ سب چیزوں سے محروم ہے۔ بخاری نے بروایت عبداللہ بن عمرؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا سب سے زیادہ میرے دوست اور محبوب وہ لوگ ہیں جنکی خوخصلت اچھی ہو۔ صحیحین میں مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں۔ ابوداؤد نے باسناد صحیح بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا بیشک اور بلاشبہ مسلمان اپنی خوش خلقی کی وجہ سے وہ درجہ پائے گا جو تمام رات کی نماز پڑھنے والوں اور دن کے روزہ رکھنے والوں کو ملے گا۔ احمدؒ نے مسند میں اور امام مالکؒ نے موطا میں بروایت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے میں اس لیئے بھیجا گیا ہوں کہ محاسن اخلاق کو کامل اور مکمل کردوں۔ ابونعیم نے حلیہ میں بروایت ابوہریرہؓ لکھا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لیئے کسی کے ساتھ تواضع اور فروتنی کریگا خدا تعالےٰ اُس کا درجہ اور بلند فرمائے گا۔

تکبر اور غرور کی ممانعت احمدؒ اور ابوداؤد نے بروایت ابوہریرہؓ اور ابن ماجہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ حدیث قدسی ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے بڑائی اور تکبر میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میری آزار ہے جو کوئی میرے ساتھ ان دونوں چیزوں میں سے ایک میں بھی کشاکش کرے گا میں اُس کو دوزخ میں ڈالوں گا۔ احمدؒ نے بروایت ابوہریرہؓ اس طرح روایت کی ہے کہ کبریا اور تکبر میری چادر ہے پس جو کوئی میری چادر کھینچے گا میں اُس کو ہلاک کردوں گا۔

خادموں اور غلاموں کے حقوق آقا پر صحیحین میں بروایت ابوذر آیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا یہ لوگ (غلام) تمہارے بھائی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا فرمانبردار اور تابع کردیا ہے لہذا جس کے بھائی کو خدا نے اُس کا فرمانبردار کردیا ہو اُس کو چاہیئے کہ جو کچھ آپ کھائے اُس کو بھی کھلائے جو کچھ آپ پہنے اس کو بھی پہنائے اور ناقابل برداشت مشکل کام کا اُس کو حکم نہ دے اور اگر ایسا ہو بھی تو خود اُس کام میں اُس کا شریک ہوکر مدد کرے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے جس وقت کسی کا خادم اس کے لیئے کھانا پکالائے تو چاہیئے کہ خادم کو بھی اپنے ساتھ بٹھاکر کھانا کھلاوے اور اگر کھانا تھوڑا ہو اور کھانے والے بہت ہوں تو (کم از کم) اُس کو ایک دو لقمے ہی دیدے۔ یہ بھی حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام

پر بدکاری کی تہمت لگائے اور غلام واقع میں ایسا نہ ہو تو قیامت کے دن خدا تعالیٰ مالک کے اسّی کوڑے حد قذف کے مارے گا (رواہما البخاری والمسلم فی صحیحیہما) صحیح مسلم میں بروایت ابو عمر منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر کوئی شخص اپنے غلام کو سزا دے اور اس نے سزا کا کام نہ کیا ہو یا اُس کو طمانچہ مارے تو چاہیئے کہ کفارہ میں اُس کو آزاد کر دے۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ ایک بار میں اپنے غلام کو مار رہا تھا اچانک پیچھے سے میں نے آواز سنی ابن مسعود یہ خوب سمجھ لے کہ خداوند تعالیٰ تجھ سے بہت زیادہ قوی اور تجھ پر ہر طرح سے اتنی قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تجھی اس غلام پر نہیں ہے میں نے یہ آواز سُن کر جو منھ پھیر کر دیکھا تو رسول اللہؐ کو موجود پایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے اس کو آزاد کیا آپؐ نے فرمایا اگر تو اس کو آزاد نہ کرتا تو دوزخی ہوتا بیہقی نے شعب الایمان میں بروایت حضرت ام سلمہؓ بیان کیا ہے کہ مرض الموت میں حضورؐ کا آخری کلام یہ تھا کہ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم یعنی لوگو نماز کی پابندی اور باندی غلاموں کے حقوق کی نگہداشت کرتے رہنا۔ احمدؒ اور ابوداؤد نے بھی اس مضمون کی حدیث حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ ترمذی نے بروایت جابر بیان کیا ہے کہ حضور گرامیؐ نے فرمایا جس شخص میں تین باتیں ہونگی اللہ تعالیٰ اس کی موت آسان کرے گا (۱) ضعیفوں اور بیکسوں پر مہربانی کرنی (۲) ماں باپ پر شفقت کرنی (۳) باندی اور غلام کے ساتھ نیکی کرنی۔ ترمذی اور ابوداؤد نے بروایت ابن عمرؓ بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر دریافت کیا یا رسول اللہؐ ہم کے بار خادم کی خطا اور تقصیر معاف کریں آپؐ نے دوبارہ دریافت کرنے پر تو کچھ جواب نہ دیا تیسری بار فرمایا ہر روز ستّر بار معاف کرو۔ ابن ماجہ بروایت ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا لوگو خبردار رہو میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ تم لوگوں میں سب سے بدتر وہ شخص ہے جو اکیلا کھاتا ہے اور اپنے غلام کو مارتا ہے اور اپنا چندہ کسی کو نہیں کھلاتا۔

جانور کی خبر گیری کرنی | اگر کسی کی ملک میں کوئی جانور ہو تو اس کی بھی خبر گیری کرنی اور اس پر رحم کرنا واجب ہے حضورؐ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا لوگو ان جانوروں کے حق میں خدا سے ڈرتے رہو یہ بے زبان ہیں اگر ان پر سوار ہو تب بھی حسن سلوک کے ساتھ اور اگر ان کو چھوڑ دو تب بھی حسن سلوک کے ساتھ (رواہ ابوداؤد)

آقا کے حقوق غلاموں پر | بخاری و مسلم نے بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کیا ہے کہ جو غلام اپنے مالک کی خیر خواہی کرے اور خداوند تعالیٰ کی عبادت اچھے طریقہ سے ادا

کرے اس کے لئے دو ہرا ثواب ہے۔ صحیحین میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ وارد ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اُس غلام کا حال کیسا اچھا ہے جو حق تعالےٰ کی عبادت اور اپنے مالک کی اطاعت میں مرجائے سلم نے بروایت حضرت جریرؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو غلام اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جائے اُسکی نماز قبول نہیں ہوتی دوسری روایت میں ہی کہ وہ غلام کافر ہوجاتا ہے یعنی کفران نعمت کا مرتکب ہوتا ہے۔ بیہقی نے بروایت جابرؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تین شخصوں کی نماز قبول نہیں (۱) وہ غلام جو اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جائے تو جبتک واپس نہ آئے گا اس کی نماز قبول نہ ہوگی (۲) اس عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی جس کا شوہر (حق بات پر) اُس سے ناخوش ہو (۳) اُس مست کی نماز قبول نہیں ہوتی جو نشہ میں سرشار ہو جب تک اُس کو ہوش نہ آجائے۔ ابوداؤد نے بروایت حضرت ابوہریرہؓ بیان کیا کہ جو شخص کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف اغوا کرے یا غلام کو اس کے آقا کے خلاف بہکا کرلے جائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

گھر والوں کا حق گھر کے نگراں پر حضور اقدسؐ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا لوگو خبردار ہوجاؤ کہ تم سب نگہبان ہو اور تم سب کی ایک ایک رعیّت ہے اور ہر شخص سے اسکی رعیّت کی حالت خداوند تعالےٰ کے ہاں پوچھی جائے گی کہ اس کی خبرگیری حتی الامکان کی تھی یا نہیں چنانچہ بادشاہ کے سب آدمی رعایا ہیں اُس کے سب آدمیوں کی حالت کے متعلق دریافت کیا جائیگا گھر کا مالک اپنے گھر کے آدمیوں کا سرپرست ہو اس سے اُسکی رعیّت کا حال پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور اسکی اولاد کی نگہبان ہے اُس سے اُسکی نگہبانی کا حال پوچھا جائے گا۔ غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہو اُس سے اُس مال کی نگہبانی کا حال پوچھا جائیگا۔ خبردار رہو کہ تم سب لوگ بمنزلہ نگہبان اور راعی کے ہو تم سب سے اپنی اپنی رعیّت کی خبرگیری کے متعلق دریافت کیا جائیگا۔

راعی کا حق رعایا پر بادشاہ کی شہر کے حاکم کی لشکر کے سردار کی اور دیگر صاحبان امر کی اطاعت رعایا اور ما تحت طبقہ پر ضروری واجب ہی بشرطیکہ ان کے احکام خدا و رسول کے صراحۃً مخالف نہ ہوں خواہ طبیعت کے خلاف ہوں یا موافق کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہی اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم یعنی خدا رسول اور اپنے میں سے با اختیار آدمیوں کی تعمیل احکام کرو۔ با اختیار طبقہ کے افراد مختلف ہیں۔ بادشاہ شہر کا حاکم نواب ہر

صیغہ کا افسر اور دیگر ملٹری اور سول کے افیسر - بہر حال جب تک ان کے احکام شریعت کے احکام کے خلاف نہ ہوں ان کی اطاعت واجب در تعمیل حکم لازم ہے، ہاں اگر خدا و رسول کے احکام کے خلاف ہوں تو ان کے احکام کی خلاف ورزی واجب ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم نے بروایت ابی ہریرہؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے جس نے میری فرمانبرداری کی اس نے بلاشبہ خدا کی فرمانبرداری کی اور جس نے میرا حکم نہ مانا اس نے بلاشک خدا کا حکم نہ مانا اور جس نے حاکم کا حکم مانا اس نے یقیناً میرا حکم مانا اور جس نے حاکم کی نافرمانی کی اس نے بلاشبہ میری نافرمانی کی۔ بادشاہ مسلمانوں کی ڈھال ہے مسلمان کفار سے جہاد کرتے ہیں اور بادشاہ کی پناہ ڈھونڈھتے ہیں اگر بادشاہ نے عدل و تقویٰ کے ساتھ حکم رانی کی تو ثواب پائے گا اور اگر اس کے خلاف کرے گا تو گنا ہگار ہوگا۔ بخاری نے بروایت ام الحصین نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا حاکم کی بات سُنو اس کے حکم کو مانو اگرچہ تم پر ایسا غلام حبشی حاکم ہو جس کا سر انگور کے دانہ کی طرح سیاہ اور چھوٹا ہو۔ صحیحین میں بروایت ابن عمرؓ وارد ہے کہ حضورؐ نے فرمایا حاکم کا حکم سُننا اور اُس کی تعمیل کرنی ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ اچھا لگے یا بُرا لیکن اگر حاکم شریعت کے خلاف حکم دے تو سننا اور تعمیل کرنی درست نہیں اس مضمون کی ایک حدیث بروایت حضرت علیؓ صحیحین میں اور بھی آئی ہے۔ صحیحین میں بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس شخص کو حاکم کی طرف سے کوئی امر ناگوار پہنچے تو اُس کو صبر کرنا چاہیئے جو شخص بغاوت کرے گا اور مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوگا اور اسی حالت پر مرجائیگا تو اس کی موت جاہلیت کی ایسی موت ہوگی۔ یہ بھی صحیحین میں بروایت ابن مسعود مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میرے بعد عنقریب تم بادشاہوں کی طرف سے نفس پروری اور خلاف طبع حرکات دیکھو گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ تو ہم کو آپ کیا ہدایت فرماتے ہیں آپ نے فرمایا تم ان کا حق ادا کرنا اور اپنے حق کی خدا سے خواستگاری۔ صحیحین مسلم میں بروایت وائل بن حجر منقول ہے کہ صحابہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر حاکم ہم سے اپنا حق مانگیں اور ہمارا حق نہ دیں تو کیا کرنا چاہیئے، آپؐ نے فرمایا تم ان کے حکم کو سُن کر اطاعت کرو جو کچھ خدا تعالےٰ نے ان پر فرض کیا ہے وہ ان پر فرض ہے اور جو چیز تم پر واجب ہے وہ تم پر واجب ہے۔

حاکم کا حکم کس وقت واجب التعمیل ہے | اگر حاکم وقت شریعت کے موافق حکم دے تو رعایا پر واجب ہے کہ بخوشی خاطر اس کو قبول کریں اور اس کی تعمیل میں کوشاں ہوں ایسے

حکم کو قبول نہ کرنا یا مکروہ جاننا کفر ہے خداوند تعالےٰ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ وہ لوگ مسلمان نہیں جو تم کو کسی امر میں حاکم مقرر کریں پھر جس وقت تم فیصلہ کرو اور فیصلہ ان کی مرضی کے خلاف ہو تو وہ اُس کو بخوشی خاطر قبول نہ کریں۔ صاحب ہدایہ کا قول ہے کہ اگر قاضی کہے کہ میں تم کو حکم دیتا ہوں فلاں آدمی کو سنگسار کردو یا اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالو یا فلاں شخص کو کوڑے مارو تو قاضی کے حکم کی تعمیل ضروری ہے لیکن امام ابوالمنصور ذرا اس کی تفصیل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر قاضی عالم اور عادل ہو تو بغیر پوچھے اس کے حکم پر عمل کرنا چاہیئے اور اگر جاہل ہو یا عادل ہو تو اس سے حکم کا سبب پوچھنا چاہیئے اگر وجہ معقول بیان کرے تو تعمیل کرنی چاہیئے ورنہ نہ کرنی چاہیئے۔ اور اگر قاضی جاہل و فاسق ہو اور حکم خلاف شرع دے تو ہرگز اطاعت نہ کرنی چاہیئے۔

رعایا کا حق حاکم پر | جس طرح حاکم کا رعایا پر حق ہے اسی طرح حاکم پر رعایا کا بھی حق ہے اگر حکام رعایا کا واجبی حق ادا نہ کریں گے تو ماخوذ ہوں گے۔ چنانچہ صحیحین میں بروایت معقل بن لیسار منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کا حاکم ہو اور مسلمان اُسکی رعایا ہو پھر وہ حاکم اپنی رعایا کی خیر خواہی اور خبر گیری نہ کرے اور اسی حالت میں مرجائے تو اس پر بہشت حرام ہے۔ مسلم نے بروایت ام المومنین حضرت صدیقہؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا مانگی اور عرض کیا الٰہی اگر کوئی میری امت کے کسی آدمی کا متولی (حقوق کا ذمہ دار) ہو اور امت پر سختی کرے تو تو اُس پر سختی کرنا اور جو شخص میری اُمت کے کسی کام پر متولی ہو اور امت سے نرمی و مہربانی سے پیش آئے تو تو اُس کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آنا۔ مسلم نے بروایت عبداللہ بن عمرؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو انصاف کرنے والے اپنی رعیت کے فیصلے انصاف سے کریں گے وہ خدا تعالےٰ کے پاس نور کے ممبروں پر ہونگے دارمی نے بروایت سریرہ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص دس آدمیوں کا بھی حاکم اور سردار رہو قیامت کے دن اس کو باندھ کر لایا جائے گا اگر اس نے عدل کیا ہوگا تو عدل اسکو کھول دیگا اور ظلم کیا ہوگا تو ظلم اس کو ہلاک کر دے گا۔ ترمذی نے بروایت ابو سعید حذریؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا خدا کا سب سے بڑا دوست اور درجہ میں سب سے زیادہ مقرب الٰہی بادشاہ عادل ہے اور خدا کا سب سے بڑا دشمن اور سخت ترین عذاب میں رہنے والا بادشاہ ظالم ہے۔ بیہقی نے بروایت ابن عمرؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بادشاہ زمین پر خدا کا سایہ ہے

اگر خدا کا کوئی مظلوم بندہ اُس کے پاس جائے اور بادشاہ عدل کرے تو اُس کو ثواب ملیگا اور رعیت پر اس کا ادائے شکر واجب ہوگا اور اگر ظلم کرے گا تو اس کو عذاب دیا جائے گا. لیکن رعیت پر صبر کرنا واجب ہے۔

حاکم پر فرض ہے کہ شریعت کے مطابق سچا فیصلہ کرے اگر خلاف شریعت حکم دیگا تو کافروں، ظالموں یا فاسقوں کی فہرست میں شمار کیا جائے گا کیونکہ قرآن میں ایسے ناحق خلاف شرع فیصلہ کرنے والوں کو کہیں کافر کہیں ظالم اور کہیں فاسق کہا گیا ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بروایت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا حاکم تین طرح کے ہیں (۱) وہ حاکم جو حق بات جانتا ہو اور اُسی کے موافق فیصلہ کرے یہ شخص جنتی ہے (۲) وہ حاکم جو حق بات سے واقف ہو اور اُس کے خلاف فیصلہ کرے یہ دوزخی ہے (۳) وہ حاکم جو جاہل ہو یہ بھی دوزخی ہے۔ ابوداؤد نے بروایت حضرت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ جو شخص قاضی ہو اور اُس کا عدل ظلم پر غالب ہو تو اُس کے لیئے بہشت ہے اور اگر اس کا ظلم انصاف پر غالب ہے تو یہ دوزخی ہے۔

کتاب الذبائح

ذبیحہ اُس جانور کو کہتے ہیں جس کو ذبح کرلیا گیا ہو اور وہ قابل ذبح بھی ہو۔ مچھلی اور ٹڈی چونکہ قابل ذبح نہیں ہیں اس لئے ان کو ذبیحہ نہیں کہا جاتا۔

بغیر ذبح شرعی کے جانور حرام ہے چنانچہ ٹکر کھا کر یا کنوئیں میں گر کر یا دریا میں ڈوب کر جو جانور مرا ہو اس کو کھانا حرام ہے۔

ذبح کرنے کا مقام۔ حلقوم اور ہنسلی کے درمیان ذبح کرنا چاہیئے۔ اور ذبح کے وقت گھانس کی نالی غذا کی نالی اور دونوں شہ رگیں کٹنی ضروری ہیں۔ ذبح کرنے کا ہتھیار ہر دھار دار چیز سے ذبح کرنا صحیح ہے۔ چاقو، چھری، دھار دار پتھر نرکل وغیرہ باقی اگر دانت و ناخن بدن سے جدا ہو اور اُس سے ذبح کیا جائے تو جائز ہے مگر بکراہیت اور اگر ناخن انگلیوں سے کترے ہوئے نہ ہوں اور دانت ٹوٹا نہ ہو تو اس سے ذبح کرنا ناجائز ہے۔ ذبح کرنے کے مستحبات اور مکروہات۔ مستحب ہے کہ اچھی طرح ذبح کیا جائے۔ چھری پہلے سے تیز کرلی گئی ہو۔ ذبیحہ کو لٹانے کے بعد چھری تیز کرنی مکروہ ہے۔ دوسرے جانوروں کے سامنے بھی ذبح کرنا مکروہ ہے۔ گردن پر سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔ ٹانگ پکڑ کر کھینچتے ہوئے مذبح تک لیجانا مکروہ ہے ٹھنڈا ہونے سے قبل کھال اُتارنا یا سر کاٹنا یا بدن کا کوئی حصہ کاٹنا مکروہ ہے اتنا گہرا ذبح کرنا کہ چھری حرام مغز تک پہنچ جائے مکروہ ہے۔ کون شخص ذبح کرسکتا ہے اور کہاں کرسکتا ہے۔ مذکورہ ذیل اشخاص کو ذبح کرنے کی اجازت ہے مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیا ہو یا خدا کا نام لینا بھول گیا اور اگر مسلمان نے قصداً خدا کا نام ترک کیا تو اس کا ذبیحہ مردار ہے۔ اہل کتاب خواہ یہودی ہوں یا نصرانی ذمی ہوں یا حربی بہر صورت ان کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ خدا کا نام لیکر ذبح کیا ہو اور اگر قصداً یا سہواً خدا کا نام نہ لیا ہو تو ان کا ذبیحہ مردار ہے۔ اس شخص کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے جس کا ختنہ نہ کیا گیا ہو یا گونگا ہو۔ عورت اور بچہ کے ہاتھ ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ بسم اللہ کہنا اور ذبح کرنا جانتے ہوں ورنہ ناجائز ہے یہی حالت اور حکم دیوانہ کا ہے۔ ہندو مجوسی اور مرتد کا ذبیحہ حرام ہے۔ خدا کے نام کے ساتھ کسی دوسرے کو ذبح کے وقت شریک کرلینے سے ذبیحہ حرام ہوجاتا ہے۔ ہاں ذبح سے قبل یا بعد کوئی دعا پڑھی

جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ رسول اللہ قربانی کرنے سے قبل دعا پڑھا کرتے تھے کس جانور کو ذبح کیا جائے اور کس کو نحر کیا جائے۔ اونٹ کو نحر کرنا یعنی گردن کے نیچے برچھا مارنا مستحب ہے لیکن اونٹ کو ذبح کرنا بھی جائز ہے لیکن بکراہیت۔ اونٹ کے علاوہ دیگر جانوروں کو ذبح کرنا مستحب ہے اور نحر کرنا مکروہ۔ جو پالتو جانور وحشی ہو جائے اور ہاتھ نہ آئے تو اس کا حکم شکار کا ہو گیا اسی طرح جو جانور سرکش درمرکھنا ہو گیا آدمی پر حملہ کرنے لگا تو جائز ہے کہ ذبح کرنے کی نیت سے جس طور پر ممکن ہو اسکو قتل کیا جائے پیٹ کے بچہ کا حکم اگر کسی جانور کو ذبح کیا اور اس کے پیٹ سے مُردہ بچہ نکلا تو اُس بچہ کا کھانا حلال نہیں ہاں اگر زندہ نکلا اور پھر اس کو ذبح کر لیا تو جائز ہے۔

مذکورہ ذیل جانوروں کا گوشت حرام ہے۔ شیر، چیتا، بھیڑیا، ریچھ، لومڑی، گیدڑ، بجو، کتا، گدھا، ہاتھی، سور، کچھوا، مینڈک، گھونس، چوہا، چھچھوندر، بیبی، باز، بحرہ شکرہ خلاصہ یہ ہے کہ ہر دانت والا درندہ اور پنجوں والا پرندہ اور حشرات الارض اور موذی جانور حرام ہیں دریائی جانور سوائے مچھلی کے سب حرام ہیں اور مچھلی بھی وہ حلال ہے جو خود بخود مر کر پانی کے اوپر نہ آگئی ہو اگر مر کر اور پھول کر خود بخود پانی کے اوپر آگئی تو وہ بھی حرام ہے۔ مچھلی اور ٹڈی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے بغیر ذبح کے ان کو کھانا جائز ہے۔ کھیتی کھانے والا کوا اور وہ کوا جو مردار بھی کھاتا ہے اور کھیتی بھی یہ دونوں طرح کے کوے حلال ہیں۔ ہاں مردار خوار کوا حرام ہے۔ خرگوش، قاز، مرغابی، بگلا وغیرہ حلال ہیں۔

ہدایت خاص۔ اگر کوئی جانور کسی شخص کی تعظیم کے لئے ذبح کیا یا کسی امیر کے آنے کیلئے حلال کیا تو وہ ذبیحہ مردار ہے خواہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو (در مختار) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان میں جو رواج ہے کہ سید احمد کبیر کی گائے یا شیخ سدو کا بکرا یا دولا شاہ کا بکرا ذبح کرتے ہیں تو اس ذبیحہ کا کھانا حرام ہے۔ صحیح مسلم میں بروایت حضرت علیؓ وارد ہے کہ آپ نے فرمایا لعن اللہ من ذبح بغیر اللہ (غایتہ الاوطار مع زیادۃ) البتہ یہ صورت جائز ہے کہ جانور کو خدا کے واسطے ذبح کیا جائے اور پھر ثواب کسی ولی یا نبی کی روح کو پہونچا دیا جائے۔

شکار کا بیان

شکاری جانور سے شکار کرنے کے شرائط۔ ہر پنجہ والے پرندہ اور کچلی والے شکاری جانور سے شکار کرکے حلال ہے مثلاً باز اور کتا لیکن شکاری جانور میں چند شرائط کا تحقق ضروری ہے (۱) شکاری جانور کو شکار کرنا سکھایا گیا ہو (۲) شکاری جانور کو مسلمان یا کتابی بسم اللہ کہکر چھوڑے (۳) اگر شکار کرنیوالا مسلمان ہو تو قصداً بسم اللہ ترک نہ کرے (۴) شکار کو کسی جگہ پر زخم لگا ہو (۵) شکار کیا جانور

ہو جو اپنے بچانے پر قدرت رکھتا ہو یعنی اس کے ہاتھ پاؤں یا پَر درست ہوں (۶) شکار وحشی ہو پالتو نہ ہو (۷) شکاری جانور کے ساتھ شکار کرنے کے وقت کوئی دوسرا جانور ایسا شریک نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہے۔ اگر مذکورہ بالا شرائط متحقق ہوں اور شکاری جانور شکار کرے تو لازم ہے کہ اس شکار کو ذبح کیا جائے بغیر ذبح کے شکار حلال نہیں۔

تیر یا بندوق وغیرہ سے شکار کرنے کے شرائط۔ اگر بندوق وغیرہ سے شکار کیا جائے تو چند شرائط موجود ہونے ضروری ہیں (۱) شکاری بسم اللہ کہہ کر فائر کرے اگر قصداً ترک کریگا تو شکار درست نہیں (۲) اگر شکار زخمی ہو کر بھاگ جائے تو اسکی جستجو سے بیٹھ نہ جائے بلکہ اسکی تلاش کی امکانی کوشش کرے اگر بغیر تلاش کے وہ جانور مردہ ملا تو اس کا کھانا حلال نہیں (۳) بندوق وغیرہ سے شکار کرنے والا اگر گولی مارے اور پھر بھی جانور زندہ ہے تو اس کا ذبح کرنا ضروری ہے بغیر ذبح کے حلال نہیں۔ ہاں اگر گولی کھا کر مر جائے اور ذبح کرنے کا موقع ہی نہ ملے تو مردار نہ ہوگا اُسکا کھانا جائز ہے۔

چند مسائل۔ ڈنڈے سے ڈھیلے سے پتھر سے غلّہ سے یا کسی اور بے دھار کی چیز سے شکار کیا ہوا جانور حرام ہے بشرطیکہ ذبح سے پہلے مر گیا ہو۔ مسئلہ۔ اگر شکار گولی کھا کر پانی میں گر پڑا اور یہ معلوم ہوا کہ یہ گولی کھا کر مرا ہے یا ڈوب کر تو حرام ہے۔ مسئلہ۔ اگر شکار گولی کھا کر چھت پر گرا یا پہاڑ پر یا ٹیلہ پر گرا اور پھر وہاں سے لڑھک کر نیچے آ گیا تو حرام ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ اُس کی جان گولی کی وجہ سے نکلی ہے یا لڑھکنے سے۔ مسئلہ۔ ہر جانور کا شکار درست ہے خواہ اُس کا گوشت حرام ہو یا حلال مثلاً لومڑی، بھیڑیا، ریچھ، سور، شیر، ہرن، خرگوش وغیرہ سوائے سور کے ہر جانور کی کھال اور گوشت شکار کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ مسئلہ۔ اگر کسی جانور کے بسم اللہ کہہ کر بندوق ماری اور گولی سے اس کا کوئی عضو جدا ہو گیا تو جانور حلال ہے لیکن وہ عضو مردار ہے۔

کتاب الاشربۃ والاطعمۃ

اگر پانی برتن کے اندر محفوظ کرکے نہ رکھا گیا ہو تو ہر شخص اس کو استعمال میں لاسکتا ہے اسی طرح بڑے دریا مثلاً گنگا، جمنا، راوی، نربدا وغیرہ یا وہ پانی جو ایک جگہ ٹھیرا ہوا ہے مثلاً کنواں، تالاب، جھیل وغیرہ ان سب کا پانی ہر شخص استعمال کرسکتا ہے خواہ یہ پانی کسی کی ملک میں داخل ہو یا نہ ہو۔

کس شربت کا پینا ناجائز ہے ۔شراب پینا قطعاً حرام ہے خواہ کسی قسم کی شراب ہو کسی طرح شراب کا استعمال جائز نہیں۔ نہ دوا کے لئے نہ کسی اور وجہ سے۔ نشہ آور شربت پینا ناجائز ہے۔ شراب کا ایک قطرہ بھی نجس ہے نہ اس کا پینا جائز ہے نہ استعمال۔ شراب کی خرید فروخت لین دین سب کچھ حرام ہے۔ شراب کو حلال جاننے والا کافر ہے۔ شراب کا سرکہ بنانا اور اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ نبیذ کا پینا صرف اسقدر جائز ہے کہ نشہ نہ آئے اجواین اور افیون کا اتنا استعمال کہ نشہ نہ پیدا ہو جائز ہے (ہدایہ) بھنگ اجواین خراسانی کا استعمال حرام ہے (در مختار) تماکو کا استعمال جائز ہے لیکن قریب بکراہیت حقہ کا بھی یہی حکم ہے۔

کھانے کا بیان اتنا کھانا جس سے انسان ہلاکت سے بچ جائے فرض ہے خواہ کھانا حلال ہو یا حرام۔ اور اس قدر کھانا جس سے آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے یا روزہ رکھ سکے ثواب ہے سیر ہو کر کھانا مباح ہے۔ اور سیری سے زائد کھانا حرام ہے۔ صرف دو صورتوں میں سیری سے زائد کھانا جائز ہے۔ سحری کے وقت اور مہمان کی تواضع کے لئے۔

کس برتن میں کھانا جائز ہے اور کس میں ناجائز ۔سونے، چاندی کے برتن میں کھانا پینا۔ تیل لگانا خوشبو ملنی۔ چاندی سونے کے چمچے کھانا ان کی سلائی یا سرمہ دان یا قلم دوات یا سینی سلفچی آفتابہ انگیٹھی استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ لیکن یہ جائز ہے کہ سونے چاندی کے برتن سے دوسرے برتن میں تیل ڈالکر استعمال کیا جائے وغیرہ اگر آئینہ کے حلقے یا قرآن شریف کا جزدان یا انگھٹی یا لگام دمچی زین رکاب تلوار چھری قبضہ وغیرہ سونے چاندی کے ہوں اور استعمال کے وقت وہ ہاتھ کو نہ لگیں تو استعمال جائز ہے۔ جس برتن پر چاندی سونے کا ملمع ہو اسکا استعمال بالاجماع درست ہے اگر برتن میں چاندی سونے کا کام ہو اور استعمال کے وقت ہاتھ یا ڈل کو نہ لگے اور پینے کے وقت

منہ کو نہ لگے تو جائز ہے۔ شیشہ بلور رانگ اور عقیق کے برتن کا استعمال جائز ہے۔ تانبے اور پیتل کا برتن اگر قلعی دار ہو تو اس کا استعمال جائز ہے ورنہ مکروہ۔ افضل و مسنون یہ ہے کہ مٹی کے برتن کا استعمال کیا جائے۔ اس زمانہ میں سب سے بہتر افضل اور قریب سنت چینی کا برتن ہے۔ (غایۃ الاوطار) کسی ایسی مجلس میں جہاں کھانے پر ہنڈیا اور کوئی ممنوع باجہ بج رہا ہو کھانا جائز نہیں اور نہ ایسی دعوت میں شریک ہونا جائز ہے۔ یہ احکام مرد و عورت دونوں کے لئے ہیں۔

کتاب الالبسہ

خالص ریشم کا کپڑا مرد کے لئے بہر صورت حرام ہے ہاں بقدر چار انگشت کے جائز ہے اگر کسی کپڑے پر زرتار یا ریشمی نقش و نگار ہوں تو اس کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ مجموعی مقدار چار انگل سے بڑھ نہ جائے اگر مسہری کا پردہ ریشمی ہو تو جائز ہے۔ ریشمی ازار بند مرد کیلئے مکروہ ہے۔ ریشمی کپڑے کا فرش اور تکیہ بنانا جائز ہے۔ ریشمی تھیلی۔ ریشمی ٹوپی جائز ہے۔ یا زرتار بیل اگر چار انگل سے زائد نہ ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔ اگر کپڑے کا تانا ریشمی ہو اور بانا ریشمی نہ ہو تو مطلقاً جائز ہے اور بانا ریشمی ہو تانا ریشمی نہ ہو تو صرف جنگ کے موقعہ پر جائز ہے جنگ کے علاوہ مکروہ ہے۔ کسم اور زعفران کا رنگا ہوا کپڑا مردوں کے لئے ناجائز ہے اور خالص سرخ مکروہ ہے ہاں اگر سرخ دھاریدار ہو تو جائز ہے۔ سونے چاندی کا زیور مرد کے لئے قطعاً حرام ہے۔ مذکورہ بالا احکام میں بوڑھے جوان اور بچے سب برابر ہیں ہاں عورتوں کیلئے سب رنگ اور سب طرح کے لباس اور سونا چاندی کے زیور جائز ہیں۔ چاندی کی انگوٹھی اور روپہلی کمر بند جائز ہے لیکن اولیٰ یہی ہے کہ ان کا استعمال نہ کیا جائے البتہ حکام یا ضرورتمند اشخاص کے لئے چاندی کی انگوٹھی جائز ہے۔ پتھر لوہے اور پیتل کی انگوٹھی مرد و عورت سب کے لئے ممنوع ہے۔ اگر حلقہ چاندی کا ہو اور نگینہ عقیق اور یاقوت وغیرہ کا تو جائز ہے۔ سونے کے تار سے دانت باندھنا مکروہ ہے چاندی کے تار سے باندھنا چاہئیں لڑکوں کو زیورات پہنانا ناجائز ہے۔ ناک صاف کرنے یا ہاتھ منھ پونچھنے کے لئے تولیہ رومال وغیرہ رکھنا جائز ہے۔

مسائل متفرقہ۔ چوسر گنجفہ اور شطرنج کھیلنا مکروہ ہے۔ مرغ لڑانا تیتر اور بٹیر لڑانا حرام ہے کبوتروں کو صرف شوقیہ پالنا اور اڑانا ناجائز ہے۔ پتنگ بازی مکروہ ہے۔ گھوڑ دوڑ جائز ہے یکطرفہ شرط بھی درست ہے دو طرفہ شرط ناجائز ہے۔ قوت حاصل کرنے کے لئے کشتی لڑنا جائز ہے اور بازی کے لئے مکروہ۔

جھوٹے قصے اور دروغ احادیث بیان کرنا حرام ہے۔ جمعہ کے روز نماز کے بعد ناخن کتروانے مستحب ہیں البتہ غازی کیلئے ناخن اور مونچھیں بڑھانی چاہئیں۔ ناخن کتروانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت سے شروع کرے اور چھنگلیا پر ختم کرکے بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کرکے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کرے۔ ہر جمعہ کو اصلاح کرنا اور غسل کرنا افضل ہے۔ چالیس روز سے زائد اصلاح نہ کرنا مکروہ ہے۔ ایک مٹھی ڈاڑھی رکھنی مستحب ہے اگر اس سے زائد ہو اور بدنما معلوم ہوتی ہو تو ترشنا جائز ہے۔ مونچھوں کو کتروانا جائز ہے۔ لبوں کو کتروانا مسنون ہے۔ عورت کو سر کے بال کاٹنا حرام ہے۔ بغیر اذن والدین کے علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا جائز ہے بشرطیکہ امردنہ ہو۔ اقامت اذان تہلیل ذکر قرآن خوانی اور مذاکرہ علمی کرنے کے وقت سلام کا جواب دینا واجب نہیں، اسیطرح اگر قاضی عدالت میں یا نمازی نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھا ہو تو اس پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں، لڑکیوں کے کان ناک چھیدنے میں قباحت نہیں ہے۔ قرآن کے پڑھنے سے سننا افضل ہے محرم میں سوگ کرنا حرام ہے۔ دفن کے بعد میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ناجائز ہے۔

کتاب الھدایات

کسب معیشت

خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ وجعلنا النھار معاشا	ہم نے دن روزگار کے لئے بنایا ہے۔
" نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوٰۃ الدنیا	ہم نے دنیوی زندگانی میں ان میں انکی روزی تقسیم کردی ہے۔
" لیس علیکم جناح ان تبتغو فضلا من ربکم	کوئی حرج نہیں ہے اگر اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔
" فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ	زمین پر پھیل پڑو اور خدا کا فضل ڈھونڈو
" وجعلنا لکم فیھا معایش	ہم نے تمہارے لئے زمین میں روزی کا سامان بنادیا ہے۔

اس طرح قرآن پاک میں دولت و مال کو دین و دنیا کی حیات کیلئے ستون قرار دیا ہے ۲۵ مقام پر مال کو فضل ۲۱ مقام پر خیر اور بہت سی جگہوں میں حسنہ و رحمۃ سے تعبیر کیا گیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے اجزاء خمسہ میں سے دو جز یعنی زکوٰۃ و حج کا شرف تو صرف اہل دولت ہی کے حصہ میں دیا گیا ہے۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں۔

(۱) اگر کوئی شخص گھر سے چھوٹے بچوں اور بوڑھے ماں باپ کے لئے کمانے کو نکلے اور مقصود یہ ہو کہ گناہ سے محفوظ رہے تو وہ خدا کی راہ میں کام کرتا ہے۔

(۲) وائی ہو اُس پر جو طلب ترک کر کے بیٹھ رہے جو شخص ایسا کرے گا اسکی دعا قبول نہ ہوگی تم پر طلب واجب ہے۔

(۳) اللہ اُس مومن کو دوست رکھتا ہے جو کمائی کرتا ہو۔

(۴) پرند صبح کو بھوکے اُٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے جاتے ہیں۔

(۵) روزی زمین کے گوشوں میں تلاش کرو۔

(۶) اللہ سے خوف کرو اور طلب رزق اچھی طرح کرو۔

(۷) عافیت کے دس اجزاء ہیں نو طلب معاش میں ہیں اور ایک سب چیزوں میں۔

(۸) اللہ اُس بندے کو پسند فرماتا ہے جو اس کے لئے کمائی کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں سے بے پرواہ ہو جائے۔

(۹) جب روزی کا ایک دروازہ کھل جائے تو اس کو مضبوط پکڑ لو۔

(۱۰) جو طلب رزق میں دوڑ دھوپ کرتا ہے وہ جہاد میں ہے۔

(۱۱) تم میں سے کوئی شخص طلب معاش سے ہاتھ اٹھا کر بیٹھ رہنے کے بعد یہ دعا مانگنے کی ہرگز کوشش نہ کرے کہ الٰہی مجھے رزق عطا فرما کیونکہ تم کو معلوم ہے کہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برستا۔

(۱۲) جو کمائی کی محنت سے شام کو تھک جائے خدا اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔

(۱۳) سعد۔ تمہارے لئے اپنے پسماندگان کو خوشحال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤ کہ وہ محتاج ہو کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

(۱۴) زید تم بہت اچھا کام کرتے ہو کہ درخت لگاتے ہو۔ لوگوں سے بے پرواہ بن جاؤ یہ بات تمہارے دین کی محافظ اور ذاتی عزت کی کفیل ہوگی۔ لوگوں کی نظر میں تمہارا وقار بڑھائے گی اور اسی صورت میں تم اُن پر کرم زیادہ کر سکو گے۔

(۱۵) مجھے سب سے بڑھ کر وہ جگہ پسند ہے جہاں اپنے خاندان والوں کیلئے خرید فروخت کا بازار لگاؤں

(۱۶) لوگو سفر کیا کرو گے تو تم کو دولت حاصل ہوگی۔

(۱۷) حدیث قدسی ہے۔ اے ابن آدم تو سفر کر میں تجھے رزق دونگا۔

فرامین صحابہ آثار تابعین اور دیگر مشاہیر کے حکیمانہ اقوال بازار کا پیچھا مت چھوڑ کیونکہ تونگری ایک قسم کی سلامتی ہے (ابن ابی قلابہ) الٰہی ہم کو مال وجاہ دونوں چیزیں مرحمت فرما کیونکہ عزت بغیر مال اور مال بغیر عزت کے ٹھیک نہیں (طلحہ) جس کو حرفہ نہیں آتا وہ کچھ اچھا آدمی نہیں اور نہ اسکو کوئی اجر مل سکتا ہے (علی) اے قاریوں کی جماعت ذرا سر اُٹھاؤ راستہ بالکل روشن ہے نیکیوں کی طرف سبقت کرو اور محتاج بن کر نہ رہو (عمر) مال لو اور خرچ کرو کہ یہ مال صرف کریم ہے اسکی وجہ سے بے نیازی حاصل ہوتی ہے (قیس بن عاصم) اگر کسی کو کوشش آگے نہ بڑھائے تو لامحالہ اس کو کمزوری پیچھے ہٹاتی ہے (عمرو بن عتبہ) جو کوشش کرتا ہے وہ چرتا ہے جو سوتا رہتا ہے وہ خوابیں دیکھتا رہتا ہے (عبداللہ بن طاہر) میں اُس شخص کو ناپسند کرتا ہوں جسکے مکاسب میں شواری ہو وہ زمین پر چت لیٹا رہتا ہے کوشش اور فضل خدا کو تلاش و جستجو کو ترک کر کے کہتا ہے الٰہی مجھے رزق دے حالانکہ چیونٹی بھی اپنی روزی کی تلاش میں چلتی پھرتی ہے (امام محمد باقر) جو شخص اپنا بار دوسروں پر ڈال دے اُس پر خدا کی لعنت ہے (امام جعفر صادقؓ) صبح کو ضرور عزت حاصل کرنے کے لئے بازار جایا کرو (امام جعفر صادق) ہم ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں ہمارا رازق رساں خدا ہے یہ قول لچر اور پوچ ہے (ابوبکر مروزی) آدمی کو چاہیئے لوگوں کے ذمہ ہو جائے بلکہ کسب کرے تاکہ خود بھی اور اہل وعیال بھی خوش رہیں اور حرفہ کو نہ چھوڑیں۔ وہ لوگ بُرے ہیں جو دنیا کو بیکار رکھنا چاہتے ہیں۔ جو آدمی اپنے گھر بیٹھ رہے اور کہے میں گوشہ نشین ہوتا ہوں صبر کر کے گھر بیٹھ رہتا ہوں اگر یہ آدمی گھر سے نکلتا حرفہ کرتا تو مجھ کو اچھا معلوم ہوتا۔ بازار کو اختیار کر نتیجہ یہ ہوگا کہ اقارب پر احسان اور اہل وعیال کو خوش رکھے گا۔ میں نے اپنی اولاد کو حکم دیا ہے بازار کو آئیں جائیں تجارت میں لگے رہیں میرے نزدیک سب سے بہوں میں اچھا وہ درہم ہے جو تجارت سے حاصل ہوا اور بُرا وہ ہے جو احباب کے احسان سے ملے (امام حنبل) پیشہ کرنا افضل ہے۔ زبان حال سے سوال کرنے سے اور اپنی احتیاج کو علی الاعلان ظاہر کرنے سے پرہیز کرنا اور اپنا بھرم رکھنا بیکاری سے افضل ہے بلکہ عبادات بدنی میں مشغول رہنے سے بھی بہتر ہے (غزالی) عام ضرب المثل ہے کہ دوڑ دھوپ کرنے والا کتا بیٹھ رہنے والے شیر سے بہتر ہے کہاں ہیں بیکاری کاہلی اور حرامخواری کی نحوس موت کو نظر عظمت و تقدس سے دیکھنے والے بے معنی اور مہمل توکل کو اپنی ذلیل نگاہ میں تقویٰ سمجھنے والے اور دنیا سے نفرت کو سب سے اعلیٰ عبادت

خیال کرنے والے ذرا ادہر آئیں اور مذکورہ بالا آیات قرآنی احادیث نبوی فرامین صحابہ فتاوی ائمہ اور اقوال علماٗ و حکمار پر ذرا نظر غائر ڈالیں پھر انصاف کے ساتھ اپنے دلوں سے فتویٰ طلب کریں یہ کہاں تک جائز ہو کہ ہاتھ پاؤں دل و دماغ اور تمام جوارح کو بیکار محض او رفارغ بنالیا جائے زر دنیوی مال و منال کو جائز ذرائع سے حاصل کرنا بھی گناہ سمجھ لیا جائے کاسۂ گدائی ہاتھ میں ہو اور ذلت و خواری کی زندگی بسر کی جائے اور بالآخر دنیوی وجاہت و شان کو دنیوی افلاس کے دریا میں ڈبو دیا جائے۔ بلاشبہ انسانیت کا مدار و منتہا روپیہ کو قرار دینا انسان کو اسفل السافلین میں گراتا ہو اور تہی مغزی اور کوردلی کی سچی نشانی ہو اسمیں بھی شک نہیں کہ بعض حالتوں اور خاص صورتوں میں کسب معیشت سے اعراض نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہو یا یوں کہنا چاہیئے کہ انسانی خدمات کے بعض اصناف ایسے اعلیٰ اور بلند پایہ ہیں کہ دنیا ان کا کوئی معاوضہ نہیں دے سکتی اور پاک نفوس ایسے صلہ کے خواہشمند بھی نہیں ہوتے لیکن عار اور ذلت سے بچانے کے لئے علماء ربانی اور عقلاء شریعت نے اکتساب معاش کو انسان کا نہایت اہم اور ضروری فرض قرار دیا ہو بلکہ اکثر خصائل حمیدہ کا مرکز صرف اسی ایک فرض کو قرار دیا ہو۔ دین فطرت کی قدیمی ہدایت یہ ہے کہ آدمی اپنے پسینہ کی کمائی کھائے گا کیونکہ حوائج انسانیہ اور ضروریات حیات کی اقتضا سے آدمی کی طبیعت مجبول و مجبور ہو کہ اپنی بسر اوقات اور اپنی گذارے کی سبیل آپ نکالے کیا مال کا شرف یہ کچھ کم ہے کہ آدمی کی بقاء اور قیام اسکے بغیر ناممکن ہے دنیوی آسائش دینی استقامت عبادت کی قوت فرائض مذہبی کی تکمیل اور اجر آخرت کا استحقاق بغیر مال کے کامل طور پر نہیں ہوسکتا۔ کیا خدا تعالےٰ کا ارشاد نہیں ہو اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما یعنی اللہ نے تمہارے مالوں کو تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے دوسری جگہ حکم ہو کہ انسان کو اسی کی کوشش کا ثمرہ ملتا ہو۔ کون نہیں جانتا کہ انسان مدنی الطبع ہو اور احتیاج کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے ہر فرد بشر کو بقار شخصی و نوعی اور ارتقار قومی و ملکی کی ضرورت ہو اسی ضرورت سے تعلقات پیدا ہو تعلقات نے فرائض عائد کیے اور حقوق حاصل ہوئے ان فرائض کی سرانجام ہی اور حقوق کی ادائیگی کا نام دنیا ہو دنیا کی سب سے پہلے ضرورت کسب معاش ہو جو ایک محدود دار قلیل طبقہ کو چھوڑ کر ہر ایک انسان کیلئے ضروری ہو۔ عیسائیت بدھ مت اور ہندو دہرم رہبانیت سکھاتے ہیں لیکن اسلام مدارج روحانی و اخروی کے علاوہ آسائش جسمانی اور وقار دنیوی حاصل کرنے کا بھی حکم دیتا ہو۔ اسلام نے حرفت زراعت اور تجارت کو پسند کیا ہو حکم نبوی ہے کہ خدائے تعالیٰ پیشہ ور مومن کو پسند کرتا ہو کھیتی کرو کیونکہ کھیتی میں برکت ہو۔ اے گروہ قریش یہ اور اس کے ساتھی تجارت میں تم پر غلبہ حاصل نہ کرلیں کیونکہ تجارت

آوارہ مال ہے۔ اے اللہ ہمیں مال میں برکت عطا فرما اور ہم کو اس سے جدا نہ کر اگر مال نہ ہو تو نہ ہمارا روزہ ہو سکتا ہے نہ نماز اور نہ ہم میں فرائض الٰہی ادا کرنے کی طاقت ہو سکتی ہے۔ سب سے زبردست فرمان دیکھئے ارشاد ہوتا ہے قریب ہے کہ محتاجی کفر تک پہونچ جائے۔ محتاجی دونوں جہان میں وبال ہے۔

ناقابل انکار حقیقت اور مسلمہ صداقت ہے کہ دولت ایسی چیز نہیں جس کو بنظر حقارت دیکھا جائے جسمانی آسائش و آرام سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے تب بھی اعلیٰ درجہ کے ملکوتی قویٰ اسی کی بدولت شگفتہ ہوتے ہیں سخاوت، دیانت، امانت، زکوٰۃ، حج، کفایت، انصاف، عدالت، حسن انتظام، خیرات صلہ رحم کیا یہ عمدہ عمدہ صفتیں بغیر دولت کے پیدا ہو سکتی ہیں یہی وجہ ہے کہ بودھ کہتا ہے اپنے جسمانی قویٰ کو مردہ کر لو۔ عیسائی کہتا ہے اہل ثروت آسمانی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ہندو کہتا ہے ویران سنسان بیابان میں سنیاسی بن کر بیٹھ جاؤ۔ لیکن مسلمان کہتا ہے روزی کماؤ کفایت شعاری کرو خیرات و صدقہ و زکوٰۃ دو دوسروں کی امداد کرو خود بھی آرام سے رہو اور دوسروں کو بھی آرام پہونچاؤ اور فطرت عالم کے قانون کو شکستہ کرنے کی جرأت نہ کرو مال کو بیجا صرف نہ کرو دوست احباب عزیز و اقربا و اولاد و والدین سب کی خبر گیری کرو محبت مال میں گرفتار ہو کر دوسروں کی ہمدردی سے کنارہ کش نہ ہو حُبُّ الدُّنْیَا رَاْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ۔

نشہ کی خرابیاں انسان کے لئے نشہ کا استعمال ایک زبردست خود آوردہ مصیبت اور بزرگترین آفت ہے کیونکہ خداتعالیٰ نے نوع انسانی کو دیگر حیوانی شرکاء سے شرف و امتیاز صرف عقل و دانش کی وجہ سے عطا فرمایا ہے عقل کی وجہ سے انسان اچھے کو اچھا اور برے کو برا جانتا ہے اگر کسی طرح کے نشہ کا انسان عادی ہو جاتا ہے تو بزرگترین عطاء خداوندی کو کھو بیٹھتا ہے اور وہی کام کرنے لگتا ہے جو دیگر حیوانات و بہائم کرتے ہیں بلکہ بدی کرنے میں ان سے بڑھ جاتا ہے وہ تمام افعال اس سے سرزد ہونے لگتے ہیں جنمیں سے بعض تو حیوانات کرتے ہیں اور بعض افعال قبیحہ کا ارتکاب جانور بھی نہیں کرتے ہم دن رات ایسی خبریں سنتے رہتے ہیں بلکہ ایسے اکثر واقعات ہمارے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں کہ فلاں نشہ باز نے جرم قتل یا سرقہ یا زنا بالجبر وغیرہ کا ارتکاب کیا اگر اس کو عقل و دانش سے کوئی بہرہ حاصل ہوتا تو کس طرح یہ ہلاکت آفریں حرکات اس سے سرزد ہوتیں۔ ایک شراب فروش کہتا تھا کہ میں نے ایک واعظ کو کہتے ہوئے سنا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص رات کو نشہ میں پڑا رہتا ہے وہ رات بھر شیطان کی دلہن بنا رہتا ہے میں نے کہا شیطان کی کیا آدمیوں کی بھی دلہن ہوتا ہے کیونکہ جو لوگ نشہ بازوں کے ساتھ رہتے ہیں وہ ان کے ساتھ فسق و فجور کا بھی ارتکاب کرتے ہیں اور نشہ بازوں کو پتہ بھی

نہیں چلتا۔ نشہ عزت و شرافت کا دشمن و قار و حیا کا مخالف اور شرم و ایمانداری کو تباہ کرنیوالا ہے جو شخص اپنی عقل برباد کر ڈالے اپنے احساس کو کھو دے اسمیں کونسی انسانی صفت باقی رہ سکتی ہے آدمی اس کو ذلت کی نظر سے دیکھتے ہیں ذلیل طبقہ کے لوگ اس کا مذاق اُڑاتے ہیں بچے اُس کو دھکے دیتے ہیں اسکو اپنی بدافعالی سے گھن نہیں آتی نہ وہ بے شرمی کی باتوں سے باز رہتا ہے نشہ باز اکثر اپنی ہی نجاست کو سر کے نیچے تکیہ کی طرح رکھ لیتا ہے پیشاب کو بستر بنا لیتا ہے اوندھے مُنھ گندی نالیوں میں پڑا رہتا ہے اس کو نہیں معلوم ہوتا کہ میں خود اپنے ساتھ کیا کر رہا ہوں نہ وہ یہ جانتا ہے کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر اسلام میں شراب کا نام ام الخبائث اور اس کا آثام ہے درحقیقت شراب تمام بدافعالیوں کی جڑ اور گناہوں کا سرچشمہ ہے۔ مذکورہ بالا ہر دو آیات میں خمر سے مراد ہر وہ شربت ہے جو نشہ آور ہو اسمار والقاب کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں جو چیز ممنوع ہے وہ نشہ آور چیز ہے نشہ آور چیز کی حرمت ان دونوں شخصوں کے حق میں برابر ہے جن پر نشہ تاثیر کرتا ہو یا نہ کرتا ہو کیونکہ نشہ آور چیز حرام ہے نشہ پیدا کرنے سے کوئی تعلق نہیں۔ نشہ میں اگرچہ بہت سی خرابیاں ہیں جو برائیاں مسکرات میں پوشیدہ ہیں انکے مقابلہ میں یہ خرابیاں ہیچ ہیں۔ بنتھم انگریز متوفی ۱۸۳۲ء کہتا ہے کہ اسلامی شریعت کی ایک بہترین خوبی حرمت شراب ہے ہم دیکھتے ہیں کہ باشندگان افریقہ میں سے جو لوگ شراب پیتے ہیں بالآخر انکی نسل مالیخولیا میں مبتلا ہو جاتی ہے اسی طرح جو یورپین شراب کے خوگر ہوتے ہیں ان کے دماغ میں بھی خرابی پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا اہل افریقہ کے لئے شراب کی ممانعت بہت ضروری چیز ہے اور یورپین طبقہ کو بھی سخت ترین سزا دینی چاہئے تاکہ ضرر کی برابر اسکی سزا بھی ہو جائے۔ آج جدید تحقیقات مسکرات کی وہ خرابیاں ثابت کر رہی ہے جو متقدمین کو بالکل معلوم نہ تھیں۔ ڈاکٹر پوجانس کا قول ہے کہ شراب کا خوگر ہونا قطع نسل کا سبب ہے ظاہر ہے کہ دلدادگان شراب عموماً فربہ اندام ہوتے ہیں۔ مانیوس ڈینکن اپنی ڈائری بک میں عورت کے لاولد ہونے کی تحقیقات کرتے ہوئے ایک عورت کا قصہ نقل کرتا ہے جو شراب کی عادی تھی اور سالہا سال سے لاولد تھی بدن میں کوئی ایسی علت نہ تھی جو اس تباہی کا باعث ہو سکتی بالآخر اس کا علاج کیا گیا ایک سال تک شراب قطعاً بند کر دی گئی اور وہ حمل پذیر ہو گئی۔ ڈینکن مذکور مرد و عورت دونوں کے واسطے عموماً کہتا ہے کہ فوریل کی رائے بھی اسی تحقیقات کی تائید کرتی ہے کہ شراب نسل کو کم کرتی ہے محقق مذکور نے روس کے چند صوبجات کی مثالیں بھی بیان کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جو صوبہ شراب کا زیادہ

خوگر ہے وہ آبادی میں بہت کم ہے ڈینکن یہ بھی کہتا ہے کہ شراب کی کثرت اعصاب کے ڈھیلے ہوجانے کا سبب ہے پروفیسر ریمنٹن کی یہ رائے ہے کہ شراب سے حرام مغز کے مرکز میں ایک ہیجان پیدا ہوجاتا ہے جس میں ذکاوت ہوجاتی ہے اور مرکز پشت کمزور پڑ جاتا ہے شکسپیر کی رائے بھی اسی کی موید ہے چنانچہ شکسپیر کہتا ہے کہ شراب سے خواہشات نفس میں ابھار ضرور ہوجاتا ہے لیکن اس سے تکمیل افعال میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ ڈینکن یہ بھی کہتا ہے کہ سمیت (الکحول) پیدا ہوجانا شراب کے خوگر ہوجانے کا لازمی نتیجہ ہے خواہ علی التواتر استعمال کی جائے یا ناغہ کرکے۔ شراب سے صرف نشہ ہی نہیں پیدا ہوتا جسکی تاثیر کچھ دیر کے بعد زائل ہوجاتی ہے بلکہ شراب کے خوگر ہونے سے ایک کھلا ہوا خاص اثر اس شخص پر بھی پڑتا ہے اور اس کی اولاد پر بھی۔ شخصی اثر تو شراب خوار اور دیگر اشخاص سب ہی جانتے ہیں باقی نسلی اثر یہ ہوتا ہے کہ شرابخوار کے بدن سے شراب کی تمام سمیت اور امراض منتقل ہوکر اسکی اولاد تک پہنچتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرابخوار کی ذات کے لئے اُس کے اہل وعیال کے لئے اور بالآخر تمام قوم اور بنی نوع کے لئے شراب بڑی خطرناک چیز ہے۔ جس بچہ کے والدین شراب کے عادی ہوں وہ اگرچہ شراب پیتا ہو مگر عام بدنی کمزوری کے اثرات اس کو ضرور برداشت کرنے ہوتے ہیں اور وہ مختلف تکالیف و مصائب امراض کا نشانہ بنا رہتا ہے اور کبھی ان امراض کی انتہا یہاں تک ہوتی ہے کہ دماغ میں خرابی ہاتھ پاؤں میں بیجسی اور اولاد سے محرومی نصیب ہوتی ہے۔ ٹومیف مارسیہ کراٹر ڈاگرین خوزینہ لانسٹر یار فیر دیہ وغیرہ نے تجربات سے اس انتقال میراثی کو ثابت کر دکھایا ہے۔ شراب کی تاثیر چونکہ خصوصیت کے ساتھ نظام عصبی پر ہوتی ہے اس لئے شرابخواروں کی اولاد عموماً عصبی المرض میں مبتلا ہوتی ہے پٹھوں کی جڑوں میں بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں یا صرف عصبی نظام کے فرائض میں ہی اختلال ہوجاتا ہے۔ اس رو سے امراض کا اثر شکم مادر میں بچہ پر ہلاکت انگیز صورت میں ہوتا ہے اور پیدا ہونے کے بعد بھی قایم رہتا ہے بہت سے خاندان اسکی وجہ سے دو یا تین پشتوں میں تباہ ہوجاتے ہیں۔ مذکورہ بالا امراض کے علاوہ شیفتگان شراب کی اولاد گوناگوں جسمانی بدصورتیوں میں مبتلا ہوجاتی ہے سر کا پیالہ ہموار و درست نہیں ہوتا یا چھوٹا ہوجاتا ہے قد چھوٹا رہ جاتا ہے قوئ عقلیہ کی نمو میں مختلف خرابیاں یا تاخیر ہوجاتی ہے مثلاً قوت حافظہ کی کمزوری کند ذہنی بچپن کی حالت کا بدستور سابق لقار۔ ایسی اولاد اکثر ہسٹریا اور دیگر عوارض و امراض دماغی میں مبتلا ہوجاتی ہے بنابریں اگر شرابخوار شرابخواری کی عادت سے باز نہ رہیں تو ان کو اس خوف سے شادی سے روک دینا چاہیئے کہ کہیں مرض واپس نہ آجائے۔

میں کہتا ہوں کہ جن نقصانات کا آج موجودہ تحقیقات نے انکشاف کیا ہے انکے متعلق ہمارے

تیرہ سو برس پہلے قرآن حکیم کا فیصلہ کرچکا ہے کہ یسئلونک عن الخمر و المیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما یعنی شراب اور جوئے کے گناہ منافع سے بہت زیادہ ہیں۔ خداتعالیٰ نے شراب قمار کے نقصانات کو بلفظ اثم ایک جگہ جمع کردیا ہے اسکے بعد فرمایا ہے کہ ان دونوں کا گناہ فوائد سے بڑا ہے فوائد سے مراد یہ ہے کہ شراب پینے اور جوا کھیلنے میں کیف و لطف حاصل ہوتا ہے نوجوان لڑکوں تک اسکی وجہ سے رسائی ہوجاتی ہے ان کی سوسائٹی حاصل ہوکر مطلب براری ہوجاتی ہے یا ان منافع سے وہ مالی منافع مراد ہیں جو شراب بیچنے اور جوا کھیلنے سے حاصل ہوتے ہیں باقی اس سے جسمانی صحت مراد نہیں ہے۔ دیکھو لفظ میسر کو خمر کے ساتھ ملاکر بیان کیا گیا ہے اگر صحت بدنی کے منافع مراد ہوتے تو صرف خمر کو ذکر کیا جاتا قمار کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ جوا کھیلنے سے کسی طرح کی بدنی صحت کو ترقی نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ شیفتگان شراب جو اس آیتہ سے صحت بدنی کے متعلق استدلال کرتے ہیں وہ محض غلط ہے نہ ظاہر آیات کے موافق ہے نہ احادیث کے حدیث میں شراب کو بطور دوا کے استعمال کرنے کی ممانعت آئی ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ شراب میں کسی طرح صحت نہیں ہے مدیر مقتطف کہتا ہے کہ ۲۰ سال سے ہم علی الاعلان پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہر طرح کی شراب تندرستی کی مخالف ہے۔ شراب میں کوئی ایسا فائدہ نہیں جو اس کے نقصانات کے برابر ہو جن اطبا سے ہم اس موضوع پر گفتگو کرتے تھے وہ اپنی کتب بینی کی بنا پر ہماری مخالفت کرتے تھے یہاں تک کہ ایک مشہور ڈاکٹر سرابن یامین نے لندن کے ایک پبلک ہاسپٹل میں تجربہ کرکے ثابت کردیا کہ شراب مطلقاً علاج میں استعمال کرنے کے قابل نہیں ہے۔

باقی ڈاکٹر ہوجانس کا قول کہ شرابخواروں کو شادی سے روک دینا چاہئے تو یہی مضمون حدیث میں بھی آیا ہے کہ اگر کوئی شرابی تمہارے ہاں شادی کا پیام بھیجے تو تم اس کے ساتھ نکاح نہ کرو جو شخص کسی شرابی کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کریگا وہ گویا لڑکی کو زنا پر مجبور کریگا۔ درحقیقت یہ اسلام کی ان نشانیوں میں ایک نشانی ہے جن کے متعلق خداتعالےٰ اپنے کلام پاک میں فرماچکا ہے کہ سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق۔ خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو راہ راست دکھادی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم کو سیدھا رستہ نہ ملتا۔

حکومت ہائے مغرب نے اب بیدار ہوکر تمام مسکرات کا سخت ترین مقابلہ شروع کردیا ہے اور سب سے آگے آگے سلطنت امریکہ ہے۔

امریکہ نے سنہ ۱۹۲۰ء سے تمام حدود سلطنت میں شراب کی قطعی ممانعت کردی ہے اور شراب

نوشی کی بابت ایک خاص قانون بنایا ہے جس کی رو سے ہر شراب پینے والا اور خریدنے والا سخت ترین سزا کا مستحق ہے۔

سوال کی حرمت کا بیان رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے جو لوگ ہمیشہ لوگوں سے سوال کرتے رہتے ہیں قیامت کے دن ان کے چہروں پر گوشت نہ ہوگا۔ (مصابیح بروایت ابن عمر) چہروں پر گوشت نہ ہونے سے مراد انتہائی ذلت و رسوائی ہے کیونکہ سوال فی نفسہٖ اصل میں حرام ہے اس میں خدا تعالیٰ کی شکایت کا اظہار ہوتا ہے غیر اللہ کے سامنے انسان کی ذلت ہوتی ہے حالانکہ مومن کی یہ شان نہیں کہ غیر اللہ کے سامنے اپنے کو ذلیل کرے اسکے علاوہ جس شخص سے سوال کیا جاتا ہے اس کو ایذا اور تکلیف ہوتی ہے اگر اپنی عزت بچاتا ہے اور بخل کی بدنامی سے احتراز کرنا چاہتا ہے تو مال ضائع ہوتا ہے ورنہ عزت کا نقصان ہوگا اسی لیئے حضورؐ نے سوال کرنے کو امر فحش کیا ہے۔ **کس شخص کو سوال کرنا حرام ہے۔** حاملان شریعت کے اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں بعض علماء کہتے ہیں جس کے پاس ایک رات دن کا کھانا ہو اسکو سوال کرنا حلال نہیں بعض قائل ہیں کہ جو شخص کما سکتا ہو اور دن رات طلب علم میں مشغول نہ ہو اس کے لیئے سوال ناجائز ہے ایک فرقہ نے مقدار کی تعین کو لغو قرار دیا ہے کیونکہ مقدار کی تعین کے متعلق حدیثیں مختلف ہیں بہرحال اگر انسان کو بقاء حیات یا برقراری عزت کے لیئے کسی چیز کی ضرورت ہو تو اسکے لیئے سوال کرنا جائز ہے۔ مثلاً کسی کے پاس رات کا کھانا نہ ہو پہننے کو کپڑا نہ ہو یا رہنے کو مکان نہ ہو تو ان چیزوں کا سوال صرف فوری ضرورت دفع کرنے کیلیئے جائز ہے رہا آئندہ کے متعلق سوال کرنا تو اسمیں سوال کے تین درجے ہیں (۱) آج ایک چیز کی ضرورت نہیں ہے لیکن کل کو ہوگی (۲) آج ضرورت نہیں لیکن دو ڈیڑھ ماہ کے بعد ہوگی (۳) آج تو حاجت نہیں بلکہ سال بھر کے بعد ضرورت واقع ہوگی۔ مؤخر الذکر صورت تو قطعی ناجائز ہے اور متوسط الذکر بعض صورتوں میں جائز ہے اور بعض میں ناجائز مثلاً اگر یہ خیال ہو کہ ایک ماہ کے بعد لامحالہ سوال کرنا پڑیگا اسوقت دینے والا نہیں ملے گا اور بیوی بچے بھوکے مریں گے اور کوئی دوسری سبیل کا ممکن نہ ہوگی تو سوال کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز۔ اب ہی اول الذکر کی صورت تو اس کے متعلق انسان خود اندازہ کر سکتا ہے کہ مجھے ضرورت ہے بلا ضرورت مانگنا تو ذلت ہے جس کی سخت ممانعت اور ضرورت کے باوجود نہ مانگنا خودکشی ہے جو قطعاً حرام ہے۔

کون شخص غنی ہے۔ حسن بصریؒ اور ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ جس شخص کے پاس دس روپیہ ہوں وہ غنی ہے۔ ثوریؒ ابن مبارکؒ اور احمد بن حنبلؒ قائل ہیں کہ جسکے پاس ساڑھے بارہ روپیہ ہوں وہ

غنی ہے۔ حنفیہ کا قول ہے کہ آدمی اگرچہ تندرست اور طاقتور ہو لیکن اسکے پاس نصاب زکوٰۃ موجود نہ ہو تو
اُس کو خیرات دینا جائز ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حنفیہ کا قول ہے کہ جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا
ہو اس کو سوال کرنا حرام ہے فتاوی خانیہ میں ہے کہ صبح شام کے کھانے کی قدرت صبح شام کا کھانا
مانگنا حرام کر دیتی ہے لیکن کُرتے پاجامہ کا سوال ایسی حالت میں بھی جائز ہوتا ہے۔ نخعی کہتے ہیں کہ ایسے
ہٹے کٹے فقیر کو سوال کرنا حرام ہے خواہ سوال کھانے کا ہو یا کپڑے کا۔ حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو دیکھا کہ مغرب
کے بعد کچھ مانگ رہا ہے آپ نے خادم کو حکم دیا کہ ایک وقت کا کھانا اس کو دیدے خادم نے دیدیا لیکن وہ فقیر
پھر بھی مانگتا رہا اس پر حضرت عمرؓ اُٹھے اور اُس کی تلاشی لی تو اُس کی بغل میں ایک تھیلا روٹیوں
سے بھرا ہوا ملا آپ نے فرمایا تو سائل نہیں ہے بلکہ سوداگر ہے پھر اُس کا تھیلا چھین کر روٹیاں بیت المال
کے اونٹوں کے سامنے ڈالدیں اور اُس فقیر کو کوڑے لگوائے اس سے ثابت ہوا کہ اگر کسی کا سوال
خلاف شرع ہو اور ضرورت نہ ہونے کے باوجود وہ سوال کرے تو اسکی تادیب و توبیخ جائز ہے۔ رہی یہ بات
کہ قرآن میں سائل کو تنبیہ کرنے کی ممانعت آئی ہے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ توبیخ و زجر کی ممانعت صرف
اُس صورت میں ہے جبکہ اُس کا سوال حدود شرع کے اندر ہو خلاف شرع نہ ہو۔ حضرت ابراہیم نخعی ایسے
سائل کے متعلق کہتے ہیں کہ سائل طلب آخرت ہے۔ ابراہیم ادہمؒ کہتے ہیں کہ ایسا سائل کیا ہی اچھا ہے
کہ ہمارا توشہ اٹھا کر آخرت کی طرف لے جاتا ہے، لہذا مناسب ہے کہ جائز سوال کرنے والے کی
حتی الامکان حاجت روائی کرے اگر حاجت روائی ممکن نہ ہو اور کچھ پاس نہ ہو تو اسکو نہایت نرمی سے
ٹالدیا جائے سخت ترش روئی کا برتاؤ نہ کیا جائے ہاں اگر اس معذرت کے بعد بھی وہ اڑا رہا اور ضد کرے
تو اُس کو جھڑکنا جائز ہے۔ اگر کوئی سائل مسجد کے اندر صفوں میں گشت لگا کر مانگتا ہو یا خطبہ کے وقت
کچھ طلب کرے یا اپنے سوال سے لوگوں کی نمازیں خراب کرے تو اس کو دینا بالکل ناجائز ہے۔ رسول اللہؐ
نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن منادی ندا کریگا کہ خدا کے دشمن کھڑے ہو جائیں اسوقت سوائے
مسجدوں میں سوال کرنے والوں کے اور کوئی کھڑا نہ ہوگا۔ کیونکہ مسجدیں صرف نماز کے اور یاد الٰہی
کے لیئے بنائی گئی ہیں۔ کمائی کے لیئے اور اللہ تعالے کی شکایت کے لیئے نہیں ہیں۔

سوال ہر طرح کا حرام ہے۔ رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ ابوذرؓ اور ثوبانؓ سے فرمایا تھا کہ کسی
سے سوال نہ کرنا اگرچہ تمہارا کوڑا گر پڑے (اُس کو بھی کسی سے نہ اُٹھوانا) چنانچہ صحابہ کا یہی حال تھا کہ اگر
خود اونٹوں پر سوار ہوتے اور کوڑا ہاتھ سے چھوٹ جاتا تو خود اتر کر اٹھاتے کسی سے اٹھانے کی التجا
نہ کرتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال حرمت مال ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ ہر قسم کا سوال ممنوع ہے

بلکہ جب تک خود ممکن ہو کسی شخص سے کسی کام کی خواہش کرنی ہی ناجائز ہے۔ درحقیقت سوال ایک قسم کی ذلت ہے اور عزت نفس کے مخالف ہے اور اپنی کمزوری کا اظہار ہے اس لیے اسلام نے جہاں تک ممکن اور مناسب تھا انسداد گداگری کا حکم دیا کمائی کے فوائد اور اخروی ثواب بیان کیے سوال کے نقصانات اور اخروی عذاب سے ڈرایا تاکہ تا کہ انسان اپنے پسینہ کی کمائی کھائے کسی دوسرے کا دست نگر نہو کسی پر بار نہ ہو دوسروں کی کفالت کرے کسی کی کفالت پر بھروسہ نہ کرے اور خدا کے عطا کردہ اعضار کو بیکار چھوڑ کر ناشکر بندہ نہ بنے۔ گداگری کی بندش جس قدر اسلام نے کی دنیا کے کسی الہامی مذہب نے نہیں کی کیونکہ دیگر مذاہب میں گداگری اور ذلت نفس جائز نہیں بلکہ واجب ہے صرف ایک اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو انسان کو خوددار عزیز النفس اور باغیرت بناتا ہے تمام قوی انسانی کو فطرت کے مطابق کام میں لانے کا حکم دیتا ہے کسل و کاہلی اور رہبانیت کی ممانعت کرتا ہے اور انسانیت کا منتہائے نظر اس گرامی مقصد کو بتاتا ہے جس کا دوسرے مذاہب میں کہیں پتہ نہیں۔

فضول خرچی کا بیان اور اعتدال کا حکم

اسراف و تبذیر کا فرق۔ اسراف اُس فضول خرچی کا نام ہے جو باوجود استطاعت اور طاقت کے کی جائے مثلاً ایک شخص کو طاقت تو سو روپیہ خرچ کرنے کی ہے مگر اسکا وہ کام جس پر وہ خرچ کرنا چاہتا ہے پچاس روپیہ میں نکل سکتا ہے تو ایسی صورت میں اگر وہ سو روپیہ خرچ کریگا تو مسرف کہلائیگا اور تبذیر کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص کو طاقت پچاس روپیہ خرچ کرنے کی نہیں لیکن وہ کرتا ہے یہ شخص مبذر ہے ان دونوں کی سزا میں بھی اختلاف ہے مبذر کو شیطان بھی کہا گیا ہے اور مسرف کے متعلق حکم ہے کہ خدا اُسکو دوست نہیں رکھتا۔

جس چیز کو ہم اسراف کہتے ہیں وہ بالفاظ دیگر اعتدال کی ضد ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر انسان اپنی برداشت اور طاقت کے موافق مکلف ہے۔ کسی شخص پر خدا تعالیٰ اس کے حوصلہ اور قوت سے زیادہ بار عمل ڈالنا نہیں چاہتا ہے (۲) یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر۔ یہ فخر خصوصیت کے ساتھ صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس کی تمام تعلیم میں سہولت مصلحت اور حکمت پر مبنی ہے اسلامی تعلیمات اور حضور اکرمؐ کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معلومات ہی میں نہیں بلکہ عبادات و خیرات میں بھی ایک خاص میانہ روی کی ہدایت کی گئی ہے۔ خیر الامور اوسطہا درحقیقت ایک ایسی بے نظیر موعظت ہے کہ اگر مسلمان اس پر عمل پیرا ہوں تو آج ان کی تمام پریشانیاں اور ان کی کمزوریاں رفع ان کی رسوم درست۔ عادات قبیحہ متروک اور فضول خرچیاں مسدود ہو جائیں

لیکن افسوس کہ بدقسمتی سے ہم اسلامی تعلیم سے اس قدر نفور ہیں کہ ایسے خیالات وتحریکات کے پاس سے نہایت تیزروی کے ساتھ گذر جاتے ہیں ہماری فیشن ایبل جماعت اسراف کی دلدادہ ہماری معاشرت تمدن اور تہذیب فضول خرچیوں کی خوگر اور تمام ضروریات زندگی میں ہمارے بربادکن مصارف ہماری تباہی کا موجب بنے ہوئے ہیں خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام صرف اعتدال کا نام ہے رسول اللہ نے ہم کو وہ مواقع بتا دیئے ہیں جہاں اور جس قدر روپیہ پیسہ صرف کرنا ہماری دنیا و آخرت کیلئے مفید ہوسکتا ہے ہم اپنے رسومات قبیحہ میں جس بیفکری یا بیدردی سے اسراف کرتے ہیں اسکے نتائج بدبخوبی دیکھ چکے ہیں اوران ناشائستہ حرکات یا خلاف ورزی شریعت کی بدولت ہمارے متمول اور مقتدر طبقہ کی ضعیف انحطاط پذیر حالت ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ جائدادیں تباہ ہوگئیں عزتیں ذلتوں سے تبدیل ہوگئیں نان شبینہ کی احتیاج اور ستر پوشی کے لائق کپڑے کی ضرورت یہ ایسی چیزیں ہیں جنہوں نے دولت عزت ثروت اور مرفہ الحالی کی جگہ لے لی لیکن افسوس اب بھی ہم نے تعلیم اسلامی پس پشت ڈال رکھی ہے فیشن ایبل طبقہ بوٹ سوٹ کا دلدادہ مفلر اور نیک ٹائی کا شیفتہ تسری اور ریشمی جرابوں کا غواہشمند بہترین فرنیچر اور قیمتی اسباب آرائش کا عاشق ہے ریس کے لیئے روپیہ ہو دیگر قمار بازی کے لیئے روپیہ ہو روزمرہ کی معاشرت کے لیئے روپیہ ہو اگر کچھ معمولی سی بھی ہستی ہے تو اپنی موٹر ہو ورنہ کرایہ کی کار ہو یہ نئی روشنی کی تعلیم ہی چراغ کے نیچے اندھیرا ہے اس اندھیر نگری میں جا و بیجا اور جائز و ناجائز میں مطلق تمیز نہیں فیشن کی عینک دراصل جس رنگ کی تھی دنیا و مافیہا اسی رنگ میں پیش کر رہی ہے اب رہا پرانے خیالات اور اولڈ فیشن والا طبقہ تو وہ اگرچہ ان فضولیات سے محفوظ ہے لیکن شادی غمی میں بیدریغ روپیہ کی بربادی جائداد کو رہن رکھنا اوران کے روپیہ کو بیہودہ اور ناجائز صورت سے تباہ کرنا اور بالآخر تمام سرمایہ حیات کا دوسری قوموں کے قبضہ میں پہونچ جانا اور خود نان شبینہ کو محتاج ہوجانا یہ وہ دردناک منظر ہے جسکے دیکھنے کی دردول رکھنے والے مسلمان کو تاب نہیں۔ آہ انصاف اٹھ گیا دماغ معطل اور عقلیں خیرہ ہوگئیں قوی ادراک بےحس ہوگئے مسلمانوں کی جیبیں ہیں اور غیر لوگوں کی قینچیاں۔ اسپر مسلمانوں کی غفلت اور جمود حواس انتہائی افسوسناک ہے۔ شریعت اسلامی تو ہم کو اعتدال و میانہ روی کے تعلیم دینے کے لیئے کہتی ہے کہ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا اور ہم ہیں کہ اس کفرالٰہی کی طرف راغب ہیں درحقیقت مومن کے لیئے مال کو سپرد کیا گیا ہے جسکو وقت ضرورت کے استعمال کرنا ہی مفید اور نجات بخش ہوسکتا ہے اور وقت بے وقت خواہ مخواہ پھینکدینے سے ضرورت کے وقت پشیمانی اٹھانی پڑتی ہے۔ اور تو اور قرآن حکیم ہم کو صدقات و خیرات کی بھی ایک

خاص حد تک تعلیم دے رہا ہے تاکہ ہماری جود و بخشش بھی اس سے متجاوز نہ ہو چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ الخ یعنی اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑ لو کہ گویا گردن میں بندھا ہے اور نہ بالکل پھیلا ہی دو اگر ایسا کروگے تو تم ایسے بیٹھے رہجاؤگے کہ لوگ تم کو ملامت بھی کرینگے اور تم تہی دست بھی ہو جاؤگے پس جو لوگ خیرات و صدقات کو اپنی وسعت و حیثیت کے موافق جاری نہیں رکھتے اور جو حضرات اپنی طاقت و قوت سے بڑھ جاتے ہیں دونوں خطا وار ہیں۔ اول میں بخل، کنجوسی اور قساوت قلبی کا ثبوت ہے اور دوم میں نام آوری، شہرت اور بیوقوفی کا مظاہرہ۔ میرے عزیز رسول اللہ بابی و امی ہم کو سادگی و اقتصادی زندگی کی تعلیم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ مجھ کو تکلف کرنا نہیں آتا یاد رکھو کہ مسلم کی شان سے بعید ہے کہ وہ مسرف ہو اور ایک خدا کے مقرر کردہ حدود سے آگے نہیں بڑھا کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ مسرف لوگ دوزخی ہوتے ہیں۔ مسلم کو خدا کا یہ فرمان ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ (فضول خرچی مت کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والوں سے خدا کو محبت نہیں) دنیا میں عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنے کے لیئے اور آخرت میں بقاء دوام اور لازوال احترام کے لیئے میانہ روی اور اعتدالی زندگی کی عادت ڈالنی نہایت ضروری ہے۔ جادۂ اعتدال سے ہٹنا ہماری دنیوی و اخروی زندگی پر تباہ کن اثر ڈالتا ہے ہماری طبیعت میں ہلاکت انگیز خباثت پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے ہماری اخلاقی، مادی اور روحانی طاقت نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ سچ ہے مال کی فضول خرچی درحقیقت جسم روح دنیا اور دین کی فضول خرچی ہے جس کا نتیجہ تباہی دارین ہے کیا اچھا ہے وہ حکم جواب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے دیا گیا تھا کہ خیر الامور اوسطہا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انسانی جماعتوں کی خوشحالی و فارغ البالی بہت کچھ موقوف ہے اُنہیں کے آپس کے تعلقات کی درستی پر اور کسی سوسائٹی کے خوشگوار حالات و معاملات میں باہمی یگانگت و محبت کا عمدہ برتاؤ اور اچھا رکھ رکھاؤ بین ثبوت ہے اس بات کا کہ ان میں اخلاق اور رواداری کا سکہ رائج ہے پھر اگر یہ مسئلہ صراحت سے معلوم ہے کہ قومی زندگی اور خیرات تمدنیہ کی روح اخلاق ہے تو آپ کو ماننا پڑیگا کہ اس سے زیادہ صداقت اس میں ہے۔ اخلاق کی جان حریت رائی۔ استقامت خیال۔ صداقت سخن۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر۔ پاسداری قول۔ لومت لائم سے بے خوفی اور فعل موافق قول یا قول موافق فعل ہے۔

انسانی جماعتوں کی ساری دنیاوی اور دینی چہل پہل اور حیات بشری کی ساری فلاح و بہبود اسی میں ہے کہ وہ اس نعمت گرانقدر کے حصول کی کوشش میں مصروف ہو۔ یہ سچ ہے کہ اخلاق کی یہ روح ہزاروں

ہی خطرات سے معمور ہے مگر پرواہ نہ ہونی چاہیئے اگر صداقت و حریت کے لئے جلتی ہوئی آگ میں کود جانا پڑے دہکتے ہوئے شعلوں کی غذا بنجانا پڑے غم نہ ہونا چاہیئے اگر کشاکش روزگار ہر لمحہ حیات کو تلخ کامی سے گداز کرے رنج نہ ہونا چاہیئے اگر صداقت کے شیریں چشمہ کو بہانے کے لئے زہر کا پیالہ ہی پینا پڑے کیونکہ یہ شرف ہی انسانیت کا عزت ہے قومیت ہے فخر ہے دنیا کا اور سعادت ہے دین کی۔ وہ انسانیت کیا وہ قومیت کیا جس میں سچی حریت اور صداقت نہ ہو۔

قوم کے نظام عمل اور نظم اخلاق کیلئے اس سے زیادہ شرمناک صورت اور کیا ہوگی کہ خطرات کا خوف شدائد کا ڈر۔ عزت کا پاس تعلقات کے قیود اس کے حقیقی احساس و افکار اس کے ایمانی صدق ارادہ کو اپنے میں جذب کرلیں اور وہ حق کی حمایت میں ایک لفظ نہ بول سکے۔ پھر وہ بھی کیا انسان کہلانے کا حق رکھتا ہے جس کا آئینہ ظاہر باطن کا عکس پذیر نہ ہو جس کا قول اعتقاد قلبی کی غلط ترجمانی کرے اور جسکی زبان دل کی سفارت نہ کرسکتی ہو یا کم ازکم جس کے افعال اُس کے اقوال کے نقیض ہوں جبکہ اعتبار نفس انسانیت سے گم ہوگیا جب فعل مخالف قول اور قول مخالف اعتقاد ہوگیا تو کیا شک ہے اگر نظام خصوصیت اسلامی بکھر جائے اگر شیرازہ قومی منتشر ہو جائے۔

آپ توریت کے اسفار دیکھیں زبور کی دعائیں پڑھیں یسوع کی تعلیمات اخلاقیہ ملاحظہ کریں کوئی شک نہیں کہ خاکساری انکساری ظلم کی برداشت تحمل درگذر عفو و کرم کی بہت نظر فریب مناظر اور سراب صفت مظاہر نظر آئیں گے لیکن ان میں اول اصول اخلاق کا پتہ نہیں چلے گا جو قومیت کی بنیادوں کو مستحکم اور شاندار بنا لینے کے لئے خودداری سربلندی حق گوئی اور حق پژوہی کے جوہر پیدا کرسکیں اسکی تو وہ قانون نظیر ہو سکتا ہو جس کی رو سے حق کے لئے آقا غلام بادشاہ و گدا عالم جاہل غیر عزیز بلکہ اپنا نفس سب یکساں اور برابر معلوم ہوں۔

پھر صداقت و حریت پرستی راست گوئی اور حق پسندی وہ چیز ہو جس کو نہ تلوار کاٹ سکتی ہے نہ آگ جلاسکتی ہے نہ اپنوں کی محبت عزم عمل میں حارج نہ خوف ظالم ارادہ کی تکمیل سے مانع یہ کیوں صرف اس لئے فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لھا۔ اُس نے ایسے مضبوط قبضہ کو پکڑا ہے جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا۔

سچی تعلیم ہو کہ اگر خدا و شیطان حق و باطل معروف و منکر اور خیر و شر کا مقابلہ ہو تو مسلمان کو رضائے الٰہی نصرت حق امر معروف نہی منکر اور دعوت خیر کیلئے اپنے کو وقف شہادت کر دینا چاہیئے کیونکہ اظہار حق کے لئے لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں ہو سکتی اس غرض سے

میں مسلمان ہی کا دل حق کا خزانہ ہو سکتا ہی صداقت کے لئے اُس کی زبان رواں ہو سکتی ہے محبت کے لئے اسی کا سینہ گنجینہ بن سکتا ہے اور اسکے اعمال اقوال کے مطابق یا گفتار اطوار کے موافق ہونی چاہئے لیکن آہ ثم آہ اس زمانہ میں اُس کا سینہ باطل کا نشیمن ہے۔ اُس کا دل نفاق کا مرکز ہی اور اس کا ضمیر کتم حق کا ٹھیکیدار ہی۔ قرآن تو پکار کر کہہ رہا ہے کہ یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین۔ مسلمانو تم حق پر قایم رہو اور خدا کے گواہ رہو گو یہ گواہی تمہارے نفس یا تمہارے والدین یا عزیز واقارب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو) اب ذرا منہہ گریبان میں ڈالکر دیکھئے اپنے نفس کا ذرا جائزہ لیجئے اپنے اعمال و افکار محاسبہ کر کے بتائیے کہ کیا یہ وہی مجسمہ انسانیت و شرافت ہے کیا یہ وہی پیکر حریت و صداقت ہی جسکے لئے کہا گیا تھا کہ لِمَ تقولون ما لا تفعلون۔

عبث ہے قوم کا رونا بیکار ہی موجودہ حالت پر مرثیہ خوانی کرنی۔ ضرورت احساس عمل کی ہے اعمال کو اقوال کے موافق بنانے کی اقوال کو ضمیر کے مطابق بنانے کی ہی۔ یاد رکھو کہ اگر ایک انسان وہ انسان جو دلدادۂ اسلام ہو اپنی حالت درست کرے تو تمام قوم کا شیرازہ بندھ جائے۔

کم ہیں وہ لوگ جن میں حریت واقعی اور صداقت حقیقی جلوہ پیرا ہو پھر تعجب اور افسوس ہے کہ کوئی احتساب و اختیار نہیں۔

ہم کیا سب ہی جانتے ہیں کہ درگذر عفو تقصیر عیب پوشی، چشم پوشی، حلم کوشی بہترین اوصاف ہیں لیکن حق نیوش بھی تو اس الاصول ہی کیا تماشہ ہو اگر کسی شہر کی پولیس ان صالحانہ اخلاق پر عمل کرنا شروع کر دے یا بڑے بڑے مجرموں کی طاقت سے مرعوب ہو کر عدالت فرائض میں کوتاہی کرنے لگے تو کیا اس کا نظام امن درہم برہم نہ ہو جائے گا۔ کیا قتل و خونریزی چوری اور سفاکی اور فتنہ و فساد کی آگ اطراف عالم میں نہ بھڑک جائے گی۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے نمونہ عمل بنائی گئی ہو اچھی باتوں کی ہدایت کرتے رہو اور بری باتوں سے منع کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر اولئک ھم المفلحون لیکن دوسروں کو نصیحت کرنے سے قبل وہ ہستی جس کا ہم کو سب سے پہلے محاسبہ کرنا چاہئے جسکے افعال پر سب سے پہلے تنقید کرنا چاہئے وہ اپنی ہستی ہے اگر تم کسی پر عیب چینی اور خوردہ گیری کر رہے ہو تو پہلے

اپنے باطن کے آئینہ میں جھانک کر دیکھو کہ تمہاری شکل تو کہیں ویسی ہی نہیں ہے تمہارے اندر تو کہیں اس جنس کاسہ کا ڈھیر نہیں لگا ہے۔ کیونکہ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ خدا کو یہ بات ناپسند ہے کہ جو تمہارا قول ہو وہ فعل نہ ہو۔

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم۔ تو کیا تم دوسروں کو تو نیکی کی ہدایت کرتے ہو اور خود اپنے نفوس کو بھول جاتے ہو۔ کیونکہ خوف ہے ڈر ہے شرم ہے پاسداری ہے عزیز و اقارب کے تعلقات ہیں دھن دولت کی ہوس ہے جاہ و حشم کی حرص ہے عزت و حکومت کی طمع ہے اور سب سے بڑھ کر فقدان صداقت ہے۔ آج حیات مسلم لرزاں ہے ترساں ہے خائف ہے ڈرپوک ہے کیونکہ ایمان ضعیف ہے اور خدا رحیم و کریم سے دوری ہے وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۔

بقیہ مضمون صفحہ 1137 پر ہے

پانچواں باب

اسلامی اخلاق وآداب

انسان کی تین حالتیں

انسان سے جو حرکات اور افعال صادر ہوتے ہیں انکی قرآن حکیم نے تین طرح پر تقسیم کی ہے اور تینوں کے لیئے علٰحدہ علٰحدہ مبدا ٹھیرائے ہیں۔ یا یوں سمجھیے کہ قرآن شریف نے انسانی حالات کے تین سرچشمے قرار دیئے ہیں جن سے جُدا جُدا تین حالتیں نکلتی ہیں۔

پہلا سرچشمہ طبعی حالتوں کا مورد اور مصدر ہے جس کا نام قرآنی اصطلاح میں نفس امارہ ہی جیسا کہ ارشاد ہی۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ یعنی نفس امارہ میں یہ خاصیت ہی کہ وہ انسان کو بدی کی طرف لیجاتا ہی۔ جو انسانی کمال کے مخالف اور اخلاقی حالت کے برعکس ہی۔ مطلب یہ کہ انسان میں ایک جذبہ یا داعیہ یا ایک محرک ہی جو انسان کو ناپسندیدہ، پستی و ذلت اور بد راہوں پر چلانا چاہتا ہی۔ غرض بدیوں اور بے اعتدالیوں کی طرف جانا ایک حالت ہی جو انسان پر اخلاقی حالت سے پہلے اسپر طبعاً غالب ہوتی ہے۔ یہ حالت اُسوقت تک طبعی کہلاتی ہی جب تک انسان ہوش وحواس اور ادراک و شعور سے کام نہیں لیتا اور عقل و معرفت کی روشنی میں نہیں چلتا بلکہ چار پایوں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے اور جوش و غصہ دکھلانے وغیرہ امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہی اور اندھا دُھند جو کچھ جی میں آئے کرتا چلا جاتا ہی۔ لیکن انسان عقل و شعور اور معرفت آلہی کے مشورہ سے طبعی حالتوں میں تصرف کرتا ہی اور ان کو اعتدال مطلوب کی راہوں پر چلاتا ہی تو پھر ان حالتوں کا نام طبعی نہیں رہتا بلکہ اسوقت یہ حالتیں اخلاقی کہلاتی ہیں۔

انسان کی اخلاقی حالت اور نفس لوامہ

یہ دوسرا سرچشمہ اخلاقی حالتوں کا ہی جس کو قرآن شریف میں "نفس لوامہ" کہا گیا ہی جیسا کہ ارشاد ہی وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ۔ یعنی میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کام پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہی۔ یہ نفس لوامہ انسانی حالتوں کا دوسرا سرچشمہ ہی جس سے اخلاقی حالتیں

پیدا ہوتی ہیں۔ اس مرتبہ پہنچ کر انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے۔ یا انسانیت کا دروازہ یہیں سے کھلتا ہے۔ گویا انسان نفس امارہ کی پیروی سے نکل کر نفس لوامہ بنکر اپنی اس ترقی کی وجہ سے جناب الٰہی میں عزت اور مرتبہ پانے کے لائق ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ملامت کرنے والے ضمیر کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے جو انسانیت اور حیوانیت کے درمیان حد فاصل ہے۔

اس کا نام "لوامہ" اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت اور سرزنش کرتا ہے اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے طبعی لوازم میں شتر بے مہار کی طرح چلے اور چارپایوں کی طرح زندگی بسر کرے۔ بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھے حالات، اچھے افعال اور اچھے اخلاق صادر ہوں وہ اپنے شرف و امتیاز کو باقی رکھے۔ اس سے کوئی بے اعتدالی اور غلط راہ روی ظہور میں نہ آئے اور طبعی جذبات و خواہشیں عقل و مذہب کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں۔ پس چونکہ وہ برے افعال اور بری حالت پر ملامت کرتا ہے اس لئے اس کا نام نفس لوامہ رکھا گیا۔

اس حالت میں انسان نیکیوں کے بجالانے پر پوری طرح قادر نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی کبھی جذبات سے مغلوب ہو کر ناکردنی افعال کا بھی مرتکب ہو جاتا ہے۔ نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے طور پر غالب نہیں آسکتا گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو کبھی گرتا ہے اور کبھی اٹھتا ہے۔

تیسرا سرچشمہ جو روحانی حالتوں اور کیفیتوں کا مبدا ہے، اس کا نام قرآن شریف نے "نفس مطمئنہ" رکھا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۚ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ اے نفس آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی ہوا اور وہ تجھ سے۔ پس میرے بندوں میں مل جا اور میری بہشت کے اندر آجا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پا جاتا ہے۔ بدی کی قوت مردہ ہو جاتی ہے نور اک چمک اٹھتا ہے۔ نفس پر پوری طرح غالب آ جاتا ہے اور روحانی قوتیں پوری طرح بروئے کار آجاتی ہیں۔

طبعی اور اخلاقی حالتوں کا تعلق

قرآن کریم بتلاتا ہے کہ انسان کی طبعی حالتوں اور تقاضوں کے آپس میں نہایت ہی شدید تعلقات ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کے کھانے پینے کے طریقے بھی اخلاقی اور روحانی حالتوں پر اثر کرتے ہیں۔ اگر طبعی حالتوں میں شریعت کے ہدایت کے موافق کام لیا جائے تو انسان کی طبعی حالتیں سراسر اخلاقی ہو جاتی ہیں اور روحانیت پر نہایت گہرا اثر کرتی ہیں۔ اسی واسطے قرآن حکیم نے تمام عبادات

اور روحانی پاکیزگی کے لئے جسمانی طہارتوں، جسمانی آداب اور جسمانی تعدیل و تہذیب کو بہت ملحوظ رکھا ہے۔ کیونکہ جسمانی اوضاع و اطوار کا روح پر بہت قوی اثر ہوتا ہے اور روح کا اثر جسم پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے رہبانیت یعنی ترک دنیا کی سختی سے مخالفت کی ہے۔ ورنہ اسلام سے پہلے دین اور دنیا کو ایک دوسرے کی ضد اور مخالف سمجھا جاتا تھا۔ مگر سچے دیندار کی دنیا بھی دین ہی ہے اور مسلمانوں کی دین و دنیا میں حد فاصل کھینچنا ناممکن ہے۔ یہی اسلام کی وہ امتیازی شان اور مذاہب عالم پر فوقیت و برتری کی منجملہ دیگر تعلیمات کے ایک تعلیم ہے جو اسکے سچا اور فطری مذہب ہونیکی ایک بین دلیل ہے۔

چونکہ انسان کی جسمانی و طبعی حالتیں روحانی حالتوں پر بہت موثر ہیں اسلیئے قرآن شریف نے انسان کی طبعی حالتوں کی اصلاح کے لئے نہایت ہی شد و مد سے توجہ فرمائی ہے اور تکمیل ہدایت میں اسکو مقدم رکھا ہے۔ انسان کے کھانے، پینے، ہنسنے، رونے، چلنے پھرنے، خاموش ہونے، بولنے بیوی کرنے، مجرد رہنے، اور بیماری و صحت وغیرہ تمام امور طبعی کے متعلق مفصل ہدایات دی ہیں غرض مذکورہ بالا تین حالتیں طبعی، اخلاقی، اور روحانی ہیں جن کے متعلق قرآن کریم نے ہدایت دی ہیں اور یہ تقسیم صرف قرآن کریم ہی نے کی ہے۔

ظہور اسلام سے پہلے دنیا ہر ایک پہلو سے تباہ اور خراب ہو چکی تھی اور ان تین قسم کی اصلاحوں کا جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں درحقیقت یہی زمانہ تھا۔ اسی وجہ سے قرآن شریف دنیا کی تمام کتب الہامیہ اور ہدایتوں کی اکمل و اتم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ان تین قسم کی اصلاح کر کے قرآن شریف ہی نے دکھلائی باقی دنیا کی اور کتابوں کو ان تین قسم کی اصلاحوں کا زمانہ اور موقعہ ہی نہیں ملا۔ قرآن کریم کے نزول کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ حیوانوں کو انسان، انسانوں کو با اخلاق انسان اور با اخلاق انسانوں کو باخدا انسان بنائے۔ اور سارا قرآن انہی تین قسم کی اصلاحوں اور ہدایتوں پر مشتمل ہے۔

یہاں ہم اصلاحات ثلٰثہ کا مفصل بیان نہیں کرینگے بلکہ صرف اخلاقی اصلاح کا بیان مدنظر ہے یہانتک کہ اصلاحات ثلٰثہ کا جو مجمل ذکر کیا گیا ہے وہ اس لیئے تاکہ اخلاق و آداب کی ضرورت و اہمیت کا ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام نے اصول فطرت اور روحانی تکمیل و تعلیم کے ساتھ لوازم اخلاق اور تہذیب و شائستگی کو کس قدر مدنظر رکھا ہے۔

اسلام اور اخلاقی زندگی

آج دنیا میں ہر طرف اخلاق کی پکار ہے۔ صدق معاملات کی پکار ہے۔ انسان اخلاق کی عظمت اور صدق معاملات کی ضرورت و اہمیت کا احساس کرنے لگا ہے۔ اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ اخلاق کا پیکر بنے اسکی روح

بیقرار ہے کہ اس کی زندگی حسن عمل کی ایک زندہ مثال ہو۔ غرض پاکیزگی سیرت کی طلب ہے، بلند خیالی مساوات رواداری اور خدمت وہمدردی انسانی کی ہر طرف دھوم دھام ہو۔ دنیا مادیات کے بوجھ سے سبکدوش ہونا چاہتی ہے۔ دنیا میں اخلاق اور روحانیت کا دور شروع ہو چکا ہے۔ اخلاق و روحانیت کی دولت کی تلاش میں ہے، مگر یہ دولت کہیں نہیں ملتی۔ اگر ملتی ہے تو صرف اسلام میں کیونکہ اسلام عظمت اخلاق اور صداقت معاملات کا پیکر ہے اور جوں جوں دنیا میں پاکیزگی حیات کی طلب و جستجو بڑھتی جارہی ہے دنیا بجلی کی رفتار سے اسلام کے قریب آرہی ہے اور اس کیلئے روح قبولیت پیدا ہورہی ہے

جناب رسالتمآب صلعم فرماتے ہیں کہ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق میں پیدا ہی اخلاقی فضائل کی تکمیل کے لیے ہوا ہوں۔ چنانچہ جو شخص رسالتمآب کی سیرت مقدسہ کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کریگا، وہ حضورؐ کی ذات گرامی کو عظمت واخلاق، پاکیزگی حیات اور حسن معاملات کا کامل ترین نمونہ قرار دیگا اور آپ کو دنیا کا رہبر اعظم سمجھے گا۔

اسلام اپنے متبعین سے کہتا ہے کہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً اے لوگو! جنھوں نے اسلام کے معتقدات کو سمجھ لیا اور مان لیا ہے اپنی زندگی کو کامل طور پر اسوۂ رسول کے تابع کردو۔ یعنی اسلام کا کوئی حصہ بھی نظرانداز نہ کرو۔ صرف اسلام کے مقاصد اساسی یعنی حقائق ایمانیہ اور عقائد وعبادات ہی کو اپنے ذہنی نظام کا قبلہ نہ بنائے رہو۔ بلکہ اسوۂ رسول کو اپنی ظاہری زندگی۔ اپنے مذہبی معتقدات۔ اپنے عبادات۔ اپنی تہذیب۔ اپنے تمدن۔ اپنی معاشرت اور اپنے عادات واطوار کا قبلہ قرار دے لو۔ صرف ایک دفعہ رسمی طور سے اسلام کا اقرار کرلینے اور اپنے آپکو مسلمان سمجھ لینے سے کامل مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ پاکیزگی حیات کے نور سے اپنی ہستی ناتمام کا دامن نہ رنگ لو۔

نبی اکرمؐ کا فرمان ہے کہ جو شخص بُری زندگی گذارتا ہے، نماز بھی اسکی نجات نہیں کراسکتی (حدیث) جس شخص کی نماز اس کو بُرے افعال اور بدی سے نہیں روکتی۔ وہ اپنے لیئے کوئی بھلائی نہیں کرتا اور اس کے اور خدائے قدوس کے بعد میں اضافہ ہوجاتا ہے (حدیث) کیونکہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اور اخلاق خبیثہ اور بُرے افعال سے جنبیت دوری بڑھتی ہے۔ مجھ سے قریب ترین وہ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور بُرائیوں سے پرہیز کرتے ہیں (حدیث) غرض آپ نے کامل ایمان عظمت و بزرگی کی بنیاد عملی اور اخلاقی زندگی پر رکھی ہے۔ نہ کہ صرف چند غلط سلط عقائد اور رسمی عبادات پر۔

ایمان اور عمل صالح آپس میں لازم وملزوم ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں جہاں مسلمانوں سے

"امنوا" کا خطاب اور مطالبہ ہے وہاں ساتھ ہی بلا فصل "عملوا الصّلحٰت" کا خطاب و مطالبہ بھی ہے۔ سارا قرآن دیکھ جاؤ کہیں بھی صرف یہ نہ پاؤ گے کہ "ایمان لاؤ" بلکہ یہ بھی ساتھ ہی ہوگا کہ "نیک عمل کرو" اور اپنی زندگی کو پاکیزہ بناؤ۔

انقل مَا یوضع فی المیزان یوم القِیٰمۃ تقوی اللّٰہ وحسن الخلق — قیامت کے روز میزان عمل میں جو چیز سب سے بھاری ہوگی۔ تقویٰ اور اچھا اخلاق ہے

ایک شخص جناب رسالتمآب صلعم کی داہنی طرف سے آیا اور پوچھا یا رسول اللّٰہ ما الدین دین کیا ہے۔ فرمایا حسن الخلق۔ اچھا اخلاق۔ پھر وہ بائیں طرف سے۔ پیچھے سے اور آگے سے آیا اور یہی سوال کیا اور حضورؐ ہر مرتبہ یہی فرماتے رہے۔ اس کے بعد پھر اس نے پوچھا۔ ما الدین دین کیا ہے اور یہی جواب پایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ ما الشؤم۔ نحوست کیا ہے فرمایا "سوء الخلق" یعنی بُرا اخلاق۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات بھر عبادت الٰہی میں کھڑا رہتا ہے مگر وہ کج خلق ہے اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف دیتا ہے یعنی بدزبان ہے۔ فرمایا۔ لا خیر فیھا ھی من اھل النار۔ ایسے نیک اعمال میں کوئی بھلائی نہیں بلکہ یہ نشانی دوزخ والوں کی ہے۔

حضرت ابو داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا

اول ما یوضع فی المیزان حسن الخلق والسخاء ولما خلق اللّٰہ الایمان قال اللّٰھم قونی فقواہ بحسن الخلق والسخاء ولما خلق اللّٰہ الکفر قال اللّٰھم قونی فقواہ بالبخل وسوء الخلق کہ جو چیز پہلے میزان عمل میں رکھے جائیگی وہ حُسن خلق اور سخاوت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کو پیدا کیا تو اس نے کہا کہ اے اللہ مجھے قوت دے پس اللہ پاک نے اس کو حسن خلق اور سخاوت سے قوت دی اور جب اللہ تبارک تعالیٰ نے کفر کو پیدا کیا تو اس نے کہا۔ اے اللہ مجھے قوت دے پس اس کو کج اور بخل سے تقویت دی۔

ان اللّٰہ استخلص ھذا الدین لنفسہٖ ولا یصلح لدینکم الا السخاء — اللہ پاک نے اس دین اسلام کو اپنے لئے خالص کر لیا ہے اور تمہارے دین کی اصلاح

حسن الخلق آلا فزینوا دینکم بھما نہیں ہوتی مگر سخاوت اور حسن خلق سے پس ان دونوں چیزوں سے اپنے دین کو زینت دو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ مومنوں میں سے افضل اور اکرم مومن کون ہے؟ فرمایا جس کا خلق اچھا ہو، نیز فرمایا بُرا خلق اچھے عمل کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جیسے سرکہ شہد کو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ حسن خلق معاصی و ذنوب کو ایسے زائل کرتا ہے جیسے آفتاب گندگی کو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص میں یہ تین باتیں نہ ہوں اس کے کسی نیک عمل کو لائق التفات نہ سمجھو ایک تو تقویٰ جو اس کو معاصی سے بچائے دوسرے حلم و بردباری جس سے بے عقلوں کو باز رکھے تیسرے حسن خلق کے ساتھ لوگوں سے پیش آئے۔ نیز فرمایا تم میں سے میرا محبوب تر اور قریب تر وہ ہے جس کا خلق اچھا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ میں تجھ سے صحت و عافیت اور حسن خلق مانگتا ہوں۔

علاوہ ازیں بیشمار احادیث ہیں جن سے حُسن خلق کے محاسن و فضائل اور کج خلقی کے عیوب و نقائص ثابت ہوتے ہیں مگر ہم بخوف طوالت اسکو نظرانداز کرتے ہیں اور صرف اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

حقیقت اخلاق طبعی حالات و جذبات اخلاقی حالات سے کچھ الگ چیز نہیں بلکہ طبعی حالات ہی تعدیل و اصلاح سے۔ موقع و محل پر استعمال کرنے سے اور عقل و معرفت کی تجویز و مشورہ سے کام لانے سے اخلاقی حالات بن جاتے ہیں اور قبل اس کے کہ وہ عقل و معرفت کے مشورہ سے صادر ہوں گو کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہوں۔ درحقیقت اخلاق نہیں کہلاتے بلکہ طبیعت کی ایک بے اختیار روش اور رفتار ہوتی ہے طبعی حالات کو اُسی وقت اخلاق کہا جاتا ہے جبکہ وہ عقل و معرفت کے صلاح و مشورہ سے موقع اور محل پر استعمال ہوں۔ ورنہ جیسے ایک کتے اور بکری کو اپنے مالک کے ساتھ محبت و انکسار رکھنے کی وجہ سے خلیق نہیں کہہ سکتے اور ان کو مہذب الاخلاق نہیں کہہ سکتے اسیطرح طبعی جذبات و خواہشات کے بندہ کو خلیق اور مہذب الاخلاق نہیں کہہ سکتے جب تک کہ وہ عقل و تدبر سے اپنے عادات و اطوار میں کام نہ لے اور اس کے افعال تمیز اور موقعہ بینی و وقت شناسی کے چشمہ سے نہ نکلیں ایسے شخص کی طرف حقیقی اخلاق منسوب نہیں کئے جا سکتے جس پر جذبات طبیعیہ حیوانوں، بچوں اور دیوانوں کی طرح غالب ہوں۔ اونٹ بے مہار ہو اور جو اپنی زندگی وحشیوں کی طرح بسر کرے بلکہ حقیقی طور

پر نیک اور بااخلاق شخص وہ ہے جس کی عقل بصیرت پختہ ہو۔ نیکی اور بدی میں تمیز رکھتا ہو۔ اور کسی نیک کام کے کرنے اور ترک سے اپنے دل میں ایک پا دے اور بُرے کام کے ارتکاب سے نادم اور پشیمان ہو۔ یعنی نیک کام پر حریص ہو اور بُرے کام سے متنفر۔

خلق اور خُلق کی تعریف

جاننا چاہیئے کہ خلق "خا" کی فتح سے ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خُلق "خا" کی ضمہ سے باطنی پیدائش کا نام ہے اور چونکہ باطنی پیدائش اخلاق سے ہی کمال کو پہونچتی ہے نہ صرف طبعی جذبات سے اس لیئے اخلاق پر ہی یہ لفظ بولا گیا ہے طبعی جذبات پر نہیں بولا جاتا۔ اور پھر یہ بات بھی بیان کر دینے کے لائق ہے جیسا کہ عوام الناس خیال کرتے ہیں کہ خُلق صرف حلیمی، نرمی اور انکساری کا نام ہے۔ یہ انکی غلطی ہے بلکہ جو کچھ بمقابلہ ظاہری اعضا کے باطن میں انسانی کمالات کی کیفیتیں رکھی گئی ہیں ان سب کیفیتوں کا نام خلق ہے مثلاً انسان آنکھ سے روتا ہے۔ اس کے مقابل دلمیں ایک قوت رقت ہے۔ وہ جب بذریعہ عقل خداداد کے اپنے محل پر مستعمل ہو تو وہ ایک خُلق ہے۔ ایسا ہی انسان ہاتھوں سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس حرکت کے مقابل دل میں بھی ایک قوت ہے جس کو شجاعت کہتے ہیں۔ جب انسان موقعہ اور محل کے لحاظ سے اس قوت کو کام میں لاتا ہے تو اُس وقت اس کا نام خلق ہے۔ غرض جس قدر انسان کے دلمیں قوتیں پائی جاتی ہیں جیسے ادب، حیا، دیانت، مروت، غیرت، استقامت، عفت، ذہانت، اعتدال، مواسات یعنی ہمدردی سخاوت، عفو، صبر، احسان، صدق اور وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتیں عقل اور تدبر کے مشورہ سے اپنے اپنے موقع اور محل پر ظاہر کیجائیں گی تب ان کا نام اخلاق ہوگا۔ اور یہ تمام اخلاق درحقیقت انسان کی طبعی حالتیں اور طبعی جذبات ہیں یہ صرف اُس وقت اخلاق کے نام سے موسوم ہوتے ہیں جب موقع اور محل کے لحاظ سے بالارادہ ان کو استعمال کیا جائے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

"خَلق اور خُلق دونوں عبارتیں اور ایک ساتھ مستعمل ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حسن الخُلق والخَلق ہے یعنی اس کا ظاہر باطن اچھا ہے۔ پس یہاں خَلق سے عبادت صورت ظاہری ہے اور خُلق سے صورت باطنی اور یہ اس لیئے کہ انسان مرکب ہے مدرک بالبصر اور روح ونفس مدرک بالبصیرۃ سے اور ان میں سے ہر ایک کی ایک ہیئت ہے اور ایک صورت۔ یا تو وہ بُری ہوتی ہے اور یا اچھی اور نفس مدرک بالبصیرۃ کا مرتبہ اور قدر جسم مدرک بالبصر سے زیادہ ہے۔ اسی واسطے اس کو اپنی طرف اضافت کر کے فضیلت و بزرگی دی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ میں نے بشر کو مٹی سے پیدا کیا۔ جب وہ برابر ہو گیا تو

میں نے اس میں اپنی روح پھونکی پس تمام فرشتے سجدے میں گر پڑے معلوم ہوا کہ "جسد" مٹی کی طرف منسوب ہے اور "روح" "رب العالمین" کی طرف اور اس مقام میں نفس و روح سے مراد ایک ہی ہے پس خلق سے عبارت وہ خاص نفس کی شکل ہے جو راسخ ہو۔ تمام افعال بسہولت اور بغیر تکلف اور فکر و رویۃ کے صادر ہوں لہذا وہ خاص شکل جو شرعاً و عقلاً محمود اور جمیل ہے اُس شکل کو اچھا خلق کہا جاتا ہے اور اگر اُس سے افعال قبیحہ صادر ہوں تو اُن کو بد خلق کہا جاتا ہے۔ (احیاء العلوم۔ ج ۳۔ صفحہ ۳)

یعنی جس طرح جسم کی ایک خاص صورت اور شکل ہے اسیطرح روح کی بھی۔ جیسے جسم کی صورت اچھی بھی ہوتی ہے اور بُری بھی اسی طرح روح کی بھی۔ پھر جیسے ظاہری صورت کے لحاظ سے انسان کو خوبصورت یا بدصورت کہتے ہیں۔ روحانی صورت کے لحاظ سے بھی خوش اخلاق یا بد اخلاق کہا جاتا ہے اس تحقیق کے مطابق خُلق کی تعریف یہ ہے۔ روح میں ایسے ملکۂ راسخہ کا پایا جانا جسکی وجہ سے انسان میں اچھے یا بُرے افعال بلا تکلف آپ سے آپ صادر ہوں۔

پس اگر کسی شخص کی طبیعت فطرۃً سخی واقع ہو لیکن افلاس یا کسی مجبوری کی وجہ سے فیاضی اور سخاوت کا اظہار نہ کر سکے تو وہ سخی ہے اس کی سخاوت میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ طبیعت میں اس قسم کی کیفیت موجود ہے کہ اگر کام کرنے کے سامان اور موقعہ ہاتھ آئے تو بلا تکلف وہ کام ظہور میں آئے۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو کبھی کبھی اتفاقیہ کسی کام کی طرف رغبت ہو تو اس کو خلق نہیں کہا جائے گا۔ مثلاً کوئی کنجوس کسی اثر اور مجبوری کے ماتحت کسی نیک کام میں روپیہ صرف کر دے کیونکہ اس کی طبیعت میں سخاوت کا ملکۂ راسخہ موجود نہیں بلکہ اس نے اپنی طبیعت پر زور ڈالکر سخاوت سے کام لیا ہے نہ کہ اپنی دلی ارادہ سے۔

نیز خلق کی حقیقت بعض حکماء نے یوں بیان کی ہے۔

الخلق ملكة تصدر بها عن النفس افعال بالسهولة من غير تقدم روية

خلق ایک ملکہ ہے جس کے سبب طبیعت سے بآسانی افعال صادر ہوں بدون اسکے کہ پہلے ان کو دیکھ لیا ہو۔

خلق کی حقیقت تب معلوم ہو سکتی ہے کہ پہلے "ملکہ" کے معنی معلوم ہو جائیں لہذا ہم امام فخرالدین رازیؒ کے الفاظ میں ملکہ کے معنے بیان کرتے ہیں۔

ملکہ کی تعریف

جاننا چاہیئے کہ انسان میں بعض کیفیات جسمانی ہیں اور بعض نفسانی۔ اس جگہ کیفیات جسمانی سے ہمیں کوئی تعلق نہیں۔ صرف کیفیات نفسانی کو بیان کرتے

ہیں۔ کیفیات نفسانی دو قسم پر ہے۔ ایک وہ جن سے کوئی اثر صادر نہ ہو۔ دوسرے وہ جن سے کوئی اثر صادر ہو۔ جن سے کوئی اثر خارج میں صادر ہو۔ وہ بھی دو قسم ہے۔ ایک وہ جن سے اثر بدون سوچ اور فکر کے صادر نہ ہو اور دوسرے وہ جن سے بدون سوچ اور فکر کے صادر ہو جیسے کوئی نوآموز شخص جس کا ہاتھ ابھی لکھنے پر رواں نہیں ہوا۔ جب لکھنے لگتا ہے تو ہر ایک حرف بدون سوچ اور فکر کے نہیں لکھ سکتا دوسرے کی مثال جیسے کاتب کہ جب وہ لکھنے بیٹھتا ہے تو کسی حرف کے لکھنے میں سوچنا نہیں پڑتا بآسانی لکھتا چلا جاتا ہے۔ پس اس قسم کی کیفیات نفسانی کا نام خلق ہے۔

علم اخلاق سے اصل غرض

علم اخلاق سے اصل غرض یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کون سے طریقے اور ذرائع ہیں جن سے نفس انسانی حیوانی قوتوں پر غالب آ جائے اور اپنی ذات کی بقا، حقیقی صفات اور اصلی مفاد کو حاصل کرلے اور یہ مقصود اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ انسان میں قوتیں کتنی ہیں ہر ایک قوت کا مطلوب کیا ہے اور ان کا آپس میں جھگڑا اور نزاع کیا ہے؟ پس قوتوں کی تفصیل یہ ہے۔

انسان میں تین قسم کی قوتیں ہیں۔ ایک وہ جو کلیات کا ادراک کرتی ہیں۔ دوسرے وہ جو جزئیات کا ادراک کرتی ہیں۔ اور تیسرے وہ جو کسی چیز کا ادراک نہیں کرتیں۔ جو کلیات کا ادراک کرتی ہیں وہ "نفس" ہے جو جزئیات کا ادراک کرتی ہیں وہ "حواس خمسہ ظاہری و باطنی" ہیں۔ اور جو کسی چیز کا ادراک نہیں کرتیں وہ یا تو قوائے نباتیہ ہیں۔ جن کا بیان ہمارے مقصود سے خارج ہے اور یا قوائے حیوانیہ ہیں۔ قوائے حیوانیہ ان محرکات کو کہتے ہیں جو طبیعت میں حرکت پیدا کرتے ہیں۔ اب قوائے محرکہ بھی دو قسم ہیں۔ اول محرک قریب اور دوئم محرک بعید۔ جو محرک قریب کی محرک ہوتی ہیں۔ محرک بعید دو قوتیں ہیں۔ ایک شہوت جس کا مقصود نفع کو طلب کرلینا ہے۔ دوسری غضب جس کا مقصود دفع ضرر ہے۔ اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ جو قوتیں اپنے اختیار سے کسی چیز کی طالب ہیں۔ وہ چار ہیں یعنی خلق کے اقسام اور اصلی ارکان چار ہیں۔ نفس انسانی، قوت تفکر، قوت شہوت اور قوت غضب۔

ان کی نسبت امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ کہ جیسے حسن صورت مطلق آنکھوں کے اچھا ہونے سے کامل نہیں ہوتا جب تک کہ ناک، منھ اور رخسار بھی اچھے نہ ہوں یعنی حسن ظاہری ان چار چیزوں کی اچھائی اور شگفتگی سے کامل ہوتا ہے۔ اسی طرح حسن باطنی کے ارکان بھی چار ہیں۔ ان چاروں کا اچھا ہونا یعنی ان کے تناسب اور تعدیل کا نام ہی حسن خلق ہے۔ اور وہ ارکان اربعہ یہ ہیں۔ قوت علم، قوت غضب، قوت شہوت، اور قوت عدل۔

ان ہی چاروں قوتوں کے اعتدال کا نام حُسن خلق ہے۔ اگر کسی شخص میں یہ چاروں قوتیں اعتدال پر ہوں تو وہ پورا خوش اخلاق ہوگا۔ اور اگر صرف ایک یا دو قوتیں اعتدال پر ہونگی تو وہ ناتمام اور ناسمکمل الاخلاق ہوگا۔ جیسے تمام اعضاء خوبصورت ہوں تو ایک شخص کامل الحسن ہوگا ورنہ ناقص۔

قوت علم یا تفکر کا حسن و صلاح اس لیئے درکار ہے کہ صدق و کذب' حق و باطل اور نیکی و بدی میں بآسانی تمیز و فرق معلوم ہو سکے اور افعال کے حسن و قبح میں امتیاز کرسکے۔ اسی قوت کی صحت اور اعتدال کا نام حکمت ہے جو اس الاخلاق' اور تمام اخلاق حسنہ کی بیخ و بن ہے۔ اور اسی کی نسبت جناب باری تعالیٰ عزاسمہٗ اپنے کلام بلاغت نظام میں فرماتے ہیں وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۵ جس کو حکمت عطا کی گئی اسکو خیر کثیر مرحمت ہوئی۔

قوت غضب کا حسن و اعتدال اس لیئے مطلوب ہے کہ انقباض و انبساط مقتضاء حکمت کے مطابق ہو قوت شہوت کا حسن و اعتدال اس واسطے ضروری ہے کہ وہ اشارہ حکمت یعنی اشارہ عقل و شرع کے موافق ہو اور قوت عدل کا اعتدال اس لیئے مقصود ہے کہ ضبط شہوت و غضب اشارہ عقل و شرع کے ماتحت ہو عقل مانند ناصح و مشیر کے ہے۔ قوت عدل مانند منفذ کے ہے اور غضب کی مثال مانند شکاری کتے کے ہے۔ وہ اس بات کا محتاج ہے کہ اس کو ادب دیا جائے اور اس کو حسب منشار سدھایا جائے تاکہ اس کا بھاگنا اور ٹھہرنا حسب اشارہ ہو نہ کہ حسب ہیجان شہوت نفس کے۔ شہوت کی مثال مانند گھوڑے کے ہے جس پر شکار کے لیئے سواری کی جائے۔ وہ کبھی تو اپنے سوار کے حکم کا تابع ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔

اگر قوت شہوت اعتدال پر ہو یعنی قابو میں ہو تو اس کو عفت کہتے ہیں۔ قوت غضب اگر افراط و تفریط یعنی کمی بیشی سے بری ہو اور عقل کے قابو میں ہو کہ وہ جس طرف بڑھائے بڑھے اور جس طرف سے روکے رُکے تو قوت غضب کے اس اعتدال کو "شجاعت" کہتے۔ اگر یہ قوت حد سے زیادہ ہو تو اس کو "تہور" اور اگر ضعف و نقصان کی طرف مائل ہو تو اس کو "جُبن" و "جور" کہتے ہیں۔ قوت شہوت اگر زیادت کی طرف جائے تو "شر" ہے اور اگر نقصان و کمی کی طرف مائل ہو تو "جمود" اس کا اعتدال اور وسط محمود و مطلوب ہے۔ اور زیادت و نقصان کی دونوں طرفیں۔ ذلیل اور نامحمود ہیں۔ عدل میں زیادت و نقصان کی دونوں طرفیں نہیں۔ بلکہ اس کی ایک ضد ہے جس کو جور کہتے ہیں۔ حکمت کا اگر اغراض فاسدہ کے حصول کے لیئے حد سے زیادہ استعمال کیا جائے تو "خبث" و "جربزہ" یعنی مکر و فریب ہے۔ کمی و نقصان "بلہ" یعنی بیوقوفی ہے اور اس کا وسط حکمت ہے۔

اصول اخلاق مذکورہ بالا تفصیلات کے ماتحت امہات اخلاق یا اصول اخلاق چار ہیں۔ حکمت، شجاعت، عفت اور عدل۔ حکمت سے مراد نفس کی وہ حالت ہے جس سے تمام اختیاری احوال میں صواب و خطا کا ادراک کرے۔ عدل سے مراد نفس کی وہ حالت اور قوت ہے جس سے غضب اور شہوت پر سیاست کرے اور بمقتضائے حکمت اسکے ساتھ حکمرانی کرے۔ شجاعت سے مراد یہ ہے کہ قوت غضب عقل کی مطیع و منقاد ہو جائے کہ اسکے کہنے سے اقدام کرے اور اس کے کہنے سے رُک جائے۔ اور عفت سے مراد قوت شہوت کا ادب بتادیب عقل و شرع اختیار کرنا ہے۔ پس جس نے ان اصول اربعہ کا حُسن اعتدال حاصل کر لیا اُس سے تمام اخلاق جمیلہ صادر ہوتے ہیں۔

قوت عقل کے اعتدال سے حسن تدبیر، جودۃ ذہن، ثقابتہ رائے، اصابت ظن، دقائق اعمال اور آفات نفوس کے خفایا وغیرہ فضائل حاصل ہوتے ہیں۔ عقل کے افراط سے مکر، کینہ، دشمنی، بغض، فریب، اور طبیعت کی تیزی وغیرہ خطرناک شرور پیدا ہوتے ہیں اور اس کی تفریط سے بیوقوفی، ناتجربہ کاری، جنون اور بلید الطبعی وغیرہ رذائل صادر ہوتے ہیں۔

خلق شجاعت سے کرم، دلیری و مردانگی، شہامت، کسر نفس، بردباری، خودداری، استقلال، ثبات، ضبط غیظ اور وقار۔ جب یہ قوت اعتدال سے ہٹکر افراط کی طرف مائل ہوتی ہے تو "تہور" بنجاتی ہے اور پھر سلسلہ بسلسلہ غرور، نخوت، خود پسندی اور خود بینی وغیرہ پیدا ہوتی ہے اور جب تفریط کی طرف جھکتی ہے تو ذلت پسندی، کم حوصلگی، بے طاقتی، خشت اور حقارت وغیرہ اختیار کرتی ہے۔

شہوت کی قوت میں جب اعتدال ہوتا ہے تو اس کو عفت کہتے ہیں اور مختلف اوصاف کے سانچوں میں ڈھل کر مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے مثلاً جود، حیا، صبر، درگذر، قناعت پرہیزگاری، لطیف مزاجی، خوش طبعی اور بے ضمنی وغیرہ، اور جب یہ قوت افراط و تفریط کا رنگ اختیار کرتی ہے تو اُس سے حرص، طمع، بے شرمی، فضول خرچی، ریا، اوباشی، رندی، تملق، چاپلوسی، حسد اور رشک وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔

اسی چیز کو حضرت امام فخر الدین رازی نے اس طرح بیان کیا ہے، جس کو ہم ایک ذیلی سرخی کے ماتحت بیان کرتے ہیں۔

خیر و شر وغیرہ کی تقسیم - جاننا چاہیئے کہ ہمارا مطلوب یا تو کسی چیز کا وجود ہوتا ہے یا عدم اور

ان میں سے ہر ایک یا تو مطلوب لذاتہ ہوتا ہے یا مطلوب لغیرہ۔ اس طرح مطلوب کی چار قسمیں پیدا ہو گئیں اوّل وہ جس کا وجود مطلوب لذاتہ ہو اس کا نام خیر ہے۔ دوسری وہ جس کا وجود مطلوب لغیرہ ہو اُس کا نام نافع ہے۔ تیسری وہ جس کا عدم مطلوب لذاتہ ہو، اس کا نام شر ہے اور چوتھی وہ جس کا عدم مطلوب لغیرہ ہو، اُسکا نام موذی ہے۔

اب یہ چار قسمیں یا تو حقیقی ہوتی ہیں یا غیر حقیقی۔ عقل خیرات حقیقی کی طالب ہوتی ہے اور شہوت و غضب غیر حقیقی کی طالب ہیں۔ مطلوب جو حقیقت میں سبب کمال ہو وہ یا تو طالب کی ذات کی بقا ہوتی ہے یا اسکی حقیقی صفات کی بقا اور یا اس کی اضافی صفات کی بقا۔ اب معلوم کرنا چاہیئے کہ نفس کا مطلوب وہ حالت ہے جو اس کی ابدی بقا اور اسکی اصلاح کا سبب ہو اور دوسری قوتوں کا مطلوب وہ باتیں ہیں جو لذت کا باعث ہوں اور نفس کے نقصان کا سبب۔ پس علم اخلاق سے مقصود یہ معلوم کرنا ہے کہ انسان ایسے افعال و احوال کے ضرر سے کیونکر بچ سکتا ہے۔

فانی اور غیر فانی لذات

جب انسان کی کوئی محبوب و مرغوب چیز حاصل ہوتی ہے تو اُسے خوشی اور لذت محسوس ہوتی ہے۔ سو جوہر انسانی کی محبوب و مرغوب چیز ادراک حقائق موجودات اور مجردات کے حالات سے مطلع ہونا ہے اور ان کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اس لیئے ان کا ادراک نفس انسانی کے لیے لذت و خوشی کا باعث ہے چونکہ نفس ایک باقی رہنے والی چیز ہے اس لیئے اُن علوم کا حاصل کرنا بھی ایک باقی رہنے والی لذت اور خوشی ہے اور جو لذات جسمانی چند روزہ، فانی اور منقطع ہوتی ہیں ان کے حصول سے نفس کو خوشی اور لذت ہوتی ہے۔ مگر ان کی حد سے زیادہ الفت و رغبت کے باعث ان کے جاتے رہنے کے بعد سخت رنج والم کا سامنا ہوتا ہے۔ پس بذریعہ علم و حکمت یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ نفس انسانی کی بھلائی اور سعادت اسی میں ہے کہ وہ نفس کی فانی اور جسمانی لذات کو عقل و شرع کے ماتحت مغلوب رکھے

نفس انسانی کو فانی لذات پر کیونکر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے؟

اس کا طریقہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا قوتوں کو افراط اور تفریط سے بچائے رکھے۔ یہ دونوں طرفیں نامرغوب اور ناپسندیدہ ہیں۔ مطلوب و مرغوب تو انکے اوساط ہیں۔ جانب افراط کا ناپسندیدہ ہونا اس لیئے ہے کہ قوت شہوت نفس انسانی پر غالب آکر اسے روحانی مطالب و منافع سے روک دیتی ہے اور جسمانی مطالب کے حاصل کرنے میں مشغول کر دیتی ہے اور جانب تفریط کا نامرغوب ہونا اس لیئے ہے کہ ہر ایک قوت میں قدرت کاملہ نے بہت سے فائدے رکھے ہیں جنکے

سبب نفس انسانی کمال حاصل کر لیتا ہے۔ اگر ان میں فائدے حاصل نہ ہوتے تو ان کا پیدا کرنا عبث اور بیکار ہوتا۔ یہی نکتہ ہے جس کی وجہ سے اسلام نے رہبانیت یعنی ترک دنیا کی سختی سے مخالفت کی ہے اور جائز لذات و خواہشات سے فائدہ اُٹھانا جائز رکھا ہے۔ خیر مقصود یہ ہے کہ جب قوتوں میں ضعف و نقصان آیا تو نفس کو کمال کیونکر حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ نقصان کمال کی ضد ہے۔ جب افراط و تفریط دونوں طرفوں کا نامرغوب ہونا ثابت ہو گیا تو معلوم ہوا کہ وسط اور اعتدال کو ملحوظ رکھنے میں نفس کو کمال حاصل ہوتا ہے۔ اسی واسطے جناب سید الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خیر الامور اوسطھا اور مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" کے دیگر معانی میں سے ایک معنے یہ بھی ہیں کہ ہم کو اعتدال پر چلا اور افراط و تفریط سے بچا۔

اخلاق کے دو قسم ترک شر اور ایصال خیر

تمام اخلاق فاضلہ کا مبنیٰ دو چیزیں ہیں۔ اول وہ اخلاق جن کے ذریعہ انسان ترک شر پر قادر ہو۔ دوسرے وہ اخلاق جن کے ذریعہ وہ ایصال خیر پر قادر ہو۔ ترک شر کے مفہوم میں وہ تمام اخلاق داخل ہیں جنکے ذریعہ انسان اپنی زبان، اپنے ہاتھ، اپنی آنکھ اور پا کسی اور عضو سے کسی دوسرے کے مال، عزت آبرو اور جان کو نقصان اور صدمہ نہ پہونچا سکے اور مضرت رسانی اور کسر شان کا ارادہ تک نہ کر سکے۔ اور ایصال خیر کے مفہوم میں وہ تمام اخلاق شامل ہیں جن کے ذریعہ انسان اپنی زبان، اپنے ہاتھ، اپنے مال، اپنے علم یا اور کسی ذریعہ سے دوسرے کے مال، جان، اور عزت کو فائدہ پہنچا سکے۔

اب واضح ہو کہ وہ اخلاق جن کا تعلق ترک شر سے ہے وہ لسان شرع میں جن ناموں سے موسوم ہیں۔ پہلا خُلق "احصان" ہے اس لفظ سے مراد وہ خاص پاک دامنی اور عفت مآبی ہے جو مرد و عورت کی قوت تناسل سے علاقہ رکھتی ہے۔ یعنی محصن یا محصنہ اس مرد یا عورت کو کہا جائیگا جو حرامکاری و بدکاری اور اس کے محرکات و مقدمات تک سے اپنے تئیں روکے رہے۔

بدکاری اور اس کے مقدمات جیسے مرد سے صادر ہو سکتے ہیں ایسے ہی عورت سے بھی لہذا قرآن حکیم نے خلق احصان یا عفت کے متعلق مرد و عورت دونوں کو نہایت ہی پاکیزہ اور اعلیٰ تعلیم دی ہے۔ چنانچہ ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ	اے رسول ایماندار مردوں سے کہدے کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم کے دیکھنے سے بچائے رکھیں

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ

ایسی عورتوں کو بے محابا نہ دیکھیں جو شہوت کا محل ہو سکتی ہوں۔ نیچی نظر رکھنے کی عادت ڈالیں اپنی ستر کی جگہ کو بچائیں اپنے کانوں کو نامحرموں سے بچائیں۔ یعنی بیگانہ عورتوں کے گانے بجانے اور خوش الحانی کی آوازیں نہ سنیں یہ نظر کو جاسوسی اور دل کو پاک رکھنے کا عمدہ طریقہ ہے۔ ایسے ہی ایماندار عورتوں کو کہدے کہ اپنی آنکھوں کو نامحرموں کے دیکھنے سے بچائیں۔ اپنی ستر کی جگہوں کو پردے میں رکھیں۔ اپنی زینت کے اعضاء کو نامحرموں کے سامنے نہ کھولیں۔ اپنے دوپٹوں کو اس طرح سر پر ڈالیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے یعنی سب پردہ میں رہیں اپنے پیروں کو زمین پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں۔ یہ وہ طریقہ ہے جو ان کو بدکاری کی ٹھوکر سے بچا سکتا ہے

سبحان اللہ کیسی اعلیٰ اور پاکیزہ تعلیم ہے جس سے بہتر ممکن نہیں۔ ان آیات میں نہ صرف خلق احصان کے حاصل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے بلکہ پاک دامن رہنے کے لیے پانچ علاج بھی بتائے گئے ہیں جو یہ ہیں :-

(۱) اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نظر زہر میں بجھا ہوا تیر ہے۔ ناجائز تعلقات کی غمازی آنکھیں ہی کرتی ہیں اور بالآخر بدکاری تک پہنچاتی ہیں

(۲) کانوں کو نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا۔ آواز بھی شہوت کو برانگیختہ کرنے کا ایک سبب ہے۔ نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیں دولت از گفتار خیزد

(۳) نامحرموں اور حسن و عشق کے قصے نہ سننا۔

(۴) دوسری تمام تقریبوں سے جنمیں فعل بد کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا

(۵) اگر نکاح نہ ہو تو شہوت کے زور کو روزہ رکھ کر توڑنا۔

یہ علاج ان آیات میں بیان کیے گئے ہیں۔

تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اے ایماندارو! سچے دل کے ساتھ خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ یعنی لغزش اور ٹھوکر سے بچ جاؤ۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَاءَ سَبِيْلًا ۝ زنا کے قریب مت جاؤ۔ کیونکہ وہ ایک بےحیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔

یعنی ایسی تقریبوں اور مجلسوں سے دور رہو جن سے برائی کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہو اور اُن راہوں کو اختیار نہ کرو جن سے گناہ کے وقوع کا اندیشہ ہو۔ جو زنا کرتا ہے وہ بدی کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے اور زنا کی راہ بہت بری راہ ہے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا اور چاہیئے کہ وہ اپنی عفت کو دوسرے طریقوں سے بچاوے (مثلاً روزہ رکھے یا کم کھاوے) اور لوگوں نے یہ بھی طریق نکالے ہیں کہ نکاح سے دست بردار رہتے ہیں۔ خوجے بنتے ہیں اور رہبانیت اختیار کرتے ہیں مگر ہم نے انسانوں پر یہ فرض نہیں کئے۔ اسی لئے وہ ان بدعتوں کو پورے طور پر نباہ سکے۔

غرض ان آیات میں نہ صرف عفت کی اعلیٰ تعلیم دی گئی ہے بلکہ بدکاری کے محرکات و مقدمات کا بھی سدِّ باب کر دیا گیا ہے اور اب ہم بڑے دعوے کے ساتھ ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ عفت کی یہ اعلیٰ اور کامل و مکمل تعلیم ان تدبیروں کے ساتھ صرف قرآن مبین ہی نے بیان فرمائی ہیں اور صرف اسلام ہی سے خاص ہے۔

امانت و دیانت دوسری قسم ترک شر کے اقسام میں سے وہ خلق ہے جس کو امانت و دیانت کہا جاتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دوسرے کے مال کو بدنیتی سے ظلماً ہضم کر جانا۔ امانت و دیانت انسان کی طبعی حالتوں سے ایک حالت ہی جو عقل و تدبیر کے مشورہ سے خلق بنتی ہو۔ مثلاً ایک شیر خوار بچہ اپنی ماں کو چھوڑ کر بخوشی غیر عورت کا دودھ نہیں پیتا غیر کی طرف رجوع کرنے سے اُسے طبعاً نفرت ہوتی ہو۔ یہی امانت و دیانت کی جڑ ہے۔

وہ آیات جن میں خلق امانت و دیانت کی تعلیم دی گئی ہو اور امین و دیانتدار بننے کو کہا گیا ہے بہت ہیں نمونہ کے طور پر صرف چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ نہ اپنے مال کو بطور رشوت کے حکام تک پہونچایا کرو۔ تاکہ حکام کی

النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اعانت سے کسی کا مال دبالو۔ اور تم اس بات کو خوب جانتے ہو۔

(۲) اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ۝

امانتوں کے مال ان کے حقداروں کو واپس دیدیا کرو۔ خدا تعالےٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

(۳) وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

اگر تم میں کوئی ایسا مالدار ہو جو سمجھدار اور صحیح العقل نہ ہو مثلاً یتیم دنا بالغ اور تم کو اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حماقت سے اپنے مال کو ضائع کر دیگا۔ تو تم اس کا مال جو معیشت کا قوام ہے ان کے حوالہ مت کرو۔ ہاں بقدر ضرورت کھانے پینے کو دیدیا کرو اور ان سے اچھی باتیں کہتے رہو۔ یعنی انہیں عقل و تمیز دیتے رہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۝

جو لوگ بددیانتی اور خیانت سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں ظلم و جور سے وہ مال نہیں بلکہ آگ کھاتے ہیں اور بالآخر جلانے والی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

وَاَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝

جب تم ناپو تو پورا ناپو۔ اور وزن کرو تو پوری اور بےخلل ترازو سے ایمانداری کے ساتھ کسی طور سے بھی لوگوں کے مال کو نقصان پہنچاؤ اور فساد کی نیت سے زمین پر مت پھرا کرو یعنی اس نیت سے کہ چوری کریں، ڈاکہ ڈالیں۔ جیب کتریں یا اور کسی ناجائز طریقہ سے دوسرے کے مال کو ہتھیا لو۔

(۶) وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ ۪

اچھی چیزوں کے عوض خبیث اور ردی چیزیں دیا کرو۔

غور فرمائیے ان آیات میں کس قدر جامعیت اور تاکید کے ساتھ امانت و دیانت کی تعلیم دی گئی ہے اور بددیانتی و خیانت کی قباحت و سزا بیان کی گئی ہے۔ اسلام کی یہ مہذب اور دنیا کو امن و امان کی فضا سے بھرپور کر دینے والی تعلیم ہے کہ اگر دنیا کے تمام انسان اس خدائی تعلیم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں تو آج ہی دنیا سے فسادات، قتل و خونریزی، چوری، ڈکیتی اور ظلم و جور کا نشان مٹ

مٹ جائے۔ اور دنیا امن وچین کا سانس لے۔

کشادہ روئی اور صلح کاری

اسلام دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ بنی نوع انسان کو امن وسلامتی کی راہ پر چلاوے، انسانی اخوت کو قائم کردے محبت و رواداری کے دریا بہائے۔ تمام بنی نوع انسان کو ایک کنبہ اور ایک برادری میں تبدیل کردے اور ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کی راہیں بند کردے۔ اور اسلام نے بنی نوع انسان کو یہ تعلیم محض کتابی ہی نہیں دی بلکہ ایک قوم بنا کر کھڑی کردی جسکی نظیر کوئی زمین تو کیا آسمان بھی پیدا نہیں کرسکتا اور یہ چیز تو اسلام کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور تیسری قسم ترک شر کے خلاق سے بھی ہے جسکو عربی زبان میں "ھلافہ" اور "ھون" کہتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی انسان کو بدنی آزار نہ پہنچایا جائے۔ بے شر انسان ہونا اور صلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا ایک اعلیٰ درجہ کا خلق ہے۔ اور انسانیت کیلئے ازبس ضروری ہے۔ یہ بھی ایک طبعی قوت ہے جو تعدیل واصلاح سے خلق بنتی ہے۔ جب تک ایک انسان صلح اور جنگ کے مفہوم کو صحیح طور پر نہیں سمجھتا وہ اس خلق سے متصف نہیں ہوسکتا۔ جن آیات میں صلح کاری کی تعلیم دی گئی ہے بہت ہیں چند ملاحظہ ہوں۔

(۱) وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا — جب وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔

(۲) وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ، اَلصُّلْحُ خَيْرٌ — آپس میں صلح کاری اختیار کرو۔ صلح میں خیر ہے۔

(۳) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا — خدا کے نیک بندے صلح کاری کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں۔ اگر کوئی لغویات سنتے ہیں جو فساد اور جھگڑے کا مقدمہ ہوتا ہے تو وہ بزرگانہ طور پر طرح دیکر چلے جاتے ہیں۔

(۴) اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ — تم اپنے دشمن کے حملہ اور شرارت کا جواب نیک طریق اور صلح کاری کے ساتھ دو۔ اگر تم یہ نیک خصلت اختیار کروگے تو تمہارا دشمن بھی دوست ہوجائے گا۔

ان آیات میں تمام جھگڑے اور فساد کی باتوں سے مجتنب رہنے اور صلح کاری اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ لغو حرکات، جھوٹی جھوٹی باتوں اور بیہودہ بکواس سے چشم پوشی کرنے اور بزرگانہ

اور حتی الامکان امن پسندانہ سیرت اختیار کرنے کی ہدایت کی ہو۔ جو تہذیب و تمدن کا محور ہے۔
اب کشادہ روئی کے متعلق چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ط
لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ط وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝

لوگوں کو ایسی باتیں کہو جو واقعی طور پر نیک ہوں
ایک قوم دوسری قوم کا تمسخر نہ اڑائے۔ ممکن ہے
کہ وہی قوم اچھی ہو جس سے تمسخر کیا گیا ہے
اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کی ہنسی اُڑائے
شاید وہ اچھی ہو۔ کسی کو عیب مت لگاؤ لوگوں
کے بُری بُری نام نہ رکھو۔ بدگمانی کی باتیں مت
کرو جن سے فتنہ وفساد کا احتمال ہو بہت سے
گمان گناہ ہوتے ہیں۔ نہ کسی کے عیبوں کی
تلاش اور چھان بین کرو۔ ایک دوسرے کا
گلہ مت کرو۔ اور کسی کی نسبت بہتان نہ باندھو۔

اب ان احکام کو موکد کرنے اور شان اطاعت پیدا کرنے کے لئے فرمایا:-

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ط إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝

ایسی چیز کے پیچھے مت پڑو جس کا تمہیں علم
نہیں اور تم جس کا ثبوت نہیں رکھتے۔ یاد رکھو
ہر ایک عضو سے مواخذہ ہوگا اور کان اور
دل ہر عضو سے باز پرس ہوگی۔

یعنی جب تک تم کسی چیز کو اپنے کانوں سے نہ سُن لو، آنکھوں سے نہ دیکھ لو اور دل کی گواہی حاصل نہ کر لو اُس وقت تک اُس کا یقین نہ کر لو اور اس پر کوئی خطرناک بنیاد نہ قایم کر لو دنیا میں جتنے فتنہ فساد اور جھگڑے برپا ہوتے ان میں سے پچانوے ۹۵ فی صدی وہ ہوتے ہیں جنکی بنیاد سُنی سنائی باتوں احتمالات اور ظن واوہام پر قایم ہوتی ہیں۔ اگر قرآنی تعلیم پر عمل ہو تو ان سب کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک یہ تمام اقسام ترک شر سے متعلق تھے۔ اب ایصال خیر کے اقسام بیان کیے جاتے ہیں۔

ایصال خیر کے اقسام

پہلا خلق عفو۔ عفو کے معنے ہیں کسی کا گناہ اور جرم بخش دینا اور انتقامی جذبہ کو دبا لینا بشرطیکہ ہو سکا

موقعہ محل ہو اور اس میں کوئی مصلحت نظر آتی ہو۔ جو شخص کسی پر ظلم و زیادتی کرتا ہو اور اسکے جان و مال کا درپئے آزار ہوتا ہے۔ وہ ایک ضرر پہونچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہو کہ اسکو بھی ضرر پہونچایا جائے۔ اور بدلہ لیا جائے۔ اگر وہ خود بدلہ نہیں لے سکتا تو کسی مسلط قوت سے سزا دلائی جائے قید کرایا جائے اور جرمانہ کرایا جائے۔ ایسی حالت میں اس کو بخشدینا اور ایذا رسانی سے ہاتھ اٹھا لینا اس کے حق میں ایصال خیر ہے اور ایک اعلیٰ صفت ہی۔ اسکے بارے میں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہی:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ — نیک آدمی وہ ہیں جو غصہ کھانے کے محل پر گناہ کو بخشتے ہیں۔

جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ — بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے جو کی گئی ہے۔ لیکن جو شخص اس کو بخش دے اور ایسے موقعہ پر بخشے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو تو وہ اس کا اللہ سے نیک بدلہ پائیگا۔

دیکھئے کیسی اعلیٰ، قابل عمل اور فطری تعلیم ہے۔ علی العموم یہ نہیں کہا گیا کہ خواہ مخواہ ہر جگہ شر و فساد کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں و ظالموں کو سزا نہ دی جائے۔ بلکہ یہ کہا کہ اگر بخشنے کا موقعہ ہے تو عفو و درگذر سے کام لیا جائے اور اگر سزا دینے کا موقع ہے تو سزا دی جائے یعنی مجرم اور عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کی جائے۔

بعض لوگ تو ایسے کینہ ور اور منتقم ہوتے ہیں کہ معمولی معمولی باتوں پر کینہ رکھ لیتے ہیں اور کینہ کشی اور دشمنوں سے انتقام لینے پر حد سے زیادہ حریص ہوتے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عفو و درگذر کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں بسا اوقات دیوانی تک نوبت پہونچ جاتی ہو اور ایسے قابل شرم افعال صادر ہوتے ہیں جو سراسر محبت و غیرت اور شرافت و عفت کے منافی ہوتے ہیں ان دونوں قسم کی طبیعتوں کو قرآن کریم نے کس خوبی کے ساتھ نبا ہا ہے اور عفو و درگذر کے خلق کو افراط و تفریط سے بچا کر کس خوبصورتی کے ساتھ موقعہ و محل کی شرط لگائی ہو جس پر تمام انسان ہر وقت ہر جگہ اور طبیعت کا انسان بآسانی عمل کر سکتا ہے۔

دوسرا خلق عدل۔ ایصال خیر میں دوسرا خلق "عدل" ہے۔ تیسرا "احسان" اور چوتھا "ایتائے ذی القربیٰ" ہے۔ ان تینوں اخلاق کی نسبت اللہ جل شانہ فرماتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

اللہ پاک تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ عدل کرو۔ یعنی نیکی کے مقابل پر نیکی کرو۔ اور اس سے بڑھکر

موقعہ ہو تو احسان کرو اور اگر احسان سے بڑھ کر موقعہ ہو تو اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بےحیائی بُری بات اور زیادتی سے منع کرتا ہے وہ تم کو سمجھاتا ہے تاکہ نصیحت پکڑو۔

اس آیت مقدسہ میں ایصال خیر کے تین درجے بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرے۔ یہ عدل کا مفہوم ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ ابتدائً اپنی طرف سے نیکی اور سلوک کی ابتدا کرے۔ اور بغیر کسی کے حق کے احسان کے طور پر کسی کو فائدہ پہنچائے اور اس پر شکرگزاری اور دعا کا متمنی نہ ہو۔ یعنی ریا کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔ چنانچہ فرمایا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔ اے احسان کرنے والو! اپنے صدقات کو احسان یاد دلانے اور دُکھ دینے کے ساتھ برباد مت کرو۔ غرض احسان کرنے میں ایک خامی ہے۔ اس لئے ایک تیسرا درجہ ایصال شر کا ایتاء ذی القربیٰ ہے۔ یعنی احسان کا بالکل خیال تک نہ ہو۔ نہ شکرگزاری پر نظر ہو۔ اور نہ کسی قسم کا دباؤ ہو بلکہ ایک ایسی ہمدردی کے جوش سے نیکی صادر ہو جیسے والدہ محض ہمدردی کے جوش سے اپنے بیٹے کی تربیت و پرورش اور نیکی و امداد کرتی ہے۔ یہ ایصال خیر کا آخری درجہ ہے جسکے بعد آگے ترقی کرنا ممکن نہیں۔

خدائے حکیم و بصیر نے آیت موصوفہ میں صاف طور پر یہ بھی بتلا دیا کہ اگر یہ جذبات اور نیکیاں اپنے اپنے موقعہ اور محل پر مستعمل نہ ہوں گی تو پھر بدیاں بن جائیں گی۔ بجائے عدل کے "فحشاء" بن جائے گا یعنی حد سے اتنا تجاوز کرنا کہ ناپاک صورت ہو جائے۔ بجائے احسان کے "منکر" کی صورت پیدا ہو جائے گی یعنی وہ حالت یا صورت جس سے عقل اور ضمیر نفرت اور انکار کرے۔ اور بجائے ایتاء ذی القربیٰ کے "بغی" بن جائے گا۔ بغی اس بارش کو کہتے ہیں جو ضرورت سے زیادہ برس جائے اور فصلوں کو تباہ کرے۔

عدل کے معنے سب کو معلوم ہیں۔ اس کا قاعدہ کلیہ حق کا اتباع ہے۔ جو شخص حق کا پیرو نہیں۔ وہ عادل نہیں۔ اس میں عدل کے جملہ افراد آگئے۔ احسان کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مثلاً نیکی کا بدلا زیادہ دینا۔ اور قصور سے درگذر کرنا وغیرہ۔ اور ایتاء ذی القربیٰ رشتہ داروں کے ساتھ امداد و سلوک کرنا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک تعالیٰ نے تین باتوں کا حکم دیا ہے اور تین باتوں سے منع فرمایا ہے۔ کوئی نیکی اور بدی ایسی نہیں جو ان چھ باتوں کے اندر نہ آگئی ہو پہلی تین باتیں نیکی کی اصل ہیں اور دوسری تین بدی کی۔ مثلاً توحید عدل ہے۔ شرک ظلم ہے۔ زنا، چوری، جھوٹ، بہتان

اور تمام برائیاں اور گناہ کے کام فحشاء ہیں۔ نماز نہ پڑہنا، روزہ نہ رکھنا، زکوٰۃ نہ دینا اور حج نہ کرنا امر ناجائز ہے۔ اپنے آپ کو اونچا سمجھنا اور لوگوں کو حقارت سے دیکھنا ظلم ہی۔ نیک نیتی اور اخلاص سے کام کرنا احسان ہے اور نفاق وریا اور نمود و شہرت امر منکر ہے۔

عدل و احسان کی اس اصولی تعلیم کے بعد اور بھی کثرت کے ساتھ قرآن کریم نے اسکے متعلق ضروری ہدایتیں دی ہیں۔ جو یہ ہیں۔

خدا کی مخلوق سے احسان کرو کہ وہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہی۔

سچے اور نیکوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنے قریبوں کی امداد کرتے ہیں۔ اپنے مال سے یتیموں کی تربیت و تعلیم سے مدد کرتے ہیں، مسکینوں کو فقر و فاقہ سے بچاتے ہیں۔ مسافروں اور سوالیوں کی خدمت کرتے ہیں۔ غلاموں کو آزاد اور قرضداروں کو قرض کے بوجھ سے سبکدوش کرتے ہیں اور اپنے مالوں میں نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ میانہ روش پر چلتے ہیں۔ تم حقیقی نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے جب تک کہ بنی نوع انسان کی امداد و اعانت اور ہمدردی میں اپنا پیارا مال خرچ نہ کرو۔

ماں باپ سے نیکی کرو۔ رشتہ داروں، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور پڑوسیوں سے نیک سلوک کرو۔ مسافروں، نوکروں، غلاموں اور گھوڑے، بکری، بیل، بھینس اور گائے تک سے نیکی اور سلوک برتو ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرو۔

جو لوگ حقیقی نیکی کرنے۔ اور صدقات و خیرات کرنے والے سخی ہیں اللہ پاک قیامت کے روز ان کو ایسے جام پلائے گا جن کی ملونی کافور سے ہوگی۔ یعنی ان کے ناپاک جذبات دبا دیئے جائیں گے اور وہ پاک باطن ہو جائیں گے۔

اب کچھ متفرق اخلاق کی تعلیم بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے۔

شجاعت شجاعت بھی ایک طبعی جذبہ اور قوت ہی جو ہر ذیشان اور حیوان میں کم و بیش ہوتی ہے۔ شجاعت کتوں، شیروں اور بھیڑیوں میں بھی ہوتی ہی اور انسان میں بھی فرق صرف یہ ہی کہ درندوں کی شجاعت محض نفس کے جذبات کی پیروی ہوتی ہی اور انسان کی عقل و تدبیر اور مصلحت کے ماتحت حقیقی شجاعت یہی ہی جو موقعہ اور محل کے ساتھ خاص ہو۔ اسلام نے شجاعت کی تعریف یوں کی ہی کہ حقیقی شجاعت صبر اور ثابت قدمی کی جڑ ہی۔ یعنی ہر ایک آزمائش و ابتلا اور رنج و مصیبت میں ثابت قدم رہنا اور بزدل ہو کر نہ بھاگنا یہی انسانی شجاعت ہی۔ حقیقی

شجاعت رکھنے والا انسان وہی ہے کہ مقابلہ اور ترک مقابلہ میں جو کچھ قرین مصلحت و دانش ہو وہی اختیار کرے۔ جب دشمن کا مقابلہ قرین مصلحت ہو تو نہ صرف جوش نفس اور جذبۂ انتقام سے بلکہ سچائی اور حق کی مدد کے لیے دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ اپنے نفس و قوت پر بھروسہ کر کے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کے بھروسہ پر شجاعت اور بہادری ہیں۔ ریاکاری اور خود بینی نہ ہو۔ بلکہ ہر پہلو سے خدا کی رضا مقدم اور مطلوب ہو۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۔ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ

بہادر وہ ہیں۔ کہ جب لڑائی کا موقعہ آپڑے یا ان پر کوئی مصیبت آ جائے تو بھاگ گئے نہیں ان کا صبر لڑائی اور سختیوں کے وقت میں خدا کی رضامندی کے لیے ہوتا ہے۔ اسکے چہرے کے طالب ہوتے ہیں نہ کہ بہادری دکھلانے کے ان کو ڈرایا جاتا ہے کہ لوگ تمہیں سزا دینے کے لیے اتفاق کر گئے ہیں پس تم لوگوں سے ڈرو۔ پس ڈرانے سے ان کا ایمان اور بھی بڑھتا ہے اور کہتے ہیں کہ خدا ہمیں کافی ہے اور وہی اچھا مددگار ہے اور تم اپنے گھروں سے کفار کی طرح اکڑتے اور غراتے ہوئے نہ نکلو۔

ان آیات میں شجاعت کے دو پہلو اور ان کے متعلقات بیان کیے گئے ہیں۔ ۱ اور حقیقی شجاعت کا مفہوم سمجھایا گیا ہے۔ ۲ اور ایسی شجاعت رکھنے والے مومنوں کے ساتھ ایک جگہ وعدہ کیا گیا ہے کہ اگر ایسے سو مرد شجاع ہونگے تو دو ہزار پر غالب آئیں گے۔

صبر

منجملہ دیگر طبعی امور کے ایک امر صبر ہی ہے جو انسان کو بالآخر مصیبتوں، بیماریوں اور دکھوں میں چار و ناچار کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہ صبر نہیں کہ جزع فزع کرنے کے بعد مجبوراً اختیار کیا۔ بلکہ حقیقی صبر یہ ہے کہ جب کوئی چیز ہاتھ سے جاتی ہے تو کوئی شکایت منہ پر نہ لائے۔ اور یہ سمجھے کہ یہ چیز خدا تعالیٰ کی امانت تھی اُس نے واپس لے لی۔ اور اس کی رضا پر ہر وقت راضی رہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ

اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ اے ایماندارو! ہم تمہیں اس طرح آزمائیں گے کہ کبھی تم پر خوفناک حالت طاری ہوگی کبھی فقر و فاقہ شامل حال ہوگا کبھی مالی نقصان ہوگا۔ کبھی جانوں پر آفت آئیگی کبھی اپنی محنتوں میں ناکام رہوگے یعنی کوششوں سے حسب المراد نتیجے نہ نکلیں گے اور کبھی تمہاری پیاری اولاد مریگی ان لوگوں کو خوشخبری ہو جو ان مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں اور جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چیز ہیں' اس کی امانتیں اور اسکی مملوک ہیں اور حق بات یہی ہے کہ سب اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمتیں ہیں اور جو خدا کی راہ پاگئے۔

ہمدردی خلق قومی حمایت کا جوش بالطبع ہر ایک مذہب کے لوگوں میں پایا جاتا ہے اور اکثر لوگ اپنی قوم کی حمایت و ہمدردی کے لئے دوسروں پر ظلم کرنا روا سمجھتے ہیں' گویا وہ دوسروں کو انسان ہی نہیں سمجھتے۔ سو اس کو خلق نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ بات تو کووں چڑیوں پرندوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ عادت اُس وقت اخلاق میں داخل ہوتی ہے جبکہ انصاف اور عدل کی رعایت سے موقعہ اور محل پر ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے:۔

تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۝

ترجمہ:۔ اپنی قوم کی ہمدردی اور اعانت فقط نیکی کے جائز کاموں میں کرو۔ ظلم و زیادتی اور ناانصافی کے کاموں میں ان کی اعانت نہ کرو۔

وَلَا تَھِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا ۝

ترجمہ:۔ قوم کی ہمدردی میں سرگرم رہو۔ حکومت اور خیانت کرنے والوں کی طرف سے مت جھگڑو۔ جو خیانت کرنے سے باز نہیں آتے خدا تعالے ایسے لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اخلاق کی درستی میں تربیت کو دخل ہے یا نہیں؟ اس میں قدماء کا اختلاف ہے حکمائے یونان کا مذہب ہے کہ انسان بالطبع شریر اور بداخلاق پیدا ہوا ہے لہذا وہ تعلیم و تربیت سے خوش اخلاق نہیں ہوسکتا

بعضے انسان کو بالطبع پاکیزہ خو قرار دیتے ہیں۔ جالینوس ان دونوں مذہبوں کو باطل کرکے کہتا ہے کہ "اگر فرض کرلیا جائے کہ تمام آدمی خلقۃً نیک ہیں تو کوئی شخص تعلیم سے شریر بھی نہیں ہو سکتا، خود تو اس میں سرے سے شرارت کا مادہ ہی نہیں دوسروں سے سیکھ سکتا ہے لیکن یہ پہلے فرض کرلیا گیا ہے کہ تمام آدمی نیک ہیں۔ اس لئے جب خود سکھلانے والے میں شرارت کا وجود نہیں تو دوسرے کو شرارت کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے" جالینوس کا مذہب یہ ہے کہ بعض انسان بالطبع شریر ہوتے ہیں اور بعض نیک اور بعض ان دونوں کے بیچ بیچ ہوتے ہیں۔ نہ بالطبع شریر اور نہ نیک۔ صرف اسی قسم کے لوگوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اور ارسطو کا مذہب یہ ہے کہ خوش اخلاقی یا بداخلاقی کوئی چیز بھی انسان کی طبعی اور جبلی نہیں۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"گمان کیا گیا ہے کہ اخلاق کی درستی متصور نہیں اور انسان کی طبعی حالت متغیر نہیں ہوتی اس بات پر دو طرح سے استدلال کیا جاتا ہے، اول یہ کہ خلق باطن کی صورت ہی جیسے کہ خلق ظاہر صورت ہے اب خلقت ظاہری میں یہ بات ناممکن ہے کہ اسمیں کوئی تغیر کردیا جائے۔ مثلاً چھوٹے قد کو طویل نہیں کیا جا سکتا۔ طویل کو چھوٹا نہیں کیا جا سکتا اور بری صورت اچھی نہیں ہوسکتی پس یہی حال باطنی صورت اور خلقت کا ہے یعنی اس میں تغیر نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ حسن خلق شہوۃ اور غضب کی قوت کو توڑتا ہے اور یہ بات ہم نے طویل مجاہدہ اور تجربہ کے بعد جانی ہے کہ یہ دونوں قوتیں مقتضائے طبیعت ہیں اور آدمی سے کبھی بھی منقطع نہیں ہوسکتیں پس اس میں مشغول ہونا تضیع اوقات ہے اور بے فائدہ ہے۔ کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ قلب کا التفات حظ نفسانی کی طرف سے منقطع ہوجائے اور یہ محال ہے۔" (احیاء العلوم ج ۳ صفحہ ۳۲)

امام صاحب ان دونوں اعتراضات کا جواب یوں دیتے ہیں۔ کہ اگر یہ اعتراض صحیح ہو تو تمام وصایا مواعظ اور تادیبات باطل ہو جاتے ہیں، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حیوانوں تک کو اپنی مرضی کے مطابق سدھا لیا جاتا ہے اور تادیب سے ان کو انسانوں جیسے کام سکھا دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح تغیر اخلاق بھی ممکن ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خلقۃً تکمیل پیدا ہوئیں اور جنمیں تغیر کرنا ہمارے اختیار اور قدرت سے باہر ہے۔ مثلاً آفتاب ماہتاب ستارہ اور زمین وغیرہ دوسرے وہ جو خلقۃً ناقص و نامکمل پیدا کی گئی ہیں، اور ان میں قدرت کاملہ کی طرف سے قابلیت اور صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ تربیت سے کامل ہوجائیں، مثلاً کسی درخت کا بیج کہ وہ اس وقت

بیج ہے لیکن وہی درخت بن سکتا ہے۔ اسی طرح انسانی اخلاق اور ان کا فساد و اصلاح ہے۔ نعم الجبلات مختلفہ بعضھا سریعۃ القبول و بعضھا بطیئۃ القبول۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ تمام آدمیوں کی طبیعتیں یکساں نہیں۔ بعض کے اخلاق بآسانی اصلاح پذیر ہو سکتے ہیں اور بعض کے ذرا مشکل سے ہوتے ہیں۔

امام صاحب کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ اخلاق کی درستی کا مطلب یہ نہیں کہ شہوت و غضب کا بالکل استیصال ہو جائے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ تمام قویٰ باقی رہیں لیکن ان میں اعتدال آجائے یہ تمام قویٰ تو مصالح زندگی کے لحاظ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ غضب کی قوت اگر بالکل مفقود ہو جائے تو انسان اپنے آپ کو دوسرے کے حملہ سے نہ بچا سکے اور خود ہلاک ہو جائے۔ شہوت کی قوت جاتی رہے تو نسل انسان کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے اپنے کلام میں والکاظمین الغیظ یعنی غصہ کے تھامنے والے کہا والفاقدین الغیظ یعنی جن میں سرے سے غصہ ہی نہ ہو نہیں کہا۔

چونکہ اخلاق کی درستی اس بات پر موقوف ہے کہ انسان اپنے عیوب و نقائص سے مطلع ہو اس لئے امام صاحب نے ایک خاص عنوان بطریق یعرف بہ الانسان عیوب نفسہ باندھا ہے جس میں اپنے عیوب سے واقف ہونے کے چار طریقے بیان کئے ہیں۔ جو یہ ہیں۔

اپنے عیوب سے واقف ہونے کے طریقے

جب اللہ تعالےٰ کسی بندہ سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو اپنے عیوب پر واقف کار بنا دیتا ہے۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا اَبْصَرَہٗ بِعُیُوْبِہٖ اخلاق کی درستی کے لئے عیوب و معاصی کا علم مقدم اور ضروری ہے، جسے علم ہی نہیں کہ اس میں کچھ کوتاہیاں بھی ہیں، تو وہ ان کوتاہیوں کا تدارک کیسے کر سکتا ہے۔ تدارک اور اصلاح تو اسی وقت ممکن ہے جبکہ اُسے یہ علم ہو کہ اس میں کچھ کوتاہیاں اور عیوب ہیں۔ چنانچہ امام صاحبؒ نے اس کے چار طریقے بتلائے ہیں۔

(۱) کسی شیخ طریقت کی مجلس میں بیٹھے جو اس کے عیوب سے اسے واقف کار بنائے اور جو عیوب کے خطایا سے بخوبی واقف ہو۔

(۲) یعنی اپنے خاص، مخلص، بے ریا، مبصر اور متدین احباب سے اس بات کا خواہاں ہو کہ وہ اس کے نفس کے رقیب رہیں۔ اس کے اقوال و افعال کے نگراں رہیں اور اس کے اخلاق و افعال میں جو ظاہری و باطنی عیوب پائیں اُن سے مطلع کر دیں۔

افسوس ہے کہ جو چیز ہماری اصلاح کا ذریعہ اور عیوب سے واقفیت کا علاج تھا اسکو ہم نے اپنے حق میں دشمنی اور بغض و عناد کا ذریعہ بنالیا ہے۔ ہمارے احباب یا تو مداہنت کرتے ہیں یعنی عیوب کو چھپاتے ہیں اور یا ان کو اس قدر بڑھا چڑھا کر کہتے ہیں کہ اصلی عیوب کا پتہ نہیں ملتا۔ اور طبائع کا یہ حال ہے کہ اپنی ذات پر نکتہ چینی کی بالکل متحمل نہیں۔ جو شخص عیوب پر مطلع کرتا ہی وہ دشمن حاسد اور نکتہ چین خیال کیا جاتا ہے اور خود اس میں سو سو عیب نکالے جاتے ہیں۔

اگر ہماری نظر اپنے عیوب پر ہو اور ہم ان کی اصلاح کے دل سے متمنی ہوں تو یہ صورت حال ہی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی ہماری عیب چینی کرے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اس کو ٹھنڈے دل سے سُنیں اور اپنی آنکھ کا شہتیر چھوڑ کر دوسرے کی آنکھ کی کُنک پر نظر نہ رکھیں۔

(۳) عیوب پر مطلع ہونے کا تیسرا ذریعہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہمارے عیب ہمیں خود نظر نہیں آتے لیکن دشمن ہمارے پوشیدہ اور دقیق عیوب کی تہہ تک پہونچتا ہے۔ اس لیے ہم کو چاہیئے کہ ہم دشمنوں کی عیب گیری اور نکتہ چینی سے فائدہ اُٹھائیں اور اپنے عیوب ان کی زبان سے سُنیں۔

یہ چیز بھی بجائے فائدہ کے ہمارے حق میں نقصان دہ بنی ہوئی ہی کیونکہ ہمارا نفس ہم کو یہ دہوکا دیتا ہے کہ فی الواقع ہم میں کوئی عیب نہیں بلکہ دشمن ہماری دشمنی کی وجہ سے اور ہماری تحقیر و تذلیل کرنے کیلئے ہماری اچھی باتوں کو بھی بُرا سمجھتا ہے اور دانستہ ہمارے ہر فعل کو عیب کا لباس پہناتا ہی۔

(۴) لوگوں کے اخلاق و عادات کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنایا جائے یعنی جو بُرائی اور عیب اُن میں نظر آئے اس کو دیکھکر قیاس کرنا چاہیئے کہ یہ عیب و نقص ہم میں بھی ہوگا کیونکہ افراد انسانی کے عادات و خصائص اکثر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہی یعنی جس طرح آئینہ میں چہرہ کے عیوب و محاسن سب نظر آجاتے ہیں اسی طرح ایک مؤمن کے عادات و خصائل دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہیں۔

حسن اخلاق کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟

حسن خلق سے مقصود اور مطلوب یہ ہے کہ قوت عقل اعتدال پر آجائے، کمال حکمت حاصل ہو اور قوت غضب و شہوت میں اعتدال آجائے اور یہ دونوں قوتیں عقل و شرع کی مطیع و منقاد ہوجائیں۔ یہ اعتدال مطلوب دو طرح سے حاصل ہوسکتا ہے کہ انسان موہبت و عطائے خداوندی سے فطری طور پر کامل العقل اور احسن الخلق ہو۔ اور خلقۃً اسکی تمام قوتیں معتدل اور عقل و شرع کی مطیع و منقاد ہوں۔ عالم بغیر تعلیم ہو اور مودب بغیر تادیب۔ جیسے حضرت عیسیٰ ابن مریم و یحییٰ بن ذکریا علیہما السلام

اور تمام انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور یہ بات کوئی عقل سے بعید نہیں معلوم ہوتی کہ قدرت کاملہ کی طرف سے کسی طبیعت اور فطرت میں وہ کمال اور صلاحیت رکھ دی جائے۔ جو ناقص العقل لوگوں کو تعلیم و تربیت سے حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً بعض بچے فطرتاً ہی جری اور سخی ہوتی ہیں بخلاف دوسرے بچوں کے اور بعضوں کو یہ بات تعلیم و تادیب سے حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حُسن خلق مجاہدات و ریاضات سے حاصل کیا جائے یعنی نفس کو ایسے اعمال شاقہ ڈال دیئے جائیں جن سے مطلوب حاصل ہو جائے۔ مثلاً رشک حسد اور فخر و غرور کو توڑنے کے لیے نمازیں کثرت کے ساتھ پڑھے اور کسر شہوت و غضب کے لیے کثرت سے روزے رکھے۔ اسیطرح اسلامی عبادات کی یہ امتیازی شان اور کمال ہے کہ جہاں ان کے ذریعہ روحانی کمال و برتری حاصل ہوتی ہے وہاں اخلاقی تربیت بھی ہوتی ہے۔ اگر کوئی خلق جود حاصل کرنا چاہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپکو بتکلف فعل جود پر آمادہ کرے۔ اور طبیعت پر زور ڈالکر مال کو خرچ کرے اور اس پر ہمیشگی نظر رکھے جب تک کہ خلق جود اسکی طبیعت ثانیہ نہ بن جائے۔ جو کوئی یہ چاہے کہ اس سے خلق تواضع حاصل ہو اور اس پر کبر غالب ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مدت مدید کے لیے افعال متواضعین اختیار کرے۔

اسی طرح تمام اخلاق محمودہ مجاہدات و ریاضات سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

تہذیب اخلاق کا اصول کلیہ

جیسے مزاج بدن کا اعتدال بدن کی صحت ہے اور اعتدال سے ہٹ جانا مرض ہے۔ اسی طرح اخلاق میں قوی نفس کا اعتدال صحت نفس ہے اور اعتدال سے تجاوز کر جانا سُقم و مرض ہے۔ جیسے ابتداء میں انسانی بدن کامل نہیں پیدا ہوتا بلکہ رفتہ رفتہ خارجی امداد نشو و تربیت اور اغذیہ سے کامل و قوی ہوتا ہے اسی طرح نفس ناقص اور نامکمل پیدا ہوتا ہے۔ اور تزکیہ و تربیت، تہذیب اخلاق اور غذائے علم سے مکمل ہوتا ہے۔ اگر بدن صحیح ہو یعنی مزاج معتدل ہو تو طبیب کا فرض ہے کہ اس صحت کی حفاظت کرے اور اگر مریض ہے تو صحت پیدا کرے۔ اسی طرح نفس ہے۔ اگر وہ زکی طاہر اور مہذب ہے تو اسکی حفاظت کرے اور مزید تقویت بہم پہونچائے اور اگر نفس عدیم الکمال ہو تو کمال و صفائی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اگر بدن کی کوئی علت متغیر ہو جائے اور مزاج میں اعتدال نہ رہے تو اس کا تدارک علاج بالضد سے ہوتا ہے، اگر مرض گرمی سے پیدا ہوگا تو برودت سے علاج کیا جائے گا اور اگر مرض کی علت برودت ہو تو اسکا علاج حرارت سے کیا جائیگا۔ اسی طرح اخلاق رذیلہ امراض قلب ہیں ان کا علاج بھی اسکی ضد کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً مرض جہل کا علاج تعلیم ہے۔ کبر کا تواضع اور بخل کا علاج سخاوت ہے

اخلاقی تربیت کا دستور العمل

اخلاق کی درستی اور تعلیم و تربیت کی بنیاد بچپن کے زمانہ سے پڑتی ہے۔ آئندہ زندگی کی تعمیر ہوتی ہے۔ اور والدین اسکی زندگی کی تعمیر کے انجنیر ہوتے ہیں۔ بچہ والدین کی آغوش تربیت میں خدا کی دی ہوئی امانت ہوتا ہے۔ اس کا قلب طاہر ایک پاکیزہ اور نفیس سادہ جوہر ہوتا ہے جس پر والدین اچھے یا برے نقش ونگار کرتے ہیں۔ والدین کے اختیار میں ہوتا ہے کہ خواہ وہ اپنے بچہ کو نیکی کی طرف راغب کردیں خواہ بدی کی طرف اور خواہ اس کو باکمال انسان بنادیں خواہ حیوان ناطق چنانچہ اللہ تبارک وتعالےٰ فرماتے ہیں۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ والدین کا اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے بچانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بچہ کو مؤدب ومہذب بنائیں۔ محاسن اخلاق سکھائیں اور اس کو ہر ایک برائی ونقص سے بچائیں۔ پس والدین کا اولین اور اہم فرض یہ ہے کہ وہ اپنے بچہ کی تعلیم وتربیت میں غفلت وتساہل نہ کریں اور بچپن ہی سے اخلاقی تربیت کی بنیاد رکھیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بچوں کی اخلاقی تربیت کے قواعد کا جو دستور العمل مرتب فرمایا ہے یہاں ہم اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

بچہ میں جب قوت تمیز وعقل کے آثار ظاہر ہوں تو اُسی وقت سے اسکی دیکھ بھال رکھنی چاہیئے سب سے پہلے غذا کی رغبت پیدا ہوتی ہے تعلیم کی ابتدا یہیں سے شروع ہونی چاہیئے۔ اسکو سکھلانا چاہیئے کہ کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرے۔ دسترخوان پر جو کھانا سامنے اور قریب ہو اُسی کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ ساتھ کھانے والوں پر سبقت نہ کرے۔ کھانے کی طرف یا کھانے والوں کی طرف نظر نہ جمائے۔ جلد جلد نہ کھائے۔ نوالہ اچھی طرح چبائے ہاتھ اور کپڑے کھانے میں آلودہ نہ ہونے پائیں۔ زیادہ خوری کو معیوب ثابت کیا جائے اور کم کھانے، معمولی کھانے پر اکتفا کرنے اور دوسروں کو کھلادینے کی خوبیاں دلمیں بٹھائے۔

سفید کپڑے پہننے کا شوق دلایا جائے اور اس کو سمجھایا جائے کہ رنگین، ریشمین اور زرتار کپڑے پہننا عورتوں اور مخنثوں کا کام ہے۔ جو لڑکے اس قسم کے کپڑے پہننے کے عادی ہوں ان کی صحبت سے بچایا جائے۔ آرام پرستی اور ناز ونعمت سے بچایا جائے اور نفرت دلائی جائے جب بچہ سے کوئی ناپسندیدہ فعل ظہور میں آئے تو اغماض کرنا چاہیئے تاکہ برے کاموں کے کرنے پر دلیر نہ ہوجائے خصوصاً جب وہ خود اس کام کو چھپانا چاہتا ہو۔ اگر دوبارہ اُس سے وہ فعل سرزد ہو تو تنہائی میں نصیحت کرنی چاہیئے

کہ یہ بہت بڑی بات ہو لیکن بار بار ملامت نہ کرنی چاہیئے۔ والدین کو لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ہر وقت ہی زجر و توبیخ نہ کرتے رہیں۔ کیونکہ بار بار کہنے سے بات کا اثر کم ہو جاتا ہو اور بچہ زجر و توبیخ کا عادی ہو جاتا ہو۔

دن کو سونا نہ چاہیئے بستر پر تکلف اور زیادہ نرم نہ ہونا چاہیئے۔ اس بات کی دیکھ بھال رکھنی چاہیئے کہ بچہ چھپا کر کوئی کام نہ کرنے پائے۔ بچہ اُسی کام کو چھپا کر کرتا ہو جس کو وہ بُرا سمجھتا ہے اس لیئے جب چھپا کر کام کرنے کی عادت چھوٹے گی تو خود بخود تمام بُرائیاں چھوٹ جائیں گی۔

ہر روز کچھ نہ کچھ پیادہ چلنا اور ورزش کرنی چاہیئے تاکہ طبیعت میں افسردگی اور سستی نہ آنے پائے ہاتھ پاؤں کھلے نہ رکھے بہت جلد جلد نہ چلے، دولت، عزت، نسب، لباس، غذا اور قلم دوات وغیرہ کسی چیز پر فخر کا اظہار نہ کرنے پائے۔ اگر بچہ امیر ہے اور ریاست و امارت کے اثر سے اس کے ہم صحبت بچے اس کو کچھ نذر دینا چاہیں تو اس کو سمجھایا جائے کہ کسی سے لینا حوصلہ مندی کے خلاف ہے۔ اگر مفلس کا بچہ ہے تو اس کے ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ بخشش و عطا کا قبول کرنا دنارت اور کمینہ پن ہو۔

مجلس میں تھوکنا، جمائی لینا، انگڑائی لینا، لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنا، پاؤں پر پاؤں رکھنا اور ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر بیٹھنا ان سب باتوں سے منع کرے۔

قسم کھانے سے بالکل روکنا چاہیئے گو سچی قسم ہو، بات خود شروع نہ کرے، بلکہ کوئی پوچھے تو جواب دے۔ مخاطب کی بات کو توجہ سے سُنے۔ فضول گوئی، سخت کلامی، فحش و دشنام سے منع کیا جائے اور جن لوگوں کو ان باتوں کی عادت پڑ گئی ہو اُن کی صحبت نہ اختیار کرنے پائے۔ مکتب سے پڑھ کر نکلے تو اس کو موقع دیا جائے کہ کوئی کھیل کھیلے۔ کیونکہ ہر وقت پڑھنے اور لکھنے میں مصروف رہنے سے دل بُجھ جاتا ہے۔ ذہن کند ہو جاتا ہے اور طبیعت اُچٹ جاتی ہے۔"

اس دستور العمل میں ایک امر لحاظ کے قابل ہو کہ حضرت امام صاحب بچوں کے بخشش و عطا کے قبول کرنے کو دنارت اور سفلہ پن قرار دیتے ہیں۔ مگر ہائے رے انقلاب زمانہ آج یتیم خانوں اور عربی مدرسوں کی بنیاد ہی بخشش و عطا پر قایم ہو۔ ہمارا اپنا اسلامی تمدن ہمارے سامنے سپاہیانہ اور مجاہدانہ زندگی کا پروگرام رکھتا ہو اور ہم گداگرانہ زندگی کے سانچوں میں اپنے بچوں کو ڈھالتے ہیں۔ خودداری اور حوصلہ مندی کے جذبات کو کچلا جاتا ہو اور مانگ کھانا سکھایا جاتا ہو یا شکل تکفیر میں مشاق کیا جاتا ہو۔ جو چیز آج ہمارے یتیم خانوں اور تعلیم گاہوں کی خصوصیات ہیں وہ پست حوصلگی، دنارت، چاپلوسی، مہذب گداگری چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑنا جھگڑنا۔ اپنوں سے بیر پرایوں سے میل ملاپ رکھنا معمولی معمولی باتوں پر تکفیر کے فتوے دینا۔ نذر و نیاز۔ انجمن و مدرسہ سازی اور وعظ گوئی پر گذارا کرنا اور عوام کے مذاق کا پابند

رہنا۔ یہ ہماری موجودہ درسگاہوں کی تعلیم و تربیت کے نتائج ہیں۔ کاش! حضرت امام جعفرؑ کے بتلائے ہوئے طریقہ تربیت کی تقلید کی جائے اور اسی قسم کا کوئی صوفی، حکیم، فلاسفر، ادیب اور بلند حوصلہ عالم اور امام پیدا ہو کر ہماری کایا پلٹ کردے۔

اخلاق حسنہ کا محور و مرکز

اس میں کلام نہیں کہ اخلاق حسنہ تمام مذاہب کا مشترک سرمایہ اور اندوختہ ہے اور ہر مذہب و بانی مذہب کی یہ کوشش رہی ہے کہ کسی طرح انسانی عادات و خصائل کو پسندیدہ اور اچھا بنایا جائے۔ اس لئے کم و بیش ہر آسمانی کتاب میں اس کے متعلق مفصل ہدایات موجود ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف اسلام کا ایک مابہ الامتیاز خاصہ پیش کرتے ہیں۔

مذاہب عالم کے تدریجی ارتقا میں اخلاق کے مختلف دوائر فرض کئے جاتے رہے۔ اگر آپ ان دوائر کا بغور مطالعہ کریں تو ایک مرکزی نقطہ نظر آئیگا۔ جو اپنے وقت میں اخلاق کا محور رہا اور اسی اساس پر اخلاق کی دیوار چنی جاتی رہی۔ کسی قوم کے اخلاق و عادات کا محور "بہادری" تھا مثلاً عربوں کے اخلاق۔ کسی قوم کا اخلاقی مرکز "رحمدلی" رہا۔ اور کسی کے یہاں "محبت" کو اصل اخلاق مانا جاتا رہا۔ مگر ان نقاط اخلاقیہ میں سے کوئی نقطہ اور مرکز درحقیقت ایسا نہیں کہ جسمیں مختلف النوع اخلاق کے لئے گنجائش نہ ہو۔ کیونکہ ہر دائرہ اخلاق کو عموماً ایک قوم نفسیات مخصوصہ کی بنا پر تجویز کیا جاتا رہا ہے لیکن چونکہ اسلام کی نظر زمان و مکان کی تمام حدبندیوں سے بالاتر ہے۔ اس لئے کوئی مقامی تعلیم نہیں دی۔ اور اس نے دنیا میں آتے ہی کائنات انسانی کے سامنے اخلاق حسنہ کا ایک عام محور رکھ دیا اور اس کو قیامت تک کے لئے اساس اخلاق قرار دیدیا۔ اور انسان کا منشائے تخلیق "حسن عمل" ٹھیرایا۔

یہاں الٰہیات کا اخلاقیات سے اور اخلاقیات کا الٰہیات سے اندرونی اور اعضائی تعلق ہے نہ کہ بیرونی و مصنوعی۔ اور ایمان، بے عمل بہار زندگی کے لئے خزاں ہے۔

اسلام کا وہ مایہ ناز اخلاقی محور "تقویٰ" ہے۔ جس کے معنی ہیں اللہ کے ساتھ ایسا تعلق اور محبت و عبدیت الٰہی کا ایسا گہرا نقش جس کے سبب نفس انسانی ہر معصیت سے بچ سکے اسکے مفہوم میں نیکی اور خیر کے جملہ اقسام اور تمام ارادی افعال و اعمال داخل ہیں اسی لئے قرآن حکیم نے ہر خوبی، ہر کمال اور ہر اخلاق کو لفظ تقوے سے تعبیر کیا ہے۔ اس لفظ کا کمال یہ ہے کہ جہاں ایک طرف تخلق باخلاق اللہ کا مطمح نظر سامنے آجاتا ہے، تو دوسری طرف گناہوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی توفیق ارزاں ہوجاتی ہے

چونکہ لفظ "اتقا" کا منشا ہر نوع کی خیر و برکت کا اکتساب ہے اسی لئے قرآن حکیم نے ہر خوشخبری و فائز المرامی کے لئے "متقین" ہی کو منتخب فرمایا ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ — اللہ پاک متقین کو دوست رکھتا ہے۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ — اللہ پاک متقین کا حامی و ناصر ہے

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ نَعِيْمٍ — جنت کی نعمتیں اور آخرت کی فائز المرامی متقین ہی کا حصہ ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ أَمِيْنٍ ۝ — متقین کا مقام بزرگ و برتر ہے۔

غرض تقویٰ اخلاق حسنہ کا وہ محور اور مرکز ہے جس کے گرد حسن عمل کی تمام خوشنمائیاں اور دلفریبیاں گھومتی ہیں اور ایک مسلمان کی شخصیت میں بیک وقت مختلف قسم کی بھلائیاں اور خوش اخلاقیاں نظر آتی ہیں۔ اگر مسلمان اسلام کے بتلائے ہوئے اخلاقی پروگرام کو سامنے رکھ لیں اور اخلاق حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کرلیں تو وہ آج ہی اقوام عالم کی آنکھ کا تارا بن جائیں اور خاک مذلت سے اٹھ کر فلک عظمت پر جا پہونچیں۔

اب ہم مختصر طور پر کچھ اسلامی آداب حضرت امام غزالیؒ کی کتاب "الادب فی الدین" سے لے کر پیش کرتے ہیں۔

اسلامی آداب

مومن کے آداب۔ غموم و ہموم میں صابر و شاکر رہے ہمیشہ خاموش رہے۔ اعضاء و جوارح کو ساکن رکھے۔ احکام و اوامر الٰہیہ کے بجالانے میں پیشدستی اور سبقت کرے۔ اور مناہی سے اجتناب کرے۔ اعتراض اور نکتہ چینی کی عادت کم کرے۔ اخلاق کی درستی میں سرگرم رہے۔ ہمیشہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہے۔ فکر کو پاک کرے۔ جوارح کو قابو میں رکھے۔ قلب کو ساکن رکھے۔ پروردگار عالم کی تعظیم کرے۔ غصہ کم رکھے۔ اخلاص پر نظر رکھے۔ اور لوگوں پر نظر نہ رکھے۔ اخلاص عمل، اکل حلال، صدق مقال کو شعار زندگی بنائے رکھے۔

آداب العالم علم کو لازم رکھے۔ عمل پر عمل کرے۔ وقار و تمکنت کا اظہار کرے اور تکبر سے باز رہے شاگردوں سے لطف و مدارات کے ساتھ پیش آئے۔ بداخلاقوں اور معصیت شعاروں کی اصلاح پر سرگرم رہے۔ بلید الطبع لوگوں کو اسلام کے مسائل ذہن نشین

کرانے میں ترشروئی اور بے التفاتی نہ برتے۔ معترض کے اعتراضات کو عقل و حکمت کے ساتھ دور کرے۔ خصم کے دلائل و براہین اور حجت کو ٹھنڈے دل سے سنے اور دین الٰہی کی اشاعت میں ہر وقت ساعی رہے۔

آداب المتعلم یعنی شاگردوں کے آداب۔ اپنے استاد کو ابتداءً سلام کرے۔ جب وہ کھڑا ہو تو اسکی تعظیم کے لیے کھڑا ہو۔ کسی بات میں اپنے استاد کا نام نہ لے۔ اس کی مجلس میں بیٹھے بیٹھنے کی درخواست نہ کرے اس سے ہمکلام اور مخاطب ہوتے وقت تبسم نہ کرے۔ خواہ مخواہ اس کی مخالفت اور تردید نہ کرے۔ جب وہ کھڑا ہو تو اس کا کپڑا نہ پکڑے اور چلتے ہوئے راستہ میں کوئی مسئلہ نہ پوچھے۔

آداب معلّم الصبیان بچوں کی اصلاح و تربیت میں اول اس بات کا خیال رکھے کہ وہ اسکی طرف نظر نہ رکھیں۔ کچھ سننے کیلئے خفیہ طور پر استاد کی باتوں پر کان نہ لگائیں۔ بچے جس چیز کو اچھا سمجھیں اُن کے سامنے اسکی تعریف نہ کرے۔ وہ بچوں سے کوئی بُرائی دیکھے تو اسکی قباحت ان کے سامنے بیان نہ کرے۔ تعلیم کے وقت تک سکوت اختیار کرے۔ قہر و غضب کی نظر سے ان کو نہ دیکھے ہاں ان کی تادیب میں عب و داب کو قایم رکھے۔ نہ ان کو زیادہ مارے اور نہ زیادہ سزا دے کیونکہ اس سے بچے نڈر اور زجر و توبیخ کے عادی ہو جاتے ہیں ان کے سامنے غیبت، جھوٹ اور چغلی کی قباحت و خرابی بیان کرے۔ ان پر کوئی ایسا دماغی و جسمانی بوجھ نہ ڈالے جو ان کی بساط اور قوت سے باہر ہو۔ اخلاق کی درستی کا خاص اہتمام اور خیال رکھے اور نماز، روزہ اور طہارت و پاکیزگی مسائل سمجھائے اور نماز پڑھنے کی تاکید کرے۔

آداب الواعظ اپنی خوش بیانی اور علم پر ناز اور غرور و تکبر نہ کرے۔ اپنے سے زیادہ علم رکھنے والوں کی تعظیم و تکریم کرے۔ حاضرین سے کسی قسم کی طمع نہ رکھے ایسی کوئی بات نہ کہے جس پر وہ خود عمل نہ کرتا ہو۔ اگر حاضرین کی کوئی بُرائی یا قباحت بیان کرے تو اپنے آپ کو بھی مخاطبین میں شامل کرلے۔ اور نہ زیادہ درشتی اور سخت کلامی استعمال کرے اور نہ ہی اتنی نرمی اور ملاطفت برتے کہ بات بے اثر ہو کر رہ جائے۔

آداب الصّوفی اکثر وقت ذکر و شغل الٰہی میں گزارے عشق اور محبت الٰہی کو چھپائے ایسا لباس اختیار نہ کرے جس سے شہرت حاصل ہوتی ہو۔ اپنے تمام افعال، اعمال و اقوال میں شریعت سے تمسک کرے اور اتباع نبوی کو لازم پکڑے۔ بصبر و شکر، صدق، اخلاص

اور قناعت و توکل کو اپنا شعار خصوصی بنائے۔ خلق سے بے نیاز رہے۔ امرا اور حکام کی ملاقات اور صحبت سے دور رہے۔ کسی سے بغض و کینہ اور نفرت و عداوت نہ رکھے۔ عورتوں کے ساتھ ملوخا اور ملنا جلنا ترک کرے اور ہمیشہ درس قرآن دے۔

سونے کے آداب

پاک و صاف لباس اور جسم کے ساتھ سوئے۔ داہنی کروٹ کے بل لیٹے جب تک نیند نہ آئے اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتا ہے۔ جب لیٹنے لگے تو یہ دعا پڑھے بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهَا وَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اے رب میں نے تیرے نام کے ساتھ اپنی کروٹ رکھی۔ تیری ہی مدد سے اس کو اٹھاؤں گا۔ اگر تو اس کو روک رکھے (یعنی موت دے) تو میری جان کو بخش دے اور رحم کر اس پر۔ اور اگر تو اس کو چھوڑ دے اور واپس کرے تو اس کو اپنی نگہبانی میں رکھیو جیسا کہ تو اپنے اچھے بندوں کی نگہبانی کرتا ہے۔ پھر سیدھا ہاتھ سیدھے گال کے نیچے رکھ کر داہنی کروٹ کے بل۔ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰ۔ میں تیرے نام سے مرتا اور تیرے نام سے جیتا ہوں۔ پھر ۳۳ بار سبحان اللہ۔ ۳۳ بار الحمد اللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھے۔ پھر دونوں ہتھیلیوں کو اکٹھا کر کے دونوں پر سورۂ اخلاص یعنی قل ھو اللہ۔ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر پھونک لے اور سارے بدن پر پھیر کر اور تین بار آیۃ الکرسی پڑھ کر سو جائے جب جاگے تو یہ پڑھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔ تمام تعریفیں اس ذات الٰہی کو ہیں جس نے ہم کو بعد مارنے کے جلایا اور اسی کی طرف سب کو اکٹھا ہونا ہے۔

آداب تہجد

شام کو غذا کم کھائے اور پانی تھوڑا پئے۔ دن کو غیبت، کذب، لغو اور بیہودہ امور سے اجتناب رکھے۔ محرمات پر نظر نہ ڈالے۔ اپنی نیت کو پاک و صاف رکھے، جب نماز کے لیے بستر سے اُٹھے تو حمد و ثنا کہتا ہوا۔ پھر نہایت اطمینان اور کامل طور سے وضو کرے۔ ملکوت السموات میں غور و فکر کرے۔ مخصوص دعائیں پڑھے۔ اور حضور قلب کے ساتھ اور نماز کے معنے سمجھ کر نوافل گزارے۔

استنجے کے آداب

جب جا ضرور یا پیشاب کی حاجت ہو تو بائیں ہاتھ میں ڈھیلے لیکر رفع حاجت کے لیے آڑ میں جائے۔ پاخانہ میں پہلے اُلٹا پاؤں رکھے اور بسم اللہ پڑھ کر کہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ناپاکی اور ناپاکوں سے۔ قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے نہ بیٹھے۔ بائیں پاؤں

پر زور ڈالے۔ نیچے کی جگہ پر سے اونچی جگہ پیشاب کرے۔ کھڑے کھڑے، لیٹے لیٹے، بے ضرورت ننگے ہوکر اور وضو یا نہانے کی جگہ پر پیشاب نہ کرے۔ نیز سانپ یا چوہے کے بلوں میں، لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ پر، راہ میں، قبرستان میں میوہ دار درخت کے نیچے۔ کسی حوض کے کنارے۔ اور جانور باندھنے کی جگہ پر پیشاب یا پاخانہ نہ کرے۔ جا ضرور اور پیشاب کرنے کی حالت میں بات چیت نہ کرے۔ جب فارغ ہو چکے تو ڈھیلوں سے استنجا کرے۔ بائیں ہاتھ میں پہلی دفعہ ڈھیلا لیکر آگے کی طرف سے پیچھے کی طرف کو پونچھے۔ پھر دوسرے ڈھیلے سے پیچھے سے آگے کو پونچھے، پھر تیسرے سے آگے سے پیچھے کو پونچھے۔ اگر خاطر جمع ہو جائے تو بہتر بس یہ تین ڈھیلے کافی ہیں ورنہ پانچ ڈھیلوں کا استعمال کرے۔ اور استنجا کرتے وقت کہے۔ اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَحَصِّنْ فَرْجِیْ مِنَ الْفَوَاحِشِ خدایا میرے دل کو نفاق سے پاک کرے اور میری شرم کی جگہ کو بےحیائی اور بےشرمی کے کاموں سے بچائے رکھ۔

حمام کے آداب

اپنی شرمگاہ کا چھپانا۔ نظر کو نیچا رکھنا حتیٰ کہ اپنے بدن کو بھی نہ دیکھنا علیحدگی اور تنہائی ہو۔ بات چیت نہ کرنا۔ سلام کا جواب نہ دینا۔ نہاتے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرے۔ پہلی دفعہ پانی ڈالتے وقت بدن کو خوب مل لے۔ نہانے کے بعد کپڑے پہن کر دونوں پاؤں دھوئے اور نہانے کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا کرے۔

مسجد میں داخل ہونے کے آداب

مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے داہنا قدم رکھے اگر جوتوں میں کوئی گندگی لگی ہو تو اسے زمین سے گھس کر صاف کرے۔ داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھے حاضرین جائے ہی سلام علیکم کرے اگر مسجد خالی ہو تو اپنے نفس پر سلام کرے اور دعا مانگے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کے دروازے کھولدے پھر قبلہ رو ہوکر بیٹھ جائے۔ دنیاوی باتیں نہ کرے۔ لہو و لعب میں مشغول نہ ہو۔ آواز بلند نہ کرے تلوار کو بے نیام نہ کرے۔ نہ تیروں کو صاف کرے۔ نہ کوئی گم شدہ چیز تلاش کرے اور نہ کوئی خرید و فروخت کرے۔ اور مسجد سے نکلتے وقت بایاں پیر باہر نکالے۔

آداب الامام

امام نماز کے فرائض، واجبات اور سنن سے واقف ہو۔ جن چیزوں سے نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہو۔ ان کا جاننے والا ہو۔ ایسی قوم اور مقتدیوں کی امامت نہ کرے جو اچھا نہ سمجھیں یعنی زبردستی امامت نہ کرے۔ جو اہل علم، بڑی عمر والے ہوں ان کو جماعت میں دائیں طرف کھڑے ہونے کی تاکید کرے۔ صفوں کے سیدھا ہونے کا حکم کرے۔ نہ اتنی طویل سورتیں پڑھے کہ مقتدی اُکتا جائیں۔ نہ اتنی چھوٹی سورتیں پڑھے کہ کمال نماز فوت ہو جائے

اور نہ رکوع و سجدہ کی تسبیحوں کو اتنا زیادہ کہے کہ مقتدی بددل ہو جائیں۔ رکوع اور سجود اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر کرے۔ اور مقتدیوں کا انتظار اس وقت تک کرے کہ نماز کا وقت تنگ ہو جائے۔

آداب نماز اظہار تذلل و انکسار کرے۔ خشوع و خضوع پیدا ہونے کی حتی الامکان کوشش کرے۔ حضور قلب حاصل کرے۔ وساوس کو نزدیک نہ آنے دے۔ اعضا جوارح کو ان کی حالت پر چھوڑ دے۔ ہاتھوں کو سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر باندھے۔ داہنا ہاتھ اوپر رکھے۔ جو کچھ تلاوت کرے اس کے معانی پر غور و تدبر کرے۔ قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ نگاہ رکھے رکوع کی حالت میں پیروں پر۔ سجدہ کی حالت میں ناک پر اور تشہد کی حالت میں سینہ یا ہاتھوں پر نظر رکھے

آداب جمعہ وقت سے پہلے ہی جمعہ کی تیاری کرے۔ غسل کرے اور صاف ستھرے کپڑے پہنے ڈاڑھی میں اور بالوں میں کنگھی کرے۔ کپڑوں میں خوشبو لگائے دنیا کی باتیں کم کرے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ امام کے نزدیک جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے خطبہ کے وقت خاموش رہے۔ انگلیوں کو نہ چٹکائے۔ خشوع و خضوع کا اظہار کرے۔ خطیب کے ممبر پر بیٹھ جانے کے بعد نماز نہ پڑھے اور خطبہ بگوش ہوش متوجہ ہو کر سُنے۔

آداب مریض اکثر اوقات موت اور قبر کی سختی کو یاد کرے۔ توبہ و استغفار مانگے۔ خدا کی حمد و ثنا میں مصروف رہے۔ تضرع و زاری اور دعا کرے۔ دوا کرتے اور دوا پیتے وقت خالق الدوا سے استعانت کرے اظہار شکر کرے اور شکوہ شکایت کے الفاظ زبان پر نہ لائے۔

آداب غنی تواضع اور انکسار اختیار کرے مال و دولت پر غرور اور تکبر نہ کرے بلکہ اللہ کا شکر کرے۔ رفاہ عام اور نیکیوں کے کاموں میں اپنے مال کو خرچ کرے فقراء و مساکین سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملے۔ ان کے سلام کا جواب دے۔ اور صدقات و خیرات میں ہر وقت ساعی رہے۔

آداب فقیر قناعت اور توکل کو لازم پکڑے فقر و فاقہ کو چھپائے۔ بغیر اشد ضرورت سوال نہ کرے اور اس کو ذریعہ معاش ہی نہ بنائے۔ زیادہ طمع نہ رکھے۔ خلق سے بے تعلق اور بے طمع رہے۔ اغنیا کو جنت کی بشارت سنائے۔ اہل سخاوت و مروت کی تعریف کرے اور تذلل و انکسار ظاہر کرے۔

کھانے کے آداب کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد دونوں ہاتھ دھوئے۔ کھاتے وقت بسم اللہ کرے داہنے ہاتھ سے کھائے۔ چھوٹا نوالہ لے۔ خوب

اچھی طرح چبائے۔ حاضرین کی طرف نہ دیکھے۔ تکیہ لگا کر نہ کھائے۔ بھرے ہوئے پیٹ پر کچھ نہ کھائے اپنے سامنے رکھے ہوئے پیالہ میں سے کھائے۔ کپڑے اور انگلیوں کو آلودہ نہ ہونے دے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد انگلیاں چاٹ لے۔ اور حمد و شکر کرے۔

پینے کے آداب پینے سے پہلے برتن میں دیکھ لے کہ کوئی چیز نہ ہو۔ کھڑے ہو کر نہ پیئے۔ پیتے وقت بسم اللہ کرے۔ تین سانس لیکر پیئے۔ اور الحمد للہ کہہ کر گلاس وغیرہ کو واپس کرے اور جو داہنی طرف ہو اسکی صلاح لے لے۔

ہم نے یہ چند آداب بطور نمونہ پیش کیئے ہیں ورنہ کوئی حرکت ایسی نہیں جس کے متعلق اسلامی آداب نہ ہوں۔ اسلامی معاشرت کا یہ جمیل نقشہ ہے جو اسلامی تمدن و معاشرت کی فوقیت و برتری کا ادنیٰ ثبوت ہے۔

اگر مسلمان اپنے تمدن و معاشرت کا حسن و جمال دیکھ لیں تو بخدا مغربی تمدن گلی کوچوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرے اور مغربی تمدن کا جو زہر مسلمانوں کی رگوں میں سرایت کر گیا ہے اس کا فوراً ازالہ ہو جائے۔ کاش! مسلمان اپنے تمدن و معاشرت کو اختیار کریں تاکہ اس کی قومیت کی متزلزل بنیادیں استوار ہوں اور ان کا پرچم جہاں کشائی اقوام عالم کے تمدن پر لہرائے۔

چھٹا باب

اسلامی تصوّف و ریاضات اور مجاہدات

اسلام اور روحانیت

کہا جاتا ہے کہ یہ زمانہ الحاد و دہریت اور مادہ پرستی کا ہے۔ روحانیت اور معقولیت میں بعد المشرقین ہے۔ کسی تعلیم کے روحانی اثر کا قائل ہونا ایک بے دلیل بات اور لغو عقیدہ ہے اور روحانی کمالات اور روحانی قوتوں کو ماننا پرانے زمانہ کے بیوقوف لوگوں کا کام ہے مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا جوں جوں مادیت میں ترقی کرتی جا رہی ہے اور عقلی نظریات و محسوسات کے پھندوں میں پھنستی جا رہی ہے تیوں تیوں وہ برق رفتاری کے ساتھ اخلاق روحانیت کی طرف آ رہی ہے۔ وہ منبع جس سے مذکورہ بالا خیالات پھوٹ پھوٹ کر نکلے اسی منبع سے روحانی اثر کی آوازیں نکل رہی ہیں۔ مادی ترقی روحانی ترقی میں ممد و معاون ثابت ہو رہی ہے یعنی خود یورپ کے دہریے اور ملحد روحانی قوتوں کے قائل ہو رہے ہیں اور دنیا کو روحانیت کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ یورپ کا مادی و روحانی تذبذب اور مضحکہ انگیز انکار و اعتراف ملاحظہ ہو۔

اہل یورپ کے قیاسات و معلومات کی بے ثباتی

عالم ارواح اور روحانی طاقتوں کی بابت جو انقلاب اہل یورپ میں واقع ہوا اور روحانیت کے متعلق جو عالم تخیلات میں قلابازیاں کھائیں وہ اہل یورپ کے معتقدات و خیالات کی بوقلمونی اور بے اعتباری کا ایک دلچسپ اور قابل دید نمونہ ہے۔ چند صدیوں کی بات ہے کہ یورپ والوں کے یہاں ہر قسم کے بھوت پلید اور جادو آسیب کا اعتقاد مذہباً اور قانوناً مسلم تھا حتیٰ کہ صدہا ناکردہ گناہ عورتیں ڈائن اور چڑیل سمجھکر زندہ جلا دی گئیں۔ چنانچہ صرف ایک صوبہ لورین میں ۱۵۸۰ء سے ۱۵۹۵ء تک نو سو عورتیں جادوگری کے الزام میں زندہ جلا دی گئیں۔ اسکے بعد خیالات نے ایک پلٹا کھایا۔ ان خیالات کو اوہام سمجھا جانے لگا اور اسمیں اس قدر غلو ہوا کہ روح اور خدا تک کے وجود سے انکار کر دیا گیا۔ اور شیطانوں، جنوں اور فرشتوں کے وجود کو مضحکہ انگیز اعتقاد بتلایا گیا۔ اس کا اثر اتنا پھیلا کہ جہاں جہاں مغربی تمدن اپنی روحانیت سوز تباہ کاریاں لئے ہوئے پہونچا وہاں کے اہل مذاہب میں ہلچل ڈالدی اور لگے وہ اپنے اپنے مذاہب پر کتر بیونت

کرنے اور اہل مغرب کے خیالات سے تطابق دینے۔ چنانچہ ہمارے بزرگ قوم اور مصلح ملت سرسید مرحوم کو ان خیالات ہوائی کی تقلید میں شیطانوں، جنوں اور فرشتوں کے وجود خارجی کی تردید میں بیجا اور دور از کار تاویلوں سے کام لینا پڑا۔

اس کے بعد پھر خیالات کی رَو بدلی اور مسمریزم اور ہپناٹیزم کی تحقیق و تفتیش کرتے کرتے فلاسفۂ مغرب روحانیت جدید تک جا پہنچے جس نے سارے پچھلے قیاسات کو غلط اور باد ہوا ثابت کر دیا اس نئے انکشاف سے دنیائے سائنس و فلسفہ کے مشاہیر اور مستند اُستاد صرف ہر قسم کی روحانی ترقی ہی کے قائل نہیں ہوئے۔ بلکہ انہوں نے تو یہاں تک تسلیم کر لیا کہ روحیں جسم ظاہری کے فنا ہو جانے کے بعد بھی مادی اشیاء پر مختلف قسم کا اثر ڈال کر اپنے وجود اور روحانی طاقت کا اظہار کر سکتی ہیں، اور ہم کو اپنے حالات بعد الموت سے آگاہ کر سکتی ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ دنیائے سائنس میں "آٹو میٹک رائٹنگ" یعنی غیبی تحریر کا ذکر بھی کئی بار آ چکا ہے جس کا ماخذ روحانی طاقت ہی کہا جاتا ہے۔ غرض روحانی تعلیم اور روحانی ترقی سے فلسفہ جدید کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

اب ہم اسلامی تصوف اور روحانی ترقی کی بابت قلم اُٹھاتے ہیں۔

مذہبی اعمال و عبادت کی غرض و غایت

جس طرح جسمانی ورزش کا منشا یہ ہے کہ اعضائے جسمانی میں طاقت آئے اور تعلیم و تربیت کا مدعا یہ ہے کہ دماغی قوتوں کی نشو و نما ہو۔ اسی طرح مذہبی اعمال و عبادات کا اصلی مقصد یہ ہے کہ ہماری اخلاقی اصلاح اور روحانی ترقی میں ممد و معاون اور ان میں کمال حاصل ہو۔ اور عرفان نفس و تقرب الی اللہ کی راہیں کُھل جائیں، غرض تمام اعمال و عبادات کی غرض و غایت اسکے سوا کچھ نہیں کہ وہ ہم کو علائق دنیوی سے یکسو کر کے ہمارے قوائے باطنی کو بیدار کر دیں۔ دل کی آنکھیں کُھل جائیں۔ انسان اپنے مقصد حقیقی اور اپنی اصلی قرارگاہ کو پہچان لے اور وہ نجات و فلاح پائے۔

جس کے مذہب کے معتقدات اور اعمال و عبادات اس مدعائے عالی کو پورا نہ کریں اور تقرب الی اللہ و معرفت الٰہی کی طرف رہبر نہ ہوں۔ تو وہ مذہب یقیناً خدائی مذہب نہیں بلکہ ردی کی ٹوکری میں پھینک دیئے جانے کے لائق ہے۔ ہاں یہ ایک حقیقت ہے کہ جیسے پاکبازی و نکوکاری کسی خاص قوم اور مذہب کے ساتھ وابستہ نہیں۔ ویسے ہی روحانی ترقی بھی کسی ایک مذہب کا مخصوص حصہ نہیں ہے۔ بلکہ کم و بیش اور ناقص و کامل تمام بڑے بڑے الہامی مذاہب میں روحانی تعلیم و ترقی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اور آخر میں اسلام نے دنیا میں آ کر تکمیلی ہدایت کر دی اور انسان کے سامنے عرفان الٰہی اور تقرب الی اللہ

کی راہیں کھول کر رکھ دیں۔

تمام مذاہب کا مشترکہ عقیدہ اور انسان کا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ ریاضت اور نفس کشی سے روح قوی اور تر و تازہ ہوتی ہے۔ اور مادی خواہشات و علائق دنیوی میں انہماک سے یہ طاقت کمزور ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہو کہ انبیاء و اولیاء کے علوم و ادراکات اور مقامات عقول متوسط کے مرتبہ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو چیز انسان میں علوم اور ادراکات کرنے والی ہے اور عالم قدس و عالم سعادۃ تک پہونچانے والی ہے وہ ایک لطیف چیز ہے جس کو روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو جب علم و سعادت اور قرب الٰہی حاصل ہونے کا مبنیٰ وہی لطیف چیز روح ٹھیرا تو جس قدر جسم کی کثافت کو بذریعہ مجاہدات اور ریاضات کے زائل کیا جائیگا اُسی قدر روح کی لطافت میں ترقی ہو گی۔ علوم و ادراکات میں یقیناً وسعت پیدا ہوتی جائے گی اور روحانی ترقی و سعادۃ کی راہیں کھلتی جائیں گی۔ چنانچہ شیخ بو علی سینا لکھتے ہیں۔

"خدا کی معرفت رکھنے والے پاک بندے جس وقت اُن سے جسمانی تعلق کا بار ہلکا کر دیا جاتا ہے اور وہ دنیاوی مشاغل سے علحدہ ہو جاتے ہیں تو ان کی توجہ خالص طور پر عالم قدس اور عالم سعادۃ کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور وہ اعلیٰ درجہ کے کمال کے ساتھ موصوف اور بڑی لذت اُٹھانے والے ہوتے ہیں۔ اور یہ نہیں کہ جب روح بدن میں ہو تو وہ اس لذۃ سے بالکل محروم رہیں بلکہ ایسے لوگ جو خدا کی عظمت و جبروت کی فکر میں ڈوبے ہوئے اور جسمی مشغلوں سے اعراض کرنے والے ہیں وہ ان اجسام میں رہ کر بھی اس لذۃ سے اتنا حصّہ پالیتے ہیں جو اُن پر غالب آکر تمام اشیاء سے ان کو فارغ کر دیتا ہے"

تو چونکہ ریاضت اور نفس کشی سے روح کا قوی ہونا اور معرفت الٰہی کا حاصل ہونا ایک مسلمہ حقیقت اور یقینی امر ہے اس لئے بڑے بڑے ادیانِ عالم میں عام اخلاقی تعلیم اور معمولی عبادتوں کے علاوہ خواص کو سخت عبادات و ریاضات اور مجاہدات کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے۔ چنانچہ ہندوں میں جوگ، عیسائیوں میں رہبانیت اور مسلمانوں میں تصوف اسی غرض سے پیدا ہوا اور اسی نعمت غیر مترقبہ کے حاصل کرنے کے لئے مقتدایان مذاہب اور عارفان الٰہی نے ایسی ایسی ریاضات شاقہ برداشت کیں جو آج عقول ناقصہ کے نزدیک ناممکن ہیں۔ اور ان بزرگوں نے جسم کو دبانے اور کمزور کرنے کے وہ طریقے نکالے جن کو سُن کر اب تعجب ہوتا ہے۔

گھر بار اور اہل و عیال سے علحدہ ہوئے۔ کھانے، پینے، پہننے اور دیگر عیش و آرام پر لات

ماری۔ تجرد اور تنہائی اختیار کی۔ برسوں تک روزے رکھے۔ چلے کھینچے۔ ہاتھ اٹھایا تو اسے سکھا دیا
ایک پاؤں پر کھڑے ہوئے تو اسے سُن کر دیا۔ جس آسن پر بیٹھے تو برسوں پہلو نہ بدلا۔ یہاں تک کہ
حبس دم کی مشق بہم پہونچائی تو سانس تک لینا بند کر دیا۔ اور یہ سب جانکاہ ریاضتیں محض اس لئے
اختیار کی گئیں کہ کسی طرح معبود حقیقی مل جائے۔ معبود سے دائمی تعلق قایم ہو جائے اور محبت
الٰہی کے جملہ حقوق پورے ہو جائیں۔

مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ باوجود اس جدوجہد اور بھاگ دوڑ کے ویدانت اور عیسائیت
اپنے اپنے پیروؤں کو اصل روحانی ترقی و بہبودی سے روشناس نہ کرا سکے اور خدا کے عاشق پاکباز
ہندو مہنتوں اور عیسائی راہبوں کی ریاضت شاقہ یونہی رائگاں اور برباد گئیں انکی روحوں کو جس چیز کی
تلاش و جستجو تھی اُس سے ناآشنا اور دُور رہیں "اُلٹے بانس بریلی کو چلے گئے" یہ تو نہیں کہا جا سکتا
کہ ان کی ریاضتیں بالکل ہی بے فائدہ گئیں بلکہ ان کی روحانی طاقت میں کچھ نہ کچھ ترقی ضرور ہوئی
ممکن ہے کہ قدیم ہندوستان کے جوگیوں کے جو حیرت انگیز قصے مشہور ہیں ان میں بہت کچھ واقعیت اور صداقت
ہو اور وہ سب روحانیت ہی کے کرشمے ہوں مگر اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ نہ ان لوگوں نے اپنے مقصد حیات
کو پہچانا اور نہ صحیح معنوں میں عرفان الٰہی کے بلند و بالا مقام کو حاصل کیا۔ اور نہ ان کے وجود، انکی
تعلیمات اور ان کے اعمال و افعال سے ابنائے جنس کو کوئی فائدہ پہنچا۔ بلکہ در اُلٹا انہوں نے تو
نظام عالم کو درہم و برہم اور قوانین قدرت کی زنجیروں کو توڑنا چاہا اور آئندہ نسلوں کے سامنے اخلاقی
و روحانی زندگی کا ایک ناممکن العمل اور خلاف قانون قدرت دستور العمل رکھ دیا۔

جوگ اور رہبانیت کا نقص و فساد

ہندوؤں کے جوگ اور عیسائیوں کی رہبانیت کا مرکزی اصول علی العموم ترک دنیا اور ترک لذات
ہے جو قانون قدرت اور انسانی فطرت کے سراسر خلاف ہے۔ اگر خدا کی خوشنودی اسمیں ہے کہ ہم دنیا کو ترک
کرکے خود اپنے جسم کو فنا کرلیں تو یہ خدا کی تخلیق پر سخت ترین الزام اور بدنما دھبہ ہے۔ کہ اس نے اس
دنیا کو پیدا ہی کیوں کیا اور انسان کو اسمیں بھیجا ہی کیوں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے دریا میں ڈالکر
یہ کہنا کہ خبردار کپڑے نہ بھیگیں۔ بارش ہو مگر زمین گیلی نہ ہو اور آفتاب نکلے مگر دھوپ نہ ہو۔

خالق القوی والقدر نے انسانی تخلیق بیکار نہیں کی کہ نہ وہ کسی کے کام آئے اور نہ اس کے
کوئی کام آئے۔ ہندو جوگیوں اور عیسائی راہبوں کے وجود سے نہ دوسروں کو کچھ فائدہ پہنچا اور نہ خود
ان کو۔ ان کی ریاضتوں کی دشواری اصول فطرت سے سخت ترین مخالفت و منازعت تھی اور ان کی

عمومیت میں سب سے بڑی سدِ راہ تھی۔ ایک محدود طبقے کے عوام ان دشوار رستہ پر گامزن نہیں ہو سکتے تھے۔

قدرت نے انسان کو جو جذبات و محرکات دیئے ہیں وہ ایسے کمزور نہیں کہ ہر شخص بآسانی ان کو دبا سکے۔ اور قدرت کی زنجیریں کچے دھاگے کی مانند نہیں کہ ان کو ہر کس و ناکس توڑ پھینکے۔ ہاں ان پر حکمرانی انسان کر سکتا ہے۔ ان کو اپنے اختیار میں لا کر ان کو موقع و محل پر استعمال ضرور کر سکتا ہے۔ نجات و معرفت کے حصول کے لیئے قویٰ کے معدوم کر دینے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حکیم و بصیر خدا نے ان قویٰ کو مصالح زندگی کے لحاظ سے پیدا کیا ہے۔ اگر ان کا بالکلیہ استیصال ہو جائے تو انسان کی عملی زندگی ہی ختم ہو جائے پھر معرفت الٰہی کیسی۔ اور نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ چونکہ قدرتی قویٰ کی تاثیر نہایت سخت اور ان کی گرفت آہنی گرفت ہے اس لیئے وہ لوگ جنہوں نے رہبانیت اختیار کی اور دنیا کو اپنے مکر و فریب کے سنہری جال میں پھنسایا وہ اپنے آپ کو دنیا کی آلودگی اور سیاہ کاری سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ بلکہ ان کی قوت شہوت نے عوام الناس سے زیادہ گل کھلائے، چنانچہ اب تک جہاں کہیں بھی یورپ کا کوئی قدیم کنیسہ یا صومعہ کسی وجہ سے منہدم ہوا ہے تو صدہا معصوم اور بےگناہ بچوں کی ہڈیاں زمین سے نکل کر راہبوں کی سفاکی، سیاہ کاری اور معصیت شعاری کا اعلان کر رہی ہیں اسلامی تصوف پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہیں۔ اور علام الغیوب خداوند عالم کے ارشاد پاک کی تصدیق کر رہی ہیں۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

اور ترک دنیا جو انہوں نے خدا کی خوشنودی کے لیئے ایجاد کی تھی ہم نے ان پر اسے فرض نہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسکو پوری طرح نہ نباہ سکے۔ پھر ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو اس کا صلہ دیا۔ اور ان میں سے بہت سے تو نافرمان اور فاسق ہیں۔

اس ارشاد گرامی کے پچھلے الفاظ قابل غور ہیں جن میں آج سے تیرہ سو سال پہلے ایک ایسی گندی حقیقت اور پوشیدہ معصیت سے پردہ اٹھایا گیا تھا جسکی تصدیق آج کنیسوں کی منہدم عمارتیں کر رہی ہیں اس سے زیادہ مسیحیت کی روحانی تعلیم کی شکست اور اسلامی تصوف کی فتح اور کیا ہو گی کہ روم کے ایک صومعہ کا تالاب جب پوپ گریگوری کے حکم سے صاف کیا گیا تو اسمیں سے چھ ہزار سے زائد بچوں کی کھوپڑیاں نکلیں اور اسی طرح آسٹریا کی ایک خانقاہ دوشیزگان کی بنیادوں نے بھی یہی منظر

پیش کیا۔ (آسٹس ان ویلڈ حصہ دوئم صفحہ ۵۸)

دیکھا آپ نے ترک دنیا کا وعظ کہنے والوں نے کس طرح پاکبازی اور عصمت شعاری کا منہ کالا کیا اور ان کی ریاضتیں ان کو کہاں سے کہاں لے گئیں۔

اس سے یہ بھی نہ سمجھئے کہ تمام تارک الدنیا لوگوں کا یہی حال تھا نہیں نہیں ہرگز نہیں "ایک مچھلی تمام تالاب کو گندہ کردیتی ہے۔ پانچوں انگلیاں یکساں نہیں۔ اکثر تارک الدنیا لوگوں نے اپنے آپکو بدمستیوں اور سیاہ کاریوں سے محفوظ رکھا۔ مگر وائے افسوس ان کی تمام جانکاہیاں و نفس کشیاں مفید اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئیں۔ ایک انگریزی محقق ہندستان کے فلسفہ قدیم کی بابت لکھتا ہے۔

"مندروں میں جن کے خزانے لاکھوں، کروڑوں آدمیوں کی عرق ریزی سے مالامال تھے۔ پجاری بڑے ترک و احتشام سے شان و شوکت کا لباس پہنکر مجمع عام میں آتے تھے اور خود اپنے بنائے ہوئے لکڑی، پتھر اور پیتل کے بتوں کے سامنے سر جھکا کر لوگوں کو نہایت ہی بیہودہ اور مہمل وہم پرستی سکھاتے تھے۔ ان مذہبی رسوم کی بجاآوری سے ان کا منشاء یہ تھا کہ لوگوں پر انکی حکومت قائم رہے۔ چنانچہ جب قربانی ہوچکتی تھی تو ویش اور شودر اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے تھے۔ راجہ امیر اپنے عیش و عشرت میں محو ہوجاتے تھے۔ اور برہمن اپنے مخفی معبدوں میں چلے جاتے تھے۔ جہاں وہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے مذہبی اور فلسفی مسائل کی تحقیق و تعلیم میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔" (دی اوکلٹ سائنس ان انڈیا مصنفہ جیکولیٹ)

ہندوؤں اور عیسائیوں کی روحانی تعلیم میں سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ روحانی تعلیم و ترقی خواص کے لئے مخصوص تھی اور عوام کو بالکل ہی محروم رکھا جاتا تھا۔ بس ان کی روحانی بہبودی اسی میں تھی کہ وہ روحانی پیشواؤں کی خدمت و تعظیم کرتے رہیں اور ان کو ہر طرح راضی رکھیں۔ حتیٰ کہ بیچارے شودر تو اس لائق بھی نہ تھے کہ ان کے کانوں میں ویدوں کی آواز پہنچے اور وہ پرماتما کے کلام کو سن بھی سکیں۔

اسلام کی روحانی تعلیم کی مساوات

اسلام دنیا میں آیا اور اس نے ہندویت اور عیسائیت کی اندھی بہری، گونگی اور گمراہ روحانیت کو بغور دیکھ کر اپنی تعلیم کو ان دونوں پہلوؤں سے بچاتے ہوئے اعلان کردیا کہ روحانیت کے متلاشیو اور حقیقی روحانیت سے بھٹکے ہوئے انسانو یہ جسم خدا نے تمہیں اس لئے دیا ہے کہ اسکے ذریعہ تم اپنی روح کی لطافت اور پاکیزگی حاصل کرو۔ یہ جسم مانند گھوڑے کے ہے روح اس کا سوار ہے جس کو

اس دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے مراحل طے کرے اور اپنی منزل مقصود پر پہنچے جسم کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس طویل سفر کو آسانی کے ساتھ طے کرو۔ جسم کے گھوڑے کو طاقت و توانائی بہم پہنچاؤ تاکہ وہ زندگی کے نشیب و فراز اور وادی معرفت کی عمیق گھاٹیوں کو عبور کرے۔ اور اگر تم اس گھوڑے کو طاقت بہم نہ پہنچاؤ گے۔ یا اُسے لنگڑا بنا دو گے اور یا خود ہی مار ڈالو گے تو پھر وادی معرفت کو کیسے طے کرو گے۔ اگر کوئی مسافر پُر صعوبت و پُر خار سفر میں اپنا گھوڑا ہی مار دے تو گویا اُس نے خود جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت و گمراہی میں ڈال دیا۔

اسلام نے اپنی جسمانی، اخلاقی اور روحانی تعلیم کو بنی نوع انسان کیلئے عام کر دیا۔ جو عبادتیں مقرر کیں ان کو بلا استثنیٰ اپنے تمام پیروں پر فرض کر دیا اور ان کے بجالانے کا سب کو ارشاد فرمایا تاکہ اپنے اپنے ظرف اور حوصلے کے مطابق ہر شخص ان سے مستفید ہو۔ روحانی ترقی کی راہیں سب کے لئے کھول دیں۔ خدا شناسی اور خدا رسی کو کسی خاص باطنی فرقہ تک محدود و مخصوص نہیں رکھا۔

اسلام کا نوع انسان پر ایک بہت بڑا احسان

اسلام کا تمام نوع انسان پر ایک بہت بڑا احسان یہ ہے کہ خاتم المرسلین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، سیدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ گمراہ دنیا کی اصلاح کر ڈالی۔ انسانوں کو راہ حقیقت روشن طور پر دکھلا دی اور پست ترین ذہنیتوں میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ جناب رسالتمآب نے انسانی فطرت کا بغور مطالعہ کیا۔ انسانی زندگی کا خود تجربہ کیا اور پھر اشارہ خداوندی کے ماتحت صاف صاف کہہ دیا "لا رھبانیۃ فی الاسلام" یعنی اسلام میں ترک دنیا نہیں۔ یہ صدا اور صدائے عام مکہ کی وادیوں، طائف کی پہاڑیوں اور حجاز کے ریگستانوں میں گونجتی اور گرجتی ہوئی ساری دنیا میں پھیل گئی۔ جن لوگوں نے سُنا ان کے کان کھڑے ہو گئے اور قلوب و ارواح کو بیدار کر دیا۔ انسان کی سوئی ہوئی اور پردہ پوش فطرت کو جگا دیا جس کو دیگر مذاہب نے تھپک تھپک کر سُلایا تھا اور سینوں میں معشوق حقیقی کی طلب و جستجو کی ایک آگ لگا دی۔

اسلام کی آسان اور سہل الحصول تعلیم کی طرف دل خود بخود کھنچنے لگا۔ جنگلوں پہاڑوں و وادیوں غاروں اور گپھاؤں سے خدا کے ڈھونڈھنے والے نکلے اور مکہ کی طرف دوڑے اور رسالتپناہ صلعم نے سب کو ایک ہی شاہراہ تصوف پر لگا دیا۔

اسلام میں دین و دنیا دونوں پہلو بہ پہلو چلتے ہیں

اسلام نے خدا طلبی کے لئے دنیا کو نہیں چھڑایا بلکہ مسلمانوں کی

دنیا کو بھی دین کا رنگ دیدیا۔" ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ" اے ہمارے پروردگار ہماری دنیا بھی سنوار دے اور ہمارا دین بھی۔ اس آیت مبارکہ میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دعا سے کسی خاص فرقے یا طریقت کے دعویداروں کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ دین سے دنیا کو مقدم کیا ہے۔ یہ ایک روشن حقیقت اور سامنے کی بات ہے کہ اسلام کی بہت سی عبادات مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، زکوٰۃ و خیرات، اشاعت دین، بال بچوں کی پرورش اور بیواؤں یتیموں اور محتاجوں کی پرورش و امداد وغیرہ ہزاروں کی قسم کی نیکیاں ہیں جو بغیر مادی چیزوں کے حصول کے ممکن نہیں اور تمام چیزیں عین دین ہیں۔

آنحضرت سرور کائنات صلعم کا ارشاد گرامی ہے" الدنیا مزرعۃ الآخرۃ" یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اب کون نہیں جانتا کہ اگر ایک زمیندار زمین میں تخم نہ ڈالے تو پیداوار خاک بھی نہیں حاصل کر سکتا اسی طرح اگر ایک دیندار، دنیا کی مادی چیزوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھائے تو وہ بھی آخرت میں حسرت وارمان کے سوا کچھ حاصل نہ کریگا۔ ایک عبد کامل اور سچے مومن کی اُخروی زندگی بنتی ہی اس دنیا میں ہے یہیں دوزخ بنتی ہے اور جنت بھی۔ پس اب ہر شخص بآسانی معلوم کر سکتا ہے کہ مادی چیزوں کا حاصل نہ کرنا اور خدا کی زمین پر رہ کر اسکی چیزوں سے جائز طور پر فائدہ نہ اٹھانا بہت بڑی نادانی اور کفران نعمت ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اسلامی تعلیم کے مطابق مادی زندگی روحانی اور اخروی زندگی کے لئے جزو لاینفک کا حکم رکھتی ہے اور کوئی طالب لادنیا سے جدا ہو کر دین کا مالک نہیں ہو سکتا۔

اسلام میں دین اور دنیا کا مفہوم

ممکن ہے کہ یہاں پر یہ کہا جائے کہ دنیا کی بے ثباتی و ناپائداری اور ترک دنیا سے مسلمانوں کا سارا علم ادب خصوصاً اسلامی تصوف بھرا پڑا ہے اور تحریر سے تقریر سے اور وعظ و پند سے اور جملہ ممکن ذرائع سے مسلمانوں کے دلوں میں خاص طور پر دنیا کی نفرت پیدا کی گئی ہے اور اسکی بے ثباتی کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شاید ہی کوئی تصوف کی کتاب ایسی ہے جس میں نظم و نثر کے ذریعہ سے سب سے زیادہ اس مرغوب محبوب عنوان پر طبع آزمائی نہ کی گئی ہو۔ اور تمام اولیاء وصلحا کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا قابل ترک ہے اور مردار ہے۔ پھر یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ مادی و روحانی زندگی میں ایک دائمی تعلق ہے اور مسلمانوں کی دنیا بھی دین ہی ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے جو ایک آیت ایک حدیث اور دیگر شواہد پیش کئے ہیں وہ اثبات مدعا میں مسکت و محکم ہیں اس لئے بفرض محال اگر ان کے خلاف سارا جہان بھی ایک طرف ہو تو مذکورہ بالا حقیقت میں کسی کو تامل نہیں ہو سکتا

دوسرے یہ کہ جب ہم رسول خدا صلعم، صحابائے کرامؓ اور ائمہ دینؒ کی زندگیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے ترک دنیا کا وعظ نہیں کیا۔ نہ خود دنیا کو چھوڑا بلکہ اُس سے تعلقات رکھے اور جائز لذات و خواہشات کو پورا کیا۔ اب اس کے خلاف اگر مسلمانوں کا تمام ادبی لٹریچر اور تمام دنیا جہان کے اولیائے عظام کے اقوال پیش کیئے جائیں تو وہ ناقابل التفات ہیں مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل تو سیرۃ رسولؐ کو ہی قرار دیا جائے گا۔ تیسرے یہ کہ اگر دین اور دنیا کا صحیح مفہوم ذہن نشین کر لیا جائے تو سرے سے یہ تذبذب وراعتراض پیدا ہی نہیں ہوتا۔ بزرگان دین نے جس مفہوم کو سامنے رکھکر دنیا کی بُرائی اور قباحت بیان کی وہ بیشک قابل نفرت ہے۔ قابل ترک ہے اور کُتی مردار ہے۔ اور قیامت تک اس حقیقت کو کوئی نہیں جُھٹلا سکتا۔ اب دین دنیا کے قرآنی مفہوم کو سمجھ لیجئے۔

ہر وہ چیز جس کو قرآن مقدس نے جائز قرار دیا ہے دین ہے اور جن سے روکا ہے وہ دنیا ہے خدا نے ہمیں دنیا کی جن چیزوں کے ساتھ جس حد تک متعلق کیا ہے اُسی حد تک اُن سے متعلق اور وابستہ رہنا چاہیئے اور حدود شرعیہ سے متجاوز نہ ہونا چاہیئے۔ محرمات شرعیہ کو ہی دنیا یا کُتی مُردار سمجھنا چاہیئے۔ مولانائے رومؒ فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بودن ❁ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی دنیا کیا ہے؟ خدا کی یاد سے غافل ہو جانا اس کے احکام کو توڑ دینا۔ نہ کہ چاندی سونا اور فرزند و زن کا نام دنیا ہے۔

روحانیت کا صحیح مفہوم

اس میں شک نہیں کہ روحانیت بجائے خود ایک نہایت مستحسن شے اور مرغوب و محبوب چیز ہے اور اسلام کا مابہ الامتیاز ہے بشرطیکہ اس کا صحیح مفہوم سمجھ لیا جائے۔ مسلمانوں میں عام طور پر روحانیت کے متعلق بہت کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں اور بزرگان دین و اولیائے عظام کے اقوال و افعال کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ دنیا کو ترک کر کے دن رات عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاؤ اسی واسطے اس نے رہبانیت کو ممنوع قرار دیا ہے۔ خوب یاد رکھیئے کہ روحانیت خارج از ماحول دنیوی کوئی جداگانہ شے نہیں ہے۔ در حقیقت روحانیت کی تعلیم کا مدعا یہ ہے کہ بنی نوع انسان میں باعتبار کاروبار دنیوی جن سے ان کو دن رات سابقہ پڑتا رہتا ہے اخلاق حسنہ پیدا ہوں جنکو وہ ایک دوسرے کے ساتھ عملاً کام میں لائیں۔ دنیا کو عالم اسباب سمجھتے ہوئے تہذیب اخلاق کی کوشش کریں اور اس پر عملاً کاربند ہیں۔ اور احکام خداوندی بخلوص دل نہایت ہی ذوق و شوق اور انہماک کیساتھ بجالائیں

اسلام کی روحانیت اولاً ذہنیت میں یہ تبدیلی کرتی ہے اور سالک کو ہدایت کرتی ہے کہ مومن دنیا کی زندگی اس لیئے اختیار کرے کہ دین حاصل ہو۔ مادیات کی ضرورت روحانیات میں محو ہونے کے لیئے تھی فی نفسہ مادیت مقصود اصلی نہیں۔ اس لیئے یہ بھی نہ ہو کہ مسلمان دنیا کی محبت میں اندھا ہو کر خدا ہی کو بھول جائے اور اپنی عاقبت برباد کرے۔ یہی درحقیقت اصلی روحانیت ہے۔

اسلام کی برگزیدہ ہستیاں صوفیائے کرام رح

اسلام کی تاریخ کو ناز ہے اور بجا طور پر ناز ہے کہ اس میں ایسے ایسے باکمال اور پاکیزہ نفوس گزرے ہیں جنہوں نے سالہا سال تک زمین سے پہلو نہیں لگایا برسوں تک شب بیداری کی اور ایسی کہ پلک سے پلک نہیں لگی۔ مدتوں تک صائم الدہر رہے اور ایسے کہ دنیا کی کسی نعمت سے لب آشنا نہیں ہوئے۔ مگر باوجود ان ریاضتوں اور مشقتوں کے بالعموم اُنہوں نے دنیا ترک نہیں کی۔ قدرت نے جو فرائض بحیثیت انسان اُن سے متعلق کیئے تھے۔ انکو پوری احتیاط اور اعتدال کے ساتھ پورا کرتے رہے۔ اور خوبی یہ ہو کہ ساتھ ہی انکی روحانی پرواز اور طاقت بھی بڑھتی رہی اور اتنی کہ ایک نگاہ آئینۂ دل سے عمر بھر کی سیاہ کاریوں کا زنگ دور کر دیتی تھی اور ان کے آستانۂ گدائی پر بڑے بڑے شاہان عالی وقار کے سر جھک جاتے تھے ؂

نازم بہ صنم خانہ کہ شاہان جہاں جو ہم بر در آں خانہ گزارند خشم را

کیا کوئی گستاخ اولیائے عظام کے مرتبہ سے ناآشنا کہہ سکتا ہے کہ روحانیت کا کوئی درجہ ان بزرگوں کے زیر قدم آنے سے بچ گیا تھا۔ یا کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی خوبی ایسی تھی جو ان میں علیٰ وجہ الکمال موجود نہ تھی۔ جو کچھ تھا اسلام کی تعلیم اور اسلامی عبادتوں کا نتیجہ تھا۔

صوفی کا لقب کب سے شروع ہوا؟

آنحضرت صلعم کے وجود مقدس تک صحابہؓ کے لقب کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا کیونکہ اسوقت شرف صحبت سے بڑھ کر اور کوئی دنیا جہان کا شرف نہیں ہوسکتا تھا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ صحابہؓ کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کا لقب پیدا ہوا۔ اسکے بعد بزرگان دین زاہد و عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے لیکن زہد و عبادت کا دعویٰ ہر فرقہ کے عابدوں کو تھا حتیٰ کہ اہل بدعت بھی یہ دعویٰ کرتے تھے۔ اس لیئے جو لوگ خاص اہل السنت و الجماعت میں سے زاہد و عابد اور اہل دل تھے وہ صوفی کہلائے اور یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رواج پاگیا تھا۔ سب سے پہلے صوفی کا لقب ابو ہاشم کو ملا جنہوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی تھی۔

تصوّف کی وجہ تسمیہ لفظ تصوّف کی اصلیت میں محققین میں سخت اختلاف ہے اور مختلف روایات رائج ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ صُوف سے ماخوذ ہے۔ لفظ صوف کے معنے اُون کے ہیں۔ اور اکثر صوفیائے کرام ٹاٹ یا صوف کا لباس پہنا کرتے تھے اس لئے صوفی کہلائے مگر پشمینہ پوش ہونا اس فرقہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہو سکتا ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ صحابہؓ میں سے جو لوگ اہل صفہ کہلاتے تھے یہ ان کی طرف نسبت ہے۔ بعض کا قول ہے کہ چونکہ متصوفین صفائی قلب میں مصروف رہتے تھے۔ اس لئے تصوف کو لفظ صفا سے اخذ کیا گیا۔ کیونکہ صفا کے معنے طہارت اور پاکیزگی کے ہیں۔ بعض کی تحقیق ہے کہ تصوف درحقیقت یونانی لفظ "صوفس" کا مشتق ہے۔ جس کا ترجمہ عقل و حکمت ہے۔ اور بعض کے نزدیک تصوف کا ماخذ لفظ "صف" ہے لیکن قاعدۂ اشتقاق کی رو سے یہ تمام اقوال غلط ہیں ہاں صفا کا مشتق ہونا قرین قیاس اور صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے بہت سے عرفا متفق ہیں۔ چنانچہ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں:۔ انما سُمّیت الصوفیۃ صوفیۃ لصفاء قلوبھم ولصفاء معاملاتھم یعنی صوفیہ کو ان کے معاملات اور دلوں کی صفائی کی وجہ سے صوفیہ کا لقب دیا گیا۔

علم تصوف کی بنا کے متعلق بھی بہت کچھ اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ تصوف ہندو فلسفہ سے پیدا ہوا بعض کا گمان ہے کہ وہ ارسطو کی تعلیمات کا اثر ہے لیکن یہ دونوں قیاس بالکل غلط ہیں کیونکہ علم تصوف خاص مسلمانوں کا ہے۔ اور تصوف بالفاظ واضح تر تقویٰ کا نتیجہ ہے جس سے قرآن و احادیث بھرے پڑے ہیں۔ خالص اسلامی تصوف میں نہ ہندو فلسفہ کو دخل ہے اور نہ ارسطو کی تعلیمات کو۔

شیخ عبداللہ بن المبارکؒ نے ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ سے سوال کیا کہ "صوفی کون ہے؟" آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا ھو الذی یکون فی وجھہ حیاء وفی عینہ بکاء وفی قلبہ صفاء وفی لسانہ ثناء وفی یدہ عطاء وفی وعدہ وفاء وفی نطقہ شفاء یعنی صوفی وہ ہے جس کے چہرہ پر حیا۔ آنکھوں میں گریہ۔ دل میں پاکی، زبان پر تعریف، ہاتھ میں بخشش، وعدہ میں وفا اور بات میں شفا ہو۔ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ سے تصوف کی ماہیت دریافت کی گئی۔ تو آپ نے فرمایا "جو کچھ تیرے دماغ میں ہے اُسے نکال دے۔ جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے اُسے پھینک دے اور جو کوئی تیرے پاس آئے اس کو مت لوٹا بس یہی تصوف ہے" حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں "تصوف باطل کو بھگاتا ہے، خودی اور نفس کو برباد کرتا ہے۔ شہوانی خیالات کو روکتا ہے دل کو پاک کرتا ہے۔ خدا سے ملاتا ہے اور معرفت کے ناہموار مدارج سے آسانی گزارتا ہے" اور حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں "تصوف نہ تو قانون ہے اور نہ ہی قاعدہ۔ کیونکہ اگر وہ قانون ہوتا تو پابندی

اور تعمیل سے اس کا فائدہ حاصل کیا جا سکتا۔ اور اگر قاعدہ ہوتا تو علم سے ظاہر ہوتا۔ بلکہ تصوف دل کا روزن ہے۔ پس ظاہر ہے کہ کوئی علم وعمل سے تصوف نہیں حاصل کر سکتا کیونکہ علم تصوف خدائی موہبت ہے "یھدی اللہ لنورہ من یشاء" یعنی اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے نور سے جس کو چاہتا ہوں ہدایت کرتا ہوں یعنی دل کا روزن کھولتا ہوں"۔ جس سے انسان تمام علوم ظاہریہ اور باطنیہ سے آگاہی پاتا ہے۔ اسرار سربستہ حل کرتا ہے اور حق کا مشاہدہ کرتا ہے"۔ حضرت جامیؒ فرماتے ہیں" اگر خدا تم سے دوری چاہے تو کوئی رہبر تم کو اس کے نزدیک نہیں لے جا سکتا"۔ یعنی صوفی بنتے نہیں بلکہ پیدا ہوتے ہیں۔ سید شاہ عبد اللطیف دہلویؒ فرماتے ہیں "تصوف علوم دین کا خلاصہ ہے۔ جو باطنی اجتہاد سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو علم باطن بھی کہتے ہیں۔ اور اس کا تعلق علم ظاہر کے ساتھ جان تن کا سا ہے یعنی علم ظاہر تن ہے اور علم باطن جان۔ تصوف کے لئے شریعت اور شریعت کے لئے تصوف کی سخت ضرورت ہے۔

حضرت امام غزالیؒ اور حقیقت تصوف

تصوف شریعت کی طرح دو چیزوں سے مرکب ہے۔ علم اور عمل۔ لیکن تصوف و شریعت کا فرق یہ ہے کہ شریعت میں علم کے بعد عمل پیدا ہوتا ہے۔ تصوف میں بخلاف اس کے عمل کے بعد علم پیدا ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کو جو اشیاء کا ادراک ہوتا ہے اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ استنباط، استدلال اور تعلیم وتعلم سے حاصل ہوتا ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غور و فکر کے بغیر دفعتہً ایک شے کا ادراک ہو جاتا ہے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں سے ہوا اور کیونکر ہوا؟ اصطلاح تصوف میں اس کا نام الہام ہے۔

اس قسم کا ادراک صرف مجاہدہ اور تزکیہ نفس سے ہوتا ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان پہلے تمام تعلقات سے کنارہ کش ہو یعنی اپنے اہل وعیال، دوست احباب، زر، جاہ و دولت کسی چیز سے دلبستگی باقی نہ رہے (دلبستگی کا لفظ قابل غور ہے یعنی یہ مقصود نہیں کہ تمام تعلقات کو منقطع کر دے بلکہ اُن سے دلبستگی نہ رہے۔ یا یہ کہ اُن کی محبت اور ان کے تعلق پر خدا کی محبت وتعلق غالب آ جائے) اس کے بعد ایک گوشہ میں بیٹھ کر خدا کی طرف اس طرح متوجہ ہو کہ کسی کا مطلق خیال نہ آنے پائے اس کے ساتھ زبان سے اللہ کا لفظ نکلتا جائے۔ پھر یہ تصور جمایا جائے کہ اللہ کا لفظ دل سے نکل رہا ہے۔ یہ تصور اس حد تک پہنچائے کہ صرف وصورت کا خیال جاتا رہے۔ اور اللہ کا تصور دل میں اس طرح اثر کر جائے کہ کسی وقت جدا نہ ہونے پائے۔ جب یہ حالت پیدا ہو جائے گی تو مکاشفہ شروع ہو جائیگا۔ ابتداً میں

برق خاطف کی طرح نکل جائیگا۔ پھر ترقی ہو جائے گی اور دوام و ثبات حاصل ہوگا۔

مکاشفہ سے ان تمام اشیار کی حقیقت کھل جاتی ہے جن کا تصور محض تقلیدی اور اجمالی طور پر تھا۔ مثلاً نبوت، وحی، ملائکہ، شیطان، جنت، دوزخ، عذاب قبر، پل صراط، میزان حساب ان اشیار کے متعلق مختلف ہیں بعض ان تمام چیزوں کو تمثیلات خیالی قرار دیتے ہیں بعض ان کو بالکل ظاہری معنوں پر محمول کرتے ہیں، لیکن جب مکاشفہ حاصل ہوتا ہے تو ان اشیار کی جو کچھ حقیقت ہے وہ گویا آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ (الغزالی صفحہ ۹۱)

تصوف یا تصفیہ قلب سے اس قسم کا ادراک ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ تصفیہ قلب کے لئے انسان کا اخلاق ذمیمہ سے پاک ہونا ضروری ہے اس لئے پہلے ابتدا اخلاق سے ہوتی ہے تصوف درحقیقت ایک قسم کا علم باطن ہے لیکن اس کے نتائج اور اثرات عجیب و غریب ہیں جو مقامات سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔

مقامات سلوک تصوف یعنی علم باطن کے نتائج جن کو مقامات سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ ہیں مقام علم، مقام بخش، مقام عطا، مقام معرفت، مقام فضل، مقام قرب مقام فکر، مقام فیض، مقام قبض، مقام بسط، مقام قوت، مقام توفیق، مقام شوق، مقام ذوق مقام ترک، مقام توکل، مقام مجاہدہ، مقام مشاہدہ، مقام غرق، مقام حضور، مقام توحید مقام الہام، مقام وکمیل، مقام وہم، مقام ادہام، مقام خیال، مقام وصال، مقام محو، مقام حال، مقام ماضی، مقام مستقبل، مقام خلق، مقام سکوت، مقام ناسوت، مقام ملکوت، مقام جبروت مقام لاہوت، مقام حیرت، مقام عبرت مقام سودا، مقام سویدا، مقام ہویدا، مقام قلب، مقام وجد مقام نور، مقام صدق، مقام جوہر الانفاس، مقام بنائے اسلام، مقام طاعت، مقام ولایت مقام عنایت، مقام غنایت، مقام مراقبہ، مقام محاسبہ، مقام مکاشفہ، مقام کرامت، مقام بااللہ مقام ابقا باللہ، مقام فنا فی محمد، مقام تجلی رخ، مقام سرد، مقام تمثل، مقام خفی، مقام طلب مقام محبت، مقام استقامت، مقام تجرید، مقام تفرید، مقام مفتاح، مقام رجاء، مقام خوف، مقام تصور، مقام تصرف اور مقام مجموع،

حقیقت فقر فقر سے عبارت اُس چیز کا فقدان ہے جس کا انسان محتاج ہو اور جس چیز کا انسان محتاج نہیں اس کا فقدان فقر نہیں، اگرچہ موجود ہو اور اُس پر مقدرت رکھتا ہو یہ سمجھ لینے کے بعد اب اسمیں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں سوائے خدا کے سب فقیر ہیں کیونکہ ہر

وجود کا دوام وقیام عطائے الٰہی سے ہے۔ پس غنی مطلق صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی کیونکہ اس کا وجود کسی غیر کا محتاج نہیں۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اور اللہ پاک ہی غنی ہے اور تم سب فقیر۔ یہ فقر مطلق ہے۔ اس کا بیان مدنظر نہیں بلکہ ہمارا مقصود صرف مال کا فقدان ہے۔ یعنی وہ شخص جو مال کا محتاج ہو جو جملہ حاجات دنیوی کا کارساز ہے اور مال نہ رکھتا ہو۔ اصطلاح تصوف میں ایسے شخص کو ہی فقیر کہا جاتا ہے۔ اور آیندہ جہاں ہم فقیر کا لفظ استعمال کریں وہاں یہی مفہوم لیا جائے۔

جاننا چاہیئے کہ اضافت بالمال کے لحاظ سے فقر کے پانچ احوال ہیں۔ حالت اولیٰ یہ ہے کہ اگر اس کو مال میسر آئے تو اُس سے اپنے دل میں کراہت واذیت محسوس کرے۔ اس کے حاصل کرنے سے بھاگے۔ اس کو دشمن سمجھے۔ اور اس کے شر وشغل سے محترز رہے۔ اس کا نام زہد ہے اور اس صفت کے مالک کو زاہد کہا جاتا ہے۔

حالت ثانیہ۔ یہ کہ مال حاصل کرنے کی رغبت نہ ہو اور نہ اُس سے کوئی کراہت واذیت محسوس کرے اور اگر اس کو مال میسر آئے تو اُس سے زہد کرے اس کو راضی کہا جاتا ہے۔

حالت ثالثہ۔ مال کا وجود اس کے حصول سے محبوب ہو حتیٰ کہ اس کی طلب ترک کردی جائے۔ اگرچہ مال حاصل کرنے کی رغبت ہو مگر ضعیف۔

حالت رابعہ۔ مال حاصل کرنے پر حد سے زیادہ راغب ہو اور دن رات اسی فکر اور بھاگ دوڑ میں رہے۔ ایسے شخص کو حریص کہتے ہیں۔

حالت خامسہ۔ مال حاصل کرنے میں مضطر ہو۔

ان حالات خمسہ میں اعلیٰ درجہ حالت اوّل یعنی زہد کا ہے اور ادنیٰ درجہ مضطر کا۔ ان حالات خمسہ پر ایک اور فقر کا درجہ ہے جو زہد سے اعلیٰ واشرف ہے۔ وہ یہ کہ مال کا عدم ووجود برابر ہو نہ آنے کی خوشی اور نہ جانے کا غم۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حال تھا کہ اگر ایک ہزار درہم بھی روزانہ آجاتے تو آپ روزانہ خرچ کردیتیں۔ ایک مرتبہ آپکی خادمہ نے کہا کہ اگر آپ ایک درہم کا گوشت خرید لیتیں تو کیا تھا۔ فرمایا۔ اگر تم پہلے سے آجاتیں تو کچھ حصہ تمہیں بھی مل جاتا۔ ایسی حالتیں اگر کسی شخص کے ہاتھ میں تمام دنیا کا مال اور خزانہ ہو تو کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ یعنی مال کی محبت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرسکتی ایسے شخص کو مستغنی کہا جاتا ہے۔

اسلامی زہد کا خلاصہ۔ رہبانیت کے متعلق اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر تعلقات

دنیوی سے روگردانی اور مال و دولت سے بے پروائی کئے بغیر کسب فضائل کیا جائے۔ سالک کا دل محبت الٰہی کے لئے ماسوا سے خالی ہو جائے۔ وہ دنیا میں رہے اُسکے تعلقات بھی قایم رہیں مگر محبت الٰہی سب پر غالب آکر تمام اعضاء و جوارح کو گھیر لے اور سراپا اطاعت و نیاز بن جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ معقول تعلیم اور کون سی ہو سکتی ہے۔ مگر اس معقولیت اور سہولت کے بعد بھی اسلامی تصوف غیر مذہبوں کی سخت سے سخت روحانی ریاضتوں اور مشقتوں سے مشکل در عجیب و غریب تاثیرات و کیفیات لئے ہوئے ہے ایک شخص تو ایسا ہے جو کسی سے تعلق نہیں رکھتا۔ نہ اس کے بیوی ہے نہ بال بچے۔ نہ گھر ہے نہ بار۔ اس نے ایک بار دل کڑا کر کے سب محبوب چیزوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور سارے جھگڑوں سے بے کھٹکے ہو گیا اور کسی بات کا فکر نہ رہا "ہر کہ ہیچ نہ دارد ہیچ غم نہ دارد" یہ کوئی خوبی اور کمال کی بات نہیں۔ اگرچہ فی نفسہ یہ ترک تعلق بمقابلہ دنیا کے ہندوؤں کے ایک بہت بڑا کمال ہے مگر شان عبدیت کے منافی ہے۔

اب اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص ہے۔ مگر ان سب کاموں کو نہایت اعتدال و میانہ روی سے انصاف اور ایمانداری کے ساتھ نباہتا ہے اور ساتھ ہی ان سب باتوں سے بے پرواہ اور بے تعلق بھی ہے۔ دنیاوی جھگڑوں میں پھنسا ہوا ہے اور اُن سے بے لگاؤ بھی ہے۔ وہ بظاہر مصیبتوں اور پریشانیوں پر رنجیدہ اور ملول ہے۔ اور مسرتوں پر خوش بھی ہوتا ہے۔ مگر اُسکا دل ان تمام اثرات سے بیگانہ بھی ہے دل کا تعلق برابر محبوب حقیقی سے قایم ہے۔ وہ بظاہر دنیاوی کاروبار کر رہا ہے مگر حقیقتاً اپنے خالق و معبود کے کام میں مشغول ہے۔ وہ سوتا ہے مگر دل کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ غرض دنیا میں ہے بھی اور نہیں بھی اس کے دماغ میں اپنے خالق و معبود کے شکر اور تسلیم و رضا کے علاوہ کوئی خیال ہی نہیں آتا! اب انصاف اور ایمانداری سے بتلایئے ان دونوں حالتوں میں کونسی حالت مشکل، کامل، عجیب تر اور گوناگوں کمالات و تاثرات لئے ہوئے ہے۔ ہر شخص ادنیٰ تامل کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہے کہ ثانی الذکر حالت "عبدیت" کا انتہائی کمال اور سعادتمندی ہے۔ اس اعلیٰ درجہ کی اخلاقی اور روحانی ترقی کا بہترین اور کامل ترین نمونہ اگر دیکھنا ہو تو جناب پیغمبر اسلام محمد رسول اللہؐ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیجئے۔ جنکی ذات اقدس پر تمام روحانی کمالات ممکنہ ختم ہو گئے اور دنیا کی ہدایت و رہبری کیلئے عبدیت کا ایک اعلیٰ اشرف اور اکمل نمونہ ہاتھ آ گیا۔

روحانیت اور قرآن

اسلام نے روحانی ترقی کا کونسا راستہ بتلایا؟ اسلام نے اپنے متبعین پر جتنی عادتیں فرض کی ہیں وہ سب

روحانی ترقی ہی کے ذرائع ہیں ان سے زیادہ سیدھا اور نزدیک کا راستہ اس منزل مقصود پر پہنچنے کا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ روحانی ترقی کا معیار قایم کرنا ہمارے نزدیک ناممکن ہے۔ البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ روحانی ترقی کیلئے تقویٰ، خلوص، جسمانی اور روحانی پاکیزگی اور شوق و ذوق و خشوع و خضوع ضروری چیزیں ہیں جن کے بغیر اسلامی عبادات کے مطلوبہ اثرات و نتائج مترتب نہیں ہو سکتے اسلامی عبادات میں ان کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ طہارات لازمہ عبادت ہے اور عبادت فرض مذہب ہے۔ خشوع و خضوع کے لئے نماز، نفس کشی و چلہ کشی کے لئے صیام و قیام رمضان۔ مال و دولت کی محبت کم کرنے اور اس کا اثر باطل کرنے کے لئے جو عبد و معبود میں حجاب اکبر ہے۔ زکوٰۃ اور صدقات و خیرات محبت الٰہی کے جذبات برانگیختہ کرنے۔ اسلامی مرکزی کو قایم رکھنے اور عاشقانہ راز و نیاز سکھانے کے لئے حج اور عجز و نیاز اور تذلل و انکسار کے واسطے فرض نمازیں اور نوافل۔ ان تمام عبادات کے لئے خلوص، نیکی اور نیکوکاری لازم ہے۔

اسلام کے سوا دنیا کا کوئی مذہب نہیں جس نے اپنے متبعین کی روحانی ترقیات کو اس درجہ ملحوظ رکھا ہو اور عام آدمیوں کو ان میں شریک کیا ہو۔ پھر اس پر خوبی اور کمال یہ ہے کہ اسلامی عبادات نہ تو اتنی مشکل اور تکلیف دہ ہیں کہ عام انسانوں کی طاقت سے زیادہ ہوں، کسی کو ان کی بجا آوری میں دشواری کا عذر ہو۔ نہ وہ تعلقات اور کاروبار دنیاوی میں مخل۔ کہ آدمی ان کا ہو کر کسی اور کام کا ہی نہ رہے۔ اور لطف دیکھئے کہ تمام عبادات میں دنیا سے بڑھ کر عقبیٰ اور جسمانی مفاد سے بڑھ کر روحانی بہتری و برتری کے لئے دعا مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

اگر کسی کو خدا اتنی توفیق اور ہمت دے کہ وہ ان تمام عبادات کو کما حقہٗ بجالانے کے بعد بھی اس درجہ در فلاح و کامرانی پر قانع نہ ہو اور اس کا ذوق اطاعت منازل عبدیت میں اور آگے بڑھانا چاہے تو عبادت نافلہ کو جس قدر چاہے بڑھا سکتا ہے۔ مگر اسلامی عبادات کی نوعیت میں فرق نہیں ہو سکتا اور ان کی صورت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اسلام کی فطرت شناسی ملاحظہ فرمایئے کہ اس نے روحانی ترقی کو ایک حد معین کے بعد ہر شخص کی طاقت اور استطاعت پر موقوف رکھا ہے۔ دیکھئے عام اور خاص پہلو کو کس خوبصورتی اور نکتہ شناسی سے نباہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت اہل اللہ یعنی صوفیائے کرام نے حد معین سے آگے ترقی کرنے والے لوگوں کے لئے طہارت قلب اور خدا شناسی کے طریقے اور بھی مقرر کئے ہیں مثلاً نقشبندی، قادری، چشتی اور سہروردی۔ ان میں اذکار جہر۔ ذکر نفی و اثبات پاس انفاس اور مراقبہ وغیرہ طریقے رکھے گئے ہیں۔ اور یہ تمام طریقے اپنی اپنی جگہ کتاب و سنت کے مطابق قابل عمل

باعث ہدایت، روحانی ترقی کے ذرائع اور خدا تک پہونچانے والے ہیں۔

اس دُنیا میں اعلیٰ درجہ کی رُوحانی حالت

جاننا چاہیئے کہ انسان کی روحانی حالتوں کا سرچشمہ اور منبع "نفس مطمئنہ" ہے جو انسان کو با اخلاق ہونے کے مرتبہ سے با خدا ہونے کے مرتبہ تک پہونچاتا ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ یعنی اے نفس خدا کے ساتھ آرام پائے ہوئے اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ وہ تجھ سے راضی اور تو اُس سے راضی۔ پس میرے بندوں میں داخل ہوجا اور میری بہشت کے اندر آ۔

اس آیت مقدسہ کے مطابق اس دُنیوی زندگی میں اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت یہ ہے کہ نفس خدا تعالےٰ کے ساتھ آرام واطمینان پا جائے اور خدا کی یاد میں حد سے زیادہ سرور ولذت پائے یہی وہ حالت اور اہل اللہ کی محبوب مرغوب منزل ہے جس کو ہم بہشتی زندگی کہہ سکتے ہیں، اس حالت میں سالک کامل صدق وصفا اور تقویٰ واطاعت شعاری کے بدلہ ایک نقد بہشت پالیتا ہے۔ وہ عبادات جو انسان پر فرض کی گئی ہیں وہی اُس کی غذا بن جاتی ہیں جس سے اُسکی روح نشو ونما پاتی ہے، نفسانی جذبات وخواہشات مرجاتے ہیں، دُنیا کی ہر چیز بُری معلوم ہوتی ہے۔ اُس وقت انسانی سرشت پر ایک بھاری انقلاب آتا ہے۔ عادات واطوار میں عظیم تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے۔ شیطانی وسوسوں کے راستے بالکل مسدود ہوجاتے ہیں۔ بدی کے خیالات دل سے دور ہوجاتے ہیں اور نیکی وراستبازی کا قبضہ وتصرف ہوجاتا ہے۔ اُس شخص کے دل پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور اس کا تمام وجود خدا کے ہاتھ میں آجاتا ہے چنانچہ اس حالت کے متعلق اللہ جل شانہٗ نے اشارہ فرمایا ہے:۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ خدا نے مومنوں کے دل میں ایمان کو اپنے ہاتھ سے رکھ دیا ہے اور روح القدس سے ان کی مدد کی۔ اُس نے ایمان والوں کو تمہارا محبوب بنا دیا۔ اُس کا حسن وجمال تمہارے دلوں میں بٹھا دیا اور کفر، بدکاری اور معصیت سے تمہارے دل کو نفرت دلادی اور بُری راہوں کا مکروہ ہونا تمہارے دل میں جما دیا۔ یہ سب کچھ خدا کے فضل اور اُسکی رحمت سے ہوا۔

ان ہی پاکیزہ نفوس لوگوں کو اہل اللہ، اہل تصوف، صوفیا اور بزرگان دین کہا جاتا ہے اسلام میں بیشمار ایسے باکمال اور قدسی صفات باخدا اولیا ہو گذرے ہیں جو آسمان ہدایت و سعادت کے روشن ستارے تھے اور جنہوں نے اپنے روحانی فیوض و برکات سے مادی دنیا والوں کو بیشمار فائدے پہنچائے ایسے بزرگ اب بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔

فیوض ربانی کے حصول کا طریق

اب سوال یہ ہے کہ یہ حالت ہم پر کیسے وارد ہو سکتی ہے یہ طہارت اور پاکیزگی کیسے حاصل ہو سکتی ہے اور یہ نور ایمان، استقامت، آسمانی مدد، اور غیبی ہاتھ کا قوی تصرف کیونکر میسر آسکتا ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ یہ دنیا دارالاسباب ہے۔ ہر ایک معلول کے لیئے ایک علت ہے۔ ہر ایک حرکت کیلئے ایک محرک ہے ہر ایک علم حاصل کرنے کے لیئے ایک راہ ہے۔ ہر ایک چیز کے حصول کے لیئے کچھ قواعد اور ایک صراط مستقیم ہے اور اس کا حصول قدرتاً اس پر موقوف ہے۔ مثلاً اگر ہم کسی اندھیری کوٹھری میں ہوں اور آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہو تو اسکی صراط مستقیم یا اس کا قاعدہ یہی ہے کہ ہم اس کھڑکی یا روشندان کو کھولدیں جو آفتاب کی طرف ہے۔ اسکی روشنی اندر آکر ہمیں منور کر دیگی۔ اسی طرح مذکورہ بالا حالت اور خدا کے فیوض حاصل کرنے کا بھی ایک خاص طریق اور ایک صراط مستقیم ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے۔ یہ طریق ہم خود اپنی عقل و فراست اور منطق و فلسفہ سے نہیں پا سکتے، خدا کے وصال کو نہیں حاصل کر سکتے اور روحانیت کی کھڑکی نہیں کھول سکتے جب تک کہ نور وحی، آسمانی فیض اور نبوت کی رہبری ہمیں میسر نہ ہو اور ہم خدا کو خدا کے ذریعہ سے نہ پائیں۔

سو فیوض ربانی حاصل کرنے کی صراط مستقیم دعا ہے اور چند قواعد اور ذرائع ہیں۔ ہم پہلے دعا کو بیان کرتے ہیں۔

خدا کو خدا کے ذریعہ سے پانے کی دعا اور اس کا طریق

ہدایت و سعادت کی صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم پہلے اپنے جسم کی علمی و عملی طاقتیں اور تمام قوتیں خدا کو سونپ دیں۔ اپنی زندگی خدا اور اس کے رسول کے لیئے وقف کر دیں اور اسلامی عبادت نہایت ذوق و شوق، خضوع و خشوع، سرگرمی اور پاکبازی سے بجا لائیں۔ صرف ظاہری جسم کے ساتھ ہی یہ بیگار پوری نہ کریں بلکہ باطنی قوی کو بھی عبادت میں لگا دیں اور پھر خدا کے وصال کی سچے دل کے ساتھ دعا مانگنے میں لگ جائیں ہم خدائے رحیم کے نافرمان بندے کس زبان سے اس ارحم الراحمین کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں کہ

اس نے ہماری کمزوری دیکھ کر وہ دعا بھی خود ہی سکھلائی ہو جو سب سے پیاری، جامع اور ہماری روحانی قوتوں کو بیدار کرنے والی ہے۔ جو فطرت کے روحانی جوش کا نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہو اور جو عین موقعہ اور محل پر مانگی جاتی ہے۔ وہ دعا سورۂ فاتحہ ہے جو ہر نماز نماز کا جزو اعظم ہے اور وہ یہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ تمام تعریفوں اور حمدوں کا سزاوار حقیقی وہی پاک ذات اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور قایم رکھنے والا ہو۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ جو رحمٰن یعنی ہماری بقا کے سامان ہمارے مانگنے سے پہلے ہی مہیا کرنے والا صراط مستقیم اور راہ ہدایت پر چلنے سے پہلے سامان رحمت اور اسباب توفیق دینے والا اور پھر ہماری کوششوں اور اعمال کے بعد رحمت اور ذرہ نوازی کے ساتھ جزا دینے والا۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ وہ خدا جو جزا کے دن کا مالک ہے۔ یعنی نیکوں کو نیکی کا صلہ اور بدوں کو بدی کی سزا دینے والا وہی مالک الملک ہے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اے وہ خدا جو ان چاروں صفتوں اور تعریفوں کا جامع ہے۔ ہم تیری ہی عبادت و پرستش کرتے ہیں اور ہم ہر ایک کام میں تجھ ہی سے توفیق و امداد چاہتے ہیں۔ ایک قابل غور نکتہ یہ ہو کہ اس جگہ "ہم" کا استعمال ہوتا ہے خواہ نمازی ایک ہی ہو۔ اس کی بہت سی حکمتیں مفسرین نے بیان کی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک دلنشین وجہ یہ ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ہمارے تمام قویٰ تیری پرستش میں لگے ہوئے ہیں۔ تو گویا ایک شخص واحد باعتبار اپنے اندرونی قویٰ کے ایک جماعت اور ایک امت ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھا اور اُس پر ثابت قدم کرکے ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تیرا انعام و اکرام ہوا اور تیرے مورد فضل و کرم ٹھیرے یعنی ہمیں فیوض و برکات اور ہدایت یاب ہونے کی صراط مستقیم پر قایم رکھ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ؕ ہمیں ان لوگوں کی راہ سے بچا جن پر تیرا غضب ہوا۔ انہوں نے تجھ کو ڈھونڈھنے کی کوشش میں تجھ پر بھروسہ نہیں کیا تجھ سے دعا اور استعانت نہیں مانگی اس لئے سیدھی راہ سے بھٹک گئے اور گمراہی کے غار میں جا گرے۔ آمین۔ اے خدائے بزرگ و برتر ایسا ہی کر۔ یہ پیاری دعا جس کا مقابلہ دنیا کے تمام مذاہب کی عبادتیں نہیں کر سکتیں ہمیں سمجھا رہی ہو کہ خدائے رحیم و کریم صرف اُن ہی لوگوں پر اپنے فیوض اور انعامات کا دروازہ کھولتا ہو جو اپنا تمام وجود خدا کی راہ میں وقف کردیں اس کی رضا میں محو ہو جائیں صرف اُسی کے ہو رہیں۔ صرف اُسی کی عبادت اپنے ظاہری اور باطنی قویٰ سے کریں اور ہر قسم کے شرک سے مجتنب رہیں، ہر معاملہ اُسی سے استعانت چاہیں، اس کے سوا غیر کو

کسی حال میں نہ پکاریں۔ غضب الٰہی کی راہوں سے دور رہتے ہیں۔ اور خدا کو ایمان و ایقان اعلیٰ ہمت اور صدق و صفا کے ساتھ ڈھونڈھتے ہیں۔

استقامت اور ترک دنیا کا قرآنی مفہوم

خدا کی راہ میں سخت ابتلا اور آزمائشیں ... پسندیدہ خواہشات کو چھوڑنا پڑتا ہے اور ہر حالت میں استقامت کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔ اور ایسی استقامت کہ جو نفسانی جذبات پر غالب آجائے۔ عزیزوں کی موتیں۔ پیاروں کی جدائی۔ بے آبروئی کا خوف کوئی چیز اسمیں خلل انداز نہ ہو۔ خدا کے ساتھ ایسی مستحکم وابستگی اور مضبوط پیوند ہو کہ جس کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے۔ نہ تلوار کاٹ سکے۔ اور نہ آگ جلا سکے۔ اسی کا نام صوفیا کی اصطلاح میں ترک دنیا، اجتہاد بالنفس اور فنا فی اللہ ہے۔ جسکی طرف آیات ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اے رسول خدا کا وصال ڈھونڈھنے والوں کو کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی۔ تمہاری عورتیں، تمہاری برادری، تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں، تمہاری سوداگری جس کے بند ہونے کا تمہیں خوف ہو اور تمہاری حویلیاں جو تمہارے دل پسند ہیں۔ خدا سے اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لڑانے سے پیاری ہیں۔ تو تم اُس وقت کے منتظر رہو کہ جب تک خدا اپنا حکم ظاہر کرے۔ اور خدا بدکاروں اور نافرمانوں کو کبھی راہ نہ دکھائیگا۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ خدا کی مرضی کو چھوڑ کر اپنی مرضی کو پورا کرتے ہیں اور مذکورہ بالا دنیاوی محبت و تعلق کو خدا کی اطاعت و فرماں برداری پر مقدم رکھتے ہیں۔ وہ خدا کے نزدیک بدکار ہیں اور وہ کبھی ہدایت یاب نہیں ہو سکتے اور خدا کا وصال نہیں پا سکتے۔

بس جب تک خدا کی محبت دنیا کی چیزوں پر غالب نہ آئے۔ جب تک ہماری جسمانی زندگی پر موت طاری نہ ہو جائے اور ہم خدا کے ہاتھ میں مردہ کی طرح نہ ہو جائیں۔ اور جب تک ہم خود نہ مر جائیں زندہ خدا نظر نہیں آسکتا۔

استقامت سے خدا کی معرفت اور اسکی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اسکے متعلق ارشاد ہے:۔
اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ○ جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور پھر باطل خداؤں اور گمراہی کے رستوں سے الگ ہو کر استقامت اختیار کی یعنی طرح طرح کی آزمائشوں اور بلا کے وقت ثابت قدم رہے۔ اُن پر فرشتے اُترتے ہیں کہ تم مت ڈرو و غمگین مت ہو اور خوش ہو۔ اور خوشی میں بھر جاؤ کہ تم اس خوشی کے وارث ہو گئے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا۔ اور ہم اس دنیوی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں۔

غرض انسان کی زندگی کا مدعا اور اسلامی تصوف کا منشا خدا کی پرستش، خدا کی معرفت اور خدا میں فنا ہو جانا ہے۔ اور یہ بات حاصل ہونے کی "صراط مستقیم" ایک تو یہی دعا اور استقامت ہے اور اس کے علاوہ قرآن کریم نے اور بھی ذرائع و وسائل بتلائے ہیں۔ جو یہ ہیں۔

پہلا وسیلہ یہ ہے کہ علم کے ذریعہ غیب کی حالت میں صحیح طور پر خدا تعالےٰ کو پہچانا جائے اس پر کامل طور پر ایمان لایا جائے اور پھر اسلامی عبادات بجالاتے ہوئے متقی اور پرہیزگار بننے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔
ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ اس کتاب یعنی قرآن کریم میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ یہ متقیوں کی رہبر اور رہنما ہے۔ اور متقی وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز کو ارکان و آداب کے ساتھ قایم رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اگر یہ پہلا قدم ہی صحیح نہ اُٹھا یعنی ایمان و ایقان میں پختگی پیدا نہ ہوئی شکوک و اوہام پیدا ہو گئے اور عبادات اسلامیہ کو ظاہری و باطنی قویٰ سے نہ بجالایا گیا تو پھر راہ راست پر چلنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ بلکہ پھر ہر قدم گمراہی کی طرف ہی اُٹھے گا۔

دوسرا وسیلہ خدا تعالیٰ کے حسن و جمال پر اطلاع پانا ہے وجوہ فرمانبرداری و اسباب اطاعت

بظاہر دو ہیں۔ امید نفع یا اندیشہ نقصان یعنی کسی کی اطاعت و فرمانبرداری یا تو بوجہ خوف ہوتی ہے جیسے رعیت حکام کی اطاعت۔ اور یا بوجہ محبت ہوتی ہے جیسے عاشق اپنے معشوقوں کی کیا کرتے ہیں اور محبت و عشق کا جذبہ محبوب کے حسن و جمال پر اطلاع پانے سے بڑھتا ہے۔ حسن ایک ایسی مرغوب چیز ہے کہ بالطبع اسکی طرف دل کھنچتا ہے اور اس کے مشاہدے سے طبعاً محبت پیدا ہوتی اور بڑھتی ہے سو معلوم ہونا چاہیئے کہ حقیقی حسن و جمال صرف ذات باری کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کا حسن و جمال اسکی وحدانیت، اس کی عظمت و تقدیس، بزرگی و جلالت اور صفات ہیں۔ جن کا ذکر قرآن کریم کے ہر صفحہ پر ہے اور اُس کا حسن و جمال قرآن مُبین کی ہر سطر، ہر فقرہ، ہر لفظ اور ہر نقطہ سے عیاں ہے تو جو اس کے حُسن و جمال پر اطلاع پانا چاہے اسکو چاہیئے کہ قرآن کریم کا ہر وقت ورد رکھے اور اس کے معارف و حقائق پر دن رات غور کرے اور اسکی مصنوعات کا مشاہدہ کرے۔

یوں تو ذات باری کا حُسن قرآن کریم کے ہر صفحہ سے ظاہر ہے مگر ہم یہاں نمونۃً صرف سورۃ اخلاص کو پیش کرتے ہیں:۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ یعنی اللہ جل جلالہٗ اپنی ذات و صفات اور حسن و جمال میں ایک ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں سب اس کے حاجتمند ہیں۔ ذرہ ذرہ اس سے زندگی پاتا ہے وہ کُل چیزوں کے لیئے مُمِدِّ فیض ہے۔ مگر آپ کسی سے فیض یاب نہیں۔ نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ یعنی اس میں توالد و تناسل کا سلسلہ بھی نہیں ہیں اور نہ کوئی اس کا کفو۔

تیسرا وسیلہ خدا تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانا ہے احسان بھی محبت کا محرک ہے۔ اُس نے ہمیں پیدا کیا۔ ہمارے پیدا ہونے سے پہلے ہماری ضرورت کی چیزوں کو بدرجہ اتم پیدا کیا اور کائنات کے ذرہ ذرہ کو ہمارا مطیع و منقاد بنا دیا۔ کہ دنیا کی ہر چیز سے فیض پاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی احسانی صفات کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں پیش کیا جا چکا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے بار بار اپنے احسان جتلائے ہیں اور دنیا کی ہر چیز اس کے احسان کی گواہی دے رہی ہے انسان ضعیف البنیان کی کیا مجال اور طاقت ہے کہ اسکی رحمتوں، بخششوں، ذرہ نوازیوں اور کرم فرمائیوں کو شمار کر سکے اور ان کا حق ادا کر سکے۔ چنانچہ خود باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اگر اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز نہ گن سکو گے

چوتھا وسیلہ راستبازوں اور کاملوں کی صحبت اختیار کرنا ہے۔ انسان طبعاً

کامل نمونہ کا محتاج ہے۔ کامل نمونہ شوق وہمت کو بڑھاتا ہے۔ اسکی اخلاقی و روحانی قوتوں کو ابھارتا ہے اور اسکو مدعائے زندگی کے حصول کی طرف راغب کرتا ہے۔ جو اپنے مقصد حقیقی اور فلاح و نجاح پانے کے لیئے نمونہ نہیں رکھتا اور نمونہ کا پیرو نہیں وہ سست ہو جاتا ہے۔ کٹھن منزل میں قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور جذبات طبعی افسردہ ہو جاتے ہیں ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے

كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○ راستبازوں کی صحبت اختیار کرو۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اُن لوگوں کے راستوں پر چلو جن پر تم سے پہلے اللہ کا فضل واحسان ہوا۔

سالک کو یہ چار مدارج تقسیم عمل کے اعتبار سے علما طے کراتے ہیں اور باقی اولیائے عظام جو یہ ہیں

پانچواں وسیلہ مجاہدہ ہے

یعنی خدا کو ڈھونڈھنے کے لیئے سخت سے سخت مصائب اور تکالیف وشدائد کا مقابلہ کرنا۔ اور فرض عبادات کے علاوہ عبادات نافلہ اور جہاد بالنفس میں ہر وقت لگا رہنا۔ جیسا کہ اللہ تبارک تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط یعنی اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو مع ان کی تمام طاقتوں کے خدا کی راہ میں خرچ کرو اور جو کچھ ہم نے تم کو عقل علم، اور فہم وغیرہ دیا ہے وہ سب کچھ خدا کی راہ میں لگاؤ۔ جو لوگ ہماری راہ میں ہر ایک طور سے کوشش بجالاتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں دکھا دیا کرتے ہیں۔

چھٹا وسیلہ کشف و الہام ہے

خدا تعالےٰ کی طرف سفر کرنا اور وادیٔ معرفت میں قدم دھرنا چونکہ ایک نہایت دقیق در دقیق اور پُرخطر راہ ہے اور اس کے ساتھ طرح طرح کے مصائب دُکھ اور قسم قسم کی مایوسیاں لگی ہوئی ہیں۔ جس سے انسان پر نا امیدی طاری ہو جاتی ہے اس لیئے رحیم وکریم خدائے کارساز نے اس راہ کی یہ سنت مقرر فرمائی ہے کہ وہ ساتھ ساتھ اپنے چاہنے والوں کی کمر ہمت بندھاتا رہتا ہے انکے شوق کو بڑھاتا رہتا ہے اور ان کو اپنے کلام اور الہام سے تسلی دیتا ہے۔ کہ گھبراؤ مت میں تمہارے ساتھ ہوں۔ وادیٔ معرفت کے مسافر یہ آواز غیبی سُن کر بڑے زور اور انہماک کے ساتھ اس سفر کو طے کرنے لگ جاتے ہیں اور پروانہ وار اسکی طرف دوڑتے ہیں۔ اسی بارہ میں خدائے قدوس فرماتے ہیں۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ط ۔ مجاہدوں کیلئے اس دنیا میں بھی

خوشخبری ہے اور عقبیٰ میں بھی۔

اس طرح قرآن مبین نے اور بھی بہت سے وسائل خدا طلبی کے بیان کیے ہیں، مگر ہم بخوف طوالت صرف اسی قدر پر اکتفا کرکے آگے بڑھتے ہیں۔

اب ہم کچھ اذکار واشغال سلسلہ چشتیہ اور قادریہ کے تصفیۂ قلوب سے اور بزرگان خاندان سے پہونچے ہیں بعونہٖ تعالیٰ پیش کرتے ہیں۔

ذکر واشغال سلسلہ چشتیہ وقادریہ

جاننا چاہیئے کہ ذکر واشغال حضرات چشتیہ وقادریہ ہر دو خاندان عالیشان کے مخلوط ہوگئے ہیں، جو خاص شغل خاندان قادریہ کے ہیں ان کو حضرات چشتیہ کرتے ہیں اور جو خاص شغل خاندان چشتیہ کے ہیں ان کو حضرات قادریہ کرتے ہیں۔ اس لیئے دونوں طریقوں کے تھوڑے تھوڑے اشغال لکھے جاتے ہیں۔ نیز جاننا چاہیئے کہ سلوک کے طریقے بہت سے ہیں کیونکہ طالبان حق کی طبیعتیں اور ہمتیں مختلف ہیں لیکن منجملہ دیگر طریقوں کے تین طریقے بہت مشہور اور قریب ہیں۔

پہلا طریق اخیار کا ہے اس میں کثرت سے روزے رکھے جاتے ہیں نمازیں پڑھی جاتی ہیں تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔ مگر اس راہ کے چلنے والے ایک مدت دراز میں منزل مقصود کو پہونچتے ہیں۔

دوسرا طریق ابرار کا ہے یعنی اصحاب مجاہدات وریاضات کا ہے۔ جو خدا کی طلب میں ہر وقت مضطر اور بیقرار رہتے ہیں۔ یہ لوگ عادات ذمیمہ کو اخلاق حمیدہ سے بدلتے ہیں اور سخت سے سخت مجاہدات وریاضات کرتے ہیں اور اس راہ سے مقصود کو پاتے ہیں۔

تیسرا طریق شطاریہ ہے اس راہ کے لوگ ریاضت سے بھاگتے ہیں اور خلائق کی صحبت سے بچتے ہیں۔ ان کا کام درد واشتیاق، ذوق وشوق، ذکر وفکر اور شکر واحسان کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور بہت سے تزکیہ نفس، تصفیۂ قلب اور تجلیہ روح میں مشغول رہتے ہیں۔ کشف وکرامات پسند نہیں کرتے۔ اپنا وقت "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا" کی استقامت میں صرف کرتے ہیں۔ یہ طریق دونوں طریقوں سے وصول الی اللہ میں زیادہ قریب ہے۔

طریقہ شطاریہ کے دس اعمال

اول توبہ۔ یعنی ماسوا کے مطلوبات ومرغوبات چیزوں کو چھوڑدے جیسے مرنے کے وقت انقطاع ہوتا ہے

دوسرے زہد۔ یعنی دنیا اور ما فیہا سے کچھ غرض نہ رکھے اور سب کو چھوڑ دے جیسے مرنے کے وقت مجبوراً سب کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

تیسرے توکل۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اسباب ظاہری کو ترک کر دے جیسا کہ موت کے وقت ترک کرتا ہے۔

چوتھے قناعت۔ یعنی اپنی نفسانی اور شہوانی خواہشوں کو ایسا ترک کر دے جیسے موت کے وقت کرتے ہیں۔

پانچویں عزلت۔ یعنی خلائق سے کنارہ کشی اور انقطاع کرنا جیسے موت کے وقت ہوتا ہے۔

چھٹے توجہ۔ یعنی اللہ کے سوا سب طرف سے اپنے اغراض کو اٹھا کر منہ پھیرے۔

ساتویں صبر۔ یعنی مجاہدہ کرے اور نفسانی لذائذ کو ترک کر دے۔

آٹھویں رضا۔ اپنے نفس کی رضا کو چھوڑ کر اللہ کی رضا پر راضی رہے اور اس کے حکم کے سامنے سر جھکائے رہے۔

نویں ذکر۔ یعنی ہر وقت اللہ کے ذکر میں رہے۔

دسویں مراقبہ۔ یعنی اپنے حول اور قوت کو ترک کر دے۔ نیز بری خصلتوں سے اپنے آپکو بچائے اور اوصاف حمیدہ پیدا کرے۔ اور اپنے دل کو غیر اللہ کی کدورتوں سے پاک صاف رکھے۔

بیعت کا طریقہ

بیعت کی چار قسمیں ہیں۔ ایک بیعت گناہوں سے توبہ کرنے کیلئے دوسری بیعت تبرک۔ اس میں چھوٹا بڑا۔ مرد عورت اور غلام سب برابر ہیں۔ تیسری بیعت جہاد یہ بھی عام ہے۔ چوتھی بیعت قصد یعنی پیر کے حکم سے طریقہ مجاہدات میں داخل ہونا۔ یہ اصحاب ارادہ اور سالکان طریقہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

پیر کو چاہیئے کہ جب کوئی شخص بیعت کرنا چاہے تو اس کو اپنے سامنے مؤدب دو زانوں بٹھائے اور پھر یہ خطبہ پڑھنا شروع کرے۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان محمدا عبده ورسوله يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة وجاهدوا في سبيله لعلكم تفلحون ٥ ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله

اس کے بعد اپنا ہاتھ مرید کے ہاتھ پر رکھے اور یہ آیت پڑھے۔

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَنَفَعَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ۔

اور اگر عورت ہو تو بجائے ہاتھ کے چادر یا عمامہ اور یا رومال کا گوشہ اسکے ہاتھ میں دے اور مرید سے کہے کہ "کفر و شرک سے اور جو کچھ اسمیں ہے بیزار ہوا۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور دین اسلام کے تمام حکموں کو قبول کیا۔ توبہ کی اور تمام گناہوں سے پاک ہوا۔ اور اللہ کے مطیعوں کے گروہ میں داخل ہوا اور دنیا و مافیہا کو اس کی رضا کے لئے ترک کیا" اسکے بعد کہے۔

رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۝

اس کے بعد مرید کہے کہ میں نے فلاں شخص (اپنے پیر کا نام زبان پر لائے) کے ہاتھ پر بیعت کی اور فلاں سلسلہ کو اختیار کیا۔ پھر دعا کرے کہ خداوندا اس سلسلہ کے بزرگوں کا فیض اور برکت مجھ کو عطا کر اور انہیں کے زمرہ میں مجھ کو اٹھا۔ اس کے بعد مرشد مرید کی قابلیت اور استعداد کے مطابق ذکر و اشغال کا طریقہ تلقین کرے۔ سلوک کے آداب بتلائے۔

اس کے بعد مرید کے افعال و اعمال پر کمال توجہ رکھے۔ فقہ کے ضروری مسائل سیکھنے اور درستی عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کیلئے تاکید کرتا رہے۔ شرع شریف کی تابعداری کی رغبت اور حرص دلائے کہ اسکے بغیر مطلوب تک پہونچنا ناممکن اور مشکل ہے۔ جو مکاشفہ اور ارادات خلاف شرع ظہور میں آئیں تو ان کے متعلق تاکید کرے کہ اس کا اصلا اعتبار نہ کرے اور احکام شرعی پر مستقیم رہے ممنوعات سے بچے۔ حرام اور مشتبہ لقمہ سے احتیاط کرے اور تمام دنیاوی امور میں حکم شرع کو مقدم رکھے۔

ذکر کی تلقین

اول کلمہ طیبہ زبانی جہر متوسط کے ساتھ یعنی نہ زیادہ اونچی آواز ہو نہ زیادہ آہستہ اس طرح تلقین کرے کہ کلمہ لَا اِلٰهَ کو مد و شد کے ساتھ بدن میں سے کھینچکر اِلَّا اللّٰهُ کی ضرب دل پر لگائے۔ اس ذکر کی جس قدر ہمت ہو تکرار کرے اور ہر سیکڑہ پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتا رہے۔ بہتر یہ ہے کہ ایک جلسہ میں ایک ہزار ایک سو گیارہ بار تکرار کرے چند روز مداولت سے لذت، محویت اور بیخودی حاصل ہونے لگے گی۔

ذکر نفی و اثبات جب مذکورۂ بالا ذکر میں کافی مشق ہو جائے تو پھر ذکر نفی و اثبات کا طریق تلقین کرے اس کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت میں قبلہ رُو مودب اور دوزانو بیٹھے۔ دونوں آنکھیں بند کر کے ناف کے نیچے سے لا کو قوت کے ساتھ کھینچکر باہر لائے اور داہنے شانے تک پہنچا کر الٰہ کو دماغ سے باہر نکالے اور اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب زور سے دل پر لگائے۔ لا الٰہ سے غیر اللہ کی معبودیت مقصودیت اور موجودیت کی نفی کا خیال کرے تاکہ نظر سے غیر کا وجود منتفی ہو جائے اور اِلَّا اللّٰہُ سے اثبات وجود مطلق کا خیال کرے۔

حبس نفی و اثبات کا طریق اس کا طریقہ یہ ہے کہ نفس کو ناف کے نیچے بند کرے اور حرف لا کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں ماسوا کی نفی کر رہا ہوں، ناف سے داہنے پستان کے برابر لیجا کر لفظ الٰہ کو دماغ سے نکالکر اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب دل پر لگائے۔ اور دم چھوڑتے وقت محمد رسول اللہ آہستگی اور نرمی کے ساتھ کہے اور سینہ کی طرف اشارہ کرے۔ اول روز تین دفعہ کرے۔ پھر ہر روز ایک بڑھاتا جائے یہانتک کہ دوسو پر نوبت پہنچے۔

پاس انفاس کا طریق یہ ہے کہ سانس باہر آتے وقت لا الٰہ اور اندر جاتے وقت دل سے الا اللہ کہے۔

طریق اسم ذات باضربات مذکورہ بالا طریقوں کی مشق کے بعد اسم ذات تلقین کرے۔ اسکا طریق یہ ہے کہ یک ضربی میں لفظ اللہ کی شد و مد کے ساتھ زور سے دل پر ضرب لگائے۔ اور توقف کرے۔ جب سانس ٹھہر جائے پھر ضرب لگائے اور اسی طرح مشق کرے۔ دو ضربی میں ایک ضرب داہنے گھٹنے پر اور دوسری دل پر لگائے۔ اور سہ ضربی میں ایک ضرب داہنے گھٹنے پر دوسری بائیں گھٹنے پر اور تیسری دل پر لگائے۔ اور چہار ضربی میں اول و دوم دونوں گھٹنوں پر تیسری سامنے اور چوتھی دل پر لگائے۔ یک ضربی و دو ضربی میں دوزانو اور سہ ضربی و چہار ضربی میں چار زانو بیٹھے۔

شغل اسم ذات خفیہ ان تمام اذکار کے بعد اسم ذات خفیہ تعلیم کرے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ زبان کو تالو سے ملائے اور دل سے جتنا ہوسکے اللہ اللہ کہے رات دن یہی تصور رکھے تاکہ یہ تصور پختہ ہو جائے اور بے تکلف ذکر جاری ہو۔ اگر اسم ذات سے پاس انفاس کرے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسم ذات کو ناف کے اوپر تصور کرکے لفظ ھو کو خیال سے دراز کرکے آسمان پر لے جائے اسی طرح ہر سانس میں کرے۔

شغل برزخ اکبر یہ کئی طرح پر ہے اوّل یہ کہ حبس دم کر کے نظر دونوں ابرو کے درمیان رکھے دوسری نظر ہوا میں رکھے۔ تیسری داہنی آنکھ کھلی اور بائیں بند رکھے اور ناک کے داہنے نتھنے پر وجود مطلق کے نور سے کیف کا جو تمام تقیدات سے پاک ہے خیال کرے تاکہ نور ظاہر اور فنائے حقیقی حاصل ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہر عمل میں پلک نہ جھپکے۔ اور یقین کرے کہ میں جو کچھ دیکھتا ہوں اور پاتا ہوں یہی میرا مقصود ہے۔

اسم ذات کا شغل اس کا طریق یہ ہے کہ کاغذ پر قلب صنوبر کی سرخ یا نیلگوں تصویر کھینچکر اس کے بیچ میں لفظ "اللہ" کو سونے یا چاندی کے پانی سے لکھے۔ جسکی صورت یہ ہے (اللہ) ہمیشہ اسپر نظر رکھے یہانتک کہ یہ اسم دل پر نقش ہو جائے اور ہمیشہ اس کی طرف متوجہ رہے تاکہ غیبی امور حواس سے ظاہر ہوں۔

دورہ قادریہ اس کا طریق یہ ہے کہ قبلہ رو مؤدب دو زانو بیٹھے۔ دونوں آنکھیں بند کر کے زبان کو تالو سے لگائے اور حضور قلب سے زبان دل کے ساتھ اَللّٰہُ سَمِیْعٌ بلاحظہ نورانی ناف سے نکال کر وسط سینہ تک کہ لطیفہ "سر" کا مقام ہے پہونچائے اور اَللّٰہُ بَصِیْرٌ کو سینہ سے نکالکر دماغ میں پہنچائے اور اَللّٰہُ عَلِیْمٌ کو ام الدماغ سے نکالکر عرش تک پہونچائے پھر اللہ علیم کو عرش سے دماغ تک اور اللہ بصیر کو دماغ سے سینہ تک اور اللہ سمیع کو سینہ سے ناف تک لائے۔ یہ ایک دورہ ہوا۔ پھر ناف سے شروع کرے اور درجہ بدرجہ اسی طریق پر بطریق عروج و نزول مشغول رہے۔ اس شغل کی کیفیتیں اور ثمرے حاصل ہونے کے بعد مراقبہ تلقین کیا جاتا ہے۔

مراقبات قادریہ مراقبہ رقیب سے مشتق ہے اور رقیب نگہبان کو کہتے ہیں۔ پس دل کو ماسوا کی یاد اور غیر حق کے خیال سے نگاہ رکھنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اسکا طریق یہ ہے کہ جس آیت یا کلمہ کا مراقبہ منظور ہو اس کو زبان سے کہے اور اپنے آپکو ذلیل و حقیر سمجھکر ادب سے قبلہ رو دو زانو بیٹھے۔ اور ماسوا اللہ سے دل کو خالی کر کے اس کے معنے کے تصور میں خوب غور و خوض کرے یہاں تک کہ اس میں متغرق ہو جائے۔ مراقبہ کی اصل قرآن و حدیث سے ہے آیت شریفہ یہ ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ط	سوائے ذات خداوندی کے ہر ایک چیز فانی ہے اور صرف اُسی کا چہرہ باقی رہنے والا ہے۔

حدیث شریف یہ ہے:۔

الاحسان ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک احسان یہ ہے کہ تم اس طرح عبادت کرو کہ گویا اللہ پاک کو تم دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو یہی تصور کرو کہ اللہ پاک تمہیں دیکھ رہا ہے۔

پس مراقبہ کا طریق یہ ہے کہ اپنے آپ کو مردہ، بوسیدہ اور خاک تصور کرے اور تمام عالم کو درہم برہم جانے جیسا کہ قیامت کے روز ہوگا۔ اور ذات مطلق کو موجود اور باقی جانے تا آنکہ محویت اور بیخودی حاصل ہو۔ اس کے بعد دیگر مراقبات میں مشغول ہو۔

پہلا مراقبہ۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا ہے یعنی انوار الٰہی کو ہر جگہ اور ہر وقت موجود سمجھے جیسا کہ اس کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ اور اس خیال میں ایسا مستغرق اور محو ہو کہ باقی کسی چیز کا خیال نہ رہے۔

دوسرا مراقبہ۔ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْہُ فَاِنَّہٗ مُلٰقِیْکُمْ دوسرے اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ کا مراقبہ کرے۔ جب ان مراقبوں کے ثمرے مترتب ہونے لگیں اور کیفیتیں و انوار ظاہر ہونے لگیں تو پھر مراقبہ توحید کی مشق بہم پہونچائے۔

مراقبہ توحید افعالی اس کا طریقہ یہ ہے کہ تمام عالم کے حرکات و سکنات اور اعمال و افعال کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کے حرکات و سکنات جانے۔ اور فاعلان ظاہری کو بمنزلہ آلات اور حق تعالیٰ کو فاعل مطلق تصور کرے۔ جب اسکی مشق کامل اور پوری ہو جائے گی تو ثمرات عجیبہ اور اخلاق پسندیدہ ظاہر ہونگے اور برائی بھلائی یکساں نظر آئیگی۔

مراقبہ توحید صفاتی یہ اس طرح ہے کہ اپنی اور تمام موجودات کی صفات کو صفات حق کا پرتو سمجھے اور اس میں مستغرق ہو۔ اس مراقبہ کا عامل کثرت فی العالم کا مصدر جانتا ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ اپنے بدن کو فراخ اور چوڑا جانتا ہے۔ تمام عالم کو عرش سے فرش تک گھیرے ہوئے پاتا ہے۔ تمام عالم کو اپنے اندر دیکھتا ہے۔ اور تمام جہان کی کیفیت اس پر کھل جاتی ہے۔ یہ کشف واقعی ہوتا ہے۔ لیکن اس مرتبہ میں توقف نہ کرے بلکہ اس کے بعد انوار کو پانے کی کوشش کرے جو ذات کے حجاب ہیں۔ جب تمام حجاب طے ہو جاتے ہیں تو سالک معرفت ذات بحث بے مانند کے مرتبہ پر پہونچ جاتا ہے۔ اور عجائب و غرائب حالات پیش آتے ہیں۔ اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں اور یہ سلوک و معرفت کی منتہیٰ ہے۔

تیسرا مراقبہ۔ توحید ذاتی کا ہے یعنی تمام ذوات کو حق جانے اور ما سوا کو غیر موجود سمجھے۔ مگر یہ مراقبہ منع ہے۔ اس کا ہرگز قصد نہ کرے۔ ورنہ بجائے فائدہ کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ اس کا سمجھنا بدوں وجدان کے ناممکن بلکہ محال ہے۔

ارواح ملائکہ اور ہر روح کا کشف طالب کو چاہیئے کہ داہنی طرف سُبُّوْحٌ اور بائیں طرف قُدُّوْسٌ اور آسمان کی طرف رَبُّ الْمَلَائِکَۃِ کہے اور دل پر وَالرُّوْحِ کی ہزار مرتبہ ضرب لگائے اور مطلوب کی طرف توجہ کرے پس روح بیداری یا خواب میں ملاقی ہوگی۔ اگر دو ہزار مرتبہ ضرب لگائے تو مقصود جلدی حاصل ہوگا

کشف آئندہ کے لیئے۔ داہنی طرف یَا اَحَدُ۔ بائیں طرف یَا صَمَدُ۔ سر کو شانے کی طرف پھیرکر یَا حَیُّ اور دل میں یَا قَیُّوْمُ کی ہزار ضربیں لگائے۔ اور دفع بلا کے واسطے بھی اسکو کرے تو مجرب ہے۔

بیمار کی شفا کے واسطے۔ داہنی طرف یَا اَحَدُ۔ بائیں طرف یَا صَمَدُ۔ آسمان کی طرف یَا وِتْرُ اور دل میں یَا فَرْدُ ہزار مرتبہ کہے۔

امور مشکلہ کے لیئے۔ تہجد کی نماز کے بعد ہزار دفعہ داہنی طرف یَا حَیُّ۔ بائیں طرف یَا قَیُّوْمُ۔ آسمان کی طرف یَا وَهَّابُ۔ اور دل میں یَا اَللّٰہُ کی ہزار مرتبہ ضرب لگائے۔

کشف قبور کے لیئے۔ پہلے اکیس دفعہ یَا رَبُّ کہے۔ بعدہٗ آسمان کی طرف یَا رُوْحُ۔ قبر پر یَا رُوْحُ اور دل پر یَا رُوْحَ الرُّوْحِ کی ضرب لگائے۔ میت کا حال علانیہ یا خواب میں معلوم ہو جائیگا۔

کشف روح مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ پہلے آنحضورؐ کی صورت مثالیہ کا تصور کرکے درود شریف پڑھے۔ پھر داہنی طرف یَا اَحْمَدُ۔ بائیں طرف یَا مُحَمَّدُ اور دلمیں یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ہزار مرتبہ کہے۔ علانیہ یا خواب میں دولت دیدار سے مشرف ہوگا۔

اذکار و اشغال و مراقبات حضرات چشتیہ

طریقہ توحید پیر بعد ادائے ختم و فاتحہ بارواح مشائخ طریقہ مرید کو کہے کہ تین دن روزہ رکھے اور ان ایام میں کلمہ شریف، استغفار اور درود شریف کا کثرت کے ساتھ ورد رکھے ہزار بار سے کم نہ ہو تیسرے روز بوقت شب یا بعد نماز صبح یا بعد نماز عصر لیکن اولیٰ شب آخر ہے اسوقت مرشد کے روبرو حاضر ہو۔ مرشد اس کو خلوت میں لے جائے۔ جہاں پیر و مرید کے سوا کوئی نہ ہو پھر مرید کو دو زانو بٹھا کر مرید کو توجہ دے۔ تاکہ ذکر کا تخم اور جذب باطن اس کے دلمیں قایم ہو جائے۔

توجہ کا طریق یہ ہے کہ مرشد اپنے آپ کو سب خیالات سے خالی کر کے اپنے دل کو مرید کے دل کے مقابل کرے اور اسم ذات کی ضرب خیال کے ساتھ اسکے دل پر لگائے۔ اور یہ تصور کرے کہ اس ذکر کی کیفیت اور جذب شوق میری طرف سے مرید کی طرف پہونچتا ہے اور اس کے دلمیں سرایت کرتا ہے بقدر ایک سو ایک ضرب کے لگائے اور توجہ دے۔ تاکہ حرارت ذکر اور جذب شوق اسکے باطن میں سرایت کر جائے۔ اور اس کا قلب ذکر سے حرکت کرنے لگے پھر جو ذکر مرید کی استعداد اور اس کے حالت کے مناسب ہو اس کو بتائے اور مرید اس کے بتانے کے بموجب ذکر و شغل میں مصروف ہو۔

ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ یاد الٰہی میں جمیع غیر اللہ کو فراموش کرے اور حضور قلب سے قرب و معیت حاصل کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَکَرَنِیْ وَتَحَرَّکَتْ بِیْ شَفَتَاہُ وَاَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ اور ات دن بحکم سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا پوری توجہ سے اپنے آپ کو ذکر الٰہی میں ایسا مشغول کرے کہ اپنے آپ سے بیخبر ہو جائے۔ اور زمرۂ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ میں داخل ہو۔ ذکر کی کئی قسمیں ہیں اور ذکر سے مقصود حضوریت قلب ہے۔ پس جس عمل یا فعل سے مطلب حاصل ہو گا وہی ذکر ہے۔ عام اس سے کہ نماز ہو یا تلاوت قرآن یا کلمہ یا درود شریف اور یا دعائیں جو قرآن و حدیث کے موافق ہیں یا اور عبادتیں کہ جن کے بجنے سے مطلوب حاصل ہو۔ اور یہ حصول مذکور بغیر فناء ذاکر حاصل نہیں ہوتا۔ پس طالب حق کو چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ کے ذکر میں ایسا مشغول ہووے کہ غیر اللہ اور خود کو مطلقاً بھول جائے۔ کیونکہ وصول الی اللہ بغیر نفی غیر کے حاصل نہیں ہوتا۔ طالب اس درجہ کو پہونچے گا تو زہد، تقویٰ، توکل، عزلت، قناعت، صبر، تسلیم اور رضا سب بے قصد حاصل ہو جائیں گے۔ اور اس ذکر کے کرنے سے قلب پر انوار و تجلیات باری تعالیٰ اس درجہ ظاہر ہوں گے کہ سالک کے حواس خمسہ تک چھپ جائیں گے۔

ذکر کی چار قسمیں ہیں اول ناسوتی جیسے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ دوسرا ملکوتی جیسے اِلَّا اللّٰہُ تیسرا جبروتی جیسے اللّٰہُ، اور چوتھا لاہوتی جیسے ھُوْ ھُوْ ذکر زبان ناسوتی ہے ذکر دل ملکوتی۔ ذکر روح ملکوتی اور ذکر سر لاہوتی ہے۔ ذاکر کو چاہیئے کہ اس ذکر میں نفی لَآ اِلٰہَ سے تمام موجودات کو نظر سے اٹھالے۔ اور اثبات اِلَّا اللّٰہُ میں تمام اجزائے بدن کو قایم کرے پھر اس کا ذکر کمال اثبات کو بھی محو کر دے گا اور اثبات نفی ہو جائیگا نفی در نفی اثبات ذات ہوتا ہے۔

ذکر جہر و خفی اور بارہ تسبیحوں کا ذکر۔ جو حضرات چشتیہ رحمہم اللہ کا معمول ہے۔ اس کا

طریقہ یہ ہے کہ بارہ رکعت تہجد چھ سلاموں سے پڑھے یعنی دو دو رکعت کی نیت باندھے۔ ہر رکعت میں تین تین بار سورۂ اخلاص پڑھے۔ پھر فارغ ہو کر نہایت عجز و الحاح سے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِکَ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ اَبَدًا یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ پھر توبہ واستغفار کرے اور پھر پانچواں کلمہ غمزدہ لہجہ سے پڑھے پھر اکیس مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ پڑھ کر یہ درود شریف حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس پر بھیجے۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ یہ تین مرتبہ عروج ونزول سے پڑھے اور چار زانو ہو بیٹھے اور داہنے پاؤں اور اس کے پاس کی انگلی سے بائیں پاؤں کی رگ کہاس کو جو گھٹنے کے اندر کی طرف ہے دبائے کمر سیدھی رکھے۔ رو بقبلہ بیٹھے۔ دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے حالت نفی میں انگلیاں اٹھائے تاکہ اس سے فنائے غیر کی طرف اشارہ ہو۔ موضع اثبات میں پھر رکھ لے تاکہ مطلوب حقیقی کی موجودیت کی طرف اشارہ ہو دل کو مطمئن اور حاضر رکھے۔ ذکر عزت، حرمت اور ہیبت کے ساتھ شروع کرے اچھی طرح، اچھی صوت سے اور خلوص نیت کے ساتھ اعوذ اور بسم اللہ پڑھ کر شروع کرے۔ اوّل تین مرتبہ کلمہ طیب اور ایک مرتبہ کلمہ شہادت پڑھے۔ اسکے بعد بائیں گھٹنے کی طرف اتنا سر جھکائے کہ گھٹنے کے قریب پہونچ جائے اور وہاں سے لفظ لَآ اِلٰہَ کو شروع کرکے داہنے مونڈھے تک سر کو لائے اور سانس اتنا بڑھائے کہ تینوں ضربیں ایک ہی دم میں لگائے اور سر کمر دونوں برابر رہیں۔ اور سر کو تھوڑا سا پشت کی طرف جھکا کر خیال کرے کہ میں نے ماسوا اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔ پھر سانس توڑ کر اِلَّا اللّٰہُ کو پستان سے دو انگل نیچے بہت زور سے دل پر ضرب لگائے۔ تصور کرے کہ میں عشق اور درد الٰہی کو اپنے دل میں لے آیا۔ حالت نفی میں اپنی آنکھیں کھلی رکھے اور اثبات میں بند رکھے۔ اسی طریق پر دو سو مرتبہ ذکر کرے اور ہر دہائی پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ضرور کہے اور اس کے بعد تین مرتبہ پورا کلمہ پڑھ کر درود شروع کرے اس کو چار ضربی کہتے ہیں۔

مگر مبتدی کلمہ لَآ اِلٰہَ میں لفظ مَعْبُوْدَ۔ متوسط لَا مَقْصُوْدَ اور منتہی لَا مَوْجُوْدَ کہے اور ہمہ اوست کا خیال کرے۔ بعدہٗ دو لمحہ مراقب ہو کر تصوّر کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے مومن کے سینہ میں آتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ بائیں گھٹنے میں خطرہ شیطانی، اور داہنے میں خطرہ نفسانی اور داہنے شانے

میں خطرہ ملکی۔ اور دل میں خطرہ رحمانی کی جگہ ہے۔ پس بائیں گھٹنے پر کلمہ لَا اِلٰہَ سے خطرہ نفسانی کی نفی کرے یعنی جس وقت لَا اِلٰہَ کہے تو مطلوب کے سوا سب اپنے تصور کو ہٹالے۔ جبتک داہنے گھٹنے تک پہونچے خطرہ نفسانی کی نفی کا۔ جب تک مونڈھے تک پہونچے خطرہ ملکی کے نفی کا تصور کرے اور اِلَّا اللّٰہُ سے خطرہ رحمانی کا اثبات کرے۔

ذکر اثبات مجرد کا طریق یہ ہے کہ ذاکر کمر سیدھی کرکے دونوں ہاتھ گھٹنے پر رکھ کر دو زانو بیٹھے اور سر داہنے شانے کی طرف لیجا کر لفظ اِلَّا اللّٰہُ کی زور سے دل پر ضرب لگائے۔ اور کلمہ لَا اِلٰہَ میں لَا مَوْجُوْدَ اور لیس معہ غیرہٗ کے معنے مفہوم کا ملاحظہ کرے۔ کیونکہ ملاحظہ میں غیر کی نفی ہی مقصود ہے۔ اس کی چار سو مرتبہ دمادم ضربیں۔ اس کو یک ضربی کہتے ہیں۔ کیونکہ بطور سابق تین بار کلمہ طیبہ ایک بار کلمہ شہادت پڑھ کر لمحہ دولمحہ مراقب ہے

ذکر اسم ذات اس کا طریق یہ ہے کہ اول حرف ہائے لفظ اللّٰہُ کو ضمہ اور دوسرے ہائے کو ساکن کرے۔ یعنی جزم دے۔ پھر دونوں آنکھیں بند کرکے سر کو داہنے مونڈھے کی طرف لاکر اسمائے صفات امہات کا ملاحظہ کرے۔ اور اول لفظ اللّٰہ کی زور سے لطیفہ روح کہ داہنے پستان کے نیچے ہے ضرب لگائے۔ دوسری ضرب فضائے دل پر مارے۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ دونوں ضربیں دل پر لگائے۔ اور اس ذکر اسم ذات دوضربی کو چھ سو مرتبہ کہے مگر نو دفعہ اللّٰہ اللّٰہُ اور دسویں دفعہ اسمائے اَللّٰہُ حَاضِرِیْ اللّٰہُ نَاظِرِیْ اللّٰہُ مَعِیْ میں سے ایک اسم کے۔ اس طور پر کہ عشرۂ اول میں اللّٰہ حَاضِرِیْ دوسرے میں اللّٰہُ نَاظِرِیْ اور تیسرے میں اللّٰہ مَعِیْ کہے۔ اور پھر ہر عشرہ پر بطریق عروج ونزول بھی تینوں اسما کہے اور ساتھ ہی معنوں کا خیال کرے۔

ذکر نفی اثبات کا دوسرا طریق دل کے سات لطیفوں کی مناسبت سے ذکر نفی و اثبات کے بھی سات مرتبے مقرر ہیں۔ ذکر زبانی اجسام سے متعلق ہے۔ اس ذکر میں ایسا مشغول ہو کہ سوائے ذکر کے اور کچھ نہ ہے۔ جو سانس نکلے بغیر ذکر کے نہ نکلے۔ جب سالک اس مرتبہ کو پورا کرلیتا ہے تو اجسام سے ترقی کرکے لطیفہ قلب تک پہونچتا ہے۔ جو ذکر کے ساتھ ذکر ہے۔ اس مرتبہ میں ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں ذکر کے ساتھ ایسا مشغول ہو کہ لَا اِلٰہَ جو نافیہ ہے نفی ہو جائے اور بجز اثبات اِلَّا اللّٰہ کے کچھ باقی نہ رہے جب سالک اس مرتبہ میں کامل ہو جاتا ہے تو نفس سے ترقی کرکے مرتبہ دل پر پہونچتا ہے۔ اور دل کا ذکر اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ اس کو دل سے تصور کرے۔ اپنے آپ اور اپنی صفات کو دلائل محکمہ کے ساتھ

ذات وصفات سبحانہ تعالیٰ سے ربط دیکر ذکر اِلّا اللہ میں ایسا مشغول ہو کہ الا اللہ میں سے استثنا بھی نفی ہو جائے۔ اور سوائے اللہ کے کچھ باقی نہ رہے۔ سالک اس مرتبہ دل سے ترقی کرکے مرتبہ روح پر پہونچتا ہے۔ ذکر روح کا بھی اسم ذات ہے۔ اور اللہ ذات جامع جمیع صفات ہے۔ اور الف ولام سے اسماء وافعال صفات کی طرف اشارہ ہے۔ اور لفظ "ہ" سے اشارہ ذات کی طرف ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ ذکر میں ایسا مشغول ہو کہ الف ولام جو لفظ اللہ میں داخل ہے یہ بھی نفی ہو جائیں اور سوائے "ھو" کے کچھ باقی نہ رہے۔ اس کے بعد سالک مرتبہ روح سے ترقی کرکے مرتبہ "سر" پر پہونچتا ہے۔ اس میں "ھو ھو" میں ایسا مشغول ہو کہ خود سراپا مذکور ہو جائے اور فنا در فنا کے یہی معنے ہیں۔ اس مرتبہ میں پہونچکر سالک مقام بِی یَسْمَعُ وَبِی یُبْصِرُ میں داخل ہوتا ہے اور خود نور ہو جاتا ہے۔ اس وقت سمجھے کہ لازمہ نور کا ظہور ہے۔ پھر مقام عبدیت کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور سالک کا انتہائی مقام ہے۔ اس مقام میں عبدیت اور معبودیت کی حقیقت بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے۔ پھر عبادت میں کما حقہٗ مشغول ہو اور حفظ مراتب بجالائے۔ پوری طرح پر شریعت کا اتباع۔ مسند ارشاد و ہدایت پر جلوہ گر ہو اور طالبان حق کو راستہ بتائے۔ اور اس طرح ولایت ومشیخت اس کے لیے دونوں مسلم ہونگے۔

پاس انفاس کے طریقے پاس انفاس کے بہت سے طریقے ہیں۔ پاس انفاس یہ ہے کہ مکان وزماں کا لحاظ رکھے اور سانس باہر آنے اور اندر جانے کے وقت ذکر کرے خواہ جہراً خواہ سراً۔ جب سانس باہر آئے تو لا الٰہ کہے اور جب سانس اندر جائے تو الا اللہ کہے، مگر ذکر خفی میں سانس سے ذکر کرے۔ اور اس کو باہر لانے اور اندر لے جانے میں ناف پر نظر کرے اور وہیں سے ذاکر ہو۔ منھ بند رکھے زبان مطلق نہ ہلائے۔ اس کی یہاں تک مواظبت کرے کہ سانس خود ذاکر ہو جائے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لفظ اللہ کو باہر کے سانس میں لائے اور ھُو کو اندر لے جائے۔ اور خیال کرے کہ اندر باہر وہی ہے یعنی ھو الظاھر ھو الباطن کا خیال رکھے اس ذکر کی اتنی کثرت کرے کہ سانس ذاکر ہو جائیں۔ اس سے ذکر حیات حاصل ہوتا ہے یعنی سوتے جاگتے ذاکر رہتا ہے۔ ماسوا اللہ سے دل پاک وصاف ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ دل کو تمام کدورتوں سے پاک وصاف کرتا ہے اور تجلیات الٰہی کا مظہر بناتا ہے اس لیئے اس کو جاروب قلب کہتے ہیں۔

اسم ذات کا زبانی ذکر باوجود پاس انفاس کے اسم ذات کو زبانی بھی ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ پڑھ لیا کرے۔ اگر اتنا نہ ہوسکے تو چوبیس ہزار مرتبہ کا ذکر اوسط مرتبہ ہے۔ اسمیں حکمت یہ ہے کہ آدمی رات دن میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے تو اسطرح ہر سانس کے مقابل ایک ذکر ہو جائیگا۔ اور ذاکر زمرہ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا میں داخل ہو جائیگا۔ اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو کم سے کم بارہ ہزار مرتبہ ضرور پڑھ لیا کرے۔ اسمیں فائدہ یہ ہے کہ ذکر زبانی ذاکر کو ذکر قلبی کی طرف پہنچاتا ہے۔ اور جب زبان اور دل دونوں ذاکر ہو جائیں گے تو ذکر کی ترتیب کامل اور مکمل ہو گی۔

ذکر اسم ذات مع الضرب اسم ذات کا ذکر چار قسم پر ہوتا ہے۔ ایک ضربی۔ دو ضربی۔ سہ ضربی اور چہار ضربی۔ جن کا طریقہ وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا۔ اس کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ رو بقبلہ ہوکر بیٹھے اور قرآن کو سامنے رکھے اور یا کسی بزرگ کی قبر سامنے ہو۔ اوّل ضرب داہنی طرف۔ دوسری بائیں طرف۔ تیسری قرآن یا قبر پر اور چوتھی دل پر لگائے۔ اس ذکر میں کشف معانی قرآن اور کشف قبور حاصل ہوتا ہے۔

اسم ذات قلندری اگر سالک مقام ہوہت میں پہونچنا چاہے تو اس ذکر کی مداومت کرے اور ہمیشہ گوشہ نشینی اختیار کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چار زانو قبلہ رو بیٹھے پھر سر دونوں گھٹنوں کے درمیان لاکر ناف پر اللہ کہکر سر پر اُٹھاوے اور گھٹنے مضبوط پکڑے اور دل پر "ھُو" کی ضرب لگائے۔

ذکر جاروب اس کا طریقہ یہ ہے کہ کلمہ لَا اِلٰہَ کو بائیں گھٹنے سے شروع کرے اور سر کو داہنے گھٹنے پر داہنے شانے تک پہونچا کر تھوڑا سا کمر کی طرف جھکا کر بہت زور سے اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب دل پر لگائے اور دو زانو بیٹھک سے خوب ورزش کرے۔

ذکر حدادی بطریق مذکور دم کو زور سے کھینچکر کلمہ لَا اِلٰہَ کا دور داہنے شانے تک پہونچا کر دونوں گھٹنوں سے کھڑا ہو جائے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر کلمہ اِلَّا اللّٰہُ کی قوت سے دل پر ضرب لگائے اور دونوں ہاتھ بھی گھٹنوں پر مارے۔ اور اس طرح بیٹھے جیسے کہ لوہار ہتوڑا دونوں ہاتھ سے اُٹھا کر زور سے لوہے پر مارتا ہے۔ اسی طرح ہر دفعہ کرے تاکہ لذت حاصل ہو۔

ذکر ارّہ سانس کو اُٹھا کرکے بہت شدّت سے دورہ لَا اِلٰہَ کو داہنے مونڈھے تک پہونچائے اور سر کو تھوڑا سا پشت کی طرف مائل کرکے اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب دل پر لگائے اسکا دوسرا طریق یہ ہے کہ آنکھیں بند کرکے زبان کو تالو سے ملائے۔ پھر اُلٹے سانس سے لفظ اللّٰہُ کو شدّت کے ساتھ ناف

سے کھینچکر داہنے مونڈھے تک پہونچائے اور قوت سے ھو کی ضرب دل پر لگائے۔ جیسے بڑھئی لکڑی پر آرہ کھینچتا ہے۔ دمادم نفس کو زور اور سخت آواز سے جاری رکھے اور تصور کرے کہ دلپر آرہ کھینچ رہا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ دل کے دو سوراخ ہیں ایک نیچے کی جانب جو روح سے علاقہ رکھتا ہے۔ دوسرا اوپر کی طرف جو جسم سے متصل ہے۔ جب ذاکر ذکر جہر میں مد و شد اور سخت و فوق کے ساتھ مشغول ہوتا ہے تو اوپر کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ مگر نیچے کا دروازہ ذکر خفی یعنی حبس دم سے کھلتا ہے۔ حبس دم ذکر کا اصل الاصول ہے اور حضرات قادریہ و چشتیہ کے یہاں شرط سلوک ہے۔ فائدہ اس کا یہ ہے کہ اس سے حرارت باطنی پیدا ہوتی ہے اور اندرونی چربی پگھل جاتی ہے۔

دل کے قریب کچھ رگیں ہیں جو چربی بہت رکھتی ہیں اور دل کے متصل خناس ہی جو دروازہ دل پر مکڑی کی طرح پردہ ڈالے بیٹھا ہے یہ بواسطہ چربی دلمیں وسوسہ ڈالتا ہے اور ان رگوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جب دم رک جاتا ہے اور اسکی حرارت چربی پر پہونچتی ہے تو وہ پگھل جاتی ہے اور اس طرح دل کی صفائی حاصل ہوتی ہے اور خناس مقہور ہو جاتا ہے۔

خطرہ فاسد دفع کرنے کا طریق

خناس کی صورت اژدہا جیسی ہے۔ اور یہیں اس کا بہت زہریلا اور خاردار ہوتا ہے۔ جب مرید سے کوئی قصور واقع ہوتا ہے یا حرام کھانا کھاتا ہے تو خناس کی قوت بڑھجاتی ہے پھر وہ اپنا پھن دل کے آس پاس پھراتا ہے۔ زہر دل میں اثر کرتا ہے اور دل میں سیاہی پیدا ہو جاتی ہے، پھر جب مرید توبہ استغفار کرکے پاس انفاس میں مشغول ہوتا ہے تو خناس ضعیف ہو جاتا ہے اور دلمیں صفائی آنے لگتی ہے

جب کوئی خطرہ فاسدہ اور بدعقیدہ دل میں بیٹھ جائے اور کسی طرح دور نہ ہو تو اسکے دفع کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ دم کو ناف سے کھینچکر دلمیں حبس کرے۔ پھر کلمہ لَا اِلٰہ کو دل سے نکالے اور تصور کرے کہ خناس جو سانپ کی طرح دل کے گرد حلقہ مارے بیٹھا ہے میں نے لَا اِلٰہ کی مقراض سے اسکی دم پکڑلی اور داہنے مونڈھے تک لائے۔ پھر اِلَّا اللّٰہ کی ضرب بہت زور سے دل پر لگائے اور تصور کرے کہ اِلَّا اللّٰہ کی ضرب کا صدمہ دل سے خناس کے سر پر پڑا اور اس کا سر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور دل سے باہر آپڑا۔ اسی طرح دمادم ضربیں لگائے۔ اس طریقہ سے خطرات فاسدہ دور ہونگے۔ خناس ہلاک ہوگا اور دل ذکر کے نور سے آئینہ کی طرح چمکنے لگا۔

حبس نفی و اثبات

اس کا طریق یہ ہے کہ دونوں آنکھیں بند کرے اور زبان تالو سے لگاکر دم کو ناف سے کھینچے اور دلمیں ٹھیرا کر کلمہ لَا اِلٰہ کو بائیں گھٹنے سے شروع

کرکے داہنے گھٹنے پر کو لاکر داہنے مونڈھے تک دورہ تمام کرکے اِلَّا اللّٰہ کی ضرب قوت کے ساتھ دل پر لگائے۔ اوّل دن دس دم کھینچے اور ہر دم میں تین مرتبہ ذکر کرے اسکے بعد ہر روز ایک ایک زیادہ کرتا جائے اس سے باطن میں حرارت پیدا ہوگی۔ اندرونی چربی پگھلے گی۔ خطرات شیطانی زائل ہونگے خناس بھاگے گا اور دل پر انوار و تجلیات کا ظہور ہوگا۔

نیز جب دم کشی کی عادت خوب پک جائے گی تو دل پر خطرہ بندی اور محویت بہت جلد ظاہر ہوگی تمام بدن میں حرارت سرایت کر جائے گی۔ تمام اعضا میں ذکر جاری ہو جائیگا اور ایداد الٰہی سے عشق کی آگ سینے میں بھڑک اٹھے گی۔

دم کشی میں معدہ کا کھانے پانی سے خالی ہونا شرط ہے اور زیادہ ٹھنڈی چیزوں کا استعمال ترک کر دے تاکہ اس کی سردی حرارت قلب کو ٹھنڈا نہ کرے۔ اور نہ زیادہ گرم چیزوں کا استعمال کرے کہ کسی مرض کے پیدا ہونے تک نوبت پہونچے۔ نہ اتنا پیٹ بھر کر روٹی کھائے کہ سست ہو جائے اور نہ اتنا بھوکا رہے کہ یاد الٰہی کی قوتوں میں ضعف آنے لگے۔ غرض متوسط درجہ اختیار کرے۔

شغل سہ پایہ دورہ چشتیہ شغل سہ پایا اَللّٰہُ سَمِیْعٌ اَللّٰہُ بَصِیْرٌ اَللّٰہُ عَلِیْمٌ کے ذکر و شغل کا نام ہے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ مربع یعنی چار زانو بیٹھے سُلْطَانًا مَّحْمُوْدًا سُلْطَانًا نَّصِیْرًا کا تصور ملحوظ خاطر رکھے۔ پھر دم کو روک کر ناف کے نیچے سے ام الدماغ تک پہونچائے۔ جب دم دماغ میں پہونچے تو اللّٰہُ سَمِیْعٌ کہے اور بِیْ یَسْمَعُ کا تصور کرے۔ پھر دل پر اللّٰہُ بَصِیْرٌ کہے اور بِیْ یُبْصِرُ کا تصور کرے۔ پھر ناف پر اللّٰہُ عَلِیْمٌ کہے اور بِیْ یَنْطِقُ کا تصور کرے اور پھر سر سے شروع کرے اور ام الدماغ میں اللّٰہُ عَلِیْمٌ دل پر اللّٰہُ بَصِیْرٌ اور ناف پر اللّٰہُ سَمِیْعٌ کہے۔ اسی طریقہ سے عروج و نزول کرے۔ جب ایک دم میں ایک سو ایک دفعہ ذکر کرنے کی مشق ہو جائے گی تو مشاہدۂ جمال الٰہی سے بہرہ مند ہوگا۔

اعمال متفرقہ صبح و شام اشغال قلبیہ کے مشاغل کو فرائض و واجبات اور سنن کے علاوہ بعض عبادتیں اور وظیفہ وظائف زبانی بھی کرنی چاہئیں جو صفائی قلب کے لئے ممد و معاون ہیں مثلاً تہجد کی بارہ رکعت اشراق کی چھ یا دو رکعت۔ چاشت کی چار رکعت زوال کی چار۔ صلوٰۃ الاوابین کی چھ یا بیس رکعت اور چار رکعت عصر سے پہلے۔ جمعہ کے روز صلوٰۃ التسبیح پڑھے۔ ایام بیض سے تین روزے رکھے۔ دو شنبہ اور جمعرات کے روزے۔ چھ شوال کے۔ نو شروع ذی الحجہ کے اور آٹھ شروع رجب و شعبان کے۔ کم از کم چالیس دن میں قرآن شریف ضرور ختم کرے۔ صبح کی سنت

اور فرض کے درمیان سورۂ فاتحہ معہ بسم اللہ اکتالیس دفعہ پڑھے، صبح کی نماز کے بعد ایکبار سورۂ یٰسین دس بار چوتھا کلمہ سو بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ سو بار پڑھے سو دفعہ صبح و شام استغفر اللہ۔ سو دفعہ کلمہ طیب۔ اکتالیس دفعہ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْئَلُکَ اَنْ تُحْیِیَ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ اَبَدًا اَبَدًا یَا اَللّٰہُ اور جس قدر ہو سکے درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ پڑھے۔ نماز ظہر کے بعد سورۂ انا فتحنا اور اگر ہو سکے تو دلائل الخیرات کی منزل پڑھے۔ عصر کی نماز کے بعد سورۂ عم یتساءلون اور سو دفعہ آیت کریمہ پڑھے۔ مغرب کی نماز کے بعد سورۂ واقعہ اور عشا کی نماز کے بعد سورۂ ملک یا سورۂ "سجدہ" اور ایک سو دفعہ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ گیارہ بار درود شریف پڑھ کر پڑھے۔

صبح و شام سید الاستغفار اور ننانوے (۹۹) نام باری تعالیٰ ایک دفعہ۔ اور اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اور آیۃ الکرسی اور آیۃ اٰمن الرسول آخر تک ایک ایک بار۔ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ کُلِّھَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ تین بار۔ سورۂ حشر کی آیتیں ایک بار بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ تین بار رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا صلعم تین بار۔ اور حزب البحر ایک بار پڑھے۔

اگر ہو سکے تو ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی ایکبار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ تینتیس تینتیس بار اور چوتھا کلمہ پڑھے۔ کھانا کھاتے وقت بسم اللہ اور اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ اور جب کھا چکے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ پڑھے۔ سونے کے وقت سورۂ فاتحہ اور آیۃ الکرسی ایک ایک بار معوذتین تین تین بار۔ اور سورۂ کہف کی آخری آیتیں پڑھے۔ اور بیدار ہونے کے وقت چوتھا کلمہ پڑھے۔

پاخانہ میں جائے تو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ اور جب نکلے تو غُفْرَانَکَ کہے۔ صبح اور عصر کی نماز کے بعد مسبعات عشر کا ورد رکھے اور اٹھتے بیٹھتے بِسْمِ اللّٰہِ

وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ رِضَاکَ ۔

ختم خواجگان قادریہ کسی کام کے حاصل ہونے کے واسطے اول دو رکعت نفل پڑھے اس کے بعد ایک سو گیارہ دفعہ سورہ الم نشرح ایک سو گیارہ دفعہ کلمہ تمجید اور ایک بار سورۂ یٰسین پڑھے۔ اور اگر بڑا ختم پڑھنا منظور ہو تو ایک ہزار گیارہ مرتبہ الم نشرح پڑھے اس کے بعد درود شریف ایک سو گیارہ دفعہ ضرور پڑھے۔ اور پھر مطلب کی دعا مانگے۔

ختم خواجگان چشت ہر مہم کے واسطے وضو کر کے قبلہ رو بیٹھے۔ پھر دس دفعہ درود شریف پڑھے۔ پھر تین سو ساٹھ مرتبہ لَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنْجَاءَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ پڑھے۔ پھر تین سو ساٹھ مرتبہ الم نشرح۔ پھر تین سو ساٹھ مرتبہ دعائے مذکور اور اسکے بعد دس مرتبہ درود شریف پڑھ کے ختم کردے اور دعا مانگے۔

راہ سلوک کے موانع جاننا چاہیئے کہ حدیث نفس، خطرات بے معنی اور فضول تفکرات تشویشات طالب کو راہ سلوک سے مانع ہوتے ہیں، پس اگر طالب کو اشغال قلبیہ میں فاسد وسوسے مانع ہوں تو طالب کو چاہیئے کہ پہلے غسل کرے نئے کپڑے پہنے خوشبو لگائے اور کسی تنہائی کے مکان میں بیٹھے۔ اس کے بعد معوذتین، سورہ اخلاص اور سورہ فاتحہ تین تین دفعہ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ جَمِیْعِ مَا کَرِہَ اللّٰہُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ تین دفعہ پڑھے۔ پھر تین دفعہ اعوذ پڑھ کر بائیں شانے کی طرف پھونک مار کر اور دوگانہ پڑھے۔ اور جتنا بھی ہو سکے اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ عَنْ غَیْرِکَ وَنَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ اَبَدًا یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ یَا اَللّٰہُ کی تکرار کرے۔ اسکے بعد بائیں طرف یا نور اور داہنی طرف یا نور اور قلب میں یا نور کی ضرب لگائے اگر اب بھی دلمیں کچھ خلجان باقی ہے تو پھر اسی طرح ذکر میں مشغول ہو اور اگر پھر بھی خلجان ہے تو تیسری دفعہ اسی طرح کرے انشاء اللہ تین بار کرنے سے تسکین قلب حاصل ہوگی۔

چلہ کا طریق صاحبان طریقت نے حصول مقصد کے واسطے چلے مقرر کیے ہیں اسکا طریق یہ ہے کہ پہلے محض رضائے الٰہی، متابعت سنت رسول علیہ السلام، عبادت اور ذکر الٰہی کے واسطے ماسوات تجرد اور فراغ حاصل کرے اور خلوت نشینی اختیار کرے۔ جامع مسجد سب سے عمدہ ہے تاکہ جمعہ اور جماعت کی فضیلت سے محروم نہ رہے۔ غسل کر کے نئے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائے۔ پھر بیس تاریخ ماہ شعبان کو نماز عصر سے پہلے اعوذ، بسم اللہ، معوذتین اور کلمہ

تحیۃ پڑھ کر اور ارواح مشائخ طریقت سے اپنے مرشد کے ذریعہ مدد اور استعانت مانگ کر خلوت میں بیٹھے۔ اور خلوت کے مکان میں داخل ہوتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ پڑھے اور داہنا پاؤں یہ کہکر اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ رکھے اور دو رکعت نفل انقطاع ما سوی اللہ اور رجوع الی اللہ کی نیت سے پڑھے۔ پھر قبلہ کیطرف متوجہ ہو کر بیٹھے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشائخ طریقت کی ارواح پر فاتحہ پڑھے اور ان کی روحانیت سے حصول استقامت کی مدد چاہے اور اس کے بعد ذکر یا شغل یا مراقبہ جو کچھ مرشد سے پہنچا ہے اس میں مشغول ہو اور خلوت کے شرائط بجالائے۔

خلوت کے شرائط حضرت جنید بغدادیؒ نے چند شرطیں بیان فرمائی ہیں۔ جو یہ ہیں ہمیشہ باوضو رہے۔ جس وقت ٹوٹے اسی وقت کرلے۔ ہمیشہ روزہ رکھے اور مغرب سے پہلے افطار کرے۔ مغرب اور عشا کے درمیان کھانا کھائے بشرطیکہ طبیعت مشتاق ہو۔ کھانا اتنا کھائے کہ تہائی معدہ خالی رہے۔ ہمیشہ چپ رہے۔ سوائے اللہ کے ذکر کے کسی سے باتیں نہ کرے ہاں اگر ضرورت پیش آئے تو مضائقہ نہیں۔ خلوت میں سوائے خادم کے کسی کو نہ آنے دے ہمیشہ ذکر و شغل اور مراقبہ میں مصروف رہے۔ خطرات کی نفی اور حدیث نفس کو دور کرے۔ مدد اور استعانت کی نیت سے اپنے شیخ سے رابطہ قلبی رکھے۔ اور یہ اعتقاد رکھے کہ میرا شیخ مظہر حق ہے۔

چند نصائح طالب حق کو چاہیے کہ تصحیح عقائد کرے۔ فرقہ ناجیہ اہل سنت کے عقائد کے ضروری مسئلے سیکھے۔ کتاب و سنت اور آثار صحابہ کا اتباع کرے۔ نفس کا رذائل سے تزکیہ و تخلیہ کرے۔ شریعت کے احکام پر مستحکم رہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنا شعار بنائے۔ ہر وقت اور ہر حال میں اعمال سنت کو نگاہ رکھے منہیات و مشتبہات سے پرہیز کرے۔ اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اسی وقت توبہ و استغفار اور نیک عملوں سے اس کا تدارک کرے۔ دوسرے وقت پر موقوف نہ رکھے۔ نماز پنجگانہ جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھے۔ فرائض و واجبات اور سنن ادا کرنے کے بعد اپنے اوقات کو شغل باطن میں صرف کرے۔ باطن کی مشغولیت کو فرض دائمی جانے اس سے کسی وقت غافل نہ ہو۔ جب مزہ آنے لگے خدا کا شکر کرے۔ تھوڑے کو بہت جانے۔ ہر عمل رضائے الٰہی کے لئے کرے۔ کشف و کرامات سے لذت نہ اٹھائے۔ بلکہ ان سے بیزار رہے۔ حالت بسط میں شاکر ہو۔ اور حدود شرعیہ کو ملحوظ رکھے۔ جب قبض ہو تو مایوس نہ ہو اپنا کام کرتا رہے۔ تمام عبادات اور ذکر و شغل میں اپنے آپکو مقصر سمجھے۔ جاہل سے باطن کا حال نہ کہے۔ تصوف کی بات برملا نہ کہے۔

اور غیر محرم سے بھی نہ کہے۔ اور محرم سے بھی گوشے میں کہے۔ وقتوں کا پابند اور تلون طبع سے دُور رہے دل سے من کل الوجود تارک الدنیا ہو جائے۔ دل آئینہ ہے اس میں غیر اللہ کو نہ دیکھے۔ مرتبہ اور جاہ و حشمت طلب نہ کرے کہ یہ گمراہی ہے۔ اس سے ہر وقت پناہ مانگے۔ وقت کو غنیمت سمجھے غفلت سے برباد نہ کرے۔ کیونکہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ راستہ میں مردانہ وار قدم رکھے۔ غم اور خوشی کو بالائے طاق رکھے۔ کیونکہ یہ حجاب ہے۔ غیر جنس و خلاف شرع اور منکر و بدعتی فقراء سے اجتناب کرے اور خلاف شرع فقیر سے اگرچہ خرق عادات کرامات ظاہر ہوں اور آسمان پر اڑے مگر اسے گمراہ سمجھے اور اس سے دور بھاگے۔ لوگوں سے بقدر ضرورت اختلاط اور تعلق رکھے۔ اچھے برے کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ عجز و انکساری سے معاملہ کرے۔ نیستی اور پستی اپنا شعار بنائے۔ کسی پر اعتراض نہ کرے۔ ہر ایک کے ساتھ نرمی اور ملائمت سے بولے۔ سکوت اور خلوت کو دوست رکھے۔ دلجمعی سے اپنا کام کئے جائے۔ تشویش نہ کرے۔ جو امور پیش آئیں ان کو خدا کی طرف سے جانے ہمیشہ دل کی محافظت کرے کہ غیر کا خیال نہ آنے پائے۔ لوگوں کو امور دینی میں فائدہ پہونچانا اپنے اوپر لازم جانے۔ ہر کام میں افراط و تفریط سے پرہیز کرے۔ اگر نفس کو لقمہ چرب دے تو اس سے زہد و ریاضت کا کام بھی لے۔ کسب کر کے کھائے۔ نذر و نیاز کو ذریعہ معاش نہ بنائے۔ اور خدا کے سوا کسی کی پرواہ نہ کرے۔ سب سے بےخوف اور بے طمع ہو جائے۔

یہاں ہم نے صرف اسلامی تصوف اور زہد و فقر کے چند ضروری اذکار و اشغال اور اس کے متعلقات بیان کئے ہیں۔ جن کو زیادہ معلومات حاصل کرنے ہوں وہ تصوف کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

افسوس کہ ہم بخوف طوالت طریقہ نقشبندیہ اور سہروردیہ کے اذکار و اشغال نہ لکھ سکے۔ اس کوتاہی پر ہم بصدق دل معذرت خواہ ہیں۔ یہ بخوبی واضح رہے کہ یہ چاروں طریقے اپنی اپنی جگہ منزل مقصود پر پہونچانے اور خدا سے ملانے میں مطابق کتاب و سنت اور کامل و مکمل ہیں۔ اس میں کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہ رکھے۔ تاکہ کسی سلسلہ کی تنقیص لازم نہ آئے۔ ہاں درجہ بندی اور فرق مراتب کا لحاظ یہاں بھی ہے جیسا کہ انبیاء کرام میں۔ اس لحاظ سے اگر ہم سلسلہ قادریہ کو ترجیح دیں تو بیجا نہیں۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ خدا طلبی، خدا شناسی اور وصول الی اللہ کے جس قدر طریقے صوفیائے کرام میں رائج ہیں وہ سب کے سب قرآن و حدیث اور آثار صحابہؓ سے ماخوذ ہیں۔ قرآن کریم نے خدا

شناسی اور وصول الی اللہ کے طریقے تبلانے میں کوئی اخفا نہیں کیا مگر جو کچھ تبلایا ہے وہ بالاجمال ہے۔ اس کی تفصیل انسانی سعی وکوشش اور فہم وتدبر پر چھوڑ دی ہے۔

موجودہ تصوف اور اسلامی تصوف

خدا شناسی اور وصول الی اللہ کے جو چار طریقے مسلمانوں میں مشہور اور معمول بہا ہیں وہ اپنے منبع اور ماخذ کے لحاظ سے اسلامی تصوف ہیں اور ان کی حیثیت وہی ہے جو فقہ میں چاروں آئمہ۔ مگر آہ! ہمارے ہادی برحق نے جس تصوف کی تعلیم ہم کو دی تھی جس کا بہترین نمونہ خلفاء اربعہؓ نے ہمارے سامنے پیش کیا۔ اور جس پر حضرات صوفیائے کرام نے عمل کیا۔ اس کی شکل آج بالکل مسخ ہو چکی ہے۔ اور اسلامی تصوف کی جگہ نصرانی اور ہندوانہ تصوف نے لے لی ہے۔
موجودہ تصوف سکھاتا ہے کہ انسان کی ہستی کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ دنیا گذشتنی اور گذاشتنی ہے۔ بالکل بیکار چیز اور خدا شناسی میں حجاب اکبر ہے۔ اور اس سے تعلق رکھنا گناہ ہے۔ اسی کے متعلق حضرت مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

گفت سرِ زندگی در مردن است — شمع را صد جلوہ از افسردن است
چشم بند و گوش بند و لب بہ بند — تا رسد فکر تو بر چرخِ بلند

اس تصوف کا اصول یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ہیچ اور ناچیز سمجھے۔ اور دنیاوی معاملات میں دخل نہ دے۔ اس قسم کے زہریلے اور تباہ کن خیالات ہیں جن سے ہمارا موجودہ تصوف بھرا پڑا ہے۔ اور جن کو اسلامی تصوف سے دور کا بھی تعلق نہیں۔
اسلامی تصوف ہمیں تبلاتا ہے کہ ہم دنیا میں رہکر دنیا سے بے پرواہ رہیں۔ قلب کو صاف رکھیں۔ نفسانی خواہشات پر غلبہ حاصل کریں۔ اور اپنے جسم کے ظاہری و باطنی قویٰ کو خدا کے سپرد کردیں۔ بھلا وہ مذہب جو یہ تبلائے کہ "خدا بھی تم ہی میں نہاں ہے" "ہم دنیا میں نائب حق بنا کر بھیجے گئے ہیں" "خدا نے یہ تمام کارخانہ عالم بیکار نہیں پیدا کیا" "اور ہم نے تمہارے لئے زمین و آسمان کی چیزوں کو مسخر کردیا ہے" ساتھ ہی یہ بھی تعلیم دے سکتا ہے کہ دنیا سے بالکل بے تعلق ہو جاؤ۔ ہادی برحق پیکر عمل رسول خدا صلعم خود "شناسی" کو "خدا شناسی" کا ذریعہ بتائیں وہ بھلا کب اس امر کی اجازت دے سکتے ہیں کہ انسان اپنے آپ کو بے حقیقت اور ذلیل سمجھے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ذرہ نواز خدائے قدوس نے انسان کو لقد کرمنا بنی آدم کے شرف و مجد سے نوازا۔

ہو اور ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کا تاج اس کے سر پر رکھا ہو۔
ان تمام امور کی روشنی میں ہر شخص بادنیٰ تامل معلوم کر سکتا ہے۔ کہ ہماری پیدائش کا یہ منشاء نہیں کہ ہم جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے جائیں اور ہمہ وقت خدا کی عبادت میں صرف کریں۔ اگر ہماری تخلیق کا منشاء یہی تھا تو پھر فرشتوں کی موجودگی میں انسان کو پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پس اگر انسان دنیا کو بے حقیقت اور دوسری برابر سمجھ تو وہ اپنے مقصد تخلیق کو پورا نہیں کر سکتا۔ علامہ رومیؒ فرماتے ہیں ؎

چیست مردن از خودی غافل شدن
تو چہ پنداری فراق جان و تن

یعنی موت جان و تن کے فراق کا نام نہیں جیسا کہ تم سمجھے ہوئے ہو۔ بلکہ اپنی اصلیت کو نہ سمجھنا موت کے مترادف ہے۔ اب زندگی کا مفہوم بھی اس ترجمان حقیقت کی زبان سے سُن لیجئے ؎

گر فنا خواہی ز خود آزاد شو
گر بقا خواہی ز خود آباد شو

یعنی "خود فراموشی" فنا ہے اور "خود شناسی" بقا۔ اگر انسان اپنے اندر خودی یعنی خود شناسی کا جوہر پیدا کرے تو وہ تمام جہان کو درہم و برہم کر سکتا ہے ؎

خویش را چوں از خودی محکم کنی
تو اگر خواہی جہاں برہم زنی

موجودہ تصوف کہتا ہے "چشم بند و گوش بند و لب بہ بند" اس کے مقابلے میں اسلامی تصوف کہتا ہے ؎

چشم و گوش و لب کشا اے ہوشمند
گر نہ بینی راہ حق برمن بخند

اگر انسان دنیاوی علائق کو توڑ کر زندگی کی کشمکش سے کنارہ کش ہو جائے اور گوشہ نشینی اختیار کرے کہ میں کسی پر ظلم نہ کروں گا۔ حرام اور گناہ کے کاموں سے بچوں گا بد نظر سے محفوظ رہوں گا۔ کسی کا حق غصب نہ کروں گا۔ جھوٹ نہ بولوں گا اور ریاکاری نہ نہیں کروں گا۔ تو یہ کوئی بہادری۔ جوانمردی اور کمال نہیں ہے۔ البتہ قابل تعریف وہ شخص ہے جو کہ دنیاوی تعلقات میں پھنسے اور پھر تمام حقوق ادا کرے۔ اپنے آئینہ قلب کو گناہ کی کدورتوں سے زنگ آلود نہ ہونے دے۔ اس کو اپنی خواہشات پر مکمل قبضہ ہو۔ اس کے تمام قویٰ اس کے تابع ہوں اپنے پیکر خاکی پر اچھی طرح حکمراں ہو۔ اور اس کو پورے طور پر ضبط نفس حاصل ہو۔ کیونکہ ؎

ہر کہ بر خود نیست فرماں رواں ¦ مے شود فرماں پذیر از دیگراں

یعنی جو اپنے پیکر خاکی پر حکمراں نہیں لامحالہ وہ دوسروں کا محتاج محکوم اور فرماں پذیر ہو جاتا ہے۔ جب انسان کو پوری طرح ضبط نفس پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کا دل یاد خدا سے منور ہو جاتا ہے۔ اس کے دل پر عجیب کیفیات طاری رہتی ہیں۔ پھر اگرچہ وہ دنیا کے کام سرانجام دیتا ہے اور لوگوں سے تعلقات رکھتا ہے۔ مگر اس کا کوئی کام اپنی مرضی اور خواہش سے نہیں ہوتا۔ اب وہ اس جہاں میں نائب حق ہو جاتا ہے۔ اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتا ہے حقیقت میں خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے ؎

از خود آگاہی ید اللٰہی کند ¦ از ید اللٰہی شہنشاہی کند

پنجہ او پنجۂ حق می شود ¦ ماہ از انگشت او شق می شود

ایک عظیم الشان غلطی کا ازالہ

اسلام نے ظاہری اور باطنی فرقہ کی کوئی تفریق نہیں کی

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ عز و جاہ کے بھوکوں نے دیگر مذاہب کی طرح اسلام کی تعلیم کے بھی دو ٹکڑے کچھ عرصے سے کر دئیے ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ حالانکہ اسلام نے اپنی تعلیم میں ایسی کوئی تفریق روا نہیں رکھی جس سے ایک طبقہ خاص باقیوں سے الگ ہو گیا ہو۔ اور نہ ہی یہ بات عقل و نقل کے معیار پر پوری اترتی ہے کہ اسلام جیسے عالمگیر اور انصاف و مساوات پرور مذہب نے اپنے مسائل کی تفسیر ایسے دو مختلف طریقوں سے کی ہو کہ ان میں سے ایک پر علمائے ظاہر نے قبضہ کر لیا ہو اور ایک پر باطنی فرقہ ہو لیا ہو۔ چنانچہ علامہ مفتی محمد انوار الحق صاحب اپنی کتاب حقایق اسلام میں لکھتے ہیں :۔

"حقیقت یہ ہے کہ حصول اعزاز و امتیاز کے واسطے مقتدایان مذہب کا محض ایک خود ساختہ حیلہ تھا کہ انھوں نے مذہبی تعلیم کے دو ٹکڑے کر دئیے۔ ایک ظاہری عوام

کے لیئے اور ایک باطنی اپنے واسطے۔ اس اندرونی حلقہ میں وہ اپنے حسب منشار جسے چاہتے تھے داخل کرتے تھے۔ چنانچہ برہمنوں میں اس درجہ تک پہونچنے کے واسطے چالیس سال کی مسلسل ریاضت واطاعت اور بے چون وچرا فرماں برداری کی ضرورت تھی اور اس کے بعد بھی ستّر برس کے سن سے پہلے کوئی شخص اس حلقہ خاص میں نہیں لیا جاتا تھا۔ برہمنوں کے سوا اور کسی ذات کے آدمی پر تو اس علم باطنی کا نام تک لینا حرام تھا۔ اور ان میں سے بڑے بڑے اور اچھے سے اچھے شخص کے لئے اس کا ایک حرف بھولے سے بھی سُن لینا مستلزم موت تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے اسرار سے عام طور پر سب لوگ بالکل بے خبر رہتے تھے۔ ایسے ہی حیلوں سے اس مذہبی طبقہ کا اقتدار واختیار ہر ایک ملک اور قوم میں اتنے عرصے دراز تک قایم رہا۔ یہاں تک کہ مصر قدیم سے لے کر یورپ کے قرون مظلمہ تک ان کا درجہ بادشاہوں سے بھی بڑھا رہا۔ مگر آفتاب عالمتاب اسلام کی زندگی بخش شعاعیں ہر کہ ومہ اور ہر خاص عام سب پر برابر نور افشاں ہیں۔ اس لیئے اس نے اس قسم کی تفریق وتخصیص کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ اور اپنے ہاں سرے سے اس طبقہ کا وجود ہی نہیں ہونے دیا جو خالق اور مخلوق میں واسطہ ہوتا۔ اور مذہب باطنی کا محرم اور محافظ بن کر ایسی حیلہ بازیوں سے اپنا اثر قایم رکھنا چاہتا۔ اور یوں دماغی اور اخلاقی ترقیوں کی طرح روحانی ترقی کا انحصار بھی صرف ذاتی سعی وکوشش پر رہ گیا۔"

(حقایق اسلام صفحہ ۲۳۸)

دراصل اگر علماء اور صوفیا میں کوئی تفریق تھی تو صرف تقسیم عمل کے لحاظ سے اور اس وجہ سے کہ اُنھوں نے دنیا کی ہدایت ورہبری کے لئے اپنے اپنے علیحدہ حلقہ عمل قایم کر لیئے تھے ورنہ حقیقت میں علما اور صوفیا سب کے سب منزل تقدس کے شہ نشین اور آسمان ہدایت کے روشن ستارے تھے۔ غرض علمار اور صوفیار میں کوئی تفریق نہیں رکھنی چاہیئے۔

آخری کلمات

آج شریعت اسلام کے فدائیوں کا نہایت ہی برا حال ہے۔ اُنھوں نے خدا اور اُس کے رسولؐ کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ وہ حدود شرعیہ کی پابندیوں کو "قید سخت" سے زیادہ ناگوار سمجھتے ہیں۔ وہ

معیشت، خواہش عشرت، تمنائے دولت اور آرزوئے عزت وعظمت میں ایسے محو اور بے خود ہو رہے ہیں کہ عقبیٰ کا خیال اور فکر مآل ذرا بھی نہیں چھو گیا۔ مسلمانوں کے اس عالمگیر انحطاط و زوال کو روکنے کے لئے عالم تصوف میں آنے اور روحانی قوتوں سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ تصوف کے اثرات اور تصوف کی طاقتوں سے مسلمانوں کی تمام پستیوں اور کمزوریوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اور مسلمان عالم روحانیت سے جس قدر متصل ہوتے جائیں گے۔ اسی قدر وہ شریعت کے مطیع و منقاد، شریعت کی راہوں پر مستقیم اور احکام الٰہی و فرمان رسولؐ سے وابستہ ہوتے جائیں گے اور ان کے قلوب پاکیزہ۔ ان کے نفوس مقدس اور ان کی قوتیں مؤثر ہوتی جائیں گی۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان بزرگوں اور مشائخ کے مزارات سے مشرف ہوتے رہیں۔ جس وقت دل ہر طرف سے فارغ اور مطمئن ہو ان کے مزاروں پر بیٹھ کر ان کی روحانیت کی طرف توجہ کریں۔ اس کی حقیقت کو اپنے مرشد کی صورت میں تصور کر کے فیضیاب ہوں اور برکت حاصل کریں۔ عام مسلمانوں کے مزاروں پر جا کر اپنی موت کو یاد کریں، ان کو فاتحہ وغیرہ کا ثواب پہونچائیں۔ اپنے مرشد کے حکم و ادب کو اللہ اور رسول کے حکم و ادب کی جگہ سمجھیں۔ اور اہل اللہ کی محبت و عقیدت حد سے زیادہ رکھیں۔ اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھیں۔

اے کریم کارساز رب بے نیاز اور خدائے ذرہ نواز مجھ ہیچ کارہ نالائق اور سراپا معصیت کو اس قدر لیاقت اور منزلت کہاں تھی کہ میں تیرے پسندیدہ دین اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کر سکوں۔ تیری ہی امداد و توفیق اور موہبت سے میں نے اس عظیم الشان کام کو گرتے پڑتے، کانپتے لرزتے اور بھول چوک لئے ہوئے انجام کو پہونچایا ہے۔ ورنہ میری کیا مجال اور طاقت تھی کہ زبان و قلم حرکت میں آئے۔ اور میں یہ حقیر تحفہ ناظرین کی خدمت میں پیش کر سکتا۔

مولائے کریم! جہاں تو نے مجھ نالایق سے یہ کام لیا ہے وہاں مجھے توفیق دے کہ میں سراپا علم و عمل بن جاؤں اور اس کو میری بخشش کا ذریعہ بنا اور مجھے تمام کدورتوں گمراہوں اور گناہوں سے محفوظ رکھ۔ اسی طرح مسلمانوں اور سائلوں کے حق میں بھی

اسے کامیاب اور مفید بنا۔ تاکہ وہ اس کے مطالعہ سے انہیں اپنی منزل مقصود پر پہونچیں ان کی تمام دینی و دنیوی پستیوں کمزوریوں اور گمراہیوں کو دور فرما۔ اور ان کو صراط مستقیم پر قایم و برقرار رکھ۔ آمین۔

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاءُ ط وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ط

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِوَالِدَيْنَا وَلِاُسْتَاذِنَا وَلِمَشَائِخِنَا وَلِاَحِبَّائِنَا وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ الْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

اٰمِيْن اٰمِيْن اٰمِيْن يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

(بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ)

(کتبہ نائق صدیقی سہسپوری)

ضمیمہ اڈیشن ثانی کتاب الاسلام

(صفحہ نمبر ۱۰۵۳ سے آگے)

سود کی حرمت

خداتعالی فرماتا ہے اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا خداتعالی نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ

یعنی سود خوار لوگ قیامت کے دن ایسے اٹھینگے جیسے جن رسیدہ یا مرگی کا مارا ہوا شخص اٹھتا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگوں پر یقیناً ایک ایسا زمانہ آئیگا جس میں کوئی شخص بے سود کھائے نہیں رہیگا اگر کوئی شخص خود سود نہ کھائیگا تو اسکو سود کا غبار یا اس کے بخارات ہی پہونچیں گے یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اور حضرت ابوہریرہ اس کے راوی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئیگا جس میں سود کی کثرت اور مسائل شرعیہ سے ناواقفیت وجہالت بڑھجائیگی بعض لوگ دانستہ اور بعض لوگ نادانستہ سود کھائیں گے اگر آتش سود کی اصلی تپش وحرارت ان کو نہیں پہونچیگی لیکن کم از کم اس کے اٹھتے ہوئے بخارات سے تو کوئی محفوظ نہ رہسکیگا اس حدیث کی توضیح تورپشتی نے یہ بیان کی ہے کہ سود کا لین دین بہت پھیلجائیگا بعض لوگ تو قصداً سود کا بیوپار کریں گے اور بعض لوگ نادانی اور جہالت کی وجہ سے سود کھانے میں مبتلا ہوں گے کوئی شخص اس کے ضرر اور گناہ سے سالم نہ رہیگا اگرچہ سود کی لین دین سے سلامت رہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول صلعم نے سود کھانے والے کھلانے والے اور سود کے گواہوں اور تحریر کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جس شہر میں زناکاری علی الاعلان ہوئی یا شہر والے سود کھانے لگے وہ شہر برباد ہوا ابوسلمہ بن عبدالرحمن کا قول ہے کہ جن گانوؤں کے رہنے والے چار باتوں کو حلال سمجھ لیں اس

گانوؤں کو تباہ کر دینے کا حکم ہے تول میں کمی کریں ترازو میں فرق رکھیں علی الاعلان زنا کریں یا سود کھائیں حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں کہ زیادہ لینے والا اور زیادہ دینے والا دونوں دوزخ میں ہوں گے۔

پرہیز کن تو از ربوا خوردن ربوا باشد چناں
کردن زنا با مادران ہفتاد کرد ای پسر

سود کے لغوی و اصلاحی معانی اور اقسام۔ ربوا یعنی سود لغت میں صرف زیادتی کو کہتے ہیں خواہ وہ زیادتی کسی قسم کی ہو اور شرعی اصلاح میں سود کے یہ معنی ہیں کہ دو چیزوں کو باہم تبادلہ کیا جائے اور ان دونوں چیزوں میں سے ایک کم ہو اور دوسری زائد لیکن اس لئے مذکورہ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے نمبر۱ دونوں چیزیں ایک ہی جنس کی ہوں مثلاً دونوں دونوں چاندی دونوں سونا دونوں گیہوں یا جو وغیرہ ہوں نمبر۲ دونوں ناپ کر بکتی ہوں نمبر۳ دونوں تول کر بکتی ہوں۔

نوٹ نمبر۱ اس ناپ تول میں شریعت کا اعتبار ہے عرف کا اعتبار نہیں مثلاً چاندی سونا شریعت کے موافق وزن کے ساتھ فروخت کرنا چاہئے خواہ عام طور پر تول کر بیچا جاتا ہو یا ویسے ہی تبادلہ کر لیا جاتا ہو۔ ہر قسم کا غلہ اناج شریعت کے اعتبار سے ناپ کر بیچا جاتا تھا لیکن آج کل تولکر بیچا جاتا ہے یہ بات قابل اعتبار نہیں۔ نمبر۲۔ کھوٹی کھری اچھی بری جنس کا باہمی امتیاز و فرق شریعت میں معتبر نہیں مثلاً اچھے گیہوں برے گیہوں کے عوض برابر فروخت کئے جاسکتے ہیں کمی بیشی کے ساتھ فروخت نہیں کئے جاسکتے۔

مذکورہ بالا تعریف اور شرائط سے ذیل کے مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔ دو من جو ایک من گیہوں کے عوض خریدنا سود نہیں کیونکہ دونوں ایک جنس نہیں۔ ایک انڈا لیکر دو انڈے دینا جائز ہے کیونکہ انڈے نہ تول کر بیچے جاتے ہیں نہ ناپ کر بلکہ شمار کر کے فروخت ہوتے ہیں لہذا ان میں کسیطرح سود نہیں ہو سکتا۔ ایک گز کپڑا دو گز کپڑے کے عوض فروخت کیا جاسکتا ہے کیونکہ شریعت نے کپڑے کو ناپ کر فروخت ہونے والی چیزوں میں شمار نہیں کیا ہے لہذا کپڑے کو ہر طرح فروخت کیا جاسکتا ہے۔ ایک سیر گیہوں لیکر سوا سیر گیہوں دیدینا جائز ہے

کیونکہ سوا سیر گیہوں شرعی اندازے میں داخل نہیں ہو سکتے شریعت نے کم از کم ڈیڑھ سیر
چیز کو قابل اعتبار سمجھا ہے ڈیڑھ سیر سے کم وزن کی چیز میں کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے۔

سود دو قسم کا ہوتا ہے ایک کمی بیشی کا سود جس کی مثالیں مذکورہ بالا سطور میں تحریر
کر دی گئی ہیں دوسرے ادھار کا سود مثلاً ایک روپیہ قرض دے کر دو روپیہ لینا ایک
اشرفی قرض دے کر ایک اشرفی اور ایک روپیہ لینا وغیرہ یہ تمام صورتیں ناجائز ہیں۔

حدیث میں صرف چھ چیزوں میں سود حرام قرار دیا ہے رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا
اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ
وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ وَاسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى
الْاٰخِذُ وَالْمُعْطِيْ سَوَاءٌ یعنی سونا سونے کے بدلے چاندی چاندی
کے بدلے گیہوں گیہوں کے بدلے جَو جَو کے بدلے چھوارا چھوارے کے بدلے اور نمک نمک کے
بدلے برابر سرابر اور ہاتھوں ہاتھ بیچے جائیں جو شخص زیادہ لیگا یا زیادہ دے گا وہ سود کا معاملہ
کریگا اور (سود کا) لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں یہ حدیث بہت مشہور ہے اور تمام
علماء نے اسکو قبول کیا ہے سب کا اس کی صحت پر اتفاق ہے اس حدیث سے صرف چھ
چیزوں میں سود کی حرمت بظاہر معلوم ہوتی ہے لیکن تمام علماء اور ائمہ امت قائل ہیں اور سب کا
یہ متحدہ نقطۂ نظر ہے کہ ان چھ چیزوں کو بطور مثال ذکر کیا گیا ہے ورنہ سود کی حرمت تمام ان اشیاء
میں ثابت اور قطعی الثبوت ہے جن میں سود کی علت اور سبب موجود ہو رسول اللہؐ کے عہد مبارک
میں چونکہ جزیرۂ عرب میں انہی چھ چیزوں کا زیادہ لین دین ہوتا تھا اور اساس معاش انہی
کو قرار دیا جاتا تھا اس لئے حضور اقدس نے صرف انہی کے ذکر پر اکتفا کیا اور مزید اشیاء کی
تفصیل کرنی مناسب نہ سمجھی۔

حدیث مذکور میں دو قسم کی چیزیں ذکر کی گئی ہیں نمبر ۱ وہ اشیاء جو عہد رسالت میں
تول کر فروخت کی جاتی تھیں یعنی سونا اور چاندی۔ نمبر ۲ وہ اشیاء جو پیمانوں سے ناپ کر فروخت
ہوتی تھیں یعنی گیہوں جَو نمک چھوارا۔ اول الذکر قسم میں لوہا تانبا پیتل اور ہر قسم کی معدنی
چیزیں داخل ہیں اور ان کے تبادلہ میں اگر وزن میں کمی بیشی ہو تو ناجائز ہے۔ موخر الذکر میں

ہر قسم کے پھل میوہ جات اور ہر طرح کا غلہ بشرطیکہ مقدار شرعی کے ذیل میں آتا ہو داخل ہے مثلاً انگور کشمکش منقٰی، بادام اخروٹ امرود، بکری کا گوشت گائے کا گوشت گھی وغیرہ اس توضیح وتفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے حدیث مذکور کے یہ معنی ہوئے کہ جب کوئی وزن سے فروخت ہونے والی یا ناپ کر فروخت ہونے والی چیز اپنی ہم جنس چیز کے عوض فروخت کیجائے تو دونوں کا وزن یا ناپ میں برابر ہونا لازم ہے اگر کمی بیشی ہوگی تو سود ہو جائیگا۔

نوٹ۔ پرامیسری نوٹ ہنڈی اور بینک کی چکیں نقد روپیہ کے حکم میں ہیں اس لیئے یہ ناجائز ہے کہ دس روپیہ کا نوٹ قرض دیدیا جائے اور گیارہ روپیہ وصول کئے جائیں بیان مذکورہ بالا سے مسائل ذیل سمجھ میں آجاتے ہیں:۔

مسائل متفرقہ۔ مسئلہ دس سیر گیہوں اور دس سیر جو کا بیس سیر گیہوں اور بیس سیر جو سے تبادلہ جائز ہے کیونکہ اگرچہ مؤخر الذکر گیہوں اور جو کی مقدار زائد ہے لیکن جو کو گیہوں کے عوض کہہ سکتے ہیں۔ **مسئلہ** سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض ناپ کر فروخت کرنا جائز ہے۔ **مسئلہ** اگر اٹکل سے سونا سونے کے عوض یا چاندی چاندی کے عوض یا کسی قسم کا غلہ اس کے ہم جنس غلہ کے عوض فروخت کیا جائے تو ناجائز ہے۔ **مسئلہ** اشرفی کے روپے یا روپے سے پیسے اگر کرنا ہو تو صراف کو خود دیکر یا اپنے ایجنٹ کی معرفت بھجوا کر دست بدست بھنانا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ روپیہ اس وقت دیدیا اور پیسے گھنٹہ بھر کے بعد لے لئے یا پیسے اب لیلئے اور روپیہ گھنٹہ بھر بعد کو دیا۔

بینک اور ڈاکخانہ کے سود کے متعلق ہندوستانی علماء کی رائے بینک اور ڈاکخانہ کے سود کے احکام مفصل طور پر نہ تو قرآن وحدیث میں ملتے ہیں نہ فقہاء امت نے اس کی خاص طور پر کوئی تصریح کی ہے ہندوستان کے موجودہ علماء نے کلیات فقہ اور قوانین شرعیہ پر غور وخوض کرکے اس کے متعلق ضرور اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور ہندوستان کے دارالحرب یا دارالاسلام یا دارالمعاہدہ ہونے پر ایک تفصیلی بحث وتحقیق بلیغ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ بینک کے شیئر خریدنے اکاؤنٹس جاری کرانے یا ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کرکے اس کا سود لینا حرام ہے بلکہ بینک یا ڈاکخانہ سے اپنے روپیہ کا سود لیکر کسی کار خیر میں

صرف کرنا بھی قطعاً ناجائز ہے یہ رائے ہندوستان کے اکثر متبحر علماء کی ہے مثلاً علماء دیوبند مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی وغیرہم ہاں بعض علماء بینک اور ڈاکخانہ کے سود کو حلال بھی کہتے ہیں اس گروہ میں مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی وغیرہ داخل ہیں میں نے یہاں علماء کے صرف اقوال اور خیالات پیش کرنے پر اکتفا کیا تفصیلی دلائل علماء کے رسائل اور کتابوں میں موجود ہیں میں یہاں اپنی رائے کا اظہار کرنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ کتاب مناظرہ کی کتاب نہیں ہے اور نہ مجھے اس بحث میں پڑنے کی یہاں ضرورت ہے۔

حرمت سود کی اصلی وجہ قانون اسلامی نے سود لینے اور دینے کو حرام قطعی قرار دیا ہے خواہ اپنے ہم مذہبوں سے سود کا لین دین کیا جائے یا غیر مذاہب والوں سے سود کا کاروبار کیا جائے دونوں ناجائز ہیں ہم ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ وجہ ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

سود لینے کی حرمت کی وجہ سود لینے میں باوجودیکہ ایک مسلمان دولت مند ہوتا ہے اس کو دنیوی اعزاز وجاہت و مرتبہ اور مالی قوت حاصل ہوتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس روپیہ سے چند مسکینوں یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کی جائے ... مذہبی امور میں چندہ بھی دیا جائے اور مختلف کارہائے خیر میں اس کو صرف کیا جائے لیکن خدائے تعالیٰ نے سود کو قطعاً حرام کر دیا اور فرمادیا کہ حَرَّمَ الرِّبٰوا۔ اور یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا۔ وغیرہ اگر سطحی نظر سے دیکھا جائے تو سود کی حرمت سے مسلمانوں کو بڑا نقصان برداشت کرنا پڑا اور اب بھی مسلمان بہت ٹوٹے میں ہیں لیکن یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلمان کو مسلمان صرف اس لیئے نہیں کہا جاتا کہ اس کے پاس دولت بہت ہے روپے سے صندوق بھرے ہوئے ہیں دنیوی جاہ وحشم اور عیش و طرب کا مالک ہے اور نہ خدائے ان تمام امور کو ایک مسلمان کا مرکز توجہ بنایا ہے بلکہ مسلمان اسی وقت کامل مسلمان ہوسکتا ہے جب تک اس میں اسلامی اخلاق و فضائل موجود ہیں اسلامی فضائل و اخلاق سے متصف ہونے کے بعد اگر اس کو دنیوی عیش و آرام دولت و مال حاصل ہے تو بہت بہتر صورت ہے ورنہ بغیر

دولت کے بھی ایک شخص سچا مسلمان بن سکتا ہے میں یہاں مسلمانوں کے دولتمند اور مالدار ہونے کی مخالفت نہیں کر رہا ہوں اور نہ میرا یہ نصب العین ہے بلکہ میرا مدعا صرف یہ ہے کہ امیر ہو یا غریب بادشاہ ہو یا فقیر اگر اس کے اندر صفات اسلامیہ موجود ہیں تو وہ صحیح اور سچا مسلمان ہے ورنہ دنیوی دولت سے اسلامی وقار حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مالدار کو خواہ مخواہ سچا مسلمان کہا جا سکتا ہے اس قاعدہ کو پیش نظر رکھکر ذرا غور کرنا چاہیے کہ سود لینے سے سنگدلی قساوت قلبی بیرحمی اور ایذا رسانی کا مظاہرہ نہیں ہوتا ہے کیا سود لینے والا اپنے برادران وطن کا خون نہیں چوستا ہے کیا معمولی معمولی رقمیں دے کر بڑی سے بڑی جائدادوں پر قبضہ نہیں کر لیتا ہے صرف ہندوستان میں ہی دیکھئے کہ سود لینے والے سنگدل انسان کیا تمام ملک کی اقتصادی تباہی اور مالی بربادی کا ذریعہ اصلی نہیں ہیں کتنے خاندان اور افراد ہیں جو پہلے عیش وطرب کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن ان بیرحم انسانوں نے انکی بیوقوفی اور سادہ لوحی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ایک ایک دانہ کو ان کو محتاج کر کے دربدر کی ٹھوکریں کھلائیں اور آخیر میں نہایت حسرت و یاس کی خودکشی کرنے پر ان کو مجبور کیا ہندوستانی حالات سے جو لوگ واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ گورنمنٹ ہند اتنا لگان ہندوستانی کاشتکاران اور فلاحین سے وصول نہیں کرتی جتنی رقمیں ان قسی القلب خونخواروں کی جیب میں پہونچ جاتی ہیں ہمارا اسلام رحم عطوفت مہربانی اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کی تعلیم دیتا ہے یہ کس طرح ممکن تھا کہ محض چاندی اور سونے کے ڈھیروں کے حصول کے لئے ان بدترین اخلاق اور مہذب ڈکیتیوں کی اجازت دیتا در حقیقت سودخوار طبقہ ان ڈاکوؤں سے بھی زیادہ بیرحم ہے جو علی الاعلان ڈاکہ مارتے پھرتے ہیں کیونکہ ڈاکو پھر کسی وقت رحم کھا کر چھوڑ بھی دیتے ہیں علاوہ ازیں وہ ڈاکہ صرف دولتمند اور خوشحال لوگوں کے ہاں ڈالتے ہیں اور زائد سے زائد یہ کہ بیک ضرب تفنگ ایک مجبور انسان کی جان لے لیتے ہیں لیکن یہ رگ رگ کی روح کھینچنے والا مہذب انسان غریب مفلس مجبور و بیکس یتیم بیوہ اور اپاہج ولاچار پر بھی رحم نہیں کھاتا بلکہ اس کی ڈاکہ زنی کا شکار زیادہ تر یہی لوگ ہیں جائدادیں اور ریاستیں بھی اس ننگ انسانیت طبقہ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہیں لیکن مفلس نادار

طبقہ کی گاڑھے پسینے کی کمائی تو ان خونخوار لٹیروں کی شکم پری بلکہ کیسہ بھری کے لئے وقف ہے اور یہ حالت فقط ہندوستان ہی کی نہیں ہے بلکہ غیر ممالک کا بھی یہی حال ہے اخبار بین حضرات واقف ہیں کہ ایک صدی پیشتر فلسطین کے مسلمانوں کی کیا حالت تھی اور اب کیا حالت ہے یہودیوں کے خونخواری کے جال میں پھنسکر مسلمان تباہ ہو گئے جائدادیں مکانات دکانیں باغات اور اراضی یہودیوں کے قبضہ میں پہونچگئیں اور مسلمان ستبینہ کو محتاج ہو گئے اور سینئے جو سلطنت وحکومت کسی دوسری حکومت سے سودی قرض لیتی ہے وہ کبھی اس حکومت کے پنجہ سے رہا نہیں ہوتی اور ہمیشہ قسط وار ادا کرتی رہتی ہے لیکن گردن نہیں چھوٹتی یونائیٹڈ اسٹیٹس امریکہ نے مختلف حکومتوں کو اس جال میں پھنسا کر اپنا درم خریدہ غلام بنالیا کون نہیں جانتا کہ برٹش گورنمنٹ کا دنیا میں کیا وقار اور کیا ساکھ ہے لیکن امریکہ کا قرض چونکہ اس کے ذمہ ہے اس لئے ہمیشہ ادا کرتے رہنے کے باوجود پھر غلامی میسر نہیں، خلاصہ یہ کہ اس تجارتی تباہی اقتصادی بربادی زراعت کی پامالی کاشتکاروں کی بدحالی امن عامہ کی خرابی اور فتنہ وفساد کا اصلی سبب یہی سودخواری اور سودخوانی ہے اسلام دنیا میں امن پیدا کرنے آیا ہے نہ کہ فتنہ وفساد بپا کرنے کے لئے، انسانوں کو عیش وآرام کی پاکباز زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہے نہ کہ قساوت قلبی سنگدلی اور فساد عام کا مظاہرہ کرنے کی پھر کس طرح ممکن تھا کہ جزوی منافع کے لئے ایسا قانون جاری رہنے دیتا جس کی بدولت دنیا تباہ ہو گئی زمین وفضا رزمین ظلم وستم سے معمور ہو گئی خدا تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا خدا سود کو مٹاتا ہے۔

سود دینے کی ممانعت کی وجہ اسلام کہتا ہے کہ سود لینے والا اور دینے والا دونوں ناری ہیں جہنمی ہیں سود لینے والے کے متعلق تفصیلی ریمارک ہم مذکورہ بالا سطور میں کر چکے ہیں یہاں سود دینے کی کچھ خرابیاں بیان کرتے ہیں سود دینے میں خرابی کے دو پہلو ہیں نمبر۱ اپنی اور اپنی قوم کی تباہی اور ناداری نمبر۲ غیر مذاہب والوں کی قوت طاقت اور دولت ومال میں اضافہ۔

نمبر۱ سود دینے سے اپنی اور اپنی قوم کی تباہی کیونکر ہوتی ہے اس کا جواب دینے کے لئے کچھ مزید توضیح کی ضرورت نہیں اپنے ملک کے ہر طبقہ کو دیکھ لیجئے تاجروں کا طبقہ

مزدوروں کا طبقہ کاشتکاروں کا طبقہ رئیسوں اور امیروں کا طبقہ اور سب سے بڑھکر والیان ریاست کا طبقہ غور کیجئے کہ اس سود دینے کی وجہ سے مذکورہ طبقات کا کیا حال ہے کاشتکار صبح سے شام تک ہل جوتتا ہے آب پاشی کرتا ہے نرائی کرتا ہے موسم سرما کی برف ریزی اور موسم گرما کی دھوپ کی تیزی اسکو اپنے کام کے مقابلہ میں پرواہ نہیں ہر موسم اور ہر فصل میں اپنی دھن میں لگا رہتا ہے دھن کا پورا ہے کام کا پکا لیکن اس بیدریغ محنت اور ناقابل برداشت کوشش کا کیا نتیجہ نکلتا ہے صرف یہ کہ پیٹ بھرنے کو موٹے اناج کی روٹی اور تن چھپانے کو چند چیتھڑے اس کو میسر نہیں تمام بدن کا خون خشک چہرہ پژمردہ اور بدن لاغر ہے موسم سرما میں نیلگوں آسمان کی چھت اور خاکستری زمین کا فرش اس کے لئے لحاف توشک ہے آگ کے الاؤ پر بیٹھکر راتیں گذار دیتا ہے ہزارہا من روئی اس کے ہاں پیدا ہوتی ہے لیکن یہ بیرحم سود خوار اس کے اور اس کے بچوں کو دو چار سیر روئی بھی نہیں لینے دیتے ہزاروں کردہ رس اس کی کمائی کا پیدا ہوتا ہے لیکن اس غریب کو گڑ کی چند ڈلیاں بھی میسر نہیں اس کے بچے بلک بلک کر بھوک کے مارے روتے ہیں جو شخص انکی اندرونی حالات سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اس تمام بربادی و تباہی کی اصلی وجہ یہی ہے کہ اس نے کسی بنیئے سے کسی وقت دس روپے قرض لے لئے تھے جو بیسیوں برس گذر جانیکے بعد بھی اب بھی سینکڑوں روپیہ کے قرض کی شکل میں اس کی گردن کا طوق بنے ہوئے ہیں اور مرتے دم تک ان سے رہائی ناممکن ہے۔

تاجر و مزدور بھی دن بھر اپنے کاروبار میں لگا رہتا ہے محنت کرتا ہے کوشش کرتا ہے لیکن شام کو بنیئے کا منیب یا کوئی اور ملازم آکر اس بیچارہ کی دن بھر کی کمائی لیجاتا ہے اور پھر ویسے ہی تہیدست اور نادار رہجاتا ہے جس طرح صبح کو تھا مال جس قدر دکان میں ہے وہ بنیئے کی ملکیت ہے اور منافع جو کچھ دن بھر میں حاصل ہوا وہ بھی بنیئے کی گولک میں گیا یہ بیچارہ ویسے ہی ہاتھ جھاڑ کر رہگیا۔ رہے والیان ریاست وہ اپنی غریب رعایا اور مفلس طبقہ کی کمائی سے خزانے بھرتے ہیں لیکن وہ تمام خزانے بینک میں پہنچکر انہی سود خواروں کے قبضہ میں جاتے ہیں والیان ریاست کا خزانہ لیٹر بکس سے

زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

مذکورہ بالا تمام امور کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سود دینے سے مسلمانوں کی اندرونی طاقت کو گھن لگتا ہے اور یہ گھن رفتہ رفتہ اصل لکڑی کو کھا جاتا ہے اسی کی بدولت مسلمان تباہ و برباد ہیں مفلس و محتاج ہیں تعلیم ان میں نہیں طاقت ان میں نہیں اور پھر ان تمام امور کا اخیر میں یہ اثر ہوتا ہے کہ طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں اسلامی تعلیم اسلامی اخلاق اور اسلامی فضائل کو خیر باد کہکر خلاف انسانیت افعال کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس سے اسلام کا اصلی مطمح نظر بالکل سیاہ بادل میں چھپ جاتا ہے اور وہ اسلام جو کسی وقت فخر کائنات انسانی تھا ننگ مذاہب بنجاتا ہے کیونکہ اسلام نام درحقیقت مسلمانوں کا ہے جب مسلمان الفقر سواد الوجہ فی الدارین میں مبتلا ہو کر اخلاق رذیلہ اور خلاف اسلام جرائم کے مرتکب ہو گئے اور ان کی وجاہت و اعزاز دنیا کی نظروں میں کچھ بھی نہ رہا تو قطع نظر وبال آخرت کے ان کی ذلت کی بدولت دنیا میں اسلام کی بھی توہین ہوئی۔ اور یہ سب وبال اسی سود دینے کا ہے نہ سودی قرض لیا جاتا نہ افلاس و فقر کا سامنا کرنا پڑتا اور نہ جرائم قبیحہ کے ارتکاب پر اضطراری بیخودی ہوتی نمبر۲ سود دیکر دیگر اقوام و مذاہب کے بازو قوی کئے جاتے ہیں مخالفین اسلام مسلمانوں سے ہی مالی طاقت حاصل کر کے پھر انہی پر چیرہ دستی کرتے ہیں اور مسلمان بیچارے مجبور و مظلوم کی حیثیت سے ان کی دراز دستیاں برداشت کرتے ہیں اگر مسلمانوں میں جوش توحید نہ ہوتا تو یہ سود لینے کی ایسی مذموم حرکت و عادت تھی کہ اس کی بدولت ان کا نام نشان کبھی کا صفحۂ دنیا سے محو ہو چکا ہوتا لیکن چونکہ نور توحید ان کے دلوں کے اندر ضیا پاش ہے اس لئے ابھی تک یہ برائے نام موجود ہیں ان ھذہٖ تذکرۃ فمن شاء ذکرہ

عقیقہ

پیدائش کے بعد بچوں کے کان میں اذان دینے اور ان کا عقیقہ کرنیکا بیان

حدیث میں آیا ہے کہ بچہ کا عقیقہ والد کی طرف سے کیا جائے رسول اللہؐ نے نبی ہونیکے بعد اپنی طرف سے خود اپنا عقیقہ کیا تھا (شرعۃ الاسلام) عقیقہ ساتویں دن یا چودھویں دن یا اکیسویں دن کیا جائے اگر لڑکا ہو تو اس کے لئے دو بکریاں اور لڑکی ہو تو ایک بکری کیجائے اور ذبح کرتے وقت مذکورہ ذیل دعا پڑھنی چاہیے۔

اللھم ھذہ عقیقۃ ابنی فلان یا بنتی فلانۃ دمھا بدمہ یا بدمھا ولحمھا بلحمہ وعظمھا بعظمہ وجلدھا بجلدہ وشعرھا بشعرہ اللھم اجعلھا فداءً لابنی من النار بسم اللہ اللہ اکبر الٰہی یہ میرے فلاں لڑکے یا لڑکی کا عقیقہ ہے اس جانور کا خون لڑکے کے خون کے عوض اس کا گوشت لڑکے کے گوشت کے عوض اور اس کے بال اس کے بالوں کے عوض پیش کرتا ہوں الٰہی اس جانور کو میرے لڑکے کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا ذریعہ بنا بسم اللہ اللہ اکبر (مفتاح الفتوح) عقیقہ کی ہڈی نہ توڑی جائے یعنی مسلم عضو پکانا چاہیے اور دائی کو بطور تصدق ایک ران دینی چاہیے اور لڑکے کا سر منڈوا کر بالوں کی برابر وزن کر کے چاندی صدقہ کرنی چاہیے۔ **مسئلہ** جو شرائط و احکام قربانی کے جانور کے ہیں وہی عقیقہ کے ہیں (مفتاح الفتوح) **مسئلہ** بچہ کے سر پر سوا صندل کے اور کچھ نہ ملا جائے (معرفت الحقوق)

کان میں اذان دینے کا بیان پیدائش کے بعد لڑکے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنی چاہیے رسول اللہؐ نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کی پیدائش کے پہلے ہی دن ایسا کیا تھا (شرعۃ الاسلام) پہلے ہی دن نام بھی رکھنا چاہیے اور کسی قدر خرما یا کوئی اور میٹھی چیز منہ میں چبا کر بچہ کے تالو میں لگا دینا چاہیے (شرح مشکوٰۃ)

(بعض مسائل متفرقہ) بچہ کو بدکار عورت سے دودھ نہ پلوایا جائے کیونکہ رضاعت کے ذریعہ سے خبث کا اثر بچہ کے آئندہ اخلاق و خصائل میں ضرور پیدا ہوتا ہے۔ بچہ کا نام اچھا رکھنا چاہیئے۔ جب بچہ کی عمر چار ماہ چار روز کی ہو جائے تو تھوڑا سا کھانا اور پانی اسکو چٹانا چاہیئے اور جب بات کرنے کی اس میں صلاحیت ہو جائے تو سب سے پہلے کلمۂ توحید سکھانا چاہیئے اور اس کے بعد فتعالی اللہ الملک الحق المبین پڑھانا چاہیئے۔ جب بچہ کی عمر چار برس چار ماہ اور چار دن کی ہو جائے تو اس کو سورۂ فاتحہ سورۂ اخلاص اور سورۂ فلق پڑھنے کے لئے مسجد میں بھیجنا چاہیئے کیونکہ رسول اللہؐ اپنے دونوں نواسوں یعنی حضرت امام حسن و حضرت امام حسین کو حضرت ابوہریرہ کے پاس لے گئے تھے۔ جب بچہ سات برس کا ہو تو اسکو نماز کی ہدایت کرنی چاہیئے نو برس کا ہو تو نماز کی تاکید کرنی چاہیئے اور دس برس کا ہو تو مار کر نماز پڑھوانی چاہیئے۔ اور سات برس کے بچہ کو ماں بہن وغیرہ کے ساتھ سونا جائز نہیں (شرح الاوراد)

بچہ کے کان میں اذان دینے اور تکبیر کہنے کا فلسفہ بچہ کے کان میں اذان دینی اور تکبیر کہنی ایک مسنون بات ہے اسلام کے مختلف فرقوں اور شاخوں کا تیرہ سو برس سے اس پر عملدرآمد رہا ہے اور رہیگا لیکن حقیقت پرست اور نکتہ رس دماغوں نے اس کے فلسفہ پر بہت کم توجہ کی ہے یہاں تک کہ بنا شریعت کے مستحکم اور پائیدار ستونوں یعنی علمار فقہ نے بھی اس کی طرف ایک نگاہ غلط انداز ڈال کر چھوڑ دی اور کوئی تفصیلی ریمارک اس پر نہیں کیا۔ میں بصیرت اندوز دماغ رکھنے والوں کے لئے اس کی ایک مختصر سی حقیقت ظاہر کرنی چاہتا ہوں۔

نمبر۱ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا وہ بھی کیا باعتبار فطرت اور کیا باعتبار مذہب والدین مسلمان ہی ہوگا کونسا مسلمان ایسا ہے جو اپنے بچہ کو مسلمان کرنا مسلمان رکھنا اور مسلمان کہلانا دل سے پسند نہیں کرے گا اور یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ارکان اسلام کا بنیادی ستون اقرار توحید اور شہادت رسالت ہے مسلمان اپنے بچہ کے پیدا ہونے کے وقت یہی کہتا ہے کہ میں خود بھی

مسلمان ہوں اور تجھے بھی مسلمان دیکھنا پسند کرتا ہوں۔ سن لے میرا اور تیرا خدا وہ ہے جو آسمان سے زمین سے دریا سے پہاڑ سے جن و الانس سے چرندہ پرندہ اور درندہ سے غرضکہ تمام کائنات سے بڑا بزرگ قادر اور برتر ہے وہ واحد و یکتا ہے اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں بلکہ اس کے وجود کے مقابلہ میں کائنات عالم کا وجود مثل عدم ہے جو کچھ ہے اسی کا پرتو ہے وہ آفتاب وحدت ہے یہ سب اس کے مظاہر ہیں ذات اسی کی ذات اور وجود اسی کا وجود ہے وجود عالم میں واحد ہے نہ مشترک ہے نہ کلی مشکک میں تمام دنیا کے وجود حقیقی کی نفی کرتا ہوں اور اسی واحد و یکتا کے ثبوت کا قائل ہوں اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اے بچے یہ بھی تو خوب سمجھ لے کہ اس آفتاب وحدت کی روشنی براہ راست کائنات پر نہیں پڑ سکتی تھی کیونکہ کسی میں اتنی اہلیت اور قابلیت نہ تھی کہ اسکی روشنی سے براہ راست اور بلا واسطہ اپنی آنکھوں کو روشن کر سکتا تمام موجودات مثل سیاہ پتھر کی تھی اس پر آفتاب کی روشنی کیا خاک پڑ سکتی اور وہ کیا آفتاب کی روشنی سے فائدہ اٹھا سکتی اسی لئے اس خدائے واحد نے اسی سیاہ اور تاریک فضا میں ایک آئینہ اور شفاف آئینہ پیدا کیا تاکہ اپنی روشنی کا عکس اس پر ڈالے اور جب روشنی کسی قدر ہلکی اور کمزور ہو جائے اور اس قابل ہو جائے کہ اس سیاہ خاکدان کے کور بصارت رکھنے والے بھی اس کو کسی قدر دیکھ سکیں اور اس کی روشنی سے اپنی آنکھوں کو روشن کر سکیں تو اس آئینہ کو اس نے پیدا کر کے محمدؐ اور رسول نام رکھا اس لئے اے بچے تو بھی اقرار کر اور میں بھی اقرار کرتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں اسکی پرتو جمال کا آئینہ ہیں مظہر تجلیات ہیں اور جلوہ گاہ نور ازلی ہیں اشہد ان محمدا رسول اللہ اب تجھکو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر اس نور ازلی سے کچھ روشنی کا حصہ حاصل کرنا ہے تو وہ اسباب پیدا کر اور ان ذرائع کو کام میں لا جس سے ازلی نور آئینہ کے وسیلہ سے تجھ پر پرتو فگن اور ضیا پاش ہو جائے اپنی آنکھوں میں صفائی پیدا کر تاکہ اگر نور ازلی کو براہ راست نہیں دیکھ سکتا ہے تو آئینہ کی معرفت تو دیکھ سکے ورنہ اگر آنکھیں بالکل ہی اندھی ہیں اور ضعف بصارت کی بجائے تو کور بصر رکھتا ہے تو

پھر جس طرح سورج کی چمکتی ہوئی شعاعوں اور کرنوں سے تجھکو کوئی فائدہ نہ تھا اسی طرح
آئینہ کی موجودگی بھی تیرے لئے لاحاصل اور بے سود ہے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ آئندہ زندگی
میں ہر قسم کی فلاح و بہبودی کے ذرائع اختیار کرنا کوئی فعل مفید نہ چھوڑنا خصوصاً وہ عمل تو
ضرور ہی کرتا رہنا جو ایک مومن قلب رکھنے والے کے لئے معراج ہے اور تیری آنکھوں کی
روشنی اور ٹھنڈک ہے حی علی الصلاح حی علی الفلاح آ اور بہبودی حاصل کر آ اور روح کی
اور عقل ہیولانی کی اس وقت نماز ادا کر اور اس کا شکر کر جس نے تجھے تاریکی سے روشنی
عطا کی جو تجھے عدم سے وجود مجازی میں لایا مگر یہ خوب سمجھ لے کہ یہ تمام کائنات حقیقی وجود نہیں
رکھتی اس سب کا وجود ظلی اور سایہ کیطرح ہے اس میں نہ قوت ہے نہ قدرت ہے نہ بزرگی نہ برتری
اس سب کا وجود ہیچ ہے وہی ذات بے ہمتا بزرگ برتر قادر توانا اور واحد و یکتا ہے اللہ اکبر
اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔

اب غالباً سمجھ گئے ہوگے کہ ایک مسلمان اپنے بچے کے کان میں اذان کہکر کیا ظاہر
کرنا چاہتا ہے کیا تبلیغ کرنا چاہتا ہے اور کیا پیام پہونچانا چاہتا ہے کیا وجہ ہے کہ ادہر بچہ
شکم مادر سے باہر آیا اور ادہر کسی مسلمان نے اس کے کان میں اذان کہی۔

نمبر۲ قرآن صحیح احادیث اور اسلامی عقائد کی تمام کتابوں سے ثابت ہے اور ہر
مسلمان کا عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے سب روحیں ایک ساتھ پیدا کی ہیں اور سب روحوں کو
ایک جا جمع کر کے علی الاعلان بغیر کسی استثناء اور خصوصیت کے خطاب فرمایا تھا اَلَسْتُ
بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا پیدا کرنے والا اور پیدا کر کے درجہ کمال تک پہونچانے والا نہیں ہوں
سب روحوں نے سر تسلیم جھکا دیا اور عرض کیا بلیٰ کیوں نہیں تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔
تو ہی ہمارا موجب ہے اور تو ہی ہمارا خالق ہے تو واحد ہے معبود برحق ہے الوہیت اور
صفات الوہیت میں تیرا کوئی شریک نہیں کوئی ... ضد نہیں تو بزرگ و برتر متصف
بصفات کمال ہے اور صفات نقصان سے منزہ اور پاک ہے خدا تعالیٰ نے جب یہ عہد و میثاق
تمام روحوں سے لے لیا تو ان کو اس عالم ناسوتی میں یہ خاکی وردی پہنا کر بھیجا اور خیر و شر
نیک و بد گناہ و فرمان پذیری کی طاقتیں اس روح کے زیر اثر رکھ کے آزمائش کرنی چاہی

جو روح اس خاکدان مادی میں آکر اپنا اصلی وطن اور میثاق ازل نہ بھولی وہ سعید اور کامیاب رہی اور جس نے نفسانی اور مادی عیش وطرب میں مشغول ہو کر عہد الست کو فراموش کر دیا وہ شقی اور خسران جبین میں رہی اور یہ ظاہر ہے کہ روح فطرتاً سعید ہو یا شقی بہر حال جس وقت عالم تجرد میں تھی یہ مادی جسم اور خاکی وردی نہ تھی نفس کی شہوانی اور غضبانی قوتیں نہ تھیں گناہ کی صلاحیت و استعداد ہی نہ تھی اس وقت خدا تعالیٰ سے اس کی الوہیت اور ربوبیت کا اقرار کیا تھا اب جس وقت اس کثیف اور تاریک عالم میں اور دنیا کی کیف افزا فنا پذیر فضاء اور ہوا میں اس نے سانس لی تو کچھ دیر کے لئے ضرور ہر روح اس عہد ازلی کو فراموش کر گئی یا اس سے غافل ہو گئی یا کم از کم غفلت کا اندیشہ ہو گیا۔ اس لئے جس وقت مسلمان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی عقل اب تک بالکل ہیولانی اور ابتدائی درجہ میں ہوتی ہے تو ہر مسلمان اس کے ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں اقامت کہکر اس میثاق ازلی اور عہد الست کی یاددہانی کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے کہ دیکھ او ننھی سی روح دیکھ وہ عالم تجرد کا عہد بھلا کہوں گواہوں کے سامنے تو نے خدا تعالیٰ سے کیا ہے اسکو بہیمی اور سبعی قوتوں کے جال میں پہنسکر بھول نہ جانا اور کہیں نفسانی عیش وطرب اور شیطانی ہواء و ہوس میں پڑ کر سعادت ازلی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھنا اور قفس عنصری کے اندر گرفتار بلبل تیری اصلی بہار وہی ہے تیرے سامنے جسمانی اور مادی قوتوں کے صیاد شکستہ اور چند منٹ میں فنا اور خشک ہو جانے والے پھول لاکر رکھیگا لیکن تو اس پر ریجھ نہ جانا فریفتہ نہ ہو جانا اپنی دائمی بہبودی اور لازوال فلاح کی ہر وقت طالب رہنا اور اسی بہار لم یزل کی جستجو میں اس پنجرہ کو توڑ کر نکل بھاگنے کی کوشش کرتی رہنا کیونکہ دنیا کی یہ تمام لذتیں زوال پذیر ہیں ان کا نشہ اور کیف چند منٹ کا ہے اور پر خار دشکستگی دائمی ہے تو او چھوٹے سے پرندے اسی گل کے پاس جانیکی جستجو میں رہنا جس کی بے پناہ خوشبو اور لامحدود خوش رنگی ہر قسم کی خوشبو اور خوش رنگی سے اعلیٰ افضل اور طاقت و تاثیر میں اکبر ہے اسی گل بے مثال کا پاک نام اللہ ہے بس وہی ایک گل ہے اور در حقیقت سب کانٹے ہیں اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔ اللہ بس باقی

باقی ہوس اول بھی وہی ہے اور آخر بھی وہی اور تیری فلاح وصلاح اس کے درمیان ہے
اللہ اکبر اشہد ان لاالہ الا اللہ (حی علی الصلاح حی علی الفلاح) اللہ اکبر لاالہ الا اللہ۔

نمبر۳ شرع میں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو دائیں کان میں اذان بائیں میں اقامت کہی جاتی ہے اور پھر مرنے کے بعد اس کی نماز پڑھی جاتی ہے اس میں کیا حکمت وفلسفہ پوشیدہ ہے یہ کس حکیم لاثانی کی ایجاد ہے اور اس میں کس مدعا کی طرف ہزار وعظ ونصیحت سے زیادہ ایک لطیف اشارہ ہے اس کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ اذان ہے اور یہ نماز اور اس کے درمیان کا وقت جتنا بھی ہو وہ بس اتنا وقت ہے کہ زائد سے زائد جتنا کسی وقت کی اذان اور نماز میں بلکہ تکبیر ونماز میں ہوتا ہے یہ درحقیقت چشم بصیرت اور گوش ہوش رکھنے والوں کے لئے ایک کھلا ہوا وعظ ہے اور اسی عمل سے اس فانی دنیا کی بے ثباتی کا ایک کھلا ہوا اظاہرہ ہوتا ہے دنیا میں آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک کند حواس اور کمزور قوت عقلیہ رکھنے والے دوسرے ذکی متاعر اور تیز دماغ والے مذکورہ فعل میں .... دونوں کے لئے ایک درس عبرت ہے کمزور حواس رکھنے والوں کو تو بتا دیا گیا کہ یہ دنیا فانی ہے اس کی ہر حرکت زوال پذیر ہر سکون فنا ہو جانے والا ہر گردش اور ہر دائرہ ختم ہو جانے والا ہے ریگستان کا ذرہ ذرہ درختوں کا پتہ پتہ دریاؤں کا قطرہ قطرہ اور زندہ مخلوق کے خون کی ہر دورانی حرکت بالکل ناپائیدار اور بے ثبات ہے اس میں ایک ہزار برس کی عمر ہو تب بھی اس سے زائد نہیں کہ جیسے اذان اور نماز کے درمیان وقت ہوتا ہی پھر اس کے تفکرات وآلام سے رنجیدہ ہونا اور مسرت ولذائذ پر خوش ہونا کسی طرح مناسب نہیں باقی جو ہوشمند لوگ تھے ان کو اس سے بہتر پیرایہ میں سمجھایا گیا ہے کہ اس بے حقیقت عالم میں انسان کی بڑی سے بڑی زندگی صرف اتنی ہے جتنا اقامت اور نماز کے درمیان کا وقت ہوتا ہے اقامت اور نماز کے درمیان کتنا وقت ہوتا ہے اس کو ہر مسلمان جانتا ہے اگر ہم اس وقت کے اندازہ کرنے کے لئے کوئی لفظی تعبیر کر سکتے ہیں تو پلک جھپکنا یا غض الطرف یا سیکنڈ یا ثانیہ یا لمحہ یا لحظہ کہہ سکتے ہیں۔
لیکن یہ تمام لفظی تعبیر ہے ورنہ اختتام اقامت اور ابتداء نماز کے وقت کی تعین ہی

ناممکن ہے کیونکہ ایک کا اختتام اور انتہا دوسرے کی ابتدا رہے گویا دانشمند طبقہ کے لئے اس فعل میں یہ بصیرت افروز حقیقت مضمر ہے کہ دنیا کی پوری امتداد حیات بالکل ہیچ ہے کالعدم ہے ایک سراب اور دھوکہ ہے یہ مادی زندگی حقیقت اور واقعیت سے کوسوں دور ہے گو اس حیات عرفی پر تمام آثار واقعیت مرتب ہوتے ہیں ہر فعل کی ایک پاداش اور ہر عمل کی ایک جزا بھی ہے ہر ابتدا کی انتہا اور ہر سبب کا ایک نتیجہ بھی ہے یہ سب کچھ سہی لیکن چشم بصیرت اور روشن دماغ رکھنے والے کے لئے یہ تمام آثار غم و فکر مصیبت اندوہ و آلام اور فرحت سرور اور تمام مادی لذائذ اس احساس رنج و سرور سے زائد نہیں جو انسان کو خواب میں حاصل ہوتا ہے جس طرح کسی خواب دیکھنے سے انسان کو خوشی بھی ہو سکتی ہے اور رنج بھی تکلیف بھی اور راحت بھی اگرچہ اس کی کوئی واقعیت نہیں ہوتی بلکہ انسان کی قوت خیالیہ کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہوتا ہے قبل از تعبیر نہ خوشی ہوتی ہے نہ رنج نہ تکلیف نہ راحت بلکہ اس خواب کے آثار و نتائج بیدار ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں اسی طرح یہ مجموعہ رنج و راحت مادی زندگی ہے بالکل بحقیقت ہے سراب ہے دھوکہ ہے لیکن اس دینوی زندگی کا نتیجہ ضرور برداشت کرنا ہوگا رہے اس کے آلام و افکار یا خوشی و راحت وہ کچھ واقعیت نہیں رکھتے یہ تصوف روحانی کا ایک نازک ترین مسئلہ ہے۔ یہیں سے کچھ لوگ زندیقی اور لامذہبی کے ایسے گہرے غار میں گرے کہ ہمیشہ کیلئے تہہ نشین ہو گئے اور بعض سمجھ دار آدمی ایسے اوج ترقی پر پہونچے کہ عرش آشیاں ہو کر بالآخر وحدت الوجود کے قائل بن گئے اسلام نے بچہ کے کان میں صرف اذان دیکر کتنی بہترین طریقہ سے ایسے باریک اور لاینحل مسئلہ کا انکشاف کیا ہے جس کے حل کے لئے بڑے بڑے فلاسفر اور دانشمند سر بگریبان تھے فاعتبروا یا اولی الابصار

عقیقہ کا فائیدہ

ایک فلسفی کے نقطہ نظر سے عقیقہ کیا ہے مسلمانوں کی ایک مذہبی رسم سنت رسول اللہ ملت اسلامیہ کا یہ رواج اور اجر عظیم حاصل کرنے کا ایک بہترین عمل یہ رسم

اسلام میں کیوں پیدا ہوئی کسی زندہ جانور کی خونریزی سے کیا فائدہ اور بے بس مجبور ذی حیاۃ پر یہ کھلا ہوا ظلم وستم کرنے کا کیا نتیجہ ہے اور یہ رسم کب سے دنیا میں ایجاد ہوئی کیا یہ طریقہ قدیم ہے یا مسلمانوں کی جدت طرازی اور ظلم پسندی ہے اس کیلئے ذیل کا مقالہ دیکھو۔

قربانی زندہ جانور کی قربانی بھینٹ اور نذر و نیاز کے ہر مدعی حقانیت مذہب میں موجود ہے جو ملت و مذہب آسمانی اور الٰہی ہونے کا دعویدار ہے اس کے لازم کردہ قوانین میں قربانی کا قانون ضرور ہے یہودیوں کے مذہب میں معمولی اور بالکل سطحی گناہ کی سزا بھی اسی قربانی کی شکل میں ادا کرنی پڑتی تھی گائے بکری وغیرہ کی قربانی علی الاعلان کی جاتی تھی دیکھو سفر التثنیہ ۲۴-۳۲-۲ اور سبعین ۲۸-۴۴ یہودیوں کے ہاں صرف جانوروں کی قربانی نہیں کیجاتی تھی بلکہ گناہوں کا کفارہ انسانی خون ریزی بلکہ خودکشی کی شکل میں بھی ادا کیا جاتا تھا شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ جب موسیٰؑ کے کوہ طور پر چلے جانے کے بعد سامری کے بہکانے سے بنی اسرائیل خدا واحد کو چھوڑ کر گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے اور حضرت ہارونؑ کا سب سمجھانا نصیحت کرنا رائیگاں گیا اور حضرت موسیٰؑ نے طور سے آکر یہ کیفیت دیکھی کہ جاہل قوم پھر باطل پرستی میں منہمک ہے اور ایک بے جان مورتی کے سامنے سربسجود ہے تو حضرت موسیٰؑ نے لوگوں کو فہمائش کی کہ یہ مخلوق ناکارہ مخلوق اس قابل نہیں کہ اسکی پرستش کیجائے پرستش کے لائق خدا واحد قدوس ہے لوگوں نے حضرت موسیٰؑ کا فرمان سنکر توبہ کی اور توبہ کے قبول ہونے کی صورت خدا تعالے نے یہ بتائی کہ ایک دوسرے کو باہم قتل کرو نہ باپ بیٹے کا لحاظ کرے نہ بیٹا باپ کا پاس نہ بھائی بھائی پر رحم کرے نہ کوئی دوست اپنے دوست کی ہمدردی۔ فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم ذٰلکم خیر لکم خدا سے توبہ کرو اور خود اپنے آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں ہزاروں اسرائیل مارے گئے یہ کیا تھا صرف گناہ کا کفارہ اور توبہ قبول ہوجانے کی صورت۔ عیسائیت کے پرستار گو قربانی نہیں کرتے نہ کسی جانور کی خون ریزی کو ثواب جانتے ہیں لیکن ان کے ہاں ایک اعلیٰ انسان بلکہ خدا کے بیٹے کی قربانی ہو گئی حضرت آدمؑ کے گناہ کا کفارہ ادا ہو گیا جانور نہ سہی آدمی کی قربانی ہوئی آدمی بھی

کون آدمی کامل یعنی کامل انسان بلکہ خدا کا بیٹا خدائی کا حصہ دار بہرحال عیسائیوں کے بانی مذہب نے اپنی جان خود قربان کردی اس سے بڑھکر اور کونسی قربانی ہو سکتی ہے۔
اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہندو دھرم میں بھی قربانی کی رسم ہمیشہ سے ہے بتوں اور دیوتاؤں کے نام پر قربانی کیجاتی ہے بھینٹ چڑہائی جاتی ہے پانی آگ ہوا بلکہ ہر ایک دیوتا کے لئے قربانی مذہب کے ایک بزرگ ترین فریضہ کی ادائیگی تصور کیجاتی ہے اب بھی ہندوؤں میں بعض قومیں اس رسم کے ادا کرنے میں سرگرم نظر آتی ہیں۔ بکری کے بچے اور بھیڑوں کی قربانی کیجاتی ہے اور اس سے مدعا محض یہ ہوتا ہے کہ معبود باطل اس قربانی سے تمتع اندوز اور فائدہ پذیر ہوتے ہیں غرض قربانی کی رسم ہر ملت و قوم میں موجود ہے اسلام نے بھی اسی قربانی کو جاری رکھا بعض بعض گناہوں کا کفارہ حج کے وقت ادا واجب کا طریقہ بیماری و مرض لاعلاج کے وقت دفع بیماری کا ذریعہ اور بچوں کی عمر میں برکت و حوادث و مصائب سے نگہداشت اور سب سے بڑھکر دوزخ سے نجات کا سبب اسی قربانی کو قرار دیا اور یہ شرط کردی کہ خدا اور صرف خدا کے نام پر قربانی کیجا سکتی ہے کسی کی جان عزیز کو اس مادی جسم سے علیحدہ کرنا بغیر نام خدا کے حرام ہے جب تک ذبح کرنے کے وقت خدا کا نام نہ لیا جائے قربانی مقبول نہیں بلکہ ناجائز ہے اور اس کا کل گوشت پوست حرام ہے پھر یہ بھی بیان کر دیا کہ انسان کو قربانی کسی صورت اور کسی حالت میں نہیں کیجا سکتی ان تمام باتوں کے باوجود ہم آئندہ بیان کریں گے صرف یہاں اس قدر بیان کرنا چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نذر نیاز غربا فقرا کی پرورش یتیموں مسکینوں کی ہمدردی گناہوں کا کفارہ نقد و جنس دینے اور دیگر ذرائع سے بھی ہو سکتا تھا مصائب و حوادث سے بچاؤ اور دوزخ سے نجات کی شکل صرف غیر جاندار مال دینے سے بھی ممکن تھی پھر کیوں قربانی پر اتنا زور دیا گیا اور جاندار کی خون ریزی جزو لازم قرار دیا اسکی وجوہ و علل بہت ہیں ہم ذیل میں صرف ایک سبب ذکر کرتے ہیں۔

قربانی کی حقیقی ضرورت اور عقیقہ کا فلسفہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ انسان جسم اور روح کے مرکب کا نام ہے انسان انہی دونوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیے کہ انسان مادی اور روحانی قوتوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

انسان میں ایک قوت سمجھنے سوچنے اور غور وخوض کرکے مختلف واقعات ومبادی کو مرکب کرکے نتیجہ نکالنے کے لئے ہے دوسرے مادی قوتیں اس کے تابع ہیں اور اسکے فعل وارادہ کو درجہ تکمیل تک پہونچانے کی کوشش کرتی ہیں انسان اگر کسی چیز کو پکڑنا چاہتا ہے تو دماغ کی سمجھنے اور ارادہ کرنے والی قوت سے اول اس فعل کا ارادہ کرتا ہے........ اور ارادہ کرنے کے ساتھہ ہی قوت عملیہ اس کے ارادہ کو پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے مرکز اعصاب میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے پٹھے ڈھیلے پڑتے ہیں اور ہاتھہ پھیلکر اس چیز کو پکڑ لیتا ہے اور پھر فوراً پٹھوں میں کھنچاؤ اور انقباض ہوتا ہے جس کی وجہ ہاتھہ سکڑ کر اس چیز کو لیکر اپنی جگہ پر آجاتا ہے میں اس وقت یہ مضمون تحریر کر رہا ہوں قلم میں روشنائی لیکر کاغذ پر لکھنا چاہتا ہوں دوسرے ہاتھہ سے کاغذ پکڑے ہوں میری قوت مدرکہ ان تمام افعال کا فوراً ارادہ کرتی ہے اور فاعلہ قوت دونوں ہاتھوں سے جداجدا کام لیتی ہے بائیں ہاتھہ کے اعصاب کو سخت کرکے کاغذ پکڑتی ہے اور دائیں ہاتھہ میں کبھی بسط پیدا کرتی ہے اور کبھی قبض یہ تمام افعال قوت فاعلہ کے ہیں۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ اب یہ سمجھ لینے کی ضرورت کہ قوت عقلیہ کے بہت سے افعال اور فرائض محض قوت فاعلہ کی مدد سے ہی انجام پذیر نہیں ہوتے ہیں بلکہ دیگر خارجی اور بیرونی اسباب کی بھی ضرورت پڑتی تھی مثلاً مجھے بمبئی جانا ہے اور میں اس کا ارادہ بھی کرتا ہوں لیکن میری قوت فاعلہ تنہا اس کام کے پورا کرنے سے قاصر ہے بلکہ اس کو اس خدمت کی سرانجام دہی اور تکمیل کے لئے دیگر بیرونی ذرائع کی بھی ضرورت ہے مثلاً روپیہ بقدر ضرورت موجود ہو تانگہ موٹر ریل وغیرہ بھی حکومت اور کوئی اور سبب بھی روکنے والا نہو گھر میں باہر اور راستہ میں کوئی دشمن بھی نہو یہ تمام ذرائع جب تک مہیا نہ ہوجائیں قوت فاعلہ اپنے افعال کی تکمیل اور فرائض کی ادائیگی سے قاصر ہے یہ اسباب کس طرح پیدا ہوں اور کس طرح موانع دفع ہوں اس کے حصول ودفع کے لئے ہم کو علیحدہ قوت مدرکہ اور فاعلہ کی کوششیں کرنی پڑتی ہیں شریعت اسلامی نے ہم کو اول حکم دیا کہ جس قدر بیرونی اسباب تمہاری ضرورت معاش کے لئے مددگار ہیں مثلاً

مال دولت نقد وجنس ان سب کو بنی نوع انسان کی ہمدردی اور خوشنودی خدا
کے لئے قربان کرو تاکہ تمہارے لئے نجات ابدی کا ذریعہ ہو لیکن گناہوں کے کفارہ کے
لئے صرف یہی قربانی کافی نہیں ہے کیونکہ گناہ کے درجات اور مراتب مختلف ہیں ایک
چھوٹا سا گناہ اور ایک عظیم الہیبت شرک الٰہی مساوات کا درجہ نہیں رکھ سکتے اور نہ
کوئی عقلمند ان کو برابر کہہ سکتا ہے لامحالا بیرونی اسباب کے علاوہ خود اپنے اندرونی
قوی کی قربانی کر دیعنی اپنی قوت فاعلہ کو خلاف قانون شریعت کبھی کام میں نہ لاؤ
شریعت کے دائرہ سے باہر نہ ہاتھ کو کام میں لاؤ نہ پاؤں کو نہ آنکھ کو نہ ناک کو نہ دیگر
جوارح کو بلکہ گناہوں کے کفارہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی قوت عقلیہ کو بھی
صحیح رکھو کوئی مضمون خلاف حکم الٰہی دماغ میں نہ لاؤ نہ کسی سے حسد کرو نہ بغض نہ کینہ
نہ عداوت نہ کسی کو ایذا رسانی کا خیال کرو قانون الٰہی کے خلاف کوئی ارادہ نہ کرو تب
تمہارے فرائض ادا ہوں گے لیکن چونکہ انسان کے گناہ کرنے کے وقت [illegible]
بھی شریک ہوتی ہے اور جسم بھی قوت عقلیہ بھی اور فاعلہ بھی لہذا لازم ہے کہ اس کی سزا
بھی دونوں اٹھائیں سزا اٹھانے کی کیا صورت ہے صرف یہ ہے کہ انسان اپنے آپکو
خود قتل کرڈالے یا دوسرے آدمی کے ذریعہ سے قتل کرا دے جیسے حضرت موسیٰ کی قوم کے لئے
قانون تھا لیکن خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کے لئے یہ سخت ترین سزا برداشت کرنے کا حکم
نہیں دیا بلکہ اس کا ایک بدل عطا کیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں کا اقرار کرے
اور یہ ظاہر کرے کہ الٰہی میری روح بھی گنہگار ہے اور جسم بھی اس کی توبہ میں تیرے سامنے
کرتا ہوں اور اس جانور کو ذبح کر کے اقرار کرتا ہوں کہ مجھے توبہ کرنے کے لئے اسی طرح
اپنا سلسلہ جسم وروح منقطع کرنا لازم تھا لیکن تیری مہربانی اور عطوفت عامہ سے
فائدہ اٹھا کر میں اس جانور کی روح اپنی روح کے گناہ کے عوض اور اس کا جسم اپنے
جسم کے گناہ کے عوض پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس طریقہ سے تو میری روح
اور جسم دونوں کو اپنے عذاب سے بچائے گا اور در حقیقت اس قربانی کا خون اور گوشت
پوست تیرے بیکار ہے نہ تجھے یہ پہونچتا ہے بلکہ اس فعل سے میرے تقوی اور خوف کا
مظاہرہ ہوتا ہے اقرار گناہ کا ایک عملی ثبوت ملتا ہے میں ہر وقت تیری مرضی حاصل
کرنے کے لئے اپنی روح اور جسم جسم کا گوشت پوست اور ہڈیاں قربان کرنے کیلئے

تیار ہوں اور مالی قربانی کے بعد انہی چیزوں کی قربانی کا درجہ ہے اس لئے تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ اپنے اس گندے بندہ کو جو سراسر گناہوں کی پوٹلی ہے دنیوی مصائب آفات حوادث سے بچا کر اس کی عمر اور جسمانی و روحانی قوتوں میں برکت عطا کرنا اور آخرت میں اپنے عذاب سے بچانا۔

تقریر مذکورۂ بالا سے غور کرنے والے حضرات نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ بچہ کا عقیقہ کرنے بلکہ عام قربانی کرنے میں کیا کیا فوائد ہیں یہ ممکن تھا کہ کسی مسکین محتاج کو مال دیکر اس کی امداد کر دی جاتی اور قربانی و عقیقہ کی رقم کسی کار خیر میں صرف کر دیجاتی لیکن یہ صرف مالی قربانی ہوتی جسمانی اور روحانی قربانی کا مظاہرہ نہ ہوتا اگرچہ مالی قربانی کے متعلق بھی اسلام میں کامل ترین ہدایات موجود ہیں لیکن اس ذبح حیوانی کا درجہ اس مالی قربانی سے بہت بلند ہے اسی وجہ سے تو رسول گرامی خواہ ابی و امی نے فرما دیا ہے کہ قربانی کے ہر بال کے بدلہ ایک نیکی مقرر ہے یہ کیوں صرف اس لئے کہ اس سے ذبح نفس کا مظاہرہ ہوتا ہے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے عزیز ترین فرزند کے قربان کرنے کا حکم ہوا کیونکہ اسمٰعیل حضرت ابراہیم کے روح اور جسم کا ایک جزو تھے جب حضرت ابراہیم اپنے لخت جگر بلکہ پارۂ روح کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے تو خدا تعالیٰ نے اسمٰعیل کی بجائے مینڈھے کی قربانی کرا دی کیونکہ خدا کو نہ مینڈھے کی ضرورت تھی نہ حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرانے کی بلکہ یہ تو حضرت ابراہیم کے تقوی، خدا ترسی اور ذبح نفس کی آزمائش تھی جب حضرت ابراہیم اس میں پورے اترے اور رضاء الٰہی کے حصول میں ذرہ برابر تامل نہ کیا تو خداوندی ابتلا ختم ہو گیا اور بجائے اسمٰعیل کے مینڈھے کو ذبح کرا دیا سچ ہے کہ خدا کو نہ قربانی کا گوشت پہونچتا ہے نہ خون بلکہ تمہارا تقوی پہونچتا ہے حاصل کلام یہ کہ ایک مسلمان اپنے بچہ کی بجائے بکری قربان کرتا ہے اور یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ میں اپنے اور اپنے بچہ کو عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے ہر قسم کی روحانی اور جسمانی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوں گوشت پوست ہڈی پٹھے سوچنے سمجھنے اور کام کرنے کی قوتیں سب رضاء مولا پر قربان ہیں ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الالباب۔

شگون

نیک فال

حضور اقدس نے ارشاد فرمایا ہے کہ شگون بد کوئی چیز نہیں ہاں نیک فال بہتر ہے یہ مصابیح کی صحیح حدیث ہے حضرت ابوہریرہ اس کے راوی ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ شگون عمل کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں بہتری کی کوئی بات نہیں ہے بہتری صرف نیک فال یعنی کلمۂ خیر میں ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بدشگون شرک کی بات ہے یعنی یہ مشرکوں اور کافروں کا کام ہے بات یہ ہے کہ کفار مختلف طریقوں سے شگون لیا کرتے اور نیک فالی و بدفالی کا معیار ان کے نزدیک علیحدہ علیحدہ تھا اور اب بھی ہے رسولوں کے پیدا ہونے کو جانوروں کے بولنے بعض جانوروں کی سکونت کو بعض تاریخوں اور بعض مہینوں کو منحوس جانتے تھے صفر کا مہینہ خصوصیت کے ساتھ منحوس خیال کیا جاتا تھا اور آج کل بھی اکثر پڑھے لکھے آدمی صفر کے مہینہ کو نامبارک خیال کرتے ہیں اس مہینہ میں سفر کرنا نکاح کرنا مناسب نہیں جانتے منگل اور جمعرات کو سفر نہیں کرتے حالانکہ یہ سب کفار کا دستورالعمل اور رسم و رواج ہے علاوہ نقل کے عقل بھی ہم کو بتاتی ہے اور صحیح حواس رکھنے والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ زمانہ کے بعض حصہ منحوس اور بعض حصے مبارک ہوں اس کی کوئی وجہ نہیں زمانہ ایک ممتد وقت کا نام ہے جس کی مقدار ستاروں کی حرکت سے معلوم ہوئی رات دن وہی چوبیس گھنٹہ کا ہے اور رہیگا نہ کوئی ستارا منحوس ہے نہ اس کی کوئی حرکت ہماری تقدیر اور حیات دنیوی پر اثر انداز ہو سکتی ہے نحوست صرف بداعمالی اور گناہ سے پیدا ہوتی ہے اسی سے خدا اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے خدا کی نافرمانی ہی موجب وبال ہے۔ عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ انسان کی نحوست اور برکت اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان سے ہی نحوست یا برکت کے اسباب پیدا ہوتے ہیں ابن مسعود سے بھی اسی کے قریب قریب روایت ہے صرف الفاظ میں فرق ہے ابن مسعود فرماتے ہیں

اگر بالفرض کسی چیز میں نحوست ہے تو اس میں ہے جو دونوں جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا نحوست صرف بد اخلاقی ہی کا نام ہے کفار کا یہ بھی دستور تھا کہ رمل کے ذریعہ یا کنکریاں یا جَو کے دانے پھینک کر یا نجوم کا حساب لگا کر کسی چیز کی نحوست یا برکت کا حکم دیتے تھے یہ سب لغو چیز ہے شریعت اسلامیہ میں اس سب کی ممانعت ہے اور اسی میں وہ فال بھی داخل ہے جو عام طور پر لوگ قرآن یا حضرت دانیال کے فالنامہ سے لیتے ہیں یہ شرعی فال نہیں ہے جس کو محمود کہا گیا ہے بلکہ یہ علم اسی میں مداخلت کرنا ہے شرع میں جو فال محمود ہے کہ کسی کلمۂ خیر سے برکت لیجائے۔ مثلاً سفر کو جاتے وقت کسی شخص سے یا راشد یا اسی قسم کا کوئی لفظ سُن لیا اور اس سے اپنی کامیابی پر استدلال کیا تو محمود ہے حضرت انس کی روایت میں صاف موجود ہے کہ رسول اللہ کسی کام کو جاتے وقت اگر یا نجیح یا راشد سن لیتے تو بہت خوش ہوتے تھے صلعم یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ فال کو پسند فرماتے تھے اور تطیّر (بدشگونی) کو برا جانتے تھے علماء نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ شگون بد لینے میں غیب میں مداخلت خدا تعالیٰ سے بدگمانی اور نزول بلا کی توقع ہوتی ہے اس لئے حضور اقدس اس کو برا جانتے تھے اور نیک فال میں نہ تو غیب میں مداخلت ہے نہ خدا سے بدگمانی نہ نزول بلا سے توقع بلکہ اس میں صرف خیر کی خواستگاری اور خدا سے نیک گمان اور حصول مراد کی امید ہوتی ہے کیونکہ کسی سبب کے ہوتے ہوئے اگر خدا تعالیٰ سے نیکی بھلائی اور حصول نعمت کی آرزو کیجائے تو یہ بہتر ہے اور اگر خدا تعالیٰ سے اپنی امید وابستہ نہ رکھے تو یہ برا ہے مصنف نصاب الاحتساب کہتا ہے کہ اگر کوئی آدمی سفر کو نکلے اور کوا بول اٹھے اور یہ شخص سفر کو موقوف کر دے تو بعض مشائخ کے نزدیک یہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔ محیط میں ہے کہ اُلّو کے بولنے کی وجہ سے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بیمار مر جائیگا تو بعض مشائخ کے نزدیک یہ شخص کافر ہو جاتا ہے رسول اللہ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ اگر نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہو سکتی تھی مکان گھوڑا عورت۔ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام ہر توہم پرستی اور علم بالغیب میں مداخلت کرنے کا روادار نہیں ہے تمام چیزوں کی باگ ڈور خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے کوئی چیز منحوس نہیں پرندوں کی پرواز

ص ۴۰۷ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ نیک فال لیتے تھے اور بد فال کو مکروہ سمجھتے تھے

یا کہیں سکونت وحشی جانوروں کی دوڑ بندر سُوّر وغیرہ کا صبح صبح سامنے آجانا دکاندار کا صبح ہی صبح سب سے پہلے گاہک سے سودا طے نہ ہونا بوہنی نہ ہونا ماہ صفر کی نحوست قرآن کی دیوان حافظ کی اور دیگر فالناموں کی فال اسلام کے نزدیک بالکل شرک آمیز حرکات ہیں ان چیزوں میں نفع و ضرر کی طاقت نہیں۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا جو شخص شگون بد کی وجہ سے کاروبار سے رک جائے وہ مشرک ہے صحابہ نے عرض کیا حضور پھر اس کا اتار اور کفارہ کیسے ہو سکتا ہے فرمایا یہ کہا جائے الٰہی جو تیری طرف سے بدشگونی ہے وہی بدشگونی ہے اور کوئی بدشگونی نہیں تیری خیر کے سوا کوئی خیر نہیں اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں یہ کہکر اپنے کام کو چلا جائے۔ ایک اور حدیث میں بروایت حضرت ابن مسعود وارد ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا فال بد شرک ہے لہذا ہر وہ شخص جس کا خدا اور رسول پر ایمان ہے خوب سمجھ لے کہ سوا خدا تعالیٰ کے اور کوئی قادر نہیں حاکم نہیں مؤثر نہیں موجد نہیں معبود و خالق و مسبب نہیں وہ واحد لاشریک ہے قادر مطلق ہے اشیاء میں تاثیرات پیدا کرنے والا ہے نحوست و برکت کا خالق اور تمام چیزوں کا مالک ہے اس کی تقدیر اس کا حکم اس کی قضا اس کی مشیت سب پر غالب ہے لا الہ الا اللہ دن رات اسکے بنائے ہوئے آسمان زمین اس کے پیدا کئے ہوئے چرند پرند درند اور دنیا کی کل چیزیں اسی کی ذات واحد سے وابستہ اور اسی کے مطیع فرمان ہیں انہیں خود نہ کوئی تاثیر ہے نہ ہو سکتی ہے۔

مُصافحہ کرنے کا بیان

(بقیہ صفحہ ۱۰۱۹ سے آگے)

مصافحہ کرنیکی کیفیت طریقہ اور فائدہ۔ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے دونوں کے گناہ بخشدیئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں اتنا زائد ہے کہ جو دو مسلمان باہم ہیں مصافحہ کریں خدا کی حمد کریں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگیں تو ان کی بخشش ہوجاتی ہے یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے حضرت براء بن عازب اسکے راوی ہیں درحقیقت مصافحہ کرنا سلام علیک کا تتمہ اور تکمیل ہے حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا تمہارے آپس کے سلام مصافحہ کرنے سے کامل اور پورے ہوجاتے ہیں مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ مسلمانوں کے لئے بہت ضروری چیز ہے اس سے آخرت میں گناہوں کی بخشش اور دنیا میں ہمدردی حسن سلوک خوش اخلاقی اور مساوات کا مظاہرہ ہوتا ہے ادنیٰ اعلیٰ دولت افلاس اور عزت وذلت کا باہمی امتیاز زائل ہوجاتا ہے کمزور طبقہ والے کا بڑے آدمی سے مصافحہ کرکے دل خوش ہوجاتا ہے اور اس کی عزت وامتیاز کا باعث ہوتا ہے اور بڑے آدمی کے وسعت اخلاق جذبہ مواسات اور اسلامی مساوات کا اظہار ہوتا ہے مصافحہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے کیا جائے اور اس طرح کیا جائے کہ دونوں کے ہاتھوں کی گدیاں باہم ملجائیں۔ لیکن مصافحہ کس وقت کرنا مسنون ہے اور کس وقت بدعت ہے تو اس کے لئے ذیل کا مقالہ پڑھو۔

خلاف سنت مصافحہ۔ مسنون مصافحہ صرف ملاقات کے وقت ہے باقی نماز جمعہ نماز عیدین اور پنجگانہ نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا بدعت ہے اور دین میں یہ جدت طرازی ہے نبیؐ سے ایسا مصافحہ مروی نہیں ہے۔ حنفی شافعی اور مالکی وغیرہ نے اس کے بدعت ہونے کی تصریح کردی ہے ابن الحاج نے مدخل میں بیان کیا ہے کہ لوگوں نے جو مصافحہ نماز صبح نماز جمعہ نماز عیدین اور دیگر نمازوں کے بعد ایجاد

کو رد کیا ہے یہ سب بدعت ہے شرع میں مصافحہ کا موقعہ صرف مسلمان بھائی سے ملاقات کرنے کے وقت رکھا گیا ہے امام نووی نے بھی یہی کہا ہے کہ لوگوں نے جو نماز فجر و نماز عصر کے بعد مصافحہ کرنے کی عادت ڈال لی ہے شرع میں اس کی اس طور پہ کوئی اصل نہیں۔

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ